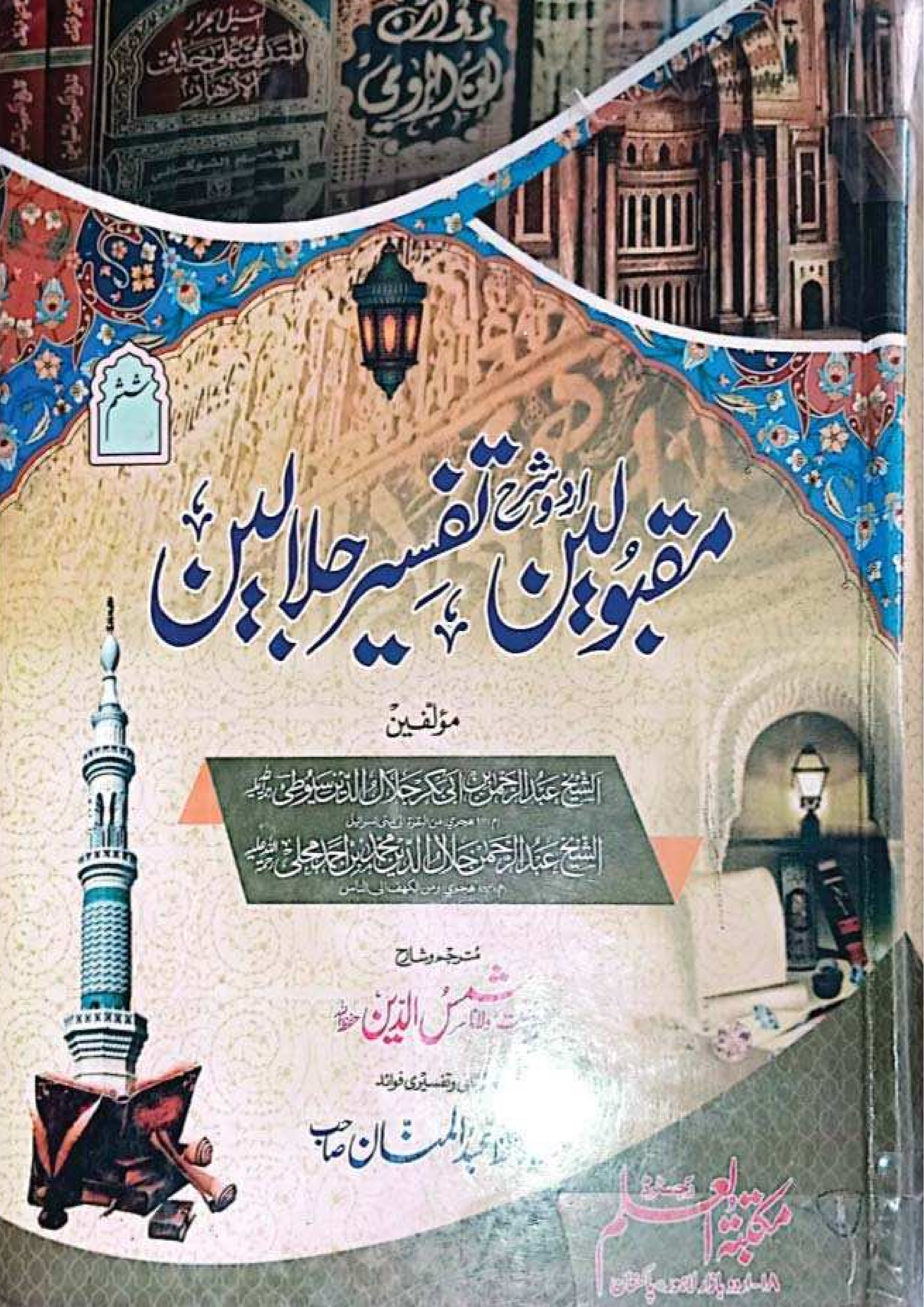
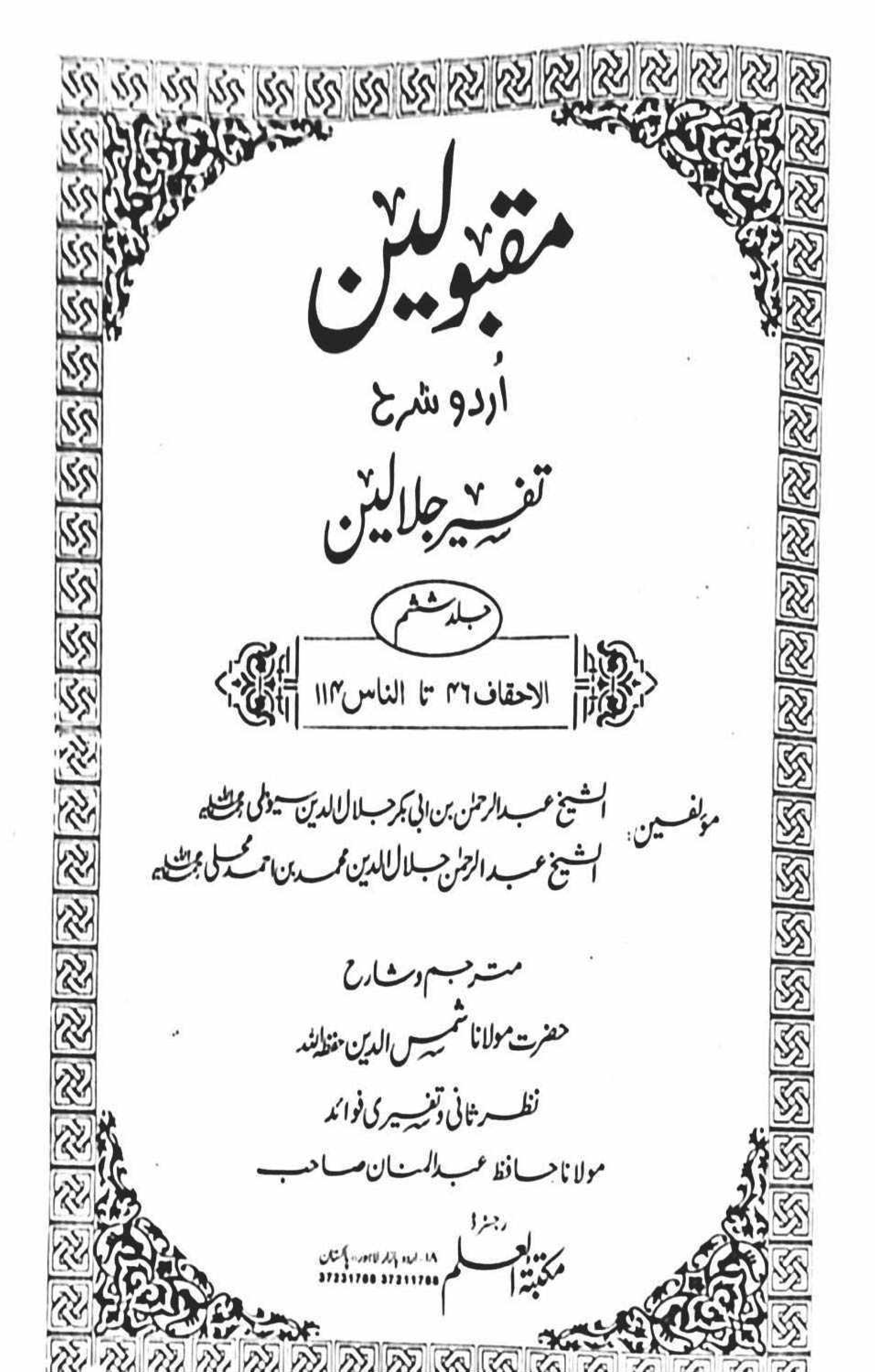

ششم
مقبولین اردو شرح تفسیر جلالین
مؤلفین
الشیخ عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ
الشیخ عبدالرحمن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمہ اللہ
مترجم وشارح
شمس الدین حفظہ اللہ
وتفسیری فوائد
المنان صاحب
مکتبۃ العلم



مقبولین

اُردو شرح

تفسیر جلالین

جلد ششم

الاحقاف ۴۶ تا الناس ۱۱۴

مؤلفین: الشیخ عبد الرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ

الشیخ عبد الرحمٰن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمہ اللہ

مترجم و شارح

حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

نظر ثانی و تفسیری فوائد

مولانا حافظ عبد المنان صاحب

رجسٹرڈ

مکتبۃ العلم

۱۸۔ اردو بازار لاہور، پاکستان

37231700 37311700

بسم اللہ الرحمن الرحیم



مکتبۃ العلم (رجسٹرڈ)

نام کتاب: مقبولین اردو شرح جلالین جلد ششم

مؤلفین: الشیخ عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ
الشیخ عبدالرحمن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمہ اللہ

شارح: حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

ناشر: مکتبۃ العلم (رجسٹرڈ)

مطبع: تایا سنز پرنٹرز

طابع: خالد مقبول

رحمٰن کمپنی الحمد مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اردو بازار لاہور پاکستان ☎ 37241788

مکتبہ جویریہ ۱۸۔ اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان ☎ 37211788

مکتبہ رحمانیہ اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ ☎ 37224228

مکتبہ علوم اسلامیہ اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ☎ 37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح واصلاح کے لئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

قٓ

عنوان	صفحہ

الذّٰرِیٰت

پارہ: ۲۷

الطُّور

عنوان	صفحہ

النجم

القمر

الرحمٰن

عنوان	صفحہ

الممتحنۃ

الصّف

الجمعۃ

عنوان	صفحہ

المنافقون

التغابن

الطلاق

التحریم

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

پارہ: ۲۹

الملک

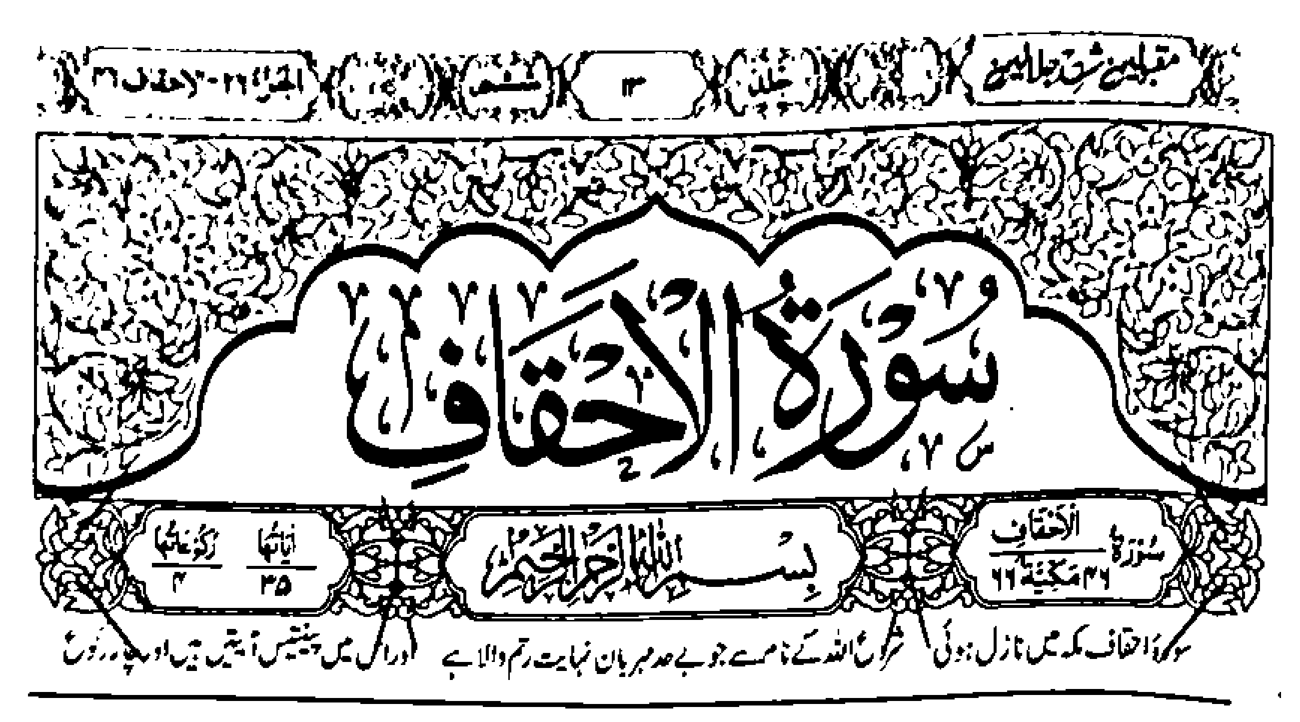
القلم

الحاقۃ

المعارج

نوح

الجن



سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللهِ الْاٰيَةُ وَاِلَّا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ الْاٰيَةُ وَاِلَّا وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ الثَّلَاثُ اٰيَاتٍ وَهِيَ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

حٰمٓ ۚ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَأٌ مِنَ اللهِ خَبَرُهٗ الْعَزِيْزِ فِيْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمِ ۝ فِيْ صُنْعِهٖ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا خَلْقًا بِالْحَقِّ لِيَدُلَّ عَلٰى قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اِلٰى فَنَائِهِمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّا اُنْذِرُوْا خُوِّفُوْا بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ مُعْرِضُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اَخْبِرُوْنِيْ مَّا تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَيِ الْاَصْنَامِ مَفْعُوْلٌ اَوَّلُ اَرُوْنِيْ اَخْبِرُوْنِيْ تَاكِيْدٌ مَاذَا خَلَقُوْا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ مِنَ الْاَرْضِ بَيَانٌ مَا اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ مُشَارَكَةٌ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ مَعَ اللهِ وَاَمْ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مُنَزَّلٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ اَوْ اَثٰرَةٍ بَقِيَّةٍ مِّنْ عِلْمٍ يُؤْثَرُ عَنِ الْاَوَّلِيْنَ بِصِحَّةِ دَعْوَاكُمْ فِيْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ اَنَّهَا تُقَرِّبُكُمْ اِلَى اللهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فِيْ دَعْوٰكُمْ وَمَنْ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَيْ لَا اَحَدَ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا يَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَيْ غَيْرِهٖ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الْاَصْنَامُ لَا يُجِيْبُوْنَ عَابِدِيْهِمْ اِلٰى شَيْءٍ يَسْاَلُوْنَهٗ اَبَدًا وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ عِبَادَتِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ لِاَنَّهُمْ جَمَادٌ لَا يَعْقِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا اَيِ الْاَصْنَامُ لَهُمْ لِعَابِدِيْهِمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ بِعِبَادَةِ عَابِدِيْهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ جَاحِدِيْنَ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اَيْ اَهْلِ مَكَّةَ اٰيٰتُنَا الْقُرْاٰنُ بَيِّنٰتٍ ظَاهِرَاتٍ حَالٌ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

لِلْحَقِّ اَیِ الْقُرْاٰنِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ اَمْ بِمَعْنٰى بَلْ وَهَمْزَةُ الْاِنْكَارِ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ اَیِ الْقُرْاٰنَ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَرْضًا فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ شَيْـًٔا ؕ اَیْ لَا تَقْدِرُوْنَ عَلٰى دَفْعِهٖ عَنِّیْ اِذَانْ عَذَّبَنِی اللّٰهُ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ تَقُوْلُوْنَ فِی الْقُرْاٰنِ كَفٰى بِهٖ تَعَالٰى شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ لِمَنْ تَابَ الرَّحِيْمُ ۝ بِهٖ فَلَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا بَدِيْعًا مِّنَ الرُّسُلِ اَیْ اَوَّلَ مُرْسَلٍ قَدْ سَبَقَ مِثْلِیْ قَبْلِیْ كَثِيْرٌ مِنْهُمْ فَكَيْفَ تُكَذِّبُوْنَنِیْ وَمَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ؕ فِی الدُّنْيَا اُخْرِجُ مِنْ بَلَدِیْ اَمْ اُقْتَلُ كَمَا فُعِلَ بِالْاَنْبِيَاءِ قَبْلِیْ اَوْ تَرْمُوْنَ بِالْحِجَارَةِ اَمْ يُخْسَفُ بِكُمْ كَالْمُكَذِّبِيْنَ قَبْلَكُمْ اِنْ مَا اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَیَّ اَیِ الْقُرْاٰنَ وَلَا اَبْتَدِعُ مِنْ عِنْدِیْ شَيْئًا وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ بَيِّنُ الْاِنْذَارِ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اَخْبِرُوْنِیْ مَاذَا حَالُكُمْ اِنْ كَانَ اَیِ الْقُرْاٰنُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ جُمْلَةٌ حَالِيَّةٌ وَّ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ عَلٰى مِثْلِهٖ اَیْ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَاٰمَنَ الشَّاهِدُ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ تَكَبَّرْتُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ وَجَوَابُ الشَّرْطِ بِمَا عَطَفَ عَلَيْهِ اَلَسْتُمْ ظَالِمِيْنَ دَلَّ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ع ۱۰

ترجمہ: حٰمٓ ۔ (اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی بخوبی جانتا ہے) یہ کتاب زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں حکمت کے ساتھ پیدا کیا (تاکہ ان میں سے ہر ایک ہماری قدرت ووحدانیت پر دلالت کرے) اور ایک میعاد معین کیلئے (قیامت میں ان کے فنا ہونے تک) اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے (عذاب سے خوف زدہ کیا جاتا ہے) وہ اس سے بے رخی کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ (مجھ سے کہو کہ) جن چیزوں کی تم عبادت (بندگی) کرتے ہو۔ اللہ کے علاوہ (یعنی بتوں کی یہ مفعول اول ہے) مجھ کو یہ دکھلاؤ (بتلاؤ۔ یہ تاکید ہے) کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے (مفعول ثانی ہے) زمین (یہ بیان ہے ما کا) یا ان کا آسمانوں (کے پیدا کرنے) میں ساجھا (شرکت) ہے (خدا کے ساتھ۔ ام بمعنی ہمزہ انکار ہے) میرے پاس کوئی کتاب جو اس کتاب سے پہلے کی ہو یا کوئی اور علمی مضمون منقول لاؤ (جو پہلے لوگوں سے نقل ہوا ہو۔ جس سے تمہارے اس دعویٰ کی تصدیق ہو کہ بت پرستی اللہ سے تم کو قریب کر دیتی ہے) اگر تم سچے ہو (اپنے دعویٰ میں) اور اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہوگا (استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی کوئی نہیں) جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود غیر اللہ کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے (یعنی بت جو اپنے عبادت گزاروں کو کسی بات کا جواب بھی قیامت تک نہیں دے سکتے) اور ان کو ان کے پکارنے (پوجا پاٹ کرنے) کی بھی خبر

نہ ہو (کیونکہ وہ محض بے جان ہیں سمجھتے نہیں) اور جب سب آدمی جمع کئے جائیں تو وہ (بت) ان (پجاریوں) کے دشمن ہو جائیں اور ان (پجاریوں) کی بندگی ہی کا انکار کر بیٹھیں اور جب لوگوں (مکہ والوں) کے سامنے پڑھی جاتی ہیں ہماری آیتیں (قرآن کی) کھلی کھلی (واضح یہ حال ہے) تو (ان میں سے) منکر لوگ کہنے لگتے ہیں اس سچی بات (قرآن) کی نسبت جب کہ وہ ان تک پہنچتی ہے کہ یہ صریح (کھلم کھلا) جادو ہے۔ کیا (بل اور ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (قرآن کو) اپنی طرف سے گھڑلیا ہے، آپ کہہ دیجئے اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہوگا (بالفرض) تو پھر تم لوگ مجھے اللہ (کے عذاب) سے ذرا بھی نہیں بچاسکتے (یعنی اللہ اگر مجھے عذاب دینے لگے تو کون بچاسکتا ہے) وہ خوب جانتا ہے تم اس کی نسبت جو جو باتیں بنارہے ہو (یعنی قرآن کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہو) میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے اور بڑی مغفرت والا (توبہ کرنے والوں کیلئے) بڑی رحمت والا ہے (ان پر اس لئے تمہیں جلد سزا نہیں دیتا) آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں (یعنی نیا۔ پہلا پہل، بلکہ مجھ سے پہلے بہت سے نبی آچکے ہیں پھر میری تکذیب تم کیسے کررہے ہو) اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ تمہارے ساتھ جانتا ہوں (دنیا میں رہتے ہوئے۔ کہ آیا مجھے دیس نکالا دیا جائے گا یا مارا جاؤں گا۔ جیسے مجھ سے پہلے انبیاء شہید کئے گئے، اسی طرح تم پر پتھراؤ کیا جائے گا یا زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے اپنے پچھلوں کی طرح) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ آتا ہے (یعنی قرآن کی پیروی۔ میں اپنی طرف سے کچھ بھی بناوٹ نہیں کررہا ہوں) اور میں تو صرف (واضح طور پر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھے یہ بتلاؤ (تمہاری حالت کیا ہوگی) اگر یہ (قرآن) منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر (جملہ حالیہ ہے) اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ (یعنی عبداللہ بن سلام) اس جیسی کتاب پر (یعنی اس کتاب پر کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے) یہ ایمان لے آئے (وہ گواہ) اور تم تکبر ہی میں رہو (ایمان سے روگردانی کرو اور جواب شرط اس پر معطوف ہے یعنی الستم ظالمین چنانچہ اگلا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا) بے شک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِالْحَقِّ: باالصاق کے لیے ہے ای متلبسا بالحق، حق وہ ہے جو حکمت وعدل کے عین مطابق ہو۔

قوله: اَجَلٍ مُّسَمًّى: جس پر تمام چیزوں کی انتہاء ہو اور وہ قیامت کا دن ہے۔

قوله: يُؤْثَرُ: نقل و روایت ہو، باقی رہنا۔

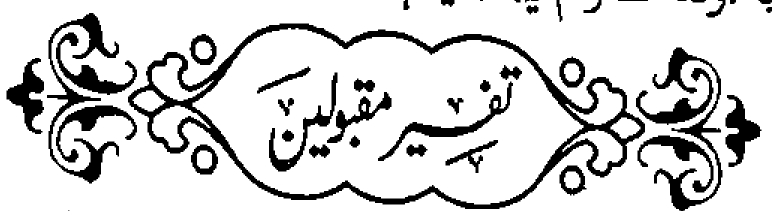
قوله: جَاحِدِيْنَ: زبان حال یا زبان قال سے۔

قوله: لِلْحَقِّ: لام اجلیہ ہے۔ اور حق سے مراد آیات ہیں اور اسے ضمیر کی جگہ لائے اور الذین کفروا کو ضمیر کی جگہ لائے، جن پر قرآن پڑھا جاتا ہے تاکہ ان آیات پر حق اور ان لوگوں پر کفر کا استحالہ کیا جائے۔

قوله : يَقُوْلُوْنَ: آپ کی مذمت میں وہ کہتے ہیں۔

قوله :فَلَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ: باوجود یکہ تمہارا جرم بہت بڑا ہے۔

قوله :جُمْلَةٌ حَالِيَةٌ : وقد كفرتم یہ جملہ حالیہ ہے۔



حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اسی روایت کے پیش نظر اکثر مفسرین نے اس کو مکیہ قرار دیا ہے اور جملہ آیات کے بارہ میں بغیر کسی استثناء کے ان کی یہی رائے ہے،

بعض مفسرین قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی طبرانی عوف بن مالکؓ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کے قصہ میں نازل ہوئی ہے امام بخاری مسلم نسائی ابن جریر باسناد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے کسی بھی ایسے شخص کے بارہ میں جو زمین پر چلتا ہو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ یہ شخص اہل جنت میں سے ہے سوائے عبداللہ بن سلامؓ کے اور انہی کے متعلق قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں: " وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ " اور عبداللہ بن سلامؓ کے اسلام لانے کا واقعہ مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔

بعض مفسرین نے مکی آیات میں سے اس آیت کو بھی مستثنیٰ کیا ہے: " والذی قال لوالدیه اف لکما " مروان نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ کہا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ وہ اسلام لانے سے اعراض کر رہے تھے اور ان کے والدین ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے تو حضرت عائشہؓ نے اس کی بڑی سختی کے ساتھ تردید کی اور فرمایا کہ یہ آیت تو ابو مروان کے متعلق نازل ہوئی تھی جبکہ مروان اس کی پشت میں تھا اس سورت کے زیادہ تر مضامین دلائل قدرت، قرآن کریم کی حقانیت اور اثبات حشر و نشر پر مشتمل ہیں۔

سورۃ احقاف کا نام اس مناسبت سے ہے کہ اس سورت میں قوم عاد کا ذکر ہے جن کی سرکشی اور نافرمانی کے باعث عذاب خداوندی نے انکو ہلاک و تباہ کیا تو ان کی بستیاں سرزمین یمن کے علاقہ ''احقاف'' میں تھیں جیسے کہ ارشاد ہے: " واذکر اخاعا د اذ انذر قومه بالاحقاف " اس سورت کی ابتداء قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کے بیان سے ہے پھر شرک و بت پرستی کا رد ہے اور منکرین کے شبہات کا رد اور دلائل کے ساتھ حقانیت قرآن کو ثابت کیا گیا پھر انسانی زندگی کے دونوں رخ ہدایت و گمراہی کے بیان کیے گئے اخیر میں حضرت ہود علیہ السلام اور انکی قوم عاد کا قصہ ہے اور انکی ہلاکت کا بیان ہے اس طرح اس سورت کے مضامین گزشتہ سورت کے مضامین کے ساتھ مربوط ہیں۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا ....

مشرکین کے باطل معبودوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا وہ جن کو پکارتے ہیں قیامت تک بھی جواب نہ دینگے!

یہاں سے سورۂ احقاف شروع ہو رہی ہے اس سورت کے تیسرے رکوع میں احقاف کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت اس نام سے موصوف اور مشہور ہوئی اس آیت میں تنزیل قرآن اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ ان سب کی تخلیق حکمت کے ساتھ ہے اور اجل مسمّی یعنی مقررہ وقت تک کے لیے ہے جب مقررہ میعاد پوری ہو جائے گی تو یہ چیزیں فنا ہو جائیں گی قال فی معالم التنزیل : یعنی یوم القیامة وهو الاجل الذی تنتهی الیه السمٰوٰت والارض، وهو اشارة الٰی فنائها (معالم التنزیل میں ہے ''یعنی قیامت کا دن ہی وہ مقررہ وقت ہے جس پر آسمان وزمین اپنی انتہاء کو پہنچ جائیں گے اور یہ ان کے فناء ہونے کا اشارہ ہے'') یہ سب کچھ تو توحید کے دلائل میں سے ہے اس کے بعد مشرکین کی حماقت اور ضلالت بتائی کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے ان چیزوں کو پکارتے ہیں جو قیامت تک ان کا جواب نہیں دے سکتیں بلکہ انہیں خبر بھی نہیں ہے کہ ہمیں کوئی پکار رہا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ....

جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں اپنی حاجات کے لیے پکارتے ہیں ان سے دریافت کیجیے کہ بتاؤ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا؟ کیا زمین کا کوئی حصہ انہوں نے پیدا کیا ہے یا زمین میں جو چیزیں ہیں ان میں سے کوئی چیز پیدا کی ہے۔ آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں کیا ان کا آسمانوں میں کوئی ساجھا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ نہ انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا اور نہ آسمانوں میں ان کی شرکت ہے پھر وہ لائق عبادت کہاں سے ہو گئے؟ ان میں سے کوئی خالق نہیں اس کو تو تم بھی مانتے ہو اور خالق تعالیٰ شانہٗ کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرنا بہت بڑی حماقت ہے اس کو تو تمہاری عقل بھی تسلیم کرے گی اگر اسے کام میں لاؤ گے، عقل کے علاوہ کسی بات کے ماننے کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی کتاب ہو جو قرآن سے پہلے تمہارے پاس آئی ہو جس نے غیر اللہ کی عبادت کی تعلیم دی ہو یا تمہارے پاس کوئی بات اکابر واسلاف سے نقل در نقل پہنچی ہو جس نے شرک کی تعلیم دی ہو ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے بھی کوئی بات نہیں ہے پھر شرک کرنا انتہاء درجہ کی گمراہی ہوئی یا نہیں۔ قولہ تعالیٰ: اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ فی معالم التنزیل ای بقية من علم یوثر عن الاولین ای یسند الیهم قال مجاهد وعکرمة ومقاتل روایة عن الانبیاء وقال قتادة خاصة من علم واصل الکلمة من الاثر وهو الروایة (معالم التنزیل میں ہے ''یعنی باقی رہا ہوا علم جو پہلے لوگوں سے روایت کیا جائے یعنی جس کی سند اولین تک پہنچی ہو عکرمہ، مجاہد اور مقاتل نے کہا مراد ہے انبیاء کرام سے روایت، قتادہ کہتے ہیں مخصوص علم اور اس کلمہ کی اصل اثر سے ہے جو کہ روایت ہی کو کہتے ہیں۔)

اس کے بعد فرمایا: وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ .... (اور جب قیامت کے دن لوگ جمع کیے جائیں گے تو یہ عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کے دشمن ہو جائیں گے یہ مفہوم اس صورت میں ہے جبکہ: کَانُوْا کی ضمیر مرفوع عَابِدِیْنَ کی طرف اور لَهُمْ کی ضمیر معبودین کی

طرف راجع ہو اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس کا عکس مراد ہو اور مطلب یہ کہ معبودین اپنے عابدوں کے دشمن ہو جائیں جیسا کہ سورۂ قصص میں ہے: تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ.

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ .....

اس سے ہٹ دھرم منکرین و کفار کے عناد اور ہٹ دھرمی کا ایک اور نمونہ اور مظہر سامنے آتا ہے کہ جب ان کو راہ حق و ہدایت سے متعلق ایسی کھلی اور واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن سے توحید خداوندی اور قیامت و آخرت سے متعلق وہ حقائق پوری طرح واضح ہو جاتے ہیں۔ جن کی تعلیم اور دعوت قرآن دیتا ہے، اور قرآن کی دعوت اور اسکے دلائل کا جب ان سے کوئی جواب نہیں بن سکتا، اور اسکی تاثیر و تسخیر کو ماننے بغیر جب ان کیلئے کوئی چارہ باقی نہیں رہتا، تو یہ لوگ بجائے اسکے کہ اس کی عظمت و صداقت کے آگے جھک جاتے، اور اسکی دعوت حق و صدق کو صدق دل سے اپنا کر اپنے لئے دارین کی سعادت و سرخروی سے سرفرازی کا سامان کرتے۔ یہ الٹا اسکے لئے کہتے ہیں کہ یہ تو ایک جادو ہے کھلم کھلا۔ اور لَمَّا جَاءَهُمْ کی تصریح سے ان کے اس فعل انکار و تکذیب کی شناعت کو اور زیادہ واضح فرما دیا گیا کہ ان لوگوں نے اپنی بدبختی سے اسکو جادو اس وقت قرار دیا جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ گیا، یعنی حق کے بارے میں کوئی غلط فہمی اگر اس وقت ہو جبکہ وہ ان کے پاس آیا نہ ہو، تو اس کے لئے پھر بھی کسی عذر کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے آجانے کے بعد اس کے انکار کی شناعت اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ ایسے میں یہ بات دیکھنے کے بعد کھڈے میں گرنے کے مترادف ہے۔ اور اس طرح ایسے لوگ خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی محرومی کا سبب بنتے ہیں، جس سے ان کا جرم دوہرا اور ڈبل ہو جاتا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ

یعنی جادو کہنے سے زیادہ قبیح و شنیع ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید آپ خود بنا لائے ہیں اور جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ ....

یعنی خدا پر جھوٹ لگانا انتہائی جرم ہے اگر بفرض محال میں ایسی جسارت کروں تو گویا جان بوجھ کر خود کو اللہ کے غضب اور اس کی سخت ترین سزا کے لیے پیش کر رہا ہوں۔ بھلا خیال کرو جو شخص ساری عمر بندوں پر جھوٹ نہ لگائے اور ذرا ذرا سے معاملہ میں اللہ کے خوف سے کانپتا ہو، کیا وہ ایک دم بیٹھے بٹھائے اللہ پر جھوٹ طوفان باندھ کر اپنے کو ایسی عظیم ترین آفت و مصیبت میں پھنسائے گا۔ جس سے بچانے والی اور پناہ دینے والی کوئی طاقت دنیا میں موجود نہیں۔ اگر میں جھوٹ سچ بنا کر فرض کرو تمہیں اپنا تابع کر لوں تو کیا تم خدا کے غضب و قہر سے جو جھوٹے مدعیان نبوت پر ہوتا ہے، مجھ کو نجات دے سکو گے؟ اور جب اللہ مجھ کو برائی پہنچانا چاہے گا تم میرا کچھ بھلا کر سکو گے؟ آخر میرے چہل سالہ حالات و سوانح سے اتنا تو تم بھی جانتے ہو کہ میں اس قدر بے خوف اور بیباک نہیں ہوں اور نہ ایسا بے عقل ہوں کہ بعض انسانوں کو خوش کر کے خداوند قدوس کا غصہ مول لے لوں۔ بہر حال اگر میں معاذ اللہ کاذب و مفتری ہوں تو اس کا وبال مجھ پر پڑے گا اور جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے۔ لہٰذا لغو اور دور از کار خیالات چھوڑ کر اپنے انجام کی فکر کرو۔ اگر خدا کے سچے رسول کو جھوٹا اور مفتری کہا تو

سمجھ لو اس کا حشر کیا ہوگا۔ خدا پر میری اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنے علم صحیح و محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے گا۔ میں اسی کو اپنے اور تمہارے درمیان گواہ ٹھہراتا ہوں وہ اپنے قول و فعل سے بتلا رہا ہے اور آئندہ بتلا دے گا کہ کون حق پر ہے اور کون جھوٹ بول رہا، افتراء کر رہا ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ....

یعنی میری باتوں سے اس قدر بدکتے کیوں ہو؟ میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا۔ مجھ سے پہلے بھی دنیا میں سلسلہ نبوت و رسالت کا جاری رہا ہے۔ وہ ہی میں کہتا ہوں کہ ان سب رسولوں کے بعد مجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے جس کی خبر پہلے رسول دیتے چلے آئے ہیں۔ اس حیثیت سے بھی یہ کوئی نئی بات نہ رہی۔ بلکہ بہت پرانی بشارات کا مصداق آج سامنے آ گیا۔ پھر اس کے ماننے میں اشکال کیا ہے اور مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہونا ہے۔ میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔ نہ میں اس وقت پوری پوری تفاصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلا سکتا ہوں کہ دنیا اور آخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی۔ ہاں ایک بات کہتا ہوں کہ میرا کام صرف وحی الٰہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا اور کفر و عصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے۔ آگے چل کر دنیا یا آخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا اس کی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کچھ مطلب۔ بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر کر کے مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ....

اس آیت کا مضمون تقریباً وہی ہے جو سورۃ شعراء کے آخری رکوع کی آیت کا ہے یعنی: اولم یکن لھم ایة ان یعلمه علماء بنی اسرائیل۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ جاہل یہود و نصاریٰ جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور قرآن کا انکار کرتے ہیں یہ خود اپنی کتابوں سے بھی ناواقف اور جاہل ہیں کیونکہ بہت سے علمائے بنی اسرائیل اپنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی نبوت اور آپ کی علامات کا مشاہدہ کر کے آپ پر ایمان لے آئے ہیں کیا ان علماء کی شہادت بھی ان جاہل لوگوں کے لئے کافی نہیں۔ اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ میرا دعویٰ رسالت اور قرآن کا اللہ کی کتاب ہونا غلط اور افترا ہے اول تو اس کے غلط ہونے کے لئے وہ بات کافی ہے جو پہلے ابھی ذکر کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ پر ایسا کھلا افترا کرے کہ مجھے اس نے نبی بنا کر بھیجا ہے اور واقع میں وہ نبی نہیں ہے تو اس پر اس دنیا ہی میں عذاب کا آ جانا اور اس کا ہلاک کیا جانا ضروری ہے تاکہ عام لوگ دھوکے سے بچ سکیں اور بالفرض تم اس کو بھی نہیں مانتے تو کم از کم اس احتمال کو تو نظر انداز نہ کرو کہ اگر میرا دعویٰ صحیح ہوا اور یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہی ہوئی اور تم اس سے کفر و انکار پر جمے رہو تو تمہارا کیا انجام ہوگا خصوصاً اس صورت میں کہ خود تمہاری قوم بنی اسرائیل ہی میں کوئی بڑا آدمی اس کے منجانب اللہ ہونے کی شہادت دے دے اور مسلمان ہو جائے اور تم اس علم کے بعد بھی اپنی ضد اور تکبر پر جمے رہو تو تم کس قدر عذاب کے مستحق ہوگے۔

اس آیت کے الفاظ میں کسی خاص عالم بنی اسرائیل کا نام نہیں لیا گیا اور نہ یہ متعین کیا گیا کہ یہ شہادت اس آیت کے

نزول سے پہلے لوگوں کے سامنے آ چکی ہے یا آئندہ آنے والی ہے بلکہ ایک جملہ شرطیہ کے طور پر فرمایا ہے کہ اگر ماضی میں بالفعل یا آئندہ ایسا ہو جائے تو تمہیں اپنی فکر کرنا چاہئے کہ تم عذاب سے کیسے بچوگے۔اس لئے مضمون آیت کا سمجھنا اس پر موقوف نہیں ہے کہ علمائے بنی اسرائیل میں سے کسی شاہد معین کو اس کا مصداق قرار دیا جائے بلکہ جتنے حضرات یہود و نصاری میں سے داخل اسلام ہوئے جن میں حضرت عبداللہ بن سلام زیادہ معروف ہیں وہ سبھی اس میں داخل ہیں اگرچہ حضرت عبداللہ بن سلام کا ایمان اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا اور یہ پوری سورت مکی ہے۔(ابن کثیر)

اور بعض روایات میں جو حضرت سعدؓ سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی (کما رواہ البخاری ومسلم والنسائی من حدیث مالک) نیز حضرت ابن عباس، مجاہد ضحاک قتادہ وغیرہ ائمہ تفسیر سب نے باتفاق فرمایا کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق نازل ہوئی ہے تو یہ اس آیت کے مکی ہونے کے منافی نہیں، کیونکہ اس صورت میں یہ پیشینگوئی آئندہ کے لئے ہو جائے گی۔(کذا قال ابن کثیر)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَیْ فِیْ حَقِّهِمْ لَوْ كَانَ الْاِیْمَانُ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا اَیْ لْقَائِلُوْنَ بِهٖ اَیْ بِالْقُرْاٰنِ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اَیِ الْقُرْاٰنُ اِفْكٌ كَذِبٌ قَدِيْمٌ ۝ وَمِنْ قَبْلِهٖ اَیِ الْقُرْاٰنِ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اَیِ التَّوْرٰةُ اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِهٖ حَالَانِ وَهٰذَا اَیِ الْقُرْاٰنُ كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِلْكُتُبِ قَبْلَهٗ لِّسَانًا عَرَبِيًّا حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ فِیْ مُصَدِّقٌ لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ مُشْرِكِیْ مَكَّةَ وَهُوَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّاعَةِ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ حَالٌ جَزَاۗءًۢ مَنْصُوْبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ اَیْ يُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ وَفِیْ قِرَاءَةٍ اِحْسَانًا اَیْ اَمَرْنَاهُ اَنْ يُحْسِنَ اِلَيْهِمَا فَنَصَبَ اِحْسَانًا عَلَى الْمَصْدَرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ وَمِثْلُهُ حُسْنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ اَیْ عَلٰى مَشَقَّةٍ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ مِنَ الرَّضَاعِ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ سِتَّةُ اَشْهُرٍ اَقَلُّ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَالْبَاقِیْ اَكْثَرُ مُدَّةِ الرَّضَاعِ وَقِيْلَ اِنْ حَمَلَتْ بِهٖ سِتَّةً اَوْ تِسْعَةً اَرْضَعَتْهُ الْبَاقِیْ حَتّٰٓى غَايَةٌ لِجُمْلَةٍ مُقَدَّرَةٍ اَیْ وَعَاشَ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ هُوَ كَمَالُ قُوَّتِهٖ وَعَقْلِهٖ وَرَأْيِهٖ اَقَلُّهٗ ثَلَاثٌ وَّثَلَاثُوْنَ سَنَةً وَّبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ اَیْ تَمَامَهَا وَهُوَ اَكْثَرُ الْاَشُدِّ قَالَ رَبِّ اِلٰى اٰخِرِهٖ نَزَلَ فِیْ اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ لَمَّا بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً بَعْدَ سَنَتَيْنِ مِنْ مَّبْعَثِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمَنَ بِهٖ ثُمَّ اٰمَنَ اَبَوَاهُ ثُمَّ ابْنُهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَبُوْ عَتِيْقٍ اَوْزِعْنِیْٓ اَلْهِمْنِیْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ

الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ هِیَ التَّوْحِیْدُ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ فَاَعْتَقَ تِسْعَةً مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

یُعَذَّبُوْنَ فِی اللّٰهِ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ فَکُلُّهُمْ مُؤْمِنُوْنَ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ اَیْ

قَائِلُوْا هٰذَا الْقَوْلِ اَبُوْبَکْرٍ وَ غَیْرُهٗ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ بِمَعْنٰی حَسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ

فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ حَالٌ اَیْ کَائِنِیْنَ فِیْ جُمْلَتِهِمْ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَعَدَ اللّٰهُ

الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ وَ الَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ وَ فِیْ قِرَاءَةٍ بِالْاِفْرَادِ اُرِیْدَ بِهِ الْجِنْسُ اُفٍّ بِکَسْرِ الْفَاءِ

وَفَتْحِهَا بِمَعْنٰی مَصْدَرٍ اَیْ نَتْنًا وَقُبْحًا لَّکُمَآ اَتَضَجَّرُ مِنْکُمَا اَتَعِدٰنِنِیْٓ وَ فِیْ قِرَاءَةٍ بِالْاِدْغَامِ اَنْ اُخْرَجَ مِنَ

الْقَبْرِ وَ قَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ الْاُمَمُ مِنْ قَبْلِیْ وَلَمْ تُخْرَجْ مِنَ الْقُبُوْرِ وَ هُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ یَسْاَلَانِهِ الْغَوْثَ

بِرُجُوْعِهٖ وَیَقُوْلَانِ اِنْ لَّمْ تَرْجِعْ وَیْلَكَ اَیْ هِلَاکُكَ بِمَعْنٰی هَلَکْتَ اٰمِنْ بِالْبَعْثِ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِهٖ حَقٌّ

فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اَیِ الْقَوْلُ بِالْبَعْثِ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ اَکَاذِیْبُهُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ وَجَبَ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ

بِالْعَذَابِ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنَّهُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ۝ وَلِکُلٍّ مِنْ جِنْسِ الْمُؤْمِنِ

وَالْکَافِرِ دَرَجٰتٌ فَدَرَجَاتُ الْمُؤْمِنِ فِی الْجَنَّةِ عَالِیَةٌ وَ دَرَجَاتُ الْکَافِرِ فِی النَّارِ سَافِلَةٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اَیِ

الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ الطَّاعَاتِ وَالْکَافِرُوْنَ مِنَ الْمَعَاصِیْ وَ لِیُوَفِّیَهُمْ اَیِ اللّٰهُ وَ فِیْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ اَعْمَالَهُمْ اَیْ

جَزَاءَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ شَیْئًا یَنْقُصُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَیُزَادُ لِلْکُفَّارِ وَ یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلَی النَّارِ بِاَنْ

تُکْشَفَ لَهُمْ وَ یُقَالَ لَهُمْ اَذْهَبْتُمْ بِهَمْزَةٍ وَبِهَمْزَتَیْنِ وَ بِهَمْزَةٍ وَ مَدَّةٍ وَ بِهِمَا وَ تَسْهِیْلِ الثَّانِیَةِ طَیِّبٰتِکُمْ

بِاشْتِغَالِکُمْ بِلَذَّاتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ تَمَتَّعْتُمْ بِهَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ اَیِ الْهَوَانِ بِمَا

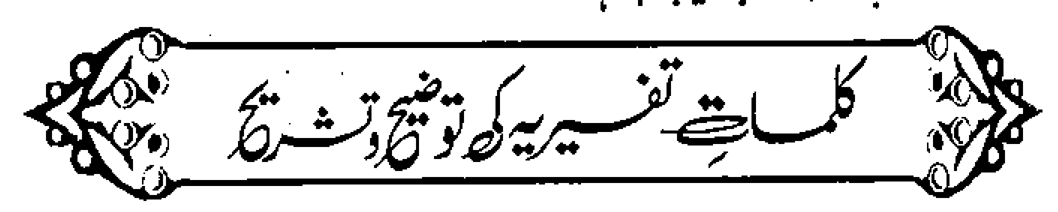
کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ تَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا کُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝ بِهٖ وَ تُعَذَّبُوْنَ بِهَا

ع ۲ ۱۰ ۲

ترجمہ: اور یہ کافر ایمان والوں (کے حق میں ایمان لانے) کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن (صاحب تفسیر کے نزدیک یہ ایمان) کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ ہم سے پہلے اس کی طرف سبقت نہ کرتے اور جب ان (کہنے والوں) کو اس (قرآن) سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ (قرآن) پرانا جھوٹ ہے اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات) آئی جو رہنما اور رحمت تھی (اہل ایمان کے لئے یہ دونوں حال

ہیں) اور یہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے۔ جو (پچھلی کتابوں کی) تصدیق کرنے والی، عربی زبان میں (مصدق کی ضمیر سے یہ حال ہے) ظالموں (مکہ کے مشرکوں) کو ڈرانے کیلئے اور (یہ) بشارت دینے کیلئے ہے (نیک لوگوں مؤمنین) کو جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پھر (فرمانبرداری پر) جمے رہے سوان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ لوگ اہل جنت ہیں۔ جو ہمیشہ رہیں گے اس میں (یہ حال ہے) ان کاموں کا صلہ (فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ یعنی یجزون) جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا (ایک قراءت میں احسانا ہے۔ یعنی ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ والدین کے ساتھ احسان کرے۔ پس اس ترکیب میں احسان کا نصب فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بناء پر ہو گا اور یہی ترکیب لفظ حسنا کی ہے) اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے اس کو جنا (کرھا بمعنی مشقت) اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے (چھ مہینے کم از کم مدت حمل اور باقی دو سال دودھ چھڑانے کی اکثر مدت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چھ یا نو مہینے اگر حمل رہے تو باقی وقت دودھ پلائے) یہاں تک کہ (یہ جملہ مقدرہ کی غایت ہے یعنی وعاش حتی) جب اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے (جو قوت و عقل ورائے کے کمال کا زمانہ ہے وہ کم از کم ۳۳ سال ہے) اور جب چالیس برس کو پہنچتا ہے (یعنی چالیس سال مکمل کر لیتا ہے جو بھرپور جوانی کی انتہاء ہے) تو کہتا ہے اے میرے پروردگار (یہ آیات حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں آئیں جب کہ وہ آنحضرتؐ کی رسالت کے دو سال بعد چالیس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ پھر ان کے والدین اور صاحبزادہ عبدالرحمن اور پوتے ابوعتیق سب مشرف باسلام ہوئے) مجھے توفیق بخشیئے (دل میں بٹھا دیجئے) کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (یعنی توحید کی دولت) اور یہ کہ میں اچھے کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں (چنانچہ صدیق اکبرؓ نے ان نو مسلمانوں کو آزاد کیا جنہیں اللہ کے راستہ میں بری طرح ستایا جا رہا تھا) اور میری اولاد میں میرے لئے حلاوت پیدا کر دیجئے (چنانچہ سب اہل ایمان ہو گئے) میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں۔ یہ (یعنی یہ دعائیں کرنیوالے ابوبکرؓ وغیرہ) وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے اچھے کاموں کو قبول کر لیں گے (احسن بمعنی حسن ہے) اور ان کے گناہوں سے درگزر کر دیں گے کہ جنتیوں میں سے ہو جائیں گے (یہ حال ہے یعنی منجملہ اہل جنت کے) اس سچے وعدہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا تھا (آیت وعد اللہ المؤمنین والمؤمنات جنات ہے) اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا (ایک قراءت میں والد مفرد ہے مراد جنس ہو جائے گی) تف ہے (لفظ اف کسر فا اور فتحہ فا کی مصدر کے معنی میں ہے۔ بمعنی قابل نفرت اور گندگی) تم پر (تمہاری طرف سے بے قراری ہے) کیا تم مجھ کو یہ وعدہ دیتے ہو کہ (ایک قراءت میں ادغام کے ساتھ ہے) کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے صدیاں بیت چکی ہیں (کوئی ابھی تک قبر سے برآمد نہیں ہوا) اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اللہ سے کسی سہارے کو

مانگ رہے ہیں جو بیٹے کو پھیر دے۔ اور جب بیٹا نہ پھرے تو کہتے ہیں) ارے تیرا ناس ہو (بربادی تباہی آجائے) ایمان لے آ (قیامت کو مان لے) بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو یہ کہتا ہے کہ یہ باتیں (قیامت کے چرچے) اگلے وقتوں سے بے سند نقل ہوتی چلی آرہی ہیں (جو جھوٹی ہیں) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ (کے عذاب) کا قول پورا (ثابت) ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان ہو گزرے ہیں۔ بلاشبہ یہ خسارے میں رہے۔ اور ہر ایک (مؤمن و کافر کی جنس) کیلئے الگ الگ درجے ہیں (چنانچہ مؤمن کیلئے جنت میں بالائی منزلیں ہیں اور کافر کیلئے جہنم میں نچلے خانے ہیں) ان کے اعمال کی وجہ سے اور تاکہ اللہ سب کو پورے کر دے (ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے) ان کے اعمال (کا بدلہ) اور ان پر ظلم نہ ہوگا (ذرہ بھر اس طرح کہ مؤمن کی کٹوتی اور کافر کے ساتھ زیادتی کر دی جائے) اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (جہنم ان کو نظر آجائے گی۔ ان سے کہا جائے گا) کہ تم حاصل کر چکے (یہ لفظ ایک ہمزہ اور دو ہمزوں کے ساتھ اور ایک ہمزہ اور حرف مد کے ساتھ، اور دونوں ہمزوں کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے) اپنی لزت کی چیزیں (خواہشات میں لگے رہنے کی وجہ سے) دنیاوی زندگانی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے، سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے (اللہ کی جس کی بناء پر تمہیں عذاب دیا جا رہا ہے)



قوله: مِنْ قَبْلِهٖ: یہ کتاب موسیٰ کی خبر ہے اور اماما ورحمۃ کو نصب دینے والی ہے حال میں عامل ظرف ہے، میری مراد من قبلہ ہے۔

قوله: لِيُنْذِرَ: یہ مصدق کی علت ہے۔

قوله: فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ: ان پر کچھ خوف نہ ہوگا کہ ان کو کوئی ناپسندیدہ امر پیش آئے۔

قوله: وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: ان کو پسندیدہ چیز کے رہ جانے کا غم نہ ہوگا۔

قوله: حُسْنًا: یہ موصوف محذوف کی صفت ہے: ای امر احسنا۔

قوله: كُرْهًا: تکلیف و ناپسندیدگی والی۔

قوله: وَعْدَ الصِّدْقِ: یہ مصدر مؤکد ہے جو اپنی ہی تاکید کر رہا ہے۔

قوله: اَتَضجرُ مِنكُمَا: یہ اف تب ہے اس کو اسم فعل مانیں اور پہلی صورت وہ مصدر ہے۔

قوله: بِرُجُوْعِهٖ: کہ ایمان کی طرف لوٹنے کی توفیق دی۔

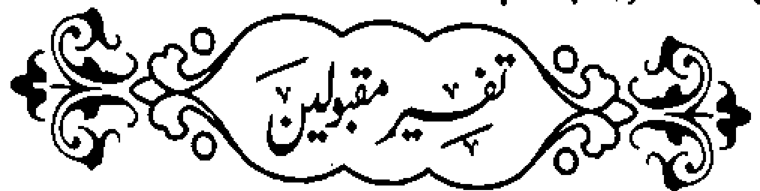
قوله : مِمَّا عَمِلُوْا : یعنی اس کی جزاء جو انہوں نے عمل کیے اچھے یا برے مضاف محذوف ہے۔ یا ان کے عملوں کی وجہ سے درجات کا لفظ یہاں تغلیب کے اعتبار سے استعمال کیا گیا۔

قوله : بِاَنْ تُكْشَفَ لَهُمْ : یعنی آگ ان کے سامنے کر دی جائے گی۔

قوله : اَذْهَبْتُمْ : یہ دو ہمزہ کے ساتھ جن میں ایک استفہام کے لیے ہے۔

قوله : الْهُوْنِ : ذلت۔

قوله : تُعَذَّبُوْنَ بِهَا : ھا کا مرجع طیبات ہے۔



وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ .....

کافر لوگ ایمان والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ دین سچا ہوتا تو یہ لوگ اس معاملے میں ہم سے کبھی سبقت نہ لے جاتے۔ کہ ہم اشراف وسردار اور بڑے مال ومنال والے لوگ ہیں۔ جبکہ یہ محتاج ومسکین تو پھر یہ ہم سے اس کار خیر میں سبقت کیونکر لے جاتے؟ لہٰذا اگر یہ دین وایمان کوئی بڑی خیر اور اچھی چیز ہوتی تو یہ سب سے پہلے ہمارے ہی حصے میں آتی۔ نہ کہ ہمیں چھوڑ کر ان فقراء کو ملتی، وغیرہ وغیرہ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی مال و دولت اس لحاظ سے اور بھی زیادہ باعث خسارہ ہے کہ اس کی بنا پر دنیا دار لوگ اپنے آپ کو صحیح سمجھتے ہوئے حق سے اور دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سو تکبر محرومیوں کی محرومی اور باعث ہلاکت وتباہی ہے۔ اور تکبر کی حدیث شریف میں یہی تعریف فرمائی گئی ہے کہ تکبر حق کا انکار کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا ہے۔ الكبر بطر الحق و غمط الناس [رواہ الترمذی] اس سے جہاں ایک طرف ان متکبر لوگوں کے کبرو غرور اور ان کے باطن کے فساد کا پتہ چلتا ہے وہیں دوسری طرف اس سے اہل ایمان کے صدق وصفا اور ان کے باطن کی صحت و سلامتی کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی لیے ان کو ایمان ویقین کی دولت سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش وعطا کا دارومدار اصل میں انسان کے قلب و باطن ہی پر ہے۔ جیسے اس کے قلب و باطن کا معاملہ ہوتا ہے ویسے ہی اس کو صلہ و بدلہ ملنا چاہئے، اور یہی تقاضا ہے عقل اور نقل دونوں کا۔

اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪

یعنی اپنی حماقت اور محرومی پر ماتم کرنے کی بجائے ایسے لوگ الٹا حق کو ہی برا کہنے لگتے ہیں، کہ یہ بھی وہی پرانا جھوٹ ہے جو کہ پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یعنی ہزاروں برس پہلے سے چلے آنے والے یہ حقائق جن کی تعلیم وتبلیغ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جیسی پاکیزہ اور مقدس ہستیوں نے فرمائی۔ یہ سب تو جھوٹ ہیں اور سچ ان لوگوں کے پاس ہے جو جہالت وگمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سو جن کی مت ماردی جاتی ہے ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ، ان لوگوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ دنیا کی اور کوئی نعمت تو ان لوگوں کے حصے میں آئی نہیں تو اگر دین بھی کوئی نعمت اور خیر کی چیز ہوتی تو یہ

لوگ اس کی طرف سبقت کرنے والے نہ بنتے۔ بلکہ ہم ہی اس کی طرف سبقت کرنے والے ہوتے۔ لہٰذا ان کا اس کی طرف سبقت کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس میں کوئی خیر نہیں۔ سو اس بے منکرین کی محرومی و مت ماری اور ان کی حماقت و بدمغزی کا ایک اور نمونہ و ثبوت ملتا ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے ان لوگوں کے استکبار اور ان سے کبر و غرور کا۔ پس استکبار و سرکشی محرومیوں کی محرومی اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے۔ کیونکہ جب مریض بیماری کو ہی اپنی صحت سمجھنے لگے اور ڈاکٹر سے دوا لینے اور اس کی ہدایت کے مطابق اس کو استعمال کرنے کی بجائے الٹا وہ اس کے خلاف چلے اور اسی کو برا کہنے لگے تو پھر اس کی صحت یابی آخر کیونکر ممکن ہوسکتی ہے؟ اور پھر حضرات انبیائے کرام اور خاص کر امام الرسل علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام، کا معاملہ تو اس سے بھی کہیں آگے اعلیٰ واشرف اور مقدس و نازک ہوتا ہے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى .....

یعنی یہ پرانا جھوٹ نہیں، بلکہ بہت پرانا سچ ہے۔ نزول قرآن سے سینکڑوں برس پہلے تورات نے بھی اصولی تعلیم یہ ہی دی تھی جس کی انبیاء و اولیاء اقتداء کرتے رہے۔ اور اس نے پیچھے آنے والی نسلوں کے لیے اپنی تعلیمات و بشارات سے راستہ و ہدایت کی راہ ڈال دی اور رحمت کے دروازے کھول دیے اب قرآن اترا تو اس کو سچا ثابت کرتا ہوا۔ غرض دونوں کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ ہی حال دوسری کتب سماویہ کا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ....

استقامت اور اس کا ثمرہ:

جن لوگوں نے زبانی اللہ تعالی کے رب ہونے کا یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا۔ پھر اس پر جے رہے یعنی فرمان الٰہی کے ماتحت اپنی زندگی گزاری۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر وضاحت کی کہ بہت لوگوں نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کر کے پھر کفر کرلیا۔ جو مرتے دم تک اس بات پر جمار ہا وہ ہے جس نے اس پر استقامت کی۔ (نسائی وغیرہ) حضرت ابوبکر صدیق کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوئی تو آپ نے فرمایا ان سے مراد کلمہ پڑھ کر پھر کبھی بھی شرک نہ کرنے والے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ استقامت سے مراد گناہ نہ کرنا ہے آپ نے فرمایا تم نے اسے غلط سمجھایا۔ اس سے مراد اللہ کی الوہیت کا اقرار کر کے پھر دوسرے کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کونسی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ توحید اللہ پر تا عمر قائم رہنا۔ حضرت فاروق اعظم نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ ابن عباس فرماتے ہیں فرائض اللہ کی ادائیگی کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔۔ اے اللہ تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔ استقامت سے مراد دین اور عمل کا خلوص حضرت ابو العالیہ نے کہا ہے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کا کوئی ایسا امر بتلایئے کہ پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ

رہے۔ آپ نے فرمایا زبان سے اقرار کر کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جا۔ اس نے پھر پوچھا اچھا یہ تو عمل ہوا اب بچوں کس چیز سے؟ تو آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم وغیرہ) امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں، ان کے پاس ان کی موت کے وقت فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارتیں سناتے ہیں کہ تم اب آخرت کی منزل کی طرف جا رہے ہو بے خوف رہو تم پر وہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ تم اپنے پیچھے جو دنیا چھوڑے جا رہے ہو اس پر بھی کوئی غم ورنج نہ کرو۔ تمہارے اہل وعیال، مال و متاع کی دین و دیانت کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ ہم تمہارے خلیفہ ہیں۔ تمہیں ہم خوش خبری سناتے ہیں کہ تم جنتی ہو تمہیں سچا اور صحیح وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہے گا۔ پس وہ اپنے انتقال کے وقت خوش خوش جاتے ہیں کہ تمام برائیوں سے بچے اور تمام بھلائیاں حاصل ہوئیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ مؤمن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی چل اللہ کی بخشش انعام اور اس کی نعمت کی طرف۔ چل اس اللہ کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے اسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں بشارتیں سنائیں گے۔ حضرت ثابت جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت تک پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مؤمن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں ڈر نہیں گھبرا نہیں غمگین نہ ہو تو جنتی ہے خوش ہو جا تجھ سے اللہ کے جو وعدے تھے پورے ہوں گے۔ غرض خوف امن سے بدل جائے گا آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی دل مطمئن ہو جائے گا۔ قیامت کا تمام خوف دہشت اور وحشت دور ہو جائے گی۔ اعمال صالحہ کا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور خوش ہوگا۔ حضرت سعید بن مسیب اور حضرت ابو ہریرہ کی ملاقات ہوتی ہے تو حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعید نے پوچھا کیا جنت میں بھی بازار ہوں گے؟ فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے جمعہ والے دن انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا اس کا عرش ظاہر ہوگا۔ وہ سب جنت کے باغیچے میں نور لولو یاقوت زبرجد اور سونے چاندی کے منبروں پر بیٹھیں گے، جو نیکیوں کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے کمتر نہیں وہ مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے لیکن اپنی جگہ اتنے خوش ہوں گے کہ کرسی والوں کو اپنے سے افضل مجلس میں نہیں جانتے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور چودہویں رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک وتعالیٰ بات چیت کرے گا یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا۔ یاد ہے فلاں دن تم نے فلاں کا خلاف کیا تھا؟ وہ کہے گا کیوں جناب باری تو تو وہ خطا معاف فرما چکا تھا پھر اس کا کیا ذکر؟ کہے گا ہاں ٹھیک ہے اسی میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس درجے پر پہنچا۔ یہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں ایک ابر ڈھانپ لے گا اور اس سے ایسی خوشبو برسے گی کہ کبھی کسی نے نہیں سونگھی تھی۔ پھر رب العالمین عزوجل فرمائے گا کہ اٹھو اور میں نے جو انعام و اکرام تمہارے لئے تیار کر رکھے ہیں انہیں لو۔ پھر یہ سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے چاروں طرف سے

فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے وہاں وہ چیزیں دیکھیں گے جو نہ کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں نہ کبھی خیال میں گزری تھیں۔ جو شخص جو چیز چاہے گا لے لے گا خرید وفروخت وہاں نہ ہوگی۔ بلکہ انعام ہوگا۔ وہاں تمام اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے ایک کم درجے کا جنتی اعلیٰ درجے کے جنتی سے ملاقات کرے گا تو اس کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر جی میں خیال کرے گا وہیں اپنے جسم کی طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھے کپڑے اس کے ہیں۔ کیونکہ وہاں کسی کو کوئی رنج وغم نہ ہوگا۔ اب ہم سب لوٹ کر اپنی اپنی منزلوں میں جائیں گے وہاں ہماری بیویاں ہمیں مرحبا کہیں گے اور کہیں گی کہ جس وقت آپ یہاں سے گئے تب یہ تروتازگی اور یہ نورانیت آپ میں نہ تھی لیکن اس وقت تو جمال وخوبی اور خوشبو اور تازگی بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ٹھیک ہے ہم آج اللہ تعالیٰ کی مجلس میں تھے اور یقیناً ہم بہت ہی بڑھ چڑھ گئے۔ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ بھی اس سے ملنے کو چاہتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو برا جانے اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے صحابہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہم تو موت کو مکروہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا اس سے مراد موت کی کراہیت نہیں بلکہ مؤمن کی سکرات کے وقت اس کے پاس اللہ کی طرف سے خوشخبری آتی ہے جسے سن کر اس کے نزدیک اللہ کی ملاقات سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہیں رہتی۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات پسند فرماتا ہے اور فاجر یا کافر کی سکرات کے وقت جب اسے اس برائی کی خبر دی جاتی ہے جو اسے اب پہنچنے والی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۚ .....

ان چار آیتوں میں اصل مضمون انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرنا ہے اور ضمناً دوسری تعلیمات آئی ہیں۔ اگرچہ بعض روایات حدیث سے ان آیات کا حضرت صدیق اکبر کی شان میں نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور اسی بنا پر تفسیر مظہری نے ووصینا الانسان میں الانسان کے الف لام کو عہد کا قرار دے کر اس سے مراد صدیق اکبر کو قرار دیا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی آیت قرآن کا سبب نزول کوئی خاص فرد یا خاص واقعہ ہو تو پھر بھی حکم سب کے لئے عام ہی ہوتا ہے۔ شان نزول خاص صدیق اکبر ہوں اور تخصیصات مندرجہ آیات انہیں کی صفات ہوں جب بھی مقصود آیات کا تعلیم عام ہی ہے۔ اور اگر اصل آیات کو عام تعلیم قرار دیا جائے، اس میں بھی صدیق اکبر اس تعلیم کے پہلے مصداق قرار پائیں گے۔ جوان ہونے اور چالیس سال عمر ہونے کے بعد کی جو تخصیصات ان آیات میں مذکور ہیں وہ تخصیصات بطور تمثیل کے ہوں گی اب آیات مذکورہ کے خاص خاص الفاظ کی تشریح دیکھئے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۚ، لفظ وصیت تاکیدی حکم کے معنی میں آتا ہے اور احسان بمعنے حسن سلوک ہے جس میں ان کی خدمت واطاعت بھی داخل ہے اور تعظیم وتکریم بھی۔

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ، لفظ کرھا بضم الکاف اس مشقت کو کہتے ہیں جو انسان کو کسی وجہ سے برداشت کرنا پڑے اور کرھا بفتح کاف اس محنت ومشقت کا نام ہے جس پر ان کو کوئی دوسرا آدمی مجبور کرے۔ اسی سے اکراہ مشتق ہے۔ پہلے جملے میں جو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے یہ دوسرا جملہ اس کی تاکید کے لئے ہے کہ والدین کی خدمت و

اطاعت ضروری ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے تمہاری پیدائش سے لے کر جوانی تک تمہارے لیے بڑی مشقتیں برداشت کی ہیں، خصوصاً ماں کی محنت ومشقت بہت ہی نمایاں ہے اس لئے یہاں بیان صرف ماں کی مشقت کا کیا گیا ہے اس نے ایک طویل مدت نو ماہ اپنے پیٹ میں تم کو اٹھائے رکھا جس میں اس کو طرح طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑیں، پھر ولادت کے وقت سخت درد اور تکلیف کے ساتھ تمہارا وجود اس دنیا میں آیا۔

ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے:

شروع آیت میں حسن سلوک کا حکم ماں اور باپ دونوں کے لئے ہے مگر اس جگہ صرف ماں کی محنت ومشقت کا ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ماں کی محنت ومشقت لازمی اور ضروری ہے۔ حمل کے زمانے کی تکلیفیں، پھر وضع حمل اور دردزہ کی تکلیف ہر حال ہر بچہ کے لئے لازمی ہے جو صرف ماں ہی کی محنت ہے، باپ کے لئے پرورش پر محنت اٹھانا اتنا لازمی وضروری نہیں ہوسکتا ہے کہ کسی باپ کو اولاد کی تربیت میں کوئی بھی محنت مشقت اٹھانی نہ پڑے جبکہ وہ مالدار صاحب حشم وخدم ہو، دوسروں سے اولاد کی خدمت لے یا وہ کسی دوسرے ملک میں چلا گیا اور خرچ بھیجتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولاد پر ماں کے حق کو سب سے زیادہ رکھا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: صل امك ثم امك ثم امك ثم اباك ثم ادناك فادناك (مظہری) یعنی صلہ رحمی اور خدمت کرو اپنی ماں کی پھر اپنی ماں کی پھر اپنی ماں کی، اس کے بعد اپنے باپ کی اور اس کے بعد جو قریب تر رشتہ دار ہو اس کی پھر جو اسکے بعد ہو۔

وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا الخ: اس جملہ میں بھی ماں کی محنت ومشقت ہی کا بیان ہے کہ بچے کے حمل اور وضع حمل کی مشقت کے بعد بھی ماں کو محنت سے فراغت نہیں ملتی کیونکہ اس کے بعد بچے کی غذا بھی قدرت نے ماں کی چھاتیوں میں اتاری ہے وہ اس کو دودھ پلاتی ہے۔ آیت میں ارشاد یہ فرمایا کہ بچے کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال فرمایا کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ کی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اکثر مدت رضاع تو دو سال کامل متعین فرمادیئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین اور یہاں حمل اور رضاع دونوں کی مدت تیس ماہ قرار دی گئی تو مدت رضاع کے دو سال یعنی چوبیس مہینے نکلنے کے بعد چھ ماہ ہی باقی رہ جاتے ہیں جس کو کم سے کم مدت حمل قرار دیا گیا ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان غنی کے زمانے میں ایک عورت کے بطن سے چھ ماہ ہوجانے پر بچہ پیدا ہوگیا جبکہ عام عادت نو مہینے میں اور کم سے کم مدت سات مہینے میں بچہ پیدا ہونے کی ہے۔ عثمان غنی نے اس کو حمل ناجائز قرار دے کر سزا کا حکم دیدیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت عثمان کو اس سزا سے منع کیا اور فرمایا کہ قرآن میں حمل اور رضاع کی مجموعی مدت تیس ماہ ہے پھر رضاع کی مدت کا چوبیس ماہ ہونا دوسری جگہ متعین کردیا ہے اس لئے باقی ماندہ مدت چھ ماہ ہی حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ عثمان غنی نے ان کے استدلال کو قبول کر کے اپنا حکم واپس لے لیا۔ (قرطبی)

اسی لئے کم سے کم مدت حمل کے بارے میں تمام امت کے ائمہ متفق ہیں کہ وہ چھ ماہ ہوسکتی ہے اکثر مدت کتنی ہے اس

میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں قرآن نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیا۔

فائدہ: اس آیت میں حمل کی تو اقل مدت کا بیان کیا گیا اور رضاع کی اکثر مدت کا اس میں اشارہ ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ متعین ہے اس سے کم میں صحیح سالم بچہ پیدا نہیں ہو سکتا مگر زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ بچہ حمل میں رہ سکتا ہے اس میں عادتیں مختلف ہیں یہ متعین نہیں اسی طرح رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت متعین ہے کہ دو سال تک دودھ پلایا جا سکتا ہے کم سے کم مدت کچھ متعین نہیں۔ بعض عورتوں کے دودھ ہوتا ہی نہیں، بعض کا دودھ چند مہینوں میں خشک ہو جاتا ہے، بعض بچے ماں کا دودھ زیادہ نہیں پیتے یا ان کو مضر ہوتا ہے تو دوسرا دودھ پلانا پڑتا ہے۔

اکثر مدت حمل اور اکثر مدت رضاع میں فقہائے امت کا اختلاف:

اکثر مدت حمل امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو سال ہیں، امام مالک سے مختلف روایات منقول ہیں۔ چار سال، پانچ سال، سات سال، امام شافعی کے نزدیک چار سال، امام احمد کی بھی مشہور روایت چار ہی سال کی ہے۔ (مظہری) اور اکثر مدت رضاعت جس کے ساتھ حرمت رضاعت کے احکام متعلق ہوتے ہیں جمہور فقہاء کے نزدیک دو سال ہیں۔ امام مالک شافعی، احمد بن حنبل اور ائمہ حنفیہ میں سے ابو یوسف اور امام محمد سب اس پر متفق ہیں اور صحابہ کرام میں حضرت عمر و ابن عباس کا بھی یہ قول ہے (رواہ الدار قطنی) علی مرتضی عبداللہ بن مسعود کا بھی یہی ارشاد ہے (اخرجہ ابن ابی شیبہ) صرف امام اعظم ابوحنیفہ سے یہ منقول ہے کہ ڈھائی سال تک بچہ کو دودھ پلایا جا سکتا ہے جس کا حاصل جمہور حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر بچہ کمزور ہو، ماں کے دودھ کے سوا کوئی غذا دو سال تک بھی نہ لیتا ہو تو مزید چھ ماہ دودھ پلانے کی اجازت ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد ماں کا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے مگر فتویٰ فقہائے حنفیہ کا بھی جمہور ائمہ کے مسلک پر ہے کہ دو سال کی مدت کے بعد اگر دودھ پلایا گیا تو اس سے حرمت رضاعت کے احکام ثابت نہیں ہوں گے۔ سیدی حضرت حکیم الامت نے بیان القرآن میں فرمایا کہ اگرچہ فتویٰ جمہور کے قول پر ہے مگر عمل میں احتیاط کرنا بہتر ہے کہ ڈھائی سال کی مدت کے اندر جس بچہ کو دودھ پلایا گیا ہے اس سے مناکحت میں احتیاط برتی جائے۔ بعض حضرات نے آیت: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا سے امام اعظم کے قول کے مطابق اکثر مدت رضاعت ڈھائی سال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تفسیر مظہری میں فرمایا کہ یہ درست نہیں کیونکہ صحابہ کرام کی جماعت علی مرتضیٰ عثمان غنی نے آیت کی تفسیر یہ متعین کر دی ہے کہ اس میں چھ ماہ اقل مدت حمل کے اور چوبیس ماہ مدت رضاعت کے مراد ہیں اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قرآن کریم نے حمل اور رضاعت کی مشترک مدت تیس ماہ بتلائی ہے ہر ایک کی الگ الگ حد نہیں بتلائی اس کا سبب یہ ہے کہ عادت عامہ یوں ہے کہ بچہ نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے اور جب بچہ پورے نو ماہ میں پیدا ہو تو ماں کا دودھ پلانے کی ضرورت صرف اکیس ماہ رہ جاتی ہے اور اگر بچہ سات مہینے میں پیدا ہو جائے تو تئیس ماہ دودھ پلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور جو بچہ چھ ماہ میں پیدا ہو جائے تو چوبیس ماہ یعنی پورے دو سال دودھ پلانے کی ضرورت ہوگی۔ (مظہری)

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً، لفظ اشد کے لغوی معنی قوت کے ہیں۔ سورۃ انعام میں حتی یبلغ

اشدہ کے تحت میں اس کی تفسیر بلوغ سے کی گئی ہے یعنی جب بچہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بلوغ اشد سے مراد اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچنا ہے۔ مذکور الصدر آیت میں بھی بعض حضرات نے بَلَغَ اَشُدَّهٗ کے معنی یہی کئے ہیں کہ بچہ سن بلوغ کو پہنچ جائے اور اس کے بعد بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً کو ایک مستقل منزل عمر قرار دیا، یہ قول شعبی اور ابن زید کا ہے اور حسن بصری نے بلوغ اشد اور بلغ اربعین دونوں کو ہم معنی اور بلغ اربعین کو بلغ اشدہ کی تفسیر و تاکید قرار دیا ہے۔ (قرطبی)

اور تقدیر عبارت یوں ہے کہ اول بچہ کے حمل کا پھر وضع حمل کا پھر دودھ پینے کے زمانے کا ذکر کرنے کے بعد حَتّٰی اِذَا بَلَغَ فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ: فعاش واستمرت حیاته حتی اذا کتهل واستحکم قوته وعقله (روح) یعنی دودھ چھوٹنے کے بعد بچہ زندہ رہا اور عمر پائی یہاں تک کہ وہ بالغ اور قوی ہو گیا اور اس کی قوت اور عقل مکمل ہو گئی تو اب اس کو اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ یوں دعائیں مانگنے لگا کہ:

اے میرے پالنے والے مجھے توفیق عطا کر کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر مبذول فرمائی اور جو میرے والدین پر مبذول فرمائی اور مجھے یہ توفیق دے کہ میں وہ عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لئے میری اولاد کی بھی اصلاح فرما دے، میں تیری طرف رجوع ہوتا ہوں اور میں تیرے تابع فرمان مسلمانوں میں سے ہوں۔ قرآن نے اس جگہ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ سے لے کر مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۞ تک سب صیغے ماضی کے استعمال فرمائے جس سے ظاہر یہ ہے کہ یہ بیان کسی خاص واقعہ اور خاص شخص کا ہے جو نزول آیت کے وقت ہو چکا ہے۔ اسی لئے تفسیر مظہری نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ یہ سب حالات حضرت ابوبکر صدیق کے ہیں انہیں کا بیان بالفاظ عام اس حکمت سے کیا گیا ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی ترغیب ہو کہ وہ بھی ایسا ہی کیا کریں اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو قرطبی نے بروایت عطا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی بیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ کے مال سے تجارت کا قصد فرمایا اور ملک شام کا سفر کیا تو اس سفر میں ابوبکر صدیق آپ کے ساتھ تھے اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی جو مصداق ہے بلغ اشدہ کا پھر اس سفر میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ایسے حالات دیکھے کہ وہ اتنے گرویدہ ہو گئے کہ سفر سے واپسی کے بعد ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے لگے، یہاں تک کہ جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہو گئی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا شرف عطا فرمایا اس وقت ابوبکر کی عمر اڑتیس سال تھی۔ مردوں میں سب سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا پھر جب ان کی عمر چالیس سال کی ہو گئی اس وقت یہ دعا مانگی جو اوپر آیت میں مذکور ہے رب اوزعنی اور یہی مصداق ہے بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً کا اور جب یہ دعا مانگی: اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ تو اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی ان کو نو ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کی توفیق بخشی جو مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے مالک ان کو اسلام لانے پر طرح طرح کی اذائیں دیتے تھے، اسی طرح ان کی دعا: اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ بھی قبول ہوئی، ان کی اولاد میں کوئی ایسا نہ رہا جو ایمان نہ لایا ہو۔ اسی طرح صحابہ کرام میں یہ خصوصیت حق تعالیٰ نے صدیق اکبر ہی کو عطا فرمائی کہ وہ خود بھی مسلمان ہوئے، والدین بھی، اولاد بھی اور سب کو نبی کریم ﷺ کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اور تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ تمام صحابہ کرام مہاجرین و انصار میں اس وقت یہ خصوصیت صرف صدیق اکبر کے والد ابوقحافہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں اور یہ سورت پوری کی ہے اس لئے یہ آیات بھی مکہ میں نازل ہوئیں اس وقت والدین پر نعمت الٰہی مبذول ہونے کا ذکر کیسے مناسب ہوگا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ

بعض حضرات نے ان آیات کو مدنی کہا ہے اس پر تو کوئی اشکال نہیں رہتا اور اگر مکی بھی ہوں تو مراد نعمت اسلام سے مشرف ہونے کی دعا ہوگی۔ (روح) اس تفسیر کی رو سے اگرچہ یہ سب حالات صدیق اکبر کے بیان ہوئے مگر حکم عام ہے سب مسلمانوں کو اس کی ہدایت کرنا مقصود ہے کہ آدمی کی عمر جب چالیس سال کے قریب ہو جائے تو اس کو آخرت کی فکر غالب ہو جانی چاہئے۔ پچھلے گناہوں سے توبہ کی تجدید کرے اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا پورا اہتمام کرے کیونکہ عادت اور تجربہ یہ ہے کہ چالیس سال کی عمر میں جو اخلاق و عادات کسی شخص کی ہو جاتی ہیں پھر ان کا بدلنا مشکل ہوتا ہے۔

حضرت عثمان غنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ مؤمن جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب آسان فرما دیتے ہیں اور جب ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو اس کو اپنی طرف رجوع و انابت نصیب فرما دیتے ہیں اور جب ستر سال کی عمر کو پہنچ جائے تو تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حسنات کو قائم فرما دیتے ہیں اور اس کے سیئات کو مٹا دیتے ہیں اور جب نوے سال کی عمر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیتے ہیں اور اس کو اپنے اہل بیت کے متعلق شفاعت کرنے کا حق دیدیتے ہیں اور آسمان میں اس کے نام کے ساتھ لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اسیر اللہ فی الارض ہے یعنی زمین میں اللہ کی طرف سے قیدی ہے (ذکرہ ابن کثیر عن ابی یعلی ومسند احمد وغیرہ) اور یہ ظاہر ہے کہ مراد اس سے وہی بندہ مؤمن ہے جس نے اپنی زندگی احکام شرع کے تابع ہو کر تقویٰ کے ساتھ گزاری ہے۔ ابن کثیر نے چونکہ پہلی تفسیر کو اختیار کیا ہے کہ مراد عام انسان ہے۔ تو جو الفاظ خصوصیت کے اس میں آئے ہیں جیسے: حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً الخ وہ سب بطور تمثیل کے ہیں جس میں یہ ہدایت دینا مقصود ہے کہ انسان جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کو اپنی اصلاح اور اپنے اہل و عیال کی اصلاح اور آخرت کی فکر غالب ہو جانی چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ .....

اس دنیا کے طالب آخرت سے محروم ہوں گے:

چونکہ اوپر ان لوگوں کا حال بیان ہوا تھا جو اپنے ماں باپ کے حق میں نیک دعائیں کرتے ہیں اور ان کی خدمتیں کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے اخروی درجات کا اور وہاں نجات پانے اور اپنے رب کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کا ذکر ہوا تھا۔ اس لئے اس کے بعد ان بدبختوں کا بیان ہو رہا ہے جو اپنے ماں باپ کے نافرمان ہیں انہیں باتیں سناتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کے حق میں نازل ہوئی ہے، جیسے کہ عوفی بروایت ابن عباس بیان کرتے ہیں جس کی صحت میں بھی کلام ہے اور جو قول نہایت کمزور ہے اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر تو مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے اسلام والوں میں سے تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں سے تھے بعض اور مفسرین کا بھی یہ قول ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مروان نے اپنے خطبہ میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کو یزید کے بارے میں ایک اچھی رائے سجھائی ہے اگر وہ انہیں اپنے بعد بطور خلیفہ کے نامزد کر جائیں

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر بول اٹھے کہ کیا ہرقل کے دستور پر اور نصرانیوں کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟ قسم ہے اللہ کی نہ تو خلیفہ اول نے اپنی اولاد میں سے کسی کو خلافت کے لئے منتخب کیا نہ اپنے کنبے قبیلے والوں سے کسی کو نامزد کیا اور معاویہ نے جو اسے کیا وہ صرف ان کی عزت افزائی اور ان کے بچاؤ پر رحم کھا کر کیا یہ سن کر مروان کہنے لگا کہ تو وہی نہیں جس نے اپنے والدین کو اف کہا تھا؟ تو عبدالرحمٰن نے فرمایا کیا تو ایک ملعون شخص کی اولاد میں سے نہیں؟ تیرے باپ پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی تھی۔ حضرت صدیقہ نے یہ سن کر مروان سے کہا تو نے حضرت عبدالرحمٰن سے جو کہا وہ بالکل جھوٹ ہے وہ آیت ان کے بارے میں نہیں بلکہ وہ فلاں بن فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر مروان جلدی ہی منبر سے اتر کر آپ کے حجرے کے دروازے پر آیا اور کچھ باتیں کر کے لوٹ گیا بخاری میں یہ حدیث دوسری سند سے اور الفاظ کے ساتھ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے مروان حجاز کا امیر بنایا گیا تھا اس میں یہ بھی ہے کہ مروان نے حضرت عبدالرحمٰن کو گرفتار کر لینے کا حکم اپنے سپاہیوں کو دیا لیکن یہ دوڑ کر اپنی ہمشیرہ صاحبہ ام المومنین حضرت عائشہ کے حجرے میں چلے گئے اس وجہ سے انہیں کوئی پکڑ نہ سکا۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ کبریٰ نے پردہ میں سے ہی فرمایا کہ ہمارے بارے میں بجز میری پاک دامنی کی آیتوں کے اور کوئی آیت نہیں اتری۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ اس خطبے سے مقصود یزید کی طرف سے بیعت حاصل کرنا تھا حضرت عائشہ کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ مروان اپنے قول میں جھوٹا ہے جس کے بارے میں یہ آیت اتری ہے مجھے بخوبی معلوم ہے لیکن میں اس وقت اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتی لیکن ہاں رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ کو ملعون کہا ہے اور مروان اس کی پشت میں تھا پس یہ اس اللہ تعالیٰ کی لعنت کا بقیہ ہے۔

یہ جہاں اپنے ماں باپ کی بے ادبی کرتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی بے ادبی سے بھی نہیں چوکتا مرنے کے بعد کی زندگی کو جھٹلاتا ہے اور اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ تم مجھے اس دوسری زندگی سے کیا ڈراتے ہو مجھ سے پہلے سینکڑوں زمانے گزر گئے لاکھوں کروڑوں انسان مرے میں تو کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا ان میں سے ایک بھی تو لوٹ کر خبر دینے نہیں آیا۔ ماں باپ بیچارے اس سے تنگ آ کر جناب باری سے اس کی ہدایت چاہتے ہیں اس بارگاہ میں اپنی فریاد پہنچاتے ہیں اور پھر اس سے کہتے ہیں کہ بدنصیب ابھی کچھ نہیں بگڑا اب بھی مسلمان بن جا لیکن یہ مغرور پھر جواب دیتا ہے کہ جسے تم ماننے کو کہتے ہو میں تو اسے ایک دیرینہ قصہ سے زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے جیسے گذشتہ جنات اور انسانوں کے زمرے میں داخل ہو گئے جنہوں نے خود اپنا نقصان بھی کیا اور اپنے والوں کو بھی برباد کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان میں یہاں لفظ: (أُولَٰٓئِكَ) ہے حالانکہ اس سے پہلے لفظ (وَالَّذِیْ) ہے اس سے بھی ہماری تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے عام ہے جو بھی ایسا ہو یعنی ماں باپ کا بے ادب اور قیامت کا منکر اس کے لئے یہی حکم ہے چنانچہ حضرت حسن اور حضرت قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کافر فاجر ماں باپ کا نافرمان اور مر کر جی اٹھنے کا منکر ہے، ابن عساکر کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ چار شخصوں پر اللہ عزوجل نے اپنے عرش پر سے لعنت کی ہے اور اس پر فرشتوں نے آمین کہی ہے جو کسی مسکین کو بہکائے اور کہے کہ آ؛ میں تجھے کچھ دوں گا اور جب وہ آئے تو کہہ دے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں اور جو ماعون سے کہے

سب حاضر ہے حالانکہ اس کے آگے کچھ نہ ہو۔ اور وہ لوگ جو کسی کو اس کے اس سوال کے جواب میں فلاں کا مکان کونسا ہے؟ کسی دوسرے کا مکان بتادیں اور وہ جو اپنے ماں باپ کو مارے یہاں تک کہ تنگ آ جائیں اور چیخ و پکار کرنے لگیں۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ....

کافروں سے کہا جائیگا کہ تم نے اپنی لذت کی چیزیں دنیا میں ختم کر دیں، آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائیگا:

اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ قیامت کے دن جب کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا یعنی دوزخ میں داخل کرنے کے لیے آگ کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اب تمہارے لیے عذاب ہی عذاب ہے تمہیں یہاں آنے کا یقین نہیں تھا دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے، دنیا ہی کے لیے جئے، اسی کے لیے مرے، لذت کی چیزوں کے پیچھے پڑے، انہی کو سب کچھ سمجھا، حلال سے حرام سے نفس کی ہر لذت پوری کی، اب تمہارے لیے لذت کی چیزوں میں سے کچھ نہیں ہے، جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ایمان کی دعوت دیتے تھے اور قیامت پر ایمان لانے کو فرماتے تھے تو تم ایمان لانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے اور برابر نافرمانی کرتے چلے جاتے تھے زمین میں ناحق تکبر کرنے اور نافرمانیوں میں بڑھتے چلے جانے کی وجہ سے آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا دنیا میں کفر پر جمے رہنے میں اپنی عزت سمجھی۔ آج اس کے عوض تمہارے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی توبیخ فرمائی کہ انہوں نے دنیا میں لذتوں سے استمتاع کیا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے صحابہؓ نے اور دیگر نیک بندوں نے دنیا کی لذتوں سے بچنے ہی کو ترجیح دی تا کہ آخرت میں ثواب ملے، حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اس پر کوئی بستر نہ تھا آپ کے جسم مبارک میں چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے اور آپ چمڑے کے تکیہ پر ٹیک لگائے تھے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے تا کہ آپ کی امت کو وسعت دیدے۔ فارس اور روم کے لوگوں کو مالی وسعت دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اب تک اسی میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے مزے کی چیزیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ تو اس پر راضی نہیں ہے کہ ان کو دنیا مل جائے اور ہمیں آخرت مل جائے۔

(رواہ البخاری و مسلم کما فی المشکوۃ ص ۴۴۷)

حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے پینے کے لیے کچھ طلب کیا لہذا آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ کر فرمایا یہ تو عمدہ چیز ہے لیکن میں اسے پیوں گا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خواہشیں پوری کرنے والی قوم کی خواہشوں کا برا انجام بتایا ہے ان سے کہا جائے گا: أَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (تم نے اپنی مزے کی چیزوں کو دنیا میں ختم کر دیا اور ان سے نفع حاصل کیا) لہذا میں لذت کی چیزیں استعمال کرنے سے ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں دنیا ہی میں دے دی جائیں یہ فرمایا اور اس شہد کے ملے

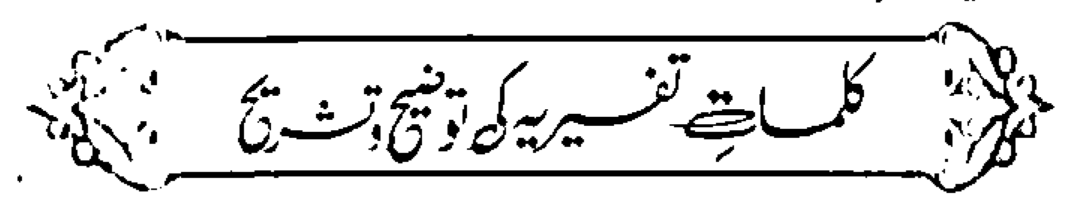
ہوئے پانی کو نہیں پیا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۱۹)

حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت عمر بن خطابؓ نے میرے ہاتھ میں گوشت دیکھا تو فرمایا اے جابر یہ کیا ہے میں نے عرض کیا گوشت کھانے کی خواہش ہوئی تھی لہذا میں نے گوشت خریدا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ ہر چیز خریدلوگے جس کے لیے جی چاہے گا کیا تم اس آیت سے نہیں ڈرتے۔ اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا
(معالم التنزیل)

وَاذۡكُرۡ اَخَا عَادٍ ؕ هُوَ هُوۡدٌ عَلَيۡهِ السَّلَامُ اِذۡ اِلٰى اٰخِرِهٖ بَدَلُ اشۡتِمَالٍ اَنۡذَرَ قَوۡمَهٗ خَوَّفَهُمۡ بِالۡاَحۡقَافِ وَادٍ
بِالۡيَمَنِ بِهٖ مَنَازِلُهُمۡ وَقَدۡ خَلَتِ النُّذُرُ مَضَتِ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖۤ اَىۡ مِنۡ قَبۡلِ هُوۡدٍ وَمِنۡ بَعۡدِهٖ
اِلٰى اَقۡوَامِهِمۡ اَنۡ اَىۡ بِاَنۡ قَالَ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَجُمۡلَةُ وَقَدۡ خَلَتۡ مُعۡتَرِضَةٌ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ عَبَدۡتُّمۡ
غَيۡرَ اللّٰهِ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِكَنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا ۚ لِتَصۡرِفَنَا عَنۡ عِبَادَتِهَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ مِنَ
الۡعَذَابِ عَلٰى عِبَادَتِهَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝ فِىۡ اَنَّهٗ يَاۡتِيۡنَا قَالَ هُوۡدٌ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ الَّذِىۡ
يَعۡلَمُ مَتٰى يَاۡتِيۡكُمُ الۡعَذَابُ وَاُبَلِّغُكُمۡ مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ اِلَيۡكُمۡ وَلٰكِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ قَوۡمًا تَجۡهَلُوۡنَ ۝ بِاسۡتِعۡجَالِكُمُ
الۡعَذَابَ فَلَمَّا رَاَوۡهُ اَىۡ مَا هُوَ الۡعَذَابُ عَارِضًا سَحَابًا عَرَضَ فِىۡ اُفُقِ السَّمَآءِ مُّسۡتَقۡبِلَ اَوۡدِيَتِهِمۡ ۙ قَالُوۡا هٰذَا
عَارِضٌ مُّمۡطِرُنَا ؕ اَىۡ مُمۡطِرٌ اِيَّانَا قَالَ تَعَالٰى بَلۡ هُوَ مَا اسۡتَعۡجَلۡتُمۡ بِهٖ ؕ مِنَ الۡعَذَابِ رِيۡحٌ بَدَلٌ مِنۡ مَا فِيۡهَا
عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝ مُؤۡلِمٌ تُدَمِّرُ تُهۡلِكُ كُلَّ شَىۡءٍ مَرَّتۡ عَلَيۡهِ بِاَمۡرِ رَبِّهَا بِاِرَادَتِهٖ اَىۡ كُلَّ شَيۡءٍ اَرَادَ اِهۡلَاكَهٗ
بِهَا فَاَهۡلَكَتۡ رِجَالَهُمۡ وَنِسَاءَهُمۡ وَصِغَارَهُمۡ وَكِبَارَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنۡ طَارَتۡ بِذٰلِكَ بَيۡنَ السَّمَاءِ
وَالۡاَرۡضِ وَمَزَّقَتۡهُ وَبَقِىَ هُوۡدٌ وَمَنۡ اٰمَنَ مَعَهٗ فَاَصۡبَحُوۡا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمۡ ؕ كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيۡنَاهُمۡ نَجۡزِى الۡقَوۡمَ
الۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝ غَيۡرَهُمۡ وَلَقَدۡ مَكَّنّٰهُمۡ فِيۡمَاۤ فِى الَّذِىۡ اِنۡ نَافِيَةٌ اَوۡ زَائِدَةٌ مَّكَّنّٰكُمۡ يَا اَهۡلَ مَكَّةَ فِيۡهِ مِنَ الۡقُوَّةِ
وَالۡمَالِ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ سَمۡعًا بِمَعۡنٰى اَسۡمَاعًا وَّاَبۡصَارًا وَّاَفۡـئِدَةً قُلُوۡبًا فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ سَمۡعُهُمۡ وَلَاۤ اَبۡصَارُهُمۡ وَلَاۤ
اَفۡـئِدَتُهُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اَىۡ شَيۡئًا مِنَ الۡاِغۡنَاءِ وَمِنۡ زَائِدَةٌ اِذۡ مَعۡمُوۡلَةٌ لِاَغۡنٰى وَاُشۡرِبَتۡ مَعۡنَى التَّعۡلِيۡلِ كَانُوۡا
يَجۡحَدُوۡنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ حُجَجِهِ الۡبَيِّنَةِ وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝ اَىِ الۡعَذَابُ ع ۶

ترجمہ: آپ قوم عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کا ذکر کیجئے جب کہ (آخر تک بدل اشتمال ہے) انہوں نے اپنی قوم کو

ڈرایا (خوف دلایا) ریت کے خمدار تودوں کے مقام پر (یمن کی وادی میں ان کے مکانات تھے) اور ان سے پہلے اور پیچھے بہت سے ڈرانے والے (پیغمبر) گزر چکے تھے (یعنی ہود علیہ السلام سے پہلے اور بعد میں اپنی اپنی قوموں کی طرف جا چکے) یہ کہ (یعنی یہ فرمایا) تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (اور جملہ "قد خلت" معترضہ تھا) مجھے تم پر اندیشہ ہے (اگر تم غیر اللہ کی پرستش کرتے رہے) ایک بڑے دن کے عذاب کا۔ وہ کہنے لگے تم ہمارے پاس اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہمیں اپنے معبودوں سے ہٹادو (ان کی پرستش سے پھیردو) سو لے آؤ ہمارے پاس جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو (ان کی پرستش کرنے پر عذاب سے) اگر تم سچے ہو (کہ تم اس کو لے آؤ گے) فرمایا (ہودنے) کہ پوری بات تو اللہ کو معلوم ہے (وہی جانتا ہے کہ کب تم پر عذاب آئے گا) اور مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے۔ وہ (تم کو) پہنچا رہا ہوں۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نری جہالت کی باتیں کر رہے ہو (جلد عذاب آنے کے بارے میں) سو ان لوگوں نے جب اس کو آتے دیکھا (جو کچھ عذاب تھا) بادل کی شکل میں (آسمان کے کنارے) اپنی وادیوں کے مقابل تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (ہمیں بارش دے گا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ) نہیں نہیں بلکہ یہ تو وہی (عذاب) ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے ایک آندھی ہے (ما کا بدل ہے) جس میں دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے وہ ہر چیز کو (جس پر گزرے گی) ہلاک (تباہ) کردے گی اپنے پروردگار کے حکم سے (اس کے ارادہ سے یعنی ہر چیز وہ جس کی ہلاکت منظور ہوگی۔ چنانچہ ان کے مرد، عورتیں، چھوٹے بڑے سب برباد ہو گئے۔ آسمان و زمین کے درمیان اڑتے پھرے۔ آندھی نے سب کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ ہود علیہ السلام اور ان کے مؤمن ساتھی بچ رہے) چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو یوں ہی (جیسے ان کو سزا دی) سزا دیا کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو ان باتوں میں (ما بمعنی الذی ہے) قدرت دی تھی کہ تم کو (مکہ والو) ان میں قدرت نہیں دی (یعنی طاقت اور مال) اور ہم نے ان کو کان (سمع بمعنی اسماع ہے) اور آنکھیں اور دل دیئے تھے۔ مگر نہ ان کے کان کام آئے اور نہ آنکھیں اور نہ دل ذرا بھی (یعنی کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا اس میں من زائد ہے) کیونکہ (اذ معمول ہے اغنیٰ کا اس میں سببیت کے معنی آ گئے ہیں) وہ لوگ آیات الہیہ (کھلے دلائل) کا انکار کرتے رہے اور انہیں آ گھیرا۔ (ان پر نازل ہو گیا وہ عذاب) جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله : بِالْاَحْقَافِ: جمع حقف: ریت کے لمبے ٹیلے، جن میں اتار چڑھاؤ ہو۔ وہ ان ریتوں میں رہنے والے تھے۔ جو سمندر کو جھانک رہے تھے۔

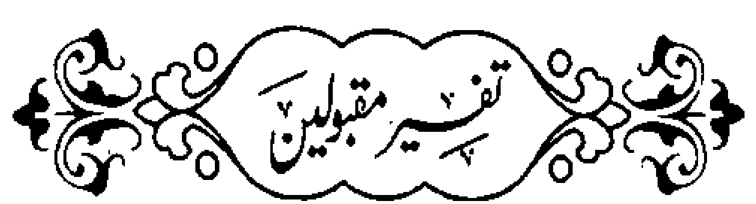
قوله : وَقَدْ خَلَتِ: یہ حال۔

قوله : بِاَنْ: کسی چیز کی ممانعت دراصل اس کی مضرت سے انذار ہوتا ہے۔

قوله : مَا هوَ الْعَذَابُ: ضمیر کا مرجع عذاب ہے۔

قوله : تُدَمِّرُ : یہ ریح کی صفت کے بعد صفت ہے۔

قوله : وَاُشْرِبَتْ مَعْنَى التَّعْلِيْلِ : یعنی یہ ظرف ہے جس کو علت کے قائم مقام لائے اس طرح کہ حکم اس پر مرتب ہو گا، جس کی اس کی طرف نسبت کی گئی۔



وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ .....

قوم عاد کی تباہی کے اسباب:

جناب رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے تو آپ اگلے انبیاء کے واقعات یاد کر لیجئے کہ ان کی قوم نے بھی ان کی تکذیب کی عادیوں کے بھائی سے مراد حضرت ہود پیغمبر ہیں۔ انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عاد اولیٰ کی طرف بھیجا تھا جو احقاف میں رہتے تھے احقاف جمع ہے حقف کی اور حقف کہتے ہیں ریت کے پہاڑ کو۔ مطلق پہاڑ اور غار اور حضر موت کی وادی جس کا نام برہوت ہے جہاں کفار کی روحیں ڈالی جاتی ہیں یہ مطلب بھی احقاف کا بیان کیا گیا ہے قتادہ کا قول ہے کہ یمن میں سمندر کے کنارے ریت کے ٹیلوں میں ایک جگہ تھی جس کا نام شہر تھا یہاں یہ لوگ آباد تھے امام ابن ماجہ نے باب باندھا ہے کہ جب دعا مانگے تو اپنے نفس سے شروع کرے اس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہم پر اور عادیوں کے بھائی پر رحم کرے پھر فرماتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کے اردگرد کے شہروں میں بھی اپنے رسول مبعوث فرمائے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے: (فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ) (البقرۃ:66) اور جیسے اللہ جل دعلا کا فرمان ہے: (فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ) (فصلت:13)، پھر فرماتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم موحد بن جاؤ ورنہ تمہیں اس بڑے بھاری دن میں عذاب ہوگا۔ جس پر قوم نے کہا کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے روک رہا ہے؟ جا جس عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے وہ لے آ۔ یہ تو اپنے ذہن میں اسے محال جانتے تھے تو جرات کر کے جلد طلب کیا۔ جیسے کہ اور آیت میں ہے: (يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا) (الشوریٰ:18) یعنی ایمان نہ لانے والے ہمارے عذابوں کے جلد آنے کی خواہش کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ ہی کو بہتر علم ہے اگر وہ تمہیں اسی لائق جانے گا تو تم پر عذاب بھیج دے گا۔ میرا منصب تو صرف اتنا ہی ہے کہ میں اپنے رب کی رسالت تمہیں پہنچا دوں لیکن میں جانتا ہوں کہ تم بالکل بے عقل اور بے وقوف لوگ ہو اب اللہ کا عذاب آ گیا انہوں نے دیکھا کہ ایک کالا ابر ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے چونکہ خشک سالی تھی گرمی سخت تھی یہ خوشیاں منانے لگے کہ اچھا ہوا ابر چڑھا ہے اور اسی طرف رخ ہے اب بارش برسے گی۔ دراصل ابر کی صورت میں یہ وہ قہر الٰہی تھا جس کے آنے کی وہ جلدی مچا رہے تھے اس میں وہ عذاب تھا جسے حضرت ہود سے یہ طلب کر رہے تھے وہ

عذاب ان کی بستیوں کی تمام ان چیزوں کو بھی جن کی بربادی ہونے والی تھی تہس نہس کرتا ہوا آیا اور اسی کا اسے اللہ کا حکم تھا جیسے اور آیت میں ہے: (مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ کَالرَّمِیْمِ) (الذاریات:42) یعنی جس چیز پر وہ گزر جاتی تھی اسے چورا چورا کر دیتی تھی۔ پس سب کے سب ہلاک و تباہ ہو گئے ایک بھی نہ بچ سکا۔ پھر فرماتا ہے ہم اسی طرح ان کا فیصلہ کرتے ہیں جو ہمارے رسولوں کو جھٹلائیں اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کریں ایک بہت ہی غریب حدیث میں ان کا جو قصہ آیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔ حضرت حارث کہتے ہیں میں علا بن حضرمی کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا تھا ربذہ میں مجھے بنو تمیم کی ایک بڑھیا ملی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی مجھ سے کہنے لگی اے اللہ کے بندے میرا ایک کام اللہ کے رسول ﷺ سے ہے کیا تو مجھے حضور ﷺ تک پہنچا دے گا؟ میں نے اقرار کیا اور انہیں اپنی سواری پر بٹھا لیا اور مدینہ شریف پہنچا میں نے دیکھا کہ مسجد شریف لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے سیاہ رنگ جھنڈا لہرا رہا ہے اور حضرت بلال تلوار لٹکائے حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ تو لوگوں نے مجھ سے کہا حضور ﷺ عمرو بن عاص کو کسی طرف بھیجنا چاہتے ہیں میں ایک طرف بیٹھ گیا جب آنحضور ﷺ اپنی منزل یا اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو میں بھی گیا اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر آپ کی خدمت میں باریاب ہوا اسلام علیک کی تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اور بنو تمیم کے درمیان کچھ رنجش تھی؟ میں نے کہا ہاں اور ہم ان پر غالب رہے تھے اور اب میرے اس سفر میں بنو تمیم کی ایک نادار بڑھیا راستے میں مجھے ملی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اسے اپنے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچاؤں چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں اور وہ دروازہ پر منتظر ہے آپ نے فرمایا اسے بھی اندر بلا لو چنانچہ وہ آ گئیں میں نے کہا یا رسول اللہ اگر آپ ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر سکتے ہیں تو اسے کر دیجئے اس پر بڑھیا کو حمیت لاحق ہوئی اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھی کہ پھر یا رسول اللہ ﷺ آپ کا مضطر کہاں قرار کرے گا؟ میں نے کہا سبحان اللہ میری تو وہی مثل ہوئی کہ اپنے پاؤں میں آپ ہی کلہاڑی ماری مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری ہی دشمنی کرے گی؟ ورنہ میں اسے لاتا ہی کیوں؟ اللہ کی پناہ واللہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی مثل عادیوں کے قاصد کے ہو جاؤں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ عادیوں کے قاصد کا واقعہ کیا ہے؟ باوجودیکہ حضور ﷺ اس واقعہ سے بہ نسبت میرے بہت زیادہ واقف تھے لیکن آپ کے فرمان پر میں نے وہ قصہ بیان کیا کہ عادیوں کی بستیوں میں جب سخت قحط سالی ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک قاصد قیل نامی روانہ کیا، یہ راستے میں معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر ٹھہرا اور شراب پینے لگا اور اس کی دونوں کنیزوں کا گانا سننے میں جن کا نام جرادہ تھا اس قدر مشغول ہوا کہ مہینہ بھر تک یہیں پڑا رہا پھر چلا اور جبال مہرہ میں جا کر اس نے دعا کی کہ اللہ تو خوب جانتا ہے میں کسی مریض کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کا فدیہ ادا کرنے کے لئے تو آیا نہیں الٰہی عادیوں کو وہ پلا جو تو انہیں پلانے والا ہے چنانچہ چند سیاہ رنگ بادل اٹھے اور ان میں سے ایک آواز آئی کہ ان میں سے جسے تو چاہے پسند کر لے چنانچہ اس نے سخت سیاہ بادل کو پسند کر لیا اسی وقت ان میں سے ایک آواز آئی کہ اسے راکھ اور خاک بنانے والا کر دے تاکہ عادیوں میں سے کوئی باقی نہ رہے۔ کہا اور مجھے جہاں تک علم ہوا ہے یہی ہے کہ ہواؤں کے مخزن میں سے صرف پہلے ہی سوراخ سے ہوا چھوڑی گئی تھی جیسے میری اس انگوٹھی کا حلقہ اسی سے سب ہلاک ہو گئے۔ ابو وائل کہتے ہیں یہ بالکل ٹھیک نقل ہے عرب میں دستور تھا کہ جب کسی قاصد و

بھیجے تو کہہ دیتے کہ عادیوں کے قاصد کی طرح نہ کرنا۔ یہ روایت ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ جیسے کہ سورۃ اعراف کی تفسیر میں گزرا مسند احمد میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کھل کھلا کر اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے سوڑھے نظر آئیں۔ آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے اور جب ابر اٹھتا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرے سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا یا رسول اللہ لوگ تو ابر و باد کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برسے گی لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا عائشہ میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہوا ہی سے ہلاک کی گئی ایک قوم نے عذاب کے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ صحیح بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت دوسری سند سے مروی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ جب کبھی آسمان کے کسی کنارے سے ابر اٹھتا ہوا دیکھتے تو اپنے تمام کام چھوڑ دیتے اگرچہ نماز میں ہوں اور یہ دعا پڑھتے: (اللهم انى اعوذبک من شر مافيه) اے اللہ میں تجھ سے اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس میں ہے۔ پس اگر کھل جاتا تو اللہ عز وجل کی حمد کرتے اور اگر برس جاتا تو یہ دعا پڑھتے: (اللهم صيبا نافعا) اے اللہ اسے نفع دینے والا اور برسنے والا بنا دے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ جب ہوائیں چلتیں تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے: (اللهم انى اسألک خيرها وخير مافيها وخير ما ارسلت به واعوذبک من شرها وشر مافيها وشر ما ارسلت به) یا اللہ میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کو یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔ اور جب ابر اٹھتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا کبھی اندر کبھی باہر آتے کبھی جاتے۔ جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ فکرمندی دور ہو جاتی۔ حضرت عائشہ نے اسے سمجھ لیا اور آپ سے ایک بار سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ عائشہ خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں یہ اسی طرح نہ ہو جس طرح قوم ہود نے اپنی طرف بادل بڑھتا دیکھ کر خوشی سے کہا تھا کہ یہ ابر ہمیں سیراب کرے گا۔ سورۃ اعراف میں عادیوں کی ہلاکت کا اور حضرت ہود کا پورا واقعہ گزر چکا ہے اس لئے ہم اسے یہاں نہیں دوہراتے (فلله الحمد والمنه) طبرانی کی مرفوع حدیث میں ہے کہ عادیوں پر اتنی ہی ہوا کھولی گئی تھی جتنا انگوٹھی کا حلقہ ہوتا ہے یہ ہوا پہلے دیہات والوں اور بادیہ نشینوں پر آئی وہاں سے شہری لوگوں پر آئی جسے دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ ابر جو ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے یہ ضرور ہم پر بارش برسائے گا لیکن یہ جنگلی لوگ تھے جو ان شہریوں پر گرا دیئے گئے اور سب ہلاک ہو گئے ہوا کے خزانچیوں پر ہوا کی سرکشی اس وقت اتنی تھی کہ دروازوں کے سوراخوں سے وہ نکلی جا رہی تھی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ ....

اس سے قریش کو براہ راست خطاب کر کے ان کے دلوں پر دستک دی گئی، اور ان کو جھنجھوڑا گیا کہ ماضی کی ان بدبخت قوموں کو ہم نے اسباب و وسائل کی جو فراوانی بخشی تھی، اور تعمیر و تمدن اور مادی ترقی کے سلسلے میں جو عظمت و شوکت ان کو حاصل ہوئی تھی، وہ ان کو حاصل نہیں ہوئی، بلکہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا: (وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ) (سبا:45) یعنی یہ لوگ اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچے، جو کچھ کہ ہم نے ان کو دیا تھا۔ لیکن آخر کار جب ہم نے ان کو پکڑا تو وہ کسی

بھی طرح ہماری پکڑ سے نہ بچ سکے۔ہم نے ان کو کانوں آنکھوں اور دلوں کی تمام عظیم الشان قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔مگر انہوں نے چونکہ ہماری آیتوں کی روشنی کو قبول نہ کیا، بلکہ ان کا انکار ہی کرتے گئے،تو اسکے نتیجے میں ان کے کان آنکھ اور دل وغیرہ سب بیکار ہو گئے، وہ ان کے کچھ کام نہ آسکے۔ بلکہ وہ اپنی ساری ذہانت وفطانت کے باوجود اسی عذاب کی گرفت میں آکر رہے جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے تھے۔سو اس سے یہ اہم حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے کانوں آنکھوں اور ان کے دلوں کے اندر بھی اصل اور حقیقی روشنی اللہ تعالیٰ کی آیات ہی سے پیدا ہوتی ہے، پس جو آنکھیں کان اور دل ودماغ آیات الٰہی کے نور سے منور نہ ہوں، وہ ادراک حق وحقیقت کے اعتبار سے ماؤف اور بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں، ان کی ساری رسائی صرف محسوسات تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور محسوسات کے سلسلے میں بھی ان کا سارا زور ان کے مادی اور محسوس فوائد ہی کے حاصل کرنے کیلئے صرف ہوتا ہے اور بس، اور اس طرح وہ ایک حیوان عاقل بن کر رہ جاتے ہیں، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر برے اور بدتر ہو کر رہ جاتے ہیں، اسلئے کہ چار ٹانگوں والے معروف حیوان کو چونکہ عقل وفکر کی صلاحیتیں نہیں ملی ہوتیں، اس لئے وہ اپنی حیوانیت کے تقاضے اپنے محدود دائرے کے اندر، اور لگے بندھے طریقوں کے مطابق ہی پورے کرتا ہے، دوسرے کسی کو کچھ نہیں کہتا، اور اگر کبھی کسی کو کچھ کہے گا بھی تو وہ بھی اپنے محدود دائرے میں اور لگے بندھے طریقوں کے مطابق ہی یعنی کسی کو سینگ مار کر، یا لات مار کر، یا دانتوں سے کاٹ کر وغیرہ، لیکن دو ٹانگوں والا انسان جب حیوان بنتا ہے تو یہ اپنی عقل وفکر کی قوتوں کو استعمال کر کے وہ وہ ظلم کرتا اور قیامت ڈھاتا ہے کہ حیوان لایعقل کیلئے اس کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں، چنانچہ یہ ایسے ایسے آلات اور مشینیں ایجاد کرتا ہے کہ صرف ایک بٹن دبا کر آن کی آن میں ہزاروں جانوں کو بھسم کر سکتا ہے اور بالفعل ایسے کرتا ہے، اور بستے بستے شہروں کو اجاڑ کر رکھ دیتا ہے، اور مزید یہ کہ ان کی اس مادہ پرستانہ ذہنیت اور محسوس پرستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادراک حق وحقیقت کے سلسلے میں ان کی تمام اعلیٰ صلاحیتیں کند ہو کر رہ جاتی ہیں، اور ایسے لوگ اشیاء کے محسوس اور مادی پہلو کے سوا اور کسی طرف دیکھنے سوچنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے، حالانکہ غور وفکر کے لائق اصل میں روحانی پہلو ہی ہوتا ہے، کہ وہی انسان کا امتیاز ہے، اور اسی سے انسان انسان بنتا ہے، اسی لئے ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ ان کے دل ہیں جن سے یہ سوچتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں، جن سے یہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں جن سے یہ سنتے نہیں۔ یہ چوپایوں جیسے ہیں، بلکہ ان سے بھی کہیں بڑھ کر گمراہ اور بھٹکے ہوئے، یہی ہیں غافل۔

(الاعراف۔۱۷۹)

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى اَیْ اَهْلَهَا كَثَمُوْدَ وَعَادٍ وَقَوْمِ لُوْطٍ وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ كَرَّرْنَا الْحُجَجَ الْبَيِّنَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝ فَلَوْلَا هَلَّا نَصَرَهُمْ بِدَفْعِ الْعَذَابِ عَنْهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَيْرِهِ قُرْبَانًا مُتَقَرَّبًا بِهِمْ اِلَى اللّٰهِ اٰلِهَةً مَعَهُ وَهُمُ الْاَصْنَامُ وَمَفْعُوْلُ اتَّخَذُوا الْاَوَّلِ ضَمِيْرٌ مَحْذُوْفٌ يَعُوْدُ اِلَى الْمَوْصُوْلِ اَیْ هُمْ وَقُرْبَانًا الثَّانِیْ وَاٰلِهَةً بَدَلٌ مِنْهُ بَلْ ضَلُّوْا غَابُوْا عَنْهُمْ عِنْدَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ وَذٰلِكَ اَیْ اِتِّخَاذُهُمْ

الْأَصْنَامَ اٰلِهَةً قُرْبَانًا اٰلِهَةً كِذْبُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ يَكْذِبُوْنَ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ اَوْ مَوْصُوْلَةٌ وَالْعَائِدُ

مَحْذُوْفٌ اَيْ فِيْهِ وَ اذْكُرْ اِذْ صَرَفْنَآ اَمَلْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ جِنَّ نَصِيْبِيْنَ الْيَمَنِ اَوْ جِنَّ نِيْنَوٰى وَكَانُوْا

سَبْعَةً اَوْ تِسْعَةً وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَطْنِ نَخْلٍ يُصَلِّيْ بِاَصْحَابِهِ الْفَجْرَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ يَسْتَمِعُوْنَ

الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَيْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَنْصِتُوْا ۚ اَصْغُوْا لِاِسْتِمَاعِهِ فَلَمَّا قُضِيَ فُرِغَ مِنْ

قِرَاءَتِهِ وَلَّوْا رَجَعُوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ مُخَوِّفِيْنَ قَوْمَهُمْ بِالْعَذَابِ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا وَكَانُوْا يَهُوْدًا قَالُوْا

يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا هُوَ الْقُرْاٰنُ اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اَيْ تَقَدَّمَهُ كَالتَّوْرٰةِ يَهْدِيْٓ اِلَى

الْحَقِّ الْاِسْلَامِ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ اَيْ طَرِيْقِهِ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى

الْاِيْمَانِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ اللّٰهُ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ اَيْ بَعْضَهَا لِاَنَّ مِنْهَا الْمَظَالِمَ وَلَا تُغْفَرُ اِلَّا بِرِضٰى اَرْبَابِهَا وَ

يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ مُؤْلِمٍ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ اَيْ لَا يُعْجِزُ اللّٰهَ بِالْهَرَبِ

مِنْهُ فَيَفُوْتُهُ وَلَيْسَ لَهٗ لِمَنْ لَّا يُجِيْبُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَيِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءُ ۚ اَنْصَارٌ يَدْفَعُوْنَ عَنْهُ الْعَذَابَ اُولٰٓئِكَ

الَّذِيْنَ لَمْ يُجِيْبُوْا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ بَيِّنٍ ظَاهِرٍ اَوَلَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوْا اَيْ مُنْكِرُو الْبَعْثِ اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ لَمْ يَعْجِزْ عَنْهُ بِقٰدِرٍ خَبَرُ اَنَّ وَزِيْدَتِ الْبَاءُ فِيْهِ لِاَنَّ الْكَلَامَ فِيْ قُوَّةِ اَلَيْسَ اللّٰهُ

بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى هُوَ قَادِرٌ عَلٰى اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عَلَى النَّارِ ۭ بِاَنْ يُّعَذَّبُوْا بِهَا يُقَالُ لَهُمْ اَلَيْسَ هٰذَا التَّعْذِيْبُ بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

تَكْفُرُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى اَذٰى قَوْمِكَ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ ذَوُو الثَّبَاتِ وَالصَّبْرِ عَلَى الشَّدَائِدِ مِنَ الرُّسُلِ

قَبْلَكَ فَتَكُوْنُ ذَا عَزْمٍ وَمِنْ لِلْبَيَانِ فَكُلُّهُمْ ذَوُوْ عَزْمٍ وَقِيْلَ لِلتَّبْعِيْضِ فَلَيْسَ مِنْهُمْ اٰدَمُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَمْ

نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا وَلَا يُوْنُسُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ لِقَوْمِكَ نُزُوْلَ

الْعَذَابِ بِهِمْ قِيْلَ كَاَنَّهٗ ضَجِرَ مِنْهُمْ فَاَحَبَّ نُزُوْلَ الْعَذَابِ بِهِمْ فَاُمِرَ بِالصَّبْرِ وَتَرْكِ الْاِسْتِعْجَالِ لِلْعَذَابِ

فَاِنَّهٗ نَازِلٌ بِهِمْ لَا مُحَالَةَ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْاٰخِرَةِ لِطُوْلِهٖ لَمْ يَلْبَثُوْٓا فِي الدُّنْيَا فِيْ

ظَنِّهِمْ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ هٰذَا الْقُرْاٰنُ بَلٰغٌ ۚ تَبْلِيْغٌ مِنَ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَهَلْ اَىْ لَا يُهْلَكُ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْعَذَابِ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَىِ الْكَافِرُوْنَ

ع ۴

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں بھی غارت کر ڈالی ہیں (یعنی ان بستی والوں کو جیسے ثمود و عاد اور قوم لوط) اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں (کھلی دلیلیں) بتلا دی تھیں تا کہ وہ باز آ جائیں۔ سو ان کی مدد کیوں نہ کی (ان کا عذاب دور کر کے) ان چیزوں نے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے (ان کی پرستش کر کے اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کیلئے) معبود بنا رکھا تھا (اللہ کے ساتھ شریک کر کے۔ یعنی بتوں کو اور اتخذوا کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی ہم اور مفعول ثانی قربانا ہے اور آلہتہ اس کا بدل ہے) بلکہ وہ تو سب کے سب غائب (گم) ہو گئے (عذاب آنے کے وقت) اور وہ (یعنی بتوں کو خدائی قرب حاصل کرنے کیلئے معبود بنا لینا) محض ان کی تراشی ہوئی (جھوٹ) اور گھڑی ہوئی بات ہے (یہ لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور ما مصدریہ ہے یا موصولہ ہے اور عائد محذوف ہے یعنی فیہ) اور (یاد کیجئے) جب کہ ہم لے آئے (مائل کر دیا) آپ کے پاس جنات کی ایک جماعت (نصیبین یمن یا نینوی کے جنات جو سات یا نو تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطن نخلہ میں اپنے احباب کے ساتھ نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ شیخین کی روایت کے مطابق) جو قرآن سننے لگے تھے۔ غرض جب وہ قرآن کے پاس پہنچے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو (غور سے سنو) پھر جب قرآن پڑھا جا چکا (قراءت سے فراغت ہو گئی) تو وہ جنات اپنی قوم کے پاس ان کو خبردار کرنے کیلئے واپس پہنچ (لوٹ) گئے (کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب آ جائے گا۔ اس بات سے ڈرانے کیلئے اور یہ جنات یہودی تھے) کہنے لگے اے بھائیو! ہم ایک کتاب (قرآن) سن کر آ رہے ہیں جو موسیٰؑ کے بعد اتاری گئی ہے جو پہلی کتابوں کی (جیسے تورات ہے) تصدیق کرنے والی ہے حق (اسلام) اور راہ راست کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! تم اللہ کی طرف بلانے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ایمان کی طرف دعوت دینے والے ہیں) کا کہنا مانو اور ان پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا (یعنی بعض گناہوں کو کیونکہ جو مظالم ہیں وہ مظلوموں کی مرضی کے بغیر معاف نہ ہوں گے) اور تمہیں دردناک (سخت) عذاب سے بچا لے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہیں مانے گا تو وہ دنیا میں ہرا نہیں سکتا (یعنی کہیں بھاگ کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا کہ بچ جائے) اور (کہنا نہ ماننے والوں کیلئے) اللہ کے سوا کوئی اس کا حامی نہیں ہوگا۔ (مددگار جو اللہ کے عذاب سے بچا لے) یہ لوگ (جو کہنا نہیں مانتے) صریح گمراہی میں ہیں (جو بالکل واضح ہے) کیا ان لوگوں (منکرین قیامت) نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا بھی نہیں تھکا (عاجز نہیں ہوا) وہ اس پر قدرت رکھتا ہے (ان کی خبر ہے جس پر با زائد ہے۔ کیونکہ تقدیر عبارت اس طرح تھی ''الیس اللہ بقادر'') کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ کیوں نہیں (وہ مردوں کو جلانے پر قادر ہے) بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس روز کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (عذاب بھگتنے کیلئے تو ان سے کہا جائے گا) کیا یہ (دوزخ کا عذاب) امر واقعی نہیں ہے۔ بولیں گے ہمارے پروردگار کی قسم ضرور امر واقعی ہے۔ ارشاد ہوگا تو اپنے کفر کی پاداش میں اس کا عذاب

چکھو۔ پس آپ (اپنی قوم کی تکالیف پر) صبر کیجئے۔ جیسا کہ اور ہمت والے (مصیبتوں کو جھیل کر برداشت کرنے والے) پیغمبروں نے کیا ہے (جو آپ سے پہلے ہوگزرے ہیں۔ لہٰذا آپ بھی باہمت بن جائیں گے۔ اور من بیانیہ ہے۔ چنانچہ تمام انبیاء باہمت ہی ہوتے ہیں۔ اور بعض کی رائے میں من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ آدمؑ ان میں شامل نہیں ہیں۔ جیسا کہ آیت ولم نجد له عزما سے معلوم ہوتا ہے اور حضرت یونسؑ بھی ان میں نہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے ولا تکن کصاحب الحوت الخ) اور آپ ان لوگوں کیلئے جلدی نہ کیجئے (اپنی قوم پر جلد عذاب نازل ہونے کیلئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ اپنی قوم سے تنگ دل ہو کر ان پر عذاب چاہ رہے تھے۔ اس لئے صبر کرنے اور عذاب میں جلدی نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ آخر کار عذاب تو آئے گا ہی) جس روز یہ لوگ دیکھیں گے اس کو جس کے بارہ میں ان کو دھمکایا جارہا ہے (عذاب آخرت کو اس کا سلسلہ طویل ہونے کی وجہ سے) تو گویا یہ لوگ دن بھر میں (دنیا کے لحاظ سے ان کے گمان میں) ایک گھڑی رہے ہوں گے (یہ قرآن) پہنچا دیتا ہے (اللہ کا پیغام تمہیں دے دیتا ہے) سو وہی برباد ہوں گے (عذاب آنے پر) جو نافرمانی (کفر) کریں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله : نَفَرًا: دس سے کم افراد کو کہتے ہیں۔ جمع انفار۔

قوله : يَسْتَمِعُوْنَ: یہ حال ہے۔

قوله : فَلَمَّا حَضَرُوْهُ: جب وہ قرآن سننے کے موقع یا رسول اللہ ﷺ کے ہاں حاضر ہوتے۔

قوله : مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى: انہوں نے یہ بات کہی اس لیے کہ پہلے وہ یہودی تھے۔

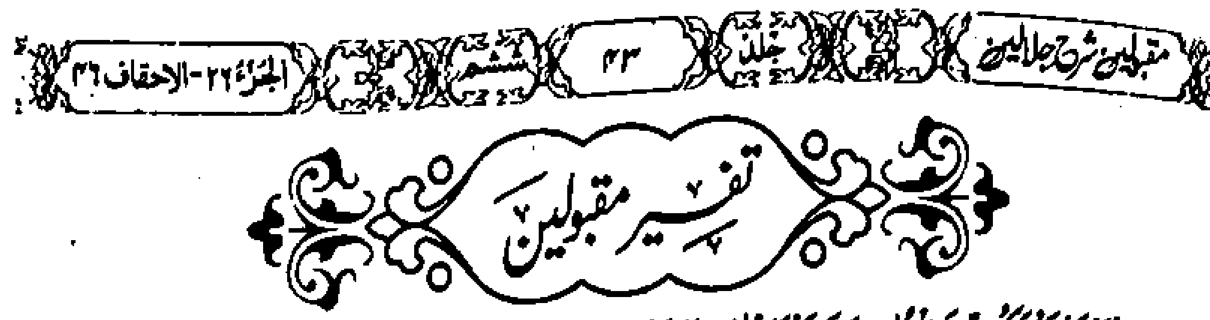
قوله : مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ: امام ابو حنیفہؒ جنات کو جنت اور اس کی نعمتوں سے متعلق متوقف ہیں، كذا قال صاحب المدارك۔

قوله: زِيْدَتِ الْبَاءُ: تاکید نفی کے لیے با آتی ہے۔

قوله: اُولُوا الْعَزْمِ: انبیاء پانچ نام لکھے گئے ہیں: حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیؑ، حضرت عیسیؑ، حضرت محمد ﷺ۔

قوله: هٰذَا الْقُرْاٰنُ: اس سے اشارہ ہے کہ بلاغ خبر ہے جس کا مبتدا محذوف ہے۔

قوله: تَبْلِيْغٌ: تو بلاغ یہ تبلیغ کا اسم ہے۔



وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

اس آیت سے تمام منکرین کو خطاب کر کے اور ان کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا گیا اور ادوات تاکید کے ساتھ فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم تمہارے گردو پیش کی اور بھی بہت سی بستیوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ جیسے قوم ثمود، قوم سبا، قوم مدین اور قوم لوط وغیرہ۔ جن کے آثار ونشانات اور کھنڈرات یہ لوگ اپنے سردیوں اور گرمیوں کے تجارتی سفروں کے دوران خود دیکھتے ہیں۔ مگر اس سے سبق نہیں لیتے۔ اور یہ صرف وہیں کے لوگوں اور کفار قریش ہی پر منحصر نہیں، بلکہ غفلت شعاری اور لاپرواہی کی یہ روش انسان پر ہمیشہ مسلط رہی ہے۔ اور کل کی طرح آج بھی ہے۔ اس انسان مغفل کا کل بھی یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے۔ ہلاک اور تباہ شدہ قوموں کے ایسے آثار ونشانات یہاں اور وہاں پوری دنیا میں جگہ جگہ بکھرے اور پھیلے پڑے ہیں۔ اور آج کے غافل انسان کا معاملہ تو اور بھی زیادہ تعجب انگیز اور افسوسناک ہے کہ یہ اس طرح کے آثار قدیمہ کی حفاظت کیلئے طرح طرح کے پاپڑ بیلتا ہے اور اس کے لئے بھاری خرچ بھی کرتا ہے مگر عبرت پذیری کے اصل مقصود سے یہ بھی کل کے انسان کی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر غافل اور لاپرواہ ہے۔ اور یہ وہاں جا کر ان سے درس عبرت لینے کی بجائے الٹا اپنی غفلت شعاری میں اضافے کا سامان کرتا ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے غافل لوگوں کے دلوں پر دستک دی گئی ہے اور ان کے ضمائر کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ اپنے اردگرد پھیلے ان آثار ونشانات میں غور وفکر سے کام لے کر تم لوگ درس عبرت لو۔ اور اپنی اصلاح کو لو قبل اس سے کہ تم اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہو جس سے پھر تمہارے لیے نکلنے اور چھٹکارا پانے کی کوئی صورت ممکن نہ رہے۔ کیونکہ اللہ کا عذاب جب آجاتا ہے تو پھر اس کو ٹالنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ .....

جنات کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا، پھر واپس جا کر اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا!

رسول اللہ ﷺ رسول الثقلین تھے یعنی آپ انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور جنات کی طرف بھی یہاں سورۃ الاحقاف میں اور سورۃ الجن میں جنات کا خدمت عالی میں حاضر ہونا اور آپ سے قرآن مجید سننا مذکور ہے علماء حدیث نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنات کی آبادی میں تشریف لے گئے اور انہیں احکام دینیہ کی تبلیغ فرمائی محدثین کی اصطلاح میں اس کو لیلۃ الجن کہتے ہیں حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا، معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جنات کو تبلیغ کریں انھیں ایمان لانے کی دعوت دیں اور قرآن سنائیں پھر اللہ تعالیٰ نے نینوا بستی کے رہنے والے جنات میں سے ایک جماعت کو آپ کے پاس بھیج دیا آپ تشریف لے جانے لگے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ساتھ چلے گئے یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ ہم چلتے چلتے شعب الحجون پہنچ گئے (المعلیٰ کے علاقے کا پرانا نام "الحجون" ہے) وہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے خط کھینچ کر میرے

لیے جگہ تجویز فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ میرے واپس آنے تک اسی جگہ رہنا آپ مجھے چھوڑ کر آگے تشریف لے گئے وہاں قرآن کریم پڑھنا شروع کیا، آپ کے پاس پاس گدھوں جیسی چیزیں جمع ہو گئیں اور میں نے طرح طرح کی سخت آوازیں سنیں یہاں تک کہ مجھے آپ کی جان کا خطرہ ہو گیا آپ کی آواز بھی مجھ سے اوجھل ہو گئی پھر میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح واپس جا رہے ہیں رسول اللہ ﷺ ان سے فارغ ہو کر فجر کے بعد تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہیں نیند آ گئی تھی میں نے عرض کیا کہ مجھے نیند کیا آتی مجھے تو آپ کی جان عزیز کا خیال آ رہا تھا بار بار خیال ہوا کہ میں لوگوں کو بلاؤں تا کہ آپ کا حال معلوم کریں فرمایا اگر تم اپنی جگہ سے چلے جاتے تو اس کا کچھ اطمینان نہیں تھا کہ ان میں سے تمہیں کوئی اچک لیتا؛ پھر فرمایا کیا تم نے کچھ دیکھا عرض کیا کہ میں نے کالے رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید کپڑے لپیٹے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ شہر نصیبین کے جنات تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے لیے کچھ بطور خوراک تجویز فرما دیجیے لہٰذا میں نے ان کے لیے ہڈی اور گھوڑے وغیرہ کی لید نیز اونٹ اور بکری وغیرہ کی مینگنی تجویز کر دی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان چیزوں سے ان کا کیا کام چلے گا؟ فرمایا وہ جو بھی کوئی ہڈی پائیں اس پر اتنا ہی گوشت ملے گا جتنا اس دن تھا جس دن اس سے گوشت چھڑایا گیا اور جو بھی لید پائیں گے انہیں اس پر وہ دانے ملیں گے جو جانوروں نے کھائے تھے (جن کی لید بن گئی تھی) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سخت آوازیں سنیں یہ کیا بات تھی؟ فرمایا جنات میں ایک قتل ہو گیا تھا وہ اسے ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے وہ میرے پاس فیصلہ کرنے کے لیے آئے تھے میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ ہڈی کو جنات کی خوراک اور مینگنی کو ان کے جانوروں کی خوراک تجویز کیا اور اس کی وجہ سے ان سے استنجا کرنے کی ممانعت فرمادی۔

ایک روایت میں حضرت ابن مسعودؓ کا بیان یوں بھی نقل کیا گیا ہے کہ لیلۃ الجن کو رسول اللہ ﷺ غار حرا کی طرف سے تشریف لائے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم رات بھر آپ کو ڈھونڈتے پھرے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی، فکر اور غم میں ہم نے پوری رات گزاری آپ نے فرمایا کہ جنات کی طرف سے ایک بلانے والا میری طرف آیا تھا میں اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اور ان کو قرآن مجید سنایا۔

جنات نے قرآن مجید سنا تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو دھیان سے سنو جب آپ نے تلاوت ختم فرمادی تو جنات واپس ہو گئے اور ساتھ ہی مبلغ اور داعی بھی بن گئے واپس ہو کر انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے یہ کتاب واقعی اللہ کی کتاب ہے جو کتابیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئیں ان کی تصدیق کرنے والی اور حق کی طرف اور راہ مستقیم کی طرف ہدایت دیتی ہے اس سے بعض مفسرین نے یہ بات ثابت کی کہ یہ جنات جنہوں نے آپ سے قرآن مجید سنا پھر واپس ہو کر اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت دی یہ لوگ یہودی تھے جنات کی مذکورہ بالا جماعت نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ اللہ کے داعی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بات مانو ان پر ایمان لاؤ جب ایمان لے آؤ گے اللہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچا دے گا جو جنات ایمان لے آئے ان کا اجر و ثواب یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا اور عذاب سے محفوظ فرمادے گا

اس میں داخلہ جنت کا ذکر نہیں ہے چونکہ مؤمن جنات کے جنت میں داخل ہونے کا کسی آیت کریمہ میں واضح اور صریح تذکرہ نہیں ہے اور کوئی حدیث مرفوع صحیح صریح بھی اس بارے میں نہیں ملتی اس لیے مسئلہ اختلافی ہو گیا ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے ایمان کا صلہ بس یہی ہے کہ دوزخ سے محفوظ کر دیئے جائیں اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ جیسا کہ جانوروں کے لیے یہی ارشاد ہو گا لہٰذا وہ مٹی ہو جائیں گے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس میں توقف فرمایا ہے جنت میں داخل ہونے نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ واللہ اعلم بالصواب

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ ..... یہ جنات کے کلام کا تتمہ ہے یا جملہ مستانفہ ہے دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں اس میں یہ اعلان فرمادیا کہ جو کوئی شخص اللہ کے داعی کی بات نہ مانے یعنی ایمان نہ لائے تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور عذاب میں گرفتار ہو گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب گرفت ہو گی تو کہیں بھاگ کر نہیں جا سکے گا اور اللہ کے سوا کوئی مدد نہ کر سکے گا جس نے اللہ کے داعی کی نافرمانی کی وہ واضح گمراہی میں ہے۔

جو لوگ توحید کے منکر ہوتے ہیں وقوع قیامت کے بھی قائل نہیں ہوتے لہٰذا دعوت توحید کے بعد وقوع کا قیامت کا بھی تذکرہ فرمایا اور منکرین کا استبعاد دور کرتے ہوئے فرمایا کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا، اس کو تو تم مانتے ہو اتنی بڑی بڑی چیزوں کو پیدا فرمایا اور اسے ذرا بھی تھکن نہیں ہوئی جس نے ان کو پیدا فرمادیا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو اور دوسری چیزوں کو موت دے کر دوبارہ زندہ فرمائے؟ تم تو غور ہی نہیں کرتے اور غور کرو گے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجائے گی بَلٰٓى وہ ضرور دوبارہ پیدا کر سکتا ہے مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ .....

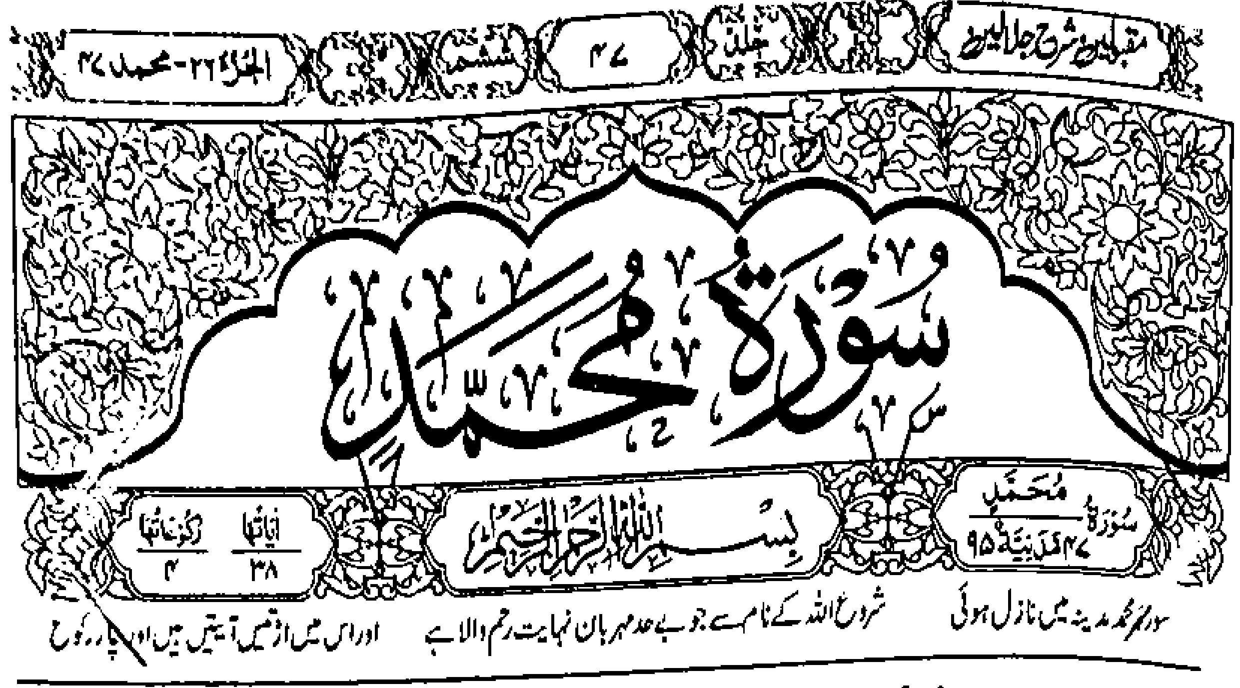
رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور صبر کی تلقین:

رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور محنت اور جدوجہد برابر جاری رہی آپ کے مخاطبین انکار و عناد پر تلے ہوئے تھے اس سے آپ کو رنج ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے اور صبر کی تلقین کرنے کے لیے فرمایا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (سو آپ صبر کیجیے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا) وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (ان لوگوں کے لیے جلدی نہ کیجیے) یعنی ان پر جلدی عذاب آجائے اس فکر میں نہ پڑیے۔ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ جس دن یہ لوگ وعدہ کی چیز کو دیکھیں گے گویا کہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے یعنی عذاب میں دیر لگ رہی ہے وہ اس کی وجہ سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ عذاب نہیں آئے گا لیکن جب عذاب آجائے گا تو وہ یوں سمجھیں گے کہ دنیا میں جو زندگی گزاری وہ صرف ایک گھڑی ہی تھی دنیا کی لمبی زندگی کو جس میں خوب مزے کیے انہیں شدت عذاب کی وجہ سے بھول جائیں گے۔ بَلٰغٌ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی یہ جو کچھ تمہیں بتایا گیا سنایا گیا نصیحت اور موعظت کے اعتبار سے کافی ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ ھٰذا جو محذوف ہے اس کا مشار الیہ قرآن مجید ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے اللہ کی

طرف سے تمہیں حق پہنچا دیا ثواب کی چیزیں بھی بتادیں گناہ کے کاموں سے بھی آگاہ کر دیا تبلیغ کا حق ادا کر دیا اب عمل نہ کرو گے تو عذاب میں گرفتار ہو گے۔

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (سو عذاب کے ذریعہ فاسق لوگ ہی ہلاک ہوں گے) جو اللہ کے باغی ہیں اس کی فرمانبرداری سے دور ہیں۔

فائدہ: آیت کریمہ میں: اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ فرمایا ہے بعض حضرات کے نزدیک مِنَ بیانیہ ہے اور ان حضرات کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول اولوالعزم یعنی ہمت اور حوصلہ والے تھے جیسے ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجیے اس کی تفسیر کی بناء پر تمام انبیاء کرام اور رسل عظامؑ اولوالعزم کی صفت سے متصف تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مِنَ تبعیضیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھیجے تھے ان میں جو اولوالعزم تھے آپ ان کا اتباع کیجیے جب یہ تفسیر کر دی گئی تو یہ سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان حضرات میں کون کون اولوالعزم تھے پھر ان حضرات کے نام تجویز کیے گئے کسی نے صرف حضرت یونس علیہ السلام کا استثناء کیا اور کہا کہ وہ اہل عزم نہیں تھے کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے میں جلدی کی تھی اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے: وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ فرمایا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اولوالعزم سے وہ حضرات مراد ہیں جو سورۂ انعام کی آیات: وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ میں مذکور ہیں اور یہ اٹھارہ ہیں ان کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور آپ ان کی ہدایت کا اتباع کیجیے اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اولوالعزم سے وہ حضرات انبیاء مراد ہیں جو اصحاب شرائع تھے یعنی حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) یہ چار ہیں پانچویں صاحب شریعت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



سُوْرَةُ الْقِتَالِ مَدَنِيَّةٌ اِلَّا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ الْاٰيَةُ اَوْ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ اَوْ تِسْعٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۃ القتال مدنیہ ہے، بجز آیت وکاین من قریۃ کے یا یہ سورت مکیہ ہے اس میں ۳۸ یا ۳۹ آیات ہیں

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ وَصَدُّوْا غَيْرَهُمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيِ الْاِيْمَانِ اَضَلَّ اَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ كَاِطْعَامِ الطَّعَامِ وَصِلَةِ الْاَرْحَامِ فَلَا يَرَوْنَ لَهَا فِي الْاٰخِرَةِ ثَوَابًا وَيُجْزَوْنَ بِهَا فِي الدُّنْيَا مِنْ فَضْلِهٖ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَيِ الْاَنْصَارُ وَغَيْرُهُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ اَيِ الْقُرْاٰنِ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ غَفَرَ لَهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ اَيْ حَالَهُمْ فَلَا يَعْصُوْنَهٗ ذٰلِكَ اَيْ اِضْلَالُ الْاَعْمَالِ وَتَكْفِيْرُ السَّيِّاٰتِ بِاَنَّ بِسَبَبِ اَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ الشَّيْطَانَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ الْقُرْاٰنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ اَيْ مِثْلَ ذٰلِكَ الْبَيَانِ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝ يُبَيِّنُ اَحْوَالَهُمْ اَيْ فَالْكَافِرُ يُحْبَطُ عَمَلُهٗ وَالْمُؤْمِنُ يُغْفَرُ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهٖ اَيْ فَاضْرِبُوْا رِقَابَهُمْ اَيْ اُقْتُلُوْهُمْ وَعَبَّرَ بِضَرْبِ الرِّقَابِ لِاَنَّ الْغَالِبَ فِي الْقَتْلِ اَنْ يَّكُوْنَ بِضَرْبِ الرَّقَبَةِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ اَيْ اَكْثَرْتُمْ فِيْهِمُ الْقَتْلَ فَشُدُّوْا اَيْ فَاَمْسِكُوْا عَنْهُ وَاْسِرُوْهُمْ وَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ مَا يُوْثَقُ بِهِ الْاَسْرٰى فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهٖ اَيْ تَمُنُّوْنَ عَلَيْهِمْ بِاِطْلَاقِهِمْ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ وَاِمَّا فِدَاۗءً اَيْ تُفَادُوْنَهُمْ بِمَالٍ اَوْ اَسْرٰى مُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَيْ اَهْلُهَا اَوْزَارَهَا ڔ اَثْقَالَهَا مِنَ السِّلَاحِ وَغَيْرِهٖ بِاَنْ يُّسْلِمَ

الْكُفَّارُ اَوْ يَدْخُلُوا فِي الْعَهْدِ وَهٰذِهٖ غَايَةٌ لِلْقَتْلِ وَالْاَسْرِ ذٰلِكَ خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مُقَدَّرٍ اَيِ الْاَمْرُ فِيْهِمْ مَا ذُكِرَ وَلَوْ

يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ بِغَيْرِ قِتَالٍ وَّلٰكِنْ اَمَرَكُمْ بِهٖ لِيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ مِنْهُمْ فِي الْقِتَالِ فَيَصِيْرُ مَنْ

قُتِلَ مِنْكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمِنْهُمْ اِلَى النَّارِ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا وَفِيْ قِرَاءَةٍ قَاتَلُوا الْاٰيَةُ نَزَلَتْ يَوْمَ اُحُدٍ وَقَدْ فَشَا فِي

الْمُسْلِمِيْنَ الْقَتْلُ وَالْجِرَاحَاتُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ يُحْبِطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اِلٰى مَا يَنْفَعُهُمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ حَالَهُمْ فِيْهِمَا وَمَا فِي الدُّنْيَا لِمَنْ لَمْ يُقْتَلْ وَاُدْرِجُوْا فِيْ قُتِلُوْا تَغْلِيْبًا وَ

يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا بَيَّنَهَا لَهُمْ ۝ فَيَهْتَدُوْنَ اِلٰى مَسَاكِنِهِمْ مِنْهَا وَاَزْوَاجِهِمْ وَخَدَمِهِمْ مِنْ غَيْرِ اسْتِدْلَالٍ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ اَيْ دِيْنَهٗ وَرَسُوْلَهٗ يَنْصُرْكُمْ عَلٰى عَدُوِّكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ يُثَبِّتْكُمْ فِي

الْمُعْتَرَكِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ تَعِسُوْا يَدُلُّ عَلَيْهِ فَتَعْسًا لَّهُمْ اَيْ هَلَاكًا وَخَيْبَةً مِنَ

اللّٰهِ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ عَطْفٌ عَلٰى تَعِسُوْا ذٰلِكَ اَيِ التَّعْسُ وَالْاِضْلَالُ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى التَّكَالِيْفِ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

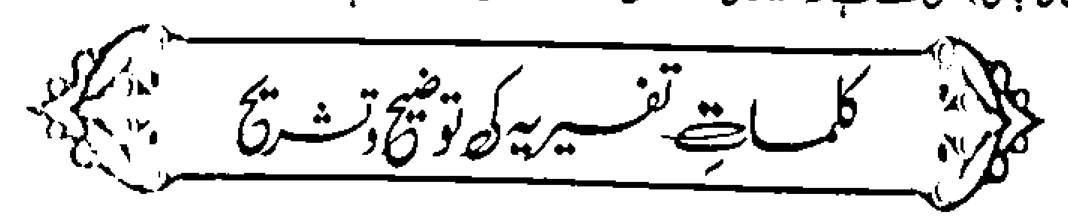
مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَهْلَكَ اَنْفُسَهُمْ وَاَوْلَادَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝ اَمْثَالُ عَاقِبَةِ مَنْ

قَبْلِهِمْ ذٰلِكَ اَيْ نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَقَهْرُ الْكَافِرِيْنَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى وَلِيُّ وَنَاصِرُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى

لَهُمْ ۝ ع

ترجمہ: (مکہ کے) جو لوگ کافر ہوئے اور (اوروں کو) اللہ کے رستہ (ایمان) سے روکا خدا نے ضائع (کالعدم) کر دیئے ان کے اعمال (مثلاً کھانا کھلانا، صلہ رحمی کرنا، لہٰذا ان کاموں کا ثواب انہیں آخرت میں نہیں ملے گا۔ بلکہ اللہ اپنی مہربانی سے دنیا ہی میں اس کو چکا دیتا ہے) اور جو لوگ (انصار وغیرہ) ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایمان لائے اس سارے (قرآن) پر جو محمدؐ پر نازل کیا گیا اور وہ اس کے پروردگار کے پاس سے امر واقعی ہے اللہ اتار دے گا (معاف کر دے گا) ان کے گناہ اور ان کی حالت درست رکھے گا۔ (لہٰذا وہ ان کی نافرمانی نہیں کریں گے) یہ (نیک کاموں کو ناکارہ اور برے کاموں کا کفارہ کرنا) اس لئے ہے (بوجہ اس کے) کہ کافر تو غلط (شیطان کے) راستہ پر چلے اور ایمان دار صحیح رستہ (قرآن پر) چلے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اسی طرح (جیسے یہ بیان ہوا) اللہ لوگوں کیلئے ان کے حالات بیان فرماتا ہے (ان کے احوال کھول دیتا ہے۔ چنانچہ کافر کا عمل ضبط اور مؤمن کے خطا قصور معاف) سو کفار سے جب تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑا ڈالو (ضرب مفعول مطلق ہے مگر لفظوں میں فعل کا بدل ہے ای فاضربوا رقابهم یعنی کافروں کو قتل کر ڈالو لیکن

گردن مارنے سے اس کو تعبیر کر دیا کیونکہ قتل میں عموماً گردن ہی اڑائی جاتی ہے) یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کر چکو (بکثرت قتل کر دو) تو باندھ ڈالو۔ (قتل روک دو۔ ان کو گرفتار کر کے جنگی قیدی بنالو۔ مضبوط باندھ رکھو) خوب مضبوط (بیڑی وغیرہ جس سے قیدی باندھے جاتے ہیں) پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا (مصدر ہے مگر بلحاظ لفظ فعل کا بدل ہے ای تمنون منا یعنی مفت چھوڑ کر ان پر احسان کر ڈالو) اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ نا (یعنی ان سے مالی فدیہ کے بدلے یا مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑنا) جب تک لڑائی والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں (ہتھیار وغیرہ کا بوجھ، کفار مسلمان ہو جائیں یا ذمی ہو جائیں، یہ قتل اور قید کرنے کی غایت ہے) یہ (خبر ہے مبتداء محذوف کی تقدیر عبارت اس طرح ہے الامر فیہم ماذکر) حکم بجالانا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا (بغیر قتل ہی) لیکن (تمہیں قتل کا حکم دیا ہے) تاکہ ایک دوسرے کا امتحان لے سکو (ان کو قتل کر کے، جو تم میں شہید ہو جائے تو جنتی، ان میں کا کوئی مارا جائے تو دوزخی) اور جو لوگ مارے جاتے ہیں (ایک قراءت میں قاتلوا ہے۔ یہ آیت جنگ احد کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب کہ مسلمان شہید و زخمی بکثرت ہو رہے تھے) اللہ کی راہ میں، ان کے اعمال کو اللہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ اللہ ان کی رہنمائی فرمائے گا (دنیا و آخرت میں نفع بخش مطلوب تک) اور ان کی حالت درست رکھے گا (دونوں جہان میں اور صرف دنیا میں بہتر کرے گا۔ جو شہید نہیں ہوا اور تغلیباً قتلوا میں شمار کیا گیا ہے) اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی ان کو پہچان کرا دے گا (چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں میں اپنی بیویوں اور نوکروں کے پاس بغیر کسی رہنمائی کے از خود پہنچ جائیں گے) اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین اور رسولؐ) کی مدد کرو گے تو وہ (دشمن کے مقابلہ میں) تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا (معرکوں میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا) اور جو لوگ کافر ہیں (مکہ والوں میں یہ مبتداء ہے خبر تعسوا ہے جس پر اگلا لفظ رہنمائی کر رہا ہے) ان کیلئے تباہی ہے (یعنی خدائی ہلاکت و بربادی) اور اللہ ان کے کاموں کو مٹا دے گا (اس کا عطف تعسوا پر ہو رہا ہے) یہ (ہلاکت اور اعمال کی بربادی) اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا (یعنی قرآن کو جس میں شرعی احکام ہیں) سو اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا۔ کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسی تباہی ڈالی (ان کو ان کی اولاد، مال کو برباد کر ڈالا) اور ان کافروں کیلئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں (جیسے ان سے پہلوں کا انجام ہوا) یہ (مسلمانوں کی مدد اور کافروں کی تباہی) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز (ولی، مددگار) ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں۔



قوله: اَضَلَّ: اللہ تعالیٰ نے۔

قوله: اَحْبَطَ: یعنی اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ کو ضائع کر دیا کفر کے سبب وہ حبط ہو گئے۔

قوله: اَلْقُرْاٰنِ: منزل ما یہ کا تذکرہ تعظیم کے لیے ہے اور یہ جتلانے کے لیے کہ ایمان کی تکمیل قرآن کے بغیر نہیں ہوتی۔

قوله: وَهُوَ الْحَقُّ: یہ جملہ معترضہ ہے۔

قوله: مِنْ عند :اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ناسخ ہے منسوخ نہ ہوگا۔

قوله: ذٰلِكَ :یہ مبتداء اور اس کی خبر بان الذین ہے۔

قوله: بَدَلٌ :یعنی عوض اور نائب۔

قوله: مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ :یعنی ضرب مصدر ہے اور اکیلا ہی اور لفظ مصدر بمع فعل کا بدل وعوض اکیلا ہی واقعہ ہوا ہے۔

یعنی مصدر دو فعل کی جگہ اکیلا آیا ہے۔

قوله: فَاضْرِبُوْا :اصل یہ ہے فاضربوا الرقاب فعل کو حذف کر کے مصدر کو مقدم کر کے اس کا قائم مقام بنا دیا اور مفعول کی طرف اضافت کر دی اور اس میں ایک طرف اختصار ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تاکید کا معنیٰ بھی ہے۔

قوله: عَبَّرَ بِضَرْبِ :اگرچہ قتل تو گردن مارنے کے علاوہ سے بھی ہو جاتا ہے۔

قوله: بَدَلٌ :یہ نائب ہے جیسا گزرا۔

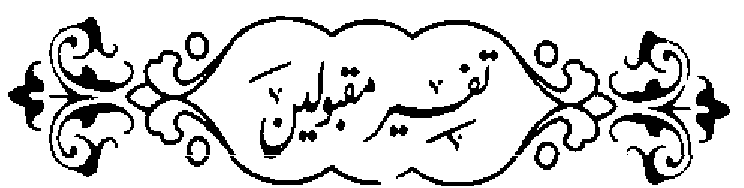
قوله: غَايَةٌ لِلْقَتْلِ :من وفداء کے لیے نہیں، کیونکہ من منسوخ ہے، عند امام ابی حنیفہؒ اور امام شافعیؒ درست ہے۔

قوله: وَمَا فِي الدُّنْيَا :یہ مبتداء مع خبر ہے۔

قوله: مِنْ غَيْرِ اسْتِدْلَالٍ :بلا رہنمائی اور بغیر دریافت کرنے کے۔

قوله: هَلَاكًا :یہ تعسا کا ترجمہ ہے، یہ فعل مقدر تعسوا سے منصوب ہوگا۔

قوله: فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ :اس کو دوبارہ لانے کا انکار قرآن سے کفر لازم ہے جو حبط عمل کا باعث ہے۔ اور اس سے یہ الگ نہیں ہو سکتا۔



سورۃ محمد مدنی ہے جس کی اڑتیس آیات اور چار رکوع ہیں اس سورت کا مدنی ہونا اکثر مفسرین کے نزدیک بالاتفاق ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور قتادہ علیہ الرحمہ سے یہ منقول ہے کہ اس سورت کی تمام آیات مدنیہ ہیں لیکن آیت: " وكاين من قرية هى اشد قوة من قريتك " اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ ہجرت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ سے نکل کر غار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور مکہ مکرمہ پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے یہ فرما رہے تھے اے سرزمین مکہ تو مجھ کو روئے زمین میں سب سے زیادہ محبوب بستی ہے اور اگر یہ تیرے باشندے مجھ کو یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں ہرگز یہاں سے نہ نکلتا تو اس لحاظ سے اس آیت کو مکیہ کہا جا سکتا ہے مفسرین کی اس اصطلاح کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ جو آیات مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل نازل ہوئیں وہ مکیہ ہیں حتیٰ کہ سفر ہجرت کے دوران نازل ہونے والی آیات بھی مکیہ ہی ہیں۔

اس سورت کی ابتداء ایک عجیب اور پرعظمت اعلان سے ہو رہی ہے کہ کافر اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے دشمن ہیں کا

مقصد زندگی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا ہے اور دعوت محمدیہ ﷺ کا مقابلہ کرنا ہے ان کے اعمال برباد ہیں اسکے بعد مسلمانوں کو جہاد وقتال کا حکم ہے پھر مسلمانوں کی فتح ونصرت اور غلبہ وعزت کا معیار بیان کیا گیا اور یہ کہ مسلمان قوم اللہ کی نصرت کی کب مستحق ہوتی ہے ساتھ ہی کفار مکہ کی تباہی کی مثال واضح کر دی گئی اسی کے ضمن میں منافقین کی سازشوں کا بھی ذکر ہو گیا پھر سورت کے اختتام پر مسلمانوں کو دعوت دی گئی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے عزت و کامیابی کا راستہ طے کریں سورۃ محمد کا دوسرا نام مفسرین نے سورۃ القتال بھی بیان کیا ہے کیونکہ اس سورت کا نزول سچے مسلمان اور کفار و منافقین کے درمیان تمیز کرنے ہی کے لئے فرمایا گیا ہے جس میں مختلف اسلوب اور پیرایوں میں سعداء واشقیا کے حالات اور انکے مراتب و منازل بیان کیے گئے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے والوں کی بربادی:

یعنی ان کے ان اعمال کو جن کو یہ لوگ نیکی اور خیر کے کام سمجھ کر کرتے تھے جیسے بیت اللہ کی خدمت ومجاورت، حاجیوں کو پانی پلانا، مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا، اور غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنا وغیرہ۔ جن کو عرب مکارم اخلاق میں شمار کرتے تھے، سو ان میں سے کسی بھی عمل کا کوئی اجر وثواب ان کو نہیں ملے گا، کیونکہ کفر وانکار اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کا جرم اتنا سنگین اور اسقدر ہولناک جرم ہے اسکے بعد اس طرح کے کسی بھی عمل کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی وزن نہیں، اسی لئے ان کے اعمال کے بارے میں دوسرے مقام پر تصریح فرمائی گئی کہ قیامت کے یوم حساب میں ان کے ایسے اعمال کو تتر بتر کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا: (وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا) (الفرقان: ۲۳) اسی طرح اس ارشاد میں یہ بھی داخل ہے کہ یہ لوگ دین حق کا راستہ روکنے کیلئے جو طرح طرح کی سازشیں اور کوششیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اکارت اور بیکار کر دیا، بس ان کی یہ کوششیں اس حق مبین کا راستہ روکنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گی، کہ یہ اللہ کا اتارا ہوا حق ہے، اسی طرح ان کے اعمال کے اکارت کر دینے میں یہ بھی داخل اور شامل ہے کہ اس نے ان لوگوں کے اس جرم یعنی کفر باللہ اور صدعن سبیل اللہ کے نتیجے میں ان کو اعمال خیر کی توفیق سے محروم کر دیا، جس کے باعث نہ ان کی کوششیں اور محنتیں صحیح راستے میں صرف ہو سکیں گی، اور نہ ہی ان کو صحیح مقاصد اور صحیح راستوں کو اپنانے کی توفیق ملے گی۔ بلکہ ان کی تمام دوڑ دھوپ غلط راستوں اور غلط مقاصد ہی کیلئے ہوگی اور ان کی ساری کارگزاری خیر وہدایت کے بجائے ضلالت وگمراہی ہی کیلئے ہوگی پس اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ کے عموم میں یہ تینوں صورتیں داخل ہیں سو کفر وانکار اور صدعن سبیل اللہ محرومیوں کی محرومی اور باعث ہلاکت وتباہی ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ....

اس سے ناکام ونامراد لوگوں کے مقابلے میں فائز المرام اور نیک بخت لوگوں کی تعیین بھی فرما دی گئی، اور ان کے مآل و انجام کو بھی واضح فرما دیا گیا۔ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے۔ اور خاص کر یہ کہ وہ اس دین پر

ایمان لائے ہوں جس کو محمد پر اتارا گیا ہے، کہ وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے تو اللہ تعالیٰ ان سے، ان کی برائیوں کو بھی مٹادے گا، اور ان کے حال کو بھی درست فرمادے گا۔ سو فائز المرام اور سعادت مند لوگوں کی تعیین ونشاندہی کے سلسلے میں واضح فرمادیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور انہوں نے اپنے اس ایمان کے مطابق نیک کام بھی کئے۔ اور اس ضمن میں خاص کر اس بات کی تصریح فرمائی گئی کہ وہ اس کتاب ہدایت اور دین حق پر ایمان لائے ہوں جس کو اتارا گیا محمد پر، اور یہ اس لئے کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت وتشریف آوری کے بعد خدا و آخرت اور گزشتہ انبیاء ورسل اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا اس وقت تک کافی نہیں جب تک کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لایا جائے، کیونکہ اب حق وہی اور صرف وہی ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے اور یہ ایک ایسی اہم اور بنیادی حقیقت ہے جس کو دوسری مختلف نصوص میں طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے، پس ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ ان کی ان برائیوں کو بھی مٹادے گا جو ان سے بتقاضائے بشریت سرزد ہوگئی ہوں گی، اور ان کی ان خرابیوں کو بھی دور فرمادے گا جو ان کے عقائد واخلاق اور اعمال وکردار میں سرایت کر گئی ہونگی۔ اور ان کی حالت کو بھی درست کر دے گا۔ سو وہ ان کی پچھلی حالت بدل کر ان کو صحیح راستے پر ڈال دے گا۔ جس سے ان کی زندگیاں سنور جائیں گی۔ اور وہ ان کے برے حالات کو اچھے حالات سے بدل دے گا۔ سو ایمان ویقین اصلاح احوال کی اساس وبنیاد، اور سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔

لفظ بال کا معنی ومفہوم اور اس کی اہمیت وعظمت؟

بال کے معنی حال اور شان کے آتے ہیں۔ مگر اس کا اطلاق بڑے اور اہم حال کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا۔ کل امر ذی بال اور اسی لئے اس کا اطلاق دل پر بھی ہوتا ہے کہ وہ سب امور واحوال کا مرجع ومرکز اور حاکم ومدبر ہوتا ہے۔ اس کی اصلاح سب کی اصلاح اور اس کا فساد سب کا فساد ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں مصرح ہے۔ اسی لئے یہاں بال کی تفسیر دل سے بھی کی گئی ہے۔ مآل بہر حال دونوں کا ایک ہی ہے کہ اللہ پاک ایمان صادق اور عقیدۂ خالص کی بنا پر ایسے لوگوں کے حال کو درست فرمادیتا ہے۔ پھر اہل ایمان کے حال کی یہ درستی عام ہے کہ اس سے ان کو دنیا میں بھی نیکی اور خیر کی توفیق ملتی ہے، اور آخرت میں بھی ان کو دوزخ کے عذاب سے نجات وپناہ ملتی ہے۔ اور جنت کی ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی عظیم الشان اور کس قدر مقدس اور انقلاب آفریں دولت ہے یہ ایمان ویقین کی دولت جو اس بندۂ عاجز اور اس مشت خاک کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز وہمکنار کر کے کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ فالحمد للہ الذی شرفنا بھذہ النعمۃ نعمۃ الدین والایمان۔ اللھم فزدنا منہ وثبتنا علیہ اھدنا واھدینا وخذ بنواصینا الی ما فیہ حبک ورضاک یارب العلمین یا ارحم الراحمین۔ بہر کیف لفظ بال ایک جامع لفظ ہے جو ظاہر وباطن دونوں قسم کے احوال پر حاوی ہوتا ہے۔ سو اس اعتبار سے [واصلح بالھم] کے معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر وباطن اور دنیا وآخرت سب کو درست کر دیا اور درست کر دے گا۔ سو انسان کے بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب وباطن ہی سے ہے اس کی اصلاح سب کی اصلاح ہے۔

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ....

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، اول یہ کہ جب قتال کے ذریعہ کفار کی شوکت وقوت ٹوٹ جائے تو اب بجائے قتل کرنے کے ان کو قید کرلیا جائے پھر ان جنگی قیدیوں کے متعلق مسلمانوں کو دو اختیار دیئے گئے، ایک یہ کہ ان پر احسان کیا جائے بغیر کسی فدیہ اور معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فدیہ لے کر چھوڑا جائے۔ فدیہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمارے کچھ مسلمان ان کے ہاتھ میں قید ہوں تو ان سے تبادلہ کرلیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ مال کا فدیہ لے کر چھوڑا جائے۔ یہ حکم بظاہر اس حکم کے خلاف ہے جو سورۃ انفال کی آیت میں گزر چکا ہے جس میں غزوہ بدر کے قیدیوں کو معاوضہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ کا عذاب قریب آ گیا تھا اگر یہ عذاب آ تا تو اس سے بجز عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے کوئی نہ بچتا کیونکہ انہوں نے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے سے اختلاف کیا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت انفال نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا بھی ممنوع کردیا تو بلا معاوضہ چھوڑنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ اور سورۃ محمد کی آیت مذکورہ نے ان دونوں چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اس لئے اکثر صحابہ اور ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ سورۃ محمد کی اس آیت نے سورۃ انفال کی آیت کو منسوخ کردیا تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حسن اور عطاء اور اکثر صحابہ وجمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور ائمہ فقہاء میں سے ثوری، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن عباس نے فرمایا کہ غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی قلت تھی اس وقت من وفداء کی ممانعت آئی اور پھر جب مسلمانوں کی شوکت وتعداد بڑھ گئی تو سورۃ محمد میں من وفداء کی اجازت دے دی گئی۔ تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہی قول صحیح اور مختار ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس پر عمل فرمایا اس لئے یہ آیت سورۃ انفال کی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سورۃ انفال کی آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی جو ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے 6 ہجری غزوہ حدیبیہ میں جن قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمایا ہے وہ سورۃ محمد کی اس آیت مذکورہ کے مطابق ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی آدمی اچانک جبل تنعیم سے اترے جو رسول اللہ ﷺ کو بے خبر پا کر قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو زندہ گرفتار کرلیا پھر بلا معاوضہ آزاد کردیا۔ اسی پر سورۃ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی: وهو الذی کف ايديهم عنكم و ايديكم عنهم ببطن مكة من بعد ان اظفركم عليهم. امام اعظم ابوحنیفہ کا مشہور مذہب ان کی ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا معاوضہ لے کر آزاد کرنا جائز نہیں اسی لئے علماء حنفیہ نے سورۃ محمد کی آیت مذکورہ کو امام اعظم کے نزدیک منسوخ اور سورۃ انفال کی آیت کو ناسخ قرار دیا ہے مگر تفسیر مظہری نے یہ واضح کردیا کہ سورۃ انفال کی آیت پہلے اور سورۃ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے اس لئے وہی ناسخ اور انفال کی آیت منسوخ ہے اور امام اعظم کا مختار مذہب بھی جمہور صحابہ وفقہاء کے مطابق آزاد کر دینے کے جواز کا نقل کیا ہے جبکہ مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہو، اور فرمایا کہ یہی اصح اور مختار ہے، علماء حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں اسی طرف مائل ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ قدوری اور ہدایہ کی روایت کے مطابق امام اعظم کے

نزدیک قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد نہیں کیا جا سکتا اور یہ ایک روایت ہے، امام اعظم ابوحنیفہ سے مگر انہی سے دوسری روایت بر کبیر میں جمہور کے قول کے مطابق جواز کی منقول ہے اور یہی ان دونوں روایتوں میں اظہر ہے اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں اسی کو ابوحنیفہ کا مذہب قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ محمد اور سورۃ انفال کی دونوں آیتیں جمہور صحابہ وائمہ کے نزدیک منسوخ نہیں، مسلمانوں کے حالات اور ضرورت کے تابع امام المسلمین کو اختیار ہے کہ ان میں جس صورت کو مناسب سمجھے اختیار کر لے۔ قرطبی نے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو کبھی قتل کیا گیا ہے اور کبھی غلام بنایا گیا اور کبھی فدیہ لے کر چھوڑا گیا اور کبھی بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا گیا۔ فدیہ لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے بدلے میں مسلمان قیدی آزاد کرا لئے جائیں اور یہ بھی کہ ان سے کچھ مال لے کر چھوڑا جائے، دونوں قسم کی صورتیں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہیں اس تفصیل کو نقل کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں جن آیتوں کو ناسخ منسوخ کہا گیا در حقیقت وہ سب محکم ہیں ان میں سے کوئی منسوخ نہیں، اس لئے کہ جب کفار قید ہو کر ہمارے قبضے میں آئیں تو امام المسلمین کو چار چیزوں کا اختیار ہے کہ مناسب سمجھے تو قتل کر دے اور مصلحت مسلمانوں کی سمجھے تو ان کو غلام اور لونڈی بنا لے، اور فدیہ لے کر چھوڑنے میں مصلحت ہو تو فدیہ مال کا یا مسلمان قیدیوں کا لے کر چھوڑ دے یا بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کر دے۔ قرطبی نے یہ تفصیل نقل کر کے لکھا ہے: وہذا القول یروی من اہل المدینتہ و الشافعی و ابی عبیدہ و حکاہ الطحاوی مذہبا عن ابی حنیفۃ و المشہور ما قدمناہ، یعنی علمائے مدینہ کا یہی قول ہے اور یہی قول امام شافعی اور ابوعبید کا ہے اور امام طحاوی نے ابوحنیفہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے اگرچہ مشہور مذہب ان کا اس کے خلاف ہے۔

(قرطبی ص228 ج16)

جنگی قیدیوں کے متعلق امام المسلمین کو چار اختیار:

مذکور الصدر تقریر سے واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کے قتل اور استرقاق یعنی غلام بنا لینے کا جو امام المسلمین کو اختیار ہے اس پر تو تمام امت کا اجماع ہے اور فدیہ لے کر یا بلا معاوضہ آزاد کرنے میں اگرچہ کچھ اختلافات ہیں مگر جمہور کے نزدیک یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔

اسلام میں غلامی کی بحث:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو آزاد چھوڑ دینے میں تو فقہاء کا کچھ اختلاف ہے بھی، قتل کرنے اور غلام بنانے کی اجازت میں کوئی اختلاف نہیں سب کا اجماع ہے کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، پھر قرآن کریم میں ان دو صورتوں کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اور صرف آزاد چھوڑنے کی دو صورتوں ہی کا بیان کیوں کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب امام رازی نے تفسیر کبیر میں یہ دیا ہے کہ یہاں صرف ان دو صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ہر جگہ اور ہر وقت جائز ہوں، غلام بنانے کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ عرب کے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت نہیں ہے، اور قتل بھی اپاہجوں وغیرہ کا جائز نہیں اس کے علاوہ

قتل کا ذکر اوپر آ بھی چکا ہے۔(تفسیر کبیر ص508 ج7)

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک قتل کرنے اور غلام بنانے کا تعلق ہے اس کا جواز بہت معروف ومشہور تھا، سب کو معلوم تھا کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اس کے برخلاف آزاد چھوڑ دینے کو غزوہ بدر کے موقع پر ممنوع کر دیا گیا تھا، اب اس مقام پر آزاد چھوڑنے کی اجازت دینا ہی مقصود تھا اس لئے اسی کی دو صورتوں یعنی منّ اور فداء کا ذکر کر دیا گیا، اور جو صورتیں پہلے سے جائز تھیں انہیں اس موقع پر بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اس لئے ان آیات میں ان سے سکوت اختیار کیا گیا، لہٰذا ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد قتل یا غلام بنانے کی اجازت منسوخ کر دی گئی ہے، ورنہ اگر غلام بنانے کا حکم منسوخ ہو گیا ہوتا تو قرآن وحدیث میں کسی ایک جگہ تو اس کی ممانعت مذکور ہوتی، اور اگر یہ آیت ہی ممانعت کے قائم مقام تھی تو آنحضرت ﷺ اور آپ کے بعد قرآن وحدیث پر جان دینے والے صحابہ کرام نے بیشار غزوات میں جنگی قیدیوں کو غلام کیوں بنایا؟ روایات حدیث وتاریخ میں غلام بنانے کا ذکر اس کثرت اور معنوی تواتر کے ساتھ آیا ہے کہ اس کا انکار مکابرہ کے سوا کچھ نہیں۔

رہا یہ اشکال کہ اسلام، جو حقوق انسانیت کا سب سے بڑا محافظ ہے، اس نے غلامی کی اجازت کیوں دی؟ سو درحقیقت یہ اشکال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کی جائز کی ہوئی غلامی کو دیگر مذاہب واقوام کی غلامی پر قیاس کر لیا گیا ہے حالانکہ اسلام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کئے اور معاشرے میں ان کو جو مقام دیا اس کے بعد وہ صرف نام کی غلامی رہ گئی ورنہ حقیقت میں وہ بھائی چارہ بن گیا ہے، اور اگر اس کی حقیقت اور روح پر نظر کی جائے تو بہت سی صورتوں میں جنگی قیدیوں کے ساتھ اس سے بہتر سلوک ممکن نہیں، مشہور مستشرق موسیو گستاؤلیبان اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے:

"غلام کا لفظ جب کسی ایسے یوروپین شخص کے سامنے بولا جاتا ہے جو تیس سال کے دوران لکھی ہوئی امریکی روایتوں کو پڑھنے کا عادی ہے تو اس کے دل میں ان مسکینوں کا تصور آجاتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، ان کے گلوں میں طوق پڑے ہیں اور انہیں کوڑے مار مار کر ہنکایا جا رہا ہے، ان کی غذا ان کی سدرمق کے لئے بھی کافی نہیں اور انہیں رہنے کے لئے تاریک کوٹھڑیوں کے سوا کچھ میسر نہیں، مجھے یہاں اس سے بحث نہیں کہ یہ تصویر کس حد تک درست ہے اور انگریزوں نے چند سالوں سے امریکہ میں جو کچھ کیا ہے یہ باتیں اس پر صادق آتی ہیں یا نہیں؟ ۔۔۔ لیکن یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اہل اسلام کے یہاں غلام کا تصور نصاریٰ کے یہاں غلام کے تصور سے بالکلیہ مختلف ہے"۔

(منقول از دائرۃ المعارف القرآن العشرین الفرید وجدی، ص279 ج4 مادہ "استرقاق")

حقیقت یہ ہے کہ بہت سی صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قیدیوں کو غلام بنانے سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا، کیونکہ اگر غلام نہ بنایا جائے تو تین ہی صورتیں عقلاً ممکن ہیں، یا قتل کر دیا جائے، یا آزاد چھوڑ دیا جائے یا دائمی قیدی بنا کر رکھا جائے، اور بسا اوقات یہ تینوں صورتیں مصلحت کے خلاف ہوتی ہیں، قتل کرنا اس لئے مناسب نہیں ہوتا کہ قیدی اچھی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ آزاد چھوڑ دینے میں بعض مرتبہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ دارالحرب میں پہنچ کر وہ مسلمانوں کے لئے دوبارہ عظیم خطرہ بن جائے، اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں، یا تو اسے دائمی قیدی بنا کر آج کل کی طرح کسی الگ تھلگ جزیرے میں ڈال دیا

جائے یا پھر غلام بنا کر اس کی صلاحیتوں سے کام لیا جائے اور اس کے حقوق انسانی کی پوری نگہداشت کی جائے، ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ ان میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟ بالخصوص جبکہ غلاموں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر وہ ہے جو ایک معروف حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ نے بالفاظ ذیل بیان فرمایا ہے۔

اخوانكم جعلهم الله تحت ايديكم فمن كان اخوه تحت يديه فليطعمه مما ياكل وليلبسه مما يلبس ولا يكلفه ما يغلبه فان كلفه، مايغلبه فليعنه، (بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ)

تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے زیردست کر دیا ہے، پس جس کا بھائی اس کے زیردست ہو اسے چاہئے کہ اس کو بھی اسی میں سے کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسی میں سے پہنائے جسے وہ خود پہنتا ہے اور اس کو ایسے کام کی زحمت نہ دے جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو، اور اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دے تو خود بھی اس کی مدد کرے۔

معاشرتی اور تمدنی حقوق کے اعتبار سے اسلام نے غلاموں کو جو مرتبہ عطا کیا وہ آزاد افراد کے قریب قریب مساوی ہے، چنانچہ دوسری اقوام کے برخلاف اسلام نے غلاموں کو نکاح کی نہ صرف اجازت دی بلکہ آقاؤں کو: انكحوا الايامى منكم والی آیت کے ذریعہ اس کی تاکید کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ آزاد عورتوں سے بھی نکاح کر سکتا ہے، مال غنیمت میں اس کا حصہ آزاد مجاہدین کے برابر ہے اور دشمن کو امان دینے میں اس کا قول اسی طرح معتبر ہے جس طرح آزاد افراد کا، قرآن و حدیث میں ان کے ساتھ حسن سلوک کے اتنے احکام آئے ہیں کہ ان کو جمع کرنے سے ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے، یہاں تک کہ حضرت علی کا ارشاد ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے جو الفاظ آخری وقت تک زبان مبارک پر جاری تھے اور جس کے بعد آپ خالق حقیقی سے جا ملے، وہ یہ الفاظ تھے: الصلوٰة الصلوٰة: اتقوا الله فيما ملكت ايمانكم۔ نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو، اپنے زیردست غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ (ابوداؤد۔ باب فی حق المملوک)

غلاموں کے تعلیم و تربیت کے جو مواقع اسلام نے فراہم کئے ہیں ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں اسلامی سلطنت کے تقریباً تمام صوبوں میں علم و فضل کے مرجع اعلیٰ سب کے سب غلاموں میں سے تھے جس کا واقعہ متعدد کتب تاریخ میں مذکور ہے، پھر اس نام کی غلامی کو بھی رفتہ رفتہ ختم یا کم کرنے کے لئے غلاموں کو آزاد کرنے کے اتنے فضائل قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں کہ شاید ہی کوئی نیکی اس کی ہمسری کر سکے، مختلف فقہی احکام میں غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈے گئے ہیں۔ کفارہ صوم، کفارہ قتل، کفارہ ظہار، کفارہ یمین ان تمام صورتوں میں سب سے پہلا حکم یہ مذکور ہے کہ کوئی غلام آزاد کیا جائے یہاں تک کہ حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے غلام کو ناحق تھپڑ مار دیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ (صحیح مسلم۔ باب صحبۃ الممالیک) چنانچہ صحابہ کرام جس کثرت کے ساتھ غلام آزاد کیا کرتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ صاحب النجم الوہاج نے بعض صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی یہ تعداد نقل کی ہے۔

حضرت عائشہ 69	حضرت عباس 70
حضرت حکیم بن حزام 100	حضرت عبد اللہ بن عمر 1000

حضرت عثمان غنی 20 حضرت ذوالکلاع حمیری) 8000 صرف ایک دن میں)

حضرت عبدالرحمن بن عوف 30000 (فتح العلام شرح بلوغ المرام از نواب صدیق حسن خان صاحب ص 232 کتاب العتق)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سات صحابہ نے انتالیس ہزار دو سو انسٹھ غلام آزاد کئے، اور ظاہر ہے کہ دوسرے ہزاروں صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد اس سے کہیں زائد ہوگی۔ غرض اسلام نے غلامی کے نظام میں جو ہمہ گیر اصلاحات کیں جو شخص بھی انہیں بنظر انصاف دیکھے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسے دوسری اقوام کے احکام غلامی پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے اور ان اصلاحات کے بعد جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت ان پر ایک عظیم احسان بن گئی ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم صرف اباحت اور جواز کی حد تک ہے یعنی اگر اسلامی حکومت مصالح کے مطابق سمجھے تو انہیں غلام بنا سکتی ہے ایسا کرنا مستحب یا واجب فعل نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث کے مجموعی ارشادات سے آزاد کرنے کا افضل ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ اجازت بھی اس وقت تک کے لئے ہے جب تک اس کے خلاف دشمن سے کوئی معاہدہ نہ ہو اور اگر دشمن سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائیں گے نہ ہم ان کے قیدیوں کو، تو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہوگی، ہمارے زمانے میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے، لہٰذا جو اسلامی ممالک اس معاہدے میں شریک ہیں ان کے لئے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معاہدہ قائم ہے۔

مشروعیت جہاد کی ایک حکمت:

وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ، اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں کفار سے جہاد وقتال کی مشروعیت در حقیقت ایک رحمت ہے، کیونکہ وہ آسمانی عذابوں کے قائم مقام ہے کیونکہ کفر وشرک اور اللہ سے بغاوت کی سزا پچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی ہے امت محمدیہ میں ایسا ہو سکتا تھا مگر رحمۃ للعالمین کی برکت سے اس امت کو ایسے عام عذابوں سے بچا لیا گیا، اس کے قائم مقام جہاد شرعی کو کر دیا گیا جس میں بہ نسبت عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ عذاب عام میں پوری قوم میں مرد، عورت، بچے بھی تباہ ہوتے ہیں اور جہاد میں عورتیں بچے تو مامون ہیں ہی، مرد بھی صرف وہی اس کی زد میں آتے ہیں جو اللہ کے دین کی حفاظت کرنے والوں کے مقابلہ پر قتال کے لئے آ کھڑے ہوں، پھر اس میں بھی سب مقتول نہیں ہوتے، ان میں بہت سے لوگوں کو اسلام وایمان کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے نیز جہاد کی مشروعیت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ جہاد وقتال کے دونوں فریق، مسلمان اور کافر کا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کے حکم پر اپنی جان ومال نثار کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اور کون سرکشی اور کفر پر جما رہتا ہے یا اسلام کے روشن دلائل کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۞ شروع سورت میں ذکر تھا کہ جو لوگ کفر وشرک پر جمع ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے نیک اعمال کو بھی اکارت اور ضائع کر دیا یعنی صدقہ خیرات اور رفاہ عام کے نیک کام جو وہ کرتے ہیں کفر وشرک کی وجہ سے اللہ کے نزدیک آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہیں، اس کے

بالمقابل اس آیت میں فرمایا کہ جولوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں ان کے اعمال ضائع نہیں ہوتے یعنی اگر انہوں نے کچھ گناہ بھی کئے ہوں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کے نیک اعمال پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ بسا اوقات ان کے نیک اعمال ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝

اس میں شہید فی سبیل اللہ کے لئے دو نعمتوں کا ذکر ہے ایک یہ کہ اللہ ان کو ہدایت کردے گا۔ دوسرے ان کے سب حالات درست کردے گا۔ حالات سے مراد دنیا وآخرت دونوں جہان کے حالات ہیں۔ دنیا میں تو یہ کہ جو شخص جہاد میں شریک ہوا اگرچہ وہ شہید نہ ہوا سلامت رہا وہ بھی شہید کے ثواب کا مستحق ہوگیا، اور آخرت میں یہ کہ وہ قبر کے عذاب سے محشر کی پریشانی سے نجات پائے گا اور اگر کچھ لوگوں کے حقوق اس کے ذمہ رہ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اصحاب حقوق کو اس سے راضی کر کے اس کی خلاصی کرادیں گے۔ (کما ورد حدیث ابی نعیم والبزار والبیہقی، مظہری) اور موت کے بعد ہدایت کردینے سے مراد ان کی منزل مقصود یعنی جنت پر پہنچا دینا ہے جیسا کہ قرآن میں اہل جنت کے متعلق آیا ہے کہ جنت میں پہنچ کر کہیں گے: الحمد للہ الذی ہدانا لہذا۔

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝

یہ ایک تیسرا انعام ہے کہ ان کو صرف یہی نہیں کہ جنت میں پہنچا دیا جائے گا بلکہ ان کے دلوں میں خود بخود جنت کے اپنے اپنے مقام اور اس میں ملنے والی نعمتوں حور وقصور سے ایسی واقفیت پیدا کردی جائے گی جیسے وہ ہمیشہ سے انہی میں رہتے اور ان سے مانوس تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو جنت ایک نیا عالم تھا اس میں اپنا مقام تلاش کرنے میں وہاں کی چیزوں سے مناسبت اور تعلق قائم ہونے میں وقت لگتا، اور ایک مدت تک اجنبیت کے احساس سے قلب مطمئن نہ ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا ہے کہ تم دنیا میں جس طرح اپنی بیبیوں اور گھروں سے واقف اور مانوس ہو اس سے بھی زیادہ اپنے جنت کے مقام اور وہاں کی بیبیوں سے واقف اور مانوس ہو جاؤ گے۔ (رواہ ابن جریر وطبرانی وابو یعلی والبیہقی۔ مظہری) اور بعض روایتوں میں ہے کہ ایک فرشتہ ہر ایک جنتی کے لئے مقرر کردیا جائے گا جو ان کا اپنے مقام جنت اور وہاں کی بیبیوں سے تعارف کرائے گا واللہ اعلم۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝

اس آیت سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرمادیا گیا کہ اللہ کے دین کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور ایمان والوں کو اور وہ راہ حق میں تمہارے قدم جمادے گا۔ اور اس حقیقت کی ایک اور مقام پر اس طرح تصریح فرمائی گئی ہے۔ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (الحج) یعنی اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کی یعنی اس کے دین کی مدد کرے گا، یقیناً اللہ

بڑا ہی قوت والا، بڑا ہی زبردست ہے، سو وہ قادر مطلق نہ تمہاری نصرت وامداد کا محتاج ہے اور نہ اس کا دین اس کا محتاج ہے۔ بلکہ اس کے دین کی نصرت وامداد خود تمہارے لئے اس کی امداد کا ذریعہ اور دارین کی سعادت وسرخروئی کا وسیلہ ہے۔ اور اللہ کی نصرت وامداد اس کے دین متین کی نصرت وامداد ہے، اور یہ ایک ایسی عظیم الشان سعادت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز و بہرہ مند کرنے والی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس سے ایمان والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے اور ان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تمہارے کرنے کا کام یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے دین کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہو، اگر تم پورے عزم وحوصلے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تو آگے کا کام اللہ خود سنبھال لے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔ اور اس طور پر کہ ان کو کوئی اکھاڑ نہیں سکے گا۔ آگے اہل ایمان کے لیے ثابت قدمی کی بشارت ہے فرمایا کہ اگر تم لوگ اللہ اور اس کے دین کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ جما دے گا تمہارے قدموں کو۔ یعنی تم لوگوں کو ثابت قدمی سے نوازے گا۔ راہ حق وصواب میں دشمن کے مقابلے میں۔ اور ابتلاء وآزمائش کے ہر مرحلے میں۔ سبحان اللہ۔ کیا اعزازات وانعامات ہیں جن کا وعدہ دین حق کی نصرت پر فرمایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔ آمین۔ سو اس ارشاد ربانی میں جیسا کہ اوپر بھی گزرا مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہے کہ تمہارے کرنے کا کام یہ ہے کہ تم اللہ کی رضا اور اس کے دین کی نصرت کیلئے اٹھ کھڑے ہو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا اور تم لوگ عزم وہمت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تو آگے کا کام تمہارا رب خود سنبھال لے گا۔ اور تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تمہارے قدم اس طرح جمادے گا کہ کوئی ان کو اکھاڑ نہ سکے گا۔ سو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی راہ میں پہلا قدم اٹھائیں۔ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو اس کا عنایت ومہربانی اور نصرت وامداد طرح طرح سے ان کو نصیب ہوگی۔ اور اس کے برعکس جو لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے، وہ اس کی نصرت وامداد سے سرفراز نہیں ہو سکیں گے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾

''یہ اس لیے کہ اللہ مولیٰ (پشت پناہ) ہے اہل ایمان کا اور یہ کہ کافروں کا کوئی مولیٰ ہے ہی نہیں۔''

اسی آیت کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ نے وہ نعرہ اخذ فرمایا تھا جس سے میدانِ اُحد میں کفار کے نعرے کا جواب دیا گیا تھا۔ میدانِ اُحد میں وقتی طور پر مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اس دوران رسول اللہ ﷺ کچھ صحابہؓ کے ساتھ جبل اُحد پر تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت ابوسفیان اور خالد بن ولید (بعد میں دونوں حضرات ایمان لاکر صحابہؓ میں شامل ہوئے) سمیت بہت سے سردارانِ قریش پہاڑ کے دامن میں موجود تھے۔ ان میں سے ابوسفیان نے حضور ﷺ اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے پُرجوش انداز میں نعرہ بلند کیا تھا: أعْلُ هُبَل، أعْلُ هُبَل! (ہبل کی جے!) یعنی آج ہمارے بت ہبل کا بول بالا ہوا ۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس نعرے کا جواب ان الفاظ سے دیں: اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ یعنی اللہ ہی سب سے بلند مرتبہ اور بزرگ وبرتر ہے اُسی کا بول بالا ہے! اس کے جواب میں ابوسفیان نے ایک اور نعرہ لگایا: لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ کہ ہمارے لیے تو عزیٰ جیسی دیوی مدد کے لیے موجود ہے لیکن تمہاری تو کوئی عزیٰ ہی نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اس کا جواب اس نعرے سے دینے کا حکم دیا: اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى

لَكُمْ کہ ہمارا مولیٰ (مددگار، پشت پناہ اور کارساز) تو اللہ ہے جبکہ تمہارا تو کوئی مولیٰ ہے ہی نہیں۔

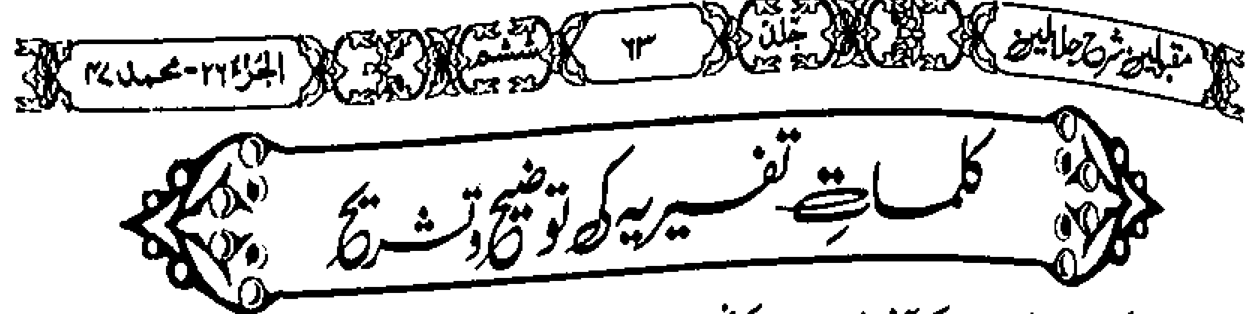
إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ فِي الدُّنْيَا
يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ اَيْ لَيْسَ لَهُمْ هِمَّةٌ اِلَّا بُطُوْنُهُمْ وَفُرُوْجُهُمْ وَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلَى الْاٰخِرَةِ وَالنَّارُ مَثْوًى
لَّهُمْ ۝ مَنْزِلٌ وَمَقَامٌ وَمَصِيْرٌ وَكَاَيِّنْ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اُرِيْدَ بِهَا اَهْلُهَا هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ مَكَّةَ اَيْ
اَهْلِهَا الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ رُوْعِيَ لَفْظُ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهُمْ رُوْعِيَ مَعْنٰى قَرْيَةِ الْاُوْلٰى فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ مِنْ اِهْلَاكِنَا
اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ حُجَّةٍ وَّبُرْهَانٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا وَهُمْ
كُفَّارُ مَكَّةَ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ۝ فِيْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ اَيْ لَا مُمَاثَلَةَ بَيْنَهُمَا مَثَلُ اَيْ صِفَةُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ
الْمُتَّقُوْنَ ۭ الْمُشْتَرَكَةُ بَيْنَ دَاخِلِيْهَا مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ كَضَارِبٍ وَ
حَذِرٍ اَيْ غَيْرِ مُتَغَيِّرٍ بِخِلَافِ مَاءِ الدُّنْيَا فَيَتَغَيَّرُ لِعَارِضٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ بِخِلَافِ لَبَنِ
الدُّنْيَا لِخُرُوْجِهٖ مِنَ الضُّرُوْعِ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لَذِيْذَةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا فَاِنَّهَا
كَرِيْهَةٌ عِنْدَ الشُّرْبِ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ بِخِلَافِ عَسَلِ الدُّنْيَا فَاِنَّهٗ لِخُرُوْجِهٖ مِنْ بُطُوْنِ النَّحْلِ
يُخَالِطُهُ الشَّمْعُ وَغَيْرُهٗ وَلَهُمْ فِيْهَا اَصْنَافٌ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ فَهُوَ رَاضٍ عَنْهُمْ مَعَ اِحْسَانِهٖ
اِلَيْهِمْ بِمَا ذُكِرَ بِخِلَافِ سَيِّدِ الْعَبِيْدِ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّهٗ قَدْ يَكُوْنُ مَعَ اِحْسَانِهٖ اِلَيْهِمْ سَاخِطًا عَلَيْهِمْ كَمَنْ هُوَ
خَالِدٌ فِي النَّارِ خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مُقَدَّرٍ اَيْ اَمَنْ هُوَ فِيْ هٰذَا النَّعِيْمِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا اَيْ شَدِيْدَ الْحَرَارَةِ فَقَطَّعَ
اَمْعَاۗءَهُمْ ۝ اَيْ مَصَارِيْنَهُمْ فَخَرَجَتْ مِنْ اَدْبَارِهِمْ وَهُوَ جَمْعُ مِعًى بِالْقَصْرِ وَاَلِفُهٗ عِوَضٌ عَنْ يَاءٍ لِقَوْلِهِمْ
مِعْيَانِ وَمِنْهُمْ اَيِ الْكُفَّارِ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ فِيْ خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ وَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ حَتّٰٓي اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ
قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ لِعُلَمَاءِ الصَّحَابَةِ مِنْهُمْ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ اِسْتِهْزَاءً وَسُخْرِيَةً مَاذَا قَالَ
اٰنِفًا ۣ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ اَيِ السَّاعَةَ اَيْ لَا يَرْجِعُ اِلَيْهِ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ بِالْكُفْرِ وَاتَّبَعُوْٓا
اَهْوَاۗءَهُمْ ۝ فِي النِّفَاقِ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا الْمُؤْمِنُوْنَ زَادَهُمْ اللّٰهُ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝ اَلْهَمَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ

به النار فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ ما ينتظرون اى كفار مكة اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بدل اشتمال من الساعة اى ليس الامر الا ان تاتيهم بَغْتَةً فجأة فَقَدْ جَاۤءَ اَشْرَاطُهَا علاماتها منها بعثة النبى صلى الله عليه وسلم وانشقاق القمر والدخان فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَاۤءَتْهُمُ السَّاعة ذِكْرٰىهُمْ ﴿١٨﴾ تذكرهم اى لا تنفعهم فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اى دم يا محمد على علمك بذلك النافع فى القيامة وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ لاجله قيل له ذلك مع عصمته لتستن به امته وقد فعله صلى الله عليه وسلم قال صلى الله عليه وسلم انى لاستغفر الله فى كل يوم مائة مرة وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ فيه اكرام لهم بامر نبيهم بالاستغفار لهم وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ منصرفكم لاشتغالكم بالنهار وَمَثْوٰىكُمْ ﴿١٩﴾ ماواكم الى مضاجعكم بالليل اى هو عالم بجميع احوالكم لا يخفى عليه شيء منها فاحذروه والخطاب للمؤمنين وغيرهم

ع ٨ ٢

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا۔ جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں (دنیا میں) اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھایا کرتے ہیں (یعنی ان کی اصل پرواز بس پیٹ اور شرمگاہ تک ہوتی ہے آخرت کا انہیں دھیان بھی نہیں گزرتا) اور دوزخ ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے (گھر، قیام گاہ، پناہ گاہ سب کچھ وہی) اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں کہ (جہاں کے رہنے والے) آپ کی بستی (مکہ کے رہنے والوں) سے طاقت میں بڑھی ہوئی تھیں جس کے رہنے والوں نے (التی کہنے میں قریہ کی لفظی رعایت کی گئی ہے) آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا (ضمیر جمع لانے میں قریہ کی معنوی رعایت کر لی گئی ہے) سو ان کا کوئی مددگار نہ ہوا (ہماری تباہی سے بچانے کیلئے) تو جو لوگ کھلے راستہ (حجت و دلیل) پر اپنے پروردگار کے ہوں (یعنی مؤمن) کیا وہ ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی ان کو بھلی معلوم ہوتی ہے (اور وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں یعنی کفار مکہ) اور اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں (بت پرستی کے سلسلہ میں یعنی ان دونوں میں کوئی جوڑ نہیں ہے) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے (جو سب داخل ہونیوالوں کیلئے ہے یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں۔ جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا (مد اور قصر الف کے ساتھ بروزن ضارب اور حذر یعنی ہمیشہ یکساں رہتا ہے برخلاف دنیا کے پانی کے وہ کسی بھی عارض سے بدل جاتا ہے) اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ بدلا ہوا نہ ہوگا (برخلاف دنیاوی دودھ کے تھنوں سے نکل جانے کی وجہ سے بدل جاتا ہے) اور بہت سی نہریں ہیں شراب کی جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی (برخلاف شراب دنیا کے کہ وہ پینے میں بدذائقہ ہوتی ہے) اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو

بالکل صاف ہوگا (برخلاف دنیا کے شہد کے۔ کیونکہ وہ مکھیوں کے پیٹ میں سے نکلتا ہے جس میں موم وغیرہ کی آمیزش ہوتی ہے) اور ان کیلئے وہاں ہر قسم کے پھل اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی (اللہ ان سے خوش بھی ہوگا، ان چیزوں کے احسان کے باوجود برخلاف دنیوی آقاؤں کے کہ وہ غلاموں پر احسان کے ساتھ ان پر ناراض بھی ہوتے رہتے ہیں) کیا یہ لوگ ان جیسے ہوسکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے (یہ خبر ہے مبتدائے محذوف کی عبارت اس طرح ہے۔ امن هو فی هذا النعیم) اور کھولتا ہوا (نہایت گرم) پانی ان کو دیا جائے گا۔ سو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے گا (یعنی ان کی انتڑیاں ٹکڑے ہوجائیں گی اور پاخانہ کے راستہ نکل پڑیں گی۔ یہ امعاء معا کی جمع ہے جو قصر الف کے ساتھ ہے اور یہ الف یا سے تبدیل ہوا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کا قول ہے معیان) اور ان (کفار) میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں (جمعہ کے خطبہ میں منافقین مراد ہیں) یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں (علماء صحابہ جیسے ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ مذاق اور دل لگی کے دور پر) کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی (لفظ آنفا مد اور قصر الف کے ساتھ ہے یعنی اس وقت۔ حاصل یہ کہ پھر یہ کلام نہ کریں) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر (کفر کی) مہر کردی ہے اور اپنی نفسانی خواہشات پر (نفاق کرتے ہوئے) چلتے ہیں اور جو لوگ راہ پر ہیں (یعنی مؤمنین) اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور ان کو ان کے تقوے کی توفیق دیتا ہے (دوزخ سے بچنے کا طریقہ انہیں الہام فرماتا ہے) سو یہ لوگ (کفار مکہ) بس قیامت کے ہی منتظر ہیں کہ ان پر آپڑے (ان تاتیهم الساعة سے بدل اشتمال ہے۔ عبارت اس طرح تھی۔ لیس الامر الا ان تاتیهم) اچانک (ایک دم) سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں (علامات قیامت جیسے آنحضرتؐ کی دنیا میں تشریف آوری، شق قمر کا معجزہ، ایک خاص دھواں) سو جب قیامت ان کے سامنے آ کھڑی ہوگی اس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا (نفع نہ دے گا یعنی اس وقت ایمان کارآمد نہیں ہوگا) تو آپ یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں (یعنی آپ اپنے اسی عقیدہ پر جمے رہئے۔ یہی قیامت میں کام آئے گا) اور اپنی خطا قصور کی معافی مانگتے رہیے (باوجود آپ کے معصوم و بے قصور ہونے کے یہ فرمانا اس لئے ہے کہ آپ کی امت اس پر کاربند رہے چنانچہ حضورؐ نے اس کی تعمیل کرتے ہوئے فرمایا کہ میں روزانہ سو بار استغفار کرتا ہوں) اور سب مسلمان مردوں، عورتوں کیلئے بھی (اس میں امتیوں کا اعزاز ہے کہ پیغمبر کو ان کیلئے استغفار کرنے کا حکم ملا ہے) اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے (دن میں کام کاج کیلئے) اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے (رات کے ٹھکانہ کی حاصل یہ ہے کہ وہ تمہارے کل حالات سے واقف ہے کوئی حال اس پر مخفی نہیں ہے لہٰذا اس سے ڈرتے رہو اور یہ خطاب سب کیلئے ہے مؤمن ہوں یا دوسرے)۔



قوله: لَفْظَ قَرْيَةٍ: اخرجت کے آخر میں مؤنث کی ضمیر لفظ قریۃ کی بنا پر ہے اھلکنا کی ضمیر مضاف محذوف اھل کی وجہ سے ہے۔

قوله: اَلْمُشْتَرَكَ: یعنی وہ جنت جو ہر مؤمن کو ملے گی جو شرک سے بچنے والا ہے اور وہ جنت جو مخصوص کاملین کو ملے گی وہ اس سے الگ اعلیٰ درجات والی ہے۔

قوله: اٰسِنٍ: صفت مشبہ ہے۔ شد سے پڑھیں تو حدوث کا معنیٰ ہے اور قصر سے ثبوت کا معنیٰ ہے۔

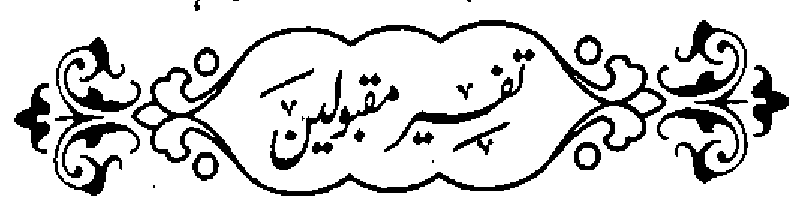
قوله: لَذِيْذَةٍ: یہ مجازی طور پر خمر کی صفت ہے۔

قوله: يُخَالِطُهُ الشَّمْعُ: جس میں موم ملا ہو۔ وغیرہ سے شہد کی مکھی کے فضلات مراد ہیں۔

قوله: فَهُوَ رَاضٍ: رب تعالیٰ راضی ہیں۔

قوله: مَصَارِيْنَ: انتڑیاں امعاء یہ معیٰ کی جمع ہے۔

قوله: اٰنِفًا: یہ ظرف ہے جو وقت کے معنیٰ میں ہے یا قال کی ضمیر سے حال ہے۔



اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ....

اہل ایمان کا انعام اور کفار کی بدحالی:

اس کے بعد اہل ایمان کا انعام اور کافروں کی طرز زندگی (دنیا میں) اور ان کا عذاب بیان فرمایا جو آخرت میں ان کے لیے تیار کیا گیا ہے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (بلاشبہ اللہ داخل فرمائے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کیے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ نفع حاصل کرتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں یہ ان کا دنیاوی حال ہے) وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ (اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے) اہل کفر کے سامنے دنیا ہی ہے اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لیے کسی بھی طرح کی دنیاوی لذت اور دنیاوی طمع اور دنیاوی ترقی اور دنیاوی مال حاصل کرنے میں کوئی حیاء اور شرم انسانیت و مروت ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی، جس طرح جانور اور چوپائے کھانے پینے میں ہر جگہ منہ مار لیتے ہیں اور جنسی لذت حاصل کرنے کے لیے سب کے سامنے سب کچھ کر لیتے ہیں، اسی طرح یہ دنیاوی لذتوں کے متوالے سب کچھ کر گزرتے ہیں یورپ اور امریکہ میں دیکھو قانونی طور پر عورت اور مرد کے میل ملاپ کے لیے نکاح کی شرط کو

(فرینڈ) بن کر گھومتے پھرتے ہیں کبھی اس سے جوڑ بیٹھ گیا کبھی دوسرے سے دوستی ہوگئی، پارکوں میں اور ہوٹلوں میں بلکہ سڑکوں پر مرد وعورت آپس میں لطف اندوز ہوتے ہیں حرام حلال کا شرم وحیا کا کوئی دھیان نہیں اور اب تو قانونی طور پر ان کی بعض حکومتوں نے مرد کا مرد سے استمتاع اور استلذاذ جائز قرار دے دیا ہے اب یہ لوگ یہاں تک اتر آئے کہ آدمیت اور انسانیت باقی نہ رہی تو کیا حرج ہے مزہ تو مل رہا ہے انسانیت اور شرافت کو دیکھیں تو بہت سی لذتوں سے محروم ہونا پڑتا ہے لہٰذا وہ ایسی انسانیت سے بھر پائے جس سے مزہ میں فرق آئے اور لذت کو بٹہ لگے، یہ یورپ اور امریکہ کے کافروں کے احساسات ہیں، ایشیاء والوں نے بھی ان کی راہ کو اختیار کرنا شروع کر دیا ہے۔

ختم کر دیا ہے اور دوستانہ زندگی کا رواج پالیا ہے عورت اور مرد دوست

جس طرح جنسی لذت کے لیے کافر لوگ دیوانے ہو رہے ہیں اسی طرح مال کمانے اور کھانے پینے میں جانوروں کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں حلال وحرام سے کوئی بحث نہیں جو ملا کھالیا جو چاہا کھالیا سور اور شراب تو ان کی روزانہ کی غذا ہے قرآن کریم میں ان کی اس دنیا والی زندگی کو يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْاَنْعَامُ سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس مضمون کو سورۂ زمر میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ (آپ فرمادیجیے کہ تو اپنے کفر سے تھوڑا سا نفع حاصل کر لے بے شک تو دوزخ والوں میں سے ہے۔)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً ....

یعنی دوسری قوموں کو جو زور وطاقت میں مکہ والوں سے کہیں بڑھ کر تھیں ہم نے تباہ کر چھوڑا اور کوئی ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ پھر یہ کس بات پر اتراتے ہیں۔ (تنبیہ) قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ سے مراد مکہ معظمہ ہے۔ وہاں کے لوگوں نے ایسی حرکات کیں کہ آپ ﷺ کو وطن مالوف ومحبوب چھوڑنا پڑا۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے رخصت ہوتے وقت مکہ معظمہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم تو تمام شہروں میں اللہ کے نزدیک اور میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اور اگر میری قوم مجھ کو تیرے اندر سے نہ نکالتی میں تجھ کو نہ چھوڑتا۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ....

اہل ایمان اور اہل کفر برابر نہیں ہو سکتے:

پھر فرمایا: اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ .... جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوگا کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا برا عمل اس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اس نے کفر کو اچھا سمجھا اور ایمان سے دور بھاگا اور جن لوگوں نے اپنی خواہشوں کا اتباع کیا یعنی توحید کو چھوڑا اور شرک اختیار کیا، یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان جن کے پاس ان کے رب کی طرف سے دلیل موجود ہے اور کافر لوگ جن کے برے اعمال کفر اور معاصی انہیں اچھے لگتے ہیں اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں یہ دونوں فریق مؤمن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ....

اہل جنت کے مشروبات طیبہ اور اہل نار کا مشروب ماء حمیم:

اس آیت میں بھی مؤمنین کے انعامات اور کافروں کی سزا بیان فرمائی ہے اول تو جنت کا حال بیان فرمایا ہے جس کا متقیوں سے وعدہ ہے جنت میں بہت سی نعمتیں ہیں ان میں نہریں بھی ہیں ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو متغیر نہ ہوگا اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ بدلہ ہوا نہ ہوگا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے سراپا لذت ہوگی اور بالکل صاف شہد کی نہریں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے تیار فرمایا ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ جتنا آسمان وزمین میں ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے افضل اور اعلیٰ درجہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے نہریں جاری ہیں۔ (صحیح البخاری ص ۳۹۱)

یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامتؓ سے بھی مروی ہے اس میں یوں ہے: منها تفجر انهار الجنة الاربعة یعنی جنت الفردوس سے چاروں نہریں جاری ہیں۔ ملا علی قاریؒ "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح" میں لکھتے ہیں یہی وہ چار نہریں ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یعنی پانی اور دودھ اور شراب اور شہد کی نہریں حدیث شریف کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ جنت الفردوس سے چار نہریں نکلتی ہیں ان کا منبع اور مرکز جنت الفردوس ہے (پھر ان کی شاخیں پھوٹتی ہوئی دوسری جنتوں میں پہنچتی ہیں اس میں جو شراب کی نہریں بتائی ہیں ان کے ساتھ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ بھی فرمادیا یعنی یہ بتادیا کہ یہ شراب سراپا لذت ہوگی اس کو پینے سے نشہ نہ آئے گا اور نہ کوئی تکلیف ہوگی۔ سورۃ الصافات میں فرمایا يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ. بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ. لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (ان کے پاس ایسا جام شراب لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا جو سفید ہوگی، پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی، نہ اس میں درد ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا) اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا: يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝ (ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد ورفت کیا کریں گے آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا نہ اس سے ان کو درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۔)

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جنت میں جو کچھ پینے پلانے کے لیے دیا جائے گا اس میں لذت ہی لذت ہوگی نہ عقل میں فتور آئے گا نہ نشہ ہوگا، نہروں کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا: وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ اور ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہوگی۔

اس کے بعد فرمایا: كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ .... یہاں عبارت حذف ہے۔ یعنی: من کان فی هذا النعيم كمن هو خالد فی النار جو شخص ان مذکورہ بالا نعمتوں میں ہوگا کیا ان لوگوں کی طرح ہوسکتا ہے جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے اور جنہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔

حضرت ابوالدرداءؓ رسول خدا ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا دوزخیوں کو اتنی زبردست بھوک لگا دی جائے گی جو اکیلی ہی اس عذاب کے برابر ہوگی جوان کو بھوک کے علاوہ ہو رہا ہوگا لہٰذا وہ کھانے کے لیے فریاد کریں گے اس پر ان کو ضریع کا کھانا دیا جائے گا جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک دفع کرے گا۔ پھر دوبارہ کھانا طلب کریں گے تو ان کو طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ گلے میں اٹکنے والا کھانا دیا جائے گا جو گلوں میں اٹک جائے گا اس کے اتارنے کے لیے پینے کی چیز پیا کرتے تھے لہٰذا پینے کی چیز طلب کریں گے، چنانچہ کھولتا ہوا پانی لوہے کی سنڈاسیوں کے ذریعہ ان کے سامنے کر دیا جائے گا۔ وہ سنڈاسیاں جب ان کے چہروں کے قریب ہوں گی تو ان کے چہروں کو بھون ڈالیں گی پھر جب پانی پیٹوں میں پہنچے گا تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی آنتوں وغیرہ) کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۲ الترمذی)

حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ کے بارے میں فرمایا کہ ماء صدید (پیپ کا پانی) جب دوزخی کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو وہ اس سے نفرت کرے گا پھر اور قریب کیا جائے گا تو چہرے کو بھون ڈالے گا اور بالآخر پاخانے کے مقام سے باہر نکل جائے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (اول آیت سورۂ محمد ﷺ یعنی) وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ دوسری سورۂ کہف کی آیت یعنی وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ ۔
(مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۲ از ترمذی)

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ....

اس سے ان منافق لوگوں کا نمونہ پیش فرمایا گیا ہے جو ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں انہی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، اور انہی کی ہمدردی کے زبانی کلامی دعوے کرتے ہیں، لیکن اندر سے ان کا تعلق اہل کفر و باطل ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کی سب ہمدردیاں ان ہی کیلئے ہوتی ہیں۔ اس لئے یہاں پر پیغمبر کو خطاب کر کے یہ ارشاد فرمایا گیا اور آپ کو ان سے متعلق آگہی بخشی گئی ہے تاکہ آپ خود اور دوسرے تمام اہل ایمان آستین کے ان سانپوں اور ان کے طرز عمل سے محفوظ رہیں، سو انکے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو سننے کو تو آپ کی بات کان لگا کر سنتے ہیں، لیکن اپنے خبث باطن اور سوء نیت کی بناء پر وہ سمجھتے جانتے کچھ بھی نہیں۔ اسی لئے یہ لوگ جب آپ کی مجلس سے نکلتے ہیں تو علم والوں سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا؟ اور ان کے اس پوچھنے میں بھی ان اشرار کے شر کے دو پہلو مضمر ہیں ایک تو اس طرح یہ لوگ اہل ایمان کے سامنے اپنے شوق عمل کو ظاہر کرتے کہ عمل کرنے کو تو ہم دل و جان سے حاضر ہیں لیکن ابھی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ آنجناب فرمانا کیا چاہتے ہیں؟ سو اس طرح یہ لوگ اپنی منافقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے۔ اور دوسری طرف یہ لوگ اپنے اس طرز عمل سے سچے اور مخلص اہل ایمان پر در پردہ یہ طنز کرتے کہ ہم ان کی طرح نہیں کہ یونہی بے سوچے سمجھے ہر بات پر اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہہ دیں بلکہ ہم لوگ تو بات کو اچھی طرح سمجھ اور سوچ کر اپنانے والے لوگ ہیں سو اس طرح نور ایمان سے محروم اور کفر و نفاق کے یہ ردگی ایک طرف تو اپنی منافقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے۔ اور دوسری طرف یہ مخلص اہل ایمان پر طنز کر کے اپنے باطن کی تسکین کا سامان کرتے اور ظاہر ہے کہ اس طرح وہ لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتے تھے،

اور دے لیتے تھے، لیکن حضرت عَلَّامُ الْغُیُوب جَلَّ جَلَالُہٗ، سے ان کی یہ منافقت اور بد باطنی آخر کس طرح چھپ سکتی تھی، اس لئے اس نے انکے باطن کے ان خبایا و نوایا کو اس طرح واضح کر دیا۔ اور اپنی اس کتاب حکیم میں جو کہ قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی اور ان کی منافقت کے یہ رنگ دنیا کے سامنے آتے رہیں گے اور اس طرح ان کی وہ چالاکی جس پر ان کو بڑا ناز تھا وہ خود ان کی اپنی ہی ہلاکت وتباہی اور دائمی تذلیل کا باعث بن گئی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر، یعنی ان کے اپنے اسی خبث باطن کی بناء پر، اور یہ پیچھے لگ گئے اپنی خواہشات کے۔ اور راہ حق سے ہٹ کر اپنی خواہشات کے پیچھے لگ جانا ہلاکتوں کی ہلاکت اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ اور منافق لوگ اپنی منافقت کے نتیجے میں نہایت ہولناک خسارے میں پڑ جاتے ہیں، مگر ان کو اس کا احساس وشعور ہی نہیں۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ ....

اس آیت میں منکرین اور منافقین کو توبیخ فرمائی کہ ان لوگوں کا طور طریقہ ایسا ہے کہ بس قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں۔ نہ ایمان لاتے ہیں نہ اعمال خیر میں مشغول ہوتے ہیں نہ گناہوں سے بچتے ہیں اور نہ انذار وتبشیر ان کے حق میں مفید ہوتا ہے نہ عذاب کی وعید سے متاثر ہوتے ہیں نہ جنت کی بشارت کا یقین کرتے ہیں اب کیا رہ گیا؟ یعنی قرآن کی نصیحتیں، گذشتہ اقوام کی عبرتناک مثالیں اور جنت ودوزخ کے وعدہ وعید سب سن چکے اب ماننے کے لیے کس وقت کا انتظار ہے۔ یہی کہ قیامت کی گھڑی ان کے سر پر اچانک آ کھڑی ہو۔ سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آ چکیں، اور جب خود قیامت آ کھڑی ہوگی، اس وقت ان کے لیے سمجھ حاصل کرنے اور ماننے کا موقع کہاں باقی رہے گا۔ یعنی وہ سمجھنا اور ماننا بیکار ہے کیونکہ اس پر نجات نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ بڑی نشانی قیامت کی ہمارے نبی ﷺ کا پیدا ہونا ہے۔ سب نبی خاتم النبیین کی راہ دیکھتے تھے۔ جب وہ آ چکے (مقصود تخلیق عالم کا حاصل ہو چکا) اب قیامت ہی باقی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ (میں اور قیامت اس طرح ہیں) گویا میں قیامت سے اتنا آگے نکل آیا ہوں جتنا بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے آگے نکلی ہوئی ہے۔

اشراط، کے معنی:

اشراط، کے معنے علامات کے ہیں اور علامات قیامت کی ابتداء خود خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے ہو جاتی ہے کیونکہ ختم نبوت بھی قرب قیامت کی علامت ہے۔ اسی طرح شق قمر کے معجزہ کو بھی قرآن میں اقتربت الساعة کے ساتھ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے۔ یہ تو علامات ابتدائیہ ہیں جو خود نزول قرآن کے وقت میں ظاہر ہو چکی تھیں دوسری علامات قریبہ احادیث صحیحہ میں ثابت ہیں ان میں سے ایک حدیث حضرت انس سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ علامات قیامت یہ ہیں۔

علم اٹھ جائے گا، جہل بڑھ جائے گا، زنا کی کثرت ہوگی، شراب خوری کی کثرت ہوگی، مرد کم رہ جائیں گے، عورتیں بڑھ جائیں گی، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا متکفل ایک مرد ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ علم گھٹ جائے گا اور جہل پھیل جائے

گا۔ (بخاری، مسلم)

اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مال غنیمت کو شخصی دولت سمجھ لیا جائے اور امانت کو مال غنیمت قرار دے لیا جائے (کہ حلال سمجھ کر کھا جائیں) اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے (یعنی اس کی ادائیگی میں دل میں تنگی محسوس ہو) اور علم دین اغراض دنیوی کے لئے حاصل کیا جانے لگے، اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے، اور دوست کو اپنے قریب کرے اور باپ کو دور کردے، اور مساجد میں شور وشغب ہونے لگے اور قوم کا سرداران سب میں کا فاسق بدکردار آدمی ہوجائے، اور قوم کا نمائندہ ان سب میں کا رذیل ہوجائے، اور شریر آدمی کا اکرام صرف اس لئے کرنا پڑے کہ اس کا اکرام نہ کریں گے تو یہ ستائے گا اور گانے والی عورتوں کا گانا عام ہوجائے، اور مزامیر باجے گاجے پھیل جائیں اور شرابیں پی جانے لگیں، اور امت کے آخری لوگ اپنے اسلاف پر لعنت کرنے لگیں تو اس وقت تم لوگ انتظار کرو ایک سرخ آندھی کا اور زلزلہ کا اور لوگوں کے زمین میں دھنس جانے کا اور صورتیں مسخ ہوجانے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا اور دوسری علامات قیامت کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے موتیوں کی لڑی کو کاٹ دیا جائے اور موتی ایک ایک کر کے نیچے آگرتے ہیں۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ ....

توحید پر جمے رہنے اور استغفار کرنے کی تلقین:

چوتھی آیت میں ارشاد فرمایا کہ اپنے اس علم اور یقین پر جمے رہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کریں اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے اور آپ کے توسط سے دیگر اہل ایمان کو بھی، خلاف شان نبوت جو کوئی امر آپ سے صادر ہوگیا اسے لِذَنْۢبِكَ سے تعبیر فرمایا جیسا کہ خطاء اجتہادی سے کبھی ایسا واقع ہوا، معصیت حقیقت کا صدور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نہیں ہوسکتا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں: امر بالاستغفار مع انه مغفور له ليستن به امته (یعنی آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا حالانکہ آپ کا سب کچھ بخشا جاچکا ہے تاکہ امت آپ کا اتباع کرے) آپ نے فرمایا ہے کہ بیشک میرے دل پر میل سا آتا ہے اور بیشک میں اللہ سے روزانہ سو دفعہ استغفار کرتا ہوں اور بعض روایت میں ہے کہ آپ ہر مجلس میں سو مرتبہ استغفار فرماتے۔

صاحب معالم التنزیل مزید لکھتے ہیں: هذا اكرام من الله تعالى لهذه الامة حيث امر نبيهم ان يستغفر لذنوبهم وهو الشفيع المجاب فيه (یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کا اکرام ہے کہ ان کے نبی کو حکم فرمایا کہ ان کے گناہوں کے لیے استغفار کریں آپ کی ذات گرامی کو اللہ نے شفاعت کرنے والا بھی بنایا اور شفاعت قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمایا۔) (معالم التنزیل ص ۱۸۳، ج ۴)

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰكُمْ ﴿۱۹﴾ کی تفسیر

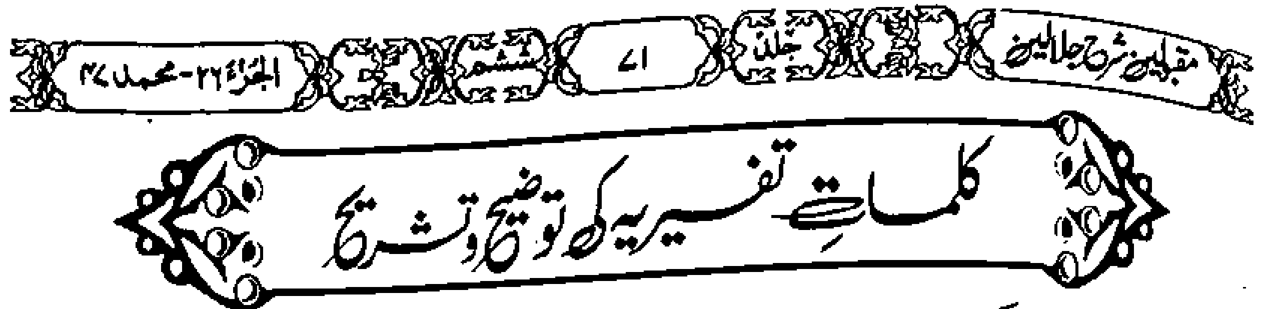
مفسرین کرام نے اس کے متعدد معنی بیان کیے ہیں، پہلے ترجمہ غور سے پڑھیے (اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے) یہ ترجمہ مفسر ابن جریرؒ کے قول کے مطابق ہے جسے علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: مُتَقَلَّبَكُمْ سے دنیاوی اعمال میں مشغول رہنا اور اس میں چلنا پھرنا مراد ہے اور وَمَثْوٰكُمْ ﴿۱۹﴾ سے ہر ایک کا آخرت کا ٹھکانہ مراد ہے اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا کہ مُتَقَلَّبَكُمْ سے ارحام الامہات کی طرف منتقل ہونا اور وَمَثْوٰكُمْ ﴿۱۹﴾ سے زمین میں ٹھہرنا مراد ہے اور ابن کیسانؒ سے نقل کیا ہے مُتَقَلَّبَكُمْ سے لیٹتے وقت پلٹیاں کھانا اور وَمَثْوٰكُمْ ﴿۱۹﴾ سے قبروں میں ٹھہرنا مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا طَلَبًا لِلْجِهَادِ لَوْلَا هَلَّا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فِيْهَا ذِكْرُ الْجِهَادِ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ اَىْ لَمْ يُنْسَخْ مِنْهَا شَيْءٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ اَىْ طَلَبُهٗ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَىْ شَكٌّ وَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ خَوْفًا مِنْهُ وَكَرَاهِيَةً لَهٗ اَىْ فَهُمْ يَخَافُوْنَ مِنَ الْقِتَالِ وَيَكْرَهُوْنَهٗ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ اَىْ حَسَنٌ لَكَ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ اَىْ فُرِضَ الْقِتَالُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ فِى الْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ وَجُمْلَةُ لَوْ جَوَابُ اِذَا فَهَلْ عَسَيْتُمْ بِكَسْرِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا وَفِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ اِلَى الْخِطَابِ اَىْ لَعَلَّكُمْ اَعْرَضْتُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اَىْ تَعُوْدُوْا اِلٰى اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ مِنَ الْبَغْيِ وَالْقِتَالِ اُولٰٓئِكَ اَىِ الْمُفْسِدُوْنَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ عَنِ اسْتِمَاعِ الْحَقِّ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ عَنْ طَرِيْقِ الْهِدَايَةِ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَيَعْرِفُوْنَ الْحَقَّ اَمْ بَلْ عَلٰى قُلُوْبٍ لَهُمْ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ فَلَا يَفْهَمُوْنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا بِالنِّفَاقِ عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ زَيَّنَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ بِضَمِّ اَوَّلِهٖ وَبِفَتْحِهٖ وَاللَّامِ وَالْمُمْلِي الشَّيْطَانُ بِاِرَادَتِهٖ تَعَالٰى فَهُوَ الْمُضِلُّ لَهُمْ ذٰلِكَ اَىْ اِضْلَالُهُمْ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ اَىْ لِلْمُشْرِكِيْنَ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ اَمْرِ الْمُعَاوَنَةِ عَلٰى عَدَاوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَثْبِيْطِ النَّاسِ عَنِ الْجِهَادِ مَعَهٗ قَالُوْا ذٰلِكَ سِرًّا فَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ سِرٍّ وَبِكَسْرِهَا مَصْدَرٌ فَكَيْفَ حَالُهُمْ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ حَالٌ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ظُهُوْرَهُمْ

بِمَقَامِعَ مِنْ حَدِيْدٍ ذٰلِكَ اَيِ التَّوَفِّيْ عَلَى الْحَالَةِ الْمَذْكُوْرَةِ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ

اَيِ الْعَمَلَ بِمَا يُرْضِيْهِ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ ع ۹

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان والے ہیں (جہاد کی تمنا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اے کاش کوئی سورت کیوں نہ نازل ہوگئی (جس میں جہاد کی اجازت ہوتی) سو جب کوئی صاف صاف سورت نازل ہوتی ہے۔ (یعنی جس میں کوئی حکم منسوخ نہ ہوا ہو) اور اس میں جہاد کا ذکر (حکم) بھی ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے (یعنی شک، منافقین مراد ہیں) کہ وہ آپ کی طرف ایسی نظریں اٹھاتے ہیں۔ جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو (موت سے گھبراتے ہوئے اور نفرت کرتے ہوئے یعنی جہاد سے یہ ڈرتے ہیں اور جی چراتے ہیں) پس وائے ہے ان کیلئے (مبتداء ہے جس کی خبر یہ ہے) ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے (آپ کیلئے عمدہ ہے) پھر جب کام پختہ ہوگیا (جہاد فرض ہوگیا) سو یہ لوگ اگر (ایمان اور فرمانبرداری میں) اللہ سے سچے رہتے تو ان کیلئے بہت ہی بہتر ہوتا (اور جملہ تو، اذا کا جواب ہے) تو کیا تم کو یہ احتمال بھی ہے (سین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے اس میں غیبوبت سے خطاب کی طرف التفات ہے یعنی لعلکم) کہ اگر تم کنارہ کش رہو (ایمان سے پھر جاؤ) تو تم دنیا میں فساد مچا دو اور آپس کی قرابت توڑ دو (یعنی دور جاہلیت کی بغاوت اور خونریزی پر اتر آؤ گے) یہ (فسادی) وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ پھر (حق بات سننے سے) ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو (ہدایت کی راہ سے) اندھا کر دیا تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے (کہ حق پالیں) کیا (بلکہ) ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں (کہ حق سمجھتے ہی نہیں) جو لوگ (نفاق سے) پشت پھیر کر ہٹ گئے اس کے بعد سید ھا رستہ ان کو صاف معلوم ہوگیا۔ شیطان نے ان کو چکمہ (فریب) دیا ہے اور ان کو دور کی سلجھائی ہے (لفظ املی ضمہ اول اور کسر لام کے ساتھ اور فتحہ اول اور فتحہ لام کے ساتھ دونوں طرح ہے اور فریبی شیطان ہے بارادہ الٰہی لہٰذا وہی ان کیلئے گمراہ کن ہے) یہ (ان کو گمراہ کرنا) اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں (مشرکین) سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر ابھارنے اور لوگوں کو جہاد سے باز رکھنے کے معاملہ میں گفتگو انہوں نے تو در پردہ کی مگر حق تعالیٰ نے ان کا راز فاش کر دیا) اور اللہ ان کی خفیہ سازشوں کو جانتا ہے (اسرار فتحہ ہمزہ کے ساتھ سر کی جمع ہے اور کسرہ ہمزہ کے ساتھ مصدر ہے) سو ان کا کیا (حال) ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے ان کے چہروں اور کمروں پر (لوہے کے گرز) مارتے ہوں گے (یہ الملائکہ سے حال ہے) یہ (اس صورت سے جان نکالنا) اس وجہ سے ہے کہ جو طریقہ اللہ کی ناراضی کا باعث تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی خوشنودی سے نفرت کیا کئے (یعنی پسندیدہ عمل سے) اس لئے اللہ نے ان کے سب اعمال بے کار کر ڈالے۔



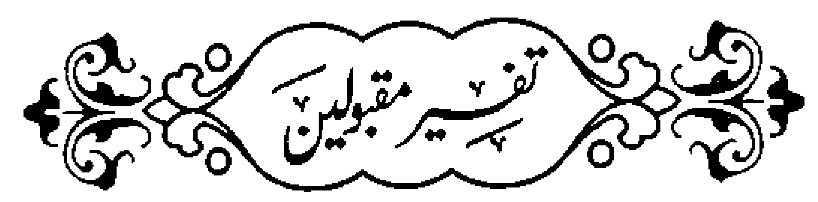
قوله: طَلَبَه: جہاد کا حکم۔

قوله: فَاَوْلٰی: یہ ولی سے اسم تفضیل ہے جس کا معنیٰ قرب یا بمعنی لوٹنا بہر دو صورت یہاں معنیٰ بددعا ہے ہلاکت ان کے قریب ہو یا ان کی طرف لوٹے۔

قوله: عَزَمَ الْاَمْرُ: جب اصحاب امر پر جہاد فرض ہو جائے، امر کی طرف اسناد مجازی ہے۔

قوله: لَعَلَّكُمْ: ان منافقین کی حالت دیکھ کر کہنے ہی کہے گا۔ هل عسیتم۔

قوله: سَوَّلَ: مزین کرنا۔ کبائر کا ارتکاب۔ مضاف محذوف ہے: ای کید اشیطان سول لهم: شیطانی تدابیر نے ان کے لیے تزئین کر دی۔



وَيَقُولُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ....

منافقین کی بدحالی اور نافرمانی:

ان آیات میں اہل ایمان کا شوق جہاد منافقین کا حکم جہاد سن کر گھبراہٹ اور پریشانی میں پڑنے کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی نئی سورت کیوں نازل نہ ہوئی یہ احکام جدیدہ کے نازل ہونے اور ان پر عمل کرنے کے اشتیاق میں کہہ دیتے تھے جب کوئی بھی سورت نازل ہوتی تو ایمان والے خوش ہو جاتے تھے لیکن جو منافقین تھے وہ نزول احکام سے ڈرتے رہتے خصوصاً جب کسی سورت میں قتال کا حکم نازل ہوتا تو بس ان کا برا حال ہو جاتا تھا ان کے دلوں میں مرض یعنی نفاق تھا نہ سچے دل سے رسول اللہ ﷺ کو رسول مانتے تھے نہ قرآن کو مانتے تھے نہ وقوع قیامت کا یقین رکھتے تھے لہٰذا جہاد والی سورت کا مضمون سن کر گھبرا اٹھتے تھے اور ان کا اثر ان کے چہروں سے ظاہر ہو جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کو بھیانک نظروں سے اس طرح دیکھتے تھے جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو جائے یہ لوگ سمجھتے تھے اب رکھ رکھاؤ کے لیے جہاد میں جانا ہی پڑے گا دل چاہتا نہیں، لیکن شریک ہونا ہی ہے بددلی کی شرکت تو مستقل عذاب ہے اور اگر میدان جہاد میں مقتول ہوں تو یہ اس سے بڑا عذاب ہو گیا اسی کو فرمایا: فَاَوْلٰى لَهُمْ کہ عنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے۔ صاحب معالم التنزیلؒ لکھتے ہیں: اولی لك ای ولیك وقاربك ماتكره یہ "فَاَوْلٰى لَهُمْ" کا ایک مطلب ہے اس صورت میں طَاعَةٌ وقول معروف علیحدہ جملہ ہوگا اور ایک صورت یہ ہے کہ "فَاَوْلٰى لَهُمْ" مبتداء ہو اور طَاعَةٌ اس کی خبر ہوگی۔ کما ذکر البغوی، فلیتدبر

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۔ (یعنی منافقین کو چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نازل ہو تنگ دل ہونے کی بجائے کہیں کہ ہمارا کام تو فرمانبرداری کرنا اور اچھی بات کہنا یعنی دل سے اور زبان سے تسلیم کرنا ہے۔ (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں یعنی اگر وہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے تو بہت ہی درست اور بہتر ہوتا پھر کہا کہ بعض نے کہا ہے یہ جملہ ماقبل سے متصل ہے اور اولیٰ بات کے معنی میں ہے یعنی ان کے لائق یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اور قول کرے اچھی بات کہتے اور یہ عطاء کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے۔

فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ (پھر جب مضبوطی کے ساتھ حکم آ گیا، یعنی جہاد کرنے کا واقعی حکم ہو گیا تو اس وقت یہ لوگ اپنے دعویٰ ایمان اور دعویٰ فرمانبرداری میں سچے ثابت ہوتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔)

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝

لفظ تولی کے لغت کے اعتبار سے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک اعراض دوسرے کسی قوم و جماعت پر اقتدار حکومت، اس آیت میں بعض حضرات مفسرین نے پہلے معنی لئے ہیں جس کا اوپر خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے۔ ابوحیان نے بحر محیط میں اسی کو ترجیح دی ہے اس معنے کے اعتبار سے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر تم نے احکام شرعیہ الٰہیہ سے روگردانی کی جن میں حکم جہاد بھی شامل ہے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ تم جاہلیت کے قدیم طریقوں پر پڑ جاؤ گے جس کا لازمی نتیجہ زمین میں فساد اور قطع رحمی ہے جیسا کہ جاہلیت کے ہر کام میں اس کا مشاہدہ ہوتا تھا کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر چڑھائی اور قتل و غارت کرتا تھا، اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں زندہ درگور کر دیتے تھے، اسلام نے ان تمام رسوم جاہلیت کو مٹایا اور اس کے مٹانے کے لئے حکم جہاد جاری فرمایا جو اگرچہ ظاہر میں خونریزی ہے مگر درحقیقت اس کا حاصل سڑے ہوئے عضو کو جسم سے الگ کر دینا ہے تاکہ باقی جسم سالم رہے، جہاد کے ذریعہ عدل و انصاف اور قرابتوں اور رشتوں کا احترام قائم ہوتا ہے، اور روح المعانی قرطبی وغیرہ میں اس جگہ تولی کے معنے حکومت و امارت کے لئے ہیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ تمہارے حالات جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے ان کا تقاضا یہ ہے کہ اگر تمہاری مراد پوری ہو، یعنی اسی حالت میں تمہیں ملک و قوم کی ولایت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو نتیجہ اس کے سوا نہیں ہوگا کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں قرابتوں کو توڑ ڈالو گے۔

صلہ رحمی کی سخت تاکید:

اور لفظ ارحام رحم کی جمع ہے جو ماں کے پیٹ میں انسان کی تخلیق کا مقام ہے چونکہ عام رشتوں قرابتوں کی بنیاد وہیں سے چلتی ہے اس لئے محاورات میں رحم بمعنی قرابت اور رشتہ کے استعمال کیا جاتا ہے تفسیر روح المعانی میں اس جگہ اس پر تفصیلی بحث کی ہے کہ ذوی الارحام اور ارحام کا لفظ کن کن قرابتوں پر حاوی ہے۔ اسلام نے رشتہ داری اور قرابت کے حقوق پورے کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ اور دوسرے دو اصحاب سے اس مضمون کی حدیث نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قریب کریں گے اور جو رشتہ قرابت قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قطع کر دیں گے جس سے معلوم ہوا کہ اقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ اقوال و افعال اور مال کے خرچ کرنے میں

احسان کا سلوک کرنے کا تاکیدی حکم ہے حدیث مذکور میں حضرت ابو ہریرہ نے اس آیت قرآن کا حوالہ بھی دیا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی ایسا گناہ جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں اس کے علاوہ، ظلم اور قطع رحمی کے برابر نہیں۔ (رواہ ابوداؤد، والترمذی، ابن کثیر) اور حضرت ثوبان کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہو اور رزق میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے یعنی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے۔ احادیث صحیحہ میں یہ بھی ہے کہ قرابت کے حق کے معاملہ میں دوسری طرف سے برابری کا خیال نہ کرنا چاہئے اگر دوسرا بھائی قطع تعلق اور ناروا سلوک بھی کرتا ہے جب بھی تمہیں حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے۔ صحیح بخاری میں ہے: لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلها یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ ملانے اور جوڑنے کا کام کرے۔ (ابن کثیر)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۝

نفاق پر اللہ تعالیٰ کی سزا:

اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت سے فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ اسے بیکار کر کے رکھ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس صلاحیت کو واپس لے لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی طور پر بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے لیکن جو شخص انھیں استعمال سے ترقی دیتا ہے تو وہ بڑھتی ہیں اور جو انھیں استعمال سے روکے رکھتا ہے وہ مفلوج ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ کو اگر باندھ کے رکھا جائے تو کچھ دنوں بعد وہ حرکت کرنے سے محروم ہو جائے گا۔ یہی حال باقی جسم کا بھی ہے۔ یہ اس کا قانونِ تکوین ہے۔ لیکن قانونِ تشریع کا پیرا بن الگ ہونے کے باوجود حقیقت کے اعتبار سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کان سننے کے لیے اور آنکھیں دیکھنے کے لیے دی ہیں۔ اور کانوں کے مسموعات اور آنکھوں کے مشاہدات سے نتائج اخذ کرنے کے لیے عقل عطا کی ہے۔ جو شخص ان سمعی اور بصری آلات سے کام ہی نہیں لیتا اور اگر لیتا ہے تو عقل اس سے نتائج اخذ نہیں کرتی تو آہستہ آہستہ کان سماع قبول سے اور آنکھیں بصیرت سے محروم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ان منافقین کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ انھوں نے جب آنحضرت ﷺ کی نصیحتوں کو سننے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور آنحضرت ﷺ کے طرز عمل کو دیکھنے سے پہلو تہی کی۔ یعنی ان دونوں سمع و بصر کے آلات کو حقیقت جاننے کے لیے استعمال نہ کیا بلکہ دنیوی مفادات اور نفسانی امراض اور باہمی مصالح کو ہمیشہ ترجیح دی، تو اللہ تعالیٰ کا قانون حرکت میں آیا۔ اس نے انھیں بہرہ بھی کر دیا اور اندھا بھی۔ یعنی ان کے کان حق نیوشی کی صلاحیت سے اور ان کی آنکھیں بصیرت سے محروم ہو گئیں۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝

تدبر قرآن کی اہمیت اور ضرورت:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ (کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے) أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝ یا ان کے دلوں پر قفل ہیں

اس میں توبیخ ہے اور منافقوں کے حال کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ انہیں قرآن میں تدبر کرنا چاہیے تھا قرآن کے اعجاز اور معانی اور دعوت حق کے بارے غور کرتے تو نہ منافق ہوتے اور نہ وہ حرکتیں کرتے جو ان سے صادر ہوتی رہی ہیں ان کے تدبر نہ کرنے کا انداز یہ ہے کہ جیسے ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

قال صاحب الروح: واضافة الاقفال الیها للدلالة علی انها اقفال مخصوصة بها مناسبة لها غیر مجانسة لسائر الاقفال المعهودة (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اقفال کی ان کی طرف اضافت اس بات پر دلالت کرنے کے لیے ہے کہ مخصوص تالے ہیں جو انہیں کے مناسب ہیں مشہور معروف تالوں کی طرح نہیں ہیں۔)

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ ....

مرتدین کے لیے شیطان کی تسویل اور موت کے وقت ان کی تعذیب:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان آیات میں بھی منافقین کا ذکر ہے ان سے جو مخالفانہ اور باغیانہ حرکتیں ظاہر ہوئیں ان کی وجہ سے ان کے لیے دعوائے اسلام پر باقی رہنے کا بھی کوئی راستہ نہ رہا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے ان اوصاف کو دیکھ کر پہچان لیا جو اپنی کتابوں میں پاتے تھے پھر بھی کفر پر جمے رہے (اس کو ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ سے تعبیر فرمایا کیونکہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہم ضرور اتباع کریں گے اس دعوے کے مطابق جو کچھ کرنا تھا اس سے پھر گئے) آیات کا نزول جن لوگوں کے بارے میں بھی ہوا الفاظ کا عموم ہر طرح کے مرتدین کو شامل ہے ارشاد فرمایا کہ بے شک جو لوگ پشت پھیر کر دین حق سے پھر گئے حالانکہ ان پر ہدایت واضح ہوگئی تھی شیطان نے ان کا ناس کھویا اس نے کفر اور ارتداد کو اور برے اعمال کو ان کے سامنے اچھا کر کے پیش کیا حق اور حقیقت کو جانتے ہوئے دنیا کی ظاہری زینت کو انہوں نے ترجیح دی شیطان نے مزید یہ کیا کہ ان کو یہ بتایا کہ دیکھو ابھی دنیا میں تمہیں بہت رہنا اور زیادہ دن جینا ہے اسلام قبول کر کے یہ لمبی زندگی آرام سے کیسے گزارو گے؟ دیکھو جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں کتنی تکلیفوں میں پڑ جاتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ اس میں ذٰلِكَ کا مشار الیہ اور بِاَنَّهُمْ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے اور لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا سے کون لوگ مراد ہیں اور بَعْضِ الْاَمْرِ سے کیا مراد ہے اس بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں: بِاَنَّهُمْ کی با کو سببیہ لینے کی صورت میں وہی قول قرین قیاس ہوگا جس سے ذٰلِكَ کا مشار الیہ مسبّب اور با کا مدخول سبب بن سکتا ہو علامہ قرطبی نے ذٰلِكَ کا مشار الیہ اَمْلٰی لَهُمْ کو قرار دیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ شیطان کا انہیں لمبی عمر والی باتیں سمجھانا اس سبب سے ہے کہ انہوں نے یعنی منافقوں اور یہودیوں نے مشرکین سے کہا جن کو اللہ کا نازل کردہ فرمودہ ناگوار ہے کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کرلیں گے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں (مثلاً) آپ سے دشمنی رکھنے میں اور جہاد میں شرکت نہ کرنے میں اور دین اسلام کو کمزور کرنے میں ہم تمہاری بات مان لیں گے تمہاری سب باتوں کی اطاعت کا وعدہ نہیں کرتے یہ لوگ کافر تو پہلے ہی سے تھے مزید صفات کفریہ کا اظہار اور اعلان بھی

کردیا اس لیے شیطان کو انہیں ڈھیل دینے اور کفر میں آگے بڑھانے کا موقع مل گیا۔ (تفسیر قرطبی، ۲۰، ج۱۶)

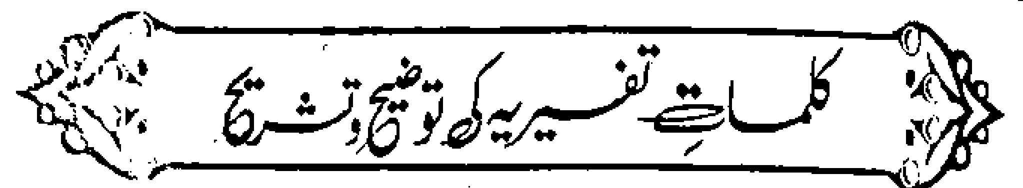
معالم التنزیل میں بھی یہ تفسیر لکھی ہے لیکن ذٰلِكَ کا مشار الیہ متعین نہیں کیا صاحب روح المعانی اس سے متفق نہیں کہ ذٰلِكَ کا اشارہ اَمْلٰی لَهُمْ ہے لیکن احقر کے نزدیک تمام احتمالات میں یہی راجح ہے صاحب بیان القرآن نے ذٰلِكَ کا مشار الیہ ارتداد علی الادبار کو لیا ہے اور سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْاَمْرِ کا یہ مطلب لیا ہے کہ منافقین نے رؤساء یہود سے کہا کہ ہم عدم اتباع ظاہر کرنے کے بارے میں تمہارا حکم نہیں مانیں گے کیونکہ وہ ہماری مصلحت کے خلاف ہے اور عدم اتباع باطنا کا جو حکم دیتے ہو ہم اس میں تمہارا اتباع کرلیں گے کیونکہ ہم اس میں تمہارے ساتھ ہی ہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ يُظْهِرَ اَحْقَادَهُمْ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ عَرَّفْنَاكَهُمْ وَكُرِّرَتِ اللَّامُ فِيْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ عَلَامَتِهِمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ اَلْوَاوُ لِقَسَمٍ مَحْذُوْفٍ وَمَا بَعْدَهَا جَوَابُهُ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ اَيْ مَعْنَاهُ اِذَا تَكَلَّمُوْا عِنْدَكَ بِاَنْ يُّعَرِّضُوْا بِمَا فِيْهِ تَهْجِيْنُ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ نَخْتَبِرَنَّكُمْ بِالْجِهَادِ وَغَيْرِهِ حَتّٰى نَعْلَمَ عِلْمَ ظُهُوْرٍ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ فِي الْجِهَادِ وَغَيْرِهِ وَنَبْلُوَا اَظْهَرَ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ مِنْ طَاعَتِكُمْ وَعِصْيَانِكُمْ فِي الْجِهَادِ وَغَيْرِهِ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ فِي الْاَفْعَالِ الثَّلٰثَةِ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طَرِيْقِ الْحَقِّ وَشَاۗقُّوا الرَّسُوْلَ خالفوه مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ هُوَ مَعْنٰى سَبِيْلِ اللّٰهِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــــًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يُبْطِلُهَا مِنْ صَدَقَةٍ وَنَحْوِهَا فَلَا يَرَوْنَ لَهَا فِي الْاٰخِرَةِ ثَوَابًا نَزَلَتْ فِي الْمُطْعِمِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ بَدْرٍ اَوْ فِيْ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ بِالْمَعَاصِيْ مَثَلًا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طَرِيْقِهٖ وَهُوَ الْهُدٰى ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ نَزَلَتْ فِيْ اَصْحَابِ الْقَلِيْبِ فَلَا تَهِنُوْا تَضْعُفُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ڰ بِفَتْحِ السِّيْنِ وَكَسْرِهَا اَيِ الصُّلْحِ مَعَ الْكُفَّارِ اِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ڰ حُذِفَ مِنْهُ وَاوُ لَامِ الْفِعْلِ الْاَغْلَبُوْنَ الْقَاهِرُوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ يَنْقُصَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اَيْ ثَوَابَهَا اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اَيِ الْاِشْتِغَالُ فِيْهَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا اللّٰهَ وَذٰلِكَ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْــَٔـلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ جَمِيْعَهَا بَلِ الزَّكٰوةُ الْمَفْرُوْضَةُ فِيْهَا اِنْ يَّسْــَٔـلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ يُبَالِغْ فِيْ طَلَبِهَا تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ لِدِيْنِ

الْاِسْلَامِ هٰٓاَنْتُمْ يٰٓاَؤُلَاۤءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ مَافُرِضَ عَلَيْكُمْ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ يُقَالُ بِخِلَ عَلَيْهِ وَعَنْهُ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ عَنْ نَفَقَتِكُمْ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ اِلَيْهِ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا عَنْ طَاعَتِهٖ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ اَيْ يَجْعَلُهُمْ بَدْلَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ فِي التَّوَلِّيْ عَنْ طَاعَتِهٖ بَلْ مُطِيْعِيْنَ لَهٗ عَزَّوَجَلَّ

ترجمہ: جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے کیا ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کے دل کی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا (ان کا کینہ پیغمبر اور مسلمانوں پر نہیں کھلے گا) اور اگر ہم چاہتے تو ان کا پورا نشان بتلا دیتے (ان کی شناخت کرا دیتے۔ آگے لام دوبارہ لایا جا رہا ہے) سو آپ ان کے حلیہ (علامت) سے پہچان لیں گے اور آپ ضرور پہچان جائیں گے (واؤ قسم محذوف کا ہے اور بعد کی عبارت جواب قسم ہے) طرز کلام سے (یعنی کلام کا منشاء آپ کی مجلس میں ان کی گفتگو سے مسلمانوں کی ہجو ٹپکتی ہے) اور اللہ تم سب کے کاموں سے واقف ہے اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے (جہاد وغیرہ احکام میں تمہارا امتحان لیں گے) تاکہ ہم (کھلے طور پر) معلوم کر لیں کہ تم میں کون مجاہدین ہیں اور ثابت قدم رہنے والے ہیں (جہاد وغیرہ میں) اور تمہارے احوال کی جانچ (پڑتال) کر لیں (یعنی جہاد وغیرہ میں تمہاری فرمانبرداری یا نافرمانی کھل جائے۔ یہ تینوں افعال یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح ہیں) بلا شبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ (حق) سے روکا اور رسول کی نافرمانی (مخالفت) کی اس کے بعد کہ ان کو ہدایت (جو اللہ کے رستہ کی مراد ہے) نظر آ چکی تھی۔ یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ ان کی کوششوں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دے گا (یعنی اپنے صدقہ خیرات کا ثواب آخرت میں نہیں پائیں گے کفار جو جنگ بدر میں اسلام کے خلاف غریبوں کی امداد کر رہے تھے ان کے یا بنو قریظہ و بنو نضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے) اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو (گناہ کبیرہ کر کے) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے رستہ (ہدایت) سے روکا پھر کافر رہ کر ہی وہ مرے ان کو کبھی نہ بخشے گا (بدر کے کنوئیں میں جن کافروں کو ڈالا گیا ہے ان کے متعلق نازل ہوئی ہے) سو تم ہمت مت ہارنا (کمزوری مت دکھانا) اور پیغام صلح مت دینا (سلم فتحہ سین اور کسرسین کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کفار سے مٹھ بھیڑ ہونے پر صلح کی طرف مت جھک جانا) اور تم ہی غالب رہو گے (لام فعل کی جگہ اعلون کی جو واؤ ہے وہ حذف ہو گئی بمعنی غالب کامیاب) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے (بلحاظ نصرت و مدد کے) اور تمہارے اعمال میں (ثواب کی) کٹوتی (کمی) ہرگز نہ کرے گا دنیاوی زندگانی (یعنی اس میں انہماک) محض لہو و لعب ہے۔ اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو (جو آخرت کے کام ہیں) تو تمہیں اجر عطا فرمائے گا اور وہ تم سے مال نہیں مانگتا (سارا۔ بلکہ صرف مقررہ زکوٰۃ کا مطالبہ ہے) اگر وہ تم

سے مال مانگے اور انتہاء درجہ تک طلب کرتا رہے (فرمائش میں مبالغہ سے کام لے) تو تم بخل کرنے لگو اور وہ بخل (دین اسلام سے) تمہاری ناگواری ظاہر کردے ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے بلایا جاتا ہے۔ سو بعض تم میں سے بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے ساتھ بخل کرتا ہے (بخل علیہ، بخل عنہ دونوں طرح بولا جاتا ہے) اور اللہ تو کسی کا (خرچہ کے معاملہ میں) محتاج نہیں اور تم سب (اس کے) محتاج ہو اور تم (اس کی فرمانبرداری سے) اگر روگردانی کروگے تو اللہ تمہاری جگہ (بدلہ بن کر) دوسری قوم پیدا کردے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے (فرمانبرداری سے روگردانی کرنے میں بلکہ اللہ عزوجل کے اطاعت شعار ہوں گے)۔



قوله: وَكُرِّرَتِ اللَّامُ :اول لام ''لو'' کے جواب میں ہے اور دوسرا لام جواب قسم محذوف کا ہے۔

قوله: بِالْمَعَاصِيْ :مثلا کفر، نفاق، خود پسندی، ریاکاری، من واذاء وغیرہ۔

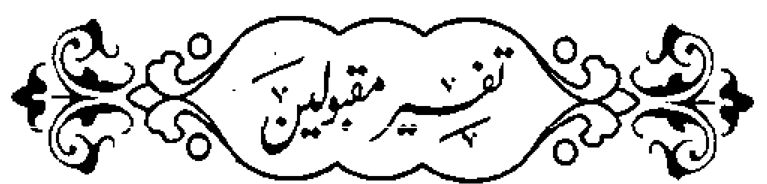
قوله: فِيْ اَصْحَابِ الْقَلِيْبِ :بدر کے کنویں میں ڈالے جانے والے لوگ۔

قوله: لَعِبٌ :اس کو ثبات نہیں۔

قوله: يُبَالِغُ فِيْ طَلَبِهَا :احفاء والحاف یہ دونوں کسی چیز کی طلب میں مبالغہ کے لیئے آئے۔

قوله: بَخِلَ : یخرج کی ضمیر بخل کے لیے ہے کیونکہ وہ کینے کا سبب ہے۔ یہ علی وعن سے متعدی ہوتا ہے کیونکہ اس میں امساک کا تضمن ہے۔

قوله: اَضْغَانَكُمْ :جمع ضغن: کینہ۔



اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

منافق کو اس کے چہرے کی زبان سے پہچانو:

یعنی کیا منافقوں کا خیال ہے کہ ان کی مکاری اور عیاری کا اظہار اللہ مسلمانوں پر کرے گا ہی نہیں؟ یہ بالکل غلط خیال ہے اللہ تعالیٰ ان کا مکر اس طرح واضح کردے گا کہ ہر عقلمند انہیں پہچان لے اور ان کی بد باطنی سے بچ سکے۔ ان کے بہت سے احوال سورۃ براۃ میں بیان کئے گئے اور ان کے نفاق کی بہت سی خصلتوں کا ذکر وہاں کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس سورت کا دوسرا نام ہی فاضحہ رکھ دیا گیا یعنی منافقوں کو فضیحت کرنے والی۔ (اضغان) جمع ہے (ضغن) کی ضغن کہتے ہیں دلی حسد، بغض کو۔ اس کے بعد اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اے نبی اگر ہم چاہیں تو ان کے وجود تمہیں دکھا دیں پس تم انہیں کھلم کھلا جان

جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا ان تمام منافقوں کو بتا نہیں دیا تا کہ اس کی مخلوق پر پردہ پڑا رہے ان کے عیوب پوشیدہ رہیں، اور باطنی حساب اسی ظاہر و باطن جاننے والے کے ہاتھ رہے لیکن ہاں تم ان کی بات چیت کے طرز اور کلام کے ڈھنگ سے ہی انہیں پہچان لو گے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان فرماتے ہیں جو شخص کسی پوشیدگی کو چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے پر اور اس کی زبان پر ظاہر کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی راز کو پردہ میں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر عیاں کر دیتا ہے وہ بہتر ہے تو اور بدتر ہے تو۔ ہم نے شرح صحیح بخاری کے شروع میں عملی اور اعتقادی نفاق کا بیان پوری طرح کر دیا ہے جس کے دوہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ حدیث میں منافقوں کی ایک جماعت کی (تعیین) آ چکی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا تم میں بعض لوگ منافق ہیں پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے۔ اے فلاں کھڑا ہو جا، یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لئے۔ پھر فرمایا تم میں یا تم میں سے منافق ہیں، پس اللہ سے ڈرو۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک کے سامنے حضرت عمر گزرے وہ اس وقت کپڑے میں اپنا منہ لپیٹے ہوئے تھا۔ آپ اسے خوب جانتے تھے پوچھا کہ کیا ہے؟ اس نے حضور ﷺ کی اوپر والی حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا اللہ تجھے غارت کرے۔ پھر فرمایا ہے ہم حکم احکام دے کر روک ٹوک کر کے تمہیں خود آزما کر معلوم کر لیں گے کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں؟ اور صبر کرنیوالے کون ہیں؟ اور ہم تمہارے احوال آزمائیں گے۔ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس علام الغیوب کو ہر چیز، ہر شخص اور اس کے اعمال معلوم ہیں تو یہاں مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سامنے کھول دے اور اس حال کو دیکھ لے اور دکھا دے اسی لئے حضرت ابن عباس اس جیسے مواقع پر (لنعلم) کے معنی کرتے تھے (لنری) یعنی تا کہ ہم دیکھ لیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝

آزمائش کی کسوٹی:

گزشتہ آیت کریمہ میں ہم نے پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عام طریقہ بڑے سے بڑے جرم کو بھی افشانہ کرنا ہے تا کہ ہر شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے جو دلوں کے بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس کی ایک اور سنت بھی ہے جو پیش نظر آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے کہ ہم کسی منافق کے چہرے پر تو یہ لکھنا پسند نہیں کرتے کہ یہ شخص منافق ہے لیکن یہ طریقہ ہمارا ضرور ہے کہ ہم سب کو آزمائش میں ڈالتے ہیں۔ اور نرم و گرم حالات میں مبتلا کر کے لوگوں کے سامنے یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ اس شخص کے اخلاص کا عالم کیا ہے۔ یہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے وہ کیا صرف زبان کی عیاشی ہے یا اس کی کوئی حقیقت بھی ہے۔ چنانچہ جب ایسے سخت حالات سے واسطہ پڑتا ہے مثلاً جہاد و قتال کے مراحل پیش آتے ہیں تو سب پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کون اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان دیتا ہے اور اس راہ میں آنے والی مشکلات میں کون صبر کرتا ہے۔ اور کون ایسا ہے کہ جو ان مشکلات سے گھبرا کر عافیت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں جو آدمی کھل کر اسلام کی علمبرداری نہیں کرتا بلکہ وہ اس راہ

میں پیش آنے والی مشکلات کا سامنا کرنے سے جی چراتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ شخص مؤمن اور مجاہد نہیں بلکہ منافق ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ منافقین کے حالات بھی منصۂ شہود پر آجاتے ہیں اور ان کی زندگی کی روش خود بولنے لگتی ہیں کہ ہمارا تعلق مخلص مسلمانوں سے نہیں۔ کیونکہ جب ان کے حالات کی جانچ ہوتی ہے تو ان کے روابط بھی سامنے آتے ہیں۔ ان کی آپس کی نشستوں کا بھی بھید کھلتا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کے معاملات کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت کھرے اور کھوٹے کے درمیان لکیر کھینچ دیتی ہے۔ مجاہدین الگ ہو جاتے ہیں اور منافقین الگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور ہر دیکھنے والی نگاہ بڑی آسانی سے اندازہ کر سکتی ہے کہ قافلۂ حق کے شرکاء کون ہیں اور ان میں زبردستی گھسنے والے اور محض مفادات سے رشتہ رکھنے والے کون ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ .....

نیکیوں کو غارت کرنے والی برائیوں کی نشاندہی:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفر کرنے والے راہ اللہ کی بندش کرنے والے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے ہدایت کے ہوتے ہوئے گمراہ ہونے والے اللہ کا تو کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں کل قیامت والے دن یہ خالی ہاتھ ہوں گے ایک نیکی بھی ان کے پاس نہ ہوگی۔ جس طرح نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں اسی طرح اس کے بدترین جرم وگناہ ان کی نیکیاں برباد کر دیں گے۔ امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الصلوۃ میں حدیث لائے ہیں کہ صحابہ کا خیال تھا کہ (لاالہ الا اللہ) کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جیسے کہ شرک کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی اس پر اصحاب رسول اس سے ڈرنے لگے کہ گناہ نیکیوں کو باطل نہ کر دیں۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ہر نیکی بالیقین مقبول ہے یہاں تک کہ یہ آیت اتری تو کہنے لگے کہ ہمارے اعمال برباد کرنے والی چیز کبیرہ گناہ اور بدکاریاں کرنے والے پر انہیں خوف رہتا تھا اور ان سے بچنے والے کے لئے امید رہتی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے باایمان بندوں کو اپنی اور اپنے نبی کی اطاعت کا حکم دیتا ہے جو ان کے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت کی چیز ہے اور مرتد ہونے سے روک رہا ہے جو اعمال کو غارت کرنے والی چیز ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ سے کفر کرنے والے راہ اللہ سے روکنے والے اور کفر ہی میں مرنے والے اللہ کی بخشش سے محروم ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ شرک کو نہیں بخشتا اس کے بعد جناب باری عزاسمہ فرماتا ہے کہ اے میرے مؤمن بندو تم دشمنوں کے مقابلے میں عاجزی کا اظہار نہ کرو اور ان سے دب کر صلح کی دعوت نہ دو حالانکہ قوت وطاقت میں زور وغلبہ میں تعداد واسباب میں تم قوی ہو۔ ہاں جبکہ کافر قوت میں، تعداد میں، اسباب میں تم سے زیادہ ہوں اور مسلمانوں کا امام مصلحت صلح میں ہی دیکھے تو ایسے وقت بیشک صلح کی طرف جھکنا جائز ہے جیسے کہ خود رسول کریم ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر کیا جبکہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ جانے سے روکا تو آپ ﷺ نے دس سال تک لڑائی بند رکھنے اور صلح قائم رکھنے پر معاہدہ کر لیا پھر ایمان والوں کو بہت بڑی بشارت وخوش خبری سناتا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اس وجہ سے نصرت وفتح تمہاری ہی ہے تم یقین مانو کہ تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی وہ ضائع نہ کرے گا بلکہ اس کا پورا پورا اجر وثواب تمہیں عنایت فرمائے گا۔ واللہ

اعلم۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ .... یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کے مقابلہ میں سست اور کم ہمت نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں۔ ورنہ دشمن شیر ہو کر دباتے چلے جائیں گے اور جماعت اسلام کو مغلوب و رسوا ہونا پڑے گا۔ ہاں کسی وقت اسلام کی مصلحت اور اہل اسلام کی بھلائی صلح میں نظر آئے تو اس وقت صلح کر لینے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ آگے سورۃ فتح میں آتا ہے۔ بہر حال صلح کی بناء اپنی کم بختی اور نامردی پر نہ ہونی چاہیے۔ بلکہ اگر صبر و استقلال دکھاؤ گے اور خدا کے احکام پر ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ تم کو آخر کار غالب کرے گا اور کسی حالت میں بھی تم کو نقصان اور گھاٹے میں نہ رہنے دے گا۔

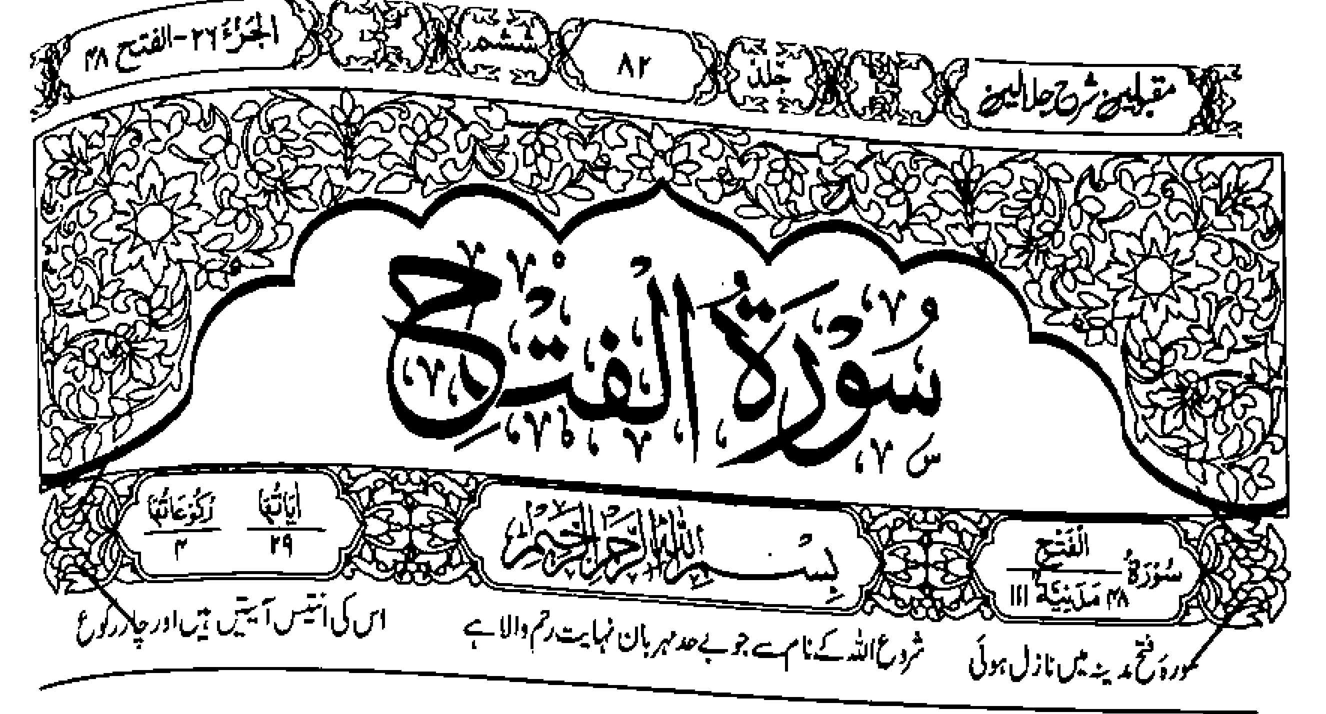
اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ .... چونکہ جہاد سے روکنے والی چیز انسان کے لئے دنیا کی محبت ہی ہو سکتی ہے جس میں اپنی جان کی محبت، اہل و عیال کی محبت مال و دولت کی محبت سب داخل ہیں اس آیت میں یہ بتلا دیا گیا ہے کہ یہ سب چیزیں بہر حال ختم اور فنا ہونے والی ہیں اس وقت ان کو بچا بھی لیا تو پھر کیا، دوسرے وقت یہ چیزیں ہاتھ سے نکلیں گی اس لئے ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کی محبت کو آخرت کی دائمی پائیدار نعمتوں کی محبت پر غالب نہ آنے دو۔

وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۞ اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرتا مگر پورے قرآن میں زکوٰۃ و صدقات کے احکام اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بیشمار مواقع آئے ہیں اور خود اس کے بعد ہی دوسری آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید آ رہی ہے اس لئے بظاہر ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس لئے بعض حضرات نے لَا يَسْـَٔلْكُمْ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اموال تم سے کسی اپنے نفع کے لئے نہیں مانگتا بلکہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے مانگتا ہے جس کا ذکر اسی آیت میں بھی يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ کے الفاظ سے کر دیا گیا ہے کہ تم سے جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے کہا گیا وہ اس لئے ہے کہ آخرت میں جہاں تمہیں سب سے زیادہ ضرورت نیکیوں کی ہوگی اس وقت یہ خرچ کرنا تمہارے کام آئے وہاں تمہیں اس کا اجر ملے، اس کی نظیر ما ارید منهم من رزق ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تم سے اپنے لئے کوئی رزق نہیں لیتے نہ اس کی ہمیں حاجت ہے اور بعض حضرات نے اس آیت کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ لَا يَسْـَٔلْكُمْ سے مراد پورا مال طلب کر لینا ہے (وہو قول ابن عیینہ قرطبی) اس کا قرینہ اگلی آیت ہے جس میں فرمایا ہے: اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ کیونکہ یحف احفاء سے مشتق ہے جس کے معنی مبالغہ اور کسی کام میں آخر تک پہنچ جانے کے ہیں اس دوسری آیت کا مفہوم سب کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے اموال پورے طلب کرتا تو تم بخل کرنے لگتے اور اس حکم کی تعمیل تمہیں ناگوار ہوتی یہاں تک کہ ادائیگی کے وقت تمہاری یہ ناگواری ظاہر ہو جاتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں لَا يَسْـَٔلْكُمْ سے مراد یہی ہے جو دوسری آیت میں فَيُحْفِكُمْ کی قید کے ساتھ آیا ہے تو مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مالی فرائض زکوٰۃ وغیرہ تم پر عائد کئے ہیں اول تو وہ خود تمہارے ہی فائدہ کیلئے ہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی اپنا فائدہ نہیں، دوسرے پھر ان فرائض میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے مال کا اتنا تھوڑا سا جزو فرض کیا ہے جو کسی طرح بار

خاطر نہ ہونا چاہئے زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ زمین کی پیداوار میں دسواں یا بیسواں حصہ، سو بکریوں میں سے ایک بکری، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پورے اموال تو طلب نہیں کئے جن کا دینا ناگوار اور بار خاطر طبعاً ہوتا بلکہ اس کا قدر قلیل طلب فرمایا ہے اس لئے تمہارا فرض ہے کہ اس کو خوشدلی کے ساتھ ادا کیا کرو، اور اس دوسری آیت میں جو ارشاد ہے: وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ اس میں اضغان جمع ضغن کی ہے جس کے معنی مخفی کینہ اور مخفی کراہت کے ہیں اس جگہ بھی مخفی کراہت د ناگواری مراد ہے یعنی طبعی طور پر انسان کو اپنا پورا مال بخشش کر دینا ناگوار ہوتا ہے جس کو وہ ظاہر بھی نہ کرنا چاہے تو ادائیگی کے وقت ٹال مٹول وغیرہ سے یہ ناگواری کھل ہی جاتی ہے تو حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے پورے اموال کا مطالبہ کر لیتا تو تم بخل کرنے لگتے اور بخل کی وجہ سے جو ناگواری اور کراہت تمہارے دلوں میں ہوتی وہ لامحالہ ظاہر ہو جاتی۔ اس لئے اس نے تمہارے اموال میں سے ایک حقیر اور قلیل حصہ تم پر فرض کیا ہے تم اس میں بھی بخل کرنے لگے اسی کا بیان آخری آیت میں اس طرح فرمایا ہے کہ

تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ یعنی تم کو تمہارے اموال کا کچھ حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض اس میں بھی بخل کرنے لگتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ: وَ مَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ یعنی جو شخص اس میں بھی بخل کرتا ہے وہ کچھ اللہ کا نقصان نہیں کرتا بلکہ خود اپنی جان کا نقصان اس بخل کے ذریعہ کرتا ہے کہ آخرت کے ثواب سے محرومی اور ترک فرض کا وبال ہے۔ پھر اسی بات کو زیادہ وضاحت سے فرما دیا: وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ یعنی اللہ تو غنی ہے تم ہی حاجت مند ہو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا خود تمہاری حاجت کا پورا کرنا ہے۔

(معارف القرآن مفتی شفیع)



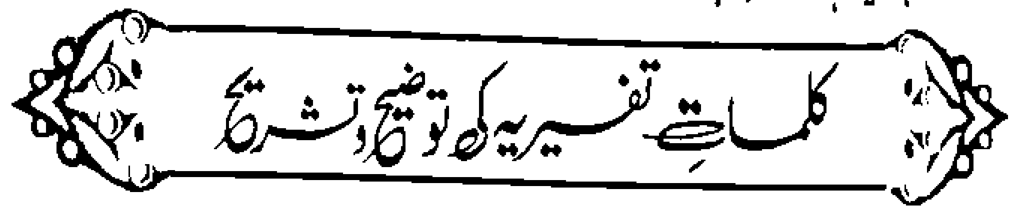
اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ قَضَيْنَا بِفَتْحِ مَكَّةَ وَغَيْرِهَا الْمُسْتَقْبَلِ عَنْوَةً بِجِهَادِكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ بَيِّنًا ظَاهِرًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ بِجِهَادِكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ مِنْهُ لِتَرْغَبَ اُمَّتُكَ فِي الْجِهَادِ وَهُوَ مُؤَوَّلٌ لِعِصْمَةِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِالدَّلِيْلِ الْعَقْلِيِّ الْقَاطِعِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَاللَّامُ لِلْعِلَّةِ الْغَائِيَّةِ فَمَدْخُوْلُهَا مُسَبَّبٌ لَا سَبَبٌ وَيُتِمَّ بِالْفَتْحِ الْمَذْكُوْرِ نِعْمَتَهٗ اِنْعَامَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ بِهٖ صِرَاطًا طَرِيْقًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ يُثَبِّتُكَ عَلَيْهِ وَهُوَ دِيْنُ الْاِسْلَامِ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ بِهٖ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ نَصْرًا ذَا عِزٍّ لَا ذُلَّ مَعَهٗ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ الطُّمَاْنِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ بِشَرَائِعِ الدِّيْنِ كُلَّمَا نَزَلَ وَاحِدَةٌ مِنْهَا اٰمَنُوْا بِهَا وَمِنْهَا الْجِهَادُ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ فَلَوْ اَرَادَ نَصْرَ دِيْنِهٖ بِغَيْرِكُمْ لَفَعَلَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ حَكِيْمًا ۝ فِيْ صُنْعِهٖ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ لِّيُدْخِلَ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ اَمَرَ بِالْجِهَادِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّهَا فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلٰثَةِ ظَنُّوْا اَنَّهٗ لَا يَنْصُرُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ بِالذُّلِّ وَالْعَذَابِ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ اَبْعَدَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ مَرْجِعًا وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا فِيْ مُلْكِهٖ حَكِيْمًا ۝ فِيْ صُنْعِهٖ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا عَلٰى اُمَّتِكَ فِي الْقِيٰمَةِ وَّمُبَشِّرًا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْجَنَّةِ وَّنَذِيْرًا ۝ مُنْذِرًا مُخَوِّفًا فِيْهَا مِنْ عَمَلٍ سُوْءٍ بِالنَّارِ لِّتُؤْمِنُوْا

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِيْهِ وَفِي الثَّلٰثَةِ بَعْدَهٗ وَتُعَزِّرُوْهُ يَنْصُرُوْهُ وَقُرِئَ بِزَائِيَيْنِ مَعَ الْفَوْقَانِيَّةِ وَتُوَقِّرُوْهُ تُعَظِّمُوْهُ وَضَمِيْرُهُمَا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُسَبِّحُوْهُ أَيِ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ بِالْحُدَيْبِيَةِ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ الَّتِيْ بَايَعُوْا بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ هُوَ تَعَالٰى مُطَّلِعٌ عَلٰى مُبَايَعَتِهِمْ فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْهَا فَمَنْ نَّكَثَ نَقَضَ الْبَيْعَةَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ يَرْجِعُ وَبَالُ نَقْضِهٖ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ع ۱۰

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح دی (آئندہ کیلئے مکہ معظمہ وغیرہ مقامات کو طاقت کے ذریعہ آپ سے جہاد کرا کر فتح کا فیصلہ کر دیا ہے) کھلم کھلا (واضح طور پر) تا کہ اللہ تعالیٰ (آپ کے جہاد کی برکت سے) آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے (تا کہ آپ اپنی امت کو جہاد کی ترغیب دے سکیں، انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا چونکہ دلیل عقلی قطعی سے طے شدہ ہے۔ اس لئے آیت کی تاویل کی جائے گی۔ اس میں لام علت غائیہ ہے جو سبب پر نہیں۔ بلکہ مسبب پر داخل ہو رہا ہے) اور مکمل کر دے (اس فتح کے ذریعہ سے) اپنی نعمت (انعام) آپ پر اور آپ کو سیدھے رستہ پر لے چلے (دین اسلام پر جمادے) اور اللہ آپ کو (اسکے ذریعہ) ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو (ذلت نام ونشان کو نہ ہو) وہ خدا ایسا ہے جس نے تحمل (اطمینان) پیدا کیا مسلمانوں کے دلوں میں۔ تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو (دینی باتوں پر اس طرح کہ جب کوئی حکم نازل ہو اس پر ایمان لے آئیں۔ ان میں جہاد بھی ہے) اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے (اگر وہ تمہارے علاوہ کسی اور سے دینی خدمت لینا چاہے لے سکتا ہے) اور اللہ (اپنی مخلوق کو) بڑا جاننے والا (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے (یعنی ہمیشہ اس کی یہی شان رہتی ہے) تا کہ اللہ داخل کرے (محذوف عبارت سے اس کا تعلق ہے ای امر بالجہاد) مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایسی بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں ہمیشہ کو رہیں گے اور تا کہ ان کے گناہ دور کر دے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں عورتوں، مشرک مردوں عورتوں کو عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں (السوء فتحہ سین اور ضمہ سین کے ساتھ تینوں مواقع میں پڑھا گیا ہے۔ منافقین کا گمان یہ ہے کہ حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مدد نہیں فرمائیں گے) ان پر برا وقت پڑنے والا ہے (ذلت اور عذاب) اور اللہ ان پر غضب ناک ہو گا اور ان کو (رحمت سے) دور کر دے گا اور ان کیلئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ (مقام) ہے اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ (اپنے ملک میں) زبردست، حکمت والا ہے۔ (اپنی صنعت میں یعنی ہمیشہ سے اس کی یہی شان ہے) ہم نے آپ کو (قیامت میں اپنی امت کے حق میں) گواہی دینے والا اور (دنیا میں انہیں جنت کی) بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا (دنیا میں بدعملی کرنے پر دوزخ سے خوف دلانے والا) بنا کر بھیجا ہے۔ تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (یہاں اور اس کے بعد الفاظ یاء اور تاء کے ساتھ دونوں طرح ہے) اور اس کی مدد کرو (تقویت دو، ایک قراءت میں تعززوہ دوزاء اور تاء

کے ساتھ ہے) اور اس کی تعظیم بجالاؤ (یہ دونوں ضمیریں اللہ ورسول کی طرف ہیں) اور (اللہ کی) تسبیح کرتے رہو۔ صبح شام (دونوں وقت) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں (حدیبیہ مقام پر بیعت الرضوان) تو وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں (یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ میں ہے) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (جن ہاتھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے یعنی اللہ کو ان کی بیعت کا حال معلوم ہے۔ چنانچہ وہ ان کو اس پر صلہ دے گا) پھر جو شخص عہد توڑے گا (وعدہ بیعت) تو اس (توڑنے) کا وبال خود اسی پر پڑے گا۔ اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر اس نے خدا سے عہد کیا ہے۔ سو عنقریب اللہ اس کو عطا فرمائے گا (یا اور نون کے ساتھ ہے) عظیم الشان اجر۔



قوله: قَضَيْنَا: اس سے تفسیر اس لیے کی کیونکہ ماضی گزشتہ کا متقاضی ہے جب کہ فتح ابھی مستقبل سے متعلق ہے۔

قوله: الْمُسْتَقْبِلِ: اس سے پہلے زمان کا لفظ محذوف ہے۔

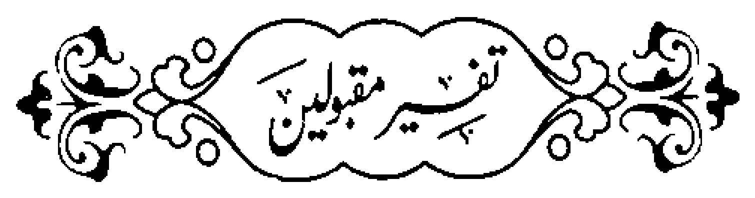
قوله: وَهُوَ مُؤَوَّلٌ: یعنی اگر چہ خطاب آپ کو ہے مگر مراد امت ہے۔

قوله: وَاللَّامُ لِلْعِلَّةِ: اس کا مدخول مسبب ہے نہ کہ سبب۔

قوله: عِنْدَ اللّٰهِ: یہ فوز سے حال ہے۔

قوله: دَآئِرَةُ السَّوْءِ: مشرکین کے خیالات جو مسلمانوں اور اسلام کے متعلق تھے۔

قوله: وَالتَّاءِ فِيْهِ: مسلمانوں کے خطاب کو آپ کے خطاب کے بمنزلہ لایا گیا۔ فتدبر۔



سورۃ الفتح کا مقام نزول:

عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباسؓ سے اگر چہ یہ نقل کیا گیا کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی لیکن تاریخی روایات واحادیث کثرت سے اسکی تصریح کر رہی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ ذی قعدہ ٦ ہجری میں حدیبیہ کے مقام سے واپس ہوئے تو یہ دوران سفر نازل ہوئی خاص مدینہ میں نزول نہیں ہوا یہی روایت صحیح ہے امام بخاری ؒ نے اپنی تاریخ میں یہی بیان کیا، ابن ابی شیبہ ؒ اور امام احمد بن حنبل ؒ کی یہی رائے ہے ائمہ محدثین کی ایک جماعت مثلاً ابوداؤد ونسائی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ جب ذی القعدہ ٦ ہجری میں حدیبیہ سے واپس ہو رہے تھے قریش مکہ سے مصالحت ومعاہدہ کرنے کے بعد تو آنحضرت ﷺ پر آثار وحی شروع ہوئے آپ نے فرمایا اللہ رب العزت نے آج کی رات مجھ پر ایک سورت نازل فرمائی ہے جو مجھے دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہے اور وہ سورۃ

• إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بروایت مجمع بن جاریہؓ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ سے واپسی کے وقت یہ سورت مقام کراع الغمیم کے نزدیک نازل ہوئی جسکو آپ نے اپنی ناقہ پر سوار چلتے چلتے صحابہ کو تلاوت کر کے سنایا، طبقات ابن سعد میں مقام نزول ضجنان پہاڑ بتایا ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب پہاڑ کا نام ہے بہرکیف ان جملہ نقول اور روایات سے یہی ثابت ہے کہ سورۃ فتح حدیبیہ سے واپسی پر دوران سفر نازل ہوئی ہے مگر چونکہ جمہور مفسرین کے نزدیک سورتوں اور آیتوں کے مکی اور مدنی ہونے کا یہی ضابطہ ٹھہرا ہے کہ قبل از ہجرت جو آیات و سورتیں اتریں وہ مکیہ ہیں اور جو بعد ہجرت کے نازل ہوئیں وہ مدینہ ہیں خواہ ہو کسی جگہ بھی اتری ہوں حتی کہ حجۃ الوداع میں عرفات میں نازل ہونے والی آیت بھی مدنیہ ہوگی۔

گذشتہ سورۃ محمد ﷺ کا مضمون کافروں اور دشمنان اسلام سے مقابلہ اور جہاد کا تھا جس میں منافقین کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان کے مکر وفریب اور ان کی ذلت و ناکامی کا بیان تھا تو اب اس کے بالمقابل اس سورت فتح میں مسلمانوں کے غلبہ اور کامیابی کا ذکر اور فتح مبین کی بشارت ہے اور اہل ایمان و اخلاص کے اوصاف اور نشانیوں کو بیان کیا جا رہا ہے اور اخیر میں جو طبقہ اسلام کا دعوی کرنے کے بعد اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قدم نہیں اٹھاتا جہاد کا عزم اور ہمت نہیں کرتا تو انکو دھمکی دی گئی تھی۔ "وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم "۔ تو اب اس سورت میں ان تمام احوال اور اوصاف کے متبادل چیز سامنے رکھ دی گئی اگر پہلے مغلوبی ہے خدا اس کو فتح وکامیابی سے بدل رہا ہے اگر ایک قوم ضعف ایمان یا نفاق کی وجہ سے اللہ رب العزت کے دین کی حفاظت نہیں کر سکی تو کوئی حرج نہیں خدا نے ان کے بدلے ایسے مخلصین و مؤمنین اور جانثاروں کا گروہ پیدا فرما دیا ہے کہ انکے ایمان و اخلاص اور تقوی کی برکتوں سے فتوحات اور حق تعالی شانہ کی عنایات مسلمانوں کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھیں اور یہی واقعہ فتح عظیم کا ذریعہ اور اشاعت اسلام کا وسیلہ بنا اور اس فتح کے ذریعہ سے قوم منافقین کے بدلہ اللہ تعالی نے مخلصین و مؤمنین کی جماعت عطا فرمائی اور مکہ دارالکفر سے دارالایمان ہو گیا تو ان وجوہ سے سورۃ فتح کے مضامین: یستبدل قوما غیرکم ۔ کی بشارت اور اعلان کی پوری پوری تصویر ہے ایک حدیث میں ہے کہ جب جبرئیل امین علیہ السلام یہ سورت لے کر اترے تو آنحضرت ﷺ کو مبارک باد دی جبرائیل علیہ السلام کے پیغام تہنیت پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مبارک باد دی اور یہ بشارت سنائی۔ (طبقات ابن سعد بحوالہ تفسیر روح المعانی جلد ۲۶) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص یہ سورت رمضان المبارک کی پہلی رات میں پڑھے گا تو تمام سال خیر و برکت اور عافیت اسکے واسطے قائم رہے گی،

مقاصد سورۃ الفتح:

سورۃ فتح اپنے نام اور اپنے آغاز عنوان سے ہی فتح مبین کا پیغام ہے اور تہنیت ہے حضور اکرم ﷺ، صحابہ کرامؓ اجمعین اور تمام اہل ایمان کے لئے اس سورۃ مبارکہ کے اہم مقاصد میں سے اس معاہدہ کا ذکر ہے جو صلح حدیبیہ کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان طے پایا یہی معاہدہ اسلام کی اشاعت تبلیغ اور دین کی برتری اور غلبہ کا سبب بنا اور مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے فتح مکہ کی نعمت سے نوازا جس پر: یدخلون فی دین اللہ افواجا ۔ کی بشارت مکمل ہوئی نیز اس سورت میں یہ بھی بتایا گیا کہ ایمان و تقوی مؤمن کو کس طرح اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد پر آمادہ کرتا ہے اور مؤمنین کس

جانثاری کے جذبہ سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

نیز بیعۃ الرضوان جیسے عظیم واقعہ کا ذکر ہے جس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرات صحابہؓ جو خدا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد کرنے والے ہیں انکا کیسا عظیم مقام ہے کہ خدا تعالی نے انکو اپنی رضامندی کی بشارت دنیا ہی میں سنادی اسی کے ساتھ اس سورت کے مقاصد میں یہ بھی ہے کہ جہاد سے پہلو تہی کرنا اور لغو ومہمل اعذار پیش کر کے گھروں میں بیٹھے رہنا درحقیقت خود اپنے آپ کو ہلاکت اور ذلت میں ڈالنا ہے۔

اہل ایمان کے انقیاد واطاعت کا ذکر ہے حضرات صحابہ کرامؓ کو فضائل وکمالات حضور اکرم ﷺ کی محبت اور شرف صحبت کی برکت سے حاصل ہوئے اور یہ کہ دراصل وہی کمالات انسانی عظمتوں کے حامل ہیں تو یہ سورت مبارکہ ان بنیادی مقاصد پر مشتمل ہے۔

اہل حدیبیہ اور حضرات صحابہ کرامؓ کے جو فضائل بیان فرمائے گئے ظاہر ہے کہ ان میں خلفائے راشدینؓ بدرجہ اتم شامل ہیں بہرکیف اس سورت میں زیادہ تر مقصود دو چیزوں کو بیان کرنا ہے ایک یہ کہ جو صحابہ کرامؓ اس سفر میں آپ ﷺ کے ہمرکاب تھے انکی جانثاری کی قدر افزائی کی جائے اور مغلوبانہ صلح کی وجہ سے جو ان کے دل زخمی ہو رہے تھے ان پر مرہم رکھا جائے اسی وجہ سے خاص طور پر اہل حدیبیہ کو مخاطب بنایا گیا اور ان ہی کو بشارتیں سنائی گئیں۔

دوسرا مقصود یہ ہے کہ جن اعراب نے اس سفر میں آپ ﷺ کی معیت اور مرافقت سے پہلو تہی کی تھی ان کو تنبیہ وتہدید کی جائے۔

مقصود اول یعنی اصحاب حدیبیہ کی قدر افزائی کے لئے طرح طرح کے عنوان اختیار فرمائے کہیں ان سے فتح ونصرت کے وعدے فرمائے اور کہیں بیعت کے فضائل بیان کئے اور اپنی خوشنودی کی بشارت سنائی کہیں ان کے اخلاص کی شہادت دی کہیں ان کو غنیمتوں کا مژدہ سنایا اور خیبر کی غنیمتوں کو ان کے واسطے مختص کر دیا اور کہیں ان کو نزول سکینہ سے سرفراز فرمایا، اس سورت میں تین جگہ نزول سکینہ کا ذکر فرمایا اور سکینہ بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اطمینان وسکون قلب کا نام ہے جو ایمان کی آخری منزل ہے جس کے بعد استقلال واستقامت کے خلاف کوئی فعل صادر نہیں ہو سکتا اور یہ سکینت وہ نعمت ہے جو پیغمبران خدا اور خاصان خدا پر نازل ہوتی ہے کہیں یہ فرمایا کہ وصف تقوی کو اصحاب حدیبیہ کے لئے لازم کر دیا جیسے کہ ارشاد ہے: "والزمهم كلمة التقوى" اور لازم اسی چیز کو کہا جاتا ہے جس کا ملزوم سے جدا ہونا محال ہو تو معلوم ہوا کہ ان حضرات سے وصف تقوی کا جدا ہونا محال ہے پھر یہ فرمانا کہ: "وكانوا احق بها واهلها" مزید اکرام واعزاز ہے کہ یہ حضرات ہی درحقیقت اسکے مستحق تھے اور اس پر مہر: "وكان الله بكل شيء عليما" فرما کر لگادی کہ جیسے اللہ ہی کو علم ہے کہ اس کی رسالت کے لائق کون ہے اسی طرح اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کون لوگ ان بشارتوں کے مستحق اور لائق ہیں۔

مقصود دوم یعنی ساتھ نہ جانے والے اعراب ومنافقین کی تہدید وتنبیہ! تو وہ بھی اس سورت میں بحد کمال فرمادی گئی، حتی کہ ان کے دل میں چھپے ہوئے خیالات اور بیہودہ آرزوؤں اور باطل منصوبوں کو ظاہر کر کے ان کو قیامت تک کے واسطے تمام عالم میں شرمندہ کیا اور خیبر کی غنیمتوں سے محروم کر دیئے گئے۔

واقعہ حدیبیہ اور فتح مبین:

عمرہ حدیبیہ اور واقعۃ الحدیبیہ کے نام سے یہ قصہ معروف ہے جس کی تفصیل احادیث میں ہے سورۃ فتح دراصل عمرہ حدیبیہ کے ضمن میں پیش آنے والے واقعہ صلح اور معاہدہ کے اسرار اور حکمتوں پر مشتمل ہے کہ اللہ رب العزت نے اس معاہدہ میں کیا انعامات فرمائے اور اپنی قدرت وحکمت سے اس معاہدہ کو فتح مبین بنایا۔

واقعہ حدیبیہ متعدد واقعات کا مجموعہ ہے جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کیونکہ فتح کا مفہوم کسی بند چیز کو کھول دینا ہے تو صلح حدیبیہ کے ذریعہ اسلام کی ترقی اور فتوحات کے لیے جو دروازے بند تھے وہ کھل گئے اس بناء پر یہ صلح ہی اللہ کے کلام میں فتح مبین کے عنوان سے تعبیر کی گئی حتی کہ بعض صحابہ تو فتح مکہ کی بجائے صلح حدیبیہ ہی کو فتح مبین کا مصداق کہا کرتے تھے جیسے کہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے فرمایا اے لوگو! تم تو فتح، فتح مکہ کو شمار کرتے ہو اور ہم تو صلح حدیبیہ کو ہی فتح سمجھتے ہیں۔ (صحیح بخاری جلد دوئم)

اسی طرح حضرت جابرؓ اور براء بن عازبؓ بھی کہا کرتے تھے اور حضرت براء بن عازبؓ یہ بھی فرماتے تھے ہم تو بیعۃ الرضوان کو فتح سمجھتے ہیں۔

واقعہ حدیبیہ احادیث میں جس طرح ذکر فرمایا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ٦ ہجری کی ابتداء میں خواب دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں اور آپ ﷺ نے عمرہ کیا کچھ نے حلق کیا اور کچھ نے سر کے بال کم کرائے آپ ﷺ نے یہ خواب صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین'' ۔ سے بیان کیا آپ ﷺ نے اس خواب کو بیان فرماتے ہوئے کوئی مدت متعین نہیں فرمائی تھی کہ کون سے سال کے بارہ میں دیکھا ہے کہ عمرہ کر کے واپس ہو رہے ہیں مگر شدت شوق میں یہی خیال کیا کہ اسی سال عمرہ اور حرم مکہ میں داخل ہونا نصیب ہوگا اور آپ نے بھی یہی قصد فرمایا کہ عمرہ کے لئے روانگی ہو جائے تو چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ کی جماعت لے کر آپ ﷺ ذی قعدہ ٦ ہجری میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور ہدی (قربانی کا جانور) بھی آپ ﷺ نے ساتھ لے لیا جو حرم میں ذبح کیا جائے قریش مکہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اہل مکہ کو جمع کیا اور یہ طے کیا کہ کسی طرح بھی آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے حالانکہ خود قریش کے لوگ حرم بیت اللہ کا بہت احترام کرتے تھے اور یہ جائز نہیں سمجھتے تھے کہ کسی کو بھی بیت اللہ کے طواف اور عمرہ سے روکا جائے حتی کہ دشمن کو بھی نہ روکتے تھے مقام حدیبیہ پہنچ کر آپ ﷺ کی ناقہ بیٹھنے لگی لوگ اس کو چوکا مارتے اور کوشش کرتے کہ یہ اٹھ کر چلنے لگے مگر وہ اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی آپ نے فرمایا: ''حبسها حابس الفيل'' کو اس اونٹنی کو اسی ذات نے روک دیا ہے جو ہاتھیوں کو روکنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم سے یہ ناقہ رکی ہے اور آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا خدا کی قسم اہل مکہ مجھ سے جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں حرمات اللہ کی تعظیم قائم رہے اور شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ ہو تو میں ضرور اسکو منظور کرلوں گا کیونکہ آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ اس مرحلہ پر ضرور اہل مکہ کچھ نہ کچھ باتیں اپنی منوائیں گے اور دباؤ بھی ڈالیں گے الغرض آپ ﷺ نے وہیں قیام فرمایا سی کو

آج کل شمیسیہ'' کہتے ہیں آپ ﷺ نے اہل مکہ کی طرف قاصد روانہ فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے ہم تو صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں ہم کو مکہ میں آنے دو ہم عمرہ کرکے واپس چلے جائیں گے قریش مکہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا انتظار کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو یہی پیغام دیکر بھیجا اور ساتھ ہی ان مظلوم اور مغلوب مسلمان عورتوں اور مردوں کو جو کفار مکہ کی قید و بند میں تھے یہ بشارت بھی بھیجی کہ عنقریب اللہ کے فضل سے اسلام کا غلبہ ہوگا اور مکہ میں کامیابی اور غلبہ کے ساتھ اسلام داخل ہوگا۔

حضرت عثمانؓ کی واپسی میں دیر ہوئی کفار مکہ نے ان کو روک لیا ادھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کردیے گئے اس وقت آپ ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ شاید اب لڑائی اور مقابلہ کی نوبت آئے گی تو آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوکر حضرات صحابہؓ کو بیعت کی دعوت دی کہ آپ ﷺ کے دست مبارک پر جہاد کی بیعت کریں۔

قریش مکہ کو جب معلوم ہوا تو حضرت عثمانؓ کو واپس بھیج دیا اور کچھ رؤساء مکہ کا وفد آپ ﷺ کے پاس صلح کی غرض سے آیا اور گفتگو کے بعد صلح نامہ تحریر کرکے اس پر طرفین کے دستخطوں کا معاملہ طے پایا شرائط صلح کے بارہ میں باہم بحث وتمحیص بھی ہوئی اور بعض شرائط صلح میں مسلمانوں کو اپنی مغلوبی اور پستی کا احساس ہوکر جوش اور ولولہ بھی آرہا تھا، لیکن حضور ﷺ نے بوحی الٰہی حضرات صحابہؓ کو تسلی دی اور فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ان باتوں کو مان لو آپ ﷺ کے فرمانے پر مسلمانوں نے صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے وہ شرائط صلح مان لیں اور صلحنامہ تیار ہوگیا کفار کی طرف سے شرائط صلح میں سے ایک یہ تھی کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال غیر مسلح حالت میں آکر عمرہ کرلیں اور فریقین دس سال تک ایک دوسرے پر کسی قسم کا حملہ اور جنگی اقدام نہ کریں گے اور اس مدت میں اگر کوئی مرد اہل مکہ میں سے آپ ﷺ کے پاس مدینہ چلا جائے خواہ وہ مرد مسلمان ہی ہو تو آپ اس کو واپس کرنے پر مجبور ہوں گے اور اگر کوئی آپ لوگوں میں سے مکہ واپس آجائے گا تو ہم اس کو واپس نہ کریں گے اس آخری شرط پر صحابہ کو کافی تشویش تھی اور فاروق اعظمؓ بار بار یہ کہتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم یہ ذلت اسلام میں کیوں قبول کریں مگر بمصلحت آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اس کو بھی مان لو، اور نہایت ہی حکیمانہ کلمہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بدنصیب ہمارے میں سے دارالکفر آنا چاہتا ہے تو آنے دو ایسے کی ہمیں کیا ضرورت جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بعید کرنے کا ارادہ کیا ہو یعنی جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں میں جانا چاہتا ہے تو جانے دو ایسے بدبخت کی ہمیں کیا پرواہ ہے اور اگر کوئی مسلمان کفار کی قید و بند میں ہوگا اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے واسطے راستہ خلاصی کا پیدا فرمادے گا۔

یہ حکیمانہ بات سن کر صحابہ کے دل مطمئن ہوگئے صلح کا تمام معاملہ طے ہوگیا دستخط ہوگئے اور آپ ﷺ نے حدیبیہ ہی میں (کیونکہ وہ حصہ حرم میں داخل تھا) ہدی کا جانور ذبح کیا اور احرام کھول دیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے اور راستہ ہی میں مقام کراع الغمیم یا ضجنان پر یہ سورت فتح نازل ہوئی اس کے بعد آپ ﷺ نے ۷ ہجری کے اوائل میں خیبر فتح کیا جو مدینہ منورہ کے شمال کی جانب واقع ہے یہود کا بڑا عظیم مرکز تھا خیبر پر حملہ میں صرف وہی چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ تھے جو حدیبیہ کی بیعت الرضوان میں آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرچکے تھے پھر حسب معاہدہ ۷ ہجری ذی قعدہ عمرۃ القضاء کے

لئے تشریف لے گئے اور امن وامان کے ساتھ عمرہ ادا فرمایا عہد نامہ میں دس سال تک باہم لڑائیوں کا سلسلہ بند کر دینے کا معاہدہ تھا لیکن قریش مکہ نے اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نقض عہد کیا تو آنحضرت ﷺ نے ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ کی طرف فوج کشی فرمائی اور رمضان المبارک میں اس کو فتح فرمایا تو حق تعالیٰ شانہ نے حدیبیہ میں جو بشارت فتح نازل فرمائی تھی وہ پوری ہوگئی،

معاہدہ حدیبیہ اسلام کی عزت وسربلندی اور فتح عظیم:

معاہدوں کی نزاکت بڑی ہی اہم ہوتی ہے، قوموں کے درمیان معاہدوں میں بسا اوقات طبعی جذبات اور قومی عظمت ووقار کا مسئلہ بڑی ہی رکاوٹوں کا باعث ہوتا ہے اور پھر یہ کہ معاہدے صرف کسی موجودہ معاملہ اور وقتی مسئلہ کو حل کرنے کے واسطے نہیں ہوا کرتے بلکہ ایک طویل مستقبل کے مقاصد اور نشیب وفراز اور عواقب ونتائج پر نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ پائیدار عظمت وعزت اور اصل مقصد کی کامیابی کس صورت میں ہے اگر وقتی طور پر کوئی بات ظاہری مغلوبی اور پستی کی ایسی مان لیجائے جس میں آئندہ کی عظمتیں اور غلبہ وکامیابی مضمر ہو تو بصیرت کا تقاضہ یہی ہے کہ وقتی عزت وسربلندی یا اپنی بات رہی جانے کے مسئلہ کو بالائے طاق رکھ کر حقیقی عزت اور غلبہ کی جانب کو ترجیح دی جائے معاہدۂ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کی معجزانہ تدبیر، بے پناہ بصیرت وعواقب پر صحیح نظر اور اسکے واسطے بہترین فیصلہ پھر یہ کہ طبعی جذبات پر قابو رکھنا صبر واستقامت جیسے اوصاف واضح طور پر نمایاں ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں:

''حدیبیہ'' کی صلح بظاہر ذلت ومغلوبی کی صلح نظر آتی ہے اور شرائط صلح پڑھ کر بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا چنانچہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ بھی صلح کی ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون ومضطرب تھے وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور انکے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے کیوں تمام نزاعات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کر دیا جاتا مگر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں ان احوال ونتائج کو دیکھ رہی تھیں جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے اور اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کے لئے کھول دیا تھا آپ ﷺ بے مثال استغناء اور توکل وتحمل کے ساتھ انکی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو اللہ ورسولہ اعلم کہہ کر تسلی دیتے رہے یعنی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے تا آنکہ یہ سورت نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام ''فتح مبین'' رکھا لوگ اس پر بھی تعجب کرتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ فتح ہے فرمایا ہاں یہ بہت بڑی فتح ہے، حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کی بیعت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم ﷺ کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور عفو ودرگزر سے کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر انکے بیہودہ مطالبات پر قطعاً برافروختہ نہ ہونا یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مدد ورحمت کے استجلاب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی اور روحانی طاقت اور پیغمبر علیہ السلام کی شان پیغمبری کا سکہ

بھلا رہے تھے گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جیت نظر آتی تھی لیکن ٹھنڈے دل سے فرصت میں بیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فی الحقیقت تمام تر فیصلہ حضور ﷺ کے حق میں ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام فتح مبین رکھ کر متنبہ کر دیا کہ یہ صلہ اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لئے بھی آپ کے حق میں بے شمار فتوحات ظاہری و باطنی کا دروازہ کھولتی ہے اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو باہم اختلاط اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقع ہاتھ آیا کفار مسلمانوں کی زبان سے اسلام کی باتیں سنتے اور ان مقدس مسلمانوں کے احوال و اطوار کو دیکھتے تو خود بخود ایک کشش اسلام کی طرف ہوتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک یعنی تقریباً دو سال کی مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوئے تھے خالد بن الولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ جیسے نامور صحابہ اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے یہ جسموں کو نہیں دلوں کو فتح کر لینا اسی صلح حدیبیہ کی اعظم ترین برکت تھی اب جماعت اسلام چاروں طرف اس قدر پھیل گئی اور اتنی بڑھ گئی تھی کہ مکہ معظمہ کو فتح کر کے ہمیشہ کے لئے شرک کی گندگی سے پاک کر دینا بالکل سہل ہو گیا حدیبیہ میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جانثار تھے لیکن دو برس کے بعد مکہ معظمہ کی فتح عظیم کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار آپ ﷺ کے ہمرکاب تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کے لئے صلح حدیبیہ بطور اساس و بنیاد اور زرین دیباچہ کے تھے اور اس تحمل و توکل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت جو صلح کے سلسلے میں ظاہر ہوئی جن علوم و معارف قدسیہ اور باطنی مقامات و مراتب کا فتح باب ہوا ہوگا اس کا اندازہ تو کون کر سکتا ہے ہاں تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے یعنی جس طرح سلاطین دنیا کسی بہت بڑے فاتح جنرل کو خصوصی اعزاز و اکرام سے نوازتے ہیں خداوند قدوس نے اس فتح مبین کے صلہ میں آپ ﷺ کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا جن میں پہلی چیز غفران الذنوب ہے، (ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ ﷺ کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں) یہ بات اللہ تعالیٰ نے کسی اور بندہ کے لیے نہیں فرمائی مگر حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے اور لوگوں کو دیکھ کر رحم آتا تھا، صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں 249! اللہ تعالیٰ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا، فرماتے: افلا اکون عبدا شکورا۔ (تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ایسی بشارت اسی بندہ کو سنائیں گے جو سن کر نڈر نہ ہو جائے بلکہ اور زیادہ خدا سے ڈرنے لگے شفاعت کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس جائے گی تو وہ فرمائیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خاتم النبیین ہیں اور جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ معاف فرما چکا ہے۔ (یعنی اس مقام شفاعت میں اگر بالفرض کوئی تقصیر بھی ہو جائے تو وہ بھی عفو عام کے تحت میں پہلے ہی آ چکی ہے) بجز انکے اور کسی کا یہ کام نہیں۔ (کذا فی الفوائد العثمانیہ)

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝

فتح مبین کا تذکرہ، نصر عزیز اور غفران عظیم کا وعدہ:

اس سورت میں فتح مبین کا اور صلح حدیبیہ کا اور فتح خیبر کا تذکرہ ہے اور آخر میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی توصیف اور تعریف ہے اس سورت کا ابتدائی حصہ سفر میں نازل ہوا۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کے بعد واپس مدینہ منورہ کے لیے تشریف لا رہے تھے اور حضرات صحابہؓ کے دلوں میں اس بات کا رنج تھا کہ عمرہ نہ کر سکے اس وقت سورۃ الفتح نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔ جب آپ نے: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ پڑھ کر سنائی تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مبارک ہو اس میں تو آپ کے بارے میں فرمایا کہ ایسا ایسا ہوگا سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا بنے گا اس کا بھی پتہ چلنا چاہیے اس پر آیت کریمہ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ نازل ہوئی۔

(ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ص ۱۸۸ ج ۴ واصلہ فی صحیح البخاری مختصرا ص ۶۰۰ ج ۲)

حضرت زید بن اسلمؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے حضرت عمر بن خطابؓ بھی آپ کے ساتھ چل رہے تھے ایک روز رات کے وقت ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ نے آپ سے کچھ سوال کیا آپ نے جواب نہ دیا پھر سوال کیا آپ نے پھر خاموشی اختیار فرمائی پھر تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا، حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے نفس سے کہا تیری ماں تجھے گم کردے (پریشانی کے وقت اہل عرب اپنے بارے میں یہ کلمات بول دیا کرتے تھے) تو نے تین بار سوال کر کے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف میں ڈالا تین بار سوال کیا آپ نے جواب نہیں دیا یہ سوچتے ہوئے میں جلدی سے اپنے اونٹ کو حرکت دے کر سب مسلمانوں سے آگے بڑھ گیا اور میں اس بات سے ڈرنے لگا کہ میرے بارے میں قرآن مجید کی کوئی آیت نازل نہ ہو جائے تھوڑی دیر میں ایک آواز سنی ایک شخص زور سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے عمر! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ میں ڈرا کہ واقعتاً میرے بارے میں قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوئی ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا کہ اس رات میں مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے پھر آپ نے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ تلاوت فرمائی۔ (صحیح البخاری ص ۶۰۰، ۷۱۶)

صلح حدیبیہ کا مفصل واقعہ:

رسول اللہ ﷺ کو قریش مکہ نے بہت زیادہ تکلیفیں دی تھیں حتیٰ کہ آپ کو اور آپ ﷺ کے اصحاب کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ذی قعدہ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ عمرہ کرنے کے لیے اپنے پیچھے نمیلہ بن عبداللہ لیثیؓ کو امیر بنا کر روانہ ہو گئے، مدینہ منورہ کے رہنے والے اور آس پاس کے دیہات کے باشندوں کو بھی سفر میں ساتھ چلنے کے لیے فرمایا آپ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور حضرات صحابہؓ نے بھی، تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ آپ کا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے صرف بیت اللہ کی

زیارت کرنا مقصود ہے آپ اپنے ساتھ ہدی کے جانور بھی لے گئے تھے (جو حج وعمرہ میں حرم مکہ میں ذبح کیے جاتے تھے) جب آپ مقام عسفان میں پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی سے ملاقات ہوئی اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قریش مکہ کو آپ کی روانگی کا پتہ چل گیا ہے وہ مقام ذی طویٰ میں جمع ہو گئے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر یہ عہد کر رہے ہیں کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنے سواروں کو لے کر کراع الغمیم (ایک مقام کا نام ہے) میں پہنچ چکے ہیں آپ نے یہ سن کر راستہ بدل دیا اور داہنی ہاتھ کی طرف روانہ ہو گئے یہ باقاعدہ راستہ نہیں تھا گھاٹیاں تھیں دشوار گزار مقامات سے گزرنا پڑا یہاں تک کہ نرم زمین میں پہنچ گئے اور مقام حدیبیہ کے راستہ پر پڑ گئے، حدیبیہ مکہ اور جدہ کے درمیان ہے حرم کے حدود وہاں ختم ہو جاتے ہیں (عسفان سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے حدیبیہ واقع نہیں ہوتا لیکن چونکہ قریش کے آڑے آ جانے کا امکان تھا اس لیے آپ راستہ بدل کر حدیبیہ پہنچ گئے۔)

جب قریش کے سواروں کو پتہ چلا کہ آپ ﷺ نے راستہ بدل دیا ہے تو واپس قریش کے پاس مکہ معظمہ چلے گئے ادھر رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے وہاں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی صحابہ نے کہا یہ تو آگے بڑھنے سے ہٹ کرنے لگی آپ نے فرمایا ہٹ کرنا اس کی عادت نہیں ہے اسے اسی ذات پاک نے روک دیا جس نے ہاتھی والوں کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا کیونکہ قریش مکہ کے آڑے آ جانے اور مکہ معظمہ کے داخلہ میں رکاوٹ ڈالنے کا گمان تھا اس لیے آپ نے فرمایا کہ اگر آج قریش نے مجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جو صلہ رحمی کی بنیاد پر ہو تو میں اس میں ان کی موافقت کر لوں گا اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ اگر مجھے کسی بات کی دعوت دیں گے جس میں ان چیزوں کی حرمت کا مطالبہ ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے معظم قرار دیا ہے تو ان کی بات مان لوں گا۔

حدیبیہ میں قیام تو فرمالیا لیکن وہاں پانی بہت ہی کم تھا حضرات صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہاں تو پانی نہیں ہے نہ وضو کر سکتے ہیں نہ پینے کا انتظام ہے بس یہی تھوڑا سا پانی ہے جو آپ کے پیالہ میں ہے آپ نے اپنا دست مبارک اس پیالہ میں رکھ دیا آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے، راوی حدیث حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ ہم نے پانی پیا وضو کیا کسی نے دریافت کیا کہ آپ حضرات کی کتنی تعداد تھی تو حضرت جابرؓ نے کہا کہ ہم لوگ پندرہ سو تھے اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی سب کے لیے کافی ہو جاتا۔

اور حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ آیت کریمہ میں جو فتح کا ذکر ہے آپ لوگ اس سے فتح مکہ مراد لیتے ہیں اور ہم بیعت رضوان کو فتح کا مصداق شمار کرتے تھے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی ہم تعداد میں چودہ سو یا کچھ زیادہ تھے، حدیبیہ کے ایک کنوئیں میں تھوڑا سا پانی تھا ہم نے سارا پانی کھینچ کر استعمال کر لیا اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا، رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور اس کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ اس میں سے نکالا ہوا ایک ڈول پانی لاؤ وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا آپ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور ایک روایت میں ہے کہ وضو فرمایا اور کلی کی اور اس کنوئیں میں پانی ڈالا پھر فرمایا اسے کچھ دیر چھوڑ دو کچھ دیر کے بعد اس میں سے پانی لینا شروع کیا اور تمام حاضرین اپنی سواریوں سمیت سیراب ہو گئے) اس میں اختلاف کی بات نہیں ہے چودہ سو سے اوپر جو افراد تھے ان کو بعض صحابہ نے

پندرہ سو بتادیا اور بعض نے چودہ سو بتادیا کسر کا اعتبار نہیں کیا اور اس میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ پیالہ میں دست مبارک رکھنے سے چشمے جاری ہوگئے اور کنوئیں میں بھی آپ نے لعاب مبارک ڈال دیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ میں قیام فرمالیا تو قریش مکہ نے یکے بعد دیگرے بدیل بن ورقاء اور مکرز بن حفص اور حلیس بن علقمہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا آپ نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ ہم عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں لڑائی لڑنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔

حضرات صحابہؓ کی محبت اور جانثاری:

عروہ بن مسعودؓ حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے عجیب منظر دیکھا حضرات صحابہؓ کی محبت اور جانثاری دیکھ کر آنکھیں پھٹی رہ گئیں رسول اللہ ﷺ وضو فرماتے تھے جو پانی آپ کے اعضاء سے جدا ہوتا حضرات صحابہؓ اسے گرنے نہ دیتے تھے اور فوراً ہی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے جب آپ ناک کی ریزش ڈالتے تھے اسے بھی جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور آپ کا اگر کوئی بال گرتا تو اسے بھی گرنے سے پہلے ہی اچک لیتے تھے۔

عروہ بن مسعود ثقفیؓ نے واپس ہوکر قریش مکہ سے کہا کہ دیکھو میں کئی بار کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے پاس گیا ہوں (یہ تینوں بادشاہ تھے) میں نے کسی بادشاہ کے ایسے فرمانبردار نہیں دیکھے جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں اگر تم نے جنگ کی تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے اب دیکھ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ جاؤ وہاں قریش کو بتادو کہ ہم جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے حضرت عمرؓ نے معذرت پیش کردی کہ قریش کو معلوم ہے کہ میں ان کا کتنا بڑا دشمن ہوں اور میرے قبیلہ بنی عدی میں سے وہاں ایسے افراد نہیں ہیں جو میری حفاظت کرسکیں میں آپ کو رائے دیتا ہوں کہ آپ عثمان بن عفانؓ کو بھیج دیں قریش کے نزدیک وہ مجھ سے زیادہ معزز ہیں چنانچہ آپ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو ابوسفیان اور دیگر اشراف قریش کے پاس بطور نمائندہ بھیج دیا تاکہ وہ قریش کو بتا دیں کہ آپ جنگ کے ارادہ سے تشریف نہیں لائے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے تشریف لائے ہیں۔ جب حضرت عثمانؓ نے قریش مکہ کو پیغام دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں البتہ تم چاہو تو طواف کرسکتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ میں تنہا طواف نہیں کرسکتا رسول اللہ ﷺ طواف کریں گے تو میں بھی کروں گا حضرت عثمانؓ کو قریش مکہ نے روک لیا اور ادھر رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچ گئی کہ عثمان کو قتل کردیا گیا ہے۔

بیعت رضوان کا واقعہ:

جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اب ہم تو یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک قریش سے جنگ نہ کرلی جائے چونکہ بظاہر جنگ لڑنے کی فضاء بن گئی تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہؓ سے بیعت لینا شروع کی اور ایک شخص کے علاوہ آپ کے تمام اصحاب نے اس بات پر بیعت کرلی کہ ہم جم کر جنگ میں ساتھ دیں گے اور راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔ حضرت عثمانؓ چونکہ مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے اس لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود بیعت کرلی

اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملایا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی جو مقام حدیبیہ میں تھا اور اس کے بارے میں آیت کریمہ: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ نازل ہوئی اس لیے اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان معروف ہوگیا اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب الشجرہ کہا جانے لگا (شجرہ عربی میں درخت کو کہتے ہیں) اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر غلط ہے لیکن اس خبر کی وجہ سے جو حضرات صحابہؓ نے بیعت کی اس کا ثواب مل گیا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا تمغہ بھی نصیب ہوگیا جس کا قرآن مجید میں اعلان ہوگیا جو رہتی دنیا تک برابر پڑھا جاتا رہے گا۔

اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو گفتگو کرنے کے لیے بھیجا اور یوں کہا کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کی گفتگو کرو لیکن صلح میں اس سال عمرہ کرنے کی بات نہ آئے اگر ہم اس سال انہیں عمرہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو عرب میں ہماری بدنامی ہوگی اور اہل عرب یوں کہیں گے کہ دیکھو محمد رسول اللہ ﷺ اپنی قوت اور زور سے مکہ میں داخل ہوگئے۔ سہیل بن عمرو نے خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر لمبی گفتگو کی پھر آپس میں صلح کی شرطیں طے ہوگئیں۔

(صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد ص ۳۷۷ ج اور راجع معالم التنزیل ص۱۹۹ ج ٤ تا ص۲۰۳)

صلح حدیبیہ کا متن اور مندرجہ شرائط:

صحیح بخاری ۳۷۱، ۳۸۲ اور صحیح مسلم ۱۰٤ ج ۲ میں ہے کہ حضرت علیؓ صلح نامہ لکھنے لگے تو اس میں انہوں نے بطور عنوان لکھ دیا ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ، اس پر سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار ہی نہیں کرتے اگر ہم اس کو مانتے ہوتے تو آپ کو عمرہ کرنے سے کیوں روکتے؟ آپ محمد بن عبداللہ لکھیے آپ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ بھی ہوں محمد بن عبداللہ بھی ہوں پھر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لفظ ''رسول اللہ'' کو مٹا دو حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں تو کبھی بھی آپ کی اس صفت کو نہیں مٹاؤں گا (یہ نافرمانی کی قسم نہیں ہے ناز و انداز کی بات ہے) اس کے بعد صلح نامہ کے شروع میں ھذا ما قاضی علیہ محمد بن عبد اللّٰہ لکھا گیا۔

صحیح مسلم ۱۰۵ ج ۲ میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیا ہے ہم اس کو نہیں جانتے بلکہ وہ لکھو جو ہم پہچانتے ہیں اور وہ باسْمِكَ اللّٰهُمَّ ہے (آپ نے اس کو بھی منظور فرمالیا)۔ (کما ذکر النووی)

البدایہ والنہایہ ۱٦۸ ج ٤ میں صلح نامہ کا متن جو نقل کیا ہے وہ ذیل میں درج ہے:

هذا ما صالح عليه محمد بن عبد الله سهيل بن عمرو، اصطلحا على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يأمن فيهن الناس ويكف بعضهم عن بعض، وعلى انه من أتى محمدًا من قريش بغير اذن وليه رده عليهم، ومن جاء قريشًا ممن مع محمد لم يردوه عليه، وان بيننا عيبة مكفوفةً وانه لا اسلال ولا اغلال، وانه من احب ان يدخل فى عقد محمد وعهده دخل فيه ومن احب ان يدخل فى عقد قريش

وعهدهم دخل فيه وانك ترجع عامك هذا فلا تدخل علينا مكة، وانه اذا كان عام قابل خرجنا عنك فدخلتها باصحابك فاقمت بها ثلاثا معك سلاح الراكب، السيوف في القرب لا تدخلها بغيرها۔

: یہ وہ صلح نامہ ہے جس کی محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی، ان باتوں پر صلح کی گئی۔

(۱) دس سال تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے، ان دس سالوں میں لوگ امن وامان سے رہیں گے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے رکے رہیں گے۔

(۲) قریش میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس آ جائے گا اسے واپس کرنا ہوگا۔

(۳) اور محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آ جائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

(۴) اور ایک یہ بات ہے کہ ہمارے درمیان گٹھڑی بندر ہے گی (یعنی آپس میں جنگ نہ کریں گے لڑائی والی بات کو گٹھڑی کی طرح باندھ کر ڈال دیں گے اور بعض حضرات نے گٹھڑی بندر کھنے کا یہ معنی بتایا ہے جو کچھ ہم نے صلح کی ہے یہ سچے دل سے ہے دل گٹھڑیوں کی طرح ہیں جن میں راز کی چیزیں رکھی جاتی ہیں لہٰذا ہماری یہ گٹھڑی نہ کھلے گی) اور کوئی فریق دھوکہ یا خیانت کا کام نہ کرے گا۔

(۵) نہ کوئی ظاہری طور پر چوری کرے گا اور نہ خیانت کے طور پر کسی کو تکلیف دے گا (ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ہر شرط کی پابندی کی جائے گی)

(۶) اور جو شخص محمد ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ اور معاقدہ کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے۔

(۷) اور جو جماعت قریش سے کوئی معاہدہ اور معاقدہ کرنا چاہے اسے اس کا اختیار ہے۔

(۸) آپ اس سال واپس ہو جائیں مکہ معظمہ میں داخل نہ ہوں۔

(۹) اور آئندہ سال اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لیے آئیں اس وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوں اور صرف تین دن رہیں۔

(۱۰) اس وقت جب عمرہ کے لیے آئیں تو آپ کے ساتھ مختصر سے ہتھیار ہوں جنہیں مسافر ساتھ لے کر چلتا ہے تلواریں نیاموں میں ہوں گی اس کا لحاظ کرتے ہوئے داخل ہو سکیں گے۔

جب یہ شرطیں لکھی گئیں تو شرط نمبر ۴ کے مطابق بنوخزاعہ نے اعلان کر دیا کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہیں اور بنوبکر نے اعلان کر دیا کہ ہم قریش کے عہد میں ہیں پھر یہی معاہدہ فتح مکہ کا سبب بن گیا کیونکہ قریش مکہ نے بنوبکر کی مدد کر دی جب بنوخزاعہ سے ان کی جنگ چھڑی معاہدہ کی جو شرطیں اوپر مذکور ہوئیں ان میں سے بعض صحیح بخاری (صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد ص ۳۳۷ ج ۱ اور راجع معالم التنزیل ص ۱۹۹ ص ۲۰۳ ج ۴) اور بعض صحیح مسلم میں مذکور ہیں اور بعض سنن ابی داؤد میں بھی مروی ہیں۔

حضرت عمرؓ کا تردد اور سوال وجواب:

حضرت عمرؓ کو بعض شرطوں کا قبول کرنا ناگوار ہوا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ

کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا قریش مکہ باطل پر نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں! پھر سوال کیا کیا ہمارے مقتولین جنت میں نہیں اور کیا ان کے مقتولین دوزخ میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور ان کے مقتولین دوزخ میں ہیں، عرض کیا پھر کیوں ہم اپنے دین میں ذلت گوارا کریں اور ہم کیوں اللہ کے فیصلے کے بغیر جو ہمارے ان کے درمیان (قتال کے ذریعہ) ہو واپس ہو جائیں؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہوں وہ میری مدد فرمائے گا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا کیا میں نے اسی سال کے بارے میں کہا تھا؟ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے بھی ان کا یہی سوال و جواب ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے صلح کر لی اور پورا صلح نامہ لکھ دیا گیا ابو جندل نے مسلمانوں سے کہا کہ دیکھو میں مسلمان ہو کر آیا ہوں مشرکین کی طرف واپس کیا جا رہا ہوں مجھے بڑی بڑی تکلیفیں دی گئی ہیں مجھے اپنے ساتھ لے چلو لیکن رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے تھے صلح کی جو شرطیں آپ نے منظور فرمائی تھیں سب کے مطابق عمل کرنا لازم تھا بالآخر ابو جندل کو وہیں چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارا ابن کر ہم کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہم سے دور فرما دے گا (اس کی ہمیں ضرورت نہیں) اور جو شخص ان میں سے ہو گا اور ہمارا بن کر آئے گا (پھر ہم شرط کے مطابق اسے واپس کر دیں گے تو) اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی راستہ نکال دے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۰۵ ج ۱)

حلق رؤس اور ذبح ہدایا:

جب صلح نامہ لکھا جا چکا تو آنحضرت سرور عالم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے ہدایا کو ذبح کر و اور سر منڈالو یہ بات سن کر کوئی بھی کھڑا نہ ہوا کیونکہ حضرات صحابہؓ اس امید میں تھے کہ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وقت سے پہلے احرام کھولنا نہ پڑے اور عمرہ کرنے کا موقع مل ہی جائے۔ آپ کے تین بار ارشاد فرمانے کے بعد بھی جب کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوری صورت حال بیان کی (کہ میں ہدایا کے ذبح کرنے کا اور سر مونڈنے کا حکم دے چکا ہوں لیکن صحابہ اس پر عمل نہیں کر رہے ہیں) حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ ذبح اور حلق والے کام کر گزریں تو آپ باہر تشریف لے جا کر کسی سے بات کیے بغیر اپنے اونٹوں کو ذبح فرما دیں اور بال مونڈنے والے کو بلا کر اپنے سر کے بال منڈا دیں آپ باہر تشریف لائے اور ایسا ہی کیا جب آپ کو حضرات صحابہ نے دیکھا کہ آپ ہدایا ذبح فرما رہے ہیں اور حلق کروا لیا ہے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے ہدایا کو ذبح کر دیا اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ (صحیح بخاری ص ۳۸۰)

حضرت ابو بصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ:

وہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اہل مکہ میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اور اسے شرط کے مطابق واپس کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی راستہ نکال دے گا اس کے مطابق اس کا حل یہ نکلا ابو بصیرؓ ایک صحابی مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے مکہ والوں نے ان کو واپس کرنے کے لیے دو آدمی بھیجے، رسول اللہ ﷺ نے شرط کے مطابق ان کو

واپس کر دیا واپسی میں جب ذوالحلیفہ پہنچے تو حضرت ابو بصیرؓ نے ان دو آدمیوں میں سے جو انہیں لینے آئے تھے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ کر مدینہ منورہ میں آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ضرور اسے کوئی خوفناک بات پیش آئی ہے اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی تو قتل کیا جا چکا ہے اور میں بھی قتل ہونے والا ہوں پیچھے سے حضرت ابو بصیرؓ بھی حاضر خدمت ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی جو ذمہ داری تھی وہ تو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی ہے آپ نے مجھے واپس کر دیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لڑائی کو بھڑکانے والا ہے کاش اسے کوئی سمجھانے والا ہوتا یہ سن کر ابو بصیرؓ نے سمجھ لیا کہ آپ مجھے پھر واپس کر دیں گے لہٰذا وہ مدینہ منورہ سے نکل گئے اور سمندر کے کنارے پر پڑاؤ ڈال لیا۔ جب ابو جندلؓ کو اس کا پتہ چلا تو وہ بھی ابو بصیرؓ کے پاس پہنچ گئے اور اب جو بھی کوئی شخص قریش مکہ میں سے مسلمان ہوتا ابو بصیرؓ کے پاس پہنچ جاتا یہاں تک کہ وہاں سمندر کے کنارے ایک جماعت اکٹھی ہو گئی قریش کا جو بھی قافلہ شام کی طرف جاتا تھا یہ لوگ اسے روک لیتے اور قافلے کے آدمیوں کو قتل کر دیتے اور ان کے اموال چھین لیتے تھے جب یہ صورت حال سامنے آئی تو قریش مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان لوگوں کو بلا لیں اور اب ہم اس شرط کو واپس لیتے ہیں کہ ہمارا کوئی شخص آپ کے پاس جائے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا جو بھی شخص ہم میں سے آپ کے پاس پہنچے گا تو اسے واپس کرنے کی ذمہ داری آپ پر نہ ہوگی اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو پیغام بھیج دیا کہ واپس آ جائیں۔ (صحیح بخاری ص ۳۸۰، ۳۸۱، ج ۱)

رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیرؓ کے نام لکھ دیا کہ مدینہ منورہ آ جائیں جب گرامی نامہ پہنچا تو وہ سکرات موت میں تھے ان کی موت اس حالت میں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی ان کے ہاتھ میں تھا حضرت ابو جندلؓ نے انہیں دفن کر دیا اور وہاں ایک مسجد بنا دی اور پھر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ میں حاضر ہو گئے اور برابر وہیں رہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کی طرف چلے گئے اور وہیں جہاد میں شہید ہو گئے۔ (فتح الباری ص ۳۵۱ ج ۵)

اہل ایمان پر انعام کا اعلان، اور اہل نفاق اور اہل شرک کی بدحالی اور تعذیب کا بیان:

اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں میں سکون و اطمینان نازل فرما دیا تاکہ ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ جائے اور یہ بھی فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے اہل ایمان مرد اور عورت ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا ان کے بارے میں پانچ باتیں بتائیں۔ اول الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ (کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ برا گمان رکھتے ہیں) اس برے گمان میں یہ بھی داخل ہے یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور اس کے رسول کی تکذیب کرتے کہ مومنین مغلوب ہوں گے اور کافروں کے حملے سے محفوظ ہو کر واپس مدینہ نہ آئیں گے چونکہ اپنے قلبی جذبات میں اور اعتقادات میں منافق عورتیں اور مشرک عورتیں بھی اپنے مردوں کے ساتھ ہوتی ہیں اس لیے انہیں بھی وعید میں شریک کر لیا گیا۔

دوسری بات یہ بتائی کہ: عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ کہ ان پر برائی کی چکی گھومنے والی ہے یعنی دنیا میں مقتول اور ماخوذ ہوں گے اور اسلام کی ترقی ان کے قلبی احساسات کے لیے سوہان روح بنی رہے گی۔

تیسری اور چوتھی بات یہ بتائی وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ اور اللہ ان پر غصہ ہوا اور ان پر لعنت کردی اور پانچویں بات بتائی اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ کہ ان کے لیے جہنم کو تیار کردیا اور آخر میں اس مضمون کو وَسَآءَتْ مَصِيْرًا پر ختم فرمایا کہ جہنم برا ٹھکانہ ہے۔

پھر فرمایا: وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں کے اور زمینوں کے لشکر۔ ان آیات میں یہ مضمون دو مرتبہ بیان فرمایا ہے اس میں یہ بتادیا کہ آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں وہ جس سے چاہے کام لے سکتا ہے ان میں کافروں کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان تھوڑے سے ہیں ہم انہیں دبالیں گے چونکہ ان کے علاوہ بھی اللہ کے لشکر ہیں اس لیے ان کی تعداد کو نہ دیکھیں اللہ اپنے دوسرے لشکروں سے بھی کام لے سکتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے بھی تذکیر ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں وہ تمہاری تائید کے لیے اور کافروں کو زک دینے کے لیے اپنی دوسری مخلوق کو بھی استعمال فرماسکتا ہے۔

فائدہ 1: ان آیات میں ایک جگہ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اور ایک جگہ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اسے اپنے دوستوں کا بھی علم ہے اور دشمنوں کا بھی وہ سب کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے وہ عزیز بھی ہے یعنی وہ زبردست ہے اس کے فیصلے اور ارادے کوئی پلٹ نہیں سکتا اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہتا ہے انعام دیتا ہے جسے چاہتا ہے عقاب و عذاب میں مبتلا فرما دیتا ہے۔

فائدہ 2: آیت کریمہ میں جو لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ فرمایا ہے باتفاق امت اس سے گناہ حقیقی واقعی مراد نہیں ہے کیونکہ حضرات انبیاء سے گناہوں کا صدور نہیں ہوسکتا بلکہ بعض وہ امور مراد ہیں جن میں خطاء اجتہادی ہوگئی اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو متنبہ فرمایا جیسا کہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے میں آپ نے فدیہ لینے والوں کی رائے سے موافقت فرمائی اور جیسا کہ بعض منافقین نے جہاد میں نہ ہونے کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت فرمادی جسے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ میں بیان فرمایا اور جیسا کہ حضرت ابن ام مکتوم نابینا صحابی کے آنے پر آپ کو خیال ہوا کہ اس وقت نہ آتے تو اچھا تھا اور اس کا اثر آپ کے چہرہ انور پر ظاہر ہوگیا کیونکہ آپ اس وقت کافروں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اس پر عَبَسَ وَتَوَلّٰی نازل ہوئی اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کا سب کچھ معاف فرمادیا پھر بھی آپ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے آپ رات کو نماز تہجد میں لمبا قیام کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے قدموں مبارک پر ورم آگیا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ پاؤں پھٹنے لگے تھے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ آپ یہ کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کا سب کچھ معاف فرمادیا؟ آپ نے فرمایا کہ تو کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ (صحیح البخاری ص ۷۱۶ ج ۲ ...)

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا بڑا اکرم فرمایا تو اس کا تقاضا یہ تو نہیں ہے کہ عبادت کم کردوں احسان مندی کا تقاضا تو یہی ہے کہ اور زیادہ عبادت میں لگ جاؤں۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ۙ

رسول اللہ ﷺ شاہد اور مبشر اور نذیر ہیں:

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی تین بڑی صفات بیان فرمائیں اول شاہد ہونا دوسرے مبشر ہونا تیسرے نذیر ہونا عربی میں شاہد گواہ کو کہتے ہیں، قیامت کے دن آپ اپنی امت کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے جیسا کہ سورۂ بقرہ وَ يَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا اور سورۃ الحج لِيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِيۡدًا عَلَيۡكُمۡ میں بیان فرمایا ہے دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ مبشر ہیں جس کا معنی ہے بشارت دینے والا اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ نذیر ہیں یعنی ڈرانے والے ہیں تبشیر یعنی ایمان اور اعمال صالحہ پر اللہ کی رضا اور اللہ کے انعامات کی بشارت دینا اور تنذیر یعنی کفر پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے ڈرانا یہ حضرات انبیاءؑ کا کام تھا، خاتم الانبیاء ﷺ نے بھی اسے پورے اہتمام کے ساتھ انجام دیا احادیث شریفہ میں آپ کے انذار اور تبشیر کی سینکڑوں روایات موجود ہیں اور الترغیب والترہیب کے عنوان سے علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں تالیف کی ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ صفات توریت شریف میں بھی مذکور ہیں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی مذکورہ صفات بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان سے خطاب فرمایا: لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ۝ کہ ہم نے ان کو اس لیے رسول بنا کر بھیجا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے دین کی مدد کرو اس کی تعظیم کرو اس کے موصوف بالکمالات ہونے کا عقیدہ رکھو اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کرو، عقیدہ تعظیم کے ساتھ عیوب اور نقائص سے اس کی تسبیح اور تقدیس میں لگے رہو۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ ....

رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ ہی سے بیعت کرنا ہے:

جس وقت مقام حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کا قیام تھا اور حضرات صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے اس وقت مکہ والوں کے آڑے آ جانے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کی وفات کی خبر سے کچھ ایسی فضاء بن گئی تھی کہ جیسے جنگ کی ضرورت پڑ سکتی ہے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر حضرات صحابہؓ سے بیعت لی جس میں یہ تھا کہ جم کر جہاد کریں گے پشت پھیر کر نہ بھاگیں گے بیعت کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ سے جو بیعت کر رہے ہیں انکی یہ بیعت اللہ تعالیٰ ہی سے ہے آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور دعوت قبول کرنے والوں کو خود بھی اللہ کے دین پر چلاتے ہیں جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔

اس بیعت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار بھی آ جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا بھی، قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا بھی ذکر ہے سورۃ النساء میں واضح طور پر فرمایا: مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ

بیعت کے لیے ضروری ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہی ہو زبانی اقرار عہد و پیمان بھی بیعت ہے لیکن چونکہ حدیبیہ کے موقع پر آپ نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت فرمائی اور بیعت اسی طرح مروج تھی (اور اب بھی اسی طرح مروج ہے) اس لیے ارشاد فرمایا: يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ کہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ اعضاء اور جوارح سے تو پاک ہے لیکن بیعت کی ذمہ داری کو واضح فرمانے کے لیے اور اس بات کو مؤکد کرنے کے لیے جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اس لیے يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فرمایا۔

چونکہ بیعت کرنے والے کی اندرونی حالت کو وہ شخص نہیں جانتا جس سے بیعت کی جا رہی ہو اس لیے بیعت کرنے والے کی ذمہ داری بتانے کے لیے فرمایا: فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ (کہ جو شخص بیعت کو توڑ دے اس کے توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا) معاہدہ کر کے توڑ دینا تو ویسے بھی گناہ کبیرہ ہے پھر جبکہ معاہدہ کو بیعت کی صورت میں مضبوط اور مؤکد کر دے تو اور زیادہ ذمہ داری بڑھ جاتی ہے جب اللہ کے رسول سے بیعت کر لی تو اس کو پورا کرنا ہی کرنا ہے۔

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (اور جو شخص اس عہد کو پورے کر دے جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا)

فائدہ: اصحاب طریقت کے یہاں جو سلسلہ جاری ہے یہ مبارک و متبرک ہے اگر کسی متبع سنت شیخ سے مرید ہو جائے تو برابر تعلق باقی رکھے لیکن اگر شیخ خلاف شریعت کسی کام کا حکم دے تو اس پر عمل کرنا گناہ ہے، اگر کسی فاسق یا بدعتی پیر سے بیعت ہو جائے تو اس بیعت کو توڑنا واجب ہے۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ حَوْلَ الْمَدِيْنَةِ اَيِ الَّذِيْنَ خَلَّفَهُمُ اللّٰهُ عَنْ صُحْبَتِكَ لَمَّا طَلَبْتَهُمْ لِيَخْرُجُوْا مَعَكَ اِلٰى مَكَّةَ خَوْفًا مِنْ تَعَرُّضِ قُرَيْشٍ لَكَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ اِذَا رَجَعْتَ مِنْهَا شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا عَنِ الْخُرُوْجِ مَعَكَ فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ اللّٰهَ مِنْ تَرْكِ الْخُرُوْجِ مَعَكَ قَالَ تَعَالٰى مُكَذِّبًا لَهُمْ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ اَيْ مِنْ طَلَبِ الْاِسْتِغْفَارِ وَمَا قَبْلَهُ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ فَهُمْ كَاذِبُوْنَ فِيْ اِعْتِذَارِهِمْ قُلْ فَمَنْ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَيْ لَا اَحَدَ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا بِفَتْحِ الضَّادِ وَضَمِّهَا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ بَلْ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِنْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ اِلٰى اٰخَرَ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اَيْ اَنَّهُمْ يُسْتَاْصَلُوْنَ بِالْقَتْلِ فَلَا يَرْجِعُوْنَ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ هٰذَا وَغَيْرُهٗ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ جَمْعُ بَائِرٍ اَيْ هَالِكِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ بِهٰذَا الظَّنِّ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝ نَارًا شَدِيْدَةً وَلِلّٰهِ

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اَیْ لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِمَاذُکِرَ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اَلْمَذْكُوْرُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ هِیَ مَغَانِمُ خَیْبَرَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا اُتْرُکُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ لِنَاْخُذَ مِنْهَا يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ وَفِیْ قِرَاءَةٍ کَلِمَ بِکَسْرِ اللَّامِ اَیْ مَوَاعِیْدَهٗ بِغَنَائِمِ خَیْبَرَ اَهْلَ الْحُدَیْبِیَةِ خَاصَّةً قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ اَیْ قَبْلَ عَوْدِنَا فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ اَنْ نُّصِیْبَ مَعَکُمْ مِنَ الْغَنَائِمِ فَقُلْتُمْ ذٰلِكَ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مِنْهُمْ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ الْمَذْکُوْرِیْنَ اِخْتِبَارًا سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ اَصْحَابِ بَاْسٍ شَدِيْدٍ قِیْلَ هُمْ بَنُوْ حَنِیْفَةَ اَصْحَابُ الْیَمَامَةِ وَقِیْلَ فَارِسُ وَالرُّوْمُ تُقَاتِلُوْنَهُمْ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ هِیَ الْمَدْعُوُّ اِلَیْهَا فِی الْمَعْنٰی اَوْ هُمْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَلَا تُقَاتِلُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا اِلٰی قِتَالِهِمْ يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ مُؤْلِمًا لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ فِیْ تَرْكِ الْجِهَادِ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ بِالْیَاءِ وَالنُّوْنِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ بِالْیَاءِ وَالنُّوْنِ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ع ۲ / ۱۰ النصف

ترجمہ: جو دیہاتی آپ سے پیچھے رہ گئے ہیں (مدینہ طیبہ کے آس پاس کے باشندے جنہیں اللہ نے آپ کی صحبت سے محروم رکھا۔ جب ان کو مکہ معظمہ اپنے ہمراہ چلنے کیلئے آمادہ کر رہے تھے۔ اس خیال سے کہ قریش کہیں آپ سے الجھ نہ پڑیں۔ حدیبیہ سے واپسی پر آپ سے معذرت خواہ ہوں گے) کہ ہمیں ہمارے مال وعیال نے مہلت نہ لینے دی (آپ کے ساتھ چلنے کیلئے) سو ہمارے لئے معافی کی دعا کر دیجئے۔ (اللہ پاک سے کہ ہم آپ کے ساتھ نہیں جا سکے۔ آگے ان کو جھٹلاتے ہوئے جواباً حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) یہ زبان سے وہ باتیں کرتے ہیں (یعنی استغفار کی درخواست وغیرہ) جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں (لہٰذا معذرت کرنے میں یہ جھوٹے ہیں) آپ کہہ دیجئے اچھا وہ کون ہے (استفہام نفی کے معنی میں ہے، یعنی کوئی نہیں ہے) جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان (ضراً فتحہ ضاد اور ضمہ ضاد کے ساتھ دونوں طرح ہے) یا نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے (یعنی سدا اس کی یہی شان رہتی ہے) بلکہ (دونوں جگہ یہ لفظ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف منتقل ہونے کیلئے ہے) تم نے یہ سمجھا کہ رسول اور مسلمان اپنے گھر والوں کے پاس کبھی لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو بھا رہی تھی (یعنی مسلمانوں کا قتل ہو کر صفایا ہو جائے واپسی کی

نوبت ہی نہ آئے) اور برے برے خیال (یہ اور اسی طرح کے اور) قائم کر رکھے تھے اور تم برباد ہو گئے (بور، بائر کی جمع ہے یعنی اس بدگمانی کی وجہ سے اللہ کے نزدیک تباہ ہو گئے) اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا تو ہم نے کافروں کیلئے دوزخ (دہکتی آگ) تیار کر رکھی ہے اور تمام آسمان وزمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہے اس کی مغفرت کر دے اور جسے چاہے عذاب دے دے اور اللہ بڑا غفور رحیم ہے (یعنی سدا اس کی یہی شان رہتی ہے) جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے (جن کا ذکر ابھی ہوا ہے) وہ عنقریب کہیں گے، جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لے چلو گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں (تا کہ ہم بھی مال غنیمت حاصل کر لیں) وہ لوگ یوں چاہتے ہیں (اس طریقہ سے) کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں (اور ایک قراءت میں بجائے کلام لفظ کلم کسر لام کے ساتھ ہے یعنی خصوصی طور پر خیبر کے مال غنیمت کے وعدے) آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ نے (ہماری واپسی سے) پہلے ہی فرما دیا ہے۔ اس پر وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (کہ کہیں ہمیں بھی تمہارے ساتھ مال غنیمت مل جائے گا۔ اس لئے تم نے یہ بات بنائی ہے) بلکہ خود یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔ آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (بطور آزمائش) فرما دیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑائی والے ہوں گے (بعض کی رائے میں وہ بنو حنیفہ، بنو یمامہ کے باشندے اور کچھ کی رائے ہے کہ فارسی اور رومی ہیں) کہ یا تو ان سے لڑتے رہو (یہ حال مقدرہ ہے اور بلحاظ معنی یہی وہ بات ہے جس کی ان کو دعوت دی گئی) یا وہ مطیع ہو جائیں (پھر قتل نہ کرنا) سو اگر تم (ان سے جنگ کرنے میں) اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں نیک صلہ دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی کر چکے ہو تو وہ دردناک (تکلیف دہ) عذاب کی سزا دے گا۔ نہ اندھے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے (جہاد چھوڑنے کے سلسلہ میں) اور جو شخص اللہ ورسول کا کہنا مانے گا اس کو داخل کرے گا (یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح ہے) ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص روگردانی کرے گا۔ اللہ اس کو دردناک عذاب دے گا (یعذبہ یا اور نون کے ساتھ ہے)۔

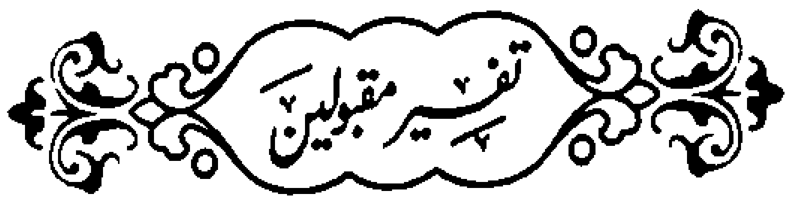
کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: أَهْلِيهِمْ: یہ اھل کی جمع ہے۔

قوله: كَلِمَ: جمع کلمہ۔

قوله: بَنُوْ حَنِيفَةَ: یہ لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد مرتد ہو گئے۔

قوله: يُسْلِمُوْنَ: یہ صلح کرلیں گے تم سے قتال نہ کریں گے۔



سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ ....

مجاہدین کی کامیاب واپسی:

جو اعراب لوگ جہاد سے جی چرا کر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر موت کے ڈر کے مارے گھر سے نہ نکلتے تھے اور جانتے تھے کہ کفر کی زبردست طاقت ہمیں چکنا چور کردے گی اور جو اتنی بڑی جماعت سے ٹکر لینے گئے ہیں یہ تباہ ہو جائیں گے بال بچوں کو ترس جائیں گے اور وہیں کاٹ ڈالے جائیں گے جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ مع اپنے پاکباز مجاہدین کی جماعت کے ہنسی خوشی واپس آ رہے ہیں تو اپنے دل میں منصوبے گانٹھنے لگے کہ اپنی مشیخت بنی رہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی سے خبردار کردیا کہ یہ بد باطن لوگ آ کر اپنے ضمیر کے خلاف اپنی زبان کو حرکت دیں گے اور عذر پیش کریں گے کہ حضور بال بچوں اور کام کاج کی وجہ سے نکل نہ سکے ورنہ ہم تو ہر طرح تابع فرمان ہیں ہماری جان تک حاضر ہے اپنی مزید ایمان داری کے اظہار کے لئے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ تو آپ انہیں جواب دے دیں کہ تمہارا معاملہ سپرد اللہ ہے وہ دلوں کے بھید سے واقف ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچائے تو کون ہے جو اسے دفع کر سکے؟ اور اگر وہ تمہیں نفع دینا چاہے تو کون ہے جو اسے روک سکے؟ تمہاری ایمانداری اور نفاق سے وہ بخوبی آگاہ ہے ایک ایک عمل سے وہ باخبر ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں دراصل تمہارا پیچھے رہ جانا کسی عذر کے باعث نہ تھا بلکہ بطور نافرمانی کے تھا۔ صاف طور پر تمہارا نفاق اس کے باعث تھا تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں اللہ پر بھروسہ نہیں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں بھلائی کا یقین نہیں اس وجہ سے تمہاری جانیں تم پر گراں ہیں تم اپنی نسبت تو کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رسول کی نسبت بھی یہی خیال کرتے تھے کہ یہ قتل کردیئے جائیں گے ان کی بھوسی اڑا دی جائے گی ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکے گا جو ان کی خبر تو لا کر دے۔ ان بدخیالیوں نے تمہیں نامرد بنا رکھا تھا تم دراصل برباد شدہ لوگ ہو کہا گیا ہے کہ (بورا) لغت عمان ہے جو شخص اپنا عمل خالص نہ کرے اپنا عقیدہ مضبوط نہ بنا لے اسے اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں عذاب کرے گا گو دنیا میں وہ برخلاف اپنے باطن کے ظاہر کرتے رہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ملک اپنی شہنشاہی اور اپنے اختیارات کا بیان فرماتا ہے کہ مالک و متصرف وہی ہے بخشش اور عذاب پر قادر وہ ہے لیکن ہے غفور اور رحیم جو بھی اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جو اس کا در کھٹکھٹائے وہ اس کے لئے اپنا دروازہ کھول دیتا ہے خواہ کتنے ہی گناہ کئے ہوں جب توبہ کرے اللہ قبول فرما لیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے بلکہ رحم اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ....

مال غنیمت کے طالب:

ارشاد الٰہی ہے کہ جن بدوی لوگوں نے حدیبیہ میں اللہ کے رسول اور صحابہ کا ساتھ نہ دیا وہ جب حضور ﷺ کو اور ان صحابہ کو خیبر کی فتح کے موقع پر مال غنیمت سمیٹنے کے لئے جاتے ہوئے دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لو، مصیبت کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے راحت کو دیکھ کر شامل ہونا چاہتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں ہرگز ساتھ نہ لینا جب یہ جنگ سے جی چرائیں تو پھر غنیمت میں حصہ کیوں لیں؟ اللہ تعالیٰ نے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ اہل حدیبیہ سے کیا ہے نہ کہ ان سے جو کٹھن وقت پر ساتھ نہ دیں اور آرام کے وقت مل جائیں ان کی چاہت ہے کہ کلام الٰہی کو بدل دیں یعنی اللہ نے تو صرف حدیبیہ کی حاضری والوں سے وعدہ کیا تو یہ چاہتے ہیں کہ باوجود اپنی غیر حاضری کے اللہ کے اس وعدے میں مل جائیں تا کہ وہ بھی بدلا ہوا ثابت ہو جائے ابن زید کہتے ہیں مراد اس سے یہ حکم الٰہی ہے: (فَإِنْ رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا) (التوبہ: ۸۳) یعنی اے نبی اگر تمہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کے لئے نکلنے کی اجازت مانگیں تو تم ان سے کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو تم وہی ہو کہ پہلی مرتبہ ہم سے پیچھے رہ جانے میں ہی خوش رہے پس اب ہمیشہ بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو لیکن اس قول میں نظر ہے اس لئے کہ یہ آیت سورۃ برأت کی ہے جو غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور غزوہ تبوک غزوہ حدیبیہ کے بہت بعد کا ہے ابن جریج کا قول ہے کہ مراد اس سے ان منافقوں کا مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر جہاد سے باز رکھنا ہے فرماتا ہے کہ انہیں ان کی اس آرزو کا جواب دو کہ تم ہمارے ساتھ چلنا چاہو اس سے پہلے اللہ یہ وعدہ اہل حدیبیہ سے کر چکا ہے اس لئے تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے اب وہ طعنہ دیں گے کہ اچھا ہمیں معلوم ہو گیا تم ہم سے جلتے ہو تم نہیں چاہتے کہ غنیمت کا حصہ تمہارے سوا کسی اور کو ملے اللہ فرماتا ہے دراصل یہ ان کی نا سمجھی ہے اور اسی ایک پر کیا موقوف ہے یہ لوگ سراسر بے سمجھ ہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ ....

وہ سخت لڑاکا قوم جن سے لڑنے کی طرف یہ بلائے جائیں گے کونسی قوم ہے؟ اس میں کئی اقوال ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ہوازن ہے دوسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ثقیف ہے تیسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ بنو حنیف ہے چوتھے یہ کہ اس سے مراد اہل فارس ہیں پانچویں یہ کہ اس سے مراد رومی ہیں چھٹے یہ کہ اس سے مراد بت پرست ہیں بعض فرماتے ہیں اس سے مراد کوئی خاص قبیلہ یا گروہ نہیں بلکہ مطلق جنگجو قوم مراد ہے جو ابھی تک مقابلہ میں نہیں آئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک بیٹھی ہوئی ہوگی ان کے منہ مثل تہ بہ تہ ڈھالوں کے ہوں گے حضرت سفیان فرماتے ہیں اس سے مراد ترک ہیں ایک حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا جن کی

جوتیاں بال دار ہوں گی حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں اس سے مراد کردلوگ ہیں پھر فرماتا ہے کہ ان سے جہاد قتال تم پر مشروع کردیا گیا ہے اور یہ حکم باقی ہی رہے گا اللہ تعالیٰ ان پر تمہاری مدد کرے گا یا یہ کہ وہ خود بخود بغیر لڑے بھڑے دین اسلام قبول کرلیں گے پھر ارشاد ہوتا ہے اگر تم مان لوگے اور جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوجاؤ گے اور حکم کی بجا آوری کروگے تو تمہیں بہت ساری نیکیاں ملیں گی اور اگر تم نے وہی کیا جو حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا یعنی بزدلی سے بیٹھے رہے جہاد میں شرکت نہ کی احکام کی تعمیل سے جی چرایا تو تمہیں المناک عذاب ہوگا۔ پھر جہاد کے ترک کرنے کے جو صحیح عذر ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے پس دو عذر تو وہ بیان فرمائے جو لازمی ہیں یعنی اندھا پن اور لنگڑا پن اور ایک عذر وہ بیان فرمایا جو عارضی ہے جیسے بیماری کہ چند دن رہی پھر چلی گئی۔ پس یہ بھی اپنی بیماری کے زمانہ میں معذور ہیں ہاں تندرست ہونے کے بعد یہ معذور نہیں۔

اس کے بعد ایک قاعدہ کلیہ فرمادیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اللہ اسے جنت میں داخل فرمادے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے روگردانی کرے گا یعنی ہٹے گا اور بچے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ بِالْحُدَيْبِيَةِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ هِيَ سَمُرَةٌ وَهُمْ اَلْفٌ وَثَلٰثُ مِائَةٍ اَوْ اَكْثَرُ ثُمَّ بَايَعَهُمْ عَلٰى اَنْ يُنَاجِزُوْا قُرَيْشًا وَاَنْ لَا يَفِرُّوْا عَلَى الْمَوْتِ فَعَلِمَ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْوَفَاءِ وَالصِّدْقِ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ هُوَ فَتْحُ خَيْبَرَ بَعْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ مِنْ خَيْبَرَ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا مِنَ الْفُتُوْحَاتِ فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ غَنِيْمَةَ خَيْبَرَ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ فِيْ عِيَالِكُمْ لَمَّا خَرَجْتُمْ وَهَمَّتْ بِهِمُ الْيَهُوْدُ فَقَذَفَ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ وَلِتَكُوْنَ اَيِ الْمُعَجَّلَةُ عَطْفٌ عَلٰى مُقَدَّرٍ اَيْ لِتَشْكُرُوْهُ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ نَصْرِهِمْ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ اَيْ طَرِيْقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْهِ وَتَفْوِيْضِ الْاَمْرِ اِلَيْهِ تَعَالٰى وَّاُخْرٰى صِفَةُ مَغَانِمَ مُقَدَّرٍ مُبْتَدَأٌ لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا هِيَ مِنْ فَارِسَ وَالرُّوْمِ قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ عَلِمَ اَنَّهَا سَتَكُوْنُ لَكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْحُدَيْبِيَةِ لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا يَحْرُسُهُمْ وَّلَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهُ مِنْ هَزِيْمَةِ الْكَافِرِيْنَ وَنَصْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيْ سَنَّ اللّٰهُ ذٰلِكَ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ مِنْهُ وَهُوَ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ بِالْحُدَيْبِيَةِ

مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ فَاِنَّ ثَمَانِيْنَ مِنْهُمْ طَافُوْا بِعَسْكَرِكُمْ لِيُصِيْبُوْا مِنْكُمْ فَاُخِذُوْا وَاُتِيَ بِهِمْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَفَا عَنْهُمْ وَخَلّٰى سَبِيْلَهُمْ فَكَانَ ذٰلِكَ سَبَبَ الصُّلْحِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا۝ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَيْ عَنِ الْوُصُوْلِ اِلَيْهِ وَالْهَدْيَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى كُمْ مَعْكُوْفًا مَحْبُوْسًا حَالٌ اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ اَيْ مَكَانَهُ الَّذِيْ يُنْحَرُ فِيْهِ عَادَةً وَهُوَ الْحَرَمُ بَدَلُ اشْتِمَالٍ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ مَوْجُوْدُوْنَ بِمَكَّةَ مَعَ الْكُفَّارِ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ بِصِفَةِ الْاِيْمَانِ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ اَيْ تَقْتُلُوْهُمْ مَعَ الْكُفَّارِ لَوْ اُذِنَ لَكُمْ فِي الْفَتْحِ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِنْ هُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ ۢ اَيْ اِثْمٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ مِنْكُمْ بِهٖ وَضَمَائِرُ الْغَيْبَةِ لِلصِّنْفَيْنِ بِتَغْلِيْبِ الذُّكُوْرِ وَجَوَابُ لَوْلَا مَحْذُوْفٌ اَيْ لَاُذِنَ لَكُمْ فِي الْفَتْحِ لٰكِنْ لَمْ يُؤْذَنْ فِيْهِ حِيْنَئِذٍ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ كَالْمُؤْمِنِيْنَ الْمَذْكُوْرِيْنَ لَوْ تَزَيَّلُوْا تَمَيَّزُوْا عَنِ الْكُفَّارِ لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ حِيْنَئِذٍ بِاَنْ نَّاْذَنَ لَكُمْ فِيْ فَتْحِهَا عَذَابًا اَلِيْمًا۝ مُؤْلِمًا اِذْ جَعَلَ مُتَعَلِّقٌ بِعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاعِلٌ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْاَنَفَةَ مِنَ الشَّيْءِ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ بَدَلٌ مِنَ الْحَمِيَّةِ وَهِيَ صَدُّهُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ فَصَالَحُوْهُمْ عَلٰى اَنْ يَعُوْدُوْا مِنْ قَابِلٍ وَلَمْ يَلْحَقْهُمْ مِنَ الْحَمِيَّةِ مَا لَحِقَ الْكُفَّارَ حَتّٰى يُقَاتِلُوْهُمْ وَاَلْزَمَهُمْ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَلِمَةَ التَّقْوٰى لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاُضِيْفَ اِلَى التَّقْوٰى لِاَنَّهَا سَبَبُهَا وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْكُفَّارِ وَاَهْلَهَا ۭ عَطْفٌ تَفْسِيْرِيٌّ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۝ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ وَمِنْ مَعْلُوْمَاتِهٖ تَعَالٰى اَنَّهُمْ اَهْلُهَا

ع ۳ ۹ ۱۱

ترجمہ: یقیناً اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہوگیا۔ جو آپ سے (حدیبیہ میں) بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے (جو کیکر کا تھا۔ اور یہ مسلمان تیرہ سو یا زیادہ تھے۔ جنہوں نے پھر آنحضرتؐ سے اس پر بیعت کر لی کہ ہم قریش سے مقابلہ کریں گے اور مرنے سے جی نہیں چرائیں گے) اور (اللہ کو) معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ (وفاداری اور سچائی) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اطمینان پیدا فرمادیا اور ان کو لگے ہاتھوں فتح دے دیا (حدیبیہ سے واپسی پر خیبر فتح کرادیا) اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ حاصل کر رہے ہیں (یعنی فتوحات خیبر) اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے (ہمیشہ ان خوبیوں کا مالک رہا ہے)

اور بہت سی غنیمتوں کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے تم سے کر رکھا ہے۔ جن (فتوحات) کو تم حاصل کرو گے، سو سر دست تو تمہیں یہ (خیبر کی غنیمت) دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے (تمہارے اہل و عیال سے جب تم خیبر میں چلے گئے اور یہود نے ان اہل و عیال پر حملہ آور ہونا چاہا تو اللہ نے یہودیوں کے دلوں پر ہیبت طاری کر دی) اور تا کہ ہو جائے (یہ فوری غنیمت اس کا عطف مقدر پر ہو رہا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لتشکروہ ولتکون) اہل ایمان کیلئے نمونہ (ان کی امداد کے سلسلہ میں) اور تا کہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے (یعنی توکل اور اللہ پر بھروسہ کرنے کے طریقہ پر) اور ایک فتح اور بھی ہے (صفت مغانم مقدر کی یہ مبتداء ہے) جو تمہارے قبضہ میں نہیں آئی (فتح فارس و روم مراد ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے (اسے خبر ہے کہ وہ فتح عنقریب تمہیں حاصل ہو کر رہے گی) اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔ (ہمیشہ اس کی یہ صفت رہتی ہے) اور یہ کافر (حدیبیہ میں) اگر تم سے لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے۔ پھر ان کو نہ کوئی یار ملتا (جو ان کی حفاظت کرتا) اور نہ مددگار، اللہ تعالیٰ نے یہی دستور کر رکھا ہے (یہ مصدر ہے پہلے مضمون جملہ کی تاکید کیلئے جو کفار کی شکست اور مسلمانوں کی مدد سے متعلق تھا۔ یعنی اللہ نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا ہے) جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں رد و بدل نہیں پائیں گے اور اللہ ہی نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے باز رکھے۔ وادی مکہ (حدیبیہ) میں اس کے بعد کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا (کیونکہ ۸۰ اسی کفار مکہ تمہاری گھات میں لگ گئے تھے تمہاری نقصان رسانی کے در پے ہو کر مگر پکڑ لئے گئے اور حضورؐ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپؐ نے درگزر فرما کر ان کو رہا فرما دیا۔ انجام کار یہی واقعہ سبب صلح بن گیا) اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا (یعلمون یا اور تا کے ساتھ ہے۔ یعنی اللہ ہمیشہ اس خوبی کا مالک رہتا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام (تک پہنچنے) سے روکا اور قربانی کے جانور کو (اس کا عطف ضمیر کم پر ہو رہا ہے) جو رکا ہوا (بمعنی منع یہ حال ہے) رہ گیا اپنی جگہ پر پہنچنے سے (جہاں اس کی عادۃً قربانی کی جاتی ہے یعنی حرم۔ یہ بدل اشتمال ہے) اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں (کفار کے ساتھ مکہ میں) جن کی تمہیں خبر بھی نہ تھی (ان کے ایمانکی) ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا (یعنی یہ کہ کفار کے ساتھ وہ بھی مارے جاتے۔ اگر تمہیں مہم سر کرنے کی اجازت دے دی جاتی۔ یہ ضمیر ہم سے بدل اشتمال ہے) جس پر ان کی وجہ سے تمہیں بھی مصیبت پہنچتی (یعنی گناہ ہوتا) بے خبری میں (تمہاری طرف سے۔ غائب کی ضمیریں مرد و عورت دونوں کی طرف راجع ہیں۔ لولا کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہو گی۔ لاذن لکم فی الفتح لکن لم یوذن فیه حینئذ) تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے (جیسے مذکورہ مؤمنین کو داخل کیا ہے) اگر یہ علیحدہ ہو گئے ہوتے (کافروں سے الگ ہو جاتے) تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو سزا دیتے (یعنی کفار مکہ کو اس صورت میں، تمہیں فتح مکہ کی اجازت دے کر) دردناک (تکلیف دہ) جب کہ جگہ دی (اس کا تعلق عذبنا کے ساتھ ہے) ان کافروں نے (یہ فاعل ہے) اپنے دلوں میں عار (تکبر) کو اور عار بھی جاہلیت کی (یہ حمیت سے بدل ہے اور وہ جاہلانہ عار، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو مسجد حرام میں داخلہ سے روکنا ہے) سو اللہ نے اپنے رسول اور مؤمنین کو اپنی طرف سے قوت برداشت عطا فرمائی (چنانچہ انہوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ سال آئندہ آئیں گے اور انہیں کافروں جیسی عار نہیں لگی کہ لڑائی مول لے لیتے) اور اللہ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا (لا الہ الا اللہ محمد

رسول اللہ اور اس کلمہ کی اضافت تقویٰ کی طرف اس لئے کی گئی کہ کلمہ سبب تقویٰ ہے) اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں (کلمہ کے بنسبت کفار کے) اور اس کے اہل ہیں (عطف تفسیری ہے) اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (ہمیشہ اس کی یہی شان ہے اور اللہ کے علم میں پہلے سے یہ ہے کہ یہ اس کے اہل ہیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: يَنَاجَزُوْا قُرَيْشًا : تاکہ قریش سے قتال ومقابلہ کریں۔

قوله: مُقَدَّرٍ مُبْتَدَأٌ : مَغَانِمَ موصوف لَمْ تَقْدِرُوْا صفت ہے مبتداء۔ قداحاط یہ خبر ہے۔

قوله: ذلك سنة: یعنی اپنے انبیاءؑ کو غلبہ دینا جیسا فرمایا: لاغلبن انا ورسلی۔

قوله: بِبَطْنِ مَكَّةَ :حرم میں کیونکہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم سے ہے۔

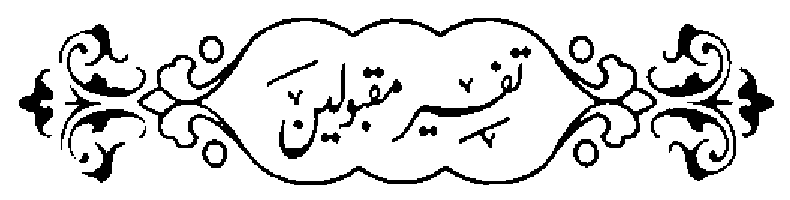
قوله: مَحِلَّهٗ :وہ مقام جہاں ھدی ذبح ہوتے ہیں اور وہ حرم ہے۔ یہ مسجد حرام سے بدل الاشتمال ہے۔

قوله: مِنْهُمْ : سے وہ مراد ہیں جو لم تعلمو ھم میں مذکور ہیں۔

قوله: مَعَرَّةٌ : گناہ ناپسندیدہ بات۔

قوله: اِثْمٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ : یہ تَطَئُوْهُمْ سے متعلق ہے۔

قوله: الْاَنَفَةَ: یہ استنکاف کے معنیٰ میں ہے۔



تفسیر مقبولین

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ....

اس بیعت سے مراد بیعت حدیبیہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے بھی ان الذین یبایعونك میں آ چکا ہے یہ آیت بھی اسی سے متعلق اور اس کی تاکید ہے اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس بیعت کے شرکاء سے اپنی رضا کا اعلان فرمادیا ہے اسی لئے اس کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے اور مقصود اس سے ان شرکاء بیعت کی مدح اور ان کو اس عہد کے پورا کرنے کی تاکید ہے۔ صحیحین میں حضرت جابر کی روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو نفر کی تھی ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انتم خیر اھل الارض، یعنی تم لوگ تمام روئے زمین کے انسانوں سے بہتر ہو اور صحیح مسلم میں ام بشر سے مرفوعاً روایت ہے کہ: لایدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرۃ، یعنی جن لوگوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا (مظہری) اس لئے اس بیعت کے شرکاء کی مثال شرکاء غزوہ بدر کی سی ہے جیسا ان کے متعلق قرآن وحدیث میں رضائے الٰہی اور جنت کی بشارتیں ہیں اسی طرح شرکاء بیعت رضوان کے لئے بھی یہ بشارت آئی ہے۔ یہ

بشارتیں اس پر شاہد ہیں کہ ان سب حضرات کا خاتمہ ایمان اور اعمال صالحہ مرضیہ پر ہوگا کیونکہ رضائے الٰہی کا یہ اعلان اس کی ضمانت دے رہا ہے۔

صحابہ کرام پر طعن و تشنیع اور ان کی لغزشوں میں غور و بحث اس آیت کیخلاف ہے:

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ جن خیار امت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران و مغفرت کا یہ اعلان فرما دیا ہے، اگر ان سے کوئی لغزش یا گناہ ہوا بھی ہے تو یہ آیت اس کی معافی کا اعلان ہے۔ پھر ان کے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور و فکر اور بحث و مباحثہ کا میدان بنانا بدبختی اور بظاہر اس آیت کی مخالفت ہے۔ یہ آیت روافض کے قول کی واضح تردید ہے جو ابوبکر و عمر اور دوسرے صحابہ پر کفر و نفاق کے الزام لگاتے ہیں۔

شجرۂ رضوان:

شجرہ، جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے ایک ببول کا درخت تھا اور مشہور یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگ وہاں چل کر جاتے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم کو خطرہ ہوا کہ کہیں آئندہ آنے والے جہلاء اسی درخت کی پرستش نہ شروع کر دیں جیسے پچھلی امتوں میں اس طرح کے واقعات ہوئے ہیں اس لئے اس درخت کو کٹوا دیا مگر صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے گیا تو راستے میں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کونسی مسجد ہے انہوں نے کہا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، میں اس کے بعد حضرت سعید بن مسیب کے پاس حاضر ہوا اور اس واقعہ کی خبر ان کو دی، انہوں نے فرمایا کہ میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت رضوان میں شریک ہوئے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم جب اگلے سال مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا ہمیں بھول ہوگئی اس کا پتہ نہیں لگا۔ پھر سعید بن مسیب نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے ان کو تو پتہ نہیں لگا تمہیں وہ معلوم ہوگیا عجیب بات ہے کیا تم ان سے زیادہ واقف ہو (روح المعانی) اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو متعین کر لیا اور اس کے نیچے حاضر ہونا اور نمازیں پڑھنا شروع کر دیا، فاروق اعظم کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ وہ درخت نہیں پھر خطرہ ابتلائے شرک کا لاحق ہوگیا اس لئے اس کو قطع کرا دیا ہو۔ کیا بعید ہے۔

فتح خیبر:

خیبر درحقیقت ایک صوبہ کا نام ہے جس میں بہت سی بستیاں اور قلعے اور باغات شامل ہیں۔ (مظہری)

وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ اس فتح قریب سے مراد باتفاق فتح خیبر ہے جو حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد واقع ہوئی ہے بعض روایات کے مطابق تو حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ کا قیام مدینہ منورہ میں صرف دس روز اور دوسری روایت کے مطابق بیس روز رہا اس کے بعد خیبر کے لئے روانہ ہوگئے اور ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق آپ ذی الحجہ میں مدینہ طیبہ واپس

تشریف لائے اور محرم 7 ہجری میں آپ غزوہ خیبر کے لئے تشریف لے گئے اور ماہ صفر سن 7 ہجری میں خیبر فتح ہوا۔ واقدی کے مغازی میں یہی لکھا ہے اور حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ یہی راجح ہے۔ (تفسیر مظہری)

بہر حال یہ ثابت ہوا کہ یہ واقعہ فتح خیبر سفر حدیبیہ سے کافی دنوں کے بعد پیش آیا ہے اور سورۂ فتح کا سفر حدیبیہ کے دوران نازل ہونا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ پوری سورت اسی وقت نازل ہوئی یا کچھ آیتیں بعد میں آئیں۔ اگر پہلی صورت راجح ہو تو ان آیتوں میں واقعہ خیبر کا بیان بطور پیشگوئی کے ہوا اور اس کو بصیغہ ماضی قطعی اور یقینی ہونے کی بناء پر تعبیر کیا گیا اور اگر دوسرا قول راجح ہو تو یہ ہوسکتا ہے کہ یہ آیتیں بعد وقوع فتح خیبر کے نازل ہوئی ہوں واللہ اعلم۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً ....

فتح و نصرت اور اموال غنیمت کا وعدہ اور کفار کی اپنے بدارادے میں ناکامی:

ان بہت سی غنیمتوں سے مراد آپ کے زمانے اور بعد کی سب غنیمتیں ہیں جلدی کی غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے اور حدیبیہ کی صلح ہے اس اللہ کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ کفار کے بدارادوں کو اس نے پورا نہ ہونے دیا نہ مکے کے کافروں کے نہ ان منافقوں کے جو تمہارے پیچھے مدینے میں رہے تھے۔ نہ یہ تم پر حملہ آور ہو سکے نہ وہ تمہارے بال بچوں کو ستا سکے یہ اس لئے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ اصل حافظ و ناصر اللہ ہی ہے پس دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت سے ہمت نہ ہار دیں اور یہ بھی یقین کرلیں کہ ہر کام کے انجام کا علم اللہ ہی کو ہے بندوں کے حق میں بہتری یہی ہے کہ وہ اس کے فرمان پر عامل رہیں اور اسی میں اپنی خیریت سمجھیں گو وہ فرمان بہ ظاہر خلاف طبع ہو، بہت ممکن ہے کہ تم جسے ناپسند رکھتے ہو وہی تمہارے حق میں بہتر ہو وہ تمہیں تمہاری حکم بجا آوری اور اتباع رسول ﷺ اور سچی جانثاری کے عوض راہ مستقیم دکھائے گا اور دیگر غنیمتیں اور فتح مندیاں بھی عطا فرمائے گا جو تمہارے بس کی نہیں لیکن اللہ خود تمہاری مدد کرے گا اور ان مشکلات کو تم پر آسان کردے گا سب چیزیں اللہ کے بس میں ہیں وہ اپنا ڈر رکھنے والے بندوں کو ایسی جگہ سے روزیاں پہنچاتا ہے جو کسی کے خیال میں تو کیا؟ خود ان کے اپنے خیال میں بھی نہ ہوں اس غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے جس کا وعدہ صلح حدیبیہ میں پنہاں تھا یا مکہ کی فتح تھی یا فارس اور روم کے مال ہیں یا وہ تمام فتوحات ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہوں گی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ کفار سے مرعوب اور خائف نہ ہوں اگر کافر مقابلہ پر آئے تو اللہ اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی مدد کرے گا۔ اور ان بے ایمانوں کو شکست فاش دے گا یہ پیٹھ دکھائیں گے اور منہ پھیر لیں گے اور کوئی والی اور مددگار بھی انہیں نہ ملے گا اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے آئے ہیں اور اس کے ایماندار بندوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہی اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب کفر و ایمان کا مقابلہ ہو وہ ایمان کو کفر پر غالب کرتا ہے اور حق کو ظاہر کرکے باطل کو دبا دیتا ہے جیسے کہ بدر والے دن بہت سے کافروں کو جو باسامان تھے چند مسلمانوں کے مقابلہ میں جو بے سروسامان تھے شکست فاش دی۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے میرے احسان کو بھی نہ بھولو کہ میں نے مشرکوں کے ہاتھ تم تک نہ پہنچنے دیئے اور تمہیں بھی مسجد حرام کے پاس لڑنے سے روک دیا اور تم میں اور ان میں صلح کرادی جو

دراصل تمہارے حق میں سراسر بہتری ہے کیا دنیا کے اعتبار سے اور کیا آخرت کے اعتبار سے وہ حدیث یاد ہوگی جو اسی سورت کی تفسیر میں بہ روایت حضرت سلمہ بن اکوع گذر چکی ہے کہ جب ستر کافروں کو باندھ کر صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا انہیں جانے دو ان کی طرف سے ہی ابتدا ہوا اور انہی کی طرف سے دوبارہ شروع ہو اسی بابت یہ آیت اتری، مسند احمد میں ہے کہ اسی کافر ہتھیاروں سے آراستہ جبل (تنعیم) کی طرف سے چپ چپاتے موقعہ پاکر اتر آئے لیکن حضور ﷺ غافل نہ تھے آپ نے فوراً لوگوں کو آگاہ کر دیا سب گرفتار کر لئے گئے اور حضور ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے آپ نے از راہ مہربانی ان کی خطا معاف فرما دی اور سب کو چھوڑ دیا، اور نسائی میں بھی ہے حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں جس درخت کا ذکر قرآن میں ہے اس کے نیچے نبی ﷺ تھے ہم لوگ بھی آپ کے اردگرد تھے اس درخت کی شاخیں حضور ﷺ کی کمر سے لگ رہی تھیں حضرت علی بن ابو طالب اور سہیل بن عمرو آپ کے سامنے تھے حضور ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو اس پر سہیل نے حضور ﷺ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے ہمارے اس صلح نامہ میں ہمارے دستور کے مطابق لکھوایئے، پس آپ نے فرمایا (باسمک اللھم) لکھ لو۔ پھر لکھا یہ وہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمد ﷺ نے اہل مکہ سے صلح کی اس پر پھر سہیل نے آپ کا ہاتھ تھام کر کہا آپ رسول اللہ ﷺ ہی ہیں تو پھر ہم نے بڑا ظلم کیا اس صلح نامہ میں وہی لکھوایئے جو ہم میں مشہور ہے تو آپ نے فرمایا لکھو یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ ﷺ نے اہل مکہ سے صلح کی اتنے میں تیس نوجوان کفار ہتھیار بند آن پڑے آپ نے ان کے حق میں بددعا کی اللہ نے انہیں بہرا بنا دیا ہم اٹھے اور ان سب کو گرفتار کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں کسی نے امن دیا ہے؟ یا تم کسی کی ذمہ داری پر آئے ہو؟ انہوں نے انکار کیا لیکن باوجود اس کے آپ نے ان سے درگذر فرمایا اور انہیں چھوڑ دیا اس پر یہ آیت (وَهُوَ الَّذِيْ) الخ، نازل ہوئی (نسائی) ابن جریر میں ہے جب حضور ﷺ قربانی کے جانور لے کر چلے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ گئے تو حضرت عمر نے عرض کی اے نبی اللہ ﷺ آپ ایک ایسی قوم کی بستی میں جا رہے ہیں جو برسر پیکار ہیں اور آپ کے پاس نہ تو ہتھیار ہیں نہ اسباب، حضور ﷺ نے یہ سن کر آدمی بھیج کر مدینہ سے سب ہتھیار اور کل سامان منگوا لیا جب آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو مشرکین نے آپ کو روکا آپ مکہ نہ آئیں آپ کو خبر دی کہ عکرمہ بن ابوجہل پانچ سو کا لشکر لے کر آپ پر چڑھائی کرنے کے لئے آرہا ہے آپ نے حضرت خالد بن ولید سے فرمایا اے خالد تیرا چچازاد بھائی لشکر لے کر آرہا ہے حضرت خالد نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ میں اللہ کی تلوار ہوں اور اس کے رسول ﷺ کی اسی دن سے آپ کا لقب سیف اللہ ہوا۔ مجھے آپ جہاں چاہیں اور جس کے مقابلہ میں چاہیں بھیجیں چنانچہ عکرمہ کے مقابلہ کے لئے آپ روانہ ہوئے گھاٹی میں دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی حضرت خالد نے ایسا سخت حملہ کیا کہ عکرمہ کے پاؤں نہ جمے اسے مکہ کی گلیوں تک پہنچا کر حضرت خالد واپس آگئے لیکن پھر دوبارہ وہ تازہ دم ہو کر مقابلہ پر آیا اب کی مرتبہ بھی شکست کھا کر مکہ کی گلیوں میں پہنچ گیا وہ پھر تیسری مرتبہ نکلا اس مرتبہ بھی یہی حشر ہوا اسی کا بیان آیت: وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (الفتح: ۲۴) میں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے باوجود حضور ﷺ کی ظفر مندی کے کفار کو بھی بچا لیا تا کہ جو مسلمان ضعفاء اور کمزور مکہ میں تھے انہیں اسلامی لشکر

کے ہاتھوں کوئی گزند نہ پہنچے لیکن اس روایت میں بہت کچھ نظر ہے ناممکن ہے کہ یہ حدیبیہ والے واقعہ کا ذکر ہو اس لئے کہ اس وقت تک تو حضرت خالد مسلمان ہی نہ ہوئے تھے بلکہ مشرکین کے طلایہ کے یہ اس دن سردار تھے جیسے کہ صحیح حدیث میں موجود ہے اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ واقعہ عمرۃ القضاء کا ہو۔ اس لئے کہ حدیبیہ کے صلح نامہ کی شرائط کے مطابق یہ طے شدہ امر تھا کہ اگلے سال حضور ﷺ آئیں عمرہ ادا کریں اور تین دن تک مکہ میں ٹھہریں چنانچہ اسی قرارداد کے مطابق جب حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے تو کافروں نے آپ کو روکا نہیں نہ آپ سے جنگ وجدال کیا۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہو اس لئے کہ فتح مکہ والے سال آپ اپنے ساتھ قربانیاں لے کر نہیں گئے تھے اس وقت تو آپ جنگی حیثیت سے گئے تھے لڑنے اور جہاد کرنے کی نیت سے تشریف لے گئے تھے پس اس روایت میں بہت کچھ خلل ہے اور اس میں ضرور قباحت واقع ہوئی ہے خوب سوچ لینا چاہیے واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس کے مولیٰ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ قریش نے اپنے چالیس یا پچاس آدمی بھیجے کہ وہ حضور ﷺ کے لشکر کے اردگرد گھومتے رہیں اور موقعہ پا کر کچھ نقصان پہنچائیں یا کسی کو گرفتار کر کے لے آئیں یہاں یہ سارے کے سارے پکڑے لئے گئے لیکن پھر حضور ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا اور سب کو چھوڑ دیا انہوں نے آپ کے لشکر پر کچھ پتھر بھی پھینکے تھے اور کچھ تیر بازی کر کے ان کو شہید کر دیا حضور ﷺ نے کچھ سوار ان کے تعاقب میں روانہ کئے وہ ان سب کو جو تعداد میں بارہ سو تھے گرفتار کر کے لے آئے آپ نے ان سے پوچھا کہ کوئی عہد و پیمان ہے؟ کہا نہیں لیکن پھر بھی حضور ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا اور اسی بارے میں آیت: وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا (الفتح: ۲۴) نازل ہوئی۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ....

مسجد حرام بیت اللہ کے اصل حقدار:

مشرکین عرب جو قریش تھے اور جو ان کے ساتھ اس عہد پر تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے ان کی نسبت قرآن خبر دیتا ہے کہ دراصل یہ لوگ کفر پر ہیں انہوں نے ہی تمہیں مسجد حرام بیت اللہ شریف سے روکا ہے حالانکہ اصلی حقدار اور زیادہ لائق بیت اللہ کے تم ہی لوگ تھے پھر ان کی سرکشی اور مخالفت نے انہیں یہاں تک اندھا کر دیا کہ اللہ کی راہ کی قربانیوں کو بھی قربان گاہ تک نہ جانے دیا یہ قربانیاں تعداد میں ستر تھیں جیسے کہ عنقریب ان کا بیان آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے کہ سردست تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دینے میں یہ راز پوشیدہ تھے کہ ابھی چند کمزور مسلمان مکے میں ایسے ہیں جو ان ظالموں کی وجہ سے نہ اپنے ایمان کو ظاہر کر سکے ہیں نہ ہجرت کر کے تم میں مل سکے ہیں اور نہ تم انہیں جانتے ہو تو یوں دفعۃً اگر تمہیں اجازت دے دی جاتی اور تم اہل مکہ پر چھاپہ مارتے تو وہ سچے پکے مسلمان بھی تمہارے ہاتھوں شہید ہو جاتے اور بے علمی میں تم ہی مستحق گناہ اور مستحق دیت بن جاتے، پاس ان کفار کی سزا کو اللہ نے کچھ اور پیچھے ہٹا دیا تا کہ ان کمزور مسلمانوں کو چھٹکارا مل جائے اور بھی جن کی قسمت میں ایمان ہے وہ ایمان لے آئیں۔ اگر یہ مومن ان میں نہ ہوتے تو یقیناً ہم تمہیں ان کفار پر ابھی اسی وقت غالب دے دیتے اور ان کا نام مٹا دیتے حضرت جنید بن سبیع فرماتے ہیں صبح کو میں کافروں کے

ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے لڑ رہا تھا لیکن اسی شام کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل پھیر دیا میں مسلمان ہو گیا اور اب حضور ﷺ کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑ رہا تھا، ہمارے ہی بارے میں یہ آیت: لَوْلَا رِجَالٌ الخ، نازل ہوئی ہے ہم کل نو شخص تھے سات مرد دو عورتیں (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ ہم تین مرد تھے اور نو عورتیں تھیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اگر یہ مؤمن ان کافروں میں ملے جلے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو سخت سزا دیتا یہ قتل کر دیئے جاتے۔

پھر فرماتا ہے جبکہ یہ کافر اپنے دلوں میں غیرت وحمیت جاہلیت کو جما چکے تھے صلح نامہ میں آیت (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) لکھنے سے انکار کر دیا حضور ﷺ کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ ﷺ لکھوانے سے انکار کیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے نبی اور مؤمنوں کے دل کھول دیئے ان پر اپنی سکینت نازل فرما کر انہیں مضبوط کر دیا اور تقوے کے کلمے پر انہیں جما دیا یعنی آیت (لا الٰہ الا اللہ) پر جیسے ابن عباس کا فرمان ہے اور جیسے کہ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں جب تک کہ وہ آیت (لا الٰہ الا اللہ) نہ کہہ لیں جس نے آیت (لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور اپنی جان کو بچا لیا مگر حق اسلام کی وجہ سے اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ایک قوم کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا آیت (إِنَّهُمْ كَانُوٓا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ (الصافات: ۳۵) یعنی ان سے کہا جاتا تھا کہ سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جل ثناء نے یہاں مسلمانوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہی اس کے زیادہ حقدار اور یہی اس کے قابل بھی تھے۔ یہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے انہوں نے اس سے تکبر کیا اور مشرکین قریش نے اسی سے حدیبیہ والے دن تکبر کیا پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک مدت معینہ تک کے لئے صلح نامہ مکمل کر لیا، ابن جریر میں بھی یہ حدیث ان ہی زیادتیوں کے ساتھ مروی ہے لیکن بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچھلے جملے راوی کے اپنے ہیں یعنی حضرت زہری کا قول ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا حدیث میں ہی ہے مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد وہ اخلاص ہے عطا فرماتے ہیں وہ کلمہ یہ ہے حدیث (لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر) حضرت فرماتے ہیں اس سے مراد حدیث (لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ) ہے حضرت علی فرماتے ہیں اس سے حدیث (لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر) مراد ہے یہی قول حضرت ابن عمر کا حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ کی وحدانیت کی شہادت ہے جو تمام تقوے کی جڑ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں اس سے مراد حدیث (لا الٰہ الا اللہ) بھی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔ حضرت عطا خراسانی فرماتے ہیں کلمہ تقویٰ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے حضرت زہری فرماتے ہیں آیت (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) مراد ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں مراد حدیث (لا الٰہ الا اللہ) ہے پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے اسے معلوم ہے کہ مستحق خیر کون ہے؟ اور مستحق شر کون ہے؟ حضرت ابی بن کعب کی قرأت اسی طرح ہے: (اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیته حمیته الجاھلیته ولو حمیتم کما حموا الفسد المسجد الحرام) یعنی کافروں نے جس وقت اپنے دل میں جاہلانہ ضد پیدا کر لی اگر اس وقت تم بھی ان کی طرح ضد پر آ جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مسجد حرام میں فساد برپا ہو جاتا جب حضرت عمر کو اس قرأت کی خبر پہنچی تو بہت تیز ہوئے لیکن حضرت ابی نے فرمایا یہ تو آپ کو بھی

معلوم ہوگا کہ میں حضور ﷺ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو سکھاتا تھا آپ اس میں سے مجھے بھی سکھاتے تھے اس پر جناب عمر فاروق نے فرمایا آپ ذی علم اور قرآن دان ہیں آپ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سکھایا ہے وہ پڑھیے اور سکھایئے۔(نسائی) ان احادیث کا بیان جن میں حدیبیہ کا قصہ اور صلح کا واقعہ ہے مسند احمد میں حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مروان بن حکم فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ زیارت بیت اللہ کے ارادے سے چلے آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا ستر اونٹ قربانی کے آپ کے ساتھ تھے کل ساتھی آپ کے سات سو تھے ایک ایک اونٹ دس دس آدمیوں کی طرف سے تھا آپ جب عسفان پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی نے آپ کو خبر دی کہ یا رسول اللہ ﷺ قریشیوں نے آپ کے آنے کی خبر پا کر مقابلہ کی تیاریاں کر لی ہیں انہوں نے اونٹوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے ساتھ لے لئے ہیں اور چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں اور عہد و پیمان کر لئے ہیں کہ وہ آپ کو اس طرح جبراً مکہ میں نہیں آنے دیں گے خالد بن ولید کو انہوں نے چھوٹا سا لشکر دے کر کراع غمیم تک پہنچا دیا یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا افسوس قریشیوں کو لڑائیوں نے کھا لیا کتنی اچھی بات تھی کہ وہ مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دیتے اگر وہ مجھ پر غالب آ جاتے تو ان کا مقصود پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور لوگوں پر غالب کر دیتا تو پھر یہ لوگ بھی دین اسلام کو قبول کر لیتے اور اگر اس وقت بھی اس دین میں نہ آنا چاہتے تو مجھ سے لڑتے اور اس وقت ان کی طاقت بھی پوری ہوتی قریشیوں نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ قسم اللہ اس دین پر میں ان سے جہاد کرتا رہوں گا اور ان سے مقابلہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ مجھے ان پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرمادے یا میری گردن کٹ جائے پھر آپ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ دائیں طرف حمص کے پیچھے سے اس راستہ پر چلیں جو (ثنیۃ المرار) کو جاتا ہے اور حدیبیہ مکہ کے نیچے کے حصے میں ہے۔ خالد والے لشکر نے جب دیکھا کہ حضور ﷺ نے راستہ بدل دیا ہے تو یہ دوڑے ہوئے قریشیوں کے پاس گئے اور انہیں اس کی خبر دی، ادھر حضور ﷺ جب (ثنیۃ المرار) میں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگ کہنے لگے اونٹنی تھک گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس کی بیٹھ جانے کی عادت اسے اس اللہ نے روک لیا ہے جس نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔ سنو قریش آج مجھ سے جو چیز مانگیں گے جس میں صلہ رحمی ہو میں انہیں دوں گا پھر آپ نے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ پڑاؤ کریں انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس پوری وادی میں پانی نہیں آپ نے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی کو دیا اور فرمایا اسے یہاں کے کسی کنویں میں گاڑ دو اس کے گاڑتے ہی پانی جوش مارتا ہوا ابل پڑا تمام لشکر نے پانی لے لیا اور وہ برابر بڑھتا چلا جا رہا تھا جب پڑاؤ ہو گیا اور وہ اطمینان سے بیٹھ گئے اتنے میں بدیل بن ورقہ اپنے ساتھ قبیلہ خزاعہ کے چند لوگوں کو لے کر آیا آپ نے اس سے بھی وہی فرمایا جو بشر بن سفیان سے فرمایا تھا چنانچہ یہ لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ تم لوگوں کو حضور ﷺ کے بارے میں بڑی عجلت کی حضور ﷺ تم سے لڑنے کو نہیں آئے آپ تو صرف بیت اللہ کی زیارت کرنے اور اس کی عزت کرنے کو آئے ہیں تم اپنے فیصلے پر دوبارہ نظر ڈالو دراصل قبیلہ خزاعہ کے مسلم و کافر رسول اللہ ﷺ کے طرفدار تھے مکہ کی خبریں انہی لوگوں سے آپ کو پہنچا کرتی تھی قریشیوں نے انہیں جواب دیا کہ گو آپ اسی ارادے سے آئے ہوں لیکن یوں اچانک تو ہم انہیں یہاں نہیں آنے دیں گے ورنہ لوگوں میں تو یہی باتیں ہوں گی کہ آپ مکہ گئے اور کوئی آپ کو روک نہ سکا انہوں نے پھر مکرز بن حفص کو بھیجا یہ بنو عامر بن لوئی کے قبیلے میں سے تھا اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا یہ عہد شکن شخص ہے اور اس سے بھی آپ نے وہی فرمایا جو اس سے پہلے آنے والے دونوں اور شخصوں سے فرمایا تھا یہ بھی لوٹ گیا اور جا کر قریشیوں سے سارا واقعہ بیان کر دیا قریشیوں نے پھر حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا یہ ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کا سردار تھا اسے دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا یہ اس قوم سے ہے جو اللہ کے کاموں کی عظمت کرتی ہے اپنی قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو۔ اس نے جو دیکھا کہ ہر طرف سے قربانی کے نشان دار جانور آ رہے ہیں اور رک جانے کی وجہ سے ان کے بال اڑے ہوئے ہیں یہ تو وہیں سے حضور ﷺ کے پاس آئے بغیر لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ اللہ جانتا ہے تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں بیت اللہ سے روکو اللہ کے نام کے جانور قربان گاہ سے رکے کھڑے ہیں یہ سخت ظلم ہے۔ اتنے دن رکے رہنے سے ان کے بال تک اڑ گئے ہیں میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں قریش نے کہا تو تو نرا اعرابی ہے خاموش ہو کر بیٹھ جا اب انہوں نے مشورہ کر کے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا عروہ نے اپنے جانے سے پہلے کہا کہ اے قریشیو جن جن کو تم نے وہاں بھیجا وہ جب واپس ہوئے تو ان سے تم نے کیا سلوک کیا یہ میں دیکھ رہا ہوں تم نے انہیں برا کہا ان کی بے عزتی کی ان پر تہمت رکھی ان سے بدگمانی کی میری حالت تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں مثل باپ کے سمجھتا ہوں تم خوب جانتے ہو کہ جب تم نے ہائے وائے کی میں نے اپنی تمام قوم کو اکٹھا کیا اور جس نے میری بات مانی میں نے اسے اپنے ساتھ لیا اور تمہاری مدد کے لئے اپنی جان مال اور اپنی قوم کو لے کر آ پہنچا سب نے کہا بیشک آپ سچے ہیں ہمیں آپ سے کسی قسم کی بدگمانی نہیں آپ جائیے۔ اب یہ چلا اور حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا کہ آپ نے ادھر ادھر کے کچھ لوگوں کو جمع کر لیا ہے اور آئے ہیں اپنی قوم کی شان و شوکت کو آپ ہی توڑنے کے لئے۔ سنئے یہ قریشی ہیں آج یہ مصمم ارادہ کر چکے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ان کے ساتھ ہیں جو چیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں وہ اللہ کو بیچ میں رکھ کر عہد و پیمان کر چکے ہیں کہ ہرگز ہرگز آپ کو اس طرح اچانک زبردستی مکہ میں نہیں آنے دیں گے اللہ کی قسم مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ یہ لوگ جو اس وقت بھیڑ لگائے آپ کے اردگرد کھڑے ہوئے ہیں یہ لڑائی کے وقت ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں گے، یہ سن کر ابوبکر صدیق سے رہا نہ گیا آپ اس وقت حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے کہا جا لات کی وہ چوستا رہ، ہم اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں؟ عروہ نے حضور ﷺ سے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا ابو قحافہ کے بیٹے تو کہنے لگا اگر مجھ پر تیرا احسان پہلے کا نہ ہوتا تو میں تجھے ضرور مزہ چکھاتا اس کے بعد عروہ نے پھر کچھ کہنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی میں ہاتھ ڈالا اس کی اس بے ادبی کو حضرت مغیرہ بن شعبہ برداشت نہ کر سکے یہ حضور ﷺ کے پاس ہی کھڑے تھے لوہا ان کے ہاتھ میں تھا وہی اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا اپنا ہاتھ دور رکھ تو حضور ﷺ کے جسم کو چھو نہیں سکتا۔ یہ کہنے لگا تو بڑا ہی بدزبان اور ٹیڑھا آدمی ہے حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے؟ تو کہنے لگا غدار تو تو کل طہارت بھی نہ جانتا تھا۔ الغرض اسے بھی حضور ﷺ نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے والوں کو فرمایا تھا اور یقین دلا دیا کہ ہم لڑنے نہیں آئے۔ یہ واپس چلا اور اس نے یہاں کا یہ نقشہ دیکھا تھا کہ اصحاب رسول ﷺ کس طرح حضور ﷺ کے پروانے بنے ہوئے ہیں آپ کے وضو کا پانی وہ اپنے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں آپ کے تھوک کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے وہ ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں آپ کا کوئی بال گر پڑے تو ہر شخص لپکتا ہے کہ وہ اسے لے لے، جب یہ

قریشیوں کے پاس پہنچا تو کہنے لگا اے قریش کی جماعت کے لوگو! میں کسریٰ کے ہاں اس کے دربار میں ہو آیا ہوں اللہ کی قسم میں نے ان بادشاہوں کی بھی وہ عظمت اور وہ احترام نہیں دیکھا جو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے آپ کے اصحاب تو آپ کی وہ عزت کرتے تھے کہ اس سے زیادہ ناممکن ہے اب تم سوچ سمجھ لو اور اس بات کو باور کر لو کہ اصحاب رسول ﷺ ایسے نہیں کہ اپنے نبی کو تمہارے ہاتھوں میں دے دیں، اب آپ نے حضرت عمر کو بلایا اور انہیں مکہ والوں کے پاس بھیجنا چاہا لیکن اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت خراش بن امیہ خزاعی کو اپنے اونٹ پر جس کا نام ثعلب تھا سوار کرا کر مکہ مکرمہ بھیجا تھا قریش نے اس اونٹ کی کوچیں کاٹ دی تھیں اور خود قاصد کو بھی قتل کر ڈالتے لیکن احابیش قوم نے انہیں بچا لیا (شاید اسی بنا پر) حضرت عمر نے جواب میں کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں کیونکہ وہاں میرے قبیلے بنو عدی کا کوئی شخص نہیں جو مجھے ان قریشیوں سے بچانے کی کوشش کرے اس لئے کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ آپ حضرت عثمان بن عفان کو بلا کر انہیں مکہ میں بھیجیں کہ جا کر قریش سے کہہ دیں کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ شریف کی زیارت اور اس کی عظمت بڑھانے کو آئے ہیں، حضرت عثمان نے شہر میں قدم رکھا ہی تھا جو ابان بن سعید بن عاص آپ کو مل گئے اور اپنی سواری سے اتر کر حضرت عثمان کو آگے بٹھایا اور خود پیچھے بیٹھا اور اپنی ذمہ داری پر آپ کو لے چلا کہ آپ پیغام رسول ﷺ اہل مکہ کو پہنچا دیں چنانچہ آپ وہاں گئے اور قریش کو یہ پیغام پہنچا دیا انہوں نے کہا کہ آپ تو آ ہی گئے ہیں آپ اگر چاہیں تو بیت اللہ کا طواف کر لیں لیکن ذوالنورین نے جواب دیا کہ جب تک حضور ﷺ طواف نہ کر لیں ناممکن ہے کہ میں طواف کروں قریشیوں نے جناب عثمان کو روک لیا اور انہیں واپس نہ جانے دیا ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے، زہری کی روایت میں ہے کہ پھر قریشیوں نے سہیل بن عمرو کو آپ کے پاس بھیجا کہ تم جا کر صلح کر لو لیکن یہ ضروری ہے کہ اس سال آپ مکہ میں نہیں آ سکتے تاکہ عرب ہمیں یہ طعنہ نہ دے سکیں کہ وہ آئے اور تم روک نہ سکے چنانچہ سہیل یہ سفارت لے کر چلا جب حضور ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ قریشیوں کا ارادہ اب صلح کا ہو گیا جو اسے بھیجا ہے اس نے حضور ﷺ سے باتیں شروع کیں اور دیر تک سوال جواب اور بات چیت ہوتی رہی شرائط صلح طے ہو گئے صرف لکھنا باقی رہا، حضرت عمر دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور فرمانے لگے کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں تو کہا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم دینی معاملات میں اتنی کمزوری دکھائیں، حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا عمر اللہ کے رسول ﷺ کی رکاب تھامے رہو آپ اللہ کے سچے رسول ہیں حضرت عمر نے فرمایا یہ مجھے بھی کامل یقین ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، حضرت عمر سے پھر بھی نہ رہا گیا خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسی طرح کہا آپ نے جواب میں فرمایا سنو میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کا غلام ہوں میں اس کے فرمان کے خلاف نہیں کر سکتا اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ضائع نہ کرے گا، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں تو اس وقت جوش میں حضور ﷺ سے یہ سب کچھ کہہ گیا لیکن پھر مجھے بڑی ندامت ہوئی میں نے اس کے بدلے بہت روزے رکھے بہت سی نمازیں پڑھیں اور بہت سے غلام آزاد کئے اس ڈر سے کہ مجھے اس گستاخی کی کوئی سزا اللہ کی طرف سے نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو صلح نامہ لکھنے کے لئے بلوایا اور فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم اس پر سہیل نے کہا میں اسے

نہیں جانتا یوں لکھئے (بسمک اللھم) آپ نے فرمایا اچھا یوں ہی لکھو پھر فرمایا لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے
کیا اس پر سہیل نے کہا اگر میں آپ کو رسول مانتا تو آپ سے لڑتا ہی کیوں؟ یوں لکھئے کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ
ﷺ اور سہیل بن عمرو نے کیا اس بات پر کہ دس سال تک ہم میں کوئی لڑائی نہ ہوگی لوگ امن وامان سے رہیں گے ایک
دوسرے سے بچے ہوئے رہیں گے اور یہ کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے ولی کی اجازت کے بغیر چلا جائے گا آپ
اسے واپس لوٹا دیں گے اور جو صحابی رسول اللہ ﷺ قریشیوں کے پاس چلا جائے گا وہ اسے نہیں لوٹائیں گے ہم میں آپ
میں لڑائیاں بند رہیں گی صلح قائم رہے گی کوئی طوق وزنجیر قید وبند بھی نہ ہوگا اسی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص محمد ﷺ کی
جماعت اور آپ کے عہد وپیمان میں آنا چاہے وہ آسکتا ہے اور جو شخص قریش کے عہد وپیمان میں آنا چاہے وہ بھی آسکتا ہے
اس پر بنوخزاعہ جلدی سے بول اٹھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد وپیمان میں آتا اور بنوبکر نے کہا کہ ہم قریشیوں کے ساتھ
ان کے ذمہ میں ہیں صلح نامہ میں یہ بھی تھا کہ اس سال آپ واپس لوٹ جائیں مکہ میں نہ آئیں اگلے سال آئیں اس وقت ہم
باہر نکل جائیں گے اور آپ نے اپنے اصحاب سمیت آئیں تین دن مکہ میں ٹھہریں ہتھیار اتنے ہی ہوں جتنے ایک سوار کے
پاس ہوتے ہیں تلوار میان میں ہو، ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا کہ سہیل کے لڑکے حضرت ابوجندلؓ لوہے کی بھاری زنجیروں میں
جکڑے ہوئے گرتے پڑتے مکہ سے چھپتے چھپاتے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے صحابہ کرام
رضوان اللہ اجمعین مدینہ سے نکلتے ہوئے ہی فتح کا یقین کئے ہوئے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ خواب دیکھ چکے تھے اس
لئے انہیں فتح ہونے میں ذرا سا بھی شک نہ تھا یہاں آکر جو یہ رنگ دیکھا کہ صلح ہو رہی ہے اور بغیر طواف کے بغیر زیارت بیت
اللہ کے یہیں سے واپس ہونا پڑے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ اپنے نفس پر دباؤ ڈال کر صلح کر رہے ہیں تو اس سے وہ بہت ہی
پریشان خاطر تھے بلکہ قریب تھا کہ ہلاک ہو جائیں۔ یہ سب کچھ تو تھا ہی مزید برآں جب حضرت ابوجندلؓ جو مسلمان تھے
اور جنہیں مشرکین نے قید کر رکھا تھا اور جن پر طرح طرح کے مظالم توڑ رہے تھے یہ سن کر حضور ﷺ آئے ہوئے ہیں کسی نہ
کسی طرح موقعہ پا کر بھاگ آتے ہیں اور طوق وزنجیر میں جکڑے ہوئے حاضر حضور ﷺ ہوتے ہیں تو سہیل اٹھ کر انہیں
طمانچے مارنا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے اے محمد ﷺ میرے آپ کے درمیان تصفیہ ہو چکا ہے یہ اس کے بعد آیا ہے لہٰذا
اس شرط کے مطابق میں اسے واپس لے جاؤں گا آپ جواب دیتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے سہیل کھڑا ہوتا ہے اور حضرت ابو
جندل کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹتا ہوا انہیں لے کر چلتا ہے حضرت ابوجندل بلند آواز کہتے ہیں اے مسلمانو مجھے مشرکوں
کی طرف لوٹا رہے ہو؟ ہائے یہ میرا دین مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں اس واقعہ نے صحابہ کو اور برافروختہ کیا، رسول اللہ ﷺ نے
ابوجندل سے فرمایا ابوجندل صبر کر اور نیک نیت رہ اور طلب ثواب میں رہ نہ صرف تیرے لئے ہی بلکہ تجھ جیسے جتنے کمزور
مسلمان ہیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ راستہ نکالنے والا ہے اور تم سب کو اس درد وغم رنج والم ظلم وستم سے چھڑوانے والا ہے،
ہم چونکہ صلح کر چکے ہیں شرطیں طے ہو چکی ہیں اس بنا پر ہم نے انہیں سر دست واپس کر دیا ہے، ہم غدر کرنا، شرائط کے خلاف
کرنا، عہد شکنی کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت عمر بن خطاب حضرت ابوجندل کے ساتھ ساتھ پہلو بہ پہلو جانے لگے اور کہتے جاتے
تھے کہ ابوجندل صبر کر وان میں رکھا ہی کیا ہے؟ یہ مشرک لوگ ہیں ان کا خون مثل کتے کے خون کے ہے۔ حضرت عمر ساتھ ہی

ساتھ اپنی تلوار کی موٹھ حضرت ابو جندل کی طرف کرتے جارہے تھے کہ وہ تلوار کھینچ لیں اور ایک ہی وار میں باپ کے آر پار کر دیں لیکن حضرت ابو جندل کا ہاتھ باپ پر نہ اٹھا۔ صلح نامہ مکمل ہو گیا فیصلہ پورا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ احرام میں نماز پڑھتے تھے اور جانور حلال ہونے کے لئے مضطرب تھے۔ پھر حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اٹھو اپنی اپنی قربانیاں کر لو اور سر منڈوالو لیکن ایک بھی کھڑا نہ ہوا تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ آپ لوٹ کر ام سلمہ کے پاس گئے اور فرمانے لگے لوگوں کو یہ کیا ہو گیا ہے؟ ام المؤمنین نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ اس وقت جس قدر صدمے میں یہ ہیں آپ کو بخوبی علم ہے آپ ان سے کچھ نہ کہئے اپنی قربانی کے جانور کے پاس جایئے اور اسے جہاں وہ ہو وہیں قربان کر دیجئے اور خود سر منڈوا لیجئے پھر تو ناممکن ہے کہ اور لوگ بھی یہی نہ کریں آپ نے یہی کیا اب کیا تھا ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا قربانی کو قربان کیا اور سر منڈوالیا اب آپ یہاں سے واپس چلے آدھا راستہ طے کیا ہوگا جو سورۃ الفتح نازل ہوئی، یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے اس میں ہے کہ آپ کے سامنے ایک ہزار کئی سو صحابہ تھے، ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے قربانی کے اونٹوں کو نشان دار کیا اور عمرے کا احرام باندھا اور اپنے ایک جاسوس کو جو قبیلہ خزاعہ میں سے تھا تجسس کے لئے روانہ کیا۔ غدیر اشطاط میں آ کر اس نے خبر دی کہ قریش نے پورا مجمع تیار کر لیا ہے ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کو بھی انہوں نے جمع کر لیا ہے اور ان کا ارادہ لڑائی کا اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا ہے آپ نے صحابہ سے فرمایا اب بتاؤ کیا ہم ان کے اہل وعیال پر حملہ کر دیں اگر وہ ہمارے پاس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گردن کاٹ دی ہوگی ورنہ ہم انہیں غمگین چھوڑ کر جائیں گے اگر وہ بیٹھ رہیں گے تو اس غم ورنج میں رہیں گے اور اگر انہوں نے نجات پالی تو یہ گردنیں ہوں گی جو اللہ عزوجل نے کاٹ دی ہوں گی، دیکھو تو بھلا کتنا ظلم ہے کہ ہم نہ کسی سے لڑنے کو آئے نہ کسی اور ارادے سے آئے صرف اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے جارہے ہیں اور وہ ہمیں روک رہے ہیں بتاؤ ان سے ہم کیوں نہ لڑیں؟ اس پر حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آپ بیت اللہ کی زیارت کو نکلے ہیں آپ چلے چلئے ہمارا ارادہ جدال وقتال کا نہیں لیکن جو ہمیں اللہ کے گھر سے روکے گا ہم اس سے ضرور لڑیں گے خواہ کوئی ہو، آپ نے فرمایا بس اب اللہ کا نام لو اور چل کھڑے ہو۔ کچھ اور آگے چل کر حضور ﷺ نے فرمایا خالد بن ولید طلائیہ کا لشکر لے کر آ رہا ہے پس تم دائیں طرف کو ہو لو خالد کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور حضور ﷺ مع صحابہ کے ان کے کلے پر پہنچ گئے اب خالد دوڑا ہوا قریشیوں میں پہنچا اور انہیں اس سے مطلع کیا اونٹنی کا نام اس روایت میں قصوئی بیان ہوا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ جو کچھ وہ مجھ سے طلب کریں گے میں دوں گا بشرطیکہ حرمت اللہ کی اہانت نہ ہو پھر جو آپ نے اونٹنی کو للکارا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی بدیل بن ورقاء خزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر قریشیوں کو جب جواب پہنچاتا ہے تو عروہ بن مسعود ثقفی کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرا کر جو پہلے بیان ہو چکا یہ بھی کہتا ہے کہ دیکھو اس شخص نے نہایت معقول اور واجبی بات کہی ہے اسے قبول کر لو اور جب یہ خود حاضر حضور ﷺ ہو کر آپ کا یہی جواب آپ کے منہ سے سنتا ہے تو آپ سے کہتا ہے کہ سنئے جناب دو ہی باتیں ہیں یا آپ غالب وہ مغلوب یا وہ غالب آپ مغلوب اگر پہلی بات ہی ہوئی تو بھی کیا ہوا آپ ہی کی قوم ہے آپ نے کسی کے بارے میں ایسا سنا ہے کہ جس نے اپنی قوم کا ستیاناس کیا ہو؟ اور اگر دوسری بات ہوگی تو یہ جتنے آپ کے پاس ہیں میں تو دیکھتا ہوں کہ سارے ہی آپ کو چھوڑ چھاڑ دوڑ جائیں گے، اس پر حضرت ابوبکر صدیق کا وہ جواب دیا جو پہلے

گذر چکا۔ حضرت مغیرہ والے بیان میں یہ بھی ہے کہ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی اور سر پر خود تھا ان کے مارنے پر عروہ نے کہا غدار میں نے تو تیری غداری میں تیرا ساتھ دیا تھا بات یہ ہے کہ پہلے یہ جاہلیت کے زمانہ میں کافروں کے ایک گروہ کے ساتھ تھے موقعہ پا کر انہیں قتل کر ڈالا اور ان کا مال لے کر حاضر حضور ﷺ ہوئے آپ نے فرمایا تمہارا اسلام تو میں منظور کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں عروہ نے یہاں یہ منظر بھی بچشم خود دیکھا کہ آپ تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی صحابی لپک کر اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے اور اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوتے ہی فرمانبرداری کے لئے ایک سے ایک آگے بڑھتا ہے جب آپ وضو کرتے ہیں تو آپ کے اعضاء بدن سے گرے ہوئے پانی پر جو قریب ہوتا ہے یوں لپکتا ہے جیسے صحابہ لڑ پڑیں، جب آپ بات کرتے ہیں تو بالکل سناٹا ہو جاتا ہے مجال نہیں جو کہیں سے چوں کی آواز بھی سنائی دے حد تعظیم یہ ہے کہ صحابہ آنکھ بھر کر آپ کے چہرہ منور کی طرف تکتے ہی نہیں بلکہ نیچی نگاہوں سے ہر وقت باادب رہتے ہیں اس نے پھر واپس آن کر یہی حال قریشیوں کو سنایا اور کہا کہ حضور ﷺ جو انصاف و عدل کی بات پیش کر رہے ہیں اسے مان لو بنو کنانہ کے جس شخص کو اس کے بعد قریش نے بھیجا اسے دیکھ کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ لوگ قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو اور اس کی طرف ہانک دو اس نے جو یہ منظر دیکھا ادھر صحابہ کی زبانی لبیک کی صدائیں سنیں تو کہہ اٹھا کہ ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا نہایت لغو حرکت ہے اس میں یہ بھی ہے کہ مکرز کو دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ ایک تاجر شخص ہے ابھی یہ بیٹھا باتیں کر ہی رہا تھا جو سہیل آ گیا اسے دیکھ کر حضور ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا لو اب کام سہل ہو گیا اس نے جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا واللہ میں رسول اللہ ہی ہوں گو تم نہ مانو، یہ اس بنا پر کہ جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی تو آپ نے کہہ دیا تھا کہ یہ حرمات الٰہی کی عزت رکھتے ہوئے مجھ سے جو کہیں گے میں منظور کر لوں گا، آپ نے صلح نامہ لکھواتے ہوئے فرمایا کہ اس سال ہمیں یہ بیت اللہ کی زیارت کر لینے دیں گے لیکن سہیل نے کہا یہ ہمیں منظور نہیں ورنہ لوگ کہیں گے کہ ہم دب گئے اور کچھ نہ کر سکے جب یہ شرط ہو رہی تھی کہ جو کافر ان میں سے مسلمان ہو کر حضور ﷺ کے پاس چلا جائے آپ اسے واپس کر دیں گے اس پر مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ وہ مسلمان ہو کر آئے اور ہم اسے کافروں کو سونپ دیں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت ابو جندل اپنی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آ گئے، سہیل نے کہا اسے واپس کیجئے آپ نے فرمایا ابھی تک صلح نامہ مکمل نہیں ہوا میں اسے کیسے واپس کر دوں؟ اس نے کہا پھر تو اللہ کی قسم میں کسی طرح اور کسی شرط پر صلح کرنے میں رضامند نہیں ہوں آپ نے فرمایا تم خود مجھے خاص اس کی بابت اجازت دے دو اس نے کہا میں اس کی اجازت بھی آپ کو نہیں دوں گا آپ نے دوبارہ فرمایا لیکن اس نے پھر بھی انکار کر دیا مگر مکرز نے کہا ہاں ہم آپ کو اس کی اجازت دیتے ہیں اس وقت حضرت ابو جندل نے مسلمانوں سے فریاد کی ان بے چاروں کو مشرکین بڑی سخت سنگین سزائیں کر رہے تھے اس پر حضرت عمر حاضر حضور ﷺ ہوئے اور وہ کہا جو پہلے گذر چکا پھر پوچھا کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں کہا کہ یہ اسی سال ہو گا حضرت عمر فرماتے ہیں میں پھر ابو بکر کے پاس آیا اور وہی کہا جس کا اوپر بیان گذرا ہے اس میں اتنا اور ہے کہ کیا حضور ﷺ اللہ کے رسول ﷺ نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا ہاں، پھر میں نے حضور ﷺ کی پیشین گوئی کا اسی طرح ذکر کیا اور وہی جواب

مجھے ملا جوذکر ہوا۔ جو جواب خود رسول کریم ﷺ نے دیا تھا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنے اونٹ کو نحر کیا اور نائی کو بلوا کر سر منڈوا لیا پھر تو سب صحابہ ایک ساتھ کھڑے ہو گئے اور قربانیوں سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کا سر خود مونڈنے لگے اور مارے غم کے اور اژدھام کے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ اس کے بعد ایمان والی عورتیں حضور ﷺ کے پاس آئیں جن کے بارے میں آیت (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (الممتحنۃ:۱۰) نازل ہوئی اور حضرت عمر نے اس حکم کے ماتحت اپنی دو مشرکہ بیویوں کو اسی دن طلاق دے دی جن میں سے ایک نے معاویہ بن ابوسفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے نکاح کر لیا۔ آنحضرت ﷺ یہیں سے واپس لوٹ کر مدینہ شریف آ گئے ابو بصیر نامی ایک قریشی جو مسلمان تھے موقعہ پا کر مکہ سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ شریف پہنچے ان کے پیچھے ہی دو کافر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عہد نامہ کی بنا پر اس شخص کو آپ واپس کیجئے ہم قریشیوں کے بھیجے ہوئے قاصد ہیں اور ابو بصیر کو واپس لینے کے لئے آئے ہیں آپ نے فرمایا اچھی بات ہے میں اسے واپس کر دیتا ہوں چنانچہ آپ نے حضرت ابو بصیر کو انہیں سونپ دیا یہ انہیں لے کر چلے جب ذوالحلیفہ پہنچے اور بے فکری سے وہاں کھجوریں کھانے لگے تو حضرت ابو بصیر نے ان میں سے ایک شخص سے کہا واللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی تلوار نہایت عمدہ ہے۔ اس نے کہا ہاں بیشک بہت ہی اچھے لوہے کی ہے میں نے بارہا اس کا تجربہ کر لیا ہے اس کی کاٹ کا کیا پوچھنا ہے؟ یوں کہتے ہوئے اس نے تلوار میان سے نکال لی، حضرت ابو بصیر نے ہاتھ بڑھا کر کہا ذرا مجھے دکھانا اس نے دے دی آپ نے ہاتھ میں لیتے ہی تول کر ایک ہی ہاتھ میں اس ایک کافر کا تو کام تمام کیا، دوسرا اس رنگ کو دیکھتے ہی مٹھیاں بند کر کے ایسا سرپٹ بھاگا کہ سیدھا مدینہ پہنچ کر دم لیا اسے دیکھتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا یہ بڑی گھبراہٹ میں ہے کوئی خوفناک منظر دیکھ چکا ہے، اتنے میں یہ قریب پہنچ گیا اور دہائیاں دینے لگا کہ رسول اللہ ﷺ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور میں بھی اب تھوڑے دم کا مہمان ہوں دیکھئے وہ آیا اتنے میں حضرت ابو بصیر پہنچ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ کو پورا کر دیا آپ نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے ان کے حوالے کر دیا، اب یہ اللہ تعالیٰ کی کریمی ہے کہ اس نے مجھے ان سے رہائی دلوائی آپ نے فرمایا افسوس یہ کیسا شخص ہے؟ یہ تو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے کاش کہ کوئی اسے سمجھا دیتا یہ سنتے ہی حضرت ابو بصیر چونک گئے کہ معلوم ہوتا ہے آپ شاید مجھے دوبارہ مشرکین کے حوالے کر دیں گے یہ سوچتے ہی حضور ﷺ کے پاس سے چلے گئے مدینہ کو الوداع کہا اور لمبے قدموں سمندر کے کنارے کی طرف چل دیئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی یہ واقعہ مشہور ہو گیا ادھر سے ابو جندل بن سہیل جنہیں حدیبیہ میں اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے واپس کیا تھا وہ بھی موقعہ پا کر مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور براہ راست حضرت ابو بصیر کے پاس چلے، اب یہ ہوا کہ مشرکین قریش میں سے جو بھی ایمان قبول کرتا سیدھا حضرت ابو بصیر کے پاس آ جاتا اور یہیں رہتا سہتا یہاں تک کہ ایک خاص معقول

جماعت ایسے ہی لوگوں کی یہاں جمع ہوگئی اور انہوں نے یہ کرنا شروع کیا کہ قریشیوں کا جو قافلہ شام کی طرف جانے کے لئے نکلتا یہ اس سے جنگ کرتے جس میں قریشی کفار قتل بھی ہوئے اور ان کے مال بھی ان مہاجر مسلمانوں کے ہاتھ لگے یہاں تک کہ قریش تنگ آگئے بالآخر انہوں نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کی خدمت میں آدمی کو بھیجا کہ حضور ﷺ ہم پر رحم فرما کر ان لوگوں کو وہاں سے واپس بلوا لیجئے ہم ان سے دستبردار ہوتے ہیں ان میں سے جو بھی آپ کے پاس آجائے وہ امن میں ہے ہم آپ کو اپنی رشتہ داریاں یاد دلاتے ہیں اور اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ انہیں اپنے پاس بلوا لو چنانچہ حضور ﷺ نے اس درخواست کو منظور فرمالیا اور ان حضرات کے پاس ایک آدمی بھیج کر سب کو بلوالیا اور اللہ عزوجل نے آیت: وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا نازل فرمائی۔

ان کفار کی حمیت جاہلیت یہ تھی کہ انہوں نے آیت (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) نہ لکھنے دی آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ نہ لکھنے دیا آپ کو بیت اللہ شریف کی زیارت نہ کرنے دی صحیح بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں ہے حبیب بن ابو ثابت کہتے ہیں میں ابو وائل کے پاس گیا تاکہ ان سے پوچھوں انہوں نے کہا ہم صفین میں تھے ایک شخص نے کہا کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں پس حضرت علی بن ابو طالب نے فرمایا ہاں پس سہیل بن حنیف نے کہا اپنی جانوں پر تہمت رکھو ہم نے اپنے آپ کو حدیبیہ والے دن دیکھا یعنی اس صلح کے موقعہ پر جو نبی ﷺ اور مشرکین کے درمیان ہوئی تھی اگر ہماری رائے لڑنے کی ہوتی تو ہم یقیناً لڑتے، حضرت عمر نے آکر کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنتی اور ان کے مقتول جہنمی نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں کہا پھر ہم کیوں اپنے دین میں جھک جائیں اور لوٹ جائیں؟ حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے ہم میں ان میں کوئی فیصلہ کن کاروائی نہیں کی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب میں اللہ کا رسول ہوں وہ مجھے کبھی بھی ضائع نہ کرے گا یہ جواب سن کر حضرت عمر لوٹ آئے لیکن بہت غصے میں تھے وہاں سے حضرت صدیق کے پاس آئے اور یہی سوال و جواب یہاں بھی ہوئے اور سورۂ فتح نازل ہوئی بعض روایات میں حضرت سہیل بن حنیف کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو ابو جندل والے دن دیکھا کہ اگر مجھ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو لوٹانے کی قدرت ہوتی تو میں یقیناً لوٹا دیتا، اس میں یہ بھی ہے کہ جب سورۂ فتح اتری تو حضور ﷺ نے حضرت عمر کو بلا کر یہ سورت انہیں سنائی مسند احمد کی روایت میں ہے کہ جس وقت یہ شرط طے ہوئی کہ ان کا آدمی انہیں واپس کیا جائے اور ہمارا آدمی وہ واپس نہ کریں گے تو حضور ﷺ سے کہا گیا کہ کیا ہم یہ بھی مان لیں؟ اور لکھ دیں آپ نے فرمایا ہاں اس لئے کہ ہم میں سے جو ان میں جائے اللہ اسے ہم سے دور ہی رکھے۔ (مسلم) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جب خارجی نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے علیحدگی اختیار کی تو میں نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن جب مشرکین سے صلح کی تو مشرکین نے کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ ﷺ مانتے تو آپ سے ہرگز نہ لڑتے تو آپ نے فرمایا علی اسے مٹا دو۔ اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں تیرا رسول ہوں علی اسے کاٹ دو اور لکھو یہ وہ شرائط ہیں جن پر صلح کی محمد بن عبداللہ ﷺ نے اللہ کی قسم رسول اللہ حضرت علی بہت بہتر تھے پھر بھی آپ نے اس لکھے ہوئے کو کٹوایا اس سے کچھ آپ نبوت سے نہیں نکل گئے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے دن ستر اونٹ قربان کیے جن میں ایک اونٹ ابو جہل کا بھی تھا جب یہ

اونٹ بیت اللہ سے روک دیے گئے تو اس طرح نالہ و بکا کرتے تھے جیسے کسی سے اس کا دودھ پیتا بچہ الگ ہو گیا ہو۔

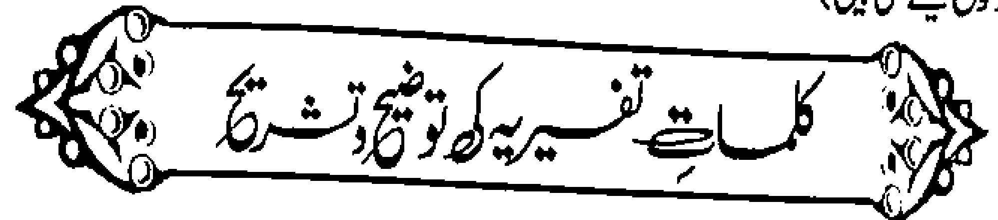
لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی النَّوْمِ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ
خُرُوْجِهٖ اَنَّهٗ يَدْخُلُ مَكَّةَ هُوَ وَاَصْحَابُهٗ اٰمِنِيْنَ وَيُحَلِّقُوْنَ وَيُقَصِّرُوْنَ فَاَخْبَرَ بِذٰلِكَ اَصْحَابَهٗ فَفَرِحُوْا فَلَمَّا
خَرَجُوْا مَعَهٗ وَصَدَّهُمُ الْكُفَّارُ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَرَجَعُوْا وَشَقَّ عَلَيْهِمْ ذٰلِكَ وَرَابَ بَعْضَ الْمُنَافِقِيْنَ نَزَلَتْ وَ
قَوْلُهٗ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِصَدَقَ اَوْ حَالٌ مِنَ الرُّؤْيَا وَمَا بَعْدَهَا تَفْسِيْرٌ لَهَا لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
لِلتَّبَرُّكِ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ اَیْ جَمِيْعَ شُعُوْرِهَا وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ اَیْ بَعْضَ شُعُوْرِهَا وَهُمَا حَالَانِ
مُقَدَّرَتَانِ لَا تَخَافُوْنَ ؕ اَبَدًا فَعَلِمَ فِی الصُّلْحِ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا مِنَ الصَّلَاحِ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ اَیِ
الدُّخُوْلِ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ هُوَ فَتْحُ خَيْبَرَ وَتَحَقَّقَتِ الرُّؤْيَا فِی الْعَامِ الْقَابِلِ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِيْنِ
الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ اَیْ دِيْنَ الْحَقِّ عَلَی الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ عَلٰی جَمِيْعِ بَاقِی الْاَدْيَانِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ اَنَّكَ مُرْسَلٌ
بِمَا ذُكِرَ كَمَا قَالَ مُحَمَّدٌ مُبْتَدَاٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ؕ خَبَرُهٗ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَیْ اَصْحَابُهٗ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مُبْتَدَاٌ خَبَرُهٗ
اَشِدَّآءُ غِلَاظٌ عَلَی الْكُفَّارِ لَا يَرْحَمُوْنَهُمْ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ خَبَرٌ ثَانٍ اَیْ مُتَعَاطِفُوْنَ مُتَوَادُّوْنَ كَالْوَالِدِ مَعَ
الْوَلَدِ تَرٰىهُمْ تُبْصِرُهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا حَالَانِ يَّبْتَغُوْنَ مُسْتَاْنَفٌ يَطْلُبُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ
عَلَامَتُهُمْ مُبْتَدَاٌ فِیْ وُجُوْهِهِمْ خَبَرُهٗ وَهِیَ نُوْرٌ وَبَيَاضٌ يُعْرَفُوْنَ بِهٖ فِی الْاٰخِرَةِ اَنَّهُمْ سَجَدُوْا فِی الدُّنْيَا مِّنْ
اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ مُتَعَلِّقٌ بِمَا تَعَلَّقَ بِهِ الْخَبَرُ اَیْ كَائِنَةً وَاُعْرِبَ حَالًا مِنْ ضَمِيْرِهِ الْمُنْتَقِلِ اِلَی الْخَبَرِ ذٰلِكَ اَیِ
الْوَصْفُ الْمَذْكُوْرُ مَثَلُهُمْ صِفَتُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ مُبْتَدَاٌ وَخَبَرُهٗ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ مُبْتَدَاٌ خَبَرُهٗ كَزَرْعٍ
اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ بِسُكُوْنِ الطَّاءِ وَفَتْحِهَا فِرَاخَهٗ فَاٰزَرَهٗ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ قَوَّاهُ وَاَعَانَهٗ فَاسْتَغْلَظَ غَلُظَ فَاسْتَوٰی
قَوِیَ وَاسْتَقَامَ عَلٰی سُوْقِهٖ اُصُوْلِهٖ جَمْعُ سَاقٍ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ اَیْ زُرَّاعَهٗ لِحُسْنِهٖ مَثَّلَ الصَّحَابَةَ رَضِیَ
اللّٰهُ عَنْهُمْ بِذٰلِكَ لِاَنَّهُمْ بَدَءُوْا فِیْ قِلَّةٍ وَضُعْفٍ فَكَثُرُوْا وَقَوُوْا عَلٰی اَحْسَنِ الْوُجُوْهِ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ
مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهٗ اَیْ شُبِّهُوْا بِذٰلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ اَیْ

نفخانة لبیان الجنس لا للتبعیض لاَنّ کلّھم بالصفة المذکورة مَغفرةً وَّ اَجرًا عظیمًا ھی الجنة وھما لمن بعدھم ایضًا فی اٰیات

ع ۱۱

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو سچا خواب دکھلایا ہے جو واقعہ کے مطابق ہے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیبیہ کے سال حدیبیہ جانے سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ آپؐ اور آپکے صحابہؓ باطمینان مکہ میں داخل ہورہے ہیں اور کچھ لوگ سر منڈوار ہے اور کچھ بال کتروار ہے ہیں۔ آپ نے اس خواب کا ذکر صحابہؓ سے کیا تو سن کر صحابہؓ خوش ہوئے۔ لیکن جب آپ صحابہؓ کی بیعت میں عازم ہوئے اور کافروں نے مقام حدیبیہ میں روک دیا اور سب کو واپس ہونا پڑا۔ تو صحابہؓ اس سے ملول ہوئے اور بعض منافقین تردد کا شکار بھی ہوگئے۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بالحق کا تعلق صدق سے ہے یا رؤیا سے حال ہے اور بعد کا جملہ اس کی تفسیر ہے) تم لوگ ضرور مسجد حرام میں جاؤ گے انشاء اللہ (تبرکاً فرمایا ہے) امن وامان کے ساتھ کوئی (سارے) سر کو منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کتاتا ہوگا (یعنی بالوں کا کچھ حصہ۔ یہ دونوں لفظ حال مقدرہ ہیں) کسی طرح کا (بھی) اندیشہ نہ ہوگا۔ سو اللہ کو (صلح کی نسبت) وہ باتیں معلوم ہیں (جن مصالح کو) تم نہیں جانتے۔ پھر اس (مکہ میں حاضری) سے پہلے لگے ہاتھوں ایک اور فتح دے دی (فتح خیبر مراد ہے اور اگلے سال خواب بھی پورا ہوگیا) وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ (دین حق کو) غالب کردے (باقی) تمام دینوں پر، اور اللہ کافی گواہ ہے (اس پر کہ آپ مذکورہ پیغامات دے کر بھیجے گئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے) محمدؐ (مبتداء ہے) اللہ کے رسول ہیں (یہ خبر ہے) اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں (مؤمن صحابہؓ، یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر آگے ہے) وہ تیز (سخت) ہیں کافروں کے مقابلہ میں (ان پر رحم نہیں کھاتے) آپس میں مہربان ہیں (یہ دوسری خبر ہے یعنی ایک دوسرے سے تعلق خاطر اور محبت رکھتے ہیں جیسا کہ باپ بیٹے پر مہربان ہوتا ہے) اے مخاطب تو دیکھے گا (تجھے نظر آئے گا) کہ کبھی رکوع کررہے ہیں، کبھی سجدہ کررہے ہیں (یہ دونوں حال ہیں) جستجو میں لگے ہیں (جملہ مستانفہ ہے یعنی تلاش میں رہتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے فضل اور خوشنودی کی۔ ان کے آثار (نشانات، یہ مبتداء ہے) ان کے چہروں پر نمایاں ہیں (یہ خبر ہے، آثار سے مراد نور اور مہک ہے۔ جس سے معلوم ہوجائے گا کہ انہوں نے دنیا میں سجدے کئے تھے) بوجہ تاثیر کے (اس کا تعلق بھی خبر کے متعلق ہی سے ہے یعنی کائنۃ سے۔ اور اس پر حال کا اعراب ہے اس ضمیر کی وجہ سے جو خبر کی طرف راجع ہے) یہ (مذکورہ تعریف) ان کے اوصاف (صفات) ہیں تورات میں (یہ مبتداء اور خبر ہے) اور انجیل میں (مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) ان کی یہ شان ہے کہ کھیتی کی طرح ہیں جس نے اپنی سوئی نکالی (لفظ شطأ سکون طا اور فتحہ طاء کے ساتھ یہ دونوں طرح ہے۔ کونپل مراد ہے) پھر اس نے اس کو قوی کردیا (لفظ آزر مد کے ساتھ اور بغیر مد دونوں طرح ہے، یعنی اس کو مضبوط کردیا اور اس میں اور بڑھوتری کر دی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوگئی (طاقت ور سیدھی کھڑی ہوگئی) پھر اپنے تنے پر وہ سیدھی کھڑی ہوگئی (سوق، ساق کی جمع ہے) کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (یعنی کھیتی عمدہ ہونے کی وجہ سے بھلی معلوم ہونے لگی۔ صحابہؓ کی یہ مثال اس لئے دی گئی کہ وہ شروع میں کم اور کمزور تھے۔ پھر خوب بڑھے اور مضبوط تر ہوگئے) تاکہ ان کے ذریعہ سے کافروں کو جلائے (اس کا تعلق

محذوف کے ساتھ ہے جس پر پچھلا مضمون دلالت کر رہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی شبہوا ابذلك) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں وعدہ کر رکھا ہے (یعنی صحابہؓ سے من بیان جنس کیلئے ہے من تبعیضیہ نہیں ہے۔ اس لئے تمام صحابہ کی یہی شان تھی) بخشش اور بڑے ثواب کا (جنت کا اور یہ دونوں وعدے دوسری آیات کی وجہ سے بعد کے لوگوں کیلئے بھی ہیں)



قوله: بِالْحَقِّ : اس حال میں کہ خواب حق سے ملا ہوا ہے۔

قوله: رَابَ : شک کرنا۔

قوله: بَعْضُ الْمُنَافِقِيْنَ : یہ جد بن قیس ہے۔

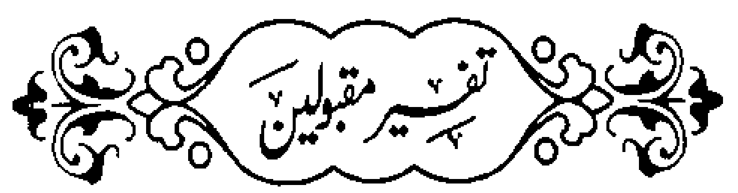
قوله: لَا تَخَافُوْنَ : یہ حال مؤکدہ ہے۔

قوله: مُتَوَادُّوْنَ : محبت کرنے والے۔

قوله: اَغْرِبَ حَالًا : اثرالسجود سے اس کی تعبیر کی گئی، اس طرح کہ یہ اس ضمیر سے حال ہے جو مستقبل کی خبر سے خبر کے ساتھ متعلق ہے۔

قوله: فَرَاخَهٗ : کھیتی کے شگوفے۔

قوله: الْقَصْرِ : بند ہونا۔ اصول، پوری۔



لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ....

رسول اللہ ﷺ کا خواب:

رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں گئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ آپ نے اس کا ذکر اپنے اصحاب سے مدینہ شریف میں ہی کر دیا تھا حدیبیہ والے سال جب آپ عمرے کے ارادے سے چلے تو اس خواب کی بنا پر صحابہ کو یقین کامل تھا کہ اس سفر میں ہی کامیابی کے ساتھ اس خواب کا ظہور دیکھ لیں گے۔ وہاں جا کر جو رنگت بدلی ہوئی دیکھی یہاں تک کہ صلح نامہ لکھ کر بغیر زیارت بیت اللہ واپس ہونا پڑا تو ان صحابہ پر نہایت شاق گزرا۔ چنانچہ حضرت عمر نے تو خود حضور ﷺ سے یہ کہا بھی کہ آپ نے تو ہم سے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف سے مشرف ہوں گے آپ نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن یہ تو میں نے نہیں کہا تھا کہ اسی سال ہوگا؟ حضرت عمر نے فرمایا ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا آپ نے فرمایا پھر جلدی کیا

ہے؟ تم بیت اللہ میں جاؤ گے ضرور اور طواف بھی یقیناً کرو گے۔ پھر حضرت صدیق سے یہی کہا اور ٹھیک یہی جواب پایا۔ اس آیت میں جو ان شاء اللہ ہے یہ استثناء کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے اس مبارک خواب کی تاویل کو صحابہ نے دیکھ لیا اور پورے امن واطمینان کے ساتھ مکہ میں گئے اور وہاں جا کر احرام کھولتے ہوئے بعض نے اپنا سر منڈوایا اور بعض نے بال کتروائے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے لوگوں نے کہا حضرت اور کتروانے والوں پر بھی۔ آپ نے دوبارہ بھی یہی فرمایا پھر لوگوں نے وہی کہا آخر تیسری یا چوتھی دفعہ میں آپ نے کتروانے والوں کے لئے بھی رحم کی دعا کی۔ پھر فرمایا بے خوف ہو کر یعنی مکہ جاتے وقت بھی امن وامان سے ہو گے اور مکہ کا قیام بھی بے خوفی کا ہوگا چنانچہ عمرۃ القضاء میں یہی ہوا یہ عمرہ ذی قعدہ سنہ ۷ ہجری میں ہوا تھا۔ حدیبیہ سے آپ ذی قعدہ کے مہینے میں لوٹے ذی الحجہ اور محرم تو مدینہ شریف میں قیام رہا صفر میں خیبر کی طرف گئے اس کا کچھ حصہ تو از روئے جنگ فتح ہوا اور کچھ حصہ از روئے صلح مسخر ہوا یہ بہت بڑا علاقہ تھا اس میں کھجوروں کے باغات اور کھیتیاں بکثرت تھیں، یہیں کے یہودیوں کو آپ نے بطور خادم یہاں رکھ کر ان سے یہ معاملہ طے کیا کہ وہ باغوں اور کھیتیوں کی حفاظت اور خدمت کریں اور پیداوار کا نصف حصہ دے دیا کریں، خیبر کی تقسیم رسول اللہ ﷺ نے صرف ان ہی صحابہ میں کی جو حدیبیہ میں موجود تھے ان کے سوا کسی اور کو اس جنگ میں آپ نے حصہ دار نہیں بنایا، سوائے ان لوگوں کے جو حبشہ کی ہجرت سے واپس آئے تھے جو حضرات حضور ﷺ کے ساتھ تھے وہ سب اس فتح خیبر میں بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابو دجانہ، سماک بن خرشہ کے سوا جیسے کہ اس کا پورا بیان اپنی جگہ ہے یہاں سے آپ سالم وغنیمت لئے ہوئے واپس تشریف لائے اور ماہ ذوالقعدہ سنہ ۷ ہجری میں مکہ کی طرف بارادہ عمرہ اہل حدیبیہ کو ساتھ لے کر آپ روانہ ہوئے، ذوالحلیفہ سے احرام باندھا قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ ساتھ لئے اور لبیک پکارتے ہوئے ظہران میں پہنچے جہاں سے کعبہ کے بت دکھائی دیتے تھے تو آپ نے تمام نیزے بھالے تیر کمان بطن یا جج میں بھیج دیئے، مطابق شرط کے صرف تلواریں پاس رکھ لیں اور وہ بھی میان میں تھیں ابھی آپ راستے میں ہی تھے جو قریش کا بھیجا ہوا آدمی مکرز بن حفص آیا اور کہنے لگا حضور ﷺ آپ کی عادت تو توڑنے کی نہیں حضور ﷺ نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ تیر اور نیزے لے کر آ رہے ہیں آپ نے فرمایا نہیں تو ہم نے وہ سب یا جج بھیج دیے ہیں اس نے کہا یہی ہمیں آپ کی ذات سے امید تھی آپ ہمیشہ سے بھلائی اور نیکی اور وفاداری ہی کرنے والے ہیں سرداران کفار تو بوجہ غیظ وغضب اور رنج وغم کے شہر سے باہر چلے گئے کیونکہ وہ تو آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور لوگ جو مکہ میں رہ گئے تھے وہ مرد عورت بچے تمام راستوں پر اور کوٹھوں پر اور چھتوں پر کھڑے ہو گئے اور ایک استعجاب کی نظر سے اس مخلص گروہ کو اس پاک لشکر کو اس اللہ کی فوج کو دیکھ رہے تھے آپ نے قربانی کے جانور ذی طوی میں بھیج دیئے تھے خود آپ اپنی مشہور ومعروف سواری اونٹنی قصوا پر سوار تھے آگے آگے آپ کے اصحاب تھے جو برابر لبیک پکار رہے تھے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے

باسم الذی لا دین الا دینہ بسم الذی محمد رسولہ

خلوا بنی الکفار عن سبیله الیوم نضربکم علی تاویله
کما ضربنا کم علی تنزیله ضربا یزیل الهام عن مقیله
ویذهل الخلیل عن خلیله قد انزل الرحمٰن فی تنزیله
فی صحف تتلی علی رسوله بان خیر القتل فی سبیله
یارب انی مؤمن بقیله

یعنی اس اللہ عزوجل کے نام جس کے دین کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں۔ اس اللہ کے نام سے جس کے رسول حضرت محمد ہیں ﷺ اے کافروں کے بچو! حضور ﷺ کے راستے سے ہٹ جاؤ آج ہم تمہیں آپ کے لوٹنے پر بھی ویسا ہی ماریں گے جیسا آپ کے آنے پر مارا تھا وہ مار جو دماغ کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ رحم والے نے اپنی وحی میں نازل فرمایا ہے جو ان صحیفوں میں محفوظ ہے جو اس کے رسول ﷺ کے سامنے تلاوت کئے جاتے ہیں کہ سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے جو اس کی راہ میں ہو۔ اے میرے پروردگار میں اس بات پر ایمان لا چکا ہوں۔ بعض روایتوں میں الفاظ میں کچھ ہیر پھیر بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ اس عمرے کے سفر میں جب حضور ﷺ (مرالظہران) میں پہنچے تو صحابہ نے سنا کہ اہل مکہ کہتے ہیں یہ لوگ بوجہ لاغری اور کمزوری کے اٹھ بیٹھ نہیں سکتے یہ سن کر صحابہ حضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے چند جانور ذبح کر لیں ان کا گوشت کھائیں اور شوربا پئیں اور تازہ دم ہو کر مکہ میں جائیں آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو تمہارے پاس جو کھانا ہو اسے جمع کرو چنانچہ جمع کیا دسترخوان بچھایا اور کھانے بیٹھے تو حضور ﷺ کی دعا کی وجہ سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھا پی لیا اور توشے دان بھر لئے۔ آپ مکہ شریف آئے سیدھے بیت اللہ گئے قریش حطیم کی طرف بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چادر کے پلے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لئے اور اصحاب سے فرمایا یہ لوگ تم میں سستی اور لاغری محسوس نہ کریں، اب آپ نے رکن کو بوسہ دے کر دوڑنے کی سی چال سے طواف شروع کیا جب رکن یمانی کے پاس پہنچے جہاں قریش کی نظریں نہیں پڑتی تھیں تو وہاں سے آہستہ آہستہ چل کر حجر اسود تک پہنچے، قریش کہنے لگے تم لوگ تو ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہو گویا چلنا تمہیں پسند ہی نہیں تین مرتبہ تو آپ اسی طرح ہلکی دوڑ کی سی چال حجر اسود سے رکن یمانی تک چلتے رہے تین پھیرے اس طرح کئے چنانچہ یہی مسنون طریقہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں بھی اسی طرح طواف کے تین پھیروں میں رمل کیا یعنی دلکی چال چلے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ اصحاب رسول کو مدینے کی آب و ہوا شروع میں کچھ ناموافق پڑی تھی اور بخار کی وجہ سے یہ کچھ لاغر ہو گئے تھے، جب آپ مکہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے کہا یہ لوگ جو آ رہے ہیں انہیں مدینے کے بخار نے کمزور اور سست کر دیا اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس کلام کی خبر اپنے رسول ﷺ کو کر دی۔ مشرکین حطیم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود سے لے کر رکن یمانی تک طواف کے تین پہلے پھیروں میں دلکی چال چلیں اور رکن یمانی سے حجر اسود تک جہاں جانے کے بعد مشرکین کی نگاہیں نہیں پڑتی تھیں وہاں ہلکی

چال چلیں پورے ساتوں پھیروں میں رمل کرنے کو نہ کہنا یہ صرف بطور رحم کے تھا، مشرکوں نے جب دیکھا کہ یہ تو سب کے سب کود کود کر پھرتی اور چستی سے طواف کر رہے ہیں تو آپس میں کہنے لگے کیوں جی انہی کی نسبت اڑا رکھا تھا کہ مدینے کے بخار نے انہیں سست ولاغر کر دیا ہے؟ یہ لوگ تو فلاں فلاں سے بھی زیادہ چست و چالاک ہیں، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ کی چوتھی تاریخ کو مکہ شریف پہنچ گئے تھے اور روایت میں ہے کہ مشرکین اس وقت قعیقعان کی طرف تھے حضور ﷺ کا صفا مروہ کی طرف سعی کرنا بھی مشرکوں کو اپنی قوت دکھانے کے لئے تھا، حضرت ابن ابی اوفی فرماتے ہیں اس دن ہم آپ پر چھائے ہوئے تھے اس لئے کہ کوئی مشرک یا کوئی ناسمجھ آپ کو کوئی ایذاء نہ پہنچا سکے، بخاری شریف میں ہے حضور ﷺ عمرے کے لئے نکلے لیکن کفار قریش نے راستہ روک لیا اور آپ کو بیت اللہ شریف تک نہ جانے دیا آپ نے وہیں قربانیاں کیں اور وہیں یعنی حدیبیہ میں سر منڈوالیا اور ان سے صلح کر لی جس میں یہ طے ہوا کہ آپ اگلے سال عمرہ کریں گے سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ میں نہیں آئیں گے اور وہاں اتنی ہی مدت ٹھہریں گے جتنی اہل مکہ چاہیں پس اگلے سال آپ اسی طرح آئے تین دن تک ٹھہرے پھر مشرکین نے کہا اب آپ چلے جائیں چنانچہ آپ وہاں سے واپس ہوئے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اہل مکہ حائل ہوئے تو آپ نے ان سے یہ فیصلہ کیا کہ آپ صرف تین دن ہی مکہ میں ٹھہریں گے جب صلح نامہ لکھنے لگے تو لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی تو اہل مکہ نے کہا کہ اگر آپ کو ہم رسول اللہ ﷺ جانتے تو ہرگز نہ روکتے بلکہ آپ محمد بن عبداللہ لکھئے، آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ [illegible] بن عبداللہ ہوں پھر آپ نے حضرت علی بن ابوطالب سے فرمایا لفظ یا رسول اللہ کو مٹا دو۔ حضرت علی نے فرمایا نہیں [illegible] میں اسے ہرگز نہ مٹاؤں گا چنانچہ آپ نے اس صلح نامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر باوجود اچھی طرح لکھنا نہ جاننے [illegible] یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ﷺ یہ کہ مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں گے صرف تلوار ہوگی اور وہ بھی [illegible] میں اور یہ کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے ساتھ جانا چاہے گا اسے آپ اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور یہ کہ آپ کے ساتھیوں میں سے جو مکے میں رہنے کے ارادے سے ٹھہر جانا چاہے گا آپ اسے روکیں گے نہیں پس جب آپ آئے اور وقت مقررہ گزر چکا تو مشرکین حضرت علی کے پاس آئے اور کہا آپ حضور ﷺ سے کہئے کہ اب وقت گذر چکا تشریف لے جائیں چنانچہ آپ نے کوچ کر دیا۔ حضرت حمزہ کی صاحبزادی چچا چچا کہہ کر آپ کے پیچھے ہولیں حضرت علی نے انہیں لے لیا اور انگلی تھام کر حضرت فاطمہ کے پاس لے گئے اور فرمایا اپنے چچا کی لڑکی کو اچھی طرح رکھو حضرت زہرا نے بڑی خوشی سے بچی کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اب حضرت علی اور حضرت زید اور حضرت جعفر میں جھگڑا ہونے لگا حضرت علی فرماتے تھے انہیں میں لے آیا ہوں اور یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہیں حضرت جعفر فرماتے تھے میری چچا زاد بہن ہے اور ان کی خالہ میرے گھر میں ہیں۔ حضرت زید فرماتے تھے میرے بھائی کی لڑکی ہے آنحضرت ﷺ نے اس جھگڑے کا فیصلہ یوں کیا کہ لڑکی کو تو ان کی خالہ کو سونپا اور فرمایا خالہ قائم مقام ماں کے ہے حضرت علی سے فرمایا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ حضرت جعفر سے فرمایا کہ تو خلق اور خُلق میں مجھ سے پوری مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت زید سے فرمایا تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولیٰ ہے۔ حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ حضرت حمزہ کی لڑکی

سے نکاح کیوں نہ کرلیں؟ آپ نے فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہیں پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس خیر و مصلحت کو جانتا تھا اور جسے تم نہیں جانتے تھے اس بنا پر تمہیں اس سال مکہ میں نہ جانے دیا اور اگلے سال جانے دیا اور اس جانے سے پہلے ہی جس کا وعدہ خواب کی شکل میں رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا تمہیں فتح قریب عنایت فرمائی۔ یہ فتح وہ صلح ہے جو تمہارے دشمنوں کے درمیان ہوئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ کو ان دشمنوں پر اور تمام دشمنوں پر فتح دے گا اس نے آپ کو علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ بھیجا ہے، شریعت میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں علم اور عمل پس علم شرعی صحیح علم ہے اور عمل شرعی مقبولیت والا عمل ہے اس کے اخبار سچے، اس کے احکام سراسر عدل و حق والے۔ چاہتا یہ ہے کہ روئے زمین پر جتنے دین ہیں عربوں میں، عجمیوں میں، مسلمین میں، مشرکین میں، ان سب پر اس اپنے دین کو غالب اور ظاہر کرے اللہ کافی گواہ ہے اس بات پر کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی آپ کا مددگار ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ....

حضرات صحابہ کرامؓ کی فضیلت اور منقبت:

اس سورت میں جگہ جگہ صحابہ کرامؓ کی تعریف بیان فرمائی ہے پھر یہاں سورت کے ختم پر ان کی مزید توصیف و تعریف فرمائی ہے اولاً ارشاد فرمایا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں، اس مضمون کو سورۂ مائدہ میں: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ میں بھی بیان کیا ہے، اہل ایمان کی یہ شان ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں سخت رہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کریں یہ صفت حضرات صحابہ کرامؓ میں بہت زیادہ نمایاں تھی آج کل دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان دشمنان اسلام کے آگے پیچھے جاتے ہیں اور ان سے ڈرتے ہیں ان سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں ان پر رحم نہیں کرتے دنیاوی محبت نے اس پر آمادہ کر رکھا ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی: تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا اے مخاطب تو ان کو اس حال میں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کیے ہوئے کبھی سجدہ کیے ہوئے اس میں کثرت سے نماز پڑھنا اور نمازوں پر مداومت کرنا نوافل کا اہتمام کرنا راتوں کو نمازوں میں کھڑا ہونا سب داخل ہے۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ (یہ حضرات اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی تلاش کرتے ہیں) جو اعمال اختیار کرتے ہیں ان کے ذریعہ کوئی دنیاوی مقصد سامنے نہیں ہے ان کے اعمال اللہ کا فضل تلاش کرنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہیں۔

چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ اس کا مطلب بتاتے ہوئے صاحب معالم التنزیل نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے جو ظاہر لفظوں سے سمجھ میں آرہا ہے کہ مٹی پر سجدہ کرنے کی وجہ سے ان کے ماتھوں پر کچھ مٹی لگ جاتی ہے اور بعض حضرات نے یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے ان کے ذریعہ پہچانے جائیں گے کہ یہ لوگ نماز پڑھنے میں زیادہ مشغول رہتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اچھی عادت اور خصلت اور خشوع و تواضع مراد ہے جو لوگ کثرت سے نماز پڑھتے ہیں انہیں جو نماز کی برکات

حاصل ہوتی ہیں ان میں سے ایک بہت بڑی صفت خوش خلقی اور تواضع بھی ہے انکے چہروں سے انکی یہ صفت واضح ہوجاتی ہے۔

پھر فرمایا: ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ (ان کی مذکورہ صفت توریت میں بھی بیان کی گئی ہے) پھر انجیل میں جوان کی صفت بیان کی گئی اس کو بیان فرمایا ارشاد ہے: وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ..... (الی اخرہ) کہ انجیل میں ان لوگوں کی مثال یہ ہے کہ جیسے کسان نے نرم زمین میں بیج ڈالا اس زمین سے کھیتی کی سوئی نکلی یعنی ہلکا بہت پتلا تنا ظاہر ہوا، پھر یہ آگے بڑھا تو اس میں قوت آ گئی پھر اور آگے بڑھا تو موٹا ہو گیا ان حالتوں سے گزر کر اب وہ ٹھیک طریقے سے اپنی پنڈلی پر اچھی طرح کھڑا ہو گیا اب یہ ہرا بھرا بھی ہے اندھیرے سے نکل کر بڑھ بھی چکا ہے اور اس کا تنا اپنی جڑ پر کھڑا ہے کسان لوگ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں اس مثال میں یہ بتا دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اولاً تھوڑے سے ہوں گے پھر بڑھتے رہیں گے اور کثیر ہو جائیں گے اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بڑی قوت بن جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرات صحابہ کرامؓ پہلے تھوڑے سے تھے پھر بڑھتے رہے بڑھتے بڑھتے ہزاروں ہو گئے زمانہ نبوت ہی میں ایک لاکھ سے زیادہ ان کی تعداد ہو گئی پھر انہوں نے دین اسلام کو خوب پھیلایا قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے ان کے مقابلہ میں کوئی جماعت جم نہیں سکتی تھی۔

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو بڑھایا قوت و طاقت سے نوازا تا کہ ان کے ذریعہ کافروں کے دلوں کو جلادے کافروں کو یہ گوارا نہیں تھا اور نہ اب گوارا ہے کہ اسلام اور مسلمان پھیلیں پھولیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بھی بڑھا دیا اور مسلمانوں کو بھی قوت دے دی جیسا کہ سورۃ الصف میں فرمایا: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ. هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ، وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگر چہ کافروں کو ناگوار ہو اللہ وہی ہے جس نے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سب پر غالب فرما دے اگر چہ مشرکوں کو ناگوار ہو) یہ دوسری آیت: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ سورۂ توبہ اور سورۂ فتح میں بھی ہے جس کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۝ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کی مغفرت ہوگی اور انہیں اجر عظیم دیا جائے گا) یہ بات بطور قاعدہ کلیہ بیان فرمائی ہے لفظوں کا عموم حضرات صحابہ کو بھی شامل ہے اور ان کے بعد آنے والے اعمال صالحہ والے مؤمنین کو بھی۔

فائدہ: سورۃ الفتح میں حضرات صحابہؓ کی کئی جگہ تعریف فرمائی ہے اول فرمایا: هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ پھر فرمایا: لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا پھر فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ پھر فرمایا: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا پھر فرمایا: فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا پھر فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ..... پھر فرمایا: لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ پھر فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا اور سورۂ توبہ میں فرمایا: وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ .....

قرآن مجید کی ان تصریحات کو دیکھو اور روافض کی دشمنی کو دیکھو جو دو تین صحابہ کے علاوہ باقی سب کو کافر کہتے تھے اور فرقوں میں سے بعض صحابہ پر ہے جو لوگ حضرات صحابہ کو کافر کہتے ہیں وہ قرآنی تصریحات کے منکر ہونے کی وجہ سے خود کافر تھے، قرآن کے جھٹلانے کی وجہ سے جب ان لوگوں پر کفر عائد ہو گیا تو کہنے لگے یہ قرآن ہی وہ نہیں ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا وہ قرآن امام مہدی کے پاس ہے یہ کہنا خود کفر ہے اور قرآن نے بھی ان لوگوں کو کافر بتا دیا جن کے دل میں صحابہ کی طرف سے بغض ہو کیونکہ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ والی آیت پڑھی گئی، حضرت امام مالکؒ کے سامنے کسی نے حضرات صحابہ کی شان میں کچھ برا کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کے دل میں کسی بھی صحابی کی طرف سے بغض ہوگا آیت کریمہ کا عموم اس کو شامل ہوگا یعنی وہ آیت کا مصداق ہوگا (یعنی اس پر کفر عائد ہوگا)۔ (تفسیر قرطبی)

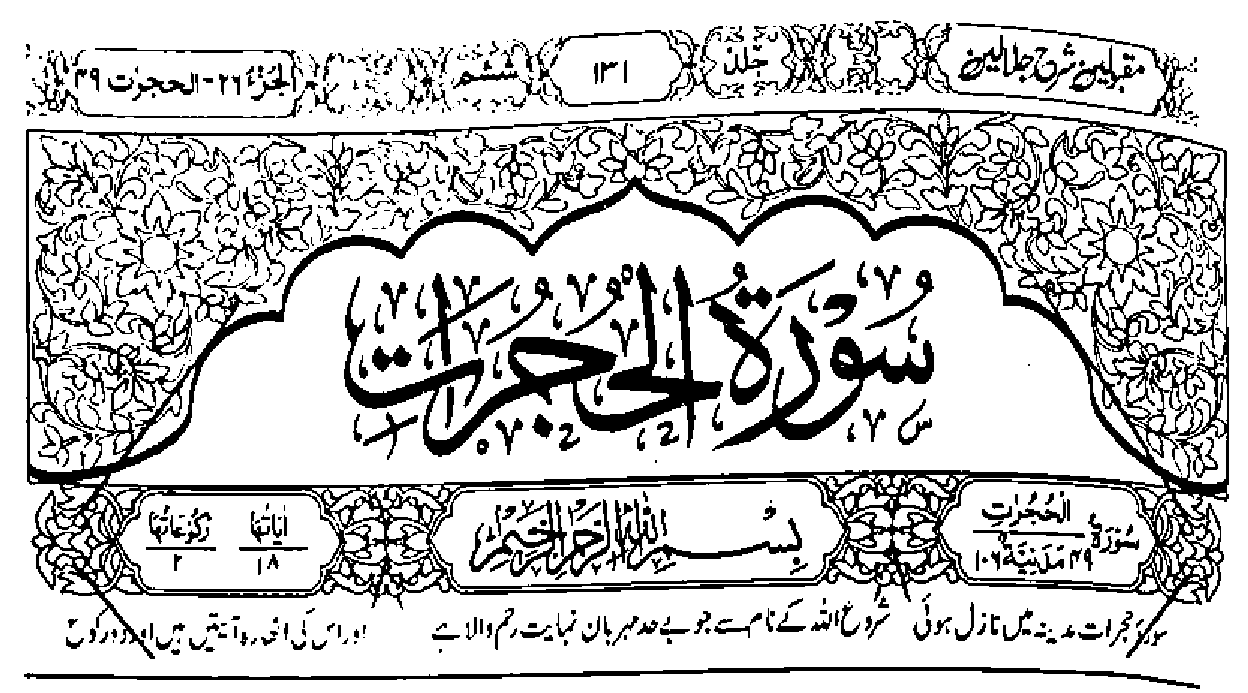
بعض شیعوں نے کہا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے ساتھ جو مِنْهُمْ کا اضافہ فرمایا ہے اس میں مِن تبعیضیہ ہے یہاں لوگوں کی جماعت ہے حضرات صحابہ سے بغض میں یہ بات کہہ رہے ہیں اور مزید کفر کی چادر میں لپٹ رہے تھے سیاق کلام سے واضح ہو رہا ہے کہ مِن بیانیہ ہے۔ اگر بالفرض مِن تبعیضیہ ہو تو کیا آیات قرآنیہ سے دو تین صحابہ کا ایمان ثابت ہوتا ہے جن کے ایمان کے روافض قائل تھے، اللہ تعالیٰ نے جو لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فرمایا ہے کیا اس سے ان چودہ پندرہ سو صحابہ کا ایمان اور عدم رضوان ثابت نہیں ہوتا جنہوں نے حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی تھے سورۃ توبہ میں جو مہاجرین اور انصار اور ان کے متبعین (اہل السنۃ والجماعۃ) کی رضامندی کا اعلان فرمایا ہے اس میں تو کہیں بھی منهم نہیں ہے یاد رہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی سابقین اولین میں سے تھے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور شیعہ اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں جو حضرات انصار اور مہاجرین سے راضی ہے جو شخص قصداً قرآن کو جھٹلائے ایمان سے محروم ہے اس سے کیا بات کی جا سکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو (دو بار فرمایا) میرے بعد تم انہیں نشانہ نہ بنانا، سو جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، اور جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی، اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی، اور جس نے اللہ کو اذیت دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوۃ)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہہ رہے تھے تو کہہ دو کہ تم پر اللہ کی لعنت ہے تمہارے شر کی وجہ سے۔ (ایضاً)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ (ان کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ) تم میں سے کوئی شخص اگر احد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کر دے تو یہ (ثواب کے اعتبار سے) ان میں سے کسی کے ایک مد یا نصف مد کو بھی نہیں پہنچے گا۔ (مشکوۃ عن البخاری ومسلم)

فائدہ: اس زمانہ میں عرب کے ایک پیمانہ کو مد کہتے تھے (جو انگریزی حساب سے ایک مد کا وزن ... گرام کے لگ بھگ ہوتا ہے۔ ۱۲



يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا مِنْ قَدَّمَ بِمَعْنٰى تَقَدَّمَ اَيْ لَا تَتَقَدَّمُوْا بِقَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ الْمُبَلِّغِ عَنْهُ اَيْ بِغَيْرِ اِذْنِهِمَا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ لِقَوْلِكُمْ عَلِيْمٌ ۝ بِفِعْلِكُمْ نَزَلَتْ فِيْ مُجَادَلَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَامِيْرِ الْاَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ اَوِ الْقَعْقَاعِ بْنِ مَعْبَدٍ وَ نَزَلَ فِيْ مَنْ رَفَعَ صَوْتَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ اِذَا نَطَقْتُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اِذَا نَطَقَ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ اِذَا نَاجَيْتُمُوْهُ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ بَلْ دُوْنَ ذٰلِكَ اِجْلَالًا لَهٗ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَيْ خَشْيَةَ ذٰلِكَ بِالرَّفْعِ وَالْجَهْرِ الْمَذْكُوْرَيْنِ وَ نَزَلَ فِيْ مَنْ كَانَ يَخْفِضُ صَوْتَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ غَيْرِهِمَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ اخْتَبَرَ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى اَيْ لِتَظْهَرَ مِنْهُمْ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اَلْجَنَّةُ وَ نَزَلَ فِيْ قَوْمٍ جَاۤءُوْا وَقْتَ الظَّهِيْرَةِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَنْزِلِهٖ فَنَادَوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ حُجُرَاتِ نِسَائِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمْعُ حُجْرَةٍ وَهِيَ مَا يُحْجَرُ عَلَيْهِ مِنَ الْاَرْضِ بِحَائِطٍ وَ نَحْوِهٖ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ نَادٰى خَلْفَ حُجْرَةٍ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَعْلَمُوْهُ فِيْ اَيِّهَا مُنَادَاةُ الْاَعْرَابِ بِغِلْظَةٍ وَ جَفَاءٍ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ فِيْمَا فَعَلُوْهُ مَحَلَّكَ الرَّفِيْعَ وَمَا يُنَاسِبُهٗ مِنَ التَّعْظِيْمِ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا اَنَّهُمْ فِيْ مَحَلِّ رَفْعٍ بِالْاِبْتِدَاءِ وَ قِيْلَ فَاعِلٌ لِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اَيْ ثَبَتَ حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لِمَنْ تَابَ مِنْهُمْ وَ نَزَلَ فِي الْوَلِيْدِ بْنِ عُقْبَةَ وَ قَدْ بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَنِى الْمُصْطَلَقِ مُصَدِّقًا فَخَافَهُمْ لِتِرَةٍ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَرَجَعَ وَقَالَ اِنَّهُمْ مَنَعُوا الصَّدَقَةَ وَهَمُّوْا بِقَتْلِه فَهَمَّ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَزْوِهِمْ فَجَاءُوْا مُنْكِرِيْنَ مَا قَالَهُ عَنْهُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ خبر فَتَبَيَّنُوْۤا صِدْقَهُ مِنْ كِذْبِه وَفِىْ قِرَاءَةٍ فَتَثَبَّتُوْا مِنَ الثَّبَاتِ اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا مَفْعُوْلٌ لَهُ اَىْ خَشْيَةَ ذٰلِكَ بِجَهَالَةٍ حَالٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَىْ جَاهِلِيْنَ فَتُصْبِحُوْا فَتَصِيْرُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ مِنَ الْخَطَاءِ بِالْقَوْمِ نٰدِمِيْنَ ۝ وَاَرْسَلَ اِلَيْهِمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ عَوْدِهِمْ اِلٰى بِلَادِهِمْ خَالِدًا فَلَمْ يَرَ فِيْهِمْ اِلَّا الطَّاعَةَ وَالْخَيْرَ فَاَخْبَرَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ فَلَا تَقُوْلُوا الْبَاطِلَ فَاِنَّ اللّٰهَ يُخْبِرُهُ بِالْحَالِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ الَّذِىْ تُخْبِرُوْنَ بِهِ عَلٰى خِلَافِ الْوَاقِعِ فَرَتَّبَ عَلٰى ذٰلِكَ مُقْتَضَاهُ لَعَنِتُّمْ لَاَثِمْتُمْ دُوْنَهُ اِثْمَ التَّسَبُّبِ اِلَى الْمُرَتَّبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ حَسَّنَهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اِسْتِدْرَاكٌ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى دُوْنَ اللَّفْظِ لِاَنَّ مَنْ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْاِيْمَانُ الخ غَايَرَتْ صِفَتُهُ صِفَةَ مَنْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ اُولٰٓئِكَ هُمُ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ الرّٰشِدُوْنَ ۝ۙ الثَّابِتُوْنَ عَلٰى دِيْنِهِمْ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ مَصْدَرٌ مَنْصُوْبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ اَىْ اَفْضَلَ وَنِعْمَةً ؕ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِهِمْ حَكِيْمٌ ۝ فِىْ اِنْعَامِهِ عَلَيْهِمْ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَلْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِىْ قَضِيَّةٍ هِىَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ حِمَارًا وَمَرَّ عَلَى ابْنِ اُبَىٍّ فَبَالَ الْحِمَارُ فَسَدَّ ابْنُ اُبَىٍّ اَنْفَهُ فَقَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ وَاللّٰهِ لَبَوْلُ حِمَارِهِ اَطْيَبُ رِيْحًا مِنْ مِسْكِكَ فَكَانَ بَيْنَ قَوْمَيْهِمَا ضَرْبٌ بِالْاَيْدِىْ وَالنِّعَالِ وَالسَّعَفِ اقْتَتَلُوْا جُمِعَ نَظْرًا اِلَى الْمَعْنٰى لِاَنَّ كُلَّ طَائِفَةٍ جَمَاعَةٌ وَقُرِئَ اقْتَتَلَتَا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ ثُنِّىَ نَظْرًا اِلَى اللَّفْظِ فَاِنْۢ بَغَتْ تَعَدَّتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ تَرْجِعَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ الْحَقِّ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ بِالْاِنْصَافِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِعْدِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فِى الدِّيْنِ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ اِذَا تَنَازَعَا وَقُرِئَ اِخْوَتِكُمْ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِى الْاِصْلَاحِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ؒ

ع
١٣

ترجمہ: اے اہل ایمان تم سبقت مت کیا کرو (یہ لفظ قدم بمعنی تقدم سے یعنی بات چیت یا کام میں پیش قدمی نہ کیا کرو) اللہ ورسول سے پہلے (جو اللہ کے پیغمبر ہیں یعنی ان دونوں کی اجازت کے بغیر) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلا شبہ اللہ تمہاری باتوں کو) سننے والے جاننے والے ہیں (تمہارے کاموں کے) پچھلی آیت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب کہ ان دونوں میں اقرع بن حابس اور قعقاع بن معبد کے امیر بنانے کے متعلق مباحثہ ہوا اور اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کی آواز حضورؐ کی موجودگی میں بلند ہوگئی تھی) اہل ایمان اپنی آوازیں (بات کرتے وقت) پیغمبر کی آواز سے اونچی مت کیا کرو (جب آپ مصروف گفتگو ہوں) اور نہ ان سے (سرگوشی کے وقت) ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو (بلکہ ادبا پست آواز سے بولا کرو) ایسا نہ کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (یعنی اونچی آواز ہونے اور زور سے بولنے میں یہ ڈر ملحوظ رہنا چاہیے۔ اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضورؐ کے سامنے پست آواز سے بات چیت کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضوان اللہ علیہما اجمعین) یقیناً جو لوگ اپنی آوازوں کو رسولؐ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خالص کر دیا (آزما لیا) ہے تقویٰ کیلئے (یعنی تا کہ ان کا تقویٰ نمایاں ہو جائے) ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے (جنت، اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو دوپہر کو حاضر ہوئے جب کہ آنحضرتؐ زنانخانے میں استراحت فرما رہے تھے اور انہوں نے آواز لگانی شروع کر دی) بلاشبہ جو لوگ حجروں سے باہر آپ کو پکارتے ہیں (زنانخانے سے باہر، حجرات حجرۃ کی جمع ہے۔ زمین کا وہ ٹکڑا جو دیوار وغیرہ سے گھیر دیا جائے۔ ان میں سے ہر ایک الگ الگ حجروں میں آواز لگاتا پھرتا تھا۔ کیونکہ ان کو پتہ نہیں تھا کہ آپؐ کس حجرہ میں تشریف فرما ہیں اور آواز بھی گاؤں والوں کی طرح اکھڑپنے سے) ان میں سے اکثر بے سمجھ ہیں (ان کا یہ طرز عمل آپ کے بلند رتبہ اور اس کے شایان شان تعظیم سے ناواقفیت پر مبنی ہے) اور اگر یہ لوگ ذرا صبر کرتے (انہم مبتداء ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور بعض کے نزدیک فعل محذوف مثبت کا فاعل ہے) یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کیلئے بہتر ہوتا اور اللہ غفور رحیم ہے (ان میں سے جنہوں نے توبہ کر لی، اگلی آیت ولید بن عقبہ کے بارہ میں نازل ہوئی جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصدق بنا کر بنو المصطلق کے یہاں روانہ فرمایا۔ انہیں اس پرانی دشمنی کی وجہ سے اندیشہ پیدا ہوا۔ جو ان میں باہم زمانہ جاہلیت میں قائم تھی۔ اور ولید نے واپس ہو کر عرض کیا کہ بنو المصطلق والے زکوٰۃ نہیں دیتے بلکہ میرے قتل کے درپے ہو گئے چنانچہ یہ سن کر آپ کو بھی فوج کشی کا خیال ہو گیا۔ مگر اس قبیلہ کے لوگوں نے حاضر ہو کر ولید کے الزام کی تردید کی) اے اہل ایمان! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (جھوٹ اور سچ کی۔ اور ایک قراءت میں فتثبتوا ہے ثبات سے ماخوذ) ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو کوئی نقصان پہنچ جائے (ان تصیبوا مفعول لہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے "خشیۃ ذلک") نادانی سے (فاعل سے

حال ہے بمعنی جاہلین) پھر تمہیں اپنے کئے پر (قوم کے ساتھ غلطی کرنے پر) پچھتانا پڑے (آنحضرتؐ نے بنی المصطلق کی واپسی کے بعد پھر ان کے پاس حضرت خالد بن ولیدؓ کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے ان لوگوں میں بجز فرمانبرداری اور بھلائی کے کوئی بات نہیں دیکھی جس کی اطلاع انہوں نے آنحضرتؐ کو دے دی) اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ہیں (لہٰذا غلط بات مت کہو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ صحیح صورتحال سے آپ کو مطلع فرمادے گا) بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر پیغمبر ان میں تمہارا کہا مانا کریں (جو خلاف واقعہ باتیں تم نے پہنچائی ہیں ان پر اگر ان کا مقتضیٰ مرتب ہو جائے) تو تم کو بڑی مضرت پہنچے (تم گنہگار ہو جاؤ گے، حضورؐ پر کوئی الزام نہیں اور یہ گناہ، گناہ کا سبب بننے کی وجہ سے ہوگا اس پر ثمرہ مرتب ہونے تک) لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں سجادیا۔ (مستحسن بنادیا) اور کفر وفسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی (لکن سے استدراک بلحاظ معنی ہے لفظی اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ اہل ایمان جن کی شان یہ ہو ان کی کیفیت مذکورہ بالا کیفیت سے مختلف ہوتی ہے) ایسے ہی لوگ (اس میں خطاب سے التفات ہے) راہ راست پر ہیں (دین پر قائم) اللہ کے فضل (مصدر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای افضل فضلا) اور (اس کے) انعام سے اور اللہ تعالیٰ (ان سے) باخبر حکمت والا ہے (ان پر انعام کرنے میں) اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ (یہ آیت ایک واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ گدھے پر سوار ہو کر ابن ابی کے پاس سے ہو کر گزرے۔ اتفاقاً گدھے نے پیشاب کر دیا۔ جس پر عبداللہ ابن ابی نے اپنی ناک بند کر لی۔ عبداللہ بن رواحہؓ بولے کہ واللہ آپؐ کے گدھے کا پیشاب تیرے مشک کی خوشبو سے اچھا ہے۔ چنانچہ طرفین میں ہاتھا پائی، جوتم پیزار، لچی بازی شروع ہوگئی) آپس میں لڑ پڑیں (بلحاظ معنی جمع لائی گئی ہے۔ کیونکہ ہر فریق ایک پوری جماعت تھی اور ایک قراءت میں اقتتلتا بھی ہے) تو تم ان کے درمیان اصلاح کر دو۔ (یہاں تثنیہ بلحاظ لفظ لایا گیا) پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی (ظلم) کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم (حق) کی طرف رجوع ہو جائے (لوٹ آئے) پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل (انصاف) کے ساتھ اصلاح کر دو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔ مسلمان تو سب (دینی) بھائی بھائی ہیں۔ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو (جب وہ جھگڑ پڑیں۔ ایک قراءت میں اخوتکم تا کے ساتھ ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو (اصلاح کے معاملہ میں) تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: فضلا: یہ کرہ یا حبب کی علت ہے۔ اور ان کے مابین جملہ معترضہ ہے۔ راشدین کی نہیں۔

قوله: بَيْنَ يَدَيِ اللهِ : یعنی آپ کے فیصلہ سے پہلے کوئی فیصلہ مت کرو۔ اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف بطور استعارہ ہے۔

قوله: بِمَعْنٰى تَقَدَّمَ : یعنی یہ لازم ہے مفعول مقدر کی ضرورت نہیں۔

قوله : خَشْيَةَ : ان تحبط منصوب المحل ہے کیونکہ مفعول لہ اس کا مضاف محذوف ہے نہیں سے متعلق ہے۔ انتهوا عما نهيتم لحبط اعمالكم اس سے رک جاؤ جس سے تمہیں حبط اعمال کے خطرے کی خاطر روکا گیا ہے۔

قوله: لِتَظْهَرَ : اللہ تعالیٰ نے تقوی کے لیے ان کو تکالیف شاقہ میں ڈالا وہ صبر سے ظاہر ہوتا ہے۔

قوله: مِنْ وَّرَآءِ : پردے، باہر یا پیچھے سے۔

قوله: هِيَ مَا يُحْجَرُ : جورو کے اور حفاظت کرے۔

قوله: كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ : ہر ایک کی طرف نداء کی اسناد حقیقی ہے۔

قوله: مُنَادَاهُ : جیسے دیہاتی درشتی سے آواز دیتے ہیں۔

قوله: لَوْ : زجاج کے ہاں فعل کے ساتھ خاص ہے خواہ لفظا ہو یا تقدیرا۔

قوله: مُصَدِّقًا : صدقات وصول کرنے والا۔

قوله: لِتِرَةٍ : عداوت وکینہ۔

قوله: فَتَبَيَّنُوْا : پڑتال کرلو۔ تا کہ حالت واضح ہو جائے۔

قوله : نٰدِمِيْنَ : لازم غم میں مبتلا کہ کاش ایسا ہو جائے۔

قوله: اَلْفُسُوْقَ : میانہ روی سے نکلنا۔

قوله: اَلْعِصْيَانَ : اطاعت سے رک جانا۔

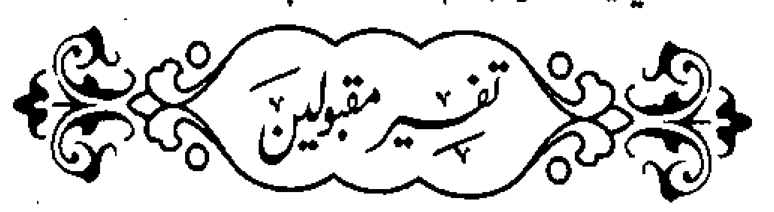
قوله: فَضْلًا : یہ کرہ یا حبب کی علت ہے اور ان کے مابین جملہ معترضہ ہے۔ راشدین کی نہیں۔

قوله: بَيْنَ قَوْمَيْهِمَا : یہ اوس خزرج تھے۔

قوله: اِقْتَتَلَنَا : لفظ کے لحاظ سے صیغہ تثنیہ ہے۔

قوله: اَقْسِطُوْا : تمام امور میں انصاف کرو۔

قوله: اَخَوَيْكُمْ : دو کا تذکرہ کیا کیونکہ مابین بہت کم اختلاف ہوتا ہے۔



سورۃ حجرات مدنیہ ہے جس کی اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

(پچھلی سورت سے ربط) گذشتہ سورت میں فتح مبین کا اعلان اور فتح خیبر کی بشارت تھی، فارس اور روم سے جہاد کا ذکر تھا

جو خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں ہوا ان مضامین کے ساتھ مخلصین اور غیر مخلصین کا فرق اور ان کے کچھ احوال بھی بیان ہوئے اور اہل ایمان میں وہ ہستیاں جن کو حق تعالیٰ شانہ نے امت کے واسطے ایک نمونہ بنایا یعنی حضرات صحابہؓ خاص طور سے ان کے اوصاف وفضائل بیان کئے گئے تو اب اس سورت میں بوضاحت خلفائے راشدینؓ کے ایمان وانقیاد واطاعت رسول اللہ ﷺ کا وہ رنگ بیان کیا جارہا ہے جس کے باعث وہ ان کرامتوں اور بشارتوں کے مستحق ہوئے جو گزشتہ سورت میں بیان کی گئیں اور ساتھ ہی انکے قلوب کی پاکی اور تقوی کے امتحان کا ذکر ہے کہ: " اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى" کہ خداوند عالم نے انکے دلوں اور قلوب کے باطنی تقوی کا امتحان لے لیا ہے جس میں الحمد للہ انکی کامیابی کا اعلان ان کلمات نے کردیا جس کے اولین اور عظیم ترین مصداق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہیں جیسا کہ مفسرین نے اس کے شان نزول میں بیان کیا اسی کے ساتھ آداب رسول اور حقوق رسالت کا بھی بیان ہے کہ امتی پر رسول اللہ ﷺ کے کیا کیا حقوق عائد ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا....

رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور خدمت عالی میں حاضری کے احکام وآداب کی تلقین!

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات جن گھروں میں رہتی تھیں انہیں حجرات سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ یہ گھر چھوٹے چھوٹے تھے اور پختہ عمارتیں بھی نہ تھیں کھجوروں کی ٹہنیوں سے بنادی گئی تھیں چونکہ اس سورت کے پہلے رکوع میں ان حجروں کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت سورۃ الحجرات کے نام سے موسوم ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے توقیر اور احترام کی تلقین فرمائی اور اس سلسلے میں چند آداب ارشاد فرمائے ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ اے ایمان والو تم اللہ اور رسول سے سبقت مت کرو یہ: لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کا ترجمہ ہے ان الفاظ میں بڑی جامعیت ہے حضرات مفسرین کرام نے اس کے متعدد معنی لکھے ہیں حضرت مجاہد نے فرمایا کہ تم پہلے سے کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہہ دو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرو وہ اپنے رسول کی زبانی جو فیصلہ فرمادے اس کے مطابق عمل کرو حضرت سفیان ثوریؒ نے بھی تقریباً یہی مطلب بتایا ہے، حضرت قتادہؓ نے فرمایا یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو یوں کہا کرتے تھے کہ اس بارے میں کچھ حکم نازل ہوجاتا اور فلاں مسئلہ میں کوئی قانون نازل ہوجاتا تو اچھا تھا اللہ تعالیٰ کو ان کی بات پسند نہ آئی اور فرمایا اللہ اور اس کے رسول سے سبقت نہ کرو۔

(معالم التنزیل ص ۲۰۹ ج ۴، ابن کثیر ص ۲۰۵ ج ۴)

ساتھ ہی وَاتَّقُوا اللّٰهَ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

حضرت امام بخاریؒ نے عبد اللہ بن ابی ملیکہ سے بواسطہ عبد اللہ بن الزبیرؓ نقل کیا ہے کہ بنی تمیم کا ایک قافلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور انہوں نے عرض کیا کہ کسی شخص کو ہمارا امیر بنا دیجیے (ابھی تک آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں

فرمایا تھا کہ) حضرت ابوبکرؓ نے قعقاع بن معبد کو امیر بنانے کا مشورہ دیا اور حضرت عمرؓ نے اقرع بن حابس کے امیر بنانے کی رائے پیش کی۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا تمہارا اس کے علاوہ کچھ مقصد نہیں ہے کہ میری مخالفت کرو، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی مخالفت کے طور پر اپنی رائے نہیں پیش کی، اس پر جھگڑا ہونے لگا جس سے دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، لہٰذا آیت کریمہ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا (آخر تک) نازل ہوگئی۔

معالم التنزیل میں ہے کہ اس موقع پر شروع سورت سے لے کر اجر عظیم تک آیات نازل ہوگئیں، جن میں اللہ اور رسول ﷺ کے حکم سے آگے بڑھنے کی اور آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے آوازیں بلند کرنے کی ممانعت فرمادی اور یہ حکم بھی فرما دیا کہ رسول اللہ ﷺ سے باتیں کرو تو ادب کا خیال رکھو اور اس طرح اونچی آواز سے بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو، ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا: أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○ ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز پر تمہاری آواز بلند ہو جائے اور اس کی وجہ سے تمہارے اعمال حبط ہو جائیں یعنی تمہاری نیکیاں ختم کر دی جائیں اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ ہو، صحیح بخاری میں ہے کہ آیات مذکورہ نازل ہونے کے بعد حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اتنا آہستہ بولتے تھے کہ پوچھنا پڑتا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۷۱۸)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس صحابیؓ کو اپنی مجلس سے غیر حاضر پایا تو آپ کو اس کا احساس ہوا، ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کا پتہ چلاتا ہوں وہ حضرت ثابتؓ کے پاس آئے اور انہیں اس حال میں دیکھا کہ اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں، دریافت کیا کہ آپ کو کیا ہوا؟ جواب دیا کہ میری آواز بلند ہے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر اپنی آواز بلند کر چکا ہوں (جو اپنی عادت کے طور پر تھی) لہٰذا میں اہل نار میں سے ہوں اس شخص نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو جا کر بتادی آپ نے فرمایا کہ جاؤ انہیں جا کر بتا دو کہ اہل نار میں سے نہیں ہیں بلکہ اہل جنت میں سے ہیں۔ (صحیح بخاری، ص ۵۱۰، ۷۱۸)

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ آیت بالا نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح پست آواز سے بات کرتے تھے کہ جیسے کوئی شخص راز داری کی باتیں کر رہا ہو، اور حضرت ابن زبیرؓ نے بتایا کہ جب یہ آیت نازل ہوگئی تو حضرت عمرؓ اتنی آہستہ بات کرتے تھے کہ صرف رسول اللہ ﷺ ان کی بات سن سکیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ آپ سوال فرماتے تھے کہ کیا کہا؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ نازل فرمائی۔

بے شک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آواز کو پست کرتے ہیں ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے۔

امْتَحَنَ لفظ امتحان سے ماضی کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ ''جانچ کرنا'' کیا گیا ہے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں:

امْتَحَنَ. اَخْلَصَ کے معنی میں ہے جس طرح سونے کو پگھلا کر خالص کردیا جاتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے قلوب کو تقویٰ کے لیے خالص کردیا ہے ان کے قلوب میں تقویٰ ہی تقویٰ ہے۔

فائدہ: حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے سامنے بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے جیسا کہ آپ کی زندگی میں ایسا کرنا مکروہ تھا کیونکہ آپ کا احترام اب بھی واجب ہے اور آپ کو برزخی حیات حاصل ہے۔

جب خدمت عالی میں سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہو تو دھیمی آواز میں سلام پیش کرے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کا ایک تیسرا ادب سکھلایا گیا ہے کہ جس وقت آپ اپنے مکان اور آرام گاہ میں تشریف فرما ہوں اس وقت باہر کھڑے ہو کر آپ کو پکارنا خصوصاً گنوار پن کے ساتھ کہ نام لے کر پکارا جائے یہ بے ادبی ہے عقل والوں کے یہ کام نہیں۔ حجرات، حجرہ کی جمع ہے اصل لغت میں حجرہ ایک چار دیواری سے گھرے ہوئے مکان کو کہتے ہیں جس میں کچھ صحن ہو کچھ مسقف عمارت ہو۔ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات مدینہ طیبہ میں نو تھیں ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک حجرہ الگ الگ تھا جن میں آپ باری باری تشریف فرما ہوتے تھے۔

حجرات امہات المؤمنین:

ابن سعد نے بروایت عطا خراسانی لکھا ہے کہ یہ حجرات کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اور ان کے دروازوں پر موٹے سیاہ اون کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے داؤد بن قیس سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان حجرات کی زیارت کی ہے میرا گمان یہ ہے کہ حجرہ کے دروازہ سے مسقف بیت تک چھ سات ہاتھ ہوگا اور بیت (کمرہ) دس ہاتھ اور چھت کی اونچائی سات آٹھ ہاتھ ہوگی۔ یہ حجرات امہات المؤمنین ولید بن عبدالملک کی حکومت میں ان کے حکم سے مسجد نبوی میں شامل کردیئے گئے۔ مدینہ میں اس روز لوگوں پر گریہ و بکا طاری تھی۔

سبب نزول:

امام بغوی نے بروایت قتادہ ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔ یہ دوپہر کے وقت مدینہ میں پہنچے جبکہ آپ کسی حجرہ میں آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ اعراب آداب معاشرت سے ناواقف تھے۔ انہوں نے حجرات کے باہر ہی سے پکارنا شروع کردیا، اخرج الینا یا محمد اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے کی ممانعت اور انتظار کرنے کا حکم دیا گیا۔ مسند احمد۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت مختلف الفاظ سے آئی ہے۔ (مظہری)

تنبیہ: صحابہ و تابعین نے اپنے علماء و مشائخ کے ساتھ بھی اسی ادب کا استعمال کیا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ جب میں کسی عالم صحابی سے کوئی حدیث دریافت کرنا چاہتا تھا تو ان کے مکان پر پہنچ کر ان کو آواز یا دروازہ پر دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازہ کے باہر بیٹھ جاتا تھا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لاویں گے اس وقت ان

ے دریافت کروں گا، وہ مجھے دیکھ کر فرماتے کہ اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی، آپ نے دروازہ پر دستک دے کر
کیوں نہ اطلاع کر دی تو ابن عباس نے فرمایا کہ عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کی شان میں یہ
ہدایت فرمائی ہے کہ ان کے باہر آنے کا انتظار کیا جائے۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازہ پر جا
کر دستک نہیں دی بلکہ اس کا انتظار کیا کہ وہ خود ہی جب باہر تشریف لاویں گے اس وقت ملاقات کروں گا۔ (روح المعانی)

مسئلہ: آیت مذکورہ میں: حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ میں الیہم کی قید بڑھانے سے یہ ثابت ہوا کہ صبر و انتظار اس وقت تک
کرنا ہے جب تک کہ آپ لوگوں سے ملاقات و گفتگو کے لئے باہر تشریف لائیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا باہر تشریف لانا
کسی دوسری ضرورت سے ہو اس وقت بھی آپ سے اپنے مطلب کی بات کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کا انتظار کریں کہ جب
آپ ان کی طرف متوجہ ہوں اس وقت بات کریں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ ....

شانِ نزول: اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد یہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن
ضرار بن ابی ضرار جن کی صاحبزادی حضرت جویریہ بنت حارث امہات المؤمنین میں سے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ
ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے اسلام کو قبول کیا اور
زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر ان کو بھی اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی طرف دعوت دوں گا۔
جو لوگ میری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان کی زکوٰۃ جمع کرلوں گا اور آپ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا
کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں تا کہ جو رقم زکوٰۃ کی میرے پاس جمع ہو جائے اس کو سپرد کر دوں، پھر جب حارث نے حسب
وعدہ ایمان لانے والوں کی زکوٰۃ جمع کر لی اور وہ مہینہ اور تاریخ جو قاصد بھیجنے کے لئے طے ہوئی تھی گزر گئی اور آپ کا کوئی
قاصد نہ پہنچا تو حارث کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ شاید رسول اللہ ﷺ ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ
وعدے کے مطابق اپنا آدمی نہ بھیجتے۔ حارث نے اس خطرہ کا ذکر اسلام قبول کرنے والوں کے سرداروں سے کیا اور ارادہ کیا
کہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاویں۔ ادھر واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے مقررہ تاریخ پر ولید
بن عقبہ کو اپنا قاصد بنا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیج دیا تھا مگر ولید بن عقبہ کو راستہ میں یہ خیال آیا کہ اس قبیلہ کے لوگوں
سے میری پرانی دشمنی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں اس خوف کے سبب وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ
ﷺ سے جا کر یہ کہا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا ارادہ کیا اس پر رسول اللہ ﷺ کو غصہ آیا
اور حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک دستہ مجاہدین کا روانہ کیا، ادھر یہ دستہ مجاہدین کا روانہ ہوا ادھر سے حارث مع اپنے
ساتھیوں کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے نکلے، مدینہ کے قریب دونوں کی ملاقات ہوئی۔ حارث نے ان
لوگوں سے پوچھا کہ آپ کن لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ حارث نے
سبب پوچھا تو ان کو واقعہ ولید بن عقبہ کے بھیجنے کا اور ان کی واپسی کا بتلایا گیا اور یہ کہ ولید بن عقبہ نے رسول اللہ ﷺ کے
سامنے یہ بیان دیا ہے کہ بنی المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔ حارث نے یہ سن کر کہا کہ

قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں اور نہ وہ میرے پاس آئے۔ اس کے بعد حارث جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حارث نے کہا کہ ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو پیغام حق دے کر بھیجا ہے نہ وہ میرے پاس آئے نہ میں نے ان کو دیکھا۔ پھر جب مقررہ وقت پر آپ کا قاصد نہ پہنچا تو مجھے خطرہ ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی قصور ہوا جس پر حضور ناراض ہوئے اس لئے میں حاضر خدمت ہوا۔ حارث فرماتے ہیں کہ اس پر سورۃ حجرات کی آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

اور بعض روایات میں ہے کہ ولید بن عقبہ حسب الحکم بنی المصطلق میں پہنچے، اس قبیلہ کے لوگوں کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ اس تاریخ پر حضور کا قاصد آ دے گا یہ تعظیماً بستی سے باہر نکلے کہ ان کا استقبال کریں۔ ولید بن عقبہ کو شبہ ہو گیا کہ یہ شاید پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آئے ہیں یہیں سے واپس ہو گئے اور جا کر حضور ﷺ سے اپنے گمان کے مطابق یہ عرض کر دیا کہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہیں، بلکہ میرے قتل کے درپے ہوئے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ خوب تحقیق کر لیں اس کے بعد کوئی اقدام کریں۔ خالد بن ولید نے بستی سے باہر رات کو پہنچ کر قیام کیا اور تحقیق حال کے لئے چند آدمی بطور جاسوس کے خفیہ بھیج دیئے۔ ان لوگوں نے آ کر خبر دی کہ یہ سب لوگ اسلام وایمان پر قائم، نماز وزکوۃ کے پابند ہیں اور کوئی بات خلاف اسلام نہیں پائی گئی، خالد بن ولید نے واپس آ کر آنحضرت ﷺ کو یہ سارا واقعہ بتلایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (یہ ابن کثیر کی متعدد روایات کا خلاصہ ہے)

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریر فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے ان پر کوئی الزام لگائے تو اس کی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں

آیت سے متعلقہ احکام ومسائل:

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے، کیونکہ اس آیت میں ایک قراءت تو فتثبتوا کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے اور جب فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز نہ ہوا تو شہادت کو قبول کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا کیونکہ ہر شہادت ایک خبر ہوتی ہے جو حلف وقسم کے ساتھ موکد کی جاتی ہے، اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں، البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آیت قرآن میں اس حکم کی ایک خاص علت منصوص ہے یعنی اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ، تو جن معاملات میں یہ علت موجود نہیں وہ آیت کے حکم میں داخل نہیں یا مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین الحکام وغیرہ میں ہے۔ احکام القرآن عربی ضرب سادس میں اس کی تفصیل لکھی ہوئی ہے اہل علم اس میں دیکھ سکتے ہیں۔

ایک اہم سوال وجواب متعلقہ عدالت صحابہ:

اس آیت کا ولید بن عقبہ کے متعلق نازل ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے اور آیت میں ان کو فاسق کہا گیا ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں کوئی فاسق بھی ہوسکتا ہے اور یہ اس مسلمہ اور متفق علیہ ضابطہ کے خلاف ہے کہ الصحابۃ کلھم عدول، یعنی صحابہ کرام سب کے سب ثقہ ہیں ان کی کسی خبر وشہادت پر کوئی گرفت نہیں کی جاسکتی۔ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں فرمایا کہ اس معاملے میں حق بات وہ ہے جس کی طرف جمہور علماء گئے ہیں کہ صحابہ کرام معصوم نہیں ان سے گناہ کبیرہ بھی سرزد ہوسکتا ہے جو فسق ہے اور اس گناہ کے وقت ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں یعنی شرعی سزا جاری کی جائے گی اور اگر کذب ثابت ہوا تو ان کی خبر وشہادت رد کردی جائے گی لیکن عقیدہ اہل سنت والجماعت کا نصوص قرآن وسنت کی بنا پر یہ ہے کہ صحابی سے گناہ تو ہوسکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کرکے پاک نہ ہوگیا ہو۔ قرآن کریم نے علی الاطلاق ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرمادیا ہے رضی الله عنهم و رضوا عنه....، اور رضائے الٰہی گناہوں کی معافی کے بغیر نہیں ہوتی، جیسا کہ قاضی ابو یعلی نے فرمایا کہ رضا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے وہ اپنی رضا کا اعلان صرف انہی کے لئے فرماتے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ ان کی وفات موجبات رضا پر ہوگی۔

(کذا فی الصارم المسلول لابن تیمیہ)

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی عظیم الشان جماعت میں سے گنے چنے چند آدمیوں سے کبھی کوئی گناہ سرزد بھی ہوا ہے تو ان کو فوراً توبہ نصیب ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان کو رسول کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے ایسا بنادیا تھا کہ شریعت ان کی طبیعت بن گئی تھی۔ خلاف شرع کوئی کام یا گناہ سرزد ہونا انتہائی شاذ ونادر تھا ان کے اعمال صالحہ، نبی کریم ﷺ اور اسلام پر اپنی جانیں قربان کرنا اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اتباع کو وظیفہ زندگی بنانا اور اس کے لئے ایسے مجاہدات کرنا جن کی نظیر پچھلی امتوں میں نہیں ملتی۔ ان بے شمار اعمال صالحہ اور فضائل وکمالات کے مقابلے میں عمر بھر میں کسی گناہ کا سرزد ہوجانا اس کو خود ہی کالعدم کردیتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت وعظمت اور ادنیٰ سے گناہ کے وقت ان کا خوف خشیت اور فوراً توبہ کرنا بلکہ اپنے آپ کو سزا کے لئے خود پیش کردینا، کہیں اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دینا وغیرہ روایات حدیث میں معروف مشہور ہیں اور بحکم حدیث گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے کہ جیسے گناہ کیا ہی نہیں۔ تیسرے حسب ارشاد قرآن اعمال صالحہ اور حسنات خود بھی گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں (آیت) ان الحسنات یذھبن السیات خصوصاً جبکہ ان کے حسنات عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ان کا حال وہ ہے جو ابوداؤد وترمذی نے حضرت سعید بن زید سے نقل کیا ہے کہ: والله لمشهد رجل منهم مع النبي ﷺ يغبر فيه وجهه خير من عمل احدکم ولو عمر عمر نوح، یعنی خدا کی قسم ان میں سے کسی شخص کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں ان کے چہرہ پر غبار پڑ گیا ہو تمہاری عمر بھر کی اطاعت وعبادت سے افضل ہے اگرچہ اس کو عمر نوح علیہ السلام دے دی گئی ہو۔ اس لئے ان سے صدور گناہ کے وقت اگرچہ سزا وغیرہ میں معاملہ وہی کیا گیا جو اس جرم کے لئے مقرر تھا مگر اس کے باوجود

بعد میں کسی کے لئے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کو فاسق قرار دے، اس لئے اگر آنحضرت ﷺ کے عہد میں کسی صحابی سے کوئی گناہ موجب فسق سرزد بھی ہوا اور اس وقت ان کو فاسق کہا بھی گیا تو اس سے یہ جائز نہیں ہوجاتا کہ اس فسق کو ان کے لئے مستمر سمجھ کر معاذ اللہ فاسق کہا جائے۔ (کذا فی الروح)

اور آیت مذکورہ میں تو قطعاً یہ ضروری نہیں کہ ولید بن عقبہ کو فاسق کہا گیا ہو سبب نزول خواہ ان کا معاملہ ہی سہی مگر لفظ فاسق ان کے لئے استعمال کیا گیا یہ ضروری نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو ولید بن عقبہ سے کوئی ایسا کام ہوا نہ تھا جس کے سبب ان کو فاسق کہا جائے اور اس واقعہ میں بھی جو انہوں نے بنی المصطلق کے لوگوں کی طرف ایک بات غلط منسوب کی وہ بھی اپنے خیال کے مطابق صحیح سمجھ کر کی اگرچہ واقع میں غلط تھی اس لئے آیت مذکورہ کا مطلب بے تکلف وہ بن سکتا ہے جو خلاصہ تفسیر میں اوپر گزرا ہے کہ اس آیت نے قاعدہ کلیہ فاسق کی خبر کے نامقبول ہونے کے متعلق بیان کیا ہے اور واقعہ مذکورہ پر اس آیت کے نزول سے اس کی مزید تاکید اس طرح ہوگئی کہ ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہ تھے مگر ان کی خبر قرائن تو یہ کے اعتبار سے ناقابل قبول نظر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے محض ان کی خبر پر کسی اقدام سے گریز کر کے خالد بن ولید کو تحقیقات پر مامور فرما دیا تو جب ایک ثقہ اور صالح آدمی کی خبر میں قرائن کی بنا پر شبہ ہوجانے کا معاملہ یہ ہے کہ اس پر قبل از تحقیق عمل نہیں کیا گیا تو فاسق کی خبر کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا اور زیادہ واضح ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ ....

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و انعام سے تمہارے دلوں میں ایمان کو مزین فرما دیا اور کفر و فسوق اور عصیان کو مکروہ بنا دیا:

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے امت مسلمہ کو اپنا ایک بہت بڑا انعام یاد دلایا اور فرمایا کہ دیکھو تمہارے اندر اللہ کا رسول موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ تمہارے اندر اپنے رسول کو مبعوث فرما دیا: وھذا کقولہ تعالی: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ دوسری بات یہ بتائی کہ ہمارا رسول جو عمل کرتا ہے اور تمہیں جو حکم دیتا ہے اس میں ان کی اپنی مصلحت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مدد بھی ہوتی ہے بعض مواقع میں تم مشورہ بھی دیتے ہو تمہارے بہت سے مشورے نتائج کے اعتبار سے ٹھیک نہیں ہوتے لہٰذا رسول اللہ ﷺ ان کے مطابق عمل نہیں کرتے تم اس سے دلگیر نہ ہو اگر وہ تمام امور میں تمہاری رائے پر چلیں تو بہت سی باتیں ایسی ہوں گے ان کے بارے میں تمہاری رائے قبول کرلی جائے گی تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے اور تمہیں اس کا نقصان پہنچ جائے گا۔

تیسری بات یہ فرمائی (جو بطور امتنان ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اسے تمہارا محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرما دیا تمہارے دل نور ایمان سے منور ہیں اور اس جگمگاہٹ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سچا مؤمن بندہ کسی قیمت پر بھی ایمان کی نعمت سے محروم ہوجانے پر راضی نہیں ہوتا مزید انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے دلوں میں کفر اور فسوق اور نافرمانی کو مکروہ بنا دیا تمہیں کفر سے بھی نفرت ہے اور گناہوں سے بھی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں جس کے اندر ہوں وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا:

1 جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول اللہ ﷺ ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہوں۔ 2 دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔ 3 جب اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچا دیا تو اب وہ کفر میں واپس جانے کو اتنا ہی برا جانتا ہو جتنا آگ میں ڈالے جانے کو مکروہ جانتا ہے۔ (رواہ البخاری ۷ ج ۱)

جن لوگوں کے دلوں میں ایمان محبوب اور مزین ہو گیا اور نافرمانی سے نفرت ہو گئی ان کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ (یہ لوگ راہ ہدایت پر ہیں) فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۚ اور اللہ تعالیٰ کی یہ بخششیں فضل اور انعام کے طور پر ہیں اللہ کے ذمہ کسی کا کوئی واجب نہیں ہے وہ جسے جو بھی نعمت عطا فرمائے وہ اس کا فضل ہی فضل ہے اور انعام ہی انعام ہے آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اور اللہ علیم ہے اسے سب کا ظاہر باطن معلوم ہے اور حکیم بھی ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق انعام سے نوازتا ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ....

مؤمنین کی دو جماعتوں میں قتال ہو تو انصاف کے ساتھ صلح کرا دو، سب مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں:

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جاتے تو اچھا ہوتا۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا اسلام کے اور مسلمانوں کے خلاف خود یہ اور اس کے ساتھی کچھ نہ کچھ حرکتیں کرتے رہتے تھے جس شخص نے اس کے پاس آنے کی رائے دی تھی اس کا مطلب بظاہر یہ تھا کہ آپ خود ہی اس کے پاس تشریف لے جائیں گے تو ممکن ہے اس کا مخالفانہ جذبہ ختم ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو جائے رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمان بھی تھے جو پیدل چل رہے تھے آپ ایک شور زمین سے گزرے جب عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچے تو اس نے کہا اجی تم مجھ سے دور رہو تمہارے گدھے کی بدبو سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے اس کے جواب میں ایک انصاری صحابی نے کہا کہ اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا گدھا خوشبو کے اعتبار سے تجھ سے بڑھ کر ہے، یہ بات سن کر عبداللہ بن ابی کی قوم میں سے ایک آدمی کو غصہ آ گیا اور دونوں میں گالم گلوچ ہونے لگی اور دونوں میں سے ہر شخص کے ساتھیوں کو غصہ آ گیا جس کی وجہ سے ٹہنیوں اور ہاتھوں اور چپلوں سے کچھ مار پیٹ ہو گئی۔ حضرت انس ؓ نے واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آیت کریمہ: وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ واقعہ مذکور کے بعد نازل ہوئی یہ صحیح بخاری ۳۷۰ کی روایت ہے صاحب درمنثور نے آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے دوسری روایت بھی نقل کی ہیں (اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے کیونکہ کسی آیت کے اسباب نزول ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں)

آیت کریمہ میں مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دینے کا اور اگر صلح ہو جانے کے بعد دونوں جماعتوں میں سے کوئی جماعت زیادتی کرے تو اس سے جنگ کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے یعنی لڑائی کو چھوڑ دے، اور

اللہ کے دین کے مطابق جینے کا فیصلہ کرلے اور صلح کرانے والوں کو بتادے اور یقین دلادے کہ اب ہمیں لڑنا نہیں ہے۔ بغاوت کو دبانے کے لیے جو جنگ لڑی جائے اس میں جو فریق زیادتی پر اتر آیا تھا وہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا تو یہ صلح کرانے والے ان رجوع کرنے اور لڑائی چھوڑ دینے والوں کو نہ دبائیں حق اور ناحق کو دیکھیں اور عدل و انصاف کے ساتھ دونوں فریقوں کے درمیان صلح کرادیں انصاف بہت بڑی چیز ہے اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والے کو پسند فرماتا ہے محض جنگ رکوادینا کافی نہیں آپس میں صلح بھی کرادی جائے اور جو بات مابہ النزاع (جھگڑے کی وجہ) ہے اس کو ختم کرادیا جائے ورنہ آئندہ پھر لڑائی کا امکان رہے گا اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہونے لگے تو امام المسلمین پر واجب ہے کہ ان کے درمیان صلح کرادے اور دونوں فریق کو کتاب و سنت کے احکام قبول کرنے پر آمادہ کرے اگر کوئی جماعت امام المسلمین ہی سے باغی ہوجائے تو امام ان سے گفتگو کرے ان کی شکایت سنے ان کو کوئی شبہ ہے یا غلط فہمی ہے تو اس کو دور کرے اگر یہ باغی جماعت امام اور امیر کی مخالفت کی ایسی وجوہ پیش کرے جن سے امام کا ظالم ہونا یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے تو عامۃ المسلمین اس جماعت کی مدد کریں جو امام کی اطاعت سے منحرف ہوگئی تاکہ امام اپنے ظلم سے باز آجائے اگر باغی فرقہ ایسی وجوہ نہ بتاسکے جن سے امام المسلمین کا ظالم ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ باغی جماعت سمجھانے سے بھی باز نہ آئے اور امام المسلمین سے جنگ کرنے ہی پر تلی رہے تو امام المسلمین اور عامۃ المسلمین اس جماعت سے قتال کریں تاکہ امام المسلمین کے باغی لوگ اطاعت میں آجائیں......اس سلسلہ کی تفصیلات ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ اَلْاٰيَةُ نَزَلَتْ فِيْ وَفْدِ تَمِيْمٍ حِيْنَ سَخِرُوْا مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ كَعَمَّارٍ وَصُهَيْبٍ وَالسُّخْرِيَةُ الْاِزْدِرَاءُ وَالْاِحْتِقَارُ قَوْمٌ اَيْ رِجَالٌ مِّنْكُمْ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْكُمْ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ لَا تُعِيْبُوْا فَتُعَابُوْا اَيْ لَا يُعِيْبُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ لَا يَدْعُوْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا بِلَقَبٍ يَكْرَهُهٗ وَمِنْهُ يَا فَاسِقُ يَا كَافِرُ بِئْسَ الِاسْمُ اَيِ الْمَذْكُوْرُ مِنَ السُّخْرِيَةِ وَاللَّمْزِ وَالتَّنَابُزِ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ بَدَلٌ مِّنَ الْاِسْمِ لِاِفَادَةِ اَنَّهٗ فِسْقٌ لِتَكَرُّرِهٖ عَادَةً وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ اَيْ مُؤْثِمٌ وَهُوَ كَثِيْرًا كَظَنِّ السُّوْءِ بِاَهْلِ الْخَيْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَهُمْ كَثِيْرٌ بِخِلَافِهٖ بِالْفُسَّاقِ مِنْهُمْ فَلَا اِثْمَ فِيْهِ فِيْ نَحْوِ مَا يَظْهَرُ مِنْهُمْ وَّلَا تَجَسَّسُوْا حُذِفَ مِنْهُ اِحْدَى التَّائَيْنِ لَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ وَمَعَائِبَهُمْ بِالْبَحْثِ عَنْهَا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ لَا يَذْكُرْهُ بِشَيْءٍ يَكْرَهُهٗ وَاِنْ كَانَ فِيْهِ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ لَا يَحْسُنُ بِهٖ لَا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ اَيْ فَاغْتِيَابُهٗ فِيْ حَيَاتِهٖ كَاَكْلِ

لَحْمِهٖ بَعْدَ مَمَاتِهٖ وَ قَدْ عُرِضَ عَلَيْكُمُ الثَّانِىْ فَكَرِهْتُمُوْهُ فَاكْرَهُوا الْاَوَّلَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اَىْ عِقَابَهٗ فِى الْاِغْتِيَابِ بِاَنْ تَتُوْبُوْا مِنْهُ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ قَابِلُ تَوْبَةِ التَّائِبِيْنَ رَّحِيْمٌ ۞ بِهِمْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى اٰدَمَ وَحَوَّاءَ وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا جَمْعُ شَعْبٍ بِفَتْحِ الشِّيْنِ وَهُوَ اَعْلٰى طَبَقَاتِ النَّسَبِ وَّ قَبَآئِلَ هِىَ دُوْنَ الشُّعُوْبِ وَ بَعْدَهَا الْعَمَائِرُ ثُمَّ الْبُطُوْنُ ثُمَّ الْاَفْخَاذُ ثُمَّ الْفَصَائِلُ اٰخِرُهَا مِثَالُهٗ خُزَيْمَةُ شَعْبٌ كِنَانَةُ قَبِيْلَةٌ قُرَيْشٌ عِمَارَةٌ بِكَسْرِ الْعَيْنِ قُصَىٌّ بَطْنٌ هَاشِمٌ فَخْذُ الْعَبَّاسِ فَصِيْلَتُهٗ لِتَعَارَفُوْا ؕ حُذِفَ مِنْهُ اِحْدَى التَّائَيْنِ اَىْ لِيَعْرِفَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا لَا لِتَفَاخَرُوْا بِعُلُوِّ النَّسَبِ وَاِنَّمَا الْفَخْرُ بِالتَّقْوٰى اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِكُمْ خَبِيْرٌ ۞ بِبَوَاطِنِكُمْ قَالَتِ الْاَعْرَابُ نَفَرٌ مِّنْ بَنِىْ اَسَدٍ اٰمَنَّا ؕ صَدَّقْنَا بِقُلُوْبِنَا قُلْ لَهُمْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا اَىْ اِنْقَدْنَا ظَاهِرًا وَ لَمَّا اَىْ لَمْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ ؕ اِلَى الْاٰنَ لٰكِنَّهٗ يُتَوَقَّعُ مِنْكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ بِالْاِيْمَانِ وَغَيْرِهٖ لَا يَلِتْكُمْ بِالْهَمْزِ وَتَرْكِهٖ وَبِاِبْدَالِهٖ اَلِفًا لَا يُنْقِصْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ اَىْ مِنْ ثَوَابِهَا شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ رَّحِيْمٌ ۞ بِهِمْ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اَىِ الصَّادِقُوْنَ فِىْ اِيْمَانِهِمْ كَمَا صَرَّحَ بِهٖ بَعْدُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا لَمْ يَشُكُّوْا فِى الْاِيْمَانِ وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ بِجِهَادِهِمْ يَظْهَرُ صِدْقُ اِيْمَانِهِمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۞ فِىْ اِيْمَانِهِمْ لَا مَنْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَلَمْ يُوْجَدْ مِنْهُمْ غَيْرُ الْاِسْلَامِ قُلْ لَهُمْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ مُضَعَّفُ عَلِمَ بِمَعْنٰى شَعَرَ اَىْ اَتُشْعِرُوْنَهٗ بِمَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ فِىْ قَوْلِكُمْ اٰمَنَّا وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۞ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ مِمَّنْ اَسْلَمَ بَعْدَ قِتَالٍ مِنْهُمْ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَىَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ الْبَاءِ وَ يُقَدَّرُ قَبْلَ اَنْ فِى الْمَوْضَعَيْنِ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ فِىْ قَوْلِكُمْ اٰمَنَّا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَىْ مَا غَابَ فِيْهِمَا وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْهُ

ع ۲ ۸ ۱۴

ترجمہ: اے اہل ایمان نہ تو ہنسنا چاہیے (یہ آیت وفد تمیم کے متعلق نازل ہوئی جب انہوں نے عمارؓ وصہیبؓ جیسے غریب مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔ سخریہ اسی ہنسی مذاق کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی تحقیر و دل آزاری ہوتی ہو) کسی

قوم (تم میں سے مردوں) کو دوسری قوم پر، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں (اللہ کے نزدیک) اور نہ (تمہاری) عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو (کسی کی عیب جوئی نہ کرو، ورنہ تمہاری عیب جوئی کی جائے گی۔ غرضکہ ایک دوسرے پر نکتہ چینی مت کرو) اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو (آپس میں ایک دوسرے کو ایسے لقب سے یاد نہ کرو جو باعث ناگواری ہو۔ مثلاً مسلم کو کافر، فاسق کہہ کر پکارنا) برا نام رکھنا (جس سخریہ، لمز، تنابز کا ذکر ہوا) برا ہے ایمان لانے کے بعد (یہ بدل ہے لفظ اسم سے یہ بتلانے کی لئے کہ یہ فسق ہے، کیونکہ بدل عادۃ مکرر ہوتا ہے) اور جو (اس سے) باز نہیں آئیں گے وہ ظلم کرنیوالے ہیں۔ اے اہل ایمان بہت سے گمانوں سے بچا کرو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (یعنی گناہ میں ڈالنے والے اور یہ بدگمانی بکثرت پائی جاتی ہے۔ مثلاً اہل خیر مسلمانوں سے بدگمانی کرنا جن کی تعداد بڑی ہے برخلاف فاسق مسلمانوں سے بدگمانی کے کہ وہ گناہ نہیں جب کہ وہ ان کے ظاہر حال کے مطابق ہو) اور نہ ایک دوسرے کے سراغ میں رہو (اس کی دو تا میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے، مسلمانوں کے پوشیدہ باتیں اور معائب ٹوہ لگا لگا کر بیان نہ کیا کرو) اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے (کسی کی ناگوار بات بیان نہ کرو اگرچہ وہ بات اس میں ہو) کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے (میتا تخفیف وتشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے جس میں احساس نہ رہے، ہرگز کوئی مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہ کرے گا) اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو (یعنی زندہ بھائی کی غیبت کرنا ایسا ہے، جیسے اس کے مرنیکے بعد اس کا گوشت کھالینا، پس جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے کو ناپسند کرتے ہو، اسی طرح اس کی غیبت کو بھی ناگوار سمجھو) اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی غیبت کے متعلق اس کے عذاب سے ڈرو اس طرح کہ اس سے توبہ کرلو) بلاشبہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (توبہ کرنیوالوں کی) رحم کرنے والا ہے (ان پر) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا (آدم وحوا سے) اور تمہیں مختلف قومیں (شعوب جمع ہے شعب کی فتح شین کے ساتھ۔ نسب کے اعلیٰ طبقہ کو کہتے ہیں) اور مختلف خاندان بنایا (قبیلہ شعب سے کم ہوتا ہے اس کے بعد عمائر کا درجہ ہے پھر بطون کا درجہ ہے، پھر افخاذ، پھر فصائل آخری درجہ میں ہے مثلاً خزیمہ شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے بکسر العین، قصیٰ بطن ہے ہاشم فخذ ہے۔ عبس فصیلہ ہے) تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو (اس کی دو تاء میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یعنی ایک دوسرے کی پہچان کیلئے نہ اس لئے کہ اونچے نسب پر فخر لیا جائے۔ قابل فخر تو صرف تقویٰ ہے) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف تو وہ ہے جو سب میں زیادہ پرہیز گار ہو۔ اللہ (تمہیں) خوب جاننے والا (تمہارے اندرونی احوال سے) پورا خبردار ہے۔ یہ گنوار (قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے (جان ودل سے مان لیا) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے (ظاہری فرمانبردار) اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا (البتہ تم سے اس کی توقع ہے) اور اگر تم

اللہ ورسول کا کہنا مان لو (ایمان وغیرہ کے متعلق) تو اللہ تعالیٰ کمی نہ کرے گا (ہمزہ کیساتھ اور بغیر ہمزہ کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر یعنی کم نہیں کرے گا) تمہارے اعمال میں سے (یعنی ان کے ثواب میں) ذرا بھی۔ بلا شبہ اللہ (مؤمنین کی) بہت مغفرت کرنے والا (ان پر) بہت رحم کرنے والا ہے۔ پورے مؤمن (یعنی سچے مؤمن جیسا کہ آگے تصریح ہے) وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک وشبہ نہیں کیا (ایمان میں ڈانواڈول نہیں ہوئے) اور اپنے مال وجان سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا (ان کے جہاد سے ان کے ایمان کی سچائی ظاہر ہوگئی) یہی لوگ سچے ہیں (اپنے ایمان میں۔ وہ لوگ سچے نہیں جو آمنا تو کہتے ہیں مگر اسلام کے سوا ان سے کچھ ظاہر نہیں ہوا) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے ایمان کی خبر دیتے ہو؟ (تعلیم بمعنی اعلام ہے مراد خبر ہے یعنی تم اللہ کو اطلاع دیتے ہو اپنے آمنا کہنے کی حالت کی) حالانکہ اللہ تعالیٰ کو سب آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں (بغیر خون بہائے مسلمان ہو گئے برخلاف دوسرے لوگوں کے کہ بعض ان میں قتل وقتال کے بعد اسلام لائے) آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے ایمان لانے کا احسان مت رکھو (منصوب ہے با جارہ محذوفہ سے اور ان اسلموا اور ان ھداکم دونوں جگہ ان سے پہلے محذوف ہے) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔ بشرطیکہ تم سچے ہو (اپنے آمنا کہنے میں) اللہ تعالیٰ زمین آسمان کی سب مخفی باتوں کی (جو کچھ ان میں پوشیدہ ہے) جانتا ہے اور تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے (یعملون یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ اس پر کچھ چھپا نہیں ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: رِجَالٌ مِّنْكُمْ : یہ مردوں سے خاص اسی وجہ سے عورتوں کا تذکرہ الگ کیا۔

قوله: لَا تَعِيْبُوْا : جس نے طعنہ زنی والی حرکت کی وہ ملامت کا حقدار ہے۔

قوله: يَكْرَهُهُ :النبز : یہ لفظ برے لقب کے ساتھ خاص ہے۔

قوله: اَلْمَذْكُوْرُ : ان کی بات سے مشہور ہو جانے والی بات جو لوگوں میں تعریف یا تذلیل سے پھیل جائے اور واقعہ میں ان کا تذکرہ گناہ ہو گویا اس طرح کہا گیا مؤمن کے لیے بلند ہونے والا تذکرہ بہت برا ہے جو ان جرائم کی وجہ سے کہ وہ اس کو فسق سے یاد کریں۔

قوله: لِتَكَرُّرِهٖ عَادَةً : اس تمسخر اور تنابز سے مراد مطلقا فسق ہے خواہ لفظ فسق سے ہو یا کفر سے، اس لیے کہ برا لقب بار بار دہرایا جاتا ہے اور جس کا نام پڑتا ہے وہ اس کو برا لگتا ہے۔

قوله: لَا يَحِسُّ بِهٖ : اس میں اشارہ کیا یہ میت اور جس کی غیبت کی گئی ان میں مشابہت کی وجہ بتلائی اور وہ

دونوں میں کھانے کے وقت اس کا معلوم نہ ہونا ہے۔

قوله: وَهوَ اَعْلٰى طَبَقَاتِ : وہ قبائل کو جامع ہے اور قبیلہ عمائر کو اور اسی طرح باقی سمجھ لو۔

قوله: بِالْهمْزِ : یہ لا یالتکم ہے جوالت سے بنا ہے اور اگر ہمزہ چھوڑ دیں تو یہ لات لیتا سے ہے جب کہ وہ کم ہو۔

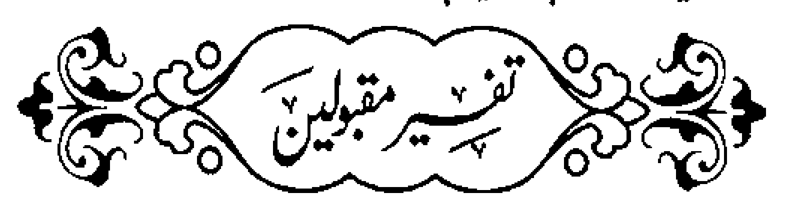
قوله: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ : یہ مبتداء اور الذین .... خبر ہے۔

قوله: اَتَشْعُرُوْنَہ : یعنی کیا تم اس کو بتلاتے ہو۔

قوله: مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ : یعنی تمہارے ان سے قتال کے بغیر۔

قوله: فِيْ قَوْلِكُمْ : فقط راہنمائی کر دینا ہدایت پالینے کو لازم نہیں۔

قوله: تَعْمَلُوْنَ : اس کو تا اور یا دونوں سے پڑھا گیا ہے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى .....

باہم مل کر زندگی گزارنے کے چند احکام:

ان آیات میں اہل ایمان کو چند نصیحتیں فرمائیں اولاً تو یہ فرمایا: لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ بنائیں اور کوئی کسی کے ساتھ تمسخر نہ کرے چونکہ مردوں کا آپس میں زیادہ ملنا جلنا رہتا ہے، اور عورتوں کا عورتوں سے زیادہ میل جول رہتا ہے اس لیے طرز خطاب یوں اختیار فرمایا کہ مرد مردوں کا مذاق نہ بنائیں اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ بنائیں یہ مطلب نہیں ہے کہ مردوں کو عورتوں کا اور عورتوں کو مردوں کا مذاق اڑانے کی اجازت دی گئی ہے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ہنسی کرنے والوں کو اس کا کیا حق ہے کہ کسی کا مذاق بنائیں اصل بڑائی ایمان اور اعمال صالحہ سے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہونے سے ہے کوئی شخص دوسرے آدمی کے اعمال اور باطنی جذبات اخلاص و حسن نیت کو نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ شخص اللہ کے یہاں مقبول ہے یا نہیں؟ موت کے بعد کون کس سے افضل ہوگا اس کا بھی علم نہیں ہو سکتا ہے یا جس کا مذاق بنایا جا رہا ہے وہ مذاق بنانے والے سے بہتر ہو مردوں میں بھی یہی بات ہے اور عورتوں میں بھی اگر موت کے بعد اپنے اچھے حال کا اور جس کا مذاق بنا رہے ہیں اس کی بدحالی کا یقین ہو جاتا تو تمسخر کرنے کی کوئی وجہ بھی تھی، لیکن جب اپنے ہی بارے میں علم نہیں کہ میرا کیا بنے گا تو دوسرے کا مذاق بنانے کا کیا مقام ہے؟ کسی کا مذاق بنانے میں ایک تو تکبر ہے کیونکہ مذاق بنانے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں جیسا وہ ہے اگر اپنے حالات کا استحضار ہو تو کبھی کسی کی برائی اور غیبت کرنے اور کسی کا مذاق بنانے کی نہ ہمت ہو نہ فرصت ملے، دوسرے کا مذاق بنانے میں ایذاء رسانی بھی ہے اس سے اس کو قلبی تکلیف ہوتی ہے جس کا مذاق بنایا گیا ایذاء دینا حرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کر اور اس سے

مذاق نہ کر (جس سے اسے تکلیف پہنچے) اور اس سے کوئی ایسا وعدہ نہ کر جس کی تو خلاف ورزی کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ٤١٤)

خوش طبعی کے طور پر جو آپس میں مذاق کیا جائے جسے عربی میں مزاح کہتے ہیں وہ درست ہے مگر جھوٹ بولنا اس میں بھی جائز نہیں ہے اور اگر مزاح سے کسی کو تکلیف ہوتی ہو وہ بھی جائز نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی مزاح فرما لیتے تھے آپ نے فرمایا میں اس موقع پر بھی حق بات ہی کہتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ٤١٦)

یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مذاق بنانا زبان سے ہی ہو، آنکھ سے یا ہاتھ سے یا سر سے اشارہ کر کے کسی کا مذاق بنانا اسے معلوم ہو یا نہ ہو یہ سب حرام ہے سورۃ الھمزہ میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

فقال اللہ تعالی: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ

دوسری نصیحت: یہ فرمایا: وَلَا تَلْمِزُوٓا اَنْفُسَكُمْ (اور اپنی جانوں کو عیب نہ لگاؤ) یہ بھی بہت جامع نصیحت ہے کسی کو طعنہ دینا اس کے جسم میں، بول چال میں قد میں عیب ظاہر کرنا زبان سے ہو یا اشارہ سے خط میں لکھ کر یا مضمون شائع کر کے لفظوں کے عموم میں یہ سب باتیں آ گئیں اگر کسی میں کوئی عیب موجود ہو تب بھی عیب ظاہر کرنے کے طور پر بیان کرنا حرام ہے کسی دراز قد کو لمڈھیک یا لمبو یا پستہ قد کو ٹھگنا بتا دیا کسی کے ہلکے پن کی نقل اتاری، جس کی چال میں فرق ہے اسے لنگڑا کہہ دینا نابینا کو اندھا کہہ کر پکارنا سیدھے آدمی کو بدھو کہنا یہ سب عیب لگانے کے زمرے میں آتا ہے، یہ سب اور اس طرح کی جو باتیں عام طور پر رواج پذیر ہیں ان باتوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں حضرت صفیہؓ کا قد چھوٹا تھا حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہا کہ صفیہ کا قد بس اتنا سا ہے (اور یہ بطور عیب لگانے کے کہا) آپ نے فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ بولا ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی خراب کر کے رکھ دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ٤١٤)

یاد رہے کہ: (وَلَا تَلْمِزُوْا غَيْرَكُمْ) نہیں فرمایا بلکہ وَلَا تَلْمِزُوٓا اَنْفُسَكُمْ فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک ہی ہیں جب کسی کو کچھ کہیں گے تو وہ الٹ کر جواب دے گا اس طرح سے اپنا عمل اپنے ہی کی طرف لوٹ کر آ جائے گا دوسرے کو عیب لگانے والا خود اپنی بے آبروئی کا سبب بنے گا۔

تیسری نصیحت: یہ فرمائی: وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد کرو) ایک دوسرے کو برا لقب دینے اور برے القاب سے یاد کرنے کی ممانعت فرمائی ہے مثلاً کسی مسلمان کو فاسق یا منافق یا کافر کہنا یا اور کسی ایسے لفظ سے یاد کرنا جس سے برائی ظاہر ہوتی ہو اس سے منع فرمایا، کسی کو کتا، یا گدھا یا خنزیر کہنا کسی نو مسلم کو اس کے سابق دین کی طرف منسوب کرنا یعنی یہودی یا نصرانی کہنا یہ سب تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ میں آتا ہے یہ بھی حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ حضرت صفیہؓ پہلے یہودی دین پر تھیں ان کا اونٹ مریض ہو گیا تو آپ ﷺ نے اپنی دوسری اہلیہ زینب بنت جحشؓ سے فرمایا کہ اسے ایک اونٹ دے دو، انہوں نے کہا کیا میں اس یہودی عورت کو دے دوں؟ رسول اللہ ﷺ ان کے اس جواب کی وجہ سے غصہ ہو گئے اور ذی الحج اور محرم اور کچھ ماہ صفر کا حصہ ایسا گزرا کہ آپ نے حضرت زینبؓ سے تعلقات نہیں رکھے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۷۶) مسند احمد ۳۳۷، ۳۳۸ ج ٦ میں ہے یہ واقعہ سفر حج کا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت میں تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہو گیا اس کے بعد اس کو اس برے عمل کے عنوان سے پکارا جائے مثلاً چور یا زانی یا شرابی وغیرہ کہہ دیا جائے (معالم التنزیل) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عیب دار بتایا یعنی عیب لگایا تو یہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ کو نہ کر لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۴)

پھر فرمایا: بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ (اور ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مؤمن ہو اگر کسی کا مذاق بناؤ گے، عیب لگاؤ گے، برے لقب سے یاد کرو گے تو یہ فسق کا کام ہو گا کہنے والے کہیں کہ دیکھو وہ آدمی فاسق ہے مسلمان ہو کر فسق اور گنہگاری کا کام کرتا ہے اپنی ذات کو برائی سے موصوف اور معروف کرنا بری بات ہے کوئی مؤمن ہو اور اس کی شہرت گنہگاری کے ساتھ ہو یہ بات اہل ایمان کو زیب نہیں دیتی جب اسلام کو اپنا دین بنا لیا اسلام ہی کے کاموں پر چلیں اور صالحین میں شمار ہوں فاسقین کی فہرست میں کیوں شمار ہوں، تفسیر قرطبی میں: بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ کا ایک معنی یہ لکھا ہے کہ جب کسی شخص نے گناہ کر لیا پھر توبہ کر لی تو اس کو فسق کے نام سے یاد کرنا بری بات ہے اور مثلاً نو مسلم کو کافر بتانا سابق گناہ کی وجہ سے زانی یا سارق یا چور کہنا بری بات ہے یعنی جس کے حق میں یہ بات کہہ رہے ہو اس کو برے لقب سے کیوں یاد کر رہے ہو؟ اس کی آبرو کے خلاف لقب کیوں دے رہے ہو؟

چوتھی نصیحت: پھر فرمایا وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪ (اور جو گناہوں سے توبہ نہ کرے سو یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں) ان کا ظلم ان کی جانوں پر ہے تمام گناہوں سے توبہ کریں عموم حکم ان تینوں گمانوں سے توبہ کرنے کو بھی شامل ہے جن کا آیت بالا میں ذکر گزرا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ....

پانچویں نصیحت: پھر فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ (اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچو) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) بات یہ ہے کہ بدگمانی بہت سے گناہوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے بہت سے لوگوں میں وہ بات ہوتی ہی نہیں جسے محض اٹکل و گمان سے طے کر لیا جاتا ہے اور پھر اپنے گمان کے مطابق تہمتیں لگاتے ہیں اور غیبتیں کرتے ہیں بدگمانی کی بنیاد پر جو باتیں کہی جاتی ہیں وہ آگے بڑھتی ہیں اس سے آپس میں فتنہ فساد پیدا ہوتا ہے حالانکہ گمان اپنا ایک ذاتی خیال ہوتا ہے خیال کا صحیح ہونا ضروری نہیں اسی لیے سورۃ النجم میں فرمایا ہے: اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (گمان حق کے بارے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا) مؤمنین سے اچھا گمان رکھیں اور بدگمانی سے پرہیز کریں ایک حدیث میں ارشاد ہے: اِیَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِیْثِ (یعنی گمان سے بچو کیونکہ گمان سب باتوں سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲۷)

یاد رہے کہ اگر کسی شخص سے کچھ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس سے میل جول میں احتیاط کرنا اور اس کے شر سے بچنے کے لیے یہ خیال کرنا کہ ممکن ہے کہ یہ مجھے کوئی تکلیف پہنچا دے یہ اس گمان میں نہیں آتا جو گناہ ہے اپنی احتیاط کر لے غیبت نہ کرے اور گمان کو یقین کا درجہ بھی نہ دے۔

آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بعض گمان گناہ نہیں ہوتے بلکہ محمود اور مستحسن بھی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اچھا گمان رکھے کہ وہ بخش دے گا معاف فرمادے گا اور ساتھ ہی گناہوں سے بھی پرہیز کرتا رہے نیز مسلمانوں کے ساتھ خاص کر جو مؤمنین صالحین ہوں اچھا گمان رکھا جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ (کہ حسن ظن عبادت کی ایک صورت ہے)۔ (مشکوۃ المصابیح ۴۷۹ از احمد وابوداؤد)

البتہ مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ ایسے احوال اور ایسے مواقع سے بچیں جن کی وجہ سے دیکھنے والوں کو اور ساتھ رہنے والوں کو بدگمانی ہوسکتی ہے اپنے اعمال واحوال، چال ڈھال اور اقوال میں ایسا انداز اختیار نہ کرے جس سے لوگوں کی بدگمانی کا شکار ہو جائے کیونکہ لوگوں کی نظروں میں برا بن کر رہنا بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

چھٹی نصیحت: یوں فرمائی: وَّلَا تَجَسَّسُوْا (اور تم تجسس نہ کرو) یعنی لوگوں کے عیوب کا سراغ نہ لگاؤ اور اس تلاش میں نہ رہو کہ فلاں شخص میں کیا عیب ہے اور تنہائی میں کیا عمل کرتا ہے یہ تجسس کا مرض بھی بہت برا ہے بہت سے لوگ اس میں مبتلا رہتے ہیں حالانکہ اس کا وبال بہت بڑا ہے دنیا اور آخرت میں اس کی سزامل جاتی ہے اور تجسس کرنے والا ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے، بہت سی مرتبہ تجسس میں بدگمانی کو استعمال کرنا پڑتا ہے جس کی ممانعت ابھی معلوم ہوئی، مؤمن کا کام یہ ہے کہ اگر اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب دیکھے تو اسے چھپائے نہ یہ کہ کسی کے عیب کے پیچھے پڑے اور ٹوہ لگائے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کی کوئی ایسی چیز دیکھ لی جس کے ظاہر ہونے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس کو چھپا لیا تو اس کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ جیسے کسی نے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو زندہ کر دیا۔

(مشکوۃ المصابیح ص ۴۲۴)

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا کہ اے وہ لوگو جو زبانی طور پر مسلمان ہو گئے اور ان کے دلوں میں ایمان نہیں پہنچا مسلمانوں کو تکلیف نہ دو اور انہیں عیب نہ لگاؤ ان کے چھپے ہوئے حالات کی تلاش میں نہ لگو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے پوشیدہ عیب کے ظاہر ہونے کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کے چھپے ہوئے عیب کا پیچھا کرتا ہے یہاں تک کہ اسے رسوا کرتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔

(رواہ الترمذی)

یاد رہے کہ جس طرح سے کسی کے عیب یا گناہ یا بدحالی کا پتہ چلایا جائے یہ سب تجسس میں داخل ہے چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا ظاہر کر کے کسی کی باتیں معلوم کر لینا یہ سب تجسس ہے جو ممنوع ہے۔

ساتویں نصیحت یہ فرمائی: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو) مزید فرمایا: اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے سو اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو) یعنی غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے جیسے تمہیں مردہ بھائی کا گوشت کھانا گوارا نہیں اسی طرح غیبت کرنا بھی ناگوار ہونا لازم ہے، بات یہ ہے کہ غیبت بہت بری بلا ہے نمازی اور

تقویٰ کے دعویدار اور اپنی بزرگی کا گمان رکھنے والے تک اس میں مبتلا ہوتے ہیں دنیا میں کچھ محسوس نہیں ہوتا قیامت میں جب اتنی چھوٹی سی زبان کی کھیتیاں کاٹنی پڑیں گی اس وقت احساس ہوگا کہ ہائے ہم نے کیا کیا لیکن اس وقت کا پچھتانا کچھ کام نہ دے گا اب اس بات کو سمجھیں کہ غیبت کیا چیز ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے سوال فرمایا کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا: (ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ) کہ تمہارا اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرنا کہ اسے برا لگے یہ غیبت ہے ایک شخص نے عرض کیا کہ جو بات میں بیان کر رہا ہوں اگر وہ میرے بھائی کے اندر موجود ہو تو اسے بیان کرنے کے بارے میں کیسا ارشاد ہے؟ فرمایا اگر تیرے بھائی میں وہ عیب کی بات موجود ہے جسے تو بیان کر رہا ہے تب ہی تو غیبت ہوئی اور اگر تو نے کوئی بات بیان کی جو اس کے اندر نہیں ہے تب تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ (رواہ مسلم ص ۳۲۲، ج۲)

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کسی کا واقعی عیب یا گناہ بیان کرنا ہی غیبت ہے اگر جھوٹی بات کسی کے ذمہ لگا دی تو وہ تہمت دھرنا اور اس میں دوگنا گناہ ہے ایک گناہ تہمت دھرنے کا دوسرا غیبت کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ اپنے بھائی کو ایسے طریقہ پر یاد کرنا جس سے اسے ناگواری ہو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سامنے کہنا بھی غیبت ہے اور تہمت دھرنا بھی غیبت میں شامل ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں سننے والے کو ناگوار ہوتی ہیں، غیبت کی بنیاد یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں کچھ کہا جا رہا ہے وہ اسے برا لگے سامنے ہو یا پیچھے غیبتیں کرتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں میں اس کے منہ پر کہہ سکتا ہوں حدیث بالا سے ان کی جرأت بے جا کا پتہ چلا، ایسے لوگ نفس اور شیطان کے دھوکے میں ہیں، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں جس کا عذاب اور وبال بہت بڑا ہے اور سمجھتے یوں ہیں کہ ہم گناہ سے بری ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ سمجھ دے۔

غیبت کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے بھی ہے اس اعتبار سے غیبت سے بچنے کا اہتمام کرنا بہت زیادہ ضروری ہے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا ایک شخص زنا کر لیتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے اور اگر کوئی شخص غیبت کر لے تو اس وقت تک اس کی مغفرت نہ ہوگی جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

بات یہ ہے کہ غیبت کرنے میں حق اللہ اور حق العبد دونوں کا ضائع کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے چونکہ غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے اس لیے غیبت کرنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور چونکہ بندہ کی بھی بے آبروئی کی ہے اس لیے اس کا حق بھی ضائع کیا اس کا نام احترام سے لیا جاتا ہے کم از کم اس کی برائی نہ کی جاتی جب غیبت کر لے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی مانگ لے البتہ بعض اکابر نے یہ فرمایا ہے کہ اگر اسے اطلاع پہنچ گئی ہو تو معافی مانگ لے اور اگر اطلاع نہ پہنچی ہو تو اس کے لیے اتنی بار مغفرت کی دعا کرے کہ دل یہ گواہی دے دے کہ غیبت کی تلافی ہوگئی، ایک حدیث میں ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تو اس کے لیے استغفار کرے جس کی غیبت کی ہے اور یوں دعا کرے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ اے اللہ ہماری اور اس کی مغفرت فرما دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات کو مجھے معراج کرائی گئی ایسے لوگوں پر

میرا گزر ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی بے آبروئی کرتے تھے۔ (رواہ ابوداؤد ۳۱۳ ج ۲)

غیبت کرنے والے آیت کریمہ اور احادیث شریف کے مضامین پر اور اس سلسلہ کی وعیدوں پر غور کریں۔

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سننا بھی حرام ہے اگر کوئی شخص کسی کی غیبت کر رہا ہو تو سننے والے پر لازم ہے کہ اس کا کاٹ کرے اور جس کی غیبت ہو رہی ہے اس کی طرف سے دفاع کرے۔ حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرے اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ذمہ ہوگا کہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو اس سے دور رکھے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ: وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ تلاوت فرمائی۔ (ذکرہ صاحب المشکوٰۃ ۴۲۴)

اور حضرت معاذ بن انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی منافق کی باتوں سے کسی مؤمن کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا اور جس کسی شخص نے مسلمان میں کوئی عیب ظاہر کیا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کے پل پر روک دے گا جب تک اپنی کہی ہوئی بات سے نہ نکل جائے یعنی معافی مانگ کر اسے راضی نہ کرلے جس کو عیب دار بتایا تھا۔ (رواہ ابوداؤد ۳۱۳ ج ۲)

اور حضرت جابر اور ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کی کسی جگہ بے حرمتی کی جارہی ہو اور اس کی آبرو گھٹائی جارہی ہو اور وہاں جو شخص موجود ہو اس کی مدد نہ کرے (یعنی برائی کرنے والے کو اس کے عمل سے نہ روکے) اللہ تعالیٰ ایسی جگہ میں اسے بغیر مدد کے چھوڑ دے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہش مند ہوگا اور جس کسی نے مسلمان کی ایسی جگہ مدد کی جہاں اس کی آبرو گھٹائی جارہی ہو اور بے حرمتی کی جارہی ہو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ایسی جگہ میں مدد فرمائے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہش مند ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ غیبت کرنا بھی حرام ہے اور غیبت سننا بھی حرام ہے اگر کسی کے سامنے کوئی شخص کسی کی غیبت کرنے لگے تو اس کا دفاع کرے۔

یہ جو ارشاد فرمایا: اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ اس بارے میں حدیث شریف میں ایک واقعہ مروی ہے اور وہ یہ کہ ایک صحابی نے زنا کرلیا تھا جن کا نام ماعزؓ تھا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چار مرتبہ اقرار کیا کہ میں نے ایسا کیا ہے پھر ان کو سنگسار کردیا گیا ایک شخص نے اپنے ساتھی سے راہ چلتے ہوئے کہا دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی لیکن اس سے رہا نہ گیا یہاں تک کہ کتے کی طرح اس کی رجم کی گئی یعنی پتھروں سے مارا گیا، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن لی اور خاموشی اختیار فرمائی پھر کچھ دور آگے بڑھے تو ایک مردہ گدھے پر گزر ہوا جو اوپر کو ٹانگ اٹھائے ہوئے تھا آپ نے فرمایا فلاں فلاں کہاں ہیں (ایک بات کہنے والا دوسرا سننے والا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم حاضر ہیں، فرمایا تم دونوں اترو اور اس مردار گدھے کی نعش سے کھاؤ انہوں نے عرض کیا رسول اللہ اس میں سے کون کھا سکتا ہے آپ نے فرمایا وہ جو ابھی تم نے اپنے بھائی کی بے آبروئی کی ہے وہ اس گدھے کی نعش کھانے سے زیادہ سخت

ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔
(رواہ ابوداؤد ص ۳۰۲ ج ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردہ شخص کی غیبت کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ زندہ کی غیبت کرنا حرام ہے۔

فائدہ: یہ ضروری نہیں کہ زبان سے جو غیبت کی جائے وہی غیبت ہو آنکھ کے اشارہ سے ہاتھ کے اشارہ سے نقل اتارنے سے بھی غیبت ہوتی ہے کسی کی اولاد میں عیب نکالے کسی کی بیوی کا کوئی عیب بیان کردے اس میں ڈبل غیبت ہے باپ کی بھی اور اولاد کی بھی اور بیوی کی بھی اور شوہر کی بھی، بہت سے لوگوں کو غیبت کا ذوق ہوتا ہے جس سے ملتے ہیں جہاں ملتے ہیں کسی نہ کسی کا برائی سے تذکرہ کردیتے ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔

آٹھویں نصیحت: پھر فرمایا: وَ اتَّقُوا اللّٰهَ (اور اللہ سے ڈرو) اس میں سب گناہوں سے بچنے کا حکم فرما دیا اور ساتھ ہی اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے۔ جس کسی سے جو گناہ ہو گیا ہو اس سے توبہ کرے اور کسی بندہ کا کوئی حق مار لیا ہو غیبت کی ہو بے آبروئی کی ہو اس سے بھی معاف کرالے اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے گا معاف فرما دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ ....

نویں نصیحت: اس کے بعد فرمایا کہ اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے چھوٹے بڑے قبیلے بنا دیئے تاکہ آپس میں جان پہچان ہو کہ یہ فلاں قبیلہ کا ہے اور یہ فلاں خاندان کا ہے آدمی ہونے میں برابر ہو کیونکہ سب آدم اور حواء (علیہ السلام) کی اولاد ہو لہٰذا آدمیت میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اصل فضیلت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے اور وہ فضیلت تقویٰ سے ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ اس آیت کریمہ میں فضیلت اور عزت کا معیار بتا دیا ہے اس کے برخلاف لوگوں کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں نمازوں کے بھی تارک ہیں زکوٰتیں بھی نہیں دیتے فسق و فجور میں مبتلا ہیں حرام کھاتے اور حرام کھلاتے ہیں لیکن نسب کی بڑائی بگھارتے ہیں سید اور ہاشمی اور صدیقی اور فاروقی، عثمانی، علوی، انصاری، شیخ، ملک، چوہدری اور دیگر نسبتوں کے بغیر اپنا نام ہی نہیں بتاتے۔ آرہے ہیں سید صاحب داڑھی مونڈی ہوئی ہے پتلون پہنے ہوئے ہیں ٹائی لگی ہوئی ہے بینک کے منیجر ہیں اپنے نانا جان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اعمال سے کچھ بھی نسبت نہیں، ظاہر اور باطن دشمنوں کے ہاتھ بکا ہوا ہے اور ہیں سید صاحب یہی حال دوسری نسبتیں استعمال کرنے والوں کا ہے یہ لوگ جن قوموں کو کم تر جانتے ہیں ان کے علماء، وصلحاء، نمازی اور متقی حضرات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں کچھ لوگ سفید سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے اور کچھ لوگ عربی ہونے کی وجہ سے اپنی فضیلت کی خام خیالی میں مبتلا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّكَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ اِلَّا اَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوٰى (بے شک گورے اور کالے سے بہتر نہیں اِلَّا یہ کہ تقویٰ میں بڑھ جائے)۔ (رواہ احمد فی مسندہ عن ابی ذر ؓ ۵، ۱۰۸)

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صفا پر چڑھ کر قریش سے خطاب فرمایا اور فرمایا کہ اپنی جان کو دوزخ سے بچالو میں

قیامت کے دن تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا بنی کعب، بنی مرة، بنی عبدشمس، بنی عبدمناف، بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب، اے جماعت بنی قریش سب سے الگ الگ خطاب فرمایا اور ان سے یہی فرمایا: اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ کہ اپنی جانوں کو دوزخ سے بچاؤ اپنے چچا عباس بن مطلب اور اپنی پھوپھی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ سے بھی خاص طور سے یہ خطاب فرمایا۔ (رواہ البخاری ومسلم کمافی مشکوٰۃ المصابیح ۴۶۰)

نسب کی بنیاد پر نجات نہیں ہوگی ایمان کی بنیاد پر نجات ہوگی اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر رفع درجات ہوگا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی اہل ایمان ہی کے لیے ہوگی۔

جزوی طور پر جونسبی شرف کسی کو حاصل ہے اس کے بل بوتہ پر گناہ کرتے چلے جانا اور اپنے کو دوسری قوموں کے متقی لوگوں سے برتر سمجھنا یہ بہت بڑے دھوکہ کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت (یعنی متکبرانہ مقابلہ بازی) کو اور باپوں پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے اب تو بس مؤمن متقی ہے یا فاجر شقی ہے انسان سب آدم کے بیٹے ہیں آدمی کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی کمافی المشکوٰۃ ۴۱۸)

دسویں نصیحت: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ بے شک اللہ جاننے والا ہے باخبر ہے۔

استحضار ہے کیونکہ اللہ علیم وخبیر ہے کس کا کیا درجہ ہے کون ایمان دار ہے کون بے ایمان ہے کون گناہوں میں لت پت ہے اور آخرت میں کس کا کیا انجام ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے سب تقویٰ اختیار کرنے کے لیے فکر مند ہوں تا کہ متقیوں میں حشر ہو اور ان کا جیسا معاملہ ہو۔

لِتَعَارَفُوْا کی تشریح کرتے ہوئے صاحب بیان القرآن فرماتے ہیں ''تعارف کی مصلحتیں متعدد ہیں مثلاً ایک نام کے دو شخص ہیں خاندان کے تفاوت سے دونوں میں تمیز ہو سکتی ہے اور یہ کہ اسے دور کے اور نزدیک کے رشتوں کی پہچان ہوتی ہے اور بقدر قرب و بعد نسب کے ان کے حقوق شریعہ ادا کیے جاتے ہیں اور مثلاً اس سے عصبات کا قرب و بعد معلوم ہوتا ہے تو حاجب اور محجوب متعین ہوتا ہے مثلاً یہ کہ اپنا خاندان ہوگا تو اپنے کو دوسرے خاندانوں کی طرف منسوب نہ کرے گا جس کی ممانعت حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے آیت کریمہ میں لفظ شُعُوْب اور لفظ قَبَآئِل مذکور ہے شعب خاندان کی جڑ کو یعنی اوپر والے خاندان کو اور قبیلہ اس کی شاخ کو کہتے ہیں۔

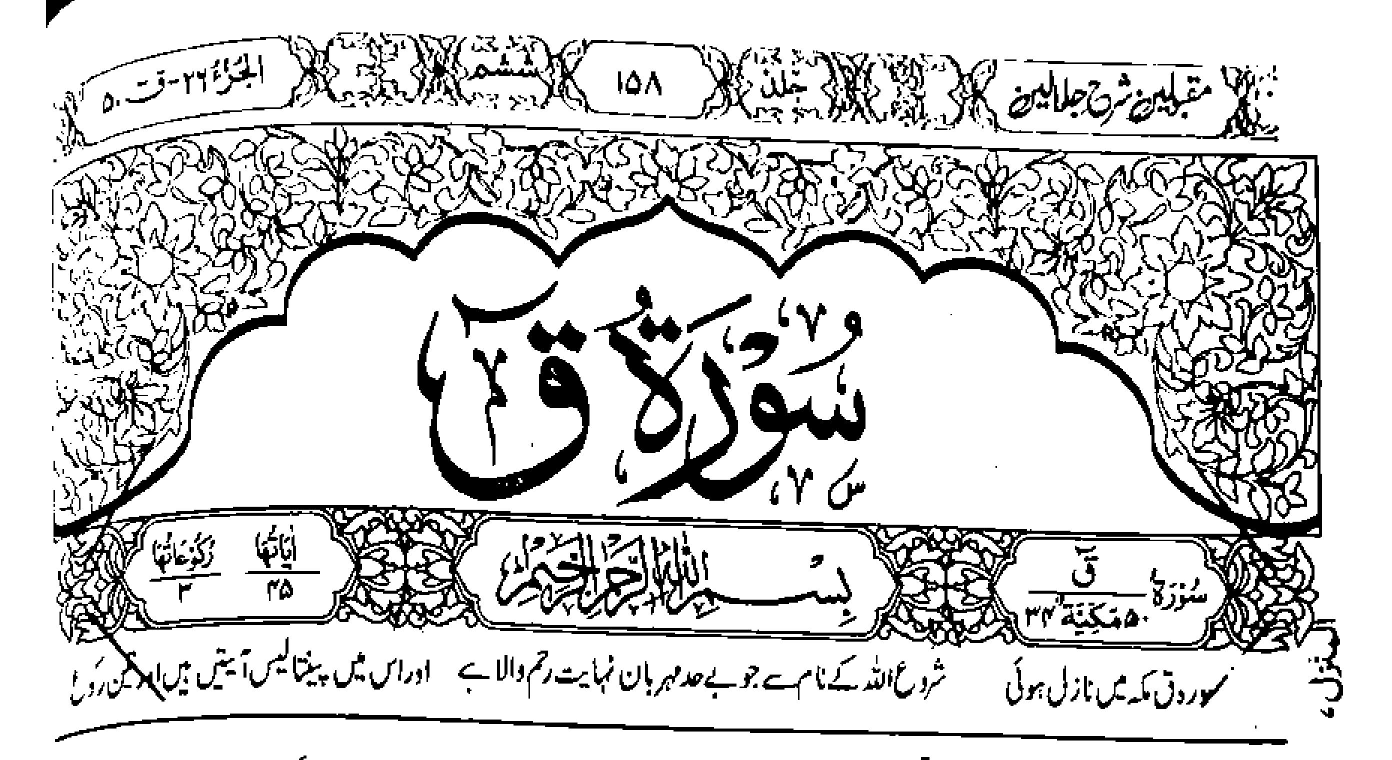
قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ....

ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنا جائزہ تولیں:

کچھ اعرابی لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے ایمان کا بڑھا چڑھا کر دعویٰ کرنے لگتے تھے حالانکہ دراصل ان کے دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں ان کو اللہ تعالیٰ اس دعوے سے روکتا ہے یہ کہتے تھے ہم ایمان لائے۔ اللہ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ ان کو کہیے اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا تم یوں نہ کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے یعنی اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے نبی کی اطاعت میں آئے ہیں اس آیت نے یہ فائدہ دیا کہ ایمان اسلام سے مخصوص چیز ہے جیسے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے جبرائیل علیہ السلام والی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جبکہ

انہوں نے اسلام کے بارے میں سوال کیا پھر ایمان کے بارے میں پھر احسان کے بارے میں۔ پس وہ زینہ بہ زینہ چڑھتے گئے عام سے خاص کی طرف آئے اور پھر خاص سے اخص کی طرف آئے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے چند لوگوں کو عطیہ اور انعام دیا اور ایک شخص کو کچھ بھی نہ دیا اس پر حضرت سعد نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فلاں فلاں کو دیا اور فلاں کو بالکل چھوڑ دیا حالانکہ وہ مؤمن ہے حضور ﷺ نے فرمایا مسلمان؟ تین مرتبہ کے بعد دیگرے حضرت سعد نے یہی کہا اور حضور ﷺ نے بھی یہی جواب دیا پھر فرمایا اے سعد میں لوگوں کو دیتا ہوں اور جوان میں مجھے بہت زیادہ محبوب ہوتا ہے اسے نہیں دیتا ہوں، دیتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں وہ اوندھے منہ آگ میں نہ گر پڑیں۔ یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی ہے پس اس حدیث میں بھی حضور ﷺ نے مؤمن ومسلم میں فرق کیا اور معلوم ہو گیا کہ ایمان زیادہ خاص ہے بہ نسبت اسلام کے۔ ہم نے اسے مع دلائل صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی شرح میں ذکر کر دیا ہے فالحمد للہ۔ اور اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ یہ شخص مسلمان تھے منافق نہ تھے اس لئے کہ آپ نے انہیں کوئی عطیہ عطا نہیں فرمایا اور اسے اس کے اسلام کے سپرد کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ اعراب جن کا ذکر اس آیت میں ہے منافق نہ تھے تھے تو مسلمان لیکن اب تک ان کے دلوں میں ایمان صحیح طور پر مستحکم نہ ہوا تھا اور انہوں نے اس بلند مقام تک اپنی رسائی ہو جانے کا ابھی سے دعویٰ کر دیا تھا اس لئے انہیں ادب سکھایا گیا۔ حضرت ابن عباس اور ابراہیم نخعی اور قتادہ کے قول کا یہی مطلب ہے اور اسی کو امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے ہمیں یہ سب یوں کہنا پڑا کہ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منافق تھے جو ایمان ظاہر کرتے تھے لیکن دراصل مؤمن نہ تھے (یہ یاد رہے ایمان واسلام میں فرق اس وقت ہے جبکہ اسلام اپنی حقیقت پر نہ ہو جب اسلام حقیقی ہو تو وہی اسلام ایمان ہے اور اسوقت ایمان اسلام میں کوئی فرق نہیں اس کے بہت سے قوی دلائل امام الائمہ حضرت امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کتاب الایمان میں بیان فرمائے ہیں اور ان لوگوں کا منافق ہونا اس کا ثبوت بھی موجود ہے واللہ اعلم۔ (مترجم) حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت ابن زید فرماتے ہیں یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ تم (اسلمنا) کہو اس سے مراد یہ ہے کہ ہم قتل اور قید بند ہونے سے بچنے کے لئے تابع ہو گئے ہیں، حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو ایمان لانے کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ اب تک وہاں پہنچے نہ تھے پس انہیں ادب سکھایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ اب تک ایمان تک نہیں پہنچے اگر یہ منافق ہوتے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی اور ان کی رسوائی کی جاتی جیسے کہ سورۃ برات میں منافقوں کا ذکر کیا گیا لیکن یہاں تو انہیں صرف ادب سکھایا گیا۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اللہ اور اسی کے رسول ﷺ کے فرماں بردار رہو گے تو تمہارے کسی عمل کا اجر مارا نہ جائے گا۔ جیسے فرمایا: وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٍٔۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (الطور: ۲۱) ہم نے ان کے اعمال میں سے کچھ بھی نہیں گھٹایا۔ پھر فرمایا جو اللہ کی طرف رجوع کرے برائی سے لوٹ آئے اللہ اس کے گناہ معاف فرمانے والا اور اس کی طرف رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے والا ہے پھر فرماتا ہے کہ کامل ایمان والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر دل سے یقین رکھتے ہیں پھر نہ شک کرتے ہیں نہ کبھی ان کے دل میں کوئی نکما خیال پیدا ہوتا ہے بلکہ اسی خیال تصدیق پر اور کامل یقین پر جم جاتے ہیں اور جمے ہی رہتے ہیں اور اپنے نفس اور دل کی

پسندیدہ دولت کو بلکہ اپنی جانوں کو بھی راہ اللہ کے جہاد میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ سچے لوگ ہیں یعنی یہ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو صرف زبان سے ہی ایمان کا دعویٰ کر کے رہ جاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں دنیا میں مؤمن کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے شک شبہ نہ کیا اور اپنی جان اور اپنے مال سے راہ اللہ میں جہاد کیا (۲) وہ جن سے لوگوں نے امن پالیا نہ یہ کسی کا مال ماریں نہ کسی کی جان لیں (۳) وہ جو طمع کی طرف جب جھانکتے ہیں اللہ عزوجل کی یاد کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا تم اپنے دل کا یقین و دین اللہ کو دکھاتے ہو؟ وہ تو ایسا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پھر فرمایا جو اعراب اپنے اسلام لانے کا بار احسان تجھ پر رکھتے ہیں ان سے کہہ دو کہ مجھ پر اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ تم اگر اسلام قبول کرو گے میری فرماں برداری کرو گے میری مدد کرو گے تو اس کا نفع تمہیں کو ملے گا۔ بلکہ دراصل ایمان کی دولت تمہیں دینا یہ اللہ ہی کا احسان ہے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ (اب غور فرمایئے کہ کیا اسلام لانے کا احسان پیغمبر اللہ پر جتانے والے سچے مسلمان تھے؟ پس آیات کی ترتیب سے ظاہر ہے کہ ان کا اسلام حقیقت پر مبنی نہ تھا اور یہی الفاظ بھی ہیں کہ ایمان اب تک ان کے ذہن نشین نہیں ہوا اور جب تک اسلام حقیقت پر مبنی نہ ہو تب تک بیشک وہ ایمان نہیں لیکن جب وہ اپنی حقیقت پر صحیح معنی میں ہو تو پھر ایمان اسلام ایک ہی چیز ہے۔ خود اس آیت کے الفاظ میں غور فرمایئے ارشاد ہے اپنے اسلام کا احسان تجھ پر رکھتے ہیں حالانکہ دراصل ایمان کی ہدایت اللہ کا خود ان پر احسان ہے۔ پس وہاں احسان اسلام رکھنے کو بیان کر کے اپنا احسان ہدایت ایمان جتانا بھی ایمان و اسلام کے ایک ہونے پر باریک اشارہ ہے، مزید دلائل صحیح بخاری شریف وغیرہ ملاحظہ ہوں مترجم) پس اللہ تعالیٰ کا کسی کو ایمان کی راہ دکھانا اس پر احسان کرنا ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین والے دن انصار سے فرمایا تھا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تم میں اتفاق دیا تم مفلس تھے میری وجہ سے اللہ نے تمہیں مالدار کیا جب کبھی حضور ﷺ کچھ فرماتے وہ کہتے بیشک اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بھی زیادہ احسانوں والے ہیں بزار میں ہے کہ بنو اسد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہم مسلمان ہوئے عرب آپ سے لڑتے رہے لیکن ہم آپ سے نہیں لڑے حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سمجھ بہت کم ہے شیطان ان کی زبانوں پر بول رہا ہے اور یہ آیت: يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الحجرات:۱۷) نازل ہوئی پھر دوبارہ اللہ رب العزت نے اپنے وسیع علم اور اپنی سچی باخبری اور مخلوق کے اعمال سے آگاہی کو بیان فرمایا کہ آسمان و زمین کے غیب اس پر ظاہر ہیں اور وہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔



سورہ ق مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس میں پینتالیس آیتیں ہیں اور تین رکوع

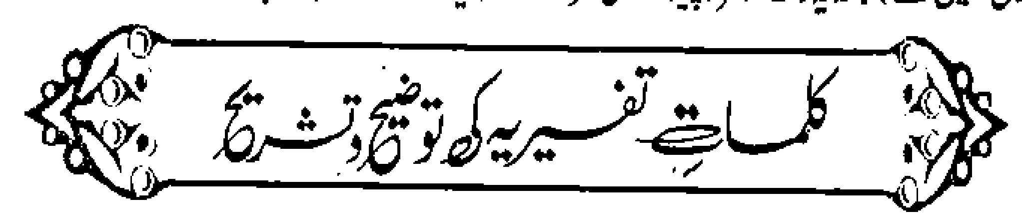
قٓ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ اَلْكَرِيْمِ مَا اٰمَنَ كُفَّارُ مَكَّةَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِهِمْ يُنْذِرُهُمْ يُخَوِّفُهُمْ بِالنَّارِ بَعْدَ الْبَعْثِ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا الْاِنْذَارُ شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ءَاِذَا بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ نَرْجِعُ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝ فِيْ غَايَةِ الْبُعْدِ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ تَاْكُلُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ فِيْهِ جَمِيْعُ الْاَشْيَاءِ الْمُقَدَّرَةِ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ بِالْقُرْاٰنِ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْ شَانِ النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝ مُضْطَرِبٍ قَالُوْا مَرَّةً سَاحِرٌ وَسِحْرٌ وَمَرَّةً شَاعِرٌ وَشِعْرٌ وَمَرَّةً كَاهِنٌ وَكَهَانَةٌ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا بِعُيُوْنِهِمْ مُعْتَبِرِيْنَ بِعُقُوْلِهِمْ حِيْنَ اَنْكَرُوا الْبَعْثَ اِلَى السَّمَآءِ كَائِنَةً فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا بِلَا عَمَدٍ وَزَيَّنّٰهَا بِالْكَوَاكِبِ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ شُقُوْقٍ تَعِيْبُهَا وَالْاَرْضَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى مَوْضِعِ اِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ مَدَدْنٰهَا دَحَوْنَا عَلٰى وَجْهِ الْمَاءِ وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ جِبَالًا تُثَبِّتُهَا وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ صِنْفٍ بَهِيْجٍ ۝ يُبْهَجُ بِهٖ لِحُسْنِهٖ تَبْصِرَةً مَفْعُوْلٌ لَهٗ اَيْ فَعَلْنَا ذٰلِكَ تَبْصِيْرًا مِنَّا وَّذِكْرٰى تَذْكِيْرًا لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ رَجَّاعٍ عَلٰى طَاعَتِنَا وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا كَثِيْرَ الْبَرَكَةِ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ وَّحَبَّ الزَّرْعِ الْحَصِيْدِ ۝ الْمَحْصُوْدِ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ طِوَالًا حَالٌ مُقَدَّرَةٌ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ مُتَرَاكِبٌ بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ يَسْتَوِيْ فِيْهِ الْمُذَكَّرُ وَالْمُؤَنَّثُ كَذٰلِكَ اَيْ مِثْلُ هٰذَا الْاِحْيَاءِ الْخُرُوْجُ ۝ مِنَ الْقُبُوْرِ فَكَيْفَ تُنْكِرُوْنَهٗ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ وَالْمَعْنٰى اَنَّهُمْ نَظَرُوْا وَعَلِمُوْا مَا

ذُكِر كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ تَانِيثُ الْفِعْلِ لِمَعْنٰى قَوْمٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ هِيَ بِئْرٌ كَانُوْا مُقِيْمِيْنَ عَلَيْهَا بِمَوَاشِيْهِمْ يَعْبُدُوْنَ الْاَصْنَامَ وَنَبِيُّهُمْ قِيْلَ حَنْظَلَةُ بْنُ صَفْوَانَ وَقِيْلَ غَيْرُهٗ وَثَمُوْدُ ۙ قَوْمُ صَالِحٍ وَعَادٌ قَوْمُ هُوْدٍ وَّ فِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۙ وَّ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ اَيِ الْغَيْظَةِ قَوْمُ شُعَيْبٍ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ هُوَ مَلِكٌ كَانَ بِالْيَمَنِ اَسْلَمَ وَدَعَا قَوْمَهٗ اِلَى الْاِسْلَامِ فَكَذَّبُوْهُ كُلٌّ مِنَ الْمَذْكُوْرِيْنَ كَذَّبَ الرُّسُلَ كَكُفْرِ قُرَيْشٍ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝ وَجَبَ نُزُوْلُ الْعَذَابِ عَلَى الْجَمِيْعِ فَلَا يَضِيْقُ صَدْرُكَ مِنْ كُفْرِ قُرَيْشٍ بِكَ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ اَيْ لَمْ نَعْيَ بِهٖ فَلَا نَعْيٰى بِالْاِعَادَةِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ شَكٍّ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَهُوَ الْبَعْثُ

ع ۱۵/۱۵

ترجمہ: سورۂ ق مکیہ ہے بجز آیت ولقد خلقنا السموات کے۔ وہ مدنیہ ہے۔ کل ۴۵ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ق (اس کی مراد حقیقی اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قرآن مجید کی (جو کریم ہے کہ کفار مکہ آنحضرتؐ پر ایمان نہیں لائے) بلکہ ان کو اس پر حیرت ہوئی۔ کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا (انہی میں سے ایک فرد پیغمبر ہے۔ جو ان کو قیامت کے عذاب سے ڈراتا ہے) سو کافر کہنے لگے کہ یہ (ڈرانا) عجیب بات ہے کیا جب (اس میں دونوں ہمزہ کی تحقیق ہے اور دوسری ہمزہ کی تسہیل ہے اور ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف ہے۔ یہ چار قراءتیں ہوئیں) ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید (انتہائی دور کی) بات ہے۔ ہم ان کے ان اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی (کھالیتی) کم کر دیتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے (یعنی لوح محفوظ، جس میں تمام ہونے والی باتیں درج ہیں) بلکہ وہ سچی بات (قرآن) کو جھٹلا دیتے ہیں جب کہ ان کے پاس پہنچتی ہے۔ غرضکہ یہ لوگ (آنحضرتؐ اور قرآن کریم کے معاملہ میں) ایک متزلزل حالت میں ہیں (ڈانواں ڈول ہیں کہ کبھی جادوگر اور جادو کہتے ہیں اور کبھی شاعر و شعر اور کبھی کاہن اور کہانت کہتے ہیں) کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں (اپنی آنکھوں سے عقلوں کو کام میں لاکر، انکار قیامت کرتے ہوئے) آسمان کو جو ان کے اوپر ہے کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے (بلاستون کے) اور اس کو (ستاروں سے) آراستہ کر دیا اور اس میں کوئی رخنہ (عیب و پھٹن) نہیں ہے اور زمین کو (اس کا عطف الی السماء کے محل پر ہو رہا ہے کس طرح) ہم نے پھیلا دیا ہے (پانی پر بچھا دیا ہے) اور ہم نے اس میں (مضبوط) پہاڑوں کو جما دیا ہے اور اس میں ہر قسم (طرح طرح) کی خوشنما چیزیں اگا دیں (جن سے ان کے حسن میں رونق آ گئی) جو ذریعہ ہے بینائی (یہ مفعول لہ ہے یعنی ہم نے ان کو بینائی کیلئے بنایا) اور دانائی (نصیحت) کا ہر فرمانبردار (ہمارے اطاعت گزار) بندے کیلئے اور ہم نے آسمان سے (بہت) برکت والا پانی برسایا۔ پھر اس سے بہت سے باغ (چمن) اگائے اور (کٹی ہوئی) کھیتی کا غلہ (دانے) اور لمبی لمبی (یہ حال مقدر ہے) کھجور کے درخت جن کے گچھے گندھے ہوئے ہوتے ہیں (ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ) بندوں کے رزق کے لئے (مفعول لہ ہے) اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو آباد کیا (میتا میں مذکر مونث برابر ہیں) اسی طرح (جیسے یہ زندہ کرنا

ہے) قبروں سے نکلنا ہوگا (پھر کیسے قبروں سے زندہ ہونے کا انکار کر رہے ہو۔ استفہام تقریر کیلئے ہے یعنی یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ رہے ہیں اور خوب جانتے ہیں) ان سے پہلے قوم نوح (کذبت فعل مونث لایا گیا معنی قوم کی رعایت کرتے ہوئے) اور اصحاب الرس (یہ ایک کنواں تھا جس پر اپنے جانوروں سمیت لوگ رہا کرتے تھے۔ اور بت پرستی کیا کرتے تھے۔ بعض کی رائے میں ان کے پیغمبر حضرت حنظلہ ابن صفوان یا دوسرے کوئی بزرگ تھے) اور ثمود (قوم صالح) اور عاد (قوم ہود) اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب الایکہ (بمعنی جھاڑی بن، قوم شعیب مراد ہے) اور قوم تبع (تبع یمن کا بادشاہ جو مسلمان ہوگیا تھا۔ لیکن اس نے اپنی قوم کو جب اسلام کی دعوت پیش کی تو قوم نے اس کو جھٹلایا) تکذیب کر چکے ہیں۔ ان سب نے (قریش کی طرح) سب پیغمبروں کو جھٹلایا۔ سو میری وعید محقق ہوگئی (سب پر عذاب نازل کرنا لازمی ہوگیا۔ لہٰذا آپ کو قریش کے کفر سے تنگ دل نہیں ہونا چاہیے) کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے ہیں؟ (یعنی نہیں تھکے، اس لئے دوبارہ پیدا کرنے میں بھی نہیں تھکیں گے) بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنیکی طرف سے (قیامت کے متعلق) شبہ میں ہیں۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلْكَرِيْم: یعنی شرافت والا یا اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بزرگی والا کلام ہے۔

قوله: نَرْجِعُ: کیا ہم لوٹ کر جائیں گے جب کہ ہم مٹی ہو جائیں گے۔ یہ نرجع کے حذف پر دلالت کرتا ہے۔

قوله: فِيْ غَايَةِ الْبُعْدِ عن الوهم: وہ وہم، عادت و امکان سے نہایت دور ہے۔

قوله: مُضْطَرِبٍ: یہ مرج الخاتم سے نکلا ہے یہ انگوٹھی جب انگلی میں کھلی ہونے کی وجہ سے حرکت کرلے، اس وقت بولا جاتا ہے۔

قوله: كَائِنَةٌ: حال ہے۔

قوله: اِلَى السَّمَاءِ: حرف کے واسطہ سے یہ مفعول بہ ہے۔

قوله: دَحَوْنَا: اس کو بچھا دیا۔ بھیج بمعنی مبھوج۔

قوله: فَعَلْنَا ذٰلِكَ: اس میں اشارہ ہے کہ یہ افعال مذکورہ کی علت ہے۔ اگرچہ آخری فعل سے منصوب ہے۔

قوله: اَلْمَحْصُوْدِ: جس کو کاٹا جائے جو، گندم وغیرہ۔ طلع شگوفہ کو کہتے ہیں جو کھجور کا ہو۔ گابھا۔

قوله: رِزْقًا: یہ انبتنا کا مفعول لہ ہے۔

قوله: وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ: افلم ینظروا میں استفہام تقریر ہے۔

قوله: قَوْمُ نُوْحٍ: قبیلہ کے معنی میں مؤنث ہے۔

قوله: فِرْعَوْنَ: سے فرعون اور اس کی قوم مراد ہے، تاکہ ماقبل سے مناسبت ہے۔ اور مابعد سے نہیں۔

تفسیر مقبولین

گذشتہ سورت یعنی سورۃ حجرات کے مضامین آداب وحقوق رسالت پر مشتمل تھے اور اس امر کی توضیح وتفصیل تھی کہ انسانی سعادت وفلاح کا دار ومدار صرف رسول خدا ﷺ کے احکام وفرامین کی اطاعت وپیروی ہی میں منحصر ہے اور بارگاہ رسالت میں انقیاد وفرمان برداری حقیقت ایمان ہے تو اب اس سورۃ ق میں قرآن کریم کی عظمت وبرتری بیان کی جارہی ہے اور یہ کہ یہ جملہ ہدایات اور سعادت وفلاح کے خزانے کتاب الٰہی قرآن حکیم کے ذریعہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

روایات صحیحہ کی رو سے یہ ثابت ہے کہ مفصلات قرآن میں یہ پہلی سورت ہے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سنن میں روایت کیا ہے کہ اوس رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صحابہؓ سے یہ دریافت کیا کہ آپ حضرات قرآن حکیم کے حصے کس طرح کرتے ہیں فرمایا تین تین سورتوں اور پانچ۔ سات۔ نو۔ گیارہ۔ اور تیرہ سورتوں کے حصے متعین کر لیتے تھے اور مفصلات کا ایک حصہ (جو سورۃ ق سے شروع ہوتا ہے) تین سورتوں سے مراد بقرہ، آل عمران۔ اور سورۃ نساء ہیں اور پانچ سے مراد مائدہ۔ انعام، اعراف اور انفال و براءۃ ہیں۔

اور سات سے سورۃ یونس۔ ہود۔ یوسف، رعد، ابراہیم، حجر، اور سورۃ نحل ہیں اور نو سے مراد سورۃ، سبحان الذی، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مؤمنون، اور فرقان ہیں اور گیارہ سے مراد سورۃ شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، الم سجدہ، احزاب، سبا، فاطر اور سورۃ یٰسین ہیں، اور تیرہ سے مراد سورۃ صافات، ص، الزمر، غافر، حم، سجدہ، حم عسق۔ الزخرف۔ دخان، جاثیہ احقاف، قتال، سورۃ فتح اور حجرات ہیں اور ان کے بعد مفصل۔

آنحضرت ﷺ اکثر اس سورۃ کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے اس سورۃ کے مضامین اکثر ابتداء تخلیق کائنات، بعث بعد الموت، حشر ونشر حساب ووزن اعمال جنت (جہنم اور ثواب وعقاب نیز ترغیب وترہیب پر مشتمل ہیں اس لحاظ سے یہ سورت گویا قرآن حکیم کے اہم مضامین اور اعظم مضامین کا خلاصہ اور لب لباب ہے اسی عظمت واہمیت کے باعث آنحضرت ﷺ اکثر اس سورت کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں پڑھا کرتے تھے چنانچہ ام ہشام بنت حارثہ بن النعمانؓ بیان کرتی ہیں کہ ہمارا مکان رسول اللہ ﷺ کے مکان کے بالکل قریب تھا حتی کہ دو سال تک ہماری روٹی ایک ہی تنور پر پکتی رہی تو مجھے سورۃ ق آنحضرت ﷺ کے جمعے کے خطبے میں سنتے سنتے حفظ ہوگئی حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ ابو واقد لیثیؓ سے دریافت کیا کہ بتاؤ آنحضرت ﷺ عیدین میں کون سی سورت تلاوت فرمایا کرتے تھے، جواب دیا سورۃ ق والقرآن المجید "۔ اور (آیت) "اقتربت الساعۃ وانشق القمر"۔ اور صبح کی نماز میں بھی کثرت سے اس سورت کا پڑھنا ثابت ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝

یعنی قرآن کی بزرگی اور عظمت شان کا کیا کہنا جس نے آخر سب کتابوں کو منسوخ کر دیا اور اپنی اعجازی قوت اور لامحدود اسرار ومعارف سے دنیا کو محو حیرت بنا دیا۔ یہ ہی بزرگی والا قرآن بذات خود شاہد ہے کہ اس کے اندر کوئی نقص وعیب نہیں نہ

کہیں انگلی رکھنے کی جگہ ہے، لیکن منکرین پھر بھی اس کو قبول نہیں کرتے اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اس کے خلاف کوئی حجت برہان ہے بلکہ محض اپنے جہل اور حماقت سے اس پر تعجب کرتے ہیں کہ ان ہی کے خاندان اور نسل کا ایک آدمی ان کی طرف رسول ہو کر آیا اور بڑا بن کر سب کو نصیحتیں کرنے لگا۔ اور بات بھی ایسی عجیب کہی جسے کوئی باور نہ کر سکے۔ بھلا جب ہم مر کر خاک ہو گئے۔ کیا پھر زندگی کی طرف واپس کیے جائیں گے؟ یہ واپسی تو عقل سے بہت دور اور امکان وعادت سے بالکل بعید ہے۔

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝

بَلْ عَجِبُوْٓا، بَلْ کا عطف کس پر ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

فکانه قیل انا انزلناه لتنذر به الناس فلم یومنوا به بل جعلوا کلا من المنذر والمنذر به عرضة للنکیر والتعجب (یعنی ہم نے یہ قرآن نازل کیا تاکہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کو ڈرائیں لیکن وہ لوگ اس پر ایمان نہ لائے انہوں نے ڈرانے والے کو بھی جھٹلایا اور جس چیز سے ڈرایا اس کو بھی جھٹلایا، حق کو نہ مانا تکبر اختیار کیا اور تعجب کرنے لگے) کہ ہم ہی میں سے ڈرانے والا آ گیا؟ اور کہنے لگے کہ یہ تو عجیب چیز ہے، انہوں نے یہ بھی کہا کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے پھر زندہ ہو کر اٹھیں گے یہ تو بہت ہی بعید بات ہے ہماری سمجھ سے باہر ہے ہمارے نزدیک تو ایسا نہیں ہو سکتا، ان لوگوں نے جو موت کے بعد واپس ہونے کو بعید کہا اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ کہ ہم جانتے ہیں زمین جو ان کے اعضا کو کم کرتی ہے یعنی ان کے گوشتوں کو اور ہڈیوں کو اور بالوں کو زمین جو کم کر دیتی ہے ہمیں اس سب کا علم ہے۔ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝ اور ہمارے پاس کتاب ہے جس نے ان سب چیزوں کو محفوظ کر رکھا ہے (زمین نے جو جزو کم کیا، ہڈیوں کی مٹی بن گئی جانوروں کی غذا ہو گئی) ان سب کا ہم کو پتہ ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا تو یہ چیزیں زندہ ہو جائیں گی، اجسام تیار ہو کر روح داخل ہو جائیں گی اور مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے، جو پیدا کرنے والا ہے وہی موت دینے والا ہے، وہی موت کے بعد زندہ فرمائے گا، اس کو سب کا علم ہے اور دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو لوگ دفن کیے جاتے ہیں ان کی سب چیزیں گل جاتی ہیں یعنی مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتی ہیں سوائے ایک ہڈی کے وہ باقی رہ جاتی ہے یعنی ریڑھ کی ہڈی کا تھوڑا سا حصہ قیامت کے دن اسی سے نئی پیدائش ہو گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۱)

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ....

احیاء بعد الموت پر مشہور شبہ کا جواب:

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ، کفار و مشرکین جو قیامت میں بعث بعد الموت (یعنی مردوں کے زندہ ہونے) کا انکار کرتے ہیں ان کی سب سے بڑی دلیل یہ تعجب ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے اکثر اجزاء جسم مٹی ہو جاتے ہیں، پھر وہ مٹی منتشر ہو کر دنیا میں پھیل جاتی ہے، پانی اور ہوا اس کے ذرات کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں، قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے کے لئے ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء کو معلوم رکھنا کہ یہ جز فلاں کا ہے، یہ فلاں کا اور پھر ہر ایک کے اجزاء کو الگ الگ

جمع کر دینا کس کے بس کی بات ہے؟ قرآن کریم نے اس کا جواب دیا کہ انسان اپنے محدود علم و بصیرت پر اللہ تعالیٰ کے غیر محدود و لامتناہی علم کو قیاس کر کے اس گمراہی میں پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم تو اتنا وسیع اور محیط ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا ایک ایک جزء اس کی نظر میں ہے، وہ جانتا ہے کہ مردے کے کس کس حصہ کو زمین نے کھالیا ہے، کیونکہ اس کی کچھ ہڈیاں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہیں کہ ان کو زمین نہیں کھاتی اور جن کو زمین کھا کر مٹی کر دیتی ہے پھر وہ مٹی دنیا جہان کے جس گوشہ میں پہنچتی ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے، جب وہ چاہے گا سب کو ایک جگہ جمع کر دے گا اور ذرا غور کرو تو اس وقت ہر انسان کا جسم جن اجزاء سے مرکب چلتا پھرتا نظر آتا ہے اس میں بھی تو ساری دنیا کے مختلف گوشوں کے اجزاء جمع ہیں، کوئی غذا کی صورت میں کوئی دوا کی صورت میں سارے عالم کے مختلف شہروں اور جنگلوں کے اجزاء ہی تو ہیں جن سے یہ موجودہ جسم مرکب ہوا ہے، پھر اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ دوبارہ ان اجزاء کو دنیا میں منتشر کرنے کے بعد پھر ایک جگہ جمع کر دے اور صرف یہی نہیں کہ اب مرنے اور مٹی ہونے کے بعد انسان کے یہ اجزاء اس کے علم میں آئے ہوں، بلکہ انسان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کی زندگی کا ہر ہر لمحہ اور اس میں پیدا ہونے والے تغیرات اور پھر مرنے کے بعد اس پر کیا کیا حالات پیش آئیں گے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس پہلے سے لکھا ہوا لوح محفوظ میں موجود ہے۔

پھر جو ایسا علیم و بصیر ہے اور جس کی قدرت اتنی کامل اور سب چیزوں پر حاوی ہے اس کے متعلق یہ تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے، مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور مجاہد اور جمہور مفسرین سے منقول ہے۔ (بحر محیط)

فِیْ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ۝ لفظ مَّرِیْجٍ کے معنی لغت میں مختلط کے ہیں، جس میں مختلف چیزوں کا اختلاط اور التباس ہو اور ایسی چیز عموماً فاسد ہوتی ہے، اسی لئے حضرت ابو ہریرہ نے مریج کا ترجمہ فاسد سے فرمایا اور ضحاک اور قتادہ اور حسن بصری وغیرہ نے مختلط اور ملتبس سے فرمایا ہے، مراد یہ ہے کہ یہ کفار و منکرین رسالت اپنے انکار میں بھی کسی ایک بات پر نہیں جمتے، کبھی آپ کو ساحر و جادوگر بناتے ہیں، کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی کاہن و نجومی کہتے ہیں، ان کا کلام خود ملتبس اور فاسد ہے جواب کس کا دیا جائے۔

آگے حق تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کاملہ کا بیان ہے جو آسمان و زمین اور ان کے اندر پیدا ہونے والی بڑی بڑی چیزوں کی تخلیق کے حوالہ سے کیا گیا ہے اس میں آسمان کے متعلق فرمایا: مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ فروج، فرج کی جمع ہے جس کے معنی شق کے آتے ہیں، مراد یہ ہے کہ آسمان کا اتنا بڑا عظیم الشان کرہ حق تعالیٰ نے بنایا ہے اگر انسان کی بنائی ہوئی چیز ہوتی تو اس میں ہزار جوڑ و پیوند اور شقوق کے نشانات پائے جاتے مگر تم آسمان کو دیکھتے ہو اس میں نہ کوئی پیوند لگا ہوا ہے نہ کسی جگہ سے جڑائی اور سلائی کے نشان نظر آتے ہیں اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ نے دروازے بنائے ہیں، دروازے کو شق نہیں کہا جاتا۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ....

اللہ کے محیر العقول شاہکار:

یہ لوگ جس چیز کو ناممکن خیال کرتے تھے پروردگار عالم اس سے بھی بہت زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے اپنی قدرت کے نمونے پیش کر رہا ہے کہ آسمان کو دیکھو اس کی بناوٹ پر غور کرو اس کے روشن ستاروں کو دیکھو اور دیکھو کہ اتنے بڑے آسمان میں ایک سوراخ، ایک چھید، ایک شگاف، ایک دراڑ نہیں چنانچہ سورۃ تبارک میں فرمایا: (اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ) (الملک: ۳) اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے تو اللہ کی اس صفت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار غور کر اور دیکھ تیری نگاہ نامراد اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ پھر فرمایا زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور بچھا دیا اور اس میں پہاڑ جما دیئے تا کہ ہل نہ سکے کیونکہ وہ ہر طرف سے پانی سے گھری ہوئی ہے اور اس میں ہر قسم کی کھیتیاں پھل سبزے اور قسم قسم کی چیزیں اگا دیں جیسے اور جگہ ہے ہر چیز کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا تا کہ تم نصیحت وعبرت حاصل کرو۔ (بھیج) کے معنی خوشنما، خوش منظر، بارونق۔ پھر فرمایا آسمان وزمین اور ان کے علاوہ قدرت کے اور نشانات دانائی اور بینائی کا ذریعہ ہیں ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرنے والا اور اللہ کی طرف رغبت کرنے والا ہو پھر فرماتا ہے ہم نے نفع دینے والا پانی آسمان سے برسا کر اس سے باغات بنائے اور وہ کھیتیاں بنائیں جو کاٹی جاتی ہیں اور جن کے اناج کھلیان میں ڈالے جاتے ہیں اور اونچے اونچے کھجور کے درخت اگا دیئے جو بھرپور میوے لادتے اور لدے رہتے ہیں یہ مخلوق کی روزیاں ہیں اور اسی پانی سے، ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا وہ لہلہانے لگی اور خشکی کے بعد تر وتازہ ہوگئی۔ اور چٹیل سوکھے میدان سرسبز ہو گئے یہ مثال ہے موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی اور ہلاکت کے بعد آباد ہونے کی یہ نشانیاں جنہیں تم روزمرہ دیکھ رہے ہو کیا تمہاری رہبری اس امر کی طرف نہیں کرتیں؟ کہ اللہ مردوں کے جلانے پر قادر ہے چنانچہ اور آیت میں ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (غافر: ۵۷) یعنی آسمان وزمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور آیت میں ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الاحقاف: ۳۳) یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو جلا دے؟ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (فصلت: ۳۹) یعنی تو دیکھتا ہے کہ زمین بالکل خشک اور بنجر ہوتی ہے ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جس سے وہ لہلہانے اور پیداوار اگانے لگتی ہے کیا یہ میری قدرت کی نشانی نہیں بتاتی؟ کہ جس ذات نے اسے زندہ کر دیا وہ مردوں کے جلانے پر بلا شک وشبہ قادر ہے یقیناً وہ تمام تر چیزوں پر قدرت رکھتی ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ○

سابقہ آیات میں کفار کی تکذیب رسالت و آخرت کا ذکر تھا، جس سے رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچنا ظاہر ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں کے حالات بتلائے ہیں کہ ہر پیغمبر کو منکرین و کفار کی طرف سے ایسی ایذائیں پیش آتی ہی ہیں، یہ سنت انبیاء ہے، اس سے آپ شکستہ خاطر نہ ہوں، قوم نوح علیہ السلام کا قصہ قرآن میں بار بار آیا ہے کہ ساڑھے نو سو برس نوح علیہ السلام ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے مگر ان کی طرف سے نہ صرف انکار بلکہ طرح طرح کی ایذائیں پہنچتی رہیں

اصحاب الرس کون لوگ ہیں؟

أَصْحٰبُ الرَّسِّ لفظ رس عربی زبان میں مختلف معنی کے لئے آتا ہے، مشہور معنی یہ ہیں کہ کچے کنویں کو رس کہا جاتا ہے، جو اینٹ پتھر وغیرہ سے پختہ نہ کیا گیا ہو، اصحاب الرس سے مراد قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ ہیں جو عذاب کے بعد باقی رہے، ضحاک وغیرہ مفسرین نے ان کا قصہ یہ لکھا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود) پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے، یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر حضر موت میں جا کر مقیم ہو گئے، حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے، ایک کنویں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے اور حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہو گئی، اسی لئے اس جگہ کا نام حضر موت (یعنی موت حاضر ہو گئی) ہے، یہ لوگ یہیں رہ پڑے، پھر ان کی نسل میں بت پرستی شروع ہو گئی، ان کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے ایک نبی کو بھیجا، جس کو انہوں نے قتل کر ڈالا، ان پر خدا تعالیٰ کا عذاب آیا، ان کا کنواں جس پر ان کی زندگی کا انحصار تھا وہ بیکار ہو گیا اور عمارتیں ویران ہو گئیں، قرآن کریم نے اسی کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے: وبئر معطلة و قصر مشيد، یعنی چشم عبرت والوں کے لئے ان کا بیکار پڑا ہوا کنواں اور پختہ بنے ہوئے محلات ویران پڑے ہوئے عبرت کے لئے کافی ہیں۔ ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی امت ہیں ان کا واقعہ قرآن میں بار بار پہلے گزر چکا ہے۔

عاد: قوم عاد اپنے ڈیل ڈول اور قوت و شجاعت میں ضرب المثل تھی، حضرت ہود علیہ السلام ان کی طرف مبعوث ہوئے، ان کو ستایا ان کی نافرمانی کی، آخر کار ہوا کے طوفان کا عذاب آیا اور سب فنا ہوئے۔

أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ: ایکہ گھنے جنگل اور بن کو کہتے ہیں، یہ لوگ ایسے ہی مقام پر آباد تھے، حضرت شعیب علیہ السلام ان کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے، انہوں نے نافرمانی کی، بالآخر عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہوئے۔

وَقَوْمُ تُبَّعٍ: تبع یمن کے ایک بادشاہ کا لقب ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ حَالٌ بِتَقْدِيرِ نَحْنُ مَا مَصْدَرِيَّةٌ تُوَسْوِسُ تُحَدِّثُ بِهِ الْبَاءُ زَائِدَةٌ أَوْ لِلتَّعْدِيَةِ وَالضَّمِيرُ لِلْإِنْسَانِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ بِالْعِلْمِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ○ الْإِضَافَةُ لِلْبَيَانِ وَالْوَرِيدَانِ عِرْقَانِ

لِصَفْحَتَیِ الْعُنُقِ اِذْ ناصبہ اُذْکُرْ مُقَدَّرًا یَتَلَقَّی یَاْخُذُ وَیُثْبِتُ الْمُتَلَقِّیٰنِ الْمَلَکَانِ الْمُوَکَّلَانِ بِالْاِنْسَانِ
مَایَعْمَلُهُ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ منه قَعِیْدٌ۝ اَیْ قَاعِدَانِ وَهُوَ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ مَا قَبْلَهٗ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ
رَقِیْبٌ حَافِظٌ عَتِیْدٌ۝ حَاضِرٌ وَکُلٌّ مِنْهُمَا بِمَعْنَی الْمُثَنّٰی وَجَآءَتْ سَکْرَةُ الْمَوْتِ غَمْرَتُهٗ وَشِدَّتُهٗ بِالْحَقِّ
مِنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ حَتّٰی یَرَاهُ الْمُنْکِرُ لَهَا عِیَانًا وَهُوَ نَفْسُ الشِّدَّةِ ذٰلِکَ اَیِ الْمَوْتُ مَا کُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ۝
تَهْرِبُ وَتَفْزَعُ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ لِلْبَعْثِ ذٰلِکَ اَیْ یَوْمَ النَّفْخِ یَوْمُ الْوَعِیْدِ۝ لِلْکُفَّارِ بِالْعَذَابِ وَجَآءَتْ
فِیْهِ کُلُّ نَفْسٍ اِلَی الْمَحْشَرِ مَّعَهَا سَآئِقٌ مَلَکٌ یَسُوْقُهَا اِلَیْهِ وَّشَهِیْدٌ۝ یَشْهَدُ عَلَیْهَا بِعَمَلِهَا وَهُوَ الْاَیْدِیْ
وَالْاَرْجُلُ وَغَیْرُهَا وَیُقَالُ لِلْکَافِرِ لَقَدْ کُنْتَ فِی الدُّنْیَا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا النَّازِلِ بِکَ الْیَوْمَ فَکَشَفْنَا عَنْکَ
غِطَآءَکَ اَزَلْنَا غَفْلَتَکَ بِمَا تُشَاهِدُهُ الْیَوْمَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ۝ حَادٌّ تُدْرِکُ بِهٖ مَا اَنْکَرْتَهٗ فِی الدُّنْیَا وَقَالَ
قَرِیْنُهٗ الْمَلَکُ الْمُوَکَّلُ بِهٖ هٰذَا مَا اَیِ الَّذِیْ لَدَیَّ عَتِیْدٌ۝ حَاضِرٌ فَیُقَالُ لِمَالِکٍ اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ اَیْ اَلْقِ
اَلْقِ اَوْ اَلْقِیَنْ وَبِهٖ قَرَاَ الْحَسَنُ فَاُبْدِلَتِ النُّوْنُ اَلِفًا کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ۝ مُعَانِدٍ لِلْحَقِّ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ کَالزَّکٰوةِ
مُعْتَدٍ ظَالِمٍ مُّرِیْبٍ۝ شَاکٍّ فِیْ دِیْنِهٖ الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ مُبْتَدَأٌ ضُمِّنَ مَعْنَی الشَّرْطِ خَبَرُهٗ فَاَلْقِیٰهُ
فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ۝ تَفْسِیْرُهٗ مِثْلُ مَا تَقَدَّمَ قَالَ قَرِیْنُهٗ الشَّیْطَانُ رَبَّنَا مَا اَطْغَیْتُهٗ اَضْلَلْتُهٗ وَلٰکِنْ کَانَ فِیْ
ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ۝ فَدَعَوْتُهٗ فَاسْتَجَابَ لِیْ وَقَالَ هُوَ اَطْغَانِیْ بِدُعَائِهٖ لِیْ قَالَ تَعَالٰی لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ اَیْ مَا
یَنْفَعُ الْخِصَامُ هٰنَا وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ فِی الدُّنْیَا بِالْوَعِیْدِ۝ بِالْعَذَابِ فِی الْاٰخِرَةِ لَوْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلَا بُدَّ مِنْهُ مَا
ع ۲ ۱۲ یُبَدَّلُ یُغَیَّرُ الْقَوْلُ لَدَیَّ فِیْ ذٰلِکَ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۝ فَاُعَذِّبُهُمْ بِغَیْرِ جُرْمٍ وَظَلَّامٌ بِمَعْنٰی ذِیْ ظُلْمٍ
لِقَوْلِهٖ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ وَلَا مَفْهُوْمَ لَهٗ

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں (یہ حال ہے بتقدیر نحن) جو کچھ (مامصدریہ ہے) خیالات آتے
ہیں (پیدا ہوتے ہیں) اس کے (با زائد ہے یا تعدیہ کیلئے ہے اور بہ کی ضمیر انسان کی طرف راجع ہے) جی میں اور ہم انسان
کے (علم کے لحاظ سے) اتنے قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہیں (حبل الورید میں اضافت بیانیہ ہے
اور ورید گردن کی دونوں طرف کی رگوں کو کہتے ہیں) جب کہ حاصل کرتے رہتے ہیں (لیتے اور قلمبند کرتے رہتے ہیں) اخذ
کرنے والے دو فرشتے (انسان کے عمل پر جو دو فرشتے مقرر ہیں) جو (اس کے) دائیں بائیں بیٹھے رہتے ہیں (یہ مبتداء ہے

اس کی خبر پہلے ہے) وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا۔ مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا (نگران) تیار (حاضر) رہتا ہے (رقیب وعتید دونوں لفظ تثنیہ کے معنی میں ہیں) اور موت کی سختی (بے ہوشی اور شدت) حقیقۃً آپہنچی (یہ آخرت کے متعلق ہے۔ حتیٰ کہ ایک منکر بھی اس کو کھلم کھلا دیکھتا ہے یعنی نفس شدت ہے) یہ وہ چیز ہے جس سے تو بد کتا تھا (بھاگتا اور گھبراتا تھا) اور صور (قیامت) پھونکا جائے گا۔ یہی (صور پھونکنے کا روز) وعید کا دن ہوگا (کفار کیلئے عذاب کا) اور آئے گا (اس روز) ہر شخص (محشر کی طرف) اس طرح کہ اس کے ساتھ ایک اس کو اپنے ہمراہ لائے گا (فرشتہ جو محشر کی طرف اس کو دھکیلے گا) اور ایک گواہ ہوگا (جو اس کے اعمال کی شہادت دے گا یعنی اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اور کافر سے کہا جائے گا) تو (دنیا میں) بے خبر تھا اس سے (جو کچھ آج عذاب ہورہا ہے) سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ اٹھا دیا (تیری غفلت دور کردی جو کچھ آج تیرے مشاہدہ میں آرہا ہے) سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے (جن باتوں کا دنیا میں انکار کرتا تھا وہ اب تجھے محسوس ہو رہی ہیں) اور جو فرشتہ (مؤکل) اس کے ساتھ رہا کرتا تھا وہ عرض کرے گا کہ یہ وہ ہے۔ جو میرے پاس تیار ہے (حاضر، دوزخ کے داروغہ سے کہا جائے گا) دوزخ میں جھونک دو (یعنی ڈال دو، یا القین جیسا کہ حسنؒ کی قراءت ہے، نون کو الف سے بدل لیا) ہر کفر کرنے والے ضدی کو (جو حق سے عناد رکھتا ہو) جو نیک کام (جیسے زکوٰۃ) سے روکتا ہو جو حد سے بڑھنے والا (ظالم) شبہ پیدا کرنے والا (اپنے دین میں شک ڈالنے والا) ہو، جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو (یہ جملہ متضمن معنی شرط کو مبتداء ہے آگے خبر ہے) سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو (اس کی تفسیر پہلے جیسی ہے) اس کا ساتھی (شیطان) بولے گا اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا (بہکایا نہیں تھا) لیکن یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا (میں نے اس کو بلایا ضرور تھا، مگر یہ خود میرے بہکانے میں آگیا اور پھر کہتا ہے کہ شیطان نے مجھے بہکا کر گمراہی میں ڈال دیا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میرے سامنے جھگڑنے کی باتیں مت کرو (یعنی اس وقت جھگڑنا بے فائدہ ہے) اور میں تو پہلے ہی (دنیا میں) وعید بھیج چکا تھا (عذاب آخرت کی، ایمان نہ لانے کی صورت میں وہ ہو کر رہے گا) میرے ہاں بات نہیں بدلی۔ (پھیری) جاتی (اس سلسلہ میں) اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (کہ بلا جرم ان کو سزا دے ڈالوں۔ ظلام ظالم کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے لا ظلم الیوم مبالغہ کا مفہوم مراد نہیں ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَهُوَ الْبَعْثُ: یعنی وہ ہماری تخلیق اول پر قدرت تو مانتے ہیں، مگر دوسری مرتبہ تخلیق پر قدرت کو نہیں مانتے کیونکہ وہ عادت کے خلاف ہے۔

قوله: أَوْ لِلتَّعْدِيَةِ: ما مصدریہ ہو تو تعدیہ کے لیے ہوگا۔

قوله: الْإِضَافَةُ: یہ اضافت حبل الورید کی قرب کی مثال ہے۔

قوله: يَتَلَقَّى: حفاظت سے کسی چیز کو لینا اور لکھنا۔

قوله: وَيُثْبِتُ: حفاظت کرتا ہے۔ متلقیان: حفاظت کرنے والے۔

قوله: فعیل: واحد اور متعدد کے لیے آتا ہے۔

قوله: قَاعِدَانِ: بعض اوقات فعیل واحد اور متعدد دونوں کے لیے آتا ہے، جیسا کہ فرمایا: والملٰئکة بعد ذلک ظہیر۔

قوله: سَكْرَةُ الْمَوْتِ: کفار کے استبعاد موت کی تردید فرما کر ان کو جتلایا کہ وہ موت کے وقت اور قیامت کی گھڑی میں بعث کو خود سامنے پائیں گے۔

قوله: بِالْحَقِّ: یعنی سکرات موت واقعہ اسی طرح پیش آگئے۔ جیسے کتب انبیاءؑ میں اس کی نشاندہی کی گئی۔

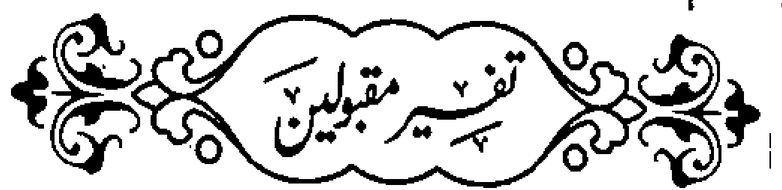
قوله: وَغَيْرُهَا: جیسے فرشتے۔

قوله: حَادٌّ: تیری نگاہ آج کھسی جارہی ہے۔ اس لیے کہ آنکھوں کو دیکھنے کے موانع زائل ہو گئے۔

قوله: هٰذَا: اس سے دیوان عمل مراد ہے۔

قوله: أَلْقِيَا: میں تثنیہ کی ضمیر گویا فعل کو دوبارہ لانے کی طرح ہے۔

قوله: بِالْوَعِيدِ: بازائدہ ہے۔



وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ....

سابقہ آیات میں منکرین حشر ونشر اور مردوں کے زندہ ہونے کو بعید از عقل وقیاس کہنے والوں کے شبہات کا ازالہ اس طرح کیا تھا کہ تم نے حق تعالیٰ کے علم کو اپنے علم وبصیرت پر قیاس کر رکھا ہے اس لئے یہ اشکال ہے کہ مردے کے اجزا مٹی ہو کر دنیا میں بکھرنے کے بعد ان کو کس طرح جمع کیا جا سکتا ہے، مگر حق تعالیٰ نے بتلایا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہمارے علم میں ہے؛ ہمارے لئے ان سب کو جب چاہیں جمع کر دینا کیا مشکل ہے، آیات مذکورہ میں بھی علم الٰہی کی وسعت اور ہمہ گیری کا بیان ہے کہ انسان کے اجزائے منتشرہ کا علم ہونے سے بھی زیادہ بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم ہر انسان کے دل میں آنے والے خیالات کو بھی ہر وقت ہر حال میں جانتے ہیں اور اس کی وجہ دوسری آیت میں یہ بات بیان فرمائی کہ ہم انسان سے اتنے قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن جس پر اس کی زندگی کا مدار ہے وہ بھی اتنی قریب نہیں، اس لئے ہم اس کے حالات کو خود اس سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اس کی تحقیق:

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝ کا جمہور مفسرین نے یہی مطلب قرار دیا ہے کہ قرب سے مراد قرب علمی اور احاطہ علمی ہے قرب مسافت مراد نہیں۔

لفظ ورید عربی زبان میں ہر جاندار کی وہ رگیں ہیں جن سے خون کا سیلان تمام بدن میں ہوتا ہے، طبی اصطلاح میں ...

قسم کی رگیں ہیں، ایک وہ جو جگر سے نکلتی ہیں اور خالص خون سارے بدن انسانی میں پہنچاتی ہیں، طبی اصطلاح میں صرف انہی رگوں کو ورید اور جمع کو اوردہ کہا جاتا ہے، دوسری قسم وہ رگیں جو حیوان کے قلب سے نکلتی ہیں اور خون کی وہ لطیف بھاپ جس کو طبی اصطلاح میں روح کہا جاتا ہے وہ اسی طرح تمام بدن انسانی میں پھیلاتی اور پہنچاتی ہیں ان کو شریان اور شرائین کہا جاتا ہے، پہلی قسم کی رگیں موٹی اور دوسری باریک ہوتی ہیں

آیت مذکورہ میں یہ ضروری نہیں کہ ورید کا لفظ طبی اصطلاح کے مطابق اس رگ کے لئے لیا جائے جو جگر سے نکلتی ہے، بلکہ قلب سے نکلنے والی رگ کو بھی لغت کے اعتبار سے ورید کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اس میں بھی ایک قسم کا خون ہی دوران کرتا ہے اور اس جگہ چونکہ مقصود آیت کا انسان کے قلبی خیالات اور احوال سے مطلع ہونا ہے، اس لئے وہ زیادہ انسب ہے اور بہر حال خواہ ورید باصطلاح طب جگر سے نکلنے والی رگ کے معنی میں ہو یا قلب سے نکلنے والی شریان کے معنی میں، بہر دو صورت جاندار کی زندگی اسی پر موقوف ہے، یہ رگیں کاٹ دی جائیں تو جاندار کی روح نکل جاتی ہے، تو خلاصہ یہ ہوا کہ جس چیز پر انسان کی زندگی موقوف ہے ہم اس چیز سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں یعنی اس کی ہر چیز کا علم رکھتے ہیں

اور صوفیائے کرام کے نزدیک قرب سے مراد اس جگہ صرف قرب علمی اور احاطہ علمی ہی نہیں بلکہ ایک خاص قسم کا اتصال ہے، جس کی حقیقت اور کیفیت تو کسی کو معلوم نہیں ہوسکتی، مگر یہ قرب و اتصال بلا کیف موجود ضرور ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: واسجد واقترب، یعنی "سجدہ کرو اور ہمارے قریب ہو جاؤ" اور ہجرت کے واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق سے فرمایا: الله معنا "یعنی اللہ ہمارے ساتھ ہے" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: ان معی ربی "یعنی میرا رب میرے ساتھ ہے" اور حدیث میں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو، اسی طرح حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "میرا بندہ میرے ساتھ نفلی عبادات کے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے"۔

یہ قرب و تقرب جو عبادات کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور انسان کے لئے کسب و عمل کا نتیجہ ہوتا ہے وہ صرف مؤمن کے لئے مخصوص ہے اور ایسے مؤمنین اولیاء اللہ کہلاتے ہیں جن کو حق تعالیٰ کے ساتھ یہ تقرب حاصل ہو یہ اتصال و قرب اس قرب کے علاوہ ہے جو حق تعالیٰ کو ہر انسان مؤمن و کافر کی جان کے ساتھ یکساں ہے، غرض مذکورہ آیا در وایات اس پر شاہد ہیں کہ انسان کو اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایک خاص قسم کا اتصال حاصل ہے گو ہم اس کی حقیقت اور کیفیت کا ادراک نہ کر سکیں، مولانا رومی نے اسی کو فرمایا ہے۔

اتصالے بے مثال و بے قیاس، ہست رب الناس رابا جان ناس

یہ قرب و اتصال آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا بلکہ فراست ایمانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے

تفسیر مظہری میں اسی قرب و اتصال کو اس آیت کا مفہوم قرار دیا ہے اور جمہور مفسرین کا قول پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اتصال سے مراد اتصال علمی اور احاطہ علمی ہے اور ابن کثیر نے ان دونوں معنی سے الگ ایک تیسری تفسیر یہ اختیار کی ہے کہ آیت میں لفظ نحن سے خود حق تعالیٰ کی ذات مراد نہیں بلکہ اس کے فرشتے مراد ہیں جو انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں، وہ

انسان کی جان سے اتنے باخبر ہوتے ہیں کہ خود انسان بھی اپنی جان سے اتنا باخبر نہیں ہوتا، واللہ اعلم۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝

ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے:

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ. تلقی کے لغوی معنی اخذ کرنے لے لینے اور حاصل کر لینے کے آتے ہیں۔ فتلقی آدم من ربہ کلمت "یعنی لے لئے اور حاصل کر لئے آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات" اس آیت میں متلقیان سے مراد وہ دو فرشتے ہیں جو ہر انسان کے ساتھ اس کے اعمال لکھنے کے لئے ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کے اعمال کو اپنے صحیفوں میں لکھتے رہتے ہیں، عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ "یعنی ان میں ایک اس کے داہنی طرف رہتا ہے (جو اس کے اعمال صالحہ کو لکھتا ہے) دوسرا اس کے بائیں جانب (جو اس کی سیئات کو لکھتا ہے) قعید بمعنی القاعدہ ہے مفرد و جمع دونوں کے لئے لفظ قعید استعمال ہوتا ہے اگرچہ قعید بمعنی قاعد ہے، جیسے جلیس بمعنی جالس، مگر ایک فرق یہ ہے کہ قاعد اور جالس تو صرف بیٹھنے کی حالت میں بولا جاتا ہے اور قعید و جلیس عام ہے جو کسی کے ساتھ ہو خواہ بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے یا چلتے پھرتے ہوئے ان کو قعید و جلیس کہیں گے، ان دونوں فرشتوں کا یہی حال ہے کہ وہ ہر وقت ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں، وہ بیٹھا ہو یا کھڑا، چلتا پھرتا ہو یا سو رہا ہو، صرف ایسی حالت میں جب کہ یہ پیشاب، پاخانہ یا جماع کی ضرورت سے ستر کھولے ہوتا ہے تو یہ فرشتے ہٹ جاتے ہیں، مگر اللہ نے ان کو اس کا ملکہ دے دیا ہے کہ اس حالت میں بھی وہ کوئی گناہ کرے تو ان کو معلوم ہو جاتا ہے۔

ابن کثیر نے احنف بن قیس کی روایت سے لکھا ہے کہ ان دو فرشتوں میں سے صاحب یمین نیک اعمال لکھتا ہے اور وہ صاحب شمال یعنی بائیں جانب کے فرشتے کا بھی نگران و امین ہے، اگر انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو صاحب یمین صاحب شمال سے کہتا ہے کہ ابھی اس کو اپنے صحیفہ میں نہ لکھو اس کو مہلت دو اگر توبہ کر لی تو رہنے دو ورنہ پھر اعمالنامہ میں درج کرو۔
(رواہ ابن ابی حاتم)

اعمالنامہ لکھنے والے فرشتے:

حضرت حسن بصری نے آیت مذکورہ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ تلاوت فرما کر کہا:

"اے ابن آدم! تیرے لئے نامہ اعمال بچھا دیا گیا اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے گئے ہیں، ایک تیری داہنی جانب دوسرا بائیں جانب، داہنی جانب والا تیری حسنات کو لکھتا ہے اور بائیں جانب والا تیری سیئات اور گناہوں کو، اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا جی چاہے عمل کر اور کم کر یا زیادہ، یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو یہ صحیفہ یعنی نامہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا، جو تیرے ساتھ قبر میں جائے گا اور رہے گا، یہاں تک کہ جب تو قیامت کے روز قبر سے نکلے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا: (و کل انسان الزمنہ طٰئرہ فی عنقہ و نخرج لہ یوم القیمۃ کتابا یلقٰہ منشورا اقرا کتٰبک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا) یعنی ہم نے ہر انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن میں لگا دیا

اور قیامت کے روز وہ اس کو کھلا ہوا پائے گا، اب اپنا اعمالنامہ خود پڑھ لے تو خود ہی اپنا حساب لگانے کے لئے کافی ہے"۔
پھر حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اس ذات نے بڑا عدل وانصاف کیا، جس نے خود تجھ کو ہی تیرے اعمال کا محاسب بنا دیا۔ (ابن کثیر) یہ ظاہر ہے کہ اعمال نامہ کوئی دنیوی کاغذ تو ہے نہیں جس کے قبر میں ساتھ جانے اور قیامت تک باقی رہنے پر اشکال ہو، ایک معنوی چیز ہے جس کی حقیقت حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اس لئے اس کا ہر انسان کے گلے کا ہار بننا اور قیامت تک باقی رہنا کوئی تعجب کی چیز نہیں۔
مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۞

انسان کا ہر قول ریکارڈ کیا جاتا ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۞ (یعنی انسان کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالتا جس کو یہ نگران فرشتہ محفوظ نہ کر لیتا ہو، حضرت حسن بصری اور قتادہ نے فرمایا کہ یہ فرشتے اس کا ایک ایک لفظ لکھتے ہیں خواہ اس میں کوئی گناہ یا ثواب ہو یا نہ ہو، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ صرف وہ کلمات لکھے جاتے ہیں جن پر کوئی ثواب یا عتاب ہو، ابن کثیر نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ آیت قرآن کے عموم سے پہلی ہی بات کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، کہ ہر ہر لفظ لکھا جاتا ہے، پھر علی بن ابی طلحہ کی ایک روایت ابن عباس ہی سے ایسی نقل فرمائی جس میں یہ دونوں قول جمع ہو جاتے ہیں) اس روایت میں یہ ہے کہ پہلے تو ہر کلمہ لکھا جاتا ہے، خواہ گناہ وثواب اس میں ہو یا نہ ہو، مگر ہفتہ میں جمعرات کے روز اس پر فرشتے نظر ثانی کر کے صرف وہ رکھ لیتے ہیں جن میں ثواب یا عتاب ہو یعنی خیر یا شر ہو، باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں، قرآن کریم میں: يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتب کے مفہوم میں یہ محو واثبات بھی داخل ہے۔
امام احمد نے حضرت بلال بن حارث مزنی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:
انسان بعض اوقات کوئی کلمہ خیر بولتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، مگر یہ اس کو معمولی بات سمجھ کر بولتا ہے، اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کا ثواب کہاں تک پہنچا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی رضائے دائمی قیامت تک کی لکھ دیتے ہیں، اسی طرح انسان کوئی کلمہ اللہ کی ناراضگی کا (معمولی سمجھ کر) زبان سے نکال دیتا ہے اور اس کو گمان نہیں ہوتا کہ اس کا گناہ ووبال کہاں تک پہنچے گا، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضگی قیامت تک کے لئے لکھ دیتے ہیں۔ (از ابن کثیر)
حضرت علقمہ حضرت بلال بن حارث کی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث نے مجھے بہت سی باتیں زبان سے نکالنے کو روک دیا ہے۔ (ابن کثیر)
وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۞

سکرات الموت:

سَكْرَةُ الْمَوْتِ کے معنی موت کی شدت اور غشی جو موت کے وقت پیش آتی ہے، ابو بکر بن الانباری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مسروق سے روایت یہ کی ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر پر موت کے آثار شروع ہوئے تو صدیقہ عائشہ کو بلایا،

وہ پہنچیں تو یہ حالت دیکھ کر بے ساختہ ایک شعر زبان سے نکلا۔

اذا حشرجت یوما و ضاق بها الصدر

"یعنی جب روح ایک دن مضطرب ہوگی اور سینہ اس سے تنگ ہو جائے گا"

حضرت صدیق اکبر نے سنا تو فرمایا کہ تم نے فضول یہ شعر پڑھا، یوں کیوں نہ کہا: (وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ) رسول اللہ ﷺ کو جب یہ حالت پیش آئی تو آپ پانی میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر لگے اور فرماتے تھے لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات، یعنی کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ موت کی بڑی شدتیں ہوتی ہیں۔

بالحقّ، اس میں حرف با تعدیہ کے لئے ہے، معنی یہ ہیں کہ لے آئی شدت موت امر حق کو یعنی موت کی شدت نے وہ چیزیں سامنے کردیں جو حق وثابت ہیں اور کسی کو ان سے فرار کی گنجائش نہیں۔ (مظہری)

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ، تحید حید سے مشتق ہے، جس کے معنی مائل ہونے، جگہ سے ہٹ جانے اور اقرار کرنے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ موت وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا اور بھاگتا تھا۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب عام انسان کو ہے، موت سے بدکنا اور بھاگنا طبعی طور پر پوری نوع انسانی میں پایا جاتا ہے، ہر شخص زندگی کو مرغوب اور موت کو آفت ومصیبت سمجھ کر اس سے بچنے کی تدبیریں کرتا ہے، جو شرعاً کوئی گناہ بھی نہیں، لیکن آیت میں بتلانا یہ منظور ہے کہ انسان کی یہ طبعی اور فطری خواہش مکمل طور پر ہرگز پوری نہیں ہوسکتی، ایک نہ ایک دن تو بہرحال موت آنا ہی ہے، خواہ تم اس سے کتنا ہی بھاگنا چاہو۔

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾

انسان کو میدان حشر میں لانے والے دو فرشتے:

اس آیت سے اوپر قیامت قائم ہونے کا ذکر ہے، اس آیت میں میدان حشر میں تمام انسانوں کے حاضر ہونے کی ایک خاص کیفیت بیان کی گئی ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک سائق ہوگا، سائق کہتے ہیں اس شخص کو جو جانوروں کے یا کسی جماعت کے پیچھے رہ کر اس کو کسی خاص جگہ پر پہنچانا چاہتا ہے اور شہید کے معنی گواہ کے ہیں، سائق کا فرشتہ ہونا تو باتفاق روایات سے ثابت ہے، شہید کے بارے میں علماء تفسیر کے اقوال مختلف ہیں، بعض کے نزدیک وہ بھی ایک فرشتہ ہی ہوگا، اس طرح سائق اور شہید دو فرشتے ہوگئے، ایک کا کام اس کو میدان حشر میں پہنچانا ہے، دوسرے کا کام یہ ہے کہ جب اس کے اعمال پیش ہوں تو وہ اس پر گواہی دیں یہ دو فرشتے وہ بھی ہوسکتے ہیں جو انسان کے داہنے اور بائیں اعمال کی کتابت کے لئے ہر وقت دنیا میں ساتھ رہتے ہیں، یعنی کراماً کاتبین اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور دو ہوں۔

اور شہید کے متعلق بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ انسان کا عمل ہوگا اور بعض نے خود اسی انسان کو شہید فرمایا، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ظاہر آیت سے یہی ہے کہ وہ بھی ایک فرشتہ ہی ہوگا جو اس کے اعمال پر شہادت دے گا، حضرت عثمان غنی نے خطبہ میں یہ آیت تلاوت فرما کر یہی تفسیر فرمائی ہے اور حضرت مجاہد، قتادہ، ابن زید مفسرین سے بھی یہی منقول ہے، ابن جریر

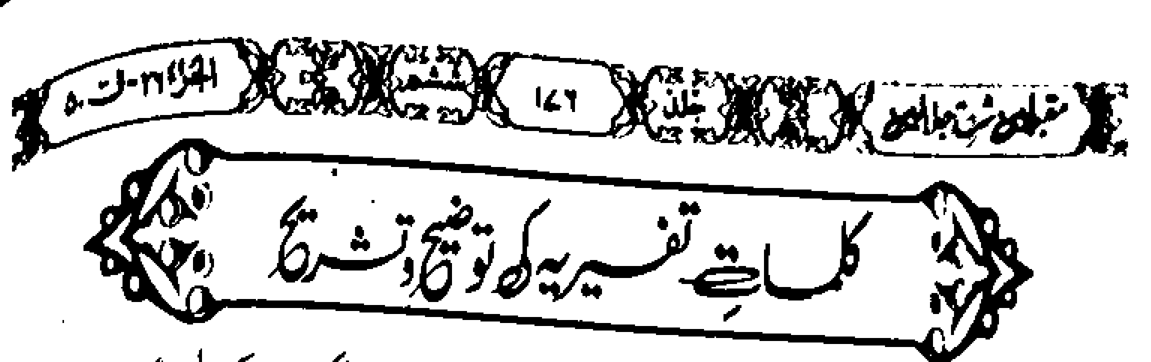
نے اس کو ترجیح دی ہے۔

يَوْمَ ناصبه اُذْكُرْ مقدرًا نَقُوْلُ بالنُّوْنِ وَالْيَاءِ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ اِسْتِفْهَامُ تَحْقِيْقٍ لِوَعْدِهِ بِمَلْئِهَا وَ تَقُوْلُ بِصُوْرَةِ الْاِسْتِفْهَامِ كَالسُّؤَالِ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ اَىْ فِىَّ لَا اَسَعُ غَيْرَ مَا امْتَلَأْتُ بِهٖ اَىْ قَدِ امْتَلَأْتُ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ قُرِّبَتْ لِلْمُتَّقِيْنَ مَكَانًا غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ مِنْهُمْ فَيَرَوْنَهَا وَ يُقَالُ لَهُمْ هٰذَا الْمَرْئِىُّ مَا تُوْعَدُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِى الدُّنْيَا وَيُبْدَلُ مِنْ لِلْمُتَّقِيْنَ قَوْلُهٗ لِكُلِّ اَوَّابٍ رَجَّاعٍ اِلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ حَفِيْظٍ ۝ حَافِظٍ لِحُدُوْدِهٖ مَنْ خَشِىَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ خَافَهٗ وَلَمْ يَرَهُ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝ مُقْبِلٍ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَيُقَالُ لِلْمُتَّقِيْنَ اَيْضًا اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اَىْ سَالِمِيْنَ مِنْ كُلِّ مَخُوْفٍ اَوْ مَعَ سَلَامٍ اَوْ سَلِّمُوْا وَادْخُلُوْا ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ حَصَلَ فِيْهِ الدُّخُوْلُ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ الدَّوَامِ فِى الْجَنَّةِ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا دَائِمًا وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝ زِيَادَةٌ عَلٰى مَا عَمِلُوْا وَطَلَبُوْا وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ اَىْ اَهْلَكْنَا قَبْلَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ قُرُوْنًا اُمَمًا كَثِيْرَةً مِنَ الْكُفَّارِ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا قُوَّةً فَنَقَّبُوْا فَتَّشُوْا فِى الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ لَهُمْ اَوْ لِغَيْرِهِمْ مِنَ الْمَوْتِ فَلَمْ يَجِدُوْا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَذِكْرٰى لَعِظَةً لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ عَقْلٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ اسْتَمَعَ الْوَعْظَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ حَاضِرٌ بِالْقَلْبِ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ تَعَبٍ نَزَلَ رَدًّا عَلَى الْيَهُوْدِ فِىْ قَوْلِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ اسْتَرَاحَ يَوْمَ السَّبْتِ وَانْتِفَاءُ التَّعَبِ عَنْهُ لِتَنَزُّهِهٖ تَعَالٰى عَنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَلِعَدَمِ الْمُجَانَسَةِ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ غَيْرِهٖ اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ فَاصْبِرْ خِطَابٌ لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ اَىِ الْيَهُوْدُ وَ غَيْرُهُمْ مِنَ التَّشْبِيْهِ وَالتَّكْذِيْبِ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ صَلِّ حَامِدًا قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ اَىْ صَلٰوةَ الصُّبْحِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ اَىْ صَلٰوةَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ اَىْ صَلِّ الْعِشَائَيْنِ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ دُبُرٍ وَ بِكَسْرِهَا مَصْدَرُ اَدْبَرَ اَىْ صَلِّ النَّوَافِلَ الْمَسْنُوْنَةَ عَقْبَ الْفَرَائِضِ وَ قِيْلَ الْمُرَادُ حَقِيْقَةُ التَّسْبِيْحِ فِىْ هٰذِهِ الْاَوْقَاتِ مُلَابِسًا لِلْحَمْدِ وَاسْتَمِعْ يَا مُخَاطَبُ مَقُوْلِىْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ هُوَ اِسْرَافِيْلُ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝ مِنَ السَّمَاءِ

وَهُوَ صَخْرَةُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ أَقْرَبُ مَوْضِعٍ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ يَقُوْلُ أَيَّتُهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ وَالْأَوْصَالُ الْمُتَقَطِّعَةُ وَاللُّحُوْمُ الْمُتَمَزِّقَةُ وَالشُّعُوْرُ الْمُتَفَرِّقَةُ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُنَّ أَنْ تَجْتَمِعْنَ لِفَصْلِ الْقَضَاءِ يَوْمَ بَدَلٌ مِنْ يَوْمَ قَبْلَهُ يَسْمَعُوْنَ أَيِ الْخَلْقُ كُلُّهُمُ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ بِالْبَعْثِ وَهِيَ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ مِنْ إِسْرَافِيْلَ وَيَحْتَمِلُ أَنْ تَكُوْنَ قَبْلَ نِدَائِهِ أَوْ بَعْدَهُ ذٰلِكَ أَيْ يَوْمُ النِّدَاءِ وَالسَّمَاعِ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ مِنَ الْقُبُوْرِ وَنَاصِبُ يَوْمَ يُنَادِيْ مُقَدَّرٌ أَيْ يَعْلَمُوْنَ عَاقِبَةَ تَكْذِيْبِهِمْ إِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۝ يَوْمَ بَدَلٌ مِنْ يَوْمَ قَبْلَهُ وَمَا بَيْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ تَشَقَّقُ بِتَخْفِيْفِ الشِّيْنِ وَتَشْدِيْدِهَا بِإِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيْهَا الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا جَمْعُ سَرِيْعٍ حَالٌ مِنْ مُقَدَّرٍ أَيْ فَيَخْرُجُوْنَ مُسْرِعِيْنَ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝ فِيْهِ فَصْلٌ بَيْنَ الْمَوْصُوْفِ وَالصِّفَةِ بِمُتَعَلِّقِهَا لِلْاِخْتِصَاصِ وَهُوَ لَا يَضُرُّ وَذٰلِكَ إِشَارَةٌ إِلَى مَعْنَى الْحَشْرِ الْمُخْبَرِ بِهِ عَنْهُ وَهُوَ الْإِحْيَاءُ بَعْدَ الْفَنَاءِ وَالْجَمْعُ لِلْعَرْضِ وَالْحِسَابِ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ أَيْ كُفَّارُ قُرَيْشٍ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ تُجْبِرُهُمْ عَلَى الْإِيْمَانِ وَهٰذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ وَهُوَ الْمُؤْمِنُوْنَ ع ۳ ۱۲ ۱۷

ترجمہ: جس دن (یوم کا ناصب ظلام ہے) ہم کہیں گے (نون اور یا کے ساتھ ہے) دوزخ سے کہ تو بھی بھر گئی (استفہام ہے دوزخ بھرنے کے وعدہ کی تحقیق کیلئے) اور وہ کہے گی (استفہامیہ صورت میں سوال کرتے ہوئے) کہ کچھ اور بھی ہے اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائیگی (بلحاظ مکان کے) کچھ دور نہ ہوگی (وہ اس کو دیکھ لیں گے ان سے کہا جائے گا) یہ (نظر آنے والی) وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ دنیا میں۔ یوعدون تا اور یا کے ساتھ ہے اور للمتقین کا بدل کل ہے) کہ وہ ہر اس شخص کیلئے ہے جو رجوع کرنیوالا (اللہ کی طاعت کی طرف) پابندی کرنے والا (اللہ کی حدود کی) ہے جو شخص بے دیکھے خدا سے ڈرتا ہو (نہ دیکھنے کے باوجود خوف خدا رکھتا ہوگا) اور ایسے دل کے ساتھ آئے جو رجوع ہونے والا ہو (اللہ کی طاعت کی طرف متوجہ اور متقیوں سے یہ بھی کہا جائے گا) اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ) یہ دن (جس میں جنت کا داخلہ ہوا) ہمیشہ رہنے کا ہوگا (جنت میں) ان کو بہشت میں (ہمیشہ) سب کچھ ملتا رہے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے (ان کے عمل اور ان کی طلب سے) اور ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں (یعنی کفار قریش سے پہلے بہت سی کفار امتیں ہم تباہ کر چکے ہیں) جو طاقت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں کہ وہ تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے۔ مگر کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی (قریش کو یا اور کافروں کو موت سے چھٹکارا نہیں کہ بچ جائیں) اس (مذکورہ بات) میں نصیحت

(عبرت) ہے اس شخص کیلئے جس کے پاس دل (عقل) ہو یا کان ہی لگا لیتا ہو (وعظ سننے کیلئے) متوجہ ہو کر (دل
سے) اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنا ڈالا (اتوار سے جمعہ تک) اور
ہمیں تکان (تعب) نے چھوا تک نہیں (یہود کے اس خیال کو رد کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ نے سنیچر کو آرام
کیا تھا۔ تکان نہ ہونے کا مطلب اللہ کا مخلوق کے احوال سے پاک ہونا ہے اور یہ کہ اللہ اور دوسروں میں کچھ جوڑ
نہیں۔ اللہ کی شان تو یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے فوراً ہو جاتا ہے) پس آپ صبر کیجئے (آنحضرتؐ کو ارشاد ہے) ان کی
باتوں پر (یہود وغیرہ جو تشبیہ اور تکذیب کی باتیں کرتے ہیں) اور اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتے رہیے (نماز شکر
ادا کیجئے) سورج نکلنے سے پہلے (نماز فجر) اور سورج چھپنے سے پہلے (نماز ظہر وعصر) اور رات میں بھی اس کی تسبیح
کیجئے (مغرب وعشاء کی نماز پڑھیے) اور نمازوں کے بعد بھی (ادبار فتح ہمزہ کے دبر کی جمع اور کسر ہمزہ کے ساتھ
ادبر کا مصدر ہے۔ یعنی فرائض کے بعد نوافل بھی پڑھیئے اور بعض کی رائے ہے کہ ان اوقات میں تسبیح وحمد کرنا مراد
ہے) اور (اے مخاطب میری بات) سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا (اسرافیل) پاس ہی سے پکارے گا (صخرۂ
بیت المقدس سے جو زمین کی نسبت آسمان سے قریب ہے۔ صور اسرافیل یہ بولے گا کہ اے پرانی ہڈیو! اور جوڑ بند
ٹوٹے ہوئے گوشت کے ٹکڑو! پراگندہ بالو! اللہ تمہارے فیصلہ کیلئے جمع کرنے کا حکم فرماتا ہے) جس روز (پہلے یوم سے بدل
ہے) سن لیں گے (تمام لوگ) قیامت کی چیخ و پکار (الحق سے مراد دوسرا نفخہ اسرافیلی ہے۔ اور ممکن ہے یہ شور اسرافیل
کی پکار سے پہلے ہو یا بعد میں) یہ (پکار اور سننے کا دن) نکلنے کا دن ہوگا (قبروں سے اور یوم ینادی کا ناصب مقدر
ہے یعنی کفار اپنی تکذیب کے انجام کو جان جائیں گے) ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف
لوٹ کر پھر آنا ہے جس روز (پہلے یوم سے یہ بدل ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے) کھل جائے گی (تخفیف
شین کے ساتھ اور تشدید شین کے ساتھ، اصل میں تاء ثانیہ کا ادغام ہے) زمین ان پر سے جب کہ وہ دوڑتے ہوں گے (سراعا
سریع کی جمع ہے۔ مقدر سے حال ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے فیخرجون مسرعین) یہ جمع کر لینا ہمارے لئے
آسان ہے (موصوف صفت کے درمیان متعلق کا فصل اختصاص کیلئے اور اس فصل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ذلک
معنی حشر کی طرف اشارہ ہے جس خبر کی اطلاع کی جا رہی ہے یعنی زندہ کرنا اور حساب وکتاب کیلئے پیشی) ہم خوب
جانتے ہیں جو کچھ (کفار قریش) کہتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی ٹھونسنے والے نہیں ہیں (کہ ان کو ایمان پر مجبور کر
سکیں یہ ارشاد جہاد سے پہلے کا ہے) آپ تو قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہیئے جو میری وعید سے ڈرتا
ہو (یعنی مؤمن)۔



قوله: تَخْفِيقِيْ لِوَعْدِهِ: یہ قول بھر جانے کے بعد کہا جائے گا۔ گویا استفہام بھرنے کو ثابت کے لیے ہوگا۔

قوله: مَكَانًا غَيْرَ بَعِيْدٍ: غیر کا نصب ظرفیت کی وجہ سے ہے۔

قوله: مَنْ خَشِيَ: یہ بدل کے بعد بدل ہے۔

قوله: زِيَادَةٌ: یہ اللہ تعالیٰ کا بلا کیف دیدار ہے۔

قوله: فَنَقَّبُوْا: کریدنا اور تلاش کرنا۔

قوله: لَهٗ قَلْبٌ: اس سے حقائق میں سوچ وبچار والا دل مراد ہے۔

قوله: غَيْرُهُمْ: اس سے مشرکین مراد ہیں۔

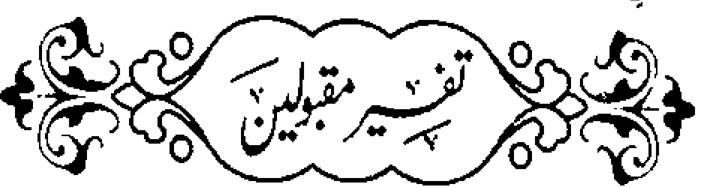
قوله: اَدْبَارَ: جمع دبر، یعنی نمازوں کے بعد۔

قوله: ادبرت الصلوٰة: نماز کے پورے اور مکمل ہونے کو کہتے ہیں، یہ خفوق النجم کی طرح ہے۔

قوله: بِالْحَقِّ: اس کا تعلق صیحۃ سے ہے۔

قوله: بِالْبَعْثِ: حق سے مراد بعث بعد الموت ہے۔

قوله: اِلٰى مَعْنَى الْحَشْرِ: وہ بعث اور جمع ہونے کا دن ہے۔



يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ۝

دوزخ سے اللہ تعالیٰ کا خطاب! کیا تو بھر گئی؟ اس کا جواب ہوگا کیا کچھ اور بھی ہے:

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جہنم سے وعدہ ہے کہ اسے پر کردے گا اس لئے قیامت کے دن جو جنات اور انسان اس کے قابل ہوں گے انہیں اس میں ڈال دیا جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ اب تو تو پر ہوگئی؟ اور یہ کہے گی کہ اگر کچھ اور گنہگار باقی ہوں تو انہیں بھی مجھ میں ڈال دو۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم میں گنہگار ڈالے جائیں گے اور وہ زیادتی طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا پس وہ کہے گی بس بس۔ مسند احمد کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس وقت یہ سمٹ جائے گی اور کہے گی تیری عزت وکرم کی قسم بس بس اور جنت میں جگہ بچ جائے گی یہاں تک کہ ایک مخلوق پیدا کرکے اللہ تعالیٰ اس جگہ کو آباد کرے گا، صحیح بخاری میں ہے جنت اور دوزخ میں ایک مرتبہ گفتگو ہوئی جہنم نے کہا کہ میں ہر متکبر اور ہر متجبر کے لئے مقرر کی گئی ہوں اور جنت نے کہا

میرا یہ حال ہے کہ مجھ میں کمزور لوگ اور وہ لوگ جو دنیا میں ذی عزت نہ سمجھے جاتے تھے وہ داخل ہوں گے اللہ عزوجل نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا اس رحمت کے ساتھ نوازدوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ساتھ میں جسے چاہوں گا عذاب کروں گا۔ ہاں تم دونوں بالکل بھر جاؤ گی تو جہنم تو نہ بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا اب وہ کہے گی بس بس بس۔ اس وقت وہ بھر جائے گی اور اس کے سب جوڑ آپس میں سٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ ہاں جنت میں جو جگہ بچ رہے گی اس کے بھرنے کے لئے اللہ عزوجل اور مخلوق پیدا کرے گا مسند احمد کی حدیث میں جہنم کا قول یہ ہے کہ مجھ میں جبر کرنے والے تکبر کرنے والا بادشاہ اور شریف لوگ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا مجھ میں کمزور ضعیف فقیر مسکین داخل ہوں گے مسند ابو یعلی میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ذات قیامت کے دن دکھائے گا۔ میں سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا پھر میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کروں گا کہ وہ اس سے خوش ہو جائے گا پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی پھر میری امت جہنم کے اوپر کے پل سے گزرنے لگے گی بعض تو نگاہ کی سی تیزی سے گزر جائیں گے بعض تیر کی طرح پار ہو جائیں گے بعض تیز گھوڑوں سے زیادہ تیزی سے پار ہو جائیں گے یہاں تک کہ ایک شخص گھٹنوں چلتا ہوا گزر جائے گا اور یہ مطابق اعمال ہوگا اور جہنم زیادتی طلب کر رہی ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا پس یہ سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس اور میں حوض پر ہوں گا۔ لوگوں نے کہا حوض کیا ہے؟ فرمایا اللہ کی قسم اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر برتن آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں جسے اس کا پانی مل گیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور جو اس سے محروم رہ گیا اسے کہیں سے پانی نہیں ملے گا جو سیراب کر سکے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں کوئی مکان ہے کہ مجھ میں زیادتی کی جائے؟ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں ایک کے بھی آنے کی جگہ ہے؟ میں بھر گئی، حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس میں جہنمی ڈالے جائیں گے یہاں تک کہ وہ کہے گی میں بھر گئی اور کہے گی کہ کیا مجھ میں زیادہ کی گنجائش ہے؟ امام ابن جریر پہلے قول کو ہی اختیار کرتے ہیں اس دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ گویا ان بزرگوں کے نزدیک یہ سوال اس کے بعد ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھ دے اب جو اس سے پوچھے گا کہ کیا تو بھر گئی تو وہ جواب دے گی کہ کیا مجھ میں کہیں بھی کوئی جگہ باقی رہی ہے جس میں کوئی آ سکے؟ یعنی باقی نہیں رہی پر ہو گئی۔ حضرت عوفی حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ اس وقت ہوگا جبکہ اس میں سوئی کے ناکے کے برابر بھی جگہ باقی نہ رہے گی۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے جنت قریب کی جائے گی یعنی قیامت کے دن جو دور نہیں ہے اس لئے کہ جس کا آنا یقینی ہو وہ دور نہیں سمجھا جاتا۔ (اواب) کے معنی رجوع کرنے والا، توبہ کرنے والا، گناہوں سے رک جانے والا۔ (حفیظ) کے معنی وعدوں کا پابند۔ حضرت عبید بن عمیر فرماتے ہیں (اواب حفیظ) وہ ہے جو کسی مجلس میں بیٹھ کر نہ اٹھے جب تک کہ استغفار نہ کر لے۔ جو رحمان سے بن دیکھے ڈرتا ہے یعنی تنہائی میں بھی خوف اللہ رکھے۔ حدیث میں ہے وہ بھی قیامت کے دن عرش اللہ کا سایہ پائے گا جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہ نکلیں اور قیامت کے دن اللہ کے پاس دل سلامت لے کر جائے۔ جو اس کی جانب جھکنے والا ہو۔ اس میں یعنی جنت میں چلے جاؤ اللہ کے تمام عذابوں سے

تمہیں سلامتی مل گئی اور یہ بھی مطلب ہے کہ فرشتے ان پر سلام کریں گے یہ خلود کا دن ہے۔ یعنی جنت میں ہمیشہ کے لئے جا
رہے ہو جہاں کبھی موت نہیں۔ یہاں سے کبھی نکال دیئے جانے کا خطرہ نہیں جہاں سے تبدیلی اور ہیر پھیر نہیں۔ پھر فرمایا یہ
وہاں جو چاہیں گے پائیں گے بلکہ اور زیادہ بھی۔ کثیر بن مرہ فرماتے ہیں مزید یہ بھی کہ اہل جنت کے پاس سے ایک بادل
گذرے گا جس میں سے ندا آئے گی کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہو میں برساؤں، پس یہ جس چیز کی خواہش کریں گے اس سے
برسے گی حضرت کثیر فرماتے ہیں اگر میں اس مرتبہ پر پہنچا اور مجھ سے سوال ہوا تو میں کہوں گا کہ خوبصورت خوش لباس نوجوان
کنواریاں برسائی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارا جی جس پرند کو کھانے کو چاہے گا وہ اسی وقت بھنا بھنایا موجود
ہو جائے گا مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر جنتی اولاد چاہے گا تو ایک ہی ساعت میں حمل اور بچہ اور بچے کی جوانی
ہو جائے گی، امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ چاہے گا ہو جائے گا اور آیت
میں ہے آیت (للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ) صہیب بن سنان رومی فرماتے ہیں اس زیادتی سے مراد اللہ کریم کے چہرے کی
زیارت ہے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں ہر جمعہ کے دن انہیں دیدار باری تعالیٰ ہوگا یہی مطلب مزید کا ہے۔ مسند
شافعی میں ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جس کے بیچوں بیچ ایک نکتہ تھا
حضور ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جمعہ کا دن ہے جو خاص آپ کو اور آپ کی امت کو بطور فضیلت کے عطا فرمایا گیا
ہے۔ سب لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہیں یہود بھی اور نصاریٰ بھی تمہارے لئے اس میں بہت کچھ خیر و برکت ہے اس میں
ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے گا مل جاتا ہے ہمارے یہاں اس کا نام یوم المزید ہے، حضور
ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا تیرے رب نے جنت الفردوس میں ایک کشادہ میدان بنایا ہے جس میں مشکی ٹیلے ہیں جمعہ
کے دن اللہ تعالیٰ جن جن فرشتوں کو چاہے اتارتا ہے اس کے اردگرد نوری منبر ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم السلام رونق افروز ہوتے
ہیں یہ منبر سونے کے ہیں جس پر جڑاؤ جڑے ہوئے ہیں شہداء اور صدیق لوگ ان کے پیچھے ان مشکی ٹیلوں پر ہوں گے۔ اللہ
عزوجل فرمائے گا میں نے اپنا وعدہ تم سے سچا کیا اب مجھ سے جو چاہو مانگو پاؤ گے۔ یہ سب کہیں گے ہمیں تیری خوشی اور
رضامندی مطلوب ہے اللہ فرمائے گا یہ تو میں تمہیں دے چکا میں تم سے راضی ہو گیا اس کے سوا بھی تم جو چاہو گے پاؤ گے اور
میرے پاس اور زیادہ ہے۔ پس یہ لوگ جمعہ کے خواہش مند رہیں گے کیونکہ انہیں بہت سی نعمتیں اسی دن ملتی ہیں یہی دن ہے
جس دن تمہارا رب عرش پر مستوی ہوا اسی دن حضرت آدم پیدا کئے گئے اور اسی دن قیامت آئے گی اسی طرح اسے حضرت
امام شافعی نے کتاب الام کی کتاب الجمعہ میں بھی وارد کیا ہے امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ایک بہت بڑا
اثر وارد کیا ہے جس میں بہت سی باتیں غریب ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جنتی ستر سال تک ایک ہی
طرف متوجہ بیٹھا رہے گا پھر ایک حور آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرے گی وہ اتنی
خوبصورت ہوگی کہ اس کے رخسار میں اسے اپنی شکل اس طرح نظر آئے گی جیسے آب دار آئینے میں وہ جو زیورات پہنے ہوئے
ہوگی ان میں کا ایک ایک ادنیٰ موتی ایسا ہوگا کہ اس کی جوت سے ساری دنیا منور ہو جائے وہ سلام کرے گی یہ جواب دے کر
پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی میں ہوں جسے قرآن میں مزید کہا گیا تھا۔ اس پر ستر حلے ہوں گے لیکن تاہم اس کی خوبصورتی اور

...رنگ اور صفائی کی وجہ سے باہر ہی سے اس کی پنڈلی کا گودا تک نظر آئے گا اس کے سر پر جڑاؤ تاج ہوگا جس کا ادنیٰ موتی
مشرق مغرب کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾

بے سود کوشش:

ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کفار تو کیا چیز ہیں؟ ان سے بہت زیادہ قوت وطاقت اور اسباب تعداد کے لوگوں کو اسی جرم پر ہم تہ و بالا کر چکے ہیں جنہوں نے شہروں میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں زمین میں خوب فساد کیا۔ لمبے لمبے سفر کرتے تھے ہمارے عذاب دیکھ کر بچنے کی جگہ تلاش کرنے لگے مگر یہ کوشش بالکل بے سود تھی اللہ کی قضا وقدر اور اس کی پکڑ دھکڑ سے کون بچ سکتا تھا؟ پس تم بھی یاد رکھو کہ جس وقت میرا عذاب آ گیا بغلیں جھانکتے رہ جاؤ گے اور بھوسی کی طرح اڑا دیئے جاؤ گے۔ ہر عقلمند کے لئے اس میں کافی عبرت ہے اگر کوئی ایسا بھی ہو جو سمجھ داری کے ساتھ دھیان لگائے وہ بھی اس میں بہت کچھ پا سکتا ہے یعنی دل کو حاضر کر کے کانوں سے سنے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو زمین کو اور اسکے درمیان کی چیزوں کو چھ روز میں پیدا کر دیا اور وہ تھکا نہیں اس میں بھی موت کے بعد کی زندگی پر اللہ کے قادر ہونے کا ثبوت ہے کہ جو ایسی بڑی مخلوق کو اولاً پیدا کر چکا ہے اس پر مردوں کا جلانا کیا بھاری ہے؟ حضرت قتادہ کا فرمان ہے کہ ملعون یہود کہتے تھے کہ چھ دن میں مخلوق کو رچا کر خالق نے ساتویں روز آرام کیا اور یہ دن ہفتہ کا تھا اس کا نام ہی انہوں نے یوم الراحت رکھ چھوڑا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس واہی خیال کی تردید کی کہ ہمیں تھکن ہی نہ تھی آرام کیسا؟ جیسے اور آیت میں ہے: وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الاحقاف: ۳۳)، یعنی کیا انہوں نے نہیں دیکھا؟ کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا وہ مردوں کے جلانے پر قادر نہیں؟ ہاں کیوں نہیں وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اور آیت میں ہے آیت لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (غافر: ۵۷) البتہ آسمان و زمین کی پیدائش لوگوں کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور آیت میں ہے: ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا (النازعات: ۲۷) کیا تمہاری پیدائش سے زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی اسے اللہ نے بنایا ہے۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہ جھٹلانے اور انکار کرنے والے جو کہتے ہیں اسے صبر سے سنتے رہو اور انہیں مہلت دو ان کو چھوڑ دو اور سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اور رات کو اللہ کی پاکی اور تعریف کیا کرو۔ معراج سے پہلے صبح اور عصر کی نماز فرض تھی اور رات کی تہجد آپ پر اور آپ کی امت پر ایک سال تک واجب رہی اس کے بعد ہی اس کے بعد آپ کی امت سے اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اس کے بعد معراج والی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن میں فجر اور عصر کی نمازیں جوں کی توں رہیں۔ پس سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے مراد فجر کی اور عصر کی نماز ہے مسند احمد میں ہے ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودہویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اسے اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو جس کے دیکھنے میں کوئی دھکا پیل نہیں پس اگر تم سے ہو سکے تو خبردار سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نمازوں سے غافل نہ ہو جایا کرو، پھر آپ نے آیت: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا

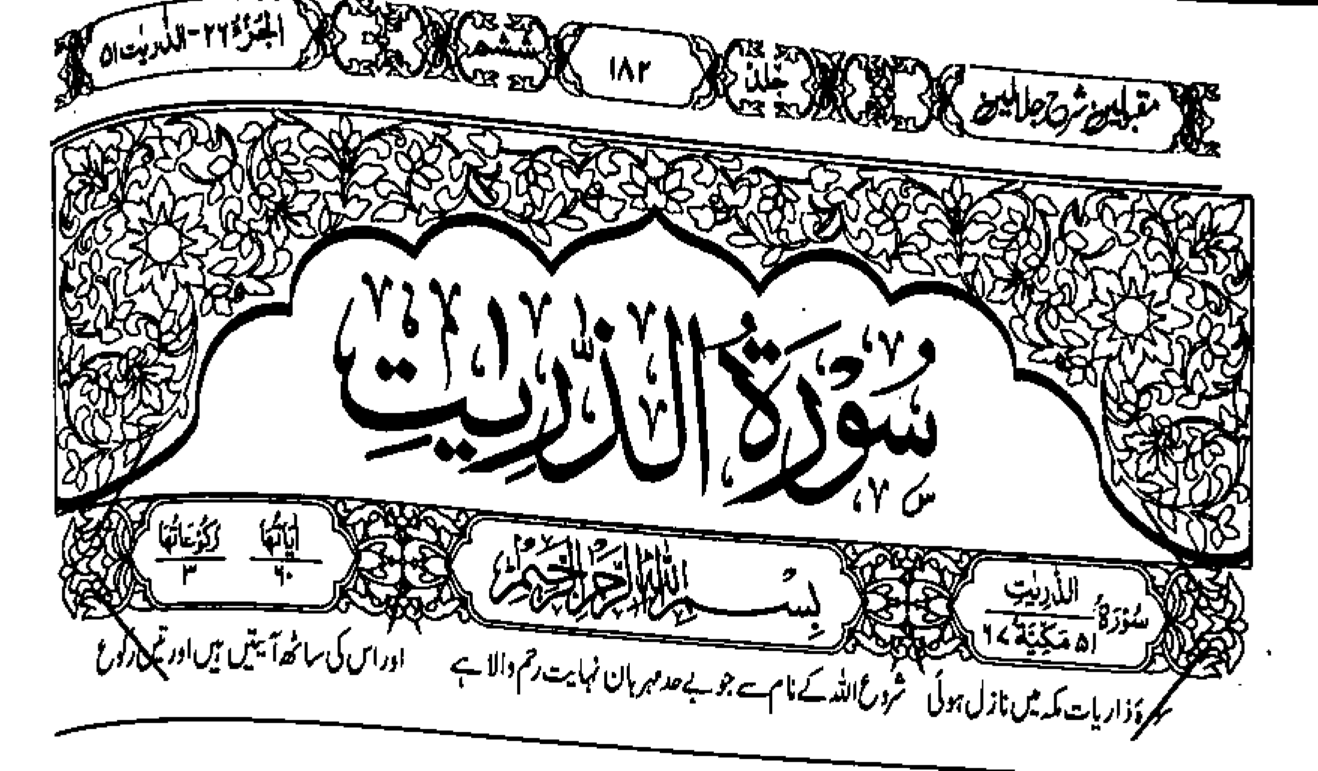
وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى (طٰہٰ: ۱۳۰) پڑھی یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی ہے۔ رات کو بھی اس کی تسبیح بیان کریعنی نماز پڑھ جیسے فرمایا: وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (الاسراء :۷۹) یعنی رات کو تہجد کی نماز پڑھا کر یہ زیادتی خاص تیرے لئے ہی ہے تجھے تیرا رب مقام محمود میں کھڑا کرنے والا ہے سندوں کے پیچھے سے مراد بقول حضرت ابن عباس نماز کے بعد اللہ کی پاکی بیان کرنا ہے۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مفلس مہاجر آئے اور کہا یارسول اللہ ﷺ مالدار لوگ بلند درجے اور ہمیشہ والی نعمتیں حاصل کر چکے آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ جواب دیا کہ ہماری طرح نماز روزہ بھی تو وہ بھی کرتے ہیں لیکن وہ صدقہ دیتے ہیں جو ہم نہیں دے سکتے وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے آپ نے فرمایا آؤ تمہیں ایک ایسا عمل بتلاؤں کہ جب تم اسے کرو تو سب سے آگے نکل جاؤ اور تم سے افضل کوئی نہ نکلے لیکن جو اس عمل کو کرے۔ تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھ لیا کرو پھر وہ آئے اور کہا یارسول اللہ ﷺ ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی آپ کی اس حدیث کو سنا اور وہ بھی اس عمل کو کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا پھر یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعت ہیں۔ حضرت عمر حضرت علی حضرت حسن بن علی حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ حضرت ابو امامہؓ کا یہی فرمان ہے اور یہی قول ہے حضرت مجاہد حضرت عکرمہ حضرت شعبی حضرت نخعی حضرت قتادہ رحمھم اللہ وغیرہ کا۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ ہر فرض نماز کے بعد دو دو رکعت پڑھا کرتے تھے بجز فجر اور عصر کی نماز کے عبد الرحمن فرماتے ہیں ہر نماز کے پیچھے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہاں گذاری آپ نے فجر کے فرضوں سے پہلے دو ہلکی رکعت ادا کیں پھر گھر سے نماز کیلئے نکلے اور فرمایا اے ابن عباس فجر کے پہلے کی دو رکعت: وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ (الطور: ۴۹) ہیں اور مغرب کے بعد کی دو رکعت وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (ق: ۴۰) ہیں۔ یہ اسی رات کا ذکر ہے جس رات حضرت عبد اللہ نے تہجد کی نماز کی تیرہ رکعت آپ کی اقتداء میں ادا کی تھیں اور اس رات آپ کی خالہ حضرت میمونہ کی باری تھی۔ لیکن اوپر جو بیان ہوا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں ہاں اصل حدیث تہجد کی تو بخاری ومسلم میں ہے۔ ممکن ہے کہ پچھلا کلام حضرت ابن عباس کا اپنا ہو۔ واللہ اعلم۔

وَاسْتَمِعْ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۴۱﴾

جب سب قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے:

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ بیت المقدس کے پتھر پر کھڑا ہو کر یہ آواز لگائے کہ اے سڑی گلی ہڈیو اور اے جسم کے متفرق اجزاؤ اللہ تمہیں جمع ہو جانے کا حکم دیتا ہے تاکہ تمہارے درمیان فیصلہ کردے، پس مراد اس سے صور ہے یہ حق اس شک وشبہ اور اختلاف کو مٹا دے گا جو اس سے پہلے تھا یہ قبروں سے نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا ابتداءً یہ پیدا کرنا پھر لوٹانا اور تمام خلائق کو ایک جگہ لوٹا لانا یہ ہمارے ہی بس کی بات ہے۔ اس وقت ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ہم دیں گے تمام بھلائی برائی کا عوض ہر ہر شخص کو پالے گا زمین پھٹ جائے گی اور سب جلدی جلدی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے مخلوقات کے بدن اگنے لگیں گے جس طرح کیچڑ میں پڑا ہوا دانہ

بارش سے اگ جاتا ہے۔ جب جسم کی پوری نشوونما ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ تمام روحیں صور کے سوراخ میں ہوں گی ان کے صور پھونکتے ہی روحیں آسمان کے درمیان پھرنے لگ جائیں گی اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے عزت وجلال کی قسم ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے جسے اس نے دنیا میں آباد رکھا تھا۔ پس ہر روح اپنے اپنے اصلی جسم میں جاملے گی اور جس طرح زہریلے جانور کا اثر چوپائے کے رگ وریشہ میں بہت جلد پہنچ جاتا ہے اسی طرح اس جسم کے رگ وریشے میں فوراً روح دوڑ جائے گی اور ساری مخلوق اللہ کے فرمان کے ماتحت دوڑتی ہوئی جلد از جلد میدان محشر میں حاضر ہو جائے گی یہ وقت ہوگا جو کافروں پر بہت ہی سخت ہوگا۔ فرمان باری ہے: يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا (الاسراء: ۵۲)، یعنی جس دن وہ تمہیں پکارے گا تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے جواب دو گے اور سمجھتے ہو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے۔ صحیح مسلم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہوگی۔ فرماتا ہے کہ یہ دوبارہ کھڑا کرنا ہم پر بہت ہی سہل اور بالکل آسان ہے جیسے اللہ جل جلالہ نے فرمایا: وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (القمر: ۵۰) یعنی ہمارا حکم اس طرح یکبارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا اور آیت میں ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ (لقمان: ۲۸)، یعنی تم سب کا پیدا کرنا اور پھر مارنے کے بعد زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو سننے دیکھنے والا ہے۔ پھر جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں تو اسے اہمیت نہ دے ہم خود نپٹ لیں گے جیسے اور جگہ ہے: وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ (الحجر: ۹۷) واقعی ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں سو اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی پاکی اور تعریف کرتے رہیے اور نمازوں میں رہیے اور موت آجانے تک اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیے۔ پھر فرماتا ہے تو انہیں ہدایت پر جبراً انہیں لاسکتا نہ ہم نے تجھے اس کا مکلف بنایا ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ ان پر جبر نہ کرو، لیکن پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ الفاظ میں یہ نہیں کہ تم ان پر جبر نہ کرو بلکہ یہ ہے کہ تم ان پر جبار نہیں ہو یعنی آپ مبلغ ہیں تبلیغ کر کے اپنے فریضے سے سبکدوش ہو جایئے جبر معنی میں اجبر کے بھی آتا ہے۔ آپ نصیحت کرتے رہیے جس کے دل میں خوف اللہ ہے جو اس کے عذابوں سے ڈرتا ہے اور اس کی رحمتوں کا امیدوار ہے وہ ضرور اس تبلیغ سے نفع اٹھائے گا اور راہ راست پر آجائے گا جیسے فرمایا ہے: وَإِنْ مَا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد: ۴۰) یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے حساب تو ہمارے ذمے ہے اور آیت میں ہے: فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ (الغاشیہ: ۲۱) تو نصیحت کرنے والا ہے کچھ ان پر داروغہ نہیں۔ اور جگہ ہے تمہارے ذمہ ان کی ہدایت نہیں بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے اور جگہ ہے: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (القصص: ۵۶)، یعنی تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسے چاہے راہ راست پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اسی مضمون کو یہاں بھی بیان فرمایا ہے۔ حضرت قتادہ اس آیت کو سن کر یہ دعا کرتے (اللھم اجعلنا ممن یخاف وعیدک ویرجو موعدک یا بار یا رحیم) یعنی اے اللہ تو ہمیں ان میں سے کر جو تیری سزاؤں کے ڈراوے سے ڈرتے ہیں اور تیری نعمتوں کے وعدے کی امید لگائے ہوئے ہیں اے بہت زیادہ احسان کرنے والے اور اے بہت زیادہ رحم کرنے والے۔



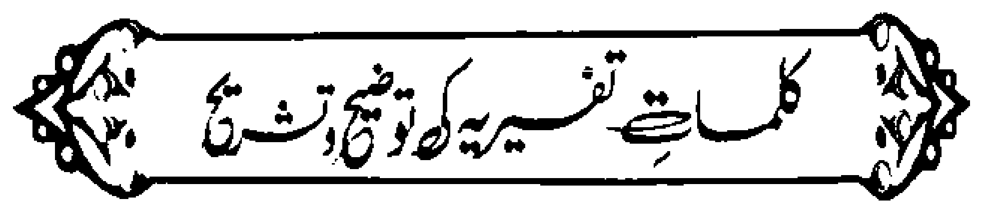
وَالذّٰرِيٰتِ الرِّيَاحِ تَذْرُوا التُّرَابَ وَغَيْرَهُ ذَرْوًا ﴿١﴾ مَصْدَرٌ وَيُقَالُ تَذْرِيْهِ ذَرْيًا تَهُبُّ بِهٖ فَالْحٰمِلٰتِ السُّحُبِ تَحْمِلُ الْمَاءَ وِقْرًا ﴿٢﴾ ثِقْلًا مَفْعُوْلُ الْحَامِلَاتِ فَالْجٰرِيٰتِ السُّفُنُ تَجْرِيْ عَلٰى وَجْهِ الْمَاءِ يُسْرًا ﴿٣﴾ بِسُهُوْلَةٍ مَصْدَرٌ فِيْ مَوْضَعِ الْحَالِ اَيْ يَسْرَةً فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿٤﴾ الْمَلَائِكَةُ تُقَسِّمُ الْاَرْزَاقَ وَالْاَمْطَارَ وَغَيْرَهَا بَيْنَ الْعِبَادِ وَالْبِلَادِ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ مَا مَصْدَرِيَّةٌ اَيْ اِنَّ وَعْدَهُمْ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ لَصَادِقٌ ﴿٥﴾ لَوَعْدٌ صَادِقٌ وَّاِنَّ الدِّيْنَ الْجَزَاءَ بَعْدَ الْحِسَابِ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾ لَا مَحَالَةَ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿٧﴾ جَمْعُ حَبِيْكَةٍ كَطَرِيْقَةٍ وَطُرُقٍ اَيْ صَاحِبَةُ الطُّرُقِ فِي الْخِلْقَةِ كَالطُّرُقِ فِي الرَّمْلِ اِنَّكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ فِيْ شَانِ النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ قِيْلَ شَاعِرٌ سَاحِرٌ كَاهِنٌ شِعْرٌ سِحْرٌ كَهَانَةٌ يُّؤْفَكُ يُصْرَفُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ اَيْ عَنِ الْاِيْمَانِ مَنْ اُفِكَ ﴿٩﴾ صُرِفَ عَنِ الْهِدَايَةِ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿١٠﴾ لُعِنَ الْكَذَّابُوْنَ اَصْحَابُ الْقَوْلِ الْمُخْتَلِفِ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ جَهْلٍ يَغْمُرُهُمْ سَاهُوْنَ ﴿١١﴾ غَافِلُوْنَ عَنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ يَسْئَلُوْنَ النَّبِيَّ اِسْتِهْزَاءً اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٢﴾ اَيْ مَتٰى مَجِيْئُهٗ وَجَوَابُهُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿١٣﴾ اَيْ يُعَذَّبُوْنَ فِيْهَا وَيُقَالُ لَهُمْ حِيْنَ التَّعْذِيْبِ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ تَعْذِيْبَكُمْ هٰذَا الْعَذَابُ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٤﴾ فِي الدُّنْيَا اِسْتِهْزَاءً اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٥﴾ تَجْرِيْ فِيْهَا اٰخِذِيْنَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ فِيْ خَبَرِ اِنَّ مَآ

اٰتٰهُمْ اَعْطَاهُمْ رَبُّهُمْ ؕ مِنَ الثَّوَابِ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ اَیْ دُخُوْلِهِمِ الْجَنَّةَ مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾ فِی الدُّنْیَا كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ یَنَامُوْنَ وَمَا زَائِدَةٌ وَیَهْجَعُوْنَ خَبَرُ كَانَ وَقَلِیْلًا ظَرْفٌ اَیْ یَنَامُوْنَ فِیْ زَمَنٍ یَسِیْرٍ مِنَ اللَّیْلِ وَیُصَلُّوْنَ اَكْثَرَهٗ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ یَقُوْلُوْنَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ الَّذِیْ لَا یَسْاَلُ لِتَعَفُّفِهٖ وَفِی الْاَرْضِ مِنَ الْجِبَالِ وَالْبِحَارِ وَالْاَشْجَارِ وَالثِّمَارِ وَالنَّبَاتِ وَغَیْرِهَا اٰیٰتٌ دَلَالَاتٌ عَلٰی قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَوَحْدَانِیَّتِهٖ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اٰیَاتٌ اَیْضًا مِنْ مَبْدَاِ خَلْقِكُمْ اِلٰی مُنْتَهَاهُ وَمَا فِیْ تَرْكِیْبِ خَلْقِكُمْ مِنَ الْعَجَائِبِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ فَتَسْتَدِلُّوْنَ بِهٖ عَلٰی صَانِعِهٖ وَقُدْرَتِهٖ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ اَیِ الْمَطَرُ الْمُسَبَّبُ عَنْهُ النَّبَاتُ الَّذِیْ هُوَ رِزْقٌ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمَآبِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ اَیْ مَكْتُوْبٌ ذٰلِكَ فِی السَّمَاءِ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ اَیْ مَا تُوْعَدُوْنَ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ بِرَفْعِ مِثْلُ صِفَةٌ وَمَا مَزِیْدَةٌ وَبِفَتْحِ اللَّامِ مُرَكَّبَةٌ مَعَ مَا الْمَعْنٰی مِثْلَ نُطْقِكُمْ فِیْ حَقِّیَّتِهٖ اَیْ مَعْلُوْمِیَّتِهٖ عِنْدَكُمْ ضَرُوْرَةَ صُدُوْرِهٖ عَنْكُمْ هَلْ اَتٰىكَ خِطَابٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَهُمْ مَلٰئِكَةٌ اِثْنَا عَشَرَ اَوْ عَشَرَةٌ اَوْ ثَلَاثَةٌ مِنْهُمْ جِبْرِیْلُ اِذْ ظَرْفٌ لِحَدِیْثِ ضَیْفٍ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ اَیْ هٰذَا اللَّفْظَ قَالَ سَلٰمٌ ۚ اَیْ هٰذَا اللَّفْظَ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ لَا نَعْرِفُهُمْ قَالَ ذٰلِكَ فِیْ نَفْسِهٖ وَهُوَ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مُقَدَّرٍ اَیْ هٰؤُلَاءِ فَرَاغَ مَالَ اِلٰۤی اَهْلِهٖ سِرًّا فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ﴿۲۶﴾ وَفِیْ سُوْرَةِ هُوْدٍ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ اَیْ مَشْوِیٍّ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ عَرَضَ عَلَیْهِمُ الْاَكْلَ فَلَمْ یُجِیْبُوْا فَاَوْجَسَ اَضْمَرَ فِیْ نَفْسِهٖ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ ذِیْ عِلْمٍ كَثِیْرٍ هُوَ اِسْحَاقُ كَمَا ذُكِرَ فِیْ سُوْرَةِ هُوْدٍ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ سَارَةُ فِیْ صَرَّةٍ صَیْحَةٍ حَالٌ اَیْ جَاءَتْ صَائِحَةً فَصَكَّتْ وَجْهَهَا لَطَمَتْهُ وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾ لَمْ تَلِدْ قَطُّ وَعُمْرُهَا تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ سَنَةً وَعُمْرُ اِبْرَاهِیْمَ مِائَةُ سَنَةٍ اَوْ عُمْرُهٗ مِائَةٌ وَعِشْرُوْنَ سَنَةً وَعُمْرُهَا تِسْعُوْنَ سَنَةً قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ اَیْ مِثْلَ قَوْلِنَا

فِي الْبِشَارَةِ قَالَ رَبُّكِ ؕ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ فِي صُنْعِهِ الْعَلِيمُ ۝ بِخَلْقِهِ

ترجمہ: قسم ہے بکھیرنے والی (ہواؤں) کی (مراد تیز ہوا جس میں مٹی وغیرہ اڑ جائے) جو گرد وغبار اڑاتی ہیں (ذروا مصدر ہے تذریہ ذریا کے معنی اڑانے کے ہیں) پھر ان بادلوں کی جو اٹھاتے ہیں (پانی سے لدے ہوئے بادل) بوجھ (وزن یہ حالات کا مفعول ہے) پھر ان کشتیوں کی جو (پانی پر رواں دواں رہتی ہیں) نرم روی سے چلتی ہیں (لیسر بمعنی سہولت مصدر حال کے موقع پر ہے بمعنی میسرۃ) پھر ان فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں (بارش اور رزق کو انسانوں اور شہریوں پر تقسیم کرنے کیلئے جو فرشتے مامور رہتے ہیں) تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے (ما مصدریہ ہے یعنی قیامت وغیرہ کا وعدہ) وہ بالکل سچ ہے (وہ وعدہ سچا ہے) اور جزاء (حساب کے بعد بدلہ) ضرور (یقینا) ہونے والی ہے، قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں (حبک جمع ہے حبیکۃ کی جیسے طریقۃ کی جمع طرق آتی ہے یعنی آسمانوں کی بناوٹ میں ایسے ہی راستے ہیں جیسے خشکی میں ہوا کرتے ہیں) کہ تم لوگ (اے مکہ کے باشندو! نبی کریمؐ اور خدا کی شان میں) مختلف باتیں کہتے ہو (جن کی شان میں شاعر، ساحر اور کاہن اور قرآن کی شان میں شعر، سحر کہانت کہا جاتا ہے) وہی پھرتا ہے (بدلتا ہے) اس سے (نبی اور قرآن سے یعنی اس پر ایمان لانے سے) جس کو پھرنا ہوتا ہے (علم الٰہی میں جس کا گمراہ ہونا مقدر ہوتا ہے) غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنیوالے (فضول بکواس کرنے والے جھوٹوں پر لعنت) جو نادانی (جہالت) میں بھولے ہوئے (آخرت سے غافل) ہیں پوچھتے ہیں (پیغمبر سے مذاق اڑاتے ہوئے) کہ روز قیامت کب ہوگا (یعنی کب آئے گی جس کا جواب آگے ہے کہ) جس روز وہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے۔ (نار جہنم میں عذاب دیئے جائیں گے اور ان سے عذاب کے وقت کہا جائے گا) اپنی اس سزا (عذاب) کا مزا چکھو۔ یہی (عذاب) ہے جس کا تم دنیا میں مذاق اڑاتے ہوئے) جلدی مچایا کرتے تھے۔ بلاشبہ متقی لوگ بہشتوں (باغوں) اور چشموں میں ہوں گے (جو جنت میں بہہ رہے ہوں گے) وہ لے رہے ہوں گے (ان کی خبر کی ضمیر سے حال ہے) اس چیز کو جو ان کے پروردگار نے ان کو عطا کی ہوگی (یعنی ثواب) وہ لوگ اس (جنت میں داخلہ) سے پہلے نکوکار تھے (دنیا میں رہتے ہوئے) وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے (ما یہجون میں ما زائد ہے اور یہجون کان کی خبر ہے اور قلیلا ظرف ہے یعنی رات میں کم وقت سوتے تھے اور زیادہ وقت نماز پڑھتے تھے) اور اخیر شب میں اللھم اغفر لنا کہہ کر) استغفار کرتے تھے اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا (محروم سے مراد وہ شخص جو اپنی آبرو کی وجہ سے سوال نہ کرے) اور زمین میں (پہاڑ، سمندر، درخت، گھاس، پھل وغیرہ کی) بہت سی نشانیاں ہیں (اللہ کی قدرت و وحدانیت کے دلائل ہیں) یقین لانے والوں کیلئے اور خود تمہاری ذات میں (بھی نشانیاں ہیں ابتداء پیدائش سے لے کر آخر وقت تک اور تمہاری پیدائش کی ترکیب میں عجائبات ہیں) کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا (کہ اس سے اس کے بنانے والے کی صنعت اور

(نوٹ پر استدلال کرتے) اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق (یعنی بارش جس سے سبزی پیدا ہوتی ہے جو رزق ہے) اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی آخری ٹھکانہ ثواب، عذاب یعنی سب کچھ آسمان میں لکھا ہوا ہے) تو قسم ہے آسمان زمین کے پروردگار کی کہ وہ (جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے) برحق ہے جس طرح کہ تم باتیں کر رہے ہو (مثل رفع کی صورت میں صفت ہے اور ما زائد ہے اور فتحہ لام کے ساتھ مثل اور ما مرکب ہے یعنی قیامت کا برحق ہونا ایسا ہی مسلم ہے، جیسے بولنا چالنا سب کو معلوم ہے بداہۃً سرزد ہونے کی وجہ سے) کیا ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے) تک پہنچی ہے (مراد بارہ یا دس یا تین فرشتے ہیں جن میں جبرئیل بھی تھے) جب (یہ حدیث ضیف کا ظرف ہے) کہ وہ ان کے پاس آئے، پھر ان کو سلام کیا (یعنی سلام کا لفظ کہا) حضرت ابراہیمؑ نے بھی سلام کیا (یعنی یہ لفظ فرمایا) انجان لوگ ہیں (ہم انہیں پہچانتے نہیں ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے دل میں یہ کہا۔ یہ مبتداء مقدر کی خبر ہے یعنی ھؤلاء قوم منکرون) پھر اپنے گھر کی طرف چلے (آہستہ سے) اور ایک فربہ بچھڑا لائے (سورۂ ہود میں ہے بعجل حنیذ یعنی بھنا ہوا اور تلا ہوا) اور اس کو ان کے پاس لا کر رکھا۔ کہنے لگے آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ (ان سے کھانے کی فرمائش کی جو فرشتوں نے قبول نہیں کی) تو محسوس کیا (دل میں چھپایا) ان سے ڈر، انہوں نے کہا تم ڈرو مت (ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں) اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی۔ جو بڑا عالم ہوگا (مراد حضرت اسحاق ہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں گزرا) اتنے میں ان کی بیوی (سارہ) پکارتی آئیں (زور زور سے بولتی ہوئی، یہ حال ہے یعنی آواز کرتی ہوئی آئیں) پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ بڑھیا بانجھ (جس کے کبھی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال تھی یا حضرت ابراہیمؑ کی عمر ایک سو بیس برس اور بیوی کی عمر ننانوے برس تھی) فرشتے کہنے لگے کہ تمہارے پروردگار نے ایسے ہی فرمایا ہے (جیسا کہ ہم نے بشارت سنائی ہے) کچھ شک نہیں کہ وہ (اپنی کاریگری میں) بڑی حکمت والا (اپنی مخلوق کو) جاننے والا ہے۔



قوله: تذریه: ہوا کا چلنا خواہ وادی ہو یا پانی۔ الوقر: بوجھ۔ میسرہ: چلنے میں آسانی والی۔

قوله: انما: یہ جواب قسم ہے۔

قوله: فی الحلقه: آسمانی پیدائشی طور پر ستاروں کی گزرگاہوں والا ہے۔ جیسا ریت کی راہیں محسوس ہوتی ہیں اسی طرح آسمانی طرق بھی۔

قوله: کافر آپ کو ساحر، شاعر، کاہن جیسے الفاظ سے طعنہ زنی کرتے ہیں۔

قوله :قتل :یہ بددعا ہے۔جولعنت کی جگہ لائے۔

قوله :خراص :جھوٹے کوکہتے ہیں،غمرة :ڈھانپنا۔

قوله :مثل مجيئه :مضاف کوحذف کرکے مضاف الیہ کواس کے قائم مقام کردیا۔

قوله :يجني :یوم ای کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله :كافورًا :یہ ان کے احسان کی تفسیر ہے۔

قوله :خلقكم :ایک حالت سے دوسری میں منتقل ہونا۔

قوله :مكتوب :یا یہ ہے کہ جنت ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔

قوله :مثل صفه :صفت کی ہے یعنی اس کے ساتھ لاحق ہے۔

قوله :مع ما :مع مبنی علی الفتح کیونکہ ما کی طرف اس کی اضافت ہے جوغیر ممکن ہے۔

قوله : هذا اللفظ :یعنی ہم تم کوسلام دیتے ہیں،سلام دینا،ای نسلم سلام عليكم یا عليكم سلام، سلام کوابتداء رفع دیا پختگی کے پیش نظر تاکہ اس کا سلام ان کے سلام سے اچھا ہو۔

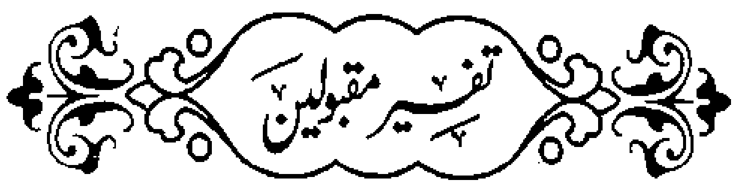
قوله :بعجل حينئذ :کیونکہ سورہ ھود میں صاحب موجود ہے اور الا تاکلون صاف قرینہ ہے۔

قوله :ذی علم كثير :یعنی جب وہ بالغ ہوگا۔

قوله :امراته :یعنی اس کے گھر کی جانب وہ ایک کونے میں یہ دیکھ رہی تھی۔

قوله :لطمته :تعجب والے کی طرح اپنی انگلیوں کے کنارے اپنے ماتھے پر مارلے۔

قوله :عقيم :یعنی میں بوڑھی بانجھ کیسے جنوں گی۔



اس سورت کے مضامین بھی زیادہ تر اثبات حشر ونشر ہی پر مشتمل ہیں گذشتہ سورت تخلیق کائنات اورانسان کے جملہ احوال پر حق تعالیٰ شانہ کے علم قدرت کا احاطہ بیان کرتے ہوئے ان حقائق کوثابت فرمایا گیا تھا کہ کسی بھی مجرم اور نافرمان منکر کواللہ کی گرفت اورعذاب سے بےفکر اور مطمئن نہ ہوجانا چاہئے اور نہ ہی وہ کسی طرح حق تعالیٰ کی گرفت سے بچ سکتا ہے اسی کے ساتھ اثبات قیامت کے لیے دلائل قدرت اور مشاہدات کونیہ کوپیش کیا گیا کہ کسی درجہ میں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں تردد باقی نہ رہے اب اس سورت میں وقوع قیامت کی نہایت عظمت اوراہمیت کے ساتھ خبر دی جارہی ہے اورانسانوں کو پوری قوت کے ساتھ یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ آخرت سے غافل نہ ہوں فکر آخرت اوراس کی تیاری میں مصروف ہوجائیں یوں توقرآن کریم میں سینکڑوں آیات ہیں جومسئلہ حشر ونشر اوراثبات قیامت پر مشتمل ہیں لیکن جس عظمت وجلال اور پررعب انداز سے کلام الٰہی اس موقع پر قیامت کا ذکر فرمارہا ہے وہ انداز اورطرز تعبیر بھی مستقل ایک معجزانہ شان رکھتی ہے اسی وجہ سے

قسم کے عنوان سے مضمون کا آغاز فرمایا جارہا ہے۔

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ①

خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفے کے منبر پر چڑھ کر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ قرآن کریم کی جس آیت کی بابت اور جس سنت رسول ﷺ کی بابت تم کوئی سوال کرنا چاہتے ہو کرلو۔ اس پر ابن الکواء نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ (ذاریات) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا، پوچھا (حاملات) سے؟ فرمایا ابر۔ کہا (جاریات) سے؟ فرمایا کشتیاں، کہا (مقسمات) سے؟ فرمایا فرشتے اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے۔ بزار میں ہے (صبیغ) تمیمی امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا بتاؤ (ذاریات) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا۔ اور اسے اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوا نہ ہوتا تو میں کبھی یہ مطلب نہ کہتا۔ پوچھا (مقسمات) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا فرشتے اور اسے بھی میں نے حضور ﷺ سے سن رکھا ہے۔ پوچھا (جاریات) سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کشتیاں۔ یہ بھی میں نے اگر رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا۔ پھر حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں چنانچہ اسے درے مارے گئے اور ایک مکان میں رکھا گیا جب زخم اچھے ہو گئے تو بلوا کر پھر کوڑے پٹوائے، اور سوار کرا کر حضرت ابو موسیٰ کو لکھ بھیجا کہ یہ کسی مجلس میں نہ بیٹھنے پائے کچھ دنوں بعد یہ حضرت موسیٰ کے پاس آئے اور بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اب میرے خیالات کی پوری اصلاح ہو چکی اب میرے دل میں بدعقیدگی نہیں رہی جو پہلے تھی۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ نے جناب امیر المومنین کی خدمت میں اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا خیال ہے کہ اب وہ واقعی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ پھر انہیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے۔ امام ابو بکر بزار فرماتے ہیں اس کے دو راویوں میں کلام ہے پس یہ حدیث ضعیف ہے۔ ٹھیک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث بھی موقوف ہے یعنی حضرت عمر کا اپنا فرمان ہے مرفوع حدیث نہیں۔ امیر المومنین نے اسے جو پٹوایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی بدعقیدگی آپ پر ظاہر ہو چکی تھی اور اس کے یہ سوالات از روئے انکار اور مخالفت کے تھے واللہ اعلم۔ صبیغ کے باپ کا نام عسل تھا اور اس کا یہ قصہ مشہور ہے جسے پورا پورا حافظ ابن عساکر لائے ہیں۔ یہی تفسیر حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر حضرت مجاہد حضرت سعید بن جبیر حضرت حسن حضرت قتادہ حضرت سدی وغیرہ سے مروی ہے۔ امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے ان آیتوں کی تفسیر میں اور کوئی قول وارد ہی نہیں کیا حاملات سے مراد ابر ہونے کا محاورہ اس شعر میں بھی پایا جاتا ہے۔

واسلمت نفسی لمن اسلمت لہ المزن تحمل عذبا زلالا

یعنی میں اپنے آپ کو اس اللہ کا تابع فرمان کرتا ہوں جس کے تابع فرمان وہ بادل ہیں جو صاف شفاف میٹھے اور ہلکے پانی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں جاریات سے مراد بعض نے ستارے لئے ہیں جو آسمان پر چلتے پھرتے رہتے ہیں یہ معنی لینے میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوگی۔ اولاً ہوا پھر بادل پھر ستارے پھر فرشتے۔ جو کبھی اللہ کا حکم لے کر اترتے ہیں کبھی کوئی سپرد کردہ کام بجالانے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ چونکہ یہ سب قسمیں اس بات پر ہیں کہ قیامت ضرور آنی ہے اور لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اس لئے ان کے بعد ہی فرمایا کہ تمہیں جو وعدہ دیا جاتا ہے وہ سچا ہے اور حساب کتاب جزا سزا ضرور واقع ہونے والی ہے۔ پھر آسمان کی قسم کھائی جو خوبصورتی رونق حسن اور برابری والا ہے بہت سے سلف نے یہی معنی (حبک) کے

بیان کئے ہیں حضرت ضحاک وغیرہ فرماتے ہیں کہ پانی کی موجیں، ریت کے ذرے، کھیتوں کے پتے ہوا کے زور سے جب لہراتے ہیں اور پر شکن لہرائے دار ہوجاتے ہیں اور گویا ان میں راستے پڑجاتے ہیں اسی کو حبک کہتے ہیں، ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہارے پیچھے کذاب بہکانے والا ہے اس کے سر کے بال پیچھے کی طرف سے حبک حبک ہیں یعنی گھونگر والے۔ ابو صالح فرماتے ہیں حبک سے مراد شدت والا خصیف کہتے ہیں مراد خوش منظر ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں اس کی خوبصورتی اس کے ستارے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں اس سے مراد ساتواں آسمان ہے ممکن ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ قائم رہنے والے ستارے اس آسمان میں ہیں اکثر علماء ہیئت کا بیان ہے کہ یہ آٹھویں آسمان میں ہیں جو ساتویں کے اوپر ہے واللہ اعلم ان تمام اقوال کا ماحصل ایک ہی ہے یعنی حسن ورونق والا آسمان۔ اس کی بلندی، صفائی، پاکیزگی، بناوٹ کی عمدگی، اس کی مضبوطی، اس کی چوڑائی اور کشادگی، اس کا ستاروں کا جگمگانا، جن میں سے بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ٹھہرے ہوئے ہیں اس کا سورج اور چاند جیسے سیاروں سے مزین ہونا یہ سب اس کی خوبصورتی اور عمدگی کی چیزیں ہیں پھر فرماتا ہے اے مشرکو تم اپنے ہی اقوال میں مختلف اور مضطرب ہو تم کسی صحیح نتیجے پر اب تک خود اپنے طور پر بھی نہیں پہنچے ہو۔ کسی رائے پر تمہارا اجماع نہیں، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو قرآن کو سچا جانتے تھے بعض اس کی تکذیب کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے یہ حالت اسی کی ہوتی ہے جو خود گمراہ ہو۔ وہ اپنے ایسے باطل اقوال کی وجہ سے بہک اور بھٹک جاتا ہے صحیح سمجھ اور سچا علم اس سے فوت ہوجاتا ہے جیسے اور آیت میں ہے اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ (الصافات: ۱۶۳) یعنی تم لوگ مع اپنے معبودان باطل کے سوائے جہنمی لوگوں کے کسی کو بہکا نہیں سکتے حضرت ابن عباس اور سدی فرماتے ہیں اس سے گمراہ وہی ہوتا ہے جو خود بہکا ہوا ہو۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس سے دور وہی ہوتا ہے جو بھلائیوں سے دور ڈال دیا گیا ہے حضرت امام حسن بصری فرماتے ہیں قرآن سے وہی بنتا ہے جو اسے پہلے ہی سے جھٹلانے پر کمر کس لئے ہو پھر فرماتا ہے کہ بے سند باتیں کہنے والے ہلاک ہوں یعنی جھوٹی باتیں بنانے والے جنہیں یقین نہ تھا جو کہتے تھے کہ ہم اٹھائے نہیں جائیں گے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یعنی شک کرنے والے ملعون ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یعنی شک کرنے والے ملعون ہیں حضرت معاذ بھی اپنے خطبے میں یہی فرماتے تھے، یہ دھوکے والے اور بدگمان لوگ ہیں پھر فرمایا جو لوگ اپنے کفر وشک میں غافل اور بے پرواہ ہیں۔ یہ لوگ از روئے انکار پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا؟ اللہ فرماتا ہے اس دن تو یہ آگ میں تپائے جائیں گے جس طرح سونا تپایا جاتا ہے یہ اس میں جلیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا مزہ چکھو۔ اپنے کرتوت کے بدلے برداشت کرو۔ پھر ان کی اور زیادہ حقارت کے لئے ان سے بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے کہ کب آئے گا کب آئے گا، واللہ اعلم۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝

متقی بندوں کے انعامات کا اور دنیا میں اعمال صالحہ میں مشغول رہنے کا تذکرہ:

مکذبین کی سزا بتانے کے بعد مؤمنین متقین کا انعام بتایا اور فرمایا کہ متقی لوگ باغوں میں چشموں میں ہوں گے ان کے

رب کی طرف سے انہیں وہاں جو کچھ دیا جائے گا اسے (بڑی خوشی سے) لینے والے ہوں گے، دنیا میں یہ حضرات گناہوں سے بچتے ہی تھے جس کی وجہ سے انہیں متقین کے لقب سے سرفراز فرمایا، اعمال صالحہ بھی بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے اور اس کی وجہ سے انہیں محسنین کے لقب سے ملقب فرمایا ان کے نیک کاموں میں ایک بڑا قیمتی عمل یہ تھا کہ رات کو بہت کم سوتے تھے نمازیں پڑھتے رہتے تھے دنیا سوتی رہتی اور یہ لوگ جاگتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے لو لگاتے تھے۔

قال صاحب الروح: ناقلاً عن الحسن: کابدوا قیام اللیل لا ینامون منه الا قلیلا، وعن عبد اللّٰہ بن رواحة رضی اللّٰہ عنه هجعوا قلیلا ثم قاموا۔ یہ لوگ راتوں کو نماز پڑھتے اور راتوں کے آخری حصہ میں استغفار کرتے تھے انہیں راتوں رات نماز پڑھنے پر غرور نہیں تھا اپنے اعمال کو بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے کے لائق نہیں سمجھتے تھے کوتاہیوں کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔ اہل ایمان کا یہ طریقہ ہے کہ نیکی بھی کریں اور استغفار بھی کریں تاکہ کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔

ان حضرات کی جسمانی عبادت کا تذکرہ فرما کر ان کے انفاق مالی کا تذکرہ فرمایا کہ ان کے مالوں میں حق ہے سوال کرنے والوں کے لیے اور محروم کے لیے یعنی اپنے مالوں کا جو حصہ اہل حاجت کو دیتے ہیں اس کے دینے کا ایسا اہتمام کرتے ہیں جیسے ان کے ذمہ واجب ہو اس لیے اسے حق سے تعبیر فرمایا۔

لفظ سائل کا ترجمہ تو معلوم ہے محروم کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ سائل کے مقابلہ میں ہے یعنی جو شخص سوال نہیں کرتا وہ محروم ہے جو سوال نہیں کرتا اس لیے محروم رہ جاتا ہے کہ لوگ اس کا حال جانتے نہیں اور وہ خود بتاتا نہیں لہٰذا دینے والے اس کی طرف دھیان نہیں کرتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جسے ایک لقمہ اور دو لقمہ اور ایک کھجور اور دو کھجور لیے لیے پھرتے ہوں لیکن مسکین وہ ہے جس کے پاس حاجت پوری کرنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو اور لوگوں کو اس کا پتہ بھی نہ چلے (پتہ چل جاتا تو صدقہ کر دیتے) اور وہ سوال کرنے کیلئے کھڑا بھی نہیں ہوتا۔ (رواہ البخاری جلد ۱)

یعنی وہ اسی طرح اپنی حاجت دبائے ہوئے وقت گزار دیتا ہے، صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ سے محروم کا یہ معنی لکھا ہے کہ وہ کمانے کی تدبیریں تو کرتا ہے لیکن دنیا اس سے پشت پھیر لیتی ہے اور وہ لوگوں سے سوال بھی نہیں کرتا۔ پھر حضرت زید بن اسلمؓ سے نقل کیا ہے کہ محروم وہ ہے جس کے باغوں کا پھل ہلاک ہو جائے اور ایک قول یہ لکھا ہے کہ جس کے مویشی ختم ہو جائیں جن سے اس کا گزارا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾

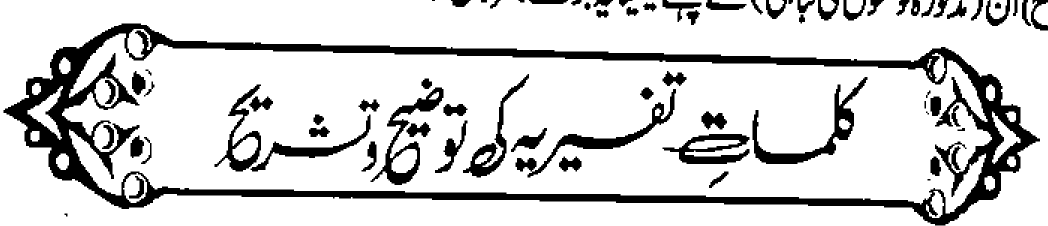
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمانوں کا آنا اور صاحبزادہ کی خوشخبری دینا:

یہ واقعہ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں بھی گذر چکا ہے یہ مہمان فرشتے تھے جو بہ شکل انسان آئے تھے جنہیں اللہ نے عزت و شرافت دے رکھی ہے حضرت امام احمد بن حنبل اور دیگر علمائے کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا واجب

ہے حدیث میں بھی یہ آیا ہے اور قرآن کریم کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ انہوں نے سلام کیا جس کا جواب خلیل اللہ نے بڑھا کر دیا اس کا ثبوت دوسرے سلام پر دو پیش کا ہونا ہے۔ اور یہی فرمان باری تعالیٰ ہے فرماتا ہے: وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا (النساء: ٨٦) یعنی جب کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اتنا ہی۔ پس خلیل اللہ نے افضل صورت کو اختیار کیا حضرت ابراہیم چونکہ اس سے ناواقف تھے کہ یہ دراصل فرشتے ہیں اس لئے کہا کہ یہ لوگ تو ناآشنا سے ہیں۔ یہ فرشتے حضرت جبرائیل حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام تھے۔ جو خوبصورت نوجوان انسانوں کی شکل میں آئے تھے ان کے چہروں پر ہیبت وجلال تھا حضرت ابراہیم اب ان کے لئے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور چپ چاپ بہت جلد اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ذرا سی دیر میں تیار بچھڑے کا گوشت بھنا بھنایا ہوا لے آئے اور انکے سامنے رکھ دیا اور فرمایا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اس سے ضیافت کے آداب معلوم ہوئے کہ مہمان سے پوچھے بغیر ہی ان پر شروع سے احسان رکھنے سے پہلے آپ چپ چاپ انہیں خبر کئے بغیر ہی چلے گئے اور بہ عجلت بہتر سے بہتر جو چیز پائی اسے تیار کر کے لے آئے۔ تیار فربہ کم عمر بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے اور کہیں اور رکھ کر مہمان کی کھینچ تان نہ کی بلکہ ان کے سامنے ان کے پاس لا کر رکھا۔ پھر انہیں یوں نہیں کہتے کہ کھاؤ کیونکہ اس میں بھی ایک حکم پایا جاتا ہے بلکہ نہایت تواضع اور پیار سے فرماتے ہیں آپ تناول فرمانا شروع کیوں نہیں کرتے؟ جیسے کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر آپ فضل وکرم احسان وسلوک کرنا چاہیں تو کیجئے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خلیل اللہ اپنے دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے جیسے کہ اور آیت میں ہے: (فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ (ھود: ٧٠) یعنی آپ نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں تو دہشت زدہ ہو گئے اور دل میں خوف کھانے لگے اس پر مہمانوں نے کہا ڈرو مت ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو قوم لوط کی ہلاکت کے لئے آئے ہیں آپ کی بیوی صاحبہ جو کھڑی ہوئی سن رہی تھیں وہ سن کر ہنس دیں تو فرشتوں نے انہیں خوشخبری سنائی کہ تمہارے ہاں حضرت اسحاق پیدا ہوں گے اور ان کے ہاں حضرت یعقوب اس پر بیوی صاحبہ کو تعجب ہوا اور کہا ہائے افسوس اب میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں تو بڑھیا پھوس ہو گئی ہوں اور میرے شوہر بھی بالکل بوڑھے ہو گئے۔ یہ سخت تر تعجب کی چیز ہے فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے کاموں سے تعجب کرتی ہو؟ خصوصاً تم جیسی ایسی پاک گھرانے کی عورت؟ تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تعریفوں کے لائق اور بڑی بزرگی اور اعلیٰ شان والا ہے یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ بشارت حضرت ابراہیم کو دی گئی کیونکہ بچے کا ہونا دونوں کی خوشی کا موجب ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ بشارت سن کر آپ کی اہلیہ صاحبہ کے منہ سے زور کی آواز نکل گئی اور اپنے تئیں دو ہتڑ مار کر ایسی عجیب وغریب خبر کو سن کر حیرت کے ساتھ کہنے لگیں کہ جوانی میں تو میں بانجھ رہی اب میاں بیوی دونوں بوڑھے ہو گئے تو مجھے حمل ٹھہرے گا؟ اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا کہ یہ خوشخبری کچھ ہم اپنی طرف سے نہیں دے رہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہم تمہیں یہ خبر پہنچائیں۔ وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔ تم جس عزت وکرامت کے مستحق ہو وہ خوب جانتا ہے اور اس کا فرمان ہے کہ تمہارے ہاں اس عمر میں بچہ ہوگا اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں نہ اس کا کوئی فرمان حکمت سے خالی ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شانكم اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۳۱ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲ كافرين اى
قوم لوط لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝۳۳ مطبوخ بالنار مُّسَوَّمَةً معلمة عليها اسم من يرمى
بها عِنْدَ رَبِّكَ ظرف لها لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۴ باتيانهم الذكور مع كفرهم فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا اى
قرى قوم لوط مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳۵ لاهلاك الكافرين فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۶
وهم لوط وابنتاه وصفوا بالايمان والاسلام اى هم مصدقون بقلوبهم عاملون بجوارحهم الطاعات
وَتَرَكْنَا فِيْهَآ بعد اهلاك الكافرين اٰيَةً علامة على اهلاكهم لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۳۷
فلا يفعلون مثل فعلهم وَفِيْ مُوْسٰٓى معطوف على فيها المعنى وجعلنا في قصة موسى اية اِذْ اَرْسَلْنٰهُ
اِلٰى فِرْعَوْنَ متلبسا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۸ بحجة واضحة فَتَوَلّٰى اعرض عن الايمان بِرُكْنِهٖ مع جنوده
لانهم له كالركن وَقَالَ لموسى هو سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝۳۹ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ طرحناهم فِي
الْيَمِّ البحر فغرقوا وَهُوَ اى فرعون مُلِيْمٌ ۝۴۰ ات بما يلام عليه من تكذيب الرسل ودعوى الربوبية
وَفِيْ اهلاك عَادٍ اية اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝۴۱ هي التي لا خير فيها لانها لا تحمل المطر
ولا تلقح الشجر وهي الدبور مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ نفس او مال اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ۝۴۲
كالبالي المفتت وَفِيْ اهلاك ثَمُوْدَ اية اِذْ قِيْلَ لَهُمْ بعد عقر الناقة تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۝۴۳ اى الى
انقضاء اٰجالكم كما في اٰية تمتعوا في داركم ثلاثة ايام فَعَتَوْا تكبروا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ اى عن امتثاله
فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بعد مضي ثلاثة ايام اى الصيحة المهلكة وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۴۴ اى بالنهار فَمَا
اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ اى ما قدروا على النهوض حين نزول العذاب وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝۴۵ على
من اهلكهم وَقَوْمَ نُوْحٍ بالجر عطف على ثمود اى وفي اهلاكهم بماء السماء والارض اية و
بالنصب اى واهلكنا قوم نوح مِّنْ قَبْلُ اى قبل اهلاك هؤلاء المذكورين اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا
فٰسِقِيْنَ ۝۴۶

ترجمہ: ابراہیمؑ کہنے لگے اچھا تو تمہیں کیا بڑی مہم (کارگزاری) درپیش ہے۔ اے فرشتو! فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم ایک مجرم قوم (لوط کے کافروں) کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم ان پر کھنگر کے (آگ میں پکے ہوئے) پتھر برسائیں جن پر خاص نشان لگے ہوئے ہیں (ان کے نام لکھے ہوئے ہیں جن پر پتھر مارے جائیں گے) آپ کے پروردگار کی طرف سے (عند ربك۔ مسومة کا ظرف ہے) حد سے گزرنے والوں کیلئے (جو لڑکوں سے کفر کے ساتھ شہوت رانی بھی کرتے ہیں) سو ہم نے وہاں (قوم لوط کی بستیوں) سے ایمانداروں کو الگ کرلیا (کافروں کو تباہ کرنے کیلئے) سو ہم نے وہاں کوئی گھر نہیں پایا۔ بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے (وہ گھرانہ حضرت لوط اور ان کی صاحبزادیوں کا تھا ان کیلئے ایمان واسلام ثابت کیا گیا ہے یعنی وہ دل سے بھی ماننے والے تھے۔ اور ظاہراً بھی اطاعت گزار تھے) اور ہم نے اس واقعہ میں (کافروں کی تباہی کے بعد) عبرت (ان کی تباہی کی علامت) رہنے دی ایسے لوگوں کیلئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں (تا کہ وہ ان جیسی حرکتیں نہ کرنے لگیں) اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے (فیھا کا عطف فی موسیٰ پر ہے یعنی وجعلنا فی قصة موسیٰ آیة) جبکہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی دلیل (روشن حجت) دے کر بھیجا سو اس نے (ایمان سے) روگردانی کی مع اپنے ارکان سلطنت کے (جو رکن سلطنت ہوتے ہیں) کہنے لگا (موسیٰ کی نسبت) کہ یہ جادوگر یا دیوانے ہیں۔ سو ہم نے اس کو اور اس کے لاؤ لشکر کو پکڑ کر پھینک دیا (ڈال دیا) دریا میں (جس میں وہ ڈوب گئے) اور اس (فرعون) نے کام ہی ملامت کا کیا تھا (پیغمبروں کو جھٹلا کر، خدائی کا دعویٰ کر کے قابل ملامت کام کئے) اور عاد (کی تباہی) میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی (جس میں کوئی بہتری نہیں تھی نہ اس سے بارش ہوتی اور نہ درخت اگتے جسے پچھوا ہوا کہا جاتا ہے) جس چیز پر وہ گزرتی تھی (جان ہو یا مال) اس کو ایسا کر کے چھوڑ دیتی تھی جیسے کوئی چیز گل گل کر ریزہ ریزہ (چورا چورا) ہو جاتی ہے اور ثمود (کی تباہی) میں بھی عبرت تھی جب کہ (اونٹنی کی کونچیں کٹ جانے کے بعد) ان سے کہا گیا کہ اور تھوڑے دنوں چین کرلو (موت آنے تک جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: تمتعوا فی دارکم ثلاثة ایام) سو ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم (ماننے) سے سرکشی کی۔ سو ان کو عذاب (تین دن گزرنے کے بعد ایک تباہ کن چیخ) نے آلیا اور وہ (دن میں) دیکھ رہے تھے پھر نہ تو کھڑے ہی ہو سکے (عذاب اترنے پر اٹھ نہ سکے) اور نہ بدلہ لے سکے (جس نے انہیں ہلاک کیا تھا) اور قوم نوح کا بھی یہی حال ہو چکا تھا (لفظ قوم جر کے ساتھ ثمود پر معطوف ہے یعنی اوپر نیچے کے طوفان کی تباہی سے نشانی تھی اور یہ لفظ نصب کے ساتھ بھی ہے یعنی: واھلکنا قوم نوح) ان (مذکورہ قوموں کی تباہی) سے پہلے یقیناً یہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔



قوله: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ: جب ان کو معلوم ہوا کہ اکٹھے فرشتے تو کسی اہم کام کے لیے ہی اترتے ہیں تو یوں مخاطب فرمایا خطب اہم معاملہ ہے۔

قوله: یطبخ بِالنَّارِ: آگ سے پکے ہوئے پتھر۔

قوله: فِيهَا: اس سے قوم کی بستیاں مراد تھیں، معروف ہونے کی وجہ سے مضمر لائے۔

قوله: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: جو حضرت لوطؑ پر ایمان لاتے تھے۔

قوله: عَلَامَةً: وہ پتھر یا بدبودار پانی۔

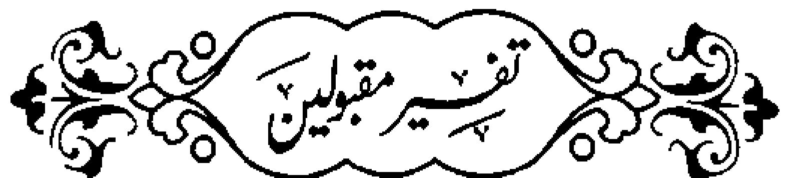
قوله: الْمَعْنٰى: اس سے مراد سابقہ پر اس کا عطف ہے ای جعلنا فی قصة موسی۔

قوله: بِرُكْنِهٖ: با مع کے معنی میں ہے، رکن یرکن جس کی طرف مائل ہوں، سہارا۔

قوله: اَتَتْ عَلَيْهِ: گزرنا، البالی: پرانی ہڈیاں۔

قوله: مَا اقْتَدَرُوْا: یعنی اس کے دفاع سے عاجز رہے۔

قوله: مُنْتَصِرِيْنَ: بدلہ لینے والے۔



قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ یقین کرلیا کہ یہ فرشتے ہیں اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں تو سوال فرمایا کہ آپ حضرات کیا مہم لے کر آئے ہیں تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یہ مجرم لوگ ہیں ہمیں ان کو ہلاک کرنا ہے ان کی ہلاکت کا یہ طریقہ ہوگا کہ ہم ان پر آسمان سے پتھر برسا دیں گے یہ پتھر مٹی سے بنائے ہوئے ہوں گے (جن کا ترجمہ (کھنگھر) کیا گیا ہے) ان پر نشان لگے ہوئے ہوں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ پتھروں پر نام لکھے ہوئے تھے جس پتھر پر جس کا نام لکھا ہوا تھا وہ اسی پر گرتا تھا یہ مسرفین یعنی حد سے گزر جانے والوں کے لیے تیار کیے گئے ہیں سورۃ العنکبوت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرشتوں نے کہا: اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ (بے شک ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں بلاشبہ اس بستی کے رہنے والے ظالم ہیں) جب فرشتوں نے بستی کا نام لیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فکرمند ہوئے قال ان فیها لوطا (کہ اس بستی میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں) فرشتوں نے جواب میں کہا: نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا (ہمیں ان لوگوں کا خوب پتہ ہے جو اس بستی میں ہیں) لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ (ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے سوائے اس کی بیوی کے) یہ سورۂ عنکبوت کا مضمون ہے اور یہاں سورۃ الذاریات میں ہے کہ فرشتوں نے کہا کہ: فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ (اس بستی میں جو اہل ایمان ہیں ان کو ہم نے مجرمین سے علیحدہ کردیا ہے) یہ لوگ ہمارے علم میں ہیں جو تھوڑے ہی سے ہیں، جس گھر کا تذکرہ فرمایا ہے یہ گھر حضرت لوط علیہ السلام کا تھا جس میں ان کے آل و اولاد تھے جو مؤمن تھے ہاں ان کی بیوی مسلمان نہ ہوئی تھی، معالم التنزیل میں لکھا ہے یعنی لوطا وابنتیه یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیاں تینوں افراد نجات پا گئے اور عذاب سے بچا لیے گئے۔ روح المعانی میں حضرت

سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اہل ایمان میں تیرہ افراد تھے اگر اس بات کو لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ باقی دس افراد حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں جمع ہو گئے تھے۔ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی بستی میں پہنچے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہہ دیا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصے میں بستی سے نکل جائیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور اپنی بیوی کو ساتھ لے کر نہ جانا اسے بھی وہی عذاب پہنچنے والا ہے جو دوسرے مجرمین کو پہنچے گا۔ جب یہ حضرات رات کو بستی سے باہر نکل گئے تو سورج نکلتے وقت ان کی قوم کو ایک چیخ نے پکڑ لیا اور ان کا تختہ الٹ دیا گیا یعنی اوپر کا حصہ نیچے کر دیا گیا اور ان پر کھنگر کے پتھر برسا دیئے گئے یہ تینوں عذاب سورۃ الحجر میں مذکور ہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اس علاقہ میں موجود تھے ان کو چیخ نے بھی پکڑا اور زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا اور جو لوگ اِدھر اُدھر باہر نکلے ہوئے تھے وہ انہیں پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے۔ آخر میں فرمایا: وَ تَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ (اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کے لیے عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں) واقعہ کا تذکرہ عبرت دلانے کے لیے ہے لیکن لوگوں نے ان کی ہلاک شدہ بستیوں کو سیر و سیاحت کی جگہ بنا رکھا ہے۔ ان بستیوں کی جگہ بحر میت کھڑا ہے، لوگ تفریح کے طور پر سفر کرتے ہیں عبرت حاصل نہیں کرتے۔ سارے انسانوں پر لازم ہے کہ سابقہ امتوں کے واقعات سے عبرت لیں اور نصیحت حاصل کریں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ سورۂ انعام (۱۰ ع) میں سورہ ھود (۷ ع) میں اور سورۂ الحجر (۴ ع، ۵ ع) اور سورۃ النمل (۵ ع) اور سورۃ الانبیاء (۵ ع) اور سورۃ الشعراء (۹ ع) اور سورۃ العنکبوت (۳ ع، ۴ ع) میں بھی مذکور ہے۔

وَ فِيْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

فرعون اور قوم عاد و ثمود کی بربادی کا تذکرہ:

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت اور بربادی کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرعون اور عاد اور ثمود کی سرکشی اور ہلاکت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی عبرت ہے ہم نے انہیں کھلی ہوئی دلیل دے کر بھیجا یعنی انہیں متعدد معجزات دیئے انہیں دیکھ کر ہر صاحب عقل فیصلہ کر سکتا تھا کہ یہ شخص واقعی اپنے دعوائے نبوت میں سچا ہے اور اس کا حق کی دعوت دینا اور خالق اور مالک جل مجدہ کی توحید اور عبادت کی طرف بلانا حق ہے لیکن فرعون نے حق سے اعراض کیا موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور انہیں جادوگر اور دیوانہ بتا دیا اس نے جو یہ حرکت کی یہ اس بنیاد پر تھی کہ اس کے ساتھ اس کی جماعت کے لوگ اور دربار کے سردار تھے غرور اور تکبر اسے لے ڈوبا وہ بھی ڈوبا اس کے ساتھ اس کے لشکر بھی ڈوبے اس نے ایسی حرکتیں کی تھیں جن کی وجہ سے اس پر ملامت آ گئی، اپنے نفس کی طرف سے بھی مستحق ملامت ہوا اور اپنے عوام کی طرف سے بھی۔

فرعون کی ہلاکت اور بربادی اور ڈوبنے کا قصہ کئی سورتوں میں گزر چکا ہے اور سورۂ نازعات میں بھی آ رہا ہے۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد قوم عاد کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا سورۂ انعام، سورۂ ہود، سورۃ الشعراء اور سورہ حٰم سجدہ میں ان کی ہلاکت کا تذکرہ گزر چکا ہے اور سورہ القمر اور سورہ الحاقہ میں بھی آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے

حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا تھا ان لوگوں نے بڑی سرکشی کی اور کبر اور طاقت کے گھمنڈ میں یہاں تک کہہ گئے: مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً (ہم سے بڑھ کر طاقت کون ہے) اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت تیز ہوا بھیج دی جو سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی ہوا میں خیر ہوتی ہے جو بارش لے کر آتی ہے لیکن جو ہوا ان میں بھی بھیجی گئی تھی وہ بالکل ہی ہر خیر سے خالی تھی۔ اسی لیے اسے یہاں سورۃ الذاریات میں الرِّیۡحَ الۡعَقِیۡمَ فرمایا، عربی میں عقیم بانجھ کو کہتے ہیں جیسے بانجھ عورت سے کوئی بھی اولاد پیدا نہیں ہوتی اسی طرح عاد کو برباد کرنے والی ہوا میں کچھ بھی خیر نہ تھی۔ سورۃ الحاقہ میں فرمایا کہ جب ہوا چلی تو وہ لوگ ایسے گرے ہوئے پڑے تھے جیسے کھجور کے درخت کے وہ تنے پڑے ہوئے ہوں جو اندر سے خالی ہوں، یہاں سورۃ الذاریات میں اس ہوا کی سختی بتاتے ہوئے فرمایا کہ وہ جس چیز پر بھی گزرتی اسے رمیم یعنی چورا چورا بنا کر رکھ دیتی تھی، جو ہڈیاں گل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں یا گھاس پھونس دبد با کر گھس پٹ کر بھوسہ بن جائے اس کو رمیم کہا جاتا ہے: قال صاحب الروح ناقلاً عن الراغب: یختص الرم بالفتات من الخشب والتین والرمۃ بالکسر تختص بالعظم البالی۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان کے افراد تو کھجوروں کے تنوں کی طرح گر گئے تھے اور باقی چیزیں (جانور وغیرہ) ریزہ ریزہ ہو گئی تھیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے جثے بھی بعد میں ریزہ ریزہ ہو گئے ہوں یہ ہوا پچھم کی طرف سے آنے والی تھی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (نصرت بالصبا واھلکت عاد بالدبور)۔ (مشکوٰۃ المصابیح: صفحہ ۱۳۲ عن البخاری)

بادِ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی (جو خندق کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے بھیج دی تھی) اور دبور کے ذریعہ قوم عاد ہلاک کی گئی، صبا وہ ہوا جو مشرق کی طرف سے چل کر آئے اور دبور وہ ہوا جو مغرب کی طرف سے چل کر آئے۔

اس کے بعد ثمود کی بربادی کا ذکر فرمایا ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے انہوں نے انہیں توحید کی دعوت دی سمجھایا بجھایا لیکن یہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے ان کا تذکرہ بھی ان سورتوں میں گزر چکا ہے جن کا حوالہ اوپر دیا گیا۔ بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پہاڑ سے اونٹنی برآمد فرمائی تھی اور ان لوگوں کو بتادیا کہ یہ اونٹنی ایک دن تمہارے کنویں کا پانی پیئے گی اور ایک دن تمہارے مویشی پئیں گے، یہ بات ان لوگوں کو ناگوار ہوئی اور اونٹنی کو قتل کرنے کا مشورہ کیا اور وہ یہ کام کر گزرے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تَمَتَّعُوۡا فِیۡ دَارِکُمۡ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ (تم اپنے گھروں میں تین دن تک نفع اٹھالو) یعنی زندہ رہ لو اور کھا پی لو، اس کے بعد تمہاری بربادی اور ہلاکت ہے۔ ذٰلِکَ وَعۡدٌ غَیۡرُ مَکۡذُوۡبٍ (یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہے بالکل سچا ہے) چنانچہ ان پر عذاب آیا اور انہیں ہلاک کر کے رکھ دیا اس عذاب کو یہاں الصاعقہ فرمایا اور سورۂ حم سجدہ میں صٰعِقَۃُ الۡعَذَابِ الۡھُوۡنِ سے تعبیر فرمایا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ صاعقہ ہر عذاب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا اصل لغوی معنی وہ عذاب ہے جو بجلی کے گرنے یا بادلوں کے گرجنے سے ہو، سورۂ ہود اور سورۂ قمر میں ان کے عذاب کو صیحۃ سے تعبیر فرمایا ہے وہ چیخ کے معنی میں ہے۔

بہرحال ان لوگوں پر تین دن بعد عذاب آیا اور یہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ اسی کو فرمایا: فَاَخَذَتۡھُمُ الصّٰعِقَۃُ وَ ھُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ سورۂ ہود میں فرمایا: فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِھِمۡ جٰثِمِیۡنَ. کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡھَا کہ وہ گھٹنوں کے بل اپنے گھروں میں ایسے گرے کہ گویا کہ وہ ان گھروں میں رہے ہی نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو عذاب کو دفع نہیں کر سکے، کسی سے مدد نہیں

لے سکے، اللہ تعالیٰ سے انتقام نہیں لے سکے۔ وما کانوا منتصرین میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت:

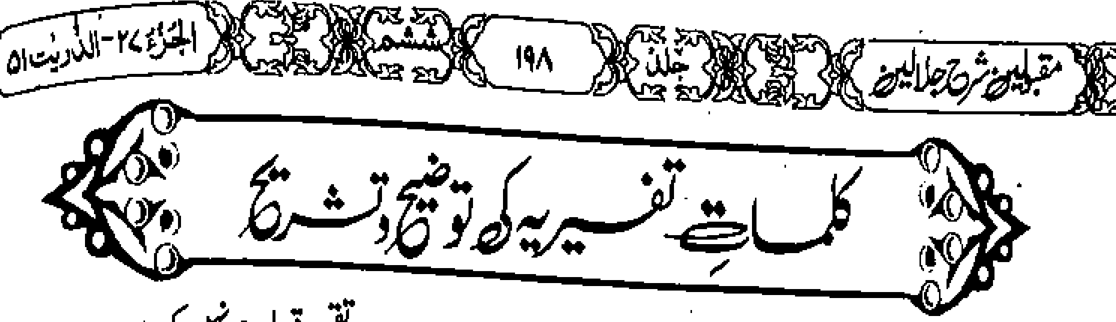
اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا تذکرہ فرمایا یعنی ان لوگوں سے پہلے قوم نوح بھی عذاب میں گرفتار ہو چکی ہے۔ یہ لوگ بھی فاسق یعنی نافرمان تھے۔ قال فی معالم التنزیل: وَقَوْمَ نُوْحٍ قرا ابو عمرو وحمزہ والکسائی وقومِ بجر المیم ای وفی قوم نوح وقرا الاخرون بنصبھا بالحمل علی المعنی وھو ان قولہ: فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ معناہ اغرقناھم کانہ۔ واغرقنا قوم نوح مِنْ قَبْلُ ای من قبل ھٰؤلاء وھم عاد وثمود وقوم فرعون۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ بِقُوَّةٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ لَهَا قَادِرُوْنَ يُقَالُ اٰدَ الرَّجُلُ يَئِيْدُ قَوِيَ وَاَوْسَعَ الرَّجُلُ صَارَ ذَا سَعَةٍ وَّقُدْرَةٍ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا مَهَّدْنَاهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ نَحْنُ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهٖ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ صِنْفَيْنِ كَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالسَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالسَّهْلِ وَالْجَبَلِ وَالصَّيْفِ وَالشِّتَاءِ وَالْحُلْوِ وَالْحَامِضِ وَالنُّوْرِ وَالظُّلْمَةِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ خَالِقَ الْاَزْوَاجِ فَرْدٌ فَتَعْبُدُوْنَهٗ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اَيْ اِلٰى ثَوَابِهٖ مِنْ عِقَابِهٖ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ وَلَا تَعْصُوْهُ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ بَيِّنُ الْاِنْذَارِ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يُقَدَّرُ قَبْلَ فَفِرُّوْا قُلْ لَهُمْ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا هُوَ سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَيْ مِثْلَ تَكْذِيْبِهِمْ لَكَ بِقَوْلِهِمْ اِنَّكَ سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ تَكْذِيْبُ الْاُمَمِ قَبْلَهُمْ رُسُلَهُمْ بِقَوْلِهِمْ ذٰلِكَ اَتَوَاصَوْا كُلُّهُمْ بِهٖ ۚ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ جَمَعَهُمْ عَلٰى هٰذَا الْقَوْلِ طُغْيَانُهُمْ فَتَوَلَّ اَعْرِضْ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ لِاَنَّكَ بَلَّغْتَهُمُ الرِّسَالَةَ وَّذَكِّرْ عِظْ بِالْقُرْاٰنِ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ مَنْ عَلِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّهٗ يُؤْمِنُ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا يُنَافِيْ ذٰلِكَ عَدَمُ عِبَادَةِ الْكَافِرِيْنَ لِاَنَّ الْغَايَةَ لَا يَلْزَمُ وُجُوْدُهَا كَمَا فِيْ قَوْلِكَ بَرَيْتُ هٰذَا الْقَلَمَ لِاَكْتُبَ بِهٖ فَاِنَّكَ قَدْ لَا تَكْتُبُ بِهٖ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ

مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ لِّيْ وَلِاَنْفُسِهِمْ وَغَيْرِهِمْ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۞ وَلَااَنْفُسَهُمْ وَلَا غَيْرَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۞ الشَّدِيْدُ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ ذَنُوْبًا نَصِيْبًا مِّنَ الْعَذَابِ مِّثْلَ ذَنُوْبِ نَصِيْبِ اَصْحٰبِهِمْ الْهَالِكِيْنَ قَبْلَهُمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۞ بِالْعَذَابِ اِنْ اَخَّرْتُهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَوَيْلٌ شِدَّةُ عَذَابٍ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ فِيْ يَوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۞ اَيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ع ۳ | ۱۴ | ۲

ترجمہ: اور ہم نے آسمان کو قوت (طاقت) سے بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں (بولتے ہیں اٰدَالرَّجُلُ يَئِيْدُ یعنی قوت والا ہوا۔ وَاَوْسَعَ الرَّجُلُ کے معنی ذی وسعت اور صاحب قدرت ہونے کے ہیں) اور ہم نے زمین کو فرش بنایا (بچھایا) سو ہم اچھے بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو (مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا سے متعلق ہے) دو قسم کا بنایا۔ (جوڑے جیسے نر و مادہ، آسمان و زمین، سورج، چاند، نرم جگہ، پہاڑ، گرمی، سردی، میٹھا، کھٹا، روشنی، اندھیرا) تاکہ تم سمجھو (تَذَكَّرُوْنَ ۞ کی دوتا میں سے ایک تا محذوف ہوگئی۔ معنی یہ ہیں کہ تم جان جاؤ کہ جوڑوں کا پیدا کرنیوالا یکتا ہے اس لئے اس کی عبادت کرو) سو تم اللہ کی طرف دوڑو (اس کے عذاب سے بچ کر اس کے ثواب کی طرف آؤ۔ اس کی فرمانبرداری کرو، نافرمانی نہ کرو) میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود قرار مت دو میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (فَفِرُّوْا سے پہلے قُلْ لَهُمْ مقدر ہے) اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انہوں نے جادوگر یا دیوانہ نہ کہا ہو (جیسا کہ آپ کو یہ کہہ کر جھٹلا رہے ہیں کہ آپ جادوگر یا دیوانہ ہیں ایسے ہی پہلے لوگوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو یہی کہا تھا) کیا ایک دوسرے کو (سب کے سب) وصیت کرتے چلے آئے ہیں اس بات کی (ہمزہ استفہام نفی کے معنی میں ہے) بلکہ یہ تمام کے تمام لوگ سرکش ہیں (اس بات پر سرکشی نے ان کو ابھارا ہے) سو آپ ان کی پروا (توجہ) نہ کیجئے۔ کیونکہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں (آپ نے تبلیغ رسالت کردی) اور سمجھاتے رہیے (قرآن کے ذریعہ فہمائش کیجئے) کیونکہ سمجھانا اہل ایمان کو (جن کا مؤمن ہونا علم الٰہی میں طے ہوتا ہے) نفع دے گا اور میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں (کافروں کا اللہ کی عبادت نہ کرنا۔ اس کے منافی نہیں کیونکہ کسی چیز کی غرض و غایت کا پورا ہونا ضروری نہیں ہوا کرتا مثلاً کہا جائے: بریت هذا القلم لا كتب به حالانکہ بعض اوقات قلم سے کتابت نہیں ہوا کرتی) میں ان سے رزق نہیں مانگتا (خود اپنے لیے نہ دوسروں کیلئے) اور نہ ان سے یہ فرمائش کرتا ہوں کہ مجھ کو کھلایا کریں (اور ناداروں کو کھلانے کی فرمائش ہوتی ہے) اللہ خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے طاقتور انتہائی مضبوط ہے۔ سو ان ظالموں کی (مکہ والوں اور دوسروں کی جنہوں نے کفر کرکے ظلم کیا ہے) باری ہے (عذاب کا حصہ) جیسا کہ ان جیسے (پہلے ہلاک ہونے والوں) پاپیوں کی باری تھی، سو مجھ سے جلدی طلب نہ کریں (عذاب کو، جبکہ میں نے آخرت پر اٹھا رکھا ہے) غرض بڑی خرابی (عذاب کی سختی) ہوگی ان کافروں کیلئے اس دن کے آنے سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (قیامت مراد ہے)۔



قوله: فَتَعْلَمُوْنَ: پس تمہیں معلوم ہو، تعداد حدوث کے خواص سے ہے اور واجب تقسیم قبول ہی نہیں کرتا۔

قوله: فَفِرُّوْٓا: اس پہلے قل لھم کو مقدر مانا جائے گا۔

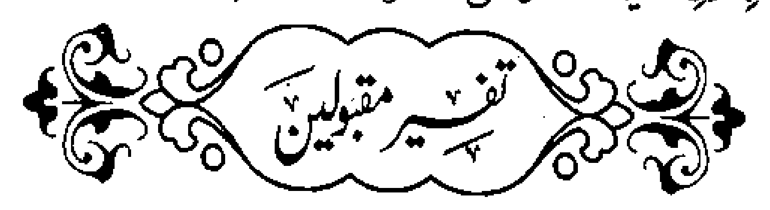
قوله: بِمَعْنَى النَّفْيِ: اس طرح نہ تھا کہ ان کا ایک دوسری کو اجتماعی طور پر وصیت کرنا ان کے زمانہ کے بعید ہونے کی بناء تھا۔

قوله: لِيَعْبُدُوْنِ: بعض اوقات غایت کا وجود لازم نہیں جیسے کہتے ہیں بریت ھذا القلم للکتابة۔ اب کتابت لازم نہیں۔

قوله: وَلَا نُفُسِهِمْ: اللہ تعالیٰ کا معاملہ بندوں کے ساتھ اس طرح کا نہیں جیسا آقاؤں کا اپنے غلاموں سے ہوا کرتا ہے۔
ان کو معاش میں اپنے غلاموں سے مدد بھی درکار ہوا کرتی ہے۔

قوله: ذَنُوْبًا: حصہ، ذنوب بڑے ڈول کو کہتے ہیں، جس میں سے چھوٹے ڈولوں کے ذریعہ پیمائش سے پانی لیا جاتا ہے۔

قوله: فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ: یہ کفار کے قول متی ھذا الوعد کا جواب ہے۔



وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

تخلیق کائنات:

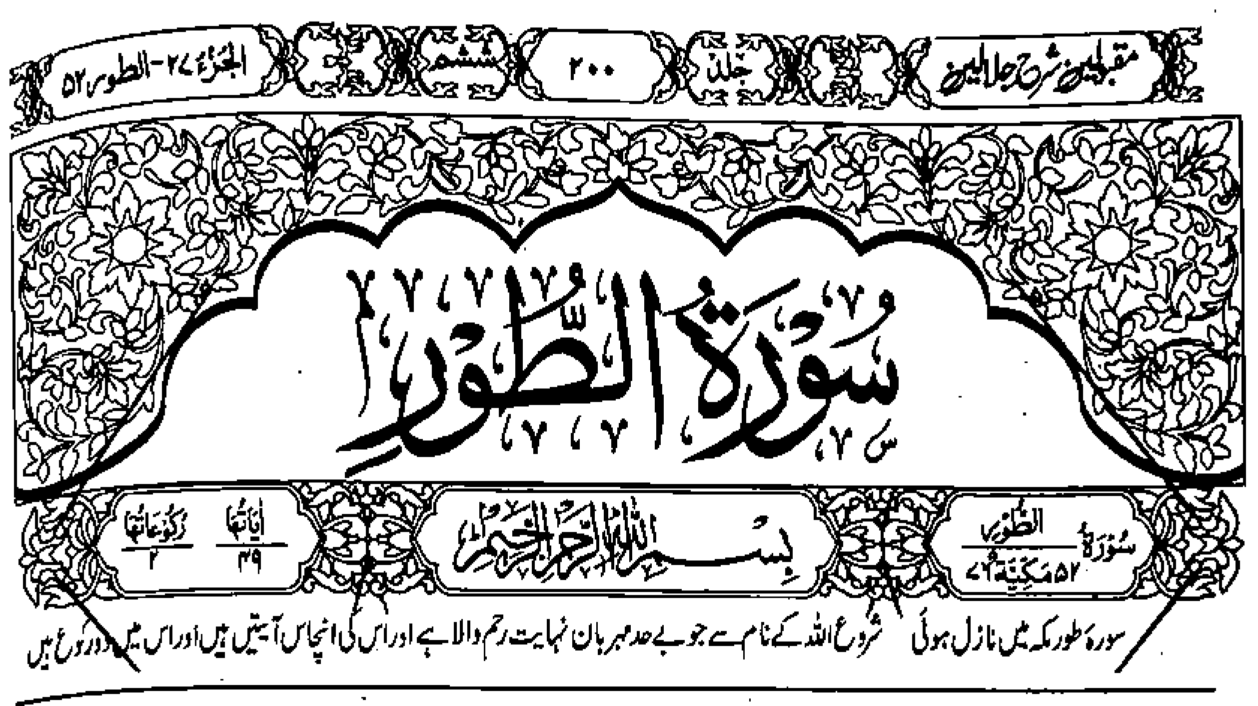
زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر فرما رہا ہے کہ ہم نے آسمان کو اپنی قوت سے پیدا کیا ہے اسے محفوظ اور بلند چھت بنا دیا ہے حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ ثوری اور بہت سے مفسرین نے یہی کہا ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اپنی قوت سے بنایا ہے اور ہم کشادگی والے ہیں اس کے کنارے ہم نے کشادہ کیے ہیں اور بے ستون اسے کھڑا کر دیا ہے اور قائم رکھا ہے زمین کو ہم نے اپنی مخلوقات کے لئے بچھونا بنا دیا ہے اور بہت ہی اچھا بچھونا ہے تمام مخلوق کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے جیسے آسمان زمین، دن رات، خشکی تری، اجالا اندھیرا، ایمان کفر، موت حیات، بدی نیکی، جنت دوزخ، یہاں تک کہ حیوانات اور نباتات کے بھی جوڑے ہیں یہ اس لئے کہ تمہیں نصیحت حاصل ہو تم جان لو کہ ان کا سب کا خالق اللہ ہی ہے اور وہ لاشریک اور یکتا ہے پس تم اس کی طرف دوڑ دو اپنی توجہ کا مرکز صرف اسی کو بناؤ اپنے تمام تر کاموں میں اسی کی ذات پر اعتماد کرو میں تو تم سب کو صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں خبردار اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا میرے کھلم کھلا خوف دلانے کا لحاظ رکھنا۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾

تبلیغ میں صبر وضبط کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ کفار جو آپ کو کہتے ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے کا

کافروں نے بھی اپنے اپنے زمانہ کے رسولوں سے یہی کہا ہے، کافروں کا یہ قول سلسلہ بہ سلسلہ یونہی چلا آیا ہے جیسے آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کر کے جاتا ہو سچ تو یہ ہے کہ سرکشی اور سرتابی میں یہ سب یکساں ہیں اس لئے جو بات پہلے والوں کے منہ سے نکلی وہی ان کی زبان سے نکلتی ہے کیونکہ سخت دلی میں سب ایک سے ہیں پس آپ چشم پوشی کیجئے یہ مجنون کہیں جادوگر کہیں آپ صبر وضبط سے سن لیں ہاں نصیحت کی تبلیغ نہ چھوڑیئے اللہ کی باتیں پہنچاتے چلے جایئے۔ جن دلوں میں ایمان کی قبولیت کا مادہ ہے وہ ایک نہ ایک روز راہ پر لگ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان ہے کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو کسی اپنی ضرورت کے لئے نہیں پیدا کیا بلکہ صرف اس لئے کہ میں انہیں ان کے نفع کے لئے اپنی عبادت کا حکم دوں وہ خوشی ناخوشی میرے معبود برحق ہونے کا اقرار کریں مجھے پہچانیں حضرت سدی فرماتے ہیں بعض عبادتیں نفع دیتی ہیں اور بعض عبادتیں بالکل نفع نہیں پہنچاتیں جیسے قرآن میں ایک جگہ ہے کہ اگر تم ان کافروں سے پوچھو کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو گو یہ بھی عبادت ہے مگر مشرکوں کو کام نہ آئے گی غرض عابد سب ہیں خواہ عبادت ان کے لئے نافع ہو یا نہ ہو، اور حضرت ضحاک فرماتے ہیں اس سے مراد مسلمان انسان اور ایمان والے جنات ہیں مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے یوں پڑھایا ہے حدیث: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (الذاریات: ٥٨) یہ حدیث ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں بھی ہے امام ترمذی اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بندگی کیلئے پیدا کیا ہے اب اس کی عبادت یکسوئی کے ساتھ جو بجالائے گا کسی کو اس کا شریک نہ کرے گا وہ اسے پوری پوری جزا عنایت فرمائے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا وہ بدترین سزائیں بھگتے گا اللہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ کل مخلوق ہر حال اور ہر وقت میں اس کی پوری محتاج ہے بلکہ محض بے دست و پا اور سراسر فقیر ہے خالق رزاق اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے، مسند احمد میں حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا میں تیرا سینہ تونگری اور بے نیازی سے پر کر دونگا اور تیری فقیری روک دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو اشغال سے بھر دوں گا اور تیری فقیری کو ہرگز بند نہ کروں گا ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث شریف ہے، امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں خالد کے دونوں لڑکے حضرت حبہ اور حضرت سواءؓ فرماتے ہیں ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی دیوار بنا رہے تھے یا کسی چیز کو درست کر رہے تھے ہم بھی اسی کام میں لگ گئے جب کام ختم ہوا تو آپ نے ہمیں دعا دی اور فرمایا سر ہل جانے تک روزی سے مایوس نہ ہونا دیکھو انسان جب پیدا ہوتا ہے ایک سرخ بوٹی ہوتا ہے بدن پر ایک چھلکا بھی نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ دیتا ہے (مسند احمد) بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدم میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے تو اس سے غفلت نہ کر تیرے رزق کا میں ضامن ہوں تو اس میں بے جا تکلیف نہ کر مجھے ڈھونڈتا کہ مجھے پالے جب تو نے مجھے پالیا تو یقین مان کہ تو نے سب کچھ پالیا اور اگر میں تجھے نہ ملا تو سمجھ لے کہ تمام بھلائیاں تو کھو چکا بس تمام چیزوں سے زیادہ محبت تیرے دل میں میری ہونی چاہیے۔ پھر فرماتا ہے یہ کافر میرے عذاب کو جلدی کیوں مانگ رہے ہیں؟ وہ عذاب تو انہیں اپنے وقت پر پہنچ کر ہی رہیں گے جیسے ان سے پہلے کافروں کو پہنچے قیامت کے دن جس دن کا ان سے وعدہ ہے انہیں بڑی خرابی ہوگی۔



سورۂ طور مکہ میں نازل ہوئی   شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی انچاس آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

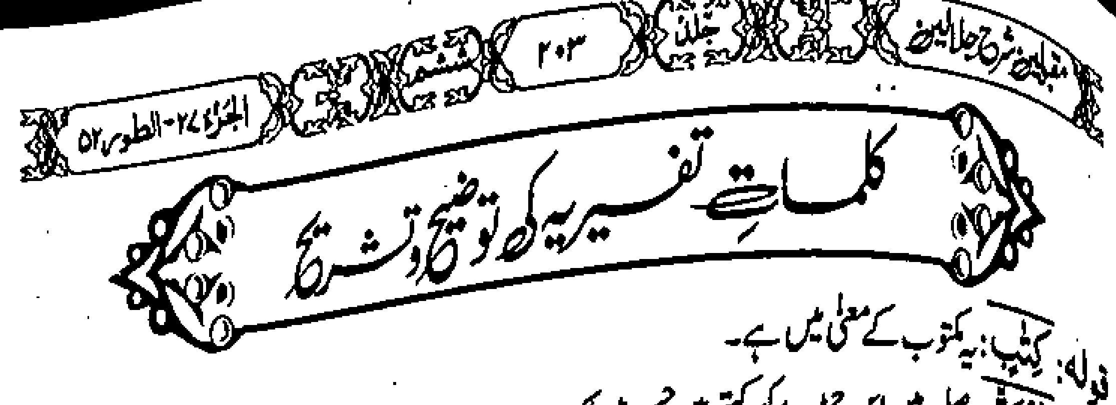
وَالطُّوْرِ ۝١ اَيِ الْجَبَلِ الَّذِيْ كَلَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مُوْسٰى وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝٢ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝٣ اَيِ التَّوْرٰةِ اَوِ الْقُرْاٰنِ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝٤ هُوَ فِي السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ اَوِ السَّادِسَةِ اَوِ السَّابِعَةِ بِحِيَالِ الْكَعْبَةِ يَزُوْرُهٗ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ بِالطَّوَافِ وَالصَّلٰوةِ لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ اَبَدًا وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝٥ اَيِ السَّمَاءِ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝٦ اَيِ الْمَمْلُوْءِ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝٧ لَنَازِلٌ بِمُسْتَحِقِّهٖ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝٨ عَنْهُ يَّوْمَ مَعْمُوْلٌ لِوَاقِعٍ تَمُوْرُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۝٩ تَتَحَرَّكُ وَتَدُوْرُ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠ تَصِيْرُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَوَيْلٌ شِدَّةُ عَذَابٍ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١ لِلرُّسُلِ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ بَاطِلٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝١٢ اَيْ يَتَشَاغَلُوْنَ بِكُفْرِهِمْ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝١٣ يُدْفَعُوْنَ بِعُنْفٍ بَدَلٌ مِنْ يَوْمَ تَمُوْرُ وَيُقَالُ لَهُمْ تَبْكِيْتًا هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝١٤ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَفَسِحْرٌ هٰذَا الْعَذَابُ الَّذِيْ تَرَوْنَ كَمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِي الْوَحْيِ هٰذَا سِحْرٌ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝١٥ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا عَلَيْهَا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا صَبْرُكُمْ وَجَزَعُكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ لِاَنَّ صَبْرَكُمْ لَا يَنْفَعُكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝١٦ اَيْ جَزَاءَهٗ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۝١٧ فٰكِهِيْنَ مُتَلَذِّذِيْنَ مَصْدَرِيَّةٌ اَعْطَاهُمْ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝١٨ عَطْفٌ عَلٰى اٰتَاهُمْ اَيْ بِاِتْيَانِهِمْ وَوِقَايَتِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا حَالٌ اَيْ مُتَهَنِّئِيْنَ بِمَا الْبَاءُ سَبَبِيَّةٌ كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝١٩ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى حَالٌ مِّنَ الضَّمِيْرِ الْمُسْتَكِنِّ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى فِيْ جَنّٰتٍ سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ

بعضها الی جنب بعض وَزَوَّجْنٰهُمْ عطف علی فی جنّٰت ای قرنّاهم بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ عظام الاعین حسانها وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مبتدأ وَاتَّبَعَتْهُمْ معطوف علی اٰمنوا ذُرِّيَّتُهُمْ الصغار والکبار بِاِيْمَانٍ من الکبار ومن الاٰباء فی الصغار والخبر اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ المذکورین فی الجنة فیکونون فی درجتهم وان لم یعملوا بعملهم تکرمة للاٰباء باجتماع الاولاد الیهم وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ بفتح اللام وکسرها نقصناهم مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ زائدة شَیْءٍ یزاد فی عمل الاولاد كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ عمل من خیر او شر رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ مرهون یؤخذ بالشر ویجازی بالخیر وَاَمْدَدْنٰهُمْ زدناهم فی وقت بعد وقت بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ وان لم یصرحوا بطلبه يَتَنَازَعُوْنَ یتعاطون بینهم فِيْهَا ای الجنة كَاْسًا خمرا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا ای بسبب شربها یقع بینهم وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ به یلحقهم بخلاف خمر الدنیا وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ للخدمة غِلْمَانٌ ارقاء لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ حسنا ونظافة لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ مصون فی الصدف لانه فیها احسن منه فی غیرها وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ یسأل بعضهم بعضا عما کانوا علیه وما وصلوا الیه تلذذا واعترافا بالنعمة قَالُوْٓا ایماء الی علة الوصول اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا فی الدنیا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ خائفین من عذاب الله فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا بالمغفرة وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ ای النار لدخولها فی المسام وقالوا ایماء ایضا اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ ای فی الدنیا نَدْعُوْهُ ای نعبده موحدین اِنَّهٗ بالکسر استئنافا وان کان تعلیلا معنی و بالفتح تعلیلا لفظا هُوَ الْبَرُّ المحسن الصادق فی وعده الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ العظیم الرحمة

ع ۲۸ / ۲

ترجمہ: قسم ہے طور کی (وہ پہاڑ جس پر حق تعالیٰ موسیٰؑ سے ہم کلام ہوئے) اور کتاب (تورات یا قرآن) کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے اور بیت المعمور کی (جو تیسرے یا چھٹے یا ساتویں آسمان پر کعبۃ اللہ کی سیدھ میں ہے۔ روزانہ جس کی ۷۰ ہزار فرشتے زیارت کرتے ہیں طواف اور نماز کی صورت میں کہ پھر دوبارہ ان کا نمبر نہیں آتا) اور اونچی چھت (آسمان) کی اور دریائے شور کی جو پر (بھرا ہوا) ہے۔ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب (مستحق پر) ضرور آ کر رہے گا۔ اس کو کوئی ٹال نہیں سکے گا جس روز (یوم، واقع کا معمول ہے) آسمان تھرتھر کانپے گا (گھوم جائے گا) اور پہاڑ ہٹ جائیں گے (ہوا ہو کر اڑ جائیں گے قیامت کے روز) بڑی کم بختی (سختی) ہوگی اس روز (پیغمبروں کے) جھٹلانے والوں کی جو (فضول) مشغلہ میں بے ہودگی کے

جس روز کہ ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر لایا جائے گا (زبردستی
ساتھ لگ جائیں گے (کفر میں مصروف ہیں) جس روز کہ ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر لایا جائے گا (زبردستی
دھکیلا جائے گا یہ یوم تمور سے بدل ہے ان کو دھکا کر کہا جائے گا کہ) یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ جادو ہے
(وہ عذاب جسے تم دیکھ رہے ہو جیسا کہ وحی کے متعلق تم یہی کہا کرتے تھے کہ یہ جادو ہے) یا تم کو نظر نہیں آ رہا ہے۔ اس میں داخل
ہو جاؤ۔ پھر خواہ اس پر سہارا کرنا یا نہ کرنا (صبر کا اظہار کرو یا گھبراہٹ کا) تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں (صبر کرنے سے اب
کچھ فائدہ نہیں ہوگا) جیسا تم کیا کرتے تھے ویسا ہی بدلہ (صلہ) تم کو دیا جائے گا۔ بلاشبہ متقی باغوں اور عیش کے سامان میں ہوں
گے خوددل (لذت اندوز) ہوں گے جو چیزیں (مامصدریہ ہے) ان کو ان کے پروردگار نے دی (عطا کی) ہوں گی اور ان کا
پروردگار ان کو دوزخ کی آنچ سے محفوظ رکھے گا (وقاہم کا عطف اتاہم پر ہے یعنی اس عطا اور نجات کی وجہ سے مسرور ہوں
گے۔ ان سے کہہ دیا جائے گا کہ) خوب کھاؤ پیو مزہ کے ساتھ (ھنیئاً حال ہے بمعنی متھنین) اپنے اعمال کے بدلہ میں
(باسبیہ ہے) تکیہ لگائے ہوئے (فی جنت میں جو ضمیر مستتر ہے اس سے حال ہے) تختوں پر جو ایک دوسرے کے برابر (پاس
پاس) بچھے ہوئے ہونگے اور ہم ان کا بیاہ کر دیں گے (جنت پر عطف ہے یعنی ان کی جوڑی بنا دیں گے) گوری گوری بڑی بڑی
آنکھوں والیوں سے (جن کی آنکھیں بڑی حسین ہوں گی) اور جو لوگ ایمان لائے میں (بڑی اولاد نے تو خود ایمان لا کر اور
چھوٹی اولاد نے والدین کے ساتھ تابع ہو کر آگے خبر ہے) ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ شامل کر دیں گے (درجات جنت
میں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے بڑوں جیسا عمل نہیں کیا والدین کے اکرام کیلئے اولاد کو ان کے ساتھ کر دیا جائے گا) اور ہم کچھ
گھٹائیں گے نہیں (التنا لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ کم نہیں کریں گے) ان کے عمل میں سے کچھ (من زائد
ہے والدین کے عمل میں سے اولاد کے عمل میں اضافہ کر کے) ہر شخص اپنے عمل میں (اچھا ہو یا برا) بندھا رہے گا (پابند ہوگا۔
برائی کی وجہ سے پکڑ ہوگی اور بھلائی کا صلہ ملے گا) اور ہم روز افزوں دیتے رہیں گے (ہر وقت بڑھا چڑھا کر) میوے اور گوشت
جس قسم کا ان کو مرغوب ہوگا (اگرچہ صراحۃً خواہش کا اظہار نہیں کریں گے) آپس میں (لین دین کرتے ہوئے) چھین جھپٹ
کریں گے وہاں (جنت میں) جام (شراب) میں کہ نہ اس میں بک بک لگے گی (باہمی شراب پینے کی وجہ سے) اور نہ کوئی بے
ہودہ بات ہوگی (برخلاف دنیا کی شراب کے) اور (خدمت کیلئے) پیش ہوں گے ان پر لڑکے (غلام) جو خاص انہی کیلئے ہوں
گے گویا وہ (خوبصورتی اور صفائی میں) محفوظ موتی ہوں گے (جو سیپیوں میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں جو ان کی خوب صورتی کی
سب سے بہترین جگہ ہے) اور وہ آمنے سامنے متوجہ ہو کر آپس میں بات چیت کریں گے (ہر ایک دوسرے کی مزاج پرسی کر کے
مسرور و شکر گزار ہوگا) بولیں گے (کامیابی کے سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ہم تو اس سے پہلے (دنیا میں رہتے ہوئے)
اپنے گھروں میں بہت ڈرا کرتے تھے (عذاب الٰہی سے) لیکن اللہ نے ہم پر (مغفرت کر کے) بڑا احسان کیا اور ہمیں دوزخ
کی آگ سے بچا لیا۔ (جو روئیں روئیں میں گھسی جایا کرتی ہے اور یہ بھی کہیں گے کہ) ہم پہلے (دنیا میں) دعائیں مانگا کرتے
تھے (توجہ کے ساتھ عبادت بجالاتے تھے) واقعی وہ (انہ کسرہ ہمزہ کیساتھ جملہ مستانفہ ہے۔ اگرچہ بلحاظ معنی علت ہے اور فتحہ
ہمزہ کے ساتھ لفظاً تعلیل ہے) بڑا محسن (اپنے وعدہ کا سچا احسان کرنے والا) مہربان (بڑی رحمت والا) ہے۔



قوله: كِتٰبٍ: یہ مکتوب کے معنی میں ہے۔

قوله: فِیْ رَقٍّ: اصل میں اس چمڑے کو کہتے ہیں جس میں لکھا جاتا ہے پھر ہر کاغذ کے لیے استعمال ہوا۔

قوله: مَّنْشُوْرٍ: پھیلا ہوا۔

قوله: الثَّالِثَةِ: حدیث صحیح میں جس کا تذکرہ ہے وہ ساتویں آسمان پر ہے اور ہر آسمان میں کعبہ کی محاذات ایک بیت موجود ہے اور جو آدمؑ کے لیے اتارا اور پھر اٹھالیا وہ چوتھے آسمان میں ہے۔

قوله: بِحِيَالِ الْكَعْبَةِ: حیال محاذات کو کہا جاتا ہے۔

قوله: الْمَمْلُوْءِ: گھرا ہوا۔

قوله: يُدَفَعُوْنَ بِعُنْفٍ: ہاتھ ان کی گردنوں سے باندھ دیے جائیں گے اور پیشانیاں قدموں میں اکٹھی ہوں گی پس وہ سختی سے آگ کی طرف دھکیلے جائیں گے۔

قوله: هٰذَا الْعَذَابَ: اس سے وحی کا مصداق مراد ہے۔

قوله: لَا تُبْصِرُوْنَ: یہ اسی طرح ہے جیسے تم دنیا میں وہ نہ دیکھتے تھے۔ جو اس پر دلالت کرنے والے ہے۔

قوله: مُتَهَنِّئِيْنَ: خوشگوار معلوم ہوگا۔

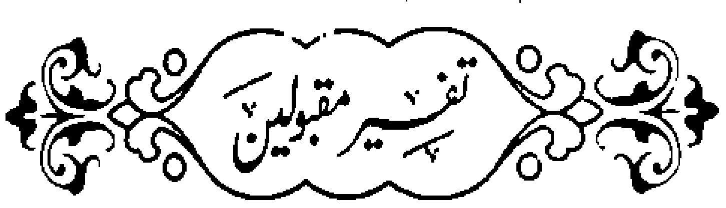
قوله: قَرَنَّاهُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ باب کا تعلق زوجناھم سے کیونکہ وہ النحران سے مجاز ہے نہ کہ الصادق سے۔

قوله: اَلَتْ: یالت کم کرنا۔

قوله: يُزَادُ فِيْ عَمَلِ الْأَوْلَادِ: یعنی جو اولاد کے عمل میں بڑھائیں گے تو ان کے اعمال سے کم نہ کریں گے۔

قوله: مَرْهُوْنٌ: گویا ہر بندے کے نفس میں عمل صالح کے بدلے رہن رکھا ہوا ہے۔ اگر نیک عمل کیا تو چھوٹ گیا ورنہ ہلاک ہوا۔

قوله: خَمْرًا: اس کو کل کے اعتبار سے نام رکھا، اسی وجہ سے ضمیر مؤنث لائے۔



سورۃ الطور کے مضامین بھی دین کے بنیادی عقائد کی تحقیق وتثبیت پر مشتمل ہیں خاص طور سے توحید ورسالت کا مضمون دلائل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کفار مکہ پر حجت قائم کی گئی اسی طرح بعث بعد الموت اور جزاء وسزا کا مسئلہ بھی نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا اور یہ کہ قیامت کے احوال کس قدر شدید ہوں گے ان کی شدت اور ہولنا کی ذکر فرمائی گئی اور یہ کہ عذاب خداوندی جب کفار پر مسلط ہوگا تو اس کو کوئی دفع نہیں کرسکتا اسی اہمیت کے پیش نظر مضمون کی ابتداء عظیم الشان قسموں سے فرمائی

گئی مجرمین کی سزا و عقوبت کے بیان کے بعد اہل ایمان اور تقویٰ پر انعامات خداوندی کا بیان ہے اور اسی ضمن میں آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو ثابت فرمایا گیا۔

سورت کے اختتام پر مشرکین کے معبودان باطلہ کی تقبیح و مذمت کرتے ہوئے ان کو تنبیہ و تہدید کی گئی اور آگاہ کیا گیا کہ اگر وہ اپنے عناد و بغاوت سے باز نہ آئے تو خدا کا عذاب ان کو تباہ کر دے گا اس سورت کا نام سورۃ الطور اس وجہ سے ہے کہ مضمون کی ابتداء طور پہاڑ کی قسم سے فرمائی گئی اور یہ کوہ طور وہ مقدس جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا تو اس لحاظ سے یہ وہ مقدس جگہ ہوئی جہاں اللہ تعالیٰ کی برکات اور اس کے جمال و جلال کا ورود ہوا۔

وَالطُّوْرِ ۝

قیامت کے دن منکرین کی بدحالی، انہیں دھکے دے کر دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جن کی بڑی اہمیت ہے، اس کے بعد فرمایا ہے کہ بیشک آپ کے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے، قیامت کو جھٹلانے والے اس کے وقوع کے منکر ہیں، ان کے شک اور انکار کو رد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار قسمیں کھائی ہیں، سورۃ الذاریات کا افتتاح اور سورۃ النازعات کی ابتداء بھی اس طرح سے ہے، ان آیات میں اولاً طور پہاڑ کی قسم کھائی یہ وہی پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا، اس کے بعد کتاب مسطور کی قسم کھائی مسطور بمعنی مکتوب ہے یعنی لکھی ہوئی کتاب، صاحب روح المعانی نے اس کی تفسیر میں چند اقوال نقل کیے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے بندوں کے اعمال نامے مراد ہیں جو قیامت کے دن کسی کو داہنے ہاتھ میں اور کسی کو بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور بعض حضرات نے اس سے قرآن کریم مراد لیا ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے لوح محفوظ مراد ہے، کتاب مسطور کی صفت بتاتے ہوئے فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ فرمایا ''رق'' جلد رقیق یعنی پتلے چمڑے کو کہا جاتا ہے جب دنیا میں کاغذ نہیں تھے تو اس میں لکھا کرتے تھے اور منشور کا معنی ہے کھلی ہوئی چیز، جن حضرات نے كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ سے اعمال نامے مراد لیے ہیں ان کے قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ سورۃ الاسراء میں اعمال ناموں کے بارے میں: وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا فرمایا ہے۔

اس کے بعد بیت معمور کی قسم کھائی شب معراج میں اسے رسول اللہ ﷺ نے عالم بالا میں دیکھا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو انہوں نے کہا یہ بیت معمور ہے اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب اس سے نکل کر واپس جاتے ہیں تو ان کی باری دوبارہ کبھی نہیں آتی۔ (صحیح مسلم صفحہ ۹۱ ج ۱)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آسمان میں بیت المعمور کی حرمت وہی ہے جو زمین میں کعبہ معظمہ کی حرمت ہے، اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، اس کا طواف کرتے ہیں اور اس میں نماز پڑھتے ہیں پھر کبھی ان کے دوبارہ داخل ہونے کی نوبت نہیں آتی۔

اس کے بعد فرمایا: وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ یعنی بلند چھت کی قسم ہے۔ روح المعانی میں حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ اس

عرش الٰہی مراد ہے جو جنت کی چھت ہے۔

اس کے بعد وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ؀ کی قسم کھائی جس کا ترجمہ ہے ''وہ سمندر جو دہکایا گیا۔'' یعنی خوب اچھی طرح تنور کی طرح جلایا گیا۔ حضرت ابن عباس سے یہ تفسیر منقول ہے سورۃ التکویر میں قیامت کے دن کے احوال میں وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ جو فرمایا ہے اس کی تفسیر میں مفسرین نے سجرت یعنی اُوْقِدَتْ لکھا ہے جب سمندروں کو جلایا جائے گا اور وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ کا ایک ترجمہ البحر المملو یعنی بھرا ہوا سمندر بھی کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سمندر کا سفر صرف وہ آدمی کرے جو حج یا عمرہ کے لیے یا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے روانہ ہو کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔

(رواہ ابوداؤد ص ۳۲۷: ج ۱)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے چند امور کی قسم کھائی ہے اول کوہ طور کی قسم کھائی جو وادیٔ مقدس ہے پھر کتاب مستور کی قسم کھائی جس میں بندوں کے اعمال درج ہیں اس کے بعد بیت المعمور کی قسم کھائی جو فرشتوں کے طواف کی جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس میں مشغول ہونے کا مقام ہے پھر وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ؀ کی قسم کھائی جو فرشتوں کے رہنے کی جگہ ہے وہاں سے آیات نازل ہوتی ہیں اور جنت بھی وہیں ہے پھر وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ؀ کی قسم کھائی جو آگ کی جگہ ہے۔

ان قسموں کے بعد فرمایا: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ؀ (بے شک آپ کے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے) مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ؀ (اسے کوئی دفع کرنے والا نہیں) یہ جواب قسم ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا فرمایا ہے جو عظیم الشان ہیں اور کائنات میں بڑی چیزیں ہیں اس کی قدرت سے یہ باہر نہیں ہے کہ صالحین کو ثواب اور منکرین کو عذاب دینے کے لیے قیامت قائم کرے، جب قیامت قائم ہوگی تو اسے کوئی بھی دفع کرنے والا نہیں ہوگا۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے بیان کیا کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تا کہ رسول اللہ ﷺ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کروں (اس وقت یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) میں آپ کے قریب پہنچا تو آپ مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور مسجد کے باہر آپ کی آواز آ رہی تھی میں نے وَالطُّوْرِ ؀ سے لے کر مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ؀ تک آپ کی قراءت سنی تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے میرا دل پھٹا جا رہا ہے، میں عذاب نازل ہونے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا، میں ایسا خوفزدہ ہوا کہ یوں سمجھنے لگا کہ گویا یہاں سے اٹھنے سے پہلے ہی عذاب میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ (معالم التنزیل ۲۳۷ ج ۴)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ ....

صالح اولاد اصول کے ساتھ:

اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل و کرم اور لطف و رحم اپنے احسان اور انعام کا بیان فرماتا ہے کہ جن مومنوں کی اولاد بھی ایمان میں اپنے باپ دادا کی راہ میں لگ جائے لیکن اعمال صالحہ میں اپنے بڑوں سے کم ہو پروردگار ان کے نیک اعمال کا بدلہ بڑھا چڑھا کر انہیں ان کے بڑوں کے درجے میں پہنچا دے گا تا کہ بڑوں کی آنکھیں چھوٹوں کو اپنے پاس دیکھ کر ٹھنڈی رہیں اور

چھوٹے بھی اپنے بڑوں کے پاس ہشاش بشاش رہیں ان کے عملوں کی بڑھوتری ان کے بزرگوں کے اعمال کی کمی سے نہ کی جائے گی بلکہ محسن و مہربان اللہ انہیں اپنے معمور خزانوں میں سے عطا فرمائے گا حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر یہی فرماتے ہیں۔ ایک مرفوع حدیث بھی اس مضمون کی مروی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ جب جنتی شخص جنت میں جائے گا اور اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کو نہ پائے گا تو دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہیں جواب ملے گا کہ وہ تمہارے مرتبہ تک نہیں پہنچے یہ کہے گا باری تعالیٰ میں نے تو اپنے لئے اور انکے لئے نیک اعمال کئے تھے چنانچہ حکم دیا جائے گا اور انہیں بھی ان کے درجے میں پہنچا دیا جائے گا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جنتیوں کے بچوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کئے وہ تو ان کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے لیکن ان کے جو چھوٹے بچے چھٹ پن ہی میں انتقال کر گئے تھے وہ بھی ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔ حضرت ابن عباس، شعبی، سعید بن جبیر ابراہیم قتادہ ابو صالح ربیع بن انس ضحاک بن زید بھی یہی کہتے ہیں امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے نبی ﷺ سے اپنے دو بچوں کی نسبت دریافت کیا جو زمانہ جاہلیت میں مرے تھے تو آپ نے فرمایا وہ دونوں جہنم میں ہیں، پھر جب مائی صاحبہ کو غمگین دیکھا تو فرمایا اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تمہارے دل میں ان کا بغض پیدا ہو جاتا مائی صاحبہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرا بچہ جو آپ سے ہوا وہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ہے مؤمن مع اپنی اولاد کے جنت میں ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی یہ تو ہوئی ماں باپ کے اعمال صالحہ کی وجہ سے اولاد کی بزرگی اب اولاد کی دعا خیر کی وجہ سے ماں باپ کی بزرگی ملاحظہ ہو مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کا درجہ جنت میں دفعۃً بڑھاتا ہے وہ دریافت کرتا ہے کہ اللہ میرا یہ درجہ کیسے بڑھ گیا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تیری اولاد نے تیرے لئے استغفار کیا اس بنا پر میں نے تیرا درجہ بڑھا دیا اس حدیث کی اسناد بالکل صحیح ہیں گو بخاری مسلم میں ان لفظوں سے نہیں آئی لیکن اس جیسی ایک روایت صحیح مسلم میں اس طرح مروی ہے کہ ابن آدم کے مرتے ہی اس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل کہ وہ مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچاتے رہتے ہیں۔ صدقہ جاریہ علم دین جس سے نفع پہنچتا ہے نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعائے خیر کرتی رہے چونکہ یہاں بیان ہوا تھا کہ مؤمنوں کی اولاد کے درجے بے عمل بڑھا دیئے گئے تھے تو ساتھ ہی ساتھ اپنے اس فضل کے بعد اپنے عدل کا بیان فرماتا ہے کہ کسی کو کسی کے اعمال میں پکڑا نہ جائے گا بلکہ ہر شخص اپنے اپنے عمل میں رہن ہوگا باپ کا بوجھ بیٹے پر اور بیٹے کا باپ پر نہ ہوگا جیسے اور جگہ ہے آیت: كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (المدثر: ۳۸)، ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں میں گرفتار ہے مگر وہ جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پہنچے وہ جنتوں میں بیٹھے ہوئے گنہگاروں سے دریافت کرتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان جنتیوں کو قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے گوشت دیئے جاتے ہیں جس چیز کو جی چاہے جس پر دل آئے وہ یک لخت موجود ہو جاتی ہے شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ایک دوسرے کو پلا رہے ہیں جس کے پینے سے سرور اور کیف لطف اور بہار حاصل ہوتا ہے لیکن بد زبانی بے ہودہ گوئی نہیں ہوتی ہذیان نہیں بکتے بیہوش نہیں ہوتے سچا سرور اور پوری خوشی حاصل بک جھک سے دور گناہ سے غافل باطل و کذب سے دور غیبت و گناہ سے نفور دنیا میں شرابیوں کی حالت دیکھی ہوگی کہ ان کے سر میں چکر پیٹ میں درد عقل زائل بکواس بہت بو بری چہرے بے رونق اسی طرح شراب کے بدذائقہ اور بدبو یہاں جنت کی شراب ان تمام گندگیوں سے کوسوں

دودھ ہے یہ رنگ میں سفید پینے میں خوش ذائقہ نہ اس کے پینے سے حواس معطل ہوں نہ بک جھک ہو نہ بہکیں نہ بھٹکیں نہ مستی ہو نہ کسی طرح ضرر پہنچائے ہنسی خوشی اس پاک شراب کے جام پلا رہے ہوں گے ان کے غلام کمسن نوعمر بچے جو حسن و خوبی میں ایسے ہیں جیسے مروارید ہوں اور وہ بھی ڈبے میں بند رکھے گئے ہوں کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو اور ابھی ابھی تازے تازے نکالے ہوں ان کی آبداری صفائی چمک دمک روپ رنگ کا کیا پوچھنا؟ لیکن ان غلمان کے حسین چہرے انہیں بھی ماند کر دیتے ہیں اور مضمون ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے آیت: يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ (الواقعہ:۱۷) یعنی ہمیشہ نوعمر اور کمسن رہنے والے بچے آبخورے آفتابے اور ایسی شراب صاف کے جام کہ جن کے پینے سے نہ سر میں درد ہو نہ بہکیں اور جس قسم کا میوہ یہ پسند کریں اور جس پرند کا گوشت یہ چاہیں ان کے پاس بار بار لانے کے لئے چاروں طرف کمر بستہ چل رہے ہیں اس دور شراب کے وقت آپس میں گھل مل کر طرح طرح کی باتیں کریں گے دنیا کے احوال یاد آئیں گے کہیں گے کہ ہم دنیا میں جب اپنے والوں میں تھے تو اپنے رب کے آج کے دن کے عذاب سے سخت لرزاں و ترساں تھے الحمدللہ رب نے ہم پر خاص احسان کیا اور ہمارے خوف کی چیز سے ہمیں امن دیا ہم اسی سے دعائیں اور التجائیں کرتے رہے اس نے ہماری دعائیں قبول فرمائیں اور ہمارا قول پورا کر دیا یقیناً وہ بہت ہی نیک سلوک اور رحم والا ہے مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی اپنے دوستوں سے ملنا چاہے گا تو ادھر دوست کے دل میں بھی یہی خواہش پیدا ہوگی اس کا تخت اڑے گا اور راستہ میں دونوں مل جائیں گے اپنے اپنے تختوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے باتیں کرنے لگیں گے دنیا کے ذکر کو چھیڑیں گے اور کہیں گے کہ فلاں دن فلاں جگہ ہم نے اپنی بخشش کی دعا مانگی تھی اللہ نے اسے قبول فرمایا۔ اس حدیث کی سند کمزور ہے حضرت مائی عائشہ نے جب اس آیت کی تلاوت کی تو یہ دعا پڑھی (اللهم من علينا وقنا عذاب السموم انك انت البر الرحيم) حضرت اعمش راوی حدیث سے پوچھا گیا کہ اس آیت کو پڑھ کر یہ دعا ام المؤمنین نے نماز میں مانگی تھی؟ جواب دیا ہاں۔

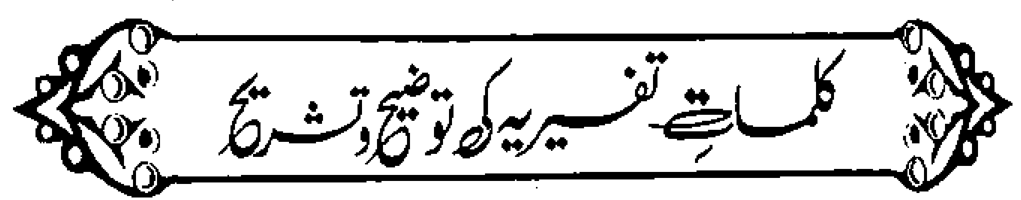
فَذَكِّرْ دُمْ عَلٰی تَذْكِيرِ الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا تَرْجِعْ عَنْهُ لِقَوْلِهِمْ لَكَ كَاهِنٌ مَجْنُوْنٌ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ اَیْ بِاِنْعَامِهٖ عَلَيْكَ بِكَاهِنٍ خَبَرُ مَا وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ مَعْطُوْفٌ عَلَيْهِ اَمْ بَلْ يَقُوْلُوْنَ هُوَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ حَوَادِثُ الدَّهْرِ فَيَهْلِكُ كَغَيْرِهٖ مِنَ الشُّعَرَاءِ قُلْ تَرَبَّصُوْا هَلَاكِيْ فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ هَلَاكَكُمْ فَعُذِّبُوْا بِالسَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ وَالتَّرَبُّصُ الْاِنْتِظَارُ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ عُقُوْلُهُمْ بِهٰذَآ اَیْ قَوْلُهُمْ لَهٗ سَاحِرٌ كَاهِنٌ شَاعِرٌ مَجْنُوْنٌ اَیْ لَا تَاْمُرُهُمْ بِذٰلِكَ اَمْ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ بِعِنَادِهِمْ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ اِخْتَلَقَ الْقُرْاٰنَ لَمْ يَخْتَلِقْهُ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِسْتِكْبَارًا فَاِنْ قَالُوْا اخْتَلَقَهٗ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مُخْتَلَقٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ فِيْ قَوْلِهِمْ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ

شيءٍ اي خالق اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ انفسهم ولا يعقل مخلوق بدون خالق ولا معدوم يخلق فلا
بدّ لهم من خالق هو الله الواحد فلم لا يوحدونه و يؤمنون برسوله و كتابه اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ ۚ ولا يقدر على خلقهما الا الله الخالق فلم لا يعبدونه بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿٣٦﴾ والا لآمنوا بنبيه اَمْ
عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ من النبوة والرزق و غيرهما فيخصوا من شاؤوا بما شاؤوا اَمْ هُمُ
الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ المتسلطون الجبارون و فعله صيطر و مثله بيطر و بيقر اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ مرقى الى
السماء يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ اي عليه كلام الملائكة حتى يمكنهم منازعة النبي صلى الله عليه وسلم
بزعمهم ان ادعوا ذلك فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ اي مدعي الاستماع عليه بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ بحجة بينة
واضحة ولشبه هذا الزعم بزعمهم ان الملائكة بنات الله قال تعالى اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ اي بزعمكم وَ
لَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿٣٩﴾ تعالى الله عما زعموه اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا على ما جئتهم به من الدين فَهُمْ مِّنْ
مَّغْرَمٍ غرم لك مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ فلا يسلمون اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ اي علمه فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤١﴾ ذلك
حتى يمكنهم منازعة النبي صلى الله عليه وسلم في البعث وامر الاخرة بزعمهم اَمْ يُرِيْدُوْنَ
كَيْدًا ۭ بك ليهلكوك في دار الندوة فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿٤٢﴾ المغلوبون المهلكون
فحفظه الله منهم ثم اهلكهم ببدر اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٣﴾ به من الالهة
والاستفهام بام في مواضعها للتقبيح والتوبيخ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا بعضا مِّنَ السَّمَاۗءِ سَاقِطًا عليهم كما
قالوا فاسقط علينا كسفا من السماء اي تعذيبا لهم يَّقُوْلُوْا هذا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿٤٤﴾ متراكب نروى به
ولا يؤمنوا فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿٤٥﴾ يموتون يَوْمَ لَا يُغْنِيْ بدل من
يومهم عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٦﴾ يمنعون من العذاب في الاخرة وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا بكفرهم عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ اي في الدنيا قبل موتهم فعذبوا بالجوع والقحط سبع سنين
وبالقتل يوم بدر وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ ان العذاب ينزل بهم وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ بامهالهم

وَلَا يَضِيقُ صَدْرُكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا بِمَرْأًى مِنَّا نَرَاكَ وَنَحْفَظُكَ وَسَبِّحْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِ رَبِّكَ أَيْ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ حِينَ تَقُومُ ﴿۴۸﴾ مِنْ مَنَامِكَ أَوْ مِنْ مَجْلِسِكَ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ حَقِيقَةً أَيْضًا وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۴۹﴾ مَصْدَرٌ أَيْ عَقِبَ غُرُوبِهَا سَبِّحْهُ أَيْضًا أَوْ صَلِّ فِي الْأَوَّلِ الْعِشَائَيْنِ وَفِي الثَّانِي سُنَّةَ الْفَجْرِ وَقِيلَ الصُّبْحَ ع ۲/۲۱

ترجمہ: تو آپ سمجھاتے رہیے (مشرکین کو نصیحت کرتے رہیے، اس کو اس لئے موقوف نہ کیجئے کہ وہ آپ کو کاہن، مجنون کہہ رہے ہیں) کیونکہ آپ بفضل الٰہی (بفضلہ تعالیٰ) نہ تو کاہن ہیں (ما کی خبر ہے) اور نہ مجنون (یہ خبر پر معطوف ہے) ہاں کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں، ہم ان کے بارہ میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں (حوادث زمانہ سے جس طرح اور شعراء ناپید ہو گئے ہیں آپ بھی بے نشان ہو جائیں گے) آپ فرما دیجئے کہ تم منتظر رہو (میری تباہی کے) سو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (تمہاری تباہی کا۔ چنانچہ غزوہ بدر میں مشرکین تلوار کی نذر ہو گئے۔ تربص کے معنی انتظار کے ہیں) کیا ان کی عقلیں (سمجھ بوجھ) ان کو ان باتوں کی تلقین کرتی ہیں (یعنی ساحر، کاہن، شاعر، مجنون کہنے کی۔ یعنی یہ عقل کا فیصلہ نہیں ہے) یا (بلکہ) یہ لوگ شریر (عنادی) ہیں۔ ہاں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو خود گھڑ لیا ہے (قرآن بنا لیا ہے، بنایا نہیں) بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں کرتے (شیخی کے مارے اور اگر اس کو گھڑنا جتلاتے ہیں) تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام (من گھڑت) لے آئیں اگر یہ سچے ہیں۔ کیا یہ لوگ یونہی (بغیر پیدا کرنے والے کے) خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں (اور جب کوئی مخلوق بغیر خالق کے اور معدوم خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا، تو ماننا پڑے گا کہ ان کا ضرور کوئی خالق ہے اور وہ اللہ یگانہ ہی ہو سکتا ہے اور یہ کیوں نہیں توحید مانتے اور کیوں اس کے رسول اور کتاب کو تسلیم نہیں کرتے) یا انہوں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا (حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ان کو نہیں پیدا کر سکتا۔ پھر کیوں اس کی بندگی نہیں کرتے) بلکہ یہ لوگ یقین نہیں کرتے (ورنہ نبی پر ضرور ایمان لے آتے) کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں (نبوت و رزق وغیرہ کے کہ جس کو جتنا چاہیں دے ڈالیں) یا یہ لوگ حاکم ہیں (صاحب سلطنت و سطوت، مصیطر، بیطر اور بیقر کی طرح فعل ہے) کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے (آسمان پر چڑھنے کیلئے) کہ اس پر باتیں سن لیا کرتے ہیں (فیہ بمعنی علیہ، فرشتوں کی بات چیت سنتے ہوں۔ حتیٰ کہ اپنے گمان کے مطابق حضور ﷺ سے الجھ پڑتے ہیں، واقعی اگر ایسا ہے) تو ان میں جو باتیں سن آتا ہو (بات سننے کا دعوے دار ہو) وہ کوئی صاف دلیل پیش کرے (روشن کھلی حجت اور اسی کے مشابہ چونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اس لئے فرمایا) کیا اللہ کیلئے بیٹیاں (تمہارے خیال کے مطابق) اور تمہارے لئے بیٹے ہیں (اللہ تمہارے اس خیال سے پاک ہے) کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں (دین پہنچانے پر) کہ وہ تاوان (ڈانڈ) سے دبے جا رہے ہیں (اس لئے اسلام قبول نہیں کرتے) کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ اس کو لکھ لیا کرتے ہیں (تا کہ اپنے خیال کے مطابق قیامت و آخرت کی نسبت حضور ﷺ سے الجھنے کا موقع ملتا ہو) کیا یہ لوگ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (آپ کی شان میں آپ کو ختم کرنے کیلئے دار الندوہ

میں) سو یہ کافر خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے (مغلوب و برباد۔ چنانچہ اللہ نے حضورؐ کو محفوظ رکھا اور ان کو بدر میں موت کے گھاٹ اتار دیا) کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے، اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے (جو دوسرے معبودوں کو شریک کر کے کرتے ہیں۔ ان تمام مواقع پر استفہام برائی اور سرزنش کیلئے ہے) اور اگر وہ آسمان کے (کسی ایک) ٹکڑہ کو دیکھ لیں گے کہ گرتا آ رہا ہے (ان پر جیسا کہ خود ان کی درخواست ہے۔ ربنا اسقط علينا كسفا من السماء بطور سزا کے) تو یوں کہہ دیں گے کہ (یہ تو) تہ بتہ جما ہوا بادل ہے (جو غلیظ ہے اس سے ہم سیرابی حاصل کریں گے مگر ایمان نہیں لاتے) سو ان کو رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ پڑے جس میں (مر کر) ان کے ہوش اڑ جائیں گے جس دن کچھ نہیں کارگر ہوں گی (یوم سے بدل ہے) ان کی کچھ بھی تدبیریں اور نہ ان کو (آخرت میں عذاب سے بچاؤ کیلئے) کچھ مدد مل سکے گی اور ان ظالموں کیلئے (ان کے کفر کے سبب) اس سے پہلے ہی عذاب ہونے والا ہے (مرنے سے پہلے دنیا میں چنانچہ سات سال تک بھوک اور قحط کی سزا میں جکڑے رہے۔ پھر غزوہ بدر میں موت کا لقمہ بنے) لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں۔ (کہ ان پر عذاب ہوگا) اور اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے (ان کی ڈھیل پر تنگ دل نہ ہو جایئے) کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں (سرکاری تحویل میں ہم چوکسی سے آپ کی نگرانی کر رہے ہیں) اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے (سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا کیجئے) اٹھتے وقت (سو کر یا مجلس سے) اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے (حقیقت میں) اور ستاروں سے پیچھے بھی (ادبار مصدر ہے یعنی ستارے غروب ہونے کے بعد بھی تسبیح پڑھا کیجئے۔ یا پہلے جملہ سے مراد یہ ہے کہ مغرب وعشاء کی نماز پڑھا کیجئے اور دوسرے جملہ سے سنت الفجر یا نماز فجر مراد ہوگی)۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: حَوَادِثُ الدَّهْرِ: منون یہ من سے لیا گیا جس کا معنی قطع کرنا ہے اور زمانہ انسانی قوی کو قطع کرتا ہے۔

قوله: لَاتَأْمُرُهُمْ: امر احلام سے مراد ادائیگی ہے۔

قوله: طَاغُوْنَ: حد سے آگے بڑھنے والے۔

قوله: اِخْتَلَقَ: اپنی طرف سے گھڑ لینا۔

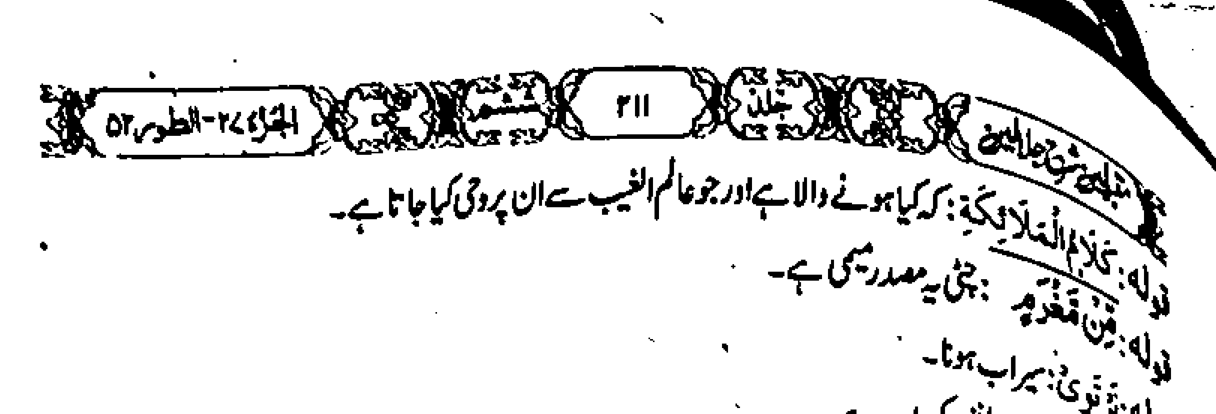
قوله: لَا يُؤْمِنُوْنَ: وہ ایمان نہ لانے کی وجہ سے وہ یہ طعنہ زنی کرتے ہیں۔

قوله: اَمْ خُلِقُوْا: یہ ام منقطعہ ہے اور ہمزہ انکار کے لیے ہے۔

قوله: به: جب ان سے اپنی تخلیق کا سوال ہوتا ہے تو یہی جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنایا اگر وہ اس کو صحیح مانتے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے رسول سے اعراض نہ کرتے۔

قوله: اَلْمُسَيْطِرُوْنَ: جو چیزوں پر اس طرح غلبہ پائیں کہ اپنی مرضی سے تصرف کریں۔

قوله: مُصَيْطِرٌ: غالب آیا بَيْطِرٌ۔ رگ کھولنے والا، بَيْقِرٌ۔ پھاڑنا: غيلة پوشیدہ قتل کرنا۔



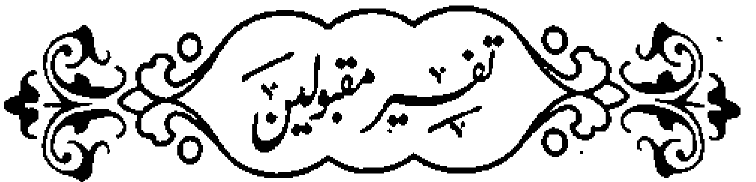
قولہ: كَلَامِ الْمَلَائِكَةِ: کہ کیا ہونے والا ہے اور جو عالم الغیب سے ان پر وحی کیا جاتا ہے۔

قولہ: مِنْ مَغْرَمٍ: یعنی یہ مصدر میمی ہے۔

قولہ: تَرْتَوِي: سیراب ہونا۔

قولہ: يَنْفُخُونَ: یہ پہلے نفخہ کی بات ہے۔

قولہ: بِأَعْيُنِنَا: یعنی ہمارے ہاں آپ کی حفاظت کے بہت اسباب ہیں۔



تفسیر مقبولین

فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُونٍ ۝

منکرین اور معاندین کی باتوں کی تردید:

ان آیات میں ابتدائی خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے پھر اسی ذیل میں اہل مکہ سے سوال و جواب ہے گویا آپ کے واسطے سے ان لوگوں سے بات ہو رہی ہے ارشاد فرمایا کہ آپ نصیحت حق فرماتے رہیں دشمنوں کی باتوں کی طرف دھیان نہ دیں بلکہ آپ کو کاہن اور دیوانہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل وانعام ہے آپ نہ کاہن ہیں نہ دیوانہ ہیں، نیز ان منکرین کا کہنا بھی ہے کہ آپ شاعر ہیں اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ ہمیں انتظار ہے کہ ان کی موت کا حادثہ ہو جائے تاکہ ان سے ہمارا چھٹکارا ہو جائے اور ہم سے جو خطاب کرتے ہیں اور اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں وہ بند ہو جائے جیسے بہت سے شاعر دنیا میں آئے شاعری کی اور دنیا سے گزر گئے ان کا بھی یہی حال بننے والا ہے نہ ان کا کوئی ماننے والا رہے نہ جاننے والا نہ ان کی راہ پر چلنے والا، ارشاد فرمایا: قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ۝ (آپ فرما دیجئے کہ تم لوگ انتظار کرتے رہو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں) دیکھو تمہارا کیا حال بنتا ہے اور حق قبول کرنے سے پہلوتہی کرنے پر کیسے عذاب میں مبتلا ہوتے ہو، میری محنتوں کا انجام فلاح اور کامیابی ہے اور تمہارا انجام ناکامی، بربادی اور ہلاکت ہے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے مشرکین کا غزوہ بدر میں مقتول ہونا مراد ہے۔

پھر فرمایا کہ آپ ان سے پوچھ لیجئے کیا ان کی عقلیں ان کو یہ بتا رہی ہیں کہ شرک میں مبتلا رہیں جو باطل چیز ہے اور دعوت توحید کو قبول نہ کریں جو حق ہے، اپنی عقلوں کو بہت بڑی سمجھتے ہیں حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ باطل کو ترک کریں اور حق کو قبول کریں اگر غور و فکر کرتے تو حق کو نہ ٹھکراتے، وہاں تو بس شر ہے اور شرارت ہے اسی کو اپنائے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ قرآن انہوں نے خود ہی بنا لیا ہے اور اپنی طرف سے بنا کر یوں کہہ دیئے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ان کا یہ قول شرارت پر مبنی ہے۔ ایمان نہیں لاتے ایسی باتیں کر کے دور ہوتے چلے جاتے ہیں یہ لوگ عربی جاننے ہیں فصیح و بلیغ ہونے کے دعویدار ہیں اگر اپنی بات میں سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنا کر لے آئیں، ان کو چیلنج کیا جا چکا ہے کہ قرآن جیسی ایک سورت بنا کر لے آئیں لیکن نہیں لائے اور نہ لا سکیں گے: لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

،منکرین قرآن پر یہ بہت بڑی مار ہے ڈیڑھ ہزار سال سے چیلنج ہے،کوئی بھی آج تک اس کے مقابلہ میں کچھ نہ کر کے لاسکا اور نہ لاسکے گا۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۞

توحید ربوبیت اورالوہیت:

توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا ثبوت دیا جارہا ہے فرماتا ہے کیا یہ بغیر موجد کے موجود ہوگئے؟ یا یہ خود اپنے موجد آپ ہی ہیں؟ دراصل دونوں باتیں نہیں بلکہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یہ کچھ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کر دیا۔حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں نبی ﷺ مغرب کی نماز میں سورۃ والطور کی تلاوت کر رہے تھے میں کان لگائے سن رہا تھا جب آپ آیت: اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ (الطور:۳۷) تک پہنچے تو میری حالت یہ ہوگئی کہ گویا میرا دل اڑا جارہا ہے۔ (بخاری) بدری قیدیوں میں ہی یہ جبیر آئے تھے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب یہ کافر تھے قرآن پاک کی ان آیتوں کا سننا ان کے لئے اسلام کا ذریعہ بن گیا پھر فرمایا ہے کہ کیا آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے یہ ہیں؟ یہ بھی نہیں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ خود ان کا اور کل مخلوقات کا بنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھی یہ اپنی بے یقینی سے باز نہیں آتے پھر فرماتا ہے کیا دنیا میں تصرف ان کا ہے؟ کیا ہر چیز کے خزانوں کے مالک یہ ہیں؟ یا مخلوق کے محاسب یہ ہیں حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ مالک و متصرف صرف اللہ عزوجل ہی ہے وہ قادر ہے جو چاہے کر گزرے پھر فرماتا ہے کیا اونچے آسمانوں تک چڑھ جانے کا کوئی زینہ ان کے پاس ہے؟ اگر یوں ہے تو ان میں سے جو وہاں پہنچ کر کلام سن آتا ہے وہ اپنے اقوال و افعال کی کوئی آسمانی دلیل پیش کرے لیکن نہ وہ پیش کرسکتا ہے نہ وہ کسی حقانیت کے پابند ہیں یہ بھی ان کی بڑی بھاری غلطی ہے کہ کہتے ہیں فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں کیا مزے کی بات ہے کہ اپنے لئے تو لڑکیاں ناپسند ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کریں انہیں اگر معلوم ہو جائے کہ ان کے ہاں لڑکی ہوئی تو غم کے مارے چہرہ سیاہ پڑ جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کو اس کی لڑکیاں بتائیں اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی پرستش کریں، پس نہایت ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرماتا ہے کیا اللہ کی لڑکیاں ہیں اور تمہارے لڑکے ہیں؟ پھر فرمایا کیا تو اپنی تبلیغ پر ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتا ہے جو ان پر بھاری پڑے؟ یعنی نبی اللہ دین اللہ کے پہنچانے پر کسی سے کوئی اجرت نہیں مانگتے پھر انہیں یہ پہنچانا کیوں بھاری پڑتا ہے؟ کیا یہ لوگ غیب دان ہیں؟ نہیں بلکہ زمین و آسمان کی تمام خلوق میں سے کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا کیا یہ لوگ دین اللہ اور رسول اللہ کی نسبت بکواس کر کے خود رسول کو مومنوں اور عام لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں یاد رکھو یہی دھوکے باز دھوکے میں رہ جائیں گے اور اخروی عذاب سمیٹیں گے پھر فرمایا کیا اللہ کے سوا ان کے اور معبود ہیں؟ اللہ کی عبادت میں بتوں کو اور دوسری چیزوں کو یہ کیوں شریک کرتے ہیں؟ اللہ تو شرکت سے مبرا شرک سے پاک اور مشرکوں کے اس فعل سے سخت بیزار ہے۔

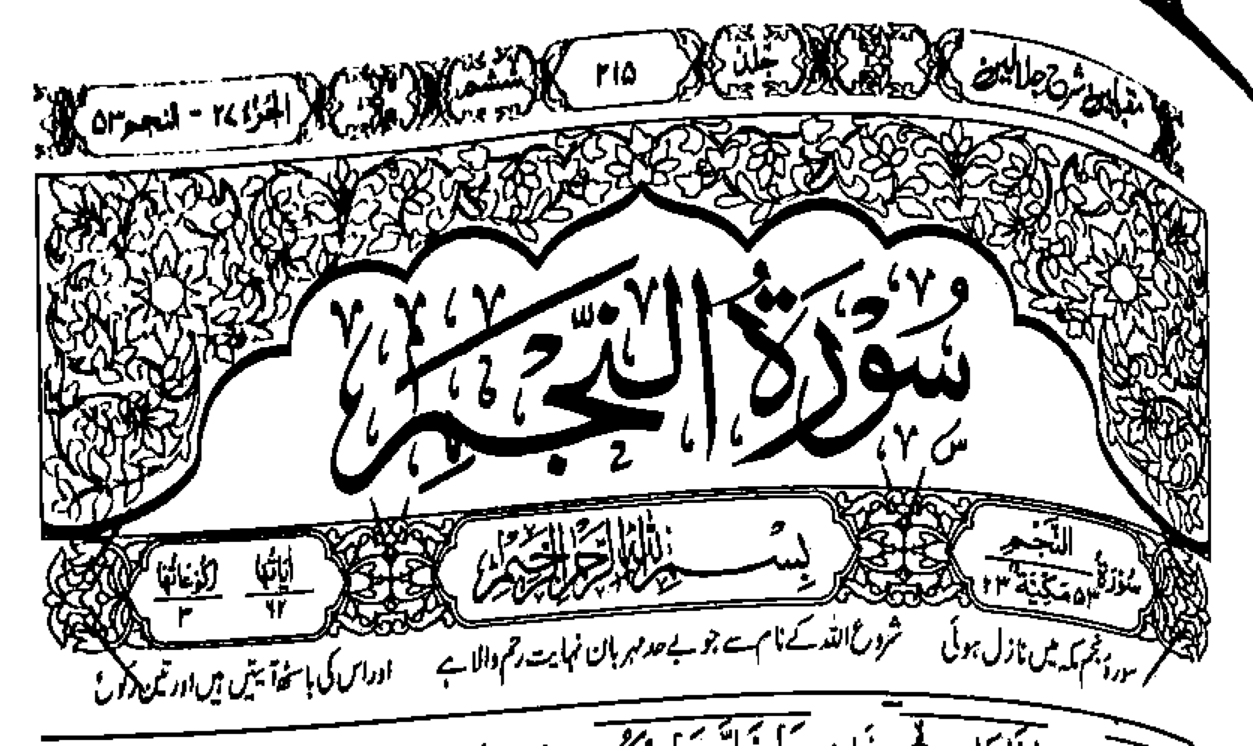
وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۞

طے شدہ بدنصیب اورنشست و برخواست کے آداب:

مشرکوں اور کافروں کے عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ اپنی سرکشی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اللہ کے

عذاب کو محسوس کر لینے کے بعد بھی انہیں ایمان کی توفیق نہ ہوگی یہ اگر دیکھ لیں گے کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا اللہ کا عذاب بن کر ان کے سروں پر گر رہا ہے تو بھی انہیں تصدیق و یقین نہ ہوگا بلکہ صاف کہہ دیں گے کہ غلیظ ابر ہے جو پانی برسانے کو آرہا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا آیت: وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاۗءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ (الحجر:۱۴)، اگر ہم ان کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور یہ وہاں چڑھ جائیں تب بھی یہ تو یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے یعنی معجزات جو یہ طلب کر رہے ہیں اگر ان کی چاہت کے مطابق ہی دکھا دیئے جائیں بلکہ خود انہیں آسمانوں پر چڑھا دیا جائے جب بھی یہ کوئی بات بنا کر ٹال دیں گے اور ایمان نہ لائیں گے۔ اے نبی ﷺ آپ انہیں چھوڑ دیجئے قیامت والے دن خود انہیں معلوم ہو جائے گا اس دن ان کی ساری فریب کاریاں دھری کی دھری رہ جائیں گی کوئی مکاری وہاں کام نہ دے گی چوکڑی بھول جائیں گے اور چالاکی بھول جائیں گے۔ آج جن جن کو یہ پکارتے ہیں اور اپنا مددگار جانتے ہیں اس دن سب کے منہ تکیں گے اور کوئی نہ ہوگا جو ان کی ذرا سی بھی مدد کر سکے بلکہ ان کی طرف سے کچھ عذر بھی پیش کر سکے یہی نہیں کہ انہیں صرف قیامت کے دن ہی عذاب ہو اور یہاں اطمینان و آرام کے ساتھ زندگی گذار لیں بلکہ ان ناانصافوں کے لئے اس سے پہلے دنیا میں بھی عذاب تیار ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے آیت: وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (السجدہ:۲۱) یعنی ہم انہیں آخرت کے بڑے عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ یہ رجوع کریں لیکن ان میں سے اکثر بے علم ہیں نہیں جانتے کہ یہ دنیوی مصیبتوں میں بھی مبتلا ہوں گے اور اللہ کی نافرمانیاں رنگ لائیں گی۔ یہی بے علمی ہے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے۔ کہ گناہ پر گناہ ظلم پر ظلم کرتے جائیں پکڑے جاتے ہیں عبرت حاصل ہوتی ہے لیکن جہاں پکڑ ہٹی یہ پھر ویسے کے ویسے سخت دل بدکار بن گئے۔ بعض احادیث میں ہے کہ منافق کی مثال اونٹ کی سی ہے جس طرح اونٹ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں کھولا؟ اسی طرح منافق بھی نہیں جانتا کہ کیوں بیمار کیا گیا؟ اور کیوں تندرست کر دیا گیا؟ اثر الٰہی میں ہے کہ میں کتنی ایک تیری نافرمانیاں کروں گا اور تو مجھے سزا نہ دے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندے کتنی مرتبہ میں نے تجھے عافیت دی اور تجھے علم بھی نہ ہوا۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ صبر کیجئے ان کی ایذاء دہی سے تنگ دل نہ ہو جایئے ان کی طرف سے کوئی خطرہ بھی دل میں نہ لایئے سنئے آپ ہماری حفاظت میں ہیں آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں آپ کی نگہبانی کے ذمہ دار ہم ہیں تمام دشمنوں سے آپ کو بچانا ہمارے سپرد ہے پھر حکم دیتا ہے کہ جب آپ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی پاکی اور تعریف بیان کیجئے اس کا ایک مطلب یہ کیا گیا ہے کہ جب رات کو جاگیں دونوں مطلب درست ہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نماز کو شروع کرتے ہی آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: (سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک) (صحیح مسلم) یعنی اے اللہ تو پاک ہے تمام تعریفوں کا مستحق ہے تیرا نام برکتوں والا ہے تیری بزرگی بہت بلند و بالا ہے۔ تیرے سوا معبود برحق کوئی اور نہیں مسند احمد اور سنن میں بھی حضور ﷺ کا یہ کہنا مروی ہے مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کو جاگے اور کہے دعا: (لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قو الا باللہ) پھر خواہ اپنے لئے بخشش کی دعا کرے خواہ جو چاہے طلب

کرے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے پھر اگر اس نے پختہ ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز بھی ادا کی تو وہ نماز قبول کی جاتی ہے یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں اور سنن میں بھی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں اللہ کی تسبیح اور حمد کے بیان کرنے کا حکم ہر مجلس سے کھڑے ہونے کے وقت ہے حضرت ابوالاحوص کا قول بھی یہی ہے کہ جب مجلس سے اٹھنا چاہے یہ پڑھے دعا: (سبحانک اللھم وبحمدک) حضرت عطا ابن ابورباح بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر اس مجلس میں نیکی ہوئی ہے تو وہ اور بڑھ جاتی ہے اور اگر کچھ اور ہوا ہے تو یہ کلمہ اس کا کفارہ ہو جاتا ہے جامع عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو تعلیم دی کہ جب بھی کسی مجلس سے کھڑے ہو تو دعا: (سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک) پڑھو۔ اس کے راوی حضرت معمر فرماتے ہیں میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ قول اس مجلس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث تو مرسل ہے لیکن مسند حدیثیں بھی اس بارے میں بہت سی مروی ہیں جن کی سندیں ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے وہاں کچھ بک جھک ہو اور کھڑا ہونے سے پہلے ان کلمات کو کہہ لے تو اس مجلس میں جو کچھ ہوا ہے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ (ترمذی) اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔ امام حاکم اسے مستدرک میں روایت کر کے فرماتے ہیں اس کی سند شرط مسلم پر ہے ہاں امام بخاری نے اس میں علت نکالی ہے میں کہتا ہوں امام احمد، امام مسلم، امام ابوحاتم، امام ابوزرعہ، امام دارقطنی وغیرہ نے بھی اسے معلول کہا ہے اور وہم کی نسبت ابن جریج ہیں ہی نہیں، اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ اپنی آخری عمر میں جس مجلس سے کھڑے ہوتے ان کلمات کو کہتے بلکہ ایک شخص نے پوچھا بھی کہ حضور ﷺ آپ اس سے پہلے تو اسے نہیں کہتے تھے؟ آپ نے فرمایا مجلس میں جو کچھ ہوا ہو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جاتے ہیں یہ روایت مرسل سند سے بھی حضرت ابوالعالیہ سے مروی ہے واللہ اعلم نسائی وغیرہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں یہ کلمات ایسے ہیں کہ جو انہیں مجلس سے اٹھتے وقت تین مرتبہ کہہ لے اس کے لئے یہ کفارہ ہو جاتے ہیں مجلس خیر اور مجلس ذکر میں انہیں کہنے سے یہ مثل مہر کے ہو جاتے ہیں۔ (ابوداؤد وغیرہ) الحمد اللہ میں نے ایک علیحدہ جزو میں ان تمام احادیث کو ان کے الفاظ کو اور ان کی سندوں کو جمع کر دیا ہے اور ان کی علتیں بھی بیان کر دی ہیں اور اس کے متعلق جو کچھ لکھنا تھا لکھ دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ رات کے وقت اس کی یاد اور اس کی عبادت تلاوت اور نماز کے ساتھ کرتے رہو جیسے فرمان ہے: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (الاسراء:۷۹) رات کے وقت تہجد پڑھا کرو یہ تیرے لئے نفل ہے ممکن ہے تیرا رب تجھے مقام محمود پر اٹھائے ستاروں کے ڈوبتے وقت سے مراد صبح کی فرض نماز سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں کہ وہ دونوں ستاروں کے غروب ہونے کے لئے جھک جانے کے وقت پڑھی جاتی ہیں چنانچہ ایک مرفوع حدیث میں ہے ان سنتوں کو نہ چھوڑو گو تمہیں گھوڑے کچل ڈالیں۔ اسی حدیث میں ہے دن رات میں پانچ نمازیں ہیں سننے والے نے کہا کیا مجھ پر اس کے سوا اور کچھ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل ادا کرے بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نوافل میں سے کسی نفل کی بہ نسبت صبح کی دو سنتوں کے زیادہ پابندی اور ساری دنیا سے اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہیں۔



وَالنَّجْمِ الثریا اِذَا هَوٰى ۝۱ غاب مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَنْ طَرِيْقِ الْهِدَايَةِ وَمَا غَوٰى ۝۲ مَالَابَسَ الْغَيَّ وَهُوَ جَهْلٌ مِنْ اِعْتِقَادٍ فَاسِدٍ وَمَا يَنْطِقُ بِمَا يَاْتِيْكُمْ بِهٖ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ هُوَى نَفْسِهٖ اِنْ مَا هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴ اِلَيْهِ عَلَّمَهٗ اياه مَلَكٌ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ قُوَّةٍ وَشِدَّةٍ اَوْ مَنْظَرٍ حَسَنٍ اَيْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاسْتَوٰى ۝۶ اِسْتَقَرَّ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷ اُفُقُ الشَّمْسِ اَيْ عِنْدَ مَطْلَعِهَا عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِيْ خَلَقَ عَلَيْهَا فَرَاٰهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ بِحِرَاءٍ قَدْ سَدَّ الْاُفُقَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَخَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ وَكَانَ قَدْ سَاَلَهٗ اَنْ يُرِيَهٗ نَفْسَهٗ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِيْ خُلِقَ عَلَيْهَا فَوَاعَدَهٗ بِحِرَاءٍ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ صُوْرَةِ الْاٰدَمِيِّيْنَ ثُمَّ دَنَا قَرُبَ مِنْهُ فَتَدَلّٰى ۝۸ زَادَ فِي الْقُرْبِ فَكَانَ مِنْهُ قَابَ قدر قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹ مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى اَفَاقَ وَسَكَنَ رَوْعُهٗ فَاَوْحٰى تَعَالٰى اِلٰى عَبْدِهٖ جِبْرَئِيْلَ مَا اَوْحٰى ۝۱۰ جِبْرَئِيْلُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمُوْحٰى تَفْخِيْمًا لِشَانِهٖ مَا كَذَبَ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَنْكَرَ الْفُؤَادُ فُؤَادُ النَّبِيِّ مَا رَاٰى ۝۱۱ بِبَصَرِهٖ مِنْ صُوْرَةِ جِبْرَئِيْلَ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ تُجَادِلُوْنَهٗ وَتَغْلِبُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝۱۲ خِطَابٌ لِلْمُشْرِكِيْنَ الْمُنْكِرِيْنَ رُؤْيَةَ النَّبِيِّ لِجِبْرَئِيْلَ وَلَقَدْ رَاٰهُ عَلٰى صُوْرَتِهٖ نَزْلَةً مرة اُخْرٰى ۝۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴ لَمَّا اُسْرِيَ بِهٖ فِي السَّمٰوٰتِ وَهِيَ شَجَرَةُ نَبْقٍ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَا يَتَجَاوَزُهَا اَحَدٌ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ وَغَيْرِهِمْ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝۱۵ تَاْوِيْ اِلَيْهَا الْمَلَائِكَةُ وَاَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ وَالْمُتَّقِيْنَ اِذْ حِيْنَ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝۱۶ مِنْ طَيْرٍ وَغَيْرِهٖ وَاِذْ

مَفْعُوْلَةٌ لِرَاٰهُ مَا زَاغَ الْبَصَرُ مِنَ النَّبِيِّ وَمَا طَغٰى ۝ اَيْ مَا مَالَ بَصَرُهٗ عَنْ مَرْئِيَّةِ الْمَقْصُوْدِ لَهٗ وَلَا جَاوَزَهٗ
تِلْكَ اللَّيْلَةَ لَقَدْ رَاٰى فِيْهَا مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ اَيِ الْعِظَامَ اَيْ بَعْضَهَا فَرَاٰى مِنْ عَجَائِبِ
الْمَلَكُوْتِ رَفْرَفًا خُضْرًا سَدَّ اُفُقَ السَّمَاءِ وَجِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهٗ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ
الْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الَّتِيْنِ قَبْلَهَا الْاُخْرٰى ۝ صِفَةُ ذَمٍّ لِلثَّالِثَةِ وَهِيَ اَصْنَامٌ مِنْ حِجَارَةٍ كَانَ
الْمُشْرِكُوْنَ يَعْبُدُوْنَهَا وَيَزْعُمُوْنَ اَنَّهَا تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَفْعُوْلُ اَرَاَيْتُمُ الْاَوَّلُ اللَّاتَ وَمَا عُطِفَ عَلَيْهِ
وَالثَّانِيْ مَحْذُوْفٌ وَالْمَعْنٰى اَخْبِرُوْنِيْ اَلِهٰذِهِ الْاَصْنَامِ قُدْرَةٌ عَلٰى شَيْءٍ مَا فَتَعْبُدُوْنَهَا دُوْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ
الْقَادِرِ عَلٰى مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهٗ وَلَمَّا زَعَمُوْا اَيْضًا اَنَّ الْمَلٰئِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ مَعَ كَرَاهَتِهِمِ الْبَنَاتِ نَزَلَ اَلَكُمُ
الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ جَائِرَةٌ مِنْ ضَازَهٗ يَضِيْزُهٗ اِذَا ظَلَمَهٗ وَجَارَ عَلَيْهِ اِنْ هِيَ
مَا الْمَذْكُوْرَاتُ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا اَيْ سَمَّيْتُمْ بِهَا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ اَصْنَامًا تَعْبُدُوْنَهَا مَا اَنْزَلَ
اللّٰهُ بِهَا اَيْ بِعِبَادَتِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ اِنْ مَا يَتَّبِعُوْنَ فِيْ عِبَادَتِهَا اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى
الْاَنْفُسُ مِمَّا زَيَّنَهُ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مِنْ اَنَّهَا تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝
عَلٰى لِسَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبُرْهَانِ الْقَاطِعِ فَلَمْ يَرْجِعُوْا عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ اَمْ لِلْاِنْسَانِ اَيْ
ع ۲۵ لِكُلِّ اِنْسَانٍ مِنْهُمْ مَا تَمَنّٰى ۝ مِنْ اَنَّ الْاَصْنَامَ تَشْفَعُ لَهُمْ لَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ۝
اَيِ الدُّنْيَا فَلَا يَقَعُ فِيْهِمَا اِلَّا مَا يُرِيْدُهٗ تَعَالٰى

ترجمہ: قسم ہے (ثریا) ستارہ کی۔ جب وہ غروب (غائب) ہونے لگے یہ تمہارے صاحب (محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام راہ ہدایت سے) نہ تو بھٹکے اور نہ غلط رستہ ہو لئے (نہ کجروی اختیار کی۔ غوایۃ کے معنی بدعقیدگی کی جہالت کے ہیں) اور نہ آپ باتیں بناتے ہیں (وحی کے سلسلہ میں) اپنی (نفسانی) خواہش سے ان کا ارشاد تو سرتاسر وحی ہے۔ جو (ان پر) بھیجی گئی ہے ان کو (ایک فرشتہ) تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے پیدائشی قوی ہے (نہایت مضبوط یا خوبصورت یعنی جبرئیل علیہ السلام) پھر وہ فرشتہ اصلی صورت پر نمودار (ظاہر) ہوا ایسی حالت میں کہ وہ بلند کنارہ پر تھا (سورج کے افق یعنی اس کے نکلنے کی جگہ پر، اپنی اصلی صورت میں، آنحضرتؐ نے ان کو غار حرا سے دیکھا کہ مشرق سے مغرب تک سارے کنارے چھپ گئے ہیں۔ دیکھتے ہی آپ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمائش کی تھی کہ خود کو اپنی اصلی شکل پر نمایاں کریں۔ جس کا وعدہ انہوں نے مقام حرا

کر لیا تھا۔ چنانچہ حضرت جبریلؑ انسانی شکل میں نمودار ہوئے) پھر وہ فرشتہ نزدیک (قریب) آیا۔ پھر اور نزدیک (قریب ہو) آیا۔ سو دو کمانوں کے برابر (مقدار) بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا (حتیٰ کہ آنحضرتؐ کو افاقہ اور سکون خاطر ہو گیا) پھر اللہ نے اپنے بندہ (جبریل) پر وحی نازل فرمائی۔ جو کچھ نازل کیا (حضرت جبرئیل نے آنحضرتؐ پر۔ خود اس وحی کو بیان نہیں فرمایا۔ اس کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے) کوئی غلطی نہیں کی (لفظ کذب تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے یعنی انکار نہیں کیا) قلب (نبوی) نے جو کچھ دیکھا (اپنی آنکھ سے جبرئیل کی صورت) تو کیا ان سے تم جھگڑتے ہو (نزاع کر کے انہیں دباتے ہو) ان کی دیکھی ہوئی چیز کے متعلق (یہ خطاب ان مشرکین کو ہے جو آنحضرتؐ کے جبرئیل کو دیکھنے کے منکر ہیں) اور انہوں نے فرشتہ کو (اس کی اصلی شکل میں) ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہٰی کے پاس (جب کہ آنحضرتؐ شب اسریٰ میں آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ عرش کی داہنی جانب بیری کا درخت سرحد ہے جس سے آگے فرشتہ وغیرہ کوئی بڑھ نہیں سکتا) اس کے قریب جنت الماوٰی بھی ہے (جہاں فرشتوں اور شہدا اور متقیوں کی ارواح کا ٹھکانہ ہے) جب کہ سدرۃ المنتہٰی کو لپٹ رہی تھیں۔ جو چیزیں لپٹ رہی تھیں (چڑیاں وغیرہ از معمول ہے راہ کا) نگاہ (نبی) نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی (یعنی آپ کی نظر مقصود سے نہ تو ادھر ادھر ہوئی اور نہ مقصد سے تجاوز کیا۔ اس رات میں) انہوں نے (اس میں) اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے (یعنی بعض بڑی نشانیاں۔ چنانچہ عجائب ملکوت میں سبز رفرف دیکھا جو سارے آسمانوں کو گھیرے ہوئے تھا اور جبرئیل علیہ السلام کو جن کے چھ سو بازو تھے) بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں غور کیا ہے۔ (جو پہلے دو کے علاوہ) ایک اور بھی ہے (اخریٰ ثالثہ کی صفت مذمت ہے۔ یہ پتھروں کے بت تھے جن کی مشرکین پوجا کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے افرایتم کا مفعول اول لات اور اس کے معطوفات ہیں اور مفعول ثانی محذوف ہے۔ یعنی ذرا یہ تو بتلاؤ کہ ان بتوں کو کسی چیز پر بھی کچھ قدرت ہے کہ تم اللہ قادر کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہو۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور چونکہ اللہ کیلئے بیٹیاں بھی مانتے تھے۔ حالانکہ خود ان کو ناپسند کرتے تھے۔ اس پر نازل ہوا کہ) کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں اور اللہ کیلئے بیٹیاں۔ اس طرح تو یہ بہت بے ڈھنگی تقسیم ہوئی (ظالمانہ، ضازہ یضیزہ سے یعنی ظلم وجور کیا) یہ نرے (مذکورہ) نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرالیا ہے (بت بنا کر پوجا کرتے ہو) اللہ نے تو (ان کی عبادت کی) کوئی دلیل (حجت وبرہان) بھیجی نہیں۔ یہ لوگ (ان کی پوجا پاٹ کرنے میں) صرف بے اصل خیالات اور خواہش نفس پر چل رہے ہیں (جو شیطان نے ان کیلئے مزین کر کے پیش کئے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سفارشی ہوں گے) حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت آچکی ہے (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی قطعی دلیل کے ساتھ۔ پھر بھی اپنی ہٹ سے باز نہیں آتے) کیا (ان میں سے ہر) انسان کو اس کی تمنا مل جاتی ہے (کہ یہ بت ان کے سفارشی ہوں گے ایسا نہیں ہے) سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا (لہٰذا دونوں جگہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: وَمَا غَوٰی: اس سے مراد اس کی نفی ہے جس کی وہ آپ کی طرف نسبت کرتے تھے۔

قولہ: مِنْ اِعْتِقَادٍ: الغی: جہل مرکب کو کہتے ہیں۔ شدید القوی مضبوط قوتوں والا۔ ذو مرۃ: عقل میں مضبوط۔

قولہ: فُؤَادُ: سے حضرت محمد ﷺ کا قلب اطہر مراد ہے، جو آپ نے دیکھا دل اس کی تصدیق کرنے والا تھا۔

قولہ: مرۃ اُخْرٰی: نزلہ بروزن فعلہ ہے یہ کثرہ کے قائم مقام لایا گیا ہے تا کہ ارشاد ہو کہ یہ رؤیت بھی نہایت قرب والی تھی۔

قولہ: سِدْرَۃِ: بیری۔

قولہ: اَلْمَقْصُوْدِ لَهٗ: جس کو دیکھنے کا حکم ہوا۔ رفرف تکیے یا قالین۔

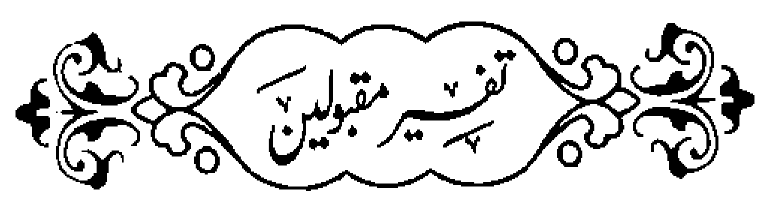
قولہ: اللّٰتَ: یہ بنو ثقیف کا بت تھا۔ یہ توی سے بنا ہے مائل ہونا۔

قولہ: الْعُزّٰی: یہ ایک کیکر کا درخت بنو غطفان کے ہاں تھا جس کی پوجا کرتے تھے۔

قولہ: مَنٰوۃَ: پتھر تھا بنو ہذیل جس کو پوجتے تھے۔

قولہ: الْاُخْرٰی: یہ صفت لازم ہے۔

قولہ: ضِیْزٰی: ظالمانہ۔



اس سورۃ مبارکہ کا اصل مضمون اور موضوع خاص آنحضرت کی نبوت ورسالت کا اثبات ہے اور اسراء ومعراج کے خصوصی احوال کا ذکر اور ملکوت سموت کے عجائب کے بیان سے حضور اکرم ﷺ کی عظمت شان ظاہر کرنی مقصود ہے اور اس ضمن میں یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی وحی ہے اس وجہ سے قیامت، حشر ونشر اور جنت وجہنم پر ایمان لانا چاہئے اسی تفصیل کے مطابق جو وحی الٰہی اور زبان رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

توحید خداوندی کا ذکر کرتے ہوئے شرک وبت پرستی کی تردید اور اس کا خلاف عقل وفطرت انسانی ہونا ثابت فرمایا گیا اور ان بتوں کی حقیقت کھول کر رکھ دی گئی جن کی مشرکین مکہ پرستش کیا کرتے تھے پھر قیامت کے روز عدل وانصاف اور جزاء اعمال کی تفصیل فرمائی گئی اور یہ کہ ہر انسان کی سعی اور جدوجہد کا بدلہ اسکو ضرور مل کر رہتا ہے، اختتام سورت پر عاد وثمود اور قوم نوح ولوط جیسی قوموں کی ہلاکت وتباہی کا ذکر کر کے مجرمین ومنکرین کو تنبیہ کی گئی تا کہ وہ اس رویہ سے باز آ جائیں۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۝

یہاں سے سورۃ النجم شروع ہے اس کے پہلے رکوع کے اکثر حصہ میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور وحی کی

حالات اور وحی لانے والے فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی قوت اور ان کی رؤیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ارشاد فرمایا: وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ (قسم ہے ستارہ کی جب غروب ہونے لگے)۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ (تمہارا ساتھی نہ راہ سے بھٹکا ہے اور نہ غلط راستہ پر پڑا ہے)۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ (اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے بات نہیں کرتا)۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (وہ نہیں ہے مگر جو وحی کی جاتی ہے)۔

آیت شریفہ میں جو لفظ النجم وارد ہوا ہے بظاہر یہ صیغہ مفرد کا ہے لیکن چونکہ اسم جمع ہے اس لیے تمام ستارے مراد ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے ثریا مراد ہے جو سات ستاروں کا مجموعہ ہے، ستارے چونکہ روشنی دیتے ہیں اور ان کے ذریعہ لوگ ہدایت پاتے ہیں اس لیے ان کی قسم کھا کر نبوت اور رسالت اور وحی کو ثابت فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں قلوب کے منور ہونے کا ذریعہ ہیں، رسول اللہ ﷺ تو کبھی بھی مشرک نہ تھے نبوت سے پہلے بھی موحد تھے اور نبوت کے بعد بھی آپ کا موحد ہونا توحید کی دعوت دینا قریش کو ناگوار تھا اور وہ یوں کہتے تھے کہ انہوں نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں اور آپ کو کاہن یا ساحر یا شاعر کہتے تھے، ستارہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے ساتھی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ بتاتے ہیں اور جو دعوت دیتے ہیں وہ سب حق ہے ان کے بارے میں یہ خیال نہ کرو کہ وہ راہ سے بھٹک گئے اور غیر راہ پر پڑ گئے ان کا دعوائے نبوت اور توحید کی دعوت اور وہ تمام امور جن کی دعوت دیتے ہیں یہ سب حق ہیں سراپا ہدایت ہیں ان میں کہیں سے کہیں تک بھی راہ حق سے ہٹنے کا نہ کوئی احتمال ہے اور نہ یہ بات ہے کہ انہوں نے یہ باتیں اپنی خواہش نفسانی کی بنیاد پر کہی ہوں، ان کا یہ سب باتیں بتانا صرف وحی سے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ان پر وحی کی گئی ہے اسی کے مطابق سب باتیں بتا رہے ہیں ان کا فرمانا سب سچ ہے جو انہیں اللہ کی طرف سے بطریقہ وحی بتایا گیا ہے اور چونکہ ستاروں کے غروب ہونے سے صحیح سمت معلوم ہو جاتی ہے اس لیے وَالنَّجْمِ کے ساتھ اِذَا هَوٰى ۝ بھی فرمایا، یعنی جس طرح ستارہ ہدایت بھی دیتا ہے اور صحیح سمت بھی بتاتا ہے اسی طرح تمہارے ساتھی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور سمجھایا حق ہے اور راہ حق کے مطابق ہے۔ ان کا اتباع کرو گے تو صحیح سمت پر چلتے رہو گے یہ شخص تمہارا ساتھی ہے بچپن سے اس کو جانتے ہو اور اس کے اعمال صادقہ اور احوال شریفہ سے واقف ہو ہمیشہ اس نے سچ بولا ہے جانتے پہچانتے ہوئے اس کی تکذیب کیوں کرتے ہو (جس نے مخلوق سے بھی جھوٹی باتیں نہیں کیں وہ خالق تعالیٰ شانہ پر کیسے تہمت رکھے گا)۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝

تعارف جبرائیل امین علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے معلم حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے آیت: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (الحاقہ: ۴۰) یہ قرآن ایک بزرگ زور آور فرشتے کا قول ہے جو مالک عرش کے ہاں باعزت سب کا مانا ہوا ہے وہاں معتبر ہے یہاں بھی فرمایا وہ قوت والا ہے آیت (ذو مرة) کی ایک تفسیر تو یہی ہے دوسری یہ ہے کہ وہ خوش شکل ہے

حدیث میں بھی (مرّۃ) کا لفظ آیا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں صدقہ مالدار پر اور قوت والے تندرست پر حرام ہے۔ پھر وہ سیدھے کھڑے ہوگئے یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام۔ اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھے جہاں سے صبح چڑھتی ہے جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو دفعہ دیکھا ہے ایک مرتبہ آپ کی خواہش پر امین اللہ اپنی صورت میں آپ کو دکھائی دیئے آسمانوں کے تمام کنارے ان کے جسم سے ڈھک گئے تھے۔ دوبارہ اس وقت جبکہ آپ کو لے کر حضرت جبرائیل اوپر چڑھے تھے۔ یہ مطلب آیت: وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى (النجم: ۷) کا امام ابن جریر نے اس تفسیر میں ایک ایسا قول کہا ہے جو کسی نے نہیں کہا اور خود انہوں نے بھی اس قول کی اضافت دوسرے کی طرف نہیں کی ان کے فرمان کا ماحصل یہ ہے کہ جبرائیل اور آنحضرت ﷺ دونوں آسمانوں کے کناروں پر سیدھے کھڑے ہوئے تھے اور یہ واقعہ معراج کی رات کا ہے امام ابن جریر کی اس تفسیر کی تائید کسی نے نہیں کی گو امام صاحب نے عربیت کی حیثیت سے اسے ثابت کیا ہے اور عربی قواعد سے یہ بھی ہوسکتا ہے لیکن ہے یہ واقعہ کے خلاف اس لئے کہ یہ دیکھنا معراج سے پہلے کا ہے اس وقت رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے آپ کی طرف جبرائیل اترے تھے اور قریب ہوگئے تھے اور اپنی اصلی صورت میں تھے چھ سو پر تھے پھر اسکے بعد دوبارہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس معراج والی رات دیکھا تھا۔ یہ تو دوسری مرتبہ کا دیکھنا تھا لیکن پہلی مرتبہ کا دیکھنا تو شروع رسالت کے زمانہ کے وقت کا ہے پہلی وحی آیت: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (العلق: ۱) کی چند آیتیں آپ پر نازل ہو چکی تھیں پھر وحی بند ہوگئی تھی جس کا حضور ﷺ کو بڑا خیال بلکہ بڑا ملال تھا یہاں تک کہ کئی دفعہ آپ کا ارادہ ہوا کہ پہاڑ سے گر پڑوں لیکن بروقت آسمان کی طرف سے حضرت جبرائیل کی یہ ندا سنائی دیتی کہ اے محمد ﷺ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔ آپ کا غم غلط ہوجاتا دل پرسکون اور طبیعت میں قرار ہوجاتا واپس چلے آتے۔ لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد شوق دامنگیر ہوتا اور وحی الٰہی کی لذت یاد آتی تو نکل کھڑے ہوتے اور پہاڑ پر سے اپنے آپ گرادینا چاہتے اور اسی طرح حضرت جبرائیل تسکین و تسلی کردیا کرتے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ابطح میں حضرت جبرائیل اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوگئے چھ سو پر تھے جسامت کے آسمان کے تمام کنارے ڈھک لئے تھے اب آپ سے قریب آگئے اور اللہ عزوجل کی وحی آپ کو پہنچائی اس وقت حضور ﷺ کو اس فرشتے کی عظمت و جلالت معلوم ہوئی اور جان گئے کہ اللہ کے نزدیک یہ کس قدر بلند مرتبہ ہے۔ مسند بزار کی ایک روایت امام ابن جریر کے قول کی تائید میں پیش ہوسکتی ہے مگر اس کے راوی صرف حارث بن عبید ہیں جو بصرہ کے رہنے والے شخص ہیں۔ ابو قدامہ ایادی ان کی کنیت ہے مسلم میں ان سے روایتیں آئی ہیں لیکن امام ابن معین انہیں ضعیف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں، امام احمد فرماتے ہیں یہ مضطرب الحدیث ہیں امام ابوحاتم رازی کا قول ہے کہ ان کی حدیثیں لکھ لی جاتی ہیں لیکن ان سے دلیل نہیں لی جا سکتی ابن حبان فرماتے ہیں یہ بڑے وہمی تھے ان سے احتجاج درست نہیں، پس یہ حدیث صرف ان ہی کی روایت سے ہے تو علاوہ غریب ہونے کے منکر ہے اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو ممکن ہے یہ واقعہ کسی خواب کا ہو اس میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں میں بیٹھا تھا کہ ایک درخت ہے جس میں پرندوں کے آشیانوں کی طرح بیٹھنے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں ایک میں تو حضرت جبرائیل بیٹھ گئے اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا۔ پھر وہ درخت بلند ہونے لگا یہاں تک کہ میں آسمان سے بالکل قریب پہنچ گیا میں

کی طرح گرد میں بدلتا تھا اور اگر میں چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر آسمان کو چھو لیتا میں نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل اس وقت بہت ہی پرانے ٹاٹ کی طرح ہو رہے تھے کے پیچھے جا رہے تھے، اس وقت میں سمجھ گیا کہ اللہ کی جلالت وقدر کے علم میں انہیں مجھ پر فضیلت ہے۔ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ مجھ پر کھل گیا میں نے بہت بڑا عظیم الشان نور دیکھا اور پردے کے پاس در ویاقوت کو حرکت کرتے دیکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو وحی فرمانی چاہی وہ فرمائی۔ مسند میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے ان کے چھ سو پر تھے ہر ایک ایسا جس میں آسمان کے کنارے پر کر دیئے تھے ان سے زمرد موتی اور مروارید جھڑ رہے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے جبرائیل ﷺ سے خواہش کی کہ میں آپ کو آپ کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں حضرت جبرائیل نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے آپ نے دعا کی تو مشرق کی طرف سے آپ کو کوئی چیز اونچی اٹھتی ہوئی اور پھیلتی ہوئی نظر آئی جسے دیکھ کر آپ بیہوش ہو گئے جبرائیل فوراً آئے اور آپ کو ہوش میں لائے اور آپ کی رخساروں سے لعاب مبارک دور کیا۔ ابن عساکر میں ہے کہ ابولہب اور اس کا بیٹا عتبہ شام کے سفر کی تیاریاں کرنے لگے اس کے بیٹے نے کہا سفر میں جانے سے پہلے ایک مرتبہ ذرا محمد ﷺ کے اللہ کو ان کے سامنے گالیاں تو دے آؤں چنانچہ یہ آیا اور کہا اے محمد جو قریب ہوا اور اترا اور دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک آ گیا میں تو اس کا منکر ہوں (چونکہ یہ ناہنجار سخت بے ادب تھا اور بار بار گستاخی سے پیش آتا تھا) حضور ﷺ کی زبان سے اس کے لئے بددعا نکل گئی کہ باری تعالیٰ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مقرر کر دے، یہ جب لوٹ کر اپنے باپ کے پاس آیا اور ساری باتیں کہہ سنائیں تو اس نے کہا بیٹا اب مجھے تو تیری جان کا اندیشہ ہو گیا اس کی دعا رد نہ جائے گی، اس کے بعد یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہوا شام کی سرزمین میں ایک راہب کے عبادت خانے کے پاس پڑاؤ کیا راہب نے ان سے کہا یہاں تو بھیڑیئے اس طرح پھرتے ہیں جیسے بکریوں کے ریوڑ تم یہاں کیوں آ گئے؟ ابولہب یہ سن کر ٹھٹک گیا اور تمام قافلے والوں کو جمع کر کے کہا دیکھو میرے بڑھاپے کا حال تمہیں معلوم ہے اور تم جانتے ہو کہ میرے کیسے کچھ حقوق تم پر ہیں آج میں تم سے ایک عرض کرتا ہوں امید کرتا ہوں کہ تم سب اسے قبول کرو گے بات یہ ہے کہ مدعی نبوت نے میرے جگر گوشے کے لئے بددعا کی ہے اور مجھے اس کی جان کا خطرہ ہے تم اپنا سب اسباب اس عبادت خانے کے پاس جمع کرو اور اس پر میرے پیارے بچے کو سلاؤ اور تم سب اس کے اردگرد پہرا دو لوگوں نے اسے منظور کر لیا یہ اپنے سب جتن کر کے ہوشیار رہے کہ اچانک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھنے لگا جب سب کے منہ سونگھ چکا اور گویا جسے تلاش کر رہا تھا اسے نہ پایا تو پچھلے پیروں ہٹ کر بہت زور سے جست کی اور ایک چھلانگ میں اس مچان پر پہنچ گیا وہاں جا کر اس کا بھی منہ سونگھا اور گویا وہی اس کا مطلوب تھا پھر تو اس نے اس کے پرخچے اڑا دیئے، چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اس وقت ابولہب کہنے لگا اس کا تو مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ محمد ﷺ کی بددعا کے بعد یہ بچ نہیں سکتا۔ پھر فرماتا ہے کہ حضرت جبرائیل آنحضرت ﷺ سے قریب ہوئے اور زمین کی طرف اترے یہاں تک کہ حضور ﷺ کے اور حضرت جبرائیل کے درمیان صرف دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیکی ہو گئی یہاں لفظ (او) جس کی خبر دی جاتی ہے اس کے ثابت کرنے کے لئے آیا ہے اور اس پر جو زیادتی ہو اس کے نفی کے لئے جیسے اور جگہ ہے پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پس وہ مثل پتھروں کے ہیں آیت: اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (البقرۃ: ۷۴) بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت یعنی پتھر سے کم کسی صورت میں نہیں بلکہ

اس سے بھی سختی میں بڑھے ہوئے ہیں ایک اور فرمان ہے وہ لوگوں سے ایسا ڈرتے ہیں جیسا کہ اللہ سے آیت: اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (النساء:۷۷) بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور جگہ ہے ہم نے انہیں ایک لاکھ کی طرف بھیجا بلکہ زیادہ کی طرف یعنی وہ ایک لاکھ سے کم تو تھے ہی نہیں بلکہ حقیقتاً وہ ایک لاکھ تھے یا اس سے زیادہ ہی زیادہ۔ پس اپنی خبر کی تحقیق ہے شک وتردد کے لئے نہیں خبر میں اللہ کی طرف سے شک کے ساتھ بیان نہیں ہوسکتا۔ یہ قریب آنے والے حضرت جبرائیل تھے جیسے ام المؤمنین عائشہ، ابن مسعود، ابوذر ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فرمان ہے اور اس بابت کی حدیثیں بھی عنقریب ہم وارد کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا جن میں سے ایک کا بیان اس آیت: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى (النجم:۸) میں ہے۔ حضرت انس والی معراج کی حدیث میں ہے پھر اللہ تعالیٰ رب العزت قریب ہوا اور نیچے آیا اور اسی لئے محدثین نے اس میں کلام کیا ہے اور کئی ایک غرابتیں ثابت کی ہیں اور اگر ثابت ہوجائے کہ یہ صحیح ہے تو بھی دوسرے وقت اور دوسرے واقعہ پر محمول ہوگی اس آیت کی تفسیر نہیں کہی جاسکتی۔ یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے نہ کہ معراج والی رات کا۔ کیونکہ اس کے بیان کے بعد ہی فرمایا ہے ہمارے نبی نے اسے ایک مرتبہ اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے پس یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھنا تو واقعہ معراج کا ذکر ہے اور پہلی مرتبہ کا دیکھنا یہ زمین پر تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے جبرائیل کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں نبی ﷺ کی ابتداء نبوت کے وقت آپ نے خواب میں حضرت جبرائیل کو دیکھا پھر آپ اپنی ضروری حاجت سے فارغ ہونے کے لئے نکلے تو سنا کہ کوئی آپ کا نام لے کر آپ کو پکار رہا ہے ہر چند دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار آپ نے اوپر کی طرف دیکھا تو دیکھا کہ حضرت جبرائیل اپنے دونوں پاؤں میں سے ایک کو دوسرے سمیت موڑے ہوئے آسمان کے کناروں کو روکے ہیں، قریب تھا کہ حضور دہشت زدہ ہوجائیں کہ فرشتے نے کہا میں جبرائیل ہوں میں جبرائیل ہوں ڈرو نہیں لیکن حضور ﷺ سے ضبط نہ ہوسکا، بھاگ کر لوگوں میں چلے آئے اب جو نظریں ڈالیں تو کچھ دکھائی نہ دیا پھر یہاں سے نکل کر باہر گئے اور آسمان کی طرف نظر ڈالی تو پھر حضرت جبرائیل اسی طرح نظر آئے آپ پھر خوف زدہ لوگوں کے مجمع میں آگئے تو یہاں کچھ بھی نہیں باہر نکل کر پھر جو دیکھا تو وہی سماں نظر آیا پس اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (النجم:۹) آدھی انگلی کو بھی کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں صرف دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت حضرت جبرائیل پر دو ریشمی حلے تھے پھر فرمایا اس نے وحی کی اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ حضرت جبرائیل نے اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف وحی کی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جبرائیل کی معرفت اپنی وحی نازل فرمائی۔ دونوں معنی صحیح ہیں حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں اس وقت کی وحی: اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى (الضحیٰ:۶) اور آیت: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الشرح:۴) تھی اور حضرات سے مروی ہے کہ اس وقت یہ وحی نازل ہوئی تھی۔ کہ نبیوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ آپ اس میں نہ جائیں اور امتوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ پہلے اس کی امت داخل نہ ہوجائے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آپ نے اپنے دل سے اللہ کو دو دفعہ دیکھا ہے حضرت ابن مسعود نے دیکھنے کو مطلق رکھا ہے یعنی خواہ دل کا دیکھنا ہو خواہ ظاہری آنکھوں کا یہ ممکن ہے کہ اس مطلق کو بھی مقید پر محمول کریں یعنی آپ نے اپنے دل سے دیکھا جن بعض حضرات

نے کہا ہے کہ اپنی ان آنکھوں سے دیکھا انہوں نے ایک غریب قول کہا ہے اس لئے کہ صحابہ سے اس بارے میں کوئی چیز صحت کے ساتھ مروی نہیں، امام بغوی فرماتے ہیں ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جیسے حضرت انس، حضرت حسن اور حضرت عکرمہ ان کے اس قول میں نظر ہے واللہ اعلم۔ ترمذی میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں میں نے یہ سن کر کہا پھر یہ آیت کہاں جائے گا جس میں فرمان ہے آیت: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الانعام:۱۰۳) اسے کوئی نگاہ نہیں پاسکتی اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے آپ نے جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اپنے نور کی پوری تجلی کرے ورنہ آپ نے دو دفعہ اپنے رب کو دیکھا۔ یہ حدیث غریب ہے ترمذی کی اور روایت میں ہے کہ ابن عباس کی ملاقات حضرت کعب سے ہوئی اور انہیں پہچان کر ان سے ایک سوال کیا جو ان پر بہت گراں گزرا ابن عباس نے فرمایا ہمیں بنو ہاشم نے یہ خبر دی ہے تو حضرت کعب نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور اپنا کلام حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ کے درمیان تقسیم کر دیا حضرت موسیٰ سے دو مرتبہ باتیں کیں اور آنحضرت کو دو مرتبہ اپنا دیدار کرایا۔ ایک مرتبہ حضرت مسروق حضرت عائشہ کے پاس گئے اور پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا تو نے تو ایسی بات کہہ دی کہ جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، میں نے کہا مائی صاحبہ قرآن کریم فرماتا ہے آپ نے اپنے رب کی نشانیاں دیکھیں آپ نے فرمایا کہاں جا رہے ہو؟ سنو اس سے مراد حضرت جبرائیل کا دیکھنا ہے جو تم سے کہے کہ محمد نے اپنے رب کو دیکھا یا حضور ﷺ نے اللہ کے کسی فرمان کو چھپا لیا یا آپ ان پانچ باتوں میں سے کوئی بات جانتے تھے یعنی قیامت کب قائم ہوگی؟ بارش کب اور کتنی برسے گی؟ ماں کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ؟ کون کل کیا کرے گا؟ کون کہاں مرے گا؟ اس نے بڑی جھوٹ بات کہی اور اللہ پر بہتان باندھا بات یہ ہے کہ آپ نے دو مرتبہ اللہ کے اس جبرائیل امین کو دیکھا تھا آپ نے ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے ایک تو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک مرتبہ جیاد میں ان کے چھ سو پر تھے اور آسمان کے کل کنارے انہوں نے بھر رکھے تھے نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ کیا تمہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ خلت حضرت ابراہیم کے لئے تھی اور کلام حضرت موسیٰ کے لئے اور دیدار حضرت محمد ﷺ کے لئے صحیح مسلم میں حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ سراسر نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ ایک روایت میں ہے میں نے نور دیکھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہ کے اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا میں نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا ہے پھر آپ نے آیت: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (النجم:۱۱) پڑھی۔ اور روایت میں ہے میں نے اپنی ان آنکھوں سے نہیں دیکھا ہاں دل سے دو دفعہ دیکھا ہے پھر آپ نے آیت: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى (النجم:۸) پڑھی حضرت عکرمہ سے آیت: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ہاں آپ نے دیکھا اور پھر دیکھا سائل نے پھر حضرت حسن سے بھی سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس کے جلال عظمت اور چادر کبریائی کو دیکھا۔ حضور ﷺ سے ایک مرتبہ یہ جواب دینا بھی مروی ہے کہ میں نے نہر دیکھی اور نہر کے پیچھے پردہ دیکھا اور پردے کے پیچھے نور دیکھا اس کے سوا میں نے کچھ نہیں دیکھا یہ حدیث بھی بہت غریب ہے ایک حدیث مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے اس کی اسناد شرط صحیح پر ہے لیکن یہ

حدیث حدیث خواب کا مختصر ٹکڑا ہے چنانچہ مطول حدیث میں ہے کہ میرے پاس میرا رب بہت اچھی صورت میں آج کی رات آیا (راوی کہتا ہے میرے خیال میں) خواب میں آیا اور فرمایا اے محمد! جانتے ہو بلند مقام والے فرشتے کس مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے کہا نہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں بازوؤں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک مجھے میرے سینے میں محسوس ہوئی وہیں زمین و آسمان کی ہر چیز مجھے معلوم ہوئی پھر مجھ سے وہی سوال کیا میں نے کہا اب مجھے معلوم ہو گیا وہ ان نیکیوں کے بارے میں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں اور جو درجے بڑھاتی ہیں آپس میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں مجھ سے حق تعالیٰ نے پوچھا اچھا پھر تم بھی بتاؤ کفارے کی نیکیاں کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا نمازوں کے بعد مسجدوں میں رکے رہنا جماعت کے لئے چل کر آنا۔ جب وضو ناگوار گزرتا ہو اچھی طرح مل مل کر وضو کرنا۔ جو ایسا کرے گا وہ بھلائی کے ساتھ زندگی گزارے گا اور خیر کے ساتھ انتقال ہوگا اور گناہوں سے اس طرح الگ ہو جائے گا جیسے آج دنیا میں آیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اے محمد ﷺ جب نماز پڑھو یہ کہو: (اللھم انی اسئلک فعل الخیرات وترک المنکرات وحب المساکین واذا اردت بعبادک فتنۃ ان تقبضنی الیک غیر مفتون) یعنی یا اللہ میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے برائیوں کے چھوڑنے مسکینوں سے محبت رکھنے کی توفیق طلب کرتا ہوں تو جب اپنے بندوں کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے فتنے میں پڑنے سے پہلے اپنی طرف اٹھا لینا۔ فرمایا اور درجے بڑھانے والے اعمال یہ ہیں کھانا کھلانا سلام پھیلانا لوگوں کی نیند کے وقت رات کو تہجد کی نماز پڑھنا اسی کی مثل روایت سورۂ ص کی تفسیر کے خاتمے پر گزر چکی ہے ابن جریر میں یہ روایت دوسری سند سے مروی ہے جس میں غرابت والی زیادتی اور بھی بہت سی ہے اس میں کفارے کے بیان میں ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے پیدل چلنے کے قدم ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار میں نے کہا یا اللہ تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ کو اپنا کلیم بنایا اور یہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا اور تیرا بوجھ ہلکا نہیں کیا؟ اور فلاں اور فلاں احسان تیرے اوپر نہیں کئے؟ اور دیگر ایسے ایسے احسان بتائے کہ تمہارے سامنے ان کے بیان کی مجھے اجازت نہیں۔ اسی کا بیان ان آیتوں آیت (ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی) (النجم: ۸) میں ہے پس اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کا نور میرے دل میں پیدا کر دیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا۔ اس کی اسناد ضعیف ہے اوپر عتبہ بن ابولہب کا یہ کہنا کہ میں اس قریب آنے اور نزدیک ہونے والے کو نہیں مانتا اور پھر حضور ﷺ کا اس کے لئے بددعا کرنا اور شیر کا اسے پھاڑ کھانا بیان ہو چکا ہے یہ واقعہ زرقا میں یا سراۃ میں ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ نے پیشگوئی فرما دی تھی کہ یہ اس طرح ہلاک ہوگا۔ پھر آنحضرت ﷺ کا حضرت جبرائیل کو دوبارہ دیکھنا بیان ہو رہا ہے جو معراج والی رات کا واقعہ ہے۔ معراج کی حدیثیں نہایت تفصیل سے سورۂ سبحان کی شروع آیت کی تفسیر میں گزر چکی ہیں جن کے دوبارہ یہاں وارد کرنے کی ضرورت نہیں یہ بھی بیان گزر چکا ہے کہ حضرت ابن عباس معراج والی رات دیدار باری تعالیٰ کے ہونے کے قائل ہیں ایک جماعت سلف و خلف کا قول بھی یہی ہے اور صحابہ کی بہت سی جماعتیں اس کے خلاف ہیں اسی طرح تابعین اور دوسرے بھی اس کے خلاف ہیں حضور ﷺ کا جبرائیل کو پروں سمیت دیکھنا وغیرہ اس قسم کی روایتیں اوپر گزر چکی ہیں حضرت عائشہ سے حضرت مسروق کا پوچھنا اور آپ کا جواب بھی ابھی بیان ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ صدیقہ اپنے اس جواب کے بعد آیت: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

کی تلاوت کی اور آیت: مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ (آل عمران: ۷۹) اس کی سنائی یعنی کوئی آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پاتا ہے کسی انسان سے اللہ کا کلام کرنا ممکن نہیں ہاں وحی سے یا پردے کے پیچھے سے ہو تو اور بات ہے پھر فرمایا جو تم سے یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ کو کل کی بات کا علم تھا اس نے غلط اور جھوٹ کہا پھر آیت: إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان: ۳۴) آخر تک پڑھی۔ اور فرمایا جو یہ کہے کہ حضور ﷺ نے اللہ کی کسی بات کو چھپا لیا اس نے بھی جھوٹ کہا اور تہمت باندھی اور پھر آیت: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ (المائدہ: ۶۷) پڑھی یعنی اے رسول ﷺ جو تمہاری جانب تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو۔ ہاں آپ نے حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے مسند احمد میں ہے کہ حضرت مسروق نے حضرت عائشہ کے سامنے سورۂ نجم کی آیت: وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ (النجم: ۷) اور وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ (النجم: ۱۳) پڑھیں اس کے جواب میں ام المومنین حضرت عائشہ نے فرمایا اس امت میں سب سے پہلے ان آیتوں کے متعلق خود نبی ﷺ سے میں نے سوال کیا تھا آپ نے فرمایا اس سے مراد میرا حضرت جبرائیل کو دیکھنا ہے آپ نے صرف دو دفعہ اس امین اللہ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے ایک مرتبہ آسمان سے زمین پر آتے ہوئے اس وقت تمام خلا ان کے جسم سے پر تھا یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن شقیق نے حضرت ابوذر سے کہا کہ اگر میں حضور ﷺ کو دیکھتا تو آپ سے ایک بات ضرور پوچھتا حضرت ابوذر نے کہا کیا پوچھتے؟ کہا یہ کہ آپ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟ حضرت ابوذر نے فرمایا یہ سوال تو خود میں نے جناب رسالت مآب سے کیا تھا آپ نے جواب دیا کہ میں نے اسے نور دیکھا وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا؟ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے دونوں کے الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ حضرت امام احمد فرماتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس حدیث کی کیا توجیہ کروں دل اس پر مطمئن نہیں ابن ابی حاتم میں حضرت ابوذر سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دل سے دیدار کیا ہے آنکھوں سے نہیں امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں عبداللہ بن شقیق اور حضرت ابوذر کے درمیان انقطاع ہے اور امام ابن جوزی فرماتے ہیں ممکن ہے حضرت ابوذر کا یہ سوال معراج کے واقعہ سے پہلے کا ہو اور حضور ﷺ نے اس وقت یہ جواب دیا ہو اگر یہ سوال معراج کے بعد آپ سے کیا جاتا تو ضرور آپ اس کے جواب میں ہاں فرماتے انکار نہ کرتے۔ لیکن یہ قول سراسر ضعیف ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ کا سوال قطعاً معراج کے بعد تھا لیکن آپ کا جواب اس وقت بھی انکار میں ہی رہا بعض حضرات نے فرمایا کہ ان سے خطاب ان کی عقل کے مطابق کیا گیا یا یہ کہ ان کا یہ خیال غلط ہے چنانچہ ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں یہی لکھا ہے دراصل یہ محض خطا ہے اور بالکل غلطی ہے واللہ اعلم۔ حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دل سے تو دیکھا ہے لیکن اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہاں حضرت جبرائیل کو اپنی آنکھوں سے ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر اس وقت فرشتے بکثرت تھے اور نور ربانی اس پر جگمگا رہا تھا اور طرح طرح کے رنگ جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں معراج والی رات آنحضرت ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو ساتویں آسمان پر ہے زمین سے جو چیزیں چڑھتی ہیں وہ یہیں تک چڑھتی ہیں پھر یہاں سے اٹھا لی جاتی

ہیں اسی طرح جو چیزیں اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں یہیں تک پہنچتی ہیں پھر یہاں سے اٹھائی جاتی ہیں اس [illegible] درخت پر سونے کی ٹڈیاں لدی ہوئی تھیں، حضور ﷺ کو وہاں تین چیزیں عطا فرمائی گئیں پانچوں وقت کی نماز [illegible] خاتمہ کی آیتیں اور آپ کی امت میں سے جو مشرک نہ ہو اس کے گناہوں کی بخشش (مسلم) ابوہریرہؓ سے [illegible] روایت ہے کہ جس طرح کوے کسی درخت کو گھیر لیتے ہیں اسی طرح اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر فرشتے چھا رہے تھے [illegible] حضور ﷺ پہنچے تو آپ سے کہا گیا کہ جو مانگنا ہو مانگو۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس درخت کی شاخیں مروارید [illegible] زبرجد کی تھیں آنحضرت ﷺ نے اسے دیکھا اور اپنے دل کی آنکھوں سے اللہ کی بھی زیارت کی۔ ابن زید فرماتے ہیں [illegible] ﷺ سے سوال ہوا کہ آپ نے سدرہ پر کیا دیکھا؟ آپ نے فرمایا اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھانکے ہوئے تھیں اور [illegible] پر ایک ایک فرشتہ کھڑا ہوا اللہ کی تسبیح کر رہا تھا۔ آپ کی نگاہیں دائیں بائیں نہیں ہوئیں جس چیز کے دیکھنے کا حکم تھا [illegible] ثابت قدمی اور کامل اطاعت کی یہ پوری دلیل ہے کہ جو حکم تھا وہی بجا لائے جو دیئے گئے وہی لے کر خوش ہوئے [illegible] نے تعریفاً کہا ہے۔ آپ نے اللہ کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں جیسے اور جگہ ہے آیت: لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى [illegible] ۲۳) اس لئے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں جو ہماری کامل قدرت اور زبردست عظمت پر [illegible] دونوں آیتوں کو دلیل بنا کر اہل سنت کا مذہب ہے کہ حضور ﷺ نے اس رات اللہ کا دیدار اپنی آنکھوں سے [illegible] ارشاد باری ہے کہ آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں، اگر خود اللہ کا دیدار ہوا ہوتا تو [illegible] پر سے اسے ظاہر کیا جاتا ابن مسعودؓ کا قول گزر چکا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی خواہش پر [illegible] کو آپ نے ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ پس جبکہ جبرائیل نے اپنے رب [illegible] اپنی اصلی صورت [illegible] سجدہ ادا کیا، پس سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دوبارہ دیکھنے سے انہی کا دیکھنا [illegible]

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى ﴿۱۹﴾

مشرکین عرب کی بت پرستی، لات، عزیٰ اور منات کی عبادت اور ان [illegible]

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب مشرک تھے [illegible] ابراہیم و اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی اولاد تھے جنہوں نے [illegible] وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ (اے رب مجھے اور میرے [illegible]

[illegible]

[illegible] منات اور [illegible] تھے:

[illegible]

میں اور ایک قول کے مطابق عکاظ میں تھا نیز فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ لات لَتَّ یَلُتُّ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے ایک شخص طائف کے آس پاس رہتا تھا اس کی بکریاں تھیں آنے جانے والوں کو ان کے دودھ کا حریرہ بنا کر کھلاتا تھا اور ستو گھول کر پلاتا تھا اس وجہ سے اسے لات کہا جاتا تھا کثرت استعمال کی وجہ سے تاء کی تشدید ختم ہوگئی، کہا جاتا ہے کہ اس کا نام عامر بن ظرب تھا اور یہ اہل عرب کے درمیان فیصلے کیا کرتا تھا جس شخص کو حریرہ پلا دیتا تھا وہ موٹا ہو جاتا تھا جب وہ مر گیا تو عمرو بن لحی نے لوگوں سے کہا کہ وہ مرا نہیں ہے پتھر کے اندر داخل ہو گیا ہے لہٰذا لوگ اس کی عبادت کرنے لگے اور اس کے اوپر ایک گھر بنالیا۔
(فتح الباری صفحہ ۶۱۲ ج ۸)

علامہ قرطبیؒ نے عزیٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سفید پتھر تھا، اس کی جگہ بطن نخلہ بتائی ہے ظالم بن اسعد نے اس کی عبادت کا سلسلہ شروع کیا اس پر لوگوں نے گھر بنالیا تھا اس میں سے آواز آیا کرتی تھی اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ عزیٰ ایک شیطان عورت تھی وہ بطن نخلہ میں ببول کے تین درختوں کے پاس آتی جاتی تھی۔

مشرکین مکہ کا ایک بت ہبل بھی تھا ان کے یہاں اس کی بہت بڑی اہمیت تھی غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو ظاہری شکست ہوگئی تو ان کے لشکر کے سردار ابوسفیان نے پکار کر جیکارہ (نعرہ) لگایا: اعل هبل (اے ہبل! تو اونچا ہو جا) رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کا جواب دو عرض کیا کیا جواب دیں فرمایا یوں کہو اللہ: اعلیٰ و اجل (کہ اللہ سب سے بلند ہے اور سب سے بڑا ہے) ابوسفیان نے کہا: لنا العزی ولا عزی لکم (ہمارے لیے عزّیٰ ہے تمہارے لیے کوئی عزّیٰ نہیں) شرک نے ان کا ایسا ناس کھویا تھا کہ خالص موحدین جب اللہ کی عظمت بیان کرتے تھے تو اس کے مقابلہ میں یہ لوگ اپنے بتوں کی دہائی دیتے تھے۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۹۹، ۱۰۰: ج ۱۷)

تیسرا بت (جس کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا) منات تھا یہ بھی عرب کے مشہور بتوں میں تھا۔ تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ اس کا نام منات اس لیے رکھا گیا کہ تقریب حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس کثرت سے خون بہائے جاتے تھے یہ بت بنی ہذیل اور بنی خزاعہ کا تھا۔

اور اس کے نام کی دہائی دیتے تھے مقام مشلل میں اس کی عبادت کرتے تھے، مشلل قدید کے قریب ایک جگہ ہے (جو آج کل مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان راستہ میں واقع ہے بنسبت مدینہ منورہ کے مکہ معظمہ کے قریب ہے) نیز فتح الباری میں لکھا ہے کہ عمرو بن لحی نے منات کو ساحل سمندر پر قدید کے قریب نصب کر دیا تھا قبیلہ ازد اور غسان اس کا حج کرتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے۔ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر لیتے اور عرفات سے واپس آ جاتے اور منیٰ کے کاموں سے فارغ ہو جاتے تو منات کے لیے احرام باندھتے تھے۔ مذکورہ تینوں بتوں کی عرب قبائل میں بڑی اہمیت اور شہرت تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ۙ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ○ (کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے نمبر کے منات کو دیکھا) یعنی تم نے غور کیا تو کیا سمجھ میں آیا؟ کیا انہوں نے کوئی نفع دیا یا ضرر دیا؟ جب ایسا نہیں ہے تو وہ شریک فی العبادۃ کیسے ہو گئے اور تم ان کی عبادت کیسے کرنے لگے، جب اسلام کا زمانہ آیا تو ان تینوں کا ناس کھو دیا گیا۔

لات کی بربادی:

جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ لات طائف میں تھا وہاں بنی ثقیف رہتا تھا اس قبیلے کے افراد مدینہ منورہ میں آئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ وہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارا سب سے بڑا بت یعنی لات تین سال تک باقی رہنے دیا جائے آپ نے انکار کر دیا اور حضرت ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہؓ کو بھیج دیا انہوں نے اس بت کو گرا دیا اور توڑ تاڑ کے رکھ دیا، بنی ثقیف کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی کہا تھا کہ ہم بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے اور ہم سے نماز پڑھنے کے لیے بھی نہ کہا جائے آپ نے فرمایا کہ بتوں کو تم اپنے ہاتھوں سے نہ توڑو یہ بات تو ہم مان لیتے ہیں، رہی نماز تو (وہ تو پڑھنی ہی پڑے گی) اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہیں۔

(سیرت ابن ہشام، ذکر وفد ثقیف و اسلامہا)

عزیٰ کی کاٹ پیٹ اور توڑ پھوڑ:

عزیٰ کے بارے میں فتح الباری صفحہ ۶۱۲ ج ۸ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عام الفتح یعنی فتح مکہ کے سال حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا انہوں نے اسے گرا دیا۔

تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ عزیٰ ایک شیطان (جنی) عورت تھی بطن نخلہ میں تین ببول کے درختوں کے پاس آتی جاتی تھی رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا اور بتلایا کہ بطن نخلہ میں جاؤ وہاں ببول کے تین درخت ہیں پہلے درخت کو کاٹ دو انہوں نے اس کو کاٹ دیا جب واپس آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے کچھ دیکھا عرض کیا کہ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا فرمایا اب دوسرے درخت کو کاٹ دو وہ واپس گئے اور دوسرے درخت کو کاٹ دیا پھر حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے پھر وہی سوال فرمایا، عرض کیا میں نے تو اب بھی کچھ نہیں دیکھا فرمایا جاؤ تیسرے کو بھی کاٹ دو۔ جب وہ تیسرے درخت کے پاس آئے اور اسے کاٹ دیا تو ایک حبشی عورت کو دیکھا جو اپنے بال پھیلائے ہوئے تھی اور اپنے ہاتھوں کو مونڈھے پر رکھے ہوئے تھی اور اپنے لمبے لمبے دانتوں کو گھما رہی تھی اس کے پیچھے اس کا مجاور بھی تھا جس کا نام دبیہ تھا۔ حضرت خالدؓ نے اس شیطان عورت کے سر پر ضرب ماری اور اس کا سر پھاڑ دیا اور مجاور کو قتل کر دیا۔ واپس آ کر پورا واقعہ عرض کر دیا آپ نے فرمایا یہی عورت عزیٰ تھی آج کے بعد کبھی بھی اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۰، ج ۹)

البدایہ والنہایہ (صفحہ ۳۱۶ ج ۴) میں ہے کہ جب حضرت خالد بن ولیدؓ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک ننگی عورت بال پھیلائے ہوئے بیٹھی ہے اپنے چہرے اور سر پر مٹی ڈال رہی ہے اسے انہوں نے تلوار سے قتل کر دیا پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر قصہ سنایا تو آپ نے فرمایا، یہ عورت عزیٰ تھی۔

یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ پہلے تو عزیٰ کو سفید پتھر بتایا تھا اور اس روایت سے ثابت ہوا کہ یہ جنی عورت تھی؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جنات مشرکین کے پاس آتے اور اب بھی آتے ہیں بری بری ڈراؤنی صورتیں لے کر لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں وہ ان کی صورتوں کے مطابق بت بناتے ہیں پھر ان کی پوجا کرتے ہیں۔ جنات اسے اپنی عبادت سمجھ لیتے ہیں۔ بت خانوں میں

اور مشرکین کے استھانوں میں ان کا رہنا سہنا آنا جانا ہوتا ہے اور مشرکین کو بیداری میں اور خواب میں نظر آتے ہیں۔

منات کی بربادی اور تباہی:

اب رہی یہ بات کہ منات کا انجام کیا ہوا تو اس کے بارے میں تفسیر ابن کثیر صفحہ ٤٥٤ : ج ٤ میں لکھا ہے کہ اس کے توڑنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسفیانؓ کو بھیجا تھا۔ جنہوں نے اس کا تیا پانچا کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کام کے لیے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا تھا اہل عرب کے اور بھی بہت سارے بت تھے ان میں ایک ذی الخلصہ تھا یہ قبیلہ دوس اور خثعم کا بت تھا اس کو کعبہ یمانیہ کہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے اس کے منہدم کرنے کے لیے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کو روانہ فرمایا جنہوں نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝

مشرکین کی ضلالت اور حماقت:

مشرکین کے بڑے بڑے بتوں کی عاجزی اور محتاجی اور نفع وضرر پر قدرت نہ رکھنے کی حالت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ (کیا تمہارے لیے نر ہو اور اللہ کے لیے مادہ ہو) اول تو یہ گمراہی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کر دی پھر جو اولاد تجویز کی تو بیٹیاں تجویز کر دیں اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتادیا حالانکہ اپنے لیے بیٹے پسند کرتے تھے اسی کو سورۃ الاسراء میں فرمایا: اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا (کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کر دیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا؟ بے شک تم بڑی بات کہتے ہو)۔ سورۃ الصافات میں فرمایا: فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ، اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ، اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ، وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ، اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ، مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ . سو ان لوگوں سے پوچھئے کہ کیا اللہ کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے تھے۔ خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں پسند کیں تم لوگوں کو کیا ہو گیا، کیسا حکم لگاتے ہو)۔

ان لوگوں کی اس تجویز باطل کے بارے میں فرمایا: تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ کہ یہ تقسیم بڑی ظالمانہ ہے بھونڈی ہے باطل ہے خود غور کرنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے تجویز کیا۔

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَاۗءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ ....

ظن کے مختلف اقسام اور ان کے احکام:

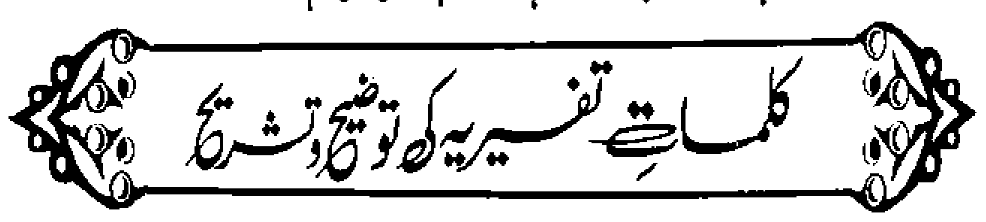
وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا . لفظ ظن عربی زبان میں مختلف معانی کے لئے بولا جاتا ہے، ایک معنی یہ بھی ہیں کہ بے بنیاد خیالات کو ظن کہا جاتا ہے، آیت میں یہی مراد ہے اور یہی مشرکین مکہ کی بت پرستی کا سبب تھا، اسی کے ازالہ کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، دوسرے معنی ظن کے وہ ہیں جو یقین کے بالمقابل آتے ہیں، یقین کہا جاتا ہے اس علم قطعی مطابق للواقع کو جس میں

حاصل شدہ علم، اس کے مقابل ظن اس علم کو کہا جاتا ہے جو کسی شک وشبہ کی راہ نہ ہو، جیسے قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے قطعی نہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال ہی نہ رہے، جیسے عام بے بنیاد خیالات تو نہیں دلیل کی بنیاد پر قائم ہے، مگر یہ دلیل اس درجہ روایات حدیث سے ثابت ہونے والے احکام، اسی لئے قسم اول کے مسائل کو قطعیات اور یقینیات کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم کو ظنیات، اور یہ ظن شریعت میں معتبر ہے، قرآن وحدیث میں اس کے معتبر ہونے کے شواہد موجود ہیں اور تمام امت کے نزدیک واجب العمل ہے، آیت مذکورہ میں ظن کو جو نا قابل اعتبار قرار دیا ہے اس سے مراد ظن بمعنی بے بنیاد بے دلیل خیالات ہیں، اس لئے کوئی اشکال نہیں۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ اَیْ کَثِیْرٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا اَکْرَمَهُمْ عِنْدَ اللهِ لَهُمْ فِیْهَا لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَرْضٰی ﴿۲۶﴾ عَنْهُ لِقَوْلِهٖ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَمَعْلُوْمٌ اَنَّهَا لَا تُوْجَدُ مِنْهُمْ اِلَّا بَعْدَ الْاِذْنِ فِیْهَا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی ﴿۲۷﴾ حَیْثُ قَالُوْا هُمْ بَنَاتُ اللهِ وَمَا لَهُمْ بِهٖ بِهٰذَا الْقَوْلِ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ مَا یَتَّبِعُوْنَ فِیْهِ اِلَّا الظَّنَّ ۚ الَّذِیْ تَخَیَّلُوْهُ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ﴿۲۸﴾ اَیْ عَنِ الْعِلْمِ فِیْمَا الْمَطْلُوْبُ فِیْهِ الْعِلْمُ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی ۙ عَنْ ذِكْرِنَا اَیِ الْقُرْاٰنِ وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۲۹﴾ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ ذٰلِكَ اَیْ طَلَبُ الدُّنْیَا مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اَیْ نِهَایَةُ عِلْمِهِمْ اَنْ اٰثَرُوا الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰی ﴿۳۰﴾ اَیْ عَالِمٌ بِهِمَا فَیُجَازِیْهِمَا وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۙ اَیْ هُوَ مَالِكٌ لِذٰلِكَ وَمِنْهُ الضَّالُّ وَالْمُهْتَدِیْ یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا مِنَ الشِّرْكِ وَغَیْرِهٖ وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالتَّوْحِیْدِ وَغَیْرِهٖ مِنَ الطَّاعَاتِ بِالْحُسْنٰی ﴿۳۱﴾ اَیِ الْجَنَّةِ وَبَیَّنَ الْمُحْسِنِیْنَ بِقَوْلِهٖ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ هُوَ صِغَارُ الذُّنُوْبِ كَالنَّظْرَةِ وَالْقُبْلَةِ وَاللَّمْسَةِ فَهُوَ اسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ وَالْمَعْنٰی لٰکِنَّ اللَّمَمَ تُغْفَرُ بِاجْتِنَابِ الْكَبَائِرِ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ بِذٰلِكَ وَبِقَبُوْلِ التَّوْبَةِ وَنَزَلَ فِیْمَنْ كَانَ یَقُوْلُ صَلَاتُنَا صِیَامُنَا حَجُّنَا هُوَ اَعْلَمُ اَیْ عَالِمٌ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اَیْ خَلَقَ اَبَاكُمْ اٰدَمَ مِنَ التُّرَابِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ جَمْعُ جَنِیْنٍ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ لَا تَمْدَحُوْهَا اَیْ عَلٰی سَبِیْلِ

الْاِعْجَابِ اَمَّا عَلٰى سَبِيْلِ الْاِعْتِرَافِ بِالنِّعْمَةِ فَحَسَنٌ هُوَ اَعْلَمُ اَيْ عَالِمٌ بِمَنِ اتَّقٰى ۝

ترجمہ: اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں (اللہ کے ہاں ان کا کس قدر اکرام ہے) ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کیلئے (اپنے بندوں میں سے) چاہیں (وہاں) اجازت دیں اور راضی ہوں (جیسا کہ آیت يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى میں فرمایا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اہل شفاعت کی جانب سے انہی لوگوں کے بارہ میں سفارش کی جائے گی جن کیلئے سفارش کی اجازت ہوگی۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَه) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو بیٹیوں کے نام سے پکارتے ہیں (چنانچہ انہیں بنات اللہ کہتے ہیں) حالانکہ اس (بات) کی کوئی دلیل نہیں۔ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں (جو انہوں نے گھڑ رکھے ہیں) اور یقیناً بے اصل خیالات حق کے معاملہ میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے (یعنی علمی فائدہ جہاں علم ہی مطلوب ہو) سو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت (قرآن) کا دھیان نہیں کرتا اور صرف دنیاوی زندگی ہی اس کو مقصود ہو (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) یہی (دنیا طلبی) بس ان کے فہم کی حد ہے (یعنی ان کے علم کی آخرت پرواز دنیا کو آخرت سے بڑھانا ہے) بلاشبہ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے (یعنی اللہ دونوں سے واقف ہے لہٰذا دونوں کو بدلہ ملے گا) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے (یعنی وہ سب کا مالک ہے جن میں گمراہ اور ہدایت یافتہ بھی ہیں وہ جسے چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے ہدایت دے دے) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ برا کام (شرک وغیرہ) کرنیوالوں کو ان کے کام کے عوض سزا دے گا۔ اور نیک کام (توحید وغیرہ) بجالانے والوں کو ان کے نیک کاموں کے عوض جزا دے گا (جنت آگے نیک کام کرنیوالوں کا بیان ہے) وہ بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں بجز معمولی باتوں کے (چھوٹے گناہوں کے جیسے نامحرم پر نظر، یا اجنبیہ سے بوس وکنار کرنا، الا استثناء منقطع ہے یعنی چھوٹے گناہ، البتہ بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے ہوئے معاف کردیئے جاتے ہیں) بلاشبہ آپ کے پروردگار کی بخشش بڑی وسیع ہے (اس صورت میں اور توبہ قبول کرنے میں اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یوں کہا کرتے تھے کہ ہماری نمازیں، روزے، حج کیا ہوئے) وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین سے پیدا کیا تھا (یعنی سب کے باوا آدم کو مٹی سے بنایا) اور جب تم بچے تھے (اجنة جمع جنین کی ہے) اپنے ماؤں کے پیٹ میں۔ اس لئے اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو (یعنی خود پسندی سے) تم خود ستائی مت کیا کرو۔ البتہ بطور شکر نعمت کے اظہار کرنا عمدہ بات ہے) وہی خوب واقف ہے کہ صاحب تقویٰ کون ہے؟



قوله: لَا تُوْجَدُ: جب فرشتوں کی شفاعت فائدہ مند نہیں تو معلوم ہوا کہ ان کی شفاعت بلا اذن ہے ہی نہیں۔

قوله: عَنِ الْعِلْمِ: حقیقت شئی علم سے ملتی ہے۔ اور نرا گمان وہ قابل اعتبار ہی نہیں۔

قوله: لِيَجْزِيَ: یہ ایسی کی علت ہے جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے۔

قوله: بِمَا عَمِلُوْا: اس کی سزا میں جو انہوں نے عمل کیے۔

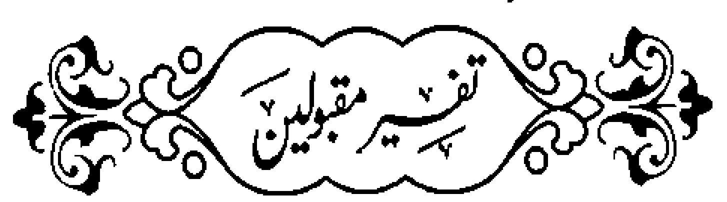
قوله: بِالْحُسْنَى: عمدہ ثواب کے ذریعہ۔

قوله: كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ: وہ گناہ جن پر وعید شدید ہو۔

قوله: وَالْفَوَاحِشَ: کبائر میں جو فحش ہیں۔

قوله: بِقَبُوْلِ التَّوْبَةِ: یعنی کبائر میں توبہ ضروری ہے۔

قوله: صَلَاتَنَا: عبادات کی ریاکارانہ طور پر اپنی طرف نسبت کی۔



وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ ....

مشرکین کا خیالِ باطل کہ ہمارے معبود سفارش کر دیں گے:

مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے ان معبودین میں بت بھی تھے اور فرشتے بھی۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے سفارش کر دیں ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے۔ یہ شیطان نے انہیں سمجھایا تھا، مطلب ان لوگوں کا یہ تھا کہ ہم شرک کرتے ہیں یہ اللہ کی رضا ہی کے لیے کرتے ہیں، قرآن مجید نے ان لوگوں کی تردید فرمائی بت تو بیچارے کیا سفارش کریں گے وہ تو خود ہی بے حس، بے روح اور بے جان ہیں اپنے نفع وضرر ہی کو نہیں جانتے جو انہیں توڑنے لگے اس سے بچاؤ نہیں کر سکتے وہ کیا سفارش کریں گے، فرشتے اور انبیائے کرام اور اللہ کے دوسرے نیک بندے اللہ کی بارگاہ میں شفاعت تو کر دیں گے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو کہ فلاں فلاں کی سفارش کر سکتے ہو۔

آیت کریمہ: وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ (الایۃ) میں اس مضمون کو بتایا ہے کہ آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں ان کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی ہاں اللہ تعالیٰ جس کے لیے اجازت دے اور جس سے راضی ہو اس کی شفاعت سے فائدہ پہنچ سکے گا۔

اور چونکہ کافر اور مشرک کی بخشش ہی نہیں ہونی اس لیے ان کے لیے شفاعت کی اجازت ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ سورۃ الانبیاء میں ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد بتاتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے اور ان کی شفاعت کی امید رکھتے تھے۔ ارشاد فرمایا: وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ

مُّشْفِقُوْنَ (اور وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر جس کے لیے وہ راضی ہوا اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾

مشرکین نے اپنی طرف سے فرشتوں کا مادہ ہونا تجویز کیا:

مشرکین جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد بتاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اس کے بارے میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ (بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو مؤنث یعنی لڑکی کے نام سے نامزد کرتے ہیں) ان کی یہ سب بری حرکتیں ہیں اور برے عقیدے ہیں اور ان کے یہ جو خیالات ہیں فکر آخرت نہ ہونے کی وجہ سے ہیں اگر آخرت پر ایمان لاتے اور یہ فکر ہوتا کہ موت کے بعد ہمارا کیا بنے گا ایسا تو نہیں کہ ہمارے عقائد اور اعمال ہمیں عذاب میں مبتلا کردیں تو بغیر قطعی دلیل کے فرشتوں کو نہ عورت بتاتے اور نہ ان کو اللہ کی اولاد بتاتے، اپنی عقل کو کام میں نہ لائے ساری باتیں محض گمان سے کرتے رہے نہ دلیل نہ حجت محض انکل پچو باتیں بناتے رہے اور خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے رہے۔

ایمان اور فکر آخرت کی ضرورت:

اللہ جل شانہٗ نے جو: اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (الایۃ) فرمایا ہے اس میں ایک اہم مضمون کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ شرکیہ باتیں کرتے ہیں معلوم ہوا کہ آخرت پر یقین نہ ہونا کفر و شرک اختیار کرنے اور اس پر جمے رہنے کا بہت بڑا سبب ہے۔ آخرت پر یقین نہیں اور آخرت کا تصور ہے تو یوں ہی جھوٹا سا دھندلا سا ہے پھر ان کے دینی ذمہ داروں نے یہ سمجھا دیا ہے کہ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو یہ تمہیں قیامت کے دن سفارش کرکے عذاب سے بچالیں گے لہٰذا تھوڑا بہت جو آخرت کا ڈر اور فکر تھا وہ ختم ہوا، مشرکین تو کافر ہیں ہی ان کے علاوہ جو کافر ہیں ان کی بہت سی قسمیں اور بہت سی جماعتیں ہیں ان میں بعض تو ایسے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے وجود کو مانتے ہیں نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی خالق ہے اور نہ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں انکے عقیدہ میں جب کوئی خالق ہی نہیں تو کون حساب لے گا اور کون دوبارہ زندہ کرے گا یہ ملحدین کا اور دہریوں کا عقیدہ ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کسی دین اور دھرم کے قائل ہیں اللہ تعالیٰ کو بھی خالق اور مالک مانتے ہیں لیکن شرک بھی کرتے ہیں اور تناسخ یعنی آوا گون کا عقیدہ رکھتے ہیں آخرت کے مواخذہ اور محاسبہ اور عقاب کا تصور ان کے یہاں نہیں ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو انبیائے کرام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ یہ لوگ دوسرے کافروں کی نسبت آخرت کا ذرا زیادہ تصور رکھتے ہیں لیکن دونوں قوموں کو عناد اور ضد نے برباد کر دیا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت پر ایمان نہیں لاتے یہودیوں کی آخرت سے بے فکری کا یہ عالم ہے کہ یوں کہتے ہیں: لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً (ہمیں ہرگز آگ نہ پکڑے گی مگر چند روز) یہ جانتے ہوئے کہ دنیا کی آگ ایک منٹ بھی ہاتھ میں نہیں لے سکتے اپنے اقرار سے چند دن کے لیے دوزخ میں جانے کو تیار لیکن ایمان لانے کو تیار نہیں ہیں۔

اور نصاریٰ کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ آخرت کے عذاب کا یقین رکھتے ہوئے اپنے دینی پیشواؤں اور پادریوں کی باتوں میں آگئے جنہوں نے یہ سمجھا دیا کہ کچھ بھی کر لو اتوار کے دن چرچ میں آ جاؤ بڑے بڑے گناہ جو کیے ہیں وہ پادری کو بتا دو وہ تمہیں معاف کر دے گا اور دوسرے گناہوں کو بتانے کی بھی ضرورت نہیں۔ پادری کے اعلان سے سارے معاف ہو جائیں گے ایسی بے وقوفی کی باتوں کو مان کر آخرت کے عذاب سے غافل ہیں اور کفر و شرک میں مبتلا ہیں، بے فکری نے ان سب کا ناس کھویا ہے آخرت کے عذاب کا جو دھندلا سا تصور ذہن میں تھا اسے بھی ان کے بڑوں نے کالعدم کر دیا، دھڑلے سے کفر پر بھی جمے ہوئے ہیں اور شرک پر بھی اور کبیرہ گناہوں پر بھی، غور کرنے کی بات ہے کہ نافرمانی کی خالق تعالیٰ جل مجدہ کی اور معاف کر دیں بندے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

آخرت کے عذاب سے بچنے کی فکر کرنا لازم ہے:

انسانوں کو موت کے بعد کا فکر ہی نہیں اور یہ یقین ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے اپنی طرف سے کوئی دین بھیجا ہے جس کے ماننے اور قبول کرنے پر آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے نہ فکر ہے نہ یقین ہے اس لیے کفر و شرک اور گنہگاری کی زندگی میں مبتلا ہیں، فکر اور یقین بہت بڑی چیز ہے، اگر کسی کو فکر لاحق ہو جائے اور کفر و شرک پر مرنے سے عذاب میں مبتلا ہونے کا یقین ہو جائے تو نیند نہ آئے اور نہ کھانے میں مزا آئے جب تک اس دین کو تلاش نہ کر لیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بھیجا ہے اور اس کے انکار پر دوزخ میں داخل کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے اس کی تحقیق کرنے سے پہلے نہ جینے میں مزہ آتا نہ خوشیاں مناتے نہ مستیاں کرتے۔ اگر واقعی فکر کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ سب کی سمجھ میں یہی آئے گا کہ صرف دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے اور اسی میں نجات ہے اس کے خلاف کسی کی بات نہ مانیں نہ کسی سردار کی نہ پیشوا کی، نہ پوپ کی نہ پادری کی، اور ہر شخص مذہب کے بڑوں کو جواب دے کہ دین کو اختیار کرنا دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لیے ہے دنیا میں گروہ بندی کرنے کے لیے نہیں ہے تم اپنی بڑائی باقی رکھنے اور ایک جماعت کا سردار اور پیشوا بننے کی حرص میں ہمارا ناس کیوں کھوتے ہو اور اپنے ساتھ ہمیں دوزخ میں لے جانے کی فکر میں کیوں مبتلا ہو؟

درحقیقت آخرت پر پختہ ایمان نہ ہونا خواہشات نفس کا اتباع کرنا، اٹکل پچو اپنے لیے دین تجویز کر لینا ان تین باتوں نے انسانوں کو دوزخ میں ڈالنے کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ بہت سے وہ لوگ جو مسلمان ہیں آخرت کا یقین بھی رکھتے ہیں لیکن خواہشات نفس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یہ لوگ بھی اپنی جانوں کو آخرت کے عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے تیار ہیں، نمازیں چھوڑنے والے زکوٰتیں روکنے والے، حرام کمانے والے، حرام کھانے والے اور دوسرے گناہوں میں جو لوگ پھنسے ہوئے ہیں ان کے ایمان کو خواہشات نفس نے کمزور کر رکھا ہے فکر آخرت نہیں اس لیے گناہ نہیں چھوڑتے۔

گمان کی حیثیت:

آیات بالا میں گمان کے پیچھے پڑنے کی بھی مذمت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ ''گمان حق کا فائدہ نہیں دیتا'' اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت اور نصیحت ہے جو قرآن و حدیث کی تصریحات کے مقابلہ میں اپنے خیال اور گمان کے تیر چلاتے ہیں اور

دینی مسائل میں دخل دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یوں ہے یا یوں ہونا چاہیے۔
جو لوگ عموماً دوسروں کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں اور ان کی یہ بدگمانی انہیں غیبت اور تہمت پر آمادہ کر دیتی ہے (اپنا آخرت کی فکر نہیں کرتے) یہ لوگ اپنی بہت سی ایسی ہی حرکتوں کی وجہ سے رسوا بھی ہو جاتے ہیں اور آخرت میں گناہوں کا نتیجہ سامنے آ ہی جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی باتوں میں سب سے جھوٹی بات ہے)۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۲۷ عن البخاری ومسلم)

فَأَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَ لَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ
ان آیات میں اولاً رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ جس شخص نے ہماری نصیحت سے اعراض کیا آپ اس کی طرف سے اعراض فرمائیں، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے پیچھے نہ پڑیں اور ان کی حرکتوں سے دلگیر نہ ہوں ان کو دنیا میں جھٹلانے اور انکار کرنے کی سزا مل جائے گی اور آخرت میں تو ہر کافر کے لیے عذاب ہے ہی اس سے چھٹکارہ نہیں۔
جن لوگوں نے قرآن سے اعراض کیا ان کی ایک صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ لَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ (کہ اس نے صرف دنیا والی زندگی کا ارادہ کیا) اس میں یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اعراض کرنے والوں کی یہ صفت بھی ہوتی ہے کہ وہ صرف دنیا ہی کو چاہتے ہیں دنیا ہی انکا مقصود اور مطلوب ہوتی ہے اسی کے لیے کھاتے ہیں اور کماتے ہیں اور اسی کے لیے جیتے ہیں اور مرتے ہیں جس نے دنیا ہی کو مقصود بنالیا وہ موت کے بعد کی زندگی کے لیے اور وہاں کام آنے والے اعمال کی طرف متوجہ ہوتا ہی نہیں اس کا سونا جاگنا اٹھنا، بیٹھنا دنیا ہی کے لیے ہوتا ہے: ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ (یہی ان کے علم کی پہنچ ہے) جتنی بھی ترقی کر لیں اور جتنا بھی پڑھ لیں اور جتنی بھی ڈگریاں حاصل کر لیں، ان کا سب کچھ غور وفکر اور مقصود اور مطلوب دنیا کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا جو دنیا میں غرق ہو گیا آخرت کی فکر سے اسے واسطہ ہی نہ رہا، سورۃ روم میں فرمایا: يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (یہ لوگ دنیاوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں) اصحاب دنیا کو دنیا کی محبت ایمان قبول نہیں کرنے دیتی اور جو لوگ ایمان قبول کر لیتے ہیں اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے جتنی دنیا غالب ہوگی اس قدر آخرت سے غفلت ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (من احب دنیاہ اضر باخرتہ ومن احب اخرتہ اضر بدنیاہ فأثروا مایبقٰی علی من یفنی) (جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرے گا اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا لہٰذا تم باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو) (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۴۱) مطلب یہ ہے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔ اسی کو ترجیح دینا ہوش مندی کی بات ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا: حب الدنیا راس کل خطیئۃ، دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔
(مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۴۴)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ ....
یعنی ہر شخص کا حال اس کو معلوم اور زمین و آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ۔ پھر نیک و بد کا بدلہ دینے سے کیا چیز مانع ہو سکتی

ہے۔ بلکہ غور سے دیکھو تو زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے جہاں بروں کو ان کی برائی کا بدلہ ملے اور نیکوں کے ساتھ ان کی بھلائی کے صلہ میں بھلائی کی جائے۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ....

آیت شریفہ میں کبیرہ گناہوں سے اور فواحش سے بچنے والوں کو اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا کا مصداق بتایا ہے۔ کبیرہ گناہ کون سے ہیں ان کی تفصیل سورۃ نساء کی آیت: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔

بڑے گناہوں سے بچنے کے ساتھ فواحش سے بچنے کا بھی تذکرہ فرمایا۔ فواحش سے بچنا بھی اچھے بندوں کی صفت ہے اور فواحش بھی كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ میں داخل ہیں لیکن الگ سے بھی ان کا تذکرہ فرما دیا تاکہ ان کبیرہ گناہوں سے بھی بچیں جو بے حیائی اختیار کرنے کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں سے جو بے حیائی کے اعمال صادر ہوتے ہیں لفظ الفواحش ان سب کو شامل ہے دیگر گناہوں کے ساتھ بے حیائی والے اعمال سے بچنے کا خاص اہتمام کریں۔ کبائر اور فواحش کے تذکرہ کے ساتھ اِلَّا اللَّمَمَ بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور کبھی کبھی ان سے گناہ صغیرہ سرزد ہو جائے تو اس کی وجہ سے اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا کی صفت میں خلل نہیں آتا جو لوگ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں ان سے کبھی کبھی صغیرہ گناہوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ چونکہ ان کا دینی مزاج ہوتا ہے اور دل پر خوف و خشیت کا غلبہ رہتا ہے اس لیے جلد ہی توبہ و استغفار بھی کر لیتے ہیں اور گناہ پر اصرار بھی نہیں کرتے اور چھوٹے گناہ نیکیوں سے بھی معاف ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ سورۃ ہود میں اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ فرمایا ہے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں مطلب استثناء کا یہ ہے کہ اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا کی جو محبوبیت یہاں بقرینہ مقام مدح مذکور ہے اس کا مصداق بننے کے لیے کبائر سے بچنا تو شرط ہے لیکن صغائر کا احیاناً صدور اس کے لیے موقوف علیہ نہیں البتہ عدم اصرار شرط ہے اور استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ صغائر کی اجازت ہے اور نہ اشتراط کا یہ مطلب ہے کہ الذین احسنوا کا مجزی بالحسنی ہونا موقوف ہے اجتناب عن الکبائر پر کیونکہ مرتکب کبائر بھی جو حسنہ کرے گا اس کی جزا پائے گا لقولہ تعالیٰ: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ پس اشتراط کا معنی بجزی کے اعتبار سے نہیں بلکہ تلقیب بالحسنیٰ اور محبوبیت خاصہ کے اعتبار سے ہے جس پر عنوان احسنوا دال ہے۔ اھ

بیان القرآن میں یہ جو فرمایا کہ استثناء جو فرمایا ہے اس میں صغیرہ گناہوں کی اجازت نہیں دی گئی یہ تنبیہ واقعی ضروری ہے، صغیرہ گناہ اگرچہ صغیرہ ہیں اور نیکیوں کے ذریعہ معاف ہو جاتے ہیں پھر بھی صغیرہ گناہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اگر کسی چھوٹے بڑے گناہ کی اجازت ہو جائے تو وہ گناہ ہی کہاں رہا۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! حقیر گناہوں سے بھی بچنا کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی مطالبہ کرنے والے ہیں (یعنی اللہ کی طرف سے جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں وہ ان کو بھی لکھتے ہیں اور ان کے بارے میں محاسبہ اور مواخذہ ہو سکتا ہے)۔ (رواہ ابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۸۰)

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (بلاشبہ آپ کا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے) جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یوں نہ سمجھیں کہ بس عذاب میں جانا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے بڑی مغفرت والا ہے اس کی طرف رجوع کریں توبہ

استغفار کو لازم پکڑیں اور ضائع شدہ حقوق کی تلافی کریں۔ یہ بندہ کا کام ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جسے چاہے بغیر توبہ کے بھی معافی فرمادے لیکن کفر وشرک معاف نہیں ہوگا۔

﴿هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ﴾ (وہ تمہیں خوب اچھی طرح جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں تھے۔)

یہ بنی آدم کی ابتدائی تخلیق تھی اس کے بعد نسل در نسل انسان پیدا ہوتے رہے بڑھتے رہے پھر ہر انسان کی انفرادی تخلیق کو بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے مرد وعورت جو اپنی ماؤں کے پیٹوں میں مختلف اطوار سے گزرتے ہیں ان کی ان حالتوں کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔

اپنا تزکیہ کرنے کی ممانعت:

﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (لہٰذا تم اپنے نفسوں کو پاکباز نہ بتاؤ) ﴿هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ﴾ (جو لوگ شرک اور کفر سے بچتے ہیں وہ انہیں خوب جانتا ہے) جسے تمہاری تخلیق سے پہلے تمہارے حالات کا علم ہے ہر شخص کا اور ہر شخص کے اعمال کا علم ہے اور اعمال کی خوبی اور اچھائی اور اعمال کے کھوٹ اور نقص کا بھی علم ہے، وہ ہر شخص کو اپنے علم کے مطابق اس کے عمل کے موافق جزا دے دے گا اپنے منہ کہتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے کہ میں نے ایسا ایسا عمل کیا اتنے روزے رکھے اتنی نمازیں پڑھیں اور اتنے حج کیے اور فلاں فلاں حرام سے بچا، بندہ جیسا بھی عمل کرلے وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو ہی نہیں سکتا، عموماً جو متقی اور صالح بندے عمل کرتے ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ خرابی اور کھوٹ کی ملاوٹ رہتی ہی ہے پھر اپنی تعریف کرنے کا کسی کو کیا مقام ہے؟

حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بندہ ہماں بہ کہ بتقصیر خویش
عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش
کس نتواند کہ بجا آورد

اپنا تزکیہ کرنا اور اپنی تعریف کرنا یعنی اپنے اعمال کو اچھا بتانا اور اپنے اعمال کو بیان کرکے دوسروں کو معتقد بنانا یا اپنے اوپر اترانا اور فخر کرنا آیت شریفہ سے ان سب کی ممانعت معلوم ہوگئی، رسول اللہ ﷺ کو ایسا نام رکھنا بھی پسند نہ تھا جس سے اپنی بڑائی اور خوبی کی طرف اشارہ ہوتا ہو، سیدہ زینب بنت ابی سلمہؓ نے بیان کیا کہ میرا نام برہ تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی جانوں کا تزکیہ نہ کرو یعنی یوں نہ کہو کہ میں نیک ہوں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں نیکی والے کون ہیں اس کا نام زینب رکھ دو۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۰۸، ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ کسی کا نام برہ (نیک عورت) ہوگا تو اس سے جب پوچھا جائے گا کہ تو کون ہے تو وہ کہے گی کہ انا برۃ یعنی میں نیک عورت ہوں اس میں بظاہر صورۃً خود اپنی زبان سے نیک ہونے کا دعویٰ ہوجاتا ہے لہٰذا اس سے منع فرمادیا۔ یاد رہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ایک لڑکی کا نام زینب رکھ دیا جس کا پہلا نام "برہ" تھا اسی طرح آپ نے ایک لڑکی کا نام جمیلہ رکھ دیا جس کا پہلا نام عاصیہ (گناہگار) تھا۔ (رواہ مسلم)

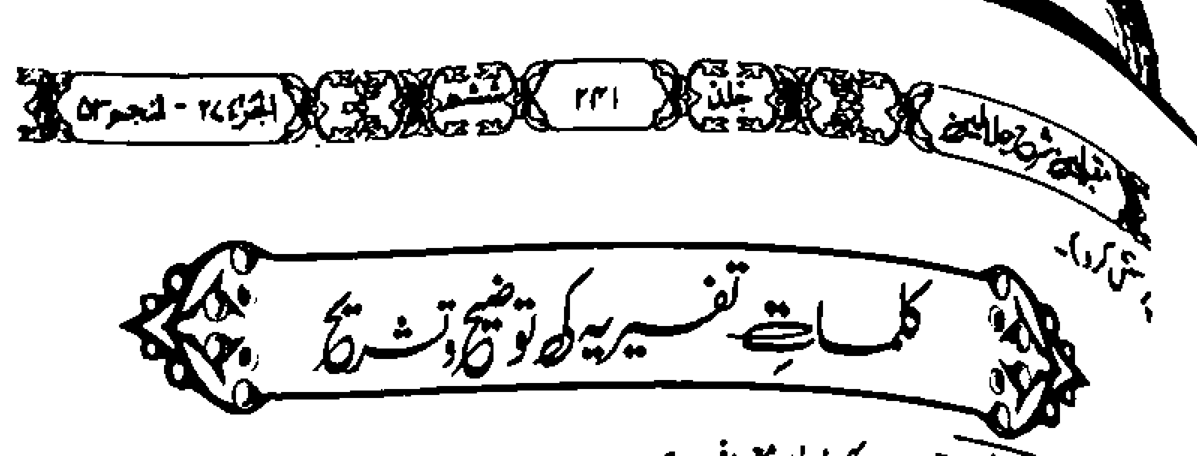
معلوم ہوا کہ اپنی نیکی کا ڈھنڈورا بھی نہ پیٹے اور اپنا نام اور لقب بھی ایسا اختیار نہ کرے جس سے گناہ گاری ٹپکتی ہو مومن نیک ہوتا ہے لیکن نیکی کو بگھارتا نہیں پھرتا اور کبھی گناہ ہو جاتا ہے تو توبہ کر لیتا ہے نیز اپنی ذات کے لیے کوئی ایسا نام و لقب بھی تجویز نہیں کرتا جس سے گناہ گاری کی طرف منسوب ہوتا ہو۔ بہت سے لوگ تواضع میں اپنے نام کے ساتھ العبد العاصی یا عاصی پر معاصی لکھتے ہیں یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایات سے جوڑ نہیں کھاتا۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾ عَنِ الْاِیْمَانِ اَیْ اِرْتَدَّ لَمَّا عُیِّرَ بِهٖ وَ قَالَ اِنِّیْ خَشِیْتُ عِقَابَ اللّٰهِ فَضَمِنَ لَهُ الْمُعَیِّرُ اَنْ یَّحْمِلَ عَنْهُ عَذَابَ اللّٰهِ اِنْ رَجَعَ اِلٰی شِرْکِهٖ وَاَعْطَاهُ مِنْ مَالِهٖ کَذَا فَرَجَعَ وَ اَعْطٰی قَلِیْلًا مِنَ الْمَالِ الْمُسَمّٰی وَّ اَکْدٰی ﴿۳۴﴾ مَنَعَ الْبَاقِیَ مَاخُوْذٌ مِنَ الْکُدْیَةِ وَهِیَ اَرْضٌ صُلْبَةٌ کَالصَّخْرَةِ تَمْنَعُ حَافِرَ الْبِئْرِ اِذَا وَصَلَ اِلَیْهَا مِنَ الْحَفْرِ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰی ﴿۳۵﴾ یَعْلَمُ مِنْ جُمْلَتِهٖ اِنَّ غَیْرَهٗ یَتَحَمَّلُ عَنْهُ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ لَا وَهُوَ الْوَلِیْدُ بْنُ الْمُغِیْرَةِ اَوْ غَیْرُهٗ وَ جُمْلَةُ اَعِنْدَهُ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِیْ لِرَاَیْتَ بِمَعْنٰی اَخْبِرْنِیْ اَمْ بَلْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ﴿۳۶﴾ اَسْفَارُ التَّوْرٰةِ اَوْ صُحُفٌ قَبْلَهَا وَصُحُفِ وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی ﴿۳۷﴾ تَمَّمَ مَا اُمِرَ بِهٖ بِحَقٍّ وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ وَ بَیَانُ مَا اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴿۳۸﴾ اِلٰی اٰخِرِهٖ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِیْلَةِ اَیْ اَنَّهٗ لَا تَحْمِلُ نَفْسٌ ذَنْبَ غَیْرِهَا وَ اَنْ اَیْ اَنَّهٗ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ مِنْ خَیْرٍ فَلَیْسَ لَهٗ مَنْ سَعٰی غَیْرُهُ الْخَیْرَ شَیْءٌ وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾ اَیْ یُبْصَرُهُ فِی الْاٰخِرَةِ ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ﴿۴۱﴾ اَلْاَکْمَلُ یُقَالُ جَزَیْتُهٗ سَعْیَهٗ وَبِسَعْیِهٖ وَ اَنَّ بِالْفَتْحِ عَطْفًا وَقُرِئَ بِالْکَسْرِ اِسْتِئْنَافًا وَکَذَا مَا بَعْدَهَا فَلَا یَکُوْنُ مَضْمُوْنُ الْجُمَلِ فِی الصُّحُفِ عَلَی الثَّانِیْ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾ اَلْمَرْجِعُ وَالْمَصِیْرُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَیُجَازِیْهِمْ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَکَ مَنْ شَاءَ اَفْرَحَهٗ وَ اَبْکٰی ﴿۴۳﴾ مَنْ شَاءَ اَحْزَنَهٗ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ فِی الدُّنْیَا وَ اَحْیَا ﴿۴۴﴾ لِلْبَعْثِ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الصِّنْفَیْنِ الذَّکَرَ وَ الْاُنْثٰی ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی ﴿۴۶﴾ تُصَبُّ فِی الرَّحْمِ وَ اَنَّ وَ اَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ الْاُخْرٰی ﴿۴۷﴾ اَلْخَلْقَةَ الْاُخْرٰی لِلْبَعْثِ بَعْدَ الْخِلْقَةِ الْاُوْلٰی وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰی النَّاسَ بِالْکِفَایَةِ بِالْاَمْوَالِ وَ اَقْنٰی ﴿۴۸﴾

اَعْطٰی الْمَالَ الْمُتَخَذِفِیَةَ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ۝ هِیَ کَوْکَبٌ خَلْفَ الْجَوْزَاءِ کَانَتْ تُعْبَدُ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰی ۝ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِاِدْغَامِ التَّنْوِیْنِ فِی اللَّامِ وَضَمِّهَا بِلَا هَمْزَةٍ هِیَ قَوْمُ هُوْدٍ وَالْاُخْرٰی قَوْمُ صَالِحٍ وَ ثَمُوْدَاۡ بِالصَّرْفِ اِسْمٌ لِلْاَبِ وَبِلَا صَرْفٍ اِسْمٌ لِلْقَبِیْلَةِ وَهُوَ مَعْطُوْفٌ عَلٰی عَادٍ فَمَاۤ اَبْقٰی ۝ مِنْهُمْ اَحَدًا وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اَیْ قَبْلَ عَادٍ وَثَمُوْدَ اَهْلَكْنَاهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰی ۝ مِنْ عَادٍ وَ ثَمُوْدَ لِطُوْلِ لُبْثِ نُوْحٍ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا وَهُمْ مَعَ عَدَمِ اِیْمَانِهِمْ بِهٖ یُؤْذُوْنَهٗ وَیَضْرِبُوْنَهٗ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ وَهِیَ قُرٰی قَوْمِ لُوْطٍ اَهْوٰی ۝ اَسْقَطَهَا بَعْدَ رَفْعِهَا اِلَی السَّمَاءِ مَقْلُوْبَةً اِلَی الْاَرْضِ بِاَمْرِهٖ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِذٰلِكَ فَغَشّٰىهَا مِنَ الْحِجَارَةِ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا غَشّٰی ۝ اَبْهَمَ تَهْوِیْلًا وَفِیْ هُوْدٍ فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ بِاَنْعُمِهِ الدَّالَّةِ عَلٰی وَحْدَانِیَّتِهٖ وَقُدْرَتِهٖ تَتَمَارٰی ۝ تَشُكُّ اَیُّهَا الْاِنْسَانُ اَوْ تُكَذِّبُ هٰذَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی ۝ مِنْ جِنْسِهِمْ اَیْ رَسُوْلٌ كَالرُّسُلِ قَبْلَهٗ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ كَمَا اُرْسِلُوْا اِلٰی اَقْوَامِهِمْ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۝ قَرُبَتِ الْقِیَامَةُ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ نَفْسٌ كَاشِفَةٌ ۝ اَیْ لَا یَكْشِفُهَا وَیُظْهِرُهَا اِلَّا هُوَ كَقَوْلِهٖ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ اَیِ الْقُرْاٰنِ تَعْجَبُوْنَ ۝ تَكْذِیْبًا وَ تَضْحَكُوْنَ اِسْتِهْزَاءً وَ لَا تَبْكُوْنَ ۝ لِسَمَاعِ وَعْدِهٖ وَوَعِیْدِهٖ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۝ لَاهُوْنَ غَافِلُوْنَ عَمَّا یُطْلَبُ مِنْكُمْ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ اعْبُدُوْا ۝ وَلَا تَسْجُدُوْا لِلْاَصْنَامِ وَلَا تَعْبُدُوْهَا

ترجمہ: تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے روگردانی کی (ایمان سے یعنی مرتد ہو گیا عار دلانے پر جب اس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تو عار دلانے والے نے یہ کہہ کر اپنا ذمہ لے لیا کہ اگر تو شرک کی طرف واپس آ گیا تو عذاب الٰہی کا میں ذمہ دار ہوں اور اس کو مالی عطیہ بھی دیا اور وہ مرتد ہو گیا) اور تھوڑا سا (مقرر کردہ) مال دیا اور روک لیا (باقی مال نہیں دیا، اکْدٰی، کدیہ سے ماخوذ ہے۔ ایسی زمین کو کہتے ہیں جس میں کنواں کھودتے ہوئے پتھر آڑے آ جائے) کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے (جانتا ہے منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ دوسرے کے عذاب کا ذمہ لے سکتا ہے؟ یہ بات نہیں ہے۔ ولید بن مغیرہ یا کوئی دوسرا مراد ہے اور جملہ اَعِنْدَهٗ وہ مفعول ثانی ہے۔ رایت بمعنی اخبرنی کا) کیا (بلکہ) اس

مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے (تورات کے اسفار یا اس سے پہلے صحیفے مراد ہیں) اور نیز ابراہیم کے (صحیفے) جنہوں نے فرمانبرداری پوری کی (جو ان کو حکم دیا گیا اس کو بجالائے اور جب ان کا آزمائشوں میں امتحان لیا گیا تو اس میں کامیاب رہے۔ ما کا بیان آگے ہے) کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا (ان مخففہ ہے یعنی کوئی بھی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (بھلائی میں سے پس دوسرے کی بھلائی کی جدوجہد اس کو نہیں ملے گی) اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جائے گی (آخرت میں نظر آجائے گی) پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا (مکمل طریقہ پر، کہا جاتا ہے جزیۃ بمعنی سعیہ یسعیہ) اور یہ کہ (ان فتحہ کے ساتھ معطوف ہے اور کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے۔ یہی صورت بعد کے جملہ کی ہے۔ البتہ دوسری صورت میں مضمون جملہ صحف کا نہیں رہے گا) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے (مرنے کے بعد وہی ٹھکانہ ہے۔ لہٰذا وہی ان کو بدلہ دے گا) اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے (جس کو چاہتا ہے خوش کرتا ہے) اور رلاتا ہے (جسے چاہتا ہے رنجیدہ کردیتا ہے) اور یہ کہ وہی مارتا ہے (دنیا میں) اور جلاتا ہے (قیامت میں) اور یہ کہ وہی جوڑوں (قسموں) کو نر و مادہ کو نطفہ (منی) سے بناتا ہے جب وہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ اس کے ذمہ ہے پیدا کرنا (مد اور کر کے ساتھ) دوبارہ (پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے بعد قیامت کیلئے دوبارہ پیدا کرنا) اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے (لوگوں کا کافی مال دے کر) اور سرمایہ باقی رکھتا ہے (سرمایہ داری کیلئے مال عطا فرماتا ہے) اور یہ کہ وہی مالک ہے شعریٰ کا بھی (برج جوزا کے پیچھے ستارہ کا نام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جس کی پرستش ہوا کرتی تھی) اور یہ کہ اسی نے قوم عاد کو ہلاک کیا (ایک قراءت میں دال کی تنوین کا لام میں ادغام کیا گیا ہے اور لام کا ضمہ بغیر ہمزہ کے۔ یہ قوم ہود ہے اور "عاد اخری" قوم صالح ہے) اور ثمود کو بھی (منصرف ہے قوم کے باپ کا نام اور غیر منصرف ہوتے ہوئے قبیلہ کا نام ہے اس کا عطف عاد پر ہے) کہ کسی کو (ان میں سے) باقی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کو (یعنی عاد و ثمود سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کر ڈالا) بلاشبہ وہ سب سے بڑھ کر ظالم و شریر تھے (قوم عاد و ثمود سے بڑھ کر، کیونکہ ساڑھے نو سو سال حضرت نوحؑ ان میں رہے۔ مگر کفر کے ساتھ ان کو ستایا بھی اور مارا بھی) اور (قوم لوط کی) الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا (آسمان پر لے جا کر زمین پر پلٹ اور پٹک دیا حکم الٰہی سے جبرئیل نے) پھر گھیر لیا اس بستی کو (پتھراؤ نے اس کے بعد) جس چیز نے کہ گھیر لیا (دہشت ناک بنانے کے لئے اس کو مبہم ذکر کیا گیا ہے اور سورۂ ہود میں ہے: فجعلنا عالیہا سافلہا وامطرنا علیہا حجارۃ من سجیل) سو تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں (جو اس کی واحدانیت وقدرت پر دلالت کرنیوالی ہیں) شک کرتا رہے گا (اے انسان شبہ یا تکذیب کرتا رہے گا) یہ (محمد ﷺ) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں (انہی کی جنس سے منجملہ پہلے رسولوں کے ہیں جس طرح وہ اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اسی طرح آپؐ بھی تمہارے لئے آئے) وہ جلدی آنے والی چیز قریب آپہنچی ہے (قیامت نزدیک آگئی) کوئی (نفس) اللہ کے علاوہ اس کا ہٹانیوالا نہیں ہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی اور نہ اس کو لاسکتا ہے اور نہ ظاہر کرسکتا ہے جیسا کہ: لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ فرمایا گیا) سو کیا تم لوگ اس کلام (قرآن) کے بارے میں تعجب کرتے ہو (جھٹلاتے ہو) اور ہنستے ہو (مذاق کرتے ہوئے) اور روتے نہیں (اس کے وعد و وعید سن کر) اور تم تکبر کرتے ہو (تم سے جو چاہا جاتا ہے اس میں ہچر مچر اور غفلت برتتے ہو) سو اللہ کے سامنے سجدہ کرو (جس نے تمہیں پیدا کیا ہے) اور عبادت کرو (بتوں کو نہ سجدہ کرو اور نہ ان کی



قوله: صُحُفِ مُوْسٰى: تورات یہی زیادہ معروف ہے۔

قوله: اَنَّهٗ: ضمیر شان ہے۔

قوله: لَيْسَ لَهٗ مَنْ سَعٰى: سوائے ان کاموں کے جن میں خود شرع کی طرف سے وکالت کا ثبوت ہے۔

قوله: جزی: یہ کبھی حرف جار کے ساتھ اور کبھی بغیر متعدی ہوتا ہے۔

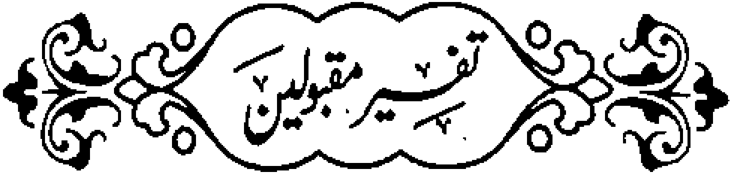
قوله: المُنْتَهٰى: یہ مصدر میمی ہے اور مرجع اور مصیر بھی۔ یہ ظرف نہیں ہے۔

قوله: اَقْنٰى: قنی مال جمع کرنا۔

قوله: الشِّعْرٰى: اس کی دو قسمیں ہیں: العبور: تیز روشنی والا، العمیصاء: کم روشنی والا۔

قوله: بامْرِہ: یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

قوله: لَاهُوْنَ: غفلت برتنے والے۔



اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝

کافر دھوکہ میں ہیں کہ قیامت کے دن کسی کا کام یا عمل کام آجائے گا:

روح المعانی صفحہ ۶۵: ج ۲۷ میں حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کی قراءت سنی تو متاثر ہوا اور اسلام کے قریب ہو گیا رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کے اسلام کے قبول کرنے کی امید بندھ گئی پھر اسے مشرکین میں سے ایک شخص نے ملامت کی اور کہا کیا تو اپنے باپ دادوں کے دین سے ہٹ رہا ہے تو کہتا ہے کہ محمد ﷺ کا دین قبول نہ کیا تو موت کے بعد عذاب میں مبتلا ہو گا ایسا کر تو اپنے دین پر واپس آجا اور تجھے جو عذاب کا ڈر ہے تیری طرف سے میں برداشت کر لوں گا مگر یوں ہی مفت میں نہیں شرط یہ ہے کہ تو مجھے اتنا مال دیدے۔ ولید اس پر راضی ہو گیا اور جو کچھ تھوڑا بہت ارادہ اسلام قبول کرنے کا کر لیا تھا اس سے باز آ گیا اور جس شخص نے اس سے یہ بات کہی تھی اسے کچھ مال دیدیا ابھی اتنا مال نہیں دیا تھا جتنے مال کی بات ہوئی تھی کہ کنجوسی سوار ہو گئی اور باقی مال جس کا وعدہ کیا تھا وہ روک لیا، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیات کریمہ نازل فرمائیں۔ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝ (اے مخاطب کیا تو نے اسے دیکھا جس نے روگردانی کی) وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝ (اور تھوڑا مال دیا اور بند کر دیا) اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝ (کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے) یعنی اس کو کیسے

پتہ چلا کہ قیامت کے دن کوئی شخص کسی کا عذاب اپنے سر لے سکتا ہے اور کافروں نے جو کفر اور شرک کا جرم کیا ہے اس کے بجائے دوسرے شخص کو عذاب دے دے گا ان کے پاس علم غیب تو ہے نہیں پھر قیامت کے دن کے فیصلہ کا انہیں کیسے علم ہوا؟ نہ انہیں علم غیب ہے نہ وہاں ایسا ہونے والا ہے اپنے پاس سے باتیں بناتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم جس طرح چاہیں گے اس طرح ہوجائے گا۔ (العیاذ باللہ)

مشرکین مکہ حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد تھے اور مدینہ منورہ میں جو یہودی تھے وہ اپنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر بتاتے تھے دونوں قوموں نے رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کیا لہٰذا ان دونوں حضرات کے صحیفوں کا تذکرہ فرمایا کہ ان کے صحیفوں میں تو یہ لکھا ہے کہ ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا دوسرا کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ہر شخص کو اپنے ایمان اور کفر کی جزا سزا ملے گی۔ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے عذاب بھگتنے کو تیار نہ ہوگا: وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اور نہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں یہ بات ہے کہ کسی ایک شخص کو دوسرے شخص کے بدلہ عذاب دیدیا جائے جو شخص جیسا کرے گا ویسا بھرے گا، مؤمن ایمان کا پھل پائے گا اور کافر کو کفر کی سزا ملے گی، ہر شخص کی محنت اور سعی سامنے آجائے گی لہٰذا اس بل بوتہ پر کفر پر جمار ہنا کہ میں دنیا میں کسی کو مال دے دیتا ہوں وہ میری طرف سے عذاب بھگت لے گا یا کسی سے یوں کہہ دینا کہ میں تیری طرف سے عذاب بھگت لوں گا قانون الٰہی کے خلاف ہے، دنیا میں بیٹھ کر باتیں بنا لینے اور خود ہی فیصلے کر لینے سے عذاب آخرت سے چھٹکارا نہ ہوگا۔

وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰىٓ ﴿۳۷﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توصیف میں الَّذِيْ وَفّٰىٓ ﴿۳۷﴾ فرمایا انہوں نے مامورات الٰہیہ کو پورا کردیا اللہ تعالیٰ نے جو انہیں رسالت کا کام سپرد کیا اور دعوت و ارشاد کے لیے انہیں مامور فرمایا اور جن اعمال کے کرنے کا حکم فرمایا ان سب کو پورا کیا سورۂ بقرہ میں جو وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ فرمایا ہے اس کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ، نے انہیں حکم دیا اَسْلِمْ کہ (فرمانبردار ہو جاؤ) انہوں نے عرض کیا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ (میں رب العلمین کا فرمانبردار ہوگیا) اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ، نے انہیں امتحان میں ڈالا جان مال اور اولاد میں ایسے احوال سامنے آئے جن پر صبر کرنا اور احکام ربانیہ پر قائم رہنا بڑا اہم کام ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: وفی قصة الذبح مافیه کفاة۔ یعنی انہوں نے جو اپنے بیٹے کو اپنے رب کے حکم سے ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا اور اپنی طرف سے ذبح کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی رب جل شانہ، کے فرمان پر عمل کرنے کے لیے مثال قائم کرنے کے لیے یہی قصہ کافی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کے زمانہ کے لوگ ایک شخص کو دوسرے شخص کے عوض پکڑ لیتے تھے جس شخص نے قتل نہ کیا ہو اسے اس کے باپ اور بیٹے اور بھائی اور چچا اور ماموں اور چچا کے بیٹے اور بیوی اور شوہر اور غلام کے قتل کر دینے کے عوض قتل کر دیتے تھے یعنی قصاص لینے کے لیے کسی بھی رشتہ دار کو قتل کر دیتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں کو سمجھایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچایا: اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ (کہ

دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی)۔
بعض مفسرین نے یہاں دو حدیثیں بھی نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ علی الصباح چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور انہیں اخیر تک پڑھتے رہے۔ یہ حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے ایک حدیث یوں نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست ابراہیم کے بارے میں الَّذِیْ وَفّٰی کیوں فرمایا؟ پھر آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ وہ صبح شام: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ (الآیۃ) پڑھا کرتے تھے۔

(تفسیر قرطبی صفحہ ۱۱۳: ج ۹)

یہ جو فرمایا ہے: وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (کہ ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے کوشش کی) اس پر جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ پھر ایصال ثواب کا کوئی فائدہ نہ رہا کیونکہ جو شخص عمل کرتا ہے آیت کریمہ کی رو سے اس کا ثواب صرف اسی کو پہنچا چاہیے نہ کہ کسی دوسرے شخص کو۔ اس اشکال کو حل کرنے کے لیے بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ میں جو اِلَّا مَا سَعٰی فرمایا ہے اس سے ایمان مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے ہی ایمان کا ثواب ملے گا اس بات کو سامنے رکھ کر ایصال ثواب کا اشکال ختم ہو جاتا ہے کیونکہ کسی شخص کا ایمان کسی ایسے شخص کو فائدہ نہیں دے سکتا جو کافر ہو اور کافر کو ایصال کرنے سے بھی ثواب نہیں پہنچتا۔ ذریت کو جو آباء کے ایمان کا ثواب پہنچے گا (جس کا سورۃ طور میں ذکر ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی توجیہ میں آرہا ہے) اس میں اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ کے ساتھ بایمان بھی مذکور ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کا مفہوم عام نہیں ہے بلکہ عام مخصوص منہ البعض ہے کیونکہ احادیث شریفہ میں حج بدل کرنے کا ذکر ہے اور حج بدل دوسرے شخص کا عمل ہے پھر بھی اس کا حج ادا ہو جاوے گا جس کی طرف سے حج ادا کیا ہے اور بعض احادیث میں (جو سند کے اعتبار سے صحیح ہیں) دوسرے کی طرف سے صدقہ کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص ذکر یا تلاوت کا ثواب پہنچائے جبکہ ذکر و تلاوت محض اللہ کی رضا کے لیے ہو کسی طرح کا پڑھنے والے کو مالی لالچ نہ ہو تو اس میں ائمہ کرام علیہم الرحمہ کا اختلاف ہے حضرات حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بدنی عبادات کا ثواب بھی پہنچتا ہے اور حضرات شوافع اور مالکیہ کے نزدیک نہیں پہنچتا، جن حضرات کے نزدیک ثواب پہنچتا ہے وہ حج بدل اور صدقات پر قیاس کرتے ہیں اور اس بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد بھی مروی ہے:

فقد روی ابو داؤد بسنده عن ابی هریرة ﷺ قال من یضمن لی منکم ان یضمن لی فی مسجد العشار رکعتین او اربعا ویقول هذا لابی هریره سمعت خلیلی اباالقاسم ﷺ یقول ان الله یبعث من مسجدالعشار یوم القیامة شهداء لایقوم مع شهداء بدر غیرهم قال ابوداؤد هذا المسجد ممایلی النهر۔

(ای القرات صفحه ۲۲۶ ج ۲)

قال فی الدر المختار الاصل ان کل من اتی بعبادة ماله جعل ثوابها لغیره وان نواها عندالفعل لنفسه لظاهر الادلة واما قوله تعالیٰ (وان لیس للانسان الاماسعی) ای الا اذا وهبه له (انتهی) قال الشامی فی ردالمحتار (قوله له جعلی ثوابها لغیره) خلافاللمعتزلة فی کل العبادات والمالك والشافعی

فی العبادات البدنیة المحضة کالصلوٰۃ و التلاوۃ فلا یقو لان بوصولها بخلاف غیرها کالصدقة والحج، ولیس الخلاف فی ان له ذلك اولا کما هو ظاهر اللفظ بل فی انه یجعل بالجعل اولا بل یلغو جعله افاده فی الفتح ای الخلاف فی وصول الثواب وعدمه (قوله لغیره) ای من الاحیاء والاموات (بحر عن البدائع) (صفحه ۲۳٦: ج ۲) وقد اطال الکلام فی ذلك الحافظ ابن تیمیة فی فتاواه (صفحه ۳۰٦ الی صفحه ۳۲٤: ج ۲٤) وقال یصل الی المیت قرأة اهله تسبیحهم وتکبیرهم وسائر ذکرهم لله تعالیٰ واجاب عن استدلال المانعین وصول الثواب بآیة سورة النجم ثم اطال الکلام فی ذلك صاحبه ابن القیم فی کتاب الروح (من صفحه ۱۵٦ الی صفحه ۱۹۲) والیك ماذکر فی فتاوی الحافظ ابن تیمیة فی آخر البحث، وسئل هل القرأة تصل الی المیت من الولد اولا؟ علی مذهب الشافعی ـ فاجاب: اما وصول ثواب العبادات البدنیة: کالقرأة، والصلاة، والصوم ـ فمذهب احمد، وابی حنیفة، وطائفة من اصحاب مالك، والشافعی، الی انها تصل، وذهب اکثر اصحاب مالك، والشافعی، الی انها لا تصل، والله اعلم وسئل: عن قرأة اهل المیت تصل الیه؟ والتسبیح والتحمید، والتهلیل والتکبیر، اذا اهداه الی المیت یصل الیه ثوابها ام لا؟ فاجاب: یصل الی المیت قراة اهله، وتسبیحهم، وتکبیرهم، وسائر ذکرهم الله، اذا اهدوه الی المیت، وصل الیه، والله اعلم (صفحه ۳۲٤: ج ۲٤) وقال ابن القیم فی آخر البحث (صفحه ۱۹۲) وسر المسالة ان الثواب ملك للعامل فاذا تبرع به واهداه الی اخیه المسلم اوصله الله الیه، فما الذی خص من هذا ثواب قرأة القرآن وحجر علی العبد ان یوصله الی اخیه وهذا عمل الناس حتی المنکرین فی سائر الاعصار والامصار من غیر نکیر من العلماء

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آیت کریمہ کا عموم منسوخ ہے کیونکہ دوسری آیت میں: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آباء کے ایمان کا ان کی ذریت کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ والئ خراسان نے حضرت حسین بن الفضل سے دریافت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ فرمایا ہے اور دوسری طرف وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ فرمایا ہے دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے حضرت حسین بن الفضل نے فرمایا کہ سورۂ نجم کی آیت میں عدل الٰہی کا تذکرہ ہے کہ جو بھی کوئی اچھا عمل کرے اسے بقدر عمل ضروری اجر ملے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اس کا استحقاق ہے اس کے اجر کو ضائع نہیں فرمائے گا اور وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ میں فضل کا بیان ہے وہ جسے جتنا چاہے زیادہ سے زیادہ دیدے اسے اختیار ہے۔

والئ خراسان کو یہ جواب پسند آیا اور حضرت حسین بن الفضل کا سر چوم لیا صاحب روح المعانی نے بھی اس جواب کو پسند کیا پھر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عطیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ: وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ صرف گناہ کے ساتھ مخصوص ہے نیکی کا ثواب تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوب بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا جس کی تفصیلات حدیثوں میں آئی ہیں اور قرآن مجید میں

جو نہ اللہ یُطْوِیف لِمَنْ یَّشَاءُ ہے وہ اعمال صالحہ سے متعلق ہے جو شخص گناہ کرے گا اسکا گناہ اتنا ہی لکھا جائے گا جتنا اس نے کیا ہے اور اسی پر مواخذہ ہوگا گناہ بڑھا کر نہیں لکھا جاتا۔ (وہذا توجیہ حسن)

صاحب معالم التنزیل نے حضرت عکرمہؓ سے ایک جواب یوں نقل کیا ہے سورۃ النجم کی آیت حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی قوم کے بارے میں ہے کیونکہ یہ مضمون بھی ان حضرات کے صحیفوں میں ہے ان کی قوموں کو صرف اپنے ہی کیے ہوئے عمل کا فائدہ پہنچتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی امت پر اللہ تعالیٰ نے یہ فضل بھی فرمایا کہ کوئی دوسرا مسلمان ثواب پہنچانا چاہے تو وہ بھی اسے پہنچ جائے گا۔

لیکن اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے اور مؤمنین کے لیے جو ان کے گھر میں داخل ہوں مغفرت کی دعا کی جیسا کہ سورۃ نوح کی آخری آیت میں مذکور ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کے لیے اور اپنی قوم کے لیے مغفرت کی دعا کی جو سورۃ اعراف رکوع ۱۸ میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امم سابقہ میں ایک دوسرے کے لیے دعا قبول ہوتی تھی (ہاں اگر دعائے مغفرت کو مستثنیٰ کیا جائے تو یہ دوسری بات ہے)۔

یہ جو حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے اور تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہو (۳) وہ صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔ (اور بعض روایات میں سات چیزوں کا ذکر ہے) ان کا ثواب پہنچنے سے کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ یہ مرنے والے کے اپنے کیے ہوئے کام ہیں، اولاد صالح جو دعاء کرتی ہے اس میں والد کا بڑا دخل ہے کیونکہ اسی کی کوششوں سے اولاد نیک بنی اور دعاء کرنے کے لائق ہوئی۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ۝

فرمان ہے کہ بازگشت آخر اللہ کی طرف ہے۔ قیامت کے دن سب کو لوٹ کر اسی کے سامنے پیش ہونا ہے حضرت معاذ نے قبیلہ بنی اود میں خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا اے بنی اود میں اللہ کے پیغمبر کا قاصد بن کر تمہاری طرف آیا ہوں تم یقین کرو کہ تمہارا سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے پھر یا تو جنت میں پہنچائے جاؤ یا جہنم میں دھکیلے جاؤ بغوی میں ہے حضور ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا جائز نہیں، جیسے اور حدیث میں ہے مخلوق پر غور بھری نظریں ڈالو لیکن ذات خالق میں گہرے نہ اترو۔ اسے عقل وادراک فکر و ذہن نہیں پاسکتا، گو ان لفظوں سے یہ حدیث محفوظ نہیں مگر صحیح حدیث میں یہ بھی مضمون موجود ہے اس میں ہے کہ شیطان کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا؟ پھر اسے کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ جب تم میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو تو اعوذ پڑھ لے اور اس خیال کو دل سے دور کردے، سنن کی ایک حدیث میں ہے مخلوقات اللہ میں غور وفکر کرو لیکن ذات اللہ میں غور وفکر نہ کرو سنو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جس کے کان کی لو سے لے کر مونڈھے تک تین سو سال کا راستہ ہے او کما قال پھر فرماتا ہے کہ بندوں میں ہنسنے رونے کا مادہ اور ان کے اسباب بھی اسی نے پیدا کیے ہیں جو بالکل مختلف ہیں وہی موت وحیات کا خالق ہے جیسے فرمایا آیت: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (الملک: ۲) اس نے موت وحیات کو

پیدا کیا اسی نے نطفہ سے ہر جاندار کو جوڑ جوڑ بنایا، جیسے اور جگہ فرمان ہے آیت: اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی (القیامہ:۳۶) ،کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا قطرہ نہ تھا جو (رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر کیا وہ بستہ خون نہ تھا؟ پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست کیا اور اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے کیا (ایسی قدرتوں والا) اللہ اس بات پر قادر نہیں؟ کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ پھر فرماتا ہے اسی پر دوبارہ زندہ کرنا یعنی جیسے اس نے ابتداء پیدا کیا اسی طرح مار ڈالنے کے بعد دوبارہ کی پیدائش بھی اسی کے ذمہ ہے اسی نے اپنے بندوں کو غنی بنا دیا اور مال ان کے قبضہ میں دے دیا ہے جو ان کے پاس ہی بطور پونجی کے رہتا ہے اکثر مفسرین کے کلام کا خلاصہ اس مقام پر یہی ہے گو بعض سے مروی ہے کہ اس نے مال دیا اور غلام دیئے اس نے دیا اور خوش ہوا اسے غنی بنا کر اور مخلوق کو اس کا دست نگر بنا دیا جسے چاہا غنی کیا جسے چاہا فقیر لیکن یہ پچھلے دونوں قول لفظ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔ شعری اس روشن ستارے کا نام ہے جسے مرزم الجوزاء بھی کہتے ہیں بعض عرب اس کی پرستش کرتے تھے، عاد و اولیٰ یعنی قوم ہود کو جسے عاد بن ارم بن سام بن نوح بھی کہا جاتا ہے اسی نے ان کی نافرمانی کی بنا پر تباہ کر دیا جیسے فرمایا آیت: اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (الفجر:۶)، یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ یعنی ارم کے ساتھ جو بڑے قد آور تھے جن کا مثل شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا تھا یہ قوم بڑی قوی اور زور آور تھی ساتھ ہی اللہ کی بڑی نافرمان اور رسول سے بڑی سرتاب تھی ان پر ہوا کا عذاب آیا جو سات راتیں اور آٹھ دن برابر رہا اسی طرح ثمودیوں کو بھی اس نے ہلاک کر دیا جس میں سے ایک بھی باقی نہ بچا اور ان سے پہلے قوم نوح تباہ ہو چکی ہے جو بڑے ناانصاف اور شریر تھے اور لوط کی بستیاں جنہیں رحمٰن و قہار نے زیر و زبر کر دیا اور آسمانی پتھروں سے سب بدکاروں کا ہلاک کر دیا انہیں ایک چیز نے ڈھانپ لیا یعنی (پتھروں نے) جن کا مینہ ان پر برسا اور برے حالوں تباہ ہوئے۔ ان بستیوں میں چار لاکھ آدمی آباد تھے آبادی کی کل زمین کی آگ اور گندھک اور تیل بن کر ان پر بھڑک اٹھی حضرت قتادہ کا یہی قول ہے جو بہت غریب سند سے ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔ پھر فرمایا پھر تو اے انسان اپنے رب کی کس کس نعمت پر جھگڑے گا؟ بعض کہتے ہیں خطاب نبی ﷺ سے ہے لیکن خطاب کو عام رکھنا بہت اولیٰ ہے ابن جریر بھی عام رکھنے کو ہی پسند فرماتے ہیں۔

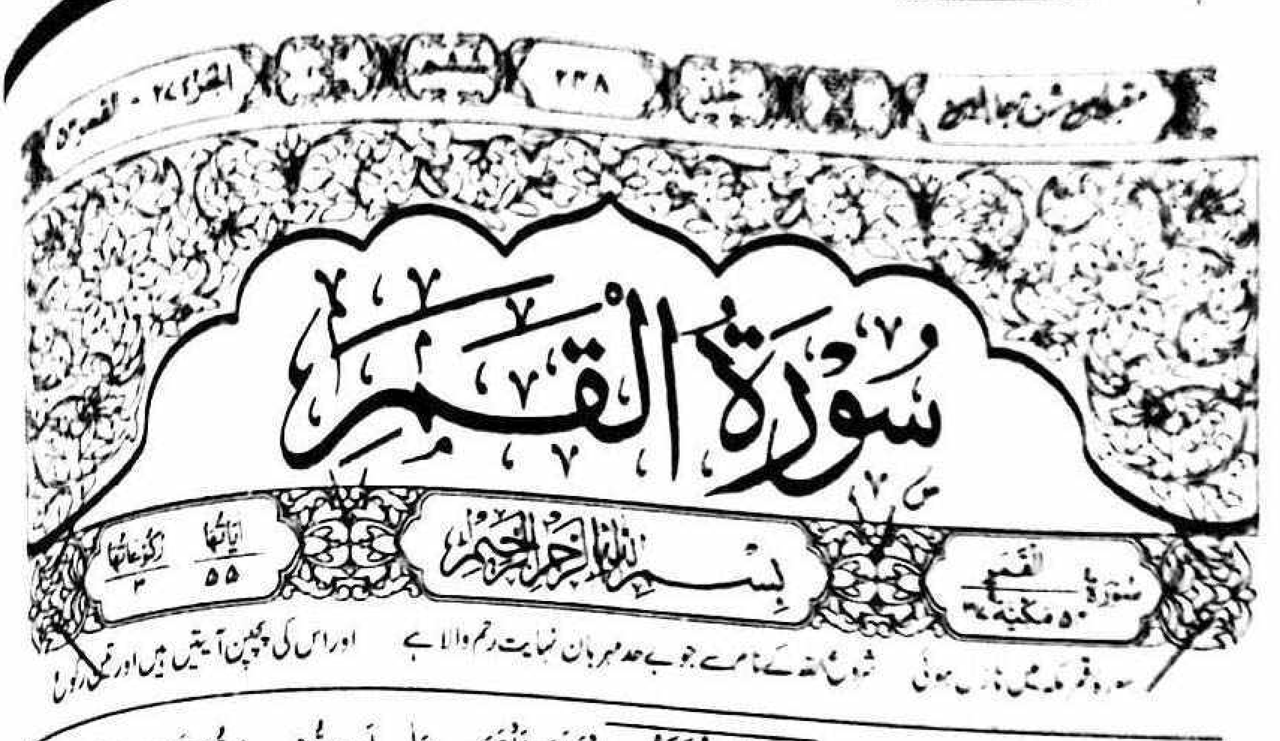
هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی ﴿۵۶﴾

نذیر کا مفہوم نذیر کہتے کسے ہیں:

یہ خوف اور ڈر سے آگاہ کرنے والے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ آپ کی رسالت بھی ایسی ہی ہے جیسے آپ سے پہلے رسولوں کی رسالت تھی جیسے اور آیت میں ہے: (قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ) (الاحقاف:۹) یعنی میں کوئی نیا رسول تو ہوں نہیں رسالت مجھ سے شروع نہیں ہوئی بلکہ دنیا میں مجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول آ چکے ہیں قریب آنے والی کا وقت آئے گا یعنی قیامت قریب آ گئی۔ نہ تو اسے کوئی دفع کر سکے نہ اس کے آنے کے صحیح وقت معین کا کسی کو علم ہے۔ نذیر عربی میں اسے کہتے ہیں مثلاً ایک جماعت ہے جس میں سے ایک شخص نے کوئی ڈراؤنی چیز دیکھی اور اپنی قوم کو اس سے آگاہ کرتا ہے یعنی ڈرا اور خوف سنانے والا جیسے اور آیت میں ہے آیت:

اِنْ هٰذَا اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (سبا:۴۶) میں تمہیں سخت عذاب سے مطلع کرنے والا ہوں حدیث میں ہے تمہیں کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی جس طرح کوئی شخص کسی برائی کو دیکھ لے کہ وہ قوم کے قریب پہنچ چکی ہے اور پھر جس حالت میں ہو اسی میں دوڑا بھاگا آجائے اور قوم کو دفعۃً متنبہ کردے کہ دیکھو وہ بلا آرہی ہے فوراً تدارک کرلو اسی طرح قیامت کے ہولناک عذاب بھی لوگوں کی غفلت کی حالت میں ان سے بالکل قریب ہوگئے ہیں اور آنحضرت ﷺ ان عذابوں سے ہوشیار کر رہے ہیں جیسے اس کے بعد کی سورت میں ہے: (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ) (القمر:۱) قیامت قریب آچکی مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگو گناہوں کو چھوٹا اور حقیر جاننے سے بچو سنو چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قافلہ کسی جگہ اترا سب ادھر ادھر چلے گئے اور لکڑیاں سمیٹ کر تھوڑی تھوڑی لے آئے تو چاہے ہر ایک کے پاس لکڑیاں کم کم ہیں لیکن جب وہ سب جمع کر لی جائیں تو ایک انبار لگ جاتا ہے جس سے دیگیں پک جائیں اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہ جمع ہو کر ڈھیر لگ جاتا ہے اور اچانک اس گنہگار کو پکڑ لیتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے اور حدیث میں ہے میری اور قیامت کی مثال ایسی ہے پھر آپ نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلی اٹھا کر ان کا فاصلہ دکھایا میری اور قیامت کی مثال دو ساعتوں کی سی ہے میری اور آخرت کے دن کی مثال ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح ایک قوم نے کسی شخص کو اطلاع لانے کے لئے بھیجا اس نے دشمن کے لشکر کو بالکل نزدیک کی کمین گاہ میں چھاپہ مارنے کے لئے تیار دیکھا یہاں تک کہ اسے ڈر لگا کہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی کہیں یہ نہ پہنچ جائیں تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور وہیں کپڑا ہلا ہلا کر انہیں اشارے سے بتادیا کہ خبردار ہو جاؤ دشمن سر پر موجود ہے پس میں ایسا ہی ڈرانے والا ہوں۔ اس حدیث کی شہادت میں اور بھی بہت سی حسن اور صحیح حدیثیں موجود ہیں۔

پھر مشرکین کے اس فعل پر انکار فرمایا کہ وہ قرآن سنتے ہیں مگر اعراض کرتے ہیں اور بے پرواہی برتتے ہیں بلکہ اس کی رحمت سے تعجب کے ساتھ انکار کر بیٹھتے ہیں اور اس سے مذاق سنتے ہیں مگر اعراض کرتے ہیں اور بے پرواہی برتتے ہیں بلکہ اس کی رحمت سے تعجب کے ساتھ انکار کر بیٹھتے ہیں اور اس سے مذاق اور ہنسی کرنے لگتے ہیں چاہیے یہ تھا کہ مثل ایمان داروں کے اسے سن کر روتے عبرت حاصل کرتے جیسے مؤمنوں کی حالت بیان فرمائی کہ وہ اس کلام اللہ شریف کو سن کر روتے دھوتے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور خشوع وخضوع میں بڑھ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (سمد) گانے کو کہتے ہیں یہ یمنی لغت ہے آپ سے (سامدون) کے معنی اعراض کرنے والے اور تکبر کرنے والے بھی مروی ہیں حضرت علی اور حسن فرماتے ہیں غفلت کرنے والے۔ پھر اپنے بندوں کا حکم دیتا ہے کہ توحید واخلاص کے پابند رہو خضوع، خلوص اور توحید کے ماننے والے بن جاؤ۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضور ﷺ نے مسلمانوں نے مشرکوں نے اور جن وانس نے سورۃ النجم کے سجدے کے موقع پر سجدہ کیا مسند احمد میں ہے کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے سورۃ نجم پڑھی پس آپ نے سجدہ کیا اور ان لوگوں نے بھی جو آپ کے پاس تھے راوی حدیث مطلب بن ابی وداعہ کہتے ہیں میں نے اپنا سر اٹھایا اور سجدہ نہ کیا یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اسلام کے بعد جس کسی کی زبانی اس سورۃ مبارکہ کی تلاوت سنتے سجدہ کرتے یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے۔



اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ قربت القيامة **وَانْشَقَّ الْقَمَرُ** ○ انفلق فلقتين على ابي قبيس وقعيقعان آية له صلى
الله عليه وسلم وقد سئلها فقال اشهدوا رواه الشيخان **وَاِنْ يَّرَوْا** اي كفار قريش **اٰيَةً** معجزة له
صلى الله عليه وسلم كانشقاق القمر **يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ** ○ قوي من المِرّة القوة او
دائم **وَكَذَّبُوْا** النبي صلى الله عليه وسلم **وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ** في الباطل **وَكُلُّ اَمْرٍ** من الخير والشر
مُّسْتَقِرٌّ ○ باهله في الجنة او النار **وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ** اخبار هلاك الامم المكذبة رسلهم
مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ○ لهم اسم مصدر او اسم مكان والدال بدل من تاء الافتعال وازدجرته وزجرته
نهيته بغلظة وما موصولة او موصوفة **حِكْمَةٌ** خبر مبتدأ محذوف او بدل من ما او من مزدجر **بَالِغَةٌ**
تامة **فَمَا تُغْنِ** تنفع فيهم **النُّذُرُ** ○ جمع نذير بمعنى منذر اي الامور المنذرة لهم وما للنفي او
للاستفهام الانكاري وهي على الثاني مفعول مقدم **فَتَوَلَّ عَنْهُمْ** هو فائدة ما قبله وبه تم الكلام
يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ هو اسرافيل وناصب يوم يخرجون بعد **اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ** ○ بضم الكاف وسكونها
اي منكر تنكره النفوس لشدته وهو الحساب **خُشَّعًا** ذليلا وفي قراءة خُشَّعا بضم الخاء وفتح الشين
مشددة **اَبْصَارُهُمْ** حال من فاعل **يَخْرُجُوْنَ** اي الناس **مِنَ الْاَجْدَاثِ** القبور **كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ** ○
لا يدرون اين يذهبون من الخوف والحيرة والجملة حال من فاعل يخرجون وكذا قوله **مُّهْطِعِيْنَ**
اي مسرعين مادي اعناقهم **اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ** منهم **هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ** ○ اي صعب على

كَمَا فِي الْمُدَّثِّرِ يَوْمٌ عَسِيرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَبْلَ قُرَيْشٍ قَوْمُ نُوحٍ تَانِيثُ الْفِعْلِ لِمَعْنَى قَوْمٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا نُوحًا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ﴿٩﴾ اَىْ اِنْتَهَرُوْهُ بِالسَّبِّ وَغَيْرِهِ فَدَعَا رَبَّهُ اَنِّىْ بِالْفَتْحِ اَىْ بِاَنِّىْ مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَا بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ مُنْصَبٍ اِنْصِبَابًا شَدِيْدًا وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُونًا تَنْبَعُ فَالْتَقَى الْمَاءُ مَاءُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ عَلٰى اَمْرٍ حَالٌ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ بِهِ فِى الْاَزَلِ وَهُوَ هَلَاكُهُمْ غَرْقًا وَحَمَلْنٰهُ اَىْ نُوحًا عَلٰى سَفِيْنَةٍ ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ﴿١٣﴾ وَهِىَ مَاتُشَدُّ بِهِ الْاَلْوَاحُ مِنَ الْمَسَامِيْرِ وَغَيْرِهَا وَاحِدُهَا دِسَارٌ كَكِتَابٍ تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا بِمَرْأًى مِنَّا اَىْ مَحْفُوْظَةٍ بِحِفْظِنَا جَزَاءً مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اَىْ اُغْرِقُوْا اِنْتِصَارًا لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَهُوَ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقُرِئَ كَفَرَ بِنَاءً لِلْفَاعِلِ اَىْ اُغْرِقُوْا عِقَابًا لَهُمْ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اَىْ اَبْقَيْنَا هٰذِهِ الْفِعْلَةَ اٰيَةً لِمَنْ يَعْتَبِرُ بِهَا اَىْ شَاعَ خَبَرُهَا وَاسْتَمَرَّ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ مُعْتَبِرٍ وَمُتَّعِظٍ بِهَا وَاَصْلُهُ مُذْتَكِرٌ اُبْدِلَتِ التَّاءُ دَالًا مُهْمَلَةً وَكَذَا الْمُعْجَمَةُ وَاُدْغِمَتْ فِيْهَا فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ اَىْ اِنْذَارِىْ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ وَكَيْفَ خَبَرُ كَانَ وَهِىَ لِلسُّؤَالِ عَنِ الْحَالِ وَالْمَعْنٰى حَمْلُ الْمُخَاطَبِيْنَ عَلَى الْاِقْرَارِ بِوُقُوْعِ عَذَابِهِ تَعَالٰى بِالْمُكَذِّبِيْنَ بِنُوحٍ مَوْقِعَهُ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ سَهَّلْنَاهُ لِلْحِفْظِ اَوْهَيَّأْنَاهُ لِلتَّذَكُّرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ مُتَّعِظٍ بِهِ وَحَافِظٍ لَهُ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَىْ اَحْفَظُوْهُ وَاتَّعِظُوْا وَلَيْسَ يُحْفَظُ مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ غَيْرُهُ كَذَّبَتْ عَادٌ نَبِيَّهُمْ هُوْدًا فَعُذِّبُوْا فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اَىْ اِنْذَارِىْ لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نُزُوْلِهِ اَىْ وَقَعَ مَوْقِعَهُ وَبَيَّنَهُ بِقَوْلِهِ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا اَىْ شَدِيْدَةَ الصَّوْتِ فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ شُؤْمٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ دَائِمِ الشُّؤْمِ اَوْ قَوِيَّةٍ وَكَانَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ اٰخِرَ الشَّهْرِ تَنْزِعُ النَّاسَ تَقْلَعُهُمْ مِنْ حُفَرِ الْاَرْضِ الْمُنْدَسِّيْنَ فِيْهَا وَتَصْرَعُهُمْ عَلٰى رُءُوْسِهِمْ فَتَدُقُّ رِقَابَهُمْ فَتَبِيْنُ الرَّاسُ عَنِ الْجَسَدِ كَاَنَّهُمْ وَحَالُهُمْ مَاذُكِرَ اَعْجَازُ اُصُوْلُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ مُنْقَلِعٍ سَاقِطٍ عَلَى الْاَرْضِ وَشُبِّهُوْا بِالنَّخْلِ لِطُوْلِهِمْ وَذُكِّرَ هُنَا وَاُنِّثَ فِى الْحَاقَّةِ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ مُرَاعَاةً

لِلْفَوَاصِلِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۞ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۞

ترجمہ: قیامت نزدیک آ پہنچی (قریب آگئی) اور چاند شق ہوگیا (ابی قبیس اور قعیقعان دو پہاڑوں پر دو ٹکڑے ہوکر الگ الگ ہوگیا۔ یہ آنحضرتؐ کا معجزہ شیخین کی روایت کے مطابق ظہور پذیر ہوا۔ جس کی فرمائش کفار نے کی تھی۔ آپ نے فرمایا (دیکھ لو) اور یہ لوگ (کفار قریش) اگر کوئی معجزہ (آنحضرت ﷺ کی نشانی جیسے شق قمر) دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ زبردست جادو ہے (مضبوط، مستمرۃ مرۃ سے ماخوذ ہے قوی یا دائی کے معنی میں) اور (آنحضرتؐ کو) جھٹلاتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کی (غلط بات میں) پیروی کرتے ہیں اور (خیر وشر میں سے) ہر بات کو قرار آجاتا ہے (اہل خیر وشر کے ساتھ جنت یا دوزخ میں) اور ان لوگوں کے پاس خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں (پیغمبروں کو جھٹلانیوالی قوموں کی تباہی کی اطلاعات) کہ ان میں عبرت ہے (ان کے لئے مزدجر اسم مصدر یا اسم مکان ہے اس میں دال افتعال تاء سے تبدیل ہوگئی۔ ازدجرتہ، زجرتہ کے معنی ہیں۔ میں نے اس کو سختی سے ڈانٹ دیا۔ اور ما موصولہ یا موصوفہ ہے) دانشمندی (مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ یا ما سے یا مزدجر سے بدل ہے) اعلیٰ درجہ کی (مکمل) سو ان کو کوئی فائدہ (نفع) ہی نہیں دیتیں۔ خوف دلانیوالی چیزیں (نذر، نذیر کی جمع ہے بمعنی منذر ڈرانے والی چیزیں مراد ہیں۔ ما نفی کیلئے ہے یا استفہام انکاری کیلئے ہے دوسری صورت میں یہ خبر مقدم ہے) تو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے (یہ پہلے مضمون کا خلاصہ ہے اور یہاں کلام پورا ہوگیا) جس روز ایک بلانے والا (اسرافیل مراد ہیں یوم کا ناصب آگے یخرجون آرہا ہے) ایک ناگوار چیز کی طرف جس روز بلائے گا (نکر ضمہ کاف اور سکون کاف کے ساتھ ہے یعنی ایسی بری چیز جس کی شدت سے طبیعتیں گھبراتی ہیں۔ حساب مراد ہے) جھکی ہوئی ہوں گی (پست اور ایک قراءت میں خشعاً ضمہ خا اور فتحہ شین مشدد کے ساتھ ہے) ان کی آنکھیں (یہ حال ہے یخرجون کے فاعل سے) نکل رہے ہوں گے (لوگ) قبروں سے اس طرح جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے (دہشت وحیرت کے مارے یہ نہیں سمجھ پائیں گے کہ کہاں جائیں۔ یہ جملہ یخرجون کے فاعل سے حال ہے اور ایسے ہی اگلے جملہ بھی) (دوڑے چلے جارہے ہوں گے (گردن اٹھا کر بھاگ رہے ہوں گے) بلانے والے کی طرف کافر پکارتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے (کافروں پر دشوار جیسا کہ سورۂ مدثر میں ہے: یوم عسیر علی الکافرین) ان (قریش) سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی (فعل کا مونث ہونا معنی قوم کی وجہ سے ہے) یعنی انہوں نے ہمارے بندہ (نوح) کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہیں اور نوح کو دھمکی دی (گالیاں وغیرہ دے کر ڈانٹا) تو نوحؑ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں (انی فتحہ ہمزہ کے ساتھ یعنی بانی ہے) عاجز ہوں۔ سو آپ انتقام لے لیجئے چنانچہ ہم نے کھول دیئے (تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے) آسمان کے دروازے برسنے والے پانی سے (جو موسلا دھار برسا) اور زمین سے چشمے جاری کردیئے (جو ابل رہے تھے) پھر (آسمان زمین کا) پانی اس کام کیلئے (جو حال ہے) مل گیا جو تجویز ہو چکا تھا (ازل میں ان کی تباہی غرقاب ہونے کی صورت میں) اور ہم نے (نوح کو کشتی پر) سوار کردیا جو تختوں اور میخوں والی تھی (دسر کیل وغیرہ کو کہتے ہیں جن سے تختے جوڑے جاتے ہیں اس کا مفرد کتاب کے وزن پر دسار ہے) جو ہماری نگرانی میں رواں

(ہماری حفاظت میں محفوظ تھی) بدلہ لینے کیلئے (فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے یعنی أغرقوا انتصارًا) اس شخص کا جس کی ناقدری کی گئی (یعنی نوح علیہ السلام اور ایک قرأت کفر فعل معروف کی ہے یعنی سب ڈبو دیئے گئے اپنے کفر کی سزا میں) اور ہم نے اس واقعہ کو رہنے دیا (اس قصہ کو باقی رکھا) عبرت کیلئے (جو شخص اس سے عبرت حاصل کرے۔ یعنی یہ خبر سب میں پھیل گئی اور چلتی رہی) سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا ہے (جو اس سے سبق لے۔ مدکر کی اصل مذتکر تھی تا کو دال مہملہ یا معجمہ سے بدل کر ادغام کر دیا گیا ہے) پھر میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ (استفہام تقریر کے لئے ہے اور کیف کان کی خبر ہے جو حال دریافت کرنے کیلئے ہے۔ جس کا حاصل مخاطبین کو اقرار پر آمادہ کرنا ہے کہ نوح کے جھٹلانے والوں کو عذاب برموقعہ ہوا ہے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کر دیا (محفوظ کرنے کیلئے سہل بنا دیا۔ یا نصیحت کیلئے مہیا کر دیا) سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (جو اس سے سبق لے اور اس کو محفوظ کر لے۔ استفہام امر کے معنی میں ہے یعنی اس کو یاد کرلو اور اس سے سبق لو۔ کتب الٰہیہ میں واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ کوئی کتاب جان ودل سے محفوظ نہیں رہی) قوم عاد نے تکذیب کی (اپنے پیغمبر ہود کی جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (یعنی عذاب آنے سے پہلے میرا ان کو ڈرانا یعنی بر محل عذاب آیا۔ جیسا کہ آگے فرمایا) ہم نے ان پر ایک تیز و تند ہوا بھیجی (جس کا شور ہولناک تھا) ایک دائمی نحوست کے دن (جس کی نحوست مسلسل رہی یا قوی ہونا مراد ہے بے شبہ قوی جہالت تھا) وہ ہوا لوگوں کو اکھاڑ پچھاڑ کر پھینکتی تھی (زمین کی تلے [illegible]) [illegible] (ان کی گردنیں ٹوٹ ٹوٹ کر دھڑوں سے الگ [illegible]) [illegible] تنے کھڑی ہوئی کھجوروں کی (جو زمین [illegible]) [illegible] سورہ حاقہ کی آیت [illegible] [illegible] سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا اور [illegible]

[illegible]

قولہ [illegible]

قولہ [illegible]

قولہ [illegible]

قولہ مستمر [illegible]

قولہ مزدجر [illegible]

قولہ [illegible]

قولہ [illegible]

جراد: ٹڈی۔

قولہ: ذَلِيلًا: آنکھیں جھکنا، ذلت سے کنایہ، یخرجون کے فاعل سے حال ہے۔

قولہ: مَجْنُونٌ: مبتداء محذوف ھو کی خبر ہے۔ انتھرا انٹنا۔

قولہ: مَغْلُوبٌ: یعنی میری قوم نے مجھ پر غلبہ کرلیا۔

قولہ: اُغْرِقُوْا: یہ فعل مقدر کا مفعول لہ ہے۔

قولہ: لِلتَّذَكُّرِ: مواعظ وعید کا بار بار بیان کرنا۔

قولہ: كَاَنَّهُمْ: یہ الناس سے حال ہے۔

قولہ: مُنْقَعِرٍ: اکھڑ کر گرنا۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا نام القمر ہے اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ کے معجزات عظیمہ میں سے ایک واضح اور روشن معجزہ ہے جس کو قرآن کریم نے دلیل نبوت کے طور پر بیان کرنے کے ساتھ قیامت کی نشانی اور اس کے قریب آجانے کی علامت بتایا روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ مشرکین مکہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ ہم کو کوئی نشانی دکھایئے جس سے ہم سمجھیں کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ چاند کے دو ٹکڑے کردیں تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے ان کے اس وعدہ پر آپ ﷺ نے دعا مانگی یہ چودھویں رات تھی دعا قبول ہوئی اور حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت عظیمہ سے چاند کے دو ٹکڑے کردیئے اور کفار قریش نے بھی اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرلیا کہ اس کا نصف حصہ صفا پہاڑ پر تھا اور نصف جبل قعیقعان پر اور آپ ﷺ نے انکو فرمایا، دیکھولو اے لوگو! نہ صرف یہ کہ اہل مکہ ہی نے اس کا مشاہدہ کیا بلکہ جو لوگ اطراف وجوانب سے آئے انہوں نے بھی یہی حال بتایا کہ ہم نے فلاں شب چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا اس عظیم الشان معجزہ کے بیان سے سورت کی ابتداء فرمائی گئی جو سید البشر ﷺ کی نبوت ورسالت کا واضح اور روشن ترین ثبوت تھا اس کے بعد ان لوگوں پر وعید وتنبیہ فرمائی گئی جو اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی اللہ پر ایمان لانے کے واسطے تیار نہیں ہوئے۔

پھر اختتام سورت پر اہل شقاوت کی محرومی اور ہلاکت کا بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان وتقوی کا ذکر فرمایا گیا جیسا کہ قرآن کریم کا طرز بیان ہوتا ہے کہ ترہیب کے مضامین کے بعد ترغیب کے مضامین لائے جائیں تو اس اسلوب عجیب کے مطابق: " ان المتقین فی جنت ونھر فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر " پر سورت ختم فرمائی گئی۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ①

قیامت قریب آگئی چاند پھٹ گیا، منکرین کی جاہلانہ بات اور ان کی تردید:

ان آیات میں انشقاق قمر یعنی چاند کے پھٹنے کا اور اہل مکہ کے عناد اور انکار کا تذکرہ فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں یہ بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو بہت سے معجزات ظاہر ہوئے ان میں وہ معجزات بھی تھے جنہیں اہل مکہ نے خود

طلب کیا تھا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ انہیں کوئی نشانی یعنی معجزہ دکھادیں لہٰذا آپ نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھادیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۲۲: ج۲)

دوسری روایت میں یوں ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے نیچے آگیا آپ نے فرمایا کہ حاضر ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۲۱: ج۲)

سنن ترمذی (فی تفسیر سورۃ القمر) میں ہے کہ مکہ معظمہ میں چاند کے پھٹنے کا واقعہ پیش آیا جس پر سورۂ قمر کی شروع کی دو آیتیں نازل ہوئیں۔ تفسیر معالم التنزیل (صفحہ ۲۵۸: ج۴) میں ہے کہ اس وقت تو قریش مکہ نے یہ کہہ دیا کہ ہم پر جادو کر دیا ہے پھر جب باہر سے آنے والے مسافروں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں ہم نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے اس پر آیت کریمہ: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ نازل ہوئی، سنن ترمذی میں ہے کہ جب مسافروں سے تصدیق ہوگئی تو ان میں سے بعض مشرکین نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر دیا۔

بہرحال چاند پھٹا حاضرین نے دیکھا مسافروں کو بھی پھٹا ہوا نظر آیا اور جو چیز انسانوں کے خیال میں نہ ہونے والی تھی وہ وجود میں آگئی اس سے قیامت کا وقوع سمجھ میں آجانا چاہیے۔

وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ منکرین کا یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اعراض کرتے ہیں۔ حق کو قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک جادو ہے۔ جس کا اثر دیرپا نہیں ہے عنقریب ہی ختم ہو جائے گا۔ وَکَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کا اتباع کیا) اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور ان کے نفسوں میں جو باطل نے جگہ پکڑ رکھی تھی اسی کو امام بنایا اور اسی کے پیچھے چلتے رہے اور انکار نبوت پر اصرار کرتے رہے۔ وَکُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ (اور ہر بات قرار پانے والی ہے) یعنی حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا متعین ہو جاتا ہے، اگر عناد یا کم فہمی کی وجہ سے اب نہیں سمجھے تو کچھ عرصہ بعد سمجھ میں آہی جائے گا کہ یہ سحر نہیں ہے۔ وَکُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ کی یہ ایک تفسیر ہے اور صاحب معالم التنزیل نے حضرت قتادہ سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ خیر اہل خیر کے ساتھ اور شر اہل شر کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے، خیر اہل خیر کو لے کر جنت میں اور شر اہل شر کو لے کر دوزخ میں ٹھہر جائے گا۔

اہل مکہ جو توحید اور رسالت کے منکر تھے ان کی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِیْهِ مُزْدَجَرٌ ۝ یعنی ان کے پاس پرانی امتوں کی ہلاکت اور بربادی کی خبریں آچکی ہیں جو قرآن کریم نے بیان کی ہیں ان خبروں میں عبرت ہے موعظت اور نصیحت ہے، یہ چیزیں غافل کو جھڑکنے والی اور چوکنا رکھنے والی ہیں جو سراپا حکمت کی باتیں ہیں اور زجر و توبیخ میں کامل ہیں لیکن یہ لوگ متاثر نہیں ہوتے، کفر و شرک سے باز نہیں آتے جو سنتے ہیں سب ان سنی کر دیتے ہیں ڈرانے والی چیزیں انہیں کچھ نفع نہیں دیتی ہیں۔

کما قال تعالیٰ فی سورۃ یونس: وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ اور آیت اور ڈرانے والی چیزیں ان لوگوں کو فائدہ نہیں دیتی ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں)۔

معجزہ شق القمر کا واقعہ صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں صحیح اسانید کے ساتھ ماثور اور مروی ہے، دشمنان اسلام کو محض

دشمنی کی وجہ سے اسلامی روایات کے جھٹلانے اور تردید کرنے کی عادت رہی ہے، انہوں نے معجزہ شق القمر کے واقع ہونے پر بھی اعتراض کر دیا ان لوگوں کا کہنا ہے کہ چاند پورے عالم پر طلوع ہونے والی چیز ہے اگر ایسا ہوا ہوتا تو دنیا کی تاریخوں میں اس کا تذکرہ ہونا ضروری تھا۔ یہ ان لوگوں کی جہالت کی بات ہے۔

اول تو اس زمانہ میں کتابیں لکھنے والے ہی کہاں تھے۔ تصنیف اور تالیف کا دور نہیں تھا پھر اگر کسی نے کوئی چیز لکھی ہو تو قرنوں گزر جانے تک اس کا محفوظ رہنا ضروری نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ پریس اور کمپیوٹر بلکہ کاغذ کی کثرت کا زمانہ بھی نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر دوسری بات یہ ہے کہ چاند ہر وقت پورے عالم پر طلوع نہیں ہوتا کہیں دن رہتا ہے کہیں رات ہوتی ہے، چاند شق ہونے کے وقت جہاں کہیں دن تھا وہاں تو اس کے نظر آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دیکھو عرب میں رات ہوتی ہے تو امریکہ میں دن ہوتا ہے اور امریکہ کا ظہور تو شق القمر کے صدیوں کے بعد ہوا اسی طرح رات کے اوقات مختلف ہوتے ہیں کہیں اول رات ہوتی ہے کہیں درمیانی رات ہوتی ہے اور کہیں آخری شب ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ چاند مکہ معظمہ کے قریب منیٰ میں شق ہوا تھا یعنی وہاں کے لوگ دیکھ سکتے تھے لیکن بہت سے لوگ اپنے کاموں میں تھے بہت سے سو رہے تھے، بہت سے گھروں میں تھے، بہت سے دکانوں میں بیٹھے ہوئے تھے اور پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی کہ دیکھو آج رات چاند پھٹے گا، ان حالات میں لوگوں کو باہر آنے او چاند پر نظر جمانے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی، چاند پھٹا تھوڑی دیر میں دونوں ٹکڑے ایک جگہ ہو گئے جن لوگوں کو اس کا پھٹا ہوا دکھانا مقصود تھا ان لوگوں نے دیکھ لیا، اگر سارا عالم دیکھ لیتا یا کم از کم سارا عرب ہی دیکھ لیتا اور پھر تاریخ لکھنے والوں تک خبر پہنچ جاتی جس پر وہ یقین کر لیتے اور ان کی کتاب محفوظ رہ جاتی تو تاریخوں میں اس کا کوئی تذکرہ مل جاتا جنہوں نے پھٹا ہوا دیکھا تھا انہیں تو اس کا یقین نہیں آیا کہ چاند پھٹا ہے اس کو انہوں نے جادو بتایا اور مسافروں کے کہنے سے کسی نے مانا بھی تو اسے پی گیا، اگر تسلیم کر لیتے تو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا پڑتا یہ انہیں گوارا نہ تھا، پھر کیوں وہ کتابیں لکھتے اور کیوں شہرت دیتے؟ یہ ایک صاحب بصیرت کے سمجھنے کی بات ہے اگر کسی بھی تاریخ میں اس کا تذکرہ نہ ہو تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں پھر بھی معجزہ شق القمر کا تذکرہ تاریخ فرشتہ میں موجود ہے صاحب فیض الباری صفحہ ۶۰: ج ۴ میں فرماتے ہیں: (وقد شاهد ملك بهوپال من الهند اسمه بهوج پال ذكره الفرشتة في تاريخه)

دیکھیے سورج تو چاند سے بہت بڑا ہے لیکن ہر وقت پورے عالم میں وہ طلوع نہیں ہوتا کہیں رات ہوتی ہے کہیں دن ہوتا ہے اس کے گرہن ہونے کی خبریں بھی چھپتی رہتی ہیں کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت فلاں ملک میں گرہن ہوگا بیک وقت پورے عالم میں گرہن نہیں ہوتا اور جہاں کہیں گرہن ہوتا ہے وہاں بھی ہزاروں آدمیوں کو خبر نہیں ہوتی کہ گرہن ہوا تھا پہلے سے اخبارات میں اطلاع دیدی جاتی ہے اس پر بھی سب کو علم نہیں ہوتا، اگر کسی سے پوچھو کہ تمہارے علاقہ میں کب گرہن ہوا اور کتنی بار ہوا تو پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں بتا سکتے اور وہ کون سی تاریخ کی کتاب ہے جن میں تاریخ اور سورج گرہن ہونے کے واقعات لکھے ہوں، جب آفتاب کے گرہن کے بارے میں زمین پر بسنے والوں کا یہ حال ہے جو بار ہا ہوتا رہتا ہے تو چاند کا پھٹنا جو ایک ہی بار ہوا اور عرب میں ہوا اور عشاء کے وقت ہوا اور ذرا سی دیر کو ہوا اور اسی وقت پھٹ کر دونوں ٹکڑے مل گئے اور یہ دنیا کی تاریخوں میں نہیں آیا تو یہ کونسی ایسی بات ہے جو سمجھ سے بالاتر ہو۔

بعض لوگوں نے خواہ مخواہ دشمنوں سے مرعوب ہوکر معجزہ شق القمر کا انکار کیا ہے اور یوں کہتے ہیں کہ اس سے قیامت کے دن واقع ہونے والا شق القمر مراد ہے آیت کریمہ میں جو لفظ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ فرمایا ہے۔ یہ ماضی کا صیغہ ہے تاویل کر کے اس کو خواہ مخواہ مستقبل کے معنی میں لینا بے جا تاویل ہے اور اتباع ھویٰ ہے پھر اگر آیت قرآنیہ میں تاویل کر لی جائے تو احادیث شریفہ جو صحیح اسانید سے مروی ہیں ان میں تو تاویل کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں۔

جس ذات پاک جلت قدرتہ کی مشیت اور ارادہ سے نفخ صور سبب شق القمر ہو سکتا ہے۔ اسی کی قدرت اور اذن سے قیامت سے پہلے بھی شق ہو سکتا ہے۔ اس میں کیا بعد ہے جو خواہ مخواہ تاویل کی جائے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۞

دیرینہ انداز کفر:

یعنی اے نبی ﷺ آپ ﷺ کی اس امت سے پہلے امت نوح نے بھی اپنے نبی کو جو ہمارے بندے حضرت نوح تھے تکذیب کی اسے مجنون کہا اور ہر طرح ڈانٹا ڈپٹا اور دھمکایا، صاف کہہ دیا تھا کہ اے نوح اگر تم باز نہ رہے تو ہم تجھے پتھروں سے مار ڈالیں گے، ہمارے بندے اور رسول حضرت نوح نے ہمیں پکارا کہ پروردگار میں ان کے مقابلہ میں محض ناتواں اور ضعیف ہوں میں کسی طرح نہ اپنی ہستی کو سنبھال سکتا ہوں نہ تیرے دین کی حفاظت کر سکتا ہوں تو ہی میری مدد فرما اور مجھے غلبہ دے ان کی یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ان کی کافر قوم پر مشہور طوفان نوح بھیجا جاتا ہے۔ موسلا دھار بارش کے دروازے آسمان سے اور ابلتے ہوئے پانی کے چشمے زمین سے کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ جو پانی کی جگہ نہ تھی مثلاً تنور وغیرہ وہاں سے زمین پانی اگل دیتی ہے ہر طرف پانی بھر جاتا ہے نہ آسمان سے برسنا رکتا ہے نہ زمین سے ابلنا تھمتا ہے پس حد حکم تک پہنچ جاتا ہے۔ ہمیشہ پانی ابر سے برستا ہے لیکن اس وقت آسمان سے پانی کے دروازے کھول دیئے گئے تھے اور عذاب الٰہی پانی کی شکل میں برس رہا تھا نہ اس سے پہلے کبھی اتنا پانی برسا نہ اس کے بعد کبھی ایسا برسے ادھر سے آسمان کی یہ رنگت ادھر سے زمین کو حکم کہ پانی اگل دے پس ریل پیل ہوگئی، حضرت علی فرماتے ہیں کہ آسمان کے دہانے کھول دیئے گئے اور ان میں سے براہ راست پانی برسا۔ اس طوفان سے ہم نے اپنے بندے کو بچا لیا انہیں کشتی پر سوار کر لیا جو تختوں میں کیلیں لگا کر بنائی گئی تھی۔ دسر کے معنی کشتی کے دائیں بائیں طرف کا حصہ اور ابتدائی حصہ جس پر موج تھپیڑے مارتی ہے اور اس کے جوڑے اور اس کی اصل کے بھی کئے گئے ہیں، وہ ہمارے حکم سے ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری حفاظت میں چل رہی تھی اور صحیح وسالم آر پار جا رہی تھی۔ حضرت نوح کی مدد تھی اور کفار سے یہ انتقام تھا ہم نے اسے نشانی بنا کر چھوڑا۔ یعنی اس کشتی کو بطور عبرت کے باقی رکھا، حضرت قتادہ فرماتے ہیں اس امت کے اوائل لوگوں نے بھی اسے دیکھا ہے لیکن ظاہر معنی یہ ہیں کہ اس کشتی کے نمونے پر اور کشتیاں ہم نے بطور نشان کے دنیا میں قائم رکھیں، جیسے اور آیت میں ہے آیت: وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ (یس: ۴۱) یعنی ان کے لئے نشانی ہے کہ ہم نے نسل آدم کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کرایا اور کشتی کے مانند اور بھی ایسی سواریاں دیں جن پر وہ سوار ہوں اور جگہ ہے آیت: إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ (الحاقۃ: ۱۱) یعنی جب پانی نے طغیانی کی ہم

نے تمہیں کشتی میں لے لیا تا کہ تمہارے لئے نصیحت وعبرت ہو اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھ سکیں، پس کوئی ہے جو ذکر و
وعظ حاصل کرے؟ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے (مدکر) پڑھایا ہے، خود حضور ﷺ سے بھی اس
لفظ کی قراءت اسی طرح مروی ہے، حضرت اسود سے سوال ہوتا ہے کہ یہ لفظ دال سے ہے یا ذال سے؟ فرمایا میں نے عبداللہ
سے دال کے ساتھ سنا ہے اور وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے دال کے ساتھ سنا ہے، پھر فرماتا ہے میرا عذاب
میرے ساتھ کفر کرنے اور میرے رسولوں کو جھوٹا کہنے اور میری نصیحت سے عبرت نہ حاصل کرنے والوں پر کیسا ہوا؟ میں نے
کس طرح اپنے رسولوں کے دشمنوں سے بدلہ لیا اور کس طرح ان دشمنان دین حق کو نیست و نابود کر دیا۔ ہم نے قرآن کریم کے
الفاظ اور معانی کو ہر اس شخص کے لئے آسان کر دیا جو اس سے نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھے، جیسے فرمایا: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ
اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص: ۲۹) ہم نے تیری طرف یہ مبارک کتاب نازل فرمائی ہے تا کہ
لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں اور اس لئے کہ عقلمند لوگ یاد رکھ لیں اور جگہ ہے آیت: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ (الدخان: ۵۸) یعنی ہم نے اسے تیری زبان پر اس لئے آسان کیا ہے کہ تو پرہیزگار لوگوں کو خوشی سنا دے اور جھگڑالو
لوگوں کو ڈرا دے، حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس کی قراءت اور تلاوت اللہ تعالیٰ نے آسان کر دی ہے، حضرت ابن عباس فرماتے
فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اس میں آسانی نہ رکھ دیتا تو مخلوق کی طاقت نہ تھی کہ اللہ عزوجل کے کلام کو پڑھ سکے۔ میں کہتا ہوں ان
آسانیوں میں سے ایک آسانی وہ ہے جو پہلے حدیث میں گزر چکی کہ یہ قرآن سات قراءتوں پر نازل کیا گیا ہے،

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کو آسان فرما دینا:

یہ آیت کریمہ سورۃ القمر میں چار جگہ آئی ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے تذکرہ کے بعد فرمائی ہے نیز قوم عاد اور قوم
ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے ذکر کے بعد بھی مذکور ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے قرآن کو ذکر کے لیے آسان کر
دیا ہے سو کیا کوئی شخص نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ اس میں قرآن کریم کی تسہیل اور تیسیر کا بھی ذکر ہے اور دعوت فکر بھی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سہل کر دیا تو بندوں پر لازم ہے کہ اس سے نصیحت حاصل کریں اسی لئے دعوت فکر دیتے ہوئے فرمایا
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے) [illegible] مدکر من الافتعال ابدلت التاء
والذال كلتاهما ثم ادغم بعضها في بعض كما في سورة يوسف و ادكر بعد امة۔

لفظ مدکر میں نصیحت حاصل کرنا عبرت لینا سب ہی داخل ہے اور معالم التنزیل میں حضرت سعید بن جبیرؒ کا قول نقل کیا
ہے کہ اس سے حفظ اور قراءت مراد ہے (قرآن کا پڑھنا اور حفظ کرنا بھی آسان ہے اور اس کے معانی اور مضامین اور احکام کا
سمجھنا بھی سہل ہے) رہے وجوہ استنباط تو ان کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، اور قرآن میں یہ بھی نہیں کہ سارے قرآن کو من کل
الوجوہ ہر شخص کے لیے آسان کر دیا ہے بہت سے وہ لوگ جو آیت شریفہ کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کا مطلب اپنے پاس سے
تجویز کرتے ہیں اور سلف صالحین کے خلاف تفسیر کرتے ہیں جبکہ عربی لغت اور قواعد عربیہ کو بھی نہیں جانتے ہیں ایسے لوگ شدید

گرانی میں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسہیل اور تیسیر ہے کہ اس نے پورے قرآن کو مؤمن بندوں کے سینوں میں بالفاظہ و حروفہ محفوظ فرما دیا، اگر بالفرض خدانخواستہ سارے مصاحف ختم ہو جائیں تو قرآن مجید پھر بھی محفوظ رہے گا ایک نو عمر حافظ بچہ کھڑے ہو کر پورا قرآن مجید لکھوا سکتا ہے، اہل کتاب نے لکھے ہوئے صحیفوں پر بھروسہ کیا اس لیے اپنی کتاب ضائع کر دی، اب ان کے پاس ترجمے ہی ترجمے ہیں، کتابیں نہیں ہیں جن سے ترجموں کا ملاپ کیا جا سکے۔

قرآن کا اعجاز اور لوگوں کا تغافل:

قرآن مجید کا ایک یہ معجزہ ہے جو سب کے سامنے ہے کہ اسے عورتیں، بوڑھے بچے، جوان سب ہی حفظ کر لیتے ہیں۔ اتنی بڑی کتاب کوئی بھی شخص اپنی زبان کی لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف یاد نہیں کر سکتا۔

دنیا اور دنیا کی محبت نے ایسے لوگوں کو قرآن سے اور اس کے حفظ کرنے سے اس کی تجوید اور قراءت سے محروم کر دیا جو خود بھی آخرت سے بے فکر ہیں اور بچوں کو بھی طالب دنیا بنا کر ان کا ناس کھوتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ عموماً مسلمانوں میں نسلی مسلمان رہ گئے۔ یعنی ان کے باپ دادا مسلمان تھے یہ بھی ان کے گھروں میں پیدا ہو گئے، اسلام کو اس کے تقاضوں کے ساتھ نہ پڑھا نہ سمجھا، جیسے خود ہیں ویسے ہی اولاد کو بنانا چاہتے ہیں۔ جو لوگ اصلی مسلمان ہیں وہ لوگ قرآن کو سینہ سے لگاتے ہیں، حفظ کرتے ہیں، تجوید سے پڑھتے ہیں، بچوں کو بھی حفظ کرواتے ہیں اس کے معانی بتاتے ہیں، عالم بناتے ہیں، علماء کی صحبتوں میں لے جاتے ہیں۔

مسلمانو! اپنے بچوں کو حفظ میں لگاؤ یہ بہت آسان کام ہے۔ جاہلوں نے مشہور کر دیا ہے کہ قرآن حفظ کرنا لوہے کے چنے چبانے کے برابر ہے، یہ بالکل جاہلانہ بات ہے۔ قرآن حافظہ سے یاد نہیں ہوتا معجزہ ہونے کی وجہ سے یاد ہوتا ہے۔

بہت سے جاہل کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹانے سے کیا فائدہ؟ یہ لوگ روپے پیسے کو فائدہ سمجھتے ہیں ہر حرف پر دس نیکیاں ملنا اور آخرت میں ماں باپ کو تاج پہنایا جانا اور قرآن پڑھنے والے کا اپنے گھر کے لوگوں کی سفارش کر کے دوزخ سے بچوا دینا فائدہ میں شمار ہی نہیں کرتے کہتے ہیں کہ حفظ کر کے ملا بنے گا تو کہاں سے کھائے گا، میں کہتا ہوں کہ حفظ کر لینے کے بعد تجارت اور ملازمت سے کون روکتا ہے، ملا بننا تو بہت بڑی سعادت ہے جسے اپنے لیے یہ سعادت مطلوب نہیں وہ اپنے بچے کو تو حفظ قرآن سے محروم نہ کرے جب حفظ کر لے تو اسے دنیا کے کسی بھی حلال مشغلے میں لگایا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم کی برکات:

ہم نے تجربہ کیا ہے کہ دنیا کے کام کاج کرتے ہوئے اور سکول، کالج میں پڑھتے ہوئے بہت سے بچوں نے قرآن شریف حفظ کر لیا۔ بہت لوگوں نے سفید بال ہونے کے بعد حفظ کرنا شروع کیا اللہ جل شانہ، نے ان کو بھی کامیابی عطا کی، جو بچہ حفظ کر لیتا ہے اس کی قوت حافظہ اور سمجھ میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ آئندہ جو تعلیم بھی حاصل کرے ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے آگے رہتا ہے، قرآن کی برکت سے انسان دنیا و آخرت میں ترقی کرتا ہے۔ افسوس ہے کہ لوگوں نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں کوئی قرآن کی طرف بڑھے تو قرآن کی برکات کا پتہ چلے۔

قرآن کو بھول جانے کا وبال:

جس طرح قرآن کو یاد کرنا ضروری ہے اسی طرح اس کا یاد رکھنا بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قرآن کو یاد رکھنے کا دھیان رکھو (یعنی نماز میں اور خارج نماز اس کی تلاوت کرتے رہو) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو اونٹ رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں جس طرح وہ اپنی رسیوں میں بھاگنے کی کوشش میں رہتے ہیں قرآن ان سے بڑھ کر تیزی کے ساتھ نکل کر چلا جانے والا ہے۔" (رواہ البخاری و مسلم، مشکوۃ المصابیح صفحہ ۱۹۰)

بات یہ ہے کہ قرآن جس طرح جلدی یاد ہو جاتا ہے اور محبت کرنے والوں کے دل میں سما جاتا ہے اسی طرح وہ یاد رکھنے کا دھیان نہ کرنے والوں کے سینوں سے چلا جاتا ہے کیونکہ وہ غیرت مند ہے جس شخص کو اس کی حاجت نہیں ہے جب وہ یاد رکھنے کی کوشش نہ کرے تو قرآن کیوں اس کے پاس رہے، جبکہ وہ بے نیاز ہے۔ قرآن پڑھ کر بھول جانے والے کے لیے سخت وعید ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "جو شخص قرآن پڑھتا ہے، پھر بھول جاتا ہے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ جذامی ہوگا" (یعنی اس کے اعضاء اور دانت گرے ہوئے ہوں گے)۔

(رواہ ابوداود والدارمی، مشکوۃ المصابیح ص ۱۹۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کیے گئے تو میں نے ثواب کے کاموں میں یہ بھی دیکھا کہ مسجد میں کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہو اور کوئی شخص اسے نکال دے اور مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑھ کر گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی ہو پھر وہ اس کو بھول جائے۔" (رواہ الترمذی وابوداود، مشکوۃ المصابیح صفحہ ۶۹)

بچوں کو قرآن کی تعلیم پر لگانے والے دنیا کے چند دن چمک مہک نہیں دیکھتے بلکہ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے آخرت کی کامیابی اور وہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے لیے فکر مند ہوتے ہیں۔ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾

قوم عاد کی تکذیب اور ہلاکت اور تعذیب:

ان آیات میں قوم عاد کی تکذیب اور تعذیب کا ذکر ہے انکی طرف اللہ تعالیٰ شانہ، نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو تبلیغ کی توحید کی دعوت دی، یہ لوگ بری طرح پیش آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے خیال میں تو تم کم عقل ہو بیوقوف ہو ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یہ جو تم نے عذاب عذاب کی رٹ لگا رکھی ہے یہ دھمکی ہم پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتی اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو چلو عذاب کو بلا لو، بالآخر ان پر اللہ تعالیٰ شانہ، نے ہوا کا عذاب بھیج دیا بہت سخت تیز ہوا آئی جو ان پر سات رات اور آٹھ دن مسلط رہی یہ دن ان کے لیے نامبارک اور منحوس تھے۔ ہوا چلتی رہی اور یہ لوگ مرتے رہے تیز ہوا نے انہیں اٹھا اٹھا کر پھینک دیا یہ لوگ بڑی جسامت والے تھے قد آور تھے اپنی قوت اور طاقت پر انہیں بڑا گھمنڈ تھا ان کے سامنے جب دین و ایمان کی بات آئی تو کہنے لگے: مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے بڑھ کر قوت کے اعتبار سے کون زیادہ سخت ہوگا) اللہ

تعالیٰ نے ہوا بھیجی تو ساری شیخی دھری رہ گئی ہوا نے انہیں اپنی جگہوں سے ایسا اٹھا اٹھا کر پھینکا کہ ان میں کوئی جان ہی نہ تھی۔ یہاں سورۃ القمر میں فرمایا: كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ (گویا کہ وہ کھجور کے درختوں کے تنے تھے جو اکھڑ اکھڑ کر زمین پر گر پڑے) اور سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے: فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (سوائے مخاطب تو اس قوم کو مذکورہ ایام میں پچھاڑے ہوئے دیکھتا ہے گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں جو اندر سے خالی ہیں)۔

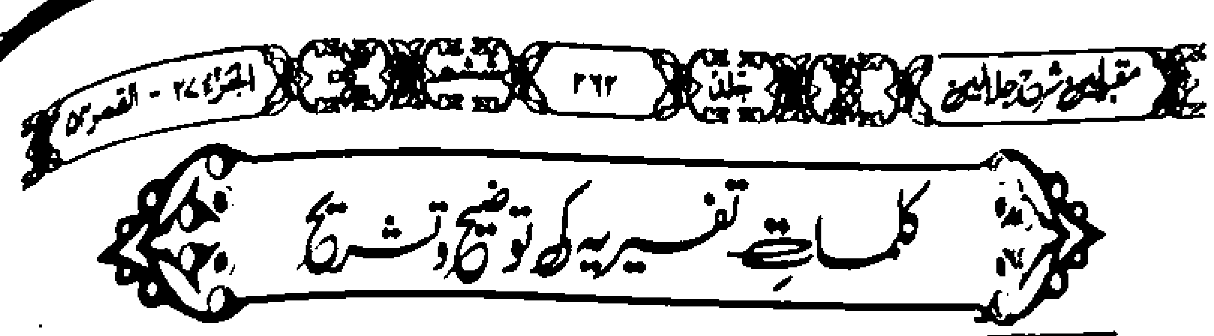
فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ (سو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ اور یہ بات یقینی ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا سو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا)۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ جَمْعُ نَذِيْرٍ بِمَعْنٰى مُنْذِرٍ اَيْ بِالْاُمُوْرِ الَّتِيْ اَنْذَرَهُمْ نَبِيُّهُمْ صَالِحٌ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهِ وَيَتَّبِعُوْهُ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مَنْصُوْبٌ عَلَى الْاِشْتِغَالِ مِّنَّا وَاحِدًا صِفَتَانِ لِبَشَرًا نَّتَّبِعُهٗ مُفَسِّرٌ لِلْفِعْلِ النَّاصِبِ لَهٗ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ الْمَعْنٰى كَيْفَ نَتَّبِعُهٗ وَنَحْنُ جَمَاعَةٌ كَثِيْرَةٌ وَهُوَ وَاحِدٌ مِّنَّا وَلَيْسَ بِمَلِكٍ اَيْ لَا نَتَّبِعُهٗ اِنَّآ اِذًا اَيْ اِنِ اتَّبَعْنَاهُ لَّفِيْ ضَلٰلٍ ذَهَابٍ عَنِ الصَّوَابِ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ جُنُوْنٍ ءَاُلْقِيَ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكِهِ الذِّكْرُ الْوَحْيُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا اَيْ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ بَلْ هُوَ كَذَّابٌ فِيْ قَوْلِهٖ اَنَّهٗ اُوْحِيَ اِلَيْهِ مَا ذَكَرَهُ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ مُتَكَبِّرٌ بَطِرٌ قَالَ تَعَالٰى سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا اَيْ فِي الْاٰخِرَةِ مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ هُمْ بِاَنْ يُعَذَّبُوْا عَلٰى تَكْذِيْبِهِمْ لِنَبِيِّهِمْ صَالِحٍ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ مُخْرِجُوْهَا مِنَ الْهَضْبَةِ الصَّخْرَةِ كَمَا سَاَلُوْا فِتْنَةً مِحْنَةً لَّهُمْ لِنَخْتَبِرَهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ يَا صَالِحُ اَيِ انْتَظِرْ مَا هُمْ صَانِعُوْنَ وَمَا يُصْنَعُ بِهِمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ اَلطَّاءُ بَدَلٌ مِّنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ اَيِ اصْبِرْ عَلٰى اَذَاهُمْ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ مَّقْسُوْمٌ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ النَّاقَةِ فَيَوْمٌ لَّهُمْ وَيَوْمٌ لَّهَا كُلُّ شِرْبٍ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمَاءِ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ يَحْضُرُهُ الْقَوْمُ يَوْمَهُمْ وَالنَّاقَةُ يَوْمَهَا دَامُوْا عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ مَلُّوْهُ فَهَمُّوْا بِقَتْلِ النَّاقَةِ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ قُدَارًا لِيَقْتُلَهَا فَتَعَاطٰى تَنَاوَلَ السَّيْفَ فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ بِهِ النَّاقَةَ اَيْ قَتَلَهَا مُوَافَقَةً لَّهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اَيْ اِنْذَارِيْ لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ اَيْ وَقَعَ مَوْقِعَهٗ وَبَيَّنَهٗ بِقَوْلِهٖ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يَجْعَلُ لِغَنَمِهٖ حَظِيْرَةً مِّنْ يَابِسِ الشَّجَرِ وَالشَّوْكِ يَحْفَظُهُنَّ فِيْهَا مِنَ الذِّئَابِ وَالسِّبَاعِ وَمَا سَقَطَ مِنْ ذٰلِكَ فَدَاسَتْهُ هُوَ الْهَشِيْمُ وَلَقَدْ

يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ۝ اَيْ بِالْاُمُوْرِ الْمُنْذِرَةِ لَهُمْ عَلٰى لِسَانِهٖ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا رِيْحًا تَرْمِيْهِمْ بِالْحَصْبَاءِ وَهِيَ صِغَارُ الْحِجَارَةِ الْوَاحِدَةُ دُوْنَ مِلْءِ الْكَفِّ فَهَلَكُوْا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ وَهُمْ اِبْنَتَاهُ مَعَهٗ نَّجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ مِنَ الْاَسْحَارِ اَيْ وَقْتَ الصُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ وَلَوْ اُرِيْدَ مِنْ يَوْمٍ مُعَيَّنٍ لَمَنَعَ الصَّرْفَ لِاَنَّهٗ مَعْرِفَةٌ مَعْدُوْلٌ عَنِ السَّحَرِ لِاَنَّ حَقَّهٗ اَنْ يُسْتَعْمَلَ فِي الْمَعْرِفَةِ بِاَلْ وَهَلْ اَرْسَلَ الْحَاصِبُ عَلٰى اٰلِ لُوْطٍ اَوْلَا قَوْلَانِ وَعَبَّرَ عَنِ الْاِسْتِثْنَاءِ عَلَى الْاَوَّلِ بِاَنَّهٗ مُتَّصِلٌ وَعَلَى الثَّانِيْ بِاَنَّهٗ مُنْقَطِعٌ وَاِنْ كَانَ مِنَ الْجِنْسِ تَسَمُّحًا نِّعْمَةً مَصْدَرٌ اَيْ اِنْعَامًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ اَيْ مِثْلَ ذٰلِكَ الْجَزَاءِ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝ اَنْعُمَنَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ اَوْ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَرُسُلِهٖ وَاَطَاعَهُمْ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ خَوَّفَهُمْ لُوْطٌ بَطْشَتَنَا اَخْذَتَنَا اِيَّاهُمْ بِالْعَذَابِ فَتَمَارَوْا تَجَادَلُوْا وَكَذَّبُوْا بِالنُّذُرِ ۝ بِاِنْذَارِهٖ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ اَيْ سَاَلُوْهُ اَنْ يُّخَلِّيَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ اَتَوْهُ فِيْ صُوْرَةِ الْاَضْيَافِ لِيَخْبُثُوْا بِهِمْ وَكَانُوْا مَلَائِكَةً فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ اَعْمَيْنَاهَا وَجَعَلْنَاهَا بِلَا شِقٍّ كَبَاقِي الْوَجْهِ بِاَنْ صَفَقَهَا جِبْرَئِيْلُ بِجَنَاحِهٖ فَذُوْقُوْا فَقُلْنَا لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اَيْ اِنْذَارِيْ وَتَخْوِيْفِيْ اَيْ ثَمْرَتَهٗ وَفَائِدَتَهٗ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً وَقْتَ الصُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝ دَائِمٌ مُتَّصِلٌ بِعَذَابِ الْاٰخِرَةِ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ع ۱۸/۹

ترجمہ: ثمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی (نذر، نذیر کی جمع ہے بمعنی منذر یعنی ان باتوں کو جھٹلا دیا۔ جن کے متعلق ان کے پیغمبر حضرت صالحؑ نے یہ کہہ کر ڈرایا تھا کہ اگر یہ ایمان نہ لائے اور انہوں نے پیروی نہ کی تو عذاب آئے گا) چنانچہ کہنے لگے کہ کیا انسان کو (بشراً منصوب ہے بعد والے فعل کے اس میں مشغول اور عامل ہونے کی وجہ سے) جو ہمارے ہی میں سے اکیلا ہو (مناً اور واحداً دونوں بشراً کی صفتیں ہیں) پیروی کریں (نتبعہ فعل عامل کی تفسیر ہے اور استفہام بمعنی نفی ہے یعنی ہم کس طرح اس کی پیروی کر سکتے ہیں جب کہ ہم پوری ایک جماعت ہیں اور وہ اکیلا آدمی ہے پھر بادشاہ بھی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم اس کی اتباع نہیں کر سکتے) اس وقت تو (اگر ہم نے اس کی پیروی کر لی) بڑی گمراہی (غلط راستہ) اور جنون (دیوانگی) میں پڑ جائیں گے۔ کیا نازل ہوئی ہے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کرکے اور بغیر الف کے پڑھا گیا ہے) وحی، اسی پر ہم سب میں سے؟ (یعنی اس پر وحی نازل نہیں ہوئی) بلکہ یہ بڑا جھوٹا (اپنی اس بات میں کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے) شیخی باز (اترانے والا اکڑ باز) ہے (فرمایا) ان کو عنقریب (قیامت میں) معلوم ہو

جائے گا۔ کہ جھوٹا شیخی باز کون تھا؟ (پیغمبر یا مخاطبین، اس طرح کہ صالح نبی کے جھٹلانے پر ان کو عذاب ہوگا) ہم اونٹنی کو ظاہر کرنے والے ہیں (لوگوں کی فرمائش پر ایک پتھر کی چٹان سے) ان کی آزمائش (امتحان) کیلئے۔ سو ان کو دیکھتے بھالتے رہنا (اے صالح دیکھتے رہو کہ یہ کیا کرتے ہیں اور ان کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے) اور صبر سے بیٹھے رہنا (تائے افتعال طاء سے بدل گئی ہے یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا) اور ان لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ پانی بانٹ (تقسیم) کر دیا گیا ہے۔ ان کے درمیان (اور اونٹنی کے درمیان کہ ایک دن ان کی باری اور ایک دن اونٹنی کی) ہر ایک (پانی کی اپنی مقررہ) باری پر آیا کرے (ایک روز قوم کے لوگ آئیں اور ایک دن اونٹنی کا رہے۔ ایک عرصہ تو اسی ڈگر پر چلتے رہے پھر اکتانے لگے اور اونٹنی کو مار ڈالنے کا منصوبہ بنالیا) سو انہوں نے اپنے ساتھی کو (قدار کو اونٹنی مار ڈالنے کیلئے) بلایا۔ سو اس نے (تلوار لے کر) وار کیا اور مار ڈالا (کونچیں کاٹ ڈالیں۔ یعنی ان کے کہنے کے مطابق اسے ختم کر دیا) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (یعنی عذاب آنے سے پہلے ہم نے ان کو خبردار کر دیا تھا۔ حاصل یہ کہ عذاب آکر رہا۔ جس کا بیان آگے ہے) ہم نے ایک ہی چیخ ان پر مسلط کی، سو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑھ لگانے والے کا چورا (سوکھے درختوں اور کانٹوں کی باڑھ جو بکریوں کی حفاظت کیلئے بنائی جاتی ہے تاکہ بھیڑیئے اور درندوں سے بچی رہیں۔ اس میں سے گر کر جو چورا ہوتا رہتا ہے اس کو ہشیم کہا جاتا ہے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ قوم لوط نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ (یعنی ان ہدایات کی۔ جن کے ذریعہ پیغمبروں کی زبانی ان کو ڈرایا گیا) ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسا دیا (ہوائیں پتھریاں برسا رہی تھیں۔ یعنی ایسے چھوٹے پتھر جن میں سے ہر ایک مٹھی بھر ہو نتیجہ یہ کہ وہ لوگ تباہ ہو گئے) البتہ متعلقین لوطؑ (جن میں ان کے ساتھ صاحبزادیاں بھی) ان کو اخیر شب میں بچالیا (ایک غیر معین صبح کو۔ لیکن اگر مقررہ صبح مراد لی جائے تو معرفہ اور السحر سے عدل پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا۔ کیونکہ معرفہ الف لام کے ساتھ استعمال ہونا چاہیے۔ لیکن متعلقین لوط پر پتھراؤ ہوا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ پہلی صورت میں یہ استثناء متصل ہو جائے گا اور دوسری صورت میں ہم جنس ہوتے ہوئے بھی مجازاً استثناء منقطع سمجھا جائے گا) فضل کر کے (مصدر بمعنی انعاماً ہے) اپنی جانب سے۔ ایسے ہی (جیسے یہاں ہوا) ہم بدلہ دیا کرتے ہیں۔ جو شکر کرتا ہے (ہمارے انعامات کا بشرطیکہ مؤمن ہو یا شکر سے مراد اللہ و رسول پر ایمان لانا اور ان کی فرمانبرداری کرنا ہے) اور لوطؑ نے ڈرایا (خوف دلایا) تھا ہمارے دارو گیر سے (عذاب میں ہماری پکڑ سے) سو انہوں نے جھگڑے پیدا کئے (لڑے اور جھٹلایا) اس ڈرانے کو (لوطؑ کے) اور ان لوگوں نے برے ارادہ سے مہمانوں کو لوطؑ سے لینا چاہا (یعنی قوم نے لوط علیہ السلام سے فرمائش کی کہ ان سے ہمیں تنہائی کا موقعہ دیا جائے جو مہمانوں کے روپ میں آئے تھے تاکہ ان کے ساتھ خباثت کریں حالانکہ وہ فرشتے تھے) سو ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کر دیں (انہیں اندھا کر دیا ایسا کہ آنکھوں کا نشان بھی نہ رہا بالکل سپاٹ چہرہ ہو گیا جبرئیلؑ کے پر مار دینے سے) کہ لو چکھو (ہم نے ان سے کہہ دیا) میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ (یعنی میرے خوف دلانے کا ثمرہ اور فائدہ) اور صبح سویرے ہی (غیر معین دن) ان پر دائمی عذاب آپہنچا (جو یہاں سے آخرت تک جاری رہے گا) سو لو، میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: كُلُّ شِرْبٍ : پانی سے فائدہ اٹھانا۔

قوله: تنادوا: موافقت کی، صیحة: چیخ۔

قوله: الْهَشِيْمِ: ٹوٹی ہوئی۔

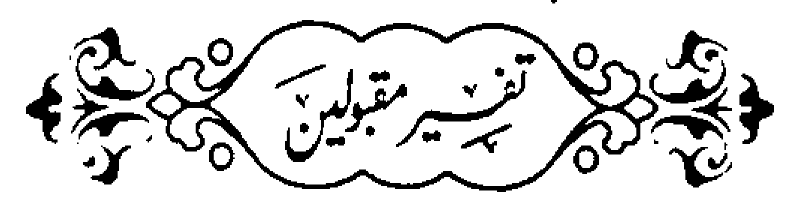
قوله: الْمُحْتَظِرِ : باڑ۔ فدانة: روندد یا ہو۔

قوله: بِسَحَرٍ : باظرفیت کے لیے ہے۔ من الاسحار: یعنی سحر کی غیر معینہ گھڑی میں۔

قوله: نِّعْمَةً : یہ انجینا کا مفعول لہ ہے۔:

قوله: الصفق:: ہاتھ پر ہاتھ مارنا جس کی آواز سنائی دے۔

قوله: لِلذِّكْرِ : کو بار بار لائے تا کہ بتلا دیا جائے کہ عذاب کا مقتضی تکذیب رسول تھا اور آپ کا تذکرہ نہیں کیا کہ آپ کی تکذیب تو بدرجہ اولی اس کی مستحق بنانے والی ہے۔



تفسیر مقبولین

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝

قوم ثمود کی تکذیب اور ہلاکت وتعذیب:

ان آیات میں قوم ثمود کی تکذیب پھر ان کی ہلاکت اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ لوگ قوم عاد کے بعد تھے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر گھر بنا لیتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا انہوں نے ان کو توحید کی دعوت دی خیر کا راستہ دکھایا لیکن ان پر تکبر سوار ہو گیا اور کہنے لگے کہ تم بھی تو انسان ہو اور ہم بھی انسان ہیں پھر ہو بھی تم ہمیں میں سے تم میں کون سی خاص بات ہے جس کی وجہ سے تم نبی بنائے گئے ہم اپنے ہی میں سے ایک آدمی کا اتباع کریں تو یہ بڑی گمراہی کی بات ہے ہم کوئی دیوانے تو نہیں ہیں جو اتنی بات بھی نہ سمجھیں ہم اپنے ہی جیسے آدمی کا اتباع کریں یہ دیوانگی نہیں ہے تو کیا ہے؟ اس کی ہماری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ اس شخص پر وحی نہیں آتی اپنی بڑائی جتانے کے لیے اور بڑا بننے کے لیے اس نے یہ بات نکالی ہے کہ میں رسول ہوں نبی ہوں تا کہ قوم اس کو بڑا مانے کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ انہیں عنقریب کل ہی پتہ چل جائے گا کون ہے بہت جھوٹا شیخی بگھارنے والا، یہ لوگ خود بڑے جھوٹے ہیں اور شیخی خورے ہیں اسی لیے اللہ کے نبی کو نہیں مانتے۔ اپنے جھوٹ کا اور شیخی بگھارنے کا مزہ عنقریب چکھ لیں گے۔

نے معجزہ کے طور پر حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ پہاڑ سے ایک اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ہم ان لوگوں نے تمہاری نبوت کے اقراری ہو جائیں گے، اللہ جل شانہ، نے ایک بڑی اونٹنی ظاہر فرما دی سب نے دیکھ لیا کہ اونٹنی پہاڑ سے برآمد ہوئی۔ چونکہ اللہ کی اونٹنی تھی جو بطور معجزہ ظاہر کی گئی تھی اس لیے خوب زیادہ کھاتی پیتی تھی۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا: هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے بڑی نشانی ہے۔ سواسے تم چھوڑے رکھو۔ اللہ کی زمین میں کھاتی رہے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا)۔

ان لوگوں کا ایک کنواں تھا جس سے پانی بھرتے اور اپنے مویشیوں کو پلاتے تھے اللہ کی اس اونٹنی کو بھی پانی پینے کی ضرورت تھی حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتادیا: لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (اس کے لیے پانی پینے کی باری ہے اور ایک دن تمہارے پینے کے لیے باری مقرر ہے) اس مضمون کو یہاں سورۃ قمر میں یوں بیان فرمایا: اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ (کہ ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں ان لوگوں کی آزمائش کے لیے (اے صالح) ان کو دیکھتے رہیے اور صبر کیجئے)۔

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ (اور انہیں بتادیجئے کہ بیشک پانی ان کے درمیان بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہوا کرے)۔ یہ لوگ اس اونٹنی سے تنگ آگئے اس کا اپنے نمبر پر پانی پینا ناگوار ہوا لہٰذا آپس میں مشورہ کیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے ان میں سے ایک آدمی قتل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ لوگوں نے اسے پکارا اس نے ہاتھ میں تلوار لی اور اونٹنی کو مار ڈالا پہلے سے ان کو بتادیا گیا تھا کہ اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ لگاؤ تو تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا، جب اسے قتل کر دیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بتادیا۔ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ (اپنے گھروں میں تم تین دن بسر کرلو (اس کے بعد عذاب آجائے گا) ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (یہ وعدہ سچا ہے جھوٹا نہیں) پورا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ تین دن بعد عذاب آیا اور تمام کافر ہلاک کر دیئے گئے اور مؤمنین عذاب سے محفوظ رہے۔ ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ (بلاشبہ ہم نے ان پر ایک چیخ بھیج دی سووہ سب اس طرح ہلاک ہو کر رہ گئے جیسے کھیتی کی حفاظت کے لیے باڑ لگانے والے کی باڑ کا چورا چورا ہو جاتا ہے) یعنی ان کی جانیں تو گئیں جسم بھی باقی نہ رہے، چورا چورا ہو کر رہ گئے۔ یہ بات تقریباً وہی ہے جیسے اصحاب فیل کے بارے میں: فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ فرمایا ہے۔ انہیں ایسا بنادیا جیسے کھایا ہوا بھوسہ ہو)۔ سورۃ ہود اور سورۃ قمر میں فرمایا ہے کہ ان کے ہلاک کرنے کے لیے ایک چیخ بھیجی گئی اور سورۃ الاعراف میں فرمایا: فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ کہ انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا، چونکہ دونوں ہی طرح کا عذاب آیا تھا اس لیے کہیں چیخ کا تذکرہ فرمایا اور کہیں زلزلہ کا، عذاب کا تذکرہ فرمانے کے بعد یہاں بھی فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ فرمایا (سو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا) اور آخر میں آیت کریمہ: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ کا اعادہ فرمادیا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾

سیدنا لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا، اور قوم کا کفر پر اصرار کرنا، معاصی پر جما رہنا اور آخر میں ہلاک ہونا:

ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی نافرمانی اور ہلاکت کا ذکر ہے، حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کے وطن سے ہجرت کر کے آئے تھے دونوں نے ملک شام میں قیام فرمایا حضرت لوط علیہ السلام چند بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے ان میں بڑی بستی کا نام سدوم تھا ان بستیوں کے رہنے والے برے لوگ تھے۔ برے اخلاق اور برے اعمال میں مشغول رہتے تھے مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا توحید کی دعوت دی برے افعال سے روکا لیکن ان لوگوں نے ایک نہ سنی اور اپنی بدمستی میں مشغول رہے، بالآخر ان پر عذاب آ ہی گیا۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے جو فرشتے بھیجے وہ اولاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے کہا: إِنَّا مُهْلِكُوٓا أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ (کہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں تو لوط علیہ السلام ہیں پوری بستی کیسے ہلاک ہوگی؟ فرشتوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس میں کون کون ہے، ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے ہاں ان کی بیوی ہلاک ہو جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی پھر وہاں سے چل کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے چونکہ یہ فرشتے انسانی صورت میں تھے اور خوبصورت شکل میں آئے تھے اس لیے ان کو دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام رنجیدہ ہوئے اور انہیں خیال آیا کہ یہ میرے مہمان ہیں۔ خوبصورت ہیں اندیشہ ہے کہ گاؤں والے ان کے ساتھ بری حرکت کا ارادہ نہ کرلیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ لوگ جلدی جلدی دوڑتے ہوئے آئے اور اپنا مطلب پورا کرنا چاہا جیسے وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِ میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ میری بیٹیاں ہیں یعنی امت کی لڑکیاں جو گھروں میں موجود ہیں ان سے کام چلاؤ یعنی نکاح کرو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا اور یہ بھی بتایا کہ اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ، ورنہ سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن وہ لوگ نہ مانے، حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب کرتے رہے اور عذاب آنے میں بھی شک اور تردد کرتے رہے جب انہوں نے بات نہ مانی تو اولاً یہ عذاب آیا کہ ان کی آنکھوں کو مطموس کر دیا گیا یعنی ان کے چہرے بالکل سپاٹ ہو گئے آنکھیں بالکل ہی نہ رہیں۔ اللہ پاک کی طرف سے اعلان ہو گیا۔ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ (سو تم میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا نتیجہ چکھ لو)۔

جب ہلاکت والا عذاب آنے کا وقت قریب ہوا تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنی بیوی کے علاوہ رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے اور برابر چلتے جائیے تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے صبح کے وقت ان لوگوں پر عذاب نازل ہو جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو اللہ کا حکم آ گیا جو فرشتے عذاب کے لیے بھیجے گئے تھے انہوں نے ان بستیوں کا تختہ اٹھا کر پلٹ دیا نیچے کی زمین اوپر اور اوپر کی زمین نیچے ہو گئی وہ سب لوگ اس میں دب کر مر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اوپر سے پتھر بھی برسا دیئے جو کنکھر کے پتھر تھے وہ لگاتار برس رہے تھے۔ ان پتھروں پر نشان بھی لگے ہوئے تھے، بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے ہر پتھر جس شخص پر پڑتا تھا اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اس کو سورۃ ہود میں مُسَوَّمَة یعنی نشان زدہ فرمایا ہے۔

(کما ذکرہ فی معالم التنزیل وفیہ اقوال اخر)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اس علاقہ میں موجود تھے ان پر زمین الٹنے کا عذاب آیا اور جو لوگ ادھر ادھر نکلے ہوئے تھے ان پر پتھر برسائے گئے اور پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہد تابعیؒ سے کسی نے پوچھا کیا قوم لوط میں سے کوئی رہ گیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کوئی باقی نہ رہا تھا ہاں ایک شخص زندہ بچ گیا تھا جو مکہ معظمہ میں تجارت کے لیے گیا ہوا تھا وہ چالیس دن کے بعد حرم سے نکلا تو اس کو بھی پتھر لگ گیا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

سورۂ ہود میں ان لوگوں کی زمین کا تختہ الٹنے کا اور پتھروں کی بارش کا ذکر ہے اور یہاں سورۃ القمر میں اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا فرمایا ہے علامہ قرطبی نے اولاً ابوعبیدہ سے نقل کیا کہ اس سے پتھر مراد ہیں پھر صحاح سے نقل کیا ہے کہ: الحاصب الريح الشديدة التي تطير الحصباء کہ حاصب اس ہوا کو کہا جاتا ہے جو کنکریاں اڑاتی ہوئی چلے اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں پر جو پتھر برسائے گئے تھے۔ ان پتھروں کو تیز ہوا لے کر آئی تھی۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ قومه معه النُّذُرُ ۝ الإنذار على لسان موسى وهارون فلم يؤمنوا بل كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا اي التسع التي اوتيها موسى فَاَخَذْنٰهُمْ بالعذاب اَخْذَ عَزِيْزٍ قوي مُّقْتَدِرٍ ۝ قادر لا يعجزه شيء اَكُفَّارُكُمْ يا قريش خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ المذكورين من قوم نوح الى فرعون فلم يعذبوا اَمْ لَكُمْ يا كفار قريش بَرَآءَةٌ من العذاب فِي الزُّبُرِ ۝ الكتب والاستفهام في الموضعين بمعنى النفي اي ليس الامر كذلك اَمْ يَقُوْلُوْنَ اي كفار قريش نَحْنُ جَمِيْعٌ اي جمع مُّنْتَصِرٌ ۝ على محمد ولما قال ابو جهل يوم بدر انا جمع منتصر نزل سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ فهزموا ببدر ونصر رسول الله صلى الله عليه وسلم بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ بالعذاب وَالسَّاعَةُ اي عذابها اَدْهٰى اعظم بلية وَاَمَرُّ ۝ اشد مرارة من عذاب الدنيا اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ هلاك بالقتل في الدنيا وَسُعُرٍ ۝ نار مسعرة بالتشديد اي مهيجة في الآخرة يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ اي في الآخرة ويقال لهم ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اصابة جهنم لكم اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ منصوب بفعل يفسره خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ بتقدير حال من كل اي مقدرا وقرئ كل بالرفع مبتدأ خبره خلقناه وَمَآ اَمْرُنَآ لشيء نريد وجوده اِلَّا مرة وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝ في السرعة وهي كن فيوجد انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ اشباهكم في الكفر من الامم الماضية فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ استفهام

بمعنی الامر ای اذکروا واتعظوا وَ كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ اي العِبادُ مَكْتُوْبٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ كتب الحفظة وَ كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مِنَ الذنب او العمل مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ مكتتب في اللوح المحفوظ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ بساتين وَّ نَهَرٍ ﴿۵۴﴾ اُريدَ به الجنس وقُرِئَ بضم النون والهاء جمعًا كاسد واسد المعنى انهم يشربون من انهارها الماء واللبن والعسل والخمر فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ مجلس حق لا لغو فيه ولا تأثيم واُريد به الجنس وقُرِئَ مقاعد المعنى انهم في مجالس من الجنات سالمة من اللغو والتأثيم بخلاف مجالس الدنيا فقل ان تسلم من ذلك واعرب هذا خبرًا ثانيًا وبدلًا وهو صادق ببدل البعض وغيره عِنْدَ مَلِيْكٍ مثال مبالغة اي عزيز الملك واسعه مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ قادر لا يعجزه شيء وهو الله تعالى وعند اشارة الى الرتبة والقدرة من فضله تعالى ع

ترجمہ: اور فرعون (اور اس کی قوم) کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں پہنچیں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی زبانی مگر وہ ایمان نہیں لائے بلکہ) ان لوگوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا (یعنی وہ نو نشانیاں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں) سو ہم نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا صاحب قوت کا پکڑنا (جس کو کوئی عاجز نہ کر سکے) کیا (اے قریشیو!) تم میں جو کافر ہیں، ان میں ان لوگوں سے کچھ فضیلت ہے (جن کا ذکر ابھی قوم نوحؑ سے لے کر آل فرعون تک ہوا ہے کیا ان کو عذاب نہیں دیا گیا) یا تمہارے لئے (اے کفار قریش) معافی ہے (عذاب سے) کتابوں میں (دونوں جگہ استفہام معنی میں نفی کے ہے یعنی یہ بات نہیں ہے) یا یہ لوگ (کفار قریش) کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے (محمدؐ کے مقابلہ میں ابوجہل نے جب جنگ بدر میں یہ نعرہ لگایا کہ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ تو جواب نازل ہوا) عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (چنانچہ غزوہ بدر میں ہار گئے اور آنحضرتؐ کی ان کے مقابلہ میں مدد ہوئی) بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے (عذاب کیلئے) اور قیامت (کا عذاب) بڑی سخت (بھاری مصیبت) ناگوار چیز ہے (عذاب دنیا کے مقابلہ میں نہایت تلخ) یہ مجرمین نری غلطی (دنیا کی تباہی) اور دہکتی آگ میں ہوں گے (جو آخرت میں نہایت بھڑکتی ہوگی) جس روز یہ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے (آخرت کے روز ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کے (تمہیں) چھونے کا مزہ چکھو۔ یقیناً ہم نے ہر چیز کو (یہ منصوب ہے اس فعل سے جس کی تفسیر آگے ہے) انداز سے پیدا کیا ہے (ناپ تول کر یہ حال ہے "كُلَّ شَيْءٍ" سے بمعنی مقدرا اور ایک قراءت میں کل رفع کے ساتھ مبتداء ہے جس کی خبر خَلَقْنَاهُ ہے) اور ہمارا

ھا جس چیز کے موجود کرنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں) ایسا یکبارگی ہو جاتا ہے جیسے پلک جھپکانا (آنا فانا یعنی کن
کہنے پر وہ فوراً چیز موجود ہو جاتی ہے۔ اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ اور ہم تم جیسے
لوگوں کو (جو گزشتہ امتوں میں تمہاری طرح کفر میں گزر چکے ہیں) ہلاک کر چکے ہیں۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے
والا ہے (استفہام امر کے معنی میں ہے یعنی دھیان کرو اور سمجھو) اور ہر وہ چیز جو کرتے ہیں (بندے وہ لکھی
ہوئی) اعمالناموں میں ہے (کراما کاتبین کے دفتروں میں) اور ہر چھوٹی بڑی چیز (گناہ یا عمل کی) لکھی ہوئی ہے
(لوح محفوظ میں درج ہے) پرہیزگار لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے (نہر سے جنس مراد ہے ایک قراۃ میں
نون اور ہائے ضمہ کے ساتھ ہے جیسے اسد اور اُسد۔ حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جنت میں پانی، دودھ، شہد اور شراب کی
نہروں سے سیراب ہوں گے) ایک عمدہ مقام میں (شائستہ محفل میں، جہاں نہ فضول بات ہوگی اور نہ غلط چیز۔ اس
سے جنس مراد ہے۔ ایک قراءت میں مقاعد ہے یعنی پرہیزگار جنت کی ایسی محفلوں میں ہوں گے جس میں نہ فضول
گوئی ہوگی اور نہ گناہ کی چیز۔ برخلاف دنیا کی مجالس کے جو بہت کم ان سے پاک ہوتی ہیں۔ یہ ترکیب میں خبر ثانی
اور بدل ہو سکتا ہے بدل البعض ہو یا دوسری قسم) بادشاہ کے پاس (ملیک مبالغہ کا وزن ہے یعنی وسیع سلطنت کا
مالک) جو قدرت والا ہے (جسے کوئی بھی دبا نہیں سکتا۔ یعنی حق تعالیٰ اور عندمرتبہ وعظمت کیلئے ہے جو فضل الٰہی سے
حاصل ہوگا)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: اَخْذَ عَزِیْزٍ : زبردست۔ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے ای اخذ شخص عزیز۔

قولہ: مُنْتَصِر : بدلہ لینے والا۔

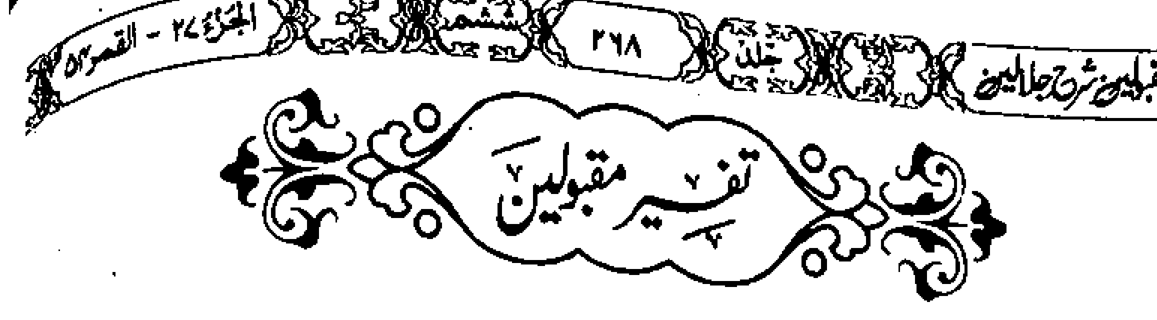
قولہ: مُہیِّجَۃٌ : بھڑکانے والی۔

قولہ: یُسْحَبُوْنَ : کھینچا جائے گا۔

قولہ: مَسَّ سَقَرَ : آگ کی حرارت۔ جہنم کی تکلیف۔

قولہ: نَھَرٍ : کی جمع نہر، پانی چلنے کا نالہ۔

قولہ: مِثَالِ مُبَالَغَۃٍ : کرامۃ میں مبالغہ کے طور پر ذکر فرمایا۔



وَ لَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾

سچائی کے دلائل سے اعراض کرنے والی اقوام:

فرعون اور اس کی قوم کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بشارت اور ڈراوے لے کر آتے ہیں بڑے بڑے معجزے اور زبردست نشانیاں اللہ کی طرف سے انہیں دی جاتی ہیں جو ان کی نبوت کی حقانیت پر پوری پوری دلیل ہوتی ہیں۔ لیکن یہ فرعونی ان سب کو جھٹلاتے ہیں جس کی بدبختی میں ان پر عذاب الٰہی نازل ہوتے ہیں اور انہیں بالکل ہی سوکھے تنکوں کی طرح اڑا دیا جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے اے مشرکین قریش اب بتلاؤ تم ان سے کچھ بہتر ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے لئے اللہ نے اپنی کتابوں میں چھوٹ دے رکھی ہے؟ کہ ان کے کفر پر تو انہیں عذاب کیا جائے لیکن تم کفر کئے جاؤ اور تمہیں کوئی سزا نہ جائے؟ پھر فرماتا ہے کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں آپ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے اور ہمیں کوئی برائی ہماری کثرت اور جماعت کی جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا انہیں ہزیمت دی جائے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھریں گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ بدر والے دن اپنی قیام گاہ میں رسول اللہ ﷺ اپنی دعا فرما رہے تھے اے اللہ تجھے تیرا عہد و پیمان یاد دلاتا ہوں اے اللہ اگر تیری چاہت یہی ہے کہ آج کے دن کے بعد سے تیری عبادت و وحدانیت کے ساتھ زمین پر کی ہی نہ جائے بس اتنا ہی کہا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ بس کیجئے آپ نے بہت فریاد کر لی۔ اب آپ اپنے خیمے سے باہر آئے اور زبان پر دونوں آیتیں: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر: ۴۵) جاری تھیں، حضرت عمر فرماتے ہیں اس آیت کے اترنے کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ اس سے مراد کونسی جماعت ہوگی؟ جب بدر والے دن میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ زرہ پہنے ہوئے اپنے کیمپ سے باہر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے، اس دن میری سمجھ میں اس کی تفسیر آ گئی۔ بخاری میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں میری چھوٹی سی عمر تھی۔ اپنی ہجولیوں میں کھیلتی پھرتی تھی اس وقت یہ آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (القمر: ۴۶) اتری ہے۔ یہ روایت بخاری میں فضائل القرآن کے موقع پر مطول مروی ہے مسلم میں یہ حدیث نہیں۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾

اہل مکہ سے خطاب تم بہتر ہو یا ہلاک شدہ قومیں بہتر تھیں:

اس کے بعد اہل مکہ سے خطاب فرمایا: اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ کہ اے اہل مکہ حضرت نوح اور حضرت ہود اور حضرت صالح کی قومیں اور فرعون اور آل فرعون یہ سب لوگ جو ہلاک کیے گئے ان کے اور اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تمہارے کافر بہتر ہیں یا وہ لوگ بہتر تھے، یعنی ان کی قوت اور سامان اور تعداد زیادہ نہ تھی؟ یا تم ان سے قوت میں بڑھ کر ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قوت و طاقت اور مال و اسباب میں تم سے کہیں زیادہ تھے، انہوں نے حضرات

پر اپنی تکذیب کی، تکذیب اور انکار کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے، تم نے اپنے بارے میں جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم پر کفر کا
... غور کر لو اور سوچ لو کیا تمہارا یہ سمجھنا صحیح ہے؟ خوب سمجھ لو یہ صحیح نہیں ہے۔ گھمنڈ میں مت رہو۔

... فِي الزُّبُرِ ﴿ (کیا تمہارے پاس معافی کی ایسی کوئی دلیل ہے جو پرانی کتابوں سے منقول ہو) جس پر بھروسہ
... کیے ہو کہ پرانی قوموں پر جو عذاب آیا وہ تم پر نہیں آئے گا اور کفر کے باوجود تم محفوظ رہو گے، یہ بھی استفہام انکاری
... کہ تمہارے پاس ایسی کوئی بات بھی محفوظ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی سابقہ کتب سے منقول ہو جس میں یہ لکھا ہو
... مطلب یہ ہے کہ ... عذاب میں مبتلا نہ ہو گے، نہ قوت میں ان لوگوں سے بڑھ کر ہو نہ تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو سابقہ کتب سے
... کفر کے باوجود تمہاری حفاظت کی ذمہ دار اور ضمانت لے رہی ہو، جب دونوں باتیں نہیں ہیں تو کفر پر اصرار کرنا
...
... نہیں تو کیا ہے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

ان لوگوں کو اپنی جمعیت اور جتھے اور اپنی طاقت و قوت پر جو ناز، اور جو زعم اور گھمنڈ ہے کہ ہم بڑی مضبوط قوت کے مالک
جمعیت اور جتھے والے ہیں ہمیں اپنی جگہ سے کوئی ہلا نہیں سکتا۔ بلکہ ہم ہمیشہ اور ہر حال میں غالب ہی رہیں گے، تو یہ محض ان
کی خام خیالی اور ان کا زعم باطل ہے، اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آگے ٹکنا کسی کے بس کا روگ نہیں ہو سکتا۔ وہ قادر مطلق بڑی ہی
قوت اور عظمت والا ہے۔ سو مادہ پرست ابناء دنیا کو چونکہ اپنے مادی ذرائع و وسائل پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے، اس لئے ان کو یہ بات
سمجھ نہیں آتی کہ ان پر عذاب کہاں سے اور کس طرح آئے گا۔ اس لئے وہ اپنے حریفوں کی کسی تہدید اور وعید کو خاطر میں نہیں
لاتے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ اپنے رسولوں کے انذار پر بھی کان نہیں دھرتے، یہاں تک کہ ان پر اللہ کا عذاب آ کر رہتا ہے،
اور وہ اس میں گھر کر رہتے ہیں، مگر اس وقت ان کے پچھتانے سے ان کو کوئی فائدہ بہرحال نہیں ہوتا۔ سو ان کے لئے تنبیہ کے طور
پر فرمایا گیا کہ عنقریب ہی ان کی یہ جمعیت شکست کھائے گی جس کا ان کو بڑا گھمنڈ ہے، اور ان کو پیٹھ پھیر کر بھاگنا پڑے گا۔ پس
ان کیلئے صحت و سلامتی کی راہ یہی ہے کہ یہ آج اپنی اس باغیانہ روش اور اپنے کبر و غرور سے باز آ جائیں، ورنہ ان کا انجام بڑا ہی
برا اور نہایت ہی ہولناک ہو گا،

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿۴۶﴾

اس ارشاد سے صاف و صریح طور پر اس اہم حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ اسی دنیاوی ہزیمت و پامالی اور تذلیل و رسوائی پر
بس نہیں، بلکہ ان کے اصل عذاب کا وقت تو قیامت کا دن ہے اور قیامت کی وہ گھڑی انتہائی ہولناک اور بڑی ہی تلخ گھڑی
ہو گی۔ اتنی تلخ اور اس قدر ہولناک کہ اس کی ہیبت و دہشت اور تلخی و مرارت کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، ہزیمت اور پامالی سے تو یہ
لوگ عنقریب اس دنیا میں ہی دو چار ہوں گے، لیکن اسی پر بس نہیں بلکہ ان کے عذاب کا اصل مقام اور وعدہ آخرت میں ہے،
اور وہ ان کے لئے بڑا ہی کٹھن اور نہایت ہی کڑوا ہو گا۔ یہاں پر یہ امر واضح رہنا چاہیے کہ حضرات انبیاء و رسل کی تکذیب کرنے
والے اس دنیا میں بھی لازماً شکست و عذاب سے دو چار ہوتے ہیں لیکن بات اسی عذاب پر ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ ان کے لیے
اصل عذاب آخرت کے اس جہاں میں ہوتا ہے اور وہ اس دنیا کے خاتمے کے فوری اور متصل بعد قائم ہو گا بالکل اسی طرح جس
طرح آج کے بعد آنے والا کل، اسی حقیقت کے اظہار و بیان کیلئے دوسرے مقام پر اس کیلئے غد یعنی آنے والا کل کا لفظ استعمال

فرمایا گیا، اور ارشاد ہوتا ہے: (ولتنظر نفس ما قدمت لغد) یعنی ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے آنے والے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے اور آخرت کا جو کہ جزاء و سزا کا جہاں ہے اور وہ عذاب اس دنیاوی عذاب سے کہیں بڑھ کر سخت اور ہولناک ہو(گا) جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ (کذلک العذاب ولعذاب الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون) [القلم: ۳۳ پ۲۹]
سو اس آیت کریمہ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝٤٧

شکوک و شبہات کے مریض لوگ:

بدکار لوگ گمراہ ہو چکے ہیں راہ حق سے بھٹک چکے ہیں اور شکوک و اضطراب کے خیالات میں ہیں۔ یہ لوگ خواہ کفار ہوں خواہ اور فرقوں کے بدعتی ہوں۔ ان کا یہ فعل انہیں اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹوائے گا اور جس طرح یہاں غافل ہیں وہاں اس وقت بھی بے خبر ہوں گے کہ نہ معلوم کس طرف لئے جاتے ہیں۔ اس وقت انہیں ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کہا جائے گا کہ اب آتش دوزخ کے لگنے کا مزہ چکھو ہم نے ہر چیز کو طے شدہ منصوبہ سے پیدا کیا ہے جیسے اور آیت میں ہے ہر چیز کو ہم نے پیدا کیا پھر اس کا مقدر مقرر کیا۔ اور جگہ فرمایا اپنے رب کی جو بلند و بالا ہے پاکی بیان کر جس نے پیدا کیا اور درست کیا اور محور عمل مقرر کیا اور راہ دکھائی۔ یعنی تقدیر مقرر کی پھر اس کی طرف رہنمائی کی ائمہ اہل سنت نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر ان کی پیدائش سے پہلے ہی لکھ دی ہے یعنی ہر چیز اپنے ظہور سے پہلے اللہ کے ہاں لکھی جا چکی ہے فرقہ قدریہ اس کا منکر ہے یہ لوگ صحابہ کے آخر زمانہ میں ہی نکل چکے تھے۔ اہل سنت ان کے مسلک کے خلاف اس قسم کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں اور اس مضمون کی احادیث بھی اور اس مسئلہ کی مفصل بحث میں ہم صحیح بخاری کتاب الایمان کی شرح میں لکھ دی ہیں یہاں صرف وہ حدیثیں لکھتے ہیں جو مضمون آیت کے متعلق ہیں، حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں مشرکین قریش رسول اللہ ﷺ سے تقدیر کے بارے میں بحث کرنے لگے اس پر یہ آیتیں اتریں (مسند احمد مسلم وغیرہ) بروایت حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ یہ آیتیں منکرین تقدیر کی تردید ہی میں اتری ہیں (بزار) ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا یہ میری امت کے ان لوگوں کے حق میں اتری ہے جو آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے اور تقدیر کو جھٹلائیں گے۔ حضرت عطاء بن ابورباح فرماتے ہیں میں حضرت ابن عباس کے پاس آیا آپ اس وقت چاہ زمزم سے پانی نکال رہے تھے آپ کے کپڑوں کے دامن بھیگے ہوئے تھے میں نے کہا تقدیر کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے لوگ اس مسئلہ میں موافق و مخالف ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا لوگوں نے واقعی ایسا ہی کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں ایسا ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ آیتیں انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں: (ذوقوا مس سقر انا کل شئ خلقناہ بقدر) یاد رکھو یہ لوگ اس امت کے بدترین لوگ ہیں ان کے بیماروں کی تیمارداری نہ کرو ان کے مردوں کے جنازے نہ پڑھو ان میں سے اگر کوئی مجھے مل جائے تو میں اپنی ان انگلیوں سے اس کی آنکھیں نکال دوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس کے سامنے ذکر آیا کہ آج ایک شخص آیا ہے جو منکر تقدیر ہے فرمایا اچھا مجھے اس کے پاس لے چلو لوگوں نے کہا آپ نابینا ہے آپ اس کے پاس چل کر کیا کریں گے؟ فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میرا بس چلا تو میں اس کی ناک توڑ دوں گا اور اگر اس کی گردن میرے ہاتھ میں آ گئی تو مروڑ دوں گا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بنو

ہری ورنبی خزرج کے اردگرد طواف کرتی پھرتی ہیں ان کے جسم حرکت کرتے ہیں وہ مشرکہ عورتیں ہیں اس امت کا پہلا شرک
یہی ہے اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی بے سمجھی یہاں تک بڑھے گی کہ اللہ تعالیٰ کو بھلائی کا مقرر کرنے
والا بھی نہ مانیں گے جس طرح برائی کا مقدر کرنے والا نہ مانا (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمر کا ایک دوست شامی تھا جس سے
آپ کی خط و کتابت تھی حضرت عبداللہ نے کہیں سے سن پایا کہ وہ تقدیر کے بارے میں کچھ موشگافیاں کرتا ہے آپ نے جھٹ
سے اسے خط لکھا کہ میں نے سنا ہے تو تقدیر کے مسئلہ میں کچھ کلام کرتا ہے اگر یہ سچ ہے تو بس مجھ سے خط و کتابت کی امید نہ رکھنا
آج سے بند سمجھنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ میری امت میں تقدیر کو جھٹلانے والے لوگ ہوں گے (ابوداؤد)
رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر امت کے مجوس ہوتے ہیں میری امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہوں اگر وہ بیمار
پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازے نہ پڑھو (مسند احمد) اس امت میں مسخ ہوگا یعنی لوگوں کی صورتیں
بدل دی جائیں گی یاد رکھو یہ ان میں ہوگا جو تقدیر کو جھٹلائیں اور زندیقیت کریں (ترمذی وغیرہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ایک
کی تقدیر مقرر کردہ اندازے سے ہے یہاں تک کہ نادانی اور عقل مندی بھی (مسلم) صحیح حدیث میں ہے اللہ سے مدد طلب کر اور
عاجز و بیوقوف نہ بن پھر اگر کوئی نقصان پہنچ جائے تو کہہ دے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا تھا اور جو اللہ نے چاہا کیا پھر یوں نہ کہہ کہ
اگر یوں کرتا تو یوں ہوتا اس لئے کہ اس طرح اگر کہنے سے شیطانی عمل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابن
عباس سے فرمایا کہ جان رکھ اگر تمام امت جمع ہو کر تجھے وہ نفع پہنچانا چاہے جو اللہ تعالیٰ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا تو نہیں پہنچا
سکتی اور اگر سب اتفاق کر کے تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں اور تیری تقدیر میں وہ نہ ہو تو نہیں پہنچا سکتے قلمیں خشک ہو چکیں اور
دفتر لپیٹ کر تہہ کر دیئے گئے۔ حضرت ولید بن عبادہ نے اپنے باپ حضرت عبادہ بن صامت کی بیماری میں جبکہ ان کی حالت
بالکل غیر تھی کہا کہ ابا جی ہمیں کچھ وصیت کر جائیے آپ نے فرمایا اچھا مجھے بٹھاؤ جب لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا تو آپ نے فرمایا
اے میرے پیارے بچے ایمان کا لطف تجھے حاصل نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کے متعلق جو علم تجھے ہے اس کی تہہ تک تو نہیں پہنچ سکتا
جب تک تیرا ایمان تقدیر کی بھلائی برائی پر پکا نہ ہو میں نے پوچھا ابا جی میں یہ کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ میرا ایمان تقدیر کے خیر و
شر پر پختہ ہے؟ فرمایا اس طرح کہ تجھے یقین ہو کہ جو تجھے نہ ملا وہ ملنے والا ہی نہیں اور جو تجھے پہنچا وہ ٹلنے والا ہی نہ تھا میرے بچے
سنو! میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے فرمایا لکھ
پس وہ اسی وقت چل پڑا اور قیامت تک جو ہونے والا تھا سب لکھ ڈالا اے بیٹے اگر تو انتقال کے وقت تک اس عقیدے پر نہ
رہے تو تو جہنم میں داخل ہوگا ترمذی میں یہ حدیث ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں حسن صحیح غریب ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے
ہیں تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ چار باتوں پر اس کا ایمان نہ ہو گواہی دے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ
ہی ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں جسے اس نے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور مرنے کے بعد جینے پر ایمان رکھے اور تقدیر کی بھلائی
برائی منجانب اللہ ہونے کو مانے (ترمذی وغیرہ) صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے
مخلوقات کی تقدیر لکھی جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا امام ترمذی اسے حسن صحیح غریب کہتے ہیں۔ پھر پروردگار عالم اپنی چاہت اور
احکام کے بے روک ٹوک جاری اور پورا ہونے کو بیان فرماتا ہے کہ جس طرح جو کچھ میں نے مقدر کیا ہے وہ اگر وہی ہوتا ہے تو
ٹھیک اسی طرح جس کام کا میں ارادہ کروں صرف ایک دفعہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے دوبارہ تاکیداً حکم دینے کی ضرورت نہیں ہوتی
ہے ایک آنکھ جھپکنے کے برابر وہ کام میری حسب چاہت ہو جاتا ہے عرب شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے

اذا ما اراد اللہ امرا فانما یقول لہ کن فیکون

یعنی اللہ تعالیٰ جب بھی جس کسی کام کا ارادہ کرتا ہے صرف فرما دیتا ہے کہ ہوجا وہ اسی وقت ہوجاتا ہے ہم نے تم جیسوں کو تم سے پہلے ان کی سرکشی کے باعث فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے پھر تم کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ان کے عذاب اور ان کی رسوائی کے واقعات میں کیا تمہارے لئے نصیحت و تذکیر نہیں؟ جیسے اور آیت میں فرمایا: وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ (سبا: ۵۴) یعنی ان کے اور ان کی چاہ کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا ہے جیسے کہ ہم نے ان جیسے پہلے والوں کے ساتھ کیا تھا۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے نامہ اعمال میں مکتوب ہے جو اللہ کے امین فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہے۔ ان کا ہر چھوٹا بڑا عمل جمع شدہ ہے اور لکھا ہوا ہے۔ ایک بھی تو ایسا نہیں رہا جو تحریر میں رہ گیا ہو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں صغیرہ گناہ کو بھی ہلکا نہ سمجھو اللہ عزوجل کی طرف سے اس کا بھی مطالبہ پورا ہونے والا ہے (نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ) حضرت سلیمان بن مغیرہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوگیا جسے میں نے حقیر سمجھا رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک آنے والا آیا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے اے سلیمان

لا تحقرن من الذنوب صغیرا ان الصغیر غدا یعود کبیرا

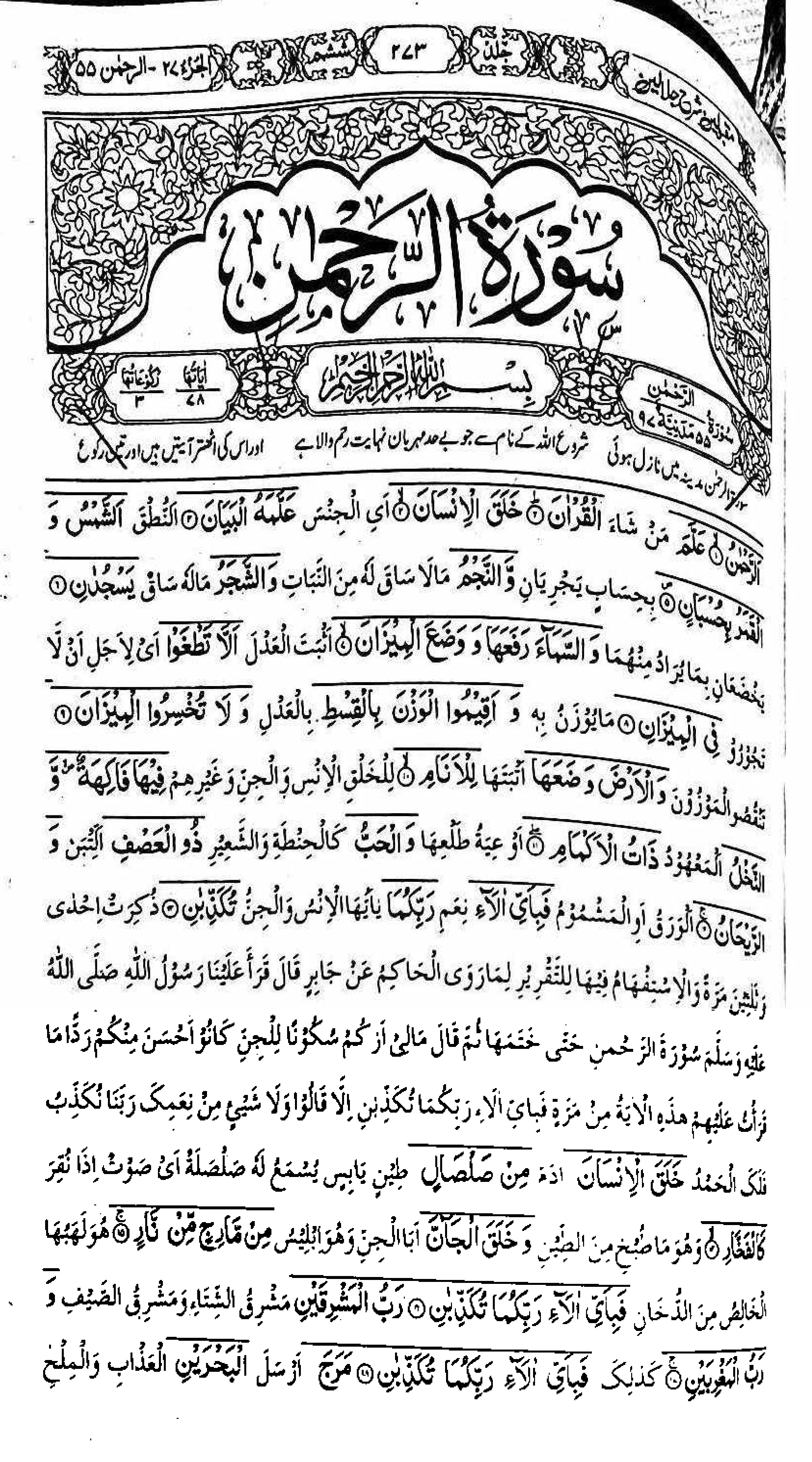
ان الصغیر ولو تقادم عہدہ عند اللہ مسطر تسطیرا

فازجر ھواک عن البطالۃ لا تکن صعب القیاد و شمرن تشمیرا

ان المحب اذا احب الھہ طار الفواد والھم التفکیر

فاسال ھدایتک الالہ فتشد فکفی بربک ھادیا و نصیرا

یعنی صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر اور ناچیز نہ سمجھ، یہ صغیرہ کل کبیرہ ہوجائیں گے گو گناہ چھوٹے ہوں اور انہیں کیے ہوئے بھی عرصہ گزر چکا ہو۔ اللہ کے پاس وہ صاف صاف لکھے ہوئے موجود ہیں بدی سے اپنے نفس کو روکے رکھ اور ایسا نہ ہو جا کہ مشکل سے نیکی کی طرف آئے بلکہ اونچا دامن کر کے بھلائی کی طرف لپک، جب کوئی شخص سچے دل سے اللہ کی محبت کرتا ہے تو اس کا دل اڑنے لگتا ہے اور اسے اللہ کی جانب سے غور و فکر کی عادت الہام ہوجاتی ہے اپنے رب سے ہدایت طلب کر اور نرمی اور ملائمت کر۔ ہدایت اور نصرت کرنے والا رب تجھے کافی ہوگا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان بدکاروں کے خلاف نیک کار لوگوں کی حالت ہوگی وہ تو ضلالت و تکلیف میں تھے اور اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹے گئے اور سخت ڈانٹ ڈپٹ ہوئی، لیکن یہ نیک کار جنتوں میں ہوں گے بہتے ہوئے خوشگوار صاف شفاف چشموں کے مالک ہوں گے اور عزت و کرام، رضوان و فضیلت، جود و احسان، فضل و امتنان نعمت و رحمت آسائش و راحت کے مکان میں خوش خوش رہیں گے باری تعالیٰ مالک و قادر کا قرب انہیں نصیب ہوگا جو تمام چیزوں کا خالق ہے سب کے انداز مقرر کرنے والا ہے ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے وہ ان پرہیزگار رحم دل لوگوں کی ایک ایک خواہش پوری کرے گا ایک ایک چاہت عطا فرمائے گا مسند احمد میں رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں عدل و انصاف سے ہی کام لیتے ہیں یہ حدیث صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔



سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ ٥٥ مَدَنِيَّةٌ ٩٧ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ٧٨ | رُكُوْعَاتُهَا ٣

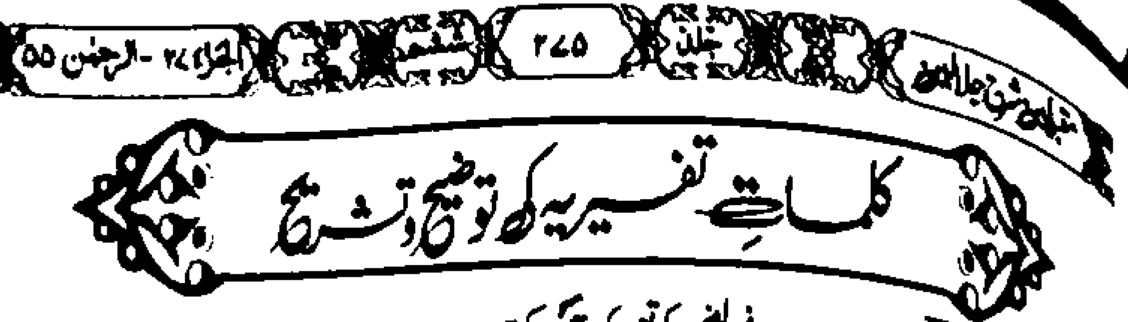
سورۂ رحمٰن مدینہ میں نازل ہوئی　شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے　اور اس کی اٹھتر آیتیں ہیں اور تین رکوع

الرَّحْمٰنُ ۝١ عَلَّمَ مَنْ شَاءَ الْقُرْاٰنَ ۝٢ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝٣ اَيِ الْجِنْسَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝٤ النُّطْقَ اَلشَّمْسُ وَ
الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝٥ بِحِسَابٍ يَجْرِيَانِ وَّالنَّجْمُ مَا لَا سَاقَ لَهُ مِنَ النَّبَاتِ وَالشَّجَرُ مَا لَهُ سَاقٌ يَسْجُدٰنِ ۝٦
يَخْضَعَانِ بِمَا يُرَادُ مِنْهُمَا وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝٧ اَثْبَتَ الْعَدْلَ اَلَّا تَطْغَوْا اَيْ لِاَجْلِ اَنْ لَا
تَجُوْرُوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝٨ مَا يُوْزَنُ بِهِ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝٩
تُنْقِصُوا الْمَوْزُوْنَ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا اَثْبَتَهَا لِلْاَنَامِ ۝١٠ لِلْخَلْقِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَغَيْرِهِمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّ
النَّخْلُ الْمَعْهُوْدُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝١١ اَوْعِيَةُ طَلْعِهَا وَالْحَبُّ كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ ذُو الْعَصْفِ التِّبْنِ وَ
الرَّيْحَانُ ۝١٢ الْوَرَقُ اَوِ الْمَشْمُوْمُ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ نِعَمِ رَبِّكُمَا يَا اَيُّهَا الْاِنْسُ وَالْجِنُّ تُكَذِّبٰنِ ۝١٣ ذُكِرَتْ اِحْدٰى
وَثَلٰثِيْنَ مَرَّةً وَالْاِسْتِفْهَامُ فِيْهَا لِلتَّقْرِيْرِ لِمَا رَوَى الْحَاكِمُ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَرَأَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ حَتّٰى خَتَمَهَا ثُمَّ قَالَ مَا لِيْ اَرٰكُمْ سُكُوْتًا لَلْجِنُّ كَانُوْا اَحْسَنَ مِنْكُمْ رَدًّا مَا
قَرَأْتُ عَلَيْهِمْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ مِنْ مَرَّةٍ فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اِلَّا قَالُوْا وَلَا شَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ
فَلَكَ الْحَمْدُ خَلَقَ الْاِنْسَانَ اٰدَمَ مِنْ صَلْصَالٍ طِيْنٍ يَابِسٍ يُسْمَعُ لَهُ صَلْصَلَةٌ اَيْ صَوْتٌ اِذَا نُقِرَ
كَالْفَخَّارِ ۝١٤ وَهُوَ مَا طُبِخَ مِنَ الطِّيْنِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ اَبَا الْجِنِّ وَهُوَ اِبْلِيْسُ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝١٥ هُوَ لَهَبُهَا
الْخَالِصُ مِنَ الدُّخَانِ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝١٦ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ مَشْرِقِ الشِّتَاءِ وَمَشْرِقِ الصَّيْفِ وَ
رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝١٧ كَذٰلِكَ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝١٨ مَرَجَ اَرْسَلَ الْبَحْرَيْنِ الْعَذْبَ وَالْمِلْحَ

يَلْتَقِيٰنِ ۝ فِي رَأْيِ الْعَيْنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ حَاجِزٌ مِنْ قُدْرَتِهِ تَعَالَى لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ لَا يَبْغِي وَاحِدٌ مِنْهُمَا
عَلَى الْآخَرِ فَيَخْتَلِطُ بِهِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَخْرُجُ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ مِنْهُمَا مِنْ
مَجْمُوْعِهِمَا الصَّادِقِ بِأَحَدِهِمَا وَهُوَ الْمِلْحُ اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ خَرَزٌ أَحْمَرُ أَوْ صِغَارُ اللُّؤْلُؤِ فَبِأَيِّ
آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ وَلَهُ الْجَوَارِ السُّفُنُ الْمُنْشَئٰتُ الْمُحْدَثَاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ كَالْجِبَالِ
عِظَمًا وَارْتِفَاعًا فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

ع ۲۵ / ۱۱

ترجمہ: رحمٰن نے (جس کو چاہا) قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے (جنس) انسان کو پیدا کیا۔ اس کو گویائی (بول چال) سکھلائی۔ سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چل رہے) ہیں اور بے تنا درخت (جن سبزیوں کے تنا نہیں ہوتا) اور تنا دار درخت دونوں تابعدار (قدرت کو جو کچھ ان سے منظور ہے وہ پورا کرتے ہیں) اور آسمان کو اس نے اونچا کیا اور اس نے ترازو رکھ دی (انصاف قائم کیا) تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی (ظلم) نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت اور اسی نے زمین کو خلقت (انسان جن وغیرہ مخلوق) کیلئے رکھ دیا۔ جس میں میوے اور کھجور کے (خاص) درخت ہیں جن پر غلاف ہوتا ہے (خوشوں کی تھیلی) اور غلہ (جیسے گیہوں جو) جس میں بھوسا (تنکا) ہوتا ہے اور پھول پتے (گھاس یا خوشبو) ہیں۔ سوتم دونوں (اے انس و جن) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (یہ آیت اس سورت میں ۳۱ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ اس میں استفہام تقریر کیلئے ہے۔ حاکمؒ نے جابرؓ سے روایت کی ہے آنحضرت ﷺ نے سورۂ رحمٰن پوری پڑھ کر فرمایا کہ تم خاموش کیوں ہو۔ تم سے تو جن ہی اچھے ہیں کہ انہوں نے ہر مرتبہ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ سن کر یہ کہا۔ ولا بشیء من نعمک ربنا تکذب فلک الحمد یعنی ہمارے پروردگار ہم آپ کی کسی نعمت کا بھی انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ آپ کے حمد گزار ہیں) اسی نے انسان (آدم) کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو بجتی تھی (سوکھی مٹی جو بجانے پر کھن کھن بولے) ٹھیکرے کی طرح (مٹی جب آگ میں پک جائے) اور جنات (ابوالجن، ابلیس) کو خالص آگ سے پیدا کیا (ایسی خالص آگ کی لپٹ جس میں دھواں شامل نہ ہو) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ دونوں مشرق (سردیوں، گرمیوں) کا اور دونوں (سردیوں، گرمیوں کی) مغرب کا (بھی) مالک ہے۔ سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اس نے ملا دیا (جاری کیا) دونوں (شیریں اور شور) دریاؤں کو کہ باہم ملے ہوئے ہیں (دیکھنے میں) ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے (قدرت الٰہی کی آڑ) کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے (کہ ایک دوسرے پر چھا کر مل جائیں) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ برآمد ہوتا ہے (مجہول و معروف ہے) ان دونوں سے (یعنی دونوں کے مجموعہ سے جو دریائے شور پر صادق آتا ہے) موتی اور مونگا (سرخ پوتھ اور چھوٹے موتی) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور اسی کے ہیں جہاز (کشتیاں) جو کھڑے (بنائے گئے) ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح (بڑائی اور بلندی میں پہاڑوں جیسے) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔



قولہ: عَلَّمَهُ الْبَيَانَ: غیر کے سامنے مافی الضمیر کی تعبیر کو بیان کہتے ہیں۔

قولہ: یَخْضَعَانِ: اطاعت کرنا۔

قولہ: وَضَعَهَا: پانی پر بچھا کر حفاظت کی۔

قولہ: أَوْعِيَةُ الْأَكْمَامِ: شگوفے یا گابھے کا غلاف۔

قولہ: ذُو الْعَصْفِ: خشک چارہ، بھوسہ۔

قولہ: وَالرَّيْحَانُ: رزق، ریحان اشداے رزق اللہ۔

قولہ: الْمَشْمُومُ: خوشبو۔

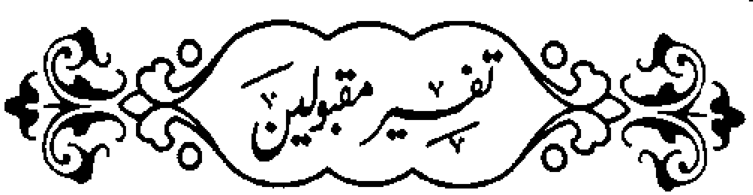
قولہ: الْفَخَّارِ: ٹھیکری۔

قولہ: مِّن نَّارٍ: یہ مارج کا بیان ہے۔

قولہ: اللُّؤْلُؤُ: بڑے موتی، مرجان: چھوٹے موتی۔

قولہ: سنقصد: یہ تہدید کے لیے استعارہ استعمال کیا ہے۔

قولہ: مَّارِجٍ: لپٹ۔



سورۃ الرحمٰن مدنی ہے عام طور پر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے اس کے نزول کے بعد صحابہ کو ایک مجمع میں یہ سورت اول سے آخر تک پڑھ کر سنائی اس کی اٹھہتر آیات اور تین رکوع ہیں۔

سورۃ الرحمٰن کے کلمات کی عظمت وخوبی اور انکا حسن وبلاغت ہر سننے والے کو بدیہی طور پر محسوس ہوتا ہے اس سورت کا حسن وزینت اور معجزانہ بلاغت ایسی واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ان لکل شیء عروسا وعروس القران الرحمن"۔ کہ ہر چیز کی ایک زینت وخوبصورتی ہوتی ہے جو اپنی خوبصورتی سے دلہن نظر آتی ہے اور قرآن کریم کی عروس سورۃ الرحمٰن ہے۔

ابتداء سورت میں حق تعالیٰ شانہ کی ایک ایسی عظیم الشان اور ظاہر وباہر نعمتوں کا ذکر ہے کہ انسانی فکر انکی عظمت کا اندازہ کرنے سے بھی قاصر ہے انسانی تخلیق اور اس میں ودیعت رکھے ہوئے کمال نطق وگویائی علم وفہم کے ذکر کے بعد شمس وقمر، نجم وشجر ارض وسما جیسے عظیم قدرت خداوندی کے نمونے بیان کرتے ہوئے کائنات کی ہر چیز کا پروردگار عالم کے سامنے مطیع وفرماں بردار

ہونا بیان کیا اور نظام عالم کا اسی کے فرمان کے مطابق قائم و جاری رہنا بیان فرمایا اسی کے ساتھ حق تعالیٰ نے اپنی صفات الوہیت اور عظمت کبریائی کا ذکر فرمایا اور یہ کہ انسانی سعادت کا تقاضا ہے کہ اپنے رب کی اطاعت کرے اسکی نافرمانی شقاوت و بدنصیبی ہے اور انسان کو اپنے اعمال کی جزاء و سزاء سے غافل نہ ہونا چاہئے اس ضمن میں یہ بھی فرمادیا گیا کہ مطیعین پر انعام و کرم کس طرح ہوگا اور مجرمین کیسے کیسے ہولناک عذاب و شدائد میں مبتلا ہوں گے اور ان کی ذلت و رسوائی کیسی ہوگی،

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صحابہؓ کے مجمع میں تشریف لائے اور اس مجمع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از اول تا آخر سورۃ الرحمٰن تلاوت فرمائی حضرات صحابہ خاموش بیٹھے سنتے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لوگو! میں نے یہ سورت جنوں کو سنائی تو وہ اسکی تلاوت کو سن کر اچھا جواب دیتے رہے بہ نسبت تمہارے (کہ تم خاموش رہے) میں دوران تلاوت جب بھی یہ آیت پڑھتا: "فبای الآء ربکما تکذبن" کہ اے جن انس تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کون کون سی نعمت کا انکار کروگے تو جن ہر مرتبہ اس آیت کو سن کر کہتے: لا بشیء من نعمك ربنا نکذب فلك الحمد۔ نہیں اے ہمارے پروردگار ہم تیری نعمتوں میں سے کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کرسکتے بس تیرے ہی واسطے ہر طرح تعریف وخوبی ہے۔

فقہاء حنفیہ و مالکیہ اور اکثر ائمہ فرماتے ہیں کہ خارج صلوۃ جب بھی سورۂ رحمٰن تلاوت کی جائے تو سننے والوں کے لیے سنت طریقہ یہی ہے کہ آیت مذکورہ سنتے ہوئے جواباً یہ کلمات کہے جائیں، البتہ دوران نماز کیونکہ استماع و انصات لازم ہے اس لئے دل ہی دل میں اس مضمون کا تصور کرلے،

اَلرَّحْمٰنُ ۝

ربط سورت اور جملہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا کے تکرار کی حکمت:

اس سے پہلی سورت القمر میں زیادہ تر مضامین سرکش قوموں پر عذاب الٰہی آنے کے متعلق تھے اسی لئے ہر ایک عذاب کے بعد لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک خاص جملہ بار بار استعمال فرمایا ہے، یعنی فَکَیْفَ کَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ، اور اس کے متصل ایمان واطاعت کی ترغیب کے لئے دوسرا جملہ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ بار بار لایا گیا ہے۔

سورۃ الرحمٰن میں اس کے مقابل بیشتر مضامین حق تعالیٰ کی دنیوی اور اخروی نعمتوں کے بیان میں ہیں اسی لئے جب کسی خاص نعمت کا ذکر فرمایا تو ایک جملہ لوگوں کو متنبہ کرنے اور شکر نعمت کی ترغیب دینے کے لئے فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ اور پوری سورت میں یہ جملہ اکتیس مرتبہ لایا گیا ہے، جو بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے اور کسی لفظ یا جملے کا تکرار بھی تاکید کا فائدہ دیتا ہے، اس لئے وہ بھی فصاحت وبلاغت کے خلاف نہیں خصوصاً قرآن کریم کی ان دونوں سورتوں میں جس جملے کا تکرار ہوا ہے وہ تو صورت کے اعتبار سے تکرار ہے، حقیقت کے اعتبار سے ہر ایک جملہ ایک نئے مضمون سے متعلق ہونے کی وجہ سے مکرر محض نہیں ہے، کیونکہ سورۂ قمر میں ہر نئے عذاب کے بعد اس کے متعلق (فَکَیْفَ کَانَ عَذَابِیْ) آیا ہے، اسی طرح سورۂ رحمٰن میں ہر نئی نعمت کے بیان کے بعد (فَبِاَیِّ اٰلَآءِ) کا تکرار کیا گیا ہے جو ایک نئے مضمون کے متعلق ہونے کے سبب تکرار محض

علامہ سیوطی نے اس قسم کے تکرار کا نام تردید بتلایا ہے، وہ فصحاء و بلغاء عرب کے کلام میں مستحسن اور شیریں سمجھا گیا، نثر اور نظم دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اور صرف عربی نہیں، فارسی، اردو وغیرہ زبانوں کے مسلم شعراء کے کلام میں بھی اس کی نظائر پائی جاتی ہیں، یہ موقع ان کو جمع کرنے کا نہیں، تفسیر روح المعانی وغیرہ میں اس جگہ متعدد نظائر بھی نقل کئے ہیں۔

آگے پوری سورت میں حق تعالیٰ کی دنیوی اور دینی نعمتوں کا ذکر مسلسل ہوا ہے، عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت ہے اس کے ذکر سے ابتداء کی گئی اور سب سے بڑی نعمت قرآن ہے کیونکہ قرآن کریم انسان کے معاش اور معاد، دین اور دنیا دونوں کی خیرات و برکات کا جامع ہے، جنہوں نے قرآن کو لیا اور اس کا حق ادا کیا، جیسے صحابہ کرام حق تعالیٰ نے ان کو آخرت کے درجات اور نعمتوں سے تو سرفراز فرمایا ہی ہے دنیا میں بھی وہ درجہ اور مقام عطا فرمایا جو بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں۔

قاعدے کے مطابق لفظ علم کے دو مفعول ہوتے ہیں، ایک وہ علم جو سکھایا جائے، دوسرے وہ شخص جس کو سکھایا جائے، یہاں آیت میں وہ چیز تو بتلا دی گئی جو سکھائی گئی ہے، یعنی قرآن، دوسرا مفعول یعنی قرآن جس کو سکھایا گیا اس کا ذکر نہیں کیا، بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ بلا واسطہ حق تعالیٰ نے جن کو تعلیم دی، یعنی رسول اللہ ﷺ وہی مراد ہیں، پھر آپ کے واسطے سے ساری مخلوقات اس میں داخل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تنزیل قرآن کا مقصد ساری ہی خلق خدا کو راہ ہدایت دکھانا اور سب ہی کو اخلاق و اعمال صالحہ کا سکھانا ہے، اس لئے کسی خاص مفعول کی تخصیص نہیں کی گئی، دوسرا مفعول ذکر نہ کرنے سے اشارہ اسی عموم کی طرف ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ انسان کی تخلیق خود حق تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، اور ترتیب طبعی کے اعتبار سے وہی سب سے مقدم ہے، یہاں تک کہ تعلیم قرآن جس کو پہلے ذکر کیا گیا ہے وہ بھی ظاہر ہے کہ تخلیق کے بعد ہی ہوسکتی ہے، مگر قرآن حکیم نے نعمت تعلیم قرآن کو مقدم اور تخلیق انسان کو موخر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ تخلیق انسان کا اصل مقصد ہی تعلیم قرآن اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی میں نے جن و انس کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں اور ظاہر ہے کہ عبادت بغیر تعلیم الٰہی کے نہیں ہو سکتی، اسی کا ذریعہ قرآن ہے، اس لئے اس حیثیت میں تعلیم قرآن تخلیق انسان سے مقدم ہوگئی۔

تخلیق انسان کے بعد جو نعمتیں انسان کو عطا ہوئیں وہ بے شمار ہیں، ان میں خاص طور پر تعلیم بیان کو یہاں ذکر فرمانے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن نعمتوں کا تعلق انسان کے نشو و نما اور وجود و بقا سے ہے مثلاً کھانا پینا، سردی گرمی سے بچنے کے سامان، رہنے بسنے کا انتظام وغیرہ ان نعمتوں میں تو ہر جاندار انسان اور حیوان شریک ہے، وہ نعمتیں جو انسان کے ساتھ مخصوص ہیں ان میں سے پہلے تو تعلیم قرآن کا ذکر فرمایا اس کے بعد تعلیم بیان کا، کیونکہ تعلیم قرآن کا افادہ استفادہ بیان پر موقوف ہے۔

اور بیان میں زبانی بیان بھی داخل ہے، تحریر و خط اور افہام و تفہیم کے جتنے ذرائع حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں وہ بیان کے مفہوم میں شامل ہیں اور پھر مختلف خطوں، مختلف قوموں کی مختلف زبانیں اور ان کے محاورات سب اسی تعلیم بیان کے اجزاء ہیں جو وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا کی عملی تفسیر ہے، فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ اس آیت میں علویات میں سے شمس وقمر کا ذکر انسان کے لئے حق تعالیٰ نے جو نعمتیں زمین وآسمان میں پیدا فرمائی ہیں ان دونوں سیاروں کی حرکات اور ان کی شعاعوں سے وابستہ ہے خصوصیت سے شاید اس لئے کیا ہے کہ عالم دنیا کا سارا نظام کار ان دونوں سیاروں کی حرکات اور ان کی شعاعوں سے وابستہ ہے اور لفظ حسبان بضم الحاء بعض حضرات نے فرمایا کہ حساب کے معنے میں مصدر ہے، جیسے غفران، سبحان، قرآن، اور بعض نے فرمایا کہ حساب کی جمع ہے اور مراد آیت کی یہ ہے کہ شمس وقمر کی حرکات جن پر انسانی زندگی کے تمام کاروبار موقوف ہیں، رات دن کا اختلاف، موسموں کی تبدیلی، سال اور مہینوں کی تعیین، ان کی تمام حرکات اور دوروں کا نظام محکم ایک خاص حساب اور اندازے کے مطابق چل رہا ہے، اور اگر حسبان کو حساب کی جمع قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان میں سے ہر ایک کے دورہ کا الگ الگ حساب ہے، مختلف قسم کے حسابوں پر یہ نظام شمسی اور قمری چل رہا ہے اور حساب بھی ایسا محکم ومضبوط کہ لاکھوں سال سے اس میں ایک منٹ، ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آیا۔

یہ زمانہ سائنس کی معراج کا زمانہ کہا جاتا ہے اور اس کی حیرت انگیز نئی نئی ایجادوں نے عقلاء کو حیران کر رکھا ہے، لیکن انسانی مصنوعات اور ربانی تخلیقات کا کھلا ہوا فرق ہر دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ انسانی مصنوعات میں بگاڑ اور سنوار کا سلسلہ ایک لازمی امر ہے، مشین کوئی کتنی ہی مضبوط ومستحکم ہو کچھ عرصہ کے بعد اس کو مرمت کی اور کم از کم گریس وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وقت تک کے لئے وہ مشین معطل رہتی ہے، حق تعالیٰ کی جاری کی ہوئی یہ عظیم الشان مخلوقات نہ کبھی مرمت کی محتاج ہے نہ کبھی ان کی رفتار میں کوئی فرق آتا ہے۔

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ نجم اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کی بیل پھیلتی ہے تنا نہیں ہوتا اور شجر تنہ دار درخت کو کہتے ہیں، یعنی ہر قسم کے درخت خواہ بیل والے ہوں یا تنے اور شاخوں والے سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، سجدہ کرنا چونکہ انتہائی تعظیم اور اطاعت کی علامت ہے، اس سے مراد یہاں یہ ہے کہ ہر ایک درخت، پودے اور بیل اور اس کے پتوں اور پھلوں اور پھولوں کو حق تعالیٰ نے جن خاص خاص کاموں اور انسان کے فوائد کے لئے بنایا ہے اور گویا ہر ایک کی ایک ڈیوٹی مقرر کر دی ہے کہ وہ فلاں کام کیا کرے، ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگا ہوا ہے اور حکم ربانی کے تابع، اس میں رکھے ہوئے فوائد اور خواص سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، اسی تکوینی اور جبری اطاعت حق کو اس آیت میں سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (روح، مظہری)

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ رفع اور وضع دو متقابل لفظ ہیں، رفع کے معنی اونچا اور بلند کرنے کے ہیں اور وضع کے معنی نیچے رکھنے اور پست کرنے کے آتے ہیں، اس آیت میں اول آسمان کو بلند کرنے اور رفعت دینے کا ذکر ہے، جس میں ظاہری بلندی بھی داخل ہے اور معنوی یعنی درجہ اور رتبہ کی بلندی بھی کہ آسمان کا درجہ زمین کی نسبت بالا و برتر ہے، آسمان کا مقابل زمین سمجھی جاتی ہے اور پورے قرآن میں اسی تقابل کے ساتھ آسمان و زمین کا ذکر کیا گیا ہے اس آیت میں رفع سماء کا ذکر کرنے کے بعد وضع میزان کا ذکر کیا گیا ہے جو آسمان سے تقابل میں نہیں آتا، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی

جیسے آسمان کے مقابل میں زمین کو لایا گیا ہے جیسا کہ تین آیتوں کے بعد (وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ) آیا ہے، تو دراصل مقابلہ وضع سماء اور وضع ارض ہی کا ہے، مگر ان دونوں کے درمیان ایک تیسری چیز یعنی وضع میزان کا ذکر کسی خاص حکمت سے کیا گیا ہے جیسا معلوم ہوتا ہے کہ حکمت اس میں یہ ہے کہ وضع میزان اور پھر اس کے بعد میزان کے صحیح صحیح استعمال کا حکم جو بعد کی تین آیتوں میں آیا ہے اس سب کا خلاصہ عدل وانصاف کا قائم کرنا ہے اور کسی کی حق تلفی اور ظلم وجور سے بچانا ہے، یہاں رفع سماء اور وضع ارض کے درمیان آیات میزان کے ذکر میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ آسمان وزمین کی تخلیق کی اصلی غایت و مقصود بھی عالم میں عدل وانصاف کا قیام ہے اور زمین میں امن وامان بھی عدل وانصاف ہی کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے، ورنہ فساد ہی فساد ہوگا، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لفظ میزان کی تفسیر اس آیت میں حضرت قتادہ، مجاہد، سدی وغیرہ نے عدل سے کی ہے، کیونکہ میزان کا اصل مقصد عدل ہی ہے اور بعض حضرات مفسرین نے یہاں میزان کو اپنے معروف معنی میں لیا ہے اور حاصل اس کا بھی وہی ہے کہ حقوق میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے اور میزان کے معنی میں ہر وہ آلہ داخل ہے جس سے کسی چیز کی مقدار معین کی جائے، خواہ وہ ترازو ہو یا کوئی جدید آلہ پیمائش۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ پہلی آیت میں جو میزان پیدا کرنے کا ذکر تھا اس جملے میں اس کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے، تطغوا، طغیان سے مشتق ہے، جس کے معنی بے انصافی اور ظلم کے ہیں، مراد یہ ہے کہ میزان کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنایا کہ تم وزن میں کمی بیشی کر کے ظلم وجور میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ. لفظ حب بفتح حاء وتشدید باء دانے یعنی غلے کو کہا جاتا ہے، جیسے گندم، چنا، چاول، ماش، مسور وغیرہ اور عصف اس بھوسے کو کہتے ہیں جس کے اندر پیک کیا ہوا دانہ بقدرت خداوندی وحکمت بالغہ پیدا کیا جاتا ہے، عصف یعنی بھوسے کے غلاف میں پیک ہو کر خراب ہواؤں اور مکھی مچھر وغیرہ سے پاک وصاف رہتا ہے، دانے کی پیدائش کے ساتھ ذُو الْعَصْفِ کا لفظ بڑھا کر غافل انسان کو اس طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ روٹی، دال وغیرہ جو وہ دن میں کئی کئی مرتبہ کھاتا ہے اس کا ایک ایک دانہ مالک وخالق نے کیسی کیسی صنعت عجیبہ کے ساتھ مٹی اور پانی سے پیدا کیا اور پھر کس طرح اس کو حشرات الارض سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایک دانہ پر غلاف چڑھایا، جب وہ تمہارا لقمہ تر بنا، اس کے ساتھ شاید عصف کو ذکر کرنے سے ایک دوسری نعمت کی طرف بھی اشارہ ہو کہ یہ عصف (بھوسہ) تمہارے مویشی کی غذا بنتا ہے، جن کا تم دودھ پیتے ہو اور سواری و بار برداری کی خدمت ان سے لیتے ہو۔

وَالرَّيْحَانُ ۝، ریحان کے مشہور معنی خوشبو کے ہیں اور ابن زید نے یہی معنی آیت میں مراد لئے ہیں کہ اس نے زمین سے پیدا ہونے والے درختوں سے طرح طرح کی خوشبوئیں اور خوشبودار پھول پیدا فرمائے اور کبھی لفظ ریحان بمعنی مطلق رزق بھی استعمال کیا جاتا ہے، خرجت اطلب ریحان اللہ، یعنی میں نکلا اللہ کا رزق تلاش کرنے کے لئے حضرت ابن عباس نے اس آیت میں ریحان کی تفسیر رزق ہی سے کی ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ لفظ آلاء جمع ہے نعمتوں کے معنے میں اور مخاطب اس کا انسان اور جن ہیں، یعنی اے جن و

انس! او پر کی آیات میں تمہارے رب کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئیں تم ان میں سے کس کس کے جھٹلانے کی جرأت کرو گے؟ کیا یہ نعمتیں اور نشانیاں ایسی ہیں جن میں سے کسی کا انکار کیا جا سکے؟ علماء نے ایک حدیث صحیح کی بناء پر لکھا ہے کہ جب کوئی شخص یہ آیت: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ سنے تو جواب دے: لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ (اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ سب حمد و ثنا تیرے ہی لیے ہے)

(تنبیہ) گو جن کا ذکر تصریحاً پہلے نہیں ہوا۔ لیکن انام میں وہ شامل ہیں۔ اور (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ) (الذاریات: ۵۶) میں دونوں کا عبادت کے لیے پیدا ہونا مذکور ہے۔ یہ اس آیت کے بعد متصل ہی آدمی اور جن کی کیفیت تخلیق بتائی گئی ہے، اور چند آیات کے بعد: سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ اور یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ میں صریحاً جن و انس کو مخاطب کیا گیا ہے، یہ قرائن دلالت کرتے ہیں کہ یہاں مخاطب وہ ہی دونوں ہیں۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ۝

انسان اور جنات کی پیدائش میں فرق:

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ انسان کی پیدائش بجنے والی ٹھیکری جیسی مٹی سے ہوئی ہے اور جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی ہے جو خالص اور احسن تھا مسند کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فرشتے نور سے جنات نار سے اور انسان اس مٹی سے جس کا ذکر تمہارے سامنے ہو چکا ہے پیدا کئے گئے ہیں پھر اپنی کسی نعمت کے جھٹلانے کی ہدایت کر کے فرماتا ہے جاڑے اور گرمی کے دو سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے مقامات کا رب اللہ ہی ہے دو سے مراد سورج نکلنے اور ڈوبنے کی دو مختلف جگہیں ہیں کہ وہاں سے سورج چڑھتا اترتا ہے اور موسم کے لحاظ سے یہ بدلتی جگہیں رہتی ہیں ہر دن انقلاب لاتا ہے جیسے دوسری آیت میں مشرق و مغرب کا رب وہی ہے تو اسی کو اپنا وکیل سمجھ تو یہاں مراد جنس مشرق و مغرب ہے اور دوسری مشرق مغرب سے مراد طلوع و غرب کی دو جگہ ہیں، اور چونکہ طلوع و غروب کی جگہ کے جدا جدا ہونے میں انسانی منفعت اور اس کی مصلحت بینی تھی اس لئے پھر فرمایا کہ کیا اب بھی تم اپنے رب کی نعمتوں کے منکر ہی رہو گے؟ اس کی قدرت کا مظاہرہ دیکھو کہ دو سمندر برابر چل رہے ہیں ایک کھاری پانی کا ہے دوسرا میٹھے پانی کا لیکن نہ اس کا پانی اس میں مل کر اسے کھاری کرتا ہے نہ اس کا میٹھا پانی اس میں مل کر اسے میٹھا کر سکتا ہے بلکہ دونوں اپنی رفتار سے چل رہے ہیں دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے نہ وہ اس میں مل سکے نہ وہ اس میں جا سکے یہ اپنی حد میں ہے وہ اپنی حد میں اور قدرتی فاصلہ انہیں الگ الگ کئے ہوئے ہے حالانکہ دونوں پانی ملے ہوئے ہیں۔

سورۂ فرقان کی آیت: وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا (الفرقان: ۵۳)، کی تفسیر میں اس کی پوری تشریح گزر چکی ہے امام ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ آسمان میں جو پانی کا قطرہ ہے اور صدف جو زمین کے دریا میں ہے ان دونوں سے مل کر لولو پیدا ہوتا ہے واقعہ تو یہ ٹھیک ہے لیکن اس آیت کی تفسیر اس طرح کرنی کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ آیت میں ان دونوں کے درمیان برزخ یعنی آڑ کا ہونا بیان فرمایا گیا ہے، جو

اس کو اس سے اور اس کو اس سے روکے ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں زمین میں ہی ہیں بلکہ ایک دوسرے سے لگے لگے چلتے ہیں مگر قدرت انہیں جدا رکھتی ہے آسمان وزمین کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ برزخ اور حجر نہیں کہا جاتا اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ یہ زمین کے دو دریاؤں کا ذکر ہے نہ کہ آسمان اور زمین کے دریا کا۔ ان دونوں میں سے یعنی دونوں میں سے ایک میں سے۔ جیسے اور جگہ جن وانس کو خطاب کر کے سوال ہوا ہے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ ظاہر ہے کہ رسول صرف انسان میں سے ہی ہوئے ہیں جنات میں کوئی جن رسول نہیں آیا تو جیسے یہاں اطلاع صحیح ہے حالانکہ وقوع ایک میں ہی ہے اسی طرح اس آیت میں بھی اطلاق دونوں دریا پر ہے اور وقوع ایک میں ہی ہے لولو یعنی موتی کو کہتے ہیں کہ اور کہا گیا ہے کہ بہترین اور عمدہ موتی کو مرجان کہتے ہیں بعض کہتے ہیں سرخ رنگ جواہر کو کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں سرخ مہرے کا نام ہے اور آیت میں ہے: (وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (فاطر:۱۲) یعنی تم ہر ایک میں سے نکلا ہوا گوشت کھاتے ہو جو تازہ ہوتا ہے اور پہننے کے زیور نکالتے ہو تو خیر مچھلی تو کھاری اور میٹھے دونوں پانی سے نکلتی ہے اور موتی مونگے صرف کھاری پانی میں سے نکلتے ہیں میٹھے میں سے نہیں نکلتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آسمان کا جو قطرہ سمندر کی سیپ کے منہ میں سیدھا جاتا ہے وہ لولو بن جاتا ہے اور جب صدف میں نہیں جاتا تو اس سے عنبر پیدا ہوتا ہے مینہ برستے وقت سیپ اپنا منہ کھول دیتی ہے پس اس نعمت کو بیان فرما کر پھر دریافت فرماتا ہے کہ ایسی ہی بیشمار نعمتیں جس رب کی ہیں تم بھلا کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ سمندر میں چلنے والے بڑے بڑے بادبانوں والے جہاز جو دور سے نظر پڑتے ہیں اور پہاڑوں کی طرح کھڑے دکھائی دیتے ہیں جو ہزاروں من مال اور سینکڑوں انسانوں کو ادھر سے ادھر لے آتے ہیں یہ بھی تو اس اللہ کی ملکیت میں ہیں اس عالیشان نعمت کو یاد دلا کر پھر پوچھتا ہے کہ اب بتاؤ انکار کئے کیسے بن آئے گی؟ حضرت عمیری بن سوید فرماتے ہیں میں اللہ کے شیر حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے پر تھا ایک بلند وبالا بڑا جہاز آ رہا تھا اسے دیکھ کر آپ نے اس کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے پہاڑوں جیسی ان کشتیوں کو امواج سمندر میں جاری کیا ہے نہ میں نے عثمان غنی کو قتل کیا نہ ان کے قتل کا ارادہ کیا نہ قاتلوں کے ساتھ شریک ہوا نہ ان سے خوش نہ ان پر نرم۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا أَيِ الْأَرْضِ مِنَ الْحَيَوَانِ فَانٍ ﴿۲۶﴾ هَالِكٌ وَعَبَّرَ بِمَنْ تَغْلِيْبًا لِلْعُقَلَاءِ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذَاتُهٗ ذُو الْجَلٰلِ الْعَظْمَةِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنْعُمِهٖ عَلَيْهِمْ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ أَيْ بِنُطْقٍ اَوْ حَالٍ مَا يَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ الْقُوَّةِ عَلَى الْعِبَادَةِ وَالرِّزْقِ وَالْمَغْفِرَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ كُلَّ يَوْمٍ وَقْتٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْرٍ يُظْهِرُهٗ فِي الْعَالَمِ عَلٰى وَفْقِ مَا قَدَّرَهٗ فِي الْاَزَلِ مِنْ اِحْيَاءٍ وَاِمَاتَةٍ وَاِعْزَازٍ وَاِذْلَالٍ وَاِغْنَاءٍ وَاِعْدَامٍ وَاِجَابَةِ دَاعٍ وَاِعْطَاءِ سَائِلٍ وَغَيْرِ ذٰلِكَ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ سنقصد لحسابكم اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ الانس والجن فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا تخرجوا مِنْ اَقْطَارِ نواحی السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا امر تعجيز لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ بقوة ولا قوة لكم على ذلك فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ هو لهبها الخالص من الدخان او معه وَّنُحَاسٌ اى

دخان لا لهب فيه فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ تمتنعان من ذلك بل يسوقكم الى المحشر فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ انفرجت ابوابا لنزول الملائكة فَكَانَتْ وَرْدَةً اى مثلها محمرة

كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ كالاديم الاحمر على خلاف العهد بها وجواب اذا فما اعظم الهول فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿٣٩﴾ عن ذنبه ويسئلون فى وقت اخر

فوربك لنسئلنهم اجمعين والجان هنا وفيها سياتى بمعنى الجنى والانسى فيهما بمعنى الانسى

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ اى سواد الوجوه وزرقة العيون فَيُؤْخَذُ

بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٢﴾ اى تضم ناصية كل منهما الى قدميه من خلف

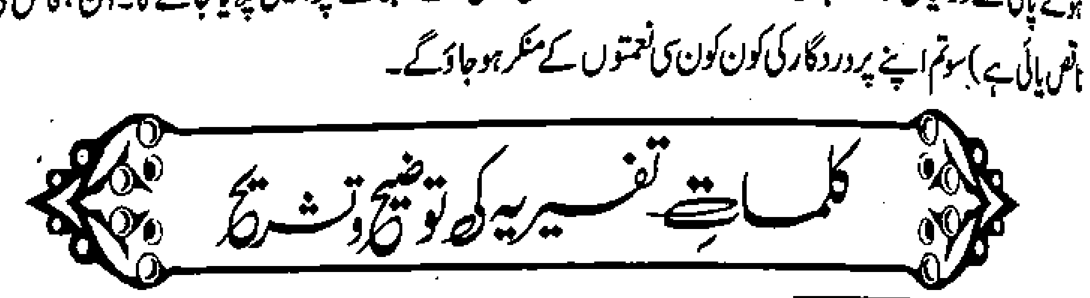
او قدام ويلقى فى النار ويقال لهم هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ يَطُوْفُوْنَ يسعون

بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ ماء حار اٰنٍ ﴿٤٤﴾ شديد الحرارة يسقونه اذا استغاثوا من حر النار وهو منقوص

كقاض فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٥﴾

ترجمہ: جس قدر روئے زمین پر (جاندار چیزیں) موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گی (لفظ من لانا بطور تغلیب عقلاء ہے) اور آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی۔ جو جلال (عظمت) اور احسان والی ہے (مؤمنین پر انعام کر کے) سو تم دونوں کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اسی سے سب زمین و آسمان والے مانگتے ہیں (زبان سے ضروریات، وہ عبادت کی قوت ہو یا رزق و مغفرت وغیرہ) وہ ہر آن کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے (عالم میں جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے وہ تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے خواہ جلانا ہو یا مارنا، عزت دینا ہو یا ذلت دینا، امیر بنانا ہو یا فقیر کرنا۔ قبولیت دعا ہو یا مانگنے والے کو عطا وغیرہ) سو تم دونوں رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ عنقریب ہم تمہارے (حساب کے) کیلئے فارغ ہوا چاہتے ہیں۔ (اے انس و جن) سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اے جن اور انسانوں کے گروہ اگر تمہیں یہ قدرت

ہے کہ کہیں باہر نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کی حدود (اطراف) سے تو نکل جاؤ (یہ حکم عاجز کرنے کیلئے ہے) بدوں زور کے نہیں نکل سکتے (اور تمہیں اتنی طاقت ہے نہیں) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تم دونوں پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا (خالص لپٹ جس میں دھواں نہ ہو یا دھویں سمیت) اور دھواں (خالص جس میں لپٹ نہ ہو) پھر تم نہ ہٹا سکو گے (ان سے بچ نہ سکو گے۔ بلکہ تمہیں یہ دونوں محشر میں دھکیل دیں گے) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ غرض جب آسمان پھٹ جائے گا (فرشتے نازل ہونے کیلئے دروازے بن جائیں گے) اور سرخ ہو جائے گا (گلاب کی طرح) جیسے سرخ نری (لال چمڑا جو اصلی ہیت کے خلاف ہوا ذا کا جواب فما اعظم الحول ہے یعنی بڑی ہیبت ہو جائے گی) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تو اس روز نہ کسی انسان سے اس کے جرم کی نسبت پوچھا جائے گا اور نہ جن سے (اس کے گناہ کے متعلق، البتہ دوسرے وقت دریافت کیا جائے گا۔ چنانچہ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ہے اور الجان یہاں اور آگے بمعنی جنی ہے اور الانس بھی دونوں جگہ بمعنی انسی ہے) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جائیں گے (یعنی کالے چہرے اور نیلی آنکھوں سے) چنانچہ سر کے بال اور ہاتھ پاؤں پکڑ لیے جائیں گے۔ سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یعنی دونوں فرقوں کی پیشانیاں اور پاؤں پیچھے یا سامنے کی جانب باندھ دیئے جائیں گے اور جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور کہا جائے گا) یہ ہے جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ وہ لوگ گھومیں (دوڑیں) گے دوزخ کے اور گرم (تیز) کھولتے ہوئے پانی کے درمیان (جو انتہائی حرارت والا ہوگا۔ آگ کی گرمی سے بلبلانے پر انہیں پلایا جائے گا۔ آن، قاض کی طرح ناقص یائی ہے) سوتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔



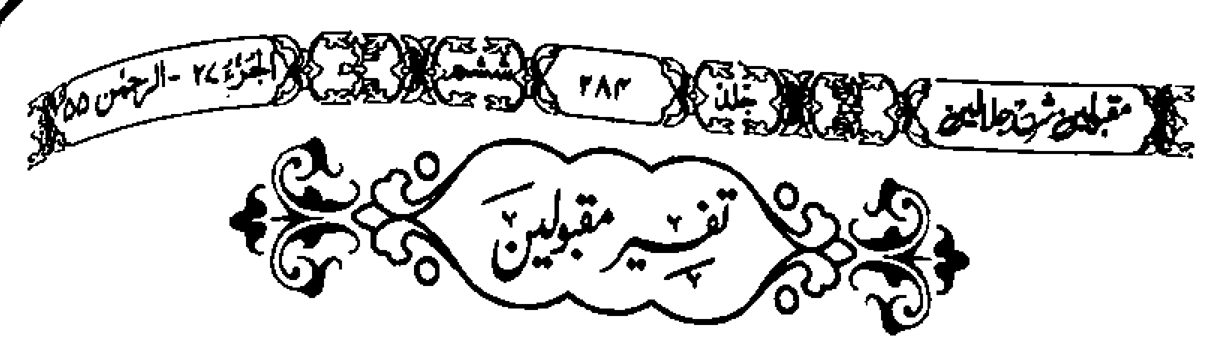
قوله: لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖ: معلومات کے لیے پوچھا نہ جائے۔ تفتیش کے لیے سوال ہوگا یا طویل دن میں سوال ہوگا اور کبھی نہ کبھی ہوگا۔

قوله: جَآنٌّ: ابوالجن۔

قوله: الْاَقْدَامِ: اکٹھا کرکے۔

قوله: الدِّهَانِ: سرخ چمڑا۔

قوله: اٰنٍ: نہایت حرارت والا۔ یہ قاضی کی طرح ہے۔



كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝

اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب فنا:

فرماتا ہے کہ زمین کی کل مخلوق فنا ہونے والی ہے ایک دن آئے گا کہ اس پر کچھ نہ ہوگا کل جاندار مخلوق کو موت آ جائے گی اسی طرح کل آسمان والے بھی موت کا مزہ چکھیں گے مگر جسے اللہ چاہے صرف اللہ کی ذات باقی رہ جائے گی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک ہے جو موت وفوت سے پاک ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں اولاتو پیدائش عالم کا ذکر فرمایا پھر ان کی فنا کا بیان کیا۔ حضور ﷺ سے ایک منقول دعا میں یہ بھی ہے (یاحی یاقیوم یابدیع السموات والارض یاذا الجلال والاکرام لا الہ الا انت برحمتک نستغیث اصلح لنا شاننا کلہ ولا تکلنا الی انفسنا طرفۃ عین ولا الی احد من خلقک) یعنی اے ہمیشہ جینے اور ابدالآباد تک باقی اور تمام قائم رہنے والے اللہ اے آسمان وزمین کے ابتدا پیدا کرنے والے۔ اے رب جلال اور بزرگی والے پروردگار تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہم تیری رحمت ہی سے استغاثہ کرتے ہیں ہمارے تمام کام تو بنادے اور آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تو ہماری طرف نہ سونپ اور نہ اپنی مخلوق میں سے کسی کی طرف۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں جب تو آیت (كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝) پڑھے تو ٹھہر نہیں اور ساتھ ہی آیت: وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (رحمٰن:۲۷) پڑھ لے۔ اس آیت کا مضمون دوسری آیت میں ان الفاظ سے ہے آیت: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (القصص:۸۸) سوائے ذات باری کے ہر چیز ناپید ہونے والی ہے پھر اپنے چہرے کی تعریف میں فرماتا ہے وہ ذوالجلال ہے یعنی اس قابل ہے کہ اس کی عزت کی جائے اس کا جاہ وجلال مانا جائے اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اور اس کے فرمان کی خلاف ورزی سے رکا جائے۔ جیسے اور جگہ ہے آیت (وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (الکہف:۲۸)، جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور اسی کی ذات کے مرید ہیں تو انہی کے ساتھ اپنے نفس کو وابستہ رکھ اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ نیک لوگ صدقہ دیتے وقت سمجھتے ہیں کہ ہم محض اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے پلاتے ہیں وہ کبریائی بڑائی عظمت اور جلال والا ہے پس اس بات کو بیان فرما کر کہ تمام اہل زمین فوت ہونے میں اور پھر اللہ کے سامنے قیامت کے دن پیش ہونے میں برابر ہیں اور اس دن وہ بزرگی والا اللہ ان کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ حکم فرمائے گا ساتھ ہی فرمایا اب تم اے جن وانس رب کی کونسی نعمت کا انکار کرتے ہو؟ پھر فرماتا ہے کہ وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور کل مخلوق اس کی یکسر محتاج ہے سب کے سب سائل ہیں وہ غنی ہے سب فقیر ہیں اور وہ سب کے سوال پورے کرنے والا ہے ہر مخلوق اپنے حال وقال سے اپنی حاجتیں اس کی بارگاہ میں لے جاتی ہے اور ان کے پورا ہونے کا سوال کرتی ہے۔ وہ ہر دن نئی شان میں ہے اس کی شان ہے کہ ہر پکارنے والے کو جواب دے۔ مانگنے والے کو عطا فرمائے تنگ حالوں کو کشادگی دے مصیبت وآفات والوں کو رہائی بخشے بیماروں کو تندرستی عنایت فرمائے غم وہم دور کرے

بیقراری کے وقت کی دعا کو قبول فرما کر اسے قرار اور آرام عنایت فرمائے۔ گنہگاروں کے واویلا پر متوجہ ہو کر خطاؤں سے درگزر فرمائے گناہوں کو بخشے زندگی وہ دے موت وہ دے تمام زمین والے کل آسمان والے اس کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے اور دامن پھیلائے ہوئے ہیں چھوٹوں کو بڑا وہ کرتا ہے قیدیوں کو رہائی وہ دیتا ہے نیک لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرنے والا ان کی پکار کا مداوا ان کے شکوے شکایت کا مرجع وہی ہے غلاموں کو آزاد کرنے کی رغبت وہی دلانے والا اور ان کو اپنی طرف سے بن دعا عطا فرماتا ہے یہی اس کی شان ہے ابن جریر میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی تو صحابہ نے سوال کیا کہ حضور ﷺ وہ شان کیا ہے؟ فرمایا گناہوں کا بخشنا دکھ کو دور کرنا لوگوں کو ترقی اور تنزلی پر لانا ابن ابی حاتم میں اور ابن عساکر میں بھی اسی کے ہم معنی ایک حدیث ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت معلقاً حضرت ابوالدرداء کے قول سے مروی ہے بزار میں بھی کچھ کمی کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا اس کے دونوں تختے سرخ یاقوت کے ہیں اس کا علم نوری ہے اس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔ ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے ہر نگاہ پر کسی کو زندگی دیتا اور مارتا اور عزت و ذلت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾

فارغ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اب وہ کسی مشغولیت میں ہے بلکہ یہ بطور تنبیہ کے فرمایا گیا ہے کہ صرف تمہاری طرف پوری توجہ فرمانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے اب کھرے کھرے فیصلے ہو جائیں گے اسے کوئی اور چیز مشغول نہ کرے گی بلکہ صرف تمہارا حساب ہی ہوگا، محاورہ عرب کے مطابق یہ کلام کیا گیا ہے جیسے غصہ کے وقت کوئی کسی سے کہتا ہے اچھا فرصت میں تجھ سے نپٹ لوں گا، تو یہ معنی نہیں کہ اس وقت مشغول ہوں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایک خاص وقت تجھ سے نمٹنے کا نکالوں گا اور تیری غفلت میں تجھے پکڑ لوں گا۔ (ثقلین) سے مراد انسان اور جن ہیں جیسے ایک حدیث میں ہے اسے سوائے ثقلین کے ہر چیز سنتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے سوائے انسانوں اور جنوں کے اور حدیث صور میں صاف ہے کہ ثقلین یعنی جن وانس پھر تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ اے جنو اور انسانو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مقرر کردہ تقدیر سے بھاگ کر بچ نہیں سکتے بلکہ وہ تم سب کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے اس کا ہر ہر حکم تم پر بے روک جاری ہے جہاں جاؤ اسی کی سلطنت ہے حقیقتاً یہ میدان محشر میں واقع ہوگا کہ مخلوقات کو ہر طرف سے فرشتے احاطہ کئے ہوئے ہوں گے چاروں جانب ان کی سات سات صفیں ہوں گی کوئی شخص بغیر دلیل کے ادھر سے ادھر نہ ہو سکے گا اور دلیل سوائے امر الٰہی یعنی حکم اللہ کے اور کچھ نہیں انسان اس دن کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کدھر ہے؟ لیکن جواب ملے گا کہ آج تو رب کے سامنے ہی کھڑا ہونے کی جگہ ہے اور آیت میں ہے: وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (یونس:٢٧)، یعنی بدیاں کرنے والوں کو ان کی برائیوں کے مانند سزا ملے گی ان پر ذلت سوار ہوگی اور اللہ کی پکڑ سے پناہ دینے والا کوئی نہ ہوگا ان کے منہ مثل اندھیری رات کے ٹکڑوں کے ہوں گے یہ جہنمی گروہ ہے جو ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا۔ (شواظ) کے معنی آگ کے شعلے جو دھواں ملے ہوئے سبز رنگ کے جھلسا دینے والے ہوں۔ بعض کہتے ہیں بے دھویں کا آگ کا اوپر کا شعلہ جو اس طرح لپکتا ہے کہ گویا پانی کی موج ہے (نحاس) کہتے ہیں دھوئیں کو، یہ لفظ نون کے زبر سے بھی آتا ہے لیکن یہاں قراءت نون کے پیش سے ہی ہے۔ نابغہ کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی

معنی میں ہے جہاں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شواظ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی سند میں امیہ بن صلت کا شعر پڑھ کر سنایا۔ اور نحاس کے معنی آپ نے کئے ہیں محض دھواں جس میں شعلہ نہ ہو اور اس کی شہادت میں بھی ایک عربی شعر نابغہ کا پڑھ کر سنایا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں نحاس سے مراد پیتل ہے جو پگھلایا جائے گا اور ان کے سروں پر بہایا جائے گا۔ بہر صورت مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے دن میدان محشر سے بھاگنا چاہو تو میرے فرشتے اور جہنم کے داروغے تم پر آگ برسا کر دھواں چھوڑ کر تمہارے سر پر پگھلا ہوا پیتل بہا کر تمہیں واپس لوٹا لائیں گے تم نہ ان کا مقابلہ کر سکتے ہو نہ انہیں دفع کر سکتے ہو نہ ان سے انتقام لے سکتے ہو۔ پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت سے انکار کرو گے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

پچھلی آیت میں جن و انس کو بلفظ ثقلین مخاطب کر کے بتلایا گیا تھا کہ قیامت کے روز ایک ہی کام ہوگا کہ سب جن وانس کے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا اور اس کے ذرہ ذرہ پر جزاء و سزا ہوگی، اس آیت میں یہ بتلانا منظور ہے کہ روز جزاء کی حاضری اور حساب اعمال سے کوئی شخص راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا، کسی کی مجال نہیں جو موت سے یا روز قیامت کے حساب سے کہیں بھاگ کر بچ نکلے، اس آیت میں ثقلین کے بجائے يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ کے صریح نام ذکر فرمائے اور جن کو انس پر مقدم کیا، شاید اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ آسمان و زمین کے اقطار سے پار نکل جانا بڑی قوت و قدرت چاہتا ہے، جنات کو حق تعالیٰ نے ایسے امور کی قوت انسان سے زیادہ بخشی ہے، اس لئے جن کے ذکر کو مقدم کیا گیا، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے جنات اور انسانو! اگر تمہیں یہ گمان ہو کہ ہم کہیں بھاگ جائیں گے اور اس طرح ملک الموت کے تصرف سے بچ جائیں یا میدان حشر سے بھاگ کر نکل جائیں گے اور حساب کتاب سے بچ جائیں گے تو لو اپنی قوت آزما دیکھو، اگر تمہیں اس پر قدرت ہے کہ آسمان و زمین کے دائروں سے باہر نکل جاؤ تو نکل کر دکھلا دو، یہ کوئی آسان کام نہیں، اس کے لئے تو بہت بڑی قوت و قدرت درکار ہے، جو جن وانس کی دونوں قوموں کو حاصل نہیں، اس کا حاصل ان کا اقطار سماء و ارض سے باہر نکلنے کا امکان و احتمال بتلانا نہیں، بلکہ بطور فرض محال ان کا عاجز ہونا دکھلانا ہے۔

آیت میں مراد اگر موت سے فرار ہے تو یہی دنیا اس کا مصداق ہے کہ کسی کے امکان میں نہیں کہ زمین سے آسمانوں تک کی حدود کو پھلانگ کر باہر نکل جائے اور موت سے بچ جائے، ان حدود کو پار کرنے کا ذکر بھی انسانی خیال کے مطابق کیا گیا ہے ورنہ بالفرض کوئی آسمانوں کی حدود سے باہر نکل جائے تو اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت سے بھی باہر نہیں اور اگر مراد محشر کے حساب کتاب اور جواب دہی سے فرار کا ناممکن ہونا بتلانا ہے، تو اس کی عملی صورت قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث میں یہ ہے کہ قیامت کے روز آسمان شق ہو کر سب فرشتے زمین کے کناروں پر آ جائیں گے اور ہر طرف سے محاصرہ ہوگا، جن و انس قیامت کی ہولناک چیزوں کو دیکھ کر مختلف سمتوں میں بھاگیں گے، ہر سمت میں فرشتوں کا محاصرہ دیکھ کر پھر اپنی جگہ آ جائیں گے۔ (روح)

فضائی سفر جو آج کل مصنوعی سیاروں اور راکٹوں سے ہو رہے ہیں ان کا اس آیت سے کوئی جوڑ نہیں:

اس زمانہ میں جو زمین کی کشش سے باہر نکلنے اور خلا میں سیارات پر پہنچنے کے تجربات ہو رہے ہیں وہ سب ظاہر ہے کہ آسمان کے حدود سے باہر نہیں، بلکہ سطح آسمان سے بہت نیچے ہو رہے ہیں، اقطار السموات سے باہر نکل جانے کا اس سے کوئی تعلق نہیں، پھر تو اقطار السموات کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے باہر نکلنا تو کجا، اس لئے اس آیت کے مفہوم سے ان خلائی سفروں اور سیارات پر پہنچنے کے واقعات کا کوئی تعلق نہیں، بعض سادہ لوح لوگ اس آیت ہی کو خلائی سفروں کے امکان وجواز کے لئے پیش کرنے لگے، جو معانی قرآن سے بالکل ناواقفیت کی دلیل ہے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۞

قیامت کے دن کفار انس وجان کی پریشانی، مجرمین کی خاص نشانی، پیشانی اور اقدام پکڑ کر دوزخ میں ڈالا جانا:

ان آیات میں قیامت کے دن کا کچھ حال بتایا ہے اور مجرموں کا دوزخ میں داخلہ اور وہاں جو ان کی بدحالی ہوگی اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ان حالات کا پیشگی اطلاع دینا بھی نعمت ہے تاکہ لوگ کفر سے اور بداعمالیوں سے بچیں اور قیامت کے دن بدحالی اور دوزخ کے داخلہ سے بچیں اس لیے ہر آیت کے ختم پر: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ فرمایا۔

اول تو یہ فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو تم دونوں پر آگ کے شعلے پھینکے جائیں گے اور دھواں بھی پھینکا جائے گا یہ دھواں بھی آگ ہی سے نکلا ہوا ہوگا چونکہ اس میں روشنی نہ ہوگی اس لیے اسے نحاس یعنی دھویں سے تعبیر فرمایا، اس کے سخت گرم ہونے میں تو کوئی شک نہیں سورۃ المرسلات میں فرمایا ہے: اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ، لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ، اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ، كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ، وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (چلو ایک سائبان کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں جو سایہ والا نہیں ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے، بیشک وہ دوزخ بڑے بڑے انگارے پھینک رہا ہے جیسے بڑے بڑے محل ہوں گویا کہ وہ کالے کالے اونٹ ہیں، اس روز جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہوگی)۔ سورۃ المرسلات کی آیات میں بتادیا کہ دوزخ سے جو دھواں نکلے گا بظاہر ایک سائبان معلوم ہوگا، دنیا میں جو سائبان ہوتے ہیں وہ دھوپ اور سردی سے بچنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ دھواں اگرچہ تاریک ہوگا لیکن سخت گرم ہوگا اس دھویں سے بچ نہ سکو گے نہ کوئی شخص اپنی مدد کر سکے گا نہ کسی دوسرے کی۔

پھر آسمان کے پھٹنے کا تذکرہ فرمایا کہ جب وہ پھٹ جائے گا تو رنگت کے اعتبار سے ایسا سرخ ہو جائے گا جیسے لال رنگ کا چمڑا ہوتا ہے، سورۃ الفرقان میں فرمایا ہے: وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا (اور جس دن آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ پڑے گا اور بکثرت فرشتے اتارے جائیں گے) یہ قیامت کا دن ہوگا جس میں اعمال کا محاسبہ ہوگا۔

پھر فرمایا اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ (مجرم سے سوال کبھی تحقیق حال کے لیے ہوتا ہے کیونکہ پوچھنے والے کو پوری طرح صورت حال معلوم نہیں ہوتی اور کبھی اسے بتانے اور جتانے کے لیے ہوتا ہے کہ تم نے ایسا ایسا کیا، اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے ہر چیز کی ہمیشہ سے اسے خبر ہے، بندوں کو پیدا فرمانے سے پہلے ہی ان کے احوال سے باخبر ہے، جو بھی مجرمین قیامت کے دن حاضر ہوں گے اسے اپنے علم میں لانے کے لیے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں

ہے، اس آیت میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ مجرمین سے ان کے اعمال کا سوال اس لیے نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کا جرم آجائے، سورۃ القصص کی آیت: وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ میں بھی یہی بات بتائی اور دوسری قسم کا پوچھنا جو اقرار کرنے اور جتانے کے لیے ہوتا ہے قیامت کے دن اس کا وقوع ہوگا جسے سورۃ الاعراف کی آیت کریمہ: فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ میں بیان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا کہ مجرموں کو ان کی علامت اور نشانیوں سے پہچانا جائے گا۔ ان نشانیوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے: وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا (اور ہم قیامت کے روز ان کو اندھا اور گونگا اور بہرہ کر کے منہ کے بل چلائیں گے) اور سورۃ طٰہٰ میں فرمایا: وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا. يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ (اور ہم اس روز مجرم لوگوں کو اس حالت میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی، چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے) کافروں کا چہروں کے بل چلنا پھر اندھا گونگا اور بہرا ہونا اور آنکھیں نیلی ہونا یہ سب ان کی پہچان کی نشانیاں ہوں گی ان کے ذریعے کافروں کو پہچان لیا جائے گا اور ان کے قدموں اور پیشانی کے بال پکڑ کر گٹھڑی سی بنا کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

جب جہنم میں ڈالے جانے لگیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ جہنم ہے جسے مجرمین جھٹلاتے تھے اب جب دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے تو مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کیے جائیں گے دوزخ کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر لگاتے ہوں گے۔

جہنم تو آگ ہی آگ ہے اور آگ کے علاوہ بھی اس میں طرح طرح کے عذاب ہیں انہی عذابوں میں سے عَذَابِ الْحَمِيْمِ یعنی گرم پانی کا عذاب بھی ہے گرم پانی ان کے سروں پر بھی ڈالا جائے گا جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا: يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ اور پینے کے لیے پانی طلب کریں گے تو گرم پانی دیا جائے گا جیسا کہ سورۃ الکہف میں فرمایا: وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ (اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، وہ چہروں کو بھون ڈالے گا)۔

اور سورۃ محمد میں فرمایا: وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ أَمْعَآءَهُمْ (اور ان کو گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا) اور سورۃ المؤمن میں فرمایا ہے: يُسْحَبُوْنَ... فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ (وہ لوگ گرم پانی میں کھینچے جائیں گے پھر انہیں آگ میں جلایا جائے گا)۔

یہاں سورۃ رحمٰن میں فرمایا: يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (وہ دوزخ کے اور سخت گرم پانی کے درمیان چکر لگائیں گے) مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ کبھی انہیں آگ میں ڈال کر عذاب دیا جائے گا اور کبھی گرم پانی کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

سورۃ الصافات کی آیت: ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيْمِ سے معلوم ہوتا ہے کہ گرم پانی پلانے کے لیے انہیں گرم پانی کی جگہ لے جایا جائے گا پھر واپس جحیم یعنی آگ کی جگہ واپس لوٹا دیا جائے گا۔ بعض علماء نے آیت کے ظاہری الفاظ لے کر یہ کہا ہے کہ حمیم یعنی گرم پانی کی جگہ جحیم سے باہر ہوگی لیکن چونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دخول جہنم کے بعد پھر خروج ہو اس لیے دیگر

علماء نے یہ فرمایا ہے کہ گرم پانی کی جگہ بھی دوزخ ہی کی حدود میں اندر ہی ہوگی۔ گرم پانی پی کر واپس اپنے ٹھکانہ پر لائے جائیں گے جو آگ ہی میں ہوگا حدود جہنم سے باہر جانا مراد نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ لفظ آن اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حمیم کی صفت ہے اس کا مادہ انی ہے مفسرین نے اس کا ترجمہ بتاتے ہوئے لکھا ہے قد انتھی حرہ یعنی وہ انتہائی حرارت کو پہنچ چکا ہوگا۔

وَلِمَنْ خَافَ اَیْ لِکُلٍّ مِنْهُمَا اَوْ لِمَجْمُوْعِهِمْ مَقَامَ رَبِّهٖ قِيَامَهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ لِلْحِسَابِ فَتَرَكَ مَعْصِيَتَهٗ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ تَثْنِيَةُ ذَوَاتٍ عَلَى الْاَصْلِ وَلَامُهَا يَاءٌ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ اَغْصَانٍ جَمْعُ فَنَنٍ كَطَلَلٍ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ فِي الدُّنْيَا اَوْ كُلِّ مَا يُتَفَكَّهُ بِهٖ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ نَوْعَانِ رَطْبٌ وَيَابِسٌ وَالْمُرُّ مِنْهُمَا فِي الدُّنْيَا كَالْحَنْظَلِ حُلْوٌ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى حَالٌ عَامِلُهٗ مَحْذُوْفٌ اَیْ يَتَنَعَّمُوْنَ فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ مَا غَلُظَ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَخَشُنَ وَالظَّوَاهِرُ مِنَ السُّنْدُسِ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ ثَمَرُهُمَا دَانٍ ﴿۵۴﴾ قَرِيْبٌ يَنَالُهُ الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ فِي الْجَنَّتَيْنِ وَمَا اشْتَمَلَتَا عَلَيْهِ مِنَ الْعَلَالِيْ وَالْقُصُوْرِ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ الْعَيْنَ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ الْمُتَّكِئِيْنَ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ يَفْتَضَّهُنَّ وَهُنَّ مِنَ الْحُوْرِ اَوْ مِنْ نِسَاءِ الدُّنْيَا الْمُنْشَاٰتِ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ صَفَاءً وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ اَیِ اللُّؤْلُؤُ بَيَاضًا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ مَا جَزَآءُ الْاِحْسَانِ بِالطَّاعَةِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ بِالنَّعِيْمِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا اَیِ الْجَنَّتَيْنِ الْمَذْكُوْرَتَيْنِ جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ اَيْضًا لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ سَوْدَاوَانِ مِنْ شِدَّةِ خُضْرَتِهِمَا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَوَّارَتَانِ بِالْمَاءِ لَا يَنْقَطِعَانِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ هُمَا مِنْهَا وَقِيْلَ مِنْ غَيْرِهَا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ اَیِ الْجَنَّتَيْنِ وَقُصُوْرِهِمَا خَيْرٰتٌ اَخْلَاقًا حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ وُجُوْهًا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ شَدِيْدَاتُ سَوَادِ الْعُيُوْنِ وَبَيَاضِهَا مَّقْصُوْرٰتٌ مَسْتُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ مِنْ دُرٍّ مُجَوَّفٍ مُضَافَةٌ اِلَى الْقُصُوْرِ

شبیھة بالخدور فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ قبل ازواجهن وَلَا
جَآنٌّ ۞ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ مُتَّكِـِٕیْنَ علی ای ازواجهن واعرابه كما تقدم عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ
جمع رفرفة ای بسط او وسائد وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ۞ جمع عبقریة ای طنافس فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۞ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۞ تقدم ولفظ اسم زائد

ترجمہ: جو شخص (جن و انسان دونوں میں سے) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہتا ہو (حساب کیلئے اللہ کے حضور پیش ہونے کے خوف سے گناہ چھوڑ دے) اس کیلئے دوہرے باغ ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے، دونوں باغ (ذواتا، ذوات کا تثنیہ ہے اپنی اصل پر۔ اور اس میں لام تام ہو گیا) گھنے ہوں گے (افنان بمعنی اغصان ہے فنن کی جمع ہے جیسے طلل کی جمع اطلال ہے) سوائے جن و انس تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں اور چشمے جاری ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے میوے (جو دنیا میں پائے جاتے تھے یا پھر لذیذ اور مزہ دار چیزیں) دوہرے ہوں گے (تازہ اور خشک دونوں طرح کے میوے ہوں گے۔ دنیا کا کڑوا پھل جیسے اندرائن وہ بھی وہاں شیریں ہوگا) سوائے جن و انس تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ تکیہ لگائے (یہ حال ہے اس کا عامل محذوف ہے یعنی یتنعمون) ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے (ریشمی ہونے اور کھردرے ہو فرش کے ابرے باریک ریشمی ہوں گے) اور ان باغوں کے پھل (میوے) نہایت قریب ہوں گے (ایسے کہ کھڑے بیٹھے، لیٹے ہر طرح میسر آ جائیں گے) سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں (باغات اور ان کے متعلقات بالا خانے اور محلات ہیں) نیچی نگاہ والی ہوں گی (جن کی نگاہ صرف اپنے خاوندوں پر رہتی ہے جو جن و انس میں سے مسند نشین ہوں گے) ان پر تصرف نہیں کیا ہوگا (زن و شوئی کے معاملات نہیں ہوئے ہوں گے۔ یہ حوران جنت ہوں گی یا دنیا کی عورتوں کی طرح نئی پیدا کی جائیں گی) ان سے پہلے نہ تو کسی انسان نے اور نہ کسی جن نے۔ سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ گویا وہ (صفائی میں) یاقوت ہیں اور (سفیدی میں) مرجان (موتی) ہیں۔ سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ بھلا اطاعت (فرمانبرداری) کا بدلہ انتہائی عنایت (جنت) کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے اور ان باغوں سے کم درجہ (یعنی جن باغوں کا پہلے بیان ہوا) دو باغ اور ہوں گے۔ سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے (اللہ کی جانب میں کھڑے ہونے سے ڈرنے والوں کیلئے) وہ باغ گہرے سبز رنگ کے ہوں گے (گہری سبزی کی وجہ سے کالے معلوم ہوں گے) سوائے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں دو چشمے ابل رہے ہوں گے (پانی کے فوارے مسلسل جاری ہوں گے) سوائے جن و انس تم اپنے



وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ

اہل تقویٰ کی دو جنتیں اور ان کی صفات:

ان آیات میں اہل جنت کے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا اور ہر نعمت بیان کرنے کے بعد فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ فرمایا ہے کہ اے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، پہلے رکوع میں دنیاوی جنتوں کا تذکرہ فرمایا اور تیسرے رکوع میں آخرت کی جنت کا تذکرہ کیا اور دوسرے رکوع میں جنات اور انسانوں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جس میں قیامت کے دن اور اس کے بعد دوزخ میں مجرمین مبتلا ہوں گے۔

مذکورہ بالا آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ جو شخص اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو باغ ہوں گے، جنت خود بہت بڑا باغ ہے پھر اس باغ میں الگ الگ باغ ہوں گے جو حسب اعمال جنتیوں کو دیے جائیں گے۔ جو حضرات گناہوں سے بچتے ہیں آخرت کے دن کے حساب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے خوشخبری ہے کہ ان میں سے ہر شخص کو دو باغ ملیں گے آخرت کا خوف انسان سے گناہوں کو چھڑا دیتا ہے اور طاعات اور عبادات پر لگائے رکھتا ہے سورۃ النازعات میں فرمایا: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشوں سے روکا سو اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا)۔

حضرت ابو موسیٰ نے آیت کریمہ: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ تلاوت کی پھر فرمایا کہ دو جنتیں سونے کی ہیں جو سابقین کے لیے ہیں اور دو جنتیں چاندی کی ہیں جو ان لوگوں کی ہوں گی جو ان کے تابع ہوں گے۔

(رواه الحاکم فی المستدرک و الذهبی فی التلخیص (م) ای علی شرط مسلم)

مذکورہ بالا دونوں جنتوں کی تین صفات بیان فرمائیں: اول یہ کہ ان میں جو درخت ہوں گے ان کی شاخیں خوب زیادہ ہوں گی جو ہری بھری ہوں گی دیکھنے میں خوب اچھی اور پھیلی ہوں گی ظاہر ہے کہ جب شاخیں اور ٹہنیاں خوب زیادہ ہوں گی تو پھل بھی خوب زیادہ ہوں گے، دوسری صفت یہ بتائی کہ ان دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے، یہ چشمے روانی کے ساتھ بہتے ہوں گے، دیکھنے سے آنکھیں لطف اندوز ہوں گی، اہل جنت کے چشموں کا ذکر سورۃ الدھر اور سورۃ المطففین میں بھی فرمایا ہے سورۃ الدھر میں ایک چشمہ کا نام سلسبیل بتایا ہے اور سورۃ المطففین میں ایک چشمہ کا نام تسنیم بتایا ہے، سورۃ الدھر میں یہ بھی فرمایا ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۚ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا (جو نیک ہیں وہ ایسے جام شراب سے پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمہ سے جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے جس کو وہ بہا کر لے جائیں گے)۔

متقیوں کے دونوں باغوں کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ ان میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں ہوں گی ایک قسم معروف یعنی جانی پہچانی ہوگی جسے دنیا میں دیکھا ہوگا اور دوسری قسم نادر ہوگی جسے پہلے نہیں جانتے تھے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک قسم رطب یعنی تازہ اور دوسری قسم یابس یعنی خشک ہوگی اور لذت میں دونوں برابر ہوں گی اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

دنیا میں جتنے بھی پھل ہیں میٹھے اور کڑوے سب جنت میں موجود ہوں گے حتیٰ کہ حنظل بھی ہوگا اور جو پھل یہاں کڑوا تھا وہاں میٹھا ہوگا۔ (روح المعانی صفحہ ۱۱۷: ج ۲۷)

مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۚ

متقی حضرات کے بستر:

متقی حضرات کی مزید نعمتیں بیان کرتے ہوئے ان کے بستروں اور بیویوں کا بھی تذکرہ فرمایا، بستروں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ ایسے بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جس کا استر یعنی اندر کا کپڑا استبرق یعنی دبیز ریشم کا ہوگا، دنیا میں جو بستر بچھائے جاتے ہیں ان میں ایک استر اوپر کا اور ایک استر نیچے کا ہوتا ہے اوپر والا نقش و نگار والا خوبصورت ہوتا ہے اور نیچے والا نقش و نگار والا نہیں ہوتا قیمتاً بھی اوپر والے کی نسبت گھٹیا ہوتا ہے، آیت میں اہل جنت کے بستروں کے نیچے والے حصے کے بارے میں بتایا کہ وہ دبیز یعنی موٹے ریشم کے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ تمہیں جنت کے بستروں کے نیچے والے استروں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ دبیز یعنی موٹے ریشم کے ہوں گے اسی سے سمجھ لو کہ اوپر والے استر کیسے خوش نما اور آرام دہ ہوں گے۔ (رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین واقرہ الذھبی فی تلخیصہ)۔ حضرت سعید بن جبیرؒ سے سوال کیا گیا کہ اندرونی بستر استبرق کے ہوں گے اوپر کے بستروں کا کیا حال ہوگا تو اس کے جواب میں سورۃ الم سجدہ کی یہ آیت سنا دی: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (کسی نفس کو معلوم نہیں کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا کچھ چھپایا گیا ہے) مطلب یہ تھا کہ اس کے بارے میں دیکھے بغیر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جنت میں دیکھ کر ہی پتہ چلے گا کہ وہ کیسے ہیں؟

دونوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے:

وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۚ (اور دونوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ جنت میں ہوں گے اگر چاہیں گے کھڑے ہو کر پھل توڑ لیں گے اور اگر چاہیں گے بیٹھے بیٹھے توڑ لیں گے اور اگر چاہیں تو لیٹے لیٹے لے لیں گے ہر حال میں درخت ان کے قریب آ جائیں گے۔ (روح المعانی)

قولہ جنی ھو مایجتنی من الثمار بالالف المقصورۃ اصلہ یاء فی آخرہ، ودان اسم فاعل من دنا یدنو۔

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ۚ

اہل جنت کی بیویاں:

اس کے بعد اہل جنت کی بیویوں کا تذکرہ فرمایا یہ بیویاں دنیا والی بھی ہوں گی اور وہ حورعین بھی ہوں گی جن سے وہاں نکاح کیا جائے گا، ان سب کا حسن و جمال بھی بہت زیادہ ہوگا، وہ اپنی آنکھوں کو نیچے رکھیں گی اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کو ذرا نظر بھی اٹھا کر نہ دیکھیں گی۔

مزید فرمایا: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ان کے جنتی شوہروں سے پہلے بھی کسی انسان یا جن نے ان کو اپنے لذت والے کام میں استعمال نہیں کیا ہوگا وہ بالکل بکر یعنی کنواری ہوں گی کسی مرد نے انہیں ہاتھ نہ لگایا ہوگا اور ہر مرتبہ ان کے

پاس جائیں گے تو کنواری ہی پائیں گے۔ قال صاحب الروح: واصل الطمث خروج الدم ولذلك يقال للمعصر طمث ثم اطلق على جماع الابكار لما فيه من خروج الدم ثم عمم لكل جماع وهو للمروي هنا عن عكرمة والى الاول ذهب الكثير وقيل ان التعبير به للاشارة الى انهن يوجدن ابكارا كلما جومعن

(صفحہ ۱۹۹: ج ۲۷)

پھر ان بیویوں کا حسن و جمال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ (گویا کہ وہ یاقوت ہیں اور مرجان ہیں) یہ دونوں موتیوں کی قسمیں ہیں مرجان کا تذکرہ گزر چکا ہے، حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ یاقوت کی صفائی اور لؤلؤ کی سفیدی سے تشبیہ دی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ چہرے کی سرخی کو یاقوت سے اور باقی جسم کو موتیوں کی سفیدی سے تشبیہ دی ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی ان کی صورتیں ایسی ہوں گی جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔ پھر جو دوسری جماعت جنت میں داخل ہوگی ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے کوئی خوب روشن ستارہ آسمان میں نظر آتا ہو، ان میں سے ہر شخص کے لئے حورعین میں سے دو بیویاں ہوں گی ان کی پنڈلیوں کے اندر کا گودہ حسن کی وجہ سے ہڈی اور گوشت کے باہر سے نظر آئے گا۔ (یہ صحیح بخاری کی روایت ہے صفحہ ۱۶۱: ج ۱) اور سنن ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ ہر بیوی پر ستر جوڑے ہوں گے اس کی پنڈلی کا گودا باہر نظر آئے گا۔

(مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۹۷)

حدیث بالا میں دو بیویوں کا ذکر ہے جو کم سے کم ہر شخص کو دی جائیں گی اور ان کے علاوہ جتنی زیادہ جس کو ملیں وہ مزید اللہ تعالیٰ کا کرم بالائے کرم ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے کم درجہ کے جنتی کو اسی ہزار خادم اور بہتر (۷۲) بیویاں دی جائیں گی۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۹۹ از ترمذی)

ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں کہ دنیا والی عورتوں میں سے دو بیویاں اور حورعین سے ستر بیویاں ملیں گی۔

(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿۶۰﴾

احسان کا بدلہ احسان:

هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ (کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ ہے) یعنی جس بندہ نے اچھی زندگی گزاری اچھے عمل کیے موحد رہا شرک سے بچا ایمان لایا اعمال صالحہ میں لگا رہا اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہی ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت نصیب فرمائے گا اور وہاں کی نعمتوں سے نوازے گا جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ حدیث شریف میں جو احسان کے بارے میں ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تكن تراہ فانه يراك فرمایا ہے اس کے مضمون کو بھی آیت بالا کا مضمون شامل ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۷: ج ۱) حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ احسان کیا ہے آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے کہ تو اسے دیکھ رہا ہو سو اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾

دوسرے درجہ کی جنتوں اور نعمتوں کا تذکرہ:

گزشتہ آیات میں دو جنتوں کا ذکر فرمایا، اب یہاں سے دوسری دو جنتوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے، یہ دونوں جنتیں پہلی دو جنتوں سے مرتبہ اور فضیلت میں کم ہوں گی یہ جن بندوں کو دی جائیں گی وہ اپنے احوال اور اعمال کے اعتبار سے ان حضرات سے کم درجے کے ہوں گے جن کو پہلی دو جنتیں دی جائیں گی گو صفت ایمان سے سب متصف ہوں گے، آئندہ سورت واقعہ میں سابقین اولین اور اصحاب یمین جنت میں جانے والی دو جماعتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی دو جنتیں سابقین اولین کے لیے اور بعد والی دو جنتیں (جن کا یہاں ذکر ہو رہا ہے) اصحاب یمین کے لیے ہوں گی جو درجہ کے اعتبار سے سابقین اولین سے کم ہوں گے۔

لفظ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ کی تحقیق:

مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ (یہ دونوں جنتیں بہت گہرے سبز رنگ والی ہوں گی) یہ کلمہ لفظ ادھیمام باب افعیلال سے اسم فاعل مؤنث کا تثنیہ کا صیغہ ہے، جو لفظ دھمۃ سے مشتق ہے۔ دھمت سیاہی کو کہتے ہیں جب سبزی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو سیاہی کی طرف مائل ہو جاتی ہے اس لیے مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فرمایا جس کا ترجمہ سبز گہرے رنگ کا کیا گیا، قرآن مجید میں یہی ایک آیت ہے جو کلمہ واحدہ پر مشتمل ہے۔

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾

جنتی بیویوں کا تذکرہ:

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ (ان چاروں جنتوں میں اچھی اور خوبصورت عورتیں ہوں گی) معالم التنزیل میں حضرت ام سلمہؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ کا مطلب بتائیے۔ آپ نے بتایا خیرات الاخلاق حسان الوجوہ یعنی وہ اچھے اخلاق والی اور خوبصورت چہروں والی ہوں گی مزید فرمایا: حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ (وہ عورتیں حوریں ہوں گی جو خیموں میں محفوظ ہوں گی) یہ خوبصورت عورتیں پردوں میں چھپی ہوئی ہوں گی۔

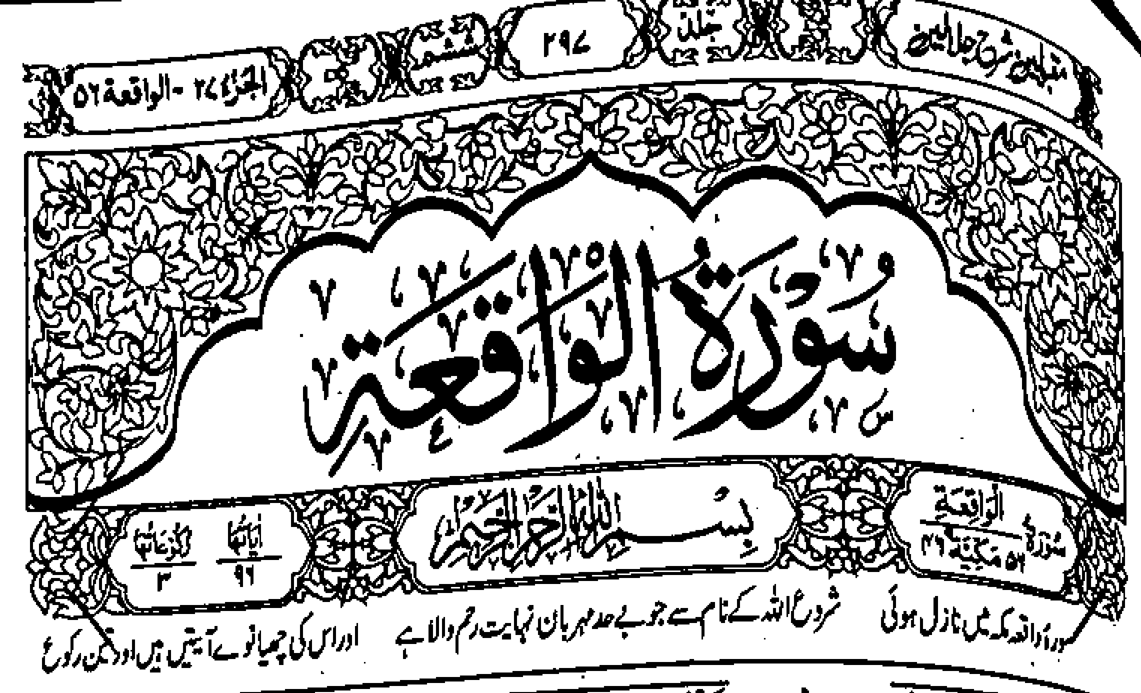
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت زمین کی طرف کو جھانک لے تو زمین و آسمان کے درمیان جتنی جگہ ہے اس سب کو روشن کر دے اور سب کو خوشبو سے بھر دے، اور فرمایا کہ اس کے سر کا دوپٹہ ساری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے ان سب سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۵: عن البخاری)

جنت کے خیموں کے بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں مؤمن کے لیے ایک ہی موتی سے بنایا ہوا خیمہ ہوگا جو اندر سے خالی ہوگا اس کی چوڑائی (اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی لمبائی) ساٹھ میل کی مسافت تک ہوگی اس کے ہر گوشے میں اس کے اہل ہوں گے جنہیں دوسرے گوشہ والے نہ دیکھ

پائیں گے۔ مؤمن بندہ اپنے اہل کے پاس آتا جاتا کرتا رہے گا۔ مؤمنین کے لیے دو جنتیں ایسی ہوں گی جن میں برتن اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے سب چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی جن کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہے اہل جنت اور ان کے رب کے دیدار کے درمیان صرف رداء الکبریا حاجب ہوگی یہ سب کچھ جنت عدن میں ہوگا۔ (رواہ البخاری ومسلم کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۱۹۵)

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ (ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے ان حوروں کو استعمال نہ کیا ہوگا)۔ بیویوں کی خوبی اور ان کا حسن و جمال بیان کرنے کے بعد فرمایا: مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ (ان جنتوں میں داخل ہونیوالے لوگ سبز رنگ کے نقش و نگار والے خوبصورت بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے) لفظ عبقری کی شرح میں متعدد اقوال ہیں ایک قول کے مطابق اس کا ترجمہ نقش و نگار والا کیا گیا ہے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو عمدہ اور بڑھیا فخر کے قابل ہو اہل عرب اسے عبقری کہتے ہیں اس اعتبار سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا عبقریا یفری فریہ۔

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام جو عظمت اور احسان والا ہے) یہ سورۃ الرحمٰن کی آخری آیت ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اکرام کے بیان پر ختم ہو رہی ہے۔



سورۂ واقعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھیانوے آیتیں ہیں اور تین رکوع

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱﴾ قَامَتِ الْقِيَامَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ﴿۲﴾ نَفْسٌ تُكَذِّبُ بِاَنْ تَنْفِيَهَا كَمَا نَفَتْهَا فِي الدُّنْيَا خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ﴿۳﴾ هِيَ مُظْهِرَةٌ لِخَفْضِ اَقْوَامٍ بِدُخُوْلِهِمُ النَّارَ وَلِرَفْعِ اٰخَرِيْنَ بِدُخُوْلِهِمُ الْجَنَّةَ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ﴿۴﴾ حُرِّكَتْ حَرَكَةً شَدِيْدَةً وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ﴿۵﴾ فُتِّتَتْ فَكَانَتْ هَبَاءً غُبَارًا مُّنْبَثًّا ۙ﴿۶﴾ مُنْتَشِرًا وَاِذَا الثَّانِيَةُ بَدَلٌ مِنَ الْاُوْلٰى وَّكُنْتُمْ فِي الْقِيٰمَةِ اَزْوَاجًا اَصْنَافًا ثَلٰثَةً ۗ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْتَوْنَ كُتُبَهُمْ بِاَيْمَانِهِمْ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۗ﴿۸﴾ تَعْظِيْمٌ لِشَانِهِمْ بِدُخُوْلِهِمُ الْجَنَّةَ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ الشِّمَالِ بِاَنْ يُّؤْتٰى كُلٌّ مِنْهُمْ كِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۗ﴿۹﴾ تَحْقِيْرٌ لِشَانِهِمْ بِدُخُوْلِهِمُ النَّارَ وَالسّٰبِقُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَهُمُ الْاَنْبِيَاءُ مُبْتَدَأٌ السّٰبِقُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ تَاكِيْدٌ لِتَعْظِيْمِ شَانِهِمْ وَالْخَبَرُ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾ مُبْتَدَأٌ اَيْ جَمَاعَةٌ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۙ﴿۱۴﴾ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمُ السَّابِقُوْنَ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَهٰذِهِ الْاُمَّةُ وَالْخَبَرُ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ مَنْسُوْجَةٍ بِقُضْبَانِ الذَّهَبِ وَالْجَوَاهِرِ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ حَالَانِ مِنَ الضَّمِيْرِ فِي الْخَبَرِ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ﴿۱۷﴾ اَيْ عَلٰى شَكْلِ الْاَوْلَادِ لَا يَهْرَمُوْنَ بِاَكْوَابٍ اَقْدَاحٍ لَا عُرٰى لَهَا وَّاَبَارِيْقَ ۙ لَهَا عُرًى وَخَرَاطِيْمُ وَكَاْسٍ اِنَاءِ شُرْبِ الْخَمْرِ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ﴿۱۸﴾ اَيْ خَمْرٍ جَارِيَةٍ مِنْ مَنْبَعٍ لَا يَنْقَطِعُ اَبَدًا لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾ بِفَتْحِ الزَّايِ وَكَسْرِهَا مِنْ نَزَفَ الشَّارِبُ وَاَنْزَفَ اَيْ لَا يَحْصُلُ لَهُمْ

مِنْهَا صُدَاعٌ وَلَا ذِهَابُ عَقْلٍ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾ وَ لَهُمْ لِلْاِسْتِمْتَاعِ وَحُوْرٌ نِسَاءٌ شَدِيْدَاتُ سَوَادِ الْعُيُوْنِ وَ بَيَاضِهَا عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ ضِخَامُ الْعُيُوْنِ كُسِرَتْ عَيْنُهُ بَدَلَ ضَمِّهَا لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ مُفْرَدُهُ عَيْنَاءُ كَحَمْرَاءَ وَ فِيْ قِرَاءَةٍ بِجَرِّ حُوْرٍ عِيْنٍ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾ الْمَصُوْنِ جَزَآءً مَفْعُوْلٌ لَهُ اَوْ مَصْدَرٌ وَالْعَامِلُ مُقَدَّرٌ اَيْ جَعَلْنَا لَهُمْ مَا ذُكِرَ لِلْجَزَاءِ اَوْ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا فِي الْجَنَّةِ لَغْوًا فَاحِشًا مِنَ الْكَلَامِ وَّ لَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ مَا يُؤْثِمُ اِلَّا لٰكِنْ قِيْلًا قَوْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾ بَدَلٌ مِنْ قِيْلًا فَاِنَّهُمْ يَسْمَعُوْنَهُ وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَا اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ شَجَرِ النَّبِقِ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ لَا شَوْكَ فِيْهِ وَّ طَلْحٍ شَجَرِ الْمَوْزِ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ بِالْحَمْلِ مِنْ اَسْفَلِهِ اِلٰى اَعْلَاهُ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ دَائِمٍ وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ جَارٍ دَائِمًا وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَا مَقْطُوْعَةٍ فِيْ زَمَنٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ بِثَمَنٍ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾ عَلَى السُّرُرِ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾ اَيِ الْحُوْرَ الْعِيْنَ مِنْ غَيْرِ وِلَادَةٍ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عَذَارٰى كُلَّمَا اَتَاهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ وَجَدُوْهُنَّ عَذَارٰى وَلَا وَجَعَ عُرُبًا بِضَمِّ الرَّاءِ وَ سُكُوْنِهَا جَمْعُ عَرُوْبٍ وَهِيَ الْمُتَحَبِّبَةُ اِلٰى زَوْجِهَا عِشْقًا لَهُ اَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ جَمْعُ تِرْبٍ اَيْ مُسْتَوِيَاتٍ فِي السِّنِّ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾ صِلَةُ اَنْشَاْنَاهُنَّ اَوْ جَعَلْنَاهُنَّ وَهُمْ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِيْ سَمُوْمٍ رِيْحٍ حَارَّةٍ مِنَ النَّارِ تَنْفُذُ فِي الْمَسَامِ وَّ حَمِيْمٍ ﴿٤٢﴾ مَاءٍ شَدِيْدِ الْحَرَارَةِ وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾ دُخَانٍ شَدِيْدِ السَّوَادِ لَّا بَارِدٍ كَغَيْرِهِ مِنَ الظِّلَالِ وَّ لَا كَرِيْمٍ ﴿٤٤﴾ حَسَنِ الْمَنْظَرِ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ فِي الدُّنْيَا مُتْرَفِيْنَ ﴿٤٥﴾ مُنَعَّمِيْنَ لَا يَتْعَبُوْنَ فِي الطَّاعَةِ وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الذَّنْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾ اَيِ الشِّرْكِ وَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾ فِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَ تَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾ بِفَتْحِ الْوَاوِ لِلْعَطْفِ وَالْهَمْزَةِ لِلْاِسْتِفْهَامِ وَ هُوَ فِيْ ذٰلِكَ وَ فِيْمَا قَبْلَهُ

لِلْاِسْتِبْعَادِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِسُکُوْنِ الْوَاوِ عَطْفًا بِاَوْ وَالْمَعْطُوْفُ عَلَیْهِ مَحَلُّ اِنَّ وَاسْمُهَا قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ

الْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۵ اِلٰی مِیْقَاتِ لِوَقْتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ اَیْ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّکُمْ

اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُکَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰکِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ بَیَانٌ لِلشَّجَرِ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا مِنَ

الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ اَیِ الزَّقُّوْمِ الْمَاکُوْلِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ بِفَتْحِ

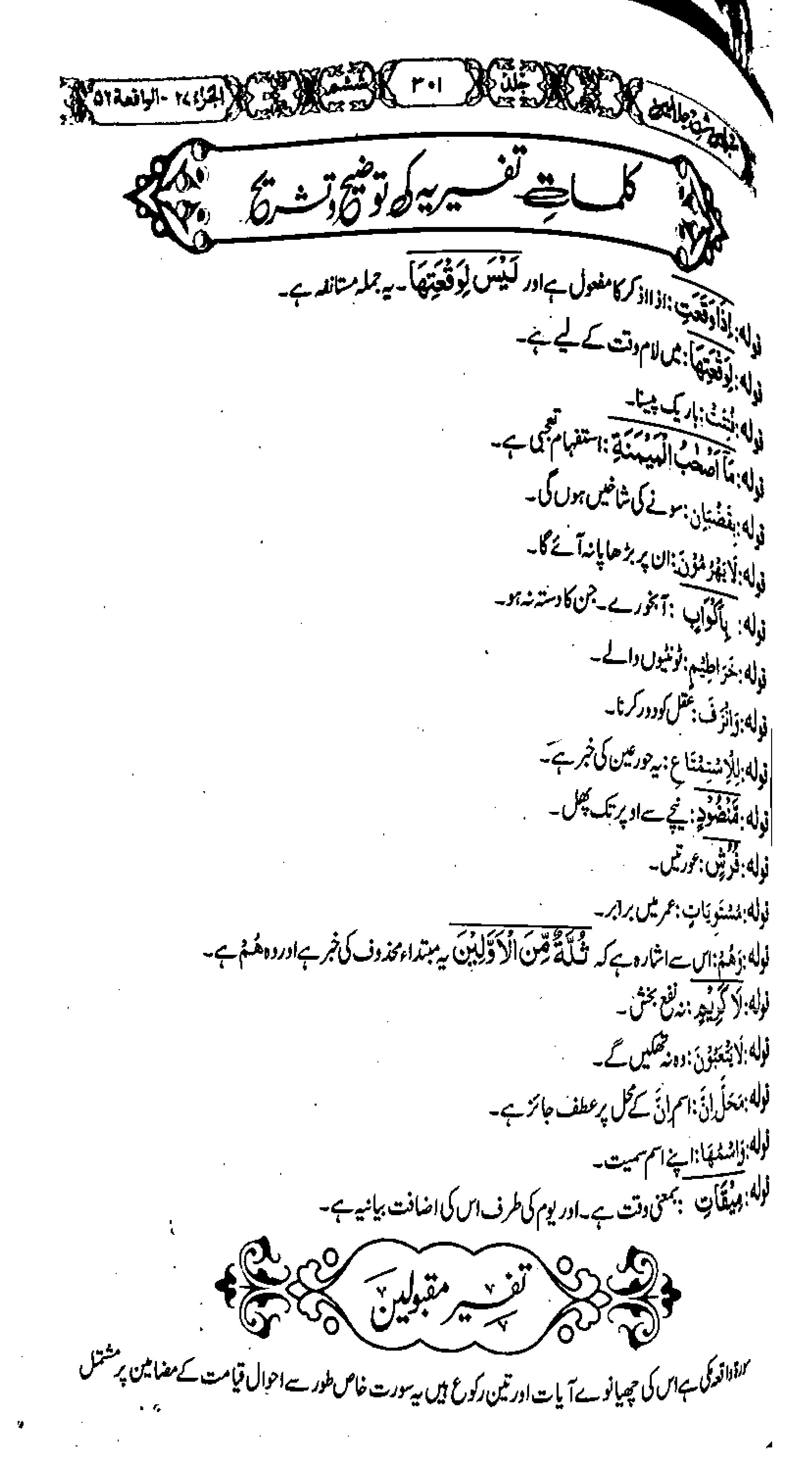
الشِّیْنِ وَضَمِّهَا مَصْدَرٌ الْهِیْمِ ﴿۵۵﴾ اَلْاِبِلِ الْعِطَاشِ جَمْعُ هَیْمَانَ لِلذَّکَرِ وَهَیْمٰی لِلْاُنْثٰی کَعَطْشَانَ وَ

عَطْشٰی هٰذَا نُزُلُهُمْ مَا اُعِدَّ لَهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۵۶﴾ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

ع ۱۴ / ۳۸

ترجمہ: جب قیامت واقع (قائم) ہوگی۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں (کوئی اس کو جھٹلا نہیں سکے گا جس طرح کہ دنیا میں اس کو جھٹلا دیا کرتے تھے) پست کردے گی بلند کردے گی (لوگوں کو دوزخ میں داخل کر کے ان کی پستی ظاہر کردے گی اور دوسروں کو جنت میں داخل کر کے ان کی بلندی ظاہر کردے گی) جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا (سخت بھونچال آجائے گا) اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ (چورہ) ہو جائیں گے۔ پھر وہ غبار (گرد) پراگندہ ہو جائیں گے (پھیل کر۔ دوسرا اذا پہلے سے بدل ہے) اور تم (قیامت میں) تین قسم کے ہو جاؤ گے۔ چنانچہ جو داہنے والے ہیں (جن کے داہنے ہاتھوں میں اعمالنامے دیئے جائیں گے یہ مبتداء ہے اس کی خبر آگے ہے) وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں (جنت میں داخل ہونے سے ان کی شان بڑھ جائے گی) اور جو بائیں جانب والے ہیں (جن کے بائیں ہاتھوں میں اعمالنامے ہوں گے) وہ بائیں والے کیسے برے ہیں (دوزخ میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کی شان گھٹ جائے گی) اور جو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں (خیر کی طرف سبقت کرنے والے یعنی انبیاء یہ مبتداء ہے) وہ تو اعلیٰ درجہ کے ہیں (السابقون تاکید ہے تعظیم شان کیلئے اور آگے خبر ہے) وہ تو خاص مقرب ہیں۔ جو "آرام باغوں" میں ہوں گے۔ ان میں سے بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا (مبتداء ہے یعنی پہلی امتوں کی جماعت) اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے (آنحضرت ﷺ کی امت میں سے اور سابقون پچھلی امتوں اور امت محمدیہ میں سے ہوں گے۔ خبر آگے ہے) وہ سونے سے بنے ہوئے تختوں پر (جو سونے اور جواہرات کے تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے) تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (یہ دونوں خبر کی ضمہ سے حال ہیں) ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے آمد و رفت کیا کریں گے (جو بچے ہی رہیں گے کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے) آبخورے (پیالے جن میں پکڑنے کی ہتھی نہیں ہوتی) اور جگ (جن میں پکڑنے کی ہتھی اور پینے کی ٹونٹی ہوتی ہے) اور جام (شراب پینے کے پیانے) بہتی شراب سے لبریز لیے ہوں گے (ایسی شراب جو صراحی سے نکلتی ہی رہے کبھی ختم نہ ہو) نہ اس شراب سے دردسر ہوگا اور نہ اس سے بہکیں گے (یُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ فتحہ زا کے ساتھ نَزَفِ الشَّارِبِ وَاَنْزَفَ سے ماخوذ ہے یعنی نہ اس سے سرگرانی ہوگی اور نہ عقل میں فتور آئے گا جیسا کہ دنیا کی شراب میں یہ سب کچھ ہوتا ہے) اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو مرغوب ہوگا اور

(خوب سفید وسیاہ آنکھوں والی) عورتیں ہوں گی (عین کے معنی کشادہ چشم کے ہیں۔ (ان کی لذت کیلئے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی ضمہ کی بجائے یاء کے قرب ہونے کی وجہ سے عین پر کسرہ آ گیا حمراء کے وزن پر عیناء مفرد ہے ایک قراءت میں ''حور عین'' جر کے ساتھ ہے) جو چھپے ہوئے (محفوظ) موتیوں کی طرح ہوں گی۔ یہ صلہ کے طور پر ہوگا (مفعول لہ یا مصدر ہے۔ عامل مقدر ہے یعنی جَعَلْنَا لَهُمْ مَا ذُكِرَ لِلْجَزَاءِ اَوْ جَزَيْنَاهُمْ) ان کے اعمال کا۔ وہاں (جنت میں) نہ بک بک (فضول بات) سنیں گے اور نہ بیہودہ (گناہ کی) بات ہوگی بس سلام ہی سلام کی آواز آئے گی (سلاما قیلا سے بدل ہے۔ کیوں کہ جنتی سلام سنیں گے) اور جو داہنے والے ہیں کیسے اچھے ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بیری (کے درخت) بے خار ہوں گے (جن میں کانٹے نہیں ہوں گے) اور کیلے (کے درخت) تہ بتہ ہوں گے (جو نیچے سے اوپر تک مرتب ہوتے ہیں) اور لمبا (دائمی) سایہ ہوگا اور پانی چلتا ہوا (ہمیشہ جاری) ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ جو (کبھی) ختم نہ ہوں گے اور (قیمت کے ذریعہ) روک ٹوک نہ ہوگی اور (تخت پر) اونچے اونچے فرش ہوں گے۔ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے (یعنی عورتیں بغیر ولادت کے پیدا کیں) یعنی ہم نے ان کو کنوارا بنایا (ان کے شوہر جب بھی ان کے پاس آئیں گے انہیں باکرہ ہی پائیں گے۔ مگر وہ تکلیف کا باعث نہیں ہوں گی) محبوبہ ہیں (ضمہ را اور سکون را کے ساتھ جو بیوی شوہر کیلئے پسندیدہ محبوبہ ہو) ہم عمر ہیں (اتراب۔ ترب کی جمع ہے ہم عمر کو کہتے ہیں) یہ سب چیزیں داہنے والوں کیلئے (انشاناهن یا جعلناهن کا صلہ ہے اور وہ اصحاب الیمین) ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور ایک بڑا طبقہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں وہ لُو میں ہوں گے (آگ کی آنچ جو مسامات میں گھستی چلی جائے) اور کھولتے ہوئے (تیز) پانی اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں (جو بے حد کالا ہوگا) جو (اور سایوں کی طرح) نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش (خوش منظر) ہوگا وہ لوگ پہلے (دنیا میں) بڑی خوش حالی میں رہتے تھے (آرام سے، طاعت میں تعب برداشت نہیں کرتے تھے) اور بڑے بھاری گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں رہ گئے تو کیا ہم دوبارہ جلائے جائیں گے (دونوں جگہ دونوں میں ہمزہ تحقیق اور دوسری میں ہمزہ تسہیل ہے اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزاؤں کے درمیان الف داخل ہے) اور کیا ہمارے اگلے دادا بھی (اوفتحہ واؤ کے ساتھ عطف کیلئے ہے اور ہمزہ استفہام کیلئے ہے اور یہاں اور پہلے استبعاد کیلئے بھی ہے اور ایک قراءت میں واؤ پر عطف کرتے ہوئے سکون واؤ ہے اور معطوف علیہ ان اور اس کے اسم کا محل ہوگا) آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جائیں گے وقت پر معین تاریخ کے (یعنی قیامت کے) دن پھر تم کو اے گمراہو، جھٹلانے والو درخت زقوم سے کھانا ہوگا (من زقوم۔ شجر کا بیان ہے) پھر اس (درخت) سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس (زقوم کے کھانے) پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا۔ پھر پینا بھی پینا (شین کے فتحہ، ضمہ کے ساتھ مصدر ہے) پیاسے اونٹ کا سا ہوگا (هیم جمع ہے هیمان مذکر کیلئے اور هیمی مونث کیلئے آتا ہے جیسے عطشان عطشی) یہ دعوت ہوگی (نزل مہمانی کے طور پر جو کچھ پیش کیا جائے) ان لوگوں کی قیامت کے روز۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: إِذَا وَقَعَتِ: اِذ اُذکر کا مفعول ہے اور لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

قوله: لِوَقْعَتِهَا: میں لام وقت کے لیے ہے۔

قوله: بُسَّتْ: باریک پینا۔

قوله: مَا أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ: استفہام تعجبی ہے۔

قوله: بقضبان: سونے کی شاخیں ہوں گی۔

قوله: لَا يَهْرَمُوْنَ: ان پر بڑھاپا نہ آئے گا۔

قوله: بِأَكْوَابٍ: آبخورے۔ جن کا دستہ نہ ہو۔

قوله: خراطیم: ٹونٹیوں والے۔

قوله: وَانْزِفَ: عقل کو دور کرنا۔

قوله: بالاستمتاع: یہ حور عین کی خبر ہے۔

قوله: مَنْضُوْدٍ: نیچے سے اوپر تک پھل۔

قوله: فُرُشٍ: عورتیں۔

قوله: مستويات: عمر میں برابر۔

قوله: وَهُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور وہ هُمْ ہے۔

قوله: لَا كَرِيْمٍ: نہ نفع بخش۔

قوله: لَا يُتْعَبُوْنَ: وہ نہ تھکیں گے۔

قوله: بمحل انّ: اسم انّ کے محل پر عطف جائز ہے۔

قوله: وَاِسْمُهَا: اپنے اسم سمیت۔

قوله: مِيْقَاتِ: بمعنی وقت ہے۔ اور یوم کی طرف اس کی اضافت بیانیہ ہے۔

تفسیر مقبولین

سورۂ واقعہ مکی ہے اس کی چھیانوے آیات اور تین رکوع ہیں یہ سورت خاص طور سے احوال قیامت کے مضامین پر مشتمل

ہے اور یہ مضامین اپنے سیاق وسباق سے قیامت، حشر ونشر اور جزا وسزا کی عظمت وہیبت قلوب پر قائم کرنے میں ایک عجیب تاثیر رکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ تو بوڑھے ہو گئے (جب کہ اچانک آپ پر ضعف کے آثار اس طرح واقع ہوئے کہ دیکھنے والا یہ محسوس کرے کہ آپ ﷺ پر پوری طرح بڑھاپا آ گیا حالانکہ آپ ﷺ کے قوی توانا اور صحت مند تھے) تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ کو سورۂ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا بنا دیا یعنی ان کے مضامین کی ہیبت نے مجھ کو اچانک ایسا مضمحل کر ڈالا۔

حافظ ابن عساکر ؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ کے تذکرہ میں عمرو بن الربیع اعصری کی سند سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ جب بیمار ہوئے اور یہ مرض انکا مرض وفات تھا تو حضرت عثمان غنیؓ عیادت کے لئے تشریف لائے پوچھا کہ کیا تکلیف ہے؟ فرمایا میرے گناہ (بس یہی تکلیف ہے) فرمایا کسی چیز کے لئے خواہش ہے؟ جواب دیا اپنے پروردگار کی رحمت کی، حضرت عثمانؓ فرمانے لگے کیا میں آپ کے واسطے کسی طبیب کا حکم دوں (کہ انتظام کیا جائے) کہنے لگے طبیب ہی نے تو مجھ کو بیمار کیا ہے (یعنی اصل طبیب جو شفاء کا مالک ہے اور اسی کے قبضہ میں ہر صحت ومرض اور موت وحیات ہے اسی کے حکم سے تو بیمار ہوا ہوں) پوچھا کہ کیا میں آپ کے واسطے کسی مقدار مال اور بخشش کا حکم نہ کردوں جواب دیا مجھے کوئی حاجت نہیں فرمایا آپ کے بعد آپ کی بیٹیوں کے کام آئے گا فرمایا کیا آپ کو میری بیٹیوں کے متعلق فقر کا کوئی اندیشہ ہے حالانکہ میں نے ان کو اس بات کی ہدایت کر رکھی ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کر لیا کریں اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کرے اس کو کبھی فقر وفاقہ پیش نہیں آئے گا۔

اَلْوَاقِعَةُ ۝: قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس وجہ سے کہ قیامت بلاشبہ واقع ہونے والی ہے اور اس سے زائد قطعی اور یقینی کوئی چیز باعتبار وقوع نہیں ہو سکتی جیسا کہ ارشاد ہے: "فیومئذ وقعت الواقعة" اور فرمان ہے کہ: "سال سائل بعذاب واقع للکافرین لیس له دافع" روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز فجر میں اس سورت کو بکثرت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

ابتداء سورت میں قیامت کے واقع ہونے کی خبر اس کے احوال عظمت وہیبت کے ساتھ دیتے ہوئے انسانوں کو تین قسموں میں منقسم فرمایا اس کے بعد انکے انجام اور سعادت وشقاوت اور جزاء وسزا کا ذکر فرمایا پھر دلائل قدرت کی تفصیل فرماتے ہوئے قرآن کریم کی عظمت وحقانیت کا بیان فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ کون لوگ سابقین بالخیرات اور اہل سعادت ہیں اور کون درمیانہ درجہ کے اور کون وہ بدنصیب ہیں جو سعادت سے محروم رہتے ہوئے اپنے کو ہلاکت وتباہی میں ڈالتے ہیں۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝

قیامت پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہے:

اس سورت میں وقوع قیامت اور قیامت واقع ہونے کے بعد جو فیصلے ہوں گے اور ان کے بعد جو اہل ایمان کو انعامات

لیں گے اور اہل کفر جو عذاب میں مبتلا ہوں گے اس کی کچھ تفصیلات بیان کی گئی ہیں، درمیان میں اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

آیات بالا میں ارشاد فرمایا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اس کا کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا آج تو دنیا میں بہت بڑی تعداد میں لوگ اس کے وقوع کے منکر ہیں جب وہ آ ہی جائے گی جس کی خبر اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں نے دی ہے اسے نظر سے دیکھ لیں گے اور جھٹلانے والے پریشان حال مبتلائے عذاب ہوں گے، اس دن مان لیں گے اور رَبَّنَآ اَبۡصَرۡنَا وَ سَمِعۡنَا کہیں گے، قیامت کی یہ خاص صفت ہوگی کہ وہ خَافِضَةٌ بھی ہوگی اور رَّافِعَةٌ ۝ بھی، یعنی پست کرنے والی بھی اور بلند کرنے والی ہوگی، بہت سے لوگ جو دنیا میں اونچے تھے بادشاہ تھے امیر تھے وزیر تھے قوموں کے سردار تھے مال کی ریل پیل کی وجہ سے اہل دنیا انہیں بڑا سمجھتے تھے لیکن کافر مشرک منافق یا کم از کم فاسق تھے یہ لوگ قیامت کے دن برے حال میں ہوں گے، اس دن کی گرفت دنیا والی ساری بڑائی کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے گی، اور بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں حقیر اور کمزور سمجھے جاتے تھے اصحاب دنیا کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہ تھی لیکن ایمان والے تھے متقی اور پرہیزگار تھے اعمال صالحہ سے مزین اور متصف تھے قیامت انہیں بلند کر دے گی بہت بڑی تعداد میں تو یہ لوگ بلا حساب جنت میں چلے جائیں گے اور بہت سوں سے آسان حساب ہوگا اور بہت سوں سے تھوڑا بہت حساب ہو کر چھٹکارہ ہو جائے گا۔ حضرات انبیائے عظام اور شہداء کرام اور علماء اصحاب اکرام کی سفارشیں کام دے جائیں گی۔

وَّكُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً ۝

میدان حشر میں حاضرین کی تین قسمیں:

ابن کثیر نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمام لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جاویں گے، ایک قوم عرش کے داہنی جانب ہوگی، یہ وہ ہوں گے جو آدم علیہ السلام کی داہنی جانب سے پیدا ہوئے اور ان کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور ان کو عرش کی داہنی جانب میں جمع کر دیا جائے گا، یہ سب لوگ جنتی ہیں۔

دوسری قوم عرش کے بائیں جانب میں جمع ہوگی جو آدم علیہ السلام کے بائیں جانب سے پیدا ہوئی اور جن کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں دیئے گئے، ان سب کو بائیں جانب میں جمع کر دیا جائے گا اور یہ سب لوگ جہنمی ہیں (نعوذ باللہ منہم)

اور تیسری قسم طائفہ سابقین کا ہوگا جو رب عرش کے سامنے خصوصی امتیاز اور قرب کے مقام میں ہوگا، جن میں انبیاء و رسل، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ شامل ہوں گے، ان کی تعداد بہ نسبت اصحاب الیمین کے کم ہوگی۔

آخر سورۃ میں ان تینوں کا ذکر پھر اس سلسلے میں آئے گا کہ انسانوں کی موت کے وقت سے ہی آثار اس کے محسوس ہو جائیں گے کہ یہ ان تینوں گروہوں میں سے کس گروہ میں شامل ہونے والا ہے۔

فَاَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۝

قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی تین قسمیں:

ان آیات میں اصحاب المیمنہ کی دونوں قسموں یعنی مقربین اور عام مؤمنین کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کے انعامات بتائے ہیں۔ موقعہ اجمالاً یوں فرمایا: فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ ؕ (سو داہنے ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے) وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ؕ (اور بائیں ہاتھ والے کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے) پہلی قسم کے افراد کو اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ ؕ (داہنے ہاتھ والے) کس اعتبار سے فرمایا؟ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے دو قول لکھے ہیں، اول یہ کہ ان حضرات کے صحائف اعمال (یعنی اعمال نامے) داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے، دوم یہ کہ جب یہ حضرات جنت میں جانے لگیں گے تو میدان حشر سے ہٹ کر داہنے ہاتھ کو چل دیں گے۔ صاحب معالم التنزیل نے تیسرا قول یہ لکھا ہے کہ جب صلب آدم سے نکالے گئے تو یہ لوگ ان کے داہنے طرف سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے انہیں جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ لفظ یمن (بمعنی مبارک) سے ماخوذ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات مبارک ہیں۔ ان کی زندگیاں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں گزری ہوں گی، ان کے مقابل وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ کو سمجھ لیا جائے۔ مذکورہ اقوال میں سے ہر بات کا مقابل ذہن میں لے آنا چاہیے یعنی وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور جب ان کو دوزخ کی طرف لے جائیں تو میدان حشر سے بائیں طرف لے جایا جائے گا جدھر دوزخ ہوگا اور جب انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا تو یہ ان کے بائیں طرف سے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں نے انہیں دوزخ کے لیے پیدا کیا اور یہ لوگ نامبارک (یعنی بدبختی کے کام کرتے تھے اپنی عمریں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں نہیں لگاتے تھے) اس کے بعد سابقین (یعنی آگے بڑھنے والوں) کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا: اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ ؕ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے جو صفات بیان کی گئیں ان کے اعتبار سے یہ حضرات مقربین بھی اصحاب المیمنہ ہی ہیں لیکن اعمال میں سبقت لے جانے کی وجہ سے ان کو سابقین کا لقب دیا گیا ان کے انعامات بھی خوب بڑے بڑے بتائے، اس اعتبار سے میدان حشر میں حاضر ہونے والوں کی مذکورہ دو قسموں (فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ اور وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ کے علاوہ تیسری قسم یہی مقربین کی جماعت ہوگی)۔

وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۙ

سابقین اولین کون سے حضرات ہیں؟

سابقین کے بارے میں فرمایا: وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۙ اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۚ (اور آگے بڑھنے والے وہ آگے بڑھنے والے ہیں وہ خاص قرب رکھنے والے ہیں)۔

جن حضرات کو سابقین کا لقب دیا اس سبقت سے کون سی سبقت مراد ہیں؟ اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے ہجرت کی طرف سبقت کی اور حضرت عکرمہ ؒ نے فرمایا کہ اس سے اسلام قبول کرنے کی طرف سبقت کرنے والے مراد ہیں حضرت ابن سیرین ؒ نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں

...کی طرف لازمی۔

...حضرت انس بن انس نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرنے میں جلدی کی اور حضرت علیؓ نے فرمایا جو حضرات پانچوں نمازوں کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ السابقون سے وہ حضرات مراد ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا جو حضرات توبہ کی طرف اور نیک اعمال کی طرف سبقت کرتے ہیں وہ حضرات سابقون ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا: سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ۔ ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے سب سے زیادہ جامع قول حضرت سعید بن جبیرؓ کا ہے جو دیگر اقوال کو بھی شامل ہے۔

اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝

ثُلَّةٌ بضم ثاء، جماعت کو کہتے ہیں اور زمخشری نے کہا کہ بڑی جماعت کو ثلہ کہا جاتا ہے۔ (روح)

اولین و آخرین سے کیا مراد ہے:

یہاں اولین و آخرین کی تقسیم کا دو جگہ ذکر آیا ہے، اول سابقین مقربین کے سلسلہ میں، دوسرا اصحاب الیمین یعنی عامہ مؤمنین کے سلسلے میں، پہلی جگہ یعنی سابقین میں تو یہ فرق کیا گیا ہے کہ یہ سابقین مقربین اولین میں سے ثلہ یعنی بڑی جماعت ہوگی اور آخرین میں سے کم ہوں گے، جیسا کہ آیت مذکورہ میں ہے اور دوسری جگہ اصحاب الیمین کے بیان میں اولین و آخرین دونوں میں لفظ ثلہ وارد ہوا ہے، جس کے معنی یہ ہوئے کہ اصحاب یمین اولین میں سے بڑی جماعت ہوگی، اسی طرح آخرین میں سے بھی بڑی جماعت ہوگی: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝

اب قابل غور یہ امر ہے کہ اولین سے مراد کون ہیں اور آخرین سے کون، اس میں حضرات مفسرین کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ آدم علیہ السلام سے لے کر قرب زمانہ خاتم الانبیاء تک کی تمام مخلوقات اولین میں داخل ہیں اور خاتم الانبیاء ﷺ سے لے کر قیامت تک آنے والی مخلوق آخرین میں داخل ہے، یہ تفسیر مجاہد اور حسن بصری سے ابن ابی حاتم نے سند کے ساتھ نقل کی ہے اور ابن جریر نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، بیان القرآن کے خلاصہ تفسیر میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے، جو اوپر بیان ہو چکا ہے اور اس کی دلیل میں حضرت جابر کی مرفوع حدیث نقل کی ہے، یہ حدیث ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ اس طرح نقل کی ہے کہ جب پہلی آیت جو سابقین مقربین کے سلسلے میں آئی ہے نازل ہوئی: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تعجب کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا پچھلی امتوں میں سابقین زیادہ ہوں گے اور ہم میں کم ہوں گے؟ اس کے بعد سال بھر تک اگلی آیت نازل نہیں ہوئی، جب ایک سال کے بعد آیت نازل ہوئی: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اسمع یا عمر ما قد انزل اللہ ثلة من الاولین وثلة من الاخرین الا و ان من ادم الی ثلة و امتی ثلة

الحدیث۔ (ابن کثیر)

اے عمر! سنو! جو اللہ نے نازل فرمایا کہ اولین میں سے بھی ثلہ یعنی بڑی جماعت ہوگی اور آخرین میں سے بھی ثُلَّةٌ یعنی

بڑی جماعت ہوگی اور یاد رکھو کہ آدم علیہ السلام سے مجھ تک ایک ثُلَّۃٌ ہے اور میری امت دوسرا ثُلَّۃٌ۔

اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ جب آیت: ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر شاق ہوا کہ ہم بہ نسبت امم سابقہ کے کم رہیں گے، اس وقت دوسری آیت نازل ہوئی، ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم یعنی امت محمدیہ جنت میں ساری مخلوق کے مقابلہ میں چوتھائی، تہائی، بلکہ نصف اہل جنت ہوگے اور باقی نصف میں بھی کچھ تمہارا حصہ ہوگا، (ابن کثیر) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مجموعی طور پر اہل جنت میں اکثریت امت محمدیہ کی ہوجائے گی، مگر ان دونوں حدیثوں سے استدلال میں ایک اشکال یہ ہے کہ: وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ تو سابقین مقربین کے متعلق آیا ہے اور دوسری آیت میں جو: ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ آیا ہے وہ سابقین مقربین کے متعلق نہیں بلکہ اصحاب الیمین کے متعلق ہے۔

اس کا جواب روح المعانی میں یہ دیا ہے کہ صحابہ کرام اور حضرت عمر کو جو پہلی آیت سے رنج و غم ہوا، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ جو نسبت سابقین میں ہے وہی شاید اصحاب الیمین اور عام اہل جنت میں ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کل اہل جنت میں ہماری تعداد بہت کم رہے گی، جب اصحاب الیمین کی تشریح میں اولین و آخرین دونوں میں لفظ ثلۃ نازل ہوا تو اس شبہ کا ازالہ ہوگیا کہ مجموعی اعتبار سے اہل جنت میں امت محمدیہ کی اکثریت رہے گی، اگرچہ سابقین اولین میں ان کی تعداد مجموعہ امم سابقہ کے مقابلہ میں کم رہے خصوصاً اس وجہ سے کہ مجموعہ امم سابق میں ایک بھاری تعداد انبیاء علیہم السلام کی ہے، ان کے مقابلہ میں امت محمدیہ کے لوگ کم رہیں تو کوئی غم کی چیز نہیں۔

لیکن ابن کثیر، ابوحیان، قرطبی، روح المعانی، مظہری وغیرہ نے سب تفسیروں میں دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اولین و آخرین دونوں طبقے اسی امت کے مراد ہیں، اولین اس امت کے قرون اولیٰ یعنی صحابہ و تابعین وغیرہ ہیں، جن کو حدیث میں خیر القرون فرمایا ہے اور آخرین قرون اولیٰ کے بعد والے حضرات ہیں۔

ابن کثیر نے حضرت جابر کی مرفوع حدیث جو پہلی تفسیر کی تائید میں اوپر لکھی گئی ہے، اس کی سند کے متعلق کہا ہے: ولکن فی اسنادہ نظر، دوسری تفسیر کے لئے استدلال میں، وہ آیات قرآنی پیش کی ہیں جن میں امت محمدیہ کا خیر الامم ہونا مذکور ہے جیسے کنتم خیر امۃ وغیرہ اور فرمایا کہ یہ بات بہت مستبعد ہے کہ سابقین مقربین کی تعداد خیر الامم میں دوسری امتوں کی نسبت سے کم ہو، اس لئے راجح یہ ہے کہ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ سے مراد اسی امت کے قرون اولیٰ ہیں، اور وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ سے مراد بعد کے لوگ ہیں کہ ان میں سابقین مقربین کی تعداد کم ہوگی۔

اس قول کی تائید میں ابن کثیر نے حضرت حسن بصری کا قول بروایت ابن ابی حاتم یہ پیش کیا ہے کہ حضرت حسن نے یہ آیت وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ تلاوت کر کے فرمایا کہ سابقین تو ہم سے پہلے گزر چکے، لیکن یا اللہ ہمیں اصحاب الیمین میں داخل فرما دیجئے اور حضرت حسن سے دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ کی تفسیر میں فرمایا ثلۃ ممن مضے من ہذہ الامۃ یعنی اولین سے مراد اسی امت کے سابقین ہیں۔

اسی طرح محمد بن سیرین نے فرمایا کہ: ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ کے متعلق علماء یہ کہتے اور توقع کرتے تھے کہ یہ اولین و آخرین سب اسی امت میں سے ہوں۔ (ابن کثیر)

اور روح المعانی میں اس دوسری تفسیر کی تائید میں ایک حدیث مرفوع بسند حسن حضرت ابوبکرہ کی روایت سے یہ نقل کی ہے:

اخرج مسدد فی مسنده و ابن المنذر و الطبرانی و ابن مردویه بسند حسن عن ابی بکرة عن النبی ﷺ فی قوله سبحانه ثلة من الاولین و ثلة من الاخرین قال هما جميعا من هذه الامة

مسدد نے اپنی مسند میں اور ابن المنذر، طبرانی اور ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوبکرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت: ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ دونوں جماعتیں اسی امت محمدیہ میں سے ہوں گی

اور حضرت ابن عباس سے بھی سند ضعیف کے ساتھ حدیث مرفوع بہت سے حضرات محدثین نے نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں هما جميعا من امتی، یعنی یہ دونوں اولین و آخرین میری ہی امت میں سے ہوں گے۔

اس تفسیر کے مطابق شروع آیت میں كُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ کا مخاطب امت محمدیہ ہی ہوگی اور یہ تینوں قسمیں امت محمدیہ ہی کی ہوں گی۔ (روح المعانی)

تفسیر مظہری میں پہلی تفسیر کو اس لئے بہت بعید قرار دیا ہے کہ آیات قرآن کی واضح دلالت اس پر ہے کہ امت محمدیہ تمام امم سابقہ سے افضل ہے اور ظاہر یہ ہے کہ کسی امت کی فضیلت اس کے اندر اعلیٰ طبقہ کی زیادہ تعداد ہی سے ہوتی ہے، اس لئے یہ بات بعید ہے کہ افضل الامم کے اندر سابقین مقربین کی تعداد کم ہو آیات قرآن کنتم خير امة اخرجت للناس اور لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا سے امت محمدیہ کی افضلیت سب امتوں پر ثابت ہے۔ اور ترمذی، ابن ماجہ دارمی نے حضرت بہز بن حکیم سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

انتم تتمون سبعين امة انتم اخيرها و اكرمها على الله تعالى

تم ستر سابقہ امتوں کا تتمہ ہو گے جن میں تم سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ اکرم و افضل ہو گے

اور امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ اہل جنت کے چوتھائی تم لوگ ہو جاؤ گے، ہم نے عرض کیا کہ بے شک ہم اس پر راضی ہیں تو آپ نے فرمایا:

والذی نفسی بیده انی لارجو ان تكونوا نصف اهل الجنة (از مظہری)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے یہ امید ہے کہ تم (یعنی امت محمدیہ) اہل جنت کے نصف ہو گے

اور ترمذی، حاکم و بیہقی نے حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی سند کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے، الفاظ حدیث کے یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اهل الجنة مائة و عشرون صفا ثمانون منها من هذه الامة و اربعون من سائر الامم (مظہری)

اہل جنت کل ایک سو بیس صفوں میں ہوں گے جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی باقی چالیس صفوں میں ساری

اسمیں شریک ہوں۔

مذکورالصدرروایات میں اس امت کے اہل جنت کی نسبت دوسری امتوں کے اہل جنت سے کہیں چوتھائی کہیں نصف اور اس آخری روایت میں دوتہائی مذکور ہے، اس میں کوئی تعارض اس لئےنہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کا اندازہ بیان کیا گیا ہے اس اندازہ میں مختلف اوقات میں زیادتی ہوتی رہی ۔ واللہ اعلم

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ

سابقین اولین کی مزید نعمتیں:

سابقین اولین کی مزید نعمتیں بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا: عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ (یہ حضرات ایسے تختوں پر ہوں گے جو بنے ہوئے ہوں گے) قرآن کریم میں صرف لفظ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ ہے کس چیز سے بنے ہوئے ہوں گے اس کا ذکر نہیں ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ سونے کے تاروں سے اور جواہر سے ان کی بناوٹ ہوگی۔ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ (ان تختوں پر تکیے لگائے ہوئے آمنے سامنے ہوں گے) اہل جنت کا تختوں پر بیٹھنا اس طرح سے ہوگا کہ کوئی کسی کی پشت نہیں دیکھ پائے گا۔ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ (ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمدورفت کیا کریں گے) بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ (آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا) اول تو خدام کے بارے میں فرمایا کہ وہ لڑکے ہوں گے اور ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اور ہمیشہ خادم بنے رہیں گے نہ انہیں موت آئے گی اور نہ بڑھاپا۔ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ کو سورۃ الطور میں غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ فرمایا ہے۔ یہ وِلْدَانٌ اہل جنت کے پاس چھوٹے بڑے برتنوں میں پینے کی چیزیں لے کر آئیں گے۔ اکواب کوب کی جمع ہے گول منہ کا پیالہ جس میں پکڑنے کا کڑانہ ہو اسے کوب کہا جاتا ہے اور اباریق، ابریق کی جمع ہے ان سے وہ برتن مراد ہیں جن میں ٹونٹیاں لگی ہوئی ہوں، ان پینے کی چیزوں میں شراب بھی ہوگی جس کا سورۃ محمد کی آیت: خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ میں تذکرہ فرمایا ہے لفظ خمر سے کسی کو نشہ آنے کا شبہ نہ ہو اس شبہ کو دور کرتے ہوئے: لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ فرمایا (نہ اس سے ان کو دردسر ہوگا اور نہ عقل میں فتور آئے گا)۔

پینے کی چیزوں کے بعد کھانے کی چیزوں کا تذکرہ فرمایا: وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ (اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے) وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۙ (اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا)۔

کھانے کی چیزوں کے تذکرہ کے بعد اہل جنت کی بیویوں کا تذکرہ فرمایا: وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ (اور ان کے لیے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی ہو) لفظ حور حوراء کی جمع ہے (اگرچہ اردو والے اس کو مفرد ہی سمجھتے ہیں) جس کا معنی ہے گوری سفید رنگت والی عورت اور عین عیناء کی جمع ہے جس کا ترجمہ ہے بڑی آنکھوں والی عورت ان دو لفظوں میں جنتی عورتوں کی خوبصورتی بیان فرمائی ہے پھر ان کے رنگ کی صفائی بیان کرتے ہوئے: كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ فرمایا یعنی وہ چھپے ہوئے موتیوں کی طرح سے ہوں گی۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا)۔
وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝

اصحاب الیمین کی نعمتیں:

اس کے بعد اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ (اور داہنے ہاتھ والے کیا خوب ہیں داہنے ہاتھ والے) فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ (وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی) سدر کو لفظ مخضود کے ساتھ متصف فرمایا یعنی ان کے درختوں میں کانٹے نہیں ہوں گے جیسا کہ دنیا والی بیریوں میں کانٹے ہوتے ہیں۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک اعرابی حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک ایسے درخت کا ذکر فرمایا ہے جو ایذا دینے والا ہے، آپ نے فرمایا ہے وہ کون سا درخت ہے عرض کیا وہ سدر بیری کا درخت ہے اس میں کانٹے ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے: وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ فرمایا ہے یعنی وہ بیری کے درخت ایسے ہوں گے جن میں کانٹے کاٹے ہوئے ہوں گے اللہ اس کے ہر کانٹے کو کاٹ دے گا اور ہر کانٹے کی جگہ پھل لگا دے گا اس میں ایسے پھل لگیں گے کہ ایک پھل پھٹے گا تو اس سے بہتر (۷۲) رنگ کے پھل نکل آئیں گے ایک رنگ دوسرے رنگ کے مشابہ نہ ہوگا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی صفحہ ۴۷۶: ج ۲)

دوسری نعمت بیان کرتے ہوئے: وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ فرمایا (یعنی وہاں تہہ بہ تہہ لگے ہوئے کیلے ہوں گے) کیلوں کا مزہ اور مٹھاس اور مخصوص کیف جو یہاں دنیا میں پرلطف ہے دنیا والے اس سے واقف ہیں۔ آخرت کے کیلوں میں جو مزہ ہوگا وہ تو اہل دنیا کے تصور سے باہر ہے، تیسری نعمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝ کہ اصحاب الیمین خوب زیادہ وسیع پھیلا ؤ والے سایہ میں ہوں گے، جنت کا سایہ سراسر آرام دینے والا ہوگا اور سایہ بھی اصلی ہوگا، جھوٹا سایہ نہ ہوگا جیسا کہ دنیا میں دھویں کا سایہ ہوتا ہے اسی لیے سورۃ نساء میں فرمایا ہے: وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا اور ہم انہیں گہرے سایہ میں داخل کریں گے، یہ سایہ چونکہ آرام دہ ہوگا اس لیے اس میں ذرا بھی گرمی اور سردی نہ ہوگی سورۃ الدھر میں فرمایا: مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۚ (اس حالت میں کہ وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ سردی)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بلا شبہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سواری پر چلنے والا سو سال تک چلتا رہے گا اس کی مسافت کو قطع نہ کر سکے گا۔ (رواہ البخاری)

مزید فرمایا وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝ کہ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ کو ماء جاری کی بھی نعمت دی جائے گی۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ پانی برابر زمین پر جاری ہوگا اس میں کھدی ہوئی نہریں، ندی نالے بنے ہوئے نہ ہوں گے جہاں چاہیں گے یہ پانی پہنچ جائے گا۔ ڈول اور رسی کی ضرورت نہ ہوگی۔ (صفحہ ۲۸۰: ج ۴)

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝ اور اصحاب الیمین خوب زیادہ فواکہ یعنی میووں میں ہوں گے یہ

میوے ہمیشہ رہیں گے کبھی بھی ختم نہ ہوں گے اور کبھی بھی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ جب چاہیں گے کھائیں گے، جتنا چاہیں گے کھائیں گے حدیث شریف میں ہے کہ جنتی آدمی جب بھی جنت میں کوئی پھل توڑے گا اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۴۱۴: ج ۱۰)

وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝ (اور اصحاب الیمین بلند بستروں پر ہوں گے) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کی بلندی اتنی ہوگی جیسے آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے یعنی پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر۔ (رواہ الترمذی وقال غریب کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۱۹۷)

اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝

بوڑھی مؤمنات جنت میں جوان بنادی جائیں گی:

اس کے بعد جنتی عورتوں کا تذکرہ فرمایا، وہاں جو بیویاں ملیں گی ان میں حورعین بھی ہوں گی جو مستقل مخلوق ہے اور دنیا والی عورتیں جو ایمان پر وفات پاگئیں وہ بھی اہل جنت کی بیویاں بنیں گی۔ یہ دنیا والی عورتیں وہ بھی ہوں گی جو دنیا میں بوڑھی ہو چکی تھیں اور وہ بھی ہوں گی جو شادی شدہ یا بے شادی شدہ یا چھوٹی عمر میں وفات پاگئی تھیں یہ سب جنت میں اہل ایمان کی بیویاں ہوں گی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اہل جنت میں سے جو بھی کوئی چھوٹا یا بڑا وفات پاگیا ہوگا قیامت کے دن سب کو جنت میں تیس سال کی عمر والا بنادیا جائے گا ان کی عمر کبھی بھی اس سے آگے نہ بڑھے گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۹)

لہٰذا بوڑھی مؤمن عورتیں جنہوں نے دنیا میں وفات پائی تھی جنت میں داخل ہوں گی تو جوان ہوں گی تیس سال کی ہوں گی۔ آیت بالا میں اسی کو فرمایا ہے۔

اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ (ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں محبوبہ ہیں ہم عمر ہیں، یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لیے ہیں) جنتی عورتیں حسن وجمال والی بھی ہوں گی محبوبات بھی ہوں گی اور ہم عمر بھی ہوں گی۔

ایک بوڑھی صحابیہ عورت کا قصہ:

شمائل ترمذی میں ہے کہ ایک بوڑھی عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادے، آپ نے فرمایا کہ اے فلاں کی ماں جنت میں بڑھیا داخل نہ ہوگی، یہ سن کر وہ بڑی بی روتی ہوئی واپس چلی گئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ اس سے کہہ دو کہ جنت میں جب وہ داخل ہوگی تو بڑھیا نہ ہوگی (یعنی جنت میں بڑھاپا باقی نہ رہے گا داخل ہونے سے پہلے ہی جوان بنادیا جائے گا) اللہ تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے:

اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ (ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں)۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باری تعالیٰ شانہ کے فرمان: اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نئے طور سے زندگی دیں گے ان میں وہ عورتیں بھی ہوں گی

جو دنیا میں چندھی تھیں اور جن کی آنکھوں میں میل اور چیڑ بھرے رہتے تھے۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الواقعہ) چندھی اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کی آنکھیں پوری طرح نہ کھلیں عام طور سے آنسو بہتے رہتے ہیں۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝

ثُلَّةٌ میں معنی بڑی جماعت اور اولین و آخرین کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے دو قول اوپر سابقون کے بیان میں مذکور ہو چکے ہیں، اگر اولین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء ﷺ کے زمانے تک کے حضرات اور آخرین سے آپ کی امت تا قیامت ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا تو اس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ اصحاب الیمین یعنی مؤمنین متقین کی تعداد پچھلی امتوں کے مجموعہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی اور تنہا امت محمدیہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اس صورت میں اول تو امت محمدیہ کی فضیلت کے لئے یہ بھی کچھ کم نہیں کہ پچھلے لاکھوں انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی برابر یہ امت ہو جائے جس کا زمانہ بہت مختصر ہے، اس کے علاوہ لفظ ثُلَّةٌ میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ یہ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ تعداد اولین سے بڑھ جائے گا۔

اور اگر دوسری تفسیر مراد لی جائے کہ اولین و آخرین دونوں اسی امت کے مراد ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس سے بغوی نے اور حضرت ابو بکرہ سے مسدد، طبرانی اور ابن مردویہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہما من امتی یعنی یہ اولین و آخرین میری امت ہی کے دو طبقے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ سابقین اولین صحابہ و تابعین وغیرہ جیسے حضرات سے بھی یہ امت آخر تک بالکل محروم نہ ہوگی اگرچہ آخری دور میں ایسے لوگ کم ہوں گے اور مؤمنین و متقین و اولیاء اللہ تو اس پوری امت کے اول و آخر میں بھاری تعداد میں رہیں گے اور امت محمدیہ کا کوئی دور کوئی طبقہ اصحاب الیمین سے خالی نہ رہے گا اس کی شہادت اس حدیث سے بھی ملتی ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت معاویہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور ہزاروں مخالفتوں کے نرغے میں بھی وہ اپنا رشد و ہدایت کا کام کرتی رہے گی، اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہونے تک یہ جماعت اپنے کام میں لگی رہے گی۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝

اصحاب شمال اور عذاب الٰہی:

اصحاب یمین کا ذکر کرنے کے بعد اصحاب شمال کا ذکر ہو رہا ہے فرماتا ہے ان کا کیا حال ہوگا دھوئیں کے سخت سیاہ سائے میں جیسے اور جگہ: اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (المرسلات:۲۹) فرمایا ہے یعنی اس دوزخ کی طرف چلو جسے تم جھٹلاتے تھے۔ چلو تین شاخوں والے سایہ کی طرف جو نہ گھنا ہے نہ آگ کے شعلے سے بچا سکتا ہے، وہ دوزخ محل کی اونچائی کے برابر چنگاریاں پھینکتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ سرد اونٹنیاں ہیں۔ آج تکذیب کرنے والوں کی خرابی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ یہ لوگ جن کے بائیں ہاتھ میں عمل نامہ دیا گیا ہے یہ سخت سیاہ دھوئیں میں ہوں گے جو نہ جسم کو اچھا لگے نہ آنکھوں کو بھلا معلوم ہو، یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ برائی بیان کرنی ہو وہاں اس کا ہر ایک برا وصف بیان کر کے اس

کے بعد (ولا کریم) کہہ دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرمایا ہے یہ لوگ ان سزاؤں کے مستحق اس لئے ہوئے کہ دنیا میں جو اللہ کی نعمتیں انہیں ملی تھیں ان میں یہ ست ہوگئے۔ رسولوں کی باتوں کی طرف نظر بھی نہ اٹھائی۔ بدکاریوں میں پڑ گئے اور پھر توبہ کی طرف دلی توجہ بھی نہ رہی۔ (حنث عظیم) سے مراد بقول حضرت ابن عباس کفر شرک ہے، بعض کہتے ہیں جھوٹی قسم ہے، پھر ان کا ایک اور عیب بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کا ہونا بھی محال جانتے تھے، اس کی تکذیب کرتے تھے اور عقلی استدلال پیش کرتے تھے کہ مر کر مٹی میں مل کر پھر بھی کہیں کوئی جی سکتا ہے؟ انہیں جواب مل رہا ہے کہ تمام اولاد آدم قیامت کے دن نئی زندگی میں پیدا ہو کر اور ایک میدان میں جمع ہوگی، کوئی ایک وجود بھی ایسا نہ ہوگا جو دنیا میں آیا ہو اور یہاں نہ ہو، جیسے اور جگہ ہے اس دن سب جمع کر دیئے جائیں گے یہ حاضر باشی کا دن ہے، تمہیں دنیا میں چند روز مہلت ہے قیامت کے دن کون ہے جو بلا اجازت اللہ لب بھی ہلا سکے انسان دو قسم پر تقسیم کر دیئے جائیں گے نیک الگ اور بد علیحدہ۔ وقت قیامت محدود اور مقرر ہے، کمی زیادتی تقدیم تاخیر اس میں بالکل نہ ہوگی۔ پھر تم اے گمراہو اور جھٹلانے والو زقوم کے درخت سے کھاؤ گے اور خوب پیٹ بھر کر کھاؤ گے اور اس کے اوپر سخت گرم پانی تمہیں پینا پڑے گا اور وہ بھی اس طرح جیسے پیاسا اونٹ پی رہا ہو، ہیم جمع ہے اس کا واحد اہیم ہے اونٹ ہماء ہے ہائم اور ہوتی اور نہ اس بیماری سے اونٹ جانبر ہوتا ہے، اسی طرح یہ جنت جبراً سخت گرم پانی پلائے جائیں گے جو خود ایک بدترین عذاب ہوگا بھلا اس سے پیاس کیا رکتی ہے؟ حضرت خالد بن معدانؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں پانی پینا یہ بھی پیاس والے اونٹ کا سا پینا ہے اس لیے مکروہ ہے پھر فرمایا ان مجرموں کی ضیافت آج جزا کے دن یہی ہے، جیسے متقین کے بارے میں اور جگہ ہے کہ ان کی مہمانداری جنت الفردوس ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ اَوْجَدْنَاكُمْ عَنْ عَدَمٍ **فَلَوْلَا** هَلَّا **تُصَدِّقُوْنَ** ﴿۵۷﴾ بِالْبَعْثِ اِذِ الْقَادِرُ عَلَى الْاِنْشَاءِ قَادِرٌ عَلَى الْاِعَادَةِ **اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ** ﴿۵۸﴾ تُرِيْقُوْنَ الْمَنِيَّ فِيْ اَرْحَامِ النِّسَاءِ **ءَاَنْتُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ فِي الْمَوَاضِعِ الْاَرْبَعَةِ **تَخْلُقُوْنَهٗٓ** اَيِ الْمَنِيَّ بَشَرًا **اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ** ﴿۵۹﴾ **نَحْنُ قَدَّرْنَا** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ** ﴿۶۰﴾ بِعَاجِزِيْنَ **عَلٰٓى** عَنْ **اَنْ نُّبَدِّلَ** نجعل **اَمْثَالَكُمْ** مَكَانَكُمْ **وَنُنْشِئَكُمْ** نَخْلُقُكُمْ **فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۶۱﴾ مِنَ الصُّوَرِ كَالْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ **وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ **فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ** ﴿۶۲﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ **اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ** ﴿۶۳﴾ تُثِيْرُوْنَ الْاَرْضَ وَتُلْقُوْنَ الْبَذْرَ فِيْهَا **ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ** تُنْبِتُوْنَهٗ **اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ** ﴿۶۴﴾ **لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا** نَبَاتًا يَابِسًا لَا حَبَّ فِيْهِ **فَظَلْتُمْ** اَصْلُهٗ ظَلِلْتُمْ بِكَسْرِ اللَّامِ فَحُذِفَتْ تَخْفِيْفًا اَيْ

فَظَلْتُمْ نَهَارًا تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ حُذِفَ مِنْهُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِى الْاَصْلِ تَعْجَبُوْنَ مِنْ ذٰلِکَ وَتَقُوْلُوْنَ اِنَّا

لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ نَفَقَةَ زَرْعِنَا بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ مَمْنُوْعُوْنَ رِزْقَنَا اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ

تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ السَّحَابِ جَمْعُ مُزْنَةٍ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ

جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا مِلْحًا لَا يُمْكِنُ شُرْبُهٗ فَلَوْ لَا فَهَلَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾

تُخْرِجُوْنَ مِنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ كَالْمَرْخِ وَالْعَفَارِ وَالْكَلْخِ اَمْ نَحْنُ

الْمُنْشِئُوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً لِنَارِ جَهَنَّمَ وَّمَتَاعًا بُلْغَةً لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ لِلْمُسَافِرِيْنَ مِنْ اَقْوَى

الْقَوْمِ اَىْ صَارُوْا بِالْقَوِىِّ بِالْقَصْرِ وَالْمَدِّ اَىِ الْقَفْرِ وَهُوَ مَفَازَةٌ لَا نَبَاتَ فِيْهَا وَلَا مَاءَ فَسَبِّحْ نَزِّهْ بِاسْمِ

زَائِدٌ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ اللهِ

ع ۲ / ۱۵

ترجمہ: ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے (عدم سے وجود بخشا ہے) تو پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے (قیامت کی کیونکہ جو خدا تمہیں ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو (بیویوں کے رحم میں منی ڈالتے ہو) اس کو تم (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور تسہیل کرکے اور ہمزہ مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کرکے اور چاروں صورتوں میں بغیر الف داخل کئے پڑھا گیا ہے) آدمی بناتے ہو (یعنی منی کو انسان) یا ہم بنانے والے ہیں؟ ہم ہی نے تمہارے درمیان ٹھہرا رکھا ہے (قدرنا تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) موت کو اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں۔ تمہاری جگہ تو اور تم جیسے پیدا کردیں اور تم کو ایسی صورت میں بنادیں جن کو تم جانتے بھی نہیں (یعنی بندر اور خنزیر کی شکل پر) اور تمہیں پہلی پیدائش کا علم ہے (نشأۃ ایک قراءت میں سکون شین کے ساتھ ہے) پھر تم کیوں نہیں سمجھتے (اس کی اصل میں تائے ثانیہ کو ذال بنا کر ادغام کردیا ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو (نکالتے ہو) یا ہم اگانے والے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کردیں (بغیر دانہ کے بھوسہ) پھر تم رہ جاؤ (فَظَلْتُمْ اصل میں ظَلِلْتُمْ تھا کسرہ لام کے ساتھ تخفیفاً لام کو حذف کردیا یعنی تم دن بھر رہو) حیران (تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ کی اصل میں دو تاء تھیں ایک کو حذف کردیا گیا اس پر تعجب کرتے ہوئے بول اٹھوگے) کہ ٹوٹے ہی میں رہ گئے (غلہ کی پیداوار میں) بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (پیداوار سے خالی ہاتھ) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو (مزن بمعنی بادل مُزْنَةٍ کی جمع ہے) یا ہم برسانے والے ہیں اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں (ایسا شور کہ پیا نہ جاسکے) سو تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو (سرسبز درخت کا چقماق بناتے ہو) اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے (جیسے مرخ، عفار اور کلخ نامی درخت) یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے اس آگ کو (دوزخ کی) یاددہانی کی چیز بنایا ہے اور مسافروں کے فائدہ (نفع)

کی چیز بنایا ہے (مقوین بمعنی مسافرین "اَقْوَى الْقَوْمِ" سے ماخوذ ہے یعنی قوم میدان میں چلی گئی۔قوی تصر ومد کے ساتھ دونوں طرح ہے بمعنی کھلا میدان اور ایسا جنگل جس میں نہ گھاس ہو نہ پانی) سواپنے عظیم الشان پروردگار (اللہ) کی (اسم زائد ہے) تسبیح (پاکی بیان) کیجئے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: قَدَّرْنَا :یعنی ہر ایک کی موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔

قوله: إِنَّا لَمُغْرَمُونَ :ہمیں تو چٹی پڑ گئی۔

قوله: لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنٰهُ :یہاں لام فاصل کو حذف رکھا گیا ہے۔

قوله: مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ :سرخ وعفار گیلی شاخیں رگڑ کر آگ نکالتے ہیں۔

قوله: لِلْمُقْوِينَ :یہ اقوی القوم سے ماخوذ ہے۔



نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

منکرین قیامت کو جواب:

اللہ تعالیٰ قیامت کے منکرین کو لاجواب کرنے کے لئے قیامت کے قائم ہونے اور لوگوں کے دوبارہ جی اٹھنے کی دلیل دے رہا ہے، فرماتا ہے کہ جب ہم نے پہلی مرتبہ جبکہ تم کچھ نہ تھے تمہیں پیدا کر دیا تو اب فنا ہونے کے بعد جبکہ کچھ نہ کچھ تو تم رہو گے ہی۔ تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ہم پر کیا گراں ہوگا؟ جب ابتدائی اور پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو پھر دوسری مرتبہ کے پیدا ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ دیکھو انسان کے خاص پانی کے قطرے تو عورت کے بچہ دان میں پہنچ جاتے ہیں اتنا کام تو تمہارا تھا لیکن اب ان قطروں کو بصورت انسان پیدا کرنا یہ کس کا کام ہے؟ ظاہر ہے کہ تمہارا اس میں کوئی دخل نہیں کوئی ہاتھ نہیں کوئی قدرت نہیں کوئی تدبیر نہیں، پیدا کرنا یہ صفت صرف خالق کل اللہ رب العزت کی ہی ہے ٹھیک اسی طرح مار ڈالنے پر بھی وہی قادر ہے۔کل آسمان وزمین والوں کی موت کا متصرف بھی اللہ ہی ہے۔ پھر بھلا اتنی بڑی قدرتوں کا مالک کیا یہ نہیں کر سکتا کہ قیامت کے دن تمہاری پیدائش میں تبدیلی کر کے جس صفت اور جس حال میں چاہے تمہیں از سر نو پیدا کر دے۔ پس جبکہ جانتے ہو مانتے ہو کہ ابتدائے آفرینش اسی نے کی ہے اور عقل باور کرتی ہے کہ پہلی پہلی پیدائش دوسری پیدائش سے مشکل ہے پھر دوسری پیدائش کا انکار کیوں کرتے ہو؟ یہی اور جگہ ہے آیت: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الروم: ۲۷) اللہ ہی نے پہلی پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ

دوبارہ پیدا کرنا اس پر بہت ہی آسان ہے، سورۂ یاسین میں آیت (اولم یر الانسان) سے (علیم) تک ارشاد فرمایا یعنی ہم
نے انسان کو نطفے سے پیدا کرتے ہیں پھر وہ حجت بازیاں کرنے لگتا ہے اور ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگتا ہے اور کہتا پھرتا
ہے کہ ان بوسیدہ گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا تم اے نبی ﷺ ہماری طرف سے جواب دو کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس
نے انہیں پہلے پہل پیدا کیا ہے وہ ہر پیدائش کا علم رکھنے والا ہے سورۂ قیامہ میں فرمایا: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى
سے آخر سورۃ تک یعنی کیا انسان یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اسے یونہی آوارہ چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا یہ ایک غلیظ پانی کے نطفے
کی شکل میں نہ تھا، پھر خون کے لوتھڑے کی صورت میں نمایاں ہوا تھا؟ پھر اللہ نے اسے پیدا کیا درست کیا مرد عورت بنایا کیا ایسا
قادر مطلق مردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں؟

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝

آگ اور پانی کا خالق کون؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تم جو کھیتیاں بوتے ہو زمین کھود کر بیج ڈالتے ہو پھر ان بیجوں کو اگانا بھی کیا تمہارے بس میں ہے؟
نہیں نہیں بلکہ انہیں اگانا انہیں پھل پھول دینا ہمارا کام ہے۔ ابن جریر میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا زرعت نہ کہا کرو بلکہ
حرثت کہا کرو یعنی یوں کہو میں نے بویا یوں نہ کہو کہ میں نے اگایا۔ حضرت ابوہریرہ نے یہ حدیث سنا کر پھر اسی آیت کی تلاوت
کی امام حجر مدری ان آیتوں کے ایسے سوال کے موقعوں کو جب پڑھتے تو کہتے (بل انت یا ربی) ہم نے نہیں بلکہ اے ہمارے
رب تو نے ہی۔ پھر فرماتا ہے کہ پیدا کرنے کے بعد بھی ہماری مہربانی ہے کہ ہم اسے بڑھائیں اور پکائیں ورنہ ہمیں قدرت ہے
کہ سکھا دیں اور مضبوط نہ ہونے دیں برباد کر دیں اور بے نشان بنا دیں۔ اور تم ہاتھ ملتے اور باتیں بناتے ہی رہ جاؤ۔ کہ ہائے ہم
پر آفت آ گئی ہائے ہماری تو اصل بھی ماری گئی بڑا نقصان ہو گیا نفع ایک طرف پونجی بھی غارت ہو گئی غم و رنج سے نہ جانیں کیا کیا
باتیں بنانے کی بولیاں بولنے لگ جاؤ۔ کبھی کہو کاش کہ اب کی مرتبہ بوتے ہی نہیں کاش کہ یوں کرتے ووں کرتے، یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اس وقت تم اپنے گناہوں پر نادم ہو جاؤ (تفکہ) کا لفظ اپنے میں دونوں معنی رکھتا ہے نفع کے اور غم کے مزن
بنا کو کہتے ہیں۔ پھر اپنی پانی جیسی اعلیٰ نعمت کا ذکر کرتا ہے کہ دیکھو اسکا برسانا بھی میرے قبضہ میں ہے کوئی ہے جو اس کو بادل
سے اتار لائے؟ اور جب اتر آیا پھر بھی اس میں مٹھاس، کڑواہٹ پیدا کرنے پر مجھے قدرت ہے۔ یہ میٹھا پانی بیٹھے بٹھائے میں
تمہیں ملا جس سے تم نہاؤ دھوؤ کپڑے صاف کرو کھیتیوں اور باغوں کو سیراب کرو جانوروں کو پلاؤ پھر کیا تمہیں یہی چاہئے کہ میرا
شکر بھی ادا نہ کرو جناب رسول اللہ ﷺ پانی پی کر فرمایا کرتے دعا (الحمد للہ الذی سقاناہ عذبا فراتا برحمۃ ولم
یجعلہ ملحا اجاجا بذنوبنا)۔ یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں میٹھا اور عمدہ پانی اپنی رحمت سے لایا اور ہمارے گناہوں
کے باعث اسے کھاری اور کڑوا نہ بنا دیا۔ عرب میں دو درخت ہوتے ہیں مرخ اور عفاران کی سبز شاخیں جب ایک دوسری سے
رگڑی جائیں تو آگ نکلتی ہے اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے کہ یہ آگ جس سے تم پکاتے رہتے ہو اور سینکڑوں فائدے حاصل کر
رہے ہو بتاؤ کہ اصل یعنی درخت اس کے پیدا کرنے والے تم ہو یا میں؟ اس آگ کو ہم نے تذکرہ بنایا ہے یعنی اسے دیکھ کر جہنم

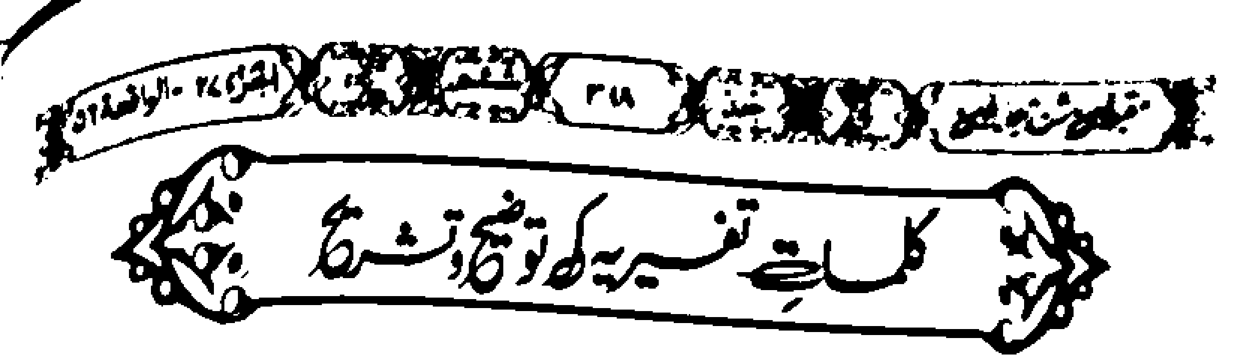
کی آگ کو یاد کرو اور اس سے بچنے کی راہ لو۔ حضرت قتادہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا تمہاری یہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے لوگوں نے کہا حضور ﷺ یہی بہت کچھ ہے آپ نے فرمایا ہاں پھر یہ سترواں حصہ بھی دو مرتبہ پانی سے بجھایا گیا ہے، اب یہ اس قابل ہوا کہ تم اس سے نفع اٹھا سکو اور اس کے قریب جا سکو۔ یہ مرسل حدیث مسند میں مروی ہے اور بالکل صحیح ہے۔ مقوین مراد مسافر ہیں، بعض نے کہا ہے جنگل میں رہنے سہنے والے لوگ مراد ہیں۔ بعض نے کہا ہے ہر بھوکا مراد ہے۔ غرض دراصل ہر وہ شخص مراد ہے جسے آگ کی ضرورت ہو اور وہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کا محتاج ہو ہر امیر فقیر شہری دیہاتی مسافر مقیم کو اس کی حاجت ہوتی ہے، پکانے کے لئے اپنے ساتھ لے جا سکے اور ضرورت کے وقت اسے کام نکال سکے۔ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تین چیزوں میں تمام مسلمانوں کا برابر کا حصہ ہے آگ گھاس اور پانی۔ ابن ماجہ میں ہے یہ تینوں چیزیں روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ ایک روایت میں ان کی قیمت کا ذکر بھی ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے تم سب کو چاہیئے کہ اس بہت بڑی قدرتوں کے مالک اللہ کی ہر وقت پاکیزگی بیان کرتے رہو جس نے آگ جیسی جلا دینے والی چیز کو تمہارے لئے نفع دینے والی بنا دیا۔ جس نے پانی کو کھاری اور کڑوا نہ کر دیا کہ تم پیاس کے مارے تکلیف اٹھاؤ بلکہ اسے میٹھا صاف شفاف اور مزیدار بنایا، دنیا میں رب کی ان نعمتوں سے فائدے اٹھاؤ اور اس کا شکر بجا لاؤ تو پھر آخرت میں بھی فائدے ہی فائدے ہیں دنیا میں یہ آگ اس نے تمہارے فائدہ کے لئے بنائی ہے اور ساتھ ہی اس لئے کہ آخرت کی آگ کا بھی اندازہ تم کر سکو اور اس سے بچنے کے لئے اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ۔

فَلَآ اُقْسِمُ لَا زَائِدَةٌ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ بِمَسَاقِطِهَا لِغُرُوْبِهَا وَاِنَّهٗ اَيِ الْقَسَمُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اَيْ لَوْ كُنْتُمْ مِنْ ذَوِي الْعِلْمِ لَعَلِمْتُمْ عُظْمَ هٰذَا الْقَسَمِ اِنَّهٗ اَيِ الْمَتْلُوُّ عَلَيْكُمْ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَكْتُوْبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ مَصُوْنٍ وَهُوَ الْمُصْحَفُ لَّا يَمَسُّهٗٓ خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَيِ الَّذِيْنَ طَهَّرُوْا اَنْفُسَهُمْ مِنَ الْاَحْدَاثِ تَنْزِيْلٌ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ الْقُرْاٰنِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ مُتَهَاوِنُوْنَ مُكَذِّبُوْنَ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ مِنَ الْمَطَرِ اَيْ شُكْرَهٗ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ بِسُقْيَا اللّٰهِ حَيْثُ قُلْتُمْ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا فَلَوْلَآ فَهَلَّا اِذَا بَلَغَتِ الرُّوْحُ وَقْتَ النَّزْعِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ مَجْرَى الطَّعَامِ وَاَنْتُمْ يَا حَاضِرِي الْمَيِّتِ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِلَيْهِ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ بِالْعِلْمِ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ مِنَ الْبَصِيْرَةِ اَيْ لَا تَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ فَلَوْلَآ فَهَلَّا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ مَجْزِيِّيْنَ بِاَنْ تُبْعَثُوْا اَيْ غَيْرَ مَبْعُوْثِيْنَ بِزَعْمِكُمْ تَرْجِعُوْنَهَآ تَرُدُّوْنَ الرُّوْحَ اِلَى الْجَسَدِ بَعْدَ بُلُوْغِ الْحُلْقُوْمِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فِيْمَا زَعَمْتُمْ فَلَوْلَا الثَّانِيَةُ تَاكِيْدٌ لِلْاُوْلٰى

وَاِذَا ظَرْفٌ لِتَرْجِعُوْنَ الْمُتَعَلِّقُ بِهِ الشَّرْطَانِ وَالْمَعْنٰى هَلَّا تَرْجِعُوْنَهَا اِنْ نَفَيْتُمُ الْبَعْثَ صَادِقِيْنَ فِيْ نَفْيِهٖ اَيْ لِيَنْتَفِيَ عَنْ مَحَلِّهَا الْمَوْتُ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ الْمَيِّتُ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ اَيْ فَلَهٗ اِسْتِرَاحَةٌ وَّرَيْحَانٌ رِزْقٌ حَسَنٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَهَلِ الْجَوَابُ لِاَمَّا اَوْ لِاِنْ اَوْ لَهُمَا اَقْوَالٌ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ اَيْ لَهُ السَّلَامَةُ مِنَ الْعَذَابِ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ مِنْ جِهَةِ اَنَّهٗ مِنْهُمْ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ مِنْ اِضَافَةِ الْمَوْصُوْفِ اِلٰى صِفَتِهٖ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾ تَقَدَّمَ

ع ۳ / ۲۲ / ۱۲

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں۔ (لا زائد ہے) ستاروں کے چھپنے کی (غروب ہونے کے لیے ستاروں کے غائب ہونے کی) اور اگر غور کرو تم تو یہ (قسم) ایک بڑی قسم ہے (اگر تم سمجھدار ہو تو سمجھ جاؤ گے کہ یہ قسم بہت بڑی ہے) کہ یہ (جو تم پر تلاوت کیا جا رہا ہے) قرآن کریم ہے جو ایک محفوظ کتاب (مصحف) میں درج (لکھا ہوا) ہے کہ اس کو کوئی ہاتھ لگانے نہیں پاتا (خبر ہے بمعنی نہی) بجز پاک فرشتوں کے (جنہوں نے ہر قسم کی ناپاکیوں سے پاک کر رکھا ہے) یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہوا ہے سو کیا تم اس کلام (قرآن) کو سرسری بات سمجھتے ہو (معمولی سمجھ کر جھٹلا رہے ہو) اور بنا رہے ہو اپنی غذا (بارش یعنی اس کی شکر گزاری) کو جھوٹ (اللہ کے سیراب کرنے کو یہ کہہ کر کہ فلاں ستارہ کے اثر سے بارش ہوئی ہے) سو جس وقت روح پہنچتی ہے (نزع کے وقت) حلق (کھانا گزرنے کی جگہ) تک اور تم (میت کے آگے کھڑے ہوئے) اس وقت تکا کرتے ہو (میت کی طرف) اور ہم اس شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (بلحاظ علم کے) لیکن تم سمجھتے نہیں ہو (لا تبصرون بصیرت سے ہے یعنی یہ معلوم نہیں ہے) تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں (کہ قیامت میں تمہیں سزا ملے۔ یعنی تمہارے خیال میں قیامت کے دن تم اٹھائے نہیں جاؤ گے) تو تم اس روح کو پھر کیوں لوٹا نہیں لاتے (جان گلے تک آ جانے کے بعد پھر اس کو واپس کیوں نہیں کر دیتے) اگر تم سچے ہو اپنے اعتقاد میں۔ دوسرا لولا پہلے لولا کی تاکید ہے اور اذا، ترجعون کا ظرف ہے جس سے دونوں شرطوں کا تعلق ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے منکر ہو اور اس دعویٰ نفی میں سچے ہو تو روح کو کیوں نہیں لوٹا دیتے یعنی اس شخص کو پھر موت نہیں آنی چاہیے) پھر (مرنے والا) اگر مقربین میں سے ہے تو اس کیلئے چین ہے (یعنی اس کیلئے راحت ہے) اور غذائیں ہیں (عمدہ رزق) اور آرام کی جنت ہے (یہ اما کا جواب ہے یا ان کا جواب ہے یا دونوں کا جواب ہے یہ تین قول ہیں) اور اگر وہ شخص داہنے والوں میں سے ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے امن و امان ہے (عذاب سے چھٹکارہ) تو داہنے والوں میں سے ہے (تیرا انہی میں شمار ہے) اور جو شخص جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہو گا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہو گی اور دوزخ میں داخل ہو گا۔ بلاشبہ یہ تحقیقی یقینی بات ہے (حق الیقین میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے) سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے)



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لَا زائدۃ: یہ تاکید کے لیے زائدہ ہے۔

قوله: عَظِیْمٌ: یہ قسم عظمت والی ہے۔ کیونکہ مقسم بہ عظیم قدرت پر دلالت کرنے والا ہے اور کمال قدرت اور فرط رحمت ا
ثابت کرتا ہے۔

قوله: بِنَوءِ کذا: نو ستاروں کی منزل کو کہتے ہیں، چاندی کی اٹھائیس منازل ہیں۔

قوله: وَ اَنْتُمْ: واؤ حالیہ ہے۔

قوله: لَا تعلمون ذلك: اس کی حقیقت کو نہیں جانتے جس پر وہ چلتا ہے۔

قوله: مِنْ محلها: ها ضمیر نفس کی طرف لوٹتی ہے۔

قوله: کَانت: جیسا تم اس کا انکار کرنے والے ہو۔

قوله: جَنَّتُ نَعِيْمٍ: ای ذات نعیم یعنی نعمتوں والی۔

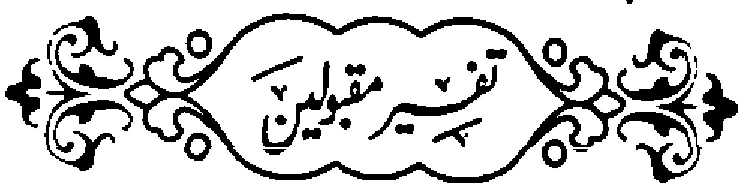
قوله: لَهُ السلامة من العذاب: ضمیر حاضر غائب کے معنی میں ہے۔

قوله: مِنْ جهة انه منهم: مِن اجلیہ ہے، ابتدائیہ نہیں۔

قوله: حمیم: گرم پانی۔

قوله: هذا الذی: هذا کی مشار الیہ جو سورت میں مذکور ہے۔

قوله: صفته: یعنی وہ قطعی حق ہے۔



تفسیر مقبولین

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝

قرآن کا مقام:

حضرت ضحاک فرماتے ہیں اللہ کی یہ قسمیں کلام کو شروع کرنے کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ جمہور فرماتے ہیں یہ قسمیں ہیں اور ان میں ان چیزوں کی عظمت کا اظہار بھی ہے، بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہاں پر لا زائد ہے اور آیت اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ جواب قسم ہے اور لوگ کہتے ہیں لا کو زائد بتانے کی کوئی وجہ نہیں کلام عرب کے دستور کے مطابق "لا" قسم کے شروع میں آتا ہے، جبکہ جس چیز پر قسم کھائی جائے وہ منفی ہو، جیسے حضرت عائشہ کے اس قول میں ہے: (لا واللہ ما مست ید رسول اللہ ﷺ ید امراۃ قط) یعنی اللہ کی قسم حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے لگایا نہیں بھی

جیت میں اوروں سے مصافحہ نہیں کیا۔ اسی طرح یہاں بھی لا قسم کے شروع میں مطابق قاعدہ ہے نہ کہ زائد۔ تو کلام کا مقصود یہ ہے کہ تمہارے جو خیالات قرآن کریم کی نسبت ہیں کہ یہ جادو ہے یا کہانت ہے غلط ہیں۔ بلکہ یہ پاک کتاب کلام اللہ ہے۔ بعض عرب کہتے ہیں کہ لا سے ان کے کلام کا انکار ہے پھر اصل امر کا اثبات الفاظ میں ہے آیت: فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُومِ (الواقعہ:۷۵) سے مراد قرآن کا بتدریج اترنا ہے، لوح محفوظ سے تو لیلۃ القدر میں ایک ساتھ آسمان اول پر اترا آیا پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا وقت بروقت اترتا رہا یہاں تک کہ کئی برسوں میں پورا اتر آیا۔ مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد ستاروں کے طلوع اور ظاہر ہونے کی آسمان کی جگہیں ہیں۔ مواقع سے مراد منازل ہیں۔ حسن فرماتے ہیں قیامت کے دن ان کا منتشر ہو جانا ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کی نسبت مشرکین عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے ہم پر بارش برسی۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑی قسم ہے اس لئے کہ جس امر پر یہ قسم کھائی جا رہی ہے وہ بہت بڑا امر ہے یعنی یہ قرآن بڑی عظمت والی کتاب ہے معظم ومحفوظ اور مضبوط کتاب میں ہے۔ جسے صرف پاک ہاتھ ہی لگتے ہیں یعنی فرشتوں کے ہاں یہ اور بات ہے کہ دنیا میں اسے سب کے ہاتھ لگتے ہیں۔ ابن مسعود کی قراءت میں (مایمسہ) ہے ابو العالیہ کہتے ہیں یہاں پاک سے مراد صاف فرمایا: وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِينُ (الشعراء:۲۱۰) یعنی اسے نہ تو شیاطین لے کر اترا ہیں نہ ان کے یہ لائق نہ ان کی یہ مجال بلکہ وہ تو اس کے سننے سے بھی الگ ہیں۔ یہی قول اس آیت کی تفسیر میں دل کو زیادہ لگتا ہے۔ اور اقوال بھی اس کے مطابق ہو سکتے ہیں۔ فراء نے کہا ہے اس کا ذائقہ اور اس کا لطف صرف باایمان لوگوں کو ہی میسر آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں مراد جنابت اور حدث سے پاک ہونا ہے گو یہ خبر ہے لیکن مراد اس سے انشاء ہے۔ اور قرآن سے مراد یہاں پر مصحف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ نہ لگائے ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ نے قرآن ساتھ لے کر حربی کافروں کے ملک میں جانے سے منع فرمایا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اسے دشمن کچھ نقصان پہنچائے۔ (مسلم) نبی ﷺ نے جو فرمان حضرت عمرو بن حزم کو لکھ کر دیا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک۔ (موطا مالک) مراسیل ابو داؤد میں ہے زہری فرماتے ہیں میں نے خود اس کتاب کو دیکھا ہے اور اس میں یہ جملہ پڑھا ہے گو اس روایت کی بہت سی سندیں ہیں لیکن ہر ایک قابل غور ہے واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ قرآن شعر وسخن جادو اور فن نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے اور اسی کی جانب سے اترا ہے، یہ سراسر حق ہے بلکہ صرف یہی حق ہے اس کے سوا اس کے خلاف جو ہے باطل اور یکسر مردود ہے۔ پھر تم ایسی پاک بات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ کیوں اس سے ہٹنا اور یکسو ہو جانا چاہتے ہو؟ کیا اس کا شکر یہی ہے کہ تم اسے جھٹلاؤ؟ قبیلہ ازد کے کلام میں رزق و شکر کے معنی میں آتا ہے۔ مسند کی ایک حدیث میں بھی رزق کا معنی شکر کیا ہے۔ یعنی تم کہتے ہو کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہمیں پانی ملا اور فلاں ستارے سے فلاں چیز۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر بارش کے موقع پر بعض لوگ کفریہ کلمات بک دیتے ہیں کہ بارش کا باعث فلاں ستارہ ہے۔ موطا میں ہے ہم حدیبیہ کے میدان میں تھے رات کو بارش ہوئی، صبح کی نماز کے بعد حضور ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جانتے بھی ہو آج شب تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول ﷺ کو معلوم۔ آپ نے فرمایا سنو یہ فرمایا کہ آج میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ کافر ہو گئے اور بہت سے ایماندار بن گئے۔ جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل وکرم سے پانی برسا وہ میری ذات پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں سے کفر کرنے والا ہوا، اور جس نے کہا فلاں فلاں ستارے سے بارش برسی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور اس ستارے پر ایمان لایا۔

مسلم کی حدیث میں مذکور ہے کہ آسمان سے جو برکت نازل ہوتی ہے وہ بعض کے ایمان کا اور بعض کے کفر کا باعث بن جاتی ہے۔ ہاں یہ خیال رہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے حضرت عباس سے پوچھا تھا کہ ثریا ستارہ کتنا باقی ہے؟ پھر کہا تھا کہ اس علم والوں کا خیال ہے کہ یہ اپنے ساقط ہو جانے کے ہفتہ بھر بعد افق پر نمودار ہوتا ہے چنانچہ یہی ہوا بھی کہ اس سوال جواب اور استسقاء کو سات روز گزرے تھے جو پانی برسا۔ یہ واقعہ محمول ہے عادت اور تجربہ پر نہ یہ کہ اس ستارے میں ہے اور اس ستارے کو ہی اثر کا موجد جانتے ہوں۔ اس قسم کا عقیدہ تو کفر ہے ہاں تجربہ سے کوئی چیز معلوم کر لینا یا کوئی بات کہہ دینا دوسری چیز ہے اس بارے کی بہت سی حدیثیں مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (فاطر: ۲) کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ ایک شخص کو حضور ﷺ نے یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ فلاں ستارے کے اثر سے بارش ہوئی تو آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے یہ تو اللہ کی برسائی ہوئی ہے، یہ رزق الٰہی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے لوگوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے اگر سات سال قحط سالی رہے اور پھر اللہ اپنے فضل و کرم سے بارش برسائے تو بھی یہ جھٹ سے زبان سے نکالنے لگیں گے کہ فلاں تارے نے برسایا۔ مجاہد فرماتے ہیں اپنی روزی تکذیب کو ہی نہ بنا لو یعنی یوں نہ کہو کہ فلاں فراخی کا سبب فلاں چیز ہے بلکہ یوں کہو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس یہ بھی مطلب ہے اور یہ بھی کہ قرآن میں ان کا حصہ کچھ نہیں بلکہ ان کا حصہ یہی ہے کہ یہ اسے جھوٹا کہتے رہیں اور اسی مطلب کی تائید اس سے پہلے کی آیت سے بھی ہوتی ہے۔

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝

یہاں دو مسئلے غور طلب اور ائمہ تفسیر میں مختلف فیہ ہیں، اول یہ کہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے اس جملے میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ جس کتاب کی ایک صفت مکنون آئی یہ جملہ اسی کتاب کی دوسری صفت ہے اور ضمیر لا یمسہ کی اسی کتاب کی طرف راجع ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوتے ہیں کتاب مکنون یعنی لوح محفوظ کو سوائے پاک لوگوں کے اور کوئی نہیں چھو سکتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں مطہرون کی مراد صرف فرشتے ہی ہو سکتے ہیں، جن کی رسائی لوح محفوظ تک ہو سکے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں لفظ مس اپنے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں نہیں لیا جا سکتا، بلکہ مس کرنے اور چھونے کے مجازی اور لازمی معنی مراد لینے ہوں گے، یعنی لوح محفوظ میں لکھے ہوئے مضامین پر مطلع ہونا کیونکہ لوح محفوظ کو ہاتھ سے چھونا کسی مخلوق فرشتے وغیرہ کا کام نہیں۔ (قرطبی) بیان القرآن کے مذکور الصدر خلاصہ تفسیر میں یہی ترکیب اور مفہوم اختیار کر کے تفسیر کی گئی ہے۔

دوسرا احتمال اس جملے کی ترکیب نحوی میں یہ ہے کہ اس کو قرآن کی صفت بنایا جائے جو اوپر اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ میں مذکور ہے اس صورت میں لَّا يَمَسُّهٗٓ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہوگی اور اس سے مراد وہ صحیفہ ہوگا جس میں قرآن لکھا ہوا ہو اور لفظ مس اپنے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں رہے گا، مجاز کی ضرورت نہ ہوگی، اسی لئے قرطبی وغیرہ مفسرین نے اس کو ترجیح دی ہے اور امام مالک نے فرمایا کہ آیت: لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ کی تفسیر میں جو کچھ میں نے سنا ہے ان سب میں بہتر یہ قول ہے کہ اس کا وہی مفہوم ہے جو سورۂ عبس کی آیت کا ہے یعنی فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ ۢ بَرَرَةٍ ۝ (قرطبی، روح المعانی) اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ جملہ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ کی صفت نہیں بلکہ قرآن کی صفت ہے اور قرآن سے مراد وہ صحیفے ہیں جو وحی لانے والے فرشتوں کے ہاتھ میں دیئے جاتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ غور طلب اور مختلف فیہ اس آیت میں یہ ہے کہ مطہرون سے کون مراد ہیں، صحابہ و تابعین اور مفسرین کی ایک

بڑی جماعت کے نزدیک مطہرون سے مراد فرشتے ہیں جو معاصی اور رذائل سے پاک و معصوم ہیں، یہ قول حضرت انس اور سعید بن جبیر سے منقول ہے (قرطبی) حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے (ابن کثیر) امام مالک نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (قرطبی)

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ قرآن سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور مطہرون سے مراد وہ لوگ ہیں جو نجاست ظاہری اور معنوی یعنی حدث اصغر و اکبر سے پاک ہوں، حدث اصغر کے معنی بے وضو ہونے کے ہیں، اس کا ازالہ وضو کرنے سے ہو جاتا ہے اور حدث اکبر جنابت اور حیض و نفاس کو کہا جاتا ہے جس سے پاکی کے لئے غسل ضروری ہے، یہ تفسیر حضرت عطاء، طاؤس، سالم اور حضرت محمد باقر سے منقول ہے (روح) اس صورت میں جملہ لایمسہ اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر اس خبر کو حکم انشاء یعنی نہی و ممانعت کے معنی میں قرار دیا جائے گا اور مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مصحف قرآن کو چھونا بغیر طہارت کے جائز نہیں اور طہارت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ ظاہری نجاست سے بھی اس کا ہاتھ پاک ہو اور بے وضو بھی نہ ہو اور حدث اکبر یعنی جنابت بھی نہ ہو، قرطبی نے اسی تفسیر کو اظہر فرمایا ہے، تفسیر مظہری میں اسی کی ترجیح پر زور دیا ہے۔

فاروق اعظمؓ کے اسلام لانے کے واقعہ میں جو مذکور ہے کہ انہوں اپنی بہن کو قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو اوراق قرآن کو دیکھنا چاہا، ان کی بہن نے یہی آیت پڑھ کر اوراق قرآن ان کے ہاتھ میں دینے سے انکار کیا کہ اسکو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا، فاروق اعظم نے مجبور ہو کر غسل کیا، پھر یہ اوراق پڑھے، اس واقعہ سے بھی اسی آخری تفسیر کی ترجیح ہوتی ہے اور روایات حدیث جن میں غیر طاہر کو قرآن کے چھونے سے منع کیا گیا ہے، ان روایات کو بھی بعض حضرات نے اس آخری تفسیر کی ترجیح کیلئے پیش کیا ہے۔

مگر چونکہ اس مسئلے میں حضرت ابن عباس اور حضرت انس وغیرہ کا اختلاف ہے جو اوپر آ چکا ہے، اس لئے بہت سے حضرات نے بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانے کی ممانعت کے مسئلے میں آیت مذکورہ سے استدلال چھوڑ کر صرف روایات حدیث کو پیش کیا (روح المعانی) وہ احادیث یہ ہیں:۔

امام مالک نے مؤطاء میں رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب گرامی نقل کیا ہے جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو لکھا تھا، جس میں ایک جملہ یہ بھی ہے: لا یمس القران الا طاھر (ابن کثیر) یعنی قرآن کو وہ شخص نہ چھوئے جو طاہر نہ ہو۔

اور روح المعانی میں روایت مسند عبدالرزاق، ابن ابی داؤد اور ابن المنذر سے بھی نقل کی ہے اور طبرانی و ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا یمس القران الا طاھر (روح المعانی) یعنی قرآن کو ہاتھ نہ لگائے بجز اس شخص کے جو پاک ہو۔

مسئلہ: روایات مذکورہ کی بنا پر جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لئے طہارت شرط ہے اس کے خلاف گناہ ہے، ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک ہونا، باوضو ہونا، حالت جنابت میں نہ ہونا سب اس میں داخل ہے، حضرت علی مرتضیٰ، ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص، سعید ابن زید، عطاء اور زہری، نخعی، حکم، حماد، امام مالک، شافعی، ابوحنیفہ سب کا یہی مسلک ہے، اوپر جو اختلاف اقوال نقل کیا گیا ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ یہ مسئلہ جو احادیث مذکورہ سے ثابت اور جمہور امت کے نزدیک مسلم ہے، کیا یہ بات قرآن کی آیت مذکورہ سے بھی ثابت ہے یا نہیں، بعض حضرات نے اس آیت کا مفہوم اور احادیث مذکورہ کا مفہوم ایک قرار دیا اور اس آیت اور احادیث مذکورہ کے مجموعہ سے اس مسئلہ کو ثابت کیا، دوسرے

حضرات نے آیت کو استدلال میں پیش کرنے سے بوجہ اختلاف صحابہ احتیاط کی، لیکن احادیث مذکورہ کی بناء پر مسلک سب سلف نے بھی اختیار کیا کہ بے وضوء بے طہارت قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں، اس لئے خلاف مسئلے میں نہیں، بلکہ اس کی دلیل میں ہوا ہے۔

مسئلہ: قرآن مجید کا غلاف جو جلد کے ساتھ سلا ہوا ہو وہ بھی بحکم قرآن ہے، اس کو بھی بغیر وضوء و بغیر طہارت کے ہاتھ لگانا باتفاق ائمہ اربعہ ناجائز ہے، البتہ قرآن مجید کا جزدان جو علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے اگر اس میں قرآن بند ہے تو اس جزدان کے ساتھ قرآن کریم کو ہاتھ لگنا بلا وضوء ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، مگر امام مالک اور شافعی کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے۔ (مظہری)

مسئلہ: جو کپڑا آدمی نے پہنا ہوا ہے اس کی آستین یا دامن سے قرآن مجید کو بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں، البتہ علیحدہ رومال یا چادر سے چھوا جاسکتا ہے۔ (مظہری)

مسئلہ: علماء نے فرمایا کہ اسی آیت سے بدرجہ اولیٰ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں قرآن کی تلاوت بھی جائز نہیں، جب تک غسل نہ کرے کیونکہ مصحف میں لکھے ہوئے حروف ونقوش کی جب یہ تعظیم واجب ہے تو اصل حروف جو زبان سے ادا ہوتے ہیں ان کی تعظیم اس سے زیادہ اہم اور واجب ہونا چاہئے، اس کو مقتضی تو یہ تھا کہ بے وضو آدمی کو بھی تلاوت قرآن جائز نہ ہو، مگر حضرت ابن عباس کی حدیث جو بخاری ومسلم میں ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں مسند احمد میں ہے اس سے بغیر وضو کے تلاوت قرآن فرمانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اس لئے فقہاء نے بلا وضو تلاوت کی اجازت دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝

اگر تمہیں جزا ملنی نہیں ہے تو موت کے وقت روح کو کیوں واپس نہیں لوٹا دیتے:

ان آیات میں اولاً انسانوں کی بے بسی ظاہر فرمائی ہے جو موت کے وقت ظاہر ہوتی ہے، ثانیاً انسانوں کی انہیں تینوں جماعتوں کا عذاب وثواب بیان فرمایا ہے جن کا پہلے رکوع میں تذکرہ فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور انہیں بہت سے اعمال کرنے کا حکم دیا اور بہت سے اعمال سے منع فرمایا تاکہ بندوں کی فرمانبرداری اور نافرمانی کا امتحان لیا جائے، سورۃ الملک میں فرمایا: خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ (موت اور حیات کو پیدا فرمایا تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں اچھے عمل والا کون ہے؟)

لہٰذا زندگی کے بعد موت بھی ضروری ہے اور ان دونوں میں سے بندوں کو کسی کے بارے میں کچھ بھی اختیار نہیں اللہ تعالیٰ نے زندگی دی، وہی موت دے گا، اس نے دونوں کا وقت مقرر اور مقدر فرما دیا ہے کسی کو اختیار نہیں کہ خود سے پیدا ہو جائے یا وقت مقرر سے پہلے مر جائے۔

خالق تعالیٰ شانہٗ کی قضاء اور قدر کے خلاف اور اس کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا

ارشاد فرمایا: فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ کہ جب مرنے والے کی روح حلق کو پہنچ جاتی ہے تو تم وہاں موجود ہوتے ہو اسے حسرت کی آنکھوں سے ٹک ٹک دیکھا کرتے ہو اور اس پر ترس کھاتے ہو اور تمہاری آرزو ہوتی ہے کہ اسے موت نہ آئے

اور بہ نسبت تمہارے مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں (کیونکہ تم اس کی طرف ظاہری حالت کو دیکھتے ہو اور ہم اس کی باطنی حالت پر بھی مطلع ہوتے ہیں) لیکن تم نہیں دیکھتے اگر تم یہ کہتے ہو اور اپنے خیال میں سچے ہو کہ تمہیں اعمال کے بدلے دیئے جانے والے نہیں ہیں تو مرنے والے کی موت کو روک کر دکھادو۔

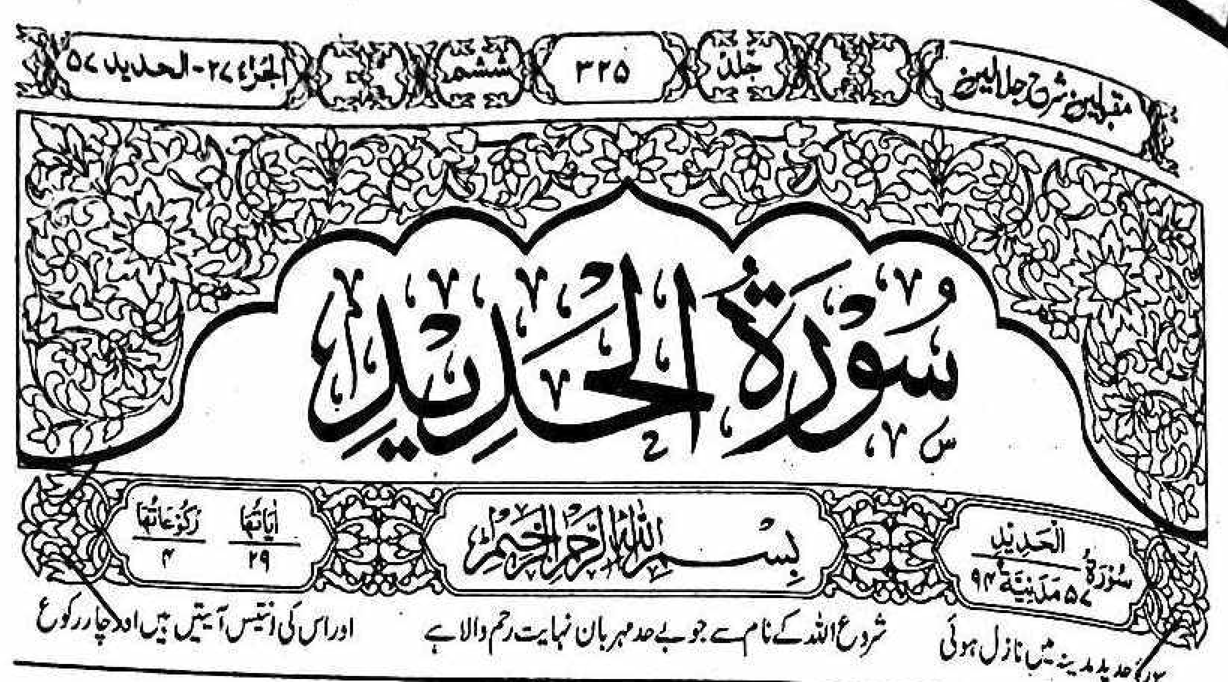
اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی موت کا وقت مقرر فرمایا ہے وہ اپنے فرشتے بھیجتا ہے جو روح نکالتے ہیں حاضرین بے بس ہیں کچھ نہیں کرسکتے جس طرح یہاں بے بس ہیں اسی طرح اس وقت بھی بے بس ہوں گے جب اللہ تعالیٰ شانہٗ اعمال کی جزا دینے کے لیے جسموں میں روحیں ڈالے گا، یہ عاجز بندے نہ دنیا میں کسی مرنے والے کی روح کو واپس کرسکتے ہیں نہ قیامت کے دن دوبارہ زندگی کو روک سکتے ہیں، یہ دوبارہ زندہ ہونا اور پچھلی زندگی کے اعمال کا بدلہ دیا جانا خالق تعالیٰ شانہ کی طرف سے طے شدہ ہے تم قیامت ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے اور اعمال کا بدلہ دیا جانے کے منکر ہو اور اس انکار کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور تمہیں موت سے بچنے بچانے کی قدرت ہوتی تو یہ کہنے کا بھی موقع تھا کہ ہم دوبارہ زندہ نہ ہونگے اور جزا اور سزا کے لیے پیشی نہ ہوگی، جب اسی دنیا میں اپنی عاجزی دیکھ رہے ہو تو دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت کی پیشی کا انکار کس بنیاد پر کر رہے ہو جبکہ تمہارے سچے معبود نے اپنی کتاب میں واضح طور پر بتادیا ہے کہ تم سب کو مرنا ہے اور اعمال کی جزا ملنی ہے۔

فَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ۙ

احوالِ موت:

یہاں وہ احوال بیان ہوئے ہیں جو موت کے وقت سکرات کے وقت دنیا کی آخری ساعت میں انسانوں کے ہوتے ہیں کہ یا تو وہ اعلیٰ درجہ کا اللہ کا مقرب ہے یا اس سے کم درجہ کا ہے جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔ یا بالکل بدنصیب ہے جو اللہ تعالیٰ [illegible] فرماتا ہے کہ جو مقربین بارگاہ الٰہی ہیں، جو احکام کے عامل تھے، [illegible] فرشتے [illegible] خوشخبریاں سناتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے براء کی حدیث گزری کہ رحمت کے فرشتے [illegible] روح چل راحت و آرام کی طرف چل کبھی نہ ناراض ہونے والے [illegible] غرض دنیا کے مصائب سے راحت مل جاتی ہے ابدی [illegible] اور وسعت دیکھتا ہے اس کے سامنے رزق اور رحمت [illegible] جنت کی ایک ہری بھری شاخ آتی ہے اور اس وقت [illegible] مرنے والے کو معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ جنتی [illegible] اور اپنی رضامندی کی خوشخبری سنا کر سکون و [illegible] فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت علیہ السلام سے فرماتا ہے میرے [illegible] راحت و آرام تکلیف خوشی ناخوشی غرض ہر آزمائش [illegible] جا اسے میرے خاص دربار میں پیش کر۔ [illegible] اس کے پاس آتے ہیں گو ریحان ایک ہی

ہوتا ہے لیکن سرے پر بیس قسمیں ہوتی ہیں ہر ایک کی جداگانہ مہک ہوتی ہے سفید ریشم ساتھ ہوتا ہے جس میں مشک کی لپٹیں آتی ہیں، الخ۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ کی قراءت فروح را کے پیش سے تھی۔ لیکن تمام قاریوں کی قراءت را کے زبر سے ہے یعنی فروح مسند میں ہے حضرت ام ہانی نے رسول مقبول علیہ السلام سے پوچھا کیا مرنے کے بعد ہم آپس میں ایک دوسرے سے ملیں گے؟ اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا روح ایک پرند ہو جائے گی جو درختوں کے میوے چگے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو اس وقت اپنے اپنے جسم میں چلی جائیگی، اس حدیث میں ہر مؤمن کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔ مسند احمد میں بھی اس کی شاہد ایک حدیث ہے جس کی اسناد بہت بہتر ہے اور متن بھی بہت قوی ہے اور صحیح روایت میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں، ساری جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی رہتی ہیں اور عرش تلے لٹکی ہوئی قندیلوں میں آ بیٹھتی ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابو یعلی ایک جنازے میں گدھے پر سوار جا رہے تھے آپ کی عمر اس وقت بڑھاپے کی تھی سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اسی اثناء میں آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو اللہ سے ملنے کو برا جانتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے صحابہ یہ سن کر سر جھکائے رونے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا روتے کیوں ہوں؟ صحابہ نے کہا حضور ﷺ بھلا موت کون چاہتا ہے؟ فرمایا سنو سنو مطلب سکرات کے وقت سے ہے اس وقت نیک مقرب بندے کو تو راحت و انعام اور آرام وہ جنت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے جس پر وہ تڑپ اٹھتا ہے اور چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جلد اللہ سے ملے تاکہ ان نعمتوں سے مالا مال ہو جائے پس اللہ بھی اس کی ملاقات کی تمنا کرتا ہے اور اگر بد بندہ ہے تو اسے موت کے وقت گرمی پانی اور جہنم کی مہمانی کی خبر دی جاتی ہے جس سے یہ بیزار نہ ہوؤں پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے اگر وہ سعادت مندوں سے ہے تو موت کے فرشتے اسے سلام کہتے ہیں تجھ پر سلامتی ہو تو اصحاب یمین میں سے ہے، اللہ کے عذاب سے تو سلامتی پائے گا اور خود فرشتے بھی اسے سلام کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: (اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاحقاف: ۱۳) یعنی سچے پکے توحید والوں کے پاس ان کے انتقال کے وقت رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارت دیتے ہیں کہ کچھ ڈر خوف نہیں کچھ رنج غم نہ کر جنت تیرے لئے حسب وعدہ تیار ہے، دنیا اور آخرت میں ہم تیری حمایت کے لئے موجود ہیں جو تمہارا جی چاہے تمہارے لئے موجود ہے جو تمنا تم کرو گے پوری ہو کر رہے گی، غفور و رحیم اللہ کے تم ذی عزت مہمان ہو۔ بخاری میں ہے یعنی تیرے لئے مسلم ہے کہ تو اصحاب یمین میں سے ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلام یہاں دعا کے معنی میں ہو، واللہ اعلم اور اگر مرنے والا حق کی تکذیب کرنے والا اور ہدایت سے کھویا ہوا ہے تو اس کی ضیافت اس گرم حمیم سے ہوگی جو آنتیں اور کھال تک جھلسا دے پھر چاروں طرف سے جہنم کی آگ گھیر لے گی جس میں جلتا بھنتا رہے گا۔ پھر فرمایا یہ یقینی باتیں ہیں جن کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ پس اپنے بڑے رب کے نام کی تسبیح کرتا رہے۔ مسند میں ہے اس آیت کے اترنے پر آپ نے فرمایا اسے رکوع میں رکھو اور آیت (سبح اسم ربك الاعلى) اترنے پر فرمایا اسے سجدے میں رکھو۔ آپ فرماتے ہیں جس نے حدیث (سبحان الله العظيم وبحمده) کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگایا جاتا۔ (ترمذی) صحیح بخاری شریف کے ختم پر یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں میزان میں بوجھ ہیں اللہ کو بہت پیارے ہیں۔



سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اَیْ نَزَّهَهٗ كُلُّ شَیْءٍ فَاللَّامُ مَزِیْدَةٌ وَجِیْءَ بِمَا دُوْنَ مَنْ تَغْلِیْبًا لِلْاَكْثَرِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ فِیْ مُلْكِهٖ الْحَكِیْمُ ① فِیْ صُنْعِهٖ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ بِالْاِنْشَاءِ وَیُمِیْتُ ۚ بَعْدَهٗ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ قَبْلَ كُلِّ شَیْءٍ بِلَا بِدَایَةٍ وَالْاٰخِرُ بَعْدَ كُلِّ شَیْءٍ بِلَا نِهَایَةٍ وَالظَّاهِرُ بِالْاَدِلَّةِ عَلَیْهِ وَالْبَاطِنُ ۚ عَنْ اِدْرَاكِ الْحَوَاسِّ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ③ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ مِنْ اَیَّامِ الدُّنْیَا اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ الْكُرْسِیِّ اِسْتِوَاءً یَلِیْقُ بِهٖ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ یَدْخُلُ فِی الْاَرْضِ كَالْمَطَرِ وَالْاَمْوَاتِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا كَالنَّبَاتِ وَالْمَعَادِنِ وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ كَالرَّحْمَةِ وَالْعَذَابِ وَمَا یَعْرُجُ یَصْعَدُ فِیْهَا ۚ كَالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَالسَّیِّئَةِ وَهُوَ مَعَكُمْ بِعِلْمِهٖ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ الْمَوْجُوْدَاتُ جَمِیْعُهَا یُوْلِجُ الَّیْلَ یُدْخِلُهٗ فِی النَّهَارِ فَیَزِیْدُ وَیَنْقُصُ اللَّیْلُ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۚ فَیَزِیْدُ وَیَنْقُصُ النَّهَارُ وَهُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥ بِمَا فِیْهَا مِنَ الْاَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ اٰمِنُوْا دُوْمُوْا عَلَی الْاِیْمَانِ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ۚ مِنْ مَالِ مَنْ تَقَدَّمَكُمْ وَیَسْتَخْلِفُكُمْ فِیْهِ مَنْ بَعْدَكُمْ نَزَلَ فِیْ غَزْوَةِ الْعُسْرَةِ وَهِیَ غَزْوَةُ تَبُوْكَ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا اِشَارَةٌ اِلٰی عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ⑦ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ خِطَابٌ لِلْكُفَّارِ اَیْ لَا مَانِعَ لَكُمْ مِنَ الْاِیْمَانِ

بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الْخَاءِ وَبِفَتْحِهِمَا وَنَصْبِ مَا بَعْدَهُ مِيْثَاقَكُمْ عَلَيْهِ اَيْ اَخَذَهُ اللّٰهُ فِيْ عَالَمِ الذَّرِّ حِيْنَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اَيْ مُرِيْدِيْنَ الْاِيْمَانَ بِهٖ فَبَادِرُوْا اِلَيْهِ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ اٰيَاتِ الْقُرْاٰنِ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ الْكُفْرِ اِلَى النُّوْرِ ۭ الْاِيْمَانِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ فِيْ اِخْرَاجِكُمْ مِنَ الْكُفْرِ اِلَى الْاِيْمَانِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَمَا لَكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اَلَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اَنْ فِيْ لَامِ لَا اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ بِمَا فِيْهِمَا فَيَصِلُ اِلَيْهِ اَمْوَالُكُمْ مِنْ غَيْرِ اَجْرِ الْاِنْفَاقِ بِخِلَافِ مَا لَوْ اَنْفَقْتُمْ فَتُؤْجَرُوْنَ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ لِمَكَّةَ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَالْجَنَّةَ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ ع

ترجمہ: اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں (یعنی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ لام زائد ہے اور من کی بجائے ما استعمال کیا گیا ہے اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے) اور وہ (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی کاریگری میں) حکمت والا ہے آسمان وزمین کی سلطنت اسی کی ہے وہی (پیدا کر کے) زندگی دیتا ہے اور وہی (اس کے بعد) موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اول ہے (سب سے پہلے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں ہے) اور وہی آخر ہے (ہر چیز کے بعد ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے) اور وہی ظاہر ہے (دلائل کی روشنی میں) اور وہی (حواس کی گرفت سے) مخفی ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا (دنیا کے دنوں کا اعتبار کرتے ہوئے اتوار سے شروع کر کے جمعہ تک پورا کر ڈالا) پھر عرش پر قائم ہوا (عرش سے کرسی مراد ہے اور قائم ہونا اس کے شایان شان ہے) وہ جانتا ہے زمین میں جو چیز داخل ہوتی ہے (جیسے بارش اور مردے) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (جیسے سبزیاں اور معدنیات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے (جیسے رحمت وزحمت) اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (جیسے اچھے وبرے اعمال) اور وہ (اپنے علم سے) تمہارے ساتھ رہتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف سب چیزیں (کل کی کل موجودات) لوٹ جائیں گی۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے) اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے) اور وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے (جو کچھ دل میں اسرار واعتقادات ہوتے ہیں) تم لوگ ایمان لے آؤ (ایمان پر برقرار رہو) اللہ اور اس کے رسول پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو (یعنی وہ

مال جو پہلوں سے تمہیں ملا ہے اور تم سے تمہارے بعد والوں کو ملے گا۔ یہ آیت غزوہ عسرۃ یعنی غزوہ تبوک میں نازل ہوئی ہے) سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے) ان کو بڑا ثواب ملے گا اور کیا سبب ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے (کفار کو خطاب ہے یعنی ایمان لانے سے تمہارے لئے کیا رکاوٹ ہے) اللہ پر حالانکہ رسول تم کو دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور تم سے لیا گیا تھا (اخذ ضمہ ہمزہ اور کسرہ خا کے ساتھ ہے اور دونوں لفظ اور بعد کے نصب کے ساتھ بھی ہے) عہد (یعنی اللہ نے تم سے روز اول عہد لیا تھا جب کہ تم سے الست بربکم کہہ کر شہادت لی تھی تم سب نے اقرار کر لیا تھا) اگر تم ایمان لانا چاہو (ایمان لانے کا ارادہ کرو تو فورا کاربند ہو جاؤ) وہی ہے جو اپنے بندہ پر صاف صاف آیات (قرآن) بھیجتا ہے تا کہ وہ تم کو (کفر کی) اندھیریوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لے آئے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر (کفر سے ایمان کی طرف لانے میں) بڑا شفیق مہربان ہے اور تمہیں (ایمان لانے کے بعد) کیا رکاوٹ ہے کہ خرچ نہیں کرتے (الا۔ ان لا تھا۔ نون کا لام میں ادغام کر دیا گیا ہے) اللہ کی راہ میں حالانکہ سب آسمان و زمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جائے گا (مع ان تمام چیزوں کے جو آسمان و زمین میں ہیں۔ یعنی سارا مال اللہ کے پاس پہنچ جائے گا بغیر خرچ کے ثواب کے البتہ اگر تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا تو تمہیں ثواب ملے گا) تم میں وہ لوگ برابر نہیں جو فتح مکہ سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے۔ وہ لوگ درجہ میں بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑے سب سے (دونوں فریقوں میں۔ اور ایک قراءت میں رفع کے ساتھ مبتداء ہے) اللہ نے بھلائی (جنت کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (وہ ان پر تمہیں بدلہ دے گا)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: فَاللَّامُ مَزِيدَةٌ: جیسے کہتے ہیں کہ میں نے اس کو نصیحت میں نصیحت کی۔

قوله: يُحْيِي: یہ جملہ مستانفہ یا محذوف ھو کی خبر ہے۔

قوله: وَيَسْتَخْلِفُكُمْ: تمہارا حال بمنزلہ وکیل و بواب کے ہے اس میں انفاق پر ابھارا۔

قوله: وَالرَّسُولُ: یہ حال ہے۔

قوله: وَقَدْ أَخَذَ: یہ يَدْعُوكُمْ کے مفعول سے حال ہے۔

قوله: وَقَاتَلَ: قتال کا تذکرہ بطور استطراد ہے اور یہ مَنْ أَنْفَقَ محذوف کا قسیم ہے۔ اس پر مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ دلالت کرتا ہے۔

قوله: كُلًّا وَعَدَ: مرفوع پڑھیں تو مبتداء ہے۔



یہ سورت بھی ان مدنی سورتوں میں ہے جو شریعت کے بنیادی احکام اور عقائد توحید کی تحقیق وتفصیل پر مشتمل ہیں مکارم اخلاق اور محاسن اعمال پر بھی کلام فرمایا گیا اور یہ کہ انسان کو دین ودنیا کی سعادت کیلئے ضرورت ہے کہ اپنے باطن کو اخلاق رذیلہ کی گندگیوں سے پاک رکھتے ہوئے احسان اور انفاق فی سبیل اللہ کی روش اختیار کرے۔

اس سورۃ مبارکہ میں بالخصوص تین اہم موضوع ذکر فرمائے گئے ہیں۔

اولاً یہ کہ جملہ کائنات وموجودات اللہ کی مخلوق ہے اور خدا ہی اس کا مالک اور خالق ہے اور صرف اسی کا تصرف اور حکم جاری ہے اس کی خالقیت اور حاکمیت میں کوئی شریک نہیں۔

ثانیاً: یہ کہ دین خداوندی کی سر بلندی کے لیے انسان کو کسی قسم کی جانی اور مالی قربانیوں سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔

ثالثاً: دنیا اور دنیا کے ساز وسامان اس کے عیش اور لذتوں کی حقیقت واضح فرمائی گئی کہ یہ زیب وزینت اور مال ومتاع محض ایک دھوکہ اور فریب ہے ان چیزوں سے انسان کو چاہئے کہ دھوکہ میں نہ پڑے بلکہ یہ سمجھے کہ دنیا کی زندگی صرف چندروزہ اور یہاں کا قیام آخرت کی تیاری کے واسطے ہے۔

ان مضامین کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی عظمت وکبریائی اور اسکی پاکیزہ صفات کے بیان سے فرمائی گئی اور یہ کہ کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح وپاکی بیان کرنے میں مصروف ہے اور کائنات کا ایک ایک ذرہ اسکی قدرت وعظمت اور وحدانیتؐ کی گواہی دے رہا ہے پھر یہ کہ وہ ایسا اول ہے کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں اور ایسا آخر ہے کہ اسکی کوئی نہایت نہیں وہ ظاہر ہے کہ اسکی قدرت کا جلوہ ہر موجودہ مخلوق میں ظاہر ہے اور باطن ہے ایسا کہ نگاہوں اور افکار وعقول کی پرواز سے بالا ہے اسکے بعد اہل ایمان کو انفاق وایثار کی دعوت دی گئی ساتھ ہی ایمان کا وہ اکرام واعزاز بھی بیان کیا گیا جو میدان حشر میں انکو نصیب ہوگا کہ: نورهم يسعى بين ايديهم الخ.

اختتام سورت پر اللہ رب العزت نے اپنے رسولوں کی بعثت کی غرض بیان فرمائی اور انکی تعلیمات کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی امت کو ایمان وتقویٰ کی دعوت دیتے تھے۔

سورۂ حدید کی بعض خصوصیات:

پانچ سورتوں کو حدیث میں مسبحات سے تعبیر کیا گیا ہے، جن کے شروع میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ آیا ہے، ان میں سے پہلی یہ سورت حدید ہے، دوسری حشر، تیسری صف، چوتھی جمعہ، پانچویں تغابن، ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے پہلے یہ مسبحات پڑھا کرتے تھے اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے، ابن کثیر نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ افضل آیت سورۃ حدید کی یہ آیت ہے: (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)

ان پانچ سورتوں میں سے تین یعنی حدید، حشر، صف میں تو لفظ سبح بصیغہ ماضی آیا ہے اور آخری دو یعنی جمعہ اور تغابن میں یسبح بصیغہ مضارع، اس میں اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور ذکر ہر زمانے ہر وقت ماضی و مستقبل اور حال میں جاری رہنا چاہئے۔ (مظہری)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

کل کائنات ثناء خواں ہے:

تمام حیوانات، سب نباتات اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، ساتوں آسمان، زمینیں، ان کی مخلوق اور ہر ایک چیز اس کی ستائش کرنے میں مشغول ہے گو تم ان کی تسبیح نہ سمجھ سکو اللہ حلیم و غفور ہے۔ اس کے سامنے ہر کوئی پست و عاجز ولاچار ہے، اس کی مقرر کردہ شریعت اور اس کے احکام حکمت سے پر ہیں۔ حقیقی بادشاہ جس کی ملکیت میں آسمان و زمین ہیں وہی ہے، خلق میں متصرف وہی ہے، زندگی موت اسی کے قبضے میں ہے، وہی فنا کرتا ہے، وہی پیدا کرتا ہے۔ جسے جو چاہے عنایت فرماتا ہے، ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جو چاہتا ہے ہوجاتا ہے، جو نہ چاہے نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد کی آیت: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وہ آیت ہے جس کی بابت اوپر کی حدیث میں گزرا کہ ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ حضرت ابوزمیل حضرت ابن عباس سے کہتے ہیں کہ میرے دل میں ایک کھٹکا ہے لیکن زبان پر لانے کو جی نہیں چاہتا اس پر حضرت ابن عباسؓ نے مسکرا کر فرمایا شاید کچھ شک ہوگا جس سے کوئی نہیں بچا یہاں تک کہ قرآن میں ہے: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (یونس: ۹۴) یعنی اگر تو جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا ہے اس میں شک میں ہو تو تجھ سے پہلے جو کتاب پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لے۔ پھر فرمایا جب تیرے دل میں کوئی شک ہو تو اس آیت کو پڑھ لیا کر هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحدید: ۳) اس آیت کی تفسیر میں دس سے اوپر اقوال ہیں۔ بخاری فرماتے ہیں یحییٰ کا قول ہے کہ ظاہر باطن سے مراد از روئے علم ہر چیز پر ظاہر اور پوشیدہ ہونا ہے۔ یہ یحییٰ زیاد فراء کے لڑکے ہیں ان کی ایک تصنیف ہے جس کا نام معانی القرآن ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ سونے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے۔

اے اللہ اے ساتوں آسمانوں کے اور عرش عظیم کے رب، اے ہمارے اور ہر چیز کے رب! اے تورات وانجیل کے اتارنے والے! اے دانوں اور گٹھلیوں کو اگانے والے تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں میں تیری پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کی برائی سے کہ اس کی چوٹی تیرے ہاتھ میں ہے تو اول ہے تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا تو ہی آخر ہے تیرے بعد کچھ نہیں تو ظاہر ہے تجھ سے اونچی کوئی چیز نہیں تو باطن ہے تجھ سے چھپی کوئی چیز نہیں ہمارے قرض ادا کرادے اور ہمیں فقیری سے غنا دے۔ حضرت ابو صالح اپنے متعلقین کو یہ دعا سکھاتے اور فرماتے سوتے وقت داہنی کروٹ پر لیٹ کر یہ دعا پڑھ لیا کرو، الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم۔ ابو یعلی میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے حکم سے آپ کا بستر قبلہ رخ بچھایا جاتا آپ آ کر اپنے داہنے ہاتھ پر تکیہ لگا کر آرام فرماتے، پھر آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہتے لیکن آخر رات میں با آواز بلند یہ دعا پڑھتے

(جو اوپر بیان ہوئی) الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں جامع ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ سمیت تشریف فرماتے کہ ایک بادل سر پر آ گیا آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے باادب جواب دیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ فرمایا اسے عنان کہتے ہیں یہ زمین کو سیراب کرنے والے ہیں ان لوگوں پر بھی یہ برسائے جاتے ہیں جو نہ اللہ کے شکرگزار ہیں نہ اللہ کے پکارنے والے پھر پوچھا معلوم ہے تمہارے اوپر کیا ہے انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ باخبر ہے، فرمایا بلند محفوظ چھت اور لپٹی ہوئی موج، جانتے ہو تم میں اس میں کس قدر فاصلہ ہے وہی جواب ملا، فرمایا پانچ سو سال کا راستہ۔ پھر پوچھا جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے پھر اپنی لاعلمی ان ہی الفاظ میں ظاہر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے اوپر پھر دوسرا آسمان ہے اور ان دونوں آسمانوں میں بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اسی طرح آپ نے سات آسمان گنوائے اور ہر دو میں اتنی ہی دوری بیان فرمائی۔ پھر سوال کر کے جواب سن کر فرمایا اس ساتویں کے اوپر اتنے ہی فاصلہ سے عرش ہے، پھر پوچھا جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے اور جواب وہی سن کر فرمایا دوسری زمین ہے، پھر سوال جواب کے بعد فرمایا اس کے نیچے دوسری زمین ہے اور دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، اسی طرح سات زمینیں اسی فاصلہ کے ساتھ ایک دوسرے کے نیچے بتائیں، پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر تم کوئی رسی سب سے نیچے کی زمین کی طرف لٹکاؤ تو وہ بھی اللہ کے پاس پہنچے گی پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی، لیکن یہ حدیث غریب ہے اس کے راوی حسن کا ایوب یونس اور علی بن زید محدثین کا قول ہے۔ بعض اہل علم نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد رسی کا اللہ تعالیٰ کے علم قدرت اور غلبے تک پہنچنا ہے (نہ کہ ذات باری تعالیٰ) اللہ تعالیٰ کا علم اس کی قدرت اور اس کا غلبہ اور سلطنت بیشک ہر جگہ ہے لیکن وہ اپنی ذات سے عرش پر ہے جیسے کہ اس نے اپنا یہ وصف اپنی کتاب میں خود بیان فرمایا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں دو دو زمینوں کے درمیان کا فاصلہ سات سو سال کا بیان ہوا۔ ابن ابی حاتم اور بزار میں بھی یہ حدیث ہے لیکن ابن ابی حاتم میں رسی لٹکانے کا جملہ نہیں اور ہر دو زمین کے درمیان کی دوری اس میں بھی پانچ سو سال کی بیان ہوئی ہے۔ امام بزار نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس روایت کا راوی آنحضرت ﷺ سے بغیر حضرت ابوہریرہ کے اور کوئی نہیں۔ ابن جریر میں یہ حدیث مرسلاً مروی ہے یعنی قتادہ فرماتے ہیں ہم سے یوں ذکر کیا گیا ہے پھر حدیث بیان کرتے ہیں صحابی کا نام نہیں لیتے۔ ممکن ہے یہی ٹھیک ہو، واللہ اعلم، حضرت ابوذر غفاری سے مسند بزار اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی میں یہ حدیث مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں نظر ہے اور متن میں غربت و نکارت ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ امام ابن جریر آیت (وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق:۱۲)) کی تفسیر میں حضرت قتادہ کا قول لائے ہیں کہ آسمان و زمین کے درمیان چار فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ آپس میں پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ تو ایک نے کہا ساتویں آسمان سے مجھے اللہ عزوجل نے بھیجا ہے اور میں نے اللہ کو وہیں چھوڑا ہے۔ دوسرے نے کہا ساتویں زمین سے مجھے اللہ نے بھیجا تھا اور اللہ وہیں تھا، تیسرے نے کہا میرے رب نے مجھے مشرق سے بھیجا ہے جہاں وہ تھا چوتھے نے کہا مجھے مغرب سے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور میں اسے وہیں چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ لیکن یہ روایت بھی غریب ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قتادہ والی اوپر کی روایت جو مرسلاً بیان ہوئی ہے ممکن ہے وہ بھی حضرت قتادہ کا اپنا قول ہو جیسے یہ قول خود قتادہ کا اپنا۔ واللہ اعلم

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ....

ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے:

اللہ تعالیٰ کا زمین وآسمان کو چھ دن میں پیدا کرنا اور عرش پر قرار پکڑنا سورۂ اعراف کی تفسیر میں پوری طرح بیان ہو چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں، اسے بخوبی علم ہے کہ کس قدر بارش کی بوندیں زمین میں گئیں، کتنے دانے زمین میں پڑے اور کیا چارہ پیدا ہوا کس قدر کھیتیاں ہوئیں اور کتنے پھل کھلے، جیسے اور آیت میں ہے: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (الانعام:۵۹) غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں سوائے اس کے اور کوئی جانتا ہی نہیں وہ خشکی اور تری کی تمام چیزوں کا عالم ہے کسی پتے کا گرنا بھی اس کے علم سے باہر نہیں، زمین کے اندھیروں میں پوشیدہ دانہ اور کوئی تر وخشک چیز ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں موجود نہ ہو، اسی طرح آسمان سے نازل ہونے والی بارش، اولے، برف، تقدیر اور احکام جو برتر فرشتوں کے بذریعہ نازل ہوتے ہیں، سب اس کے علم میں ہیں، سورۂ بقرہ کی تفسیر میں یہ گزر چکا ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے بارش کے ایک ایک قطرے کو اللہ کی بتائی ہوئی جگہ پہنچا دیتے ہیں، آسمان سے اترنے والے فرشتے اور اعمال بھی اس کے وسیع علم میں ہیں، جیسے صحیح حدیث میں ہے رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اس کی جناب میں پیش کر دیئے جاتے ہیں، وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا نگہبان ہے۔ تمہارے اعمال وافعال کو دیکھ رہا ہے جیسے بھی ہوں جو بھی ہوں اور تم بھی خواہ خشکی میں ہو خواہ تری میں، راتیں ہوں یا دن ہوں، تم گھر میں ہو یا جنگل میں، ہر حالت میں اس کے علم کے لئے یکساں ہر وقت اس کی نگاہیں اور اس کا سننا تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہارے تمام کلمات سنتا رہتا ہے تمہارا حال دیکھتا رہتا ہے، تمہارے چھپے کھلے کا اسے علم ہے۔ جیسے فرمایا ہے کہ اس سے جو چھپنا چاہے اس کا وہ فعل فضول ہے بھلا ظاہر باطن بلکہ دلوں کے ارادے تک سے واقفیت رکھنے والے سے کوئی کیسے چھپ سکتا ہے؟ ایک اور آیت میں ہے پوشیدہ باتیں ظاہر باتیں راتوں کو دن کو جو بھی ہوں سب اس پر روشن ہیں۔ یہ سچ ہے وہی رب ہے وہی معبود برحق ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جبرائیل کے سوال پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ ایک شخص آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا حکمت کا توشہ دیجئے کہ میری زندگی سنور جائے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا لحاظ کر اور اس سے اس طرح شرما جیسے کہ تو اپنے کسی نزدیکی نیم قرابتدار سے شرماتا ہو جو تجھ سے کبھی جدا نہ ہوتا ہو، یہ حدیث ابوبکر اسماعیلی نے روایت کی ہے سند غریب ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا مزہ اٹھا لیا۔ ایک اللہ کی عبادت کی اور اپنے مال کی زکوٰۃ ہنسی خوشی راضی رضامندی سے ادا کی۔ جانور اگر زکوٰۃ میں دیئے ہیں تو بوڑھے بیکار دبلے پتلے اور بیمار نہ دے بلکہ درمیانہ راہ اللہ میں دیا اور اپنے نفس کو پاک کیا۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور ﷺ نفس کو پاک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس بات کو دل میں محسوس کرے اور یقین وعقیدہ رکھے کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ (ابونعیم) اور حدیث میں ہے افضل ایمان یہ ہے کہ تو جان رکھے کہ تو جہاں کہیں ہے اللہ تیرے ساتھ ہے (نعیم بن حماد) حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اکثر ان دو

شعروں کو پڑھتے رہتے تھے۔

اذا مــــا خلــــوت الــــدھر یومــــا فــــلا تقــــل
خلــــوت ولکــــن قــــل علــــی رقیــــب
ولا تحســــبن اللہ یغفــــل ســــاعتہ
ولا ان مــــا یخفــــی علیــــہ یغیــــب

جب تو بالکل تنہائی اور خلوت میں ہو اس وقت بھی یہ نہ کہہ کہ میں اکیلا ہی ہوں۔ بلکہ کہتا رہ کہ تجھ پر ایک نگہبان ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ کسی ساعت اللہ تعالیٰ کو بے خبر نہ سمجھ اور مخفی سے مخفی کام کو اس پر مخفی نہ مان۔ پھر فرماتا ہے کہ دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے جیسے اور آیت میں ہے

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (اللیل: ۱۳) دنیا آخرت کی ملکیت ہماری ہی ہے۔ اس کی تعریف اس بادشاہت پر بھی کرنی ہمارا فرض ہے۔ فرماتا ہے

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (القصص: ۷۰) وہی معبود برحق ہے اور وہی حمد و ثناء کا مستحق ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایک اور آیت میں ہے اللہ کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس کی ملکیت میں آسمان وزمین کی تمام چیزیں ہیں اور اسی کی حمد ہے آخرت میں اور وہ دانا خبردار ہے۔ پس ہر وہ چیز جو آسمان وزمین میں ہے اس کی بادشاہت میں ہے۔ ساری آسمان وزمین کی مخلوق اس کی غلام اور اس کی خدمت گذار اور اس کے سامنے پست ہے۔ جیسے فرمایا

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم: ۹۳) آسمان وزمین کی کل مخلوق رحمٰن کے سامنے غلامی کی حیثیت میں پیش ہونے والی ہے ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو ایک ایک کر کے گن رکھا ہے، اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں، اپنی مخلوق میں جو چاہے حکم دیتا ہے، وہ عدل ہے ظلم نہیں کرتا، بلکہ ایک نیکی کو دس گنا بڑھا کر دیتا ہے اور پھر اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے، ارشاد ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (الانبیاء: ۴۷) قیامت کے روز ہم عدل کی ترازو رکھیں گے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا رائی کے برابر کا عمل بھی ہم سامنے لا رکھیں گے اور ہم حساب کرنے اور لینے میں کافی ہیں۔ پھر فرمایا خلق میں تصرف بھی اسی کا چلتا ہے دن رات کی گردش بھی اسی کے ہاتھ ہے اپنی حکمت سے گھٹاتا بڑھاتا ہے کبھی دن لمبے کبھی راتیں اور کبھی دونوں یکساں، کبھی جاڑا، کبھی گرمی، کبھی بارش، کبھی بہار، کبھی خزاں اور یہ سب بندوں کی خیر خواہی اور ان کی مصلحت کے لحاظ سے ہے۔ وہ دلوں کی چھوٹی سے چھوٹی باتوں اور دور کے پوشیدہ رازوں سے بھی واقف ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ....

ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم:

اللہ تبارک وتعالیٰ خود اپنے اوپر اور اپنے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اس پر مضبوطی اور ہمیشگی کے ساتھ جم کر رہنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اپنی راہ میں خیرات کرنے کی رغبت دلاتا ہے جو مال ہاتھوں ہاتھ تمہیں اس نے پہنچایا ہو تم اس کی اطاعت

گزاری میں اسے خرچ کرو اور سمجھ لو کہ جس طرح دوسرے ہاتھوں سے تمہیں ملا ہے اسی طرح عنقریب تمہارے ہاتھوں سے دوسرے ہاتھوں میں چلا جائے گا اور تم پر حساب اور عتاب رہ جائے گا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تیرے بعد تیرا وارث ممکن ہے نیک ہو اور وہ تیرے ترکے کو میری راہ میں خرچ کر کے مجھ سے قربت حاصل کرے اور ممکن ہے کہ وہ بدہو اور اپنی مستی اور سیاہ کاری میں تیرا اندوختہ فنا کر دے اور اس کی بدیوں کا باعث تو بنے نہ تو چھوڑتا نہ وہ اڑاتا۔ حضور ﷺ سورۃ (الھکم) پڑھ کر فرمانے لگے انسان گو کہتا رہتا ہے یہ بھی میرا مال ہے یہ بھی میرا مال ہے حالانکہ دراصل انسان کا مال وہ ہے جو کھالیا پہن لیا صدقہ کر دیا کھایا ہوا فنا ہو گیا پہنا ہوا پرانا ہو کر برباد ہو گیا، ہاں راہ اللہ دیا ہوا بطور خزانہ کے جمع رہا (مسلم) اور جو باقی رہے گا وہ تو اوروں کا مال ہے تو تو اسے جمع کر کے چھوڑ جانے والا ہے۔ پھر ان ہی دونوں باتوں کی ترغیب دلاتا ہے اور بہت بڑے اجر کا وعدہ دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے تمہیں ایمان سے کون سی چیز روکتی ہے رسول ﷺ تم میں موجود ہیں وہ تمہیں ایمان کی طرف بلا رہے ہیں دلیلیں دے رہے ہیں اور معجزے دکھا رہے ہیں، صحیح بخاری کی شرح کے ابتدائی حصہ کتاب الایمان میں ہم یہ حدیث بیان کر آئے ہیں کہ حضور ﷺ نے پوچھا سب سے زیادہ اچھے ایمان والے تمہارے نزدیک کون ہیں؟ کہا فرشتے، فرمایا وہ تو اللہ کے پاس ہی ہیں پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ کہا پھر انبیاء فرمایا ان پر تو وحی اور کلام اللہ اترتا ہے وہ کیسے ایمان نہ لاتے؟ کہا پھر ہم فرمایا واہ تم ایمان سے کیسے رک سکتے تھے، میں تم میں زندہ موجود ہوں، سنو بہترین اور عجیب تر ایماندار وہ لوگ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے، صحیفوں میں لکھا دیکھیں گے اور ایمان قبول کریں گے، سورۃ بقرہ کے شروع میں آیت: (الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرہ:۳) کی تفسیر میں بھی ہم ایسی احادیث لکھ آئے ہیں، پھر انہیں روز میثاق کا قول و قرار یاد دلاتا ہے جیسے اور آیت میں ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (المائدہ:۷)، اس سے مراد رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا ہے اور امام ابن جریر فرماتے ہیں مراد وہ میثاق ہے جو حضرت آدم کی پیٹھ میں ان سے لیا گیا تھا، مجاہد کا بھی یہی مذہب ہے واللہ اعلم۔ وہ اللہ جو اپنے بندے پر روشن حجتیں اور بہترین دلائل اور عمدہ تر آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ ظلم و جہل کی گھنگھور گھٹاؤں اور رائے قیاس کی بدترین اندھیریوں سے تمہیں نکال کر نورانی اور روشن صاف اور سیدھی راہ حق پر لا کھڑا کر دے۔ اللہ رؤف ہے ساتھ ہی رحیم ہے یہ اس کا سلوک اور کرم ہے کہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے کتابیں اتاریں، رسول بھیجے، شکوک و شبہات دور کر دیئے، ہدایت کی وضاحت کر دی۔ ایمان اور خیرات کا حکم کر کے پھر ایمان کی رغبت دلا کر اور یہ بیان فرما کر کہ ایمان نہ لانے کا اب کوئی عذر میں نے باقی نہیں رکھا پھر صدقات کی رغبت دلائی، اور فرمایا میری راہ میں خرچ کرو اور فقیری سے نہ ڈرو، اس لئے کہ جس کی راہ میں تم خرچ کر رہے ہو وہ زمین و آسمان کے خزانوں کا تنہا مالک ہے، عرش و کرسی اسی کی ہے اور وہ تم سے اس خیرات کے بدلے انعام کا وعدہ کر چکا ہے۔ فرماتا ہے: وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (سبا:۳۹) جو کچھ تم راہ اللہ دو گے اس کا بہترین بدلہ وہ تمہیں دے گا اور روزی رساں درحقیقت وہی ہے اور فرماتا ہے: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل: ۹۶) اگر یہ فانی مال تم خرچ کرو گے وہ اپنے پاس کا ہمیشگی والا مال تمہیں دے گا۔ توکل والے خرچ کرتے رہتے ہیں اور مالک عرش انہیں تنگی ترشی سے محفوظ رکھتا ہے، انہیں اس بات کا اعتماد ہوتا ہے کہ ہمارے فی سبیل اللہ خرچ کردہ مال کا بدلہ دونوں جہان میں

ہمیں قطعاً مل کر رہے گا۔ پھر اس امر کا بیان ہو رہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے راہ اللہ خرچ کیا اور جہاد کیا اور جن لوگوں نے یہ نہیں کیا گو بعد فتح مکہ کیا ہو یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اس وجہ سے بھی کہ اس وقت تنگی ترشی زیادہ تھی اور قوت طاقت کم تھی اور اس لئے بھی کہ اس وقت ایمان وہی قبول کرتا تھا جس کا دل ہر میل کچیل سے پاک ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد تو اسلام کو کھلا غلبہ ملا اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور فتوحات کی وسعت ہوئی ساتھ ہی مال بھی نظر آنے لگا، پس اس وقت اور اس وقت میں جتنا فرق ہے اتنا ہی ان لوگوں اور ان لوگوں کے اجر میں فرق ہے، انہیں بہت بڑے اجر ملیں گے گو دونوں اصل بھلائی اور اصل اجر میں شریک ہیں، بعض نے کہا ہے فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف میں کچھ اختلاف ہوگیا جس میں حضرت خالد نے فرمایا تم اسی پر اکڑ رہے ہو کہ ہم سے کچھ دن پہلے اسلام لائے۔ جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا میرے صحابہ کو میرے لئے چھوڑ دو، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم احد کے یا کسی اور پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو بھی ان کے اعمال کو پہنچ نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حضرت خالد کے مسلمان ہوجانے کے بعد کا ہے اور آپ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے تھے اور یہ اختلاف جس کا ذکر اس روایت میں ہے بنو جذیمہ کے بارے میں ہوا تھا حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد کی امارت میں اس کی طرف ایک لشکر بھیجا تھا جب وہاں پہنچے تو ان لوگوں نے پکارنا شروع کیا ہم مسلمان ہوگئے ہم صابی ہوئے یعنی بے دین ہوئے، اس لئے کہ کفار مسلمانوں کو یہی لفظ کہا کرتے تھے حضرت خالد نے غالباً اس کلمہ کا اصلی مطلب نہ سمجھ کر ان کے قتل کا حکم دے دیا بلکہ ان کے جو لوگ گرفتار کئے گئے تھے انہیں قتل کر ڈالنے کا حکم دیا اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کی مخالفت کی اس واقعہ کا مختصر بیان اوپر والی حدیث میں ہے۔ صحیح حدیث میں ہے میرے صحابہ کو برا نہ کہو اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی ان کے تین پاؤ اناج کے ثواب کو نہیں پہنچے گا بلکہ ڈیڑھ پاؤ کو بھی نہ پہنچے گا۔ ابن جریر میں ہے حدیبیہ والے سال ہم حضور ﷺ کے ساتھ جب عسفان میں پہنچے تو آپ نے فرمایا ایسے لوگ بھی آئیں گے کہ تم اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلہ میں حقیر سمجھنے لگو گے ہم نے کہا کیا قریشی؟ فرمایا نہیں بلکہ یمنی نہایت نرم دل نہایت خوش اخلاق سادہ مزاج۔ ہم نے کہا حضور ﷺ پھر کیا وہ ہم سے بہتر ہوں گے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا بھی ہو اور وہ اسے راہ اللہ خرچ کرے تو تم میں سے ایک کے تین پاؤ بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کی خیرات کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یاد رکھو کہ ہم میں اور دوسرے تمام لوگوں میں یہی فرق ہے پھر آپ نے اسی آیت (لَا يَسْتَوِيْ) کی تلاوت کی، لیکن یہ روایت غریب ہے، بخاری و مسلم میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت میں خارجیوں کے ذکر میں ہے کہ تم اپنی نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلہ اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ پر حقیر اور کمتر شمار کرو گے۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے ابن جریر میں ہے عنقریب ایک قوم آئے گی کہ تم اپنے اعمال کو کمتر سمجھنے لگو گے جب ان کے اعمال کے سامنے رکھو گے صحابہ نے پوچھا کیا وہ قریشیوں میں سے ہوں گے آپ نے فرمایا نہیں وہ سادہ مزاج نرم دل یہاں والے ہیں اور آپ نے یمن کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا پھر فرمایا وہ یمنی لوگ ہیں ایمان تو یمن والوں کا ایمان ہے اور حکمت یمن والوں کی حکمت ہے ہم نے پوچھا کیا

وہ ہم سے بھی افضل ہوں گے؟ فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ان میں سے کسی کے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور اسے وہ راہ اللہ دے ڈالے تو بھی تمہارے ایک مد یا آدھے مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پھر آپ نے اپنی اور انگلیاں تو بند کر لیں اور چھن گیا کو دراز کر کے فرمایا خبردار رہو یہ ہے فرق ہم میں اور دوسرے لوگوں میں، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی، پس اس حدیث میں حدیبیہ کا ذکر نہیں۔ پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے فتح مکہ سے پہلے ہی فتح مکہ کے بعد کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے دی ہو، جیسے کہ سورۂ مزمل میں جو ان ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ شریف میں نازل ہوئی تھیں پروردگار نے خبر دی تھی کہ: وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (المزمل: ۲۰) یعنی کچھ اور لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پس جس طرح اس آیت میں ایک آنے والے واقعہ کا تذکرہ ہے اسی طرح اس آیت کو اور حدیث کو بھی سمجھ لیا جائے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے یعنی فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد بھی جس نے جو کچھ راہ اللہ دیا ہے کسی کو اس سے کم۔ جیسے اور جگہ ہے کہ مجاہد اور غیر مجاہد جو عذر والے بھی نہ ہوں درجے میں برابر نہیں گو بھلے وعدے میں دونوں شامل سے کم۔ جیسے اور جگہ ہے کہ مجاہد اور غیر مجاہد جو عذر والے بھی نہ ہوں درجے میں برابر نہیں گو بھلے وعدے میں دونوں شامل ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے قوی مؤمن اللہ کے نزدیک ضعیف مؤمن سے افضل ہے لیکن بھلائی دونوں میں ہے۔ اگر یہ فقرہ اس آیت میں نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ کسی کو ان بعد والوں کی سبکی کا خیال گزرے اس لئے فضیلت بیان فرما کر پھر عطف ڈال کر اصل اجر میں دونوں کو شریک بتایا۔ پھر فرمایا تمہارے تمام اعمال کی تمہارے رب کو خبر ہے وہ درجات میں جو تفاوت رکھتا ہے وہ بھی انداز سے نہیں بلکہ صحیح علم سے۔ حدیث شریف میں ہے ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس کے سردار ہیں آپ نے ابتدائی تنگی کے وقت اپنا کل مال راہ اللہ دے دیا تھا جس کا بدلہ سوائے اللہ کے کسی اور سے مطلوب نہ تھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں دربار رسالت مآب میں تھا اور حضرت صدیق اکبر بھی تھے۔ صرف ایک عبا آپ کے جسم پر تھی، گریبان کانٹے سے اٹکائے ہوئے تھے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور پوچھا کیا بات ہے جو حضرت ابوبکر نے فقط ایک عبا پہن رکھی ہے اور کانٹا لگا رکھا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا انہوں نے اپنا کل مال میرے کاموں میں فتح سے پہلے ہی راہ اللہ خرچ کر ڈالا ہے اب ان کے پاس کچھ نہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا ان سے کہو کہ اللہ انہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس فقیری میں تم مجھ سے خوش ہو یا ناخوش ہو؟ آپ نے حضرت صدیق کو یہ سب کہہ کر سوال کیا۔ جواب ملا کہ اپنے رب عزوجل سے ناراض کیسے ہوسکتا ہوں میں اس حال میں بہت خوش ہوں۔ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے واللہ اعلم۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ بِاِنْفَاقِ مَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَرْضًا حَسَنًا بِاَنْ يُّنْفِقَهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰى فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَفِيْ قِرَاءَةٍ فَيُضَعِّفَهٗ بِالتَّشْدِيْدِ مِنْ عَشْرٍ اِلٰى اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِ مِائَةٍ كَمَا ذُكِرَ فِي الْبَقَرَةِ وَلَهٗ مَعَ الْمُضَاعَفَةِ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ مُقْتَرِنٌ بِهٖ رِضًى وَاِقْبَالٌ اُذْكُرْ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ اَمَامَهُمْ وَ يكون بِاَيْمَانِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ اَيْ دُخُوْلُهَا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ

الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا اَبْصِرُوْنَا وَفِيْ قِرَائَةٍ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الظَّاءِ اَيْ اَمْهِلُوْنَا نَقْتَبِسْ

تَاخُذُ الْقَبَسَ وَالْاِضَاءَةَ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ لَهُمْ اِسْتِهْزَاءً بِهِمْ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا

فَرَجَعُوْا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِسُوْرٍ قِيْلَ هُوَ سُوْرُ الْاَعْرَافِ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ

مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَظَاهِرُهٗ مِنْ جِهَةِ الْمُنَافِقِيْنَ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ

مَّعَكُمْ ۭ عَلَى الطَّاعَةِ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِالنِّفَاقِ وَتَرَبَّصْتُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ الدَّوَائِرَ

وَارْتَبْتُمْ شَكَكْتُمْ فِيْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ الْاَطْمَاعُ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ الْمَوْتُ وَ

غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ الشَّيْطَانُ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ اَوْلٰى بِكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ هِيَ اَلَمْ يَاْنِ يَحِنْ لِلَّذِيْنَ

اٰمَنُوْٓا نَزَلَتْ فِيْ شَانِ الصَّحَابَةِ لَمَّا اَكْثَرُوا الْمِزَاحَ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ

بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مِنَ الْحَقِّ ۙ الْقُرْاٰنِ وَلَا يَكُوْنُوْا مَعْطُوْفٌ عَلٰى تَخْشَعَ كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

مِنْ قَبْلُ هُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ الزَّمَنُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اَنْبِيَائِهِمْ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ

تَلِنْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْٓا خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْمَذْكُوْرِيْنَ اَنَّ اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ بِالنَّبَاتِ فَكَذٰلِكَ يَفْعَلُ بِقُلُوْبِكُمْ بِرَدِّهَا اِلَى الْخُشُوْعِ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ

الدَّالَّةَ عَلٰى قُدْرَتِنَا بِهٰذَا وَغَيْرِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ مِنَ التَّصَدُّقِ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي

الصَّادِ اَيِ الَّذِيْنَ تَصَدَّقُوْا وَالْمُصَّدِّقٰتِ اللَّاتِيْ تَصَدَّقْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَخْفِيْفِ الصَّادِ فِيْهِمَا مِنَ التَّصْدِيْقِ

الْاِيْمَانِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا رَاجِعٌ اِلَى الذُّكُوْرِ وَالْاِنَاثِ بِالتَّغْلِيْبِ وَعَطْفُ الْفِعْلِ عَلَى الْاِسْمِ

فِيْ صِلَةِ اَلْ لِاَنَّهٗ فِيْهَا حَلَّ مَحَلَّ الْفِعْلِ وَذِكْرُ الْقَرْضِ بِوَصْفِهٖ بَعْدَ التَّصَدُّقِ تَقْيِيْدٌ لَهٗ يُضٰعَفُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ

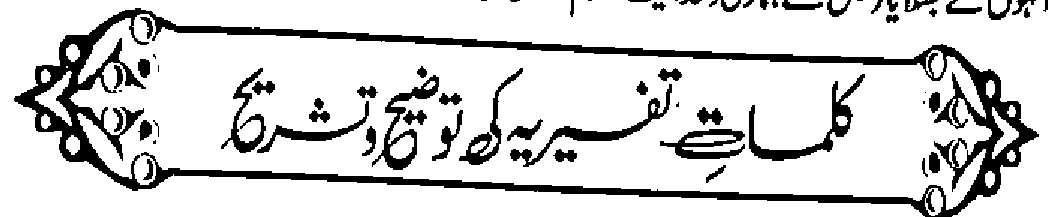
يُضَعَّفُ بِالتَّشْدِيْدِ اَيْ قَرْضُهُمْ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

الصِّدِّيقُوْنَ ٌ الْمُبَالِغُوْنَ فِی التَّصْدِيْقِ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ عَلَى الْمُكَذِّبِيْنَ مِنَ الْأُمَمِ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ الدَّالَّةِ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِنَا أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ النَّارِ

ع ۹ / ۱۸

ترجمہ: کوئی ہے جو اللہ کو قرض دے (اللہ کی راہ میں مال صرف کرے) عمدہ طریقہ پر (صرف اللہ کیلئے صرف کرکے) پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لئے بڑھاتا ہے (ایک قراءت میں فیضعفہ تشدید کے ساتھ ہے۔ ثواب کا بڑھانا دس گنا سے لے کر سات سو گنا سے زیادہ تک جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے) اور اس کیلئے (اس بڑھوتری کے ساتھ) پسندیدہ اجر ہے (جس کے ساتھ خوشنودی اور عنایات بھی شامل ہوں گی۔ آپ یاد کیجئے) جس دن آپ مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے سامنے (آگے) اور داہنی طرف دوڑتا ہوگا۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہیں خوشخبری ہے ایسے باغوں (میں جانے) کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے جس روز منافق مرد اور عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم پر نظر کرو (ہمیں دیکھو۔ ایک قراءت میں انظرونا فتحہ ہمزہ اور کسرہ ظا کے ساتھ ہے یعنی ہمارا انتظار کرو) ہم بھی کچھ روشنی حاصل کرلیں (شعلہ اور چمک حاصل کرلیں) تمہارے نور سے (ان کو) جواب دیا جائیگا (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) تم پیچھے لوٹو پھر روشنی تلاش کرو (چنانچہ وہ پلٹیں گے) کہ فوراً ان کے (اور مسلمانوں کے) درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی (بعض کی رائے ہے کہ وہ دیوار اعراف ہوگی) جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کی اندرونی جانب (مسلمانوں کیلئے) رحمت اور بیرونی جانب (منافقین کیلئے) عذاب ہوگا۔ یہ ان کو پکاریں گے کہ کیا ہم (کہا ماننے میں) تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی (نفاق) میں پھنسا رکھا تھا اور تم (مسلمانوں پر مصیبتوں کے) منتظر رہا کرتے تھے اور تم (دین اسلام میں) شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری بے ہودہ تمناؤں (آرزوؤں) نے دھوکا میں ڈال رکھا تھا۔ یہاں تک کہ تم پر اللہ کا حکم (موت) آپہنچا اور تم کو دھوکا دینے والے (شیطان) نے اللہ کے معاملہ میں دھوکا میں ڈال رکھا تھا۔ غرض آج تم سے لیا نہیں جائے گا (یوخذ یا اور تا کے ساتھ ہے) فدیہ اور نہ کافروں سے۔ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وہی تمہارا ساتھی (تمہارے لائق) ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ کیا ابھی وقت (زمانہ) نہیں آیا ایمان والوں کے لیے (صحابہ جب بکثرت ہنسی مذاق کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی) کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو نازل ہوا (نزل تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے) دین حق اس کے سامنے جھک جائیں اور نہ ہو جائیں (تخشع پر عطف ہے) ان لوگوں کی طرح جن کو ان سے پہلے کتاب ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) پھر ان پر ایک مدت دراز گزر گئی (ان کے اور انبیاء کے درمیان کا زمانہ) پھر ان کے دل سخت ہوگئے (اللہ کی یاد سے نرمائے نہیں) اور بہت سے آدمی ان کے نافرمان ہیں۔ یہ بات جان لو (مذکورہ مؤمنین کو خطاب ہے) کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کردیتا ہے (ہریالی اگا کر۔ ایسے ہی تمہارے دلوں کو خوف الٰہی کی طرف پلٹ سکتا ہے) ہم نے تم سے نظائر بیان کردیئے ہیں (جو ہماری قدرت کو ظاہر کررہے ہیں یہاں بھی اور دوسرے مقامات

میں بھی) تا کہ تم سمجھو۔ بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد (تصدیق سے ماخوذ ہے تا کو صاد میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے الذین تصدقوا) اور صدقہ کرنیوالی عورتیں (جو خیرات کرتی ہیں۔ ایک قرات میں دونوں لفظ تخفیف صاد کے ساتھ ہیں۔ یعنی ایمان کی تصدیق) اور اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں (مرد عورتیں دونوں مراد ہیں بطور تغلیب کے اور فعل کا عطف الف لام کے تحت جو اسم ہے اس پر ہو رہا ہے۔ کیونکہ اسم میں معنی فعل سرایت کر گئے ہیں اور صدقہ کے بعد قرض کی صفت کے ساتھ بیان کرنے سے صدقہ بھی اسی صفت کے ساتھ مقید ہو جاتا ہے) وہ صدقہ بڑھا دیا جائے گا (ایک قراءت میں یضعف تشدید کے ساتھ ہے یعنی ان کا قرضہ) ان کیلئے اور ان کیلئے پسندیدہ اجر ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق ہیں (مبالغہ کا صیغہ ہے) اور (تمام امتوں میں سے جھٹلانے والوں کے خلاف) گواہ ہوں گے اپنے پروردگار کے حضور۔ ان کیلئے ان کا ثواب اور ان کا نور ہوگا۔ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو انہوں نے جھٹلایا (جن سے ہماری وحدانیت معلوم ہو رہی تھی) یہی لوگ دوزخی ہیں۔



قولہ: فَيُضٰعِفَهٗ: جواب استفہام ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: دُخُولُهَا: اس سے اشارہ ہے کہ کلام میں مجاز ہے اور خبر سے مضاف محذوف ہے۔

قولہ: ذٰلِكَ: اس کا مشار الیہ النور اور البشری ہے۔

قولہ: يَوْمَ يَقُوْلُ: یہ يَوْمَ تَرَى سے بدل ہے۔

قولہ: انْظُرُوْنَا: یہ انظر نظر سے ہے، جب وہ ان کو دیکھیں گے اور چہرے ان کی طرف کریں گے تو وہ ان کے نور سے روشنی چاہیں گے۔

قولہ: نَاخُذُ الْقَبَسَ: ہم شعلہ لیں۔

قولہ: وَرَآءَكُمْ: تم مصارف حاصل کرنے کے لیے دنیا کی طرف یا موقف کی طرف لوٹ جاؤ۔ نور وہاں سے ملتا ہے۔

قولہ: بِسُوْرٍ: دیوار، من قبلہ: اس والی جانب جو آگ کے قریب ہوگی۔

قولہ: الدَّوَائِرَ: حوادث۔ اطماع یعنی طوالیت عمر۔

قولہ: كَفَرُوْا: انہوں نے ظاہر و باطن میں کفر کو اختیار کیا۔

قولہ: اَوْلٰى بِكُمْ: تمہارے زیادہ مناسب ہے۔

قولہ: اَلَمْ يَاْنِ: کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔

قولہ: يَحْنِ: یہ حنن سے ہے، شوق مند ہونا۔

قوله: وَمَا نَزَلَ: اس کا عطف الذکر پر ایک وصف کے دوسرے پر عطف کی طرح ہے۔

قوله: مَعْطُوفٌ: وہ نصب کی وجہ بتاتی۔

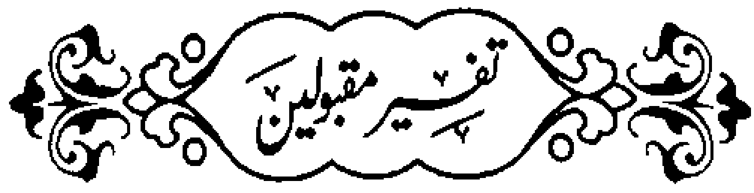
قوله: فٰسِقُوْنَ: وہ ان کے مابین سے نکلنے والے ہیں۔

قوله: تَعْقِلُوْنَ: تا کہ تمہاری عقل کامل ہو۔

قوله: بِالتَّغْلِيْبِ: کیونکہ اقرضوا یہ جمع مذکر کا صیغہ ہے۔

قوله: وَعَطْفُ الْفِعْلِ: فعل کا اسم پر عطف الی کی وجہ سے آیا کیونکہ وہ الذین اصدقوا کے معنی میں ہے۔

قوله: تَقْيِيْدٌ: اس سے یہ دلالت مل گئی کہ ایسا صدقہ معتبر ہے جو خوش دلی اور صحت نیت سے دیا جائے۔



تفسیر مقبولین

پھر فرماتا ہے کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرنا ہے۔ بعض نے کہا ہے بال بچوں کو کھلانا پلانا وغیرہ خرچ مراد ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے دونوں صورتوں کو شامل ہو، پھر اس پر وعدہ فرماتا ہے کہ اسے بہت بڑھا چڑھا کر بدلہ ملے گا اور جنت میں پاکیزہ تر روزی ملے گی، اس آیت کو سن کر حضرت ابودحداح انصاری ؓ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا کیا ہمارا رب ہم سے قرض مانگتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دیجئے آپ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا میرا باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں وہ میں نے اپنے رب کو دیا آپ کے بیوی بچے بھی اسی باغ میں تھے آپ آئے اور باغ کے دروازے پر کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی وہ لبیک کہتی ہوئی آئیں تو فرمانے لگے بچوں کو لے کر چلی آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب عزوجل کو قرض دے دیا ہے۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگیں آپ نے بہت نفع کی تجارت کی اور بال بچوں کو اور گھر کے اثاثے کو لے کر باہر چلی آئیں، حضور ﷺ فرمانے لگے جنتی درخت وہاں کے باغات جو میووں سے لدے ہوئے اور جن کی شاخیں یاقوت اور موتی کی ہیں ابودحداح کو اللہ نے دے دیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ....

اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا:

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے نیک اعمال کے مطابق انہیں نور ملے گا جو قیامت کے دن کے ان کے ساتھ ساتھ رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں ان میں بعض کا نور پہاڑوں کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجوروں کے درختوں کے برابر اور بعض کا کھڑے انسان کے قد کے برابر سب سے کم نور جس گنہگار مؤمن کا ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوتا ہوگا اور کبھی بجھ جاتا ہوگا۔ (ابن جریر) حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے بعض مؤمن ایسے بھی ہوں گے جن کا نور اس قدر ہوگا کہ جس قدر مدینہ سے عدن دور ہے اور ابین دور ہے اور صنعا دور ہے۔ بعض اس

سے کم بعض اس سے کم یہاں تک کہ بعض وہ بھی ہوں گے جن کے نور سے صرف ان کے دونوں قدموں کے پاس ہی اجالا ہوگا۔
حضرت جنادہ بن ابوامیہ فرماتے ہیں لوگو! تمہارے نام مع ولدیت کے اور خاص نشانیوں کے اللہ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں اسی طرح تمہارا ہر ظاہر باطن عمل بھی وہاں لکھا ہوا ہے قیامت کے دن نام لے کر پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اے فلاں یہ تیرا نور ہے اور اے فلاں تیرے لئے کوئی نور ہمارے ہاں نہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں اول اول تو ہر شخص کو نور عطا ہوگا لیکن جب پل صراط پر جائیں گے تو منافقوں کا نور بجھ جائے گا اسے دیکھ کر مومن بھی ڈرنے لگیں گے کہ ایسا نہ ہو ہمارا نور بھی بجھ جائے تو اللہ سے دعائیں کریں گے کہ یا اللہ ہمارا نور ہمارے لئے پورا پورا کر۔ حضرت حسن فرماتے ہیں اس آیت سے مراد پل صراط پر نور کا ملنا ہے تا کہ اس اندھیری جگہ سے با آرام گزر جائیں۔ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلے سجدے کی اجازت قیامت کے دن مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کا حکم بھی مجھے ہوگا میں آگے پیچھے دائیں بائیں نظریں ڈالوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا تو ایک شخص نے کہا حضور ﷺ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک کی تمام امتیں اس میدان میں اکٹھی ہوں گی ان میں سے آپ اپنی امت کی شناخت کیسے کریں گے؟ آپ نے فرمایا بعض مخصوص نشانیوں کی وجہ سے میری امت کے اعضاء وضو چمک رہے ہوں گے یہ وصف کسی اور امت میں نہ ہوگا اور انہیں ان کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور ان کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور ان کا نور ان کے آگے آگے چلتا ہوگا اور ان کی اولاد ان کے ساتھ ہی ہوگی۔ ضحاک فرماتے ہیں ان کے دائیں ہاتھ میں ان کا عمل نامہ ہوگا جیسے اور آیتوں میں تشریح ہے۔ ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے چپے چپے پر چشمے جاری ہیں جہاں سے کبھی نکلنا نہیں، یہ زبردست کامیابی ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں میدان قیامت کے ہولناک دل شکن اور کپکپا دینے والے واقعہ کا بیان ہے کہ سوائے سچے ایمان اور کھرے اعمال والوں کے نجات کسی کو منہ دکھائے گی۔ سلیم بن عامر فرماتے ہیں ہم ایک جنازے کے ساتھ باب دمشق میں تھے جب جنازے کی نماز ہو چکی اور دفن کا کام شروع ہوا تو حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے فرمایا لوگو! تم اس دنیا کی منزل میں آج صبح شام کر رہے ہو نیکیاں برائیاں کر سکتے ہو اس کے بعد ایک اور منزل کی طرف تم سب کوچ کرنے والے ہو وہ منزل یہی قبر کی ہے جو تنہائی کا، اندھیرے کا، کیڑوں کا اور تنگی اور تاریکی والا گھر ہے مگر جس کے لئے اللہ تعالیٰ اسے وسعت دے دے۔ یہاں سے تم پھر میدان قیامت کے مختلف مقامات پر وارد ہو گے۔ ایک جگہ بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہو جائیں گے اور بہت سے لوگوں کے سیاہ پڑ جائیں گے، پھر ایک اور میدان میں جاؤ گے جہاں سخت اندھیرا ہوگا وہاں ایمانداروں کو نور تقسیم کیا جائے گا اور کافر و منافق بے نور رہ جائے گا، اسی کا ذکر آیت (او ظلمات) الخ، میں ہے پس جس طرح آنکھوں والے کی بصارت سے اندھا کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا منافق و کافر ایماندار کے نور سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ تو منافق ایمانداروں سے آرزو کریں گے کہ اس قدر آگے نہ بڑھ جاؤ کچھ تو ٹھہرو جو ہم بھی تمہارے نور کے سہارے چلیں تو جس طرح یہ دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ مکر و فریب کرتے تھے آج ان سے کہا جائے گا کہ لوٹ جاؤ اور نور تلاش کر لاؤ یہ واپس نور کی تقسیم کی جگہ جائیں گے لیکن وہاں کچھ نہ پائیں گے، یہی اللہ کا وہ مکر ہے جس کا بیان: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا (النساء:

(۱۳) میں ہے۔ اب لوٹ کر یہاں جو آئیں گے تو دیکھیں گے کہ مؤمنوں اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی ہے جس کے
اس طرف رحمت ہی رحمت ہے اور اس طرف عذاب وسزا ہے۔ پس منافق نور کی تقسیم کے وقت تک دھوکے میں ہی پڑے رہے گا نور
ل جانے پر بھید کھل جائے گا تمیز ہو جائے گی اور یہ منافق اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائیں گے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ
جب کامل اندھیرا چھایا ہوا ہوگا کہ کوئی انسان اپنا ہاتھ بھی نہ دیکھ سکے اس وقت اللہ تعالیٰ ایک نور ظاہر کرے گا مسلمان اس طرف
جانے لگیں گے تو منافق بھی پیچھے لگ جائیں گے۔ جب مؤمن زیادہ آگے نکل جائیں گے تو یہ انہیں ٹھہرانے کے لئے آواز دیں
گے اور یاد دلائیں گے کہ دنیا میں ہم سب ساتھ ہی تھے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی پردہ پوشی
کے لئے ان کے ناموں سے پکارا جائے گا لیکن پل صراط پر تمیز ہو جائے گی مؤمنوں کو نور ملے گا اور منافقوں کو بھی ملے گا لیکن
جب درمیان میں پہنچ جائیں گے منافقوں کا نور بجھ جائے گا یہ مؤمنوں کو آواز دیں گے لیکن اس وقت خود مؤمن خوف زدہ ہو
رہے ہوں گے یہ وہ وقت ہوگا کہ ہر ایک آپا دھاپی میں ہوگا، جس دیوار کا یہاں ذکر ہے یہ جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل
ہوگی اسی کا ذکر: وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ
يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ (الاعراف:۴۶) میں ہے۔ پس جنت میں رحمت اور جہنم میں عذاب۔ ٹھیک بات یہی ہے لیکن بعض کا
قول ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کی دیوار ہے جو جہنم کی وادی کے پاس ہوگی، ابن عمر سے مروی ہے کہ یہ دیوار بیت المقدس
کی شرقی دیوار ہے جس کے باطن میں مسجد وغیرہ ہے اور جس کے ظاہر میں وادی جہنم ہے اور بعض بزرگوں نے بھی یہی کہا ہے،
لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کا مطلب یہ نہیں کہ بعینہٖ یہی دیوار اس آیت میں مراد ہے بلکہ اس کا ذکر بطور قرب کے معنی میں
آیت کی تفسیر میں ان حضرات نے کر دیا ہے اس لئے کہ جنت آسمانوں میں اعلیٰ علیین میں ہے اور جہنم اسفل السافلین میں
حضرت کعب احبار سے مروی ہے کہ جس دروازے کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد مسجد کا باب الرحمت ہے یہ بنو اسرائیل
کی روایت ہے جو ہمارے لئے سند نہیں بن سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دیوار قیامت کے دن مؤمنوں اور منافقوں کے درمیان
علیحدگی کے لئے کھڑی کی جائے گی مؤمن تو اس کے دروازے میں سے جا کر جنت میں پہنچ جائیں گے پھر دروازہ بند ہو جائے گا
اور منافق حیرت زدہ ظلمت وعذاب میں رہ جائیں گے۔ جیسے کہ دنیا میں بھی یہ لوگ کفر وجہالت شک وحیرت کی اندھیروں میں
تھے، اب یہ یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے جمعہ جماعت ادا کرتے تھے عرفات اور غزوات میں موجود
رہتے تھے واجبات ادا کرتے تھے۔ ایماندار کہیں گے ہاں بات تو ٹھیک ہے لیکن اپنے کرتوت تو دیکھو گناہوں میں نفسانی
خواہشوں میں اللہ کی نافرمانیوں میں عمر بھر تم لذتیں اٹھاتے رہے اور آج توبہ کر لیں گے کل بداعمالیوں چھوڑ دیں گے اسی میں
رہے۔ انتظار میں ہی عمر گزار دی کہ دیکھیں مسلمانوں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اور تمہیں یہ بھی یقین نہ آیا کہ قیامت آئے گی بھی یا
نہیں؟ اور پھر اس آرزو میں رہے کہ اگر آئے گی پھر تو ہم ضرور بخش دیئے جائیں گے اور مرتے دم تک اللہ کی طرف یقین خلوص
کے ساتھ جھکنے کی توفیق میسر نہ آئی اور اللہ کے ساتھ تمہیں دھوکے باز شیطان نے دھوکے میں ہی رکھا۔ یہاں تک کہ آج تم جہنم
داخل ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ جسموں سے تو تم ہمارے ساتھ تھے لیکن دل اور نیت سے ہمارے ساتھ نہ تھے بلکہ حیرت وشک
میں ہی پڑے رہے ریاکاری میں رہے اور دل لگا کر یاد الٰہی کرنا بھی تمہیں نصیب نہ ہوا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ منافق

مؤمنوں کے ساتھ تھے نکاح بیاہ مجلس مجمع موت زیست میں شریک رہے۔ کہ خبر دار ان کا رنگ تم پر نہ چڑھ جائے۔ اصل و فرع میں ان سے بالکل الگ رہو، ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ربیع بن ابو عمیلہ فرماتے ہیں قرآن حدیث کی مٹھاس تو مسلم ہی ہے لیکن میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک بہت ہی پیاری اور میٹھی بات سنی ہے جو مجھے بیحد محبوب اور مرغوب ہے آپ نے فرمایا جب بنو اسرائیل کی الہامی کتاب پر کچھ زمانہ گزر گیا تو ان لوگوں نے کچھ کتابیں خود تصنیف کر لیں اور ان میں وہ مسائل لکھے جو انہیں پسند تھے اور جو ان کے اپنے ذہن سے انہوں نے تراش لئے تھے، اب مزے لے لے کر زبانیں موڑ موڑ کر انہیں پڑھنے لگے ان میں سے اکثر مسائل اللہ کی کتاب کے خلاف تھے جن جن احکام کے ماننے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا انہوں نے بدل ڈالے تھے اور اپنی کتاب میں اپنی طبیعت کے مطابق مسائل جمع کر لئے تھے اور انہی پر عامل بن گئے، اب انہیں سوجھی کہ اور لوگوں کو بھی منوائیں اور انہیں بھی آمادہ کریں کہ ان ہی ہماری لکھی ہوئی کتابوں کو شرعی کتابیں سمجھیں اور مدار عمل انہیں پر رکھیں اب لوگوں کو اسی کی دعوت دینے لگے اور زور پکڑتے گئے، یہاں تک کہ جو ان کی ان کتابوں کو نہ مانتا اسے یہ ستاتے تکلیف دیتے مارتے پیٹتے بلکہ قتل کر ڈالتے، ان میں ایک مخلص اللہ والے پورے عالم اور متقی تھے انہوں نے ان کی طاقت سے اور زیادتی سے مرعوب ہو کر کتاب اللہ کو ایک لطیف چیز پر لکھ کر ایک نرسنگھے میں ڈال کر اپنی گردن میں اسے ڈال لیا، ان لوگوں کا شر و فساد روز بروز بڑھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ بہت سے ان لوگوں کو جو کتاب اللہ پر عامل تھے انہوں نے قتل کر دیا، پھر آپس میں مشورہ کیا کہ دیکھو کہ یوں ایک ایک کو کب تک قتل کرتے رہیں گے؟ ان کا بڑا عالم اور ہماری اس کتاب کو بالکل نہ ماننے والا تمام بنی اسرائیل میں سب سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عامل فلاں عالم ہے اسے پکڑو اور اس سے اپنی یہ رائے قیاس کی کتاب منواؤ اگر وہ مان لے گا تو پھر ہماری چاندی ہی چاندی ہے اور اگر وہ نہ مانے تو اسے قتل کر دو پھر تمہاری اس کتاب کا مخالف کوئی نہ رہے گا اور دوسرے لوگ خواہ مخواہ ہماری ان کتابوں کو قبول کر لیں گے اور انہیں ماننے لگیں گے، چنانچہ ان رائے قیاس والوں نے کتاب اللہ کے عالم و عامل اس بزرگ کو پکڑوا منگوایا اور اس سے کہا کہ دیکھ ہماری اس کتاب میں جو ہے اسے سب کو تو مانتا ہے یا نہیں؟ ان پر تیرا ایمان ہے یا نہیں؟ اس اللہ ترس کتاب اللہ کے ماننے والے عالم نے کہا اس میں تم نے کیا لکھا ہے؟ ذرا مجھے سناؤ تو، انہوں نے سنایا اور کہا اس کو تو مانتا ہے؟ اس بزرگ کو اپنی جان کا ڈر تھا اس لئے جرات کے ساتھ یہ تو نہ کہہ سکا کہ نہیں مانتا بلکہ اپنے اس نرسنگھے کی طرف اشارہ کر کے کہا میرا اس پر ایمان ہے وہ سمجھ بیٹھے کہ اس کا اشارہ ہماری اس کتاب کی طرف ہے۔ چنانچہ اس کی ایذاء رسانی سے باز رہے لیکن تاہم اس کے اطوار و افعال سے کھٹکتے ہی رہے یہاں تک کہ جب اس کا انتقال ہوا تو انہوں نے تفتیش شروع کی کہ ایسا نہ ہو اس کے پاس کتاب اللہ اور دین کے سچے مسائل کی کوئی کتاب ہو آخر وہ نرسنگھا ان کے ہاتھ لگ گیا پڑھا تو اس میں اصلی مسائل کتاب اللہ کے موجود تھے اب بات بنالی کہ ہم نے تو کبھی یہ مسائل نہیں سنے ایسی باتیں ہمارے دین کی نہیں چنانچہ زبردست فتنہ برپا ہو گیا اور بہتر گروہ ہو گئے ان سب میں بہتر گروہ جو راستی پر اور حق پر تھا وہ تھا جو اس نرسنگھے والے مسائل پر عامل تھا۔ حضرت ابن مسعود نے یہ واقعہ بیان فرما کر کہا لوگو تم میں سے بھی جو باقی رہے گا وہ ایسے ہی امور کا معائنہ کرے گا اور وہ بالکل بے بس ہوگا ان بری کتابوں کے مٹانے کی اس میں قدرت نہ ہوگی، پس ایسے مجبوری اور بے کسی کے وقت بھی اس کا یہ فرض تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ ثابت کر دے کہ وہ ان سب کو برا جانتا ہے۔ امام ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ روایت

نقل کی ہے کہ عتریس بن عرقوب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابوعبداللہ جو شخص بھلائی کا حکم نہ کرے اور برائی سے نہ روکے وہ ہلاک ہوا آپ نے فرمایا ہلاک وہ ہوگا جو اپنے دل سے اچھائی کو اچھائی نہ سمجھے اور برائی کو برائی نہ جانے، پھر آپ نے بنی اسرائیل کا یہ واقعہ بیان فرمایا۔ پھر ارشاد باری لیکن اب یہاں بالکل الگ کردیئے گئے۔ سورۃ مدثر کی آیتوں میں ہے کہ مسلمان مجرموں سے انہیں جہنم میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ آخر تم یہاں کیسے پھنس گئے اور وہ اپنے بداعمال گنوائیں گے۔ تو یاد رہے کہ یہ سوال صرف بطور ڈانٹ ڈپٹ کے اور انہیں شرمندہ کرنے کے لئے ہوگا ورنہ حقیقت حال سے مسلمان خوب آگاہ ہوں گے۔ پھر یہ جیسے وہاں فرمایا تھا کہ کسی کی سفارش انہیں نفع نہ دے گی، یہاں فرمایا آج ان سے فدیہ نہ لیا جائے گا گو زمین بھر کر سونا دیں قبول نہ کیا جائے گا نہ منافقوں سے نہ کافروں سے ان کا مرجع وماویٰ جہنم ہے وہی ان کے لائق ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بدترین جگہ ہے۔

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ .....

کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب خشوع والے بن جائیں:

ان آیات میں ان اہل ایمان کو خطاب اور عتاب فرمایا ہے جن کے اعمال صالحہ میں کمی آ گئی اور جن کے دلوں میں ذکر اللہ اور کتاب اللہ کی طرف توجہ درجہ مطلوبہ میں نہیں رہی، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے وہاں کچھ اصحاب ہنس رہے تھے آپ نے اپنے مبارک چہرہ سے چادر ہٹائی جو سرخ ہو رہا تھا اور فرمایا کہ کیا تم ہنس رہے ہو؟ اور تمہارے رب کی طرف سے یہ امان نازل نہیں ہوئی کہ اس نے تمہیں بخش دیا؟ (اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دنیا سے دل نہ لگاتے اور ہنسی مذاق میں وقت خرچ نہ کرتے) تمہارے ہنسنے کے بارے میں مجھ پر آیت کریمہ: اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا نازل ہوئی ہے صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ہمارے اس ہنسنے کا کیا کفارہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس قدر ہنسے ہو اسی قدر روؤ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی اس وقت یمامہ والے کچھ لوگ موجود تھے۔ وہ بہت روئے ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہم بھی اس طرح رویا کرتے تھے حتیٰ کہ بعد میں ایسے لوگ آ گئے جن کے دل سخت ہو گئے۔ (روح المعانی صفحہ ۱۷۹۔ ۱۸، ۲۷)

معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو اللہ کے ذکر میں اور قرآن کی تلاوت کرنے اور سمجھنے کی طرف پوری طرح متوجہ رہنا چاہیے، جب دل میں خشوع ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی کتاب کی طرف جھکاؤ ہوگا تو ایمان میں پختگی رہے گی۔ اگر دل میں خشوع نہ ہوا تو شدہ شدہ آہستہ آہستہ دلوں میں قساوت یعنی سختی آ جائے گی۔ جب قساوت آ جاتی ہے تو دنیا ہی کی طرف توجہ رہ جاتی ہے۔ دین پر چلنے کا اہتمام اور آخرت کی فکر نہیں رہتی نماز بھی یوں ہی چلتی ہوئی پڑھتے ہیں ایک منٹ میں دو رکعتیں نمٹا دیتے ہیں اور نماز میں دکان کی بکری کا حساب لگاتے رہتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ کلام نہ کرو۔ کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ باتیں کرنا قساوت قلب یعنی دل کی سختی کا سبب ہے اور اللہ سے سب سے زیادہ دور وہی دل ہے جو سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

ایک تاریخی واقعہ:

حضرت فضیل بن عیاضؒ مشہور محدث ہیں اکابر صوفیاء میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے یہ پہلے صحیح راستہ پر نہ تھے ڈاکہ زنی کیا کرتے تھے اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک لڑکی سے عشق ہو گیا اس لڑکی کے پاس پہنچنے کے لیے دیواروں پر چڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک تلاوت کرنے والے شخص کی آواز کان میں پڑ گئی وہ آیت کریمہ: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا..... پڑھ رہا تھا (کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر کے لیے ان کے قلوب جھک جائیں)۔ فضیل نے جب اس آیت کو سنا تو فوراً منہ سے نکلا: بلی یارب قد آن (اے میرے پروردگار ہاں وہ وقت آ گیا) یہ کہہ کر واپس لوٹے تو ایک ویران گھر کی طرف چلے گئے وہاں کچھ مسافر ٹھہرے ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ چلو سفر شروع کر دیں دوسرے نے کہا کہ صبح تک ٹھہرو کیونکہ یہاں کہیں فضیل ہوگا وہ ڈاکو ہے کہیں ہم پر ڈاکہ نہ ڈال دے، یہ سن کر فضیل اپنے دل میں کہنے لگے ارے میرا یہ حال ہو گیا کہ رات بھر گناہ کے کاموں میں لگا رہتا ہوں اور مسلمان مجھ سے ڈرتے ہیں، معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آج کی رات یہاں اسی لیے بھیجا ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دوں اس کے بعد بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا: اللهم انی قد تبت الیك وجعلت توبتی مجاورة البيت الحرام (اے اللہ میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور اپنی توبہ میں یہ بھی شامل کرتا ہوں کہ اب البیت الحرام یعنی مکہ معظمہ میں زندگی گزاروں گا) اس کے بعد مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں پوری زندگی عبادت میں گزاری اور یہ حال تھا کہ جب ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تو اتنا روتے تھے کہ پاس بیٹھنے والوں کو ان پر رحم آنے لگتا تھا۔ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے: اقام بالبيت الحرام مجاوزا مع الجهد الشديد والورع الدائم والخوف الوافی والبكاء الكثير والتخلی بالوحدة ورفض الناس وما عليه اسباب الدنيا الی ان مات بها (مکہ معظمہ میں قیام کیا سخت مجاہدہ کے ساتھ اور دائمی پرہیزگاری کے ساتھ اور خوب زیادہ خوف الٰہی کے ساتھ اور خوب زیادہ رونے کے ساتھ اور تنہائی میں وقت گزارنے کے ساتھ اور لوگوں سے بے تعلق رہنے کے ساتھ، دنیا کے اسباب میں سے موت آنے تک ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا)۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے ایک مرتبہ علم حدیث کا اشتغال رکھنے والوں کو دیکھا کہ آپس میں دل لگی کی باتیں کر رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں، ان کو پکار کر فرمایا کہ اے انبیاء کرام علیہم السلام کے وارثو! بس کرو بس کرو، تم امام ہو تمہارا اقتداء کیا جاتا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۴۲۳ تا ۴۲٦ ج ۸۔ تہذیب التہذیب ص ۲۹٤ تا ۲۹٦: ج ۸) ایک مرتبہ ایک شخص کو ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا میں تجھے ایک اچھی بات سناؤں؟ اس نے کہا فرمایئے! آپ نے اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (اترایا نہ کر بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا)۔

اہل کتاب کی طرح نہ ہو جاؤ جن کے دلوں میں قساوت تھی:

وَلَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب ملی تھی (ان سے یہود و نصاریٰ مراد ہے) ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا (دونوں اپنی اپنی کتاب اور اس

کے احکام سے غافل ہو گئے معاصی میں منہمک رہے اس طرح زمانہ گزرتا چلا گیا اور توبہ نہ کی جب یہ حالت ہو گئی) تو ان کے دل سخت ہو گئے) جب دل سخت ہو جاتے ہیں تو نیکی بدی کا احساس نہیں ہوتا اور دین حق پر باقی رہنے کی منفعت کا خیال باقی نہیں رہتا۔ اسی لیے بہت سے لوگ کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ (اہل کتاب کا یہی حال ہوا کہ ان میں سے اکثر فاسق یعنی کافر ہو گئے جن کا بقیہ آج بھی دنیا میں موجود ہے)۔

پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ دلوں کو خشوع والا بنائیں، اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہیں قرآن کی تلاوت میں لگے رہیں اس کے احکام پر عمل کرتے رہیں، خدانخواستہ یہود و نصاریٰ جیسا حال نہ ہو جائے: قولہ تعالیٰ: أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا مضارع من انی الامر انیا و اناء بالکسر اذا جاء اناہ ای وقتہ ای الم یجیٔ وقت ان تخشع قلوبھم لذکرہ عز و جل

(ذکرہ فی الروح صفحہ ۱۷۹: ج ۲۷)

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ ....

صدقہ کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لیے اجر کریم کا وعدہ اور شہداء کی فضیلت:

فقیر مسکین محتاجوں اور حاجت مندوں کو خالص اللہ کی مرضی کی جستجو میں جو لوگ اپنے حلال مال نیک نیتی سے اللہ کی راہ میں صدقہ دیتے ہیں ان کے بدلے بہت کچھ بڑھا چڑھا کر اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا۔ دس دس گنے اور اس سے بھی زیادہ سات سات سو تک بلکہ اس سے بھی سوا ان کے ثواب بے حساب ہیں ان کے اجر بہت بڑے ہیں۔ اللہ رسول پر ایمان رکھنے والے ہی صدیق و شہید ہیں، ان دونوں اوصاف کے مستحق صرف باایمان لوگ ہیں، بعض حضرات نے الشہداء کو الگ جملہ مانا ہے، غرض تین قسمیں ہوئیں مصدقین صدیقین شہداء جیسے اور روایت میں ہے اللہ اور اس کے رسول کا اطاعت گذار انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ہے جو نبی، صدیق، شہید اور صالح لوگ ہیں، پس صدیق و شہید میں یہاں بھی فرق کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو قسم کے لوگ ہیں، صدیق کا درجہ شہید سے یقیناً بڑا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جنتی لوگ اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو، لوگوں نے کہا یہ درجے تو صرف انبیاء کے ہوں گے آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی (بخاری مسلم) ایک غریب حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور صدیق دونوں وصف اس آیت میں اسی مؤمن کے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں میری امت کے مؤمن شہید ہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت عمرو بن میمون کا قول ہے یہ دونوں ان دونوں انگلیوں کی طرح قیامت کے دن آئیں گے، بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہوں گی جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں گی اور رات کو قندیلوں میں سہارا لیں گی ان کے رب نے ان کی طرف ایک بار دیکھا اور پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ کہ تو ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج تاکہ ہم پھر تیری راہ میں جہاد کریں اور شہادت حاصل کریں اللہ نے جواب دیا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی لوٹ کر پھر دنیا میں نہیں جائے گا پھر فرماتا ہے کہ انہیں اجر و نور ملے گا جو نور ان کے سامنے رہے گا اور ان کے اعمال کے

مطابق ہوگا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے شہیدوں کی چار قسمیں ہیں۔ 1- وہ پکے ایمان والا مؤمن جو دشمن اللہ سے بھڑ گیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس کا وہ درجہ ہے کہ اہل محشر اس طرح سر اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے اور یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنا سر اس قدر بلند کیا کہ ٹوپی نیچے گر گئی اور اس حدیث کے راوی حضرت عمر نے بھی اسے بیان کرنے کے وقت اتنا ہی اپنا سر بلند کیا کہ آپ کی ٹوپی بھی زمین پر جا پڑی۔ 2 دوسرا وہ ایمان دار نکلا جہاد میں لیکن دل میں جرات کم ہے کہ یکایک ایک تیر آ لگا اور روح پرواز کر گئی یہ دوسرے درجہ کا شہید جنتی ہے۔ 3 تیسرا وہ جس کے بھلے برے اعمال تھے لیکن رب نے اسے پسند فرما لیا اور میدان جہاد میں کفار کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی تیسرے درجے میں ہیں۔ چوتھا وہ جس کے گناہ بہت زیادہ ہیں جہاد میں نکلا اور اللہ نے شہادت نصیب فرما کر اپنے پاس بلوا لیا۔ ان نیک لوگوں کا انجام بیان کر کے اب بد لوگوں کا نتیجہ بیان کیا کہ یہ جہنمی ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ تَزَيُّنٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ اَيِ الْاِشْتِغَالُ فِيْهَا وَ اَمَّا الطَّاعَاتُ وَ مَا يُعِيْنُ عَلَيْهَا فَمِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ كَمَثَلِ اَيْ هِيَ فِيْ اِعْجَابِهَا لَكُمْ وَ اِضْمِحْلَالِهَا كَمَثَلِ غَيْثٍ مَطَرٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ الزُّرَّاعَ نَبَاتُهٗ النَّاشِئُ عَنْهُ ثُمَّ يَهِيْجُ يَيْبَسُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ فُتَاتًا يَضْمَحِلُّ بِالرِّيَاحِ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ لِمَنْ اٰثَرَ عَلَيْهَا الدُّنْيَا وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ لِمَنْ لَّمْ يُؤْثِرْ عَلَيْهَا الدُّنْيَا وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ مَا التَّمَتُّعُ فِيْهَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ لَوْ وُصِلَتْ اِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى وَالْعَرْضُ السَّعَةُ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ بِالْجَدْبِ وَ لَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ كَالْمَرَضِ وَفَقْدِ الْوَلَدِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ يَعْنِي اللَّوْحَ الْمَحْفُوْظَ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ نَخْلُقَهَا وَ يُقَالُ فِي النِّعْمَةِ كَذٰلِكَ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا كَيْ نَاصِبَةٌ لِلْفِعْلِ بِمَعْنٰى اَنْ اَيْ اَخْبَرَ بِذٰلِكَ تَعَالٰى لِئَلَّا تَاْسَوْا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا فَرَحَ بَطَرٍ بَلْ فَرَحَ شُكْرٍ عَلَى النِّعْمَةِ بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ بِالْمَدِّ اَعْطَاكُمْ وَبِالْقَصْرِ جَاءَكُمْ مِنْهُ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ مُتَكَبِّرٍ بِمَا اُوْتِيَ فَخُوْرٍ ۝ بِهٖ عَلَى النَّاسِ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ

بِالْبُخْلِ ط بِهٖ لَهُمْ وَعِيْدٌ شَدِيْدٌ وَمَنْ يَّتَوَلَّ عَمَّا يَجِبُ عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ ضَمِيْرُ فَصْلٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِسُقُوْطِهٖ الْغَنِيُّ عَنْ غَيْرِهٖ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لِاَوْلِيَائِهٖ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا الْمَلَائِكَةَ اِلَى الْاَنْبِيَاءِ بِالْبَيِّنٰتِ بِالْحُجَجِ الْقَوَاطِعِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِمَعْنَى الْكُتُبِ وَالْمِيْزَانَ الْعَدْلَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ اَخْرَجْنَاهُ مِنَ الْمَعَادِنِ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ يُقَاتَلُ بِهٖ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ مَعْطُوْفٌ عَلٰى لِيَقُوْمَ النَّاسُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ بِاَنْ يَنْصُرَ دِيْنَهٗ بِالَاتِ الْحَرْبِ مِنَ الْحَدِيْدِ وَغَيْرِهٖ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ط حَالٌ مِنْ هَاءِ يَنْصُرُهٗ اَيْ غَائِبًا عَنْهُمْ فِي الدُّنْيَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَنْصُرُوْنَهٗ وَلَا يُبْصِرُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ ع لَا حَاجَةَ لَهٗ اِلَى النُّصْرَةِ لٰكِنَّهَا تَنْفَعُ مَنْ يَاْتِيْ بِهَا

ترجمہ: تم خوب سمجھ لو کہ دنیاوی زندگانی محض کھیل کود اور زینت (آرائش) اور ایک دوسرے پر شیخی بگھارنا اور اموال و اولاد میں ایک کا دوسرے پر زیادتی بیان کرنا ہے (یعنی ان چیزوں میں مشغول ہو جانا۔ البتہ نیک کام کرنا اور اس کی تیاری میں لگنا یہ آخرت کے کام ہیں) جیسے (یعنی دل کو لبھانے اور دل سے اتر جانے میں) مثل مینہ (بارش) کے ہے کہ کاشت کاروں (کھیتی باڑی کرنے والوں) کو بھلی معلوم ہوتی ہے اس کی پیداوار (جو کچھ زمین سے نکلتی ہے) پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے (ہواؤں سے مرجھا کر ریزہ ریزہ) اور آخرت میں شدید عذاب ہے (جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہوگی) اور اللہ کی طرف سے بخشش اور خشنودی ہے (جو دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دے) اور دنیا کی زندگانی (سے لذت اندوز ہونا) محض دھوکہ کا سامان ہے۔ تم اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف دوڑو۔ اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے (جب کہ آسمان و زمین سب کو ایک دوسرے کے برابر ملا لیا جائے۔ عرض بمعنی وسعت ہے) ان لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ اور وہ اپنا فضل جس کو چاہے عنایت کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے (قحط سالی) اور نہ خاص تمہاری جانوں پر (جیسے بیماری اور اولاد کی موت) مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہے (لوح محفوظ میں) اس سے پہلے کہ ہم نے ان جانوروں کو پیدا کیا (بنایا اور نعمت کا حال بھی یہی ہے) یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔ تاکہ (کئی فعل کا ناصب ہے۔ یعنی اللہ اس کی اطلاع اس لئے دے رہا ہے کہ) تم رنج نہ کرو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہی اور نہ اتراؤ (شیخی کے طور پر اترانا۔ البتہ بطور شکر نعمت خوش ہو سکتے ہو) اس چیز پر جو تمہیں عطا فرمائی ہے (اتکم مد کے ساتھ ہے بمعنی اعطا کم اور بغیر مد کے بمعنی جاء کم ہے) اور اللہ تعالیٰ کی اترانے والے (عطیہ پر تکبر کرنیوالے) شیخی (لوگوں کے سامنے) کرنے والے کو پسند نہیں کرتا جو ایسے ہیں کہ خود بھی (واجبات میں) بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں (ایسے لوگوں کیلئے اس میں سخت وعید ہے) اور جو شخص (واجبات سے) اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ (ھو ضمیر ہے اور ایک قراءت میں ھو نہیں ہے) بے نیاز ہیں (سب سے) سزاوار

حمد ہیں (اپنے دوستوں کیلئے) ہم نے اپنے رسولوں کو (جو فرشتے انبیاء کے پاس آئے) کھلے کھلے احکام (دلائل قطعیہ) دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب (بمعنی کتب) اور عدل (انصاف) کو اتارا۔ تا کہ لوگ اعتدال پر رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا (کانوں سے برآمد کیا) جس میں سخت ہیبت ہے (کہ اس سے قتل کیا جا سکتا ہے) اور لوگوں کیلئے اور بھی طرح طرح کے منافع ہیں۔ تا کہ اللہ جان لے (مشاہدہ کرلے لیقوم الناس پر اس کا عطف ہے) کہ کون اس کی مدد کرتا ہے (لوہے وغیرہ کے ہتھیاروں سے اس کے دین کی مدد کر کے) اور اس کے رسولوں کی بغیر دیکھے (بالغیب۔ ینصرہ کی ضمیر سے حال ہے یعنی دنیا میں رہ کر غائبانہ مدد کرتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی مدد تو کرتے ہیں اور اس کو دیکھتے نہیں) اللہ طاقتور زبردست ہے (اس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تاہم جو اس کی مدد کرے گا اس کا اپنا فائدہ ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لَهْوٌ: جس سے وہ اپنے نفوس کو بہلاتے ہیں۔

قوله: زِيْنَةٌ: کپڑوں کی طرح اور انساب کی طرح باہمی فخر والی چیز۔

قوله: تَكَاثُرٌ: گنتی میں مقابلہ۔

قوله: الزَّرَّاعَ: کسان۔

قوله: يَبِيْسُ: کسی آفت سے خشک ہو جائے۔

قوله: فُتَاتًا: ریزہ جمع فت ٹوٹے اجزاء کو کہتے ہیں۔

قوله: وَالْعَرْضِ: وسعت جیسا ذو دعاء عریض۔

قوله: اُعِدَّتْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ جنت تیار ہو چکی ہے وہاں متقی جائیں گے۔

قوله: بِالْجَدْبِ: قحط سالی۔

قوله: نَّبْرَاَهَا: ضمیر مصیبت کی طرف لوٹتی ہے۔

قوله: لَهُمْ وَعِيْدٌ: اشارہ ہے کہ ان اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے۔ وہ لَهُمْ وَعِيْدٌ شَدِيْدٌ ہے۔

قوله: لِيَقُوْمَ النَّاسُ: تا کہ عدل کے سبب ریاست قائم ہو۔ اور ظلم وظالم کو دفع کیا جائے۔

قوله: بَاْسٌ شَدِيْدٌ: اس میں مضبوطی ہے کہ جنگی ہتھیار اس سے بنتے ہیں۔

قوله: مَنَافِعُ: صنعت کا سامان۔

قوله: من يأتي بها: یہ تنفع کی ضمیر سے بدل ہے۔

تفسیر مقبولین

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ....

دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے:

امر دنیا کی تحقیر وتوہین بیان ہورہی ہے کہ اہل دنیا کو سوائے لہو ولعب زینت وفخر اور اولاد ومال کی کثرت کی چاہت کے اور ہے ہی کیا؟ جیسے اور آیت میں ہے (زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران: ۱۴) یعنی لوگوں کے لئے ان کی خواہش کی چیزوں کو مزین کر دیا گیا ہے جیسے عورتیں بچے وغیرہ پھر حیات دنیا کی مثال بیان ہورہی ہے کہ اس کی تازگی فانی ہے اور یہاں کی نعمتیں زوال پذیر ہیں۔ غیث کہتے ہیں اس بارش کو جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد برسے۔ جیسے فرمان ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ (الشوریٰ: ۲۸)، اللہ وہ ہے جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد بارش برساتا ہے۔ پس جس طرح بارش کی وجہ سے زمین سے کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں اور وہ لہلہاتی ہوئی کسان کی آنکھوں کو بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں، اسی طرح اہل دنیا اسباب دنیوی پر پھولتے ہیں، لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی ہری بھری کھیتی خشک ہوکر زرد پڑ جاتی ہے پھر آخر سوکھ کر ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح دنیا کی تروتازگی اور یہاں کی بہبودی اور ترقی بھی خاک میں مل جانے والی ہے، دنیا کی بھی یہی صورتیں ہوتی ہیں کہ ایک وقت جوان ہے پھر ادھیڑ ہے پھر بڑھیا ہے، ٹھیک اسی طرح خود انسان کی حالت ہے اس کے بچپن جوانی ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کو دیکھتے جایئے پھر اس کی موت اور فنا کو سامنے رکھے، کہاں جوانی کے وقت اس کا جوش وخروش زور طاقت اور کس بل؟ اور کہاں بڑھاپے کی کمزوری جھریاں پڑا ہوا جسم خمیدہ کمر اور بے طاقت ہڈیاں؟ جیسے ارشاد باری ہے: (اللہ ھو الذی خلقکم من ضعف) اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی پھر اس وقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا کر دیا وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور وہ عالم اور قادر ہے۔ اس مثال سے دنیا کی فنا اور اس کا زوال ظاہر کر کے پھر آخرت کے دونوں منظر دکھا کر ایک سے ڈراتا ہے اور دوسرے کی رغبت دلاتا ہے، پس فرماتا ہے عنقریب آنے والی قیامت اپنے ساتھ عذاب اور سزا کو لائے گی اور مغفرت اور رضامندی رب کو لائے گی، پس تم وہ کام کرو کہ ناراضگی سے بچ جاؤ اور رضا حاصل کرلو سزاؤں سے بچ جاؤ اور بخشش کے حقدار بن جاؤ، دنیا صرف دھوکے کی ٹٹی ہے اس کی طرف جھکنے والے پر آخر وہ وقت آجاتا ہے کہ یہ اس کے سوا کسی اور چیز کا خیال ہی نہیں کرتا اسی کی دھن میں روز وشب مشغول رہتا ہے بلکہ اس کمی والی اور زوال والی کمینی دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگتا ہے، شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ بسا اوقات آخرت کا منکر بن جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک کوڑے برابر جنت کی جگہ ساری دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ پڑھو قرآن فرماتا ہے کہ دنیا تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔ (ابن جریر) آیت کی زیادتی بغیر یہ حدیث صحیح میں بھی ہے واللہ اعلم۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے تم میں سے ہر ایک

سے جنت اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنا تمہارا جوتی کا تسمہ اور اسی طرح جہنم بھی۔ (بخاری) پس معلوم ہوا کہ خیر وشر انسان سے بہت نزدیک ہے اور اس لئے اسے چاہئے کہ بھلائیوں کی طرف سبقت کرے اور برائیوں سے منہ پھیر کر بھاگتا رہے۔ تاکہ گناہ اور برائیاں معاف ہو جائیں اور ثواب اور درجے بلند ہو جائیں۔ اسی لئے اس کے ساتھ ہی فرمایا دوڑ و اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی جنس کے برابر ہے، جیسے اور آیت (وسارعوا الی مغفرۃ) میں ہے اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف سبقت کرو جس کی کشادگی کل آسمان اور ساری زمینیں ہیں جو پارسالوگوں کے لئے بنائی گئی ہیں۔ یہاں فرمایا یہ اللہ رسول پر ایمان لانے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے، یہ لوگ اللہ کے اس فضل کے لائق تھے اسی لئے اس بڑے فضل وکرم والے نے اپنی نوازش کے لئے انہیں چن لیا اور ان پر اپنا پورا احسان اور اعلیٰ انعام کیا۔ پہلے ایک صحیح حدیث بیان ہو چکی ہے کہ مہاجرین کے فقراء نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ مالدار لوگ تو جنت کے بلند درجوں کو اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو پا گئے آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ کہا نماز روزہ تو وہ اور ہم سب کرتے ہیں لیکن مال کی وجہ سے وہ صدقہ کرتے ہیں غلام آزاد کرتے ہیں جو مفلسی کی وجہ سے ہم سے نہیں ہو سکتا آپ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاؤں کہ اس کے کرنے سے تم ہر شخص سے آگے بڑھ جاؤ گے مگر ان سے جو تمہاری طرح خود بھی اس کو کرنے لگیں، دیکھو تم ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی ہی بار اللہ اکبر اور اسی طرح الحمد للہ۔ کچھ دنوں بعد یہ بزرگ پھر حاضر حضور ﷺ ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مال دار بھائیوں کو بھی اس وظیفہ کی اطلاع مل گئی اور انہوں نے بھی اسے پڑھنا شروع کر دیا آپ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ ....

جو بھی کوئی مصیبت پیش آتی ہے اس کا وجود میں آنا پہلے سے لکھا ہوا ہے:

اللہ تعالیٰ اپنی اس قدرت کی خبر دے رہا ہے جو اس نے مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہی اپنی مخلوق کی تقدیر مقرر کی تھی، فرمایا کہ زمین کے جس حصے میں کوئی برائی آئے یا جس کسی شخص کی جان پر کچھ آپڑے اسے یقین رکھنا چاہئے کہ خلق کی پیدائش سے پہلے ہے، لیکن زیادہ ٹھیک بات یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہے، امام حسن سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو فرمانے لگے سبحان اللہ ہر مصیبت جو آسمان وزمین میں ہے وہ نفس کی پیدائش سے پہلے ہی رب کی کتاب میں موجود ہے اس میں کیا شک ہے؟ زمین کی مصیبتوں سے مراد خشک سالی، قحط وغیرہ ہے اور جانوں کی مصیبت درد دکھ اور بیماری ہے، جس کسی کو کوئی خراش لگتی ہے یا لغزش پا سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا کسی سخت محنت سے پسینہ آجاتا ہے یہ سب اس کے گناہوں کی وجہ سے ہے اور ابھی تو بہت سے گناہ ہیں جنہیں وہ غفور ورحیم اللہ بخش دیتا ہے، یہ آیت بہترین اور بہت اعلیٰ دلیل ہے قدریہ کی تردید میں جس کا خیال ہے کہ سابق علم کوئی چیز نہیں اللہ انہیں ذلیل کرے۔ صحیح مسلم شریف ہے اللہ تعالیٰ نے تقدیر مقرر آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے کی اور روایت میں ہے اس کا عرش پانی پر تھا۔ (ترمذی) پھر فرماتا ہے کاموں کے وجود میں آنے سے پہلے ان کا اندازہ کر لینا، ان کے ہونے کا علم حاصل کر لینا اور اسے لکھ دینا اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔ وہی تو ان کا پیدا

کرنے والا ہے۔ جس کا محیط علم ہونے والی، ہو رہی، ہو چکی، ہوگی تمام چیزوں کو شامل ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ہم نے تمہیں یہ خبر اس لئے دی ہے کہ تم یقین رکھو کہ جو تمہیں پہنچا وہ ہرگز کسی صورت ٹلنے والا نہ تھا، پس مصیبت کے وقت صبر و شکر تحمل و ثابت قدمی مضبوط دلی اور روحانی طاقت تم میں موجود رہے، ہائے وائے بے صبری اور بے ضبطی تم سے دور رہے جزع فزع تم پر چھانہ جائے تم اطمینان سے رہو کہ یہ تکلیف تو آنے والی تھی ہی، اسی طرح اگر مال و دولت غلبہ وغیرہ مل جائے تو اس وقت آپے سے باہر نہ ہو جاؤ اسے عطیہ الٰہی مانو تکبر اور غرور تم میں نہ آجائے ایسا نہ ہو کہ دولت و مال وغیرہ کے نشے میں پھول جاؤ اور اللہ کو بھول جاؤ اس لئے کہ اس وقت بھی ہماری یہ تعلیم تمہارے سامنے ہوگی کہ یہ میرے دست و بازو کا میری عقل و ہوش کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ کی عطا ہے۔ ایک قراءت اس کی آتکم ہے دوسری اتکم ہے اور دونوں میں تلازم ہے، اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے جی میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والے دوسروں پر فخر کرنے والے اللہ کے دشمن ہیں، حضرت ابن عباس کا فرمان ہے کہ رنج و راحت خوشی و غم تو ہر شخص پر آتا ہے خوشی کو شکر میں اور غم کو صبر میں گذار دو، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود بھی بخیل اور خلاف شرع کام کرنے والے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی بر اراستہ بتاتے ہیں۔ جو شخص اللہ کی حکم برداری سے ہٹ جائے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا کیونکہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ہر طرح سزا اور حمد ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یعنی اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کافر ہو جائیں تو بھی اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ ساری مخلوق سے غنی ہے اور مستحق حمد ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ ....

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو واضح احکام دے کر بھیجا، ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور لوگوں کو انصاف کا حکم دیا:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی بعثت کا اور انہیں واضح احکام کے ساتھ بھیجنے کا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمانے کا تذکرہ فرمایا ہے الکتاب جنس ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی تمام کتابیں مراد ہیں اور عربی میں المیزان ترازو کو کہتے ہیں بعض حضرات نے اس کا ترجمہ ترازو ہی کیا ہے کیونکہ اس کے ذریعے صحیح ناپ تول کی جاتی ہے اور وہ آلہ عدل و انصاف ہے اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ "انصاف" کیا ہے دونوں صورتوں کا مطلب اور مآل ایک ہی ہے، ارسال رسل اور انزال کتاب اور انزال میزان کا مآل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قائم رہیں۔

لوہے میں ہیبت شدیدہ ہے اور منافع کثیرہ ہیں:

اس کے بعد فرمایا: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں شدید ہیبت ہے، جہاد کے لیے جو ہتھیار بنائے جاتے ہیں۔ نیزہ، تلوار، خنجر، بندوق لوہے ہی سے بنتے ہیں اور ان کے علاوہ جو ہتھیار ہیں حتیٰ کہ آج کل کے میزائل، بم اور دوسرے ہتھیاروں کی تیاری میں بھی لوہے کا کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے ان ہتھیاروں کا ڈر لوگوں پر سوار رہتا ہے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے باز رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے مؤمن بندے انہیں ہتھیاروں کو استعمال کر کے کفر کو مٹانے کے لیے کافروں پر حملہ کرتے رہتے ہیں اور اس سے اسلام اور مسلمان کی دھاک بیٹھتی ہے ساری دنیا کے کافروں کو ڈر ہے تو یہی ہے کہ

مسلمان جہاد شروع نہ کردیں۔

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (اور لوہے میں لوگوں کے لیے طرح طرح کے منافع ہیں) مشینیں تو لوہے کی ہیں ہی، دوسری جتنی بھی چیزیں بنی آدم کے استعمال میں ہیں تقریباً سب ہی میں کسی نہ کسی درجہ میں لوہے کا دخل ضرور ہے اگر لکڑی کی چیز ہے تو اس میں لوہے کی کیل ٹھونکی ہوئی ہے اور وہ بھی لوہے کے ہتھوڑے سے ٹھونکی گئی ہے، تعمیرات میں لوہے کا استعمال ہے، کھیتی میں ہل اور ٹریکٹر کی خدمات ہیں، جانوروں کے مونہوں میں لوہے کی لگامیں ہیں پائیدان بھی لوہے کے ہیں۔ پٹرول لوہے کے آلات کے ذریعے نکلتا ہے۔ ہوائی جہاز اور گاڑیاں لوہے سے بنتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ الی مالا یحصی

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ (یعنی ہیبت شدیدہ اور دیگر منافع کے علاوہ لوہے کے پیدا کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ (بطور علم ظہور) جان لے کہ بغیر دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے) یعنی اللہ کے دین کو تقویت پہنچانے اور اس کے آگے بڑھانے کے لیے اور اس کی دعوت دینے کے لیے کون تیار ہوتا ہے۔ جب جہاد کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ کے مخلص بندے یہ جانتے ہوئے کہ ہم قتل بھی ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرنے کے لیے ہتھیار لے کر نکل کھڑے ہوتے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا بھی نہیں پھر بھی جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہمیشہ سے علم ہے پھر جس جس چیز کا ظہور ہوتا ہے اس کے علم میں آتا رہتا ہے کہ یہ بھی وجود آیا ہے بلکہ وجود ہی وہ بخشتا ہے اس علم کو علم ظہور کہا جاتا ہے۔

قوله وليعلم الله عطف على محذوف اى لينفعهم وليعلم الله تعالىٰ علما يتعلق به الجزاء من ينصره ورسله باستعمال آلة الحرب من الحديد فى مجاهدة اعداه وقوله بالغيب حال من فاعل ينصر او من مفعوله اى غائبا منهم او غائبين منه (روح المعانی صفحہ ۱۸۹: ج ۲۷)

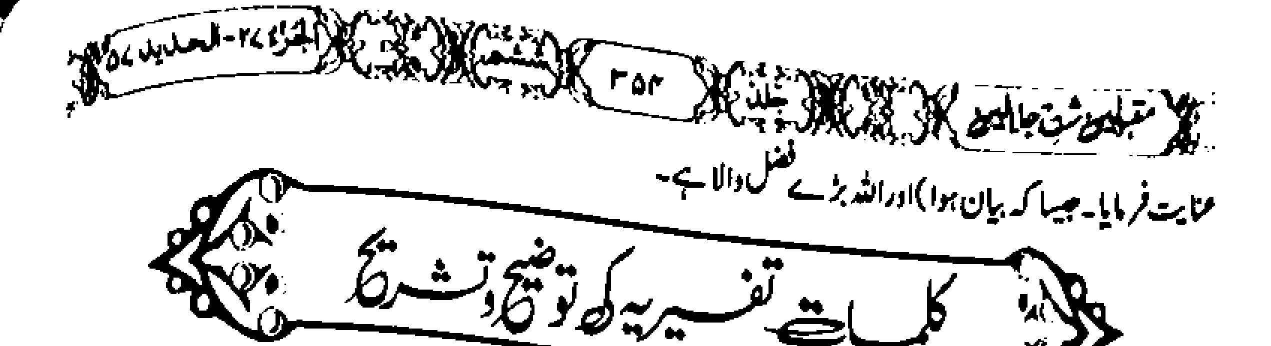
آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (بیشک اللہ تعالیٰ قوی ہے عزیز ہے) اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ کے دین کی مدد کا جو ذکر ہوا وہ اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے وہ تو قوی ہے اور غالب ہے، جو کچھ اس کے دین کی خدمت کرو گے اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ يعني الكتب الاربعة التورٰة والانجيل والزبور والفرقان فانها في ذرية ابراهيم فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ هي رفض النساء واتخاذ الصوامع نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا من قبل انفسهم كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ما امرناهم بها اِلَّا لكن فعلوها ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ مرضاة اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا

حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ إِذْ تَرَكَهَا كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَكَفَرُوا بِدِينِ عِيسَى عَلَيْهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ وَدَخَلُوا فِي دِينِ مَلِكِهِمْ وَبَقِيَ عَلَى دِينِ عِيسَى كَثِيرٌ مِنْهُمْ فَآمَنُوا بِنَبِيِّنَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا بِهِ مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۲۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِعِيسَى اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى عِيسَى يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ نَصِيبَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ لِإِيمَانِكُمْ بِالنَّبِيَّيْنِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ عَلَى الصِّرَاطِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۸﴾ لِئَلَّا يَعْلَمَ أَيْ أَعْلَمَكُمْ بِذٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ التَّوْرَاةِ الَّذِينَ لَمْ يُؤْمِنُوا بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَّا أَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا ضَمِيرُ الشَّانِ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ خِلَافَ مَا فِي زَعْمِهِمْ أَنَّهُمْ أَحِبَّاءُ اللَّهِ وَأَهْلُ رِضْوَانِهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ يُعْطِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ فَآتَى الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ كَمَا تَقَدَّمَ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

ع ۲۰

ترجمہ: اور ہم نے نوحؑ وابراہیمؑ کو پیغمبر بنایا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی (چاروں کتابیں تورات، زبور، انجیل، قرآن مراد ہیں۔ کیونکہ یہ سب ابراہیمؑ کی اولاد میں ہیں) سوان میں بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے نافرمان نکلے، پھران کے بعد اور پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل دی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کر دیا اور رہبانیت کو (جس میں بیویوں کو چھوڑ چھاڑ کر گرجوں کو اپنالینا ہوتا ہے) انہوں نے خود ایجاد کر لیا (اپنی طرف سے) ہم نے ان پر اس کو واجب نہیں کیا تھا (اس کا حکم نہیں دیا تھا) لیکن (انہوں نے اس کو پسند کر لیا) اللہ کی خوشنودی کی خاطر مگر انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی (کیونکہ بہت سے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا اور دین عیسیٰ کو بھی خیر باد کہہ بیٹھے اور بادشاہ وقت کے مذہب کو قبول کر لیا۔ البتہ بہت سے دین عیسوی کو اختیار کئے رہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے) سوان میں سے جو لوگ (آنحضرتؐ پر) ایمان لے آئے۔ ہم نے ان کو ان کا صلہ دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں۔ اے (عیسیٰؑ پر) ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (محمد و عیسیٰ علیہما السلام) پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تم کو دوہرا حصہ عنایت کرے گا (کہ تم دونبیوں پر ایمان لائے ہو) اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لے کر (پل صراط پر) چلو پھرو گے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ غفور الرحیم ہے۔ تاکہ اہل کتاب کو یہ معلوم ہو جائے (تورات والے جو آنحضرتؐ پر ایمان نہیں لائے) کہ ان کو (ان مخففہ ہے اس کا اسم ضمیر شان ہے یعنی انہیں) دسترس نہیں ہے اللہ کے فضل پر ذرا بھی (ان کے زعم کے برخلاف کہ وہ اللہ کے محبوب اور پسندیدہ ہیں) اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ ہے دے دے (عطا کر دے) وہ جس کو چاہے (چنانچہ اہل کتاب مؤمنین کو اس نے دوہرا اجر



عنایت فرمایا۔ جیسا کہ بیان ہوا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ: ایک رسول کے بعد دوسرا رسول بھیجا، ھم کی ضمیر نوح وابراہیم اوران کے بعد والے رسولوں کی طرف راجع ہے۔

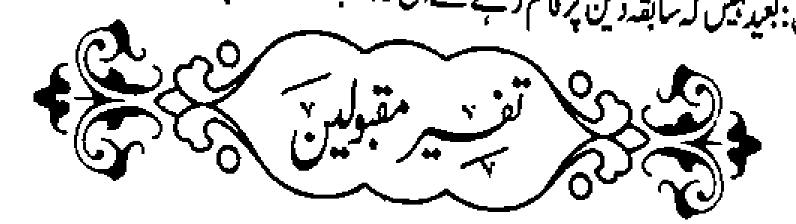
قوله: رَهْبَانِيَّةَ: یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای ابتدعو رھبانیۃ اپنی طرف سے ایجاد کی۔

قوله: وَاتِّخَاذِ الصَّوَامِعِ: ریاضت اور لوگوں سے انقطاع۔ خوف ورھبیت میں مبالغہ۔

قوله: فَمَا رَعَوْهَا: تمام نے اس کی رعایت نہ کی، بعض کر سکے۔

قوله: بِدِيْنِ عِيْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اس میں تثلیث اور بیٹا تجویز کرلیا۔ مریم کو اقنوم بنایا۔

قوله: نَصِيْبَيْنِ: بعید نہیں کہ سابقہ دین پر قائم رہنے سے ان کو ثواب ملے، اگرچہ اب وہ اسلام کی وجہ سے منسوخ ہوگیا۔



تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ ....

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی فضیلت:

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس فضیلت کو دیکھئے کہ حضرت نوح کے بعد سے لے کر حضرت ابراہیم تک جتنے پیغمبر آئے سب آپ ہی کی نسل سے آئے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے نبی اور رسول آئے سب کے سب آپ ہی کی نسل سے ہوئے جیسے اور آیت میں ہے: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (الحدید:۲۶) یہاں تک کہ بنو اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کی خوشخبری سنائی۔ پس نوح اور ابراہیم صلوات اللہ علیہما کے بعد برابر رسولوں کا سلسلہ رہا حضرت عیسیٰ تک جنہیں انجیل ملی اور جن کی تابع فرمان امت رحمدل اور نرم مزاج واقع ہوئی، خشیت الٰہی اور رحمت خلق کے پاک اوصاف سے متصف۔ پھر نصرانیوں کی ایک بدعت کا ذکر ہے جو ان کی شریعت میں تو نہ تھی لیکن انہوں نے خود اپنی طرف سے اسے ایجاد لی تھی، اس کے بعد کے جملے کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک تو یہ ان کا مقصد نیک تھا کہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے یہ طریقہ نکالا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر حضرت قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا ہاں ہم نے ان پر صرف اللہ کی رضا جوئی واجب کی تھی۔ پھر فرماتا ہے یہ اسے بھی نبھا نہ سکے جیسا چاہیے تھا ویسا اس پر بھی نہ جمے، پس دوہری خرابی آئی ایک اپنی طرف سے ایک نئی بات دین اللہ میں ایجاد کرنے کی دوسرے اس پر بھی قائم نہ رہیں کی، یعنی جسے وہ خود

رہبانیت ایجاد کر لی اور اسے ان سے بھوکے پیٹے ہالآخر اس پر بھی پورے نہ اترے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ نے
حضرت عبداللہ بن مسعود کو پکارا آپ نے لبیک کہا آپ نے فرمایا سنو بنی اسرائیل کے بہتر گروہ ہو گئے جن میں سے تین نے
نجات پائی، پہلے فرقے نے تو بنی اسرائیل کی گمراہی دیکھ کر ان کی ہدایت کے لئے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ان کے بڑوں کو تبلیغ
شروع کی لیکن آخر وہ لوگ جدال وقتال پر اتر آئے اور بادشاہ اور امراء نے جو اس تبلیغ سے بہت گھبراتے تھے ان پر لشکر کشی
کی اور انہیں قتل بھی کیا قید بھی کیا ان لوگوں نے تو نجات حاصل کر لی، پھر دوسری جماعت کھڑی ہوئی ان میں مقابلہ کی طاقت تو نہ
تھی تاہم اپنے دین کی قوت سے سرکشوں اور بادشاہوں کے دربار میں حق گوئی شروع کی اور اللہ کے سچے دین اور حضرت عیسیٰ
کے اصلی مسلک کی طرف انہیں دعوت دینے لگے، ان بدنصیبوں نے انہیں قتل بھی کرایا آروں سے بھی چیرا اور آگ میں بھی جلایا
جسے اس جماعت نے صبر وشکر کے ساتھ برداشت کیا اور نجات حاصل کی، پھر تیسری جماعت اٹھی یہ ان سے بھی زیادہ کمزور تھے
ان میں طاقت نہ تھی کہ اصل دین کے احکام کی تبلیغ ان ظالموں میں کریں اس لئے انہوں نے اپنے دین کا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ
جنگلوں میں نکل جائیں اور پہاڑوں پر چڑھ جائیں عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دنیا کو ترک کر دیں انہی کا ذکر رہبانیت والی
آیت میں ہے، یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے اس میں تہتر فرقوں کا بیان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اجر انہیں ملے گا
جو مجھ پر ایمان لائیں اور میری تصدیق کریں اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں ایسے ہیں جو مجھے جھٹلائیں اور میرا اخلاف کریں،
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسیٰ کے بعد توریت وانجیل میں تبدیلیاں کر لیں،
لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم رہی اور اصلی تورات وانجیل ان کے ہاتھوں میں رہی جسے وہ تلاوت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ
ان لوگوں نے (جنہوں نے کتاب اللہ میں ردوبدل کر لیا تھا) اپنے بادشاہوں سے ان سچے مؤمنوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ
کتاب اللہ کہہ کر جس کتاب کو پڑھتے ہیں اس میں تو ہمیں گالیاں لکھی ہیں اس میں لکھا ہوا ہے جو کوئی اللہ کی نازل کردہ کتاب کے
مطابق حکم نہ کرے وہ کافر ہے اور اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں، پھر یہ لوگ ہمارے اعمال پر بھی عیب گیری کرتے رہتے
ہیں، پس آپ انہیں دربار میں بلوائیے اور انہیں مجبور کیجئے کہ یا تو وہ اسی طرح پڑھیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور ویسا ہی عقیدہ
ایمان رکھیں جیسا ہمارا ہے ورنہ انہیں بدترین عبرت ناک سزا دیجئے، چنانچہ ان سچے مسلمانوں کو دربار میں بلوایا گیا اور ان سے کہا
گیا کہ یا تو ہماری اصلاح کردہ کتاب پڑھا کرو اور تمہارے اپنے ہاتھوں میں جو الہامی کتابیں ہیں انہیں چھوڑ دو ورنہ جان سے ہاتھ
دھو لو اور قتل گاہ کی طرف قدم بڑھاؤ، اس پر ان پاک بازوں کی ایک جماعت نے کہا کہ تم ہمیں ستاؤ نہیں تم اونچی عمارت بنا دو
ہمیں وہاں پہنچا دو اور ڈوری چھڑی دیدو ہم راکھ نا پیا اس میں ڈال دیا کریں ہم اوپر سے گھسیٹ لیا کریں گے نیچے اتریں گے ہی
نہیں اور تم میں آئیں گے ہی نہیں، ایک جماعت نے کہا سنو ہم یہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل
جاتے ہیں تمہاری بود وباش کی سرزمین سے باہر ہو جاتے ہیں چشموں، نہروں، ندیوں، نالوں اور تالابوں سے جانوروں کی
طرح منہ لگا کر پانی پیا کریں گے اور جو پھول پات مل جائیں گے ان پر گزارہ کر لیں گے۔ اس کے بعد اگر تم ہمیں اپنے ملک
میں دیکھو تو بیشک گردن اڑا دینا، تیسری جماعت نے کہا ہمیں اپنی آبادی کے ایک طرف کچھ زمین دیدو اور وہاں حصار کھینچ دو
وہیں ہم کنویں کھودیں گے اور کھیتی کر لیا کریں گے تم میں ہرگز نہ آئیں گے۔ چونکہ اس اللہ پرست جماعت سے ان لوگوں کی

قریبی رشتہ داریاں تھیں اس لئے یہ درخواستیں منظور کر لی گئیں اور یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانے چلے گئے، لیکن ان کے ساتھ بعض اور لوگ بھی لگ گئے جنہیں دراصل علم وایمان نہ تھا تقلیداً ساتھ ہو لیے، ان کے بارے میں یہ آیت: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (الحدید: ۲۷) نازل ہوئی، پس جب اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو مبعوث فرمایا اس وقت ان میں سے بہت کم لوگ رہ گئے تھے آپ کی بعثت کی خبر سنتے ہی خانقاہوں والے اپنی خانقاہوں سے اور جنگلوں والے اپنے جنگلوں سے اور حصار والے اپنے حصاروں سے نکل کھڑے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی جس کا ذکر اس آیت میں ہے: یا ایھا الذین امنوا برسولہ یؤتکم کفلین من رحمۃ ویجعل لکم نورا تمشون بہ الخ، یعنی ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تمہیں اللہ اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا (یعنی حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا اور پھر حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا) اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو (یعنی قرآن وسنت) تاکہ اہل کتاب جان لیں (جو تم جیسے ہیں) کہ اللہ کے کسی فضل کا انہیں اختیار نہیں اور سارا فضل اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ یہ سیاق غریب ہے اور ان دونوں پچھلی آیتوں کی تفسیر اس آیت کے بعد ہی آ رہی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ ابو یعلی میں ہے کہ لوگ حضرت انس بن مالکؓ کے پاس مدینہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کے زمانہ میں آئے، آپ اس وقت امیر مدینہ تھے جب یہ آئے اس وقت حضرت انس نماز ادا کر رہے تھے اور بہت ہلکی نماز پڑھ رہے تھے جیسے مسافرت کی نماز ہو یا اس کے قریب قریب جب سلام پھیرا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نے فرض نماز پڑھی یا نفل؟ فرمایا فرض اور یہی نماز رسول اللہ ﷺ کی تھی، میں نے اپنے خیال سے اپنی یاد برابر تو اس میں کوئی خطا نہیں کی، ہاں اگر کچھ بھول گیا ہوں تو اس کی بابت نہیں کہہ سکتا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی، ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی اور ان پر بھی سختی کی گئی پس ان کی بقیہ خانقاہوں میں اور گھروں میں اب بھی دیکھ لو ترک دنیا کی ہی وہی سختی تھی جسے اللہ نے ان پر واجب نہیں کیا تھا۔ دوسرے دن ہم لوگوں نے کہا آیئے سواریوں پر چلیں اور دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ حضرت انس نے فرمایا بہت اچھا ہم سوار ہو کر چلے اور کئی ایک بستیاں دیکھیں جو بالکل اجڑ گئی تھیں اور مکانات اوندھے پڑے ہوئے تھے تو ہم نے کہا ان شہروں سے آپ واقف ہیں؟ فرمایا خوب اچھی طرح بلکہ ان کے باشندوں سے بھی انہیں سرکشی اور حسد نے ہلاک کیا۔ حسد نیکیوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور سرکشی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ آنکھ کا بھی زنا ہے ہاتھ اور قدم اور زبان کا بھی زنا ہے اور شرمگاہ اسے سچ ثابت کرتی ہے یا جھٹلاتی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ہر نبی کیلئے رہبانیت تھی اور میری امت کی رہبانیت اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ ایک شخص حضرت ابو سعید خدریؓ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے وہ سوال کیا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا۔ میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی، یہی تمام نیکیوں کا سر ہے اور تو جہاد کو لازم پکڑے رہ یہی اسلام کی رہبانیت ہے اور ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پر مداومت کر۔ وہی آسمان میں، زمین میں تیری راحت و روح ہے اور تیری یاد ہے۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال:

اس سے پہلے کی آیت میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جن مومنوں کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد اہل کتاب کے مؤمن ہیں اور انہیں دوہرا اجر ملے گا جیسے کہ سورۂ قصص کی آیت میں ہے اور جیسے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تین شخصوں کو اللہ تعالیٰ دوہرا اجر دے گا ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر مجھ پر بھی ایمان لایا اسے دوہرا اجر ہے اور وہ غلام جو اپنے آقا کی تابعداری کرے اور اللہ کا حق بھی ادا کرے اسے بھی دو دو اجر ہیں اور وہ شخص جو اپنی لونڈی کو ادب سکھائے اور بہت اچھا ادب سکھائے یعنی شرعی ادب پھر اسے آزاد کر دے اور نکاح کر دے وہ بھی دوہرے اجر کا مستحق ہے (بخاری و مسلم) حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں جب اہل کتاب اس دوہرے اجر پر فخر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس امت کے حق میں نازل فرمائی۔ پس انہیں دوہرے اجر کے بعد نور ہدایت دینے کا بھی وعدہ کیا اور مغفرت کا بھی پس نور اور مغفرت انہیں زیادہ ملی (ابن جریر) اسی مضمون کی ایک آیت: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (انفال:۲۹) ہے یعنی اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہارے لئے فرقان کرے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں معاف فرما دے گا اللہ بڑے فضل والا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم سے دریافت فرمایا کہ تمہیں ایک نیکی پر زیادہ سے زیادہ کس قدر فضیلت ملتی ہے اس نے کہا ساڑھے تین سو تک، آپ نے اللہ کا شکر کیا اور فرمایا ہمیں تم سے دوہرا اجر ملا ہے۔ حضرت سعید نے اسے بیان فرما کر یہی آیت پڑھی اور فرمایا اسی طرح جمعہ کا دوہرا اجر ہے، مسند احمد کی حدیث میں ہے تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے چند مزدور کسی کام پر لگانے چاہے اور اعلان کیا کہ کوئی ہے جو مجھ سے ایک قیراط لے اور صبح کی نماز سے لے کر آدھے دن تک کام کرے؟ پس یہود تیار ہو گئے، اس نے پھر کہا ظہر سے عصر تک اب جو کام کرے اسے میں ایک قیراط دوں گا، اس پر نصرانی تیار ہوئے کام کیا اور اجرت لی اس نے پھر کہا اب عصر سے مغرب تک جو کام کرے میں اسے دو قیراط دوں گا پس وہ تم مسلمان ہو، اس پر یہود و نصاریٰ بہت بگڑے اور کہنے لگے کام ہم نے زیادہ کیا اور دام انہیں زیادہ ملے۔ ہمیں کم دیا گیا۔ تو انہیں جواب ملا کہ میں نے تمہارا کوئی حق تو نہیں مارا؟ انہوں نے کہا ایسا تو نہیں ہوا۔ جواب ملا کہ پھر یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں دوں، صحیح بخاری شریف میں ہے مسلمانوں اور یہود و نصرانیوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے چند لوگوں کو کام پر لگایا اجرت ٹھہرا لی اور کہا دن بھر کام کر کے کہہ دیا کہ اب ہمیں ضرورت نہیں جو ہم نے کیا اس کی اجرت بھی نہیں چاہتے اور اب ہم کام بھی نہیں کریں گے، اس نے انہیں سمجھایا بھی کہ ایسا نہ کرو کام پورا کرو اور مزدوری لے جاؤ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کام ادھورا چھوڑ کر اجرت لئے بغیر چلتے بنے، اس نے اور مزدور لگائے اور کہا کہ باقی کام شام تک تم پورا کرو اور پورے دن کی مزدوری میں تمہیں دوں گا، یہ کام پر لگے، لیکن عصر کے وقت یہ بھی کام سے ہٹ گئے اور کہہ دیا کہ اب ہم سے نہیں ہو سکتا ہمیں آپ کی اجرت نہیں چاہئے اس نے انہیں بھی سمجھایا کہ دیکھو اب دن باقی ہی کیا رہ گیا ہے تم کام پورا کرو اور

اجرت لے جاؤ لیکن یہ نہ مانے اور چلے گئے، اس نے پھر اوروں کو بلایا اور کہا تم مغرب تک کام کرو اور دن بھر کی مزدوری لے جاؤ چنانچہ انہوں نے مغرب تک کام کیا اور ان دونوں جماعتوں کی اجرت بھی یہی لے گئے، پس یہ ہے ان کی مثال اور اس نور کی مثال جسے انہوں نے قبول کیا۔ پھر فرماتا ہے یہ اس لئے کہ اہل کتاب یقین کرلیں کہ اللہ جسے دے یہ اس کے لوٹانے کی اور جسے نہ دے اسے دینے کی کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے اور اس بات کو بھی وہ جان لیں کہ فضل وکرم کا مالک صرف وہی پروردگار ہے، اس کے فضل کا کوئی اندازہ وحساب نہیں لگا سکتا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آیت (لِئَلَّا يَعْلَمَ) کا معنی (يَعْلَمَ) ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت میں (لکی یعلم) ہے، اسی طرح حضرت عطا بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی قراءت مروی ہے۔ غرض یہ ہے کہ کلام عرب میں لاصلہ کیلئے آتا ہے جو کلام کے اول آخر میں آجاتا ہے اور وہاں سے انکار مراد نہیں ہوتا جیسے آیت: مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ (الاعراف: ۱۲) میں ہے اور آیت وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ (الانعام: ۱۰۹) میں اور آیت: وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (الانبیا: ۹۵)

الحمدللہ سورۂ حدید کی تفسیر ختم ہوئی

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ

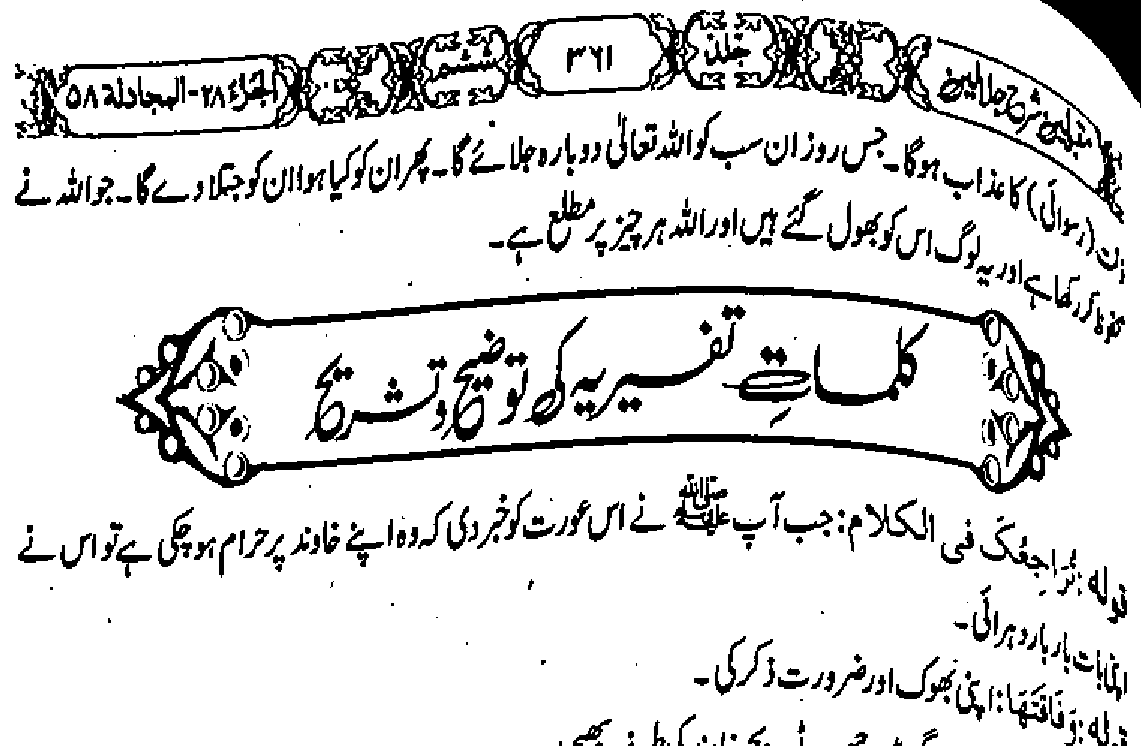
سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ ۵۸ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۵ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۲۲ — رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورۂ مجادلہ مدینہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی بائیس آیتیں ہیں اور تین رکوع

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ تُرَاجِعُكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ فِيْ زَوْجِهَا الْمُظَاهِرِ مِنْهَا وَكَانَ قَالَ لَهَا أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ وَقَدْ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَأَجَابَهَا بِأَنَّهَا حَرُمَتْ عَلَيْهِ عَلٰى مَا هُوَ الْمَعْهُوْدُ عِنْدَهُمْ مِنْ أَنَّ الظِّهَارَ مُوْجِبٌ فُرْقَةً مُؤَبَّدَةً وَهِيَ خَوْلَةُ بِنْتُ ثَعْلَبَةَ وَهُوَ أَوْسُ بْنُ الصَّامِتِ وَتَشْتَكِيْ إِلَى اللّٰهِ ۖ وَحْدَتَهَا وَفَاقَتَهَا وَصِبْيَةً صِغَارًا إِنْ ضَمَّتْهُمْ إِلَيْهِ ضَاعُوْا أَوْ إِلَيْهَا جَاعُوْا وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۖ تَرَاجُعَكُمَا إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ① عَالِمٌ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ أَصْلُهُ يَتَظَهَّرُوْنَ أُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الظَّاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِأَلِفٍ بَيْنَ الظَّاءِ وَالْهَاءِ الْخَفِيْفَةِ وَفِيْ أُخْرٰى كَيُقَاتِلُوْنَ وَالْمَوْضَعُ الثَّانِيْ كَذٰلِكَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ أُمَّهٰتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهٰتُهُمْ إِلَّا الّٰٓئِيْ بِهَمْزَةٍ وَيَاءٍ وَبِلَا يَاءٍ وَلَدْنَهُمْ ۖ وَإِنَّهُمْ بِالظِّهَارِ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۖ كَذِبًا وَإِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② لِلْمُظَاهِرِ بِالْكَفَّارَةِ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا أَيْ فِيْهِ بِأَنْ يُخَالِفُوْهُ بِإِمْسَاكِ الْمُظَاهِرِ مِنْهَا الَّذِيْ هُوَ خِلَافُ مَقْصُوْدِ الظِّهَارِ مِنْ وَصْفِ الْمَرْأَةِ بِالتَّحْرِيْمِ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ أَيْ إِعْتَاقُهَا عَلَيْهِ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا ۖ بِالْوَطْءِ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ رَقَبَةً فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ أَيِ الصِّيَامَ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۖ عَلَيْهِ أَيْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا حَمْلًا لِلْمُطْلَقِ عَلَى الْمُقَيَّدِ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ ذٰلِكَ أَيِ التَّخْفِيْفُ فِي الْكَفَّارَةِ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۖ وَتِلْكَ أَيِ الْأَحْكَامُ

اَلْمَذْكُوْرَةُ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ بِهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مُؤْلِمٌ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ يُخَالِفُوْنَ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا اُذِلُّوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فِيْ مُخَالَفَتِهِمْ رُسُلَهُمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ
دَالَّةٌ عَلٰى صِدْقِ الرَّسُوْلِ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ بِالْاٰيٰتِ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ذُوْ اِهَانَةٍ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا
ع فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے جھگڑ رہی تھی (اے پیغمبر! آپ سے بار بار عرض کر رہی تھی) اپنے شوہر کے معاملے میں (جس نے اس سے اظہار کرتے ہوئے اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ کہہ دیا۔ اس پر عورت نے جب رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے خاوند پر حرام ہوگئی ہے۔ جیسا کہ پہلے سے ان کا یہی دستور چلا آرہا تھا کہ ظہار سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ عورت خولہ بنت ثعلبہ تھی اور شوہر اوس بن صامت) اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی تھی (اپنی تنہائی اور فاقہ اور کمسن بچوں کی کہ اگر شوہر کے پاس ہے تو ضائع ہو جائیں گے اور اس کے پاس رہے تو بھوکے مر جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو (بار بار کی بات چیت) سن رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا (جاننے والا) ہے۔ جو لوگ کرتے ہیں (یظهرون، اصل میں یتظهرون تھا۔ تا کو ظا میں ادغام کر دیا گیا۔ اور ایک قراءت میں ظا اور ہا اور خفیفہ کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت یقاتلون کے وزن پر ہے اور دوسری جگہ بھی یہی تفصیل ہے) تم میں سے اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں (اللائی ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ (ظہار کے ذریعہ) بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ (غلط) بات کہتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والے بخش دینے والے ہیں (ظہار کرنے والے کو کفارہ کے ذریعہ) اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔ پھر اپنی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ (ظہار کے خلاف کرنا چاہتے ہیں اس طرح ظہار کی ہوئی بیوی کو روک کر، جو ظہار کے مقصد کے خلاف ہے۔ یعنی بیوی کا حرام ہو جانا) تو ان کے ذمہ ایک غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے (یعنی غلام آزاد کرنا خاوند کے ذمہ ہے) اس سے پہلے کہ دونوں باہم (جماع کریں) اختلاط کریں۔ اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو (غلام یا باندی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پورے دو مہینہ کے روزے ہیں اس سے پہلے کہ باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ (روزے) بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے (یعنی جماع سے پہلے، مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے۔ ہر مسکین کو۔ شہر کی زیادہ رائج غذا ایک مد دے کر) یہ (کفارہ میں سہولت) اس لئے ہے کہ اللہ و رسول پر تم ایمان لے آؤ اور یہ (مذکورہ احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ جو لوگ اللہ و رسول کی مخالفت (خلاف ورزی) کرتے ہیں وہ ایسے ذلیل (رسوا) ہوں گے جیسے ان سے پہلے (پیغمبروں کی مخالفت کر کے) ذلیل ہوئے ہیں۔ اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کیے ہیں (پیغمبر کے سچے ہونے پر) اور (احکام کے) انکار کرنے والوں کو



ذلت (رسوائی) کا عذاب ہوگا۔ جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ جلائے گا۔ پھر ان کو کیا ہوا ان کو جتلا دے گا۔ جو اللہ نے محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: تُرَاجِعُکَ فی الکلام: جب آپ ﷺ نے اس عورت کو خبر دی کہ وہ اپنے خاوند پر حرام ہو چکی ہے تو اس نے الفاظ بار بار دہرائی۔

قوله: وَفَاقَتَهَا: اپنی بھوک اور ضرورت ذکر کی۔

قوله: اِنْ ضَمَمْتُهُمْ: اگر میں چھوٹے بچے خاوند کی طرف بھیجوں۔

قوله: تَرَاجُعَکُمَا: باہمی گفتگو۔

قوله: یُظَّهِرُوْنَ: نون خفیفہ سے بھی پڑھتے ہیں۔

قوله: یُحَفَّاتِلُوْنَ: یہ ظاہر سے ہے۔

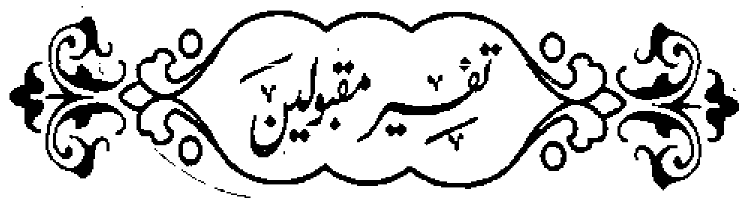
قوله: مُنْکَرًا: جس کو شرع نے ناپسند کیا۔

قوله: اَلْمُظَاهِرِ مِنْهَا: عورت کی حالت ذکر کی ہے۔ جس عورت سے ظہار کیا گیا اس کو طلاق بعد میں نہ دینا ہی عود ہے (عند الشافعیؒ) امام ابوحنیفہؒ عود وطی کا قصد کرنا ہے۔

قوله: یوم: یہ اذکر سے منصوب ہے۔

قوله: اَحْصٰهُ اللّٰهُ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کو شمار کرنے والا ہے، اس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں۔

قوله: نَسُوْهُ: کثرت کی وجہ سے بھلا دیا۔



تفسیر مقبولین

یہ سورت بہت سے فقہی اور شرعی احکام پر مشتمل ہے ابتداء سورت اس مجادلہ اور جھگڑے کے قصہ سے فرمائی گئی جو خولہ بنت ثعلبہؓ کا اپنے خاوند سے پیش آیا تھا کہ ان کے خاوند اوس بن صامتؓ نے ظہار کر کے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا تو خولہ بنت ثعلبہؓ شکایت کرتی ہوئی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس وقت تک کوئی حکم شرعی اس بارہ میں نازل نہیں ہوا تھا زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو اپنے پر حرام کرنے کا ارادہ کرتا تو اپنی بیوی کو کہہ دیتا، "انت علی کظهر امی" کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، تو یہ آہ وزاری کرتی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا بس تو اپنے خاوند پر حرام ہو گئی ہے خولہؓ بار بار کہتی رہی یا رسول اللہ ﷺ اس نے مجھے

طلاق نہیں دی اور مسلسل آنحضرت ﷺ سے التجا کرتی رہیں اور اس دوران یہ بھی کہا یا رسول اللہ میرا خاوند نے میرا مال بھی کھایا میری جوانی بھی گزر گئی عمر بڑی ہوچکی میری اولاد مجھ سے جدا ہوچکی اب میں کیا کروں پھر پروردگار کی طرف رخ کرکے دعا مانگی اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اپنے رنج وغم کا شکوہ پیش کرتی ہوں تو ہی اس کو دور فرمانے والا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، (آیت) قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ... کہ اے ہمارے پیغمبر اللہ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ ﷺ سے جھگڑ رہی ہے۔ (تفسیر روح المعانی۔ ابن کثیر جلد رابع)

اپنے خاوند کے معاملہ میں اور اللہ کی طرف وہ اپنی شکایت پیش کررہی ہے تو ابتداء سورت میں ظہار کرلینے پر کفارہ اور کفارہ ظہار کا حکم بیان فرمایا گیا پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی مجلس میں آکر کیا کرتے تھے جس سے ان کی غرض رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانا ہوتی تھی اسی کے ساتھ منافقین کے بھی احوال ذکر کئے اور اخیر سورت میں ایمان کی اصل بنیاد واساس کا ذکر کیا گیا کہ ہو حب فی اللہ اور بغض فی اللہ ہے اور جب تک کوئی شخص ایمان کے ان تقاضوں کی تکمیل نہیں کرسکتا وہ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کا عملی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہے صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرمایا کس بابرکت اور عظمت والی وہ ذات ہے جو تمام عالم کی آوازوں کو سنے۔

یہ عورت جھگڑا لے کر آئی اور میرے حجرہ کے گوشے میں بیٹھی وہ جھگڑ رہی تھی اور میں حجرہ کے گوشہ میں ہونے کے باوجود اس کی کچھ باتیں نہیں سن سکی تھی مگر سبحان اللہ، کہ رب العزت سات آسمانوں کی بلندی سے اس کی باتیں سن رہا تھا جب وہ یہ کہہ رہی تھی: اللھم انی اشکو الیک چنانچہ تھوڑی دیر گزری کہ جبریل امین علیہ السلام یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔
(صحیح بخاری۔ ابن ماجہ)

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ ....

ظہار کی مذمت اور اس کے احکام ومسائل:

ان آیات میں ایک صحابی خاتونؓ کے ایک واقعہ کا اور شوہر وبیوی سے متعلق ایک مسئلہ کا ذکر ہے، جس عورت کا یہ واقعہ ہے اس کے بارے میں چونکہ: اَلَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا فرمایا ہے اس لئے اس سورت کا نام سورۃ المجادلۃ معروف اور مشہور ہوگیا، آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ زمانہ اسلام سے پہلے اہل عرب میں لفظ طلاق کے علاوہ عورت اپنے اوپر حرام کرنے کے دو طریقے اور بھی تھے ایک ایلاء اور ایک ظہار، ایلاء اس بات کو کہتے تھے کہ شوہر بیوی کو خطاب کرکے قسم کھالیتا تھا کہ میں تیرے پاس نہیں آؤں گا اس کا بیان سورۃ البقرہ کی آیت: لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔
(انوار البیان جلد ۱ صفحہ ۲۳۲)

اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ یوں کہہ دیتے تھے: انت علی کظہر امی (تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی کمر ہے یعنی حرام ہے) اس کو ظہار کہا جاتا تھا چونکہ اس میں لفظ ظہر آتا تھا جو پشت کے معنی میں ہے اس لئے اس کا نام ظہار معروف ہوگیا، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں بھی اس کو ظہار ہی کے عنوان اور نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔

آیات ظہار کا شان نزول:

اب آیات کا سبب نزول معلوم کیجئے جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ عورت کون تھی جس کا واقعہ یہاں ذکر فرمایا ہے، قصہ یہ ہے کہ سیّدہ خولہ بنت ثعلبہؓ اوس بن صامتؓ کی بیوی تھیں ایک دن ان کے شوہر نے اپنا مخصوص کام کرنے کا ارادہ کیا سیّدہ خولہؓ نے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ ان کے شوہر کو تکلیف تھی اور شوہر کی خیر خواہی پیش نظر تھی جیسے ہی بیوی نے انکار کیا شوہر نے یوں کہہ دیا: انت علی کظھر امی کہہ تو دیا لیکن بعد میں پچھتائے اور اپنی بیوی سے کہا کہ میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ اب تو مجھ پر حرام ہو گئی ہے۔

یہ سن کر سیّدہ خولہؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ طلاق نہیں ہے اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے شوہر نے جب مجھ سے نکاح کیا تھا اس وقت میں جوان تھی مالدار تھی میرے شوہر نے میرا مال بھی کھا لیا اور میری جوانی بھی فنا کر دی اب جبکہ میرے خاندان والے منتشر ہو گئے اور میری عمر بڑی ہو گئی تو ان نے مجھ سے ظہار کر لیا اب اسے اس پر ندامت ہے تو کیا ایسی کوئی صورت ہے کہ میں اور وہ مل کر رہتے رہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو اس پر حرام ہو گئی۔ سیّدہ خولہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! قسم اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے میرے شوہر نے طلاق کا لفظ نہیں بولا ان سے میری اولاد بھی ہے اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ تو اس پر حرام ہو گئی خولہؓ نے کہا کہ میں اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتی ہوں میں اپنے شوہر کے ساتھ عرصہ دراز تک رہی ہوں آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہو گئی اور تیرے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا، وہ اسی طرح اپنی بات کرتی رہیں اور آنحضرت ﷺ اسی طرح جواب دیتے رہے، آخر میں اس نے کہا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر شوہر کے پاس چھوڑ دوں تو ضائع ہو جائیں گے اور اگر اپنے پاس رکھ لوں تو بھوکے مر جائیں گے یہ کہا اور آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہنے لگیں کہ اے اللہ میں آپ کی بارگاہ میں اپنی تکلیف کو پیش کرتی ہوں آپ اپنے نبی ﷺ پر ایسا حکم نازل فرمایئے جس سے میری پریشانی دور ہو جائے یہ زمانہ اسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ تھا۔

حضرت عائشہؓ نے خولہؓ سے کہا کہ تو اپنی بات بس کر دے دیکھتی نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر کیا آثار ظاہر ہو رہے ہیں، (اس وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہو گئی تھی) آپ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہلکی سی نیند میں ہوں، جب وحی ختم ہو گئی تو آپ نے خولہؓ سے فرمایا کہ تو اپنے شوہر کو بلا کر لا، جب وہ آ گئے تو آپ ﷺ نے قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ سے آیات پڑھ کر سنائیں جن میں ظہار اور کفارہ ظہار کا حکم ہے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہؓ نے واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ بابرکت ہے وہ جو تمام آوازوں کو سنتا ہے، جو عورت رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کر رہی تھیں میں اس کی بعض باتیں اسی گھر میں ہوتے ہوئے نہ سن پائی جہاں بات ہو رہی تھی اور اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی بات سن لی اور آیت کریمہ نازل فرما دی۔

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ ....

چونکہ حضرت خولہؓ کے شوہر نے ظہار کرلیا تھا اور ان کے شوہر یوں سمجھ رہے تھے کہ طلاق ہوگئی اور وہ سمجھ رہی تھی کہ طلاق نہیں ہوئی اور اسی بات کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اس لئے اولاً ظہار کی شرعی حیثیت بتائی پھر اس کا کفارہ بیان فرمایا ارشاد فرمایا: اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ کہ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرلیتے ہیں (یعنی یوں کہہ دیتے ہیں کہ تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت مجھ پر حرام ہے) ایسا کہہ دینے سے وہ ان کی مائیں نہیں بن جاتی ہیں، نہ وہ پہلے ان کی مائیں تھیں اور نہ اب ان پر ماؤں کا حکم نافذ ہوگا (جس کی وجہ سے آئندہ کے لئے حرمت آجائے)۔

اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے مائیں ہونے کے اعتبار سے حرمت مؤبدہ کا تعلق انہیں سے ہے۔

ظہار کی مذمت

وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ رہی یہ بات کہ شوہر اگر اپنی بیوی سے کہہ دے کہ تم میرے لئے ماں کی طرح سے ہے تو ان کا یہ کہنا بری بات ہے اور جھوٹی بات ہے اس بات کے کہنے سے حرمت دائمی کا حکم نہیں دیا جائے گا لیکن گناہ ضرور ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے قانون کو بدلنا لازم آتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے بیوی کو شوہر کے لئے حلال کردیا تو اب وہ کیسے کہتا ہے کہ یہ مجھ پر ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت ہے۔

وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ○ (اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے بخشنے والا ہے) گناہ کی تلافی کرلی جائے اور ظہار کا جو کفارہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اس کی ادائیگی کردی جائے اللہ تعالیٰ گناہ کو معاف فرمادے گا۔

وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ....

کفارۂ ظہار:

اس کے بعد ظہار کا کفارہ بیان فرمایا: وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ (الی قولہ تعالیٰ) فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ اس میں علی الترتیب تین چیزیں ذکر فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرلیتے ہیں پھر چاہتے ہیں کہ جو بات کہی ہے اس کی تلافی کریں سو جس کسی نے بھی ایسا کیا ہو وہ ایک غلام آزاد کرے اور غلام آزاد کرنے سے پہلے میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کو نہ چھوئیں، یہ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ کا ترجمہ ہے یہ لفظ فرما کر یہ بتادیا کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے نہ جماع کریں نہ دواعی جماع یعنی بوس وکنار اور مس وتقبیل کے ذریعہ استمتاع اور استلذاذ کریں، ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ۔ (یہ وہ چیز ہے جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے) یعنی یہ کفارہ گناہ معاف کرانے کا ذریعہ بھی ہے اور آئندہ کے لئے ایسے الفاظ بولنے سے روکنے والا بھی ہے۔

وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ○ (اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے) اگر کسی نے حکم کی خلاف ورزی کی کفارہ

کرنے سے پہلے جماع کا ارتکاب کر لیا تو اس کی سزا مل سکتی ہے)۔

پھر فرمایا: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا (سو جو شخص غلام نہ پائے تو اس کے ذمہ لگا تار دو مہینے کے روزے رکھنا ہے اس سے پہلے کہ آپس میں ایک دوسرے کو چھوئیں) یہ کفارہ ظہار کا حکم نمبر ۲ ہے اور علی سبیل البدل ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو غلام آزاد کرنے کی قدرت نہ ہو (مال ہی نہ ہو یا غلام ہی نہ ملتے ہوں جیسا کہ آج کل شرعی جہاد نہ کرنے کی وجہ سے مسلمان غلاموں اور باندیوں سے محروم ہیں) تو دو ماہ کے لگا تار روزے رکھے اور جب تک بلاناغہ پورے دو ماہ کے روزے نہ رکھ لے دونوں میاں بیوی الگ رہیں۔

پھر فرمایا: فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا (سو جسے مذکورہ روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (یہ اس لئے ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) یعنی ان کے سب احکام کی تصدیق کرو اور ایمان پر جمے رہو، (اور یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے مطابق عمل کرو حد سے آگے مت بڑھو۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے) جو اللہ کے احکام کی تصدیق نہیں کرتے۔

مسائل ضروریہ متعلقہ ظہار:

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کے پیٹ ران یا شرم گاہ سے تشبیہ دیدی تب بھی ظہار ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر اپنی بہن یا پھوپھی یا رضاعی والدہ کے مذکورہ بالا اعضاء پشت، پیٹ، ران، شرم گاہ، سے تشبیہ دی تب بھی ظہار ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میری ماں کی طرح سے ہو (کسی عضو سے تشبیہ نہیں دی) تو اس کے بارے میں اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تیری نیت کیا تھی اگر یوں کہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے کہا تھا تو طلاق بائن مانی جائے گی اور اگر یوں کہے کہ میری نیت ظہار کی تھی تو ظہار کا حکم نافذ ہوگا اور اگر یوں کہا کہ میری کچھ بھی نیت نہ تھی یا یوں کہا کہ میرا یہ مطلب تھا کہ جیسے میری والدہ محترم ہیں اسی طرح تم بھی قابل احترام ہو تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔

مسئلہ: غلام آزاد کرنے میں غلام کا مرد اور بالغ ہونا ضروری نہیں ہے مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا کافر بالغ ہو یا نابالغ ہر ایک کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا مگر اندھا یا دونوں ہاتھ یا دونوں پیر کٹے ہوئے نہ ہوں۔

مسئلہ: جب دو مہینے کے روزے رکھے تو اس میں رمضان کے روزے حساب میں نہیں لگ سکتے کیونکہ وہ پہلے سے فرض تھا، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی روزہ ان دنوں میں نہ ہو جن میں شرعاً روزہ رکھنا منع ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے کفارہ ظہار کے روزے رکھنے کے درمیان رات کو جماع کر لیا تو نئے سرے سے روزے رکھنا لازم ہوگا اور دن کو جماع کرنے سے تو روزہ ہی ٹوٹ جائے گا جس سے لگا تار والی شرط کا فوت ہو جانا ظاہر ہے اور چونکہ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا کا عموم رات کے جماع کرنے کو بھی شامل ہے اس لئے رات کو جماع کرنے سے بھی لگا تار والی شرط کی مخالفت ہو جائے گی۔

مسئلہ: کھانا کھلانے کی صورت میں اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن صبح شام پیٹ بھر کھانا کھلایا یا ساٹھ مسکینوں کو ایک دن میں صبح شام پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا، اگر ساٹھ دن تک کسی مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو یا ان کی قیمت دیتا رہا تو ان صورتوں میں کفارہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر ظہار کرنے کے بعد عورت کو طلاق دیدی یا مرگئی تو کفارہ ساقط ہو جائے گا لیکن توبہ کرنا پھر بھی لازم ہے۔

قال صاحب روح المعانی: والموصول مبتدا، وقوله تعالیٰ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مبتدا آخر خبره مقدر ای فعليهم تحرير رقبة او فاعل فعل مقدر ای فيلزمهم تحرير، او خبر مبتدا مقدر ای فالوا جب عليهم (تحرير) وعلى التقادير الثلاثة الجملة خبر الموصول و دخلته الفاء لتضمن المبتدا معنى الشرط وما موصولة او مصدرية واللام متعلقة (يعودون) وهو يتعدى بها كما يتعدى بالی وبفی۔ فلا حاجة الی تاويله باحدهما كما فعل البعض، والعود لما قالوا على المشهور عند الحنفية العزم على الوطء كانه حمل العود على التدارك مجازا لان التدارك من اسباب العود الی الشیء والذين يقولون ذٰلك القول المنكر ثم يتدار كونه بنقضه وهو العزم على الوطء فالواجب عليهم اعتاق رقبة۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ....

احکامات رسول اللہ ﷺ اور ہم:

فرمان ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے اور احکام شرع سے سرتابی کرنے والے ذلت ادبار نحوست اور پھٹکار کے لائق ہیں جس طرح ان سے اگلے انہی اعمال کے باعث برباد اور رسوا کر دیئے گئے، اسی طرح واضح، اس قدر ظاہر، اتنی صاف اور ایسی کھلی ہوئی آیتیں بیان کر دی ہیں اور نشانیاں ظاہر کر دی ہیں کہ سوائے اس کے جس کے دل میں سرکشی ہو کوئی ان سے انکار کر نہیں سکتا اور جو ان کا انکار کرے وہ کافر ہے اور ایسے کفار کیلئے یہاں کی ذلت کے بعد وہاں کے بھی اہانت والے عذاب ہیں، یہاں ان کے تکبر نے اللہ کی طرف جھکنے سے روکا وہاں اس کے بدلے انہیں بے انتہا ذلیل کیا جائے گا، خوب روندا جائے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور جو بھلائی برائی جس کسی نے کی تھی اس سے اسے آگاہ کرے گا۔ گو یہ بھول گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تو اسے یاد رکھا تھا اس کے فرشتوں نے اسے لکھ رکھا تھا۔ نہ تو اللہ پر کوئی چیز چھپ سکے نہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولے۔ پھر بیان فرماتا ہے کہ تم جہاں ہو جس حالت میں ہو نہ تمہاری باتیں اللہ کے سننے سے رہ سکیں نہ تمہاری حالتیں اللہ کے دیکھنے سے پوشیدہ رہیں اس کے علم نے ساری دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے اسے ہر زمان و مکان کی اطلاع ہر وقت ہے، وہ زمین و آسمان کی تمام تر کائنات سے باعلم ہے، تین شخص آپس میں مل کر نہایت پوشیدگی، رازداری کے ساتھ اپنی باتیں ظاہر کریں انہیں وہ سنتا ہے اور وہ اپنے آپ کو تین ہی نہ سمجھیں بلکہ اپنا چوتھا اللہ کو گنیں اور جو پانچ شخص تنہائی میں رازداریاں کر رہے ہیں وہ چھٹا اللہ کو جانیں پھر جو اس سے کم ہوں یا اس سے زیادہ ہوں، وہ بھی یقین رکھیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہیں ان کے ساتھ ان کا اللہ ہے یعنی ان کے حال و قال سے مطلع ہے ان کے کلام کو

سن رہا ہے اور ان کی حالتوں کو دیکھ رہا ہے پھر ساتھ ہی ساتھ اس کے فرشتے بھی لکھتے جا رہے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے: اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (التوبہ:۷۸) کیا لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو بخوبی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام غیبوں پر اطلاع رکھنے والا ہے، اور جگہ ارشاد ہے آیت: اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (الزخرف:۸۰) کیا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور خفیہ مشوروں کو سن نہیں رہے؟ برابر سن رہے ہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس موجود ہیں جو لکھتے جا رہے ہیں، اکثر بزرگوں نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت سے مراد معیت علمی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے، ہر تین کے مجمع میں چوتھا اس کا علم ہے تبارک وتعالیٰ۔ بیشک وشبہ اس بات پر ایمان کامل اور یقین راسخ رکھنا چاہئے کہ یہاں مراد ذات سے ساتھ ہونا نہیں بلکہ علم سے ہر جگہ موجود ہونا ہے، ہاں بیشک اس کا سننا دیکھنا بھی اسی طرح اس کے علم کے ساتھ ساتھ ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر مطلع ہے ان کا کوئی کام اس سے پوشیدہ نہیں، پھر قیامت کے دن انہیں ان کے تمام اعمال پر تنبیہ کرے گا، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو شروع بھی اپنے علم کے بیان سے کیا تھا اور ختم بھی اللہ کے علم بیان پر کیا (مطلب یہ ہے کہ درمیان میں اللہ کا ساتھ ہونا جو بیان کیا تھا اس سے بھی از روئے علم کے ساتھ ہونا ہے نہ کہ از روئے ذات کے)

اَلَمْ تَرَ تعلم اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ بعلمه وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ تنظر اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ هم اليهود نهاهم النبي صلى الله عليه وسلم عما كانوا يفعلون من تناجيهم اي تحدثهم سرًا ناظرين الى المؤمنين ليوقعوا في قلوبهم الريبة وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ ايها النبي بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وهو قولهم السام عليك اي الموت وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا هلا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ من التحية وانه ليس بنبي ان كان نبيا حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى بالاثم ونحوه مِنَ الشَّيْطٰنِ بغروره لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ

آمَنُوا وَ لَيْسَ هُوَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ اَیْ اِرَادَتِهٖ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي تَوَسَّعُوْا الْمَجٰلِسِ مَجْلِسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوِ الذِّكْرِ حَتّٰى يَجْلِسَ مَنْ جَاءَكُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ فِي الْجَنَّةِ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا قُوْمُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَيْرَاتِ فَانْشُزُوْا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الشِّيْنِ فِيْهِمَا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ بِالطَّاعَةِ فِيْ ذٰلِكَ وَ يَرْفَعُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ فِي الْجَنَّةِ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ اَرَدْتُّمْ مُنَاجَاتَهٗ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ قَبْلَهَا صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ لِذُنُوْبِكُمْ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تَتَصَدَّقُوْنَ بِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِمُنَاجَاتِكُمْ رَّحِيْمٌ ۝ بِكُمْ يَعْنِيْ فَلَا عَلَيْكُمْ فِي الْمُنَاجَاةِ مِنْ غَيْرِ صَدَقَةٍ ثُمَّ نُسِخَ ذٰلِكَ بِقَوْلِهٖ ءَاَشْفَقْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَ تَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَ تَرْكِهٖ اَيْ اَخِفْتُمْ مِنْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ لِلْفَقْرِ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوا الصَّدَقَةَ وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ رَجَعَ بِكُمْ عَنْهَا فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اَيْ دُوْمُوْا عَلٰى ذٰلِكَ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ع

ترجمہ: کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی (آپ کو معلوم نہیں) کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوئی جس میں چوتھا وہ نہ ہو۔ اور نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔ مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ لوگ کہیں بھی ہوں۔ پھر ان کو قیامت کے روز ان کے کیے ہوئے کام بتلا دے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔ کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی۔ جن کو سرگوشی سے منع کیا گیا ہے۔ پھر وہی کام کرتے ہیں۔ جس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا۔ اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں (یعنی یہود جنہیں آنحضرت ﷺ نے ان سرگوشیوں سے منع کر دیا تھا۔ یہ یہود آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے۔ مسلمانوں کو دکھلا کر تاکہ مسلمان وساوس میں گھرے رہیں) اور جب آپ کے پاس (اے پیغمبر) یہ لوگ آتے ہیں تو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں۔ جس سے آپ کو اللہ نے سلام نہیں فرمایا (یعنی کہتے ہیں السام علیک بمعنی موت) اور اپنے جی میں کہتے ہیں اللہ نے ہمارے اس کہنے پر کیوں سزا نہیں دی (اس طرح سلام کرنے پر، اگر یہ نبی ہوتے۔ معلوم ہوا کہ یہ نبی نہیں ہیں) ان کے لئے جہنم کافی ہے۔ یہ لوگ اس میں داخل ہوں گے۔ سو وہ برا ٹھکانہ ہے۔ اے ایمان والو! جب تم

سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو اور اللہ سے ڈرو۔ جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے ایسی (گناہ وغیرہ کی) سرگوشیاں محض شیطان (کے فریب) کی وجہ سے ہیں تاکہ مسلمانوں کے دل میں رنج نہ ڈالے۔ حالانکہ وہ بدوں اللہ کے ارادہ کے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ اے ایمان والو، جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو (وسیع کردو)۔ (آنحضرت کی مجلس یا مجلس ذکر مراد ہے تاکہ آنے والے کے لئے گنجائش ہوجائے۔ ایک قراءت میں مجالس آیا ہے) تو تم جگہ کھول دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں (جنت میں) کھلی جگہ دے گا۔ اور جب یہ کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو (نماز وغیرہ اچھے کاموں کے لئے کھڑے ہو جاؤ) تو اٹھ کھڑے ہوا کرو (ایک قراءت میں دونوں جگہ ضمہ شین کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ (جنت میں) درجے بلند کرے گا۔ تم میں ایمان والوں کے (جو اس حکم کو ماننے والے ہیں) اور (بلند کرے گا) ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو (اس کا ارادہ ہو) تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات کر دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے (گناہوں سے) پھر اگر نہیں (خیرات کی) سہولت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ (تمہاری سرگوشی کو) معاف کرنے والا۔ تم پر رحم کرنے والا ہے (یعنی بغیر خیرات سرگوشی کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ پھر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ کر دیا) کیا تم ڈر گئے (دونوں ہمزاؤں کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر، اور دوسری ہمزہ کی الف کے ساتھ اور بغیر الف کے تسہیل، یہ ہے کہ یعنی گھبرا گئے) سرگوشی سے پہلے خیرات کرنے سے (غربت کی وجہ سے) سو جب تم (خیرات) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (یہ قانون واپس لے کر) تو تم نماز کے پابند رہو۔ اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ و رسول کا کہنا مانا کرو (یعنی ان احکام کی پابندی رکھا کرو) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مِنْ نَّجْوٰى: تین کی باہمی سرگوشی، یہ نجوۃ سے ماخوذ ہے۔ بلند زمین کو کہتے ہیں، راز تو دل میں محفوظ ہوتا ہے۔

قوله: بِالْبِرِّ: وہ میٹنگ جس میں معصیت رسول سے بچا جائے اور ایمان والوں سے متعلق اطلاع ہو۔

قوله: نَحْوہ: اس سے دشمنی مراد ہے۔

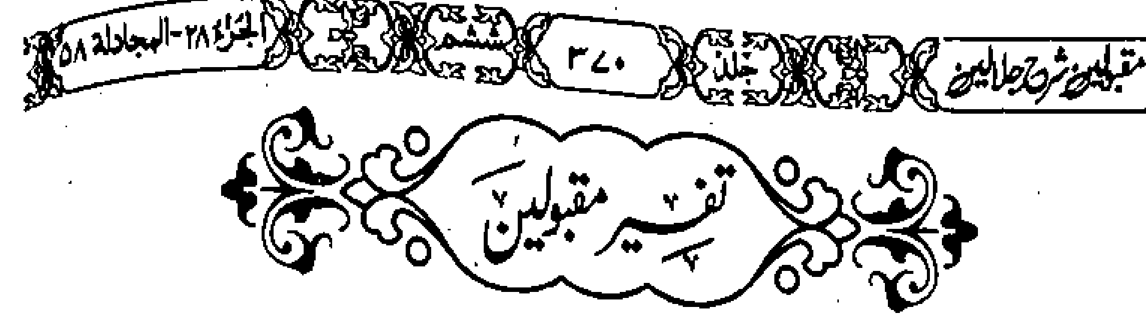
قوله: اٰمَنُوْٓا: اپنے وہم کے مطابق۔

قوله: يَرْفَعِ اللّٰهُ: ان کا دنیا میں اچھا تذکرہ، آخرت میں جنت۔

قوله: يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ: جن کو طاقت تھی ان کے لیے عارضۃً مقرر فرمایا۔

قوله: اَشْفَقْتُمْ: کیا صدقہ کی بجائے فقر کا خطرہ لیے بیٹھے ہو؟

قوله: رَجَعَ بِكُمْ: ایسا نہ کرنے میں رخصت دی۔



اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ ....

شانِ نزول:

اسبابِ نزول ان آیات کے چند واقعات ہیں، اول یہود اور مسلمانوں میں صلح تھی، لیکن یہود جب کسی مسلمان کو دیکھتے تو اس کے خیالات پریشان کرنے کے لئے آپس میں سرگوشی کرنے لگتے، وہ مسلمان سمجھتا کہ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں، حضور ﷺ نے یہود کو اس سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آئے، اس پر (آیت): اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى... نازل ہوئی۔

دوم: اسی طرح منافقین بھی باہم سرگوشی کیا کرتے اس پر آیت: اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا .... اور آیۃ: انما النجوی... نازل ہوئی، سوم: یہود آپ کے حضور میں آتے تو از راہ شرارت بجائے السلام علیکم کہنے کے السام علیکم کہتے، سام بمعنی موت کے ہیں، چہارم منافقین بھی اسی طرح کہتے ان دونوں واقعوں پر (آیت): وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ .... نازل ہوا اور ابن کثیر نے امام احمد کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہود اس طرح سلام کر کے خفیہ کہتے: لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ. یعنی اگر ہم نے یہ گناہ کیا ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، پنجم: ایک بار آپ صفہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور مجلس میں مجمع زیادہ تھا، چند صحابہ جو غزوہ بدر کے شرکاء میں سے تھے آئے تو ان کو کہیں جگہ نہ ملی اور نہ اہل مجلس نے ایسا کیا کہ مل مل کر بیٹھ جاتے جس سے جگہ کھل جاتی، آپ نے جب دیکھا تو بعضے آدمیوں کو مجلس سے اٹھنے کے لئے فرمادیا، منافقین نے طعن کیا کہ یہ کونسی انصاف کی بات ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ کھول دے، سو لوگوں نے جگہ کھول دی، اس پر آیت: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا .... نازل ہوئی، رواہ ابن کثیر عن ابی حاتم، مجموعہ اجزاء روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اول آپ نے جگہ کھولنے کے لئے فرمایا ہوگا، بعضوں نے تو جگہ کھول دی، جو کافی نہ ہوئی ہوگی اور بعضوں نے جگہ نہیں کھولی، آپ نے تادیبًا جیسے مدارس کے طلبہ میں ہوتا ہے ان کو اٹھ جانے کے لئے فرمایا جو کہ منافقین کو ناگوار ہوا۔

ششم: بعض اغنیاء حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑی دیر تک آپ سے سرگوشی کیا کرتے اور فقراء کو استفادہ کا وقت کم ملتا، آپ کو ان لوگوں کا دیر تک بیٹھنا اور دیر تک سرگوشی کرنا ناگوار گزرتا اس پر آیت اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ.... نازل ہوئی، فتح البیان میں زید بن اسلم سے بلا سند نقل کیا ہے کہ یہود و منافقین بلا ضرورت آپ سے سرگوشیاں کرتے، مسلمانوں کو اس خیال سے کہ شاید کسی نقصان دہ بات کی سرگوشی ہو ناگوار گزرتا، اس پر ان کو منع کیا گیا، جس کا ذکر آیت: نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى میں ہے، مگر جب وہ باز نہ آئے تو یہ حکم نازل ہوا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ... اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل باطل اس سرگوشی سے رک گئے، کیونکہ حب مال کی وجہ سے صدقہ ان کو گوارا نہ تھا۔

منزہ: جب آنحضرت ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہوا تو بہت سے آدمی ضروری بات کرنے سے بھی رک گئے، اس پر آیت ءاشفقتم نازل ہوئی، حضرت حکیم الامت ؒ نے فرمایا کہ صدقہ دینے کے حکم میں پہلے سے بھی فان لم تجدوا میں ناداروں کو رخصت دے دیگئی تھی، لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ نہ تو بالکل نادار ہوتے ہیں اور نہ پورے صاحب ثروت ہوتے ہیں گو صاحب نصاب ہوں، غالباً ایسے لوگوں کو تنگی پیش آئی ہوگی کہ کم دستی کی وجہ سے تو خرچ کرنا شاق ہوا اور اپنی ناداری میں بھی شبہ ہوا، اس لئے نہ صدقہ دے سکے اور نہ اپنے کو محل رخصت سمجھا اور سرگوشی کرنا کوئی عبادت نہ تھی کہ اس کا چھوڑنا ملامت کا سبب ہو سکے، اس لئے اس سے رک گئے (الروایات کلھا فی الدر المنثور) ان اسباب نزول سے فہم تفسیر میں اعانت وسہولت ہوگی۔ (از بیان القرآن)

یعنی صرف ان کے اعمال ہی پر کیا منحصر ہے، اللہ کے علم میں تو آسمان وزمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔ کوئی مجلس، کوئی سرگوشی اور کوئی خفیہ سے خفیہ مشورہ نہیں ہوتا جہاں اللہ اپنے علم محیط کے ساتھ موجود نہ ہو جہاں تین آدمی چھپ کر مشورہ کرتے ہوں نہ سمجھیں کہ وہاں کوئی چوتھا نہیں سن رہا۔ اور پانچ کی کمیٹی خیال نہ کرے کہ کوئی چھٹا سننے والا نہیں۔ خوب سمجھ لو تین ہوں یا پانچ یا اس سے کم زیادہ، کہیں ہوں، کسی حالت میں ہوں، اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے علم محیط سے ان کے ساتھ ہے کسی وقت ان سے جدا نہیں۔ (تنبیہ) مشورہ میں اگر صرف دو شخص ہوں تو بصورت اختلاف ترجیح دشوار ہوتی ہے۔ اسی لیے عموماً معاملات مہمہ میں طاق عدد رکھتے ہیں۔ اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین تھا پھر پانچ۔ شاید اس لیے ان دو کو اختیار فرمایا اور آگے: وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ سے تعمیم فرمادی۔ باقی حضرت عمر کا شوریٰ خلافت کو چھ بزرگوں میں دائر کرنا (حالانکہ چھ کا عدد طاق نہیں) اس لیے ہوگا کہ اس وقت یہ ہی چھ خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے۔ جن میں سے کسی کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ نیز خلیفہ کا انتخاب ان ہی چھ میں سے ہو رہا تھا تو ظاہر ہے جس کا نام آتا، اس کے سوائے رائے دینے والے تو پانچ ہی رہتے ہیں۔ پھر بھی احتیاطاً حضرت عمر نے بصورت مساوات ایک جانب کی ترجیح کے لیے عبداللہ بن عمر کا نام لے دیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ....

منافقین کی شرارت، سرگوشی اور یہود کی بیہودہ باتیں:

یہودی مکار تو تھے ہی، طرح طرح کی شرارتیں بھی کرتے تھے اور خفیہ مشورہ بھی کرتے رہتے تھے، لفظ نجویٰ خفیہ بات چیت کے لئے بولا جاتا ہے، لفظ مناجاۃ بھی اسی سے لیا گیا ہے، مومن بندے آہستہ آہستہ (جسے اللہ تعالیٰ ہی سنے کوئی دوسرا نہ سنے) اپنے خالق ومالک جل مجدہ سے دعا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہر ظاہر اور خفیہ بات کو سنتا ہے اسی لیے خفیہ دعا کو مناجاۃ کہا جاتا ہے۔ یہودی اور منافقین اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن تو تھے ہی مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لیے بری بری حرکتیں کرتے تھے، ان کی ان حرکتوں میں یہ بات بھی تھی کہ راستوں میں کسی جگہ بیٹھ جاتے تھے جب کوئی مسلمان وہاں سے گزرتا تو اسے گھور گھور کر دیکھتے تھے اور آنکھوں سے اشارہ بازی کرتے تھے اور چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے تھے۔ منافقین

بھی ان کے شریک حال تھے، مسلمانوں کو ان کی حرکتوں سے تکلیف ہوتی تھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس بات کو پیش کر دیا اور ان لوگوں کی شکایت کی، آپ نے ان لوگوں کو منع کر دیا کہ سرگوشی اور خفیہ بات چیت نہ کریں اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے ان لوگوں نے ہدایت پر عمل نہ کیا ممانعت کے باوجود اپنی حرکتیں کرتے رہے اس پر آیت کریمہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى.... نازل ہوئی جس میں ان کی حرکت بد کا بھی تذکرہ فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ یہ لوگ گناہ کے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کے مشورے کرتے ہیں۔

یہودیوں کی شرارت:

یہودیوں کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب حاضر خدمت ہوتے تو السلام علیک کی بجائے السام کہتے تھے زبان دبا کر لام کو کھا جاتے تھے، سام عربی میں موت کو کہتے ہیں موت کی بددعاء کرتے تھے اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ ہم نے سلام کیا، ان کی اس حرکت کو بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا: وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۔ (اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو ان الفاظ میں تحیہ کرتے ہیں یعنی سلام کی ظاہری صورت اختیار کرتے ہیں، جن الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا)۔

ایک مرتبہ چند یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زبان دبا کر وہی السام علیک کہہ دیا حضرت عائشہؓ نے محسوس فرمایا اور آڑے ہاتھوں لیا اور جواب میں علیکم السام واللعنة فرمایا (یعنی تم پر موت ہو اور لعنت ہو)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! مُهلاً (نرمی اختیار کرو) کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا تو نے نہیں سنا میں نے کیا کہا؟ میں نے ان کے جواب میں علیکم کہہ دیا یعنی (ان کی بات ان پر لوٹا دی) انہیں موت کی بددعا دے دی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۹۲۰، ج ۲)

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ یعنی یہودی برے الفاظ بھی زبان پر لاتے ہیں پھر اپنے دلوں میں یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں ہماری باتوں پر عذاب کیوں نہیں دیتا، مقصد ان کا یہ تھا کہ اگر یہ اللہ کے نبی ہیں اور ہم ان کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں تو اب تک اللہ کا عذاب آ جانا چاہیے تھا جب اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب نہیں دیتا تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے نبی نہیں ہیں (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی اعلان نہیں فرمایا کہ نبی کے جھٹلانے کی اور گناہوں کی سزا اسی دنیا میں ضرور دیدی جائے گی اور جلد دے دی جائے گی۔ بہت سے کافروں کو دنیا و آخرت دونوں میں سزا ملتی ہے اور بعض کو صرف آخرت میں دی جاتی ہے یہ دلیل بنالینا کہ چونکہ ہمیں عذاب نہیں دیا جاتا اس لئے ہمارا عمل درست ہے جہالت اور حماقت کی بات ہے۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞ اس میں ان لوگوں کی جاہلانہ بات کا جواب دے دیا اور بتا دیا کہ ان کو دوزخ میں جانا ہی جانا ہے وہ برا ٹھکانا ہے اگر دنیا میں عذاب نہ دیا گیا تو یوں نہ سمجھیں کہ عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

اہل ایمان کو نصیحت کہ یہودیوں کا طریقہ کار استعمال نہ کریں:

یہود اور منافقین کی بدحالی بتا کر مؤمنین مخلصین کو نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ (اے ایمان والو! جب تمہیں خفیہ مشورہ کرنا ہو (آہستہ آہستہ باتیں کرنی ہوں) تو گنہگاری اور زیادتی اور رسول ﷺ کی نافرمانی کا مشورہ نہ کرو)۔ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ (اور نیکی اور تقویٰ کا مشورہ کرو)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے) یعنی آخرت کے دن میں حاضر ہوگے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ ....

یعنی منافقین کی کانا پھوسی (سرگوشی) اس غرض سے تھی کہ ذرا مسلمان رنجیدہ اور دلگیر ہوں اور گھبرا جائیں۔ کہ نہ معلوم یہ لوگ ہماری نسبت کیا منصوبے سوچ رہے ہوں گے۔ یہ کام شیطان ان سے کرا رہا تھا۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا چیز ہے۔ نفع ونقصان سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو تو کتنے ہی مشورے کرلیں اور منصوبے گانٹھ لیں، تمہارا بال بیکا نہ ہوگا۔ لہٰذا تم کو غمگین ودل گیر ہونے کے بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ (تنبیہ) احادیث میں ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص کانا پھوسی کرنے لگیں۔ کیونکہ وہ تیسرا غمگین ہوگا۔ یہ مسئلہ بھی ایک طرح آیہ ہذا کے تحت میں داخل ہوسکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ ....

آداب مجلس باہم معاملات اور علمائے حق وباعمل کی توقیر:

یہاں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ مجلسی آداب سکھاتا ہے۔ انہیں حکم دیتا ہے کہ نشست وبرخاست میں بھی ایک دوسرے کا خیال ولحاظ رکھو۔ تو فرماتا ہے کہ جب مجلس جمع ہو اور کوئی آئے تو ذرا ادھر ادھر ہٹ ہٹا کر اسے بھی جگہ دو۔ مجلس میں کشادگی کرو۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی دے گا۔ اس لئے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد بنادے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو کسی سختی والے پر آسانی کرے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا، جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے اللہ تعالیٰ خود اپنے اس بندے کی مدد پر رہتا ہے اور بھی اسی طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت مجلس ذکر کے بارے میں اتری ہے مثلاً وعظ ہو رہا ہے حضور ﷺ کچھ نصیحت کی باتیں بیان فرما رہے ہیں لوگ بیٹھے سن رہے ہیں اب جو دوسرا کوئی آتا تو کوئی اپنی جگہ سے نہیں سرکتا تا کہ اسے بھی جگہ مل جائے۔ قرآن کریم نے حکم دیا کہ ایسا نہ کرو ادھر ادھر کھل جایا کرو تا کہ آنے والے کی جگہ ہوجائے۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں جمعہ کے دن یہ آیت اتری، رسول

اللہ ﷺ اس دن صفہ میں تھے یعنی مسجد کے ایک چھپر تلے جگہ تنگ تھی اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ جو مہاجر اور انصاری بدر کی لڑائی میں آپ کے ساتھ تھے آپ ان کی بڑی عزت اور تکریم کیا کرتے تھے اس دن اتفاق سے چند بدری صحابہ دیر سے آئے تو آنحضرت ﷺ کے آس پاس کھڑے ہو گئے آپ سے سلام علیک ہوئی آپ نے جواب دیا پھر اور اہل مجلس کو سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا اب یہ اسی امید پر کھڑے رہے کہ مجلس میں ذرا کشادگی دیکھیں تو بیٹھ جائیں لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا جو ان کیلئے جگہ ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ دیکھا تو نہ رہا گیا نام لے لے کر بعض لوگوں کو ان کی جگہ سے کھڑا کیا اور ان بدری صحابیوں کو بیٹھنے کو فرمایا، جو لوگ کھڑے کرائے گئے تھے انہیں ذرا بھاری پڑا ادھر منافقین کے ہاتھ میں ایک مشغلہ لگ گیا، کہنے لگے لیجئے یہ عدل کرنے کے مدعی نبی ہیں کہ جو لوگ شوق سے آئے پہلے آئے اپنے نبی کے قریب جگہ لی اطمینان سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے انہیں تو ان کی جگہ سے کھڑا کر دیا اور دیر سے آنے والوں کو ان کی جگہ دلوا دی کس قدر ناانصافی ہے، ادھر حضور ﷺ نے اس لئے ان کے دل میلے نہ ہوں دعا کی کہ اللہ اس پر رحم کرے جو اپنے مسلمان بھائی کیلئے مجلس میں جگہ کر دے۔ اس حدیث کو سنتے ہی صحابہ نے فوراً خود بخود اپنی جگہ سے ہٹنا اور آنے والوں کو جگہ دینا شروع کر دیا اور جمعہ ہی کے دن یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) بخاری مسلم مسند وغیرہ میں حدیث ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے ہٹا کر وہاں نہ بیٹھے بلکہ تمہیں چاہئے کہ ادھر ادھر سرک کر اس کیلئے جگہ بنا دو۔ شافعی میں ہے، تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو جمعہ کے دن اس کی جگہ سے ہرگز نہ اٹھائے بلکہ کہہ دے کہ گنجائش کر دو۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ کسی آنے والے کیلئے کھڑے ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ تو اجازت دیتے ہیں اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اپنے سردار کیلئے کھڑے ہو جاؤ، بعض علماء منع کرتے ہیں اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اس کیلئے سیدھے کھڑے ہوں وہ جہنم میں اپنی جگہ بنالے، بعض بزرگ تفصیل بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سفر سے اگر کوئی آیا ہو تو حاکم کیلئے عہدہ حکمرانی کے سبب لوگوں کا کھڑے ہو جانا درست ہے کیونکہ حضور ﷺ نے جن کیلئے کھڑا ہونے کو فرمایا تھا یہ حضرت سعد بن معاذؓ تھے۔ بنو قریظہ کے آپ حاکم بنائے گئے تھے جب انہیں آتا ہوا دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنے سردار کیلئے کھڑے ہو جاؤ اور یہ (بطور تعظیم کے نہ تھا بلکہ) صرف اس لئے تھا کہ ان کے احکام کو بخوبی جاری کرائے واللہ اعلم۔ ہاں اسے عادت بنالینا کہ مجلس میں جہاں کوئی بڑا آدمی آیا اور لوگ کھڑے ہو گئے یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، سنن کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب اور باعزت کوئی نہ تھا لیکن تاہم آپ کو دیکھ کر وہ کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے، جانتے تھے کہ آپ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ سنن کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ آتے ہی مجلس کے خاتمہ پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور جہاں آپ تشریف فرما ہو جاتے وہی جگہ صدارت کی جگہ ہو جاتی اور صحابہ کرام اپنے اپنے مراتب کے مطابق مجلس میں بیٹھ جاتے۔ حضرت الصدیقؓ کے آپ دائیں جانب، فاروقؓ آپ کے بائیں اور عموماً حضرت عثمان وعلیؓ آپ کے سامنے بیٹھتے تھے کیونکہ یہ دونوں بزرگ کاتب وحی تھے آپ ان سے فرماتے اور یہ وحی کو لکھ لیا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان تھا کہ مجھ سے قریب ہو کر عقل مند، صاحب فراست لوگ بیٹھیں پھر درجہ بدرجہ اور یہ انتظام اس لئے تھا کہ حضور ﷺ کے مبارک ارشادات یہ حضرات سنیں اور بخوبی

سمجھیں، یہی وجہ تھی کہ صفہ والی مجلس میں جس کا ذکر ابھی ابھی گزرا ہے آپ نے اور لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر وہ جگہ بدری صحابہ کو دلوائی، گو اس کے ساتھ اور وجوہات بھی تھیں مثلاً ان لوگوں کو خود چاہئے تھا کہ ان بزرگ صحابہ کا خیال کرتے اور لحاظ و مراتب برت کر خود ہٹ کر انہیں جگہ دیتے جب انہوں نے از خود ایسا نہیں کیا تو پھر حکماً ان سے ایسا کرایا گیا، اسی طرح پہلے کے لوگ حضور ﷺ کے بہت سے کلمات پوری طرح سن چکے تھے اب یہ حضرات آئے تھے تو آپ نے چاہا کہ یہ بھی یہ آرام بیٹھ کر میری حدیثیں سن لیں اور دینی تعلیم حاصل کر لیں، اسی طرح امت کو اس بات کی تعلیم بھی دینی تھی کہ وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کو امام کے پاس بیٹھنے دیں اور انہیں اپنے سے مقدم رکھیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی صفوں کی درستی کے وقت ہمارے مونڈھے خود پکڑ پکڑ کر ٹھیک ٹھاک کرتے اور زبانی بھی فرماتے جاتے سیدھے رہو ٹیڑھے ترچھے نہ کھڑے ہوا کرو، دانائی اور عقلمندی والے مجھ سے بالکل قریب رہیں پھر درجہ بہ درجہ دوسرے لوگ۔ حضرت ابو مسعودؓ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے اس حکم کے باوجود افسوس کہ اب تم بڑی ٹیڑھی صفیں کرتے ہو، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے ظاہر ہے کہ جب آپ کا یہ حکم نماز کیلئے تھا تو نماز کے سوا کسی اور وقتوں میں تو بطور اولیٰ یہی حکم رہے گا، ابو داؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوں کو درست کرو، مونڈھے ملائے رکھو، صفوں کے درمیان خالی جگہ نہ چھوڑو اپنے بھائیوں کے پاس صف میں نرم بن جایا کرو، صف میں شیطان کیلئے سوراخ نہ چھوڑو صف ملانے والے کو اللہ تعالیٰ ملاتا ہے اور صف توڑنے والے کو اللہ تعالیٰ کاٹ دیتا ہے، اسی لئے سید القراء حضرت ابی بن کعبؓ جب پہنچتے تو صف اول میں سے کسی ضعیف العقل شخص کو پیچھے ہٹا دیتے اور خود پہلی صف میں مل جاتے اور اسی حدیث کو دلیل میں لاتے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے مجھ سے قریب ذی رائے اور اعلیٰ عقل مند کھڑے ہوں پھر درجہ بہ درجہ دوسرے لوگ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو دیکھ کر اگر کوئی شخص کھڑا ہو جاتا تو آپ اس کی جگہ پر نہ بیٹھتے اور اس حدیث کو پیش کرتے جو اوپر گزری کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ میں کوئی اور نہ بیٹھے، یہاں بطور نمونے کے یہ چند مسائل اور تھوڑی حدیثیں لکھ کر ہم آگے چلتے ہیں بسط و تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں نہ یہ موقع ہے، ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے ایک تو مجلس کے درمیان جگہ خالی دیکھ کر وہاں آکر بیٹھ گئے دوسرے نے مجلس کے آخر میں جگہ بنالی تیسرے واپس چلے گئے، حضور ﷺ نے فرمایا لوگو! میں تمہیں تین شخصوں کی بابت خبر دوں ایک نے تو اللہ کی طرف جگہ لی اور اللہ تعالیٰ نے اسے جگہ دی، دوسرے نے شرم کی۔ اللہ نے بھی اس سے حیا کی، تیسرے نے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔ مسند احمد میں ہے کہ کسی کو حلال نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان تفریق کرے، ہاں ان کی خوشنودی سے ہو تو اور بات ہے (ابوداؤد، ترمذی) امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، حضرت ابن عباس حضرت حسن بصری وغیرہ فرماتے ہیں مجلسوں کی کشادگی کا حکم جہاد کے بارے میں ہے، اسی طرح اٹھ کھڑے ہونے کا حکم بھی جہاد کے بارے میں ہے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں یعنی جب تمہیں بھلائی اور کار خیر کی طرف بلایا جائے تو تم فوراً آجاؤ، حضرت مقاتل فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں نماز کیلئے بلایا جائے تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو، حضرت عبد الرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ صحابہ جب حضور ﷺ کے ہاں آتے تو جاتے وقت ہر ایک کی چاہت یہ ہوتی کہ سب سے آخر حضور ﷺ سے جدا میں ہوں، بسا اوقات آپ کو کوئی کام کاج ہوتا تو بڑا حرج ہوتا لیکن آپ مروت

سے کچھ نہ فرماتے اس پر یہ حکم ہوا کہ جب تم سے کھڑے ہونے کو کہا جائے تو کھڑے ہو جایا کرو، جیسے اور جگہ ہے: وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ مجلسوں میں جگہ دینے کو جب کہا جائے تو جگہ دینے میں اور جب چلے جانے کو کہا جائے تو چلے جانے میں اپنی ہتک نہ سمجھو بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ بلند کرنا اور اپنی توقیر کرانا ہے اسے اللہ ضائع نہ کرے گا بلکہ اس پر دنیا اور آخرت میں نیک بدلہ دے گا، جو شخص احکام الٰہیہ پر تواضع سے گردن جھکا دے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور اس کی شہرت نیکی کے ساتھ کرتا ہے۔ ایمان والوں اور صحیح علم والوں کا یہی کام ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام کے سامنے گردن جھکا دیا کریں اور اس سے وہ بلند درجوں کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ بلند مرتبوں کا مستحق کون ہے اور کون نہیں؟ حضرت نافع بن عبدالحارث سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق کی ملاقات عسفان میں ہوئی ہے حضرت عمر نے انہیں مکہ شریف کا عامل بنایا تھا تو ان سے پوچھا کہ تم مکہ شریف میں اپنی جگہ کسے چھوڑ آئے ہو؟ جواب دیا کہ ابن ابزیٰ کو حضرت عمر فاروق نے فرمایا وہ تو ہمارے مولیٰ ہیں یعنی آزاد کردہ غلام انہیں تم اہل مکہ کا امیر بنا کر چلے آئے ہو؟ کہا ہاں اس لئے کہ وہ اللہ کی کتاب کا ماہر اور فرائض کا جاننے والا اور اچھا وعظ کہنے والا ہے، حضرت عمر نے اس وقت فرمایا سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے ایک قوم کو عزت پر پہنچا کر بلند مرتبہ کرے گا اور بعض کو پست و کم مرتبہ بنا دے گا۔ (مسلم)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ ....

مفسر قرطبی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ سے سوالات کیا کرتے تھے۔ جب سوالات کا سلسلہ زیادہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کو شاق گزرنے لگا اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سوالات میں تخفیف کرانے کے لیے یہ حکم دیا کہ صدقہ کر کے آپ کی خدمت میں آیا کریں جب ایسا ہوا تو بہت سے لوگ سوال کرنے سے رک گئے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس میں وسعت دے دی یعنی بغیر صدقہ کئے بھی حاضر ہونے کی اجازت دے دی۔

حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو نبی اکرم ﷺ سے خلوت میں گفتگو کرنے کی درخواست کرتے تھے جب آپ سے سرگوشی کرتے تھے تو دوسرے مسلمانوں کو خیال ہوتا تھا کہ شاید ہمارے بارے میں کوئی بات چیت ہو رہی ہے، جب عامۃ المسلمین کو تنہائی میں وقت لینے والوں کا طریقہ کار ناگوار گزرا تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حکم فرمایا کہ جنہیں سرگوشی کرنا ہو وہ صدقہ دے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں تاکہ خلوت میں وقت مانگنے کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۳۰۱: ج ۱۷)

حضرت علی نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کوئی عمل کرے گا میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اس کو دس درہم میں تڑوا لیا تھا۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خفیہ مشورہ کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو ایک درہم صدقہ کر کے آتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرما دیا۔

(ابن کثیر صفحہ ۳۲۶: جلد ۴)

جن لوگوں کے پاس صدقہ دینے کو کچھ نہ تھا: فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ فرما کر پہلے ہی سے ان کو مستثنیٰ

فرمایا تھا، سنن ترمذی میں حضرت علیؓ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً نازل فرمائی تو نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے (مسلمان) ایک دینار (صدقہ کر کے آئیں گے) میں نے عرض کیا انہیں اس کی طاقت نہیں، فرمایا آدھا دینار؟ میں نے عرض کیا انہیں اس کی طاقت نہیں، فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا ایک جو (کے برابر سونا) ہو فرمایا تم تو بہت تھوڑے پر آ گئے اس پر آیت کریمہ: ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ نازل ہوئی حضرت علیؓ نے فرمایا میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف فرمادی۔ (قال الترمذی حدیث غریب حسن من هذا الوجه ومعنی قوله شعیرة یعنی شعیرة من ذهب)

صدقہ دینے کے حکم کا منسوخ ہونا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ءَاَشْفَقْتُمْ .... کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات کرو سو اگر اس پر تم نے عمل نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (کہ بالکل اس کو منسوخ فرمادیا) تو تم دوسرے احکام دینیہ پر پابندی سے عمل کرتے رہو نماز کے پابند رہو زکوٰۃ ادا کرو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ: وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ میں بتادیا کہ صدقہ دینے کا جو حکم ہوا تھا اس سے ڈرنا یہ گناہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرمادیا اور فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اذ'' ظرفیہ بھی ہو سکتا ہے اور شرطیہ بھی، پھر لکھا ہے: وللعنی علی الاول انکم ترکتم ذلك فیما مضی فتدار کوه بالمثابرة علی اقامة الصلوة وایتاء الزکوة۔

''یعنی جب تم نے حکم پر عمل نہ کیا تو اس کا اس طرح تدارک کرو کہ نمازوں کی خوب پابندی کرو اور زکوٰتیں ادا کیا کرو۔''

قلت ومعنی الشرطیة یؤل الی ذلك۔

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ اِلَى الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا هُمُ الْمُنَافِقُوْنَ قَوْمًا هُمُ الْیَهُوْدُ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ۭ مَا هُمْ اَیِ الْمُنَافِقُوْنَ مِّنْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا مِنْهُمْ ۙ مِنَ الْیَهُوْدِ بَلْ هُمْ مُذَبْذَبُوْنَ وَیَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ اَیْ قَوْلِهِمْ اَنَّهُمْ مُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ فِیْهِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ مِنَ الْمَعَاصِیْ اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً سِتْرًا عَنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ فَصَدُّوْا بِهَا الْمُؤْمِنِیْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَیِ الْجِهَادِ فِیْهِمْ بِقَتْلِهِمْ وَاَخْذِ اَمْوَالِهِمْ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۶﴾ ذُوْاِهَانَةٍ لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ شَیْئًا ۭ مِنَ الْاِغْنَاءِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اُذْكُرْ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ اَنَّهُمْ

مُؤْمِنُوْنَ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ط مِنْ نَفْعِ حَلْفِهِمْ فِى الْاٰخِرَةِ كَالدُّنْيَا اَلَآ

اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ اِسْتَوْلٰى عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ بِطَاعَتِهِمْ لَهٗ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ

حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ط اَتْبَاعُهٗ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ يُخَالِفُوْنَ اللّٰهَ وَ

رَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ اَلْمَغْلُوْبِيْنَ كَتَبَ اللّٰهُ فِى اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اَوْ قَضٰى لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ

رُسُلِيْ ط بِالْحُجَّةِ اَوِ السَّيْفِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

يُوَآدُّوْنَ يُصَادِقُوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اَىِ الْمُحَادُّوْنَ اٰبَآءَهُمْ اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْ

اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط بَلْ يَقْصِدُوْنَهُمْ بِالسُّوْءِ وَ يُقَاتِلُوْنَهُمْ عَلَى الْاِيْمَانِ كَمَا وَقَعَ

لِجَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَا يُوَادُّوْنَهُمْ كَتَبَ اَثْبَتَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ

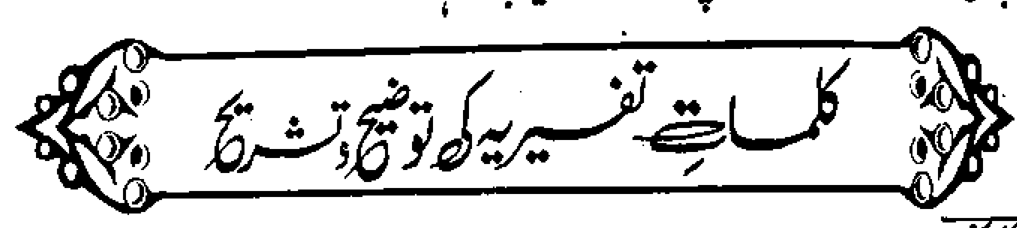
بِنُوْرٍ مِّنْهُ ط تَعَالٰى وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

بِطَاعَتِهٖ وَ رَضُوْا عَنْهُ ط بِثَوَابِهٖ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ط يَتَّبِعُوْنَ اَمْرَهٗ وَ يَجْتَنِبُوْنَ نَهْيَهٗ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ الْفَائِزُوْنَ ع ۳

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی (یعنی منافقین) جو ایسے لوگوں (یہود) سے دوستی کرتے ہیں۔ جن پر اللہ نے غضب کیا ہے۔ یہ لوگ (منافقین) نہ تو تم میں ہیں (مومنین میں) اور نہ ان میں ہیں (یعنی یہود میں بلکہ وہ ڈانواڈول ہیں) اور جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں (یعنی اس پر کہ وہ مومنین ہیں) اور وہ جانتے ہیں (کہ وہ اس بات میں جھوٹے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے بے شک وہ بڑے بڑے کام (گناہ) کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو (اپنی مال و جان کی حفاظت کے لئے) سپر بنا رکھا ہے۔ پھر (ان قسموں کے ذریعہ مسلمانوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں (جہاد سے قتل کر کے مال لوٹ کر) سو ان کے لئے ذلت (اہانت) کا عذاب ہونے والا ہے۔ ان کے مال و اولاد اللہ (کے عذاب) سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (آپ یاد کیجئے) اس روز کو جب اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا۔ سو یہ اس کے حضور بھی قسمیں کھائیں گے (کہ وہ مومن ہیں) جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اور یوں سمجھیں گے ہم بڑی عمدہ حالت میں ہیں (دنیا کی طرح آخرت میں بھی قسم کھانے سے فائدہ ہو جائے گا) خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے پورا تسلط (قابو) کر لیا ہے (شیطان کی پیروی کرنے سے) سو اس نے ان کو خدا کی یاد

بھلادی۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ (پیروکار) ہیں۔ خوب سن لو کہ یہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ سخت ذلیل (شکست خوردہ) لوگوں میں ہیں۔ اللہ نے یہ بات لکھ دی۔ (لوح محفوظ میں یہ فیصلہ فرمادیا) کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے (دلیل سے یا تلوار کے ذریعہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ طاقتور زبردست ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان (یقین) رکھتے ہیں۔ آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ ورسول کے برخلاف ہیں گو وہ (مخالفین) باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں (مسلمانوں کے۔ بلکہ وہ ایمان کی رو سے ان کو نقصان پہنچانے اور قتل کرنے کی ٹھانے ہوئے رہتے ہیں۔ جیسا کہ صحابہ میں سے بہت سوں نے کر دکھایا ہے) ان لوگوں کے دلوں میں (جو اپنے عزیزوں سے بے تعلق ہو گئے) اللہ نے ایمان ثبت کردیا ہے۔ اور ان کو مضبوط کردیا ہے۔ اپنے فیض (نور) سے اور ان کو باغات میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ (ان کی فرمانبرداری کی وجہ سے) ان سے راضی ہوگا۔ اور وہ (اس کے ثواب سے) راضی ہوں گے۔ یہ اللہ کا گروہ ہے (اس کے حکم کی پابندی اور ان کی ممانعت سے پرہیز کرتے ہیں) خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا (کامیاب) ہے۔



قوله: تَوَلَّوْا هُمْ: یعنی موالات مراد ہے۔

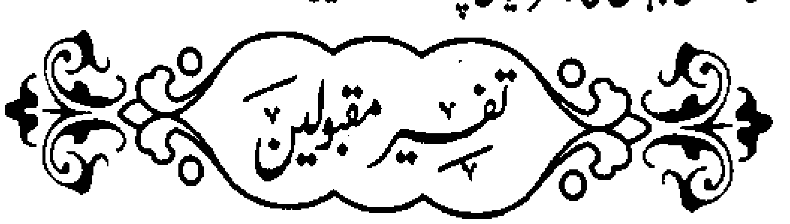
قوله: هُمُ الْكٰذِبُوْنَ: جھوٹ میں انتہاء کو پہنچنے والے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی بولنے میں باقی نہیں رکھتے۔

قوله: فِي الْاَذَلِّيْنَ: من جملہ ان لوگوں میں سے کردیا جائے گا جو مخلوق خدا میں ذلیل تر ہیں۔

قوله: يُوَآدُّوْنَ: ان سے دوستی مناسب نہیں۔

قوله: بِرُوْحٍ مِّنْهُ: یہ نور قلبی یا نور قرآن یا دشمنوں کے خلاف نور نصرت ہے۔

قوله: الْفَائِزُوْنَ: یعنی دونوں جہاں کی کامرانیاں پانے والے ہیں۔



اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ....

دوغلے لوگوں کا کردار:

منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ اپنے دل میں یہود کی محبت رکھتے ہیں گو وہ اصل میں ان کے بھی حقیقی ساتھی نہیں ہیں

حقیقت میں نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے ہیں صاف جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں، ایمانداروں کے پاس آ کر ان کی سے کہنے لگے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر قسمیں کھا کر اپنی ایمانداری کا یقین دلاتے ہیں اور دل میں اس کے خلاف جذبات پاتے ہیں اور اپنی اس غلط گوئی کا علم رکھتے ہوئے بے دھڑک قسمیں کھا لیتے ہیں، ان کی ان بداعمالیوں کی وجہ سے انہیں سخت تر عذاب ہوں گے اس دھوکہ بازی کا برابر بدلہ انہیں دیا جائے گا یہ تو اپنی قسموں کو اپنی ڈھالیں بنائے ہوئے ہیں اور اللہ کی راہ سے رک گئے ہیں، ایمان ظاہر کرتے ہیں کفر دل میں رکھتے ہیں اور قسموں سے اپنی باطنی بدی کو چھپاتے ہیں اور ناواقف لوگوں پر اپنی سچائی کا ثبوت اپنی قسموں سے پیش کر کے انہیں اپنا مداح بنا لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں، چونکہ انہوں نے جھوٹی قسموں سے اللہ تعالیٰ کے پر از صد ہزار تکریم نام کی بے عزتی کی تھی اس لئے انہیں ذلت واہانت والے عذاب ہوں گے جن عذابوں کو نہ ان کے مال دفع کر سکیں نہ اس وقت ان کی اولاد انہیں کچھ کام دے سکے گی یہ تو جہنمی بن چکے اور وہاں سے ان کا نکلنا بھی کبھی نہ ہوگا۔ قیامت والے دن جب ان کا حشر ہوگا اور ایک بھی اس میدان میں آئے بغیر نہ رہے گا سب جمع ہو جائیں گے تو چونکہ زندگی میں ان کی عادت تھی کہ اپنی جھوٹ بات کو قسموں سے سچ بات کر دکھاتے تھے آج اللہ کے سامنے بھی اپنی ہدایت واستقامت پر بڑی بڑی قسمیں کھالیں گے اور سمجھتے ہوں گے کہ یہاں بھی یہ چالاکی چل جائے گی مگر ان جھوٹوں کی بھلا اللہ کے سامنے چال بازی کہاں چل سکتی ہے؟ وہ تو ان کا جھوٹا ہونا یہاں بھی مسلمانوں سے بیان فرما چکا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے حجرے کے سائے میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام بھی آس پاس بیٹھے تھے سایہ دار جگہ کم تھی بمشکل لوگ اس میں پناہ لئے بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا دیکھو ابھی ایک شخص آئے گا جو شیطانی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا تھوڑی دیر میں ایک کیری آنکھوں والا شخص آیا حضور ﷺ نے اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا کیوں بھئی تو اور فلاں اور فلاں مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو؟ یہ یہاں سے چلا گیا اور جن جن کا نام حضور ﷺ نے لیا تھا انہیں لے کر آیا اور پھر تو قسموں کا تانتا باندھ دیا کہ ہم میں سے کسی نے حضور ﷺ کی کوئی بے ادبی نہیں کی۔ اس پر یہ آیت اتری کہ یہ جھوٹے ہیں۔ یہی حال مشرکوں کا بھی دربار الٰہی میں ہوگا، قسمیں کھا جائیں گے کہ ہمیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے کہ ہم نے شرک نہیں کیا۔ پھر فرماتا ہے ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے اور ان کے دل کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے یاد اللہ ذکر اللہ سے انہیں دور ڈال دیا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس کسی بستی یا جنگل میں تین شخص بھی ہوں اور ان میں نماز نہ قائم کی جاتی ہو تو شیطان ان پر چھا جاتا ہے پس تو جماعت کو لازم پکڑے رہ، بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو۔ حضرت سائب فرماتے ہیں یہاں مراد جماعت سے نماز کی جماعت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کے ذکر کو فراموش کرنے والے اور شیطان کے قبضے میں پھنس جانے والے شیطانی جماعت کے افراد ہیں، شیطان کا یہ لشکر یقیناً نامراد اور زیاں کار ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ....

مسلمان کی دلی دوستی کسی کافر سے نہیں ہوسکتی:

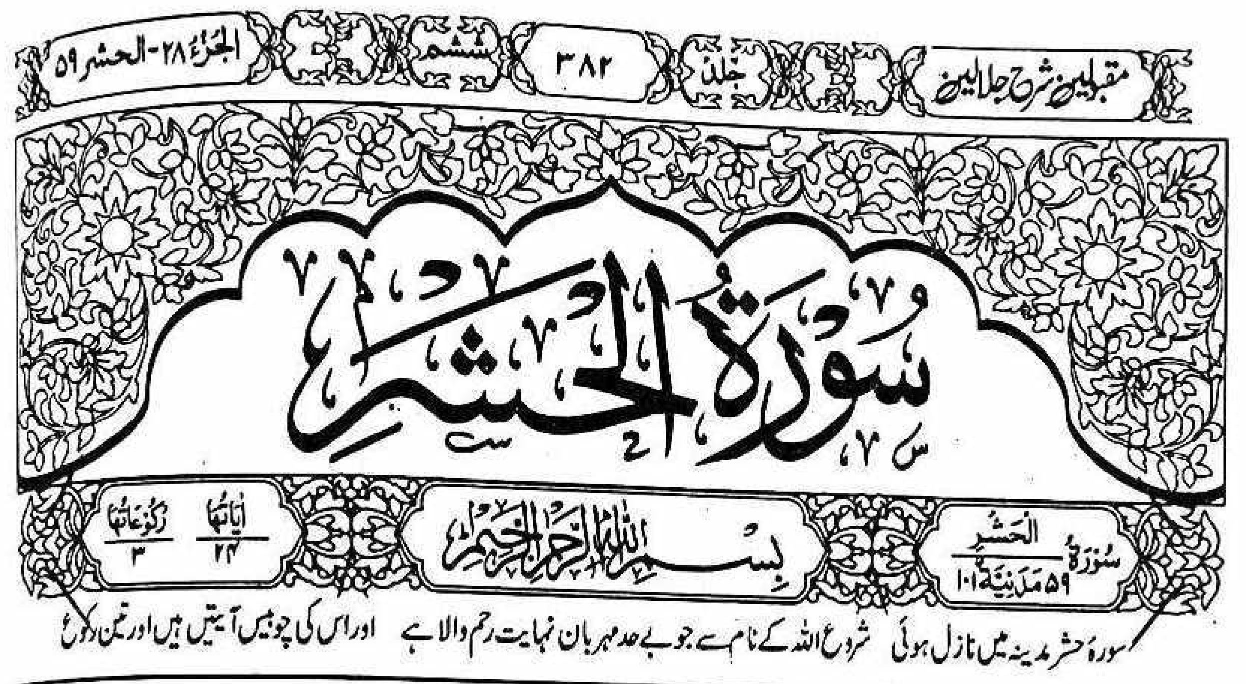
پہلی آیات میں کفار و مشرکین سے دوستی کرنے والوں پر غضب الٰہی اور عذاب شدید کا ذکر تھا، اس آیت میں مومنین مخلصین کا حال ان کے مقابل بیان فرمایا کہ وہ کسی ایسے شخص سے دوستی اور دلی تعلق نہیں رکھتے جو اللہ کا مخالف یعنی کافر ہے، اگرچہ وہ ان کا باپ یا اولاد یا بھائی یا اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

صحابہ کرام سب ہی کا حال یہ تھا، اس جگہ مفسرین نے بہت سے صحابہ کرام کے واقعات ایسے بیان کئے ہیں جن میں باپ بیٹے، بھائی وغیرہ سے جب کوئی بات اسلام یا رسول اللہ ﷺ کے خلاف سنی تو سارے تعلقات کو بھلا کر ان کو سزا دی بعض کو قتل کیا۔

عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے عبداللہ کے سامنے اس کے منافق باپ نے حضور کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے باپ کو قتل کردوں، آپ نے منع فرمادیا، حضرت ابوبکر کے سامنے ان کے باپ ابوقحافہ نے حضور کی شان میں کچھ کلمہ گستاخانہ کہہ دیا تو ارحم امت صدیق اکبر کو اتنا غصہ آیا کہ زور سے طمانچہ رسید کیا جس سے ابوقحافہ گر پڑے، آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے والد جراح غزوہ احد میں کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آئے تو میدان جہاد میں وہ بار بار حضرت ابوعبیدہ کے سامنے آتے وہ ان کے درپے تھے یہ سامنے سے ٹل جاتے جب انہوں نے یہ صورت اختیار کئے رکھی تو ابوعبیدہ نے ان کو قتل کردیا، یہ اور ان کے امثال بہت سے واقعات صحابہ کرام کے پیش آئے، ان پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔ (قرطبی)

مسئلہ: بہت سے حضرت فقہاء نے یہی حکم فساق و فجار اور دین سے عملاً منحرف مسلمان کا قرار دیا ہے کہ ان کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی نہیں ہوسکتی، کام کاج کی ضرورتوں میں اشتراک یا مصاحبت بقدر ضرورت الگ چیز ہے، دل میں دوستی کسی فاسق و فاجر کی اسی وقت ہوگی جبکہ فسق و فجور کے جراثیم خود اس کے اندر موجود ہوں گے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے اَللّٰھم لاتجعل لفاجر علی یدا، یعنی یا اللہ مجھ پر کسی فاجر آدمی کا احسان نہ آنے دیجئے، کیونکہ شریف النفس انسان اپنے محسن کی محبت پر طبعاً مجبور ہوتا ہے اس لئے فساق و فجار کا احسان قبول کرنا جو ذریعہ ان کی محبت کا بنے آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی پناہ مانگی۔ (قرطبی)

وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ، یہاں روح کی تفسیر بعض حضرات نے نور سے کی ہے جو منجانب اللہ مومن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عمل صالح کا اور قلب کے سکون و اطمینان کا ذریعہ ہوتا ہے اور یہ سکون و اطمینان ہی بڑی قوت ہے اور بعض حضرات نے روح کی تفسیر قرآن اور دلائل قرآن سے کی ہے وہی مومن کی اصل طاقت و قوت ہے۔ (قرطبی) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم



سورہ حشر مدینہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی چوبیس آیتیں ہیں اور تین رکوع

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ اَیْ نَزَّهَهٗ فَاللَّامُ مَزِیْدَةٌ وَفِی الْاِتْیَانِ بِمَا تَغْلِیْبٌ لِلْاَکْثَرِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ فِیْ مُلْکِهٖ وَصُنْعِهٖ هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ هُمْ بَنُو النَّضِیْرِ مِنَ الْیَهُوْدِ مِنْ دِیَارِهِمْ مَسَاکِنِهِمْ بِالْمَدِیْنَةِ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ هُوَ حَشْرُهُمْ اِلَی الشَّامِ وَاٰخِرُهٗ اَنْ جَلَاهُمْ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فِیْ خِلَافَتِهٖ اِلٰی خَیْبَرَ مَا ظَنَنْتُمْ اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ خَبَرُ اَنَّ حُصُوْنُهُمْ فَاعِلُهٗ بِهٖ تَمَّ الْخَبَرُ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ اَمْرُهٗ وَعَذَابُهٗ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ لَمْ یَخْطُرْ بِبَالِهِمْ مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَقَذَفَ اَلْقٰی فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ بِسُکُوْنِ الْعَیْنِ وَضَمِّهَا الْخَوْفُ بِقَتْلِ سَیِّدِهِمْ کَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ یُخْرِبُوْنَ بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ مِنْ اَخْرَبَ بُیُوْتَهُمْ لِیَنْقُلُوْا مَا اسْتَحْسَنُوْهُ مِنْهَا مِنْ خَشَبٍ وَغَیْرِهٖ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ کَتَبَ اللّٰهُ قَضٰی عَلَیْهِمُ الْجَلَآءَ الْخُرُوْجَ مِنَ الْوَطَنِ لَعَذَّبَهُمْ فِی الدُّنْیَا ؕ بِالْقَتْلِ وَالسَّبْیِ کَمَا فُعِلَ بِقُرَیْظَةَ مِنَ الْیَهُوْدِ وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا خَالَفُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ یُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ لَهٗ مَا قَطَعْتُمْ یَا مُسْلِمِیْنَ مِّنْ لِّیْنَةٍ نَخْلَةٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓی اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ اَیْ خَیَّرَکُمْ فِیْ ذٰلِکَ وَلِیُخْزِیَ بِالْاِذْنِ فِی الْقَطْعِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ اَلْیَهُوْدَ فِیْ اعْتِرَاضِهِمْ بِاَنَّ قَطْعَ الشَّجَرِ الْمُثْمِرِ فَسَادٌ وَمَآ اَفَآءَ رَدَّ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ اَسْرَعْتُمْ یَا مُسْلِمِیْنَ عَلَیْهِ مِنْ زَائِدَةٌ خَیْلٍ وَّلَا

رِکَابِ اِبِلٍ اَیْ لَمْ تُقَاسُوْا فِیْهِ مَشَقَّةً وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ فَلَا حَقَّ لَكُمْ فِیْهِ وَ یَخْتَصُّ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ ذُكِرَ مَعَهٗ فِی الْاٰیَةِ الثَّانِیَةِ مِنَ الْاَصْنَافِ الْاَرْبَعَةِ عَلٰی مَا كَانَ یَقْسِمُهٗ مِنْ اَنَّ لِكُلٍّ مِّنْهُمْ خُمُسَ الْخُمُسِ وَلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْبَاقِیْ یَفْعَلُ فِیْهِ مَا یَشَاءُ فَاَعْطٰی مِنْهُ الْمُهَاجِرِیْنَ وَ ثَلَاثَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ لِفَقْرِهِمْ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی كَالصَّفْرَاءِ وَوَادِی الْقُرٰی وَیَنْبُعَ فَلِلّٰهِ یَاْمُرُ فِیْهِ بِمَا یَشَآءُ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی صَاحِبِ الْقُرْبٰی قَرَابَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ وَبَنِی الْمُطَّلِبِ وَ الْیَتٰمٰی اَطْفَالِ الْمُسْلِمِیْنَ الَّذِیْنَ هَلَكَتْ اٰبَاؤُهُمْ وَهُمْ فُقَرَاءُ وَ الْمَسٰكِیْنِ ذَوِی الْحَاجَةِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ الْمُنْقَطِعِ فِیْ سَفَرِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَیْ یَسْتَحِقُّهُ النَّبِیُّ وَالْاَرْبَعَةُ عَلٰی مَا كَانَ یَقْسِمُهٗ مِنْ اَنَّ لِكُلٍّ مِّنَ الْاَرْبَعَةِ خُمُسَ الْخُمُسِ وَلَهُ الْبَاقِیْ كَیْ لَا كَیْ بِمَعْنَی اللَّامِ وَاَنْ مُقَدَّرَةٌ بَعْدَهَا یَكُوْنَ الْفَیْءُ عِلَّةَ الْقِسْمَةِ كَذٰلِكَ دُوْلَةًۢ مُتَدَاوِلًا بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَ مَآ اٰتٰىكُمُ اَعْطَاكُمُ الرَّسُوْلُ مِنَ الْفَیْءِ وَغَیْرِهٖ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَآءِ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَیْ اَعْجَبُوْا الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ فِیْ اِیْمَانِهِمْ وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ الْمَدِیْنَةَ وَ الْاِیْمَانَ اَیْ اَلِفُوْهُ وَهُمُ الْاَنْصَارُ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً حَسَدًا مِّمَّآ اُوْتُوْا اَیْ اٰتَی النَّبِیُّ الْمُهَاجِرِیْنَ مِنْ اَمْوَالِ بَنِی النَّضِیْرِ الْمُخْتَصَّةِ بِهٖ وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۟ حَاجَةٌ اِلٰی مَا یُؤْثِرُوْنَ بِهٖ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ حِرْصَهَا عَلَی الْمَالِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

ع ۱

ترجمہ: اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہیں (اللہ کی پاکیزگی، لام زائد ہے اور مآ کثرت کی تغلیب کرتے ہوئے لایا گیا) اور وہ زبردست حکمت والا ہے (اپنے ملک اور کاریگری میں) وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو (یہود میں سے بنونضیر کو) ان کے گھروں (مدینہ کی رہائش گاہوں) سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا۔ (یہ اخراج شام کی طرف ہوا۔ پھر آخر کار عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں۔ ان کو خیبر میں جلاوطن کر دیا) تمہارا گمان بھی نہ تھا (اے مسلمانو!) کہ وہ نکلیں گے اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کو بچالیں گے (ان کی خبر ہے) ان کے قلعے (یہ فاعل ہے جس سے خبر پوری ہوگی) اللہ (کے عذاب) سے سو اللہ (کا حکم اور عذاب) ان پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا۔ (مسلمانوں کی طرف سے انہیں وہم بھی نہ تھا) اور ان کے دلوں میں رعب بٹھا دیا (ڈال دیا۔ رعب، سکون عین اور ضمہ عین کے ساتھ بمعنی خوف ان کے سرکردہ کعب بن اشرف کو قتل کر کے) وہ اجاڑ رہے تھے (تشدید اور تخفیف کے ساتھ اخرب سے ماخوذ ہے) اپنے گھروں کو (تا کہ جو اچھی چیزیں لکڑیاں وغیرہ لے جا سکیں) خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی، سوائے دانشورو عبرت حاصل کرو اور اللہ اگر ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا (وطن سے نکالنا) نہ لکھ چکا ہوتا (فیصلہ کر چکا ہوتا) تو ان کو دنیا ہی میں سزا دے دیتا (قتل اور گرفتار کرا کر، جیسا کہ یہود قریظہ کے ساتھ کیا گیا) اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دینے والا ہے۔ کھجوروں کے درخت (اے مسلمانو!) تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا۔ سو خدا ہی کے حکم سے ہے (اسی نے تم کو اجازت دی ہے) اور تا کہ (کاٹنے کی اجازت دے کر) کافروں کو ذلیل کرے (یہود کو ان کی اس نکتہ چینی کے جواب میں کہ پھل دار درخت کو کاٹنا پاپ ہے) اور جو اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوا دیا۔ سو تم نے نہ گھوڑے دوڑائے تھے (اے مسلمانو! مِن زائد ہے) اور نہ اونٹ (یعنی تم نے اس سلسلہ میں کوئی محنت برداشت نہیں کی تھی) لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے (لہٰذا تمہارا اس میں کچھ حق نہیں بیٹھتا۔ بلکہ وہ حضورؐ کیلئے مخصوص ہے اور آپ کے ساتھ ان لوگوں کے لئے جن کا ذکر دوسری آیت میں آرہا ہے۔ یعنی چار قسمیں جن پر آپ نے تقسیم فرمایا کہ ان میں سے ہر قسم کو پانچویں حصہ میں سے پانچواں مرحمت فرمادیا۔ باقی آپ کا ہے آپ جو چاہیں کریں۔ **ترجمہ:** چنانچہ کچھ مہاجرین اور تین انصار کو ان کی غربت کی وجہ سے آپ نے عطا کیا) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے دلوایا (جیسے صفراء وادی القریٰ، ینبع کے رہنے والوں سے) وہ اللہ کا حق ہے (جیسا چاہے حکم دے) اور رسول کا اور قرابت داروں کا (آنحضرتؐ کے رشتہ دار بنی ہاشم اور بنی مطلب مراد ہیں) اور یتیموں کا (مسلمانوں کے وہ بچے جن کے باپ مر گئے اور وہ غریب ہیں) اور غریبوں (مسلمان حاجت مندوں) کا اور مسافروں کا ہے (جو مسلمان سفر میں ساتھیوں سے بچھڑ جائیں۔ یعنی آنحضرتؐ اور چاروں قسمیں جن کو آنحضرتؐ نے مرحمت فرمایا۔ یعنی ان چار قسموں کو خمس الخامس دیا اور باقی خود رکھا) تا کہ (کَی بمعنی

لام ہے۔اس کے بعد ان مقدر ہے) وہ قبضہ میں نہ آ جائے تمہارے دولتمندوں کے اور رسول جو کچھ تم کو عنایت (عطا) فرمادیا کریں (فئی وغیرہ میں سے) وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیا کریں، تم رک جایا کرو۔اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ان حاجت مندوں کے لئے (اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے۔یعنی تعجب کرو) جو مہاجرین اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے۔وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طلب گار ہیں۔اور وہ اللہ ورسول کی مدد کرتے ہیں۔یہی لوگ سچے ہیں (ایمان کے لحاظ سے) اور ان لوگوں کے لئے جو دارالاسلام (مدینہ) اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے ہیں (یعنی انہیں اس سے الفت ہے۔انصار مراد ہیں) ان سے پہلے ان کے پاس جو ہجرت کر کے آتا ہے وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے (یعنی آنحضرتؐ نے اپنے خاصۃ بنونضیر میں سے جو کچھ مہاجرین کو عنایت فرمادیا) اور انہیں اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو (ایثار کی ہوئی چیز کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو) اور جو شخص طبعی بخل (حرص مالی) سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ان کے بعد آئے (مہاجرین وانصار کے بعد قیامت تک) جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ (عداوت) نہ ہونے دیجئے۔اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق ورحیم ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: لِاَوَّلِ الْحَشْرِ : یعنی جزیرہ عرب سے پہلے حشر میں۔حشر: ایک گروہ کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔

قوله: اَنْ يَّخْرُجُوْا: ان کے جنگجو اور محفوظ ہونے کی وجہ سے۔

قوله: بِالْقَتْلِ: آپ نے کعب بن اشرف یہودی کو اس کے معاندانہ رویہ اور گستاخانہ سازشوں کی وجہ سے قتل کا حکم دیا۔

قوله: مِّنْ لِّيْنَةٍ : جمع لیان۔عمدہ کھجور۔

قوله: لِيُخْزِيَ : یہ محذوف کی علت ہے ای فعلتم یاتم کو کاٹنے کی اجازت ان کو رسواء کرنے کے لیے دی۔

قوله: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ: جو اموال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف لوٹائے۔یہ لام صیرورت کے معنیٰ میں ہے۔

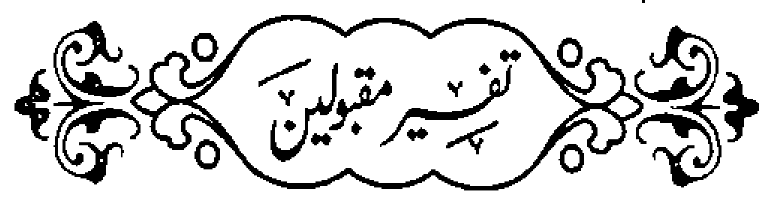
قوله: لم تقاسوا: اس کے لیے کوئی جنگ نہیں کرنا پڑی۔

قوله: وثلاثة فقراء: ابودجانہؓ، سہیل بن حنیفؓ، حارث بن صمہؓ۔

قوله: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ: یہ پہلے کا اَفَآءَ اللّٰهُ کا بیان ہے۔

قوله: يَكُوْنَ: تا کہ فقراء کا حق ان کو پہنچے۔

قوله: اَلْقُوْهُ: اس سے اشارہ کیا کہ ایمان کا لفظ فعل محذوف سے منصوب ہے۔
قوله: يُحِبُّوْنَ: وہ محبت کرتے ہیں، ان پر گراں بار نہیں۔
قوله: مِنْۢ بَعْدِهِمْ: اسلام کے مضبوط ہونے کے بعد۔



حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس سورت کو سورۃ بنی النضیر بھی کہا کرتے تھے اس وجہ سے کہ اس سورۃ میں بنونضیر کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے۔

حشر کے معنی لغت میں جلاوطنی کے ہیں تو اس سورت میں یہودیوں کی جلاوطنی اور ذلت وخواری کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح مدینہ اور مضافات مدینہ سے جلاوطن کئے گئے جو قدرت خداوندی کا عظیم کرشمہ تھا کہ اس نے اپنے رسول کو ان پر تسلط اور غلبہ عطا فرمایا، اسی مناسبت سے اس سورت کا آغاز حق تعالیٰ نے اپنی تسبیح وتقدیس سے فرمایا اور اختتام بھی تسبیح وتنزیہ پر فرمایا اور سورت کے اختتام پر اپنی صفات کمال وجلال کو بھی ذکر فرمادیا تا کہ اللہ رب العزت کی کمال قدرت اور کمال حکمت ظاہر ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور زہری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ اور مضافات مدینہ میں بسنے والے یہود سے صلح ومعاہدہ فرمالیا تھا معاہدہ کی اصل بنیاد یہ تھی کہ نہ رسول اللہ ﷺ ان کے خلاف کوئی اقدام فرمائیں گے نہ خود قتال کریں گے اور نہ کسی قتال کرنے والی قوم کی مدد کریں گے، اسی طرح یہودی نہ قتال کریں گے اور نہ قتال کرنے والی کسی قوم کی مدد کریں گے مگر یہودیوں نے فوراً نقض عہد کیا قریش مکہ سے ساز باز شروع کی اور ان کو جنگ پر آمادہ کیا، ان کا ایک بڑا سردار کعب بن الاشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچا اور بیت اللہ کے سامنے قریش مکہ سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا معاہدہ کیا۔

غزوۂ احد کے بعد ان یہودیوں کی خباثت ورعونت میں اور اضافہ ہو گیا جب یہ دیکھا کہ احد میں مسلمانوں کو پریشانی اٹھانی پڑی اور بظاہر شکست کی صورت پیش آئی تو اپنی سازشیں اور زائد کر دیں حتی کہ ایک مرتبہ جب آنحضرت ﷺ کسی خون بہا کے ادا کرنے کے سلسلہ میں بنونضیر کے یہود کے یہاں تشریف لے گئے تو ان خبیثوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ آپ ﷺ جس جگہ تشریف فرما ہوں وہاں اوپر سے بڑے بڑے پتھر گرا کر آپ ﷺ کا اور آپ کے چند رفقاء کا خاتمہ کر دیا جائے جس پر اللہ نے بذریعہ وحی آپ کو مطلع کر دای اور آپ وہاں سے اٹھ کر واپس آ گئے۔

ان واقعات کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ اب ہمارا اور تمہارا کوئی عہد باقی نہ رہا اور تم یہاں سے نکل جاؤ ورنہ پھر جہاد وقتال ہے ان مغروروں نے قریش سے خفیہ معاہدہ اور در پردہ منافقوں کے تعاون کے دھوکہ میں اپنے احاطوں اور قلعوں کے دروازے بند کر لیے اور سمجھے کہ ان محفوظ قلعوں سے ہمیں کوئی نکال نہیں سکتا، آنحضرت ﷺ نے کچھ صحابہ کو لے کر انکا محاصرہ کر لیا جب یہودی اپنے مکانوں اور قلعوں میں محصور ہو گئے تو مرعوب وخوفزدہ ہو کر صلح کی التجا کی۔

آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ اپنے یہ علاقے خالی کر دیں یہ زمین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے کسی کی جان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور جو کچھ مال واسباب کوئی ساتھ لے جاسکتا ہے لے جائے مگر اب یہاں کسی طرح نہیں رہ سکتا۔ محاصرہ کے دوران ان کے باغات وکھیتوں کو کاٹا اور جلایا بھی گیا اس طرح اس قوم بنونضیر کو پہلی مرتبہ جلاوطن کیا گیا اور اریحاء و تیما شام کے علاقوں میں جا کر بسے اور کچھ یہودی جیسے ابوالحقیق اور حیی بن اخطب خیبر چلے گئے اور یہ زمین و باغات مہاجرین وانصار کو تقسیم کیے گئے، تو اس سورۃ مبارکہ میں بنونضیر کی جلاوطنی انکی ذلت وشکست کا ذکر ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ سے کس طرح ان کو ان کی زمینوں قلعوں اور باغات سے نکالا اور مسلمانوں کو ان کی زمینوں کا وارث بنایا جب کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ ہم حشر تک اپنی زمینیں نہیں چھوڑیں گے خدا تعالیٰ نے انہی کا حشر اور جلاوطنی کا منظر انکو دکھلا دیا اس وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ حشر مقرر ہوا۔ (صحیح بخاری، تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، قرطبی)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ .....

یہودیوں کی مصیبت اور ذلت اور مدینہ منورہ سے جلاوطنی:

یہاں سے سورۃ الحشر شروع ہو رہی ہے حشر عربی میں جمع کرنے کو کہتے ہیں اپنی جگہ چھوڑ کر جب کسی جگہ کوئی قوم جمع ہو جائے اس کو حشر کہا جاتا ہے قیامت کے دن کو بھی حشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ دنیا کے مختلف اطراف واکناف کے لوگ جمع ہوں گے۔ یہاں اول الحشر سے یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا مدینہ منورہ سے نکالا جانا اور خیبر میں جمع ہونا مراد ہے۔ جو مدینہ منورہ سے سومیل کے فاصلہ پر شام کے راستہ میں پڑتا ہے ان لوگوں کا یہ ترک وطن رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوا تھا پھر دوبارہ ان کو حضرت عمرؓ نے خیبر سے بھی نکال دیا اور شام کے علاقہ اریحاء اور تیماء اور اذرعات میں جا کر بس گئے تھے، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اول الحشر سے ان کا پہلی بار مدینہ منورہ سے نکل جانا مراد ہے اور حشر ثانی سے وہ اخراج مراد ہے جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا، اسی لفظ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ کی وجہ سے اس سورۃ کو سورۃ الحشر کہا جاتا ہے اور چونکہ اس میں بنی نضیر کے اخراج کا ذکر ہے اس لیے حضرت ابن عباسؓ اس کو سورۃ بنی نضیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

شروع سورت میں یہ بیان فرمایا کہ آسمانوں اور زمین پر جو کچھ ہے سب اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کرتے ہیں پھر یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے زبردست ہے غلبہ والا ہے اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا اور حکیم بھی ہے وہ حکمت کے مطابق اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے تین قبیلے موجود تھے:

(۱) قبیلہ بنی نضیر (۲) قبیلہ بنی قریظہ (۳) قبیلہ بنی قینقاع

یہ قبیلے ذرا قوت والے تھے آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہود نے آپ سے معاہدہ کر لیا تھا کہ ہم آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور اگر کوئی فریق حملہ آور ہوگا تو آپ کے ساتھ مل کر اس کا دفاع کریں گے پھر ان لوگوں نے معاہدہ کو توڑ دیا قبیلہ بنی قریظہ کا انجام سورۃ الاحزاب کے رکوع نمبر ۳ میں گزر چکا ہے اور قبیلہ قینقاع کا انجام سورۃ آل عمران کی آیت

شریفہ: قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور اسی سورت کے دوسرے رکوع میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا ذکر آئے گا، یہاں ان آیات میں قبیلہ بنی نضیر کا ذکر ہے۔

قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا سبب:

۲ ہجری میں غزوہ بدر کا اور ۳ ہجری میں غزوہ احد کا واقعہ پیش آیا اور قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ کسی نے غزوہ احد سے پہلے اور کسی نے غزوہ احد کے بعد لکھا ہے واقعہ یوں ہوا کہ قبیلہ بنی عامر کے دو شخصوں کی دیت کے بارے میں یہود بنی نضیر کے پاس آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ ان دو شخصوں کو عمرو بن امیہ نے قتل کر دیا تھا آنحضرت سرور دو عالم ﷺ کو ان کی دیت ادا کرنی تھی آپ نے بنی نضیر سے فرمایا کہ دیت کے سلسلہ میں مدد کرو، ان لوگوں نے کہا آپ تشریف رکھیے ہم مدد کریں گے، ایک طرف تو آپ سے یہ بات کہی اور آپ کو اپنے گھروں کی ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا کر یہ مشورہ کرنے لگے کہ اس سے اچھا موقع نہیں مل سکتا کوئی شخص اس دیوار پر چڑھ جائے اور ایک پتھر پھینک دے ان کی موت ہو جائے تو ہمارا ان سے چھٹکارا ہو جائے، ان میں سے ایک شخص عمرو بن جحاش تھا اس نے کہا یہ کام میں کر دوں گا وہ پتھر پھینکنے کے لیے اوپر چڑھا اور ادھر رسول اللہ ﷺ کو ان کے مشورہ کی آسمان سے خبر آ گئی کہ ان لوگوں کا ایسا ایسا ارادہ ہے آپ کے ساتھ حضرات ابوبکر، عمر، علی رضی اللہ عنہم بھی تھے آپ جلدی سے اٹھے اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر مدینہ منورہ تشریف لے گئے شہر میں تشریف لا کر آپ نے اپنے صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کے پاس بھیجا کہ ان سے کہہ دو کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ، آپ کی طرف سے تو یہ حکم پہنچا اور منافقین نے ان کی کمر ٹھونکی اور ان سے کہا کہ تم یہاں سے مت جانا اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور اگر تمہارے ساتھ جنگ ہوئی تو ہم بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے (اس کا ذکر سورت کے دوسرے رکوع میں ہے) اس بات سے یہود بنی نضیر کے دلوں کو وقتی طور پر تقویت ہوگئی اور انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم نہیں نکلیں گے جب ان کا یہ جواب پہنچا تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو جنگ کی تیاری کا اور ان کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا آپ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو امیر مدینہ بنا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ وہ لوگ اپنے قلعوں میں پناہ گزیں ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا جب بنی نضیر کے پاس کھانے کا سامان ختم ہو گیا اور ان کے درخت بھی کاٹ دیے اور اور جلا دیئے گئے۔ اور ادھر انتظار کے بعد منافقین کی مدد سے ناامید ہو گئے تو خود رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہمیں جلاوطن کر دیں اور ہماری جانوں کو قتل نہ کریں اور ہتھیاروں کے علاوہ جو مال ہم اونٹوں پر لے جا سکیں وہ لے جانے دیں۔ آپ نے ان کی یہ بات قبول کر لی، پہلے تو انہوں نے تڑی دی تھی کہ ہم نہیں نکلیں گے پھر جب مصیبت میں پھنسے تو خود ہی جلاوطن ہونا منظور کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور بہادری کے دعوے اور مقابلے کی ڈینگیں سب دھری رہ گئیں، آپ نے چھ دن ان کا محاصرہ فرمایا اور مورخ واقدی کا بیان ہے کہ پندرہ دن ان کا محاصرہ رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی کہ ہر تین آدمی ایک اونٹ لے جائیں جس پر نمبر وار اترتے چڑھتے رہیں۔ مورخ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ وہ لوگ اپنے گھروں کا اتنا سامان لے گئے جسے

اونٹ برداشت کر سکتے تھے۔ سامان ساتھ لے جانے کے لیے اپنے گھروں کو اور گھر کے دروازوں کو توڑ رہے تھے اور مسلمان بھی ان کے ساتھ اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ اسی کو آیت کریمہ میں: يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ سے تعبیر فرمایا ہے، یہ لوگ اونٹوں پر سے سامان لے کر روانہ ہو گئے ان میں سے بعض لوگ خیبر میں مقیم ہو گئے اور بعض شام کے علاقوں میں داخل ہو گئے جب یہ لوگ خیبر میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگ بہت خوش ہوئے اور گانوں اور باجوں سے ان کا استقبال کیا، یہ سب تفصیل حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھی ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ہم قلعوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچالیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ یہ لوگ نکلنے پر راضی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا اور خود ہی جلاوطن ہونے پر تیار ہو گئے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا۔

ان لوگوں کا ایمان قبول کرنے سے منکر ہونا اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلے کے لیے تیار ہو جانا ایسا عمل تھا کہ ان کو دنیا میں عذاب دے دیا جاتا جیسا کہ قریش مکہ بدر میں قتل کیے گئے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے لکھ دیا تھا کہ ان کو دنیا میں جلا وطنی کا عذاب دیا جائے گا (جس میں ذلت بھی ہے اور اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے توڑنا بھی ہے اور اپنے مالوں کو چھوڑ کر جانا بھی ہے) اس لیے دنیا میں اس وقت جلاوطنی کی سزا دی گئی اور آخرت میں بہرحال ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ اس مضمون کو وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ میں بیان کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ .... یعنی یہ سزا ان کو اس لیے دی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے گا سو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے، بنی قینقاع کو پہلے جلاوطن کر دیا گیا تھا اور بنی نضیر اپنے اس معاہدہ شکنی پر جلاوطن کیے گئے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا باہمی مشورہ کر کے خفیہ پروگرام بنایا تھا۔ بنی قریظہ کا حال سورۃ احزاب کے تیسرے رکوع کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے ان لوگوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر قریش مکہ اور ان کے ساتھ آنے والی جماعتوں کی مدد کی تھی۔ ان تینوں قبیلوں کے علاوہ یہود کے چھوٹے بڑے اور بھی چند قبیلے مدینہ منورہ میں آباد تھا۔ ان کے نام ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ النبی ﷺ میں لکھے ہیں۔

سارے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا ان میں قبیلہ بنی قینقاع اور قبیلہ بنو حارثہ بھی تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بنی قینقاع سے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۵۷۴ ج ۲ صحیح مسلم ص ۱۴ ج ۲)

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

یہودیوں کے متروکہ درختوں کو کاٹ دینا یا باقی رکھنا دونوں کام اللہ کے حکم سے ہوئے:

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور وہ لوگ اپنے قلعوں میں اپنے خیال میں محفوظ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا اس پر یہودیوں نے کہا کہ اے ابو القاسم آپ تو زمین میں فساد سے منع کرتے ہیں کیا یہ درختوں کا کاٹنا فساد نہیں ہے اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ بعض مہاجرین نے مسلمانوں کو منع کیا کہ کھجوروں کے درختوں کو نہ کاٹیں، کیونکہ یہ مسلمانوں کو بطور غنیمت مل جائیں گے۔ اور بعض

روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے کی اجازت دے دی تھی پھر منع فرمایا تھا اس پر صحابہؓ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا ان درختوں کو کاٹنے میں کوئی گناہ ہے یا ان کے چھوڑ دینے پر کوئی مواخذہ کی بات ہے؟
اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۳ ج ٤)

یعنی تم نے جو بھی کھجوروں کے درخت کاٹ دیے یا انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو یہ سب اللہ کی اجازت سے ہے۔ جو کام اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اور دینی ضرورت سے ہو اس میں گناہگار ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

ان کھجوروں کے کاٹنے میں جو دینی ضرورت تھی اس کو وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ میں فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ ان درختوں کے جلانے میں بد دین یہودیوں کا ذلیل کرنا بھی مقصود ہے اپنے باغوں کو جلتا ہوا دیکھ کر ان کے دل بھی جلیں گے اور ذلت بھی ہوگی اور اس کی وجہ سے قلعے چھوڑ کر ہار ماننے اور صلح کرنے پر راضی ہوں گے۔

چنانچہ یہودی یہ منظر دیکھ کر راضی ہو گئے کہ ہمیں مدینہ سے جانا منظور ہے پھر وہ مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر چلے گئے جس کا قصہ اوپر گزر رہا ہے دنیاوی سامان کی حفاظت ہو، تخریب ہو اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو تو اس میں ثواب ہی ثواب ہے گناہ کا احتمال ہی نہیں۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ ....

مال فے کی تعریف وضاحت اور حکم رسول ﷺ کی تعمیل ہی اصل ایمان ہے:

فے کس مال کو کہتے ہیں؟ اس کی صفت کیا ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ یہ سب یہاں بیان ہو رہا ہے۔ فے اس مال کو کہتے ہیں جو دشمن سے لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے، جیسے بنو نضیر کا یہ مال تھا جس کا ذکر اوپر گزر چکا کہ مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ اس پر نہیں دوڑائے تھے یعنی ان کفار سے آمنے سامنے کوئی مقابلہ اور لڑائی نہیں ہوئی بلکہ انکے دل اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی ہیبت سے بھر دیئے اور وہ اپنے قلعہ خالی کر کے قبضہ میں آ گئے، اسے فے کہتے ہیں اور یہ مال حضور ﷺ کا ہو گیا، آپ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں، پس آپ نے نیکی اور اصلاح کے کاموں میں اسے خرچ کیا جس کا بیان اس کے بعد والی اور دوسری روایت میں ہے۔ پس فرماتا ہے کہ بنو نضیر کا جو مال بطور فے کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دلوایا جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے نہ تھے بلکہ صرف اللہ نے اپنے فضل سے اپنے رسول ﷺ کو اس پر غلبہ دے دیا تھا اور اللہ پر یہ کیا مشکل ہے؟ وہ تو ہر اک چیز پر قدرت رکھتا ہے نہ اس پر کسی کا غلبہ نہ اسے کوئی روکنے والا بلکہ سب پر غالب وہی، سب اس کے تابع فرمان۔ پھر فرمایا کہ جو شہر اس طرح فتح کیے جائیں ان کے مال کا یہی حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسے اپنے قبضہ میں کریں گے پھر انہیں دیں گے جن کا بیان اس آیت میں ہے اور اس کے بعد والی آیت میں ہے، یہ ہے فے کے مال کا مصرف اور اس کے خرچ کا حکم۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بنو نضیر کے مال بطور فے کے خاص رسول اللہ ﷺ کے ہو گئے تھے آپ اس میں سے اپنے گھر والوں کو سال بھر تک کا خرچ دیتے تھے اور جو بچ رہتا اسے آلات جنگ اور سامان حرب میں خرچ کرتے۔ (سنن ومسند وغیرہ) ابوداؤد میں حضرت مالک بن اوس سے مروی ہے؟

کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے دن چڑھے بلایا میں گھر گیا تو دیکھا کہ آپ ایک چوکی پر جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا بیٹھے ہوئے ہیں، مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری قوم کے چند لوگ آئے ہیں میں نے انہیں کچھ دیا ہے تم اسے لے کر ان میں تقسیم کردو میں نے کہا اچھا ہوتا اگر جناب کسی اور کو یہ کام سونپتے آپ نے فرمایا نہیں تم ہی کرو میں نے کہا بہت بہتر، اتنے میں آپ کا داروغہ یرفا آیا اور کہا اے امیر المؤمنین میرا اور ان کا فیصلہ کیجئے یعنی حضرت علی کا، تو پہلے جو چاروں بزرگ آئے تھے ان میں سے بھی بعض نے کہا ہاں امیر المؤمنین ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور انہیں راحت پہنچایئے، حضرت مالک فرماتے ہیں اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ان چاروں بزرگوں کو ان دونوں حضرات نے ہی اپنے سے پہلے یہاں بھیجا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھہرو، پھر ان چاروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے ان چاروں نے اس کا اقرار کیا، پھر آپ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح قسم دے کر ان سے بھی یہی سوال کیا اور انہوں نے بھی اقرار کیا، پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے ایک خاصہ کیا تھا جو اور کسی کے لئے نہ تھا پھر آپ نے یہی آیت: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الحشر:۶) پڑھی اور فرمایا بنو نضیر کے مال اللہ تعالیٰ نے بطور فے کے اپنے رسول ﷺ کو دیئے تھے اللہ کی قسم نہ تو میں نے تم پر اس میں کسی کو ترجیح دی اور نہ ہی خود ہی اس میں سے کچھ لے لیا، رسول اللہ ﷺ اپنا اور اپنی اہل کا سال بھر کا خرچ اس میں سے لے لیتے تھے اور باقی مثل بیت المال کے کر دیتے تھے پھر ان چاروں بزرگوں کو اسی طرح قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں یہ معلوم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، پھر ان دونوں سے قسم دے کر پوچھا اور انہوں نے ہاں کہی۔ پھر فرمایا حضور ﷺ کے فوت ہونے کے بعد ابوبکر والی بنے اور تم دونوں خلیفہ رسول ﷺ کے پاس آئے، اے عباس تم تو اپنی قرابت داری جتا کر اپنے چچازاد بھائی کے مال میں سے اپنا ورثہ طلب کرتے تھے اور یہ بھی یعنی حضرت علی اپنا حق جتا کر اپنی بیوی یعنی حضرت فاطمہ کی طرف سے ان کے والد کے مال سے ورثہ طلب کرتے تھے جس کے جواب میں تم دونوں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر یقیناً راست گو، نیک کار، رشد و ہدایت والے اور تابع حق تھے، چنانچہ اس مال کی ولایت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کی، آپ کے فوت ہو جانے کے بعد آپ کا اور رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ میں بنا اور وہ مال میری ولایت میں رہا، پھر آپ دونوں ایک صلاح سے میرے پاس آئے اور مجھ سے اسے مانگا، جس کے جواب میں میں نے کہا کہ اگر تم اس شرط سے اس مال کو اپنے قبضہ میں کرو کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اسے خرچ کرتے تھے تم بھی کرتے رہو گے تو میں تمہیں سونپ دیتا ہوں، تم نے اس بات کو قبول کیا اور اللہ کو بیچ میں دے کر تم نے اس مال کی ولایت لی، پھر تم جواب آئے ہو تو کیا اس کے سوا کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو؟ قسم اللہ کی قیامت تک اس کے سوا اس کا کوئی فیصلہ میں نہیں کر سکتا، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم اپنے وعدے کے مطابق اس مال کی نگرانی اور اس کا صرف نہیں کر سکتے تو تم اسے پھر لوٹا دو تاکہ میں آپ اسے اسی طرح خرچ کروں جس طرح رسول اللہ ﷺ کرتے تھے اور جس طرح خلافت صدیقی میں اور آج

تک ہوتا رہا۔ مسند احمد میں ہے کہ لوگ نبی ﷺ کو اپنے کھجوروں کے درخت وغیرہ دے دیا کرتے تھے یہاں تک کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے اموال آپ کے قبضہ میں آئے تو اب آپ نے ان لوگوں کو ان کو دیئے ہوئے مال واپس دینے شروع کئے، حضرت انس کو بھی ان کے گھر والوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارا دیا ہوا بھی سب یا جتنا چاہیں ہمیں واپس کر دیں میں نے جا کر حضور ﷺ کو یاد دلایا آپ نے وہ سب واپس کرنے کو فرمایا، لیکن یہ سب حضرت ام ایمن کو اپنی طرف سے دے چکے تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ یہ سب میرے قبضے سے نکل جائے گا تو انہوں نے آ کر میری گردن میں کپڑا ڈال دیا اور مجھ سے فرمانے لگیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں حضرت ﷺ تجھے یہ نہیں دیں گے آپ تو مجھے وہ سب کچھ دے چکے حضور ﷺ نے فرمایا ام ایمن تم نہ گھبراؤ ہم تمہیں اس کے بدلے اتنا اتنا دیں گے لیکن وہ نہ مانیں اور یہی کہے چلی گئیں، آپ نے فرمایا اچھا اور اتنا اتنا ہم تمہیں دیں گے لیکن وہ اب بھی خوش نہ ہوئیں اور وہی فرماتی رہیں، آپ نے فرمایا لو ہم تمہیں اتنا اتنا اور دیں گے یہاں تک کہ جتنا انہیں دے رکھا تھا اس سے جب تقریباً دس گنا زیادہ دینے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تب آپ راضی ہو کر خاموش ہو گئیں اور ہمارا مال ہمیں مل گیا، یہ فے کا مال جن پانچ جگہوں میں صرف ہوگا یہی جگہیں غنیمت کے مال کے صرف کرنے کی بھی ہیں اور سورۃ انفال میں ان کی پوری تشریح وتوضیح کے ساتھ کامل تفسیر الحمد اللہ گزر چکی ہے اس لئے ہم یہاں بیان نہیں کرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ مال فے کے یہ مصارف ہم نے اس لئے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے کہ یہ مالداروں کے ہاتھ لگ کر کہیں ان کا لقمہ بن بن جائے اور اپنی من مانی خواہشوں کے مطابق وہ اسے اڑائیں اور مسکینوں کے ہاتھ نہ لگے۔ پھر فرماتا ہے کہ جس کام کے کرنے کو میرے پیغمبر ﷺ تم سے کہیں تم اسے کرو اور جس کام سے وہ تمہیں روکیں تم اس سے رک جاؤ۔ یقین مانو کہ جس کا وہ حکم کرتے ہیں وہ بھلائی کا کام ہوتا ہے اور جس سے وہ روکتے ہیں وہ برائی کا کام ہوتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئی اور کہا آپ گودنے سے (یعنی چہرے پر یا ہاتھوں پر عورتیں سوئی وغیرہ سے گدوا کر جو تلوں کی طرح نشان وغیرہ بنا لیتی ہیں) اس سے اور بالوں میں بال ملا لینے سے (جو عورتیں اپنے بالوں کو لمبا ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں) منع فرماتے ہیں تو کیا یہ ممانعت کتاب اللہ میں ہے یا حدیث رسول ﷺ میں؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ میں بھی اور حدیث رسول اللہ ﷺ میں بھی دونوں میں اس ممانعت کو پاتا ہوں اس عورت نے کہا اللہ کی قسم دونوں لوحوں کے درمیان جس قدر قرآن شریف ہے میں نے سب پڑھا ہے اور خوب دیکھ بھال کی ہے لیکن میں نے تو کہیں اس ممانعت کو نہیں پایا آپ نے فرمایا کیا تم نے آیت: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷) نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھی ہے۔ فرمایا (قرآن سے ثابت ہوا کہ حکم رسول ﷺ اور ممانعت رسول ﷺ قابل عمل ہیں اب سنو) خود میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے گودنے سے اور بالوں میں بال ملانے سے اور پیشانی اور چہرے کے بال نوچنے سے منع فرمایا ہے (یہ بھی عورتیں اپنی خوبصورتی ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں اور اس زمانے میں تو مرد بھی بکثرت کرتے ہیں) اس عورت نے کہا حضرت یہ تو آپ کی گھر والیاں بھی کرتی ہیں آپ نے فرمایا جاؤ دیکھو، وہ گئیں اور دیکھ کر آئیں اور کہنے لگیں حضرت معاف کیجئے غلطی ہوئی ان باتوں میں سے کوئی بات آپ کے گھرانے والیوں میں میں نے نہیں دیکھی، آپ نے فرمایا کیا تم بھول گئیں کہ اللہ کے نیک

بندے (حضرت شعیب (علیہ السلام) نے کیا فرمایا تھا: وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَآ اَنْھٰکُمْ عَنْهُ (ھود:۸۸) یعنی میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں جس چیز سے روکوں خود میں اس کا خلاف کروں، مسند احمد اور بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اس عورت پر جو گدوائے اور جو گودے اور جو اپنی پیشانی کے بال لے اور جو خوبصورتی کے لئے اپنے سامنے کے دانتوں کی کشادگی کرے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی پیدائش کو بدلنا چاہے، یہ سن کر بنو اسد کی ایک عورت جن کا نام ام یعقوب تھا آپ کے پاس آئیں اور پوچھا کہ کیا آپ نے اس طرح فرمایا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے؟ اور جو قرآن میں موجود ہے، اس نے کہا میں نے پورا قرآن جتنا بھی دونوں پٹھوں کے درمیان ہے اول سے آخر تک پڑھا ہے لیکن میں نے تو یہ حکم کہیں نہیں پایا، آپ نے فرمایا اگر تم سوچ سمجھ کر پڑھتیں تو ضرور پاتیں کیا تم نے آیت: وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا (الحشر:۷) نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھی ہے پھر آپ نے وہ حدیث سنائی، اس نے آپ کے گھر والوں کی نسبت کہا پھر دیکھ کر آئیں اور عذر خواہی کی اس وقت آپ نے فرمایا اگر میری گھر والی ایسا کرتی تو میں اس سے ملنا چھوڑ دیتا، بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اسے بجالاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو رک جاؤ، نسائی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباسؓ ما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کدو کے برتن میں، سبز ٹھلیا میں، کھجور کی لکڑی کے کریدے ہوئے برتن میں اور رال کی رنگی ہوئی ٹھلیا میں نبیذ بنانے سے یعنی کھجور یا کشمش وغیرہ کے بھگو کر رکھنے سے منع فرمایا ہے پھر اسی آیت کی تلاوت کی (یاد رہے کہ یہ حکم اب باقی نہیں ہے۔ مترجم) پھر فرماتا ہے اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے اس کے احکام کی ممنوعات سے بچتے رہو، یاد رکھو کہ اس کی نافرمانی مخالفت انکار کرنے والوں کو اور اس کے منع کئے ہوئے کاموں کے کرنے والوں کو وہ سخت سزا اور دردناک عذاب دیتا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ ....

مال فے کے حقدار:

اوپر بیان ہوا تھا کہ فے کا مال یعنی کافروں کا جو مال مسلمانوں کے قبضے میں میدان جنگ میں لڑے بھڑے بغیر آ گیا ہو اس کے مالک رسول اللہ ﷺ ہیں پھر آپ یہ مال کسے دیں گے؟ اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اس کے حق دار وہ غریب مہاجر ہیں جنہوں نے اللہ کو رضامند کرنے کے لئے اپنی قوم کو ناراض کر لیا یہاں تک کہ انہیں اپنا وطن عزیز اور اپنے ہاتھ کا مشکلوں سے جمع کیا ہوا مال وغیرہ سب چھوڑ چھاڑ کر چل دینا پڑا، اللہ کے دین اور اس کے رسول ﷺ کی مدد میں برابر مشغول ہیں، اللہ کے فضل وخوشنودی کے متلاشی ہیں، یہی سچے لوگ ہیں جنہوں نے اپنا فعل اپنے قول کے مطابق کر دکھایا، یہ اوصاف سادات مہاجرین میں تھےؓ۔ پھر انصار کی مدح بیان ہو رہی ہے اور ان کی فضیلت شرافت کرم اور بزرگی کا اظہار ہو رہا ہے، ان کی کشادہ دلی، نیک نفسی، ایثار اور سخاوت کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے مہاجرین سے پہلے ہی دار الہجرت مدینہ میں اپنی بود

د باش رکھی اور ایمان پر قیام رکھا، مہاجرین کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ ایمان لا چکے تھے بلکہ بہت سے مہاجرین سے بھی پہلے یہ ایمان دار بن گئے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر یہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے حق ادا کرتا رہے، ان کی خاطر مدارت میں کمی نہ کرے اور میری وصیت ہے کہ انصار کے ساتھ بھی نیکی اور بھلائی کرے جنہوں نے مدینہ میں جگہ بنائی اور ایمان میں جگہ حاصل کی، ان کے بھلے لوگوں کی بھلائیاں قبول کرے اور ان کی خطاؤں سے درگزر اور چشم پوشی کر لے۔ ان کی شرافت طبعی ملاحظہ ہو کر جو بھی راہ اللہ میں ہجرت کر کے آئے یہ اپنے دل میں اسے گھر دیتے ہیں اور اپنا جان و مال ان پر سے نثار کرنا اپنا فخر جانتے ہیں، مسند احمد میں ہے کہ مہاجرین نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ ہم نے تو دنیا میں ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے تھوڑے میں سے تھوڑا اور بہت میں سے بہت برابر ہمیں دے رہے ہیں، مدتوں سے ہمارا کل خرچ اٹھا رہے ہیں بلکہ ناز برداریاں کر رہے ہیں اور کبھی چہرے پر شکن بھی نہیں بلکہ خدمت کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، دیتے ہیں اور احسان نہیں رکھتے کام کاج خود کریں اور کمائی ہمیں دیں، حضور ﷺ ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا سارا کا سارا اجر انہی کو نہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک تم ان کی ثناء اور تعریف کرتے رہو گے اور ان کے لئے دعائیں مانگتے رہو گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصاریوں کو بلا کر فرمایا کہ میں بحرین کا علاقہ تمہارے نام لکھ دیتا ہوں، انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ جب تک آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ دیں ہم اسے نہ لیں گے آپ نے فرمایا اچھا اگر نہیں لیتے تو دیکھو آئندہ بھی صبر کرتے رہنا میرے بعد ایسا وقت بھی آئے گا کہ اوروں کو دیا جائے گا اور تمہیں چھوڑ دیا جائے گا، صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ انصاریوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے کھجوروں کے باغات ہم میں اور ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے آپ نے فرمایا نہیں، پھر فرمایا سنو کام کاج بھی تم ہی کرو اور ہم سب کو تو پیداوار میں شریک رکھو، انصار نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ بھی بخوشی منظور ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ اپنے دلوں میں کوئی حسد ان مہاجرین کی قدر و منزلت اور ذکر و مرتبت پر نہیں کرتے، جو انہیں مل جائے انہیں اس پر رشک نہیں ہوتا، اسی مطلب پر اس حدیث کی دلالت بھی ہے جو مسند احمد میں حضرت انسؓ کی روایت سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے، تھوڑی دیر میں ایک انصاریؓ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لئے ہوئے تازہ وضو کر کے آ رہے تھے داڑھی پر سے پانی ٹپک رہا تھا دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے یہی فرمایا اور وہی شخص اسی طرح آئے تیسرے دن بھی یہی ہوا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ آج دیکھتے بھالتے رہے اور جب مجلس نبوی ختم ہوئی اور یہ بزرگ وہاں سے اٹھ کر چلے تو یہ بھی ان کے پیچھے ہو لئے اور انصاریؓ سے کہنے لگے حضرت مجھ میں اور میرے والد میں کچھ بول چال ہو گئی ہے جس پر میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا پس اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں یہ تین دن آپ کے ہاں گذار دوں انہوں نے کہا بہت اچھا چنانچہ حضرت عبداللہ ﷺ نے یہ تین راتیں ان کے گھر ان کے ساتھ گزاریں دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لئے اٹھیں ہاں یہ ضرور تھا

بات بھی کہ میں نے ان کے منہ سے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں سنا، جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا اب میں نے ان سے کہا کہ حضرت دراصل نہ تو میرے اور میرے والد صاحب کے درمیان کوئی ایسی باتیں ہوئی تھیں نہ میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کچھ دن رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپ ایسی کونسی عبادتیں کرتے ہیں جو جیتے جی بہ زبان رسول ﷺ آپ کے جنتی ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی چنانچہ میں نے یہ بہانہ کیا اور تین رات تک آپ کی خدمت میں رہا تاکہ آپ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی عمل شروع کر دوں لیکن میں نے تو آپ کو نہ تو کوئی نیا اور اہم عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ عبادت میں ہی اوروں سے زیادہ بڑھا ہوا دیکھا اب جا رہا ہوں لیکن ایک سوال ہے کہ آپ ہی بتائیے آخر وہ کونسا عمل ہے جس نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی زبانی جنتی بنایا؟ آپ نے فرمایا بس تم میرے اعمال تو دیکھ چکے ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں چنانچہ میں ان سے رخصت ہو کر چلا تھوڑی ہی دور نکلا تھا جو انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا ہاں میرا ایک عمل سنتے جاؤ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے دھوکہ بازی، حسد اور بغض کا ارادہ بھی نہیں ہوا میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا، حضرت عبداللہ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس اب معلوم ہو گیا اسی عمل نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس کی نہیں۔ امام نسائی بھی اپنی کتاب عمل الیوم والليلہ میں اس حدیث کو لائے ہیں، غرض یہ ہے کہ ان انصار میں یہ وصف تھا کہ مہاجرین کو اگر کوئی مال وغیرہ دیا جائے اور انہیں نہ ملے تو یہ برا نہیں مانتے تھے، بنونضیر کے مال جب مہاجرین ہی میں تقسیم ہوئے تو کسی انصاری نے اس میں کلام کیا جس پر آیت: مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الحشر: ۷) اتری، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے مہاجر بھائی مال و اولاد چھوڑ کر تمہاری طرف آتے ہیں انصار نے کہا پھر حضور ﷺ ہمارا مال ان میں اور ہم میں برابر بانٹ دیجئے آپ نے فرمایا اس سے بھی زیادہ ایثار کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا جو حضور ﷺ کا ارشاد ہو آپ نے فرمایا مہاجر کھیت اور باغات کا کام نہیں جانتے تم آپ اپنے مال کو قبضہ میں رکھو خود کام کرو خود باغات میں محنت کرو اور پیداوار میں انہیں شریک کر دو انصار نے اسے بھی بہ کشادہ پیشانی منظور کر لیا۔ پھر فرماتا ہے کہ خود کو حاجت ہونے کے باوجود بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی حاجت کو مقدم رکھتے ہیں اپنی ضرورت خواہ باقی رہ جائے۔ لیکن دوسرے مسلمان کی ضرورت جلد پوری ہو جائے یہ ان کی ہر وقت کی خواہش ہے، ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ جس کے پاس کمی اور قلت ہو خود کو ضرورت ہو اور پھر بھی صدقہ کرے اس کا صدقہ افضل اور بہتر ہے۔ یہ درجہ ان لوگوں کے درجہ سے بھی بڑھا ہوا ہے جن کا ذکر اور جگہ ہے کہ مال کی چاہت کے باوجود اسے راہ اللہ خرچ کرتے ہیں لیکن یہ لوگ تو خود اپنی حاجت ہوتے ہوئے صرف کرتے ہیں، محبت ہوتی ہے اور حاجت نہیں ہوتی اس وقت کا خرچ اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ خود کو ضرورت ہو اور پھر بھی راہ اللہ دے دینا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدقہ اسی قسم سے ہے کہ آپ نے اپنا کل مال لا کر اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ڈھیر لگا دیا آپ نے پوچھا بھی ابوبکر کچھ باقی بھی رکھ آئے ہو؟ جواب دیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو باقی رکھ آیا ہوں، اسی طرح وہ واقعہ ہے جو جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ اور ان کے ساتھیوں کو پیش آیا تھا کہ میدان جہاد

میں زخم خوردہ پڑے ہوئے ہیں ریت اور مٹی زخموں میں بھر رہی ہے کہ کراہ رہے ہیں، تڑپ رہے ہیں، سخت تیز دھوپ پڑ رہی ہے، پیاس کے مارے حلق چیخ رہا ہے، اتنے میں ایک مسلمان کندھے پر مشک لٹکائے آ جاتا ہے اور ان مجروح مجاہدین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ لیکن ایک کہتا ہے اس دوسرے کو پلاؤ دوسرا کہتا ہے اس تیسرے کو پہلے پلاؤ وہ ابھی تیسرے تک پہنچا بھی نہیں کہ ایک شہید ہو جاتا ہے، دوسرے کو دیکھتا ہے کہ وہ بھی پیاسا ہی چل بسا، تیسرے کے پاس آتا ہے لیکن دیکھتا ہے کہ وہ بھی سوکھے ہونٹوں ہی اللہ سے جاملا۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں سے خوش ہو اور انہیں بھی اپنی ذات سے خوش رکھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میں سخت حاجت مند ہوں مجھے کچھ کھلوایئے آپ نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا لیکن تمام گھروں سے جواب ملا کہ حضور ﷺ ہمارے پاس خود کچھ نہیں یہ معلوم کر کے پھر آپ نے اور لوگوں سے کہا کہ کوئی ہے جو آج کی رات انہیں اپنا مہمان رکھے؟ ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا حضور ﷺ میں انہیں اپنا مہمان رکھوں گا چنانچہ یہ لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا دیکھو یہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں آج گو ہمیں کچھ بھی کھانے کو نہ ملے لیکن یہ بھوکے نہ رہیں بیوی صاحبہ نے کہا آج گھر میں بھی برکت ہے بچوں کے لئے البتہ کچھ ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں انصاری نے فرمایا اچھا بچوں کو تو بھلا پھسلا کر بھوکا سلا دو اور ہم تم دونوں اپنے پیٹ پر کپڑا باندھ کر فاقے سے رات گذار دیں گے، کھاتے وقت چراغ بجھا دینا تا کہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم کھا رہے ہیں اور دراصل ہم کھائیں گے نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا صبح جب یہ شخص انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے اور اس کی بیوی کے رات کے عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوا اور ہنس دیا انہی کے بارے میں: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:۹) نازل ہوئی، صحیح مسلم کی روایت ہے میں ان انصاری کا نام ہے حضرت ابوطلحہؓ۔ پھر فرماتا ہے جو اپنے نفس کی بخیلی حرص اور لالچ سے بچ گیا اس نے نجات پالی۔ مسند احمد اور مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو ظلم سے بچو! قیامت کے دن یہ ظلم اندھیرا بن جائے گا لوگو بخیلی اور حرص سے بچو یہی وہ چیز ہے جس نے تم سے پہلے لوگوں کو برباد کر دیا اسی کی وجہ سے انہوں نے خونریزیاں کیں اور حرام کو حلال بنا لیا اور سند سے یہ بھی مروی ہے کہ فحش سے بچو۔ اللہ تعالیٰ فحش باتوں اور بے حیائی کے کاموں کو ناپسند فرماتا ہے، حرص اور بخیلی کی مذمت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اسی کے باعث اگلوں نے ظلم کئے فسق و فجور کئے اور قطع رحمی کی۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندے کے پیٹ میں جمع ہو ہی نہیں سکتا اسی طرح بخیلی اور ایمان بھی کسی بندہ کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے، یعنی راہ اللہ کی گرد جس پر پڑی وہ جہنم سے آزاد ہو گیا اور جس کے دل میں بخیلی نے گھر کر لیا اس کے دل میں ایمان کی رہنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی، حضرت عبداللہؓ کے پاس آ کر ایک شخص نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن میں تو ہلاک ہو گیا آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہا قرآن میں تو ہے جو اپنے نفس کی بخیلی سے بچا دیا گیا اس نے فلاح پالی اور میں تو مال کو بڑا روکنے والا ہوں، خرچ کرتے ہوئے دل رکتا ہے آپ نے فرمایا اس کنجوسی کا ذکر اس آیت میں نہیں یہاں مراد بخیلی سے یہ ہے کہ تو اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال ظلم سے کھا جائے، ہاں بخیلی بہ معنی کنجوسی بھی ہے بہت بری چیز ہے۔ (ابن ابی حاتم) حضرت ابوالہیاج اسدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک صاحب صرف یہی دعا پڑھ رہے ہیں۔ (دعا اللهم في سخ نفسي) الٰہی مجھے

میرے نفس کی حرص وآز سے بچالے آخر مجھ سے نہ رہا گیا میں نے کہا آپ صرف یہی دعا کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس نے کہا جب اس سے بچاؤ ہو گیا تو پھر نہ زنا کاری ہو سکے گی نہ چوری اور نہ کوئی برا کام اب جو میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف تھے۔ (ابن جریر) ایک حدیث میں ہے جس نے زکوٰۃ ادا کی اور مہمانداری کی اور اللہ کی راہ کے ضروری کاموں میں دیا وہ اپنے نفس کی بخیلی سے دور ہو گیا، پھر مال فے کے مستحقین لوگوں کی تیسری قسم کا بیان ہو رہا ہے کہ انصار اور مہاجر کے فقراء کے بعد ان کے تابع جو ان کے بعد کے لوگ ہیں ان میں سے مساکین بھی اس مال کے مستحق ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اپنے سے اگلے باایمان لوگوں کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں جیسے کہ سورۃ برات میں ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ:۱۰۰) یعنی اول اول سبقت کرنے والے مہاجر و انصار اور ان کے بعد کے وہ لوگ جو احسان میں ان کے متبع ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں یعنی یہ بعد کے لوگ ان اگلوں کے آثار حسنہ اور اوصاف جمیلہ کی اتباع کرنے والے اور انہیں نیک دعاؤں سے یاد رکھنے والے ہیں گویا ظاہر باطن ان کے تابع ہیں، اس دعا سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کتنا پاکیزہ استدلال کیا ہے کہ رافضی کو مال فے سے امام وقت کچھ نہ دے کیونکہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کرنے کی بجائے انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ان لوگوں کو دیکھو کس طرح قرآن کے خلاف کرتے ہیں قرآن حکم دیتا ہے کہ مہاجر و انصار کے لئے دعائیں کرو اور یہ گالیاں دیتے ہیں پھر یہی آیت آپ نے تلاوت فرمائی (ابن ابی حاتم) اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ امت ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ ان کے پچھلے ان کے پہلوں کو لعنت کریں گے (بغوی) ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ .... میں جس مال فے کا بیان ہے وہ تو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اسی طرح اس کے بعد کی مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى .... والی نے عام کر دیا ہے تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کر لیا ہے اب ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو سوائے تمہارے غلاموں کے، اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے، ابن جریر میں ہے حضرت عمر فاروقؓ نے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبہ:۶۰) تک پڑھ کر فرمایا مال زکوٰۃ کے مستحق تو یہ لوگ ہیں پھر: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الانفال:۴۱) والی پوری آیت کو پڑھ کر فرمایا مال غنیمت کے مستحق یہ لوگ ہیں پھر یہ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَا پڑھ کر فرمایا مال فے کے مستحقین کو بیان فرماتے ہوئے اس آیت نے تمام مسلمانوں کو اس مال فے کا مستحق کر دیا ہے، سب اس کے مستحق ہیں۔ اگر میں زندہ رہا تو تم دیکھو گے کہ گاؤں گوٹھوں کے چرواہے کو بھی اس کا حصہ دوں گا جس کی پیشانی پر اس مال کے حاصل کرنے کے لئے پسینہ تک نہ آیا۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ ....

حضرات انصارؓ کے اوصاف جمیلہ:

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ: وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ والدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مہاجرین پر عطف ہے اور ان سے حضرات انصار مدینہ مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ فئی کے جو اموال ہیں انصار بھی اس کے مستحق ہیں کہ ان پر خرچ کیا جائے۔ انصار کی تعریف کرتے ہوئے اولا یوں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کو پہلے ہی سے اپنا ٹھکانا بنالیا تھا، یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے برس ہابرس پہلے ہی مدینہ منورہ میں یمن سے آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جو بعد میں دارالایمان بن گیا پھر جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اور حج کے موقعہ پر منیٰ میں آپ سے ملاقات ہوگئی تو ایمان بھی قبول کر لیا۔ وہاں تو چند آدمیوں نے قبول کیا تھا پھر سارے مدینہ والوں نے ایمان قبول کر لیا اور ایمان کو بھی ایسے چپکے کہ گویا وہ ان کا گھر ہے (جس سے کبھی بھی جدا ہونا نہیں ہے)۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جو حضرات ان کے پاس ہجرت کر کے آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں ان کے دلوں میں یہ بات نہیں آتی کہ دوسرے علاقہ کے لوگ ہمارے یہاں آ بسے ان کی وجہ سے ہماری معیشت پر اثر پڑے گا، یہی نہیں کہ ان کے آنے سے دلگیر نہیں ہوتے بلکہ سچے دل سے ان سے محبت کرتے ہیں۔

تیسری تعریف یوں فرمائی کہ ہجرت کر کے آنے والوں کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی وجہ سے اپنے سینوں میں کوئی حاجت یعنی حسد اور جلن کی کیفیت محسوس نہیں کرتے یعنی وہ اس کا کچھ اثر نہیں لیتے کہ مہاجرین کو دیا گیا اور ہمیں نہیں دیا گیا۔

اور چوتھی تعریف یوں فرمائی کہ حضرات انصار اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود حاجت ہو۔

حضرات مہاجرین وانصارؓ کی باہمی محبت:

حدیث شریف کی کتابوں میں حضرات انصارؓ کے حب المہاجرین اور ایثار و قربانی کے متعدد واقعات لکھے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ انصار نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارے اور ان مہاجرین کے درمیان ہمارے کھجوروں کے باغوں کی تقسیم فرما دیجئے، آپ نے فرمایا نہیں (میں ایسا نہیں کرتا) اس پر انصار نے مہاجرین سے کہا اچھا آپ لوگ پیداوار کی محنت میں مدد کریں اور ہم آپ لوگوں کو پھلوں میں شریک کر لیں گے۔ اس پر مہاجرین نے کہا یہ ہمیں منظور ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں تکلیف میں ہوں (بھوک سے دوچار ہوں) آپ نے (اس کے کھانے کے لئے) اپنی ازواج مطہراتؓ سے کچھ طلب فرمایا آپ کے گھروں سے جواب آیا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ ایسا کون شخص ہے جو اس شخص کی مہمانی کرے، یہ سن کر ایک انصاری صحابی نے کہا کہ میں ان کو ساتھ لے جاتا ہوں چنانچہ انہیں ساتھ لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو یہ رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہے اس کا اکرام کرنا ہے۔ بیوی نے کہا کہ ہمارے پاس تو بجز بچوں کی خوراک کے کچھ بھی نہیں ہے۔ شوہر نے کہا کھانا تیار کر دو اور بچوں کو سلا دو چنانچہ اس نے کھانا پکایا اور بچوں کو

سلادیا پھر جب کھانے بیٹھے تو عورت اس انداز سے اٹھی کہ گویا چراغ کی بتی درست کرتی ہے لیکن درست کرنے کی بجائے اس نے چراغ بجھادیا مہمان کھاتا رہا اور یہ سمجھتا رہا کہ یہ دونوں بھی میرے ساتھ کھا رہے ہیں حالانکہ انہوں نے اس کے ساتھ کھانا نہیں کھایا اور رات بھر بھوکے رہے، صبح کو جب رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضری ہوئی تو یہ میزبان صحابی حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو تمہارا عمل پسند آیا کہ تم بھوکے رہے اور مہمان کو کھلا دیا۔

اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَىٰٓ اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ نازل فرمائی۔

(صحیح بخاری صفحہ ۵۳۶: ج ۱)

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بچے مہمان کی بہ نسبت زیادہ مستحق تھے پھر مہمان کو ان کی خوراک کیوں کھلائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچے اس وقت رات کا کھانا کھا چکے تھے اب خوراک کی ضرورت صبح ناشتہ کے لئے تھی اگر وہ اصلی بھوکے ہوتے تو سلانے سے بھی نہ سوتے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ چراغ جلا کر تین آدمی جو ساتھ بیٹھے اس میں بے پردگی ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

فائدہ: یہ صحابی کون تھے جو مہمان کو ساتھ لے گئے تھے؟ اس کے بارے میں بعض علماء نے حضرت ابوطلحہ انصاری ؓ کا اور بعض حضرات نے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری ؓ کا نام بتایا ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دعوت کرنے والے صحابی قیس بن ثابت ؓ تھے۔

جو بخل سے بچ گیا وہ کامیاب ہے:

آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچا دیا گیا سو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس میں کنجوسی کی مذمت کی گئی ہے اور نفس کی کنجوسی سے بچنے کو کامیاب ہونے والوں کی ایک امتیازی شان بتائی ہے۔ کنجوسی کی اضافت جو نفس کی طرف کی ہے اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ دل تو خرچ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے لیکن نفس کو مال خرچ کرنے پر آمادہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

مفسر قرطبی لکھتے ہیں کہ بعض اہل لغت کا قول ہے کہ شح بخل سے زیادہ بڑھ کر ہے۔ پھر صحاح (لغت کی کتاب) سے نقل کیا ہے کہ شح اس بخل کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ حرص بھی ہو۔

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے دن ظلم اندھیریاں بن کر سامنے آئے گا اور شح (کنجوسی) سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اس نے انہیں آپس میں خون بہانے پر اور حرام چیزوں کو حلال کرنے پر آمادہ کر دیا۔ (رواہ مسلم) انسان کے مزاج میں کنجوسی ہے جسے سورۃ نساء میں وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بدترین چیز جو انسان کے اندر ہے وہ کنجوسی ہے جو گھبراہٹ میں ڈال دے اور بزدلی ہے جو جان کو نکال دے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ کنجوسی اور ایمان کبھی کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ دو چیزیں بندے میں جمع نہیں ہو سکتیں ایک بخل اور دوسری بدخلقی (رواہ الترمذی) انسان کا مزاج ہے کہ مال لینے کو تو تیار ہو جاتا ہے دینے کو تیار نہیں ہوتا اسی لئے زندگی میں اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے کا زیادہ ثواب ہے۔ نفس خرچ کرنے کو نہیں چاہتا لیکن پھر بھی نفس کے تقاضوں کو دبا کر مومن آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرتا چلا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ ثواب کے اعتبار سے کون سا صدقہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ صدقہ سب سے بڑا ہے کہ تو اس حال میں صدقہ کرے کہ تو تندرست ہو نفس میں کنجوسی ہو تنگدستی کا خوف ہو، مالدار بننے کی امید لگا رکھی ہو پھر فرمایا کہ تو خرچ کرنے میں دیر نہ لگا یہاں تک کہ جب روح حلق تک پہنچ جائے تو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا دینا (اب کہنے سے کیا ہوتا ہے) اب تو فلاں کا ہو ہی چکا (دم نکلتے ہی دوسروں کا ہے)۔

(رواہ البخاری صفحہ ۱۹۱: ج)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ موت کے وقت سو درہم کا صدقہ کرے۔ (رواہ ابوداؤد)

بہت سے لوگ دنیاوی ضرورتوں گناہوں اور ریاکاریوں میں تو دل کھول کر خرچ کرتے ہیں، بے تحاشا فضول خرچ میں مال اڑا دیتے ہیں لیکن مال سے متعلق فرائض وواجبات ادا نہیں کرتے زکوٰۃ کی ادائیگی کو روکے رکھتے ہیں حج فرض ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ہمت نہیں کرتے اور اگر ہمت کر بھی لی تو اسے دنیاداری یعنی ریاکاری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ جلدی جلدی گزرنے لگے گا عمل کم ہو جائے گا اور (دلوں میں) کنجوسی ڈال دی جائے گی اور فتنے ظاہر ہوں گے اور قتل زیادہ ہوں گے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۴۶)

نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزیں نجات دینے والی ہیں:

(۱) تنہائی میں اور لوگوں کے سامنے تقویٰ کے تقاضوں پر چلنا۔ (۲) رضامندی میں اور ناراضگی میں حق بات کہنا۔ (۳) مالداری اور تنگدستی میں میانہ روی اختیار کرنا۔

اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں۔ ۱۔ خواہشوں کا اتباع کیا جانا۔ ۲۔ کنجوسی (کے جذبات) کی فرمانبرداری کرنا۔ ۳۔ انسان کو اپنے نفس پر گھمنڈ کرنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳)

کنجوسی بری بلا ہے نفس پر قابو پائے اللہ تعالیٰ کی رضا میں مال خرچ کرے اور گناہوں میں خرچ کرنے سے بچے اور فضول خرچی سے بھی بچے یہ کامیابی کا راستہ ہے جسے: وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ میں بیان فرمایا ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ .....

مہاجرین وانصار کے بعد آنے والے مسلمانوں کا بھی اموال فئی میں استحقاق ہے:

اکثر علماء کے نزدیک یہ بھی المہاجرین پر معطوف ہے اور اس میں بعد میں آنیوالے حضرات کا اموال فئی میں حصہ بتایا ہے اور مقصد یہ ہے کہ مہاجرین وانصار کے بعد دیگر مسلمان جو قیامت تک آئیں گے ان سب پر مال فئی میں سے خرچ کیا جائے۔ مفسر ابن کثیر نے تفسیر ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے آیت شریفہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰکِیْنِ کی آخر تک تلاوت کی، پھر فرمایا کہ یہ صدقات ان لوگوں کے لئے ہیں (جن کا آیت میں ذکر ہوا) اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ: وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ آخر تک تلاوت کی پھر فرمایا کہ اموال غنیمت ان لوگوں کے لئے ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں پھر آپ نے مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سے وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ تک تلاوت کی اور یوں فرمایا کہ یہ آیات تمام مسلمین کو شامل ہیں جو بھی کوئی مسلمان ہوگا اموال فئی میں اس کا حق ہوگا پھر فرمایا اگر میں زندہ رہ گیا تو ایک بکریاں چرانے والا جو سرو حمیر (ایک قبیلہ کا نام جو مدینہ منورہ سے دور رہتا تھا) میں چرا رہا ہوگا اپنے حصہ کو وہیں پالے گا، اس کے حاصل کرنے میں اس کی پیشانی میں پسینہ تک نہ آیا ہوگا۔ (ابن کثیر صفحہ ۳۴۰: ج ٤)

مفسر ابن کثیرؒ نے آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ: ھو لاء ھم الثالث ممن یستحق فقراء ھم من مال الفئ وھم المھاجرون ثم الانصار۔

یعنی اموال فئی کے مستحقین کی یہ آخری قسم ہے تینوں قسموں میں سے ان میں سے جو فقراء ہوں گے مال فئی کے مستحق ہوں ہوا کہ اموال فئی میں روافض کا بالکل حصہ نہیں جو حضرات مہاجرین وانصار کا اتباع تو کیا کرتے ان سے بغض رکھتے ہیں اور انہیں کافر کہتے ہیں۔ وسیجئ من قول الامام مالك ان شاء اللہ تعالٰی۔

یہ تو اموال فئی کے مستحقین کا بیان ہوا آیت کریمہ میں بعد میں آنے والے مومنین کی دو دعاؤں کا بھی تذکرہ فرمادیا ہے۔ پہلی دعاء یہ ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب ہماری بھی مغفرت فرمادے اور جو ہمارے بھائی ہم سے پہلے باایمان گزر گئے ان کی بھی مغفرت فرمادے۔" معلوم ہوا کہ اپنے لئے مغفرت کی دعا کرنے کے ساتھ ان مسلمان بھائیوں کے لئے بھی دعاء مغفرت کرنا چاہئے جو اس دنیا سے گزر گئے دعاء مغفرت سے مغفرت کا بھی فائدہ ہوتا ہے اور رفع درجات کا بھی۔

دوسری دعاء یہ ہے کہ "اے اللہ ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کھوٹ پیدا نہ فرما"، لفظ غل جس کا ترجمہ کھوٹ کیا گیا ہے بہت عام ہے کینہ، بغض، حسد، جلن یہ لفظ ان سب باتوں کو شامل ہے اس میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمایا ہے یعنی جو بھی اہل ایمان گزر گئے دنیا سے جاچکے اور جو موجود ہیں اور جو آئندہ آئیں گے اللہ تعالٰی ان سب کی طرف سے ہمارے دلوں کو صاف اور پاک رکھے کسی سے کینہ نہ ہو اور نہ کسی کی طرف سے دل میں برائی لائی جائے۔

حسد، بغض، کینہ اور دشمنی کی مذمت:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس کے بگاڑ سے بچو، کیونکہ یہ مونڈ دینے والی چیز ہے۔(رواہ الترمذی)

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پرانی امتوں کا مرض چپکے چپکے تمہاری طرف چل کر آ گیا ہے وہ مرض حسد اور بغض ہے یہ مونڈ دینے والی صفت ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈ دیتی ہیں بلکہ یہ دین کو مونڈ دیتی ہیں۔(رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ہر اس شخص کے بارے میں جس کے دل میں مسلمان بھائی سے دشمنی ہو(اللہ تعالیٰ کی طرف سے) فرمان ہوتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔(رواہ الترمذی) یہ سب روایات مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۲۸ پر مذکور ہیں)

رسول اللہ ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ پرانی امتوں کا مرض تمہارے اندر چل کر آ گیا ہے یہ اس زمانہ میں تھوڑا ہی سا تھا۔ لیکن اب تو اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں لڑائیاں بھی ہیں بغض بھی ہے ایک دوسرے کی مخالفت بھی ہے، مارکاٹ بھی ہے اور قتل وقتال بھی، ان حالات میں سچے دل سے کیا دعا نکل سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اہل ایمان کی طرف سے کوئی کھوٹ نہ ہو، دلوں میں کھوٹ بھرا ہوا ہے اور اسے نکالنا بھی نہیں چاہتے۔ جب جمع ہوں گے غیبتیں کریں گے، تہمتیں دھریں گے مسلمانوں کے عیب اچھالیں گے ان حالات میں سینہ کیسے صاف رہ سکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص میرے صحابہؓ سے متعلق کوئی بات مجھے نہ پہنچائے (جس سے دل برا ہو) کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ (اپنے گھر سے) ان کی طرف اس حال میں نکل کر آ ؤں کہ میرا سینہ باسلامت ہو۔(رواہ الترمذی عن عبداللہ بن فضل، از ازواج النبیؐ)

روافض کی گمراہی:

اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرات مہاجرین وانصار کے لئے دعا کرنے والوں کے مدح فرمائی لیکن روافض کا یہ حال ہے جو قرآن کریم کو اللہ نازل کی ہوئی کتاب مانتے ہی نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہ امام مہدی کے پاس ہے جو غار میں چھپے ہوئے ہیں حضرات صحابہ کرامؓ کے بغض سے ان کے سینے بھرے ہوئے ہیں اپنے ایمان کی تو فکر نہیں اور تین چار کے علاوہ باقی صحابہ کو کافر کہتے ہیں ان کے دلوں میں حضرات صحابہ سے بھی بغض ہے اور ان کے طریقہ پر چلنے والوں سے بھی۔

تفسیر ابن کثیر (ج:۴، ص ۳۳۹) میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کے لئے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا لیکن لوگوں نے انہیں برا کہنا شروع کر دیا پھر انہوں نے آیت کریمہ: وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِھِمْ آخر تک تلاوت فرمائی۔

حضرت عامر شعبیؒ نے مالک بن مغفلؒ سے فرمایا کہ ایک بات میں یہود روافض سے بڑھ گئے جب یہودیوں سے پوچھا

گیا کہ تم میں سب سے بڑھ کر کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا حضرت موسیٰ کے اصحاب ہم میں سب سے بہتر ہیں اور نصاریٰ سے پوچھا گیا کہ تم میں سب سے بہتر کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سب سے بہتر ہیں، جب روافض سے پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں سب سے برے لوگ کون ہیں تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سب سے برے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے استغفار کرنے کا حکم ہے اور وہ انہیں برا کہتے ہیں۔

(معالم التنزیل صفحہ ۳۲۱: ج ۷)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ نے اس آیت کریمہ سے کیسا اچھا استنباط کیا انہوں نے فرمایا کہ کسی رافضی کا اموال فئی میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ قرآن نے جن لوگوں کو حضرات مہاجرین اور انصار کے بعد اموال فئی کا مستحق بتایا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد دنیا میں آئے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعاء کی روافض دعا کے بجائے ان حضرات کو برا کہتے ہیں لہٰذا انہیں اموال فئی میں کوئی استحقاق نہیں کیونکہ ان میں وہ صفت نہیں ہے جو صفت اللہ تعالیٰ نے مستحقین فئی کی بیان فرمائی ہے۔

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَهُمْ بَنُو النَّضِيْرِ وَاِخْوَانُهُمْ فِي الْكُفْرِ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ فِي الْاَرْبَعَةِ اُخْرِجْتُمْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ فِي خُذْلَانِكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ حُذِفَتْ مِنْهُ اللَّامُ الْمُوَطِّئَةُ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ جَاءُوْا النَّصْرِ هِمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ وَاسْتَغْنٰى بِجَوَابِ الْقَسَمِ الْمُقَدَّرِ عَنْ جَوَابِ الشَّرْطِ فِي الْمَوَاضِعِ الْخَمْسَةِ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَيِ الْيَهُوْدُ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً خَوْفًا فِيْ صُدُوْرِهِمْ اَيِ الْمُنَافِقِيْنَ مِّنَ اللّٰهِ ۭ لِتَاْخِيْرِ عَذَابِهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ اَيِ الْيَهُوْدُ جَمِيْعًا مُجْتَمِعِيْنَ اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ سُوْرٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ جِدَارٍ بَاْسُهُمْ حَرْبُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا مُجْتَمِعِيْنَ وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى مُتَفَرِّقَةٌ خِلَافَ الْحِسْبَانِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَثَلُهُمْ فِي تَرْكِ الْاِيْمَانِ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا بِزَمَنٍ قَرِيْبٍ وَهُمْ اَهْلُ بَدْرٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ عُقُوْبَتَهُ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْقَتْلِ وَغَيْرِهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ مُؤْلِمٌ فِي الْاٰخِرَةِ مَثَلُهُمْ اَيْضًا فِي سِمَاعِهِمْ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ وَتَخَلُّفِهِمْ عَنْهُمْ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ

قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ كَذِبَ مِنْهُ وَرِيَاءً فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَيِ الْغَاوِي وَالْمُغْوِي وَقُرِئَ بِالرَّفْعِ اِسْمُ كَانَ أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿١٧﴾ اَلْكَافِرِيْنَ

ع ۵

ترجمہ: کیا آپ نے ان منافقین کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنے بھائی کفار اہل کتاب (بنونضیر اور کفر میں ان کے دوسرے ساتھیوں) سے کہتے ہیں کہ اگر (چاروں جگہ لام قسمیہ ہے) تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے (ذلیل کرنے کے) معاملہ میں ہم کسی کا کہنا نہیں مانیں گے۔ اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی (اس میں لام قسم محذوف ہے) تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے۔ اور اگر ان کی مدد کی بھی (ان کی مدد کے لئے آئے بھی) تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (پانچوں جگہ جواب قسم کے ہوتے ہوئے جواب شرط مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے) پھر ان (یہود) کی کوئی مدد نہ ہوگی۔ بلاشبہ تم لوگوں کا خوف (ڈر) ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے (اللہ کا عذاب مؤخر ہونے کی وجہ سے) یہ اس سبب ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ (یہود) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے۔ مگر محفوظ بستیوں میں یا دیوار کی آڑ میں (جدار بمعنی دیوار۔ اور ایک قراءت میں جدر ہے) ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے۔ اے مخاطب تو ان کو متفق (متحد) خیال کرتا ہے۔ حالانکہ ان کے دل منتشر ہیں (گمان کے برخلاف مختلف ہیں) یہ اس لئے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے (ایمان نہ لانے میں بے عقلوں سے تمثیل دی ہے ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ مشرکین بدر جو حال ہی میں تھے) جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں (دنیا میں قتل وغیرہ کے ذریعہ) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (جو آخرت میں تکلیف دہ ہوگا۔ یہود کے لئے منافقین سے مثال دی گئی ہے۔ ان کی باتیں سن کر خلاف کرنے میں) شیطان کی سی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں تو اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں (جھوٹ اور ریاکاری سے کہتا ہے) سو آخری انجام (دونوں بہکانے والے اور گمراہ، ایک قراءت میں رفع ہے کان کا اسم) کا یہ ہوا کہ دوزخ میں گئے۔ جہاں ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں (کافروں) کی یہی سزا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِجَوَابِ الْقَسَمِ الْمُقَدَّرِ: یہ قسم کی صفت ہے۔

قوله: اَلْيَهُوْدُ: ان کو منافقین کی مدد کچھ کام نہ دے گی۔

قوله: اَشَدُّ رَهْبَةً: رَهْبَةً یہ فعل مجہول کا مصدر ہے بمعنی مرهوبية۔

قولہ: فِیْ صُدُوْرِهِمْ :وہ اپنے اندر مسلمانوں کا خوف چھپاتے تھے۔

قولہ: مِّنَ اللّٰهِ :جو وہ نفاق کے طور پر ظاہر کرتے ہیں، تمہارے ڈر کا ان کے دلوں میں پایا جانا یہ اللہ تعالیٰ کے ڈر کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

قولہ: لَّا یَفْقَهُوْنَ :اس کی عظمت کو نہیں سمجھتے۔

قولہ: مُّحَصَّنَةٍ :قلعہ بند ہیں دیواروں، گلیوں کی اوٹ وغیرہ کی آڑ میں۔

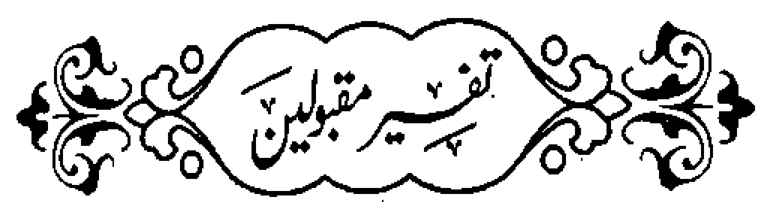
قولہ: شَتّٰى مُتَفَرِّقَةٌ :کیونکہ ان کے عقائد ان کے مقاصد کے اختلاف سے الگ الگ ہیں۔

قولہ: لَّا یَعْقِلُوْنَ :کہ کس چیز میں ان کی بھلائی ہے۔

قولہ: بِزَمَنٍ قَرِیْبٍ :"ب" "فی" کے معنی میں ہے۔قریبا کا نصب محل کی وجہ سے ہے کیونکہ تقدیر عبارت وجود مثل ہے۔

قولہ: بِفِیْ سِمَاعِهِمْ :یعنی یہود کے منافقین سے سننے میں۔

قولہ: لِلْاِنْسَانِ :اس سے جنس انسان مراد ہے جو کفر دار تداد اختیار کرنے والا ہو۔



اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ....

تلبیس ابلیس کا ایک انداز:

عبداللہ بن ابی اور اسی جیسے منافقین کی چالبازی اور عیاری کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے یہودیان بنو نضیر کو سبز باغ دکھا کر جھوٹا دلاسا دلا کر غلط وعدہ کر کے مسلمانوں سے لڑوا دیا، ان سے وعدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں لڑنے میں تمہاری مدد کریں گے اور اگر تم ہار گئے اور مدینہ سے دیس نکالا ملا تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑ دیں گے، لیکن بوقت وعدہ ہی ایفا کرنے کی نیت نہ تھی اور یہ بھی کہ ان میں اتنا حوصلہ بھی نہیں کہ ایسا کر سکیں نہ لڑائی میں ان کی مدد کر سکیں نہ برے وقت ان کا ساتھ دیں، اگر بدنامی کے خیال سے میدان میں آ بھی جائیں تو یہاں آتے ہی نیزہ و تلوار کی صورت دیکھتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور نامردی کے ساتھ بھاگتے ہی بن پڑے، پھر مستقل طور پر پیش گوئی فرماتا ہے کہ ان کی تمہارے مقابلہ میں امداد نہ کی جائے گی، یہ اللہ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے جتنا تم سے خوف کھاتے ہیں، جیسے اور جگہ بھی ہے۔اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً (النساء:۷۷) یعنی ان کا ایک فریق لوگوں سے اتنا ڈرتا ہے جتنا اللہ سے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ بات یہ ہے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں، ان کی نامردی اور بزدلی کی یہ حالت ہے کہ یہ میدان کی لڑائی کبھی لڑ نہیں سکتے ہاں اگر مضبوط اور محفوظ قلعوں میں بیٹھے ہوئے ہوں یا مورچوں کی آڑ میں چھپ کر کچھ کارروائی کرنے کا موقع ہو تو خیر بہ سبب ضرورت کر گزریں گے لیکن میدان میں آ کر بہادری کے جوہر دکھانا یہ ان سے کوسوں دور ہے، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں، جیسے اور جگہ ہے: وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (الانعام:۶۵) بعض کو بعض سے لڑائی کا مزہ چکھاتا ہے، تم انہیں

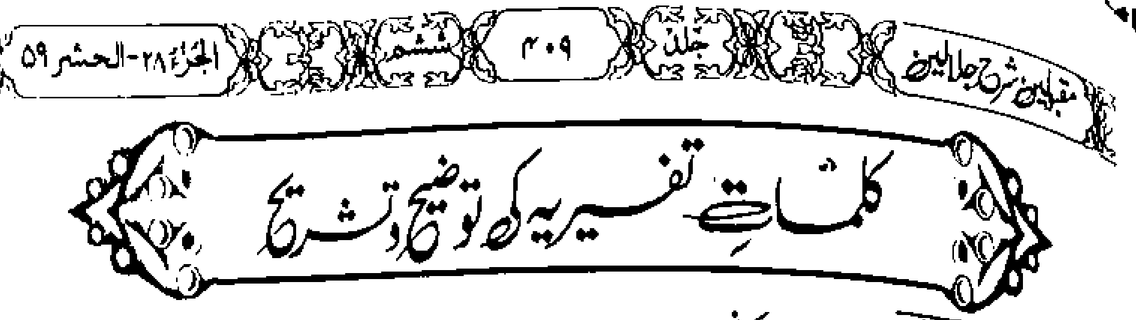
مجتمع اور متفق و متحد سمجھ رہے ہو لیکن در اصل یہ متفرق و مختلف ہیں ایک کا دل دوسرے سے نہیں ملتا، منافق اپنی جگہ اور اہل کتاب اپنی جگہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں، وجہ یہ ہے کہ بے عقل لوگ ہیں، پھر فرمایا ان کی مثال ان سے کچھ ہی پہلے کے کافروں جیسی ہے جنہوں نے یہاں بھی اپنے کئے کا بدلہ بھگتا اور وہاں کا بھگتنا ابھی باقی ہے، اس سے مراد یا تو کفار قریش ہیں کہ بدر والے دن ان کی کمر کبڑی ہوگئی اور سخت نقصان اٹھا کر کشتوں کے پشتے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، یا بنو قینقاع کے یہود ہیں کہ وہ بھی شرارت پر اتر آئے اللہ نے ان پر اپنے نبی ﷺ کو غالب کیا اور آپ نے انہیں مدینہ سے خارج البلد کرادیا یہ دونوں واقعے ابھی ابھی کے ہیں اور تمہاری عبرت کا صحیح سبق ہیں لیکن اس وقت کہ کوئی عبرت حاصل کرنے والا انجام کو سوچنے والا ہو بھی، زیادہ مناسب مقام بنو قینقاع کے یہود کا واقعہ ہی ہے واللہ اعلم، منافقین کے وعدوں پر ان یہودیوں کا شرارت پر آمادہ ہونا اور ان کے بھرے میں آ کر معاہدہ توڑ ڈالنا پھر ان منافقین کا انہیں موقعہ پر کام نہ آنا نہ لڑائی کے وقت مدد پہنچانا نہ جلا وطنی میں ساتھ دینا، ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو شیطان بھی اسی طرح انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے اور جب یہ کفر کر چکتا ہے تو خود بھی اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور اپنا اللہ والا ہونا ظاہر کرنے لگتا ہے، اسی مثال کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے، بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا ساٹھ سال اسے عبادت الٰہی میں گزر چکے تھے شیطان نے اسے ورغلانا چاہا لیکن وہ قابو میں نہ آیا اس نے ایک عورت پر اپنا اثر ڈالا اور یہ ظاہر کیا کہ گویا اسے جنات ستا رہے ہیں ادھر اس عورت کے بھائیوں کو یہ وسوسہ ڈالا کہ اس کا علاج اسی عابد سے ہو سکتا ہے یہ اس عورت کو اس عابد کے پاس لائے اس نے علاج معالجہ یعنی دم کرنا شروع کیا اور یہ عورت یہیں رہنے لگی، ایک دن عابد اس کے پاس ہی تھا جو شیطان نے اس کے خیالات خراب کرنے شروع کئے یہاں تک کہ وہ زنا کر بیٹھا اور وہ عورت حاملہ ہوگئی۔ اب رسوائی کے خوف سے شیطان نے چھٹکارے کی یہ صورت بتائی کہ اس عورت کو مار ڈال ورنہ راز کھل جائے گا۔ چنانچہ اس نے اسے قتل کر ڈالا، ادھر اس نے جا کر عورت کے بھائیوں کو شک دلوایا وہ دوڑے آئے، شیطان راہب کے پاس آیا اور کہا وہ لوگ آ رہے ہیں اب عزت بھی جائے گی اور جان بھی جائے گی۔ اگر مجھے خوش کر لے اور میرا کہا مان لے تو عزت اور جان دونوں بچ سکتی ہیں۔ شیطان نے کہا مجھے سجدہ کر، عابد نے اسے سجدہ کر لیا، یہ کہنے لگا تف ہے تجھ پر کم بخت میں تو اب تجھ سے بیزار ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، جو رب العالمین ہے (ابن جریر) ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی اور ایک راہب کی خانقاہ تلے رات گذارا کرتی تھی اس کے چار بھائی تھے ایک دن شیطان نے راہب کو گدگدایا اور اس سے زنا کر بیٹھا اسے حمل رہ گیا شیطان نے راہب کے دل میں ڈالا کہ اب بڑی رسوائی ہوگی اس سے بہتر یہ ہے کہ اسے مار ڈال اور کہیں دفن کر دے تیرے تقدس کو دیکھتے ہوئے تیری طرف تو کسی کا خیال بھی نہ جائے گا اور اگر بالفرض پھر بھی کچھ پوچھ گچھ ہو تو جھوٹ موٹ کہہ دینا، بھلا کون ہے جو تیری بات کو غلط جانے؟ اس کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی، ایک روز رات کے وقت موقعہ پا کر اس عورت کو جان سے مار ڈالا اور کسی اجاڑ جگہ زمین میں دبا دیا۔ اب شیطان اس کے چاروں بھائیوں کے پاس پہنچا اور ہر ایک کے خواب میں اسے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اس کے دفن کی جگہ بھی بتادی، صبح جب یہ جاگے تو ایک نے کہا آج کی رات تو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے ہمت نہیں پڑتی کہ آپ سے بیان کروں دوسروں نے کہا نہیں کہو تو سہی چنانچہ اس نے اپنا پورا خواب بیان کیا کہ اس طرح فلاں عابد نے

اس سے بدکاری کی پھر جب حمل ٹھہر گیا تو اسے قتل کر دیا اور فلاں جگہ اس کی لاش دبا آیا ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک نے کہا مجھے بھی یہی خواب آیا ہے اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ سچا خواب ہے، چنانچہ انہوں نے جا کر اطلاع دی اور بادشاہ کے حکم سے اس راہب کو اس خانقاہ سے ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچ کر زمین کھود کر اس کی لاش برآمد کی، کامل ثبوت کے بعد اب اسے شاہی دربار میں لے چلے اس وقت شیطان اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور کہتا ہے یہ سب میرے کرتوت ہیں اب بھی اگر تو مجھے راضی کرلے تو جان بچادوں گا اس نے کہا جو تو کہے کروں گا، کہا مجھے سجدہ کرلے اس نے یہ بھی کر دیا، پس پورا بے ایمان بنا کر شیطان کہتا ہے میں تو تجھ سے بری ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے جو تمام جہانوں کا رب ہے ڈرتا ہوں، چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا اور پادری صاحب کو قتل کر دیا گیا، مشہور ہے کہ اس پادری کا نام برصیصا تھا۔ حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود، طاؤس، مقاتل بن حیان وغیرہ سے یہ قصہ مختلف الفاظ سے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے، واللہ اعلم، اس کے بالکل برعکس جریج عابد کا قصہ ہے کہ ایک بدکار عورت نے اس پر تہمت لگادی کہ اس نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور یہ بچہ جو مجھے ہوا ہے وہ اسی کا ہے چنانچہ لوگوں نے حضرت جریج کے عبادت خانے کو گھیر لیا اور انہیں نہایت بے ادبی سے زدوکوب کرتے ہوئے گالیاں دیتے ہوئے باہر لے آئے اور عبادت خانے کو ڈھادیا یہ بیچارے گھبرائے ہوئے ہر چند پوچھتے ہیں کہ آخر واقعہ کیا ہے؟ لیکن مجمع آپے سے باہر ہے آخر کسی نے کہا کہ اللہ کے دشمن اولیاء اللہ کے لباس میں یہ شیطانی حرکت؟ اس عورت سے تو نے بدکاری کی۔ حضرت جریج نے فرمایا اچھا ٹھہرو صبر کرو اس بچے کو لاؤ چنانچہ وہ دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ لایا گیا حضرت جریج نے اپنی عزت کی بقا کی اللہ سے دعا کی پھر اس بچے سے پوچھا اے بچے بتا تیرا باپ کون ہے؟ اس بچے کو اللہ نے اپنے ولی کی عزت بچانے کے لئے اپنی قدرت سے گویائی کی قوت عطا فرمادی اور اس نے اس صاف فصیح زبان میں اونچی آواز سے کہا میرا باپ ایک چرواہا ہے۔ یہ سنتے ہی بنی اسرائیل کے ہوش جاتے رہے یہ اس بزرگ کے سامنے عذر معذرت کرنے لگے معافی مانگنے لگے انہوں نے کہا بس اب مجھے چھوڑ دو لوگوں نے کہا ہم آپ کی عبادت گاہ سونے کی بنا دیتے ہیں آپ نے فرمایا بس اسے جیسی وہ تھی ویسے ہی رہنے دو۔ پھر فرماتا ہے کہ آخر انجام کفر کے کرنے اور حکم دینے والے کا یہی ہوا کہ دونوں ہمیشہ کے لئے جہنم واصل ہوئے، ہر ظالم کئے کی سزا پا ہی لیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ تَرَكُوْا طَاعَتَهٗ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اَنْ يُّقَدِّمُوْا لَهَا خَيْرًا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ وَجُعِلَ فِيْهِ تَمْيِيْزٌ كَالْاِنْسَانِ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مُّتَشَقِّقًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ الْمَذْكُوْرُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

فَيُؤْمِنُونَ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ الطَّاهِرُ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهِ السَّلٰمُ ذُو السَّلَامَةِ مِنَ النَّقَائِصِ الْمُؤْمِنُ الْمُصَدِّقُ رُسُلَهُ بِخَلْقِ الْمُعْجِزَةِ لَهُمْ الْمُهَيْمِنُ مِنْ هَيْمَنَ يُهَيْمِنُ اِذَا كَانَ رَقِيْبًا عَلَى الشَّيْءِ اَيِ الشَّهِيْدُ عَلٰى عِبَادِهِ بِاَعْمَالِهِمْ الْعَزِيْزُ الْقَوِيُّ الْجَبَّارُ جَبَرَ خَلْقَهُ عَلٰى مَا اَرَادَ الْمُتَكَبِّرُ ۭ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ نَزَّهَ نَفْسَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ بِهِ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُنْشِئُ مِنَ الْعَدَمِ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى التِّسْعَةُ وَالتِّسْعُوْنَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِيْثُ وَالْحُسْنٰى مُؤَنَّثُ الْاَحْسَنِ ۭ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ تَقَدَّمَ اَوَّلُهَا

ترجمہ: اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے لئے اس نے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ۔ جنہوں نے (فرمانبرداری چھوڑ کر) اللہ سے لاپرواہی کی۔ سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو (نیک کام آگے بھیجنے سے) لاپرواہ بنا دیا۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔ دوزخی اور جنتی دونوں برابر نہیں ہیں۔ جنتی ہی کامیاب ہیں۔ اس قرآن کو اگر ہم کسی پہاڑ پر اتارتے (اور انسان کی طرح ان میں سمجھ داری دی جاتی) تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف کے مارے دب جاتا اور پھٹ جاتا (ٹکڑے ہو جاتا) اور یہ (مذکورہ) عجیب مضامین لوگوں کے لئے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں (اور ایمان لے آئیں) اللہ ہی ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہری (چھپی کھلی) چیزوں کا جاننے والا ہے وہی بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے (نامناسب باتوں سے) پاک ہے۔ صحیح سالم (نقائص سے بری) اطمینان دلانے والا (معجزات کے ذریعہ پیغمبروں کی تصدیق کرنے والا) نگہبانی کرنے والا (ھیمن یھیمن سے ماخوذ ہے۔ کسی کا نگران ہونا یعنی اپنے بندوں کے اعمال کا محافظ) زبردست (طاقت ور) خرابی کو ٹھیک کرنے والا (مخلوق کے بگاڑ کو اپنے ارادہ کے مطابق درست کرنے والا) بالادست ہے۔ (ناملائم باتوں سے) اللہ پاک ہے (اس نے اپنی پاکی بیان کی) لوگوں کے شرک سے وہ معبود ہے پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا (ناپید سے پیدا کرنے والا) صورت بنانے والا ہے۔ اس کے اچھے اچھے نام ہیں (ننانوے نام، جو احادیث میں آئے ہیں۔ حسنیٰ، احسن کا مؤنث ہے) اس کی تسبیح کرتی ہیں آسمان و زمین کی سب چیزیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے (شروع سورت میں یہ الفاظ گزر چکے ہیں)۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: هُمُ الْفَآئِزُوْنَ: یعنی وہ ہمیشہ کی نعمتوں سے کامیاب ہونے والے ہیں۔

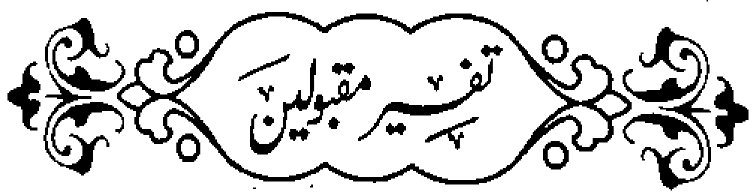
قوله: مِنْ هَيْمَنَ: یہ مفیعل کا وزن ہے جس کی اصل امن ہے۔ ھمزہ کو ھا سے بدلہ ہے۔

قوله: ذُوالسَّلَامَةِ: یہ مصدر ہے جو مبالغہ کے لیے صفت کا معنیٰ دے رہا ہے۔

قوله: اَلْخَالِقُ: یعنی حکمت کے مطابق اشیاء کا اندازہ کرنے والا۔

قوله: اَلْمُصَوِّرُ: صورتوں کو ایجاد کرنے والا اوران کی کیفیت جیسے چاہے بنانے والا ہے۔

قوله: اَلتِّسْعَةُ: کیونکہ یہ اسماء عمدہ معانی پر دلالت کرنے والے ہیں۔



تفسیر مقبولین

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ...

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور آخرت کے لئے فکر مند ہونے کا حکم:

ان آیات میں اہل ایمان کو موت کے بعد کے احوال درست کرنے اور وہاں کے لئے فکر مند ہونے کا حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان یہ غور کرلے کہ اس نے کل کے لئے اپنے آگے کیا بھیجا ہے پھر دوبارہ اتَّقُوا اللّٰهَ فرمایا اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا، بعض علماء نے فرمایا ہے کہ پہلا اتَّقُوا اللّٰهَ گزشتہ گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے فرمایا ہے اور دوسرا اتَّقُوا اللّٰهَ جو فرمایا ہے اس میں آئندہ گناہ کرنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پہلا حکم ادائے فرائض اور واجبات کی اہمیت دلانے کے لئے ہے اور دوسرا حکم گناہوں سے بچنے کے لئے ہے۔ آیت کے ختم ہونے پر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو، اس کا عموم ہر طرح کے اعمال کو شامل ہے اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے اچھے اعمال کی بھی خبر ہے وہ ان کی اچھی جزا دے گا اور اسے بندوں کے برے اعمال کا بھی پتہ ہے۔ مشرکین و کفار اور گناہگار و بدکار، یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے اعمال سے اللہ تعالیٰ شانہ بے خبر ہے اسے سب کچھ علم ہے، اپنے علم اور حکمت کے مطابق سزا دے گا یہ جو فرمایا کہ ہر جان غور کرلے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے؟ یہ بہت اہم نصیحت ہے، لوگ دنیا میں آگئے یہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے سب کو مرنا ہے اور یہاں سے جانا ہے۔ قیامت کے دن حاضری ہوگی حساب کتاب ہوگا اچھے برے اعمال پیش ہوں گے اور دوزخ وجنت میں جانے کے فیصلے ہوں گے۔

زندگی کی قدر کرو:

ایمان والوں کو خطاب کر کے فرمایا تم غور کر لو۔ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے لئے کیا بھیجا؟ جو شخص جو بھی کوئی عمل کر لے گا اس کا بدلہ پالے گا اگر نیکیاں بھیجی ہیں اور کم بھیجی ہیں تو اصول کے مطابق ان کا ثواب مل جائے گا اور اگر نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے تو ان کا ثواب بھی خوب زیادہ ملے گا، جو گناہ بھیجے ہیں وہ وبال ہوں گے۔ عذاب بھگتنے کا ذریعہ بنیں گے، انسان اس دنیا میں آیا کھایا پیا اور یہیں چھوڑا، یہ کوئی کامیاب زندگی نہ ہوئی۔ اعمال صالحہ جتنے بھی ہو جائیں اور اموال طیبہ جتنے بھی اللہ کے لیے خرچ ہو جائیں اس سے دریغ نہ کیا جائے فرائض اور واجبات کی ادائیگی کے بعد ذکر تلاوت عبادت و سخاوت جتنی بھی ہو سکے کرتا رہے۔ اپنی زندگی کو گناہوں میں لایعنی کاموں میں برباد نہ کرے۔

ذکر اللہ کے فضائل:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یوں کہوں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو مجھے یہ ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ (رواہ مسلم کما فی المشکوۃ صفحہ ۲۰۰)

معلوم ہوا کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی زندگی کے ہر منٹ اور ہر سیکنڈ کو یاد خدا میں لگائے رکھے اور زندگی کے ان سانسوں کی قدر کرے اور ان کو اپنی آخرت کی زندگی سدھارنے کے لئے صرف کرے، جو لوگ اپنی مجلسوں کو بیکار باتوں اور اشتہاری خرافات اور اخباری کذبات میں صرف کر دیتے ہیں اور اللہ کی یاد سے غافل رہتے ہیں یہ مجلسیں ان کے لئے سراسر خسران اور گھاٹے کے اسباب ہیں۔

عمر انسان کے پاس ایک پونجی ہے جس کو لے کر دنیا کے بازار میں تجارت کرنے کے لئے آتا ہے، جہاں دوزخ یا جنت کے ٹکٹ خریدے جاتے ہیں اور ہر دن اور رات اور گھنٹہ اور منٹ اسی عمر کی پونجی کے اجزا اور ٹکڑے ہیں جو ہر گھڑی انسان کے پاس سے جدا ہوتے جارہے ہیں کوئی اس کے بدلہ جنت کا پروانہ (عمل صالح) خریدتا ہے اور کوئی دوزخ کا پروانہ (برا عمل) خرید لیتا ہے، افسوس ہے اس شخص پر جس کی پونجی اس کی ہلاکت کا سبب بنے۔ وہاں جب نیکیوں کا اجر و ثواب ملنا شروع ہوگا تو آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی اور افسوس ہوگا کہ ہائے ہائے ہم نے یہ عمل نہ کیا اور یہ عمل نہ کیا، حسرت اور افسوس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا لہٰذا جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کر لیں اور یہیں کر لیں۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سبحان اللہ العظیم وبحمدہ کہے اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگ جاتا ہے۔ (الترغیب والترہیب) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس رات مجھ کو سیر کرائی گئی (یعنی معراج کی رات) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ اپنی امت کو میرا اسلام کہہ دیجیو اور ان کو بتلا دیجیو کہ جنت کی اچھی مٹی ہے اور میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ (مشکوۃ)

مطلب یہ ہے کہ جنت میں اگرچہ درخت بھی ہیں، پھل اور میوے بھی مگر ان کے لئے چٹیل میدان ہے جو نیک عمل سے

خالی ہیں، جنت کی ایسی مٹی ہے جیسے کوئی زمین کھیتی کے لائق ہو اس کی مٹی اچھی ہو اس کے پاس میٹھا پانی ہو اور جب اس کو بو دیا جائے تو اس کی مٹی کی اپنی صلاحیت اور پانی کے سینچاؤ اور قدرت خداوندی کی وجہ سے اس میں اچھے عمدہ درخت اور بہترین غلہ پیدا ہو جائے بالکل اسی طرح جنت کو سمجھ لو کہ جو کچھ یہاں بو دو گے وہاں کاٹ لو گے ورنہ وہ خالی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص صبح کو سو مرتبہ سبحان اللہ کہے اور شام کو سو مرتبہ سبحان اللہ کہے، اس کو سو حج کا ثواب ملے گا اور جو شخص سو مرتبہ صبح کو اللہ کی حمد بیان کرے (الحمد للہ کہے) اور سو مرتبہ شام کو اللہ کی حمد بیان کرے تو اسے مجاہدین کو سو گھوڑے دینے کا ثواب ملے گا اور جس نے سو مرتبہ صبح کو اور سو مرتبہ شام کو لا الہ الا اللہ کہا اس کو اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سو غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا اور جس نے سو مرتبہ صبح کو اور سو مرتبہ شام کو اللہ اکبر کہا تو اس دن کوئی دوسرا شخص اس کے برابر عمل کرنے والا نہ ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے اس کے برابر یا اس سے زیادہ (یہ مذکورہ) کلمات کہے ہوں۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۰۲ عن الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وقال حسن غریب)

عہد نبوت کا ایک واقعہ:

حضرت جریر بن عبداللہؓ نے بیان کیا کہ ہم ایک روز دن کے شروع حصہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ کے پاس ایسے لوگ آئے جن کے پاس کپڑے نہیں تھے انہوں نے اون کی چادریں یا عبائیں پہنی ہوئی تھیں، گردنوں میں تلواریں لٹکائی ہوئی تھیں ان میں سے اکثر افراد بلکہ سب ہی قبیلہ بنی مضر میں سے تھے۔ ان کی حاجت مندی کا حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، آپ اندر گھر میں تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے۔ (اتنے میں زوال ہو چکا تھا) آپ نے بلال کو اذان دینے کا حکم دیا انہوں نے اذان دی اقامت کہی آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا اور سورۂ نساء کی آیت: يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ آیت کے ختم یعنی إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا تک تلاوت فرمائی اور دوسری آیت سورۂ حشر کی یعنی: يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ تلاوت فرمائی اور حاضرین کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا (لوگوں نے صدقہ دینا شروع کیا) کوئی شخص دینار لایا کسی نے درہم کا صدقہ کیا، کسی نے کپڑا دے دیا۔ اور کوئی شخص گیہوں کا ایک صاع لے آیا اور کسی نے چھواروں کا ایک صاع پیش کر دیا (حسب توفیق حاضرین چیزیں لاتے رہے) یہاں تک کہ راوی نے آدھی کھجور کا تذکرہ بھی کیا یعنی لوگ آدھی کھجور لے آئے۔ تھوڑی دیر میں انصار میں سے ایک شخص (دراہم یا دنانیر) کی تھیلی لے کر آیا جو اتنی بھاری تھی کہ اس کا ہاتھ اٹھانے سے عاجز ہو چکا تھا، پھر دیگر افراد بھی لگا تار مختلف چیزیں لاتے رہے یہاں تک کہ میں نے کھانوں کی چیزوں اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھ لئے یہ سب کچھ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ کھل اٹھا۔ گویا کہ اس پر سونے کا پانی پھیر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کر دیا اسے اس کا ثواب ملے گا اور جس نے اس کے بعد اس پر عمل کیا اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور دوسرے کے ثواب میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

(مزید فرمایا) جس نے اسلام میں برا طریقہ جاری کر دیا اس کو اس کے جاری کرنے کا بھی گناہ ملے گا اور اس کے بعد جو

لوگ اس پر عمل کریں گے اس کے عمل کا بھی اسے گناہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں سے کمی نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم صفحہ ۳۲۷ ج ۱)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

یعنی تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا جس کے نتیجے میں اللہ نے ان کو خود ان کی جانوں سے غافل کر دیا۔ یعنی ان لوگوں کی خدا فراموشی کا نتیجہ ان کا خود فراموشی کی صورت میں نکلا، جس کے باعث وہ اپنی فوز و فلاح سے غافل و محروم ہو کر دائمی خسارے اور وبال میں مبتلا ہو گئے، سو ذکر و یاد خداوندی دراصل دارین کی سعادت و سرخروئی کی شاہکلید ہے اور اس سے غفلت ولا پرواہی خرابیوں کی خرابی اور ہلاکت و بربادی کی جڑ بنیاد ہے، کیونکہ یاد خداوندی سے محرومی کے بعد انسان غافل ہو جاتا ہے، اپنے مال و انجام سے، اپنے مقصد حیات سے، اور اپنے فرائض و واجبات سے، اور اس کے نتیجے میں وہ اپنی متاع حیات کو لایعنی اور بے کار مشاغل میں ضائع کر کے اپنے رب کے حضور خالی ہاتھ لوٹتا ہے، اور یہ ایسا بڑا خسارہ اور اس قدر ہولناک نقصان وضیاع ہے کہ پھر اس کی تلافی و تدارک کی بھی کوئی صورت ممکن نہیں رہتی۔

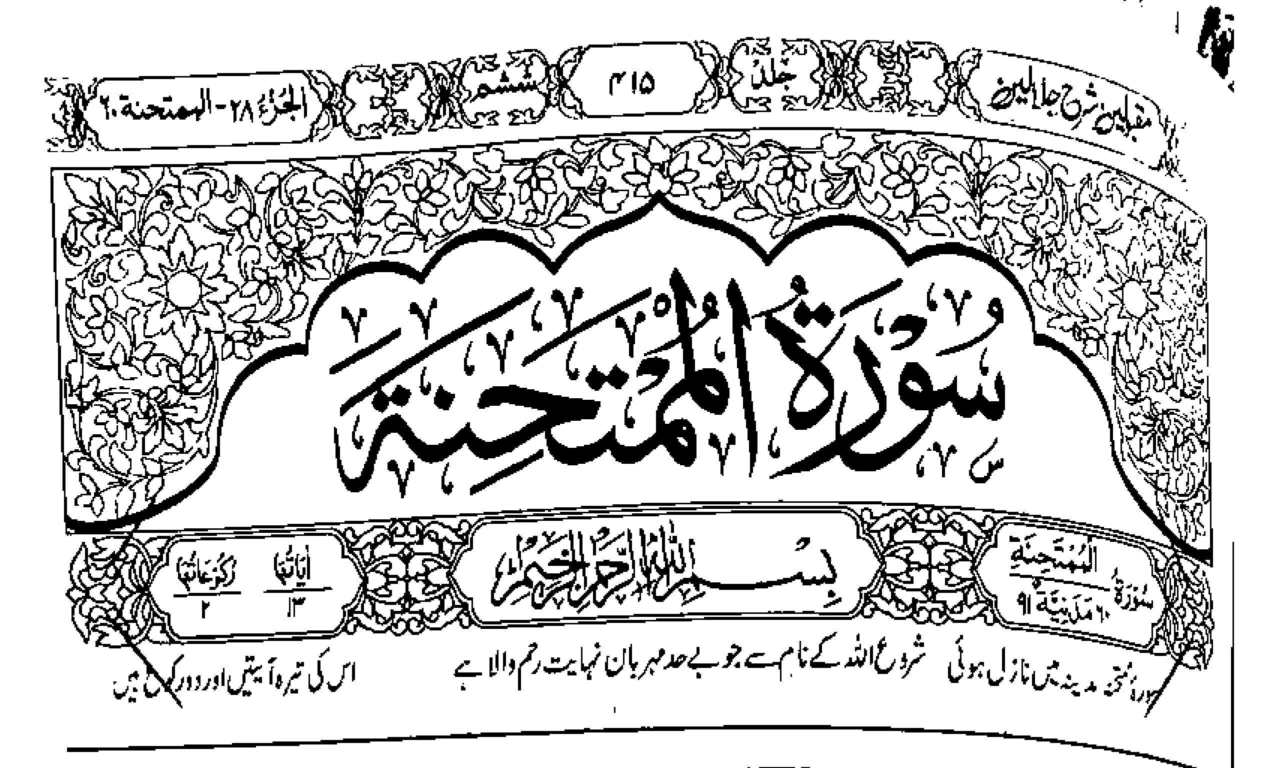
لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ ....

بلند و عظیم مرتبہ قرآن مجید:

قرآن کریم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فی الواقع یہ پاک کتاب اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ دل اس کے سامنے جھک جائیں، رونگٹے کھڑے ہو جائیں، کلیجے کپکپائیں، اس کے سچے وعدے اور اس کی حقانی ڈانٹ ڈپٹ ہر سننے والے کو بید کی طرح تھرا دے، اور دربار اللہ میں سربسجود کرا دے، اگر یہ قرآن جناب باری کسی سخت بلند اور اونچے پہاڑ پر بھی نازل فرماتا اور اسے غور و فکر اور فہم و فراست کی حس بھی دیتا تو وہ بھی اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا، پھر انسانوں کے دلوں پر جو نسبتاً بہت نرم اور چھوٹے ہیں۔ جنہیں پوری سمجھ بوجھ ہے، اس کا بہت بڑا اثر پڑنا چاہئے، ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے ان کے غور و فکر کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا، مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو بھی ڈر اور عاجزی چاہئے، متواتر حدیث میں ہے کہ منبر تیار ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ ایک کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بن گیا، بچھ گیا اور حضور ﷺ اس پر خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور وہ تنا دور ہو گیا، تو اس میں سے رونے کی آواز آنے لگی اور اس طرح سسکیاں لے لے کر وہ رونے لگا جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہو اور اسے چپ کرایا جا رہا ہو کیونکہ وہ ذکر وحی کے سننے سے کچھ دور ہو گیا تھا۔ امام بصری اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے تھے کہ لوگو ایک کھجور کا تنا اس قدر اللہ کے رسول ﷺ کا شائق ہو تو تمہیں چاہئے کہ اس سے بہت زیادہ شوق اور چاہت تم رکھو۔ اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ جب ایک پہاڑ کا یہ حال ہو تو تمہیں چاہئے کہ تم تو اس حالت میں اس سے آگے رہو اور جگہ فرمان اللہ ہے (ترجمہ) یعنی اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے باعث پہاڑ چلا دیئے جائیں یا زمین کاٹ دی جائے یا مردے بول پڑیں (تو اس کے قابل یہی قرآن تھا) (مگر پھر بھی ان کفار کو ایمان نصیب نہ ہوتا) اور جگہ فرمان عالی شان ہے (ترجمہ) الخ، یعنی بعض پتھر ایسے ہیں جن میں سے نہریں بہ نکلتی ہیں بعض وہ ہیں

پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلتا ہے بعض اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی پالنے اور پرورش کرنے والا ہے، نہ اس کے سوا کسی کی ایسی نشانیاں ہیں کہ اس کی کسی قسم کی عبادت کوئی کرے اس کے سوا جن جن کی لوگ پرستش اور پوجا کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں، وہ تمام کائنات کا علم رکھنے والا ہے، جو چیزیں ہم پر ظاہر ہیں اور جو چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں سب اس پر عیاں ہیں، خواہ آسمان میں ہوں خواہ زمین میں ہوں خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ہوں یہاں تک کہ اندھیریوں کے ذرے بھی اس پر ظاہر ہیں، وہ اتنی بڑی وسیع رحمت والا ہے کہ اس کی رحمت تمام مخلوق پر محیط ہے، وہ دنیا اور آخرت میں رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے، قرآن کریم میں اور جگہ ہے۔ (ترجمہ) میری رحمت نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے اور جگہ فرمان ہے (ترجمہ) تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحم و رحمت لکھ لی ہے۔ اور فرمان ہے (ترجمہ) کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ ہی خوش ہونا چاہئے تمہاری جمع کردہ چیز سے بہتر یہی ہے۔ اس مالک رب معبود کے سوا اور کوئی ان اوصاف والا نہیں، تمام چیزوں کا تنہا وہی مالک و مختار ہے ہر چیز کا ہیر پھیر کرنے والا سب پر قبضہ اور تصرف رکھنے والا بھی وہی ہے کوئی نہیں جو اس کی مزاحمت یا مدافعت کر سکے یا اسے ممانعت کر سکے، وہ قدوس ہے یعنی طاہر ہے، مبارک ہے، ذاتی اور صفاتی نقصانات سے پاک ہے تمام بلند مرتبہ فرشتے اور سب کی سب اعلیٰ مخلوق اس کی تسبیح و تقدیس میں علی الدوام مشغول ہے کل عیبوں اور نقصانوں سے مبرا اور منزہ ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اپنے افعال میں بھی اس کی ذات ہر طرح کے نقصان سے پاک ہے، وہ مومن ہے یعنی تمام مخلوق کو اس نے اس بات سے بے خوف رکھا ہے کہ ان پر کسی طرح کا کسی وقت اپنی طرف سے ظلم ہو، اس نے یہ فرما کر کہ یہ حق ہے سب کو امن دے رکھا ہے، اپنے ایماندار بندوں کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے، وہ مہیمن ہے یعنی اپنی تمام مخلوق کے اعمال کا ہر وقت یکساں طور شاہد ہے اور نگہبان ہے، جیسے فرمان ہے (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے اور فرمان ہے (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان کے تمام افعال پر گواہ ہے اور جگہ فرمایا (ترجمہ) الخ مطلب یہ ہے کہ ہر نفس جو کچھ کر رہا ہے اسے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، وہ عزیز ہے ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے کل مخلوق پر وہ غالب ہے پس اس کی عزت عظمت جبروت کبریائی کی وجہ سے اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، وہ جبار اور متکبر ہے، جبریت اور کبر صرف اسی کے شایان شان ہے صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عظمت میرا تہمد ہے اور کبریائی میری چادر ہے جو مجھ سے ان دونوں میں سے کسی کو چھیننا چاہے گا میں اسے عذاب کروں گا، اپنی مخلوق کو جس چیز پر چاہے وہ رکھ سکتا ہے، کل کاموں کی اصلاح اسی کے ہاتھ ہے، وہ ہر برائی سے نفرت اور دوری رکھنے والا ہے، جو لوگ اپنی کم سمجھی کی وجہ سے دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں وہ ان سب سے بیزار ہے، اس کی الوہیت شرکت سے مبرا ہے، اللہ تعالیٰ خالق ہے یعنی مقدر مقرر کرنے والا، پھر باری ہے یعنی اسے جاری اور ظاہر کرنے والا، کوئی ایسا نہیں کہ جو تقدیر اور تنفید دونوں پر قادر ہو جو چاہے اندازہ مقرر کرے اور پھر اسی کے مطابق اسے چلائے بھی کبھی بھی اس میں فرق نہ آنے دے، بہت سے ترتیب دینے والے اور اندازہ کرنے والے ہیں جو پھر اسے جاری کرنے اور اسی کے مطابق برابر جاری رکھنے پر قادر نہیں، تقدیر کے ساتھ ایجاد اور تنفیذ پر بھی قدرت رکھنے والی اللہ کی ہی ذات ہے، پس خلق سے مراد تقدیر اور برء سے مراد تنفیذ ہے، عرب میں یہ الفاظ ان معنوں میں برابر بطور مثال کے بھی مروج ہیں، اسی کی شان ہے کہ جس چیز کو جب جس طرح کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ

اسی طرح اسی صورت میں ہوجاتی ہے جیسے فرمان ہے (ترجمہ) جس صورت میں اس نے چاہا تجھے ترکیب دی، اسی لئے یہاں فرماتا ہے ہو مصور بے مثل ہے یعنی جس چیز کی ایجاد جس طرح کی چاہتا ہے کہ گزرتا ہے۔ پیارے پیارے بہترین اور بزرگ تر ناموں والا وہی ہے، سورۃ اعراف میں اس جملہ کی تفسیر گزر چکی ہے، نیز وہ حدیث بھی بیان ہوچکی ہے جو بخاری مسلم میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم ایک سو نام ہیں جو انہیں شمار کرلے یاد رکھ لے وہ جنت میں داخل ہوگا وہ وتر ہے یعنی واحد ہے اور اکائی کو دوست رکھتا ہے، ترمذی میں ان ناموں کی صراحت بھی آئی ہے جو نام یہ ہیں۔ اللہ کہ نہیں کوئی معبود مگر وہی، رحمٰن، رحی، ملک، قدوس، سلام، مومن، مہیمن، عزیز، جبار، متکبر، خالق، باری، مصور، غفار، قہار، وہاب، رزاق، فتاح، علیم، قابض، باسط، خافض، رافع معز،، سمیع، بصیر، حکم، عدل، لطیف، خبیر، حلیم، عظیم، غفور، شکور، علی، کبیر، حفیظ، مقیت، حسیب، جلیل، کریم، رقیب، مجیب، واسع، حکیم، ودود، مجید، باعث، شہید، حق، وکیل، قوی، متین، ولی، حمید، محصی، مبدی، معید، محی، ممیت، حی و قیوم، واجد، ماجد، واحد، صبر، قادر، مقتدر، مقدم، موخر، اول، آخر، ظاہر، باطن، والی، متعال، بر، تواب، منتقم، عفو، رؤف، مالک الملک، ذوالجلا، والاکرام، مقسط، جامع، غنی، مغنی، معطی، مانع، ضار، نافع، نور، ہادی، بدیع، باقی، وارث، رشید، صبور۔ ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں کچھ تقدیم تاخیر کمی زیادتی بھی ہے الغرض ان تمام احادیث وغیرہ کا بیان پوری طرح سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے باقی سب کو دوبارہ وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔ آسمان وزمین کی کل چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے (ترجمہ) اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں جو مخلوق ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح حمد کے ساتھ بیان نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے بیشک وہ بردبار اور بخشش کرنے والا ہے، وہ عزیز ہے اس کی حکمت والی سرکار اپنے احکام اور تقدیر کے تقدر میں ایسی نہیں کہ کسی طرح کی کمی نکالی جائے یا کوئی اعتراض قائم کیا جاسکے۔



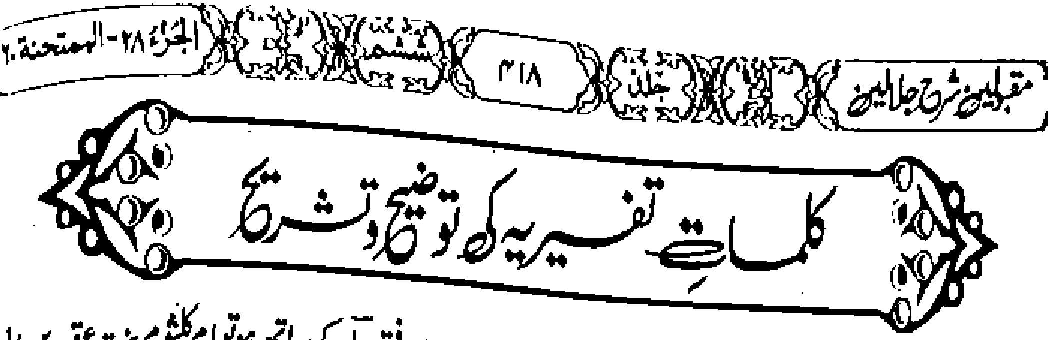
يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ تُوْصِلُوْنَ اِلَيْهِمْ قَصْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَهُمُ الَّذِيْ اَسَرَّهُ اِلَيْكُمْ وَوَرّٰى بِخَيْبَرَ بِالْمَوَدَّةِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ كَتَبَ حَاطِبُ بْنُ اَبِيْ بَلْتَعَةَ اِلَيْهِمْ كِتَابًا بِذٰلِكَ لِمَالَهُ عِنْدَهُمْ مِنَ الْاَوْلَادِ وَالْاَهْلِ الْمُشْرِكِيْنَ فَاسْتَرَدَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ اَرْسَلَهُ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَهُ بِذٰلِكَ وَقَبِلَ عُذْرَ حَاطِبٍ فِيْهِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ اَيْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَالْقُرْاٰنِ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ مِنْ مَكَّةَ بِتَضْيِيْقِهِمْ عَلَيْكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا اَيْ لِاَجْلِ اَنْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا لِلْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ اَيْ فَلَا تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ اَيْ اِسْرَارَ خَبَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اَخْطَاَ طَرِيْقَ الْهُدٰى وَالسَّوَاءُ فِي الْاَصْلِ الْوَسَطُ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَظْفَرُوْا بِكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ بِالْقَتْلِ وَالضَّرْبِ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ بِالسَّبِّ وَالشَّتْمِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ قَرَابَتُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ الْمُشْرِكُوْنَ الَّذِيْنَ لِاَجْلِهِمْ اَسْرَرْتُمُ الْخَبَرَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْاٰخِرَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ فَتَكُوْنُوْنَ فِي الْجَنَّةِ وَهُمْ فِيْ جُمْلَةِ الْكُفَّارِ فِي النَّارِ وَاللّٰهُ بِمَا

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ وَ ضَمِّهَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ قُدْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ اَيْ بِهٖ قَوْلًا وَ فِعْلًا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا جَمْعُ بَرِيْءٍ كَظَرِيْفٍ مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ اَنْكَرْنَاكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ وَاوًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مُسْتَثْنٰى مِنْ اُسْوَةٍ اَيْ فَلَيْسَ لَكُمُ التَّاَسِّيْ بِهٖ فِيْ ذٰلِكَ بِاَنْ تَسْتَغْفِرُوْا لِلْكُفَّارِ وَ قَوْلَهٗ وَ مَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ اَيْ مِنْ عَذَابِهٖ وَثَوَابِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَنٰى بِهٖ عَنْ اَنَّهٗ لَا يَمْلِكُ لَهٗ غَيْرَ الْاِسْتِغْفَارِ فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَيْهِ مُسْتَثْنٰى مِنْ حَيْثُ الْمُرَادُ مِنْهُ وَاِنْ كَانَ مِنْ حَيْثُ ظَاهِرِهٖ مِمَّا يَتَاَسّٰى فِيْهِ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاسْتِغْفَارُهٗ قَبْلَ اَنْ يَّتَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ كَمَا ذُكِرَ فِيْ بَرَاءَةٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ مِنْ مَقُوْلِ الْخَلِيْلِ وَمَنْ مَعَهٗ اَيْ وَقَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَيْ لَا تُظْهِرْهُمْ عَلَيْنَا فَيَظُنُّوْا اَنَّهُمْ عَلَى الْحَقِّ فَيُفْتَنُوْا اَيْ تُذْهَبُ عُقُوْلُهُمْ بِنَا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ فِيْ مُلْكِكَ وَصُنْعِكَ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ يَآ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ جَوَابُ قَسَمٍ مُقَدَّرٍ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِنْ كُمْ بِاِعَادَةِ الْجَارِّ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ اَيْ يَخَافُهُمَا اَوْ يَظُنُّ الثَّوَابَ وَالْعِقَابَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ بِاَنْ يُّوَالِيَ الْكُفَّارَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ عَنْ خَلْقِهٖ الْحَمِيْدُ ۝ لِاَهْلِ طَاعَتِهٖ

ع

ترجمہ: اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں (کفار مکہ) کو دوست مت بناؤ کہ تم ان کو بھیجتے ہو پیغام (آنحضرتؐ کے ارادہ کے متعلق جو کفار مکہ پر چڑھائی کرنے کا تھا جسے مخفی طور پر تمہیں تو آپؐ نے بتلا دیا تھا۔ مگر خیبر کی طرف توریہ کیا تھا) دوستی کی وجہ سے (اپنے اور ان کے درمیان۔ حاطب ابن ابی بلتعہ نے اس مضمون کا خط کفار مکہ کو لکھا۔ کیونکہ ان کے اہل وعیال مشرکین کے پاس تھے۔ آنحضرتؐ نے اس خط کو واپس منگوا لیا بذریعہ وحی آپؐ کو معلوم ہو گیا۔ اور اس بارے میں حاطب کا عذر قبول فرمالیا) حالانکہ وہ منکر ہیں۔ اس حق (دین اسلام اور قرآن) کے جو تمہارے پاس آچکا ہے وہ شہر بدر کر چکے ہیں پیغمبر کو اور تمہیں (مکہ سے تمہیں مجبور کر کے) اس بناء پر کہ تم ایمان لے آئے (یعنی تمہارے ایمان لانے کی وجہ سے) اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم جہاد کرنے کی غرض سے میرے رستہ میں اور میری خوشنودی کی خاطر نکلے ہو (جواب شرط ماقبل

ہے معلوم ہو رہا ہے۔ یعنی فلا تتخذوھم اولیاء) تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو۔ حالانکہ مجھے سب چیزوں کا بخوبی علم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ ظاہر کر کے کرتے ہو اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا (آنحضرتؐ کی خبر انہیں چپکے چپکے پہنچائے گا) تو وہ راہ راست سے بہک گیا (ہدایت کے راستہ سے چوک گیا۔ سواء اصل میں وسط کو کہتے ہیں) ان کو اگر تم پر دسترس (قابو) ہو جائے تو عداوت ظاہر کرنے لگیں اور تم پر (قتل اور مار دھاڑ سے) دست درازی کرنے لگیں بری طرح (گالم گلوچ کر کے) اور وہ اس بات کے خواہشمند (متمنی) ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔ تمہارے رشتہ دار (قرابتدار) اور اولاد کام نہ آئیں گے (وہ مشرکین جن کی وجہ سے تم نے خبر چپکے سے پہنچائی ہے۔ عذاب آخرت سے) قیامت کے دن اللہ فیصلہ کرے گا (مجہول و معروف دونوں قراءتیں ہیں) تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔ تمہارے لیے ایک نمونہ ہے (اسوۃ کسرہ ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ دونوں جگہ بمعنی نمونہ) عمدہ ابراہیم میں (یعنی ان کے قول و فعل میں) اور ان (مومنین) میں جو ان کے ساتھ تھے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں (برائٓ بری کی جمع ہے ظریف کی طرح) ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا (ابداء دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کو واؤ سے بدل کر ہے) جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا (یہ اسوہ سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی ابراہیم کی اس بات میں تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے کہ تم کفار کے لئے استغفار کرنے لگو، اور ان کا یہ قول کہ) اور تمہارے لئے مجھ کو اللہ کے آگے اختیار نہیں ہے (یعنی اس کے عذاب و ثواب کا) کچھ بھی (یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ بجز استغفار کے میں ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ پس یہ قول لاستغفرن پر معطوف و مرتب ہے اور بلحاظ مقصد مستثنیٰ ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ آیت قل فمن یملك من الله شیئا کی وجہ سے قابل تقلید معلوم ہوتی ہے اور ابراہیم کا استغفار اس بات کے ظاہر ہونے سے پہلے ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ جیسا کہ سورۂ برأت میں گزر چکا ہے) اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے (یہ دعائیہ جملے بھی چونکہ ابراہیم اور ان کے رفقاء کے ہیں۔ اس لئے پہلے قالوا مقدر ہے) اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنا (یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ نہ دیجئے۔ ورنہ وہ خود کو برسر حق سمجھ بیٹھیں گے۔ پس اس طرح وہ فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ یعنی ان کی عقلیں ہماری وجہ سے ماری جائیں گی) اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دیجئے۔ بلاشبہ آپ زبردست حکمت والے ہیں (اپنی سلطنت و صنعت میں) بے شک تمہارے لئے (اے امت محمدیہ! قسم مقدر کا یہ جواب ہے) ان لوگوں میں عمدہ نمونہ ہے۔ یعنی اس شخص کے لئے (یہ بدل الاشتمال ہے ضمیر کم سے جار کو دوبارہ لا کر) جو اللہ کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے (ان دونوں سے ثواب و عذاب کا دھیان کرتا ہو) اور جو شخص روگردانی کرے گا (کفار سے دوستی کر کے) سو اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق سے) بالکل بے نیاز (اپنے فرمانبرداروں کے لئے) لائق ستائش ہے۔



قوله :الممتحنه . کسرۂ حاء کے ساتھ ہوتو مومنین کے اعتبار سے ہے اور فتحہ حا کے ساتھ ہوتو ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ہوں گی۔ جوعبدالرحمن بن عوفؓ کی بیوی اور ابراہیم کی والدہ ہیں جنہوں نے ہجرت کی تھی۔

قوله :لا تتخذوا عدوی. محبت وعداوت دونوں میں اگرچہ منافات ہوتی ہے۔ دونوں یک جا نہیں ہوسکتیں۔ اور بظاہر ممانعت دونوں کے ممکن الاجتماع ہونے کو بتلا رہی ہے؟ جواب یہ ہے کہ ایک حیثیت سے یقیناً دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ مگر دو حیثیتوں سے جمع ہوسکتی ہیں۔ یعنی دنیاوی لحاظ سے محبت ہو اور مذہبی لحاظ سے عداوت ہو۔ اس لئے آیت میں اس حیثیت سے جمع کرنے کو بھی منع کیا جارہا ہے کہ ان سے دنیاوی محبت بھی نہ کرو کہ وہ صرف میرے ہی نہیں بلکہ تمہارے بھی دشمن ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ ظاہری تعلق مراد ہے ورنہ حاطبؓ کا دل صاف تھا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی "اما صاحبکم فقد صدق" سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوا کہ کفار سے باطنی تعلق تو درکنار ظاہری محبت بھی نہیں ہونی چاہیے۔

قوله :قَصَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: یہ تُلْقُوْنَ کا مفعول ہے۔

قوله :الَّذِیْ اَسَرَّهٗ: کفار کے ساتھ غزہ کے سلسلہ میں آپ نے چھپایا اور تم کفار کو ظاہر کرتے ہو۔

قوله :وَرّی النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غزوہ مکہ کے لیے آپ ﷺ نے خیبر کی طرف رخ کر کے توریہ کیا۔

قوله : وَقَدْ كَفَرُوْا: یہ حال ہے۔ اس کا حال يُخْرِجُوْنَ ہے۔

قوله : تُسِرُّوْنَ: یہ تلقون سے بدل ہے۔

قوله :اِسْرَارُ: آپ کی اطلاع کا خفیہ بھیجنا۔

قوله :الْوَسْطُ: یہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔

قوله : لَوْ تَكْفُرُوْنَ: لو یہاں ان مصدریہ کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ تمہارے ارتدار کے خواہاں ہیں۔

قوله :بِلْمَفْعُوْلِ: وہ بینکم ہے اور فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

قوله : اُسْوَةٌ : قدوہ وہ نمونہ جس کی اقتداء کی جائے۔

قوله : فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ : یہ اسوہ کی دوسری خبر یا کان کی خبر ہے۔ لکم لغو ہے۔

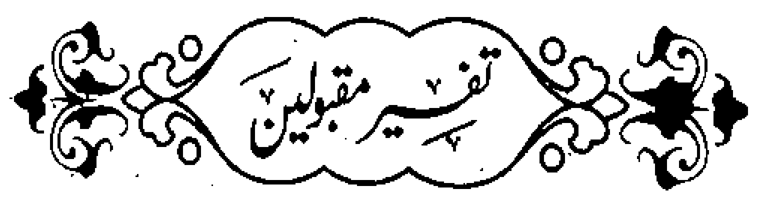
قوله :لَكُمُ التَّأَسِّیْ :اقتداء وپیروی۔

قوله :وَاِنْ كَانَ مِنْ حَيْثُ: مجموعہ کے استثناء سے تمام اجزاء استثناء لازم نہیں فتدبر۔

قوله :فَمَنْ يَمْلِكُ: یہ دلیل ہے کہ آپ کو اس کی اقتداء کا حکم ہے۔

قوله :ما املك لك: یہ الفاظ کنایہ ہیں اس سے کہ مجھے بجز استغفار کے کچھ اختیار نہیں ہے اور کنایہ کہتے ہیں کہ کسی لفظ کو غیر

موضوع لہ معنی میں استعمال کیا جائے۔ مفسرؒ اس موقعہ پر ایک شبہ کا دفعیہ کرنا چاہتے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ وما املك لك من الله حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کا یہ قول تو قابل تقلید ہے۔ حالانکہ اس کا عطف مستثنیٰ یعنی لاستغفرن لك پر ہو رہا ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ قول ثانی بھی پہلے قول کی طرح قابل تقلید نہیں ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ان ظاہری معنی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو معترض کے پیش نظر ہیں۔ بلکہ معنی یہ ہوں گے کہ میں اپنے باپ کے لئے استغفار کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ یعنی خاص ان کے لئے استغفار کا مالک ہوں۔ دوسرے کے لئے نہیں ہوں اور ظاہر ہے کہ کافر باپ کے لئے استغفار قابل تقلید نہیں ہے۔ پس تفسیری عبارت "فهو مبنى عليه" کے معنی یہ ہیں کہ یہ قول پہلے قول لاستغفرن پر مرتب ہے۔ بطریق عطف کے یا بطور حالت کے گویا کہ ابراہیمؑ نے یہ کہا کہ میں باپ کے لئے استغفار کروں گا۔ حالانکہ میری طاقت اور وسعت میں سوائے استغفار کے کچھ نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے اس مجموعہ کی حکایت فرما دی۔ مفسرؒ کا قول قل فمن يملك لكم من الله شيئا۔ یہ آیت فتح سے استدلال ہے۔ مفسرؒ کے "يتاسى به فيه" کہنے پر اور خطیبؒ کہتے ہیں کہ ما املك یہ تتمہ ہے لاستغفرن کا اور مجموعہ کے استثناء سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے تمام احوال کا استثناء بھی ہو جائے۔ بہر حال اس آیت میں آنحضرتؐ کا حضرت ابراہیمؑ سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کو قابل تقلید نمونہ نہیں مانا اور آنحضرتؐ کو ما اتاكم الرسول فخذوه... میں مطلقاً قابل تقلید مانا ہے۔



اس سورت کا شان نزول حاطب بن ابی بلتعہؓ کا وہ واقعہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ کے لیے فوج لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپ ﷺ کے اس ارادہ کی اطلاع قریش مکہ کو کر دی تھی اور ایک عورت کے ذریعے ایک خط روانہ کیا تھا جس پر بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مطلع فرمایا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہؓ مہاجرین میں سے تھے اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے مکہ مکرمہ میں ان کے خاندان کے کچھ افراد اور بچے تھے قریش سے کوئی نسبی قرابت نہ تھی، حضرت عثمان غنیؓ کے حلیف تھے، صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا قریش مکہ نے جب اس کو توڑ ڈالا تو آنحضرت ﷺ مکہ کی طرف مجاہدین کی فوج لے کر روانہ ہوئے تو حاطب بن ابی بلتعہؓ نے یہ سوچ کر کہ ایسے ہنگامے میں اگر میرے اہل و عیال کی وہاں کوئی حفاظت کی صورت ہو جائے تو اچھا ہے قریش مکہ کو قافلہ کی روانگی کی اطلاع کر دی، حضرت علی بن ابی طالبؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اور زبیر بن العوامؓ اور مقداد بن الاسودؓ کو حکم فرمایا تم لوگ روانہ ہو جاؤ اور چلتے رہو تا آنکہ تم روضہ خاخ نامی مقام تک پہنچ جاؤ تو اس جگہ تم کو ایک سوار عورت ملے گی اس کے پاس خط ہوگا اس سے وہ خط لے لینا، بیان کرتے ہیں ہم گھوڑوں پر سوار تیزی سے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ روضہ خاخ پر جب پہنچے تو ایک عورت ملی ہم نے اس سے کہا خط نکال کر ہمیں دے دے، اس نے کہا میرے پاس تو کوئی خط نہیں، ہم نے اس پر سختی کی اور کہا یا تو خط دیدے ورنہ تجھ کو کپڑے اتار کر برہنہ کر دیں

گے اور وہ خط کسی نہ کسی طرح ہم تجھ سے لے ہی لیں گے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور اس کو لینے کے ہم مامور ہیں! تو اس نے ایک خط اپنے بالوں کے جوڑے سے نکال کر ہمیں دے دیا۔ ہم خط لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے وہ خط حاطب بن ابی بلتعہؓ کی طرف سے بعض مشرکین مکہ کے نام تھا جس میں آنحضرت ﷺ کی مکہ کی طرف روانگی کی اطلاع تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اے حاطبؓ یہ کیا ہے، حاطبؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اظہار حقیقت کی مہلت عنایت فرمایئے، اصل حقیقت یہ ہے کہ میں قریش کے خاندانوں کے ساتھ وابستہ تھا اور میری ان کے ساتھ کوئی نسبی قرابت نہ تھی جیسا کہ دوسرے مہاجرین کی ان کے ساتھ قرابتیں ہیں میں نے خیال کیا یہ ایک ظاہری سلوک انکے ساتھ کر دوں تا کہ وہ میرے بچوں کی (ایسے زمانہ میں) کچھ دیکھ بھال کر لیں (خدا گواہ ہے) میں نے یہ بات کفر اور اپنے دین سے ارتداد کی وجہ سے نہیں کی ہے اور نہ میں اسلام کے بعد کفر سے کوئی وابستگی رکھ سکتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حاطبؓ نے سچ کہا، اس پر عمر فاروقؓ اس ظاہری عمل پر برافروختہ ہونے کے باعث کہنے لگے یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ ﷺ نے فرمایا، یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں (اور بدیین کا مقام یہ ہے کہ اللہ نے ان کو نفاق سے پاک فرمایا ہے تو حضور ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اے عمرؓ یہ بات نفاق کی وجہ سے نہیں ہے البتہ رائے اور فہم کی غلطی ہے کہ یہ صورت کی) اور فرمایا اے عمرؓ! تمہیں خبر بھی ہے؟ اللہ نے تو اہل بدر کو اپنی خاص شان عنایت سے جھانک کر یہ فرمایا: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ (اے بدریو! اب تم جو کچھ چاہے کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے) یہ سن کر عمر فاروقؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ (صحیح بخاری و مسلم، جامع ترمذی)

اور ایک روایت میں ہے کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جاننے والے ہیں اور انہی کے فرماں پر میرا ایمان ہے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو بدر میں شریک ہوا وہ کبھی منافق نہیں ہو سکتا ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں وہ جانبازی اور سرفروشی دکھلائی کہ حاملین عرش اور ملائکہ عش عش کرنے لگے اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آیا، خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا دوست بے دریغ اس سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے نشہ میں ایسے مخمور اور چور ہوئے کہ اپنے بھی بیگانے بن گئے اور اللہ کا بول بالا کیا اور کفر و شرک کے سر پر وہ کاری ضرب لگائی کہ پھر وہ زخم مندمل نہ ہو سکا۔

اس عظیم الشان کارنامہ کے صلہ میں بارگاہ خداوندی سے (آیت) " رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ "۔ اور ". اولئک کتب فی قلوبہم الایمان " کا زرین تمغہ ان کو عطا ہوا اور آئندہ جن گناہوں کے صدور کا امکان ہے ان کی معافی کو صیغہ ماضی سے بیان فرمایا یعنی: " فقد غفرت لکم " بصیغہ ماضی فرمایا اور: فاغفر لکم بصیغہ مستقبل نہیں فرمایا تا کہ اہل بدر کا مغفور الذنوب ہونا قطعی طور پر محقق ہو جائے کہ انکی مغفرت مثل امر ماضی کے محقق اور یقینی ہے اور اعملوا ما شئتم۔ کا خطاب، خطاب تشریف اور خطاب اکرام ہے، اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ خواہ کچھ ہی کریں مگر کسی حال میں بھی دائرہ عفو اور دائرہ مغفرت سے باہر نہ جائیں گے، اعملوا ما شئتم کا خطاب گناہوں کی اباحت اور اجازت کے لیے نہ تھا، ایسا خطاب الٰہی محبین اور مخلصین کو ہو سکتا ہے کہ جن سے اپنے محبوب کی معصیت ناممکن ہو جائے۔

بدر کی شرکت بظاہر ایک حسنہ ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں اور لاکھوں حسنات کا اجمال اور عنوان ہے اور ایمان و احسان صدق اور اخلاص کی ایک سند ہے لہٰذا اگر بدر میں شرکت کرنے والے صحابی سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی یا فروگذاشت ہوجائے تو وہ: رضی الله عنهم ورضوا عنه اور: اولئك كتب فی قلوبهم الايمان سے باہر نہیں ہوسکتا اس لیے کہ یہ اس علیم وخبیر کی خبر ہے کہ جس میں کذب کا امکان نہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ ان سے یہ فروگذاشت ہوگی مگر باوجود اس ازلی اور ابدی علم کے پھر ان کو: "رضی الله عنهم ورضوا عنه" کے تمغہ سے سرفراز فرمایا معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان حسنہ کے بعد ان سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی کہ جو انکی اس نیکی کو محو کرسکے بلکہ یہ عظیم الشان حسنہ ہی آئندہ کی غلطی کا کفارہ بن جائے گی، کما قال اللہ تعالیٰ: "ان الحسنات يذهبن السيئات"۔ یعنی تحقیق نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

واذا الحبيب اتى بذنب واحد جاءت محاسنه بالف شفيع

اگر دوست سے کسی وقت کوئی غلطی اور چوک ہوجائے تو اس کے محاسن اور گزشتہ کارنامے ہزار سفارشی لاکر سامنے کھڑے کردیتے ہیں۔

قلب میں اگر کوئی فاسد اور زہریلا مادہ نہ ہو تو پھر معصیت چنداں نقصان نہیں پہنچاتی، بلکہ قلب کی قوت ایمانی اس کو توبہ اور استغفار پر آمادہ کرتی ہے جس سے فقط گناہ معاف ہی نہیں ہوتا بلکہ مبدل بہ نیکی ہوجاتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

الا من تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئك يبدل الله سياتهم حسنات وكان الله غفورا رحيما۔

(القرآن الحکیم) مگر جن لوگوں نے کفر وشرک سے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک کام کیے اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور ہے اللہ بخشنے والا اور مہربان۔

بندہ نے جب توبہ اور استغفار کرکے اپنے گناہ کو ندامت اور پشیمانی سے بدلا تو خداوند ذوالجلال نے اس کی سیئات کو حسنات سے اور اس کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا۔

یہ آیت عامہ مومنین کے حق میں ہے اہل بدر سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں اور جس کے قلب میں کوئی زہریلا اور فاسد مادہ موجود ہو تو ہزار اطاعت وعبادت بھی اس کے لیے مفید نہیں جیسے ابلیس لعین اور بلعم باعوراء، خوارج وروافض ہزار نماز اور روزہ اور لاکھ عبادت کریں، مگر جب تک قلب کا تنقیہ نہ ہوجائے اور فاسد مادہ نہ نکل جائے اس وقت تک کوئی طاعت اور کوئی عبادت مفید اور کارآمد نہیں۔

صفراوی مزاج والے کو کتنی ہی لطیف غذا کیوں نہ دی جائے کوئی فائدہ نہیں۔ سوء مزاج کی وجہ سے وہ لطیف غذا بھی مستحیل الی الصفراء ہوجائے گی، کما قال اللہ تعالیٰ: فی قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔

صحیح المزاج اور صحیح القوی اگر غلطی سے کوئی بدپرہیزی کر بیٹھے تو اس کے لیے کسی خاص علاج کی حاجت نہیں اس کی طبیعت ہی خود اس عارضی مرض کو دفع کردے گی،

حضرت عمرؓ نے حضرت حاطبؓ کی اس غلطی کو فساد مزاج پر محمول کر کے نفاق کا حکم لگایا اور قتل کی اجازت چاہی، سرخیل اطباء روحانی فداہ روحی وجثمانی، ﷺ نے جواب دیا کہ اے عمرؓ، حاطبؓ کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے یہ نفاق نہیں بلکہ غفلت سے غلطی ہوگئی ہے روحانی مزاج اس کا صحیح ہے بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنا دیا ہے اتفاق سے بد پرہیزی ہوگئی ہے صحیح المزاج کو کبھی کبھی نزلہ اور زکام کی شکایت پیش آجاتی ہے جس کے لیے ایک معمولی سا جوشاندہ یا خیساندہ کافی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا حاطبؓ کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمایا: (ماهذا يا حاطب رضی الله تعالى عنه) اے حاطب یہ کیا معاملہ ہے، ان کی عارضی شکایت کے لیے یہی جوشاندہ کافی تھا پیتے ہی بد پرہیزی کا اثر ایسا کافور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی نہ پیش آئی۔" وارضاہ۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے شاہ اسکندریہ کے نام دعوت اسلام کا خط لکھوایا تو انہی حاطبؓ کو سفیر بنا کر بھیجا سبحان اللہ کیا بارگاہ تھی ایک جانب حاطبؓ کو جوشاندہ پلایا جا رہا ہے اور دوسری جانب عمر بن الخطابؓ کو امراض روحانی کی تشخیص اور معالجہ کا طریقہ تلقین ہو رہا ہے تاکہ جب وقت آئے تو عمرؓ تشخیص اور علاج میں غلطی نہ کریں۔

حاطبؓ کے خط کا مضمون:

حاطب بن ابی بلتعہؓ کے خط کا مضمون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشاء عیاذ ا باللہ نفاق نہ تھا وہ خط یہ تھا۔

اما بعد یا معشر قریش فان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم جاء كم بجيش كالليل يسير كالسيل فو الله لو جاء كم وحده لنصره الله وانجز له وعده، فانظروا الانفسكم۔۔ والسلام۔

اے گروہ قریش رسول اللہ ﷺ رات کی مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لے کر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہوگا، خدا کی قسم اگر رسول اللہ ﷺ بلا لشکر کے خود تن تنہا ہی تشریف لے جائیں تو اللہ ضرور آپ ﷺ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت کا جو وعدہ ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: لا تقولوا له الا خيرا۔ کہ ان کے حق میں خیر کے سوا اور کچھ مت کہو، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس خط کا خود مضمون ایسا تھا جس کو دیکھ کر حاطب کا ایمان و تقوی ثابت ہوتا ہے اس میں یہ کلمات تھے: یا معشر قریش ان محمدا يجيئ اليكم بجيش كالليل ويسير اليكم كالسيل والله لو جاء وحده لانجز الله وعده ونصر نبيه وانظروا الانفسكم۔ السلام

اور واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے اس خط کے یہ الفاظ معلوم ہوئے ہیں: ان محمدا قد نضر فاما اليكم او الى غيركم فعليكم الحذر۔ کہ محمد ﷺ روانہ ہو رہے ہیں یا تو تمہاری طرف یا تمہارے علاوہ کسی اور طرف بہرحال تم احتیاط کرو اور اپنی فکر کرو تو اس کا مطلب گویا ان کو اسلام کی دعوت دینا اور اس کے لیے آمادہ کرنا تھا۔

اور پھر ان کے متعلقہ احکام کیا ہیں، ان احکام کے بعد سورت کے آخر میں پھر کافروں کے ساتھ دوستی اور موالات

پر تنبیہ کردی گئی جس سے مضمون سورت کا آغاز کیا گیا تھا۔ نیز یہ کہ سورۂ حشر میں منافقین کے خصائل ذمیمہ کا ذکر تھا تو
اس مناسبت سے اس کے بعد سورۂ ممتحنہ میں ان باتوں سے آگاہ کیا جا رہا ہے جس سے اسلام کو نقصان پہنچ سکتا اور ان چیزوں
کی مذمت کی جا رہی ہے، جو نفاق کی خصلتوں میں شمار ہوتی ہیں۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ....

اس سورت کا ابتدائی حصہ کفار و مشرکین سے موالات اور دوستانہ تعلقات رکھنے کی حرمت و ممانعت میں آیا ہے اور اس
کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے:۔

شانِ نزول: تفسیر قرطبی میں قشیری اور ثعلبی کے حوالہ سے مذکور ہے کہ غزوہ بدر کے بعد فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ کی ایک مغنیہ
عورت جس کا نام سارہ تھا، پہلے مدینہ طیبہ آئی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ہجرت کر کے آئی ہو تو کہا کہ نہیں،
آپ نے پوچھا کہ کیا پھر تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا، آپ نے فرمایا کہ پھر یہاں کس غرض سے آئی ہو؟
اس نے کہا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے، آپ ہی میں میرا گزارہ مشکل ہو گیا، میں سخت حاجت و
ضرورت میں مبتلا ہو کر آپ سے مدد لینے کے لئے یہاں آئی ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم تو مکہ مکرمہ کی پیشہ ور مغنیہ ہو وہ مکہ کے
نوجوان کیا ہوئے (جو تجھ پر روپیہ پیسے کی بارش کیا کرتے تھے) اس نے کہا کہ واقعہ بدر کے بعد (ان کی تقریبات اور جشن
طرب ختم ہو چکے ہیں) اس وقت سے کسی نے مجھے نہیں بلایا، رسول اللہ ﷺ نے بنی عبدالمطلب کو اس کی امداد کرنے کی
ترغیب دی، انہوں نے اس کو نقد اور پوشاک وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

اور یہ وہ زمانہ تھا جب صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو کفار قریش نے توڑ ڈالا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے کفار مکہ پر حملہ آور
ہونے کا ارادہ کر کے اس کی خفیہ تیاری شروع کر رکھی تھی اور یہ دعا بھی کی تھی کہ ہمارا راز اہل مکہ پر قبل از وقت فاش نہ ہو، ادھر
مہاجرین اولین میں ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ تھے جو اصل سے یمن کے باشندے تھے، مکہ مکرمہ میں آکر مقیم ہو گئے
تھے وہاں ان کا کوئی کنبہ قبیلہ نہ تھا وہیں مسلمان ہو گئے، پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے، ان کے اہل و عیال بھی مکہ ہی میں
تھے، رسول اللہ ﷺ اور بہت سے صحابہ کرام کی ہجرت کے بعد مشرکین مکہ ان مسلمانوں کو جو مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے
ستاتے اور پریشان کرتے تھے، جن مہاجرین کے خویش و عزیز مکہ میں موجود تھے، ان کو تو کسی درجہ میں تحفظ حاصل تھا، حاطب
کو یہ فکر تھی کہ میرے اہل و عیال کو دشمنوں کی ایذاؤں سے بچانے والا وہاں کوئی نہیں، انہوں نے اپنے اہل و عیال کے تحفظ کا
موقع غنیمت جانا کہ اہل مکہ پر کچھ احسان کر دیا جائے تو وہ ان کے بچوں پر ظلم نہ کریں گے۔

ان کو اپنی جگہ یہ یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تو حق تعالیٰ فتح ہی عطا فرمائیں گے، آپ کو یا اسلام کو یہ راز فاش کر دینے
سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اگر میں نے ان کو کوئی خط لکھ کر اس کی اطلاع کر دی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارادہ تم لوگوں پر حملہ
کرنے کا ہے تو میرے بچوں کی حفاظت ہو جائے گی، یہ غلطی ان سے ہو گئی کہ ایک خفیہ خط اہل مکہ کے نام لکھ کر اس جانے والی
عورت سارہ کے سپرد کر دیا۔ (قرطبی و مظہری)

رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس معاملہ کی اطلاع دے دی اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عورت

اس وقت روضہ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔

صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور ابو مرشد اور زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اس عورت کا تعاقب کرو وہ تمہیں روضہ خاخ میں ملے گی اور اس کے ساتھ حاطب بن ابی بلتعہ کا خط بنام مشرکین مکہ ہے اس کو پکڑ کر وہ خط واپس لے لو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حسب الحکم تیزی کے ساتھ تعاقب کیا اور ٹھیک اسی جگہ جہاں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی اس عورت کو اونٹ پر سوار جاتے ہوئے پکڑ لیا اور ہم نے کہا کہ وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے، اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی کسی کا خط نہیں، ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھا دیا اس کی تلاشی لی مگر خط ہمیں ہاتھ نہ آیا، لیکن ہم نے دل میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خبر غلط نہیں ہو سکتی، ضرور اس نے خط کو کہیں چھپایا ہے، تو اب ہم نے اس کو کہا کہ یا تو خط نکال دو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتروائیں گے۔

جب اس نے دیکھا کہ اب ان کے ہاتھ سے نجات نہیں تو اپنے ازار میں سے یہ خط نکالا، ہم یہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، حضرت عمر بن خطاب نے واقعہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول اور سب مسلمانوں سے خیانت کی کہ ہمارا راز کفار کو لکھ دیا، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔

رسول اللہ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے اس حرکت پر آمادہ کیا؟ حاطب ابن ابی بلتعہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ایمان میں اب بھی ذرا فرق نہیں ہے، بات یہ ہے کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان کر دوں تاکہ وہ میرے اہل و عیال کو کچھ نہ کہیں، میرے سوا دوسرے حضرات مہاجرین میں کوئی ایسا نہیں جس کا کنبہ قبیلہ وہاں موجود نہ ہو جو ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے حاطب کا بیان سن کر فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے اس کے معاملہ میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو، حضرت فاروق اعظم نے (اپنی غیرت ایمانی سے) پھر اپنی بات دہرائی اور ان کے قتل کی اجازت مانگی، آپ نے فرمایا کہ کیا یہ اہل بدر (یعنی غزوہ بدر کے شرکاء) میں سے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے سب شرکاء غزوہ بدر کی مغفرت کا اور ان کے لئے وعدہ جنت کا اعلان فرما دیا ہے، یہ سن کر حضرت فاروق اعظم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی حقیقت کا علم رکھتے ہیں (یہ بخاری کی روایت کتاب المغازی غزوہ بدر میں ہے، از ابن کثیر) اور بعض روایات میں حاطب کا یہ قول بھی ہے کہ میں نے یہ کام اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے ہرگز نہیں کیا، کیونکہ میرا یقین تھا کہ آپ کو فتح ہی ہوگی، اہل مکہ کو خبر بھی ہو گئی تو آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

اس واقعہ کی بناء پر سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئی جن میں اس واقعہ پر سرزنش اور تنبیہ اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ کسی قسم کے دوستانہ تعلق رکھنے کو حرام قرار دیا گیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ "یعنی اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کو دوستی کے پیغام دو" اس میں اسی واقعہ مذکورہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح کا

کفار کو لکھنا ان کو دوستی کا پیغام دینا ہے اور آیت میں لفظ کفار کو چھوڑ کر عدوی اور عدوکم کا عنوان اختیار کرنے میں اول تو اس حکم کی علت اور دلیل کی طرف اشارہ ہو گیا کہ اپنے اور خدا کے دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھنا سخت دھوکہ ہے اس سے بچو، دوسرے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ کافر جب تک کافر ہے وہ کسی مسلمان کا جب تک کہ وہ مسلمان ہے دوست نہیں ہو سکتا، وہ خدا کا دشمن ہے تو مسلمان جو خدا کی محبت کا دعویدار ہے اس سے اس کی دوستی کیسے ہو سکتی ہے۔

وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ ۔ حق سے مراد قرآن یا اسلام ہے، اس آیت میں ان کا کفر جو اصل سبب ہے عداوت کا اس کا بیان کرنے کے بعد ان کی ظاہری عداوت کو بھی بتلایا کہ انہوں نے تم کو اور تمہارے رسول کو ان کے وطن عزیز سے نکالا اور اس نکالنے کی وجہ کوئی دنیاوی سبب نہ تھا بلکہ صرف تمہارا ایمان اس کا سبب تھا، تو یہ بات کھل گئی کہ جب تک تم مومن ہو وہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جیسا حاطب نے خیال کیا تھا کہ ان پر کچھ احسان کر دوں گا تو وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں گے، یہ خیال غلط ہے کیونکہ وہ تمہارے دشمن ایمان کی وجہ سے ہیں، جب تک خدانخواستہ تمہارا سلب نہ ہو جاوے ان سے کسی دوستی وتعلق کی توقع رکھنا دھوکہ ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيْلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ اس میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمہاری ہجرت واقعی اللہ کے لئے اور اس کی رضا جوئی کے لئے تھی تو کسی کافر دشمن خدا سے اس کی کیسے توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ تمہاری کوئی رعایت کرے۔

تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۚ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَيْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ ۚ اس میں یہ بھی بتلا دیا کہ جو لوگ کفار سے خفیہ دوستی رکھیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی یہ حرکت پوشیدہ رہ جائے گی، اللہ تعالیٰ کو ان کے چھپے اور کھلے ہر حال اور عمل کی خبر ہے، جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی خبردار کر کے سازش کو پکڑوا دیا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ ....

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ قابل اقتداء ہے اور کافر کے لئے استغفار ممنوع ہے:

ایمان اور کفر کی ہمیشہ سے لڑائی رہی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے جو اپنی قوم سے اور اپنی باپ سے مباحثے ہوئے جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں، ان باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے بغیر کسی مداہنت کے اپنی قوم کے سامنے اعلان کر دیا کہ ہم تم سے اور تم اللہ کے سوا جن کی بھی عبادت کرتے ہو ان سے بھی بیزار ہیں، اس اعلان کے ساتھ یہ بھی اعلان کیا کہ ہم تمہارے منکر ہیں ہم تمہارے دین کو نہیں مانتے اور ہمارے تمہارے درمیان بغض ہے اور دشمنی ہے اور یہ دشمنی ہمیشہ رہے گی جب تک تم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان نہ لاؤ۔

اہل ایمان کو اسی طرح کھلے طور پر اپنے ایمان کا اعلان کرنا چاہئے کافروں کے سامنے جھکنا اور ان سے ایسی ملاقات کرنا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ ان سے دوستی ہے یا یہ کہ وہ بھی دین حق پر ہیں یا یہ کہ ہمارا دین کمزور ہے (العیاذ باللہ) یہ سب باتیں

ایمان کے خلاف ہیں۔ ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیں کہ ہم تم میں سے نہیں اور تم ہم میں سے نہیں، کافروں سے کسی قسم کی موالات و مداہنت کا معاملہ نہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے باپ سے باتیں کی تھیں ان میں ایک یہ بات بھی تھی لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا اور ساتھ یہ بھی کہ تھا: وَ مَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں) یعنی ایمان قبول نہ کرو گے اور کفر ہی اختیار کئے رہو گے تو میں اللہ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا اس میں مغفرت کی دعاء کا جو وعدہ کیا تھا اس کے مطابق انہوں نے دعا بھی کی تھی جس کا سورۃ شعراء میں ذکر ہے۔ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ان کو ایمان کی توفیق دے اور مغفرت فرما، سورۃ توبہ میں فرمایا ہے: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے یعنی یہ یقین ہو گیا کہ کفر پر باپ کی موت ہو گی تو بیزاری ظاہر کر دی)۔

سورہ ممتحنہ میں جو: اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اور ان کے ساتھ جو توحید اور اعمال صالحہ میں ان کے شریک حال تھے ان میں تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے سوائے اس بات کے جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا۔ اس بات میں ان کا اسوہ نہیں ہے۔

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی دعاء ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں قولوا مقدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ کو حکم دیا ہے کہ یوں دعاء کریں کہ اے ہمارے رب ہم نے آپ پر بھروسہ کیا اور آپ ہی کی طرف رجوع کیا اور آپ ہی کی طرف جانا ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مِنْ كُفَّارِ مَكَّةَ طَاعَةً لِلّٰهِ تَعَالٰى مَّوَدَّةً بِاَنْ يَّهْدِيَهُمْ لِلْاِيْمَانِ فَيَصِيْرُوْا اَلْكُمْ اَوْلِيَاءَ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ عَلٰى ذٰلِكَ وَقَدْ فَعَلَهٗ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لَهُمْ مَا سَلَفَ رَّحِيْمٌ ۝ بِهِمْ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِّنَ الَّذِيْنَ وَ تُقْسِطُوْٓا تَقْضُوْا اِلَيْهِمْ بِالْقِسْطِ اَيِ الْعَدْلِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اَلْعَادِلِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَاوَنُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِّنَ الَّذِيْنَ اَيْ تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

آمَنُوْا اِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَلْسِنَتِهِنَّ مُهٰجِرٰتٍ مِنَ الْكُفَّارِ بَعْدَ الصُّلْحِ مَعَهُمْ فِي الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى اَنْ
مَنْ جَاءَ مِنْهُمْ اِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ يُرَدُّ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ بِالْحَلْفِ اَنَّهُنَّ مَا خَرَجْنَ اِلَّا رَغْبَةً فِي الْاِسْلَامِ لَا بُغْضًا
لِاَزْوَاجِهِنَّ الْكُفَّارِ وَلَا عِشْقًا لِرِجَالٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ كَذَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَلِّفُهُنَّ
اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ ظَنَنْتُمُوْهُنَّ بِالْحَلْفِ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ تَرُدُّوْهُنَّ
اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ اَيْ اَعْطُوا الْكُفَّارَ اَزْوَاجَهُنَّ مَّآ
اَنْفَقُوْا ؕ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهُوْرِ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ بِشَرْطِهٖ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ
مُهُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ زَوْجَاتِكُمْ لِقَطْعِ اِسْلَامِكُمْ لَهَا بِشَرْطِهٖ
اَوِ اللَّاحِقَاتِ بِالْمُشْرِكِيْنَ مُرْتَدَّاتٍ لِقَطْعِ ارْتِدَادِهِنَّ نِكَاحَكُمْ بِشَرْطِهٖ وَسْـَٔلُوْا مَآ اُطْلُبُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ
عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهُوْرِ فِيْ صُوْرَةِ الْاِرْتِدَادِ مِمَّنْ تَزَوَّجَهُنَّ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ عَلَى
الْمُهَاجِرَاتِ كَمَا تَقَدَّمَ اَنَّهُمْ يُؤْتَوْنَهٗ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ بِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ
فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اَيْ وَاحِدَةٌ فَاَكْثَرُ مِنْهُنَّ اَوْ شَيْءٌ مِنْ مُهُوْرِهِنَّ بِالذَّهَابِ اِلَى الْكُفَّارِ
مُرْتَدَّاتٍ فَعَاقَبْتُمْ فَغَزَوْتُمْ وَغَنِمْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِنَ الْغَنِيْمَةِ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ
لِفَوَاتِهٖ عَلَيْهِمْ مِنْ جِهَةِ الْكُفَّارِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ وَقَدْ فَعَلَ الْمُؤْمِنُوْنَ مَا اُمِرُوْا بِهٖ
مِنَ الْاِيْتَاءِ لِلْكُفَّارِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ ثُمَّ ارْتَفَعَ هٰذَا الْحُكْمُ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى
اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ كَمَا كَانَ يُفْعَلُ فِي
الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ وَاْدِ الْبَنَاتِ اَيْ دَفْنِهِنَّ اَحْيَاءً خَوْفَ الْعَارِ وَالْفَقْرِ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ
اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ اَيْ بِوَلَدٍ مَلْقُوْطٍ يَنْسُبْنَهٗ اِلَى الزَّوْجِ وَوُصِفَ بِصِفَةِ الْوَلَدِ الْحَقِيْقِيِّ فَاِنَّ الْاُمَّ اِذَا
وَضَعَتْهُ سَقَطَ بَيْنَ يَدَيْهَا وَرِجْلَيْهَا وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ هُوَ مَا وَافَقَ طَاعَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى كَتَرْكِ
النِّيَاحَةِ وَتَمْزِيْقِ الثِّيَابِ وَجَزِّ الشَّعْرِ وَشَقِّ الْجَيْبِ وَخَمْشِ الْوَجْهِ فَبَايِعْهُنَّ فَعَلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ ذٰلِکَ بِالْقَوْلِ وَلَمْ یُصَافِحْ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ﴾ هُمُ الْیَهُوْدُ ﴿قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ﴾ اَیْ مِنْ ثَوَابِهَا مَعَ اِیْقَانِهِمْ بِهَا لِعِنَادِهِمُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عِلْمِهِمْ بِصِدْقِهِ ﴿كَمَا یَئِسَ الْكُفَّارُ﴾ الْکَائِنُوْنَ ﴿مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝﴾ اَیِ الْمَقْبُوْرِیْنَ مِنْ خَیْرِ الْاٰخِرَةِ اِذْ تُعْرَضُ عَلَیْهِمْ مَقَاعِدُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ کَانُوْا اٰمَنُوْا وَمَا یَصِیْرُوْنَ اِلَیْهِ مِنَ النَّارِ

ع ۲ ۸

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے (اللہ کی اطاعت کی وجہ سے یعنی کفار مکہ سے) دوستی کر دے (انہیں اسلام کی توفیق بخش دے کہ وہ تمہارے دوست بن جائیں) اور اللہ کو بڑی قدرت ہے (اس پر چنانچہ فتح مکہ کے بعد اللہ نے وعدہ پورا کر دیا) اور معاف کرنے والا ہے (جو کچھ ان سے پہلے سرزد ہو چکا ہے۔ ان پر) رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا۔ ان (کافروں) کے ساتھ احسان وانصاف کا برتاؤ کرنے سے (ان تبروھم بدل اشتمال ہے الذین سے اور قسط بمعنی عدل ہے) جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے رکھتے ہیں۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تمہیں روکتا ہے۔ جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور تمہارے گھروں سے تم کو نکالا ہو۔ اور تمہارے نکالنے میں مدد (اعانت) کی ہو۔ (ان تولوھم بدل اشتمال ہے۔ الذین سے یعنی ان کو دوست بنانے سے روکتا ہے) اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی کرے گا۔ سو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔ اے اہل ایمان جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (جنہوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کیا) ہجرت کر کے آئیں (کفار کو چھوڑ کر۔ اس فیصلہ کے بعد جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر طے ہو گیا تھا کہ کافروں میں سے اگر کوئی مسلمانوں کے پاس آئے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا)۔ تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو (یہ قسم دلا کر کہ ان کا ہجرت کرنا صرف اسلام کی وجہ سے ہوا ہے۔ کافر شوہروں سے نفرت کی وجہ سے، اور مسلمانوں سے عشق وکی وجہ سے نہیں ہوا چنانچہ آنحضرتؐ اسی مضمون کا حلف عورتوں سے لیتے تھے) ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ چنانچہ اگر تم انہیں مسلمان سمجھو (قسم سے تمہارا اطمینان ہو جائے) تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو نہ وہ عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان عورتوں پر اور ان (کافروں) کو ادا کر دو جو انہوں نے خرچ کیا ہے (مہر اپنی عورتوں پر) اور تمہیں ان عورتوں سے (مشروط) نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر ان کو دے دو اور تم باقی مت رکھو (تشدید وتخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) کافر عورتوں کے تعلقات کو (کافر بیویوں کے۔ کیونکہ اسلام نے اس رشتہ کو منقطع کر دیا مع شرط کے یا ان بیویوں سے جو مشرکین سے جا ملیں مرتد ہو کر۔ کیونکہ ان کے ارتداد نے تمہارے نکاح کو مع شرط کے منقطع کر دیا ہے) اور مطالبہ کر لو (مانگ لو) کافروں سے جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے (ان بیویوں پر مہر اس صورت میں کہ ان بیویوں نے مرتد ہو کر کافروں سے نکاح کر لیا ہو) اور وہ مانگ لیں جو کچھ ان کافروں نے

ہجرت کرنے والی عورتوں پر) خرچ کیا ہو (جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ وہ خرچہ کو ادا کریں گے) یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان (اس کا) فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم وحکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بی بی ہاتھ نہ آئے (یعنی ایک یا ایک سے زائد بیوی۔ یا مہر میں سے کچھ لے کر چلی جائے) کافروں میں (مرتد ہوکر) چلی جانے سے پھر تمہاری نوبت آئے (غزوہ کرکے مال غنیمت میں تم نے حاصل کرلی ہو) تو جن کی بیویاں نکل گئی تھیں (غنیمت میں سے) جتنا انہوں نے کیا تھا اتنا تم دے دو (کیوں کہ کافروں سے انہیں کچھ نہیں ملا) اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو (مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے کفار اور مومنین کو مال دیا۔ اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا) اے پیغمبر جب مسلمانوں کی عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ ان سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ وہ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی۔ اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی (جیسے زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا رواج تھا۔ عار اور فقر کے خیال سے ان کو زندہ دفن کردیا جاتا تھا) اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی۔ جن کو ہاتھ پاؤں کے درمیان بنالیا ہو (یعنی گری پڑی اولاد کو شوہروں کی طرف منسوب کردیں اور حقیقی اولاد اس لئے کہا کہ ماں جب بچہ جنے گی تو بچہ اس کے ہاتھ پاؤں کے آگے ہی ولادت پائے گا) اور شرعی باتوں میں آپ کے خلاف نہیں کریں گی۔ (مشروع باتیں جو اللہ کے حکم کے مطابق ہوں۔ مثلاً بین کرکے نہ رونا، کپڑے وغیرہ نہ پھاڑنا اور بال وغیرہ نہ نوچنا اور نہ چہرہ کو پیٹنا) تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے (آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو زبانی بیعت فرمایا۔ لیکن انہوں نے کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا) اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے۔ بلاشبہ اللہ غفور ورحیم ہے۔ اے اہل ایمان ان لوگوں سے دوستی مت کرو۔ جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے (یعنی یہود) وہ آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے۔ (یعنی ثواب سے۔ باوجودیکہ ان کا اس کا یقین ہے۔ آنحضرتؐ سے دشمنی کرتے ہوئے۔ حالانکہ ان کو آپ کے سچے ہونے کا یقین ہے) جیسا کہ کفار مایوس ہوں گے قبروں میں جاکر (یعنی آخرت کی بھلائی سے قبروں میں نا امید ہوں گے۔ جنت کا مقام ان کو دکھلایا جائے گا۔ جو کو بصورت ایمان ان کو نصیب ہوتا۔ اور دوزخ جس میں وہ جھونکیں جائیں گے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: طَاعَةً لِلّٰهِ تَعَالٰى: اللہ تعالیٰ کی خاطر تمہاری طاعت کی برکت سے کفار مکہ ایمان لے آئیں گے تو مودت قائم ہو جائے گی۔

قوله: تُقْسِطُوْا: تم انصاف وعدل سے ان کی طرف فیصلہ کرو۔

قوله: بِشَرْطِهٖ: شرط نکاح، ان کا حلف ہے۔

قوله: بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ: جس کے ذریعے کافرہ عورتوں کے نکاح سے حفاظت ہوسکتی ہے۔

قوله: زَوْجَاتُكُمْ: یعنی وہ کافرات تمہارے اسلام سے تمہاری بیویاں تھیں۔

قوله: فأكثر منهم: اسم تفضیل جب من کے ساتھ استعمال ہو تو اس میں مذکر ومؤنث برابر ہیں۔

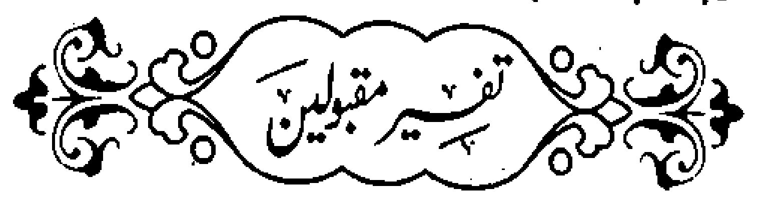
قوله: فَغَزَوْتُمْ: تمہاری اداء مہر کی باری آئے تم ان کو غنیمت میں پاؤ۔

قوله: مِنَ الْغَنِيمَةِ: یہ یا تو اسے متعلق ہے۔

قوله: إِلَى الزَّوْجِ: عورتیں کسی اور کی اولاد کو بطور افتراء خاوند کی طرف منسوب کر دیتیں۔

قوله: بِصِفَةِ الْوَلَدِ: وہ اس کا قول بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ ہے۔

قوله: مِنْ ثَوَابِهَا: اس بات کو جاننے کے باوجود کہ ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔



عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ ....

ہجرت کرنے کے بعد وطن سابق کے لوگوں سے تعلق رکھنے کی حیثیت:

جیسا کہ معلوم ومعروف ہے جو حضرات ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے مکہ معظمہ میں ان کے رشتہ دار تھے جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا طبعی طور پر مہاجرین کے دلوں میں اس کا احساس ہونا ممکن تھا کہ ان لوگوں سے تعلقات ٹوٹ گئے (لیکن ایمان وکفر کے مقابلہ کی وجہ سے تعلقات ٹوٹنا بھی ضروری تھا) اوپر جن آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے ان میں سے پہلی آیت میں اہل ایمان کو تسلی دی ہے اور امید دلائی ہے کہ ایمان کی وجہ سے جن رشتہ داروں سے تعلقات ختم ہو گئے اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے اور ان کے درمیان مودت یعنی محبت پیدا فرمادے گا (یہ محبت اس طرح وجود میں آئے گی کہ جو لوگ اب تک مسلمان نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی توفیق دیدے گا) چنانچہ ایسا ہی ہوا کچھ لوگ فتح مکہ سے پہلے اور کچھ اس دن اور کچھ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے جس کی وجہ سے رشتہ داریوں کے تعلقات استوار ہو گئے ابوسفیان بن حرب حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، حکیم بن حزام مسلمان ہو گئے ان میں ابوسفیان وہ شخص ہیں جو مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کے لشکر کی قیادت کرتے تھے اور سہیل بن عمرو وہی شخص ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر اہل مکہ کے نمائندہ بن کر آئے تھے اور صلح نامہ میں محمد رسول اللہ نہیں لکھنے دیا تھا۔

کافروں کو ایمان کی توفیق دینا ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دینا اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے اسی لیے آیت کے اختتام پر فرمایا: وَاللَّهُ قَدِيرٌ (اور اللہ قادر ہے) نیز: وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ بھی فرمایا جس میں یہ بتایا کہ کفار جب مسلمان ہو جائیں گے تو ان کا پچھلا سب معاف کر دیا جائے گا، جب اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ معاف فرمادے گا تو اہل ایمان کو ان لوگوں سے تعلقات استوار کرنے کے بارے میں یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ یہ آدمی تو کل تک دشمن تھا آج دوستی کیسے کریں۔ جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا ان میں دو قسم کے آدمی تھے اول وہ لوگ جنہوں نے نہ جنگ میں حصہ لیا اور نہ اہل ایمان کو نکالنے میں کوشش کی اور نہ اس سلسلہ میں مدد کی اور دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جنہوں نے مسلمانوں سے قتال بھی کیا اور مکہ

ے نکالنے پر تل گئے اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی آیت کریمہ: لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ پہلے گروہ کے بارے میں اور اس کے بعد والی آیت: اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ دوسرے گروہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ صاحب روح المعانی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلی آیت: لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عورتوں اور بچوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان سے متصف نہیں ہوئے تھے۔ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ایمان قبول کرلیا تھا مگر ہجرت نہیں کی، مہاجرین و انصار ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے پرہیز کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے فرض کے تارک تھے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ان کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ میں رہ گئے تھے ہجرت نہ کر سکتے تھے۔ حضرت امام بخاریؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے آیت کا سبب نزول ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب مومن کافر دونوں فریق امن وامان سے رہنے لگے اسماء بنت ابی بکرؓ کی والدہ مدینہ منورہ آئیں اور کچھ اپنی ضرورت کا اظہار کیا حضرت اسماءؓ کو مشرک عورت پر مال خرچ کرنے میں تامل ہوا لہٰذا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سوال پیش کردیا اور عرض کیا کہ میری والدہ آئی ہیں ان کی طرف سے کچھ حاجت مندی ظاہر ہو رہی ہے کہ میں صلہ رحمی کے طور پر انہیں کچھ دے دوں آپ نے فرمایا ہاں صلہ رحمی کرو۔ راوی حدیث حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا ہے کہ اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ: لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۸۴: ج ۲)

صاحب روح المعانی نے بحوالہ مسند امام احمد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے یوں حدیث نقل کی ہے کہ قیلہ بنت عبدالعزی اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس کچھ ہدیہ لے کر آئیں قیلہ مشرکہ تھیں۔ سیّدہ اسماءؓ نے ان کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار کردیا اور گھر میں بھی داخل نہ ہونے دیا اور سیّدہ عائشہؓ کے پاس خبر بھیجی کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے بتائیں۔ سیّدہ عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ بالا نازل فرمائی اور ہدیہ قبول کرنے اور گھر میں بلانے کی اجازت دے دی۔

آیت کریمہ میں واضح طور پر بتا دیا کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارے میں قتال کیا اور تم کو گھروں سے نکالا اور نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے۔

وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ کہ جو لوگ اس قسم کے کافروں سے دوستی کا تعلق رکھیں گے وہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اپنی جانوں کو مستحق عذاب بنانے والے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ ....

معاہدہ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی تحقیق:

سورہ فتح میں حدیبیہ کا واقعہ تفصیل سے آچکا ہے، جس میں بالآخر قریش مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک معاہدہ صلح دس سال کے لئے لکھا گیا اس معاہدہ کی بعض شرائط ایسی تھیں جن میں دب کر صلح کرنے اور مسلمانوں کی بظاہر مغلوبیت

محسوس ہوتی تھی، اسی لئے صحابہ کرام میں اس پر غم وغصہ کا اظہار ہوا، مگر رسول اللہ ﷺ باشارات ربانی یہ محسوس فرمارہے تھے کہ اس وقت کی چند روزہ مغلوبیت بالآخر ہمیشہ کے لئے فتح مبین کا پیش خیمہ بننے والی ہے، اس لئے قبول فرمالیا اور پھر سب صحابہ کرام بھی مطمئن ہوگئے۔

اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آپ اس کو واپس کردیں گے، اگر چہ وہ مسلمان ہی ہو اور اگر مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ مکرمہ چلا جائے گا تو قریش مکہ اس کو واپس نہ کریں گے، اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد وعورت دونوں داخل تھے، یعنی کوئی مسلمان مرد یا عورت جو بھی مکہ مکرمہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس جائے اس کو آپ واپس کریں گے۔

جس وقت یہ معاہدہ مکمل ہو چکا اور ابھی رسول اللہ ﷺ مقام حدیبیہ میں تشریف فرما تھے کئی ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزما تھے، جن میں ایک واقعہ ابو جندل کا ہے، جن کو قریش مکہ نے قید میں ڈالا ہوا تھا، وہ کسی طرح ان کی قید سے چھوٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے، صحابہ کرام میں ان کو دیکھ کر سخت تشویش پھیلی کہ معاہدہ کی رو سے ان کو واپس کیا جانا چاہئے اور ہم اپنے مظلوم بھائی کو پھر ظالموں کے ہاتھ میں دیدیں، یہ کیسے ہوگا؟

مگر رسول اللہ ﷺ معاہدہ تحریر فرما چکے تھے اور اصول شریعت کی حفاظت اور ان پر پختگی کو ایک فرد کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے تھے اور اس کے ساتھ آپ کی چشم بصیرت عنقریب ان سب مظلوموں کی فاتحانہ نجات کا بھی گویا مشاہدہ کررہی تھی، طبعی رنج وتکلیف تو ابو جندل کی واپسی میں آپ کو بھی یقیناً ہوگی، مگر آپ نے معاہدہ کی پابندی کی بنا پر ان کو سمجھا بجھا کر رخصت کردیا۔

اسی کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ سعیدہ بنت الحارث الاسلمیہ جو مسلمان تھیں مگر صیفی بن انصب کے نکاح میں تھیں جو کافر تھا، بعض روایات میں اس کا نام مسافر المخزومی بتلایا گیا ہے (اس وقت تک مسلمانوں اور کفار میں رشتہ مناکحت طرفین سے حرام نہیں ہوا تھا) یہ مسلمان عورت مکہ سے بھاگ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں، ساتھ ہی ان کا شوہر حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ میری عورت مجھے واپس کی جائے، کیونکہ آپ نے یہ شرط قبول کرلی ہے اور ابھی تک اس معاہدہ کی مہر بھی خشک نہیں ہوئی۔

اس واقعہ پر یہ آیات مذکورہ نازل ہوئیں جن میں دراصل مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان عقد مناکحت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ بھی کہ جو عورت مسلمان خواہ اس کا مسلمان ہونا پہلے سے معلوم ہو جیسے سعیدہ مذکورہ تھیں، یا بوقت ہجرت اس کا مسلمان ہونا صحیح طور سے ثابت ہوجائے، وہ اگر ہجرت کرکے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ جائے اس کو کفار کے قبضہ میں واپس نہ دیا جائے، کیونکہ وہ اپنے کافر شوہر کے لئے حلال نہیں رہی (تفسیر قرطبی میں یہ واقعہ حضرت ابن عباس کی روایت سے نقل کیا)۔

غرض ان آیات کے نزول نے یہ واضح کردیا کہ صلح نامہ کی یہ شرط کہ جو بھی مسلمان آپ کے پاس پہنچے آپ واپس کریں گے اپنے لفظی عموم کے ساتھ جس میں مرد وعورت دونوں داخل ہیں صحیح نہیں، یہ شرط صرف مردوں کے حق میں قبول کی جاسکتی

ہے، عورتوں کے معاملہ میں یہ شرط قابل قبول نہیں، ان کے بارے میں صرف اتنا کیا جا سکتا ہے کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کرے اس کے کافر شوہر نے جو کچھ اس پر مہر کی صورت میں خرچ کیا وہ خرچ اس کو واپس کیا جائے گا، ان آیات کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اس شرط کے مفہوم کو واضح فرمادیا اور اس کے مطابق سعیدہ مذکورہ کو واپس نہیں کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم بنت عتبہ ابن ابی معیط مکہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئیں، ان کے خاندان کے لوگوں نے واپسی کا مطالبہ عموم شرط کی وجہ سے کیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم عمرو بن عاص کے نکاح میں تھیں جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، یہ اور ان کے ساتھ ان کے دو بھائی مکہ سے بھاگ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور ساتھ ہی عمرو بن عاص شوہر ام کلثوم وغیرہ نے آکر ان کی واپسی کا مطالبہ رسول اللہ ﷺ سے کیا آپ نے شرط کے مطابق ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید کو تو واپس کردیا مگر ام کلثوم کو واپس نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ شرط مردوں کے لئے تھی عورتیں اس میں شامل نہیں، اس پر یہ آیات آنحضرت ﷺ کی تصدیق کے لئے نازل ہوئیں۔

اس طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچنے والی دوسری عورتوں کے بھی کچھ واقعات روایات میں مذکور ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی تضاد نہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ متعدد واقعات سب ہی پیش آئے ہوں۔

شرط مذکور سے عورتوں کا استثناء نقض عہد نہیں بلکہ ایک شرط کی وضاحت بقبول فریقین ہے:

مذکور الصدر روایت قرطبی سے تو معلوم ہوا کہ معاہدہ کی شرط کے الفاظ اگرچہ عام تھے، مگر آنحضرت ﷺ کے نزدیک وہ عورتوں کے لئے عام اور شامل نہیں تھے، اس لئے آپ نے اس کی وضاحت وہیں حدیبیہ کے مقام پر فرمادی اور اسی کی تصدیق یہ آیات نازل ہوئیں۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تو اس شرط کو عموم کے ساتھ قبول فرمالیا تھا جس میں عورتیں بھی شامل تھیں، ان آیات کے نزول نے اس، کے عموم کو منسوخ قرار دیا اور آنحضرت ﷺ نے قریش مکہ پر اسی وقت یہ واضح کردیا کہ عورتیں اس شرط میں داخل نہ ہوں گی، چنانچہ عورتوں کو آپ نے واپس نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ صورت نہ نقض عہد کی تھی جس کا رسول اللہ ﷺ سے کوئی امکان ہی نہ تھا اور نہ یہ نبذ عہد کی صورت تھی یعنی معاہدہ کو ختم کردینے کی، بلکہ ایک شرط کی وضاحت کا معاملہ تھا، خواہ خود رسول اللہ ﷺ کی مراد پہلے ہی سے یہ ہو یا نزول آیت کے بعد آپ نے اس عموم کو صرف مردوں تک محدود کرنے کے لئے فرمادیا ہو، بہر حال ہوا یہ ہے کہ اس توضیح کے بعد بھی معاہدہ صلح کو طرفین نے قبول کیا اور اس پر ایک مدت تک طرفین سے عمل ہوتا رہا، اس صلح کے نتیجہ میں راستے مامون ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے ملوک دنیا کے نام خطوط بھیجے اور اسی کے نتیجہ میں ابوسفیان کا قافلہ بے فکری کے ساتھ ملک شام تک پہنچا، جہاں ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلا کر رسول اللہ ﷺ کے حالات وواقعات کی تحقیق کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس شرط صلح کے عام الفاظ میں، عورتوں کا شامل نہ ہونا خواہ پہلے ہی سے آنحضرت ﷺ کی نظر میں تھا یا نزول آیت کے بعد آپ نے عورتوں کو اس عموم سے خارج کیا، بہر دو صورت کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان یہ معاہدہ

اس وضاحت کے بعد بھی مکمل ہی سمجھا گیا اور ایک عرصہ تک اس پر عمل ہوتا رہا، اس لئے اس شرط کی وضاحت کو نقض عہد یا نبذ عہد میں داخل نہیں کیا جاسکتا، واللہ اعلم، آگے آیات کا مفہوم ان کے الفاظ کے تحت دیکھئے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ .... مراد آیت کی یہ ہے کہ عورتوں کو شرط صلح سے مستثنٰی ہونے کی وجہ ان کا مسلمان اور مومن ہونا ہے مکہ سے مدینہ آنے والی عورتوں میں احتمال اس کا بھی تھا کہ ان میں سے کوئی اسلام وایمان کی خاطر نہیں، بلکہ اپنے شوہر سے ناراضی کے سبب یا مدینہ کے کسی شخص سے محبت کے سبب یا کسی دوسری دنیوی غرض سے ہجرت کر کے آگئی ہو وہ عنداللہ اس شرط سے مستثنٰی نہیں، بلکہ اس کو واپس کرنا شرط صلح کے تحت ضروری ہے، اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے ایمان کا امتحان لو، اس کے ساتھ ہی یہ جملہ فرمایا کہ: اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ اس میں اشارہ کر دیا کہ حقیقی اور اصل ایمان کا تعلق تو انسان کے دل سے ہے، جس پر اللہ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں، البتہ آدمی کے زبانی اقرار اور قرائن سے ایمان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، بس مسلمان اسی کے مامور ومکلف ہیں۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ان کے امتحان کا طریقہ یہ تھا کہ مہاجر عورت سے حلف لیا جاتا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے بغض ونفرت کی وجہ سے نہیں آئی اور نہ مدینہ کے کسی آدمی کی محبت کی وجہ سے اور نہ کسی دوسری دنیوی غرض سے بلکہ اس کا آنا خالص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ورضا جوئی کے لئے ہے، جب وہ یہ حلف کر لیتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دیتے اور اس کا مہر وغیرہ جو اس نے اپنے کافر شوہر سے وصول کیا تھا وہ اس کے شوہر کو واپس دے دیتے تھے۔ (قرطبی)

اور حضرت صدیقہ عائشہ سے ترمذی میں روایت ہے جس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے، آپ نے فرمایا کہ ان کے امتحان کی صورت وہ بیعت تھی جس کا ذکر اگلی آیات میں تفصیل سے آیا ہے اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ ... گویا آنے والی مہاجر عورتوں کے امتحان ایمان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر ان چیزوں کا عہد کریں جو اس بیعت کے بیان میں آگے آئی ہیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابتدائی طور پر پہلے وہ کلمات ان سے کہلوائے جاتے ہوں جو بروایت ابن عباس اوپر ذکر کئے گئے ہیں اور اس کی تکمیل اس بیعت سے ہوتی ہو جس کا آگے ذکر ہے۔ واللہ اعلم

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ یعنی جب بطرز مذکور ان مہاجرات کے ایمان کا امتحان لے کر تم کو مومن قرار دے دو تو پھر ان کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ یعنی نہ یہ عورتیں کافر مردوں پر حلال ہیں اور نہ کافر مرد ان کے لئے حلال ہو سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ نکاح کر سکیں۔

مسئلہ: اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہوگئی تو کافر سے اس کا نکاح خود بخود فسخ ہوگیا، یہ اس کے لئے اور وہ اس کے لئے حرام ہوگئے اور یہی وجہ عورتوں کو شرط صلح میں واپسی سے مستثنٰی کرنے کی ہے کہ اب وہ اس کے شوہر کافر کیلئے حلال نہیں رہی۔

وَ اٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ یعنی مہاجر مؤمنہ کے کافر شوہر نے اس کے نکاح میں جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ سب اس کے شوہر کو واپس دیا جائے کیونکہ شرط صلح سے مستثنیٰ صرف عورتوں کی واپسی تھی، جو بوجہ ان کے حرام ہوجانے کے نہیں ہوسکتی، مگر جو انہوں نے ان کو دیا ہے وہ حسب شرط واپس کردینا چاہئے اس مال کی واپسی کا خطاب مہاجر عورتوں کو نہیں کیا گیا کہ تم واپس کرو بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واپس کریں، کیونکہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہے کہ جو مال ان کے شوہر نے ان کو دیا تھا وہ ختم ہوچکا ہو، اب ان سے واپس دلانے کی صورت ہی نہیں ہوسکتی، اس لئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا کہ معاہدہ صلح کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف سے کافر شوہروں کا مال واپس کردیں، اگر بیت المال سے دیا جاسکتا ہے تو وہاں سے ورنہ عام مسلمانوں کے چندے سے۔ (من القرطبی)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ پچھلی آیت میں یہ واضح ہوچکا ہے کہ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے فسخ ہوچکا ہے اور یہ اس پر حرام ہوچکی ہے، اس آیت میں اسی حکم کا تکملہ ہے کہ اب مسلمان مرد سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے، اگرچہ سابق شوہر کافر زندہ بھی ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی مگر شرعی حکم سے نکاح فسخ ہوچکا ہے، اس لئے دوسرے مرد سے اس کا نکاح حلال ہوگیا۔

کافر مرد کی بیوی مسلمان ہوجائے تو نکاح فسخ ہوجانا آیت مذکورہ سے معلوم ہوچکا، لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہوگا، اس کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہوجائے تو حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہوجاؤ تو نکاح برقرار رہے گا، ورنہ نکاح فسخ ہوجائے گا، اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں میں فرقت کی تکمیل ہوگئی، اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کرسکتی ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہوسکتا ہے جہاں حکومت اسلام کی ہو، دارالکفر یا دارالحرب میں ایسا واقعہ پیش آوے تو شوہر سے اسلام لئے کہنے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہوگی جس سے دونوں میں تفریق کا فیصلہ کیا جاسکے، اس لئے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اس وقت ہوگی جب یہ عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے یا مسلمانوں کے لشکر میں آجائے، دارالاسلام میں آنے کی صورت مذکورہ واقعات میں مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ہوسکتی ہے اور لشکر اسلام حدیبیہ میں بھی موجود تھا، اس میں پہنچنے سے بھی اس کا تحقق ہوجاتا ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اختلاف دارین سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی جب کافر مرد اور اس کی بیوی مسلمان کے درمیان دارین کا فاصلہ ہوجائے، یعنی ایک دارالکفر میں ہے دوسرا دارالاسلام میں تو یہ تفریق مکمل ہوکر عورت دوسرے سے نکاح کیلئے آزاد ہوجاتی ہے۔ (ہدایہ وغیرہ)

اور اس آیت میں جو: اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ کو بطور شرط کے فرمایا کہ تم ان سے نکاح کرسکتے ہو۔ بشرطیکہ ان کے مہر دیدو، یہ درحقیقت نکاح کی شرط نہیں، کیونکہ باتفاق امت نکاح کا انعقاد ادائے مہر پر موقوف اور مشروط نہیں ہے، البتہ نکاح پر مہر کی ادائیگی واجب ولازم ضرور ہے، یہاں اس کو بطور شرط کے شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ پچھلی آیت میں ایک مہر تو اس کے کافر شوہر کو واپس کرایا جاچکا ہے، ایسا نہ ہو کہ اب اس سے نکاح کرنے والے مسلمان یہ سمجھ بیٹھیں کہ مہر تو

دیا جا چکا اور جدید مہر کی ضرورت نہیں، اس لئے فرمادیا کہ اس مہر کا تعلق پچھلے نکاح سے تھا، یہ دوسرا نکاح ہوگا تو اس کا جدید مہر لازم ہے۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ. عصم، عصمت کی جمع ہے، جس کے اصلی معنی حفاظت اور استحکام کے ہیں، مراد اس سے وہ عقد نکاح وغیرہ ہیں جن کی حفاظت کی جاتی ہے۔

کوافر جمع کافرہ کی ہے اور مراد اس سے مشرکہ عورت ہے، کیونکہ کافر کتابیہ سے نکاح کی اجازت قرآن کریم میں منصوص ہے، مراد آیت کی یہ ہے کہ اب تک جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کی اجازت تھی وہ ختم کردی گئی، اب کسی مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں اور جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں وہ بھی ختم ہو چکے، اب کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں روکنا حلال نہیں۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو جن صحابہ کرام کے نکاح میں کوئی مشرک عورت تھی اس کو چھوڑ دیا، حضرت فاروق اعظم کے نکاح میں دو مشرک عورتیں اس وقت تک تھیں جو بوقت ہجرت مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھی، حضرت فاروق اعظم نے یہ آیت نازل ہونے کے بعد دونوں کو طلاق دے دی۔ (رواہ البغوی بسند الزہری کذافی المظہری) اور طلاق سے مراد اس جگہ چھوڑ دینا اور قطع تعلق کر لینا ہے، اصطلاحی طلاق کی یہاں ضرورت ہی نہیں، کیونکہ اس آیت کے ذریعہ نکاح ٹوٹ چکا ہے۔

وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا یعنی جب معاملہ یہ ٹھہرا کہ جو عورت مسلمان ہوکر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ جائے تو وہ واپس مکہ نہ بھیجی جائے گی، البتہ اس کے شوہر نے جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ اس کے شوہر کو واپس دیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان عورت خدانخواستہ مرتد ہوکر مکہ معظمہ چلی جائے یا پہلے ہی سے کافر ہو مگر مسلمان شوہر کے قبضہ سے نکل جائے (خلاصہ تفسیر میں اسی صورت کو شاید اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ ایسا کوئی واقعہ پیش ہی نہیں آیا کہ کوئی مسلمان عورت مرتد ہوکر مکہ چلی گئی ہو، اور پھر وہیں کافر ہوکر رہ گئی ہو، ہاں ایسے واقعات پیش آئے کہ جو پہلے ہی سے کافر تھیں وہ اپنے مسلمان شوہر کے قبضہ سے نکل کر مکہ ہی میں رہیں) کفار مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے، مگر اس کے مسلمان شوہر نے جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے اس کی واپسی کفار مکہ کے ذمہ ہوگی، اس لئے ان معاملات کا تصفیہ باہمی حساب فہمی سے کرلیا جائے، طرفین سے جو کچھ مہر وغیرہ میں خرچ کیا گیا وہ دریافت کر کے اس کے مطابق لین دین کرلیا جاوے۔

اس حکم پر مسلمانوں نے بطیب خاطر عمل کیا کہ احکام قرآن کی پابندی ان کے نزدیک فرض ہے اس لئے جتنی عورتیں ہجرت کر کے آئیں سب کے مہر وغیرہ ان کے کافر شوہروں کو واپس بھیج دیئے، مگر کفار مکہ کا قرآن پر ایمان نہیں تھا، انہوں نے عمل نہ کیا، اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔ (ذکرہ البغوی عن الزہری مظہری)

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ .... عاقبتم، معاقبہ سے مشتق ہے جس کے ایک معنی انتقام اور بدلہ لینے کے بھی ہیں، یہاں یہ معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ (کما روی عن قتادۃ ومجاہد، قرطبی) اس صورت میں مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مسلمان کی کچھ عورتیں اگر کفار کے قبضہ میں آ جائیں تو شرط صلح کے ماتحت اوروں پر لازم تھا کہ ان کے مسلمان شوہروں کو ان کا دیا ہوا مہر وغیرہ واپس کریں جیسا کہ مسلمانوں کی طرف سے مہاجرات کے کافر شوہروں کو ان کا مہر واپس کیا

لیکن جب کفار نے ایسا نہ کیا اور مسلمانوں عورتوں کے مہران کو ادا نہ کئے تو ان کے اس عمل کا اگر تم انتقام اور بدلہ لے لو اس طرح کہ کفار مکہ کو جو رقم مہاجرات کے مہر کی ادا کرنا تھی تم بھی وہ اپنے حق کے مطابق روک لو تو اس کا حکم یہ ہے کہ: فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا، یعنی تم اس رقم میں سے جو مہاجرات کے مہر کی روک لی گئی، ان مسلمان شوہروں کے خرچ کئے ہوئے مہر وغیرہ ادا کر دو جن کی عورتیں کفار مکہ کے قبضہ میں آ گئی ہیں۔

دوسرے معنی عاقبتم، عقبتم، اعقبتم کے جنگ میں مال غنیمت حاصل کرنے کے بھی ہیں اور اس آیت میں لفظ عاقبتم کی یہ تینوں قراتیں بھی مختلف قراء سے منقول ہیں اور حضرت قتادہؒ و مجاہدؒ سے ان تینوں لفظوں کے معنی غنیمت کے بھی منقول ہیں، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ جن مسلمان شوہروں کی عورتیں کفار کے قبضہ میں چلی گئیں اور شرط صلح کے مطابق کفار نے ان کے مہر مسلمان شوہروں کو ادا نہیں کیا پھر مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہوا تو ان شوہروں کا حق مال غنیمت سے ان کو ادا کر دیا جائے۔ (قرطبی)

کیا مسلمانوں کی کچھ عورتیں مرتد ہو کر مکہ چلی گئی تھیں؟

اس آیت میں جس معاملے کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک صرف ایک ہی پیش آیا تھا کہ عیاض بن غنم قریشی کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلی گئی تھی اور پھر یہ بھی اسلام کی طرف لوٹ آئی۔

اور حضرت ابن عباس نے کل چھ عورتوں کا اسلام سے انحراف اور کفار کے ساتھ مل جانا ذکر فرمایا ہے، جن میں سے ایک تو یہی ام الحکم بنت ابی سفیان تھیں اور باقی پانچ عورتیں وہ تھیں جو ہجرت کے وقت ہی مکہ مکرمہ میں رک گئیں اور پہلے ہی سے کافر تھیں، جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی جس نے مسلم و کافرہ کے نکاح کو توڑ دیا، اس وقت بھی وہ مسلمان ہونے کے لئے تیار نہ ہوئیں، اس کے نتیجہ میں یہ بھی ان عورتوں میں شمار کی گئیں، جن کا مہران کے مسلمان شوہروں کو کفار مکہ کی طرف سے واپس ملنا چاہئے تھا، جب انہوں نے نہیں دیا تو رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت سے ان کا یہ حق ادا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ سے مکہ چلے جانے اور مرتد ہونے کا تو صرف ایک ہی کا واقعہ تھا، باقی پانچ عورتیں پہلے ہی سے کفر پر تھیں اور کفر پر قائم رہنے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے نکاح سے اس آیت کی بناء پر نکل گئیں، اس لئے ان کو بھی اس ضمن میں شمار کیا گیا ہے اور ایک عورت جس کو مرتد ہو کر مکہ چلے جانا مذکور ہوا ہے یہ بھی بعد میں پھر مسلمان ہو گئیں (قرطبی) اور بغوی نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ باقی پانچ عورتیں جو اس میں شمار کی گئی ہیں وہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئیں۔ (مظہری)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ ....

عورتوں کی بیعت:

اس آیت میں مسلمان عورتوں سے ایک تفصیلی بیعت لینے کا ذکر ہے جس میں ایمان و عقائد کے ساتھ احکام شرعیہ کی پابندی کا بھی معاہدہ ہے، سابقہ آیات جن کے سیاق میں یہ آیت بیعت آئی ہے وہ اگرچہ ان مہاجرات کے ایمان کا امتحان کرنے کے سلسلے میں ہے اور یہ بیعت ان کے امتحان ایمان کی تکمیل ہے، لیکن الفاظ آیت عام ہیں، نو مسلم مہاجرات کے

ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ سب مسلمان عورتوں کے لئے عام ہیں اور واقعہ بھی اسی طرح پیش آیا کہ بیعت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والی صرف نو مسلم مہاجرات ہی نہیں دوسری قدیم عورتیں بھی شریک تھیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں ام عطیہ سے اور بسند بغوی امیمہ بنت رقیہ سے منقول ہے" حضرت امیمہ سے روایت ہے کہ میں نے چند دوسری عورتوں کی معیت میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ نے جن احکام شرعیہ کی پابندی کا معاہدہ اس بیعت میں لیا اس کے ساتھ یہ کلمات بھی تلقین فرمائے کہ فیما استطعتن واطقتن، یعنی ہم ان چیزوں کی پابندی کا عہد اسی حد تک کرتے ہیں جہاں تک ہماری استطاعت وطاقت میں ہے، امیمہ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رحمت وشفقت ہم پر خود ہماری ذات سے بھی زائد تھی کہ ہم نے تو بلا کسی قید وشرط کے عہد کرنا چاہا تھا آپ نے اس شرط کی تلقین فرمادی، تاکہ کسی اضطراری حالت میں خلاف ورزی ہوجائے تو عہد شکنی میں داخل نہ ہو۔ (مظہری)

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ نے اس بیعت نساء کے متعلق فرمایا کہ عورتوں کی یہ بیعت صرف گفتگو اور کلام کے ذریعہ ہوئی، مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے، عورتوں کی بیعت میں ایسا نہیں کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی غیر محرم کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ (مظہری)

اور روایات حدیث سے ثابت ہے کہ یہ بیعت نساء صرف اس واقعہ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ بار بار ہوتی رہی، یہاں تک کہ فتح مکہ کے روز بھی رسول اللہ ﷺ نے مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد کوہ صفا پر عورتوں سے بیعت لی اور پہاڑ کے دامن میں حضرت عمر بن خطاب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضور ﷺ کے الفاظ کو دہرا کر نیچے جمع ہونے والی عورتوں کو پہنچارہے تھے جو اس بیعت میں شریک تھیں۔

اس وقت بیعت ہونے والی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بھی داخل تھیں، جو شروع میں حیاء کے سبب اپنے آپ کو چھپانا چاہتی تھیں، پھر بیعت میں کچھ احکام کی تفصیل آئی تو بولنے اور دریافت کرنے پر مجبور ہوگئیں، کئی سوالات کئے، یہ واقعہ تفصیل سے تفسیر مظہری میں مذکور ہے۔

مردوں کی بیعت میں اجمال اور عورتوں کی بیعت میں تفصیل:

مردوں سے جو بیعت لی گئی وہ عموماً اسلام اور جہاد پر لی گئی ہے، عمل احکام کی تفصیل اس میں نہیں ہے، بخلاف عورتوں کی بیعت کے کہ اس میں وہ تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے، وجہ فرق کی یہ ہے کہ مردوں سے ایمان واطاعت کی بیعت لینے میں یہ سب احکام داخل تھے، اس لئے تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور عورتیں عموماً عقل وفہم میں مردوں سے کم ہوتی ہیں اس لئے ان کی بیعت میں تفصیل مناسب سمجھی گئی، یہ اس بیعت کی ابتداء ہے جو عورتوں سے شروع ہوئی مگر آگے یہ عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی، مردوں سے بھی انہی چیزوں کی بیعت لینا روایات حدیث میں ثابت ہے۔ (کما روی عن عبادة بن الصامت، (قرطبی) اس کے علاوہ جن احکام کی پابندی کا عہد عورتوں سے لیا گیا عموماً عورتیں ان میں بے راہی اختیار کرنے کی عادی ہوتی ہیں، اس لئے بھی خصوصیت سے ان کی بیعت میں مندرجہ ذیل تفصیل آتی، یُبَایِعْنَکَ عَلٰی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا، الٰی آیۃ اس

میں پہلی بات تو وہی ایمان کی اور شرک سے بچنے کی ہے، جو عام مردانہ بیعتوں میں بھی آتی ہے، دوسری بات چوری نہ کرنا، بہت سی عورتیں اپنے شوہر کے مال میں چوری کرنے کی عادی ہوتی ہیں، اس لئے ذکر کیا گیا، تیسری بات زنا سے پرہیز کرنا ہے جس میں عورتیں پختہ ہوجاویں تو مردوں کو بھی نجات آسان ہوجاوے، چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی بچوں کو قتل نہ کریں۔ زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر کے ہلاک کردینے کا رواج تھا، اس کو روکا گیا، پانچویں بات یہ ہے کہ افتراء اور بہتان نہ باندھیں، اس بہتان کی ممانعت کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ یعنی اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان بہتان نہ باندھیں، ان کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ قیامت کے روز انسان کے ہاتھ پاؤں ہی اس کے اعمال پر شہادت دیں گے، مطلب یہ ہوا کہ ایسے گناہ کے ارتکاب کے وقت یہ خیال رہنا چاہئے کہ میں چار گواہوں کے درمیان یہ کام کر رہا ہوں جو میرے خلاف گواہی دیں گے۔

یہاں لفظ بہتان عام ہے اپنے شوہر پر ہو یا کسی دوسرے، کیونکہ افتراء و بہتان ہر شخص پر یہاں تک کہ کافر پر بھی حرام ہے، خصوصاً اپنے شوہر پر بہتان اور بھی شدید گناہ ہے اور شوہر پر بہتان لگانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت کسی اور شخص کا بچہ لے کر اس کو اپنے شوہر کا بچہ ظاہر کرلے اور اس کے نسب میں داخل کردے اور یہ بھی کہ معاذ اللہ بدکاری کرے اور حمل رہ جائے جس کے نتیجہ میں یہ بچہ شوہر کے نسب میں داخل سمجھا جائے۔

چھٹی بات ایک عام ضابطہ ہے کہ: وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ یعنی وہ کسی نیک کام میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں گی، یہاں "مَعْرُوْفٍ" یعنی نیک کام کی قید لگانا جب کہ یہ یقینی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم معروف اور نیکی کے سوا ہو ہی نہیں سکتا، یا تو اس لئے ہے کہ عام مسلمان پوری طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، یہاں تک کہ رسول کی اطاعت بھی اس شرط کے ساتھ مشروط کردی گئی۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں معاملہ عورتوں کا ہے، ان سے عام اطاعت کہ ان کے کسی حکم کے خلاف نہ کریں گی، کسی کے دل میں اس سے شیطان گمراہی کے وسوسے پیدا کرسکتا ہے اس کا راستہ روکنے کے لئے یہ قید لگادی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ ....

اہل کفر سے دوستی نہ کرنے کا دوبارہ تاکیدی حکم:

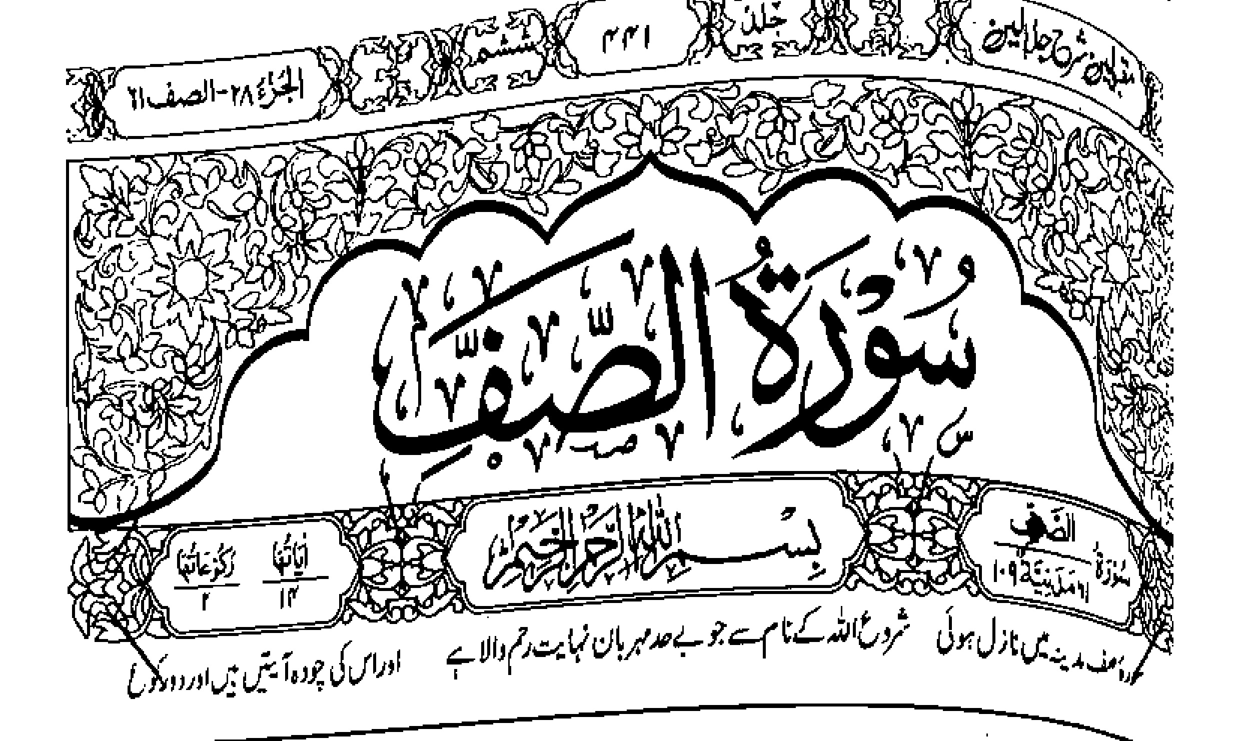
شروع سورت میں اور درمیان سورت میں کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت کا تذکرہ تھا یہاں اس آیت میں خصوصی طور پر یہودیوں سے دوستی کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، یوں تو تمام کافروں پر اللہ کا غضب ہے لیکن بعض آیات میں چونکہ یہودیوں کے مغضوب علیہم ہونے کا خصوصی تذکرہ آیا ہے۔ (کما فی سورۃ البقرہ فباء و بغضب علی غضب) وکما فی سورۃ آل عمران وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ اسی لیے بعض مفسرین نے یہاں قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے یہودیوں کو مراد لیا ہے، مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ بعض فقراء مسلمین یہودیوں کو مومنین کی خبریں پہنچادیتے تھے اور کچھ پھل مل جاتا تھا اس آیت میں ان کو منع فرمادیا، اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ: قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے یہود

ونصاریٰ دونوں قومیں مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ منافق مراد ہیں۔

درحقیقت عموم الفاظ میں تمام کافروں کو مراد لینے کی گنجائش ہے، ابتداء سورت میں جو دشمنان اسلام سے دوستی کرنے کی ممانعت فرمائی تھی آخر سورت میں پھر بطور تاکید اس حکم کو دہرا دیا ہے۔ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْاٰخِرَةِ یہ قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ کی صفت ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کافر مر گئے قبروں میں چلے گئے اب دنیا میں آنے سے اور کسی طرح کی خیر ملنے سے ناامید ہو گئے اسی طرح یہ لوگ بھی ہیں جن پر اللہ کا غصہ ہوا، آخرت سے ناامید ہو گئے یہ ایمان قبول نہیں کرتے اور آخرت کو نہیں مانتے ان کا ڈھنگ یہ ہے کہ جیسے ان کے عقیدہ میں قیامت قائم نہیں ہوگی اور میدان حشر میں حاضر نہیں ہوں گے جب ان کا یہ حال ہے تو ایسے لوگوں سے دوستی کرنے کا کیا موقع ہے۔

هذا اذا كانت "من" بيانية كما اختاره جماعة واختار ابو حيان كونها لابتداء الغاية والمغنى ان هو لاء القوم المغضوب عليهم قد يئسوا من الاخرة كما يئسوا من موتاهم ان يبعثو ويلقو هم فى دار الدنيا وهو مروى عن ابن عباس والحسن وقتادة فالمراد بالكفار او لائك لقوم ووضع الظاهر موضع ضمير هم تسجيلا لكفر هم واشعاز ابعلة ياسهم۔ (راجع روح المعانی صفحہ ۸۳: ج ۲۹)

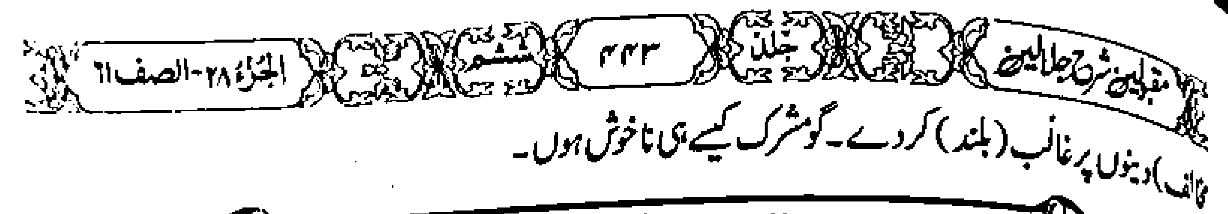
اور صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ چونکہ جس طرح آیت: يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ آپ کی نبوت کو اور اسی طرح مخالف نبی کے کافر اور غیر ناجی ہونے کو خوب جانتے ہیں گو وہ عار و حسد کی وجہ سے اتباع بھی نہ کرتے تھے اس لیے ان کو دل سے یقین تھا کہ ہم ناجی نہیں ہیں تو شیخی کے مارے ظاہراً اس کے خلاف کرتے ہوں پس حاصل یہ ہوا کہ جن کی گمراہی ایسی مسلم ہے کہ وہ خود بھی اس کو دل سے تسلیم کرتے ہیں ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا ضروری ہے؟ اور یہ نہ سمجھا جائے کہ جو گمراہ اشد درجہ کا نہ ہو اس سے دوستی جائز ہے، جواز دوستی سے تو مطلق کفر مانع ہے مگر اس صفت سے وہ عدم جواز اور شدید ہو جائے گا اور شاید تخصیص یہود کی اس جگہ اس لیے ہو کہ مدینہ میں یہود زیادہ تھے اور دوسرے وہ لوگ شریر و مفسد بھی بہت تھے۔



سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ اَيْ نَزَّهَهُ فَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ وَجِيْءَ بِمَا دُوْنَ مَنْ تَغْلِيْبًا لِلْاَكْثَرِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ فِيْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ (١) فِيْ صُنْعِهٖ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ فِيْ طَلَبِ الْجِهَادِ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (٢) اِذَا انْهَزَمْتُمْ بِاُحُدٍ كَبُرَ عَظُمَ مَقْتًا تَمْيِيْزٌ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا فَاعِلُ كَبُرَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (٣) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ يَنْصُرُ وَيُكْرِمُ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا حَالٌ اَيْ صَافِّيْنَ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (٤) مُلْزَقٌ بَعْضُهٗ اِلٰى بَعْضٍ ثَابِتٌ وَ اذْكُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ قَالُوْا اِنَّهٗ اٰدَرُ اَيْ مُنْتَفِخُ الْخُصْيَةِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ وَ كَذَّبُوْهُ وَقَدْ لِلتَّحْقِيْقِ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ اَلْجُمْلَةُ حَالٌ وَالرَّسُوْلُ يُحْتَرَمُ فَلَمَّا زَاغُوْٓا عَدَلُوْا عَنِ الْحَقِّ بِاِيْذَائِهٖ اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ اَمَالَهَا عَنِ الْهُدٰى عَلٰى وَفْقِ مَا قَدَّرَهٗ فِي الْاَزَلِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (٥) الْكَافِرِيْنَ فِيْ عِلْمِهٖ وَ اذْكُرْ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَمْ يَقُلْ يَا قَوْمِ لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ لَهٗ فِيْهِمْ قَرَابَةٌ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ قَبْلِيْ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ جَاءَ اَحْمَدُ الْكُفَّارَ بِالْبَيِّنٰتِ الْاٰيَاتِ وَالْعَلَامَاتِ قَالُوْا هٰذَا اَيِ الْمَجِيْءُ بِهٖ سِحْرٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ سَاحِرٌ اَيِ الْجَائِيْ بِهٖ مُّبِيْنٌ (٦) بَيِّنٌ وَمَنْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ اَشَدُّ ظُلْمًا مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ وَوَصْفِ اٰيَاتِهٖ بِالسِّحْرِ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى

الْإِسْلَامِ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ الْكَافِرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا مَنْصُوْبٌ بِأَنْ مُقَدَّرَةٍ وَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ نُوْرَ اللّٰهِ شَرْعَهُ وَبَرَاهِيْنَهُ بِأَفْوَاهِهِمْ بِأَقْوَالِهِمْ أَنَّهُ سِحْرٌ وَشِعْرٌ وَكَهَانَةٌ وَاللّٰهُ مُتِمٌّ مُظْهِرٌ نُوْرِهٖ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْإِضَافَةِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ذٰلِكَ هُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ يُعْلِيَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ لَا جَمِيْعُ الْأَدْيَانِ الْمُخَالِفَةِ لَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (للہ میں لام زائد ہے اور من کی بجائے ما کا لانا اکثریت کی تغلیب کے طور پر ہے) اور وہی (اپنے ملک میں) زبردست (صنعت میں) حکمت والا ہے۔ اے اہل ایمان (جہاد کی خواہش کے سلسلہ میں) ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو (جب تمہیں غزوہ احد میں شکست ہوئی) یہ بات بہت (بڑی) ناراضگی کی ہے (یہ تمیز ہے) اللہ پاک کے نزدیک کہ ایسی بات کہو (کبر کا فاعل ہے) جو کرو نہیں اللہ تعالیٰ تو پسند کرتا ہے (مدد اور اکرام کرتا ہے) ان لوگوں کو جو اس کے رستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں (صفا حال ہے ای صافین) کہ گویا وہ ایک عمارت ہے سیسہ پلائی ہوئی (ایک دوسرے میں پچی ہوئی، مضبوط) اور (یاد کرو) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ کو کیوں ایذاء پہنچاتے ہو (لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کو فتق کی بیماری ہے یعنی ان کے خصیے بڑھے ہوئے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ جھوٹ بکتے تھے) حالانکہ (قد تحقیق کے لئے ہے) تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (جملہ حال ہے۔ اور رسول واجب الاحترام ہوتا ہے) پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے (موسیٰ کو ستانے کی وجہ سے حق سے ہٹ گئے) تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا (ہدایت سے پھیر دیا۔ تقدیر ازلی کے مطابق) اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا (جو علم الٰہی میں کافر ہوں) اور (یاد کیجئے) جبکہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا۔ اے بنی اسرائیل (یا قوم نہیں فرمایا۔ کیونکہ وہ ان کے قرابت دار نہیں تھے) میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ اپنے سے پہلی تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) پھر جب وہ (احمد) ان (کفار) کے پاس کھلی دلیلیں (نشانیاں اور علامات) لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ (یعنی جو لایا گیا) جادو ہے (ایک قراءت میں ساحر ہے یعنی قرآن لانے والا) کھلا ہوا۔ اور کون (کوئی نہیں) زیادہ ظالم ہے۔ (ظلم میں بڑھ کر ہے) اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ باندھے (شریک اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کر کے۔ اور اس کی آیات کو جادو کہہ کر) حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بجھا دیں (ان مقدرہ کے ذریعہ یطفؤا منصوب ہے اور لام زائد ہے) اللہ کے نور (شریعت اور اس کے براہین) کو اپنے منہ سے (یہ کہہ کر جادو ہے۔ شعر ہے۔ کہانت ہے) حالانکہ اللہ کمال تک پہنچا کر (ظاہر کر کے) رہے گا اپنے نور کو (ایک قراءت میں "متم نورہ" اضافت کے ساتھ ہے) گو کافر (اس سے) کیسے ہی ناخوش ہوں۔ وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام (اس کے



تالف) دینوں پر غالب (بلند) کردے۔ گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِنِيْ طَلَبِ الْجِهَادِ: کہ تم کہہ رہے تھے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ترین عمل جان لیں تو اس میں اپنے مال و جان خرچ کریں۔

قوله: صَافِيْنَ: یہ مصدر ہے جس کو صفت کے معنیٰ میں لایا گیا ہے۔

قوله: مُلْزَقٌ: چپکا ہوا۔ ثابت۔ مضبوط۔

قوله: يُحْتَرَمُ: قابل احترام جس کی بے عزتی ممنوع ہو۔

قوله: لَمْ يَكُنْ لَهُ: کیونکہ نسب و قرابت تو آباؤ اجداد سے ہے۔

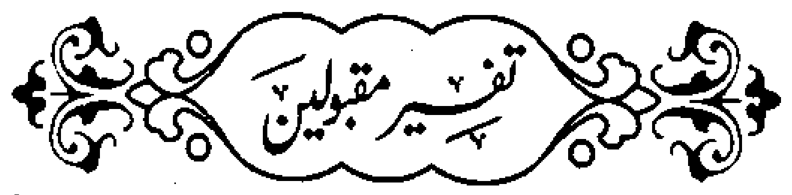
قوله: إِلَى الْإِسْلَامِ: جس میں دونوں جہاں کی سعادت ہے۔ تو وہ اس کی بات قبول کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے لگے۔

قوله: بِأَنْ مُقَدَّرَةٌ: یریدون کا مفعول لیطفؤا ہے۔

قوله: وَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ: لام تاکید کی لائے کیونکہ اس میں ارادہ کا معنیٰ ہے۔

قوله: مُظْهِرٌ: پھیلا کر اس کو انتہاء تک پہنچانے والے ہیں۔

قوله: بِالْهُدٰى: اس سے قرآن مجید مراد ہے۔



تفسیر مقبولین

اس سورۃ مبارکہ کے فضائل میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت باسناد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نقل کی ہے بیان کیا میں صحابہ کرامؓ کے ایک مجمع میں موجود تھا کہ ہم باہم یہ گفتگو کرنے لگے کاش اگر ہماری حاضری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہو تو یہ دریافت کریں کہ کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور ہمیں ہمت نہ ہوئی کہ خود حاضر ہو کر یہ پوچھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجمع کے ایک ایک شخص کو بلایا اور جب سب جمع ہو گئے تو ہمارے سامنے یہ سورۃ صف تلاوت فرمائی اور گویا یہ ظاہر فرمایا کہ اس سورت کی تلاوت اللہ کے نزدیک محبوب ترین چیز ہے۔

سورت کا آغاز اللہ رب العزت نے اپنی تسبیح و پاکی وحمد وثناء سے کیا پھر اس بات پر وعید فرمائی گئی کہ انسان کے لیے یہ بات نہایت ہی نازیبا ہے کہ وہ جس بات کا عہد کرے اس کو پورا نہ کرے اور اس کے قول و فعل میں تضاد ہو اس کے بعد مسلمانوں کو دشمنان اسلام سے جہاد و قتال کی ترغیب دی گئی اور ان کو اس کے لئے ہمت دلائی گئی کہ پوری طاقت اور بہادری

کے ساتھ کافروں کے مطابلہ کے لیے متحد ومتفق ہو کر ڈٹ جائیں اور اتحاد واخوت میں ان کو چاہئے کہ وہ سیسہ پلائی دیوار کے مانند ہو جائیں، ساتھ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا دعوۃ الی اللہ میں اسوہ ونمونہ بھی بیان کیا گیا اور یہ کہ انہوں نے اس راہ میں کیا کیا مشقتیں اٹھائیں اور اہل ایمان کو اس امر کے متعلق اطمینان دلایا گیا کہ خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی مدد کرتا ہے اور دین کے مددگاروں کو غالب وکامیاب فرماتا ہے اور اس سلسلہ میں دشمنوں کی ہر سازش اور کوشش ناکام ہوتی ہے، ان مضامین کو ذکر کرتے ہوئے سورت کے اخیر میں اہل ایمان کو ایک کامیاب اور نفع بخش تجارت کی دعوت دی گئی اور اس کی وضاحت کی گئی کہ وہ نفع بخش تجارت کون سی ہے جس سے انسان دنیا میں بھی کامیاب ہوتا ہے اور آخرت کی سعادت وفلاح بھی اس کو نصیب ہوتی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

جو کام نہیں کرتے ان کے دعوے کیوں کرتے ہو؟

حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ ہم چند صحابہ بیٹھے ہوئے تھے آپس میں ہم نے (اچھے) اعمال کا تذکرہ کیا اور ہم نے کہا کہ اگر ہمیں پتہ چل جاتا کہ کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے تو ہم اس عمل کو اختیار کر لیتے اس پر اللہ جل شانہ نے: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ نازل فرمائی۔ (سنن الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الصف)

اور معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب صحابہ نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے تو ہم اس عمل کو اختیار کر لیتے اور ہم اپنے جان ومال خرچ کرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ نازل فرمائی پھر قریب ہی غزوہ احد کا واقعہ پیش آ گیا جب اس میں ابتلا ہوا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ نازل فرمائی کہ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جسے کرتے نہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جب شہداء بدر کا ثواب سنا تو صحابہ نے کہا کہ اگر آئندہ ہم کسی جہاد کے موقعہ پر حاضر ہوئے تو پوری قوت کے ساتھ جنگ کریں گے پھر اگلے سال جب غزوہ احد کا موقع آیا تو بھاگ کھڑے ہوئے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جسے کرتے نہیں ہو۔

روح المعانی میں ابن زیدؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو وہ مسلمانوں سے جھوٹے وعدے کیا کرتے تھے کہ ہم مدد کریں گے پھر ساتھ نہیں دیتے تھے۔

مفسر قرطبی نے ایک اور بھی قصہ لکھا ہے کہ وہ یہ کہ ایک شخص مسلمانوں کو بہت ایذا دیتا تھا۔ حضرت صہیبؓ نے اسے قتل کر دیا قتل تو کیا انہوں نے لیکن ایک آدمی نے اس عمل کو اپنی طرف منسوب کر لیا اور خدمت عالی میں جا کر عرض کیا کہ فلاں شخص کو میں نے قتل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کے قتل کی خبر سے خوشی ہوئی اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت صہیبؓ کو توجہ دلائی کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر کیوں نہ دی کہ میں نے قتل کیا؟

دوسرے شخص نے اسے اپنی طرف منسوب کر لیا۔ (اور رسول اللہ ﷺ کو غلط خبر دیدی) اس پر صہیب ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو صحیح صورت حال بتادی۔ اس پر آیت کریمہ: لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ۝ نازل ہوئی۔ جس میں غلط خبر دینے والے آدمی کو تنبیہ فرمادی۔

آیت کریمہ کا سبب نزول اگر وہ سب امور ہوں جن کا مذکورہ بالا روایات میں تذکرہ کیا گیا ہے تو اس میں کچھ بعد نہیں ہے آیت میں مسلمانوں کو جو عمومی خطاب فرمایا ہے سب کو اس میں غور کرنا لازم ہے ہر شخص آیت کے مضمون کو سوچے اور اپنی جان پر نافذ کرے اور یہ دیکھے کہ زندگی میں کیا کیا جھول جھال ہیں اور قول اور فعل میں جو یکسانیت ہونی چاہئے وہ ہے یا نہیں، ہر مسلمان ایمان کے تقاضے پورے کرے اللہ تعالیٰ سے جو وعدے کئے ہیں ان کو پورا کرے جو نذر کرے اسے پوری کرے جس کسی سے جو وعدہ کرے اسے بھی پورا کرے۔ (بشرطیکہ گناہ کا وعدہ نہ ہو، گناہ کا وعدہ کرنا بھی گناہ ہے اور اسے پورا کرنا بھی گناہ ہے) جو کوئی کام خیر کا نہ کیا ہو اسے اپنی طرف منسوب نہ کرے، لوگوں کے سامنے دینی باتیں بیان کرے اور امر و نہی والی آیات اور احادیث پڑھ کر سنائے اور اس پر خود بھی عمل کرے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۲۰۰ کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ (اللہ کے نزدیک یہ ناراضگی کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو نہ کرو)۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کی ہر شخص کوشش کرے اور اپنے قول اور فعل میں یکسانیت رکھے۔

ان خطباء کی بدحالی جن کے قول وفعل میں یکسانیت نہیں:

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، میں نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں جن پر خود عامل نہیں اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۸)

واضح رہے کہ آیت کریمہ کا مضمون یہ ہے کہ اپنے قول وفعل میں یکسانیت رکھو جو بات کرو تمہارا اپنا عمل بھی اس کے مطابق ہو اس میں دعوت وتبلیغ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی آ گیا۔

آیت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ عمل نہیں کرتے تو دینی باتیں بھی نہ کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ خیر کی باتیں بھی کرو اور ان پر عمل بھی کرو، یہ بات اس لئے واضح کی گئی کہ بہت سے وہ لوگ جو بے عمل ہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب ہم عمل نہیں کرتے تو ہم تبلیغ کر کے گناہگار کیوں بنیں یعنی کہ سورۃ الصف کی مخالف کیوں کریں۔ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے اور نفس کی شرارت ہے۔

قرآن کریم نے یہ تو نہیں فرمایا کہ نہ حق کہو نہ عمل کرو، قرآن کریم کا مطلب تو یہ ہے کہ دونوں عمل کرو یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ احکام شرعیہ پر چلنے کا مستقل حکم ہے اور حق بات کہنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کا مستقل حکم ہے۔

ایک حکم چھوٹا ہوا ہے تو دوسرے حکم کو چھوڑ کر گناہگار کیوں ہوں جس جس موقع پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرمان انجام دینے کا حکم ہے اسے پورا کریں دونوں حکموں کو چھوڑ کر دوہرے گناہگار کیوں ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان کے بارے میں سوال ہوگا جن کی نگرانی سپرد کی گئی ہے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۸۳: ج۲)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (من رای منکم منکراً فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذلك اضعف الایمان۔) (تم میں سے جو کوئی شخص منکر یعنی خلاف شرع کام دیکھے تو اسے ہاتھ سے بدل دے سو اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے سو اگر زبان سے بدلنے کی طاقت نہ ہو تو دل سے بدل دے یعنی دل سے خلاف شرع کام کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۵۱: ج۱)

اس حدیث میں ہر شخص کو برائی سے روکنے کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ بھی کرو اور عمل بھی کرو۔ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نہ عمل کرو نہ تبلیغ کرو۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۝

اگلی آیات میں اس اصل معاملہ کا ذکر ہے جو اس سورت کے نزول کا سبب بنا یعنی اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ محبوب ہے، اس کے متعلق ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ صف قتال ہے جو اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے قائم ہو اور مجاہدین کے عزم وہمت کی وجہ سے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو کہ ان کے قدموں میں کوئی تزلزل نہ آنے پائے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کی راہ میں دشمنوں کی ایذائیں سہنے کا ذکر ہے اور اس کے بعد پھر مسلمانوں کو جہاد کی تلقین کی گئی، حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے واقعات جن کا ذکر اس جگہ آیا ہے اس میں بھی بہت سے علمی و عملی فوائد اور ہدایات ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ انہوں نے جب بنی اسرائیل کو اپنی نبوت کے ماننے اور اطاعت کرنے کی دعوت دی تو دو چیزوں کو خصوصیت سے ذکر فرمایا ایک یہ کہ وہ کوئی انوکھے رسول نہیں، انوکھی باتیں لے کر نہیں آئے بلکہ وہ باتیں ہیں جو پہلے انبیاء علیہم السلام کہتے آئے ہیں اور پہلی آسمانی کتابوں میں مذکور ہیں اور بعد میں بھی جو آخری پیغمبر آنے والے ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہدایات لے کر آئیں گے۔

یہاں پہلی کتابوں میں سے تورات کا خصوصیت سے ذکر غالباً اس لئے کیا کہ بنی اسرائیل پر نازل ہونے والی قریبی کتاب وہی تھی ورنہ تصدیق انبیاء تو سب پچھلی کتابوں کو شامل اور عام ہے، نیز اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ شریعت عیسوی اگرچہ مستقل شریعت ہے مگر اس کے اکثر احکام شریعت موسوی اور تورات کے احکام ہی کے مطابق ہیں، صرف چند احکام ہیں جو بدلے گئے ہیں، یہ تو پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق کا مضمون تھا، دوسری چیز یہ کہ بعد میں آنے والے رسول کی خوشخبری سنائی، اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی ہدایات بھی اسی کے مطابق ہوں گی، اس لئے اس پر ایمان

لا ابین تقاضائے عقل و دیانت ہے۔

ساتھ ہی جس آنے والے رسول کی خوشخبری عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو سنائی، اس کا نام پتہ بھی انجیل میں بتلا دیا گیا، اس میں بنی اسرائیل کو اس کی ہدایت ہے کہ جب وہ رسول تشریف لائیں تو تمہارا فرض ہوگا کہ ان پر ایمان لاؤ اور ان کی اطاعت کرو، مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ میں اسی کا بیان ہے، اس میں آنے والے رسول کا نام احمد بتلایا گیا ہے، ہمارے نبی خاتم الانبیاء ﷺ کا نام محمد بھی تھا اور احمد بھی اور بھی متعدد نام تھے، مگر انجیل میں آپ کا نام احمد بتلانے میں شاید یہ مصلحت ہو کہ محمد نام رکھنے کا عرب میں قدیم سے دستور تھا، اس لئے اس نام کے دوسرے آدمی بھی عرب میں تھے، بخلاف احمد کے، یہ نام عرب میں معروف نہیں تھا، وہ آپ کی ذات ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔

انجیل میں رسول اللہ ﷺ کی بشارت:

یہ سب کو معلوم ہے اور خود یہود و نصاریٰ کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا ہے کہ تورات وانجیل میں تحریف ہوئی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں تحریف اتنی ہوئی ہے کہ اصل کلام کا پہچاننا بھی آسان نہیں رہا، موجودہ تحریف شدہ انجیل کی بنا پر آج کل کے عیسائی قرآن کی اس خبر کو تسلیم نہیں کرتے کہ انجیل میں کہیں رسول اللہ ﷺ کا نام احمد لے کر خوشخبری دی گئی ہو، اس کا مختصر جواب وہ کافی ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں آچکا ہے۔

اور مفصل جواب کے لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اظہار الحق کا مطالعہ کیا جائے جو مذہب عیسائیت کی حقیقت اور انجیل میں تحریفات اور باوجود تحریفات کے اس میں رسول اللہ ﷺ کی بشارتیں موجود ہونے کے متعلق بینظیر کتاب ہے، خود بڑے عیسائیوں کے مقولے چھپے ہوئے ہیں کہ اگر "دنیا میں یہ کتاب شائع ہوتی رہی تو عیسائیت کا کبھی فروغ نہیں ہوسکتا"۔

یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی پھر ترکی، انگریزی میں اس کے ترجمے چھپے، مگر اس کے شواہد موجود ہیں کہ عیسائی مشن نے اس کتاب کو گم کردینے میں اپنی پوری کوشش صرف کی ہے، اس کا اردو ترجمہ اب تک نہیں ہوا تھا، حال میں اس کا اردو ترجمہ دارالعلوم کراچی کے مدرس مولانا اکبر علی صاحب نے اور تحقیقات جدیدہ مفید موجودہ زمانے کی مطبوعہ انجیلوں سے مولانا محمد تقی صاحب استاذ دارالعلوم نے لکھی ہیں جو تین جلدوں میں شائع ہوچکی ہے، اس کی تیسری جلد میں صفحہ 182 سے صفحہ 362 تک انہی بشارتوں کی تفصیل موجودہ انجیلوں کے حوالے سے اور شبہات کے جوابات مذکور ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ ....

شکوہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام از ایذا رسانی قوم:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ بن عمران نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم میری رسالت کی سچائی جانتے ہو پھر کیوں میرے درپے آزار ہو رہے ہو؟ اس میں گویا ایک طرح سے آنحضور ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے، چنانچہ آپ بھی جب ستائے جاتے تو فرماتے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے وہ اس سے زیادہ ستائے گئے لیکن پھر بھی صابر رہے

کو ایذا نہ پہنچائیں ایسا نہ کریں جس سے آپ کا
اور ساتھ ہی اس میں مومنوں کو ادب سکھایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ کو ایذا نہ پہنچائیں ایسا نہ کریں جس سے آپ کا
دل دکھتا ہو، جیسے اور جگہ ہے الخ ایمان والو تم ایسے نہ ہونا جیسے موسیٰ کو ایذاء دینے والے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ذی عزت
بندے کو اس کے بہتانوں سے پاک کیا، پس جبکہ یہ لوگ علم کے باوجود اتباع حق سے ہٹ گئے اور ٹیڑھے چلنے لگے تو اللہ
تعالیٰ نے بھی ان کے دل ہدایت سے ہٹا دیئے شک و حیرت ان میں سما گئی، جیسے اور جگہ ہے الخ، یعنی ہم ان کے دل اور
آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح یہ ہماری آیتوں پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں چھوڑ
دیں گے جس میں وہ سرگرداں رہیں گے اور جگہ ہے الخ، جو رسول ﷺ کی مخالفت کرے ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد اور
مومنوں کے راستے کے سوا کسی دوسرے کی تابعداری کرے ہم اسے ایسی طرف متوجہ کریں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اور
بالآخر اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے، یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ ....

حضرت عیسیٰ کی طرف سے خاتم الانبیاء کی پیشینگوئی:

پھر حضرت عیسیٰ کا خطبہ بیان ہوتا ہے جو آپ نے بنی اسرائیل میں پڑھا تھا جس میں فرمایا تھا کہ توراۃ میں میری خوشخبری
دی گئی تھی اور اب میں تمہیں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی پیش گوئی سناتا ہوں جو نبی امی عربی مکی احمد مجتبیٰ حضرت محمد
مصطفیٰ ﷺ ہیں، پس حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کا انبیاء اور مرسلین
کے خاتم ہیں، آپ کے بعد نہ تو کوئی نبی آئے نہ رسول، نبوت و رسالت سب آپ پر من کل الوجوہ ختم ہو گئی، صحیح بخاری شریف
میں ایک نہایت پاکیزہ حدیث وارد ہوئی ہے جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بہت سے نام ہیں محمد، احمد، ماحی جس کی
وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کفر کو مٹا دیا اور میں حاشر ہوں جس کے قدموں پر لوگوں کا حشر کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں، یہ حدیث
مسلم شریف میں بھی ہے، ابو داود میں ہے کہ حضور ﷺ نے ہمارے سامنے اپنے بہت سے نام بیان فرمائے جو ہمیں گنوا
رہے ان میں سے یہ چند ہیں، فرمایا میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر ہوں میں مقفی ہوں، میں نبی الرحمۃ ہوں، میں نبی
التوبہ ہوں، میں نبی الملحمہ ہوں، یہ حدیث بھی صحیح مسلم شریف میں ہے، قرآن کریم میں ہے۔ الخ جو پیروی کرتے ہیں اس
رسول نبی امی کی جنہیں اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں توراۃ میں بھی اور انجیل میں بھی، اور جگہ فرمان ہے الخ، اللہ تعالیٰ نے جب
نبیوں سے عہد لیا کہ جب کبھی میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس میرا رسول آئے جو اسے سچ کہتا ہو جو تمہارے
ساتھ ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد لیتے ہو؟ سب
نے کہا ہمیں اقرار ہے فرمایا بس گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں، حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کوئی نبی
اللہ تعالیٰ نے ایسا مبعوث نہیں فرمایا جس سے یہ اقرار نہ لیا ہو کہ ان کی زندگی میں اگر حضرت محمد ﷺ مبعوث کئے جائیں تو وہ
آپ کی تابعداری کرے بلکہ ہر نبی سے یہ وعدہ بھی لیا جاتا رہا کہ وہ اپنی اپنی امت سے بھی عہد لے لیں، ایک مرتبہ صحابہ نے
دریافت کیا کہ حضور ﷺ آپ ہمیں اپنی خبر سنائیے آپ نے فرمایا میں اپنے باپ حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت

بنی کی خوش خبری ہوں میری والدہ کا جب پاؤں بھاری ہوا تو خواب میں دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا ہے جس سے
شام کے شہر بصریٰ کے محلات چم اٹھے (ابن اسحاق) اس کی سند عمدہ ہے اور دوسری سندوں سے اس کے شواہد بھی ہیں، مسند احمد
میں ہے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم الانبیاء تھا در آنحالیکہ حضرت آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ میں تمہیں اس کی
ابتداء سناؤں۔ میں اپنے والد حضرت ابراہیم کی دعا، حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔ انبیاء کی والدہ اسی
طرح خواب دکھائی جاتی ہیں، مسند احمد میں اور سند سے بھی اسی کے قریب روایت مروی ہے، مسند کی اور حدیث میں ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نجاشی بادشاہ حبشہ کے ہاں بھیج دیا تھا ہم تقریباً اسی آدمی تھے۔ ہم میں حضرت عبداللہ بن مسعود
حضرت جعفر حضرت عبداللہ بن رواحہ حضرت عثمان بن مظعون حضرت ابوموسیٰ وغیرہ بھی تھے۔ ہمارے یہاں پہنچنے پر قریش
نے یہ خبر پا کر ہمارے پیچھے اپنی طرف سے بادشاہ کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید ان کے ساتھ
دربارشاہی کے لئے تحفے بھی بھیجے جب یہ آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کیا پھر دائیں بائیں گھوم کر بیٹھ گئے پھر اپنی
درخواست پیش کی کہ ہمارے کنبے قبیلے کے چند لوگ ہمارے دین کو چھوڑ کر ہم سے بھاگ کر آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں
ہماری قوم نے ہمیں اس لئے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے، نجاشی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟
انہوں نے کہا یہیں اسی شہر میں ہیں حکم دیا کہ انہیں حاضر کرو چنانچہ یہ مسلمان صحابہ دربار میں آئے ان کے خطیب اس وقت
حضرت جعفرؓ تھے باقی لوگ ان کے ماتحت تھے یہ جب آئے تو انہوں نے سلام تو کیا لیکن سجدہ نہیں کیا درباریوں نے کہا تم
بادشاہ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ جواب ملا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے، پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا
اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ﷺ ہماری طرف بھیجا اور اس رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ
کریں اور حضور ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نمازیں پڑھتے رہیں زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، اب عمرو بن عاص سے نہ رہا گیا کہ
ایسا نہ ہو ان باتوں کا اثر بادشاہ پر پڑے درباریوں اور خود بادشاہ کو بھڑکانے کے لئے وہ بیچ میں بول پڑا کہ حضور ان کے اعتقاد
حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں آپ لوگوں سے بالکل مخالف ہیں، اس پر بادشاہ نے پوچھا بتاؤ تم حضرت عیسیٰ اور ان کی
والدہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب
میں ہمیں تعلیم فرمایا کہ وہ کلمۃ اللہ ہیں روح اللہ ہیں جس روح کو اللہ تعالیٰ نے مریم بتول کی طرف القا کیا جو کنواری تھیں جنہیں
کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا نہ انہیں بچہ ہونے کا کوئی موقعہ تھا بادشاہ نے یہ سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا اے
حبشہ کے لوگو اور اے واعظو عالمو اور درویشو ان کا اور ہمارا اس کے بارے میں ایک ہی عقیدہ ہے اللہ کی قسم ان کے اور ہمارے
عقیدے میں اس تنکے جتنا بھی فرق نہیں۔ اے جماعت مہاجرین تمہیں مرحبا ہو اور اس رسول ﷺ کو بھی مرحبا ہو جن کے
ہاں سے تم آئے ہو میری گواہی ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں یہ وہی ہیں جن کی پیش گوئی ہم نے انجیل میں پڑھی ہے اور یہ
وہی ہیں جن کی بشارت ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے میری طرف سے تمہیں عام اجازت ہے جہاں چاہو رہو سہو
اللہ کی قسم اگر ملک کی اس جھنجٹ سے میں آزاد ہوتا تو میں یقیناً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ کی جوتیاں اٹھاتا
آپ کی خدمت کرتا اور آپ کو وضو کراتا اتنا کہہ کر حکم دیا کہ یہ دونوں قریشی جو تحفہ لے کر آئے ہیں وہ انہیں واپس کر دیا جائے۔

ان مہاجرین کرام میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود تو جلد ہی حضور ﷺ سے آملے جنگ بدر میں بھی آپ نے شرکت کی۔
اس شاہ حبشہ کے انتقال کی خبر جب حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ نے ان کے لئے بخشش کی دعا مانگی۔ یہ پورا واقعہ حضرت جعفر
اور حضرت ام سلمہ سے مروی ہے۔ تفسیری موضوع سے چونکہ یہ الگ چیز ہے اس لئے ہم نے اسے یہاں مختصراً وارد کر دیا مزید
تفصیل سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ ہو، ہمارا مقصود یہ ہے کہ عالی جناب حضور محمد مصطفی ﷺ کی بابت اگلے انبیاء کرام علیہم
السلام برابر پیشینگوئیاں کرتے رہے اور اپنی امت کو اپنی کتاب میں سے آپ کی صفتیں سناتے رہے اور آپ کی اتباع اور
نصرت کا انہیں حکم کرتے رہے، ہاں آپ کے امر کی شہرت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کے بعد ہوئی جو تمام انبیاء کے
باپ تھے اسی طرح مزید شہرت کا باعث حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوئی جس حدیث میں آپ نے سائل کے سوال پر اپنے امر
نبوت کی نسبت دعاء خلیل اور نوید مسیح کی طرف کی ہے اس سے یہی مراد ہے ان دونوں کے ساتھ آپ کا اپنی والدہ محترمہ کے
خواب کا ذکر کرنا اس لئے تھا کہ اہل مکہ میں آپ کی شہرت کا باعث یہ خواب تھا، اللہ تعالیٰ آپ پر بیشمار درود و رحمت بھیجے۔ پھر
ارشاد ہوتا ہے کہ باوجود اس قدر شہرت اور باوجود انبیاء کی متواتر پیشگوئیوں کے بھی جب آپ روشن دلیلیں لے کر آئے تو
مخالفین نے اور کافروں نے کہہ دیا کہ یہ تو صاف صاف جادو ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ مُؤْلِمٍ
فَكَاَنَّهُمْ قَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ تُؤْمِنُوْنَ تَدُوْمُوْنَ عَلَى الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَنَّهٗ خَيْرٌ لَّكُمْ فَافْعَلُوْهُ يَغْفِرْ جَوَابُ
شَرْطٍ مُقَدَّرٍ اَيْ اِنْ تَفْعَلُوْهُ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ
طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ اِقَامَةٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يُؤْتِكُمْ نِعْمَةً وَّاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ
اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ بِالنَّصْرِ وَالْفَتْحِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ لِدِيْنِهٖ وَ
فِيْ قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ كَمَا كَانَ الْحَوَارِيُّوْنَ كَذٰلِكَ الدَّالُّ عَلَيْهِ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ
مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اَيْ مَنِ الْاَنْصَارُ الَّذِيْنَ يَكُوْنُوْنَ مَعِيَ مُتَوَجِّهًا اِلٰى نُصْرَةِ اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ
نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ وَالْحَوَارِيُّوْنَ اَصْفِيَاءُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُمْ اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَكَانُوْا اِثْنَيْ عَشَرَ
رَجُلًا مِنَ الْحَوَرِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْخَالِصُ وَقِيْلَ كَانُوْا قَصَّارِيْنَ يَحُوْرُوْنَ الثِّيَابَ يُبَيِّضُوْنَهَا فَاٰمَنَتْ
طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِعِيْسٰى وَقَالُوْا اِنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ لِقَوْلِهِمْ

اَنَّہٗ ابْنُ اللّٰہِ رَفَعَہٗ اِلَیْہِ فَاقْتَتَلَتِ الطَّائِفَتَانِ فَاَیَّدْنَا قَوَّیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الطَّائِفَتَیْنِ عَلٰی عَدُوِّھِمْ الطَّائِفَۃُ الْکَافِرَۃُ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ ﴿۱۴﴾ غَالِبِیْنَ

ع۲

ترجمہ: اے اہل ایمان! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلا دوں۔ جو تم کو بچالے (تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے) دردناک عذاب سے (گویا انہوں نے جواب میں کہا ہاں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں) تم ایمان لاؤ (ایمان پر جمے رہو) اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کے راستہ میں اپنے مال وجان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو (کہ یہ آیت تمہارے لئے بہتر ہے تو تم اس کو کرو) اللہ معاف کر دے گا (یہ جواب ہے شرط مقدر کا یعنی اگر تم نے اس پر عمل کر لیا تو بخش دیئے جائیں گے) تمہارے گناہ اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے یہ بڑی کامیابی ہے (عطا فرمائے گا تمہیں ایک نعمت) اور بھی جس کو تم پسند کرتے ہو۔ اللہ کی طرف سے مدد اور جلد کامیابی اور آپ مومنین کو (نصرت وفتح کی) خوشخبری سنا دیجئے اے اہل ایمان تم اللہ کے مددگار بن جاؤ (اس کے دین کے۔ ایک قراءت میں انصار اللہ اضافت کے ساتھ ہے) جیسا کہ (حواری بھی ایسے ہی تھے جس پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے فرمایا کہ اللہ کے لئے کون میرا مددگار ہوتا ہے (یعنی میرے ساتھیوں میں سے کون مددگار اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے) حواری بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں (حواری حضرت عیسیٰ کے چیدہ لوگ تھے جو ان پر سب سے پہلے ایمان لائے اور وہ بارہ افراد تھے۔ حواری، حور سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ دھوبی تھے کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے) سو بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے (عیسیٰ پر ان کا کہنا یہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں اور جن کو آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے) اور کچھ لوگ منکر رہے (کیونکہ یہ لوگ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں جن کو اس نے اپنے پاس بلا لیا۔ چنانچہ ان دونوں فرقوں میں جنگ ہوئی) سو ہم نے ایمان والوں کی تائید کی (ان دونوں طبقوں میں سے) ان کے دشمنوں (کافر جماعت) کے مقابلہ میں سو وہ غالب ہو گئے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: خَیْرٌ لَّکُمْ: یعنی یہ مذکور ایمان وجہاد سے بہتر ہے۔

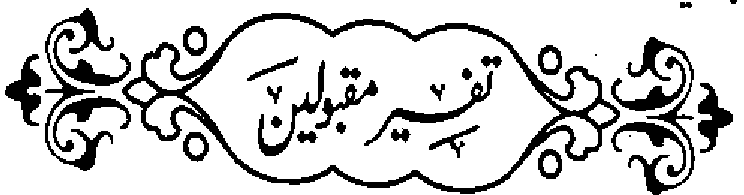
قولہ: ذٰلِکَ الْفَوْزُ: اس سے مغفرۃ اور دخول جنت کی طرف اشارہ کیا۔

قولہ: یُؤْتِکُمْ: اس سے اشارہ ہے۔ اُخْرٰی یؤتکم مضمر سے منصوب ہے۔

قولہ: نَصْرٌ: وہ محذوف مبتداء ھی کی خبر ہے۔

قولہ: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ: اس کا عطف محذوف پر ہے۔ مثلاً یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

قوله: وَفِی قِرَاءَۃٍ: اہل حجاز نے انصار میں تنوین اور لفظ اللہ کے شروع میں لام جارہ پڑھی ہے۔
قوله: اَلْحَوَارِیُّوْنَ: اس سے مراد ان کے معاون ہونے کو تشبیہ دینا ہے نہ کہ ان کو حواری کہنا۔
قوله: کَذٰلِکَ: انصار مدینہ۔
قوله: مَعْنیٰ مُتَوَجِّھًا: یہ مقدر ماننا تا کہ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ کے مطابق ہو جائے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

سو فیصد نفع بخش تجارت:

حضرت عبداللہ بن سلامؓ والی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ صحابہ نے حضور ﷺ سے یہ پوچھنا چاہا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ تعالیٰ کو کونسا ہے؟ اس پر اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل فرمائی، جس میں فرما رہا ہے کہ آؤ میں تمہیں ایک سراسر نفع والی تجارت بتاؤں جس میں گھاٹے کی کوئی صورت ہی نہیں جس سے مقصود حاصل اور ڈر زائل ہو جائے گا وہ یہ ہے کہ تم اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت پر ایمان لاؤ اپنا جان مال اس کی راہ میں قربان کرنے پر تل جاؤ، جان لو کہ یہ دنیا کی تجارت اور اس کے لئے کد و کاوش کرنے سے بہت ہی بہتر ہے، اگر میری اس بتائی ہوئی تجارت کے تاجر تم بن گئے تو تمہاری ہر لغزش سے ہر گناہ سے میں درگزر کر لوں گا اور جنتوں کے پاکیزہ محلات میں اور بلند و بالا درجوں میں تمہیں پہنچاؤں گا، تمہارے بالا خانوں اور ان ہمیشگی والے باغات کے درختوں تلے سے صاف شفاف نہریں پوری روانی سے جاری ہوں گی، یقین مانو کہ زبردست کامیابی اور اعلیٰ مقصد وری یہی ہے، اچھا اس سے بھی زیادہ سنو تم جو ہمیشہ دشمنوں کے مقابلہ پر میری مدد طلب کرتے رہتے ہو اور اپنی فتح چاہتے ہو میرا وعدہ ہے کہ یہ بھی تمہیں دوں گا ادھر مقابلہ ہوا ادھر فتح ہوئی ادھر سامنے آئے ادھر فتح و نصرت نے رکاب بوسی کی اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ (ترجمہ) ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدمی عنایت فرمائے گا، اور فرمان ہے (ترجمہ) یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور غیر فانی عزت والا ہے، یہ مدد اور یہ فتح دنیا میں اور وہ جنت اور نعمت آخرت میں ان لوگوں کے حصہ میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگے رہیں اور دین اللہ کی خدمت میں جان و مال سے دریغ نہ کریں اسی لئے فرما دیا کہ اے نبی ان ایمان والوں کو میری طرف سے یہ خوش خبری پہنچا دو۔

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ لفظ اُخْرٰی نعمت کی صفت ہے معنی یہ ہیں کہ آخرت کی نعمتیں اور جنت کے مکانات تو ملیں گے ہی جیسا کہ وعدہ کیا گیا ہے، ایک نعمت نقد دنیا میں بھی ملنے والی ہے وہ ہے اللہ کی مدد اور اس کے ذریعہ فتح قریب یعنی دشمنوں کے ملک کا فتح ہونا، یہاں قریب اگر بمقابلہ آخرت کے لیا جائے تو بعد میں آنے والی اسلامی فتوحات عرب و عجم کی سب اس میں داخل ہیں اور قریب عرفی مراد لیا جائے تو اس کا پہلا مصداق فتح خیبر ہے اور اس کے بعد فتح

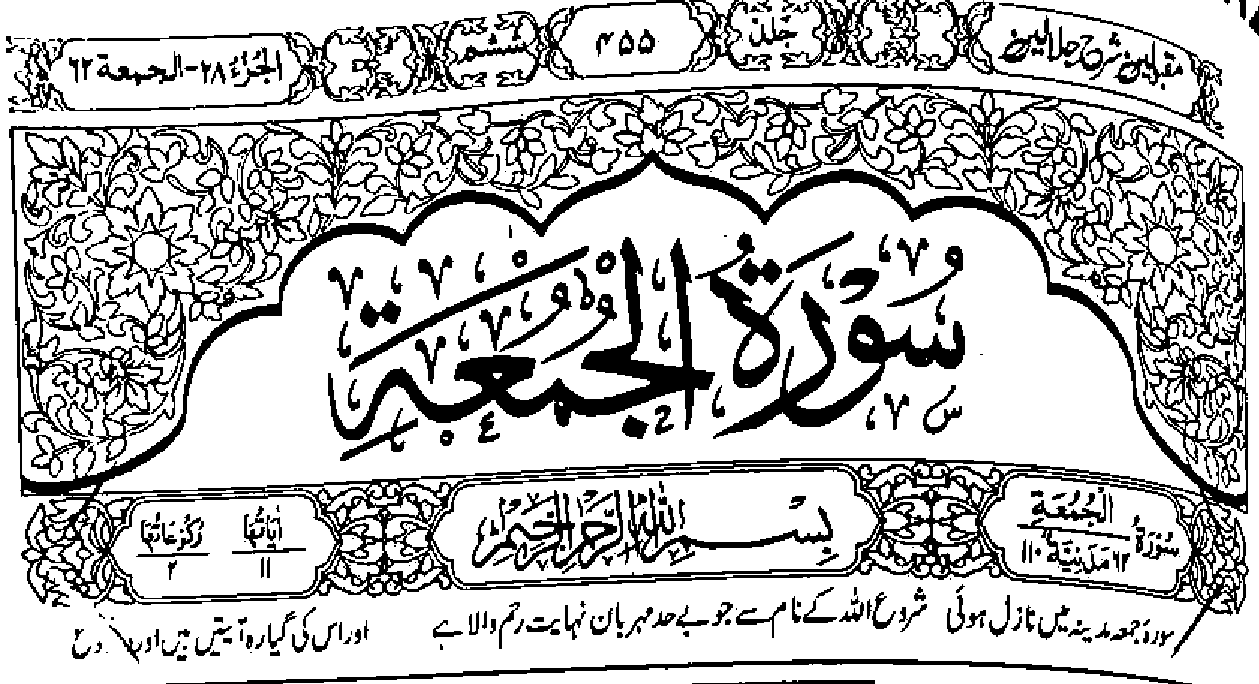
کہ کرمہ ہے اور اس فتح قریب کے متعلق تُحِبُّوْنَهَا فرمایا یعنی یہ نقد نعمت تمہاری پسندیدہ اور محبوب ہے کیونکہ انسان فطری طور پر جلد پسند واقع ہوا ہے، قرآن کریم میں ہے: وکان الانسان عجولا. یعنی " ہے انسان جلد باز" اس کا یہ مفہوم نہیں کہ آخرت کی نعمتیں ان کو محبوب نہ تھیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آخرت کی نعمتوں کی طلب ومحبت تو ظاہری ہے، مگر طبعی طور پر کچھ نقد نعمت دنیا میں بھی تمہیں مطلوب ومحبوب ہے، وہ بھی عطا کی جائے گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ ....

عیسیٰ علیہ السلام کے ۱۲ صحابہ کی روداد:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لحظہ جان مال عزت آبرو قول فعل نقل وحرکت سے دل اور زبان سے اللہ کی اور اس کے رسول کی تمام تر باتوں کی تعمیل میں رہیں، پھر مثال دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے تابعداروں کو دیکھو کہ حضرت عیسیٰ کی آواز پر فوراً لبیک پکار اٹھے اور ان کے اس کہنے پر کہ کوئی ہے جو اللہ کی باتوں میں میری امداد کرے انہوں نے بلاغور علی الفور کہہ دیا کہ ہم سب آپ کے ساتھی ہیں اور دین اللہ کی امداد میں آپ کے تابع ہیں، چنانچہ روح اللہ علیہ صلوات اللہ نے اسرائیلیوں اور یونانیوں میں انہیں مبلغ بنا کر شام کے شہروں میں بھیجا، حج کے دنوں میں سرور رسل ﷺ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے جگہ دے تاکہ میں اللہ کی رسالت کو پہنچادوں قریش تو مجھے رب کا پیغام پہنچانے سے روک رہے ہیں، چنانچہ اہل مدینہ کے قبیلے اوس وخزرج کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت ابدی بخشی انہوں نے آپ سے بیعت کی آپ کی باتیں قبول کیں، اور مضبوط عہد و پیمان کئے کہ اگر آپ ہمارے ہاں آجائیں تو پھر کسی سرخ وسیاہ کی طاقت نہیں جو آپ کو دکھ پہنچائے ہم آپ کی طرف سے جانیں لڑا دیں گے اور آپ پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے، پھر جب حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر ہجرت کر کے ان کے ہاں گئے تو فی الواقع انہوں نے اپنے کہے کو پورا کر دکھایا اور اپنی زبان کی پاسداری کی اسی لئے انصار کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے اور یہ لقب گویا ان کا امتیازی نام بن گیا اللہ ان سے خوش ہو اور انہیں بھی راضی کرے آمین! جبکہ حواریوں کو لے کر آپ دین اللہ کی تبلیغ کے لئے کھڑے ہوئے تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تو راہ راست پر آگئے اور کچھ لوگ نہ آئے بلکہ آپ کو اور آپ کی والدہ ماجدہ طاہرہ کو بدترین برائی کی طرف منسوب کیا ان یہودیوں پر اللہ کی پھٹکار پڑی اور ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ بن گئے، پھر ماننے والوں میں سے بھی ایک جماعت ماننے میں ہی حد سے گزر گئی اور انہیں ان کے درجہ سے بہت بڑھا دیا، پھر اس گروہ میں بھی کئی گروہ ہو گئے، بعض تو کہنے لگے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں بعض نے کہا تین میں کے تیسرے ہیں یعنی باپ بیٹا اور روح القدس اور بعض نے تو آپ کو اللہ ہی مان لیا، ان سب کا ذکر سورۂ نساء میں مفصل ملاحظہ ہو، سچے ایمان والوں کی جناب باری نے اپنے آخر الزماں رسول ﷺ کی بعثت سے تائید کی ان کے دشمن نصرانیوں پر انہیں غالب کر دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ کا ارادہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ کو آسمان پر چڑھا لے آپ نہا دھو کر اپنے اصحاب کے پاس آئے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے یہ بارہ صحابہ تھے جو ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے آتے ہی فرمایا تم میں وہ بھی ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں لیکن پھر

میرے ساتھ کفر کریں گے اور ایک دو دفعہ نہیں بلکہ بارہ بارہ مرتبہ، پھر فرمایا تم میں سے کون اس بات پر آمادہ ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلے قتل کیا جائے اور جنت میں میرے درجے میں میرا ساتھی بنے، ایک نوجوان جو ان سب میں کم عمر تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو پیش کیا، آپ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ، پھر وہی بات کہی اب کی مرتبہ بھی کم عمر نوجوان صحابیؓ کھڑے ہوئے، حضرت عیسیٰ نے اب کی مرتبہ بھی انہیں بٹھا دیا، پھر تیسری مرتبہ یہی سوال کیا، اب کی مرتبہ بھی یہی نوجوان کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا بہت بہتر، اسی وقت ان کی شکل وصورت بالکل حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کے ایک روزن سے آسمان کی طرف اٹھا لیئے گئے۔ اب یہودیوں کی فوج آئی اور انہوں نے اس نوجوان کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا اور حضرت عیسیٰ کی پیشین گوئی کے مطابق ان باقی کے گیارہ لوگوں میں سے بعض نے بارہ بارہ مرتبہ کفر کیا، حالانکہ وہ اس سے پہلے ایماندار تھے، پھر بنی اسرائیل کے ماننے والے گروہ کے تین فرقے ہو گئے، ایک فرقے نے تو کہا کہ خود اللہ ہمارے درمیان بصورت مسیح تھا، جب تک چاہا رہا پھر آسمان پر چڑھ گیا، انہیں یعقوبیہ کہا جاتا ہے، ایک فرقے نے کہا ہم میں اللہ کا بیٹا تھا جب تک اللہ نے چاہا اسے ہم میں رکھا اور جب چاہا اپنی طرف چڑھا لیا، انہیں سطوریہ کہا جاتا ہے، تیسری جماعت حق پر قائم رہی ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول حضرت عیسیٰ ہم میں تھے، جب تک اللہ کا ارادہ رہا آپ ہم میں موجود رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا، یہ جماعت مسلمانوں کی ہے۔ پھر ان دونوں کافر جماعتوں کی طاقت بڑھ گئی اور انہوں نے ان مسلمانوں کو مار پیٹ کر قتل وغارت کرنا شروع کیا اور یہ دبے بھی ہوئے اور مغلوب ہی رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، پس بنی اسرائیل کی وہ مسلمان جماعت آپ پر بھی ایمان لائی اور ان کافر جماعتوں نے آپ سے بھی کفر کیا، ان ایمان والوں کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا، آنحضرت ﷺ کا غالب آ جانا اور دین اسلام کا تمام ادیان کو مغلوب کر دینا ہی ان کا غالب آنا اور اپنے دشمنوں پر فتح پانا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر اور سنن نسائی۔ پس یہ امت حق پر قائم رہ کر ہمیشہ تک غالب رہے گی یہاں تک کہ امر اللہ یعنی قیامت آ جائے اور یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو کر مسیح دجال سے لڑائی کریں گے جیسے کہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔



سورۂ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں اور ۲ رکوع

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ يُنَزِّهُهُ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ فِيْ ذِكْرِ مَا تَغْلِيْبٌ لِلْاَكْثَرِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْمُنَزَّهِ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ فِيْ مُلْكِهٖ وَصُنْعِهٖ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ الْعَرَبِ وَالْاُمِّيُّ مَنْ لَا يَكْتُبُ وَلَا يَقْرَأُ كِتَابًا رَسُوْلًا مِّنْهُمْ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ الْقُرْاٰنَ وَ يُزَكِّيْهِمْ يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الشِّرْكِ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ وَ اِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ وَاِنَّهُمْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ مَجِيْئِهٖ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ بَيِّنٍ وَّ اٰخَرِيْنَ عَطْفٌ عَلَى الْاُمِّيِّيْنَ اَيِ الْمَوْجُوْدِيْنَ مِنْهُمْ وَالْاٰتِيْنَ مِنْهُمْ بَعْدَهُمْ لَمَّا لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ فِي السَّابِقَةِ وَالْفَضْلِ وَهُمُ التَّابِعُوْنَ وَالْاِقْتِصَارُ عَلَيْهِمْ كَافٍ فِيْ بَيَانِ فَضْلِ الصَّحَابَةِ الْمَبْعُوْثِ فِيْهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَنْ عَدَاهُمْ مِمَّنْ بُعِثَ اِلَيْهِمْ وَاٰمَنُوْا بِهٖ مِنْ جَمِيْعِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لِاَنَّ كُلَّ قَرْنٍ خَيْرٌ مِمَّنْ يَلِيْهِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ فِيْ مُلْكِهٖ وَصُنْعِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ النَّبِيَّ وَمَنْ ذُكِرَ مَعَهٗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ كُلِّفُوا الْعَمَلَ بِهَا ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا لَمْ يَعْمَلُوْا بِمَا فِيْهَا مِنْ نَعْتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ اَيْ كُتُبًا فِيْ عَدَمِ انْتِفَاعِهٖ بِهَا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ الْمُصَدِّقَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدٍ وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ تَقْدِيْرُهٗ هٰذَا الْمَثَلُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ الْكَافِرِيْنَ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ

؛ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ تَعَلَّقَ بِتَمَنِّيْهِ الشَّرْطَانِ عَلٰى اَنَّ الْاَوَّلَ قَيْدٌ فِى الثَّانِىْ اَىْ اِنْ صَدَقْتُمْ فِىْ زَعْمِكُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ وَالْوَلِىُّ يُؤْثِرُ الْاٰخِرَةَ وَمَبْدَؤُهَا الْمَوْتُ فَتَمَنَّوْهُ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ مِنْ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمُسْتَلْزِمِ لِكِذْبِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۞ بِالْكَافِرِيْنَ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِىْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ وَالْفَاءُ زَائِدَةٌ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ

ترجمہ: آسمان وزمین کی سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (لام زائد ہے۔ اور ما اکثریت کی تغلیب کے لئے لایا گیا ہے) جو کہ بادشاہ ہے پاک ہے (تمام نامناسب باتوں سے) زبردست حکمت والا ہے (اپنے ملک اور صنعت میں) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں (عرب کے۔ امی اسے کہتے ہیں جو نہ کچھ لکھ سکے اور نہ کسی کتاب کو پڑھ سکے) انہی میں سے ایک پیغمبر کو بھیجا (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو ان کو اللہ کی آیات (قرآن) پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (شرک سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب (قرآن) اور دانشمندی سکھلاتے ہیں (احکام کی باتیں) اور یہ لوگ (ان ثقیلہ تھا جس کو مخفف کیا گیا اس کا اسم محذوف ہے یعنی وانہم) پہلے سے (آپ کے تشریف لانے سے پہلے) کھلی (واضح) گمراہی میں تھے اور دوسروں کے لئے بھی (اس کا عطف امیین پر ہو رہا ہے یعنی موجود اور آئندہ لوگوں کے لئے) انہی میں سے (جو بعد میں آنے والے ہیں) جو ان میں شامل نہیں ہوئے (پہل کرنے میں اور فضیلت کے لحاظ سے یعنی تابعین، ان پر اکتفا کرنا کافی ہے۔ صحابہ کی فضیلت کے سلسلہ میں جن میں حضورؐ تشریف لائے۔ دوسرے تمام ان لوگوں کے مقابلہ میں، جن کی طرف آنحضرت کا تشریف لانا ہوا اور وہ انس وجن میں سے قیامت تک آپ پر ایمان لاتے رہیں گے۔ کیونکہ ہر پہلا قرن پچھلے قرن سے بہتر ہے) اور وہ زبردست حکمت والا (اپنی سلطنت وصنعت میں) یہ اللہ کا فضل ہے۔ وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے (آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھیوں کو جس سے نوازا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے جن لوگوں کو تورات اٹھانے (اس پر عمل کرنے) کا حکم دیا گیا۔ پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا (عمل نہیں کیا۔ حضورؐ کے اوصاف جو بیان فرمائے گئے انہیں نہیں مانا اور آپ پر ایمان نہیں لائے) ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے (بلحاظ نفع نہ اٹھانے کے) ان لوگوں کی بری حالت ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا (جن سے آنحضرتؐ کی تصدیق ہوتی تھی۔ مخصوص بالمذمت محذوف ہے۔ یعنی ہذا المثل) اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ کہہ دیجئے کہ اے یہود! اگر یہ دعویٰ ہے کہ بلاشرکت غیرے تم اللہ کے مقبول ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو (تمنائے موت کے ساتھ دونوں کا تعلق ہے اس طرح کہ پہلی شرط دوسری شرط کے لئے قید ہو رہی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے: اِنْ صَدَقْتُمْ فِىْ زَعْمِكُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ اور ولی وہ ہوتا ہے جو آخرت کو ترجیح دے جس کا مبداء موت ہے۔ لہٰذا تم موت کی تمنا کر کے دکھلاؤ) اور وہ اس کی کبھی تمنا نہ کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں (حضورؐ کے ساتھ کفر کرنا جو ان کے جھوٹے ہونے کو مستلزم

ہے) اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کافروں) کی۔ آپ کہہ دیجیے جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو (فازائد ہے) آپکڑے گی، پھر تم پیش کیے جاؤ گے ایسے کے سامنے جو پوشیدہ اور ظاہر (سروعلانیہ) جاننے والا ہے۔ پھر وہ تم کو تمہارے سب کئے ہوئے کام بتلا دے گا (ان کا تمہیں بدلہ دے گا)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: مَنْ لَا يَكْتُبُ: اکثر عرب ان پڑھ تھے۔ آپ ﷺ ان کی طرح امی تھے۔

قولہ: يَتْلُوا: امی ہونے کے باوجود وہ آیات ان کو پڑھ کر سناتے ہیں۔

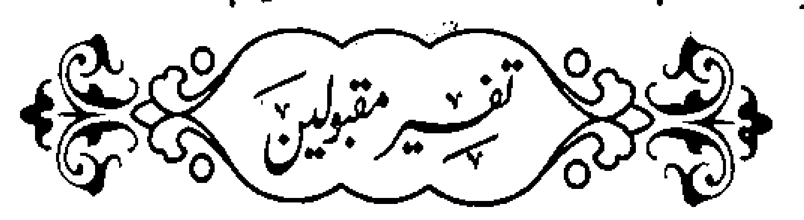
قولہ: وَالْاٰتِيْنَ: آپ کی دعوت تمام کے لیے عام تھی۔

قولہ: حُمِلُوا التَّوْرٰىةَ: اس کو سیکھا۔

قولہ: يَحْمِلُ اَسْفَارًا: يَحْمِلُ حال ہے اور اس کا عامل مثل کا معنیٰ ہے۔

قولہ: مَثَلُ الْقَوْمِ: یعنی تکذیب کرنے والوں کا حال۔ پس الَّذِيْنَ مخصوص مضاف مقدر کے ساتھ ہے۔

قولہ: وَالْفَاءُ زَائِدَةٌ: مگر صاحب مدارک اور قاضی نے اس کو جزا قرار دیا ہے۔ فتدبر۔



"گزشتہ سورت میں خاص طور پر حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی بعثت کا اہم مقصد یہ بیان کیا گیا تھا آنے والے پیغمبر آخرالزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ونبوت کی بشارت سناتا تھا اور بنی اسرائیل کو اس بات پر مامور کرتا تھا کہ جب وہ نبی آخرالزمان ﷺ مبعوث ہوں تو ان پر وہ لوگ ایمان لائیں تو اب اس سورت میں اللہ کی پاکی اور حمد وثناء بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی بعثت کا ذکر فرمایا

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ....

امیین، امی کی جمع ہے، ناخواندہ شخص کو کہا جاتا ہے، عرب کے لوگ اس لقب سے معروف ہیں، کیونکہ ان میں نوشت وخواند کا رواج نہیں تھا بہت آدمی لکھے پڑھے ہوتے تھے، اس آیت میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت کے اظہار کے لئے خاص طور پر ان کے لئے یہ لقب اختیار فرمایا اور یہ بھی کہ جو رسول بھیجا گیا وہ بھی انہی میں سے ہے یعنی امی ہے، اس لئے یہ معاملہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ قوم ساری امی اور جو رسول بھیجا گیا وہ بھی امی اور جو فرائض اس رسول کے سپرد کئے گئے جن کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے وہ سب علمی تعلیمی اصلاحی ایسے ہیں کہ نہ کوئی امی ان کو سکھا سکتا ہے اور نہ امی قوم ان کو سیکھنے کے قابل ہے۔ یہ صرف حق تعالیٰ جل شانہ کی قدرت کاملہ سے رسول اللہ ﷺ کا اعجاز ہی ہوسکتا ہے کہ آپ نے جب تعلیم واصلاح کا

کام شروع فرمایا تو انہی امیین میں وہ علماء اور حکماء پیدا ہو گئے جن کے علم و حکمت، عقل و دانش اور ہر کام کی عمدہ صلاحیت نے سارے جہان سے اپنا لوہا منوالیا۔

بعثت نبوی کے تین مقصد:

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے تین وصف نعمائے الہیہ کے ضمن میں بتلائے گئے ہیں ایک تلاوت آیات قرآن یعنی قرآن پڑھ کرامت کو سنانا، دوسرے ان کو ظاہری اور باطنی ہر طرح کی گندگی اور نجاست سے پاک کرنا، جس میں بدن اور لباس وغیرہ کی ظاہری پاکی بھی داخل ہے اور عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات کی پاکیزگی بھی، تیسرے تعلیم کتاب و حکمت۔

یہ تینوں چیزیں امت کے لئے حق تعالیٰ کے انعامات میں ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد بھی۔

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ تلاوت کے اصل معنی اتباع و پیروی کے ہیں، اصطلاح میں یہ لفظ کلام اللہ کے پڑھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور آیات سے آیات قرآن کریم مراد ہیں، لفظ علیہم سے یہ بتلایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک منصب اور مقصد بعثت یہ ہے کہ آیات قرآن لوگوں کو پڑھ کر سنادیں۔

آیت مذکورہ میں بعثت نبوی کا دوسرا مقصد یُزَکِّیْهِمْ بتلایا ہے، یہ تزکیہ سے مشتق ہے، جس کے معنی پاک کرنے کے ہیں، بیشتر معنوی اور باطنی پاکی کے لئے بولا جاتا ہے، یعنی کفر و شرک اور برے اخلاق و عادات سے پاک ہونا اور کبھی مطلقاً ظاہری اور باطنی پاکی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں بظاہر یہی عام معنی مراد ہیں۔

تیسرا مقصد یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد وہ تعلیمات و ہدایات ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا عملاً ثابت ہیں، اسی لئے بہت سے حضرات مفسرین نے یہاں حکمت کی تفسیر سنت سے فرمائی ہے۔

ایک سوال و جواب:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ تلاوت کے بعد تعلیم کا ذکر کیا جاتا اس کے بعد تزکیہ کا، کیونکہ ان تینوں وظائف کی ترتیب طبعی یہی ہے کہ پہلے تلاوت یعنی تعلیم الفاظ پھر تعلیم معانی اور ان دونوں کے نتیجے میں اعمال و اخلاق کی درستی جو تزکیہ کا مفہوم ہے، مگر قرآن کریم میں یہ آیت کئی جگہ آئی ہے، اکثر جگہوں میں ترتیب بدل کر تلاوت اور تعلیم کے درمیان تزکیہ کا ذکر فرمایا ہے۔

روح المعانی میں اس کی یہ کیفیت بتلائی ہے کہ اگر ترتیب طبعی کے مطابق رکھا جاتا تو یہ تینوں چیزیں مل کر ایک ہی چیز ہوتی جیسے معالجات کے نسخوں میں کئی دوائیں مل کر مجموعہ ایک ہی دوا کہلاتی ہے اور یہاں اسی حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ یہ تینوں چیزیں الگ الگ مستقل نعمت خداوندی ہیں اور تینوں کو الگ الگ فرائض رسالت قرار دیا گیا ہے، اس ترتیب کے بدلنے سے اس طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝

اہل عجم کی اسلام کی خدمتیں:

جب حدود عرب سے نکل کر آپ کالایا ہوا پیغام توحید شرقاً غرباً عجم میں پھیل گیا تو عجمیوں نے قرآن کو لیا حفظ کیا قراءتیں اور روایتیں محفوظ کیں، طرق ادا سیکھے، معانی سمجھے، قرآن کی تفسیریں لکھیں اور احکام قرآن پر کتابیں تالیف کیں، قرآن کے مواعظ کو امت میں پھیلایا حتی کہ کثیر تعداد میں علماء وصلحاء وجود میں آگئے اہل عرب کے بعد اہل عجم کا خدمات اسلام میں بہت بڑا حصہ ہے اسی کو فرمایا: وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (اور ان امیین کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف بھی ان ہی کو رسول بنا کر بھیجا جو ابھی تک امیین سے نہیں ملے) یعنی ان تک اسلام نہیں پہنچا یا انہوں نے ابھی قبول نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے اس وقت سورۃ الجمعہ نازل ہوئی جس میں وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ فرمایا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے؟ تین بار سوال کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا اس وقت وہاں سلمان فارسیؓ موجود تھے آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ان پر ہاتھ رکھ دیا (اور اس طرح بتادیا کہ وہ لوگ ان میں سے ہوں گے) پھر فرمایا اگر ثریا (ستاروں) کے نزدیک بھی ایمان ہو تو ان میں ایسے لوگ ہوں گے جو وہاں سے لے لیں گے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۲۷: جلد ۲)

حضرت سلمانؓ فارس کے رہنے والے تھے حضور اقدس ﷺ نے اہل فارس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو یہ لوگ وہاں سے لے لیں گے یہ بطور مثال ہے ان کے علاوہ جو غیر عرب ہیں انہوں نے بھی اسلام کی بہت خدمت کی۔ جب اہل فارس نے ایمان اور قرآن کو چھوڑ دیا اور شیعیت اختیار کر لی اس وقت سے دوسری اقوام نے الحمد للہ تعالیٰ اسلام کو خوب بڑھایا اور طرح طرح سے اس کی خوب خدمات انجام دیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ....

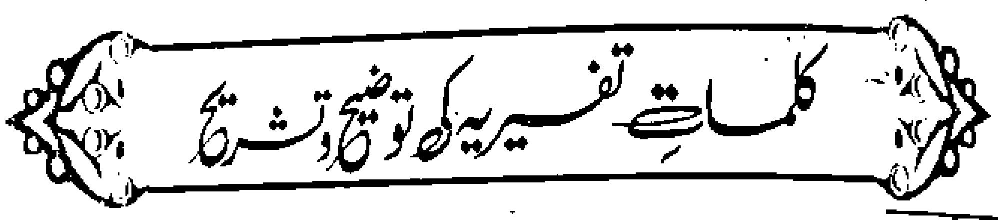
کتابوں کا بوجھ لادا گدھا اور بے عمل عالم:

ان آیتوں میں یہودیوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے کہ انہیں تورات دی کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے تو اسے یہ تو معلوم ہے کہ اس پر کوئی بوجھ ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے؟ اسی طرح یہود ہیں کہ ظاہری الفاظ تو خوب رٹے ہوئے ہیں لیکن نہ تو یہ معلوم ہے کہ مطلب کیا ہے؟ نہ اس پر ان کا عمل ہے بلکہ اور تبدیل و تحریف کرتے رہتے ہیں، پس در حقیقت یہ اس بے سمجھ جانور سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ اسے تو قدرت نے سمجھ ہی نہیں دی لیکن یہ سمجھ رکھتے ہوئے پھر بھی اس کا استعمال نہیں کرتے۔ اسی لئے دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے۔ (ترجمہ) یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے، یہ غافل لوگ ہیں۔ یہاں فرمایا اللہ کی آیتوں کے جھٹلانے والوں کی بری مثال ہے، ایسے ظالم اللہ کی رہنمائی سے محروم رہتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن امام کے خطبہ کی حالت میں بات کرے، وہ مثل گدھے کے ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو اور جو اسے کہے کہ چپ رہ اس کا بھی جمعہ جاتا رہا۔ پھر فرماتا ہے اے یہود! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم حق پر ہو اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب ناحق پر ہیں تو آؤ اور دعا مانگو کہ ہم دونوں میں سے جو حق پر نہ ہو اللہ اسے موت دے،

پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں وہ ان کے سامنے ہیں مثلاً کفر فجور ظلم نافرمانی وغیرہ اس وجہ سے ہماری پیشین گوئی ہے کہ وہ اس پر آمادگی نہیں کریں گے، ان ظالموں کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت قل ان کانت الخ کی تفسیر میں یہودیوں کے اس مباہلے کا پوراذکر ہم کر چکے ہیں اور وہیں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اپنے اوپر اگر خود گمراہ ہوں تو ان پر تو یا اپنے مقابل پر اگر وہ گمراہ ہوں موت کی بددعا کریں، جیسے کہ نصرانیوں کے مباہلہ کا ذکر سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے، ملاحظہ ہو تفسیر آیت فمن حاجک الخ، مشرکین سے بھی مباہلہ کا اعلان کیا گیا ملاحظہ ہو تفسیر سورۃ مریم: قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا (مریم:۷۵) یعنی اے نبی ﷺ ان سے کہہ دے کہ جو گمراہی میں ہو رحمٰن اسے اور بڑھادے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر میں محمد ﷺ کو کعبہ کے پاس دیکھوں گا تو اس کی گردن ناپوں گا جب یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرتا تو سب کے دیکھتے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اگر یہود میرے مقابلہ پر آ کر موت طلب کرتے تو یقیناً وہ مرجاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے اور اگر مباہلہ کے لئے لوگ نکلتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل ومال کو ہرگز نہ پاتے۔ یہ حدیث بخاری ترمذی اور نسائی میں بھی موجود ہے، پھر فرماتا ہے موت سے تو کوئی بچ نہیں سکتا، جیسے سورۃ نساء میں ہے (ترجمہ) یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو وہاں تمہیں موت پا ہی لے گی گو مضبوط محلوں میں ہو، معجم طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے موت سے بھاگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لومڑی ہو جس پر زمین کا کچھ قرض ہو وہ اس خوف سے کہ کہیں یہ مجھ سے مانگ نہ بیٹھے، بھاگے، بھاگتے بھاگتے جب تھک جائے تب اپنے بھٹ میں گھس جائے جہاں گھسی اور زمین نے پھر اس سے تقاضا کیا کہ لومڑی میرا قرض ادا کر دو پھر وہاں سے دم دبائے ہوئے تیزی سے بھاگی آخر یونہی بھاگتے بھاگتے ہلاک ہوگئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ بِمَعْنٰى فِيْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا فَامْضُوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ اَيِ الصَّلٰوةِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ اَيْ اُتْرُكُوْا عَقْدَهٗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَنَّهٗ خَيْرٌ فَافْعَلُوْهُ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ اَمْرُ اِبَاحَةٍ وَابْتَغُوْا اَيْ اُطْلُبُوا الرِّزْقَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ تَفُوْزُوْنَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدِمَتْ عِيْرٌ وَضُرِبَ لِقُدُوْمِهَا الطَّبْلُ عَلَى الْعَادَةِ فَخَرَجَ لَهَا النَّاسُ مِنَ الْمَسْجِدِ غَيْرَ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا فَنَزَلَ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا اَيِ التِّجَارَةِ لِاَنَّهَا مَطْلُوْبُهُمْ دُوْنَ اللَّهْوِ وَتَرَكُوْكَ فِي الْخُطْبَةِ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الثَّوَابِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ يُقَالُ كُلُّ اِنْسَانٍ يُرْزَقُ عَائِلَتَهٗ اَيْ مِنْ رِزْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى

ترجمہ: اے اہل ایمان جب جمعہ کے روز (من بمعنی فی ہے) نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (نماز) کی طرف چل پڑا (لگ جایا) کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے کو کچھ سمجھ ہے (کہ یہ بہتر ہے تو تم اس کو کرو) پھر جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین پر چلو پھرو (یہ حکم بطور اجازت ہے) اور تلاش کرو۔ (رزق ڈھونڈو) اللہ کی روزی اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو۔ تا کہ تم کو فلاح ہو (کامیابی ہو۔ آنحضرتؐ ایک مرتبہ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے اسی اثناء میں ایک تجارتی قافلہ مدینہ میں آیا اور حسب معمول جب اس کی منادی ہوئی تو لوگ سن کر مسجد سے دوڑ پڑے بجز بارہ افراد کے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں (یعنی تجارت کی طرف کیونکہ صحابہ کا مطلوب وہی تھا نہ کہ لہو ولعب) اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے۔ وہ (مسلمانوں کے لئے) بدرجہا بہتر ہے۔ ایسے مشغلہ اور تجارت سے اور اللہ سب سے اچھا روزی دینے والا ہے (بولتے ہیں کہ انسان اپنے متعلقین کو رزق دیتا ہے یعنی اللہ کا رزق)



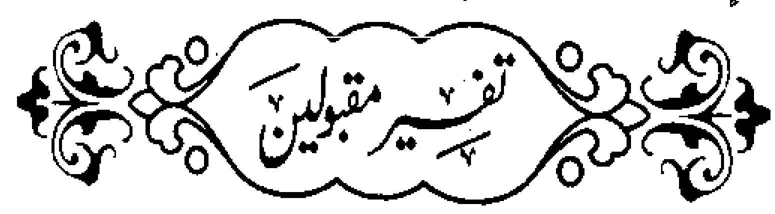
قوله: إِذَا نُودِيَ: اذان دی جائے۔

قوله: الطَّبْلُ عَلَى الْعَادَةِ: قافلہ اور جنگ کے لیے طبل بجائے۔

قوله: لَهْوًا: طبل۔

قوله: لِأَنَّهَا مَطْلُوبُهُمْ: افراد تجارت تو کنایہ کی؟؟ ہیں۔

قوله يُقَالُ كُلُّ اِنْسَانٍ: حقیقی رازق اللہ تعالیٰ ہے، دوسرے انسان وغیرہ لغوی حد تک رازقین میں شامل کیے گئے۔



يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ ....

جمعہ کا دن کیا ہے؟ اس کی اہمیت کیوں ہے؟

جمعہ کا لفظ جمع سے مشتق ہے، وجہ اشتقاق یہ ہے کہ اس دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں اللہ کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور یہ بھی وجہ ہے کہ اسی دن تمام مخلوق کامل ہوئی چھ دن میں ساری کائنات بنائی گئی ہے چھٹا دن جمعہ کا ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی دن جنت میں بسائے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے، اسی دن میں قیامت قائم

ہوگی، اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے عنایت فرماتا
ہے، جیسے کہ صحیح احادیث میں آیا ہے، ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان سے پوچھا جانتے ہو جمعہ کا
دن کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا اسی دن تیرے ماں باپ (یعنی
آدم وحوا) کو اللہ تعالیٰ نے جمع کیا۔ یا یوں فرمایا کہ تمہارے باپ کو جمع کیا۔ اسی طرح ایک موقوف حدیث میں حضرت
ابوہریرہ سے مروی ہے فاللہ اعلم، پہلے اسے یوم العروبہ کہا جاتا تھا، پہلی امتوں کو بھی ہر سات دن میں ایک دن دیا گیا تھا لیکن
جمعہ کی ہدایت انہیں نہ ہوئی، یہودیوں نے ہفتہ پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہ ہوئی تھی، نصاریٰ نے اتوار
اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتدا ہوئی ہے اور اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو سند فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے
جمعہ کو پسند فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا، جیسے صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے
تو سب کے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب اللہ دی گئی، پھر
ان کے اس دن میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ راست دکھائی پس لوگ اس میں بھی ہمارے پیچھے ہیں
یہودی کل اور نصرانی پرسوں، مسلم میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے
میں کیا جائے گا، یہاں اللہ تعالیٰ مومنوں کو جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لئے جمع ہونے کا حکم دے رہا ہے، سعی سے مراد یہاں
دوڑنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ یعنی نماز کے لئے قصد کرو چل پڑو کوشش کرو کام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ، جیسے
اس آیت میں سعی کوشش کے معنی میں ہے: ومن اراد الاخرۃ وسعی لھا سعیھا یعنی جو شخص آخرت کا ارادہ کرے پھر اس
کے لئے کوشش بھی کرے، حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں بجائے فاسعوا کے فامضوا ہے، یہ
یاد رہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا منع ہے۔ بخاری ومسلم میں ہے جب تم اقامت سنو تو نماز کیلئے سکینت اور وقار کے ساتھ چلو،
دوڑو نہیں، جو پاؤ پڑھ لو، جو فوت ہو ادا کر لو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نماز میں تھے کہ لوگوں کے پاؤں کی آہٹ زور
زور سے سنی، فارغ ہو کر فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت ہم جلدی جلدی نماز میں شامل ہوئے فرمایا ایسا نہ کرو نماز کو
اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ جو پاؤ پڑھ لو جو چھوٹ جائے پوری کر لو، حضرت حسن فرماتے ہیں اللہ کی قسم یہاں یہ حکم نہیں کہ دوڑ
کر نماز کے لئے آؤ یہ تو منع ہے بلکہ مراد دل اور نیت اور خشوع خضوع ہے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں اپنے دل اور اپنے عمل سے
کوشش کرو، جیسے اور جگہ ہے فلما بلغ معہ السعی حضرت ذبیح اللہ جب خلیل اللہ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے، جمعہ کے
لئے آنے والے کو غسل بھی کرنا چاہئے، بخاری مسلم میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لئے جانے کا ارادہ کرے
وہ غسل کر لیا کرے، اور حدیث میں ہے جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے اور روایت میں ہے کہ ہر بالغ پر ساتویں
دن سر اور جسم کا دھونا ہے، صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ وہ دن جمعہ کا دن ہے، سنن اربعہ میں ہے جو شخص جمعہ کے دن اچھی
طرح غسل کرے اور سویرے سے ہی مسجد کی طرف چل دے پیدل جائے سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے خطبے کو کان
لگا کر سنے لغو کام نہ کرے تو اسے ہر ایک قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ہے، بخاری مسلم
میں ہے جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے، اول ساعت میں جائے اس نے گویا ایک اونٹ اللہ کی راہ

میں قربان کیا دوسری ساعت میں جانے والا مثل گائے کی قربانی کرنے والے کے ہے، تیسری ساعت میں جانے والا مرغ راہ اللہ میں تصدق کرنے والے کی طرح ہے، پانچویں ساعت میں جانے والا انڈا راہ اللہ دینے والے جیسا ہے، پھر جب امام آئے فرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں، مستحب ہے کہ جمعہ کے دن اپنی طاقت کے مطابق اچھا لباس پہنے خوشبو لگائے مسواک کرے اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لئے آئے، ایک حدیث میں غسل کے بیان کے ساتھ ہی مسواک کرنا اور خوشبو ملنا بھی ہے، مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے گھر والوں کو خوشبو ملے اگر ہو اور اچھا لباس پہنے پھر مسجد میں آئے اور کچھ نوافل پڑھے اگر جی چاہے اور کسی کو ایذاء نہ دے (یعنی گردنیں پھلانگ کر نہ آئے نہ کسی بیٹھے ہوئے کو ہٹائے) پھر جب امام آ جائے اور خطبہ شروع ہو خاموشی سے سنے تو اس کے گناہ جو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے ہوں سب کا کفارہ ہو جاتا ہے، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے منبر پر بیان فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے روزمرہ کے محنتی لباس کے علاوہ دو کپڑے خرید کر جمعہ کے لئے مخصوص رکھے۔ حضور ﷺ نے یہ فرمان اس وقت فرمایا جب لوگوں پر وہی معمولی چادریں دیکھیں تو فرمایا کہ اگر طاقت ہو تو ایسا کیوں نہ کر لو۔ جس اذان کا یہاں اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد وہ اذان ہے جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے نبی ﷺ کے زمانہ میں یہی اذان تھی جب آپ گھر سے تشریف لاتے منبر پر جاتے اور آپ کے بیٹھ جانے کے بعد آپ کے سامنے یہ اذان ہوتی تھی، اس سے پہلے کی اذان حضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھی اسے امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ نے صرف لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر زیادہ کیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے نبی ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے زمانے میں جمعہ کی اذان صرف اسی وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر خطبہ کہنے کے لئے بیٹھ جاتا، حضرت عثمان کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو آپ نے دوسری اذان ایک الگ مکان پر کہلوائی زیادہ کی اس مکان کا نام زوراء تھا مسجد سے قریب سب سے بلند یہی مکان تھا۔ حضرت مکحول سے ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ اذان صرف ایک ہی تھی جب امام آتا تھا اس کے بعد صرف تکبیر ہوتی تھی، جب نماز کھڑی ہونے لگے، اسی اذان کے وقت خرید و فروخت حرام ہوتی ہے، حضرت عثمانؓ نے اس سے پہلے کی اذان کا حکم صرف اس لئے دیا تھا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ جمعہ میں آنے کا حکم آزاد مردوں کو ہے عورتوں، غلاموں اور بچوں کو نہیں، مسافر مریض اور تیمار دار اور ایسے ہی اور عذر والے بھی معذور گنے گئے ہیں جیسے کہ کتب فروع میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ دو یعنی ذکر اللہ کے لئے چل پڑو تجارت کو ترک کر دو، جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے علماء کرامؒ کا اتفاق ہے کہ اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے، اس میں اختلاف ہے کہ دینے والا اگر دے تو وہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحیح نہ ٹھہرے گا واللہ اعلم، پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ اور نماز کی طرف تمہارا آنا ہی تمہارے حق میں دین دنیا کی بہتری کا باعث ہے اگر تم میں علم ہو۔ ہاں جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اس مجمع سے چلے جانا اور اللہ کے فضل کی تلاش میں لگ جانا، تمہارے لئے حلال ہے۔ عراک بن مالکؓ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹ کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے (ترجمہ) یعنی اے اللہ میں نے تیری آواز پر حاضری دی اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی پھر تیرے حکم کے مطابق

اس مجمع سے اٹھ آیا، اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرما تو سب سے بہتر روزی رساں ہے (ابن ابی حاتم) اس آیت کو پیش نظر رکھ کر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرے اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ خرید فروخت کی حالت میں بھی ذکر اللہ کیا کرو دنیا کے نفع میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ آخروی نفع بھول بیٹھو۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی بازار جائے اور وہاں (ترجمہ) پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ برائیاں معاف فرماتا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں بندہ کثیر الذکر اسی وقت کہلاتا ہے جبکہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا ہے۔

جمعہ کے فضائل:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں جو پہلے آیا اس کا نام پہلے اور جو بعض میں آیا اس کا نام بعد میں لوگوں کی آمد کے اعتبار سے نام لکھتے رہتے ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص دوپہر کا وقت شروع ہوتے ہی جمعہ کے لئے روانہ ہو گیا اس کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ گویا اس نے بدنہ یعنی اونٹ کی ہدی پیش کی پھر جو اس کے بعد آیا اس کا ایسا ثواب ہے گویا اس نے گائے کی ہدی پیش کی اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے گویا اس نے مینڈھا ھدی میں پیش کیا اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے جیسا کہ اس نے مرغی پیش کی اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے گویا کہ اس نے انڈا پیش کیا، پھر جب امام (اپنے حجرہ سے ممبر پر آنے کے لئے) نکلتا ہے تو فرشتے اپنے صحیفوں کو لپیٹ دیتے ہیں اور ذکر سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

(رواہ البخاری صفحہ ۱۲۱، ۱۲۷، و مسلم صفحہ ۲۸۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر جمعہ میں حاضر ہوا اور کان لگا کر (خطبہ) سنا اور خاموش رہا اس کے لئے اس جمعہ سے لے کر آئندہ جمعہ تک کے گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی اور مزید تین دن کی مغفرت ہوگی (کیونکہ ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا زیادہ دیا جاتا ہے) پھر فرمایا کہ جس نے کنکریوں کو چھولیا اس نے لغو کام کیا (کیونکہ جو شخص خطبہ کی طرف سے غافل ہوگا وہ ہی کنکریوں سے کھیلے گا یا اسی طرح کا اور کوئی لغو کام کرے گا)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۸۳: ج ۱)

اس حدیث میں اچھی طرح وضو کر کے آنے کا حکم ہے اور بعض روایات میں غسل کرنے، تیل یا خوشبو لگانے، اور پیدل چل کے جانے اور مسواک کرنے اور اچھے کپڑے پہننے اور امام کے قریب ہو کر خطبہ سننے کی بھی ترغیب وارد ہوئی ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

جو شخص خطبہ کے درمیان بات کرنے لگے اس کو یوں کہنا کہ خاموش ہو جا یہ بھی ممنوع ہے (کیونکہ اس میں دھیان سے خطبہ سننے میں فرق آتا ہے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو نے بات کرنے والے سے یوں کہہ دیا کہ چپ ہو جا تو نے لغو کام کیا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۲۷: ج ۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب دنوں سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے (ان کا وہاں سے نکالا جانا دنیا میں ان کی نسل بڑھنے کا اور ان میں سے انبیاء، شہداء، صدیقین، صالحین اور عام مومنین کے وجود میں آنے کا سبب بنا۔ جنہیں جنت کا داخلہ نصیب ہوا) اور فرمایا کہ قیامت جمعہ ہی کے دن آئے گی۔ (رواہ مسلم صفحہ ٢٨٢: ج١)

ترک جمعہ پر وعید:

فائدہ: مریض اور مسافر اور عورت اور غلام پر جمعہ کی حاضری ضروری نہیں ہے۔ بالغ مرد جسے کوئی ایسا مرض لاحق نہ ہو جو نماز کو جانے سے مانع ہو اس پر خوب ہمت کر کے کاروبار چھوڑ کر اور آداب کا خیال کر کے حاضر ہونا لازم ہے حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگ جمعہ کی نماز چھوڑنے سے رک جائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ لوگ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ (رواہ مسلم صفحہ ٢٨٢: ج٢)

حضرت ابو جعد ضمریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ جمعہ کی نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں میں نے ان کے بارے میں پکا ارادہ کر لیا ہے کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر پیچھے سے جا کر ان لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو جمعہ کی نماز کی حاضری سے رہ جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ١٢١)

ساعت اجابت:

فائدہ: جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں دعاء ضرور قبول ہوتی ہے بعض روایات میں ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد سے نماز کے ختم ہونے تک کے درمیان دعاء قبول ہونے کا وقت ہے۔ (رواہ مسلم صفحہ ٢٨١)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جمعہ کے دن جس گھڑی میں دعا قبول ہوتی ہے اس گھڑی کو عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک تلاش کرو۔ (رواہ الترمذی صفحہ ١١١: ج١)

سورہ کہف پڑھنے کی فضیلت:

فائدہ: جمعہ کے دن سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیات پڑھنے کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ تین آیات پڑھ لیا کرے وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (رواہ الترمذی صفحہ ١١٦: ج٢) بعض روایات میں جمعہ کے دن سورۃ کہف کی آخری آیات پڑھنے کا بھی ذکر آیا ہے اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھ لی اس کے لئے دونوں جمعوں کے درمیان نور روشن رہے گا یعنی جمعہ کے دن اس سورۃ کے پڑھنے کی وجہ سے اس کی قبر میں یا قلب میں ایک ہفتہ کے بقدر روشنی رہے گی۔ (رواہ البیہقی فی دعوات الکبیر)

فائدہ: جمعہ کے دن سورۃ ہود پڑھنے کا بھی حکم وارد ہوا ہے۔ (رواہ الدارمی صفحہ ٣٦٦)

جمعہ کے دن درود شریف کی فضیلت:

فائدہ: جمعہ کے دن درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہئے یوں تو درود شریف پڑھنے کا ہمیشہ ہی بہت زیادہ ثواب ہے لیکن جمعہ کے دن خاص طور پر آپ ﷺ نے درود پڑھنے کا حکم دیا۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۱۲۰)

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ

نماز جمعہ کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو:

اس کے بعد ارشاد فرمایا: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ .... (یعنی جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو)۔ یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے اباحت اور اجازت کے لیے ہے۔ مطلب یہ کہ جب نماز ختم ہوگئی تو مسجد کی حاضری والا کام ختم ہوگیا اب اپنے دنیاوی مشاغل میں لگ سکتے ہو مسجد سے فارغ ہو کر بازار میں جاؤ۔ اللہ کا رزق حاصل کرو۔ جمعہ کی حاضری کے لیے جو کاروبار چھوڑ کر آئے تھے چاہو تو اس میں لگ جاؤ چونکہ یہ امر اباحت کے لیے ہے اس لئے اگر کوئی شخص نماز پڑھ کر عصر تک یا مغرب تک مسجد میں رہ جائے اعتکاف، تلاوت ذکر، ساعت اجابت کی تلاش میں وقت گزارے تو یہ بھی اچھی بات ہے۔

خرید و فروخت کی اجازت دینے کے بعد: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ بھی فرمایا اور یہ بتادیا کہ خرید و فروخت کی مشغولیت یا دوسرے کام اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں، مومن کو ہر حال میں اللہ کے ذکر میں لگا رہنا چاہئے جو حاصل زندگی ہے، نماز بھی اللہ کے ذکر کے لئے ہے جیسا کہ سورۃ طٰہٰ میں فرمایا ہے۔ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (کہ نماز کو میرے ذکر کے لئے قائم کرو) سورۃ العنکبوت میں فرمایا: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ (اور یقیناً اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے) سورۃ الاحزاب میں فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا، وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو خوب زیادہ اور صبح و شام اس کی تسبیح میں مشغول رہو) پھر فرمایا: لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ) اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے اس سے قلب کو راحت ہوتی ہے اطمینان حاصل ہوتا ہے چونکہ بازار میں بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے خرید و فروخت کی آوازیں لگتی ہیں۔ غفلت کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اس لئے طلب رزق کے ساتھ کثرت ذکر کا بھی حکم فرمایا۔ ذیل میں لکھے ہوئے الفاظ پڑھنے کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بازار میں داخل ہوا اور اس نے یہ کلمات پڑھے:

لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحيى ويميت وهو حى لا يموت بيده الخير وهو على كل شىء قدير (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے اسے موت نہ آئے گی، اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔ تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں لکھ دیں گے اور دس لاکھ گناہ معاف فرمادیں گے اور دس لاکھ درجے بلند فرمادیں گے اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنادیں گے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً ....

خطبہ چھوڑ کر تجارتی قافلوں کی طرف متوجہ ہونیوالوں کو تنبیہ:

حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ رہے تھے۔ اچانک (مدینہ منورہ) میں ایک اونٹوں کا قافلہ آ گیا جن پر کھانے پینے کا سامان لدا ہوا تھا (جب حاضرین کے کانوں میں اس کی بھنک پڑی تو) اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور بازار کی طرف چل دیئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بارہ آدمی رہ گئے اس پر آیت کریمہ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً .... نازل ہوئی۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۲۸: جلد ۱ صفحہ ۷۲۷: جلد ۲)

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور صحیح مسلم صفحہ ۲۸۴ میں اس روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کھڑے ہو کے خطبہ پڑھنے کو نماز پڑھنے سے تعبیر کر دیا۔

(قال النووی فی شرح مسلم والمراد بالصلوٰۃ (فی روایۃ البخاری) انتظارھا فی حال الخطبۃ کما وقع فی روایات مسلم)

صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ جو بارہ افراد رہ گئے تھے ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ بھی تھے مراسیل ابوداؤد صفحہ ۷ میں مقاتل بن حبان سے نقل کیا ہے کہ پہلے یہ طریقہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز عیدین کی طرح جمعہ کا خطبہ بھی نماز کے بعد دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر خطبہ میں مشغول تھے کہ ایک شخص اندر مسجد میں آیا اور اس نے کہا کہ دحیہ بن خلیفہ اپنی تجارت کا سامان لے کر پہنچ گیا ہے (اس وقت دحیہ مسلمان نہیں ہوئے تھے)۔ جب وہ باہر سے تجارت کا سامان لے کر آتے تھے تو ان کے گھر والے دف بجا کر استقبال کیا کرتے تھے جو لوگ خطبہ سن رہے تھے وہ یہ سمجھ کر کہ خطبہ چھوڑ کر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مسجد سے باہر نکل گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا نازل فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد سے خطبہ کو نماز سے مقدم کر دیا اور نماز سے خطبہ پہلے پڑھا جانے لگا۔

مراسیل ابوداؤد کی روایت بالا سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ اس موقع پر مسجد سے نکل گئے تھے انہوں نے یہ خیال کر لیا تھا کہ نماز تو ہو ہی گئی ہے خطبہ نماز کا جزء نہیں ہے اور نصیحت کی باتیں رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہی رہتے ہیں، اس لیے خطبہ چھوڑ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کی یہ اجتہادی غلطی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ جب یہ تجارت کو دیکھتے ہیں یا کسی لہو کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف چل دیتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ لہو سے طبل مراد ہے (جسے مراسیل ابوداؤد میں دف بتایا ہے) معالم التنزیل میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کتنے لوگ مسجد میں رہ گئے؟ عرض کیا بارہ مرد اور ایک عورت باقی رہ گئے آپ نے فرمایا اگر یہ بھی باقی نہ رہتے تو ان پر آسمان سے پتھر برسا دیئے جاتے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تم سب یکے بعد دیگرے چلے جاتے اور کوئی بھی مسجد میں نہ رہتا تو یہ وادی آگ بن کر بہہ پڑتی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۳۴۵، ۳۴۶: ج ۴)

بات یہ ہے کہ وہ زمانہ خوراک کی کمی کا بھی تھا اور بھاؤ کے مہنگے ہونے کا بھی دحیہ بن خلیفہ تجارت کا سامان لے کر آئے جس میں کھانے پینے کی چیزیں بھی تھیں۔ اس ڈر سے کہ ممکن ہے اور لوگ خرید لیں اور ہم کو کچھ بھی نہ ملے حاضرین مسجد سے اس طرف چلے گئے۔

ایک تو چیزوں کی نایابی کا زمانہ تھا دوسرے انہوں نے یہ سمجھا کہ نماز کے بعد خطبہ چھوڑ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور مال خریدنے میں یہودی اور منافق بھی ہیں اس لیے ہمیں بھی مال جلدی خرید لینا چاہئے۔ اس خیال نے خطبہ چھوڑ کر چلے جانے پر آمادہ کر دیا۔

اگر معاملہ کی ساری صورت حال سامنے رکھی جائے تو بات سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ حضرات صحابہؓ نے ایسا کیوں کیا؟ لیکن غلطی، غلطی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی: قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ (آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے لہو سے اور تجارت سے) اس میں یہ بتا دیا کہ نماز میں اور خطبہ کی مشغولیت میں بڑی برکات ہیں۔ ان چیزوں میں مشغول ہوتے ہوئے جو اللہ کی طرف سے دنیا و آخرت میں خیر ملے گی وہ ان چیزوں سے بہتر ہے جن کے لئے اللہ کے ذکر کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے مومن بندوں کو اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں اور اس کے احکام پورے کریں اور اسی سے مانگیں۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (اور اللہ تعالیٰ تمام دینے والوں سے بہتر ہے)۔ اسی نے ارزاق واسباب پیدا فرمائے ہیں اور مقدر بھی فرمائے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی دینے والا نہیں ہے جو کچھ ملتا ہے اس کی مشیت سے ملتا ہے جو کوئی شخص کسی کو کچھ دیتا ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے دل میں ڈال جاتا ہے۔

فائدہ 1: جمعہ کا خطبہ اداء صلاۃ کے لیے شرط ہے خطبہ پڑھے بغیر دو رکعتیں پڑھ لیں تو جمعہ ادا نہیں ہوگا۔

فائدہ 2: نماز جمعہ میں پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور سورۃ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ پڑھنا مسنون ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۸۷: ج۱)

اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین میں اور صلوٰۃ جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے اگر کسی دن ایسا ہو گیا کہ عید بھی ہے اور جمعہ بھی تو دونوں نمازوں میں هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۸۸: ج۱)



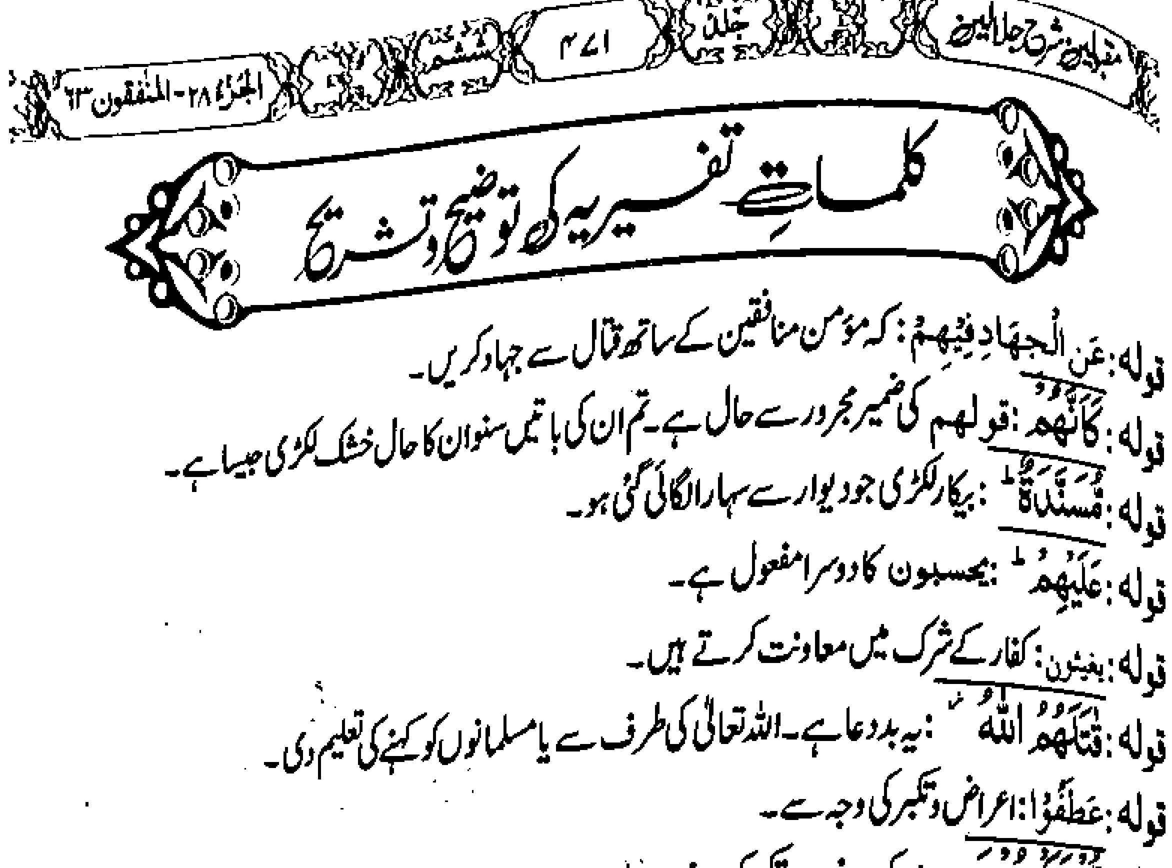
سورہ منافقون مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

إِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا بِأَلْسِنَتِهِمْ عَلٰى خِلَافِ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ يَعْلَمُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝١ فِيْمَا أَضْمَرُوْهُ مُخَالِفًا لِمَا قَالُوْهُ
اِتَّخَذُوْٓا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سُتْرَةً عَنْ أَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ فَصَدُّوْا بِهَا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ أَيْ عَنِ
الْجِهَادِ فِيْهِمْ إِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٢ ذٰلِكَ أَيْ سُوْءُ عَمَلِهِمْ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِاللِّسَانِ ثُمَّ
كَفَرُوْا بِالْقَلْبِ أَيِ اسْتَمَرُّوْا عَلٰى كُفْرِهِمْ بِهٖ فَطُبِعَ خُتِمَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ بِالْكُفْرِ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٣
الْإِيْمَانَ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۭ لِجَمَالِهَا وَإِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ لِفَصَاحَتِهٖ
كَأَنَّهُمْ مِنْ عِظَمِ أَجْسَامِهِمْ فِيْ تَرْكِ التَّفَهُّمِ خُشُبٌ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ وَضَمِّهَا مُّسَنَّدَةٌ ۭ مُمَالَةٌ إِلَى
الْجِدَارِ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ تُصَاحُ كَنِدَاءٍ فِي الْعَسْكَرِ وَإِنْشَادِ ضَالَّةٍ عَلَيْهِمْ ۭ لِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مِنَ الرُّعْبِ أَنْ يَّنْزِلَ فِيْهِمْ مَا يُبِيْحُ دِمَاءَهُمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ فَإِنَّهُمْ يُفْشُوْنَ سِرَّكَ لِلْكُفَّارِ
قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ أَهْلَكَهُمْ أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٤ كَيْفَ يُصْرَفُوْنَ عَنِ الْإِيْمَانِ بَعْدَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ وَإِذَا قِيْلَ
لَهُمْ تَعَالَوْا مُعْتَذِرِيْنَ يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ عَطَفُوْا رُءُوْسَهُمْ وَ
رَأَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ يُعْرِضُوْنَ عَنْ ذٰلِكَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝٥ سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اسْتَغْنٰى
بِهَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٦ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لِأَصْحَابِهِمْ مِنَ الْأَنْصَارِ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ يتفرقوا عنه وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بالرزق فهو الرازق للمهاجرين و غيرهم وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اى من غزوة بنى المصطلق اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ عنوا به انفسهم مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ عنوا به المؤمنين وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ الغلبة وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۸ ذٰلِكَ

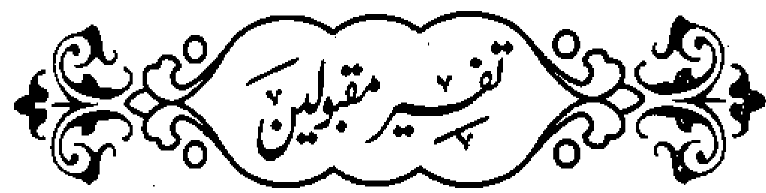
ع ۸ / ۱۴

ترجمہ: یہ منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو (دلوں کے برخلاف زبانوں سے) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ تو اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے (جانتا ہے) کہ یہ منافق جھوٹے ہیں (زبان کے برخلاف جو کچھ چھپاتے ہیں اس میں) ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے (مال وجان کے لئے ڈھال) پھر یہ لوگ اللہ کی راہ (جہاد) سے روکتے ہیں۔ بے شک ان کے اعمال بہت ہی برے ہیں۔ یہ (ان کی بد عملی) اس لئے ہے کہ یہ لوگ (صرف زبانی) ایمان لے آئے مگر کافر رہے (دل سے یعنی اپنے کفر پر جمے رہے) سو ان کے دلوں پر (ان کے کفر کی وجہ سے) مہر کر دی گئی اس لئے یہ (ایمان کو) نہیں سمجھتے اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قدوقامت (خوب صورتی میں) آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو (فصاحت کی وجہ سے) آپ ان کی باتیں سننے لگیں گویا یہ (ڈیل ڈول کے باوجود نا سمجھ ہونے میں) لکڑیاں ہیں (شین کے سکون وضمہ کے ساتھ) جو ٹیک دی گئی ہیں (دیوار کے سہارے کھڑی کر دی گئی ہیں) ہر غل غپاڑہ کو (جو لشکر میں کسی منادی یا گم شدہ چیز کے اعلان کی وجہ سے ہو) اپنے اوپر خیال کرنے لگتے ہیں (دل میں رعب ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قتل کے بارے میں کوئی حکم آیا ہے) یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہئے (کیونکہ کافروں سے آپ کے راز یہی اگلتے ہیں) اللہ انہیں غارت (برباد) کرے۔ یہ کہاں پھرے جاتے ہیں (دلیل قائم ہونے کے باوجود یہ ایمان سے کیسے روگردانی کر رہے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (معذرت خواہ بن کر) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کریں تو پھیر لیتے ہیں (تشدید وتخفیف کے ساتھ ہے) اپنے سر اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ بے رخی (اس سے کنارہ کشی) کرتے ہیں۔ تکبر کرتے ہوئے۔ ان کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں (ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی) یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ وہ ہیں جو (اپنے انصار بھائیوں سے) کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس (مہاجرین) ہیں۔ ان پر کچھ خرچ مت کرو۔ یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر (تتر بتر) ہو جائیں گے اور اللہ ہی کے ہیں سب آسمانوں اور زمین کے خزانے (رزق کے لہذا مہاجرین وغیرہ کا وہی روزی رساں ہے) لیکن منافقین سمجھتے نہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب (غزوۂ بنی مصطلق سے) مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو نکال باہر کرے گا عزت والا (مرد خود ہی) وہاں سے ذلت والے کو (یعنی مسلمانوں کو) اور عزت (غلبہ) اللہ ہی کی ہے اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔ لیکن منافقین (اس کو) جانتے نہیں ہیں۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: عَنِ الْجِهَادِ فِيهِمْ: کہ مؤمن منافقین کے ساتھ قتال سے جہاد کریں۔
قولہ: كَأَنَّهُمْ: قولهم کی ضمیر مجرور سے حال ہے۔تم ان کی باتیں سنو ان کا حال خشک لکڑی جیسا ہے۔
قولہ: مُسَنَّدَةٌ: بیکار لکڑی جو دیوار سے سہارا لگائی گئی ہو۔
قولہ: عَلَيْهِمْ: يحسبون کا دوسرا مفعول ہے۔
قولہ: يعينون: کفار کے شرک میں معاونت کرتے ہیں۔
قولہ: قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ: یہ بددعا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا مسلمانوں کو کہنے کی تعلیم دی۔
قولہ: عَطَفُوا: اعراض وتکبر کی وجہ سے۔
قولہ: مُسْتَكْبِرُونَ: یہ عذر کرنے سے تکبر کرنے والے ہیں۔
قولہ: مِنَ الْمُهَاجِرِينَ: ان کے تنگ دست لوگ۔
قولہ: حَتّٰى يَنْفَضُّوا: یہ عبداللہ بن ابی نے اپنے گروہ کو کہا کہ ان پر خرچ مت کرو یہانتک کہ بھاگ جائیں۔



تفسیر مقبولین

یہ سورت بھی دیگر مدنی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی احکام اور شریعت کے اہم فیصلوں پر مشتمل ہے،سورت کے مضامین نفاق کی گندگی اور منافقین کی بدترین خصلتوں کے بیان پر مشتمل ہیں ابتداء میں منافقین کی اخلاقی برائیاں ذکر فرمائی گئیں اور یہ کہ دھوکہ فریب اور جھوٹ ان کی زندگی کا حاصل ہے،رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے ذلیل کردار کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی ان کے بیہودہ اقوال اور لغو عقائد وخیالات کا بھی ذکر کیا گیا اور یہ کہ آخرت میں ان منافقوں کے واسطے نہایت شدید عذاب اور دنیا میں ذلت ورسوائی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

سورت کے آخر میں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ دنیا کی زیب وزینت میں مشغول ہو کر خدا کی یاد اور اس کی اطاعت سے غافل نہ بنیں اگر ایسا ہوا تو یہ بہت بڑی بدنصیبی ہوگی اس پر سورت ختم فرمائی گئی۔

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ....

منافقین کی شرارتوں اور حرکتوں کا بیان:

یہاں سے سورۃ المنافقون شروع ہو رہی ہے۔اس میں منافقین کی بے ایمانی اور بات کر کے مکر جانے اور جھوٹی قسم کھا جانے کا تذکرہ ہے۔منافقین جو اوپر اوپر سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور دل سے کافر تھے یہ لوگ نمازوں میں بھی برے

دل سے شریک ہوجاتے تھے نیز جہاد کے مواقع میں بھی حاضر ہوتے تھے اور اپنی حرکتیں جاری رکھتے تھے، شرارتوں سے اور ناگوار باتوں سے باز نہیں آتے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ جہاد کے لئے تشریف لے گئے (شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ یہ غزوہ بنی المصطلق کا واقعہ ہے اور سنن نسائی میں اس کی تصریح ہے) منافقین بھی حسب عادت ساتھ لگ گئے تھے وہاں یہ قصہ پیش آیا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو دھپ مار دیا۔ اس پر انصاری نے مدد کے لئے انصار کو اور مہاجر نے مہاجرین کو پکارا رسول اللہ ﷺ نے آواز سنی تو فرمایا یہ کیا جاہلیت کی دہائی ہے (کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی گروہ بندی کی عصبیت کام کرنے لگی)۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے ایک شخص نے انصاری کو ایک دھپ مار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس جاہلیت کی دہائی کو چھوڑ دو۔ یہ بد بودار چیز ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی مہاجرین اور انصار کے جھگڑنے والی بات سن لی اس نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے کہ مہاجرین انصار کو مارنے لگے۔ یہ لوگ جو باہر سے آئے ہیں، ہم نے انہیں کھلایا پلایا تو یہ اتنے چڑھ گئے، یہ تو وہی بات ہوئی کہ جس کا کھائے اس پر غرائے۔ اب ان لوگوں پر خرچ نہ کرو تاکہ خود ہی منتشر ہوجائیں کھانے کو نہیں ملے گا تو خود ہی تتر بتر ہوجائیں گے اور اس نے یہ بھی کہا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے (عزت والا اس نے اپنے آپ کو کہا کیونکہ انصاری پہلے سے مدینہ میں رہتے تھے اور ذلت والا مہاجرین کو کہا جو مکہ مکرمہ سے آکر مدینہ منورہ میں مقیم ہوگئے تھے)۔

یہ واقعہ صحیح بخاری میں حضرت زید بن ارقم اور حضرت جابرؓ دونوں سے مروی ہے جو کہ صحیح بخاری میں صفحہ ۲۸، ۲۹ پر مذکور ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عبداللہ بن ابی منافق کی بات نقل کردی، جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو عبداللہ زوردار قسم کھا گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی، عبداللہ کے جو دوسرے ساتھی تھے انہوں نے بھی جھوٹی قسم کھالی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصدیق فرمادی اس پر مجھے اتنی ندامت ہوئی اور طبیعت پر بوجھ ہوا اور رنج کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اِذَاجَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ سے لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ تک آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرمادی، حضرت عمرؓ ایسے مواقع پر اپنے جذبات پر قابو پانے والے کہاں تھے جو بات انہوں نے حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں کہی تھی وہ ہی بات یہاں بھی عرض کردی اور کہا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیں اس منافق کی گردن ماردوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھوڑ دو اگر ایسا کرو گے تو لوگ یوں کہیں گے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

رئیس المنافقین کے بیٹے کا ایمان والا طرز عمل:

سنن الترمذی میں بھی حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت مذکور ہے اس میں یہ ہے کہ یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت بھی امام ترمذی نے نقل کی ہے اس میں یہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کا قصہ ہے علماء کرام نے اس دوسری روایت کو ترجیح دی ہے۔

جب عبداللہ بن ابی کی یہ بات اس کے بیٹے نے سنی کہ عزت دار ذلت والے کو نکال دے گا تو اس نے باپ سے کہا کہ تو

مدینہ میں واپس نہیں ہو سکتا جب تک تو یہ اقرار نہ کرلے کہ تو ذلیل ہے اور رسول اللہ ﷺ عزت دار ہیں چنانچہ جب اس نے یہ اقرار کر لیا تو مدینہ منورہ آنے کی اجازت دے دی یاد رہے کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا جو مسلمان تھے۔ (الدر المنثور)

اب آیت کا ترجمہ دوبارہ پڑھیے اور بات سمجھتے جائیے۔

جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو معلوم ہے کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ اپنی گواہی اور اپنی قسم میں جھوٹے ہیں۔ یہ بات تو سچ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن ان کا اس انداز سے گواہی دینا اور قسم کھانا کہ وہ آپ کو دل سے اللہ کا رسول مانتے ہیں اس میں وہ جھوٹے ہیں، آدمی اس لئے قسم کھاتا ہے کہ وہ سننے والوں کو یہ بتائے کہ میرا ظاہر و باطن ایک ہے اور جو کہہ رہا ہوں وہ ہی دل میں ہے چونکہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت کے قائل نہ تھے اس لئے ان کی اس قسما دھری کو اور اپنے اس دعوے کو کہ ہم دل کی گہرائی سے آپ کے رسول ہونے کی گواہی دے رہے ہیں جھوٹا قرار دیدیا درمیان میں یہ بھی فرما دیا۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ (اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) آپ کی رسالت کے لئے ان کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بات یہ ہے کہ جھوٹا ہی قسمیں زیادہ کھایا کرتا ہے سچے آدمی تو بہت کم کبھی قسم کھا لیتے ہیں جن کے دل میں کھوٹ ہوتا ہے وہ ہی اپنی زبان اور دل کی موافقت ثابت کرنے کے لیے قسم کھاتے ہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ ....

منافقوں کی محرومی سعادت کے اسباب:

ملعون منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں پر جب ان سے سچے مسلمان کہتے ہیں کہ آؤ رسول کریم ﷺ تمہارے لئے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا تو یہ تکبر کے ساتھ سر ہلانے لگتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں اور رک جاتے ہیں اور اس بات کو حقارت کے ساتھ رد کر دیتے ہیں، اس کا بدلہ یہی ہے کہ اب ان کے لئے بخشش کے دروازے بند ہیں نبی کا استغفار بھی انہیں کچھ نفع نہ دے گا، بھلا ان فاسقوں کی قسمت میں ہدایات کہاں؟ سورۂ براۃ میں بھی اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہے اور وہیں اس کی تفسیر اور ساتھ ہی اس کے متعلق کی حدیثیں بھی بیان کر دی گئی ہیں، ابن ابی حاتم میں ہے کہ سفیان راوی نے اپنا منہ دائیں جانب پھیر لیا تھا اور غضب و تکبر کے ساتھ ترچھی آنکھ سے گھور کر دکھایا تھا اسی کا ذکر اس آیت میں ہے اور سلف میں سے اکثر حضرات کا فرمان ہے کہ یہ سب کا سب بیان عبداللہ بن ابی بن سلول کا ہے جیسے کہ عنقریب آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول اپنی قوم کا بڑا اور شریف شخص تھا جب نبی ﷺ جمعہ کے دن خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھتے تھے تو یہ کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا لوگو یہ ہیں اللہ کے رسول ﷺ جو تم میں موجود ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام کیا اور تمہیں عزت دی اب تم پر فرض ہے کہ تم آپ کی مدد کرو اور آپ کی عزت و تکریم کرو آپ کا فرمان سنو اور جو فرمائیں بجا لاؤ یہ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا، احد کے میدان میں اس کا نفاق کھل گیا اور یہ وہاں سے حضور ﷺ کی کھلی نافرمانی کر کے تہائی لشکر کو لے کر مدینہ کو واپس لوٹ آیا جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے

فارغ ہوئے اور مدینہ میں مع الخیر تشریف لائے جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر چڑھے تو حسب عادت یہ آج بھی کھڑا ہوا اور کہنا چاہتا ہی تھا کہ بعض صحابہ ادھر ادھر سے کھڑے ہو گئے اور اس کے کپڑے پکڑ کر کہنے لگے دشمن اللہ بیٹھ جا تو اب یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتا تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں اب تو اس کا اہل نہیں کہ زبان سے جو جی میں آئے بک دے، یہ ناراض ہو کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا اور کہتا جاتا تھا کہ گویا میں کسی بدبات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا میں تو اس کا کام اور مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا جو چند اصحاب مجھ پر اچھل کر آ گئے مجھے گھسیٹنے لگے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے گویا کہ میں کسی بڑی بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا حالانکہ میری نیت یہ تھی کہ میں آپ کی باتوں کی تائید کروں انہوں نے کہا خیر اب تم واپس چلو ہم رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں گے آپ تمہارے لئے اللہ سے بخشش چاہیں گے اس نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں، حضرت قتادہ اور حضرت سدی فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں اتری ہے واقعہ یہ تھا کہ اسی کی قوم کے ایک نوجوان مسلمان نے اس کی ایسی ہی چند بری باتیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچائی تھیں حضور ﷺ نے بلوایا تو یہ صاف انکار کر گیا اور قسمیں کھا گیا، انصاریوں نے صحابی کو ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کی اور اسے جھوٹا سمجھا اس پر یہ آیتیں اتریں اور اس منافق کی جھوٹی قسموں اور اس نوجوان صحابی کی سچائی کا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اب اس سے کہا گیا کہ تو چل اور رسول اللہ ﷺ سے استغفار کرا تو اس نے انکار کے لہجے میں سر ہلا دیا اور نہ گیا، ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جس منزل میں اترتے وہاں سے کوچ نہ کرتے جب تک نماز نہ پڑھ لیں، غزوہ تبوک میں حضور ﷺ کو خبر پہنچی کہ عبداللہ بن ابی کہہ رہا ہے کہ ہم عزت والے ان ذلت والوں کو مدینہ پہنچ کر نکال دیں گے پس آپ نے آخری دن میں اترنے سے پہلے ہی کوچ کر دیا اسے کہا گیا کہ حضور ﷺ کے پاس جا کر اپنی خطا کی معافی اللہ سے طلب کر اس کا بیان اس آیت میں ہے، اس کی اسناد سعید بن جبیر تک صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے اس میں نظر ہے بلکہ یہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول تو اس غزوہ میں تھا ہی نہیں بلکہ لشکر کی ایک جماعت کو لے کر یہ تو لوٹ گیا تھا، کتب سیر و مغازی کے مصنفین میں تو یہ مشہور ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مریسیع یعنی غزوہ بنو المصطلق کا ہے چنانچہ اس قصہ میں حضرت محمد بن یحیی بن حبان اور حضرت عبداللہ بن ابو بکر اور حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ سے مروی ہے کہ اس لڑائی کے موقعہ پر حضور ﷺ کا ایک جگہ قیام تھا، وہاں حضرت جہجاہ بن سعید غفاری اور حضرت سنان بن یزید کا پانی کے ازدحام پر کچھ جھگڑا ہو گیا جہجاہ حضرت عمر کے کارندے تھے، جھگڑے نے طول پکڑا سنان نے انصاریوں کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور جہجاہ نے مہاجرین کو اس وقت حضرت زید بن ارقم وغیرہ انصاری کی ایک جماعت عبداللہ بن ابی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، اس نے جب یہ فریاد سنی تو کہنے لگا لو ہمارے ہی شہروں میں ان لوگوں نے ہم پر حملے شروع کر دیئے اللہ کی قسم ہماری اور ان قریشیوں کی مثال وہی ہے جو کسی نے کہا ہے کہ اپنے کتے کو موٹا تازہ کرتا کہ تجھے ہی کاٹے اللہ کی قسم اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ہم ذی مقدور لوگ ان بے مقدروں کو وہاں سے نکال دیں گے پھر اس کی قوم کے جو لوگ اس کے پاس بیٹھے تھے ان سے کہنے لگا یہ سب آفت تم نے خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر لی ہے تم نے انہیں اپنے شہر میں بسایا تم نے انہیں اپنے مال آدھوں آدھ حصہ دیا اب بھی اگر تم ان کی مالی امداد نہ کرو تو یہ خود تنگ آ کر مدینہ سے نکل بھاگیں گے حضرت زید بن ارقم ؓ نے یہ تمام باتیں سنیں آپ اس وقت بہت

کم عمر تھے سیدھے سرکار نبوت میں حاضر ہوئے اور کل واقعہ بیان فرمایا اس وقت آپ کے پاس حضرت عمر بن خطاب بھی بیٹھے ہوئے تھے غضبناک ہو کر فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ عباد بن بشیر کو حکم فرمائیے کہ اس کی گردن الگ کر دے حضور ﷺ نے فرمایا پھر تو لوگوں میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کی گردنیں مارتے ہیں یہ ٹھیک نہیں جاؤ لوگوں میں کوچ کی منادی کر دو، عبداللہ بن ابی کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی گفتگو کا علم آنحضرت ﷺ کو ہو گیا تو بہت سٹ پٹایا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر معذرت اور حیلے حوالے تاویل اور تحریف کرنے لگا اور قسمیں کھا گیا کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا، چونکہ یہ شخص اپنی قوم میں ذی عزت اور باوقعت تھا اور لوگ بھی کہنے لگے حضور ﷺ شاید اس بچے نے ہی غلطی کی یا اسے وہم ہو گیا ہو واقعہ ثابت تو ہوتا نہیں، حضور ﷺ یہاں سے جلدی ہی کوچ کے وقت سے پہلے ہی تشریف لے چلے راستے میں حضرت اسید بن نضیرؓ ملے اور آپ کی شان نبوت کے قابل باادب سلام کیا پھر عرض کی کہ حضور ﷺ آج کیا بات ہے کہ وقت سے پہلے ہی جناب نے کوچ کیا حضور ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ساتھی ابن ابی نے کیا کہا وہ کہتا ہے کہ مدینہ جا کر ہم عزیز ان ذلیلوں کو نکال دیں گے حضرت اسید نے کہا یا رسول اللہ ﷺ عزت والے آپ ہیں اور ذلیل وہ ہے یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کی ان باتوں کا خیال بھی نہ فرمائیے دراصل یہ بہت جلا ہوا ہے سنئے اہل مدینہ نے اسے سردار بنانے پر اتفاق کر لیا تھا تاج تیار ہو رہا تھا کہ اللہ رب العزت آپ کو لایا اس کے ہاتھ سے ملک نکل گیا پس یہ چراغ پا ہو رہا ہے، حضور ﷺ چلتے رہے، دوپہر کو ہی چل دیئے تھے شام ہوئی رات ہوئی صبح ہوئی یہاں تک کہ دھوپ میں تیزی آ گئی تب آپ نے پڑاؤ کیا تاکہ لوگ اس بات میں پھر نہ الجھ جائیں، چونکہ تمام لوگ تھکے ہارے اور رات کے جاگے ہوئے تھے اترتے ہی سب سو گئے ادھر یہ سورت نازل ہوئی (سیرۃ ابن اسحاق) بیہقی میں ہے کہ ہم ایک غزوے میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے ایک مہاجر نے ایک انصار کو پتھر مار دیا اس پر بات بڑھ گئی اور دونوں نے اپنی اپنی جماعت سے فریاد کی اور انہیں پکارا حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا جاہلیت کی ہانک لگانے لگے اس فضول خراب عادت کو چھوڑ دو، عبداللہ بن ابی بن سلول کہنے لگا اب مہاجر یہ کرنے لگ گئے اللہ کی قسم مدینہ پہنچتے ہی ہم ذی عزت ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے، اس وقت مدینہ شریف میں انصار کی تعداد مہاجرین سے بہت زیادہ تھی گو بعد میں مہاجرین بہت زیادہ ہو گئے تھے، حضرت عمر کو جب ابن ابی کے اس قول کا علم ہوا تو حضور ﷺ سے اس کے قتل کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے روک دیا، مسند احمد میں حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں میں نے جب اس منافق کا یہ قول حضور ﷺ کے سامنے بیان کیا اور اس نے آ کر انکار کیا اور قسمیں کھا گیا اس وقت میری قوم نے مجھے بہت کچھ برا کہا اور ہر طرح ملامت کی کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نہایت غمگین دل ہو کر وہاں سے چل دیا اور سخت رنج و غم میں تھا کہ حضور ﷺ نے مجھے یاد فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرا عذر نازل فرمایا ہے اور تیری سچائی ظاہر کی ہے اور یہ آیت اتری ھم الذین الخ یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں ہے، مسند احمد میں ہے حضرت زید بن ارقم کا یہ بیان اس طرح ہے کہ میں اسے چچا کے ساتھ ایک غزوے میں تھا اور میں نے عبداللہ بن ابی کی یہ دونوں باتیں سنیں میں نے اپنے چچا سے بیان کیں اور میرے چچا نے حضور سے عرض کیں جب آپ نے اسے بلایا اس نے انکار کیا اور قسمیں کھا گیا۔ حضور ﷺ نے اسے سچا اور مجھے جھوٹا

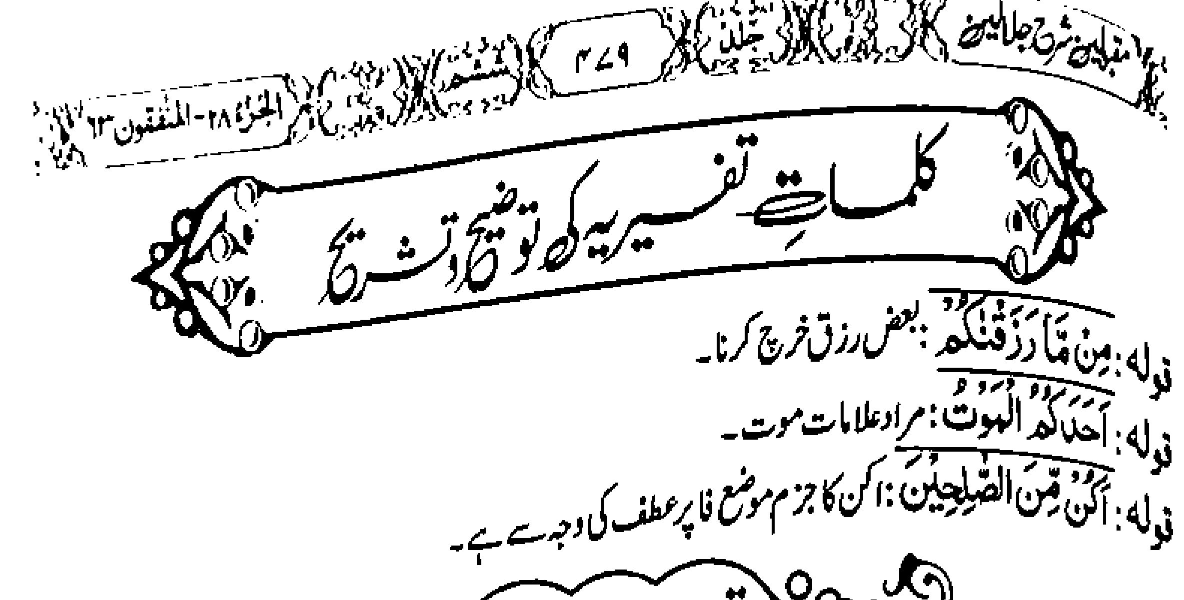
یہاں تک کہ میں نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا یہاں تک
... میرے چچا نے بھی مجھے برا بھلا کہا مجھے اس قدر غم اور ندامت ہوئی کہ میں نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا یہاں تک
سورت اتری اور آپ نے میری تصدیق کی اور مجھے یہ پڑھ سنائی۔ مسند کی اور روایت میں ہے کہ ایک سفر کے موقعہ پر جب
... کوئی پہنچی تو اس نے انہیں کچھ دینے کی ممانعت کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں اس لئے بلوایا کہ آپ ان کے
لئے استغفار کریں تو انہوں نے اس سے بھی منہ پھیر لیا، قرآن کریم نے انہیں ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں اس لئے کہا ہے کہ یہ لوگ
اچھے جسیل جسم والے تھے، ترمذی وغیرہ میں حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوے میں حضور ﷺ کے
ساتھ نکلے ہمارے ساتھ کچھ اعراب لوگ بھی تھے پانی کی جگہ وہ پہلے پہنچنا چاہتے تھے اسی طرح ہم بھی اسی کی کوشش میں
رہتے تھے ایک مرتبہ ایک اعرابی نے جا کر پانی پر قبضہ کر کے حوض پر کر لیا اور اس کے اردگرد پتھر رکھ دیئے اور اوپر سے چمڑا
پھیلا دیا ایک انصاری نے آ کر اس حوض میں سے اپنے اونٹ کو پانی پلانا چاہا اس نے روکا انصاری نے پلانے پر زور دیا اس
نے ایک لکڑی اٹھا کر انصاری کے سر پر ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ یہ چونکہ عبداللہ بن ابی کا ساتھی تھا سیدھا اس کے
پاس آیا اور تمام ماجرا کہہ سنایا عبداللہ بہت بگڑا اور کہنے لگا ان اعرابیوں کو کچھ نہ دو یہ خود بھوکے مرتے بھاگ جائیں گے، یہ
اعرابی کھانے کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس آ جاتے تھے اور کھا لیا کرتے تھے تو عبداللہ بن ابی نے کہا تم حضور ﷺ
کا کھانا لے کر ایسے وقت جاؤ جب یہ لوگ نہ ہوں آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھا لیں گے یہ رہ جائیں گے یونہی بھوکوں
مرتے بھاگ جائیں گے اور اب ہم مدینہ جا کر ان کمینوں کو نکال باہر کریں گے، میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کا ردیف تھا
اور میں نے یہ سب سنا اپنے چچا سے ذکر کیا چچا نے حضور ﷺ سے ذکر کیا آپ نے اسے بلوایا یہ انکار کر گیا اور حلف اٹھا لیا
حضور ﷺ نے اسے سچا سمجھا اور مجھے جھوٹا قرار دیا میرے چچا میرے پاس آئے اور کہا تم نے یہ کیا حرکت کی؟ حضور
ﷺ تجھ پر ناراض ہو گئے اور تجھے جھوٹا جانا اور دیگر مسلمانوں نے بھی تجھے جھوٹا سمجھا مجھ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا سخت غم والم
کی حالت میں سر جھکائے میں حضور ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ آپ میرے پاس آئے، میرا کان
پکڑا، جب میں نے سر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ مسکرائے اور چل دیئے، اللہ کی قسم مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان
سے باہر ہے اگر دنیا کی ابدی زندگی مجھے مل جاتی جب بھی میں اتنا خوش نہ ہو سکتا تھا پھر حضرت صدیق اکبرؓ میرے پاس آئے
اور پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے تم سے کیا کہا؟ میں نے کہا؟ فرمایا تو کچھ بھی نہیں مسکراتے ہوئے تشریف لے گئے، آپ
نے فرمایا بس پھر خوش ہو، آپ کے بعد ہی حضرت عمر فاروقؓ تشریف لائے ہی سوال مجھ سے کیا اور میں نے یہی جواب دیا
صبح کو سورۃ منافقون نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں اس سورت کا منھا الاذل تک پڑھنا بھی مروی ہے، عبداللہ بن لہیعہ اور
موسیٰ بن عقبہ نے بھی اسی حدیث کو مغازی میں بیان کیا ہے لیکن ان دونوں کی روایت میں خبر پہنچانے والے کا نام اوس بن
اقرم ہے جو قبیلہ بنو حارث بن خزرج میں سے تھے، ممکن ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ نے بھی خبر پہنچائی ہو اور حضرت اوس نے بھی
اور یہ بھی ممکن ہے کہ راوی سے نام میں غلطی ہو گئی ہو واللہ اعلم، ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مریسیع کا ہے یہ وہ غزوہ
ہے جس میں حضرت خالدؓ کو بھیج کر حضور ﷺ نے مناۃ بت کو تڑوایا تھا جو قفا مشل اور سمندر کے درمیان تھا، اسی غزوہ میں دو
شخصوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا ایک مہاجر تھا دوسرا قبیلہ بہز کا تھا اور قبیلہ بہز انصاریوں کا حلیف تھا بہزی نے انصاریوں کو

اور مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی کچھ لوگ دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور جھگڑا بڑھنے لگا جب ختم ہوا تو منافق اور بیمار دل لوگ عبداللہ بن ابی کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں تو تم سے بہت کچھ امیدیں تھیں تم ہمارے دشمنوں سے ہمارا بچاؤ تھے اب تو بیکار ہو گئے ہو، نفع کا خیال نہ نقصان کا تم نے ہی ان جلالیبکو اتنا چڑھا دیا کہ بات بات پر یہ ہم پر چڑھ دوڑیں، نئے مہاجرین کو یہ لوگ جلالیب کہتے تھے، اس دشمن اللہ نے جواب دیا کہ اب مدینے پہنچتے ہی ان سب کو وہاں سے دیس نکالا دیں گے، مالک بن دخشن جو منافق تھا اس نے کہا میں تو تمہیں پہلے ہی سے کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چھوڑ دو خود بخود منتشر ہو جائیں گے یہ باتیں حضرت عمرؓ نے سن لیں اور خدمت نبوی میں آکر عرض کرنے لگے کہ اس بانی فتنہ عبداللہ بن ابی کا قصہ پاک کرنے کی مجھے اجازت دیجئے آپ نے فرمایا اچھا اگر اجازت دوں تو کیا تم اسے قتل کر ڈالو گے؟ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم ابھی اپنے ہاتھ سے اس کی گردن ماروں گا، آپ نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ اتنے میں حضرت اسید بن حضیر بھی یہی کہتے ہوئے آپ نے ان سے بھی یہی پوچھا اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا آپ نے انہیں بھی بٹھا لیا، پھر تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ کوچ کرنے کا حکم دیا اور وقت سے پہلے ہی لشکر نے کوچ کیا، وہ دن رات دوسری صبح برابر چلتے ہی رہے جب دھوپ میں تیزی آگئی، اترنے کو فرمایا، پھر دوپہر ڈھلتے ہی جلدی سے کوچ کیا اور اسی طرح چلتے رہے تیسرے دن صبح کو قفا مثل سے مدینہ شریف پہنچ گئے، حضرت عمر کو بلوایا ان سے پوچھا کہ کیا میں اس کے قتل کا تجھے حکم دیتا تو تو اسے مار ڈالتا؟ حضرت عمر نے عرض کیا یقیناً میں اس کا سرتن سے جدا کر دیتا۔ آپ نے فرمایا اگر تو اسے اس دن قتل کر ڈالتا تو بہت سے لوگوں کے ناک خاک آلودہ ہو جاتے میں اگر انہیں کہتا تو وہ بھی اسے مار ڈالنے میں تامل نہ کرتے پھر لوگوں کو باتیں بنانے کا موقعہ ملتا کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو بھی بے دردی کے ساتھ مار ڈالتا ہے اسی واقعہ کا بیان ان آیتوں میں ہے، یہ سیاق بہت غریب ہے اور اس میں بہت سی ایسی عمدہ باتیں ہیں جو دوسری روایتوں میں نہیں، سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے حضرت عبداللہؓ جو پکے سچے مسلمان تھے اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گذارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے سنا ہے کہ میرے باپ نے جو بکواس کی ہے اس کے بدلے آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں اگر یونہی ہے تو اس کے قتل کا حکم آپ کسی اور کو نہ کیجئے میں خود جاتا ہوں اور ابھی اس کا سر آپ کے قدموں تلے ڈالتا ہوں، قسم اللہ کی قبیلہ خزرج کا ایک ایک شخص جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے احسان و سلوک اور محبت و عزت کرنے والا نہیں (لیکن میں نے فرمان رسول ﷺ پر اپنے پیارے باپ کی گردن مارنے کو تیار ہوں) اگر آپ نے کسی اور کو یہ حکم دیا اور اس نے اسے مارا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں جوش انتقام میں میں اسے نہ مار بیٹھوں اور ظاہر ہے کہ اگر یہ حرکت مجھ سے ہو گئی تو میں ایک کافر کے بدلے ایک مسلمان کو مار کر جہنمی بن جاؤں گا آپ میرے باپ کے قتل کا حکم دیجئے آپ نے فرمایا نہیں نہیں میں اسے قتل کرنا نہیں چاہتا ہم تو اس سے اور نرمی برتیں گے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے، حضرت عکرمہ اور حضرت ابن زید کا بیان ہے کہ جب حضور ﷺ اپنے لشکروں سمیت مدینے پہنچے تو اس منافق عبداللہ بن ابی کے لڑکے حضرت عبداللہؓ مدینہ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے تلوار کھینچ لی لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کا باپ آیا تو یہ فرمانے لگے پرے رہو، مدینہ میں نہ جاؤ اس نے کہا کیا بات ہے؟ مجھے کیوں روک رہا ہے؟ حضرت

عبداللہ نے فرمایا تو مدینہ میں نہیں جا سکتا جب تک کہ اللہ کے رسول ﷺ تیرے لئے اجازت نہ دیں، عزت والے آپ ہیں اور تو ذلیل ہے، یہ رک کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ تشریف لائے آپ کی عادت مبارک تھی کہ لشکر کے آخری حصہ میں ہوتے تھے آپ کو دیکھ کر اس مناق نے اپنے بیٹے کی شکایت کی آپ نے ان سے پوچھا کہ اسے کیوں روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا قسم ہے اللہ کی جب تک آپ کی اجازت نہ ہو یہ اندر نہیں جا سکتا چنانچہ حضور ﷺ نے اجازت دی اب حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کو شہر میں داخل ہونے دیا، مسند حمیدی میں ہے کہ آپ نے اپنے والد سے کہا جب تک تو اپنی زبان سے یہ نہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ عزت والے اور میں ذلیل تو مدینہ میں نہیں جا سکتا اور اس سے پہلے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اپنے باپ کی ہیبت کی وجہ سے میں نے آج تک نگاہ اونچی کر کے ان کے چہرے کو بھی نہیں دیکھا لیکن آپ اگر اس پر ناراض ہیں تو مجھے حکم دیجئے ابھی اس کی گردن حاضر کرتا ہوں کسی اور کو اس کے قتل کا حکم نہ دیجئے ایسا نہ ہو کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو اپنی آنکھوں سے چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ تُشْغِلُكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ الصَّلٰوٰتِ الْخَمْسِ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَ اَنْفِقُوْا فِي الزَّكَاةِ مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ بِمَعْنٰى هَلَّا اَوْلَا زَائِدَةٌ وَلَوْ لِلتَّمَنِّيْ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ اَتَصَدَّقُ بِالزَّكٰوةِ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ بِاَنْ اَحُجَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَا قَصَرَ اَحَدٌ فِي الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ اِلَّا سَأَلَ الرَّجْعَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ

ترجمہ: اے اہل ایمان تمہیں غافل نہ کرنے پائیں۔تمہارے مال و اولاد، یاد الٰہی (پنج وقتہ نمازوں) سے اور جو ایسا کرے گا ایسے ہی لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔اور (زکوۃ میں) خرچ کرو۔اس میں سے کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے۔اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو۔پھر وہ کہنے لگے کہ کیوں نہ (لولا بمعنی ھلا ہے یا لا زائد ہے اور لو تمنائیہ ہے) مجھ کو تھوڑے دنوں کی مہلت دے دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا (اصل میں تاء کو صاد میں ادغام کر دیا۔ میں زکوۃ دے لیتا) اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا (حج کر لیتا۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص زکوۃ وحج میں کوتاہی کرتا ہے وہ مرنے کے وقت دنیا میں رہنے کی ضرور درخواست کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اس کا وقت آ جاتا ہے ہرگز مہلت نہیں دیا کرتا۔اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے (تعملون تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے)



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ: بعض رزق خرچ کرنا۔

قولہ: اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ: مراد علامات موت۔

قولہ: اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ: اکن کا جزم موضع فا پر عطف کی وجہ سے ہے۔

تفسیر مقبولین

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ ....

معصیت کا سبب اکثر مال واولاد کا تعلق ہوتا ہے:

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو مال واولاد کی وجہ سے غفلت میں پڑ جانے سے منع فرمایا ہے اور اس بات پر آگاہ فرمایا ہے کہ جو لوگ ان چیزوں کی وجہ سے غفلت میں پڑ جائیں گے وہ خسارہ میں ہیں۔ اب آپ اپنی حالت میں غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ معصیت کا زیادہ سبب اکثر مال واولاد ہی کا تعلق ہوتا ہے حق تعالیٰ اسی سے روکتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ مال واولاد تمہارے لئے ذکر اللہ سے غفلت کا سبب ہو جاویں۔

یہاں ذکر اللہ سے مراد طاعت اللہ ہے چونکہ طاعات کی وضع ذکر اللہ ہی کے لئے ہے اس لئے ذکر بول کر طاعت مراد لی جاتی ہے (اور کنایہ میں نکتہ یہ ہے کہ جس طرح معصیت کا سبب غفلت ہے جس پر لَا تُلْهِكُمْ میں دلالت ہے اور غفلت کا سبب دنیا کے ساتھ قلب کا تعلق ہونا ہے جس پر اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ دلالت کر رہا ہے۔ جس سے مراد مجموعہ دنیا ہے اور ان دونوں کی تخصیص لفظی کی یہ وجہ ہے کہ یہ دونوں دنیا کے اعظم افراد ہیں اسی طرح طاعت کی بجائے ذکر اللہ کہنے میں اس پر دلالت ہے کہ طاعات کا سبب غفلت کا مقابل ہے یعنی ذکر اور ذکر کا سبب خدا کے ساتھ دل کا متعلق ہونا ہے جس پر اضافت ذکر الی اللہ سے دلالت ہو رہی ہے) تو اس سے یہ بات مفہوم ہوئی ہے کہ مال واولاد اکثر طاعت سے غفلت کا سبب ہوا کرتے ہیں اور جب طاعت سے غفلت ہوگی تو وہ معصیت ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ معصیت کا زیادہ سبب مال واولاد کا تعلق ہے اور جب یہ زیادہ تر معصیت کا سبب تھے جبھی تو حق تعالیٰ نے ان کی وجہ سے غفلت میں پڑنے کی ممانعت فرمائی کیونکہ حق تعالیٰ حکیم ہیں اور حکیم کا کوئی کلام حشو وزائد نہیں ہوتا پس دنیا بھر کی چیزوں میں سے اموال واولاد کو خاص طور پر ذکر فرمانا اس کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں کو غفلت عن الطاعات یعنی صدور معاصی میں زیادہ دخل ہے۔

حق تعالیٰ کا اموال واولاد کی وجہ سے غفلت میں پڑنے کی ممانعت فرمانا ہی اس کی دلیل ہے کہ یہ زیادہ تر معصیت کا سبب ہوتے ہیں خود کلام اللہ بھی اس کو بتلا رہا ہے اور مشاہدہ بھی چنانچہ اپنی حالت میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مال و

اولاد کی وجہ سے کتنے گناہ ہوتے ہیں۔

مال واولاد کے درجے:

تفصیل اس کی یہ ہے کہ مال میں عمل کے دو مرتبے ہیں۔ایک درجہ حاصل کرنے کا اور ایک اس کو محفوظ رکھنے کا اسی طرح اولاد میں بھی یہ دو مرتبے ہیں ایک اولاد حاصل کرنے کا دوسرے ان کی حفاظت کا اور ایک تیسرا رتبہ اور ہے لیکن یہ مرتبہ اموال واولاد میں دونوں کے لئے جدا جدا ہے پہلے دو مرتبوں کی طرح مشترک نہیں ہے چنانچہ مال میں تو تیسرا مرتبہ صرف کرنے کا ہے اور اولاد میں تیسرا مرتبہ ان کے لئے آئندہ کی فکر کرنے کا ہے۔غرض تین درجے عمل کے مال میں ہیں اور تین درجے اولاد میں ہیں۔مال میں تو تین عمل یہ ہیں۔

۱-مال کا پیدا کرنا۔۲-مال کی حفاظت کرنا۔۳-مال کا صرف کرنا۔اور اولاد میں تین درجے عمل کے یہ ہیں۔

۱-اولاد کا حاصل کرنا ۲-پھر اس کی حفاظت کرنا۔۳-پھر اس کے لئے آئندہ کی فکر کرنا۔

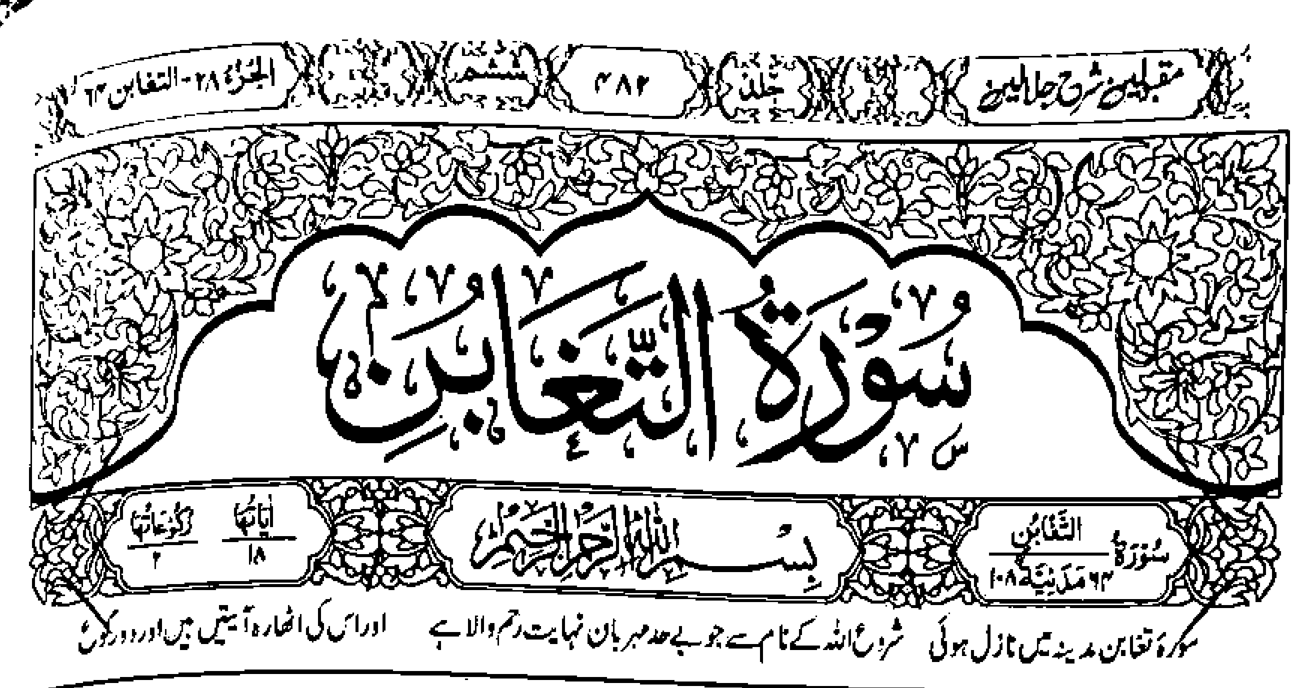
تو کل چھ مرتبے ہوئے جو کہ حقیقت میں اعمال کے درجے ہیں اب ان چھ مرتبوں میں بہت مختصر انداز سے اپنی حالت کو دیکھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں ہمارا برتاؤ کیا ہے اور ان میں ہم کتنے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔مثلاً مال میں تین مرتبے تھے ایک حاصل کرنا دوسرے حفاظت کرنا تیسرے صرف کرنا اب دیکھیے یہ مال کتنے ناچ نچاتا ہے۔

اہل خسارہ:

یہاں کیا اچھا لفظ ارشاد فرمایا ہے: فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ جس میں جیسا کہ ابھی مذکور ہوتا ہے اس طرف اشارہ ہے کہ ایسا شخص نفع کی چیز میں ٹوٹا اٹھانے والا ہوگا۔جس سے یہ معلوم ہوگیا کہ مال واولاد فی نفسہ ضرر کی چیز نہیں بلکہ اگر معصیت کا سبب نہ بنے تو واقع میں نفع کی چیز ہے اور یہ اشارہ اس وجہ سے ہے کہ خسارہ مطلق نقصان کو نہیں کہتے بلکہ نفع کی چیز میں نقصان کو خسارہ کہا کرتے ہیں۔بہر حال ایسے لوگ خسارہ میں ہیں اور زیاں کار ہیں۔

اطلاق خسارہ سے اس پر بھی دلالت ہے کہ صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی یہ لوگ خسارہ ہی کے اندر ہیں کیونکہ مال واولاد کی ایسی محبت وبال جان ہوجاتی ہے اور مال واولاد ایسے ہی شخص کے لئے معصیت کا سبب ہوجاتے ہیں جس کو ان سے ایسی محبت ہو سو محبت مال کا وبال جان ہونا تو ظاہر ہے کہ ہر آدمی کو اسی کی فکر رہتی ہے کہ آج اتنے روپے ہیں تو کل کو اتنے ہو جائیں۔چنانچہ اپنی جان پر مصیبت ڈال ڈال کر روپیہ جوڑا جاتا ہے پھر رات کو اسے بار بار دیکھا جاتا ہے کہ اپنی جگہ پر ہے بھی یا نہیں چوروں کے کھٹکے سے راتوں کی نیند جاتی ہے اور اولاد کا وبال جان ہونا آپ کو اس حکایت سے معلوم ہوجائے گا کہ میں نے ایک والی ملک کی بیٹی کو دیکھا ہے کہ ان کو اپنے بیٹوں سے اس قدر محبت تھی کہ رات کو وہ سب کو ساتھ لے کر لیٹتی تھیں۔جدا کر کے ان کو چین ہی نہ آتا تھا پھر جب بچے زیادہ ہو گئے اور ایک پلنگ پر نہ آ سکے تو انہوں نے پلنگ پر سونا چھوڑ دیا سب کو لے کر نیچے زمین کے فرش پر سویا کرتی تھیں اور اس پر بھی اعتبار نہ آیا بلکہ کسی پر ہاتھ رکھ لیتیں اور کسی پر پیر اور رات کو بار بار آنکھ کھلتی اور بچوں کو ٹٹول کر دیکھ لیا کرتیں۔

واقعی یہ محبت تو عذاب ہی ہے پھر اگر ایمان بھی نہ ہوا تو دونوں عالم میں معذب ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں:
ولا تعجبك اموالهم ولا اولادهم انما يريد الله ان يعذبهم بها في الدنيا و تزهق انفسهم وهم كافرون کیونکہ ان کو نہ دنیا میں چین ملا نہ آخرت میں اور اگر ایمان ہے تو خیر دنیا ہی بےلذت ہوئی آخرت انجام کار ان شاء اللہ پر لطف ہوجائے گی۔ غرض ثابت ہوگیا کہ محبت مال واولاد کبھی معصیت کا سبب ہوجاتی ہے اور اس سے دنیا وآخرت دونوں کا خسارہ ہوجاتا ہے خواہ خسارہ محدود ہو یا غیر محدود البتہ جو لوگ اعتدال کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور حقوق الٰہیہ کو غالب رکھتے ہیں ضائع نہیں کرتے وہ ہر وقت لطف میں ہیں دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہم کو اپنی یاد سے غافل نہ فرمائیں اور مال واولاد کو ہمارے لئے سبب فتنہ نہ بنائیں۔ آمین۔



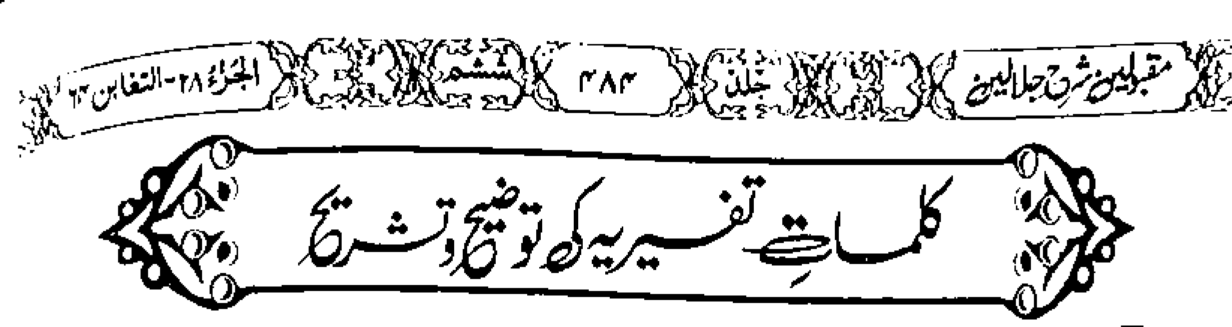
سورۂ تغابن مدینہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی اٹھارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ يُنَزِّهُهُ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَاَتٰى بِمَا دُوْنَ مَنْ تَغْلِيْبًا لِلْاَكْثَرِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ فِيْ اَصْلِ الْخِلْقَةِ ثُمَّ يُمِيْتُهُمْ وَيُعِيْدُهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ اِذْ جَعَلَ شَكْلَ الْاٰدَمِيِّ اَحْسَنَ الْاَشْكَالِ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۞ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ بِمَا فِيْهَا مِنَ الْاَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ عُقُوْبَةَ كُفْرِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ مُؤْلِمٌ ذٰلِكَ اَيْ عَذَابُ الدُّنْيَا بِاَنَّهُ ضَمِيْرُ الشَّانِ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ عَلَى الْاِيْمَانِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ اُرِيْدَ بِهِ الْجِنْسُ يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا عَنِ الْاِيْمَانِ وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ عَنْ اِيْمَانِهِمْ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ عَنْ خَلْقِهِ حَمِيْدٌ ۞ مَحْمُوْدٌ فِيْ اَفْعَالِهِ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ مُخَفَّفَةٌ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهُمْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۞ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الْقُرْاٰنِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ اُذْكُرْ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ يَغْبِنُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ بِاَخْذِ مَنَازِلِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ فِي الْجَنَّةِ لَوْ اٰمَنُوْا وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا

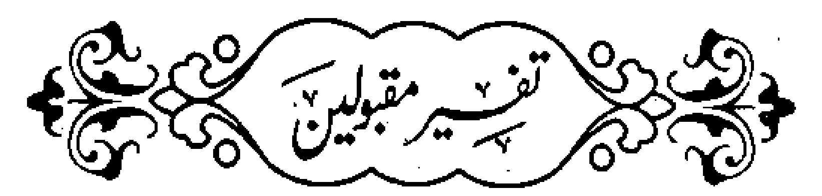
يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ فِي الْفِعْلَيْنِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ القران اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ هي

ع ۱۰ ۱۵

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (لام زائد ہے اور من کی بجائے ما لایا گیا۔ اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے) اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے تم کو پیدا کیا۔ سو تم میں کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن (پیدائشی طور پر، پھر تمہیں موت دے کر پہلی حالت پر دوبارہ پیدا کرے گا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طریقہ پر پیدا کیا ہے۔ اور تمہارا عمدہ نقشہ بنایا (کیونکہ انسان کو بہترین شکل پر پیدا کیا گیا ہے) اور اسی کے پاس لوٹنا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کو جانتا ہے۔ اور تمہاری پوشیدہ اور علانیہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کو جاننے والا ہے (یعنی دلی راز اور اعتقادات) کیا تمہیں (اے کفار مکہ) ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اپنے کئے کا وبال چکھا (دنیا میں کفر کی سزا بھگتی) اور ان کے لئے (آخرت میں) دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہونے والا ہے۔ یہ (دنیا کی سزا) اس لئے ہے (ضمیر شان ہے) کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر کھلے دلائل لے کر آئے (ایمان کی واضح دلیلیں) سو ان لوگوں نے کہا کہ کیا آدمی (انسان کی جنس مراد ہے) ہم کو ہدایت کریں گے غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا (ایمان سے) اور اللہ نے (ان کے ایمان کی) پرواہ نہ کی اور اللہ (اپنی مخلوق سے) بے نیاز ستودہ صفات ہے (بہترین کارگزاری والا) یہ کافر دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ (ان مخففہ ہے جس کا اسم محذوف ہے ای انہم) ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں واللہ ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے پھر جو کچھ تم نے کیا ہے سب کچھ تمہیں جتلا دیا جائے گا۔ اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔ سو تم اللہ، اس کے رسول اور نور (قرآن) پر ایمان لاؤ۔ جو کہ ہم نے نازل کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (یاد کیجئے) جس روز ہم تم سب کو جمع کریں گے۔ جو جمع ہونے کا دن (قیامت) ہو گا۔ وہ یہی دن ہے سود و زیاں کا (مسلمان کافروں کو خسارہ میں ڈال دیں گے۔ ان کے جنت کے گھر اور بیویاں لے کر جوان کو ایمان لانے کی صورت میں ملتیں) اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو دور کر دے گا اور اس کو داخل کرے گا (ایک قراءت میں یکفر اور ید خلہ دونوں فعل نون یعنی صیغہ متکلم کے ساتھ ہیں) ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہو گا اور ہماری آیات (قرآن) جھٹلائی ہوں گی۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور (وہ) برا ٹھکانہ ہے۔



قوله: مِنْ قَبْلُ: مثلاً قوم نوح، ہود، صالح۔
قوله: أُرِيْدَ بِهِ الْجِنْسَ: بشر کا لفظ واحد و جمع پر بولا جاتا ہے۔
قوله: زَعَمَ الَّذِيْنَ: زَعَمَ جاننے کا دعویٰ یہ دونوں مفعول سے متعدی ہوتا ہے۔
قوله: الْقُرْاٰن: یہ اپنے اعجاز کی بناء پر بذات خود ظاہر اور غیر پر غلبہ والا ہے۔
قوله: لِيَوْمِ الْجَمْعِ: حساب و جزاء کی خاطر۔ لام اجلیہ ہے۔
قوله: يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: اجتماع تو فرشتوں اور جن و انس کا ہوگا۔
قوله: ذٰلِكَ الْفَوْزُ: ذٰلِكَ سے اشارہ سیئات کے کفارہ کی طرف ہے۔



اگر چہ یہ سورت مدنی ہے لیکن اس کا موضوع بیان مکی سورتوں کی طرح توحید و الوہیت کا اثبات اور عقائد اسلام کی تحقیق و تثبیت ہے اکثر صحابہ اور ائمہ سے یہی منقول ہے۔

سورت کی ابتداء میں حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و جلال اور اس کی تقدیس و تسبیح کا بیان ہے ساتھ ہی انسان کو دو قسموں میں منقسم کر کے بتا دیا گیا کہ تمام دنیا کے انسان ان دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں: فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۔ کہ اللہ کی نظر میں یہ دو قومیں اس طرح تقسیم کر دی گئی ہیں ایک قوم اہل ایمان کی ہے خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں بھی بستے ہوں وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں دوسری قوم کافروں کی ہے جو اہل ایمان سے بالکل جدا ہیں کسی ایک خطہ یا وطن میں بسنے والے مومن و کافر ہرگز ایک قوم نہیں ہو سکتے اور نہ ہی برادری کی تقسیم اور امتیاز وطن اور نسل کے لحاظ سے ہے بلکہ عقیدہ اور ایمان کی بنیاد پر دائر ہے اسی وجہ سے شریعت نے مسلم و کافر کے درمیان وراثت کا رشتہ بھی کالعدم کر دیا اور فیصلہ کر دیا گیا لا یرث الکافر المسلم، کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا خواہ وہ باپ بیٹے ہوں۔

• پھر ان گزشتہ اقوام و امم کی مثالیں پیش کی گئیں جو اپنے رسولوں کی تکذیب کرتی تھیں کہ ان پر خدا کا کیسا عذاب نازل ہوا، اسی کے ساتھ اس سورۃ میں بعث بعد الموت کو ثابت کی اللہ کی عبادت و بندگی کا حکم دیا گیا اور اس پر بھی آگاہ کیا گیا کہ انسان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے برگشتہ کرنے والی کیا کیا چیزیں ہیں اور اختتام سورت پر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ایثار و قربانی پر آمادہ کیا گیا۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ ....

آسمان وزمین کی کائنات اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہے، تم میں بعض کافر اور بعض مومن ہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

یہاں سے سورۃ التغابن شروع ہورہی ہے یہ لفظ ''غبن'' سے لیا گیا ہے۔ غبن نقصان کو کہتے ہیں آخرت میں جو نقصان ہوگا اس سورت کے پہلے رکوع کے ختم کے قریب اس کو تغابن اور یوم آخرت کو یوم التغابن سے تعبیر فرمایا ہے اس لئے یہ سورۃ، سورۃ التغابن کے نام سے معروف ہے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی ارشاد فرمایا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں زبان قال یا زبان حال سے سب تسبیح میں مشغول ہیں، پھر فرمایا: لَهُ الْمُلْكُ (اسی کے لئے ملک ہے) ساری مخلوق اسی کی ملکیت ہے وَ لَهُ الْحَمْدُ (اور اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں) اس کے تصرفات اور اختیارات میں کسی کو کوئی دخل نہیں اور وہ اپنے تمام تصرفات میں محمود ہے۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔ وہ جو بھی کرنا چاہے کرسکتا ہے کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں۔ پھر دوسری اور تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت بیان فرمائی، فرمایا: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (اللہ تعالیٰ وہ جس نے تمہیں پیدا کیا سو تم میں سے بعض کافر ہوئے اور بعض مومن ہوئے) اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا سمجھ دے دی قوت فکریہ عطا فرمادی، انبیاء (علیہم السلام) کو مبعوث فرمایا کتابیں نازل فرمائیں، ہدایت پوری طرح سامنے آگئی۔ اس کے باوجود جسے کفر اختیار کرنا تھا وہ کفر پر اڑا رہا، اور جنہیں مومن ہونا تھا، انہوں نے ایمان اختیار کرلیا۔ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے)۔ وہ اہل ایمان کے اعمال اور اہل کفر کے کام ان سب کو وہ دیکھتا ہے سب کے اعمال سے باخبر ہے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء یا سزا دے گا عمل کے عموم میں اعمال قلبیہ اور افعال جوارح سب داخل ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ....

(اس نے تمہاری صورت بنائی پھر تمہاری صورتوں کو بہتر بنایا) صورت گری درحقیقت خالق کائنات کی مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماء الٰہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام مصور آیا ہے اور غور کرو کہ کائنات میں کتنی اجناس مختلفہ ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواع مختلفہ، ہر نوع میں اصناف مختلفہ اور ہر صنف میں لاکھوں کروڑوں افراد مختلفہ پائے جاتے ہیں، ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، ایک نوع انسانی میں ملکوں اور خطوں کے اختلاف سے نسلوں اور قوموں کے اختلاف سے شکل وصورت میں کھیے ہوئے امتیازات، پھر ان میں ہر فرد کی شکل وصورت کا دوسرے سب سے ممتاز ہونا ایک ایسی حیرت انگیز صنعت وصورت گری ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، انسانی چہرہ جو کچھ سات مربع انچ سے زیادہ نہیں، اربوں، پدموں انسانوں میں ایک ہی طرح کا چہرا ہونے کے باوجود ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ پہچاننا دشوار ہوجائے، آیت مذکورہ میں ایک نعمت صورت گری ہے اس کا ذکر فرمایا اس کے بعد فرمایا فاحسن صورکم، یعنی شکل انسانی کو ہم نے تمام کائنات دمخلوقات کی صورتوں سے زیادہ حسین اور بہتر بنایا ہے، کوئی انسان اپنی جماعت میں کتنا ہی بدشکل بدصورت سمجھا جاتا ہو مگر باقی تمام حیوانات وغیرہ کے اشکال کے اعتبار سے وہ بھی حسین ہے، فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ....

قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ:

یوم الجمع اور یوم التغابن دونوں قیامت کے نام ہیں، یوم الجمع ہونا اس دن کا تو ظاہر ہے کہ تمام مخلوق اولین وآخرین کو اس روز حساب کتاب اور جزاء وسزا کے لئے جمع کیا جائے گا اور یوم التغابن اس لئے کہ تغابن غبن سے مشتق ہے جس کے معنی خسارے اور نقصان کے ہیں، مالی نقصان اور خسارہ کو بھی غبن کہا جاتا ہے اور رائے اور عقل کے نقصان کو بھی، امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ مالی خسارے کے لئے یہ لفظ بصیغہ مجہول غبن فلان فھو مغبون استعمال کیا جاتا ہے اور عقل ورائے کے نقصان کے لئے باب سمع سے غبن استعمال کیا جاتا ہے، لفظ تغابن اصل کے اعتبار سے دو طرفہ کام کے لئے بولا جاتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اور دوسرا اس کو نقصان پہنچائے یا اس کے نقصان وخسارہ کو ظاہر کرے، یہاں مراد یک طرفہ اظہار غبن ہے، جیسا کہ یک طرفہ استعمال بھی اس لفظ کا معروف ومشہور ہے، قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے آخرت میں دو گھر پیدا کئے ہیں، ایک جہنم میں دوسرا جنت میں، اہل جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان کا وہ مقام بھی دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل نہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے مقرر تھا تاکہ اس کو دیکھنے کے بعد جنت کے مقام کی اور زیادہ قدر اس کے دل میں پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کو مزید شکر گزار ہو، اسی طرح اہل جہنم کو جہنم میں داخل کرنے سے پہلے ان کا جنت کا وہ مقام دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل صالح کی صورت میں ان کے لئے مقرر تھا تاکہ ان کو اور زیادہ حسرت ہو، ان روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر جنت میں جو مقامات اہل جہنم کے تھے وہ بھی اہل جنت کو مل جائیں گے اور جہنم میں جو مقامات اہل جنت کے تھے وہ بھی اہل جہنم کے حصہ میں آجائیں گے، یہ روایات حدیث صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں مختلف الفاظ سے مفصل آئی ہیں، اس وقت جبکہ کفار فجار اور اشقیاء کے جنتی مقامات بھی اہل جنت کے قبضہ میں آئیں گے تو ان کو اپنے غبن اور خسارے کا احساس ہوگا کہ کیا چھوڑا اور کیا پایا۔

صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے سوال فرمایا کہ تم جانتے ہو مفلس کون شخص ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جس شخص کے پاس مال متاع نہ ہو، اس کو مفلس سمجھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں اپنے اعمال صالحہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا ذخیرہ لے کر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی، کسی پر بہتان باندھا، کسی کو مارا یا قتل کیا، کسی کا مال ناحق لے لیا (تو یہ سب جمع ہوں گے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے) کوئی اس کی نماز لے جائے گا، کوئی روزہ، کوئی زکوٰۃ اور دوسری حسنات اور جب حسنات ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ اس ظالم پر ڈال کر بدلہ چکایا جائے گا جس کا انجام یہ ہوگا کہ یہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کرا کر سبکدوش ہو جائے، ورنہ قیامت کے دن درہم و دینار تو ہوں گے نہیں جس کا مطالبہ ہوگا اس کو اس شخص کے اعمال صالحہ دے کر بدلہ چکایا جائے گا، اعمال صالحہ ختم ہو جائیں گے تو بقدر اس کے حق کے مظلوم کا گناہ اس پر ڈال دیا جائے گا (مظہری)

حضرت ابن عباس اور دوسرے ائمہ تفسیر نے قیامت کو یوم التغابن کہنے کی یہی وجہ بیان کی ہے اور بہت سے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اس دن غبن اور خسارے کا احساس صرف کفار فجار اور اشقیاء ہی کو نہیں بلکہ صالحین مومنین کو بھی اس طرح ہوگا کہ کاش ہم عمل اور زیادہ کرتے تا کہ جنت کے مزید درجات حاصل کرتے، اس روز ہر شخص کو اپنی عمر کے اوقات پر حسرت ہوگی، جو فضول ضائع کئے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

من جلس مجلسا لم یذکر اللہ فیہ کان علیہ ترۃ یوم القیامۃ

"جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور پوری مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا تو یہ مجلس قیامت کے روز اس کے لئے حسرت بنے گی"

قرطبی میں ہے کہ ہر مومن اس روز احسان عمل میں اپنی کوتاہی پر اپنے غبن وخسارہ کا احساس کرے گا قیامت کا نام یوم تغابن رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۂ مریم میں اس کا نام یوم الحسرۃ آیا ہے۔

وانذرھم یوم الحسرۃ اذقضی الامر، روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ اس روز ظالم اور بدعمل لوگ اپنی تقصیرات پر حسرت کریں گے اور مومنین صالحین نے بھی جو احسان عمل میں کوتاہی کی ہے اس پر ان کو حسرت ہوگی اس طرح قیامت کے روز سبھی اپنی اپنی کوتاہی پر نادم اور عمل کی کمی پر غبن وخسارہ کا احساس کریں گے، اس لئے اس کو یوم التغابن کہا گیا۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ بقضائه وَ مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ فِیْ قَوْلِهٖ اِنَّ الْمُصِيْبَةَ بِقَضَائِهٖ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ لِلصَّبْرِ عَلَيْهَا وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫ اَلْبَیِّنُ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُمْ فِی التَّخَلُّفِ عَنِ الْخَيْرِ كَالْجِهَادِ وَالْهِجْرَةِ فَاِنَّ سَبَبَ نُزُوْلِ الْاٰيَةِ الْاِطَاعَةُ فِیْ ذٰلِكَ وَ اِنْ تَعْفُوْا عَنْهُمْ فِیْ تَثْبِيْطِهِمْ اِيَّاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مُعْتَلِّيْنَ بِمَشَقَّةِ فِرَاقِكُمْ عَلَيْهِمْ وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ لَكُمْ شَاغِلَةٌ عَنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮ فَلَا تُفَوِّتُوْهُ بِاشْتِغَالِكُمْ بِالْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ نَاسِخَةٌ لِقَوْلِهٖ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَ اسْمَعُوْا مَا اُمِرْتُمْ بِهٖ سِمَاعَ قُبُوْلٍ وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا فِی الطَّاعَةِ خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ خَبَرُ يَكُنْ مُقَدَّرَةً جَوَابُ الْاَمْرِ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑯ اَلْفَائِزُوْنَ اِنْ تُقْرِضُوا

اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا بِاَنْ تَتَصَدَّقُوْا عَنْ طِیْبِ قَلْبٍ یُّضٰعِفْهُ لَکُمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ یُضَعِّفْهُ بِالتَّشْدِیْدِ بِالْوَاحِدَةِ عَشْرًا اِلٰی سَبْعِ مِائَةٍ وَاَکْثَرَ وَهُوَ التَّصَدُّقُ عَنْ طِیْبِ قَلْبٍ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ط مَایَشَاءُ وَاللّٰہُ شَکُوْرٌ مُجَازٍ عَلَی الطَّاعَةِ حَلِیْمٌ ۝ فِی الْعِقَابِ عَلَی الْمَعْصِیَةِ عٰلِمُ الْغَیْبِ السِّرِّ وَالشَّهَادَةِ الْعَلَانِیَةِ الْعَزِیْزُ فِیْ مُلْکِهٖ الْحَکِیْمُ ۝ فِیْ صُنْعِهٖ

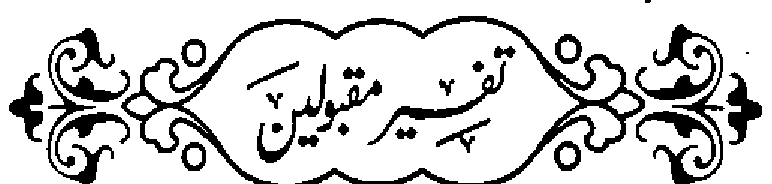
ترجمہ: کوئی مصیبت بدوں حکم (قضا) الٰہی کے نہیں آتی۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے (یہ سمجھتا ہے کہ مصیبت اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے) اللہ تعالیٰ اس کے دل کو (مصیبت پر صبر کرنے کی) راہ دکھا دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم پہلوتہی کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف (کھلے طور پر) پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہئے۔ اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ سو تم ان سے ہوشیار رہو (ان کا کہنا ماننے سے جہاد و ہجرت جیسے نیک کاموں میں پیچھے ہٹ کر۔ کیونکہ آیت کا شان نزول ایسے کاموں میں ان کا کہنا ماننا ہے) اور اگر تم (ان کو) معاف کر دو (تم کو بھلے کاموں سے روکنے پر۔ ان سے جدائیگی کی مشقت پر رحم کھا کر) اور درگزر کر دو اور بخش دو، تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ تمہارے مال و اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش ہے (آخرت کے کاموں سے رکاوٹ) اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے (لہٰذا مال و اولاد میں مشغول ہو کر اس کو نہ گنوا بیٹھنا) سو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ اللہ سے ڈرتے رہو (یہ آیت ناسخ ہے۔ آیت: فاتقوا اللہ حق تقاتہ کی) اور سنو (جو کچھ تمہیں حکم دیا جا رہا ہے قبولیت کے ساتھ) اور کہنا مانو اور (اور نیک کاموں میں) خرچ کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (یکن مقدر کی خبر ہے اور جواب امر ہے) اور جو شخص نفسانی خواہش سے محفوظ رہا۔ سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے (کامیاب) ہیں۔ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے۔ (خوش دلی سے خیرات کرو گے) تو وہ اس کو تمہارے لیے بڑھاتا جائے گا۔ (ایک قراءت یضعفہ تشدید کے ساتھ ہے ایک کے بدلے دس سے سات سو تک اور اس سے زائد ثواب عطا کرے گا۔ اور صدقہ خوش دلی سے ہونا چاہئے) اور تمہارے گناہ (اگر چاہے گا) بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدرداں (فرمانبرداری کا صلہ دینے والا) بڑا بردبار ہے (قصوروں پر سزا دینے میں) پوشیدہ (مخفی) اور علانیہ (ظاہر) کا جاننے والا (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: عَلٰی رَسُوْلِنَا: آپ پر کچھ الزام نہیں کہ آپ کا وظیفہ تبلیغ ہے۔

قوله: عَدُوًّا لَّکُمْ: وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت سے تم کو مشغول کرنے والے ہیں وہ دین کے معاملے میں تمہارے دشمن ہیں۔

قوله: وَ تَصْفَحُوْا: اعراض کرو اور اس پر ملامت چھوڑ دو۔
قوله: وَ تَغْفِرُوْا: اس کی غلطی چھپا کر۔
قوله: اَجْرٌ عَظِيْمٌ: اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کو اولاد و اموال کی محبت پر ترجیح دیتا ہے۔
قوله: اَطِيْعُوْا: یعنی آپ کے احکامات کی۔
قوله: جَوَابُ الْاَمْرِ: یہ یَکُنْ کی صفت ہے۔
قوله: مَجَازٌ: کثیر۔
قوله: عَلَى الطَّاعَةِ: تھوڑا سا۔
قوله: حَلِيْمٌ ۝ فِي الْعِقَابِ: جلد عذاب نہیں دیتا۔



مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ....

مفسرین نے اس آیت کریمہ کا سبب نزول کفار مکہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ اگر مسلمانوں کا دین برحق ہوتا تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیاوی مصیبتوں میں گرفتار نہ کرتا اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ مصیبت چاہے کوئی بھی ہو، کسی بھی انسان کو اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہی لاحق ہوتی ہے، اس بارے میں اچھے اور برے سبھی برابر ہیں، لیکن جو بندہ مومن اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اسے جو مصیبت لاحق ہوئی ہے وہ اللہ کی تقدیر اور اس کی مشیت کے مطابق ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان بڑھا دیتا ہے اور اسے سکون قلب عطا فرماتا ہے اور روز قیامت اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر آیت (10) میں فرمایا ہے: (انما یو فی الصابرون اجرھم بغیر حساب) "صبر کرنے والوں کو بے حد وحساب اجر دیا جائے گا۔" لیکن جو بندہ صبر کا دامن چھوڑ دے گا، اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں ہوگا اور جزع فزع کرے گا، اسے اللہ اس کے نفس کے حوالہ کر دے گا، اور قیامت کے دن اسے کوئی اچھا بدلہ نہیں ملے گا۔

آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ وہ ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے، کائنات میں کوئی چیز اس کی اجازت اور اس کے علم کے بغیر وجود میں نہیں آتی اور یہ بات اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی تقدیر پر راضی رہا جائے اور اس کی مشیت کے آگے ہر دم سر تسلیم خم رکھا جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ ....

بعض ازواج اور اولاد تمہارے دشمن ہیں:

فطری اور طبعی طور پر انسان کو نکاح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جب نکاح ہو جاتا ہے تو اولاد بھی ہوتی ہے۔ میاں بیوی کی آپس میں محبت ہوتی ہے اور اولاد سے محبت ہونا امر طبعی ہے، اسلام نے بھی ان محبتوں کو باقی رکھا ہے لیکن اس کے لئے

ایک حد بندی بھی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حق سب پر مقدم ہے، بیوی ہو یا شوہر بیٹا ہو یا بیٹی ہر ایک سے اتنی ہی محبت کی جا سکتی ہے جس کی وجہ سے اسلامی احکام پر چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ شریعت اسلامیہ کے مطابق چلتے رہیں۔

معالم التنزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے جب انہوں نے مدینہ منورہ کے لئے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی ازواج اور اولاد نے انہیں ہجرت سے روک دیا اور یوں کہا کہ ہم نے تمہارے مسلمان ہونے پر صبر کر لیا لیکن تمہاری جدائی پر صبر نہیں کر سکتے ان کی یہ بات سن کر انہوں نے ہجرت کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اس پر آیت کریمہ: اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ نازل ہوئی اور دوسرا سبب نزول یہ لکھا کہ حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ بال بچہ دار تھے وہ جب جہاد کے لئے جانے کا ارادہ کرتے تو یہ لوگ رونے لگتے اور یوں کہتے کہ آپ ہمیں کس پر چھوڑے جا رہے ہیں؟ یہ سن کر انہیں ترس آ جاتا تھا اور جہاد کی شرکت سے رہ جاتے تھے اس پر آیت بالا نازل ہوئی جس میں یہ بتا دیا کہ بیوی بچے تمہیں نیک کام کرنے سے روکتے ہیں ان کی طرف سے ہوشیار رہو اور ان کی بات نہ مانو، دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

لفظ ازواج جمع ہے زوج کی، یہ لفظ شوہر اور بیوی دونوں کے لئے بولا جاتا ہے لہٰذا آیت کریمہ کے عموم الفاظ سے معلوم ہو گیا کہ ہر شخص اس کا اہتمام کرے بیوی ہو یا شوہر آپس میں ایک دوسرے کی وجہ سے یا اولاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہ ہو جائیں۔

بیوی بچوں کی محبت میں اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں:

بیوی اور شوہر اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلیں اور اولاد کو بھی اسی پر چلائیں، اللہ کی نافرمانی نہ شوہر کرے نہ بیوی کرے اور نہ اولاد کو کرنے دیں، اگر ازواج اور اولاد سے اتنی محبت کی کہ اللہ کے فرائض اور واجبات چھوٹنے لگے تو ان لوگوں کی محبت خود اپنے حق میں دشمن بن جائے گی پھر اس دشمنی کا مظاہرہ میدان حشر میں ہوگا ان کی وجہ سے جو گناہ کئے ان پر مواخذہ اور عذاب ہوگا۔ یہ انسان کی بیوقوفی ہے کہ بیوی بچوں کے لئے کمائے اور انہیں کھلائے پلائے لیکن اس میں حلال وحرام کا خیال نہ رکھے۔ حرام کمانے کا بھی گناہ اپنے سر لے اور حرام کھانے اور کھلانے کا بھی اور ان کی وجہ سے قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ بیوی بچوں کی خواہش اور ضد کی وجہ سے گناہ کر لیتے ہیں سود پر قرض بھی لیتے ہیں دوسروں کے اموال میں خیانت بھی کر لیتے ہیں فضول خرچی بھی کرتے ہیں ہر تقریب میں بیوی کو نیا جوڑا پہنانے کے لئے ادھار بھی لیتے ہیں اور رشوت لے کر بھی گھر والوں کے اخراجات پورے کرتے ہیں۔ اور ان سب کا وبال اپنے سر لیتے ہیں، بیوی بچوں کو اس سے بحث نہیں کہ ہمارے ذمہ دار کا آخرت میں کیا بنے گا۔ انہیں تو اپنے نفس کے تقاضے پورے کرنا ہے، اگر اللہ کے قانون کو نہ دیکھا اور بیوی بچوں کی فرمائشیں پوری کر دیں جن میں گناہوں کا ارتکاب کیا، پھر قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہوئے تو یہ کہاں کی سمجھداری ہے اس وقت یہ بیوی بچے دشمن نظر آئیں گے اور یہ سمجھ میں آ جائے گا کہ انہوں نے میرے ساتھ دشمنوں والا برتاؤ کیا یہ مجھے نصیحت کر کے اللہ تعالیٰ کے دین پر چلنے کی تاکید کرتے اور حرام چیزوں سے اور

حرام کاموں سے روکتے انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی خواہشوں کو پورا کرنے میں مجھے رگڑ دیا اور مجھے حرام کاموں میں لگا دیا: (قال صاحب الروح قال غير واحد ان عداوتهم من حيث انهم يحولون بينهم و بين الطاعات والامور النافعة لهم فى آخر تهم وقد يحملوتهم على السعى فى اكتساب الحرام و ارتكاب الاثم لمنفعة انفسهم)۔

یہ بیوی بچوں کی عام حالت ہے اور بہت سے اولاد اور ازواج ایسے بھی ہوتے ہیں جو خیر کی دعوت دیتے ہیں اور خیر پر چلاتے ہیں اس لئے: اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ فرمایا کہ تمہارے ازواج اور اولاد میں سے تمہارے دشمن (بھی) ہیں تو تم ان سے ہوشیار رہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ سب ہی اولاد اور ازواج دشمن ہیں۔

معاف اور درگزر کرنے کی تلقین:

وَاِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو سو اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

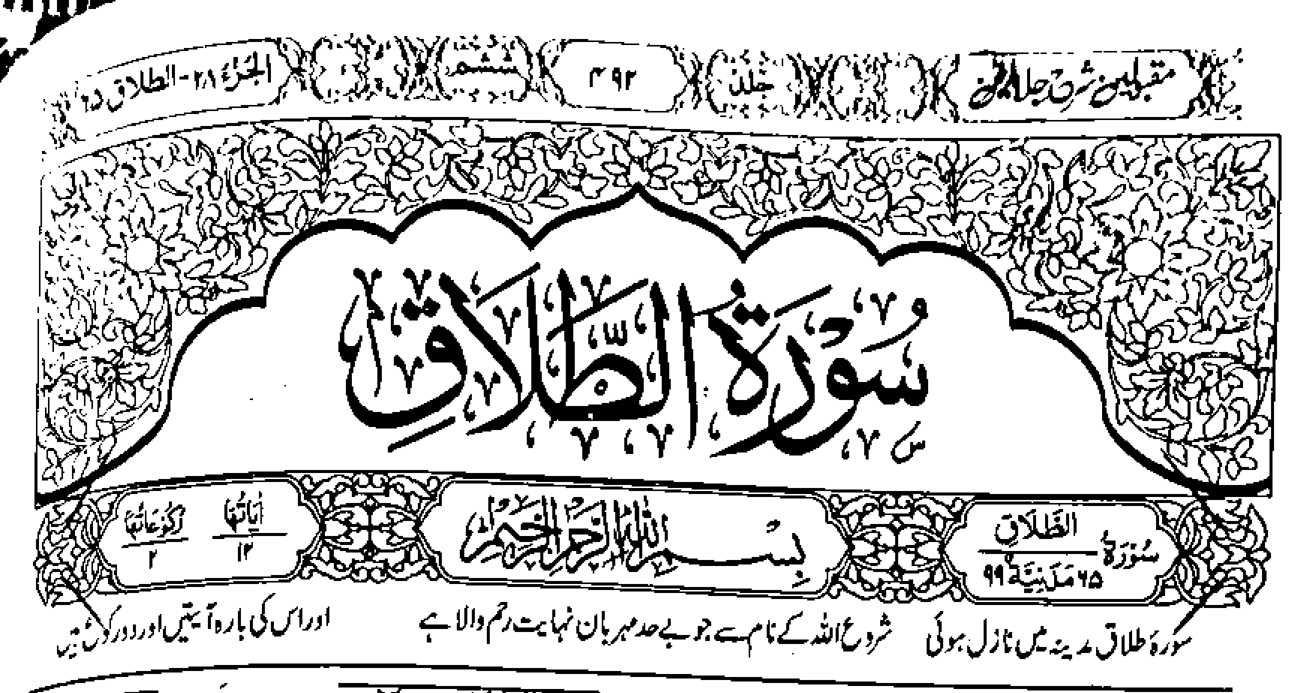
بعض مرتبہ بیویوں کی اور اولاد کی فرمائشیں ایسی ہوتی ہیں کہ کبھی تو نفس کو فرمائش ہی ناگوار گزرتی ہے اور کبھی ان کو پورا کرنے کا موقع نہیں ہوتا ایسی صورت میں بھی طبیعت کو ناگواری ہوتی ہے ارشاد فرمایا کہ اگر تم انہیں معاف کر دو اور درگزر کر دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان ہے تم ان کو معاف کر دو گے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے گناہ معاف کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔ اللہ غفور ہے رحیم ہے اس کی مغفرت اور رحمت کے امیدوار رہو۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ....

فتنہ کے معنی ابتلاء اور امتحان کے ہیں، مراد آیت کی یہ ہے کہ مال و اولاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش کرتا ہے کہ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر احکام و فرائض سے غفلت کرتا ہے یا محبت کو اپنی حد میں رکھ کر اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتا۔

مال و اولاد انسان کے لئے بڑا فتنہ ہیں:

اکثر گناہوں میں خصوصاً حرام کمائی میں انہیں کی محبت کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بعض اشخاص کو لایا جائے گا اس کو دیکھ کر لوگ کہیں گے:۔ اکل عیالہ حسناتہ "یعنی اس کی نیکیوں کو اس کے عیال نے کھا لیا" (روح) ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اولاد کے بارے میں فرمایا مبخلة مجبنة "یعنی یہ بخل اور جبن یعنی نامردی اور کمزوری کے اسباب ہیں" کہ ان کی محبت کی وجہ سے آدمی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے رکتا ہے، انہیں کی محبت کی وجہ سے جہاد میں شرکت سے رہ جاتا ہے، بعض سلف صالحین کا قول ہے العیال سوس الطاعات "یعنی عیال انسان کی نیکیوں کے لئے گھن ہے" جیسا گھن غلہ کو کھا جاتا ہے یہ اس کی نیکیوں کو کھا جاتے ہیں"۔



سورۂ طلاق مدینہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ والمرادُ وامّتُه بقرينة ما بعدَه او قل لهم اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ اردتم الطلاق فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ لاوّلها بان يكون الطلاق في طهر لم تمس فيه لتفسيره صلى الله عليه وسلم بذلك رواه الشيخان وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ احفظوها لتراجعوا قبل فراغها وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ اطيعوه في امره ونهيه لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ منها حتى تنقضي عدتهن اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ زنا مُّبَيِّنَةٍ ۭ بفتح الياء وكسرها اي بُيِّنَتْ او بَيِّنَةٍ فيخرجن لاقامة الحد عليهن وَتِلْكَ المذكورات حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ الطلاق اَمْرًا ۝ مراجعة فيما اذا كان واحدة او اثنتين فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ قاربن انقضاء عدتهن فَاَمْسِكُوْهُنَّ بان تراجعوهن بِمَعْرُوْفٍ من غير ضرار اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اتركوهن حتى تنقضي عدتهن ولا تضاروهن بالمراجعة وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ على الرجعة او الفراق وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ لا للمشهود عليه او له ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ڛ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ من كرب الدنيا والاخرة وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ يخطر بباله وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ في اموره فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ كافيه اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ مراده وفي قراءة بالاضافة قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ كرخاء وشدة قَدْرًا ۝ ميقاتا وَالّٰۗيْ بهمزة وياء وبلا ياء في الموضعين يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ بمعنى الحيض مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ شككتم في

عِدَّتُهُنَّ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔىۡ لَمۡ يَحِضۡنَ ؕ لِصِغَرِهِنَّ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَالْمَسْئَلَتَانِ فِیْ غَیْرِ الْمُتَوَفّٰی عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ اَمَّا هُنَّ فَعِدَّتُهُنَّ مَا فِیْ اٰیَةِ الْبَقَرَةِ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا وَ اُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اِنْقِضَاءُ عِدَّتِهِنَّ مُطَلَّقَاتٍ اَوْ مُتَوَفّٰی عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلْ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا ۞ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ فِی الْعِدَّةِ اَمۡرُ اللّٰهِ حُكْمُهٗ اَنۡزَلَهٗۤ اِلَيۡكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا ۞ اَسۡكِنُوۡهُنَّ اَیِ الْمُطَلَّقَاتِ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ اَیْ بَعْضُ مَسَاكِنِكُمْ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ اَیْ سَعَتِكُمْ عَطْفُ بَیَانٍ اَوْ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهٗ بِاِعَادَةِ الْجَارِ وَ تَقْدِیْرُ مُضَافٍ اَیْ اَمْكِنَةُ سَعَتِكُمْ لَا مَادُوْنَهَا وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ ؕ الْمَسَاكِنَ فَیَحْتَجْنَ اِلَی الْخُرُوْجِ اَوِ النَّفَقَةِ فَیَفْتَدِیْنَ مِنْكُمْ وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۚ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَـكُمۡ اَوْلَادَكُمْ مِنْهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ ۚ عَلَی الْاِرْضَاعِ وَاۡتَمِرُوۡا بَيۡنَكُمۡ وَبَیْنَهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ بِجَمِیْلٍ فِیْ حَقِّ الْاَوْلَادِ بِالتَّوَافُقِ عَلٰی اَجْرٍ مَعْلُوْمٍ عَلَی الْاِرْضَاعِ وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ تَضَایَقْتُمْ فِی الْاِرْضَاعِ فَامْتَنَعَ الْاَبُ مِنَ الْاُجْرَةِ وَالْاُمُّ مِنْ فِعْلِهٖ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ ؕ لِلْاَبِ اُخۡرٰى ۞ وَلَا تُكْرَهُ الْاُمُّ عَلٰی اِرْضَاعِهٖ لِيُنۡفِقۡ عَلَی الْمُطَلَّقَاتِ وَالْمُرْضِعَاتِ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنۡ قُدِرَ ضُیِّقَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰٮهُ اَعْطَاهُ اللّٰهُ ؕ اَیْ عَلٰی قَدْرِهٖ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰٮهَا ؕ سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا ۞ وَقَدْ جَعَلَهٗ بِالْفُتُوْحِ

ترجمہ: اے پیغمبر (مراد آپ اور آپ کی امت ہے جیسا کہ بعد میں جمع کے صیغوں سے معلوم ہو رہا ہے یا تقدیر عبارت قل لہم ہے) جب تم لوگ طلاق دو (طلاق دینے کا ارادہ کرو) عورتوں کو تو ان کی عدت سے پہلے طلاق دے دو (عدت کے اول طلاق ایسے طہر میں ہونی چاہئے۔ جس میں مرد بیوی کے پاس نہ گیا ہو۔ جیسا کہ حدیث شیخین میں آیا ہے) اور عدت کو یاد رکھا کرو (عدت کی نگہداشت رکھو تا کہ رجعت، عدت ختم ہونے سے پہلے ہو سکے) اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے (اور امر و نہی میں اس کی فرمانبرداری کرو) ان عورتوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں (عدت گزرنے تک) مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں (مبینہ فتحہ یا اور کسرہ یا کے ساتھ یعنی بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا بیان کی گئی ہو۔ پس اس صورت میں ان پر حد قائم کرنے کے لئے نکلنا ہوگا) اور یہ سب اللہ کے مقرر کیے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام

خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے تجھے معلوم نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق) کے بعد کوئی بات پیدا کرے (ایک یا دو طلاق ہونے کی صورت میں خاوند بیوی کو پھر ملا دے) پھر جب وہ عورتیں عدت کو پہنچ جائیں (عدت گزرنے کا زمانہ قریب پہنچ جائے) تو ان کو روک سکتے ہو (ان سے رجعت کر کے) قاعدہ کے مطابق (تکلیف دیئے بغیر) یا قاعدہ کے موافق رہائی دے دو (عدت پوری ہونے تک اور رجعت کے لئے نہ ستاؤ) اور آپس میں سے دو معتبر گواہ (رجعت یا علیحدگی پر) کرلو اور تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے گواہی دو (مخالف یا موافق کے لئے نہیں) اس مضمون کی اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے۔ جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے (دنیا اور آخرت کی مصیبتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان (دل میں خطرہ) بھی نہیں ہوتا اور جو شخص (اپنے کاموں میں) اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے (یعنی اپنی مراد اور ایک قراءت میں "بالغ امرہ" اضافت کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا (جیسے خوشحالی اور تنگی) ایک اندازہ (وقت) مقرر کر رکھا ہے اور تمہاری بیویوں میں سے جو عورتیں (دونوں جگہ ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یاء کے ہے) حیض سے مایوس ہو چکی ہوں۔ اگر تم کو (ان کی عدت میں شک) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اسی طرح جن عورتوں کو حیض آیا ہی نہیں (کمسنی کی وجہ سے ان کی عدت بھی تین مہینے ہے۔ اور یہ دونوں مسئلے اس وقت ہیں جب خاوند کا انتقال نہ ہوا ہو۔ لیکن وفات کی صورت میں ایسی عورتوں کی عدت وہ ہے جو سورۂ بقرہ کی آیت یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرًا میں بیان کی گئی ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت (خواہ وہ عورتیں مطلقہ ہوں یا ان کے شوہروں کا انتقال ہو گیا ہو ان کی عدت کا پورا ہونا) ان کے حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے (دنیا و آخرت کے) ہر کام میں آسانی کر دے گا۔ یہ (عدت میں مذکور) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور کر دے گا۔ اور اس کو بڑا اجر دے گا۔ تم ان (مطلقہ عورتوں) کو (اپنے مکانات میں سے) رہنے کی جگہ دو اپنی وسعت کے مطابق (یعنی جتنی تمہاری گنجائش ہو۔ یہ عطف بیان ہے یا ماقبل کا بدل ہے جار کا اعادہ کرتے ہوئے اور مضاف مقدر مان کر یعنی اپنی حیثیت کے موافق مکان دو، اس سے کم نہیں ہونا چاہئے) اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف مت پہنچاؤ۔ (مکان دے کر تا کہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائیں یا نفقہ دینے لگے۔ کہ فدیہ لینے پر تم سے مجبور ہو جائیں۔ اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو خرچ دو۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہارے لئے (تمہاری اس اولاد کو جو ان سے ہے) تو تم ان کو اجرت دو (دودھ پلائی کی) اور باہم (اپنے اور عورتوں کے درمیان) مناسب مشورہ کر لیا کرو (جو اولاد کے حق میں بہتر ہو۔ دودھ پلانے کی اجرت طے کر کے) اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے (دودھ پلانے میں تنگی برتنے لگو۔ اس طرح کہ باپ تو اجرت سے ہاتھ کھینچ لے اور ماں دودھ پلانے سے دستبردار ہو جائے) تو دوسری عورت اس (باپ) کے لئے دودھ پلائے گی (ماں کو دودھ پلانے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا) خرچ کرنا چاہئے (مطلقہ اور دودھ پلانے والی عورتوں پر) وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق اور جس کی آمدنی کم (تنگ) ہو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے (اس کے مطابق) خرچ کرے۔ خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جتنا اس کو دیا ہے۔ اللہ

تعالیٰ تنگی کے بعد جلد فراغت بھی دے گا۔ (چنانچہ فتوحات کے ذریعہ اس وعدہ کو پورا کر دیا گیا)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلْمُرَادُ وَاُمَّتُهٗ: معنیٰ یہ بنے گا، اے پیغمبر ﷺ اور مومنو۔ کیونکہ آپ کی ذات نمونہ ہے۔

قوله: بِمَا بَعْدَ: اس کا قرینہ ہے۔ کہ اذا طلقتم جمع کے صیغہ سے ہے۔

قوله: اَرَدْتُمُ الطَّلَاقَ: جزاء فطلقوھن اس کا قرینہ ہے۔

قوله: لِعِدَّتِهِنَّ: لام توقیت کے لیے وقت عدت کے لیے۔

قوله: اَحْصُوا الْعِدَّةَ: خاوندوں کو کہا کیونکہ عورتیں غفلت کرتی ہیں۔

قوله: لا تخرجوھن: یہ استثناء ہے۔

قوله: مُّبَيِّنَةٍ: یعنی واضح دلیل۔

قوله: لَا تَدْرِیْ: کوئی نفس یا تم اے ہمارے پیغمبر ﷺ۔

قوله: وَّ اَشْهِدُوْا: یہ شہادت مستحب ہے، جیسے واشھدوا اذا تبایعتم۔

قوله: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ: اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہبانی کرتا ہے۔

قوله: سَعَتِكُمْ: تمہاری وسعت وطاقت میں۔

قوله: اَوْلَادَكُمْ: یعنی نکاح کے انقطاع کے بعد۔



اس سورت میں احکام طلاق اہمیت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں اس وجہ سے اسی نام سے اس کو بارگاہ رسالت سے موسوم فرمایا گیا۔

ابتداء سورت میں یہ ہدایت فرمائی گئی کہ شریعت نے طلاق واقع کرنے کا طریقہ کس طرح متعین فرمایا ہے جس کے ضمن میں فقہاء طلاق بدعی اور طلاق سنی کی قسموں کا ذکر فرمایا کرتے ہیں جس سے غرض یہ ہے کہ طلاق دینے کی نوعیت ایسی ہو کہ خود اس سے ظاہر ہو جائے کہ مجبوراً اس کے لیے قدم اٹھایا گیا ہے وقتی جوش یا جذبات یا محض مغلوب الغضب ہو کر طلاق نہیں دی گئی ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق ایک طہر میں دی جائے اور ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت تک جذبات اور غیظ وغضب اگر عارضی ہیں تو شدت باقی نہیں رہا کرتی جس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ آجائے گی،

اسی کے ساتھ احکام عدت اور نفقہ وسکنی کا بھی بیان ہے، طلاق وعدت اور نفقہ وسکنی کے مسائل کے درمیان بار بار اللہ

کے تقوی کی طرف دعوت دی گئی ہے کبھی ترغیب کے رنگ میں اور کبھی ترہیب کی صورت میں تا کہ کسی طرح بھی ظلم اور حق تلفی کا ارتکاب نہ ہو اور اس پر بھی تنبیہ فرمائی گئی کہ اللہ کی حدود سے کسی صورت میں بھی تجاوز نہ ہونا چاہیے، کیونکہ معاشرت کو ہر خرابی سے بچانے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ....

طلاق اور عدت کے مسائل، حدود اللہ کی نگہداشت کا حکم

یہاں سے سورۃ الطلاق شروع ہے اس کے پہلے رکوع میں طلاق اور عدت کے مسائل بتائے ہیں درمیان میں دیگر فوائد بھی مذکور ہیں چونکہ اس میں عورتوں سے متعلقہ احکام مذکور ہیں اس لیے اس کا دوسرا نام سورۃ النساء القصریٰ بھی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اسے اس نام سے موسوم کیا۔

اصل بات تو یہی ہے کہ جب مرد عورت کا آپس میں شرعی نکاح ہو جائے تو آخر زندگی تک میل محبت کے ساتھ زندگی گزار دیں، لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ طبیعتیں نہیں ملتی ہیں اور کچھ ایسے اسباب بن جاتے ہیں کہ علیحدگی اختیار کرنی پڑ جاتی ہے لہٰذا شریعت اسلامیہ میں طلاق کو بھی مشروع قرار دیا ہے، جب شوہر طلاق دے دے تو اس کے بعد عورت پر عدت گزارنا بھی لازم ہے جب تک عدت نہ گزر جائے عورت کو کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ عدت کے بھی متعدد احکام ہیں، حیض والی عورت اور حمل والی عورت اور بے حمل والی عورت اور زیادہ عمر والی عورت (جسے حیض نہ آتا ہو) ان کے ایام عدت میں فرق ہے، جن عورتوں کو حیض آتا ہے اگر ان کو طلاق دے دی جائے اور حمل سے نہ ہوں تو ان کی عدت حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تین حیض ہیں اور حضرات شافعیہ کے نزدیک تین طہر ہیں یہ اختلاف لفظ قروء کا معنی متعین کرنے کی وجہ سے ہو گیا ہے جو سورۃ البقرہ میں وارد ہوا ہے۔

یہ لفظ قرء کی جمع ہے جو لفظ مشترک ہے حیض کے معنی میں بھی آتا ہے اور طہر کے معنی بھی۔ اپنے اپنے اجتہاد کے پیش نظر کسی نے اس کو حیض کے معنی میں لیا اور کسی نے طہر کے معنی میں لیا، ہر فریق کے دلائل اور وجوہ ترجیح اپنے اپنے مسلک کی کتابوں میں لکھی ہیں۔

یہاں سورۃ الطلاق میں فرمایا کہ اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ایسے وقت میں طلاق دو کہ طلاق کے بعد ان کی عدت شروع ہو جائے۔ اس میں ابتدائی خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو ہے اور اس کے بعد ضمیر جمع مذکر حاضر لا کر طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فرمایا ہے کیونکہ امت کے لیے احکام بیان کرنا مقصود ہے، حیض والی عورت کی عدت حنفیہ کے نزدیک چونکہ تین حیض ہیں اس لیے ان کے نزدیک فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دو کہ اس کے بعد عدت شروع ہو جائے طلاق کے بعد جو پہلا حیض آئے گا وہ حیض اور اس کے بعد دو حیض آنے پر عدت تمام ہو جائے گی، جب عدت گزارنے کے لیے تین حیض پورے کرنے ہیں تو طلاق ایسے وقت پر دی جائے جو حیض شروع ہونے سے پہلے ہو اور یہ وقت طہر کا ہے اور بموجب حکم حدیث طلاق اس طہر میں دینی چاہیے جس میں جماع نہ کیا ہو یا عورت کو حمل ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر

نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی جبکہ وہ حیض کے دن گزار رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کر دیا، آنحضرت ﷺ کو اس پر غصہ آ گیا پھر فرمایا کہ اس سے کہو کہ رجوع کرلے پھر پاک ہونے تک اسے روکے رکھے پھر جب ایک حیض آ جائے اور اس کے بعد پاک ہو جائے اور طلاق دینے کی رائے ہو تو طلاق دے دے، یہ طلاق طہر کی حالت میں ہو اور ایسے طہر میں ہو جس میں جماع نہ کیا ہو، پھر فرمایا کہ یہ ہے وہ عدت جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

(صحیح بخاری صفحہ ۷۲۹: ج ۲)

صحیح مسلم (جلد نمبر ۱) میں ہے: (فقال له النبی ﷺ لیراجعها و قال اذا طهرت فلیطلقها او یمسك قال ابن عمر رضی الله عنهما و قرء النبی ﷺ یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقو هن فی قبل عدتها و هو بضم القاف و الباء ای فی وقت تستقبل فیه العدة و هو تفسیر النبی ﷺ للفظ لعدتهن۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے اگر حیض میں طلاق دے دی تو رجوع کرلے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق ایسے طہر میں دے جس میں جماع نہ کیا ہو فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کی مذکورہ بالا تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کا مطلب یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے تاکہ اس کے بعد پورے تین حیض آ جانے پر عدت ختم ہو جائے اور حضرات شوافع کے نزدیک چونکہ عدت طہروں سے معتبر ہے اس لیے ان کے نزدیک آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ طہر کے شروع میں طلاق دیدو تاکہ عدت وہیں سے شروع ہو جائے۔

عدت کو اچھی طرح شمار کرو:

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ کا معنی یہ ہے کہ عدت کو اچھی طرح سے شمار کرو کیونکہ اس سے متعدد مسائل متعلق ہیں، اس میں سے ایک تو رجعت کا ہی مسئلہ ہے، جب کسی عورت کو رجعی طلاق دیدے تو عدت کے اندر اندر رجوع کرنا جائز ہے اور زمانہ عدت کا خرچہ بھی طلاق دینے والے مرد کے ذمہ ہے، عدت گزرنے تک اس کا خرچہ دے، اگر عدت کے اندر شوہر نے رجوع نہ کیا تو عورت کو عدت گزرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، اگر اچھی طرح عدت کو شمار نہ کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ ان احکام میں فرق پڑ جائے مثلاً عورت عدت کے اندر دوسرا نکاح کرلے یا عدت گزرنے کے بعد بھی شوہر سے خرچہ مانگتی رہے یا عدت کے ختم ہونے کے بعد شوہر یہ سمجھ کر کہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی رجوع کرلے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ (اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے) عورت جھوٹ نہ کہہ دے کہ میری عدت گزر گئی اور مرد عدت گزرنے کے بعد بھی رجوع کا دعویدار نہ ہو جائے اور عدت گزر جانے کے باوجود عورت خرچہ وصول نہ کرتی رہے۔

مطلقہ عورتوں کو گھر سے نہ نکالو:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (جن عورتوں کو تم نے طلاق دیدی انہیں عدت کے درمیان گھر سے نہ نکالو اور عورتیں بھی گھر سے نہ نکلیں) عدت گزرنے تک اس گھر میں رہیں جس میں طلاق ہوئی ہے۔ جس عورت کو طلاق ہو گئی ہو اس کا نفقہ یعنی ضروری خرچہ اور رہنے کا گھر طلاق دینے والے شوہر کے ذمہ ہے، مرد بھی اسے اس گھر میں رکھے جہاں اسے طلاق

دی ہے اور عورت بھی اسی گھر میں رہے: اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ اس میں استثناء کی ایک صورت بیان فرمائی ہے یعنی اگر مطلقہ عورت عدت کے زمانہ میں کھلی ہوئی بے حیائی کر بیٹھے تو اسے گھر سے نکالا جاسکتا ہے جس میں اس کو طلاق دی ہے مثلاً اگر اس نے زنا کرلیا تو حد جاری کرنے کے لیے اس کو گھر سے نکالا جائے گا پھر واپس اسی گھر میں لے آئیں گے۔ یہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فاحشہ مبینہ کا مطلب یہ ہے کہ مطلقہ عورت بدزبان ہو اگر شوہر اور شوہر کے گھر والوں کے ساتھ بدزبانی کرتی ہو تو اس کی وجہ سے گھر سے نکالا جاسکتا ہے۔

وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ (اور یہ اللہ کے احکام ہیں) ان کی پابندی کرو۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (اور جو شخص اللہ کے حدود سے آگے بڑھ جائے تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اپنی جان پر ظلم ہے اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں سزا مل سکتی ہے۔

طلاق اور عدت اور رجعت اور گھر سے نکالنے کی تاکید ان میں سے کسی بھی حکم شرعی کی مخالفت کی تو یہ ظلم شمار ہوگا۔

لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۝ (ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ طلاق دینے کے بعد کوئی نئی بات پیدا فرما دے) مثلاً طلاق دینے پر ندامت ہوجائے اور دل میں رجوع کرنے کا جذبہ پیدا ہوجائے، لہٰذا سوچ سمجھ کر احکام شرعیہ کو سامنے رکھ کر طلاق دینے کا اقدام کیا جائے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تین طلاق بیک وقت نہ دی جائیں کیونکہ اس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔ اگر تین طلاق دینی ہی ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے دے۔ دو طلاق تک عدت میں رجوع کرنے کا حق ہے اگر تین طلاقیں بیک وقت دے دیں تو رجوع کا وقت ختم ہوجائے گا اور طلاق بائن دینے سے بھی رجوع کا حق ختم ہوجاتا ہے اس لیے سوچ سمجھ کر اقدام کرے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ....

طلاق رجعی کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو مطلقہ کو روک لو یا خوبصورتی کے ساتھ اچھے طریقے پر چھوڑ دو:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (جب مطلقہ عورتوں کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو انہیں خوبی کے ساتھ روک لو) یعنی رجوع کرلو۔ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (یا انہیں خوبی کے ساتھ جدا کردو) ایسا نہ کرو کہ انہیں دکھ تکلیف دینے کے لیے بار بار طلاق دیتے رہو اور رجوع کرتے رہو۔ یہ مضمون سورۃ البقرہ میں بھی ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا: وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا (اور انہیں نہ روکو یعنی ایسا نہ کرو کہ انہیں ضرر پہنچانے یا دکھ دینے کی وجہ سے روک کر رکھے رہو) وہاں یہ بھی فرمایا ہے: وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (جو شخص ایسا کرے گا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا)۔

(دیکھو انوار البیان جلد اول)

وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (اور اصحاب عدل میں سے اپنے دو آدمیوں کو گواہ بنالو) یہ امر استحبابی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق دینا ہو یا طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا ہو یا طلاق بائن دے کر رجوع نہ کرنا طے کردیا ہو تو ان چیزوں پر دو ایسے

آدمیوں کو گواہ بنالو جو نیک صالح اور سچے لوگ ہوں تا کہ اگر کبھی پھر کوئی اختلاف کی صورت بن جائے تو گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا جاسکے۔ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ (اور گواہی کو اللہ کے لیے قائم کرو)۔

اس میں یہ بتادیا کہ گواہی ٹھیک طریقہ پر قائم کی جائے یعنی صحیح گواہی دی جائے نیز یہ بھی بتادیا کہ جو بھی گواہی دی جائے وہ اللہ کی رضا کے لیے ہو جس کے ذریعہ مظلوم کا حق اسے مل جائے۔ اہل دنیا میں سے کسی کے دباؤ میں جھوٹی گواہی نہ دے دی جائے۔ اللہ کی رضا کے لیے گواہی دینے میں یہ بھی شامل ہے کہ اجرت پر گواہی نہ دے۔ گواہی دینے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے البتہ آنے جانے کا کرایہ لے سکتا ہے۔

اوپر جو احکام مذکور ہوئے سراپا ہدایت ہیں ان کے ماننے میں خیر ہی خیر ہے۔ اہل ایمان پر لازم ہے کہ ان کا دھیان کریں اور ان کے مطابق چلیں، سامنے آخرت کا دن بھی ہے جسے آخرت کا یقین ہے حساب کتاب کا ڈر ہے اسے تو ضرور ہی نصیحت پر عمل کرنا لازم ہے۔

تقویٰ اور توکل کے فوائد:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ (اور جو شخص اللہ سے ڈرے اس کیلئے اللہ مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے)۔

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ (اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے رزق ملنے کا خیال بھی نہ ہو) اس میں مومن بندوں کے لیے بہت بڑی تعلیم ہے جو شخص فرمانبرداری کرے گا نیک اعمال میں لگے گا گناہوں سے بچے گا اور احکام شرعیہ پر عمل کرے گا (خواہ طلاق یا رجعت سے متعلق ہوں جن کا یہاں ذکر ہے۔ خواہ زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق) ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی ہے۔

تقویٰ مومن بندوں کے لیے دنیا و آخرت میں فلاح کا ذریعہ ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ والوں سے دو وعدے کیے ہیں اول یہ کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی مخرج یعنی مشکلات سے نکلنے کا راستہ نکال دے گا۔ دنیا میں مشکلات تو پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ لوگ ان کے لیے تدبیریں کرتے رہتے ہیں بعض لوگ گناہوں کے ذریعہ ان کو دفع کرنا چاہتے ہیں لیکن پھر بھی مشکلات میں پھنسے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے وعدہ فرمایا کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا فرمادے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں (کیا رجوع کرنے کی کوئی صورت ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم لوگ حماقت کا کام کرتے ہو پھر کہتے ہو اے ابن عباس، اے ابن عباس، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ اور اے سائل تو اللہ سے نہیں ڈرا۔ میں تیرے لیے کوئی مخرج یعنی مشکل سے نکلنے کا راستہ نہیں پاتا، تو نے اللہ کی نافرمانی کی تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۹۹)

دوسرا وعدہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے والے کو اللہ ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں اس کا دھیان بھی نہ ہوگا۔

دونوں وعدے دنیا سے متعلق ہیں اور آخرت سے بھی، تقویٰ اختیار کرنے والے کے لیے دنیا میں بھی خیر ہے مشکلات

سے چھٹکارہ ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق ملتا ہے جہاں سے خیال بھی نہ ہو۔ یہ باتیں آزمائی ہوئی ہیں۔

حضرت ابوذرؓ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں اگر لوگ اس پر عمل کر لیں تو ان کے لیے کافی ہو جائے۔ وہ آیت یہ ہے: وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۵۲)

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے سو اللہ اس کے لیے کافی ہے) اس سے پہلے متقی کے لیے غیبی مدد اور خیر و خوبی اور رزق کا وعدہ فرمایا اور اس جملہ میں توکل کرنے والوں سے خیر کا وعدہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لیے کافی ہے یہ بھی بہت بڑی بشارت ہے اور اللہ کی طرف سے مدد اور نصرت کا اعلان ہے۔

تقویٰ اور توکل دونوں بڑی اہم چیزیں ہیں مومن کی گاڑی کے پہیے ہیں۔ کوئی دونوں کو اختیار کر کے تو دیکھے پھر دونوں چیزوں کی برکات بھی دیکھ لے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا دل ہر وادی میں کچھ نہ کچھ مشغول رہتا ہے سو جس شخص نے اپنے دل کو ان سب مشغولیتوں میں لگا دیا اس کے بارے میں اللہ کوئی پرواہ نہیں کرے گا کہ اسے کس وادی میں ہلاک کر دے اور جو شخص اللہ پر توکل کرے اللہ اس کے سب کاموں کی کفایت فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۵۲)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے وہ صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس آ جاتے ہیں۔

توکل کے درجات ہیں ترک اسباب بھی ایک درجہ ہے رسول اللہ ﷺ نے اسی کو اختیار فرمایا کہ میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کیجئے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۴)

اسباب اختیار کرتے ہوئے بھی بندہ متوکل ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسباب پر بھروسہ نہ ہو بھروسہ اللہ پر ہی ہو اور حقیقی رازق اسی کو سمجھتا ہو جب یہ بات حاصل ہو جائے تو بندہ اسباب اختیار کرنے میں بھی گناہ سے بچتا ہے اور رزق حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتا جس میں گناہ کو اختیار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ (بیشک اللہ اپنا کام پورا کر ہی دیتا ہے) وہ جو ارادہ فرمائے گا اس کے ارادہ کے مطابق ہو کر رہے گا اور احکام تشریعیہ میں جو حکم دینے کا ارادہ کرے گا وہ حکم دے ہی دے گا اس کے ارادہ کو کوئی روکنے والا نہیں۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (بے شک اللہ نے ہر چیز کو ایک انداز مقرر میں رکھا ہے)۔ اسی کے مطابق تکوینی اور تشریعی احکام نافذ ہوتے رہتے ہیں۔

أَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ....

تیسرا حکم یہ فرمایا: أَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ کہ ان عدت گزارنے والی عورتوں کو وہیں ٹھہراؤ، جہاں تم ٹھہرے ہوئے ہو اپنی استطاعت کے مطابق۔

چوتھا حکم یہ فرمایا: وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ (اور تم ان کو ضرر نہ پہنچاؤ تا کہ انہیں تنگی میں ڈال دو اور وہ تمہارے گھر سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں)۔

پانچواں حکم یہ فرمایا کہ حمل والی عورتوں پر حمل وضع ہونے تک خرچ کرو۔

مطلقہ عورتوں کے اخراجات کے مسائل:

ان احکام کی توضیح اور تفسیر یہ ہے کہ عدت والی عورتوں کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) رجعی طلاق دی ہوئی ہو۔ (۲) طلاق بائن یا مغلظہ دی گئی ہو اور عورت حمل والی نہ ہو۔ (۳) طلاق ملنے والی عورت حاملہ ہو۔ (۴) وہ عورت جس نے شوہر سے خلع کر لیا ہو۔ (۵) عدۃ الوفاۃ گزار رہی ہو۔

ان عورتوں کو جن اخراجات کی ضرورت ہوتی ہے وہ تین ہیں:

1 کھانے کا خرچہ۔ 2 رہنے کا گھر۔ 3 کپڑے پہننے کی ضرورت۔ طلاق رجعی ہو یا بائن یا مغلظ حالت حمل میں ہو یا غیر حمل میں۔ ہر صورت میں طلاق دینے والے کے ذمہ ہے کہ عدت کے زمانے کا نان ونفقہ برداشت کرے اور رہنے سہنے کے لیے گھر بھی دے اگر خود بھی اسی گھر میں رہے تو طلاق بائن یا مغلظہ ہونے کی صورت میں پردہ کر کے رہے اور اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے خلع کر لی تو یہ بھی طلاق بائن کے حکم میں ہے۔ وهو مقيد بما اذا لم تجعله داخلا في بدل الخلع۔ (راجع البحر الرائق) اس میں بھی عدت واجب ہوتی ہے اور عدت کا نان ونفقہ اور رہنے کے لیے گھر دینا واجب ہوتا ہے اور جس عورت کا شوہر وفات پا گیا ہو اس پر عدت تو لازم ہے لیکن شوہر کے مال میں نان ونفقہ واجب نہیں یہ عورت اپنے مہر میں سے یا میراث کے حصہ میں سے اپنے اوپر خرچ کرے اگر خرچہ موجود نہ ہو اور میکہ والے بھی خرچ نہ کریں تو محنت مزدوری کر کے گزارہ کرلے، اگر اس کے لیے گھر سے نکلنا پڑے تو پردہ کے ساتھ دن میں باہر جا سکتی ہے اگر واپسی میں دیر ہو جائے اور تھوڑی سی ابتدائی رات اپنے گھر سے باہر گزر جائے تو اس کی اجازت ہے ضرورت پوری ہوتے ہی واپس آ جائے اور رات کو اسی گھر میں رہے جس میں رہتے ہوئے شوہر نے وفات پائی ہے عدت وفات والی عورت کے شوہر کی میراث سے مذکورہ گھر میں اگر اتنا حصہ نہ نکلتا ہو جو اس کی رہائش کے لیے کافی ہو یا شوہر کے ورثا اس کو گھر سے نکال دیں یا مکان کرائے پر تھا اس کا کرایہ ادا کرنے کی طاقت نہ ہو یا اپنی جان یا مال کے بارے میں خوف وخطرہ ہو تو اس گھر کو چھوڑ سکتی ہے جس میں شوہر کی وفات ہوئی۔

مطلقہ عورتوں کو رہنے کی جگہ دینے کا حکم:

أَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ میں فرمایا ہے اور مِّنْ وُّجْدِكُمْ فرما کر یہ بتا دیا کہ اپنی وسعت قوت

اور طاقت کو دیکھو اس کے مطابق اسے رہنے کو جگہ دو، شریعت کی پاسداری کرو حکم شرعی ہونے کی وجہ سے انہیں اسی گھر میں ٹھہراؤ جس میں تم رہتے ہو۔ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ اور ان کو تکلیف نہ دو تا کہ تم انہیں تنگدل کر دو یعنی ایسی صورت اختیار نہ کرو کہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔ قول سے یا فعل سے کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے اس کا تمہارے ساتھ رہنا دوبھر ہو جائے یہ تو مطلقہ عورتوں کو رہائش دینے کا حکم ہوا۔ اس کے بعد فرمایا:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ جب اولاد پیدا ہوتی ہے تو ماں باپ دونوں مل کر پرورش کرتے ہیں۔ بچے شفقت میں پلتے بڑھتے اور پھلتے پھولتے ہیں۔ ماں دودھ پلاتی ہے اور باپ بچہ پر اور بچہ کی ماں پر خرچ کرتا ہے لیکن اگر طلاق ہو جائے تو بچے کی پرورش کا اور دودھ پلانے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ماں کا دل تو چاہتا ہے کہ میں ہی اسے دودھ پلاؤں اگر مفت میں پلائے تو اسے اختیار ہے اور اچھی بات ہے اور اگر بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی مناسب اجرت مانگے تو یہ بھی جائز ہے اور باپ کے ذمے ہے کہ اسے دودھ پلانے کی اجرت دے۔ اس مضمون کو مذکورہ عبادت میں بیان فرمایا ساتھ ہی وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ بھی فرمادیا مطلب یہ ہے کہ ماں اور باپ دونوں باہمی مشورہ کرلیں اور بچہ کی خیرخواہی ہر ایک کے پیش نظر رہے عورت بھی مناسب سے زیادہ اجرت نہ مانگے اور باپ بھی اجرت طے کرنے کے بعد انکار نہ کرے۔ حق واجب کو نہ روکے، باپ یوں نہ سمجھے کہ چونکہ اس کا بچہ ہے اس کو پلانا پڑے گا میں اجرت دوں یا نہ دوں، کم دوں یا زیادہ دوں اور ماں یہ سوچ کر زیادہ اجرت نہ مانگے کہ اپنے بچے کی وجہ سے یہ منہ مانگی اجرت دینے پر راضی ہوگا۔

شرعاً باپ کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بچہ کی ماں کی مطلوبہ اجرت ضرور ہی دے۔ زائد اجرت طلب کرنے کی صورت میں دوسری عورت سے بھی دودھ پلوا سکتا ہے لیکن ماں، ماں ہی ہے وہ زیادہ شفقت سے رکھے گی، باپ بچے کو اس کی ماں کے ذمے لگائے اور اسی سے دودھ پلوائے تو اسے بھی چاہیے کہ مناسب اجرت سے زائد نہ لے۔ رضاع اور ارضاع کے مسائل سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکے ہیں۔

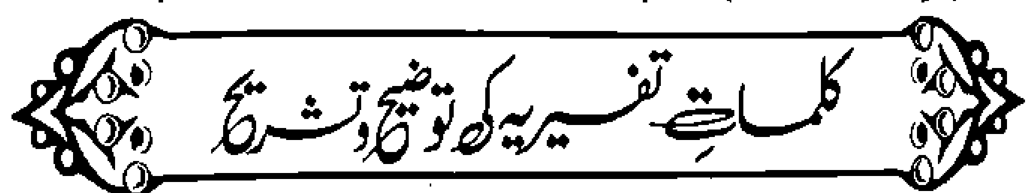
فائدہ: جب کسی مرد نے کسی عورت کو طلاق دے دی اور ماں نے بچہ کو پرورش کے لیے لے لیا تو جب تک شوہر کی طرف سے زمانہ عدت کا نان ونفقہ مل رہا ہے تو اس وقت تک دودھ پلانے کی اجرت طلب نہیں کرسکتی، یعنی دوہرا خرچہ نہیں دیا جائے گا۔ اور جب عدت گزر جائے اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو اب بچہ کی ماں بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے بچہ کے دوسرے اخراجات اس کے سوا ہوں گے۔

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰی ۝ اور اگر تم آپس میں تنگی محسوس کرو کہ نہ ماں مناسب اجرت پر دودھ پلانے پر تیار ہو اور نہ باپ اس کی مطلوبہ اجرت دینے پر راضی ہو تو دوسری عورت پلا دے گی یہ بظاہر خبر بمعنی الامر ہے یعنی بچہ کا والد اور کسی دودھ پلانے والی کو تیار کر لے جو دودھ پلا دے، اس طرز خطاب میں تربیت ربانیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک جان کو پیدا فرمایا ہے اور اسے زندہ بھی رکھتا ہے اور اس کی پرورش بھی کروانی ہے تو وہ کسی اور کو آمادہ فرمادے گا آخر بے ماؤں کے بچے بھی تو پرورش پاتے ہی ہیں۔

وَكَاَيِّنْ هِيَ كَافُ الْجَرِّ دَخَلَتْ عَلٰى اَيٍّ بِمَعْنٰى كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَيْ وَكَثِيْرٌ مِنَ الْقُرٰى عَتَتْ عَصَتْ يَعْنِيْ اَهْلَهَا عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاِنْ لَّمْ تَجِئْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ بِسُكُوْنِ الْكَافِ وَضَمِّهَا فَظِيْعًا وَهُوَ عَذَابُ النَّارِ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا عُقُوْبَتَهٗ وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ خَسَارًا وَهَلَاكًا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا تَكْرِيْرُ الْوَعِيْدِ تَاكِيْدٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۛ اَصْحَابَ الْعُقُوْلِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ نَعْتٌ لِلْمُنَادٰى اَوْ بَيَانٌ لَهٗ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ هُوَ الْقُرْاٰنُ رَّسُوْلًا اَيْ مُحَمَّدًا مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اَيْ وَاَرْسَلَ يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا كَمَا تَقَدَّمَ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بَعْدَ مَجِيْءِ الذِّكْرِ وَالرَّسُوْلِ مِنَ الظُّلُمٰتِ الْكُفْرِ الَّذِيْ كَانُوْا عَلَيْهِ اِلَى النُّوْرِ ؕ الْاِيْمَانِ الَّذِيْ قَامَ بِهِمْ بَعْدَ الْكُفْرِ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝ هُوَ رِزْقُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ لَا يَنْقَطِعُ نَعِيْمُهَا اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَعْنِيْ سَبْعَ اَرْضِيْنَ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ الْوَحْيُ بَيْنَهُنَّ بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْزِلُ بِهٖ جِبْرَئِيْلُ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ اِلَى الْاَرْضِ السَّابِعَةِ لِتَعْلَمُوْۤا مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ اَعْلَمَكُمْ بِذٰلِكَ الْخَلْقِ وَالتَّنْزِيْلِ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

ترجمہ: اور کتنی ہی (کاف جارہ، ای بمعنی کم پر داخل ہوا ہے) بستیاں تھیں (یعنی بہت سی بستیاں تھیں) جنہوں نے سرتابی کی (یعنی بستی والوں نے سرکشی کی) اپنے پروردگار کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے، سو ہم نے ان کا سخت حساب کیا (آخرت میں وہ اگرچہ ابھی آئی نہیں۔ لیکن یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے) اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سزا دی (نکرا سکون کاف اور ضمہ کاف کے ساتھ عذاب جہنم مراد ہے) غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال (مزہ) چکھا اور انجام کار ان کا خسارہ ہی ہوا (تباہی اور بربادی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (دوبارہ تاکید وعید کے لئے ہے) سو اللہ سے ڈرو۔ اے سمجھ دارو (عقلمندو) ایماندارو (منادیٰ کی صفت ہے یا اس کا بیان ہے) اللہ نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ (قرآن) بھیجا ہے ایک ایسا رسول (یعنی محمدؐ، یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای وارسل) جو تمہیں اللہ کے

احکام سناتے ہیں پڑھ پڑھ کر صاف صاف (فتحہ یا اور کسرۂ یا کے ساتھ جیسا کہ پہلے گزرا) تا کہ ایمان داروں، نیکوکاروں کو (ذکر اور رسول آنے کے بعد) لے آئیں تاریکیوں سے (اس کفر کی جس پر وہ ہیں) نور کی طرف کفر کے بعد (جو انہیں ایمان حاصل ہوا ہے) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا۔ اللہ اس کو داخل کرے گا (ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے) ایسے باغات میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اچھی روزی دی (جنتی رزق جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی) اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور انہی کی طرح کی (سات) زمینیں بھی، احکام (وحی) نازل ہوتے رہتے ہیں۔ ان سب میں (آسمانوں اور زمین میں جبرئیل ساتویں آسمان سے ساتویں زمین تک لاتے ہیں) تا کہ تم کو معلوم ہو جائے (محذوف کے متعلق ہے۔ اَیْ اَعْلَمَکُمْ بِذٰلِكَ الْخَلْقِ وَالتَّنْزِیْلِ) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ علمی میں لیے ہوئے ہے۔



قوله: وَاِنْ لَّمْ تَجِئْ: ماضی کی تعبیر و تحقیق کے لیے ہے۔

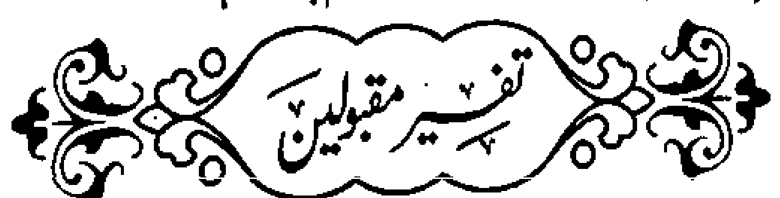
قوله: شَدِيْدًا: مناقشہ میں۔

قوله: يَّتْلُوْا: یہ رسول کی صفت ہے۔

قوله: قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ: جو ان کو ثواب ملے گا، اس پر تعجب اور اس کی بڑھائی کو ذکر کیا۔

قوله: اَللّٰهُ: یہ مبتداء اور الذی اس کی خبر ہے۔

قوله: بِذٰلِكَ الْخَلْقِ وَالتَّنْزِيْلِ: یہ ایک اس کے کمال قدرت و علم پر دال ہے۔



وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ ـــ

رہی احکام کی بالخصوص عورتوں سے متعلق ہدایات کی پابندی کرو۔ اگر نافرمانی کرو گے۔ تو یاد رہے کہ کتنی ہی بستیاں اللہ کی نافرمانی کا خمیازہ بھگت چکی ہیں۔ ہم نے ان کی سرکشی پر سختی سے جائزہ لیا۔ اور ان کو ایسی آفت میں پھنسایا جو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا ـــ

ذکر اگر بمعنی ذاکر ہو تو خود رسول مراد ہوں گے۔

زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں:

وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ .....

یہ سات زمینیں ممکن ہے نظر آتی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں۔ مگر لوگ ان کو کواکب سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ آج کل مریخ وغیرہ کی نسبت سائنسدانوں کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ، دریا، آبادیاں ہیں۔ باقی احادیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے نیچے ہونا آیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بعض حالات کے لحاظ سے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اوپر دکھائی دیتی ہیں۔

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ: عالم کے انتظام وتدبیر کے لئے اللہ کے احکام تکوینیہ وتشریعیہ آسمانوں اور زمینوں میں اترتے رہتے ہیں۔

ابن عباسؓ کی موتوف روایت: سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وادم کادمکم الخ مشکلات میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کی سہل ترین توجیہ صاحب روح المعانی نے ان الفاظ سے فرمائی ہے: والمراد ان فی کل ارض خلفا یرجعون الی اصل واحد رجوع بنی ادم فی ارضنا الی ادم علیہ السلام وفیھم افراد ممتازون علیٰ سائرھم کنوح وابراھیم وغیرھما فینا۔ اور غالباً اس کے مشکل ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ کو یہ فرمانا پڑا: لو حدثتکم بتفسیرھا لکفرتم وکفرتم بتکذیبکم بھا (درمنثور)

اس سے زیادہ سمجھنے کی عام لوگوں میں چونکہ استعداد نہیں ہوتی۔ اس لئے نہ عوام کو اس میں پڑنا چاہئے اور نہ خواص کے بارے میں بدگمانی کرنی چاہئے۔ اور چونکہ بقول صاحب روح المعانی بعض نے اس حدیث کو موضوع شمار کیا ہے۔ اس لئے اہل علم کے لئے بھی زیبا نہیں کہ وہ اس حدیث کے منوانے میں عوام پر زور دیں جب کہ اس کی صحت ہی پہلے سے مختلف رہی ہے اور اس سورت کی آیات تقویٰ میں ایک بلیغ ربط یہ ہے کہ اول فَاتَّقُوا اللّٰهَ میں حکم ہے۔ پھر وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ دنیوی اخروی برکات کے لئے جامع ہے اور: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ میں دنیوی برکات کا اور: ومن یتق اللہ یکفر الخ میں اخروی برکات کا ذکر ہے۔ گویا پہلے اجمال ہوا پھر تفصیل۔ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ. یعنی اللہ کی صفات علم وقدرت کے اظہار کے لئے یہ سارا تکوینی تشریعی نظام پھیلایا ہے۔ بقیہ صفات الٰہی انہی دو مرکزی صفتوں کے گرد گھومتی ہیں۔ صوفیاء جو کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف بیان کرتے ہیں۔ وہ اگرچہ محدثین کے نزدیک صحیح حدیث نہیں ہے۔ تاہم اس آیت کے مضمون سے ماخوذ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم.

لا تدری: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام کی مختلف شقوں میں اگر مختلف مصلحتیں ہوں تو کسی قطعی فیصلہ میں جلدی نہ کرے۔ اس میں مرید سے قطع تعلق بھی داخل ہے۔ اسی طرح اسباب معاش کا یا اہل وطن سے تعلق کا چھوڑنا بھی اس میں داخل ہے۔

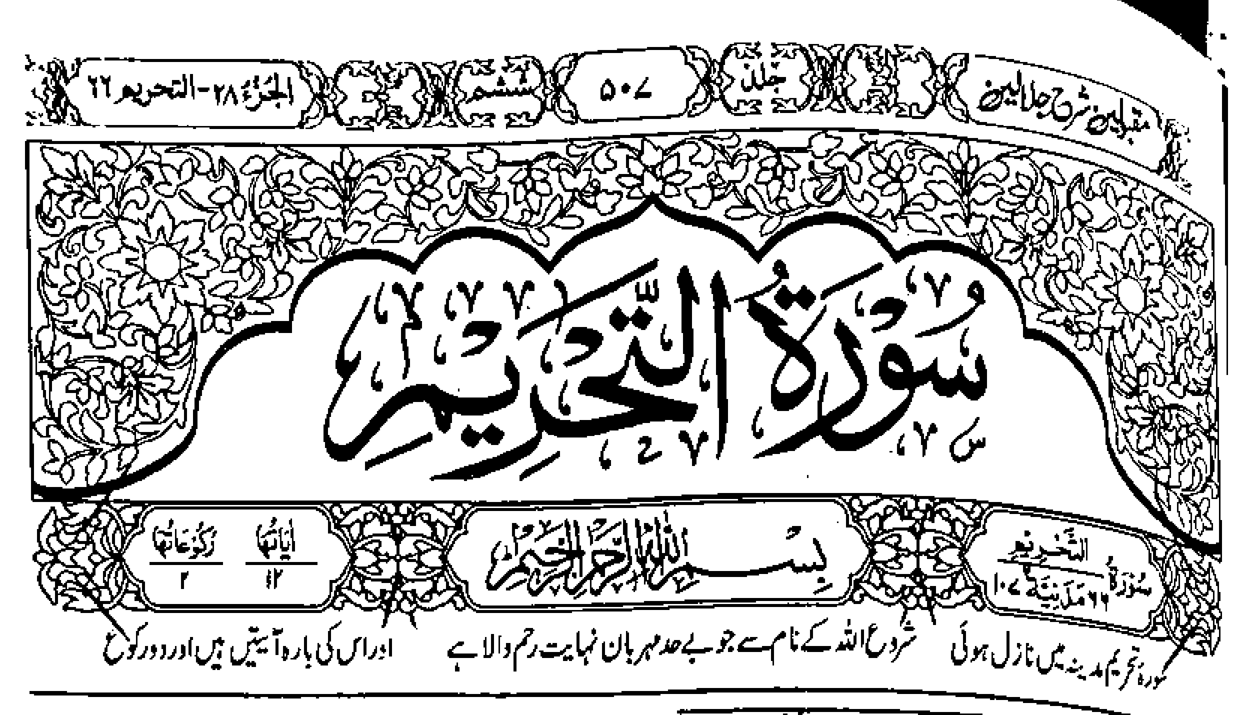
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ: تقویٰ کی ان برکات کا اہل طریق ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ: عورت سے ناقص العقل ہونے کے باوجود مشورہ کرنے میں ان کی دلجوئی ہے اور

بعض دفعہ ناقص سے بھی کامل رائے مل جاتی ہے۔پس یہ دونوں ہی پہلو اہل طریق کی عادت اور مطلوب میں داخل ہیں۔

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ: سے معلوم ہوا کہ نہ خود ایسی تنگی میں پڑے اور نہ دوسرے کو ڈالے جس سے اپنی یا دوسرے کی آزادی میں خلل پڑے۔اہل طریق اس کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا اگر ذِکْرًا کی صفت ہو تو بطور سابقہ دونوں میں اتحاد ہوا۔جس سے معلوم ہوا کہ شیخ کی صحبت اور گفتگو، ذکر کے منافی نہیں ہے۔بلکہ بالواسطہ وہ بھی ذکر ہے۔



سورۂ تحریم مدینہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی بارہ آیتیں ہیں اور دو رکوع

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ مِنْ اَمَتِکَ مَارِيَةَ الْقِبْطِيَّةِ لَمَّا وَاقَعَهَا فِيْ بَيْتِ حَفْصَةَ وَكَانَتْ غَائِبَةً فَجَاءَتْ وَشَقَّ عَلَيْهَا كَوْنُ ذٰلِکَ فِيْ بَيْتِهَا وَعَلٰى فِرَاشِهَا حَيْثُ قُلْتَ هِيَ حَرَامٌ عَلَيَّ تَبْتَغِيْ بِتَحْرِيْمِهَا مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ اَيْ رِضَاهُنَّ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① غَفَرَ لَکَ هٰذَا التَّحْرِيْمَ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ شَرَعَ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ تَحْلِيْلَهَا بِالْكَفَّارَةِ الْمَذْكُوْرَةِ فِيْ سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ وَمِنَ الْاِيْمَانِ تَحْرِيْمُ الْاَمَةِ وَهَلْ كَفَّرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُقَاتِلٌ اَعْتَقَ رَقَبَةً فِيْ تَحْرِيْمِ مَارِيَةَ وَقَالَ الْحَسَنُ لَمْ يُكَفِّرْ لِاَنَّهُ مَغْفُوْرٌ لَهُ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ نَاصِرُكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ② اُذْكُرْ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ هِيَ حَفْصَةُ حَدِيْثًا ۚ هُوَ تَحْرِيْمُ مَارِيَةَ وَقَالَ لَهَا لَا تُفْشِيْهِ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ عَائِشَةَ ظَنًّا مِنْهَا اَنْ لَا حَرَجَ فِيْ ذٰلِکَ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ اَطْلَعَهُ عَلَيْهِ عَلَى الْمُنَبَّأِ بِهٖ عَرَّفَ بَعْضَهٗ لِحَفْصَةَ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ تَكَرُّمًا مِنْهُ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③ اَيِ اللّٰهُ اِنْ تَتُوْبَآ اَيْ حَفْصَةُ وَعَائِشَةُ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ مَالَتْ اِلٰى تَحْرِيْمِ مَارِيَةَ اَيْ سَرَّكُمَا ذٰلِکَ مَعَ كَرَاهَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ وَذٰلِکَ ذَنْبٌ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَيْ تَقَبَّلَا وَاَطْلَقَ قُلُوْبَ عَلٰى قَلْبَيْنِ وَلَمْ يُعَبِّرْ بِهٖ لِاِسْتِثْقَالِ الْجَمْعِ بَيْنَ تَثْنِيَتَيْنِ فِيْمَا هُوَ كَالْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ وَاِنْ تَظٰهَرَا بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِي الظَّاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِدُوْنِهَا تَعَاوَنَا عَلَيْهِ اَيِ النَّبِيِّ فِيْمَا يَكْرَهُهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ فَصْلٌ مَوْلٰىهُ نَاصِرُهٗ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ مَعْطُوْفٌ عَلٰى مَحَلِّ اِسْمِ اِنَّ فَيَكُوْنُوْنَ نَاصِرِيْهِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ بَعْدَ نَصْرِ اللّٰهِ وَالْمَذْكُوْرِيْنَ ظَهِيْرٌ ۝ ظُهَرَاءُ اَعْوَانٌ لَهٗ فِيْ نَصْرِهٖ عَلَيْكُمَا عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَيْ طَلَّقَ النَّبِيُّ اَزْوَاجَهٗ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ خَبَرُ عَسٰى وَالْجُمْلَةُ جَوَابُ الشَّرْطِ وَلَمْ يَقَعِ التَّبْدِيْلُ لِعَدَمِ وُقُوْعِ الشَّرْطِ مُسْلِمٰتٍ مُقِرَّاتٍ بِالْاِسْلَامِ مُّؤْمِنٰتٍ مُخْلِصَاتٍ قٰنِتٰتٍ مُطِيْعَاتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ صَائِمَاتٍ اَوْ مُهَاجِرَاتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ بِالْحَمْلِ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ الْكُفَّارُ وَالْحِجَارَةُ كَاَصْنَامِهِمْ مِنْهَا يَعْنِيْ اَنَّهَا مُفْرِطَةُ الْحَرَارَةِ تَتَّقِدُ بِمَا ذُكِرَ لَا كَنَارِ الدُّنْيَا تَتَّقِدُ بِالْحَطَبِ وَنَحْوِهٖ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ خَزَنَتُهَا عِدَّتُهُمْ تِسْعَةَ عَشَرَ كَمَا سَيَأْتِيْ فِي الْمُدَّثِّرِ غِلَاظٌ مِنْ غِلَظِ الْقَلْبِ شِدَادٌ فِي الْبَطْشِ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ بَدَلٌ مِنَ الْجَلَالَةِ اَيْ لَا يَعْصُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ تَاكِيْدٌ وَالْاٰيَةُ تَخْوِيْفٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ عَنِ الْاِرْتِدَادِ وَلِلْمُنَافِقِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ دُوْنَ قُلُوْبِهِمْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ يُقَالُ لَهُمْ ذٰلِكَ عِنْدَ دُخُوْلِهِمُ النَّارَ اَيْ لِاَنَّهٗ لَا يَنْفَعُكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اَيْ جَزَاءَهٗ

ترجمہ: اے نبی! اللہ نے جس چیز کو آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ اس کو کیوں حرام فرماتے ہیں (یعنی ماریہ قبطیہ جو آپ کی حرم ہیں۔ حفصہؓ کی عدم موجودگی میں آپ نے ان سے زن وشوئی کے معاملات کر لئے۔ جب وہ آئیں اور دیکھا کہ یہ سب کچھ ان کے گھر اور بستر پر ہوا تو انہیں گراں گزرا۔ اس لئے آپ نے ان کو خوش کرنے کو فرما دیا کہ ماریہ مجھ پر حرام ہیں) آپ (اس کو حرام کر کے) اپنی بیویوں کی خوشنودی (رضامندی) حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (آپ کا یہ حرام کرنا بھی ہم نے معاف کر دیا) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے قسموں کا کھولنا مقرر (مشروع) فرما یا ہے (سورۂ مائدہ والا کفارہ ادا کر کے قسمیں کھولی جا سکتی ہیں۔ حرم کو حرام کرنا بھی اس قسم میں داخل ہے۔ کیا آنحضرتؐ نے کفارہ ادا فرمایا؟ مقاتل فرماتے ہیں کہ ماریہ کے سلسلہ میں آپ نے غلام آزاد فرمایا اور حسن کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں دیا۔ کیونکہ آپ کے لئے معافی ہو چکی) اور اللہ تمہارا کارساز (مددگار) ہے اور وہ بڑا جاننے والا۔ بڑی حکمت والا ہے اور (یاد کرو) جب کہ پیغمبر نے اپنی بیوی (حفصہؓ) سے ایک بات چپکے سے فرمائی (ماریہؓ کو حرام کر لینا۔ اور یہ کہ اس کو کسی سے کہنا مت) سو پھر جب اس بیوی نے وہ بات بتلا دی (عائشہؓ کو۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس میں کیا حرج ہے) اور پیغمبر کو اللہ نے

اس (خبر) پر مطلع (آگاہ) کر دیا تو پیغمبرؐ نے (حفصہؓ کو) تھوڑی سی بات تو بتلا دی اور تھوڑی سے (مروت میں) ٹال گئے۔ سو پیغمبر نے جب اس بیوی کو وہ بات جتلائی۔ تو بیوی کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ کو بڑے جاننے والے بڑے خبر رکھنے والے (اللہ) نے خبر دی ہے۔ اے دونوں بی بیو! (حفصہؓ وعائشہؓ) اگر تم اللہ کے آگے توبہ کر لو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں (ماریہؓ کے حرام کر دینے کی جانب یعنی آنحضرتؐ نے اس تحریم کو باوجود ناگوار سمجھنے کے تم دونوں کو چپکے سے بتلا دیا۔ اور یہ کوتاہی ہے۔ جواب شرط محذوف ہے۔ یعنی دونوں کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا اور قلبین کی بجائے قلوب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو لفظ ایک کلمہ کے حکم میں ہو اور اس میں دو جمع کا اکٹھا ہونا دشوار ہوتا ہے) اور اگر تم دونوں کاروائیاں کرتی رہیں (تظاهرا کی اصل تتظاهرا جس میں تائے ثانیہ کو ظا میں ادغام اور ایک قراءت میں بغیر ادغام ہے۔ تم دو بیویاں ایک دوسرے کی تائید کرتی رہیں) پیغمبر کے مقابلہ میں (اس کی مرضی کے خلاف) تو اللہ ہی (ہو ضمیر فصل ہے) پیغمبر کا رفیق (مددگار) ہے اور جبریل اور نیک بندے ہیں (یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ۔ اس کا عطف اسم ان کے محل پر ہے۔ یعنی یہ سب پیغمبر کے مددگار ہیں) اور ان کے علاوہ فرشتے (اللہ اور جبریل صالح المومنین کی مدد کے علاوہ) مددگار ہیں (ظهير بمعنی ظهراء تم دونوں بیویوں کے مقابلہ میں۔ ان کی مدد حضور کو حاصل رہے گی) اگر پیغمبر عورتوں (اپنی بیویوں) کو طلاق دے دیں تو بہت جلد بدل دے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) تم سے اچھی بیویاں (عسیٰ کی خبر ہے اور جملہ جواب شرط ہے اور چونکہ شرط نہیں پائی گئی اس لئے تبدیلی کی نوبت بھی نہیں آئی) جو اسلام والیاں (اسلام کا اقرار کرنے والی) ایمان والیاں (اخلاص والی) فرمانبرداری کرنے والیاں (اطاعت گزار) توبہ کرنے والیاں عبادت گزار روزہ رکھنے والیاں (روزہ دار یا ہجرت کرنے والیاں) ہوں گی۔ کچھ بیوائیں، کچھ کنواریاں، اے ایمان والو! تم بچاؤ خود کو اور اپنے گھر والوں کو (اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر آمادہ کر کے) اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی (کافر) اور پتھر ہیں (جیسے پتھروں کے بت، یعنی وہ آگ انتہائی گرم ہوگی جو ان چیزوں سے دھونکائی جائے گی۔ دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہوگی جو لکڑیوں وغیرہ سے دہکتی ہے) جس پر فرشتے ہیں (جہنم پر مامور فرشتے جن کی تعداد سورۂ مدثر میں انیس (۱۹) آرہی ہے) جو تندخو (سخت مزاج) مضبوط (پکڑ میں) ہیں۔ جس بات کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اس میں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے (ما امر اللہ سے بدل ہے یعنی حکم الٰہی سے باہر نہیں ہوتے) اور جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے کو بجالاتے ہیں (یہ جملہ تاکید ہے اس میں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے ڈرانا ہے۔ اور منافقین کو بھی ڈرانا ہے جو دل سے نہیں، صرف زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں) اے کافرو! آج تم عذر مت کرو (کافروں سے دوزخ میں ڈالنے کے وقت یہ کہا جائے گا۔ یعنی معذرت کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے) بس تم کو تو اس کی سزا مل رہی ہے۔ جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: حَفْصَةَ رضی اللہ عنہا: یہ ان کی باری کا دن تھا تو حَفْصَةَ نے آپ ﷺ پر خفگی ظاہر کی۔

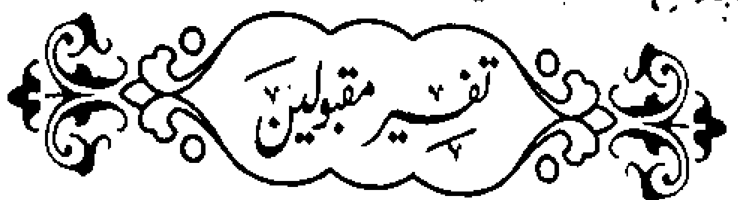
قوله: بتحریمها: یہ جملہ لتحرم کی تفسیر ہے یا اس کے فاعل سے حال ہے۔

قوله: بدونها: یعنی تخفیف کے ساتھ۔

قوله: عَسٰی رَبُّهٗ: یہ بادشاہوں کی عادت کے مطابق وجوب کے لیے آتا ہے، اسی طرح لعل بھی۔

قوله: مِنْ غِلَظِ الْقَلْبِ: دل یا قول کی سختی۔

قوله: بَدَلٌ مِنَ الْجَلَالَةِ، مَآ اَمَرَهُمْ: یہ لفظ اللہ سے بدل ہے۔



تفسیر مقبولین

اس سورت کا مضمون اپنی عظمت واہمیت کے لحاظ سے اس بات کی راہنمائی کر رہا ہے کہ مسلمان کو اپنی گھریلو زندگی کس اعتدال واحتیاط کے ساتھ گزارنی چاہئے اور اس میں اہل بیت کے حقوق وجذبات کی رعایت کے ساتھ احکام خداوندی کی اطاعت کو بھی پوری طرح برقرار رکھا جائے، اور اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ ازواج میں سے کسی کی دلجوئی کی خاطر کسی دوسرے کی حق تلفی کا ادنی شائبہ بھی نہ پایا جاتا ہو۔

ابتداء سورت میں آنحضرت ﷺ نے جو مباح چیز یعنی شہد اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اس کا ذکر ہے پھر ایسے جذبات جو اس امر کا داعی بنے ان کا بھی بیان ہے ساتھ ہی اس پر بھی تنبیہ ہے کہ گھریلو زندگی کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی راز ہو تو اس کو راز ہی رکھا جائے اور یہ بھی کہ اگر ازواج کسی قسم کی بے اعتدالی اختیار کریں تو یہ بھی نوبت آسکتی ہے کہ ان کو طلاق دے دی جائے اس ضمن میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر عورتیں اپنی مزاجی کیفیات سے کسی قسم کی بدعنوانی یا زیادتی اختیار کریں گی تو پھر ان صالح اور نیک اطوار کا دندوں کے ساتھ اللہ کی مدد شامل حال رہے گی، اختتام سورت پر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ بسا اوقات یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مرد صالح کی زوجیت میں کوئی شقی اور بدنصیب عورت آجائے، اور یہ بھی ممکن ہے صالح اور پاکباز خاتون کا شوہر عاصی ونافرمان ہو تو ایسے احوال میں عقل وفطرت کا تقاضا ہے کہ ہدایت اور حق پر پختگی کے ساتھ قائم رہے۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ....

حلال کو حرام قرار دینے کی ممانعت:

یہاں سے سورۃ التحریم شروع ہو رہی ہے۔ اس کی ابتدائی آیات کا سبب نزول ایک واقعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے بعد تھوڑی دیر کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ تھوڑا تھوڑا وقت ہر ایک کے پاس گزارتے تھے۔ ایک دن جو حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس تشریف لے گئے ان کے پاس شہد پی لیا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اور حفصہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی تشریف لائیں تو ہم کہہ دیں گے کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے (یہ ایک قسم کا گوند ہوتا تھا) چنانچہ آپ دونوں میں سے کسی ایک کے پاس تشریف لائے تو یہی بات

عرض کردی، آپ نے فرمایا کہ میں نے مغافیر تو نہیں کھایا بلکہ میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں نے قسم کھا لی ہے کہ اس کے بعد ہرگز نہیں پیوں گا۔ اس پر آیت کریمہ: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری صفحہ ۷۲۹: ج۲)

یہ قصہ ذرا تفصیل سے صحیح بخاری صفحہ ۷۹۳ میں بھی ہے اس میں کچھ اختلاف روایت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو اسوہ اور مقتداء بنا کر بھیجا تھا اس لیے طرح طرح کے واقعات ظہور پذیر ہوئے تاکہ امت کو اپنے حالات اور معاملات میں ان سے سبق ملے۔ آپ کی بعض بیویوں نے جو ایسا مشورہ کیا تھا کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم ایسا ایسا کہیں گے یہ شوہر اور بیوی کی آپس کی دل لگی کی بات ہے اس میں یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ ان عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کو کیوں ایذا پہنچائی، جب یہ عرض کیا گیا کہ آپ نے گوند کھایا ہے تو آپ نے فرمایا میں نے گوند نہیں کھایا، میں زینب کے پاس سے شہد پی کر آیا ہوں اور ساتھ ہی قسم بھی کھالی کہ اب میں نہیں کھاؤں گا اور سوال کرنے والی بیوی سے یہ ارشاد فرمایا کہ کسی کو نہیں بتانا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے نبی جو چیزیں اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی ہیں آپ ان کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہیں، آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں، یہ حرام قرار دینا ان کی خوشنودی کے لیے ہے حلال کو حرام قرار کر لینا اور پھر اس پر قسم کھانا آپ کے شایان شان نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کی عظمت بتائی ہے کہ ترک اولیٰ بھی آپ کے مقام رفیع کے خلاف ہے۔ یہ بھی توقع نہیں ہونا چاہیے تھا اور جو کچھ ہو گیا اللہ تعالیٰ نے اسے بھی معاف فرما دیا (آپ نے اعتقاداً حلال کو حرام قرار نہیں دیا تھا البتہ ترک مباح پر قسم کھائی تھی)۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ

قسم کھانے کے بعد کیا طریقہ اختیار کیا جائے:

اس میں لفظ لَكُمْ بڑھا کر یہ بتا دیا کہ ساری امت کے لیے یہی حکم ہے کہ جب کسی چیز کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ نے اس سے عہد برآ ہونے کا جو طریقہ مشروع فرمایا ہے اس کے مطابق عمل کر لیں۔ یہ قسم کا کھولنا یعنی قسم کھا کر جو بات اپنے ذمہ کر لی ہے اس سے نکلنا دو طریقہ سے ہے ایک تو یہ ہے کہ قسم کو پورا کر دے (بشرطیکہ معصیت نہ ہو) اور دوسرا یہ کہ اگر قسم ٹوٹ جائے تو اس کا کفارہ دے دیا جائے ان دونوں صورتوں سے قسم ختم ہو جاتی ہے یعنی اس کا حکم باقی نہیں رہتا، پھر معلوم ہونا چاہیے کہ ایک تو یہ قسم ہے کہ اللہ کی قسم ایسا کروں گا یا ایسا نہیں کروں گا (پھر اس میں معلق اور غیر معلق کی تفصیلات ہیں) اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی حلال کو اپنے اوپر حرام کر لے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی یمین ہے اس کا بھی کفارہ واجب ہے جیسا کہ قسم کی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ لازم آتا ہے۔

تفسیر قرطبی میں بلا سند نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا تھا پھر زید بن اسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا تھا۔

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ ......

رسول اللہ ﷺ کا ایک خصوصی واقعہ جو بعض بیویوں کے ساتھ پیش آیا:

بعض مفسرین نے اس آیت کا تعلق بھی شہد والے قصہ سے بتایا ہے اور یوں تفسیر کی ہے کہ آپ نے جو یوں فرمایا تھا کہ میں شہد نہیں پیوں گا اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا تھا کہ کسی سے کہنا نہیں لیکن جس اہلیہ سے یہ فرمایا تھا اس نے آپ کی دوسری اہلیہ کو یہ بات بتادی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی اس سے مطلع فرما دیا تو آپ نے اہلیہ کو تھوڑی سی بات بتادی۔ یعنی یہ جتا دیا کہ تو نے اتنی بات ظاہر کر دی ہے کہ فلاں عورت سے کہہ دی اور آپ نے تھوڑی سی بات سے اعراض فرمایا یعنی غایت کرم کی وجہ سے پورے اجزاء کا اظہار نہیں فرمایا تا کہ ظاہر کرنے والی اہلیہ کو یہ بات جان کر شرمندگی نہ ہو کہ میں نے جو کچھ دوسری خاتون سے کہا ہے وہ سب آپ کو معلوم ہو گیا، جب آپ نے بات بتانے والی بیوی کو یہ جتلایا کہ تو نے میری بات کہہ دی ہے تو اس نے سوال کیا کہ آپ کو کس نے خبر دی، آپ نے فرمایا کہ مجھے علیم وخبیر یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ صاحب بیان القرآن نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے لیکن تفسیر کی کتابوں میں یہاں ایک واقعہ بھی لکھا ہے اور آیت بالا کو اسی سے متعلق بتایا ہے وہ واقعہ معالم التنزیل میں یوں لکھا ہے کہ: حضرت حفصہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے گھر سے جانے کی اجازت مانگی، آپ نے اجازت دے دی آپ کی ایک باندی ماریہ قبطیہ تھی جن سے صاحبزادہ ابراہیم پیدا ہوئے تھے، وہ وہاں پہنچ گئیں آپ نے ان سے اپنی حاجت پوری کر لی، حفصہؓ جو واپس آئیں تو انہوں نے دروازہ بند دیکھا اور صورتحال کو بھانپ لیا، جب آپ تشریف لائے تو شکایت کی کہ آپ نے میرے اکرام کے خلاف اور میری نوبت کے دن اور میرے بستر پر باندی سے استمتاع کر لیا، آپ نے فرمایا اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے میری باندی ہے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس کو حلال قرار دیا ہے چلو خاموشی اختیار کرو میں اسے اپنے اوپر حرام قرار دیتا ہوں تو راضی ہو جا اور کسی کو خبر نہ دینا، جب آپ باہر تشریف لے گئے تو حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور انہیں خوشخبری سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی باندی کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا ہے، اس کے بعد صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو اپنی باندی کو اپنے اوپر حرام فرما لیا تھا۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ سے یہ بات مراد ہے جس میں یہ ہے کہ آپ نے حفصہؓ سے فرمایا تھا کہ کسی کو خبر نہ دینا، پھر حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اسی وقت یہ بتا دیا تھا کہ میرے بعد ابو بکر وعمرؓ خلیفہ ہوں گے۔ سیّدہ حفصہؓ نے یہ باتیں اپنی سہیلی سیّدہ عائشہؓ کو بتادی، آپ نے فرمایا کہ تو نے عائشہ کو یہ بات بتائی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا مجھے علیم وخبیر نے بتادیا، سیّدہ حفصہؓ نے سیّدہ عائشہؓ کو باندی حرام کرنے والی بات بھی بتادی تھی اور خلافت والی بھی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک بات کا ذکر فرمایا اور ایک بات چھوڑ دی یعنی یوں نہیں فرمایا کہ تو نے عائشہ کو خلافت والی بات بھی بتائی ہے، آپ چاہتے تھے کہ خلافت والی بات لوگوں میں نہ پھیلے۔ مفسر قرطبی نے بھی سیّدہ ماریہؓ کو حرام قرار دینے والی بات لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ سند کے اعتبار سے یہ زیادہ ٹھیک ہے، لیکن صحیح احادیث میں مذکور نہیں ہے اگر اس روایت کو سامنے رکھا جائے تو عَرَّفَ بَعْضَهٗ کا مطلب یہ ہوگا کہ سیّدہ حفصہؓ نے سیّدہ عائشہؓ کو جو

بتائی تھیں ان میں سے آپ نے کچھ بات بتادی اور کچھ بات سے خاموشی اختیار فرمالی۔

آیت بالا کو شہد والے قصہ سے متعلق مانا جائے تو اس میں چونکہ سیّدہ حفصہ اور سیّدہ عائشہؓ دونوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم یوں کہیں گے کہ آپ نے شہد پیا ہے۔ لہٰذا دونوں کی ذات پر حرف آتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے والا مشورہ کیوں کیا، ارادہ خواہ ایذا دینے کا نہ ہو صرف دل لگی مقصود ہو لیکن صورت حال ایسی بن گئی کہ آپ کو اس سے تکلیف پہنچی لہٰذا توبہ کا حکم دیا گیا۔ دوسرے قصہ میں بظاہر سیّدہ عائشہؓ پر کوئی بات نہیں آتی کیونکہ انہوں نے صرف بات سنی تھی اور آگے بڑھانے کا ذکر بھی نہیں ملتا، ہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے سیّدہ حفصہؓ نے ان سے یوں کہا ہو کہ تمہیں ایک راز کی بات بتاتی ہوں مجھے منع تو کیا ہے کہ کسی کو نہ بتاؤں لیکن تم سے جو بہنے پن کا تعلق ہے اس لیے بیان کر دیتی ہوں اگر انہوں نے یوں کہا اور انہوں نے سن لیا تو ایذاء دینے والی بات بن سکتی ہے ان کو چاہیے تھا کہ یوں کہہ دیتیں کہ جب آپ نے بیان کرنے سے منع فرمادیا ہے تو میں نہیں سنتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ....

رسول اللہ ﷺ کی بعض ازواج سے خطاب:

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں سیّدہ حفصہ اور سیّدہ عائشہؓ کو توبہ کی طرف متوجہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر لو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل صحیح راہ سے ہٹ گئے تھے تمہاری باتوں سے متاثر ہو کر رسول اللہ ﷺ نے شہد پینے اور اپنی جاریہ سے متمتع ہونے سے اجتناب کرنے کا ارادہ فرمالیا تھا اور اس کے بارے میں قسم کھالی تھی حالانکہ آپ کو یہ چیزیں پسند تھیں ان باتوں سے جو رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچی اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کی طرف متوجہ فرمایا۔

دوسری آیت میں آپ کی ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر نبی کریم ﷺ تم کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار عنقریب تمہارے بدلہ تم سے اچھی عورتیں عطا فرمادے گا یہ عورتیں اسلام والی، ایمان والی، فرمانبرداری کرنے والی، توبہ کرنے والی، عبادت کرنے والی، روزہ رکھنے والی ہوں گی، جن میں بیوہ بھی ہوں گی اور کنواری بھی، پھر ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، نہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں طلاق دی اور نہ ان کے بدلہ دوسری بیویاں عطا کی گئیں۔

مزید فرمایا کہ اگر تم دونوں آپس میں کسی ایسے امر پر ایک دوسرے کی مدد کرتی رہو گی جس سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچ سکتی ہو تو رسول اللہ ﷺ کو اس سے ضرر نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ ان کا مولیٰ ہے اور جبرائیل بھی اور مومنین بھی، اور اس کے بعد فرشتے بھی مددگار ہیں، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہو اور فرشتوں کی خاص کر جبرائیل اور صالح مومنین کی مدد ہو، اسے تمہارے مشورے کیا نقصان دے سکتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا وہ دونوں کون سی عورتیں ہیں جن کے بارے میں

وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فرمایا ہے ابھی میری بات پوری نہ ہوئی تھی حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اس سے عائشہ اور حفصہؓ مراد ہیں۔
(صحیح بخاری صفحہ ۷۳۱ ج:۲)

رسول اللہ ﷺ کے ایلاء فرمانے کا ذکر:

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ناراض ہو کر ایک ماہ کا ایلاء کر لیا تھا یعنی یہ قسم کھائی تھی کہ بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے اس زمانہ میں آپ نے ایک بالاخانہ میں رہائش اختیار فرمائی۔ صحابہؓ میں یہ مشہور ہو گیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمرؓ اس بات کا پتہ چلانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے پہلے سمجھانے کے طور پر حضرت عائشہ اور اپنی بیٹی حفصہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے سے حاضر خدمت ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! عورتوں کے بارے میں آپ کو کیا پریشانی ہے اگر آپ نے ان کو طلاق دے دی ہے تو آپ کے ساتھ اللہ اور جبریل اور میکائل اور میں اور ابوبکر اور دوسرے مومنین ہیں اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق فرمائی اور آیت کریمہ: عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا اور آیت کریمہ: وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ نازل فرمائی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا مومنین بیٹھے ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے آپ نے فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا آپ کی اجازت ہو تو میں انہیں بتادوں کہ طلاق نہیں دی آپ نے فرمایا اگر چاہو تو بتادو۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بالاخانے سے نیچے اتر آئے، ابھی آپ کو انتیس دن ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ ابھی ۲۹ دن ہوئے ہیں آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے، آپ نے فرمایا یہ انتیس کا مہینہ ہے۔ (راجع صحیح مسلم صفحہ ۱۷۸ الی ۴۸۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ....

ہمارا گھرانہ ہماری ذمہ داریاں:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ارشاد ربانی ہے کہ اپنے گھرانے کے لوگوں کو علم و ادب سکھاؤ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ کے فرمان بجالاؤ اس کی نافرمانیاں مت کرو اپنے گھرانے کے لوگوں کو ذکر اللہ کی تاکید کرو تاکہ اللہ تمہیں جہنم سے بچا لے، مجاہد فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو اور اپنے گھر والوں کو بھی یہی تلقین کرو، قتادہ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت کا انہیں حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو ان پر اللہ کے حکم قائم رکھو اور انہیں احکام اللہ بجالانے کی تاکید کرتے رہو نیک کاموں میں ان کی مدد کرو اور برے کاموں پر انہیں ڈانٹو ڈپٹو۔ ضحاک و مقاتل فرماتے ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے رشتے کنبے کے لوگوں کو اور اپنے لونڈی غلام کو اللہ کے فرمان بجالانے کی اور اس کی نافرمانیوں سے رکنے کی تعلیم دیتا رہے، مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب بچے سات سال کے ہو جائیں انہیں نماز پڑھنے کو کہتے سنتے رہا کرو جب دس سال کے ہو جائیں

اور نماز میں سستی کریں تو انہیں مار کر دھمکا کر پڑھاؤ، یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے، فقہاء کا فرمان ہے کہ اسی طرح روزے کی بھی تاکید اور تنبیہ اس عمر سے شروع کر دینی چاہئے تا کہ بالغ ہونے تک پوری طرح نماز روزے کی عادت ہو جائے اطاعت کے بجالانے اور معصیت سے بچتے رہنے اور برائی سے دور رہنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔ ان کاموں سے تم اور وہ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے جس آگ کا ایندھن انسانوں کے جسم اور پتھر ہیں ان چیزوں سے یہ آگ سلگائی گئی ہے پھر خیال کرلو کہ کس قدر تیز ہوگی؟ پتھر سے مراد یا تو وہ پتھر ہے جن کی دنیا میں پرستش ہوتی رہی جیسے اور جگہ ہے ترجمہ تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہو، یا گندھک کے نہایت ہی بدبودار پتھر ہیں، ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اس وقت آپ کی خدمت میں بعض اصحاب تھے جن میں سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا جہنم کے پتھر دنیا کے پتھروں جیسے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جہنم کا ایک پتھر ساری دنیا کے تمام پتھروں سے بڑا ہے انہیں یہ سن کر غشی آ گئی حضور ﷺ نے ان کے دل پر ہاتھ رکھا تو وہ دل دھڑک رہا تھا آپ نے انہیں آواز دی کہ اے شیخ کہو لا الہ الا اللہ اس نے اسے پڑھا پھر آپ نے اسے جنت کی خوشخبری دی تو آپ کے اصحاب نے کہا کیا ہم سب کے درمیان صرف اسی کو یہ خوشخبری دی جا رہی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھو قرآن میں ہے ترجمہ یہ اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے اور میرے دھمکیوں کا ڈر رکھتا ہو، یہ حدیث غریب اور مرسل ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اس آگ سے عذاب کرنے والے فرشتے سخت طبیعت والے ہیں جن کے دلوں میں کافروں کے لئے اللہ نے رحم رکھا ہی نہیں اور جو بدترین ترکیبوں میں بڑی بھاری سزائیں کرتے ہیں جن کے دیکھنے سے بھی پتہ پانی اور کلیجہ چھلنی ہو جائے، حضرت عکرمہ فرماتے ہیں جب دوزخیوں کا پہلا جتھا جہنم کو چلا جائے گا تو دیکھے گا کہ پہلے دروازہ پر چار لاکھ فرشتے عذاب کرنے والے تیار ہیں جن کے چہرے بڑے ہیبت ناک اور نہایت سیاہ ہیں کچلیاں باہر کو نکلی ہوئی ہیں سخت بے رحم ہیں ایک ذرے کے برابر بھی اللہ نے ان کے دلوں میں رحم نہیں رکھا اس قدر جسیم ہیں کہ اگر کوئی پرندان کے ایک کھوے سے اڑ کر دوسرے کھوے تک پہنچنا چاہے تو کئی مہینے گزر جائیں، پھر دروازہ پر انیس فرشتے پائیں گے جن کے سینوں کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے پھر ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے پانچ سو سال تک گرتے رہنے کے بعد دوسرا دروازہ آئے گا وہاں بھی اسی طرح ایسے ہی اور اتنے ہی فرشتوں کو موجود پائیں گے اسی طرح ہر ایک دروازہ پر یہ فرشتے اللہ کے فرمان کے تابع ہیں ادھر فرمایا گیا ادھر انہوں نے عمل شروع کر دیا ان کا نام زبانیہ ہے اللہ ہمیں اپنے عذاب سے پناہ دے آمین۔ قیامت کے دن کفار سے فرمایا جائے گا کہ آج تم بیکار عذر پیش نہ کرو کوئی معذرت ہمارے سامنے نہ چل سکے گی، تمہارے کرتوت کا مزہ تمہیں چکھنا ہی پڑے گا۔

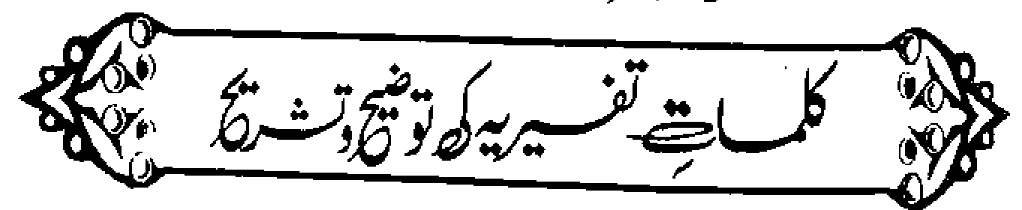
يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا بِفَتْحِ النُّوْنِ وَضَمِّهَا صَادِقَةً بِاَنْ لَّا يُعَادَ اِلَى الذَّنْبِ وَلَا يُرَادُ الْعَوْدُ اِلَيْهِ **عَسٰى رَبُّكُمْ** تَرْجِيَةٌ تَقَعُ **اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ بِاِدْخَالِ النَّارِ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ اَمَامَهُمْ وَیَكُوْنُ وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ مُسْتَانَفٌ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا اِلَی الْجَنَّةِ وَالْمُنَافِقُوْنَ یَطْفِیْ نُوْرُهُمْ وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ رَبَّنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ بِالسَّیْفِ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّةِ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ بِالْاِنْتِهَارِ وَالْمَقْتِ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فِی الدِّیْنِ اِذْ كَفَرَتَا وَكَانَتِ امْرَاَتُ نُوْحٍ وَاسْمُهَا وَاهِلَةُ تَقُوْلُ لِقَوْمِهٖ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ وَامْرَاَةُ لُوْطٍ وَاسْمُهَا وَاعِلَةُ تَدُلُّ عَلٰی اَضْیَافِهٖ اِذَا نَزَلُوْا بِهٖ لَیْلًا بِاِیْقَادِ النَّارِ وَنَهَارًا بِالتَّدْخِیْنِ فَلَمْ یُغْنِیَا اَیْ نُوْحٌ وَلُوْطٌ عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ شَیْـًٔا وَّ قِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ۝ مِنْ كُفَّارِ قَوْمِ نُوْحٍ وَقَوْمِ لُوْطٍ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اٰمَنَتْ بِمُوْسٰی وَاسْمُهَا اٰسِیَةُ فَعَذَّبَهَا فِرْعَوْنُ بِاَنْ اَوْتَدَ یَدَیْهَا وَرِجْلَیْهَا وَاَلْقٰی عَلٰی صَدْرِهَا رَحًی عَظِیْمَةً وَاسْتَقْبَلَ بِهَا الشَّمْسَ فَكَانَتْ اِذَا تَفَرَّقَ عَنْهَا مَنْ وُكِّلَ بِهَا ظَلَّلَتْهَا الْمَلَائِكَةُ اِذْ قَالَتْ فِی حَالِ التَّعْذِیْبِ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ فَكَشَفَ لَهَا فَرَاَتْهُ فَسَهُلَ عَلَیْهَا التَّعْذِیْبُ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَتَعْذِیْبِهٖ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اَهْلِ دِیْنِهٖ فَقَبَضَ اللّٰهُ رُوْحَهَا وَقَالَ ابْنُ كَیْسَانَ رُفِعَتْ اِلَی الْجَنَّةِ حَیَّةً فَهِیَ تَاْكُلُ وَتَشْرَبُ وَ مَرْیَمَ عَطْفٌ عَلَی امْرَاَةِ فِرْعَوْنَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا حَفِظَتْهُ فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا اَیْ جِبْرِیْلَ حَیْثُ نَفَخَ فِیْ جَیْبِ دِرْعِهَا بِخَلْقِ اللّٰهِ فِعْلَهُ الْوَاصِلَ اِلٰی فَرْجِهَا فَحَمَلَتْ بِعِیْسٰی وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا بِشَرَائِعِهٖ وَ كُتُبِهٖ الْمُنَزَّلَةِ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ۝ مِنَ الْقَوْمِ الْمُطِیْعِیْنَ

ع ۲ ۵ ۲۰

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو (نصوح فتحہ نون کے ساتھ اور ضمہ نون کے ساتھ۔ بمعنی صادقہ کہ پھر نہ وہ قصور کرے اور نہ اس کا ارادہ ہو) امید ہے (جو پوری ہو کر رہے گی) کہ تمہارا پروردگار تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں پہنچائے گا۔ ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس دن کہ اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا

(دوزخ میں لے جا کر) نبی کو اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو، ان کا نور ان کے سامنے (آگے) دوڑتا ہوگا اور ان کے داہنے یوں دعا کرتے ہوں گے (جملہ مستانفہ ہے) اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھیے (جنت میں جانے تک، اور منافقین کا نور گل ہو جائے گا) اور ہماری مغفرت فرما دیجئے (ہمارے پروردگار) آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اے نبی! کفار سے (تلوار کے ذریعہ) اور منافقین سے (زبان اور دلیل سے) جہاد کیجئے اور ان پر (ڈانٹ ڈپٹ کر) سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کا حال بیان فرماتا ہے۔ وہ دونوں عورتیں، ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں۔ سو ان دونوں عورتوں نے ان دونوں خاوندوں کے ساتھ خیانت کی (بلحاظ دین کے کہ دونوں کافر ہو گئیں۔ نوح کی بیوی جس کا نام دائلہ تھا اپنی قوم سے کہنے لگی کہ نوح تو دیوانہ ہے۔ اور لوطؑ کی بیوی جس کا نام داعلہ تھا۔ رات کو آنے والے مہمان کی اطلاع اپنی قوم کو آگ جلا کر اور دن کو آنے والے مہمان کی اطلاع دھواں کر کے دیا کرتی تھی) سو وہ دونوں نیک بندے (نوح ولوط) اللہ کے (عذاب کے) مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آسکے۔ اور حکم ہو گیا (ان دونوں بیویوں کے لئے) کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ (یعنی قوم نوحؑ ولوطؑ کے اور کافروں کے ساتھ) اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے فرعون کی بیوی کا حال بیان کرتا ہے (جو موسیٰ پر ایمان لائیں تھیں جن کا نام آسیہ تھا۔ فرعون نے اس کو چومیخا کر کے سزا دی اور ان کی چھاتی پر ایک بڑا پتھر رکھوا دیا۔ اور ان کو دھوپ میں ڈال دیا۔ چنانچہ جب وہاں سے سنتری ہٹتے تو فرشتے سایہ کر کے کھڑے ہو جاتے) جب کہ اس بی بی نے (سزا کی حالت میں) دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار میرے لئے جنت میں، اپنے قرب میں مکان بنایئے (چنانچہ جنت ان پر منکشف ہو گئی جسے دیکھ انہیں سزا ہلکی معلوم ہونے لگی) اور مجھ کو فرعون سے اور اس کی کاروائی (سزا) سے محفوظ رکھئے اور مجھ کو تمام ظالموں سے محفوظ رکھئے (جو فرعون کے طریقہ پر ہیں۔ چنانچہ اللہ نے ان کی روح قبض کر لی۔ اور ابن کیسانؒ کہتے ہیں کہ وہ زندہ اٹھالی گئیں۔ وہ کھاتی پیتی ہیں) اور مریم کا حال بیان کرتا ہے (اس کا عطف امراۃ فرعون پر ہے) جو عمران کی بیٹی تھی جنہوں نے اپنی ناموس کو محفوظ (برقرار) رکھا۔ سو ہم نے ان کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی (یعنی جبریل نے ان کے گریبان میں پھونک ماری اللہ کے حکم سے جبریلی پھونک کا اثر رحم میں پہنچا جس سے عیسیٰ رحم میں ٹھہر گئے) اور مریمؑ نے اپنے پروردگار کے پیغامات (احکامات شرع) کی اور اس کی کتب (منزلہ) کی تصدیق کی اور وہ اطاعت کرنے والوں (فرمانبردار لوگوں) میں سے تھیں۔



قوله: تَوْبَةً نَّصُوْحًا: خالص توبہ یہ صفت کی نسبت مجازی ہے۔

قوله: يَوْمَ لَا: یہ يُدْخِلَكُمْ سے ظرف ہے۔

قوله: نُورُهُمْ: پل صراط پر۔

قوله: يُطْفِئُ نُوْرُهُمْ: یعنی پل صراط پر۔

قوله: بِالْإِنْتِهَارِ: ڈانٹ ڈپٹ۔

قوله: وَالْمَقْتِ: غصہ وغضب۔

قوله: لَيْلًا بِإِيْقَادِ النَّارِ: اس سزا کی مثال دی ہے کہ ان کو ان کے کفر کی سزا ملے گی تعلق کا فائدہ نہ ہوگا نہ ان کی مدد ہوگی۔

قوله: بِالتَّدْخِيْنِ: دھواں (خرابی) پیدا کرنا۔

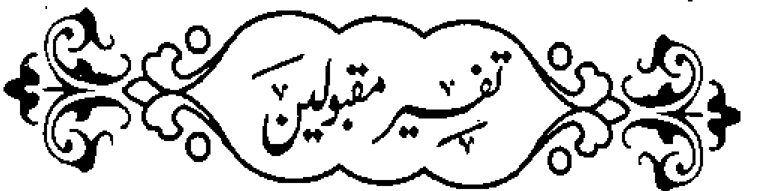
قوله: وَضَرَبَ اللهُ: اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت اور کفار کے تعلق کو تشبیہ دے کر سمجھایا کہ کافروں سے تعلق ان کو نقصان نہ دے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مرتبہ اعلیٰ ہے۔

قوله: اوتداه: میخیں لگادیں۔

قوله: اٰسِيَةُ: کا معنی چکی ہے۔

قوله: عِنْدَكَ: یعنی تیری رحمت کے قریب۔

قوله: مِنْ رُّوْحِنَا: روح الامین کے توسط سے اس کو پیدا کیا۔



پھر ارشاد ہے کہ اے ایمان والو تم سچی اور خالص توبہ کرو جس سے تمہارے اگلے گناہ معاف ہو جائیں میل کچیل دھل جائے، برائیوں کی عادت ختم ہو جائے، حضرت نعمان بن بشیر نے اپنے ایک خطبے میں بیان فرمایا کہ لوگو میں نے حضرت عمر بن خطاب سے سنا ہے کہ خلاص توبہ یہ ہے کہ انسان گناہ کی معافی چاہے اور پھر اس گناہ کو نہ کرے اور روایت میں ہے پھر اس کے کرنے کا ارادہ بھی نہ کرے، حضرت عبداللہ سے بھی اسی کے قریب مروی ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی آیا ہے جو ضعیف ہے اور ٹھیک یہی ہے کہ وہ بھی موقوف ہی ہے واللہ اعلم، علماء سلف فرماتے ہیں توبہ خالص یہ ہے کہ گناہ کو اس وقت چھوڑ دے جو ہو چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے نہ کرنے کا پختہ عزم ہو، اور اگر گناہ میں کسی انسان کا حق ہے تو چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ حق با قاعدہ ادا کر دے، حضور ﷺ فرماتے ہیں نادم ہونا بھی توبہ کرنا ہے، حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں ہمیں کہا گیا تھا کہ اس امت کے آخری لوگ قیامت کے قریب کیا کیا کام کریں گے؟ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان پاین بیوی یا لونڈی سے اس کے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مطلق حرام کر دیا ہے اور جس فعل پر اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی ہوتی ہے، اسی طرح مرد مرد سے بدفعلی کریں گے جو حرام اور باعث ناراضی اللہ و رسول اللہ ہے، ان لوگوں کی نماز بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں جب تک کہ یہ توبہ نصوح نہ کریں، حضرت ابوذر نے حضرت ابی سے پوچھا توبہ

نصوح کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضور ﷺ سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا قصور سے گناہ ہو گیا پھر اس پر نادم ہونا اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا، حضرت حسن فرماتے ہیں توبہ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی ویسا ہی بغض دل میں بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے اس سے استغفار ہو، جب کوئی شخص توبہ کرنے پر پختگی کر لیتا ہے اور اپنی توبہ پر جما رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی تمام برائیاں اسلام فنا کر دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کی تمام خطائیں توبہ سوخت کر دیتی ہے، اب رہی یہ بات کہ توبہ نصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر مرتے دم تک یہ گناہ نہ کرے۔ جیسے کہ احادیث و آثار ابھی بیان ہوئے جن میں ہے کہ پھر کبھی نہ کرے، یا صرف اس کا عزم راسخ کافی ہے کہ اسے اب کبھی نہ کروں گا گو پھر بہ مقتضائے بشریت بھولے چوکے ہو جائے، جیسے کہ ابھی حدیث گزری کہ توبہ اپنے سے پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتی ہے، تو تنہا توبہ کے ساتھ ہی گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا پھر مرتے دم تک اس کام کا نہ ہونا گناہ کی معافی کی شرط کے طور پر ہے؟ پس پہلی بات کی دلیل تو یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص اسلام میں نیکیاں کرے وہ اپنی جاہلیت کی برائیوں پر پکڑا نہ جائے گا اور جو اسلام لا کر بھی برائیوں میں مبتلا رہے وہ اسلام اور جاہلیت کی دونوں برائیوں میں پکڑا جائے گا، پس اسلام جو کہ گناہوں کو دور کرنے میں توبہ سے بڑھ کر ہے جب اس کے بعد بھی اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے پہلی برائیوں میں بھی پکڑ ہوئی تو توبہ کے بعد بطور اولیٰ ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم۔

لفظ عسی گو تمنا امید اور امکان کے معنی دیتا ہے لیکن کلام اللہ میں اس کے معنی تحقیق کے ہوتے ہیں پس فرمان ہے کہ خالص توبہ کرنے والے قطعاً اپنے گناہوں کو معاف کروالیں گے اور سرسبز و شاداب جنتوں میں آئیں گے۔ پھر ارشاد ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو ہرگز شرمندہ نہ کرے گا، انہیں اللہ کی طرف سے نور عطا ہو گا جو ان کے آگے آگے اور دائیں طرف ہو گا۔ اور سب اندھیروں میں ہوں گے اور یہ روشنی میں ہوں گے، جیسے کہ پہلے سورۃ حدید کی تفسیر میں گزر چکا، جب یہ دیکھیں گے کہ منافقوں کو جو روشنی ملی تھیں عین ضرورت کے وقت وہ ان سے چھین لی گئی اور وہ اندھیروں میں بھٹکتے رہ گئے تو دعا کریں گے کہ اے اللہ ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو ہماری روشنی تو آخر وقت تک ہمارے ساتھ ہی رہے ہمارا نور ایمان بجھنے نہ پائے۔ بنو کنانہ کے ایک صحابی فرماتے ہیں فتح مکہ والے دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے میں نے نماز پڑھی تو میں نے آپ کی اس دعا کو سنا (ترجمہ) میرے اللہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنا، ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے سجدے کی اجازت مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کی اجازت بھی مجھی کو مرحمت ہو گی میں اپنے سامنے اور دائیں بائیں نظریں ڈال کر اپنی امت کو پہچان لوں گا ایک صحابی نے کہا حضور ﷺ انہیں کیسے پہچانیں گے؟ وہاں تو بہت سی امتیں مخلوط ہوں گی آپ نے فرمایا میری امت کے لوگوں کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ ان کے اعضاء وضو منور ہوں گے چمک رہے ہوں گے کسی اور امت میں یہ بات نہ ہو گی دوسری پہچان یہ ہے کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے، تیسری نشانی یہ ہو گی کہ سجدے کے نشان ان کی پیشانیوں پر ہوں گے جن سے میں پہچان لوں گا چوتھی علامت یہ ہے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہو گا۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ ....

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم:

چوتھی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ اے نبی آپ کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں کافروں سے جہاد بالسیف کا اور منافقوں پر حجت قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے انہیں یہ بتانا کہ آخرت میں تمہاری بدحالی ہوگی اور تمہارے ساتھ نور نہ ہوگا اور مومنین کے ساتھ پل صراط پر نہ گزر سکو گے یہ سب ان کے ساتھ جہاد کرنے اور سختی کا معاملہ کرنے کو شامل ہے پھر حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ سختی کا معاملہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر حدود قائم کیجئے کیونکہ وہ ایسے کام کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے ان پر حد جاری کی جاتی تھی۔ صاحب روح المعانی نے بھی حضرت حسنؒ سے یہ بات نقل کی ہے۔ ان حضرات نے جو کچھ فرمایا وہ بھی ٹھیک ہے، احقر کے خیال میں وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کا مصداق یہ بھی ہے کہ منافقوں کی حرکتیں ایک عرصہ تک برداشت کرنے کے بعد انہیں ذلت کے ساتھ نام لے لے کر پکڑ پکڑ کر مسجد نبوی سے نکال دیا گیا تھا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ ....

حضرت نوح ولوط (علیہما السلام) کی بیویاں کافر تھیں اور فرعون کی بیوی اور سیدہ مریم مومنات میں سے تھیں

ان آیات میں دو ایسی عورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو نبیوں کے نکاح میں ہوتے ہوئے کافرہ تھیں اور کفر پر جمی رہیں اور دو ایمان والی عورتوں کا تذکرہ فرمایا۔ جن کافر عورتوں کا تذکرہ ان میں سے ایک حضرت نوح علیہ السلام کی اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے (یہ شرائع سابقہ کی بات ہے ان کی شریعتوں میں کافر عورت سے نکاح جائز تھا ہماری شریعت میں صرف مسلمہ اور کتابی عورت سے نکاح جائز ہے کافر غیر کتابیہ سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے)۔

حضرت نوح علیہ السلام کا جیسے ایک بیٹا کافر تھا سمجھانے بجھانے اور طوفان کا عذاب نظروں سے دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لایا اسی طرح سے آپ کی بیوی نے بھی ایمان قبول نہ کیا۔ اللہ کے ایک نبی کے ساتھ رہتی رہی لیکن مومن ہونا گوارہ نہ کیا۔ معالم التنزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ عورت یوں کہا کرتی تھی کہ یہ شخص دیوانہ ہے۔

دوسری کافر عورت جس کا ذکر فرمایا حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی قرآن مجید میں کئی جگہ یہ بتایا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ غیر فطری عمل کرتے تھے اور مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بارہا انہیں سمجھایا لیکن وہ لوگ نہ مانے۔ معالم التنزیل میں یہ لکھا ہے کہ ان کی بیوی قوم کے لوگوں کی مدد کرتی تھی اور جب کوئی مہمان حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آتا تو لوگوں کو گھر میں آگ جلا کر بتا دیتی تھی کہ اس وقت تمہارا مقصد پورا ہو سکتا ہے (آگ جلانے کو اس نے مہمانوں کی آمد کا نشان بنا رکھا تھا قوم کے لوگ دھواں یا روشنی دیکھ کر سمجھ جاتے تھے کہ مہمان آئے ہیں اور پھر ان سے خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے) روح المعانی میں بھی فَخَانَتٰهُمَا کی تفسیر کرتے ہوئے ان دونوں باتوں کو لکھا ہے یعنی یہ کہ

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی آپ کو دیوانہ بتاتی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی مہمانوں کی خبر دے دیتی تھی۔

(ثم قال رواہ جمع وصححہ الحاکم عن ابن عباس)

ان دونوں میں سے ہر عورت، اللہ کے نبی کی بیوی تھی لیکن دونوں کفر پر قائم رہیں اور اسی پر موت آئی، لہٰذا اس کی سزا میں ان کو دوسرے دوزخیوں کے ساتھ دوزخ میں جانا پڑا، ان کے شوہروں کا نبی ہونا ان کے کچھ کام نہ آیا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ شانہ نے ہر ایسے شخص کی امید کو قطع کر دیا جو خود گناہگار ہو (کفر کی معصیت ہو یا فسق کی) اور امید یہ رکھتا ہو کہ جن نیک بندوں سے میرا تعلق ہے ان کی نیکی اور خوبی میرے تعلق کی وجہ سے مجھے نفع دے گی، خود گناہگار ہوتے ہوئے اپنے متعلقین کا نیک ہونا کام نہیں آ سکتا، اپنی نجات کی خود فکر کریں، جو لوگ نسبتوں پر بھروسہ کر کے ایمان سے اور اعمال صالحہ سے دور رہتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ کسی کی بیوی یا بیٹا یا پوتا یا نواسہ ہونے سے ہماری نجات ہو جائے گی یہ ان کی غلطی ہے۔ قطع اللہ بھذہ الآیۃ طمع کل من یرکب المعصیۃ ان ینفعہ صلاح غیرہ۔ (صفحہ ۲۳٦۸: ج ٤)

جن دو مومن عورتوں کا تذکرہ فرمایا ان میں ایک فرعون کی بیوی تھی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھی۔ جو لوگ ایمان لے آئے تھے فرعون انہیں بڑی تکلیفیں پہنچاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اہل ایمان کو زمین پر لٹا کر ہاتھوں میں کیلیں گاڑ دیتا تھا اور اس وجہ سے اس سے سورہ ص اور سورۂ والفجر میں ذوالاوتاد (کیلوں والا) بتایا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ فرعون نے اپنی بیوی کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیلیں گاڑ دی تھیں جب کیلیں گاڑنے والے جدا ہو گئے تو فرشتوں نے اس پر سایہ کر دیا اس وقت اس نے یہ دعا کی: رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (اے میرے رب میرے لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنا دیجئے) یعنی مقرب بندوں کے مقامات عالیہ میں جگہ نصیب فرمائیے۔ دعا کی تو ان کا جنت والا گھر اسی وقت منکشف ہو گیا۔

جنت میں بلند مرتبوں کی درخواست کرنے کے بعد یوں دعا کی کہ: وَ نَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهِ (کہ یارب مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے نجات دیدے) اور ساتھ ہی یوں بھی دعا کی وَ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ۝ (کہ مجھے ظالم قوم سے نجات دے دیجئے) ان ظالموں سے فرعون کے کارندے انصار و اعوان مراد ہیں جو فرعون کے حکم سے اہل ایمان کو تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے۔ (روح المعانی صفحہ ١٦٣، ١٦٤: ج ٢٨) معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب فرعون نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جائے۔ جب پتھر لے کر آئے تو انہوں نے مذکورہ بالا دعا کی، انہوں نے اپنا گھر جنت میں دیکھ لیا جو موتیوں کا گھر تھا اور اسی وقت روح پرواز کر گئی جب لوگوں نے پتھر رکھا تو بلا روح کا جسم تھا انہیں اس پتھر سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور حضرت حسن اور ابن کیسانؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ نے فرعون کی بیوی کو جنت میں اوپر اٹھا لیا وہ وہاں کھاتی پیتی ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عورتوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے ان میں حضرت خدیجہؓ، حضرت مریم علیہا السلام، سیدہ فاطمہ، سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت آسیہؓ کی فضیلت کا ذکر ملتا ہے (روح المعانی)۔ آسیہ فرعون کی بیوی کا نام تھا۔

صحیح بخاری صفحہ ۵۳۲: ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مردوں میں بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں سے کامل نہیں ہیں مگر مریمؑ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) اور آسیہؓ (فرعون کی بیوی) اور عائشہؓ کی فضیلت لوگوں پر ایسی ہے جیسی فضیلت ہے ثرید کی باقی کھانوں پر۔

اہل ایمان کو سیدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کا حال بھی بتایا ان کا تذکرہ سورۃ آل عمران رکوع ۴، ۵ میں اور سورۃ مریم رکوع ۲ اور سورۃ الانبیاء رکوع ۶ میں پہلے گزر چکا ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ تھیں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لیے بنی اسرائیل نے حضرت مریم پر تہمت دھری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت اور پاکبازی بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا: وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (اور اللہ نے اہل ایمان کے لیے مریم بنت عمران کی مثال بیان فرمائی جس نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا)۔

فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (سو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی)۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا جنہوں نے سیدہ مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک دیا اسی سے حمل قرار پا گیا اور کچھ وقت گزرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ جس کی تفصیل سورۃ مریم میں گزر چکی ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی بیان فرمانے کے بعد ان کی دو صفات بیان فرمائیں۔ ارشاد فرمایا: وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ (اور اس نے اپنے رب کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی) یہ مضمون تمام ایمانیات کو شامل ہے۔ نیز فرمایا: وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۠ (اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگی رہتی تھی، عربی قواعد کے اعتبار سے بظاہر وکانت من القانتات ہونا چاہیے (جو صیغہ تانیث ہے) وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۠ جو فرمایا اس کے بارے میں بعض مفسرین نے یوں کہا ہے کہ یہاں لفظ القوم محذوف ہے یعنی وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۠

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ ایسے کنبہ اور قبیلہ سے تھیں جو اہل اصلاح تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور بعض علماء نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ صیغہ تذکیر تغلیب کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت کرنے میں ان مردوں کے شمار میں آ گئیں جو عبادت و طاعت میں ہی لگے رہتے تھے چونکہ عموماً عبادات میں مرد ہی پیش پیش ہوتے ہیں اس لیے حضرت مریم (علیہا السلام) کو عبادت میں مشغول رہنے والے مردوں میں شمار فرما دیا۔ حدیث شریف میں جو: کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران وآسیة امراۃ فرعون فرمایا ہے اس سے اس طرف اشارہ ملتا ہے۔



سورۂ ملک مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی تیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

تَبٰرَكَ تنزہ عن صفاتِ المُحْدَثِيْنَ الَّذِيْ بِيَدِهِ فِي تَصَرُّفِهِ الْمُلْكُ السُّلْطَانُ وَالْقُدْرَةُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ فِي الدُّنْيَا وَالْحَيٰوةَ فِي الْاٰخِرَةِ اَوْهُمَا فِي الدُّنْيَا فَالنُّطْفَةُ تَعْرِضُ لَهَا الْحَيٰوةُ وَهِيَ مَا بِهِ الْاِحْسَاسُ وَالْمَوْتُ ضِدُّهَا اَوْ عَدَمُهَا قَوْلَانِ وَالْخَلْقُ عَلَى الثَّانِيْ بِمَعْنَى التَّقْدِيْرِ لِيَبْلُوَكُمْ لِيَخْتَبِرَكُمْ فِي الْحَيٰوةِ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ اَطْوَعُ لِلّٰهِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ فِي انْتِقَامِهِ مِمَّنْ عَصَاهُ الْغَفُوْرُ ۙ لِمَنْ تَابَ اِلَيْهِ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنْ غَيْرِ مُمَاسَّةٍ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ لَهُنَّ وَلَا لِغَيْرِهِنَّ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ تَبَايُنٍ وَعَدَمِ تَنَاسُبٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ اَعِدْهُ اِلَى السَّمَاءِ هَلْ تَرٰى فِيْهَا مِنْ فُطُوْرٍ ۝ صُدُوْعٍ وَشُقُوْقٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ يَنْقَلِبْ يَرْجِعْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا ذَلِيْلًا لِعَدَمِ اِدْرَاكِ خَلَلٍ وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ مُنْقَطِعٌ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا عَنْ رُؤْيَةِ خَلَلٍ الْقُرْبٰى اِلَى الْاَرْضِ بِمَصَابِيْحَ بِنُجُوْمٍ وَّجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا مَرَاجِمَ لِّلشَّيٰطِيْنِ اِذَا اسْتَرَقُوا السَّمْعَ بِاَنْ يَنْفَصِلَ شِهَابٌ عَنِ الْكَوْكَبِ كَالْقَبَسِ يُؤْخَذُ مِنَ النَّارِ فَيَقْتُلُ الْجِنِّيَّ اَوْ يُخَبِّلُهُ لَا اَنَّ الْكَوْكَبَ يَزُوْلُ عَنْ مَكَانِهِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝ النَّارِ الْمُوْقَدَةِ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ هِيَ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا صَوْتًا مُنْكَرًا كَصَوْتِ الْحِمَارِ وَّهِيَ تَفُوْرُ ۙ تَغْلِيْ تَكَادُ تَمَيَّزُ وَقُرِئَ تَتَمَيَّزُ عَلَى الْاَصْلِ تَنْقَطِعُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ غَضَبًا عَلَى الْكُفَّارِ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ

سَوَال تَوْبِيْخٍ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۞ رَسُوْلٌ يُنْذِرُكُمْ عَذَابَ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ
فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ مَا اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۞ يَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ مِنْ
كَلَامِ الْمَلَائِكَةِ لِلْكُفَّارِ حِيْنَ اَخْبَرُوْا بِالتَّكْذِيْبِ وَاَنْ يَكُوْنَ مِنْ كَلَامِ الْكُفَّارِ لِلنُّذُرِ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا
نَسْمَعُ اَيْ سِمَاعَ تَفَهُّمٍ اَوْ نَعْقِلُ اَيْ عَقْلَ تَفَكُّرٍ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۞ فَاعْتَرَفُوْا حَيْثُ
لَا يَنْفَعُ الْاِعْتِرَافُ بِذَنْۢبِهِمْ ۚ وَهُوَ تَكْذِيْبُ النُّذُرِ فَسُحْقًا بِسُكُوْنِ الْحَاءِ وَضَمِّهَا لِّاَصْحٰبِ
السَّعِيْرِ ۞ فَبُعْدًا لَهُمْ عَنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ يَخَافُوْنَهُ بِالْغَيْبِ فِيْ غَيْبَتِهِمْ
عَنْ اَعْيُنِ النَّاسِ فَيُطِيْعُوْنَهُ سِرًّا فَيَكُوْنُ عَلَانِيَةً اَوْلٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۞ اَيِ الْجَنَّةُ وَ
اَسِرُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ تَعَالٰى عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ بِمَا فِيْهَا فَكَيْفَ
بِمَا نَطَقْتُمْ بِهٖ وَسَبَبُ نُزُوْلِ ذٰلِكَ اَنَّ الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ لَا يَسْمَعُكُمْ اِلٰهُ
ع ۲ مُحَمَّدٍ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ مَا تُسِرُّوْنَ اَيْ اَيَنْتَفِيْ عِلْمُهُ بِذٰلِكَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ فِيْ عِلْمِهِ الْخَبِيْرُ ۞
فِيْهِ لَا

ترجمہ: وہ ذات بابرکت ہے (مخلوق کی صفات سے پاک) جس کے قبضہ (تصرف) میں تمام ملک (سلطنت و قدرت) ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت کو (دنیا میں) اور حیات کو پیدا کیا ہے (آخرت میں۔ یا موت وحیات دونوں دنیا میں پیدا کیں۔ چنانچہ نطفہ میں جان آتی ہے۔ جس کے ذریعہ احساس ہوتا ہے اور موت، حیات کی ضد کا نام ہے یا اس کے عدم کا؟ اس میں دونوں قول ہیں۔ دوسری صورت میں خلق کے معنی تقدیر کے ہوں گے) تاکہ (دنیا میں) تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا (اللہ کا فرمانبردار) ہے، اور وہ (نافرمانوں سے انتقام لینے میں) زبردست (توبہ کرنے والوں کو) بخشنے والا ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے (جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں ہیں) تو اللہ کی صنعت میں (آسمانوں اور دوسری چیزوں کی بناوٹ میں) کوئی خلل (فرق اور بے تکاپن) نہیں دیکھے گا۔ سو تو پھر نگاہ ڈال کر (دوبارہ آسمانوں کو) دیکھ لے۔ کہیں تجھ کو (اس میں) کوئی خلل (پھٹن، شگاف) نظر آتا ہے؟ پھر بار بار (یکے بعد دیگرے) نگاہ ڈال کر دیکھ، نگاہ ذلیل ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی (کوئی خلل دکھائی نہ پڑنے کی وجہ سے) درماندہ بن کر (خلل نظر نہ آنے کی وجہ سے تھک کر) اور ہم نے (زمین سے) قریب کے آسمانوں کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے (جس وقت وہ چوری چھپے سننے کی کوشش کرنے

ہیں تو ستارہ سے انگارہ کی طرح کا ایک ٹکڑا ابھرتا ہے۔ اور وہ اس جن کو بھسم کر ڈالتا ہے یا اسے بدحواس بنا ڈالتا ہے۔ یہ نہیں کہ ستارہ ٹوٹتا ہو) اور ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے (جو دہکتی آگ ہے) اور جو لوگ اپنے پروردگار کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ جب (یہ) لوگ اس میں ڈالیں جائیں گے تو اس کی ایک بڑی زور کی آواز سنیں گے (جو گدھے کی آواز کی طرح کی دھاڑ ہوگی) اور وہ جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ پھٹ پڑے گی (ایک قرأت میں تتمیز اصلی حالت میں ہے۔ یعنی ٹکڑے ہو جائے گی) مارے غصہ کے (کفار پر) جب اس میں (ان کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے (ڈانٹتے ہوئے) پوچھیں گے۔ کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا (جو تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا) وہ کافر کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ مگر ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا۔ تم بڑی غلطی میں پڑے ہو (ممکن ہے یہ اخیر جملہ فرشتوں نے کفار سے کہا ہو۔ جب کہ کافروں نے ان کو اپنے جھٹلانے کی خبر دی تھی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار ہی کے کلام کا حصہ ہو جو انہوں نے پیغمبروں سے کیا) اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے (غور سے) یا سمجھتے (فکر و تأمل کرتے) تو ہم اہل دوزخ نہ ہوتے۔ غرض اقرار کریں گے (مگر جب کہ اقرار سے کچھ فائدہ نہ ہوگا) اپنے جرم (پیغمبروں کو جھٹلانے) کا، سو لعنت ہو (سکون حا اور ضمہ حا کے ساتھ ہے) دوزخیوں پر (خدا کی مار ہو) بلاشبہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بے دیکھے (لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر بس مخفی طور پر اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں تو علانیہ اطاعت تو بدرجہ اولیٰ کرتے ہوں گے) ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم (جنت) ہے اور (لوگو) تم چھپا کر بات کرو، یا پکار کر کہو۔ وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے (سو تمہاری بات چیت سے وہ کیسے آگاہ نہیں ہوگا۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ کفار نے ایک دوسرے سے یہ کہا تھا کہ آہستہ آہستہ باتیں کرو کہیں محمد کا خدا نہ سن لے) کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے (تمہاری پوشیدہ باتیں یعنی کیا اس کو اپنی پیدا کی ہوئی چیز کی خبر نہیں ہے) اور وہ باریک بیں ہے (بلحاظ علم کے) باخبر ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَالْخَلْقُ عَلَى الثَّانِيْ: یعنی جب موت عدم حیات کا نام ہو۔

قوله: مَا تَرٰى: یہ جناب رسول اللہ ﷺ یا ہر مخاطب کو خطاب ہے۔

قوله: فُطُوْرٍ: خلل کے معنی میں ہے۔

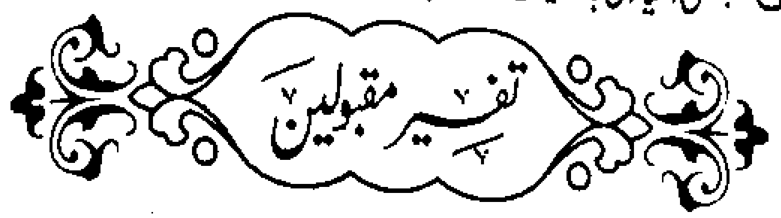
قوله: حَسِيْرٌ: بار بار لوٹانے سے تھکی ہوئی۔

قوله: مَرَاجِمَ: رجوم یہ رجم کی جمع ہے۔ وہ مصدر ہے جس چیز سے رجم اس کا نام اسے بنا دیا۔

قوله: سِمَاعَ تَفَهُّمٍ: اسے بلا تفتیش و بحث کے قبول کر لیا جائے اور معجزات پر اعتماد کر لیا جائے۔

قوله: فِيْ غَيْبَةٍ: اس سے اشارہ ہے بالغیب۔ یہ یخشون کے فاعل سے حال ہے۔

قوله: قَوْلَكُمْ: معنی یہ ہے کہ تمہارا اسرار و جہر اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہے۔
قوله: وَهُوَ اللَّطِيْفُ: یعنی اشیاء کی باریکیوں کا دانا ہے۔ الخبیر۔ اشیاء کے حقائق سے واقف ہے۔



احادیث سے اس سورت کے متعدد نام ثابت ہیں سورۃ تبارک، مانعہ، دافعہ، واقعیہ، اور منجیہ، تبارک تو اس وجہ سے کہ اسکی ابتدا اسی لفظ سے ہوئی، مانعہ، دافعہ اور منجیہ اس وجہ سے کہ یہ عذاب آخرت کو دفع کرنے والی ہے اور اس سے نجات کا ذریعہ ہے دنیا میں گمراہی سے اور آخرت میں عذاب آخرت سے بچانے والی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا قرآن کریم میں یہ تیس آیات ہیں، کہ انہوں نے اپنے تلاوت کرنے والے کی شفاعت کی اور اس وجہ سے وہ بخشا گیا فرمایا وہ تیس آیات (آیت) ''تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد و نسائی)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے لاعلمی میں کسی قبر پر خیمہ لگالیا اس نے سنا کہ کسی شخص نے سورۃ تبارک الذی کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ ختم سورت تک اس نے پڑھ ڈالا انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ واقعہ بتایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت مانعہ ہے منجیہ ہے اپنے پڑھنے والوں کو عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے۔ (جامع ترمذی)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سوتے نہ تھے یہاں تک کہ الم تنزیل سجدہ اور سورۃ تبارک الذی اول سے لے کر آخرت تک پڑھ کر ختم نہ فرمالیتے۔ (لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ سورۃ الم تنزیل اور سورۃ تبارک الملک قرآن کریم کی ہر سورت سے ستر درجہ بڑھ کر ہیں، عکرمہؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سورت میری امت کے ہر شخص کے سینے میں محفوظ ہو (اور قال ھذا حدیث غریب) اور عکرمہؒ نے یہ بھی بیان کیا کہ عبداللہ بن عباسؓ نے ایک شخص سے کہا کہ میں تجھے ایک حدیث کا ایسا تحفہ نہ دیدوں جس سے تو خوش ہو جائے اس نے کہا بے شک آپ نے فرمایا: ''تبارک الذی بیدہ الملک'' پڑھا کر اور اپنے گھر والوں اور سب بچوں کا سکھا اور اپنے پڑوسیوں کو بھی اس لئے کہ یہ سورت منجیہ (نجات دلانے والی) ہے یہ سورت تو قیامت کے روز خدا کے یہاں اپنے پڑھنے والے کیلئے جھگڑے گی اور اس کو عذاب نار سے نجات دلائے گی۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۱)

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کے بعد سورۃ حاقہ اور معارج نازل ہوئیں اگرچہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا مدنی ہونا منقول ہے لیکن ان کے سوا کسی سے یہ منقول نہیں ہے نیز طرز کلام اور انداز مضامین سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مکی ہے اسی وجہ سے قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ سورت رحمانیات میں سے ہے کیونکہ لفظ رحمان نہایت ہی عظمت کے ساتھ اول و آخر

سورت میں استعمال کیا گیا دیگر وہ سورتیں جن میں لفظ رب استعمال کیا انکو ربانیات کہا گیا۔
مضامین قرآن کریم از اول تا آخر حق تعالیٰ شانہ کی خالقیت وقدرت اور توحید اثبات حشر ونشر اور مسئلہ رسالت پر مشتمل ہیں بالخصوص مکی سورتوں میں اصلاح عقائد کے اصول بڑی تفصیل سے بیان کیے گئے جب کہ مدنی سورتوں میں معاملات اور اصلاح معاشرت سے متعلق مسائل کو زیادہ وضاحت سے ذکر فرمایا گیا تو اس سورت میں بھی پہلے حق تعالیٰ شانہ کی عظمت وخالقیت کو بیان فرمایا گیا اور یہ کہ اسی کے قبضہ قدرت میں تمام کائنات کا نظام ہے وہی موت وحیات کا مالک ہے پھر تخلیق سماوات اور اس کو ستاروں سے مزین کرنے کا بیان ہے اسی کے ساتھ اثبات رسالت کے بھی مضامین ہیں پھر ان مجرمین کی سرکوبی کا ذکر ہے جو اللہ کی اطاعت وفرماں برداری سے سرتابی کرتے ہیں، عظمت وقدرت خداوندی کے دلائل بیان کرتے ہوئے اختتام سورت پر رسول خدا ﷺ کی دعوت کو ٹھکرانے والے مجرمین کو عذاب خداوندی کی وعید سنائی گئی اور یہ کہ خدا کے عذاب کو کوئی ٹالنے والا نہیں اختتام سورت پر وعید کا انداز اس قدر ہیبت ناک ہے کہ اس پر غور کرنے والے کا دل لرز جائے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ

موت وحیات کی حقیقت:

احوال انسانی میں سے یہاں صرف دو چیزیں موت وحیات بیان کی گئیں کیونکہ یہی دونوں انسان کے تمام عمر کے احوال وافعال پر حاوی ہیں۔ حیات کے لئے پیدا کرنے کا لفظ تو اپنی جگہ ظاہر ہے کہ حیات ایک وجودی چیز ہے تخلیق وتکوین کا اس سے متعلق ہونا ظاہر ہے لیکن موت جو بظاہر ایک عدم کا نام ہے اس کے ساتھ تخلیق کا تعلق کس طرح ہوا، اس کے جواب میں ائمہ تفسیر سے متعدد اقوال منقول ہیں۔ سب سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ موت عدم محض کا نام نہیں بلکہ روح اور بدن کا تعلق منقطع کر کے روح کو ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کرنے کا نام ہے اور یہ ایک وجودی چیز ہے۔ غرض جس طرح حیات ایک حال ہے جو جسم انسانی پر طاری ہوتا ہے اسی طرح موت بھی ایک ایسا ہی حال ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس اور بعض دوسرے ائمہ تفسیر سے جو یہ منقول ہے کہ موت وحیات دو مجسم مخلوق ہیں، موت ایک مینڈھے کی شکل میں اور حیات ایک گھوڑی کی شکل میں ہے۔ اس سے مراد بظاہر اس صحیح حدیث کا بیان ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ جب قیامت میں اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور پل صراط کے پاس اس کو ذبح کر کے اعلان کر دیا جائے گا کہ اب جو جس حالت میں ہے وہ دائمی اور ابدی ہے اب کسی کو موت نہیں آئے گی، مگر اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا میں موت کوئی جسم ہو بلکہ جس طرح دنیا کے بہت سے احوال واعمال قیامت میں مجسم اور متشکل ہو جائیں گے جو بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اسی طرح موت جو انسان کو پیش آنے والی ایک حالت ہے وہ بھی قیامت میں مجسم ہو کر مینڈھے کی شکل میں ذبح کر دی جائے گی۔ (قرطبی)

اور تفسیر مظہری میں فرمایا کہ موت اگرچہ عدمی چیز ہے مگر عدم محض نہیں، بلکہ ایسی چیز کا عدم ہے جس کو وجود میں کسی وقت آنا ہے اور یا سے تمام معدومات کی شکلیں عالم مثال میں قبل از وجود ناسوتی موجود ہوتی ہیں جن کو اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے ان

اشکال کی وجہ سے ان کو قبل الوجود بھی ایک قسم کا وجود حاصل ہے اور عالم مثال کے موجود ہونے پر بہت سی روایات حدیث سے استدلال فرمایا ہے واللہ اعلم

موت وحیات کے درجات مختلفہ: مخلوقات وممکنات کو مختلف اقسام میں تقسیم

تفسیر مظہری میں ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنی قدرت اور حکمت بالغہ سے مخلوقات وممکنات کو مختلف اقسام میں تقسیم فرما کر ہر ایک کو حیات کی ایک قسم عطا فرمائی ہے۔ سب سے زیادہ کامل ومکمل حیات انسان کو عطا فرمائی جس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت ایک خاص حد تک حاصل کر سکے اور یہ معرفت ہی بناء تکلیف احکام شرعیہ اور وہ بار امانت ہے جس کے اٹھانے سے آسمان وزمین اور پہاڑ سب ڈر گئے اور انسان نے اپنی اس خداداد صلاحیت کے سبب اٹھالیا اس حیات کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی (آیت) او من کان میتا فاحیینہ میں ذکر فرمایا ہے کہ کافر کو مردہ اور مومن کو زندہ قرار دیا گیا کیونکہ کافر نے اپنی اس معرفت کو ضائع کر دیا جو انسان کی مخصوص حیات تھی، اور بعض اصناف واقسام مخلوقات میں یہ درجہ حیات کا تو نہیں مگر حس وحرکت موجود ہے اس کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی (آیت) کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم میں آیا ہے کہ اس جگہ حیات سے مراد حس وحرکت اور موت سے مراد اس کا ختم ہو جانا ہے اور بعض اقسام ممکنات میں یہ حس وحرکت بھی نہیں صرف نمو (بڑھنے کی صلاحیت) ہے جیسے عام درختوں اور نباتات میں اس کے بالمقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کی (آیت) یحیی الارض بعد موتھا میں آیا ہے۔ حیات کی یہ تین قسمیں انسان، حیوان، نبات میں منحصر ہیں ان کے علاوہ اور کسی چیز میں یہ اقسام حیات نہیں ہیں اسی لئے حق تعالیٰ پتھروں سے بنے ہوئے بتوں کے متعلق فرمایا اموات غیر احیاء لیکن اس کے باوجود جمادات میں بھی ایک خاص حیات موجود ہے جو وجود کیساتھ لازم ہے۔ اسی حیات کا اثر ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے: وان من شیء الا یسبح بحمدہ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو اور آیت میں موت کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ بھی اس بیان سے واضح ہوگئی کہ اصل کے اعتبار سے موت ہی مقدم ہے۔ ہر چیز جو وجود میں آئی ہے پہلے موت کے عالم میں تھی بعد میں اس کو حیات عطا ہوئی ہے اس لئے موت کا ذکر مقدم کیا گیا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آگے جو موت وحیات کی تخلیق کی وجہ انسان کی آزمائش وابتلاء کو قرار دیا ہے لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا یہ آزمائش بہ نسبت حیات کے موت میں زیادہ ہے۔ کیونکہ جس شخص کو اپنی موت کا استحضار ہوگا وہ اچھے اعمال کی پابندی زیادہ سے زیادہ کرے گا اور اگر چہ یہ آزمائش حیات میں بھی ہے کہ زندگی کے قدم قدم پر اس کو اپنا عجز اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا استحضار ہوتا رہتا ہے جو حسن عمل کی طرف داعی ہے لیکن موت کی فکر اصلاح عمل اور حسن عمل میں سب سے زیادہ مؤثر ہے۔

حضرت عمار بن یاسر کی حدیث مرفوع میں ہے کفی بالموت واعظا وکفی بالیقین غنی، یعنی موت وعظ کے لئے کافی ہے اور یقین غنی کے لئے (رواہ الطبرانی) مراد یہ ہے کہ اپنے دوستوں عزیزوں کی موت کا مشاہدہ سب سے بڑا واعظ ہے جو اس سے متاثر نہیں ہوتا اس کا دوسری چیزوں سے متاثر ہونا مشکل ہے اور جس کو اللہ نے ایمان یقین کی دولت عطا فرمائی اس کے برابر کوئی

غنی وبے نیاز نہیں اور ربیع بن انس نے فرمایا کہ موت انسان کو دنیا سے بیزار کرنے اور آخرت کی طرف رغبت دینے کے لئے کافی ہے۔

احسن عملا یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ انسان کی اس آزمائش میں جو اس کی موت وحیات سے وابستہ ہے حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم میں سے کس کا عمل اچھا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کس کا عمل زیادہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی عمل کی مقدار کا زیادہ ہونا قابل توجہ نہیں بلکہ عمل کا اچھا اور صحیح ومقبول ہونا معتبر ہے اسی لئے قیامت میں انسان کے اعمال کو گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا جائے گا جس میں بعض ایک ہی عمل کا وزن ہزاروں اعمال سے بڑھ جائے گا۔

حسن عمل کیا ہے؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ احسن عملا تک پہنچے تو فرمایا کہ (احسن عملا) وہ شخص ہے جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہو اور اللہ کی اطاعت میں ہر وقت مستعد و تیار ہو۔ (قرطبی)

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

جہنم کا داروغہ سوال کرے گا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے، وہ جہنمی ہے اس کا انجام اور جگہ بد سے بد ہے۔ یہ بلند اور مکروہ گدھے کی سی آوازیں مارنے والی اور جوش مارنے والی جہنم ہے جو ان پر جل رہی ہے اور جوش اور غضب سے اس طرح کچ کچارہی ہے کہ گویا ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی، اور دوزخیوں کو زیادہ ذلیل کرنے اور آخری حجت قائم کرنے اور اقبالی مجرم بنانے کے لئے داروغہ جہنم ان سے پوچھتے ہیں کہ بدنصیبو! کیا اللہ کے رسولوں نے تمہیں اس سے ڈرایا نہ تھا؟ تو یہ ہائے وائے کرتے ہوئے اپنی جانوں کو کوستے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ آئے تو تھے لیکن وائے بدنصیبی کہ ہم نے انہیں جھوٹا جانا اور اللہ کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں کو بے راہ بتایا، اب عدل اللہ صاف ثابت ہو چکا ہے اور فرمان باری پورا اترتا ہے جو اس نے فرمایا: (وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (الاسراء ۱۵)) ترجمہ ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے اور جگہ ارشاد ہے: وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (الزمر:۷۱) جب جہنمی جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے اور جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور داروغہ جہنم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے تو کہیں گے ہاں آئے تو تھے اور ڈرا بھی دیا تھا لیکن کافروں پر کلمہ عذاب حق ہو گیا، اب اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہمارے کان ہوتے اگر ہم میں عقل ہوتی تو دھوکے میں نہ پڑے رہتے، اپنے خالق مالک کے ساتھ کفر نہ کرتے، نہ رسولوں کو جھٹلاتے، نہ ان کی تابعداری سے منہ موڑتے اللہ تعالیٰ فرمائے گا

اب تو انہوں نے خود اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا ان کے لئے لعنت ہو دوری ہو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگ جب تک دنیا میں اپنے آپ میں غور کریں گے اور اپنی برائیوں کو آپ دیکھ لیں گے ہلاک نہ ہوں گے۔ (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں دوزخ میں جانے کے ہی قابل ہوں۔ (مسند احمد)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾

نافرمانی سے خائف ہی مستحق ثواب ہیں:

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوشخبری دے رہا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں، گو تنہائی میں ہوں جہاں کسی کی نگاہیں ان پر نہ پڑ سکیں تاہم خوف اللہ سے کسی نافرمانی کے کام کو نہیں کرتے نہ اطاعت وعبادت سے جی چراتے ہیں، ان کے گناہ بھی وہ معاف فرما دیتا ہے اور زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمائے گا، جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جن سات شخصوں کو جناب باری اپنے عرش کا سایہ اس دن دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں ایک وہ ہے جسے کوئی مال وجمال والی عورت زنا کاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اسے بھی جو اس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ لگے مسند بزار میں ہے کہ صحابہ نے ایک مرتبہ کہا یارسول اللہ ﷺ ہمارے دلوں کی جو کیفیت آپ کے سامنے ہوتی ہے آپ کے بعد وہ نہیں رہتی آپ نے فرمایا یہ بتاؤ رب کے ساتھ تمہارا کیا خیال رہتا ہے؟ جواب دیا کہ ظاہر باطن اللہ ہی کو ہم رب مانتے ہیں، فرمایا جاؤ پھر یہ نفاق نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ تمہاری چھپی کھلی باتوں کا مجھے علم ہے دلوں کے خطروں سے بھی آگاہ ہوں، یہ ناممکن ہے کہ جو خالق ہو وہ عالم نہ ہو، مخلوق سے خالق بے خبر ہو، وہ تو بڑا باریک بین اور بیحد خبر رکھنے والا ہے۔

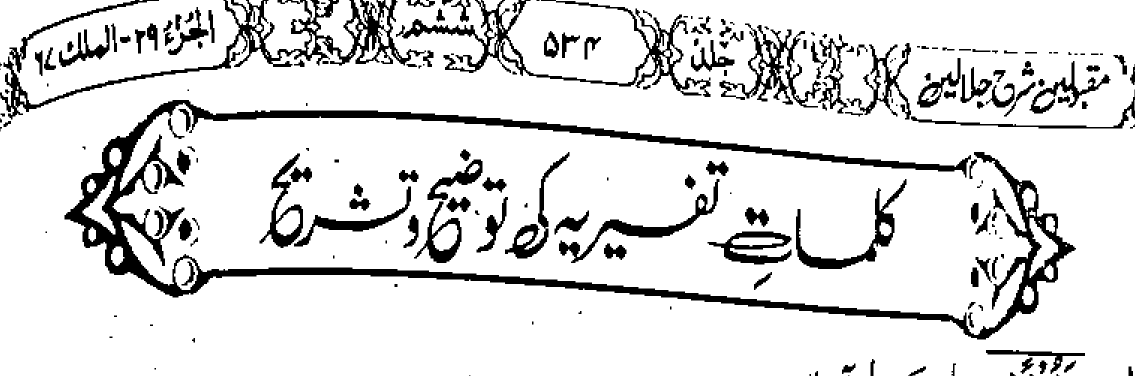
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا سَهْلَةً لِلْمَشْيِ فِيْهَا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا جَوَانِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ الْمَخْلُوْقِ لِاَجْلِكُمْ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ مِنَ الْقُبُوْرِ لِلْجَزَاءِ ءَاَمِنْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَ تَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الْاُخْرٰى وَ تَرْكِهَا وَاِبْدَالِهَا اَلِفًا مَّنْ فِي السَّمَآءِ سُلْطَانُهٗ وَ قُدْرَتُهٗ اَنْ يَّخْسِفَ بَدَلٌ مِنْ مَنْ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ تَتَحَرَّكُ بِكُمْ وَتَرْتَفِعُ فَوْقَكُمْ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ بَدَلٌ مِنْ مَنْ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا رِيْحًا تَرْمِيْكُمْ بِالْحَصْبَاءِ فَسَتَعْلَمُوْنَ عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ اِنْذَارِيْ بِالْعَذَابِ اَيْ اَنَّهٗ حَقٌّ وَ لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْاُمَمِ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اِنْكَارِيْ عَلَيْهِمْ بِالتَّكْذِيْبِ عِنْدَ اِهْلَاكِهِمْ اَيْ

الحق أَوَلَمْ يَرَوْا ينظروا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ في الهواء صٰٓفّٰتٍ باسطات أجنحتهن وَيَقْبِضْنَ ط
أجنحتهن بعد البسط وقابضات مَا يُمْسِكُهُنَّ عن الوقوع في حال البسط والقبض إِلَّا الرَّحْمٰنُ ط
بقدرته إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿۱۹﴾ المعنى لم يستدلوا بثبوت الطير في الهواء على قدرتنا أن نفعل
بهم ما تقدم وغيره من العذاب أَمَّنْ مبتدأ هٰذَا خبره الَّذِي بدل من هذا هُوَ جُندٌ أعوان لَّكُمْ
صلة الذي يَنصُرُكُم صفة جند مِّن دُونِ الرَّحْمٰنِ ط أي غيره يدفع عنكم عذابه أي لا ناصر لكم
إِنِ ما الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿۲۰﴾ غرهم الشيطان بأن العذاب لا ينزل بهم أَمَّنْ هٰذَا الَّذِي
يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ الرحمن رِزْقَهُ ج أي المطر عنكم وجواب الشرط محذوف دل عليه ما قبله
أي فمن يرزقكم أي لا رازق لكم غيره بَل لَّجُّوا تمادوا فِي عُتُوٍّ تكبر وَنُفُورٍ ﴿۲۱﴾ تباعد عن
الحق أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا واقعا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا معتدلا عَلَىٰ صِرَاطٍ طريق
مُّسْتَقِيمٍ ﴿۲۲﴾ وخبر من الثانية محذوف دل عليه خبر الأولى أي أهدى والمثل في المؤمن والكافر
أي أيهما على هدى قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ خلقكم وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ط
القلوب قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۲۳﴾ ما مزيدة والجملة مستأنفة مخبرة بقلة شكرهم جدا على هذه النعم
قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ خلقكم فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾ للحساب وَيَقُولُونَ للمؤمنين
مَتَىٰ هٰذَا الْوَعْدُ وعد الحشر إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۵﴾ فيه قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ بمجيئه عِندَ اللَّهِ ص وَ
إِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲۶﴾ بين الإنذار فَلَمَّا رَأَوْهُ أي العذاب بعد الحشر زُلْفَةً قريبا سِيئَتْ
اسودت وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ أي قال الخزنة لهم هٰذَا أي العذاب الَّذِي كُنتُم بِهِ
بإنذاره تَدَّعُونَ ﴿۲۷﴾ إنكم لا تبعثون وهذه حكاية حال تأتي عبر عنها بطريق المضي لتحقق
وقوعها قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَن مَّعِيَ من المؤمنين بعذابه كما تقصدون أَوْ رَحِمَنَا ط
فلم يعذبنا فَمَن يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۸﴾ أي لا مجير لهم منه قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ آمَنَّا بِهِ وَ

عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ۝ أَيْ نَحْنُ أَمْ أَنْتُمْ أَمْ هُمْ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا غَائِرًا فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَآءٍ مَّعِينٍ ۝ جَارٍ تَنَالُهُ الْأَيْدِيْ وَالدِّلَاءُ كَمَائِكُمْ أَيْ لَا يَأْتِيْ بِهِ إِلَّا اللّٰهُ فَكَيْفَ تُنْكِرُوْنَ أَنْ يَّبْعَثَكُمْ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَقُوْلَ الْقَارِئُ عَقِيْبَ مُعِيْنٍ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ وَتُلِيَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ عِنْدَ بَعْضِ الْمُتَجَبِّرِيْنَ فَقَالَ تَأْتِيْ بِهِ الْفُؤُوْسُ وَالْمَعَاوِلُ فَذَهَبَ مَاءُ عَيْنِهِ وَعَمِيَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْجُرْأَةِ عَلَى اللّٰهِ وَعَلٰى آيَاتِهِ

ترجمہ: (ایسی بات نہیں ہے) وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کر دیا (چلنے کے قابل نرم بنا دیا) سو اس کے راستوں (اطراف) میں چلو پھرو اور اس کی روزی میں سے (جو اس نے تمہاری خاطر پیدا فرمائی) کھاؤ ہو اور اس اکے پاس (قبروں سے اٹھ کر جزاء کے لئے) دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے اور دونوں کے ہمزہ کے درمیان الف کے ساتھ اور بغیر الف کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر ہے) اس ذات سے جو کہ آسمان میں ہے (اس کی سلطنت وقدرت) کہ وہ تمہیں رہنا دے (منّ سے بدل ہے) زمین میں پھر وہ زمین تھر تھرانے لگے (ڈانواڈول ہو کر تمہارے اوپر آجائے) یا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو۔ جو کہ آسمان میں ہے کہ وہ تم پر چلا دے (منّ سے بدل ہے) ہوائے تند (جس میں پتھریاں اڑ کر تمہیں لگیں) سو عنقریب (عذاب آنے پر) تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔ (عذاب کے سلسلہ میں یعنی برحق تھا) اور ان سے پہلے (امتوں کے) جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا تھا۔ سو میرا عذاب کیسا ہوا؟ (تباہ کر کے جھٹلانے کا مزہ چکھا دیا۔ یعنی عذاب برحق نکلا) کیا ان لوگوں نے پرندوں کی طرف نظر نہیں کی۔ جو ان کے اوپر (ہوا میں) پر پھیلائے ہوئے (بازو کھولے ہوئے) ہیں اور سمیٹ لیتے ہیں (اپنے پر پھیلانے کے بعد، یقبضن بمعنی قابضات ہے) ان کو پروں کے پھیلانے اور سمیٹنے کے وقت) کوئی تھامے ہوئے نہیں بجز رحمان (کی قدرت) کے بے شک وہ ہر چیز دیکھ رہا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ کافر پرندوں کو ہوا میں دیکھ کر ہماری قدرت نہیں سمجھتے کہ ہماری پہلی کارروائی کر کے اور دوسرے طریقوں لسے انہیں عذاب دے سکتے ہیں) ہاں کون ہے؟ (مبتداء) وہ (خبر) جو (ہذا سے بدل ہے) تمہارا لشکر (مددگار بن کر۔ لکم الذی کا صلہ ہے) تمہاری حفاظت کرے (جند کی صفت ہے) رحمٰن کے سوا (یعنی اس کے علاوہ کون اس کے عذاب کو تم سے دور کر سکتا ہے یعنی کوئی تمہارا مددگار نہیں ہے) کافر تو نرے دھوکا میں ہیں (شیطان نے ان کو فریب دے رکھا ہے کہ ان پر عذاب نہیں آئے گا) ہاں وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچا دے؟ اگر (رحمٰن) اپنی روزی بند کر دے (یعنی بارش روک

لے۔ جواب شرط محذوف ہے۔ جس پر پہلا کلام دلالت کر رہا ہے۔ یعنی فمن یرزقکم۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی روزی رساں نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ جمے ہوئے (حد سے بڑھے ہوئے) ہیں۔ سرکشی (تکبر) اور نفرت (حق سے دوری) پر۔ سو کیا جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو۔ وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہے۔ یا وہ شخص جو سیدھا (میانہ روی کے ساتھ) ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو (دوسرے مَن کی خبر محذوف ہے جس پر چل کر مَن کی خبر دلالت کر رہی ہے۔ یعنی اھدیٰ اور یہ مثال مومن وکافر کی ہے کہ ان میں سے کون ہدایت پر ہے) آپ کہہ دیجئے کہ وہی ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے۔ تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (ما زائد ہے اور جملہ مستانفہ ہے، ان نعمتوں پر ان کا بہت کم شکرادا کرنے کی اطلاع دینے کے لئے ہے) آپ کہیئے کہ وہی ہے جس نے تمہیں روئے زمین پر پھیلایا اور تم اس کے پاس (حساب کے لئے) اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہوگا۔ اگر تم سچے ہو (اس میں) آپ کہیئے کہ اس کے (آنے کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ پھر جب اس عذاب کو (حشر کے بعد) آتا ہوا (نزدیک) دیکھیں گے تو کافروں کے منہ بگڑ (کالے ہو) جائیں گے اور کہا جائے گا (داروغہ جہنم کی زبانی) یہی (عذاب) ہے وہ جس کو تم (ڈرانے کے وقت) کہا کرتے تھے (کہ تمہارا حشر نہیں ہوگا اور یہ آئندہ کے حال کی حکایت ہے جس کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے یقینی ہونے کی وجہ سے آپ کہیئے کہ تم یہ بتلاؤ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے (مؤمنین کو عذاب کے ذریعہ جو تمہارا مقصد ہے) یا ہم پر رحم فرمادے (ہمیں عذاب نہ دے۔ تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچالے گا (کوئی نہیں بچا سکتا) آپ کہیئے کہ وہ بڑا مہربان ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اسی پر توکل کرتے ہیں۔ سو عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا (تا اور یا کے ساتھ ہے۔ عذاب آنے پر) کہ کون صریح گمراہی میں ہے (ہم یا تم یا وہ) آپ کہیئے اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی (زمین میں) نیچے کو غائب ہو جائے۔ سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (جس تک ہاتھ اور ڈول پہنچ جائیں۔ جیسا کہ عام طور پر پانی میں ہوتا ہے۔ یعنی بجز اللہ کے کوئی نہیں لاسکتا۔ پھر کیسے قیامت میں اٹھنے کا انکار کر رہے ہو۔ قاری کے لئے مستحب ہے کہ معین پر پہنچنے کے بعد جواب میں اللہ رب العالمین کہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ یہ آیت ایک متکبرؔ کے سامنے پڑھی گئی تو جواب میں کہنے لگا ہم پھاوڑوں اور کدال سے پانی نکال لائیں گے۔ چنانچہ فوراً اس کے آنکھ کا پانی خشک ہو گیا اور وہ اندھا ہو گیا۔ خدا کی پناہ، اللہ اور اس کی آیات کے مقابلہ میں ایسی جرأت۔



قولہ: ذَلُوْلًا : چلنے کے لیے آسان۔

قولہ: مِنْ رِّزْقِهٖ : یعنی اللہ تعالیٰ کے رزق سے۔

قولہ: اِنْذَارِیْ: اس سے اشارہ کیا کہ نذیر مصدر ہے، صفت نہیں۔

قولہ: نَکِیْرِ: بمعنی انکار اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ مصدر ہے صفت نہیں۔

قولہ: وَقَابِضَاتٍ: اس سے اشارہ کیا کہ یقبضن کا عطف اسم فاعل پر معنیٰ کے لحاظ سے ہے کیونکہ وہ بھی اسم فاعل کے معنیٰ میں ہے، پرندے کی ثابت شدہ حالت کو اسم اور وقتی حالت کو فعل سے تعبیر کیا۔

قولہ: مُکِبًّا : ہر گھڑی وہ چہرے بل جھکا چلتا ہے، یہ مشرک کی مثال ہے۔

قولہ: سَوِیًّا : یہ موحد کی مثال ہے۔ جو ٹھوکر سے محفوظ ہے۔

قولہ: وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ: جملہ مستانفہ ہے اور قلیلا مصدر محذوف کی صفت ہے۔ وہ تشکرون شکرا قلیلا۔

قولہ: بَیْنُ الْاِنْذَارِ: ورنہ تو انذار میں علم بلکہ ظن ہی کافی ہے۔

قولہ: زُلْفَةً : قریب۔ یعنی ذا زلفہ قرب والا۔

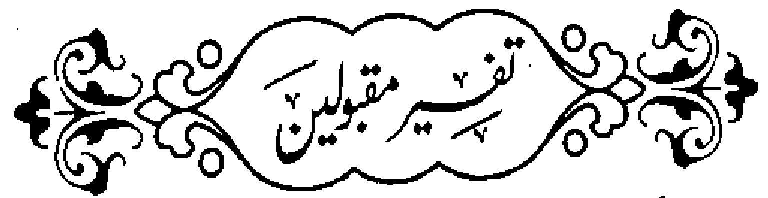
قولہ: اِنَّکُمْ لَا تُبْعَثُوْنَ: اس میں اشارہ کہا کہ بہ کی باسببیہ ہے۔ تدعون یہ الدعوی سے ہے دعا سے نہیں۔

قولہ: اَمْ هُمْ: یہ ام منقطعہ ہے۔

قولہ: غَائِرًا: یہ مصدر ہے جس کو وصف کے لیے لائے جانے والا۔

قولہ: الْمُتَجَبِّرِیْنَ: وہ ملحد جو اللہ تعالیٰ پر جرأت کرتے ہیں۔

قولہ: الْفُؤُسُ: کلہاڑا، وَالْمُعَاوِلُ: کدال۔



هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

بعد ازاں اپنی نعمت کا اظہار کرتا ہے کہ زمین کو اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا وہ سکون کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے ہل جل کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاتی، پہاڑوں کی میخیں اس میں گاڑ دی ہیں، پانی کے چشمے اس میں جاری کر دیئے ہیں، راستے اس میں مہیا کر دیئے ہیں، قسم قسم کے منافع اس میں رکھ دیئے ہیں پھل اور اناج اس میں سے نکل رہا ہے، جس جگہ تم جانا چاہو جا سکتے ہو طرح طرح کی لمبی چوڑی سود مند تجارتیں کر رہے ہو، تمہاری کوششیں وہ بارآور کرتا ہے اور تمہیں ان اسباب سے روزی

رہا ہے، معلوم ہوا کہ اسباب کے حاصل کرنے کی کوشش توکل کے خلاف نہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے اگر تم اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کرو تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور آسودہ حال واپس جاتے ہیں، پس ان کا صبح شام آنا جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا کیونکہ اسباب کا پیدا کرنے والا انہیں آسان کرنے والا وہی رب واحد ہے، اسی کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے، حضرت ابن عباس وغیرہ تو (مناکب) سے مراد راستے کونے اور ادھر ادھر کی جگہیں لیتے ہیں، قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد پہاڑ ہیں۔ حضرت بشیر بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنی لونڈی سے جس سے انہیں اولاد ہوئی تھی فرمایا کہ اگر (مناکب) کی صحیح تفسیر تم بتادو تو تم آزاد ہو اس نے کہا مراد اس سے پہاڑ ہیں آپ نے حضرت ابودرداءؓ سے پوچھا جواب ملا کہ یہ تفسیر صحیح ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾

پھر فرمایا کہ تمہارے سامنے یہ ہمارا رسول ایمان کی دعوت پیش کرتا ہے اس کی بات مانو اور فرمانبرداری کرو۔ اس کی دعوت پر کان نہ دھرنے اور قبول نہ کرنے سے آسمان سے بھی عذاب آسکتا ہے اور زمین سے بھی جس ذات پاک کا حکم آسمانوں میں نافذ ہے کیا تم اس کی طرف سے نڈر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسادے۔ یہی زمین جس کو تمہارے قابو میں دیا ہے وہ اسی زمین کو تمہارے لیے ہلاکت اور عذاب کا سبب بنا سکتا ہے وہ اس زمین میں شگاف ڈال کر تمہیں اس میں دھنسانے لگے تو زمین تھرتھرا کر الٹ پلٹ ہونے لگے گی جس سے تم اس کے اندر چلے جاؤ گے اور اس ذات پاک کو یہ بھی قدرت ہے جس کا آسمان میں حکم اور تصرف جاری ہے کہ تم پر وہ ایک سخت ہوا بھیج دے زمین کے اوپر ہوا چلتی ہے یہاں سے وہاں جاتی ہے۔ عام حالات میں معتدل رہتی ہے کبھی تیز بھی ہو جاتی ہے لیکن عام طور سے اس کی رفتار میں اتنی تیزی نہیں ہوتی کہ لوگوں کو اٹھا کر پھینک دے اس کے خالق اور مالک جل مجدہ کو پوری طرح قدرت حاصل ہے کہ وہ ہوا کو خوب زیادہ تیز چلا دے جو زمین پر بسنے والوں کو تہس نہس کر دے جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے انہیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ وہ ہوا کے ذریعہ تمہیں ختم نہ کر دے جیسا کہ بعض گزشتہ امتوں پر ہوا کا عذاب آیا تھا۔

فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ (سوعنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا تھا) اگر دنیا میں عذاب نہ آیا تو یہ نہ سمجھا جائے کہ یہاں سے صحیح سالم گزر گئے گرفت نہیں، موت کے بعد جو کفر پر عذاب ہوگا وہ بہت سخت ہوگا۔ اس وقت سمجھ میں آئے گا کہ رسولوں کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے دین بھیجا تھا وہ حق تھا، ہم جو اس کے منکر ہوئے خود اپنا ہی برا کیا اور عذاب شدید میں گرفتار ہوئے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾

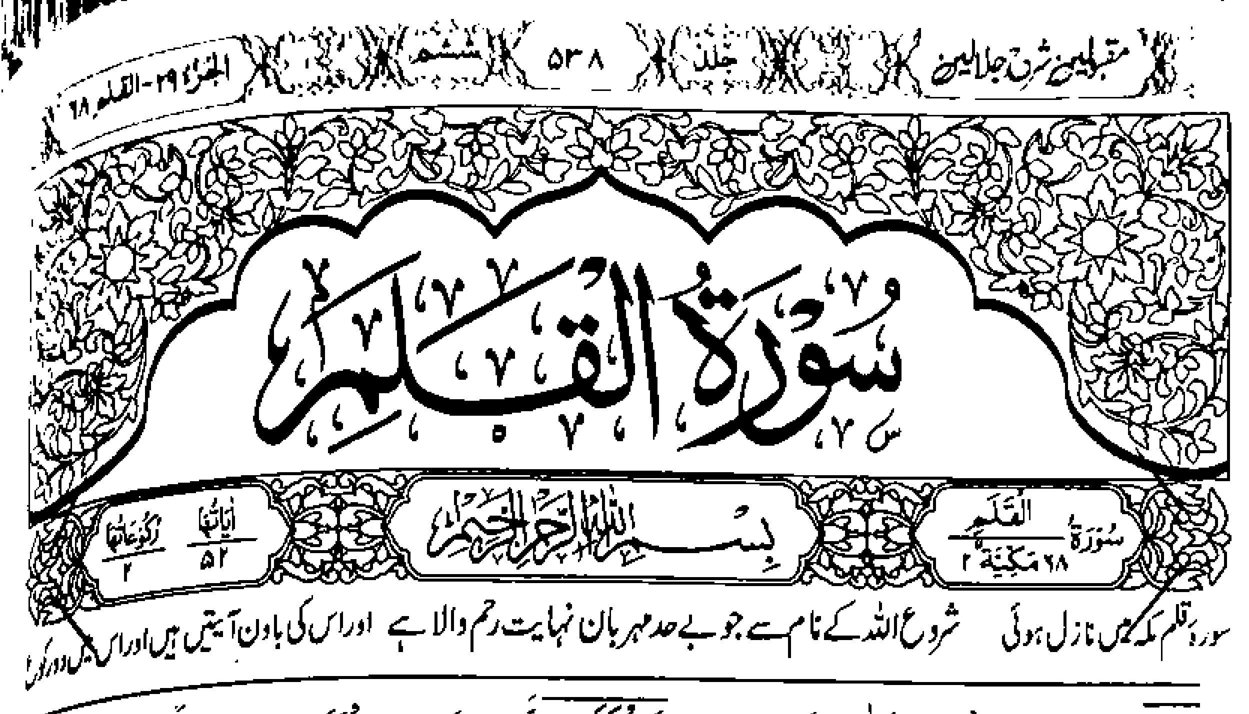
اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس عقیدے کی تردید کر رہا ہے جو وہ خیال رکھتے تھے کہ جن بزرگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ ان کی امداد کر سکتے ہیں اور انہیں روزیاں پہنچا سکتے ہیں فرماتا ہے کہ سوائے اللہ کے نہ تو کوئی مدد دے سکتا ہے نہ روزی پہنچا سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے، کافروں کا یہ عقیدہ محض ایک دھوکہ ہے۔ اگر اب اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری روزیاں روک لے تو پھر کوئی بھی

انہیں جاری نہیں کرسکتا، دینے لینے پر، پیدا کرنے اور فنا کرنے پر، رزق دینے اور مدد کرنے پر صرف اللہ عزوجل وحدہ لا شریک لہ کو ہی قدرت ہے۔ یہ لوگ خود اسے دل سے جانتے ہیں، تاہم اعمال میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار اپنی گمراہی کج روی گناہ اور سرکشی میں بہے چلے جاتے ہیں ان کی طبیعتوں میں ضد تکبر اور حق سے انکار بلکہ حق کی عداوت بیٹھ چکی ہے، یہاں تک کہ بھلی باتوں کا سننا بھی انہیں گوارا نہیں عمل کرنا تو کہاں؟ پھر مومن و کافر کی مثال بیان فرماتا ہے کہ کافر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کمر کبڑی کر کے سر جھکائے نظریں نیچی کئے چلا جا رہا ہے نہ راہ دیکھتا ہے نہ اسے معلوم ہے کہ کہاں جا رہا ہے بلکہ حیران، پریشان، راہ بھولا اور ہکا بکا ہے۔ اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیدھی راہ پر سیدھا کھڑا ہوا چل رہا ہے راستہ خود صاف اور بالکل سیدھا ہے یہ شخص خود اسے بخوبی جانتا ہے اور برابر صحیح طور پر اچھی چال سے چل رہا ہے، یہی حال ان کا قیامت کے دن ہوگا کہ کافر تو اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اور مسلمان عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے جیسے اور جگہ ہے: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ (الصافات: ۲۲) ترجمہ ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے ان معبودوں کو جو اللہ کے سوا تھے جمع کر کے جہنم کا راستہ دکھا دو، مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضور ﷺ لوگ منہ کے بل چلا کر کس طرح حشر کئے جائیں گے، آپ نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے، بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ جب کہ تم کچھ نہ تھے پیدا کیا تمہیں کان آنکھ اور دل دیئے یعنی عقل وادراک تم میں پیدا کیا لیکن تم بہت ہی کم شکر گذاری کرتے ہو یعنی اپنی ان قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی حکم برداری میں اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے میں بہت ہی کم خرچ کرتے ہو۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا، تمہاری زبانیں جدا، تمہارے رنگ روپ جدا، تمہاری شکلوں صورتوں میں اختلاف۔ اور تم زمین کے چپہ چپہ پر بسا دیئے گئے، پھر اس پراگندگی اور بکھرنے کے بعد وہ وقت بھی آئے گا کہ تم سب اس کے سامنے کھڑے کر دیئے جاؤ گے اس نے جس طرح تمہیں ادھر ادھر پھیلا دیا ہے، اسی طرح ایک طرف سمیٹ لے گا اور جس طرح اولاً اس نے تمہیں پیدا کیا دوبارہ تمہیں لوٹائے گا۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ کافر جو مرکر دوبارہ جینے کے قائل نہیں وہ اس دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں اس کا بیان سن کر اعتراض کرتے ہیں کہ اچھا پھر وہ وقت کب آئے گا جس کی ہمیں خبر دے رہے ہو اگر سچے ہو تو بتا دو کہ اس پراگندگی کے بعد اجتماع کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان کو جواب دو کہ اس کا علم مجھے نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی اسے تو صرف وہی علام الغیوب جانتا ہے ہاں اتنا مجھے کہا گیا ہے کہ وہ وقت آئے گا ضرور، میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں اور اس دن کی ہولناکیوں سے مطلع کر دوں، میرا فرض تمہیں پہنچا دینا تھا جسے بحمد للہ میں ادا کر چکا، پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ جب قیامت قائم ہونے لگی اور کفار اسے اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ اب وہ قریب آ گئی کیونکہ ہر آنے والی چیز آ کر ہی رہتی ہے، گو دیر سویر سے آئے، جب اسے آیا ہوا پالیں گے، جسے اب تک جھٹلاتے رہے تو انہیں بہت برا لگے گا کیونکہ اپنی غفلت کا نتیجہ سامنے دیکھ لیں گے اور قیامت کی ہولناکیاں بدحواس کئے ہوئے ہوں گی، آثار سب سامنے ہوں گے اس وقت ان سے بطور ڈانٹ کے اور بطور تذلیل کرنے کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَن مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَن يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٨﴾

قُلْ أَرَءَيْتُمْ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی! ان مشرکوں سے کہو جو اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں کہ تم اس بات کی تمنا کر رہے ہو کہ ہمیں نقصان پہنچے تو فرض کرو کہ ہمیں اللہ کی طرف سے نقصان پہنچا یا اس نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر رحم کیا لیکن اس سے تمہیں کیا؟ صرف اس امر سے تمہارا چھٹکارا تو نہیں ہو سکتا؟ تمہاری نجات کی صورت یہ تو نہیں، نجات تو موقوف ہے توبہ کرنے، اللہ کی طرف جھکنے پر، اس کے دین کو مان لینے پر، ہمارے بچاؤ یا ہلاکت پر تمہاری نجات نہیں، تم ہمارا خیال چھوڑ کر اپنی بخشش کی صورت تلاش کرو۔ پھر فرمایا ہم رب العالمین رحمٰن ورحیم پر ایمان لا چکے اپنے تمام امور میں ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے، جیسے ارشاد فرمایا: فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (ھود:۱۲۳) اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر، اب تم عنقریب جان لو گے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح وبہبود کسے ملتی ہے اور نقصان وخسران میں کون پڑتا ہے؟ رب کی رحمت کس پر ہے؟ اور ہدایت پر کون ہے؟ اللہ کا غضب کس پر ہے اور بری راہ پر کون ہے؟

نیز زندگی اور ہلاکت کے سب اسباب اسی اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لو، جس سے ہر چیز کی زندگی ہے، اگر فرض کرو، چشموں اور کنوؤں کا پانی خشک ہو کر زمین کے اندر اتر جائے جیسا کہ اکثر موسم گرما میں پیش آجاتا ہے تو اس کی قدرت ہے کہ موتی کی طرح صاف شفاف پانی اس قدر کثیر مقدار میں مہیا کر دے جو تمہاری زندگی اور بقاء کے لیے کافی ہو۔ لہٰذا ایک مومن متوکل کو اسی خالق الکل مالک علی الاطلاق پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سب چشمے خشک ہو چکے، اس وقت ہدایت ومعرفت کا خشک نہ ہونے والا چشمہ محمد ﷺ کی صورت میں جاری کر دینا بھی اسی رحمان مطلق کا کام ہو سکتا ہے۔ جس نے اپنے فضل وانعام سے تمام جانداروں کی ظاہری وباطنی زندگی کے سامان پیدا کیے ہیں اگر فرض محال یہ چشمہ خشک ہو جائے، جیسا کہ اشقیاء کی تمنا ہے، تو کون ہے جو مخلوق کے لیے ایسا پاک وصاف ستھرا پانی مہیا کر سکے۔ تم سورۃ الملک وللہ الحمد والمنۃ۔



سورۂ قلم مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی باون آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع

نٓ اَحَدُ حُرُوْفِ الْهِجَاءِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ وَالْقَلَمِ الَّذِیْ کَتَبَ بِهِ الْکَائِنَاتِ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝١ اَیِ الْمَلَائِکَةُ مِنَ الْخَیْرِ وَالصَّلَاحِ مَآ اَنْتَ یَا مُحَمَّدُ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢ اَیْ اِنْتَفَی الْجُنُوْنُ عَنْکَ بِسَبَبِ اِنْعَامِ رَبِّکَ عَلَیْکَ بِالنُّبُوَّةِ وَغَیْرِهَا وَهٰذَا رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝٣ مَقْطُوْعٍ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ دِیْنٍ عَظِیْمٍ ۝٤ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ ۝٥ بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝٦ مَصْدَرٌ کَالْمَعْقُوْلِ اَیِ الْفُتُوْنُ بِمَعْنَی الْجُنُوْنِ اَیْ اَبِکَ اَمْ بِهِمْ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝٧ لَهٗ وَاَعْلَمُ بِمَعْنٰی عَالِمٌ فَلَا تُطِعِ الْمُکَذِّبِیْنَ ۝٨ وَدُّوْا تَمَنَّوْا لَوْ مَصْدَرِیَّةٌ تُدْهِنُ تَلِیْنُ لَهُمْ فَیُدْهِنُوْنَ ۝٩ یَلِیْنُوْنَ لَکَ وَهُوَ مَعْطُوْفٌ عَلٰی تُدْهِنُ وَاِنْ جُعِلَ جَوَابَ التَّمَنِّیْ الْمَفْهُوْمِ مِنْ وَدُّوْا قُدِّرَ قَبْلَهٗ بَعْدَ الْفَاءِ هُمْ وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ کَثِیْرِ الْحَلْفِ بِالْبَاطِلِ مَّهِیْنٍ ۝١٠ حَقِیْرٍ هَمَّازٍ عَیَّابٍ اَیْ مُغْتَابٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِیْمٍ ۝١١ سَاعٍ بِالْکَلَامِ بَیْنَ النَّاسِ عَلٰی وَجْهِ الْاِفْسَادِ بَیْنَهُمْ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ بَخِیْلٍ بِالْمَالِ عَنِ الْحُقُوْقِ مُعْتَدٍ ظَالِمٍ اَثِیْمٍ ۝١٢ اٰثِمٍ عُتُلٍّ غَلِیْظٍ جَافٍ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ ۝١٣ دَعِیٍّ فِیْ قُرَیْشٍ وَهُوَ الْوَلِیْدُ بْنُ الْمُغِیْرَةِ اِدَّعَاهُ اَبُوْهُ بَعْدَ ثَمَانِیْ عَشَرَةَ سَنَةً قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا لَا نَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَصَفَ اَحَدًا بِمَا وَصَفَهٗ مِنَ الْعُیُوْبِ فَاَلْحَقَ بِهٖ عَارًا لَا یُفَارِقُهٗ اَبَدًا وَتَعَلَّقَ بِزَنِیْمٍ الظَّرْفُ قَبْلَهٗ اَنْ کَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِیْنَ ۝١٤ اَیْ لِاَنْ وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِمَا دَلَّ عَلَیْهِ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا الْقُرْاٰنُ قَالَ هِیَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝١٥ اَیْ کَذَبَ بِهَا

انعامنا عليه بما ذكر وفي قراءة ءان بهمزتين مفتوحتين سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ﴿١٦﴾ سنجعل على
انفه علامة يعير بها ما عاش فخطم انفه بالسيف يوم بدر إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ امتحنا اهل مكة بالقحط
والجوع كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ البستان إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا يقطعون ثمرتها مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾
وقت الصباح كيلا يشعر لهم المساكين فلا يعطونهم منها ما كان ابوهم يتصدق به عليهم منها وَلَا
يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ في يمينهم بمشية الله تعالى والجملة مستانفة اى وشانهم ذلك فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ
مِنْ رَبِّكَ نار احرقتها ليلا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ كالليل شديد الظلمة اى
سوداء فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَى حَرْثِكُمْ غلتكم تفسير للتنادي او ان مصدرية اى بان إِنْ
كُنْتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾ مريدين القطع وجواب الشرط دل عليه ما قبله فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾
يتسارون أَنْ لَا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ تفسير لما قبله او ان مصدرية اى بان وَغَدَوْا
عَلَى حَرْدٍ منع للفقراء قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾ عليه في ظنهم فَلَمَّا رَأَوْهَا سوداء محترقة قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴿٢٦﴾
عنها اى ليست هذه ثم قالوا لما علموها بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ ثمرتها بمنعنا الفقراء منها قَالَ
أَوْسَطُهُمْ خيرهم أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا هلا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ الله تائبين قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا
ظَالِمِينَ ﴿٢٩﴾ بمنع الفقراء حقهم فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا للتنبيه يَا وَيْلَنَا
هلاكنا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ﴿٣١﴾ عَسَى رَبُّنَا أَنْ يُبْدِلَنَا بالتشديد والتخفيف خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا
رَاغِبُونَ ﴿٣٢﴾ ليقبل توبتنا ويرد علينا خيرا من جنتنا روى انهم ابدلوا خيرا منها كَذَلِكَ اى مثل
العذاب لهؤلاء الْعَذَابُ لمن خالف امرنا من كفار مكة وغيرهم وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ
كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ عذابها ما خالفوا امرنا ونزل لما قالوا ان بعثنا نعطى افضل منكم

ع ۳۳ / ۲

ترجمہ: (نون منجملہ حروف ہجائیہ ہے جس کی قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قلم کی (جس سے کائنات کا حال لوحِ محفوظ میں لکھا) اور (فرشتوں کے لوحِ محفوظ میں خیر وفلاح) جو کچھ لکھتے ہیں آپ (اے محمدؐ) بفضل خدا مجنوں نہیں ہیں (یعنی آپ کو جنون نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ نے آپ پر نبوت وغیرہ کا انعام فرمایا ہے۔ اس میں کفار کے قول "انه لمجنون" کا رد ہے) اور

بیشک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم (موقوف) ہونے والا نہیں ہے، بلاشبہ آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ سوعنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے۔ اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون تھا؟ (مفتون، معقول کی طرح مصدر ہے، پس فتون کے معنی جنون ہوا۔ یعنی یہ عارضہ آپ کو ہے یا ان کو ہے) آپ کا پروردگار اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ پر چلنے والوں کو بھی جانتا ہے (اعلم بمعنی عالم ہے) تو آپ ان کی تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانیے۔ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ (لو مصدریہ ہے) ڈھیلے (نرم) پڑ جائیں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں (آپ سے نرمی کرنے لگیں۔ یدھنون، تدھن پر معطوف ہے اور اگر اس کو جواب تمنی مانا جائے جو تمنا و دوا سے مفہوم ہو رہی ہے تو یدھنون سے پہلے اور فا کے بعد ہم مقدر مانا جائے گا) اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو (جھوٹا) بے وقت (بے حیثیت) ہو عیب جو (نکتہ چیں یعنی غیبت میں مبتلا) چغلیاں لگاتا پھرتا ہو (لوگوں میں فساد ڈالنے کے لئے لگائی بجھائی کرتا پھرتا ہو) نیک کام سے روکنے والا (مالی حقوق میں بخیل) ہو، حد سے گزرنے والا (ظالم) ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو، سخت مزاج (تندخو بدخصلت) ہو۔ اس کے علاوہ حرام زادہ ہو (جو قریش میں یوں ہی منسوب ہو یعنی ولید بن مغیرہ، جس کے باپ نے اٹھارہ سال بعد اس کو اپنی طرف منسوب کیا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اللہ نے جس قدر اس کی برائی کی کسی اور کی بیان کی ہو۔ لہٰذا یہ عار ہمیشہ کے لئے اس کو لگ گئی۔ اور بعد ذلک ظرف ہے جس کا تعلق زنیم کے ساتھ ہے) اس وجہ سے کہ وہ مال و اولاد والا ہے (ان معنی میں لان کے ہے۔ اس کا تعلق اگلے جملے کے مدلول سے ہے) جب ہماری آیات (قرآن) پڑھ کر اس کے سامنے سنائی جاتی ہیں۔ تو وہ کہتا ہے کہ (یہ) بے سند باتیں ہیں (یعنی ان آیتوں کی تکذیب اس لئے کرتا ہے کہ ہم نے اس پر مذکورہ انعام کیا ہے اور ایک قرأت میں ان دو ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ ہے) ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے (اس کی ناک پر ہم ایسا نشان کر دیں گے جو زندگی بھر اس کے لئے عار رہے گا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں اس کی ناک کٹی) ہم نے ان (اہل مکہ) کی (قحط اور بھوک کے ذریعہ) آزمائش کر رکھی ہے۔ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی کہ اس کا پھل توڑ لیں گے (درختوں سے اتار لیں گے) صبح چل کر (بالکل سویرے، اس لئے کہ کہیں فقیروں کو پتہ نہ لگ جائے، اور ان کو دینا نہ پڑے۔ کیونکہ ان کا باپ غریبوں کو بہت صدقہ دیا کرتا تھا) اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہیں کہا (یعنی قسم کے ساتھ ان شاء اللہ بھی نہیں کہا۔ جملہ مستانفہ ہے۔ یعنی ان کی حالت یہ تھی) سو اس باغ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا (یعنی رات کو باغ میں آگ لگ گئی) اور وہ سو رہے تھے، پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کھیت کٹا ہوا (اندھیری رات کی طرح سیاہ ہو گیا تھا) سو صبح کے وقت وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو (کھلیان پر، یہ پکارنے کی تفصیل ہے۔ یا ان مصدریہ ہے یعنی اصل بان تھا) اگر تم کو پھل توڑنا ہے (توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ جواب شرط پر ماقبل دلالت کر رہا ہے) پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے (آہستہ آہستہ) باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج پہنچنے نہ پائے (ماقبل کی تفسیر ہے، یا ان مصدریہ ہے۔ یعنی اصل میں بان تھا) اور اپنے کو اس کے (فقیروں کو) نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے تھے (اپنے گمان میں) پھر جب اس باغ کو دیکھا (سیاہ جلا ہوا) تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ بھول گئے (یعنی باغ ہمارا نہیں معلوم ہوتا، پھر سوچ کر

کہنے لگے) بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی (کہ فقیروں سے روک کر ہم بھی محروم رہ گئے) ان میں جو بھلا (اچھا) آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم سے نہ کہا تھا۔ اب تسبیح (توبہ اللہ سے) کیوں نہیں کرتے، سب کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بلاشبہ ہم قصوروار ہیں (فقیروں کا حق مار کر) پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے۔ کہنے لگے ہماری کم بختی بے شک ہم حد سے نکلنے والے تھے۔ شاید ہمارا پروردگار اس سے اچھا باغ بدلہ میں ہم کو دیدے۔ (یبدلنا تشدید وتخفیف کے ساتھ ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِسَبَبِ اِنْعَامِ: اس سے اشارہ ہے کہ اَنْتَ یہ ما کا اسم ہے اور بِمَجْنُوْنٍ اس کی خبر ہے۔ بِنِعْمَةِ کی باسببیہ ہے۔

قوله: لَاَجْرًا: تبلیغ کا ثواب۔

قوله: بِمَنْ ضَلَّ: وہ حقیقت میں مجنون ہیں۔

قوله: بِالْمُهْتَدِيْنَ: کامل العقل۔

قوله: فَلَا تُطِعْ: مت ان کی حرکات پر بھڑکیں۔

قوله: تُدْهِنُ: سستی نہ کریں کہ ان کو شرک سے روکنا چھوڑ دیں۔

قوله: فَيُدْهِنُوْنَ: اس کے بدلے وہ آپ پر طعن ترک کردیں۔

قوله: وَهُوَ مَعْطُوْفٌ: فا عاطفہ ہے نہ کہ سببیہ۔

قوله: بَعْدَ الْفَاءِ: پس فَيُدْهِنُوْنَ یہ مبتداء محذوف کی خبر بن جائے گی۔ اور جملہ اسمیہ محل نصب میں تمنی کا جواب۔

قوله: اَثِيْمٍ: بڑا گناہ گار۔ غلیظ، درشت خو۔

قوله: جَافٍ: برا اخلاق۔

قوله: بَعْدَ ذٰلِكَ: ان عیوب مذکورہ کے بعد۔

قوله: دَعِيٌّ: نسب میں متہم۔ دوسرے کی طرف منسوب۔

قوله: بِمَا دَلَّ عَلَيْهِ: کہ اس نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔

قوله: فَخُطِمَ اَنْفُهُ: اس کی ناک زخمی ہوئی اور اثر باقی رہا۔

قوله: كَالصَّرِيْمِ: جس باغ کے پھل توڑ لیے جائیں۔

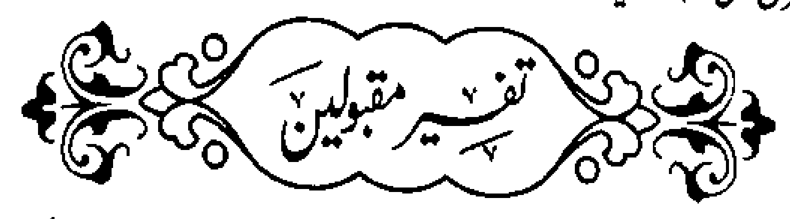
قوله: يَتَسَارُّوْنَ: آہستہ آہستہ سرگوشی کر رہے تھے۔

قوله: يَتَلَاوَمُوْنَ: ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا۔

قوله: طٰغِيْنَ: حدود سے تجاوز کرنے والے۔

قوله: رٰغِبُوْنَ: معافی کے امیدوار، طالب خیر۔

قوله: مِثْلَ: اسی طرح اہل مکہ کو آزمایا۔



اس سورت کا اصل موضوع آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کا اثبات ہے اور منکرین وکفار کے شبہات واعتراضات کا رداور جواب ہے سورت کی ابتداء آنحضرت ﷺ کی شان نبوت اور اسکی عظمت ورفعت سے کی گئی اور جو اس قسم کی باتیں کفارِ مکہ کہا کرتے تھے، ان کا انکار ہے ساتھ ہی ایسی لغو اور بے ہودہ باتیں کرنے والوں کی مذمت کا بیان ہے اور ان کی وہ بے ہودہ اور ذلیل خصلتیں ذکر کی گئیں جن میں وہ مبتلا تھے اور یہ کہ ایسے منکرین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا عذاب ہے اور کس قسم کی ذلت ورسوائی انکے مقدمہ میں لکھی ہوئی ہے پھر اس موضوع کو واضح اور ثابت کرنے کے لئے ان باغ والوں کا قصہ بیان کیا گیا جو اللہ کی نافرمانی کے باعث ان تمام نعمتوں سے محروم ہو گئے جو انکو حاصل تھیں اور قدرت خداوندی نے انکے جرم کا کیسا انتقام لیا تو یہ سب کچھ عبرت کا سامان ہے اہل مکہ اور وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں لائے اور نافرمانی وسرکشی انہوں نے اپنا شیوہ بنالیا ہے ان کو ایسے عبرتناک واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہئے ساتھ ہی قیامت کا بھی ذکر آ گیا اور یہ کہ روز قیامت نہایت ہی شدید دن ہوگا مجرمین اللہ کے سامنے جب پیش ہوں گے تو انکی ذلت وبدحالی کی کوئی حد نہ ہوگی اختتام سورت پر آنحضرت ﷺ کو کفار قریش کی اذیتوں پر صبر وتحمل کی تلقین فرمائی گئی۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾

نون وغیرہ جیسے حروف ہجا کا مفصل بیان سورۃ بقرہ کے شروع میں گذر چکا ہے اس لئے یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں، کہا گیا ہے کہ یہاں ن سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے، ابن عباس سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ ڈال پس اس دن سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس پر قلم جاری ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے بخارات بلند کئے، جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ہلنے لگی پھر زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم) مطلب یہ ہے کہ یہاں ن سے مراد یہ مچھلی ہے، طبرانی میں مرفوعا مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو اور مچھلی کو پیدا کیا قلم نے دریافت کیا میں کیا لکھوں؟ حکم ہوا ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے پھر آپ نے پہلی آیت کی تلاوت کی، پس نون سے مراد یہ مچھلی ہے اور قلم سے مراد یہ قلم ہے، ابن عساکر کی حدیث میں ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر نون یعنی دوات کو پھر قلم سے فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے عمل، رزق عمر، موت وغیرہ، پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا۔ اس آیت میں یہی مراد ہے، پھر قلم پر مہر لگا دی اب وہ قیامت تک نہ چلے گا، پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی

نعم اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کمال تک پہنچاؤں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص رکھوں گا، مجاہد فرماتے ہیں یہ مشہور تھا کہ نون سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے، بغوی وغیرہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی موٹائی آسمان و زمین کے برابر ہے اس پر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اس کی پیٹھ پر ساتوں زمینیں اور ان پر تمام مخلوق ہے، واللہ اعلم اور تعجب تو یہ ہے کہ ان بعض مفسرین نے اس حدیث کو بھی انہی معنی پر محمول کیا ہے جو مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام ؓ کو خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ آ گئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور بہت کچھ سوالات کئے کہا کہ میں وہ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا بتائیے قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی صورت میں ہوتا ہے کبھی ماں کی صورت پر؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ باتیں ابھی ابھی جبرائیل نے مجھے بتادیں، ابن سلام کہنے لگے فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے، آپ نے فرمایا سنو! قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ کا نکلنا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر سابق آ جائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو وہی کھینچ لیتی ہے، دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملے گا فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چگتا رہا تھا، پوچھا انہیں پانی کونسا ملے گا؟ فرمایا سلسبیل نامی نہر کا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد ن سے نور کی تختی ہے ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد نور کی تختی اور نور کا قلم ہے جو قیامت تک کے حال پر چل چکا ہے، ابن جریج فرماتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ یہ نورانی قلم سو سال کی طوالت رکھتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ن سے مراد دوات ہے اور قلم سے مراد قلم ہے، حسن اور قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں، ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ مروی ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ نے نون کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نون یعنی دوات کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا، پھر فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ جو قیامت تک ہونے والا ہے، اعمال خواہ نیک ہوں خواہ بد، روزی خواہ حلال ہو خواہ حرام، پھر یہ بھی کہ کونسی چیز دنیا میں کب جائے گی کس قدر رہے گی، کیسے نکلے گی، پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر محافظ رشتے مقرر کئے اور کتاب پر داروغے مقرر کئے، محافظ فرشتے ہر دن ان کے عمل خازن فرشتوں سے دریافت کر کے لکھ لیتے ہیں جب رزق ختم ہو جاتا ہے عمر پوری ہو جاتی ہے اجل آ پہنچتی ہے تو محافظ فرشتے داروغہ فرشتوں کے پاس آ کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ آج کے دن کیا سامان ہے؟ وہ کہتے ہیں بس اس شخص کے لئے ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا یہ سن کر یہ فرشتے نیچے اترتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ مر گیا اس بیان کے بعد حضرت ابن عباس نے فرمایا تم تو عرب ہو کیا تم نے قرآن میں محافظ فرشتوں کی بابت یہ نہیں پڑھا: إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (الجاثیہ:۲۹) مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو اصل سے نقل کر لیا کرتے تھے۔ یہ تو تھا لفظ ن کے متعلق بیان، اب قلم کی نسبت سنئے۔ بظاہر مراد یہاں عام قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے جیسے اور جگہ فرمان عالیشان ہے: الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (العلق:۴) یعنی اس اللہ نے قلم سے لکھنا سکھایا، پس اس کی قسم کھا کر اس بات پر آگاہی کی جاتی ہے کہ مخلوق پر میری ایک نعمت یہ بھی ہے کہ میں نے انہیں لکھنا سکھایا

جس سے علوم تک ان کے رسائی ہو سکے، اس لئے اس کے بعد فرمایا: نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (القلم:۱) یعنی اس چیز کی قسم جو لکھتے ہیں، حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر یہ بھی مروی ہے کہ اس چیز کی جو جانتے ہیں، سدی فرماتے ہیں مراد اس سے فرشتوں کا لکھنا ہے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اور مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد وہ قلم ہے جو قدرتی طور پر چلا اور تقدیریں لکھیں آسمان وزمین کی پیدائش سے چالیس ہزار سال پہلے اور اس قول کی دلیل میں یہ جماعت وہ حدیثیں وارد کرتی ہے جو قلم کے ذکر میں مروی ہیں، حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر لکھا گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی تو بحمد اللہ دیوانہ نہیں جیسے کہ تیری قوم کے جاہل منکرین حق کہتے ہیں بلکہ تیرے لئے اجر عظیم ہے اور ثواب بے پایاں ہے جو نہ ختم ہو نہ ٹوٹے نہ کٹے کیونکہ تو نے حق رسالت ادا کر دیا ہے اور ہماری راہ میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی ہیں ہم تجھے بے حساب بدلہ دیں گے،

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝

مشرکین مکہ حضور ﷺ کو (العیاذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے۔ کوئی کہتا کہ شیطان کا اثر ہے جو یک بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا، حق تعالیٰ نے اس خیال باطل کی تردید اور آپ ﷺ کی تسلی فرمادی۔ یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے فضل وانعام ہوں جن کو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے۔ مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت و دانائی کی باتیں۔ مخالف وموافق کے دل میں اس قدر قوی تاثیر اور اتنے بلند اور پاکیزہ اخلاق کیا اسے دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل نہیں؟ دنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گزرے ہیں جن کو ابتداءً قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے۔ مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ ببانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین وآسمان کا تفاوت ہے۔ آج آپ کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے کہ جس رنگ میں دنیا کے تمام جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے۔ لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء ودوام کی مہر ثبت کی، اور ان مجنون کہنے والوں کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا۔ قریب ہے کہ قلم اور اس کے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ ﷺ کے ذکر خیر اور آپ ﷺ کے بے مثال کارناموں اور علوم ومعارف کو ہمیشہ کے لیے روشن رکھیں گی۔ اور آپ ﷺ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہے گا۔ ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ ﷺ کی حکمت و دانائی کی داد دے گی اور آپ ﷺ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجماعی عقیدہ کے تسلیم کرے گی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت وبرتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا، کسی کی طاقت ہے کہ مخبوط مجنون ومفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے؟ جو ایسا خیال رکھتا ہو پرلے درجہ کا مجنون یا جاہل ہے۔

آپ غمگین نہ ہوں۔ ان کے دیوانہ کہنے سے آپ کا اجر بڑھتا ہے اور غیر محدود فیض ہدایت بنی نوع انسان کو آپ کی ذات سے پہنچنے والا ہے اس کا بے انتہاء اجر وثواب آپ ﷺ کو یقیناً ملنے والا ہے کیا دیوانوں اور پاگلوں کا مستقل ایسا پائیدار اور شاندار کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنون کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے سنی ہے؟ پھر جس کا رتبہ اللہ کے ہاں اتنا

ہو اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پرواہونی چاہیے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○

بے شک آپ بڑے اخلاق والے ہیں:

اس میں رسول اللہ ﷺ کی خلق عظیم کی تعریف بھی ہے اور آپ کے دشمنوں کی تردید بھی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اخلاق فاضلہ کاملہ سے نوازا ہے آپ کے اخلاق ان لوگوں کی تردید کر رہے ہیں جو آپ کو مجنون کہتے تھے۔ آپ کے اخلاق کریمانہ کی ایک جھلک دیکھنا چاہیں تو احادیث شریفہ میں جو آپ کے مکارم اخلاق اور معاشرت و معاملات کے واقعات لکھے ہیں ان کا مطالعہ کر لیا جائے توراۃ شریف تک میں آپ کے اخلاق فاضلہ کا ذکر پہلے ہی سے موجود تھا۔ (دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۱۸۰)

آپ صاحب خلق عظیم تھے اپنی امت کو بھی اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے تھے موطا امام مالک میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بعثت لاتمم حسن الاخلاق کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

حضرت ابوالدرداءؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن مومن کی ترازو میں جو سب سے زیادہ بھاری چیز رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے اور یہ بھی فرمایا کہ فحش گو اور بدکلام کو اللہ تعالیٰ مبغوض رکھتا ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے تم میں سے سب سے زیادہ وہ لوگ محبوب ہیں جن کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ایمان والوں میں کامل ترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ۴۳۱)

حضرت عائشہؓ سے ان کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں کس طرح رہتے تھے انہوں نے کہا کہ اپنے گھر والوں کے کام کاج میں رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے، حضرت عائشہؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ نے کبھی کسی کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو ہاں اگر فی سبیل اللہ جہاد میں کسی کو مارا ہو تو اور بات ہے اور اگر کسی سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو اس کا انتقام نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ کی حرمت والی چیزوں میں سے کسی کی بے حرمتی ہونے لگتی تو آپ اس کا انتقام لے لیتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ نہ فحش گو تھے نہ بتکلف فحش گو بنتے تھے اور نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے اور درگزر فرما دیتے تھے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی مجھ سے کوئی نقصان ہو گیا تو کبھی ملامت نہیں فرمائی، اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی کی طرف سے ملامت ہوتی تو فرماتے کہ چھوڑ دو جانے دو جو چیز مقدر میں تھی وہ پیش آنی ہی تھی۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۵۱۹ عن المصابیح)

حضرت انسؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی شخص مصافحہ کرتا تو آپ اس کی طرف سے اپنا چہرہ نہیں پھیر لیتے تھے جب تک وہ ہی اپنا چہرہ نہ پھیر لیتا اور آپ کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کسی پاس بیٹھنے والے کی طرف ٹانگیں پھیلائے

ہوئے ہوں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن حارثؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مسکرانے والا میں نے نہیں دیکھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۲۰)

حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب آپ نے (یمن جانے کے لیے) رخصت فرمایا تو جب انہوں نے رکاب میں پاؤں رکھا تو آخری وصیت یہ فرمائی کہ احسن خلقک للناس کہ لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ (رواہ مالک)

ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک مومن آدمی اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے راتوں کو نمازوں میں قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت عائشہ سے اخلاق نبوی کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتی ہیں کہ آپ کا خلق قرآن تھا، سعید فرماتے ہیں یعنی جیسے کہ قرآن میں ہے اور حدیث میں ہے کہ صدیقہ نے پوچھا کہ کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا، سائل حضرت سعید بن ہشام نے کہا ہاں پڑھا ہے آپ نے فرمایا بس تو آپ کا خلق قرآن کریم تھا، مسلم میں یہ حدیث پوری ہے جسے ہم سورۂ مزمل کی تفسیر میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ بنوسواد کے ایک شخص نے حضرت عائشہ سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے یہی فرما کر پھر: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم: ۴) پڑھی اس نے کہا کوئی ایک آدھ واقعہ تو بیان کیجئے ام المومنینؓ نے فرمایا سنو! ایک مرتبہ میں نے بھی آپ کے لئے کھانا پکایا اور حضرت حفصہ نے بھی، میں نے اپنی لونڈی سے کہا دیکھ اگر میرے کھانے سے پہلے حضرت حفصہ کے ہاں کا کھانا آجائے تو تو برتن گرا دینا چنانچہ اس نے یہی کیا اور برتن بھی ٹوٹ گیا، حضور ﷺ بکھرے ہوئے کھانے کو سمیٹنے لگے اور فرمایا اس برتن کے بدلے ثابت برتن تم دو واللہ اور کچھ ڈانٹا ڈپٹا نہیں۔ (مسند احمد) مطلب اس حدیث کا جو کئی طرق سے مختلف الفاظ میں کئی کتابوں میں ہے یہ ہے کہ ایک تو آپ کی جبلت اور پیدائش میں ہی اللہ نے پسندیدہ اخلاق بہترین خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھیں دوسرے آپ کا عمل قرآن کریم پر ایسا تھا کہ گویا احکام قرآن کا مجسم عملی نمونہ ہیں، ہر حکم کو بجالانے اور ہر نہی سے رک جانے میں آپ کی حالت یہ تھی کہ گویا قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپ کی عادتوں اور آپ کے کریمانہ اخلاق کا بیان ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے آپ کا قد نہ تو بہت لانبا تھا نہ آپ پست قامت تھے، اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ سے روایات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے نہ تو کبھی کسی خادم یا غلام کو مارا نہ بیوی بچوں کو نہ کسی اور کو، ہاں اللہ کی راہ کا جہاد الگ چیز ہے، جب کبھی دو کاموں میں آپ کو اختیار دیا جاتا تو آپ اسے پسند کرتے جو زیادہ آسان ہوتا ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں کچھ گناہ ہو تو آپ اس سے بہت دور ہو جاتے، کبھی بھی حضور ﷺ نے اپنا بدلہ کسی سے نہیں لیا ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی اللہ کی حرمتوں کو توڑتا ہو تو آپ اللہ کے احکام جاری کرنے کے لئے ضرور انتقام لیتے، مسند احمد میں ہے حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں میں بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین عادتوں کو پورا کرنے کے لئے آیا ہوں۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝

فرمایا کہ آپ تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانیے وہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ نرم پڑ جائیں تو وہ بھی آپ کے معاملہ میں نرمی اختیار کر لیں، اہل باطل کا یہ طریقہ رہا ہے کہ خود تو حق کی طرف جھکتے نہیں ان کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ داعیان حق کو دعوت دیں کہ تم اپنی دعوت چھوڑ دو اور ہمارے کفر و گمراہی میں شریک ہو جاؤ، جب اس پر قابو نہیں چلتا تو کہتے ہیں کہ اچھا آپ کچھ نرم پڑ جائیں اپنی دعوت اور دعوت کے کاموں میں نرمی اختیار کر لیں ہم بھی اپنی مخالفت میں اور سختی میں کمی کر دیں گے رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے حکم دیا کہ ان کی باتوں میں نہ آئیں جو حکم ہوا ہے اس کے مطابق دعوت دیتے رہیں اور دعوت میں کسی بھی طرح کی نرمی اور مداہنت کو منظور نہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مشرکین مکہ نے یوں کہا تھا کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں ہم بھی آپ کی مخالفت نہ کریں گے۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لیے کسی حق کام یا حق بات کا چھوڑ دینا جائز نہیں۔

ایک کافر کی دس صفات ذمیمہ:

اس کے بعد جو سات آیات ہیں ان میں کسی کا نام نہیں لیا البتہ دس صفات ذمیمہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ان صفات والے شخص کا اتباع نہ کیجئے اس سے ان صاحب کی مذمت بھی ہوگئی اور جو شخص ان صفات سے متصف ہو اس کی مذمت بھی ہوگئی مفسرین نے لکھا ہے کہ اہل مکہ میں جو لوگ اسلام اور داعی اسلام ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے ان میں ایک شخص ولید بن المغیرہ بھی تھا۔ یہ شخص بہت ہی زیادہ مخالفت پر اترا ہوا تھا۔ ان آیات میں اسی کا ذکر ہے، نام لیے بغیر ارشاد فرمایا کہ ایسے ایسے شخص کی اطاعت نہ کیجئے۔ اول تو حَلَّافٍ فرمایا یعنی بہت زیادہ قسمیں کھانے والا۔ دوسرے مَّهِيْنٍ فرمایا یعنی ذلیل تیسرے هَمَّازٍ فرمایا جو دوسروں کو عیب لگاتا ہے غیبتیں کرتا ہے۔ چوتھے مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ یعنی چغل خور ہے جو لوگوں کے درمیان فساد پھیلانے کے لیے چغلی کرتا ہے اور اس مشغلہ میں خوب آگے بڑھا ہوا ہے۔ پانچویں مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ یعنی خیر سے روکنے والا، اس میں ہدایت سے روکنا بھی آ گیا اور جہاں اللہ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہاں ہاتھ روک لینے اور کنجوسی کرنے کو بھی شامل ہو گیا۔ چھٹے مُعْتَدٍ فرمایا یعنی حد سے بڑھنے والا ظلم کرنے والا۔ ساتویں اَثِيْمٍ فرمایا یعنی گناہگار۔ آٹھویں عُتُلٍّ فرمایا یعنی سخت مزاج، نویں فرمایا: بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ یعنی یہ جو کچھ مذکور ہوا اس کے بعد یہ بھی ہے کہ وہ منقطع النسب ہے۔ یہ شخص ثابت النسب نہیں تھا یعنی اس کا باپ معلوم نہ تھا حقیقت میں قریشی نہ تھا مغیرہ نے اس کی اٹھارہ سال عمر ہونے کے بعد اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا اسی وجہ سے بعض مفسرین نے لفظ زنیم کا ترجمہ حرام زادہ کیا ہے۔ یہاں یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو بچہ ثابت النسب نہ ہو اس کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پیدا ہونے پر ملامت نہیں ہے حرام زادوں میں افعال قبیحہ اور اخلاق ذمیمہ تربیت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں لہٰذا ان میں ثابت النسب والے افراد والی شرافت عموماً نہیں پائی جاتی، اس کی دسویں صفت ذمیمہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چونکہ یہ مال والا اور بیٹوں والا ہے اس لیے یہ حرکت کرتا ہے کہ جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جھٹلانے کے

طور پر کہہ دیتا ہے کہ یہ پرانے لوگوں کی چیزیں ہیں جو نقل در نقل چلی آ رہی ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرتا اور اس کی آیات کی تصدیق کرتا لیکن اس نے مال اور اولاد پر گھمنڈ کر کے آیات قرآنیہ کی تکذیب پر کمر باندھ لی۔

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا ہے کہ جہاں تک ہمارا علم ہے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی فرد کو اتنی صفات ذمیمہ کے ساتھ موصوف نہیں فرمایا جو ولید بن المغیرہ کی صفات فرمائیں۔ آخرت میں جو کفر پر مرجانے کی سزا ہے وہ اپنی جگہ ہے دنیا میں اس کو یہ سزا دی کہ اس کی ناک پر غزوۂ بدر کے موقع پر ایک تلوار لگی جس کی وجہ سے ناک پر زخم آ گیا اور مستقل ایک نشان بن گیا اس کی ناک بھی بڑی تھی جسے خرطوم سے تعبیر فرمایا ہے خرطوم ہاتھی کی ناک کو کہتے ہیں یہ شخص زندگی بھر اپنی اس عیب دار ناک کو لیے پھرتا تھا اور سب کے سامنے اس کی بدصورتی عیاں تھی۔

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۞

ایک باغ کے مالکوں کا عبرت ناک واقعہ:

رسول اللہ ﷺ کے ہجرت فرمانے کے بعد مکہ معظمہ کے مشرکوں پر اللہ تعالیٰ نے قحط بھیج دیا تھا۔ قحط کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی، اس کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے مکہ والوں کو آزمائش میں ڈالا جیسا کہ باغ والوں کو آزمائش میں ڈالا تھا، یہ باغ کہاں تھا باغ والے کون تھے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ یہ باغ یمن میں شہر صنعاء سے دو فرسخ کے فاصلہ پر تھا اسے نمازی لوگوں نے بویا تھا جو لوگ اس کے وارث چلے آ رہے تھے وہ بڑے سخی تھے جس دن باغ کے پھل کاٹتے تھے مساکین جمع ہو جاتے تھے اسی طرح کھیتی کاٹنے کے دن اور جس دن بھوسہ اور دانہ الگ کرتے تھے مساکین آ جاتے تھے، یہ لوگ مساکین کو دل کھول کر پھل اور کھیتی اور بھوسہ سے نکالے ہوئے دانے دے دیا کرتے تھے۔ آخر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک شخص کی موت ہوگئی اس نے اپنے تین لڑکے وارث چھوڑے اب جو کھیتی کاٹنے کا موقع آیا تو ان تینوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ مال کم ہے اہل و عیال زیادہ ہیں اب اگر ہم اسی طرح سخاوت کرتے رہیں اور مسکینوں کو دیتے رہیں تو ہمارے لیے مال کم پڑ جائے گا اب تو مسکینوں سے جان چھڑانا چاہیے لہٰذا انہوں نے آپس میں یہ طے کر لیا کہ آئندہ ہم بالکل صبح صبح باغ میں پہنچ جائیں گے اور مسکینوں کے آنے سے پہلے کاٹ کر گھر والوں میں لے آئیں گے۔ مشورے سے آپس میں یہ باتیں طے کیں اور قسمیں بھی کھائیں کہ ہم ضرور ایسا کریں گے۔ لیکن انشاء اللہ کسی کے منہ سے بھی نہ نکلا، اول تو مسکینوں کو محروم کرنے کی قسم کھائی دوسرے انشاء اللہ کہنا بھول گئے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے راتوں رات اس باغ پر آفت بھیج دی، یہ لوگ سو ہی رہے تھے انہیں پتہ بھی نہ چلا کہ باغ کا کیا بنا رات کو جو آفت آئی تو وہ کھیتی ایسی ہوگئی کہ پہلے سے کاٹ دی گئی ہو اسی کو فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۞ سے تعبیر فرمایا، وہاں پہنچے تو کچھ بھی نہ پایا حضرت ابن عباس ؓ نے کَالصَّرِیْم کا ترجمہ کالرماد الاسود کیا اور فرمایا ہے کہ بنی خزیمہ کے لغت میں اس کا یہی ترجمہ ہے یعنی ان لوگوں کی کھیتی سیاہ راکھ کی طرح ہوگئی۔

صبح کو جو یہ لوگ اٹھے تو آپس میں ایک دوسرے کو بلایا کہ آ ؤ اگر تمہیں اپنی کھیتی کی پیداوار پوری لینی ہے اور مسکینوں کو کچھ نہیں دینا ہے تو صبح صبح چلے چلو اور جلدی چلو ورنہ عادت کے مطابق مساکین آ جائیں گے، چنانچہ یہ تینوں بھائی چل دیئے

چلے جارہے تھے اور آپس میں چپکے چپکے یوں کہہ رہے تھے کہ دیکھو آج ہم تک کوئی مسکین نہ پہنچنے پائے، جو کچھ مشورہ کیا ہے اس پر قابو پانے کی کوشش کرو اور اپنے مال کو اپنے قبضہ میں کرلو۔

باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ باغ تو جلا ہوا ہے کہنے لگے کہ (علیہ السلام) جی یہ ہمارا باغ نہیں ہے ہم تو راستہ بھٹک گئے ہیں چلو اپنا باغ تلاش کرو، ان میں سے بعض نے کہا کہ ارے یہ بات نہیں ہے ہمارا باغ یہی تھا ہم اس کی خیر سے محروم کردیئے گئے ہیں کیونکہ ہم نے یہ ٹھان لیا تھا کہ مساکین کو کچھ نہیں دینا ہے اس پر ہماری گرفت ہوئی ہے جس وجہ سے ہمیں کچھ بھی نہیں ملا، ان میں سے جو سب سے اچھا آدمی تھا اس نے کہا کہ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں بیان کرتے یعنی ان شاء اللہ کیوں نہیں کہتے اب جب ان لوگوں نے باغ کو برباد دیکھا تو بڑی ندامت ہوئی اور کہنے لگے کہ ہم اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں بلاشبہ ہم نے ظلم کا فیصلہ کیا تھا کہ مسکینوں کو کچھ نہ دیں گے۔

اس کے بعد آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور الزام دینے لگے کہ تو نے یہ رائے دی تھی اور تو نے یوں کہا تھا اور کہنے لگے کہ ہائے ہماری خرابی ہم نے سرکشی والا کام کیا اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتے۔ مساکین کو دیتے تو اچھا ہوتا سرکشی کرکے ہم نے اس محرومی کو خود مول لیا (اب سمجھ میں آ گیا کہ ہمیں وہی کرنا چاہیے تھا جو ہمارے باپ دادا کرتے تھے) امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس باغ سے بہتر عطا فرمائے گا جو باغ جل کر خاکستر ہوگیا ہم اپنے رب کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ان لوگوں نے اخلاص کے ساتھ توبہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک باغ عطا فرمادیا جس کے انگور کے خوشے اتنے بڑے بڑے تھے کہ ایک خوشہ ایک خچر پر لاد کر لے جاتے تھے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ اَیْ تَابِعِیْنَ لَهُمْ فِی الْعَطَاءِ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ هٰذَا الْحُكْمُ الْفَاسِدُ اَمْ بَلْ لَكُمْ كِتٰبٌ مُنَزَّلٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ تَقْرَؤُوْنَ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عُهُوْدٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ وَاثِقَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مُتَعَلِّقٌ مَعْنًى بِعَلَيْنَا وَفِیْ هٰذَا الْكَلَامِ مَعْنَى الْقَسَمِ اَیْ اَقْسَمْنَا لَكُمْ وَجَوَابُهٗ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ بِهٖ لِاَنْفُسِكُمْ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ الْحُكْمِ الَّذِیْ يَحْكُمُوْنَ بِهٖ لِاَنْفُسِهِمْ مِنْ اَنَّهُمْ يُعْطَوْنَ فِی الْاٰخِرَةِ اَفْضَلَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ كَفِيْلٌ لَهُمْ اَمْ لَهُمْ اَیْ عِنْدَهُمْ شُرَكَاۗءُ مُوَافِقُوْنَ لَهُمْ فِیْ هٰذَا الْقَوْلِ يَكْفُلُوْنَ لَهُمْ بِهٖ فَاِنْ كَانَ كَذٰلِكَ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَاۗىِٕهِمْ الْكَافِلِيْنَ لَهُمْ بِهٖ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ اُذْكُرْ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ شِدَّةِ الْاَمْرِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِلْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ يُقَالُ كَشَفَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ اِذَا اشْتَدَّ الْاَمْرُ فِيْهَا وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ اِمْتِحَانًا

لِاِیْمَانِهِمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَصِیْرُ ظُهُوْرُهُمْ طَبَقًا وَّاحِدًا خَاشِعَةً حَالٌ مِنْ ضَمِیْرِ یُدْعَوْنَ اَیْ

ذَلِیْلَةً اَبْصَارُهُمْ لَایَرْفَعُوْنَهَا تَرْهَقُهُمْ تَغْشَاهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا یُدْعَوْنَ فِی الدُّنْیَا اِلَی السُّجُوْدِ وَ

هُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَا یَاْتُوْنَ بِهٖ بِاَنْ لَا یُصَلُّوْا فَذَرْنِیْ دَعْنِیْ وَمَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ اَلْقُرْاٰنِ

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ نَاْخُذُهُمْ قَلِیْلًا قَلِیْلًا مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اُمْهِلُهُمْ اِنَّ كَیْدِیْ

مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾ شَدِیْدٌ لَایُطَاقُ اَمْ بَلْ تَسْـَٔلُهُمْ عَلٰی تَبْلِیْغِ الرِّسَالَةِ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مِمَّا

یُعْطُوْنَكَهٗ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ لِذٰلِكَ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ اَیِ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ الَّذِیْ فِیْهِ الْغَیْبُ

فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ مِنْهُ مَایَقُوْلُوْنَ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فِیْهِمْ بِمَایَشَاءُ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ

فِی الضَّجْرِ وَالْعَجَلَةِ وَهُوَ یُوْنُسُ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِذْ نَادٰی دَعَا رَبَّهٗ وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ مَمْلُوْءٌ

غَمًّا فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ اَدْرَكَهٗ نِعْمَةٌ رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ مِنْ بَطْنِ الْحُوْتِ

بِالْعَرَآءِ بِالْاَرْضِ الْفَضَاءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ لٰكِنَّهٗ رُحِمَ وَنُبِذَ غَیْرَ مَذْمُوْمٍ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ بِالنُّبُوَّةِ

فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۵۰﴾ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِضَمِّ الْیَاءِ وَفَتْحِهَا بِاَبْصَارِهِمْ

اَیْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظْرًا شَدِیْدًا یَكَادُ اَنْ یَّصْرَعَكَ وَیُسْقِطَكَ عَنْ مَكَانِكَ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ اَلْقُرْاٰنَ

وَیَقُوْلُوْنَ حَسَدًا اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ بِسَبَبِ الْقُرْاٰنِ الَّذِیْ جَاءَ بِهٖ وَمَا هُوَ اَیِ الْقُرْاٰنُ اِلَّا ذِكْرٌ

ع ۲ مَوْعِظَةٌ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ لَایَحْدُثُ بِسَبَبِهٖ جُنُوْنٌ

ترجمہ: البتہ ڈرنے والوں کو ان کے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوتے ہیں (وہ ہماری توبہ قبول کر لے اور ہمارے باغ سے بڑھیا باغ ہمیں مرحمت فرمادے۔نقل ہے کہ اس سے بڑھ کر انہیں باغ مل گیا) اسی طرح (جیسے ان کو عذاب ہوا) عذاب ہوا کرتا ہے (ہمارے حکم کے خلاف کرنے والوں کو خواہ وہ مکہ والے ہوں یا دوسرے) اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے۔کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ جان لیتے (ہمارے عذاب کو تو ہمارے حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے۔اگلی آیات مکہ والوں کے اس کہنے پر نازل ہوئیں کہ قیامت اگر نازل ہوئی تو ہمیں مسلمانوں سے بہتر حالت نصیب ہوگی) بلاشبہ پرہیز گاروں کے لئے ان کے پروردگار کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں، کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کردیں گے (یعنی عطا کرنے

میں فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے تابع کر دیں گے) تم کو کیا ہو گیا، تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو (غلط) کیا (بلکہ) تمہارے پاس کتاب ہے (اتری ہوئی) جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز ہے جو تم پسند کرتے ہو (چاہتے ہو) کیا تمہارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو تمہاری خاطر کھائی گئی ہوں اور وہ قسمیں قیامت تک باقی رہنے والی (مضبوط) ہوں (الی یوم القیامۃ بلحاظ معنی علینآ سے متعلق ہے اور اس کلام میں قسم کے معنی ہیں۔ یعنی کیا ہم نے تمہارے خاطر قسم کھا رکھی ہے اور جواب قسم یہ ہے) کہ وہ چیزیں تم کو ملیں گی جو تم فیصلہ کر چکے ہو (اپنے متعلق) ان سے پوچھئے کہ ان میں اس کا (جو فیصلہ یہ اپنے متعلق کر رہے ہو۔ کہ انہیں آخرت میں مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر ملے گا) کون ذمہ دار ہے۔ کیا (ان کے خیال میں) ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک ہیں (جو اس بات میں ان سے متفق ہوں اور اس کے ذمہ دار ہوں۔ اگر واقعی ایسا ہے) تو ان کو چاہئے کہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں (جو ان کے ذمہ دار ہوں) اگر یہ سچے ہیں (یاد کیجئے) جس دن کہ سخت آفت ہوگی (قیامت کے روز حساب کتاب کی سختی مراد ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کشفت الحرب عن ساق۔ جب کہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہو) اور (ان کے ایمان کی آزمائش کے لئے) ان کو سجدہ کی طرف بلایا جائے گا، سو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے (ان کی کمر تختہ ہو جائے گی) جھکی ہوں گی (یدعون کی ضمیر سے خاشعۃ حال ہے۔ بمعنی ذلیل) ان کی آنکھیں (اوپر کو اٹھا نہیں سکیں گے) ان پر ذلت چھائی ہوگی اور یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے (پھر بھی سجدہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ نماز نہیں پڑھتے تھے) سو مجھ کو اور جو میرے اس کلام (قرآن) کو جھٹلاتے ہیں رہنے دیجئے۔ ہم انہیں بتدریج لئے جا رہے ہیں (آہستہ آہستہ پکڑ رہے ہیں) اس طور پر کہ انہیں خبر بھی نہیں اور ان کو مہلت (ڈھیل) دے رہا ہوں۔ بلاشبہ میری تدبیر بڑی مضبوط (ناقابل شکست) ہے کیا آپ ان سے (تبلیغ احکام کے بدلہ) کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے (جو آپ کو دیں گے) دبے جاتے ہیں (اس لئے ایمان لا رہے ہیں) یا ان کے پاس غیب ہے (یعنی لوح محفوظ جس میں غیب کی باتیں ہیں) کہ یہ لکھ لیا کرتے ہیں (منجملہ ان کے ان کی یہ بات بھی ہے) سو آپ صبر سے بیٹھے رہئے اپنے رب کی تجویز پر (جو کچھ وہ چاہے) اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے (بیزاری اور جلدی کرنے میں۔ یونس علیہ السلام مراد ہیں) جب کہ اس نے (اپنے پروردگار سے) دعا کی اور وہ مارے غم کے گھٹ رہے تھے (مچھلی کے پیٹ میں سخت رنجیدہ تھے) اگر دستگیری نہ کرتی ان کے رب کی نعمت (رحمت) تو وہ ڈالے جاتے (مچھلی کے پیٹ سے) میدان (کھلی جگہ) میں بدحالی کے ساتھ (لیکن اللہ نے ان پر رحم کیا۔ اس لئے وہ بدحالی کے بغیر میدان میں ڈال دیئے گئے) پھر ان کے رب نے (نبوت کی وجہ سے) ان کو برگزیدہ کر لیا اور ان کو صالحین (انبیائؑ) میں سے کر دیا۔ اور کافر ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر (ضمہ یآ اور فتحہ یآ کے ساتھ ہے) گرا دیں گے، (یعنی گھور گھور کر ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں جیسے آپ کو پٹک دیں گے اور مرتبہ سے گرا دیں گے) جب کہ یہ قرآن سنتے ہیں اور (حسد کے مارے) کہتے ہیں کہ یہ مجنوں

ہے (اس قرآن کی وجہ سے جو آپ پیش کر رہے ہیں) حالانکہ یہ (قرآن) نصیحت ہے تمام جہانوں کے لیے (انسان وجنات کے لئے قرآن کے پاس تو جنون پھٹک بھی نہیں سکتا)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مِنْ كُفَّار: یعنی دنیا میں۔

قوله: اِنَّ لَكُمْ: یہ تَدْرُسُوْنَ کا مفعول ہے۔ لام لَمَا تَخَيَّرُوْنَ کے ساتھ آنے کی وجہ سے کسرہ دیا۔

قوله: عُهُوْدٌ: قسموں کے ساتھ پختہ معاہدات۔

قوله: وَاثِقَةٌ: تاکید میں انتہائی پختہ۔

قوله: بِعَلَيْنَا: وہ تمہارے عہد ہمارے ذمہ قیامت تک ثابت ہو گئے۔

قوله: اِمْتِحَانًا: نہ بطور مکلف ہونے کے۔

قوله: تَرْهَقُهُمْ: ان کو ذلت آئے گی۔

قوله: لَا يَعْلَمُوْنَ: وہ نہیں جانتے کہ یہ تو استدراج ہے۔ وہ انعام خیال کر رہے ہیں۔

قوله: فِيْهِمْ بِمَا يَشَاءُ: یہ اس وقت اتری جب ثقیف پر بدعاء کا ارادہ فرمایا۔

قوله: رَحْمَةٌ: توفیق توبہ۔

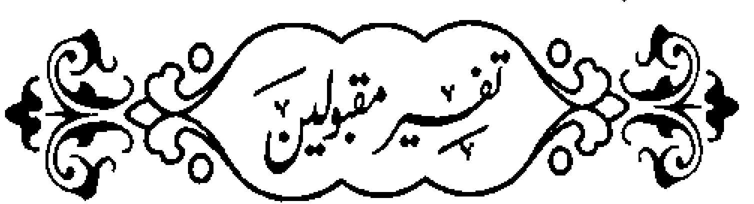
قوله: يَنْظُرُوْنَ: شدت عداوت میں۔

قوله: اَنْ يُّصْرِعَكَ: زمین پر پچھاڑنا۔

قوله: مَذْمُوْمٌ: رحمت سے دور کیا ہوا۔

قوله: بِالنُّبُوَّةِ: کہ وحی ان کی طرف لوٹا دیں۔

قوله: مَوْعِظَةٌ: کیونکہ کافر تو آپ کی نسبت جنون کی طرف کرتے ہیں۔



اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

متقیوں کے لیے نعمت والے باغ ہیں اور مسلمین ومجرمین برابر نہیں ہو سکتے:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقی بندوں کے انعامات بیان فرمائے ہیں اولاً ارشاد فرمایا کہ انہیں ان کے رب کے پاس نعمتوں والے باغ ملیں گے، اس کے بعد فرمایا کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے؟ یعنی جو لوگ مجرم ہیں انہیں

اپنے جرم کی سزا ملے گی اور فرماں بردار بندے اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کا پھل پائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی نوازش ہوگی اور نعمتیں ملیں گی، نہ تو یہ ہوگا کہ فرمانبردار نعمتوں سے محروم ہو کر مجرمین کے برابر ہو جائیں اور نہ یہ ہوگا کہ کافرین کو نعمتیں دے دی جائیں، جب اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی نعمتوں کا تذکرہ ہوتا تھا تو اہل کفر یوں کہتے تھے کہ دنیا میں ہمیں بھی نعمتیں ملیں گی بلکہ ہم نعمتوں کے زیادہ مستحق ہیں ان کی اس بات کی تردید فرما دی کہ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ پھر مزید فرمایا: مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ (تمہیں کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو) تمہارا یہ فیصلہ تو عقل کے اور دنیا داری کے اصول کے بھی خلاف ہے دنیا میں جو اہل انصاف ہیں کیا مجرم اور غیر مجرم کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرتے ہیں؟ تم نے یہ کیسے کہا کہ اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین اور سب سے بڑا انصاف والا ہے وہ مجرموں اور غیر مجرموں کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرے گا۔

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ یہ بات جو تم نے کہی ہے تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا تمہارے پاس آسمان سے کوئی کتاب نازل ہوئی ہے جسے تم آپس میں پڑھتے ہو؟ اور کیا اس کتاب میں یہ مضمون ہے کہ تم جو چاہو اپنے پاس سے اپنی خواہش کے مطابق کہہ دو گے اسی کے مطابق فیصلہ ہو جائے گا؟ پھر فرمایا کیا تمہارے لیے ہمارے اوپر قسمیں ہیں جو قیامت تک باقی رہنے والی ہیں کہ تمہیں وہ دیا جائے گا جس کا تم فیصلہ کرتے ہو؟ مطلب یہ ہے کہ تم بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا عہد ہے کہ جو تم کہہ دو گے ہم وہی کر دیں گے اور تمہارے کہنے کے مطابق فیصلہ ہوگا؟ ایسا نہیں ہے پھر بڑھ چڑھ کر یہ باتیں اپنی طرف سے کیسے تجویز کر رہے ہو؟ پھر رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا: سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ ﴿۴۰﴾ (آپ ان سے دریافت کر لیجئے کہ ایسا کون شخص ہے جو ان کی باتوں کو صحیح ثابت کرنے کا ذمہ دار ہے)۔ یعنی ان کی نامعقول باتوں کو کوئی عاقل صحیح نہیں کہہ سکتا۔

یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۴۲﴾

ساق کی تجلی اور منافقوں کی بری حالت:

ان آیات میں قیامت کے دن کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب ساق کی تجلی ہوگی اور لوگوں سے کہا جائے گا کہ سجدہ کرو تو مومنین سجدہ کر لیں گے اور منافقین اور ریاکار سجدہ نہ کر سکیں گے اور ان کی کمریں تختہ ہو جائیں گی، سجدہ کرنا چاہیں گے تو گدی کے بل گر پڑیں گے۔ صحیح بخاری صفحہ ۷۳۱ اور صفحہ ۱۱۰۷ اور صحیح مسلم صفحہ ۱۰۰ اور صفحہ ۱۰۴ پر اس کی تفسیر وارد ہوئی ہے اور ساق کی تجلی ہونا متشابہات میں سے ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے کیفیت کے سمجھنے کی فکر نہ کریں یہی اصل طریقہ ہے، صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں سجدہ کی طرف بلائے جانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ دار التکلیف نہیں ہے کیونکہ بلایا جانے سے مراد امر بالسجود نہیں ہے بلکہ اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ سب بالاضطرار سجدہ کرنا چاہیں گے، جس میں مومن اس پر قادر ہوں گے اور اہل ریا و نفاق قادر نہ ہوں گے اور کفار کا قادر نہ ہونا اس سے بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوتا ہے جس کا آگے ذکر ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل قوله عزوجل یُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ یعنی الكفار

والمنافقون تصير اصلابهم كصياصي البقر فلا يستطيعون السجود۔

کافروں اور منافقوں کی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اخلاص کے ساتھ سجدہ کریں اس وقت یہ لوگ صحیح سالم تھے۔ سجدہ پر قادر تھے لیکن سجدہ نہیں کرتے تھے اگر کرتے تھے تو اخلاص سے نہ تھا دنیا میں حکم نہ ماننے کی وجہ سے آج ان کی رسوائی اور ذلت ہوئی۔ معالم التنزیل میں صفحہ ۳۸۳: ج ٤ حضرت سعید بن جبیرؓ سے وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ كانوا يسمعون حي على الفلاح فلا يجيبون، یعنی دنیا میں وہ اذان کی آواز سنتے تھے اور کانوں میں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی آواز آتی تھی لیکن نماز کے لیے نہیں آتے تھے۔

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۴

یعنی آپ اس قیامت کی بات جھٹلانے والوں کو اور مجھے چھوڑ دیں پھر دیکھیں کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ یہاں چھوڑ دینا ایک محاورہ کے طور پر فرمایا گیا ہے مراد اس سے اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنا ہے اور حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ کفار کی طرف سے یہ مطالبہ بھی بار بار پیش ہوا کرتا تھا کہ اگر ہم واقعی اللہ کے نزدیک مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب دینے پر قادر ہے تو پھر ہمیں عذاب ابھی کیوں نہیں دے ڈالتا ان کے ایسے دل آزار مطالبوں کی وجہ سے کبھی کبھی خود رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا اور ممکن ہے کسی وقت دعا بھی کی ہو کہ ان لوگوں پر اسی وقت عذاب آجائے تو باقیماندہ لوگوں کی اصلاح کی توقع ہے اس پر یہ فرمایا گیا کہ اپنی حکمت کو ہم ہی خوب جانتے ہیں ایک حد تک ان کو مہلت دیتے ہیں فوراً عذاب نہیں بھیج دیتے اس میں ان کی آزمائش بھی ہوتی ہے اور ایمان لانے کی مہلت بھی۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝۴۸

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ اپنی قوم کی ایذاء پر اور ان کے جھٹلانے پر صبر وضبط کرو عنقریب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہونے والا ہے، انجام کار آپ کا اور آپ کے ماتحتوں کا ہی غلبہ ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیکھو تم مچھلی والے نبی کی طرح نہ ہونا اس سے مراد حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جبکہ وہ اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر نکل کھڑے ہوئے پھر جو ہوا سو ہوا یعنی آپ کا جہاز میں سوار ہونا مچھلی کا آپ کو نگل جانا اور سمندر کی تہہ میں بیٹھ جانا اور ان تہ بہ تہ اندھیروں میں اس قدر نیچے آپ کا سمندر کو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے سننا اور خود آپ کا بھی پکارنا اور آیت: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء: ۸۷) پڑھنا پھر آپ کی دعا کا قبول ہونا اس غم سے نجات پانا وغیرہ جس واقعہ کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے۔ جس کے بیان کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اسی طرح ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں اور فرماتا ہے کہ اگر وہ تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں پڑے رہتے، یہاں بھی فرمان ہے کہ جب اس نے غم اور دکھ کی حالت میں ہمیں پکارا، پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یونس علیہ السلام کی زبان سے نکلتے ہی یہ کلمہ عرش پر پہنچا، فرشتوں نے کہا یارب اس کمزور غیر معروف شخص کی آواز تو ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلے کی سنی ہوئی ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اسے پہچانا نہیں؟

فرشتوں نے عرض کیا نہیں، جناب باری نے فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے فرشتوں نے کہا پروردگار پھر تو تیرا یہ بندہ ہے جس کے اعمال صالحہ روز آسمانوں پر چڑھتے رہے جس کی دعائیں ہر وقت قبولیت کا درجہ پاتی رہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سچ ہے، فرشتوں نے کہا پھر اے ارحم الراحمین ان کی آسانیوں کے وقت کے نیک اعمال کی بنا پر انہیں اس سختی سے نجات عطا فرما، چنانچہ فرمان باری ہوا کہ اے مچھلی تو انہیں اگل دے اور مچھلی نے انہیں کنارے پر آکر اگل دیا، یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ اللہ نے اسے پھر برگزیدہ بنالیا اور نیک کاروں میں کر دیا، مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو حضرت یونس بن متی سے افضل بتائے۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے،

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝

کافر لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی نظروں سے پھسلا کر گرا دیں:

مشرکین عرب کی دشمنی انتہا کو پہنچ گئی تھی رسول اللہ ﷺ پر ہر طرح کا وار کرنے کو تیار رہتے تھے اور جو بھی موقعہ لگتا تھا اس سے نہیں چوکتے تھے آپ کو تکلیف پہنچانے کی جو طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے انہوں نے آپ کو نظر بد لگوانے کی تدبیر بھی سوچی بعض لوگ جن کی آنکھوں میں فطری طور پر نظر لگانے کی خاصیت ہوتی ہے اس وقت اس طرح کا ایک شخص تھا اسے قریش مکہ نے آمادہ کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایسی نظر ڈال جس سے آپ مریض ہو جائیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جائے۔ صاحب معالم التنزیل اور صاحب روح المعانی نے یہ بات لکھی ہے کہ ان لوگوں نے آپ پر نظر لگوانے کا ارادہ کیا اور ایک آدمی کو اس پر آمادہ کیا لیکن اس کی آنکھوں کا آپ پر کچھ بھی اثر نہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے معروف نظر لگانا مراد نہیں ہے بلکہ بری بری نگاہوں سے دیکھنا مراد ہے یعنی وہ آپ کو دشمنی کی وجہ سے بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اسی عداوت کی وجہ سے آپ کو دیوانہ بتاتے ہیں حالانکہ یہ قرآن جو آپ سناتے ہیں تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے بھلا دیوانہ آدمی ایسی باتیں سنا سکتا ہے؟

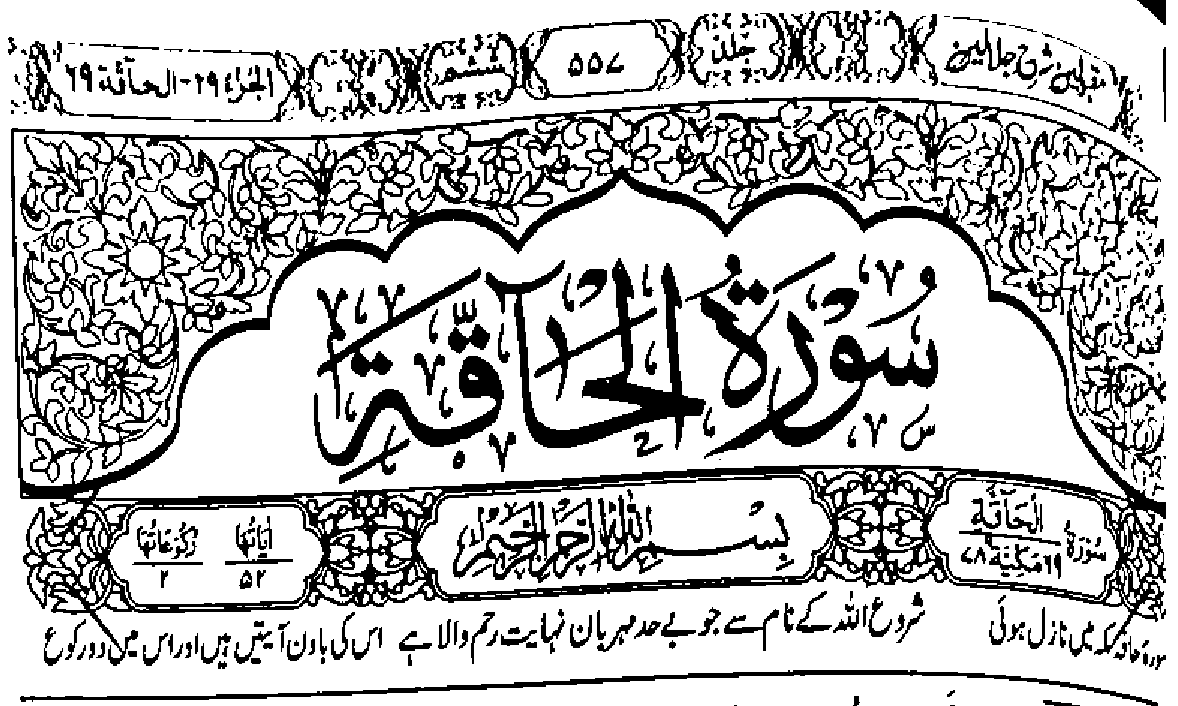
حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا موثر ہونا حق ہے جو بامر اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اس کے بعد انہوں نے کثیر تعداد میں ایسی احادیث نقل کی ہیں جن میں نظر دور کرنے کے لیے دعا پڑھنے کا ذکر ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظر لگ جانا حق ہے حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ جعفر کے بچوں کو نظر جلدی لگ جاتی ہے تو کیا میں ان کے لیے جھاڑ سکتی ہوں، آپ نے فرمایا ہاں جھاڑ دیا کرو کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھنے والی ہوتی تو نظر بڑھ جاتی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۹۰)

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن اور حسینؓ کو (تکلیف سے) محفوظ رکھنے کے لیے یہ پڑھا کرتے تھے: اعیذ کما بکلمات اللہ التآمة من کل شیطان وھامة ومن کل عین لآمة (اللہ کے پورے کلمات کے ذریعہ میں تمہیں ہر شیطان سے اور ہر زہریلے جانور سے اور برائی کے ساتھ نازل ہونے والی ہر آنکھ سے پناہ دیتا ہوں) (رواہ البخاری) اور فرماتے تھے کہ تمہارے باپ (حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ان کلمات کو اسماعیل اور اسحاق علیہما

السلام کی حفاظت کے لیے پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہے جھاڑ نا مگر نظر لگانے سے یا زہریلے جانور کے ڈسنے سے۔ (رواہ احمد والترمذی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۳۹۰)

دیگر امراض کے لیے بھی جھاڑ نا جائز ہے جو حضور ﷺ سے ثابت ہے ان دونوں چیزوں کے لیے جھاڑنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس لیے ایسا فرمایا جو کچھ بھی جھاڑ ہو اللہ کے ناموں سے قرآن مجید کی آیات سے اور مسنون دعاؤں سے ہو شرکیہ الفاظ سے نہ ہو۔ سورہ ن والقلم کی یہ آخری دو آیتیں مجرب ہیں نظر بد کے لیے پڑھا جائے تو فائدہ ہوتا ہے۔



سورۂ حاقہ مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اس کی باون آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع

اَلْحَآقَّةُ ۝۱ اَلْقِيٰمَةُ الَّتِىْ يَحِقُّ فِيْهَا مَا اُنْكِرَ مِنَ الْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ اَوِ الْمُظْهِرَةُ لِذٰلِكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۲ تَعْظِيْمٌ لِشَانِهَا وَهُمَا مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ خَبَرِ الْحَاقَّةِ وَمَآ اَدْرٰىكَ اَىْ اَعْلَمَكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳ زِيَادَةُ تَعْظِيْمٍ لِشَانِهَا فَمَا الْاُوْلٰى مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهٗ خَبَرُهٗ وَمَا الثَّانِيَةُ وَخَبَرُهَا فِىْ مَحَلِّ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِىْ لِاَدْرٰى كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ اَلْقِيَامَةِ لِاَنَّهَا تُقْرِعُ الْقُلُوْبَ بِاَهْوَالِهَا فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ بِالصَّيْحَةِ الْمُجَاوِزَةِ لِلْحَدِّ فِى الشِّدَّةِ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ شَدِيْدَةِ الصَّوْتِ عَاتِيَةٍ ۝۶ قَوِيَّةٍ شَدِيْدَةٍ عَلٰى عَادٍ مَعَ قُوَّتِهِمْ وَشِدَّتِهِمْ سَخَّرَهَا اَرْسَلَهَا بِالْقَهْرِ عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ اَوَّلُهَا مِنْ صُبْحِ يَوْمِ الْاَرْبِعَاءِ لِثَمَانٍ بَقِيْنَ مِنْ شَوَّالٍ وَكَانَتْ فِىْ عَجُزِ الشِّتَاءِ حُسُوْمًا مُتَتَابِعَاتٍ شُبِّهَتْ بِتَتَابُعِ فِعْلِ الْحَاسِمِ فِىْ اِعَادَةِ الْكَىِّ عَلَى الدَّاءِ كَرَّةً بَعْدَ اُخْرٰى حَتّٰى يَنْحَسِمَ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى مَطْرُوْحِيْنَ هَالِكِيْنَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ اُصُوْلُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ سَاقِطَةٍ فَارِغَةٍ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝۸ صِفَةُ نَفْسٍ مُقَدَّرَةٍ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ اَىْ بَاقٍ لَا وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ اَتْبَاعُهٗ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْقَافِ وَسُكُوْنِ الْبَاءِ اَىْ مَنْ تَقَدَّمَهٗ مِنَ الْاُمَمِ الْكَافِرَةِ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ اَىْ اَهْلُهَا وَهِىَ قُرٰى قَوْمِ لُوْطٍ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ بِالْفِعْلَاتِ ذَاتِ الْخَطَاءِ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ اَىْ لُوْطًا وَغَيْرَهٗ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ زَائِدَةً فِى الشِّدَّةِ عَلٰى غَيْرِهَا اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ عَلَا فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ مِنَ الْجِبَالِ وَغَيْرِهَا زَمَنَ الطُّوْفَانِ حَمَلْنٰكُمْ يَعْنِىْ اٰبَاءَكُمْ اِذْ اَنْتُمْ فِىْ اَصْلَابِهِمْ فِىْ

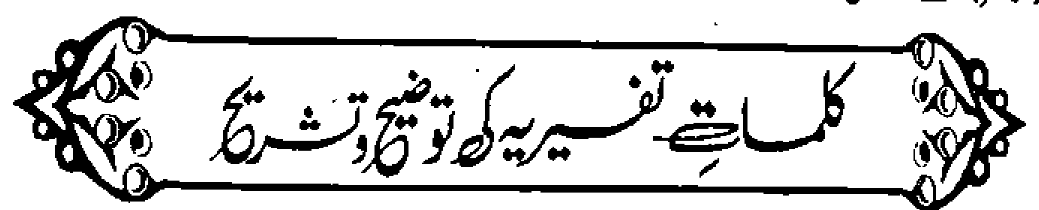
الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾ السَّفِيْنَةِ الَّتِيْ عَمِلَهَا نُوْحٌ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَنَجَا هُوَ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ فِيْهَا وَغَرِقَ
الْبَاقُوْنَ لِنَجْعَلَهَا اَيْ هٰذِهِ الْفِعْلَةَ وَهِيَ اِنْجَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِهْلَاكُ الْكَافِرِيْنَ لَكُمْ تَذْكِرَةً عِظَةً وَّ
تَعِيَهَا تَحْفَظَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾ حَافِظَةٌ لِمَا تَسْمَعُ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ لِلْفَصْلِ
بَيْنَ الْخَلَائِقِ وَهِيَ الثَّانِيَةُ وَّحُمِلَتِ رُفِعَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دُقَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ
وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ قَامَتِ الْقِيَامَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ ضَعِيْفَةٌ وَّالْمَلَكُ يَعْنِي
الْمَلَائِكَةَ عَلٰى اَرْجَآئِهَا جَوَانِبِ السَّمَاءِ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ اَيِ الْمَلَائِكَةِ الْمَذْكُوْرِيْنَ
يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اَوْ مِنْ صُفُوْفِهِمْ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لِلْحِسَابِ لَا تَخْفٰى بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ
مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ مِنَ السَّرَائِرِ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ خِطَابًا لِجَمَاعَتِهٖ لِمَا سُرَّ بِهٖ
هَآؤُمُ خُذُوْا اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ تَنَازَعَ فِيْهِ هَاؤُمُ وَاقْرَءُوْا اِنِّيْ ظَنَنْتُ تَيَقَّنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ
حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ مَرْضِيَّةٍ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوْفُهَا ثِمَارُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ قَرِيْبَةٌ
يَتَنَاوَلُ مِنْهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ فَيُقَالُ لَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا حَالٌ اَيْ مُتَهَنِّئِيْنَ بِمَآ
اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ الْمَاضِيَةِ فِي الدُّنْيَا وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِيْ لِلتَّنْبِيْهِ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يٰلَيْتَهَا اَيِ الْمَوْتَةُ فِي الدُّنْيَا كَانَتِ
الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ الْقَاطِعَةَ لِحَيَاتِيْ بِاَنْ لَا اُبْعَثَ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ قُوَّتِيْ
وَحُجَّتِيْ وَهَاءُ كِتَابِيَهْ وَحِسَابِيَهْ وَمَالِيَهْ وَسُلْطَانِيَهْ لِلسَّكْتِ تَثْبُتُ وَقْفًا وَوَصْلًا اِتِّبَاعًا لِلْمُصْحَفِ الْاِمَامِ
وَالنَّقْلِ وَمِنْهُمْ مَنْ حَذَفَهَا وَصْلًا خُذُوْهُ خِطَابٌ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ فَغُلُّوْهُ ﴿٣٠﴾ اجْمَعُوْا يَدَيْهِ اِلٰى عُنُقِهٖ فِي
الْغُلِّ ثُمَّ الْجَحِيْمَ النَّارَ الْمُحْرِقَةَ صَلُّوْهُ ﴿٣١﴾ اَدْخِلُوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا بِذِرَاعِ
الْمَلَكِ فَاسْلُكُوْهُ ﴿٣٢﴾ اَيْ اَدْخِلُوْهُ فِيْهَا بَعْدَ اِدْخَالِهِ النَّارَ وَلَمْ تَمْنَعِ الْفَاءُ مِنْ تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِالظَّرْفِ الْمُتَقَدِّمِ
اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا

حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ فَرِيبٌ يَنتَفِعُ بِهِ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ صَدِيْدُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ شَجَرٌ فِيْهَا الْكَافِرُوْنَ لَا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾ الْكَافِرُوْنَ

ع ۵

ترجمہ: ترجمہ: وہ ہونے والی چیز (قیامت کہ اس میں تمام وہ باتیں محقق ہو جائیں گی۔ جن کا انکار کیا گیا یعنی بعث حساب یا قیامت ان باتوں کو ظاہر کر دے گی) کیسی کچھ ہے وہ چیز جو ہونے والی ہے (اس میں قیامت کا عظیم الشان ہونا بتلایا گیا ہے اور ما مبتداء اور الحاقہ ثانیہ خبر ہے۔ یہ جملہ خبر ہے الحاقہ اول کی) اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز (اس میں قیامت کی اور زیادہ عظمت شان ہے۔ ما اول مبتداء اور ادرٰئک خبر ہے اور ما ثانیہ مبتداء الحاقہ خبر۔ جملہ ادریٰ کے مفعول ثانی کے محل میں ہے) ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی چیز کی تکذیب کی (قیامت جو اپنی ہولناکی سے دلوں کو کھڑکھڑا دے گی) سو ثمود تو ایک چیخ سے ہلاک کر دیئے گئے (جو حد سے زیادہ شدید چنگھاڑ تھی) اور عاد ایک تیز و تند (زناٹے کی آواز) ہوا کے جھکڑ سے ہلاک کر دیئے گئے (جو قوم عاد کے طاقتور ہونے کے باوجود انتہائی سخت تھی) کہ اللہ نے اس ہوا کو (زبردستی) ان پر مسلط کر دیا تھا۔ سات رات اور آٹھ دن (۲۴ شوال بدھ کی صبح سے جاڑوں کے اخیر میں) متواتر (مسلسل جیسا کہ لگاتار داغنے والا داغتا ہے اخیر تک اسی طرح یہاں عذاب لگاتار رہا) سو تو اس قوم کو اس میں اس طرح پڑا ہوا دیکھتا ہے (گرا ہوا تباہ) کہ گویا وہ گری ہوئی (بالکل ٹوٹی ہوئی) کھجوروں کے تنے (جڑیں) ہیں۔ سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے (باقیۃ نفس مقدر کی صفت ہے اور تا مبالغہ کی ہے یعنی کوئی باقی ہے؟ جواب یہ ہے کہ نہیں باقی اور فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے (اس کے پیروکاروں نے اور ایک قرأت میں فتحہ قاف اور سکون بَا کے ساتھ ہے۔ یعنی فرعون سے پہلے کافروں نے) اور الٹی ہوئی بستیوں نے (یعنی اہل بستی نے، اس سے قوم لوط کی بستیاں مراد ہیں) بڑے بڑے قصور کئے (ایسے کام جو سراسر خطا ہیں) سو انہوں نے اپنے رب کے رسول (لوط وغیرہ) کا کہنا نہ مانا۔ سو اللہ نے ان کو بہت سخت پکڑ لیا (اوروں سے بڑھ چڑھ کر) ہم نے جب کہ پانی کو طغیانی دی (زمانہ طوفان میں پہاڑ وغیرہ ہر چیز پر پانی چڑھ گیا) ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے باپ دادا کو کہ تم ان کی پشتوں میں تھے) کشتی پر سوار کیا (جو نوح علیہ السلام نے تیار کی تھی، وہ اور ان کے ساتھی تو بچ گئے اور باقی سب ڈوب گئے) تا کہ ہم بنا دیں اس کو (یعنی مومنین کی نجات اور کافروں کی بربادی کی کاروائی کو) تمہارے لئے ایک یادگار (عبرت) اور یاد رکھیں (محفوظ کر لیں) یاد رکھنے والے کان (جو سنی ہوئی باتوں کو محفوظ کر لیتے ہیں) پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماردی جائے گی (مخلوق کے فیصلہ کے لئے نفخہ ثانیہ مراد ہے) اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے۔ پھر دونوں ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز (قیامت تم) ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا۔ اور وہ اس وقت نہایت بودا (کمزور) ہوگا اور فرشتے آسمان کے کناروں پر آ جائیں گے اور آپ کے پروردگار

کے عرش کو (مذکورہ فرشتے) اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے (فرشتے آٹھ ہوں گے یا فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی) جس روز تم (حساب کے لئے) پیش کئے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی بات پوشیدہ (چھپی ہوئی) نہیں ہوگی (تخیفی تا اور یا کے ساتھ ہے) پھر جس شخص کا اعمالنامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ بول اٹھے گا (خوشی کی بات اپنی جماعت سے کرتے ہوئے) کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھ لو (کتابیہ میں ہاؤم اور اقرؤا کا تنازع ہو رہا ہے) میرا اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے۔ غرض وہ شخص پسندیدہ (عمدہ) عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا۔ جس کے میوے (پھل) جھکے ہوئے ہوں گے (جو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے حاصل ہوسکیں گے، ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ (حال ہے، یعنی خوشی بخوشی) ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گزشتہ ایام میں (دنیا میں) کیے ہیں اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ سو وہ کہے گا (تنبیہ کے لئے ہے) کاش مجھ کو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی (جو دنیا میں آچکی تھی) خاتمہ کر دیتی (مجھے نیست و نابود کر دیتی۔ پھر میرا بعث ہی نہ ہوتا) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا جاہ مجھ سے گیا گزرا ہوا (یعنی میری قوت اور دلیل کچھ بھی نہیں رہی۔ ان تمام الفاظ میں ہا سکتہ کی ہے۔ جو حالتِ وقف اور وصل دونوں میں برقرار رہتی ہے۔ مصحف عثمانی میں اسی طرح منقول ہونے کی وجہ سے۔ لیکن بعض قراء نے بحالتِ وصل اس کو حذف کر دیا ہے) اس شخص کو پکڑو (داروغہ جہنم کو خطاب ہے) اور اس کو طوق پہنا دو (ہاتھوں کو گلے میں باندھ دو) پھر دوزخ میں (دہکتی ہوئی آگ) میں اس کو جھونک (ڈال) دو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جو ستر گز ہے (فرشتہ کی ناپ سے) اس کو جکڑ دو (یعنی دوزخ میں جھونک کر زنجیروں میں جکڑ دو۔ ظرف مقدم میں فعل کے عمل کرنے سے فامانع نہیں ہے) یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ غریب آدمیوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ اس شخص کا آج نہ کوئی دوست ہے (کہ جس سے اس کو نفع پہنچ جائے) اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے۔ بجز زخموں کے دھوون (دوزخیوں کے کچلہو یا دوزخی درخت) کے جس کو بڑے گنہگار (کافر) کے سوا کوئی کھا نہ سکے گا۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

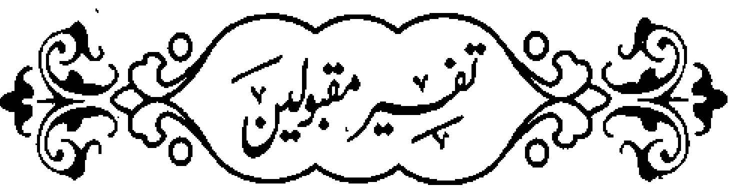
قوله: اَلَّتِیْ یَحِقُّ فِیْهَا: اس کی حقیقت خود معلوم ہوجائے گی۔

قوله: مَا مُبْتَدَأٌ: اَلْحَآقَّةُ یہ خبر ہے اور یہ جملہ پہلے اَلْحَآقَّةُ کی خبر ہے۔

قوله: وَمَآ اَدْرٰكَ: تم اس کی حقیقت نہیں جانتے وہ تو سمجھ کے اس تک پہنچنے سے بڑھ کر ہے۔

قوله: وَمَا الثَّانِیَةُ: یہ اپنے مابعد کے ساتھ محل نصب میں اَدْرٰی کا دوسرا مفعول ہے۔

قوله: بِالْقَارِعَةِ: ضمیر کی جگہ لا کر اس کی شدت کی طرف اشارہ کردیا۔
قوله: تُقْرِعُ الْقُلُوْبَ: دلوں کو کھٹکھٹانے گی۔
قوله: بِالصَّيْحَةِ: چیخ یا زلزلہ، شدید سردی۔
قوله: قَوِيَّةٍ شَدِيْدَةٍ: تیز آندھی۔
قوله: سَخَّرَهَا: یہ مستانفہ جملہ ہے۔
قوله: عجز: ہر شئ کا پچھلا حصہ۔ الْحَاسِمِ: داغنے والا۔ الْكَيُّ: داغ۔
قوله: فِيْهَا صَرْعٰى: بچھڑتے ہوئے۔
قوله: خَاوِيَةٍ: ان سے کھوکھلے۔
قوله: فَعَصَوْا: پر امت جو اپنے رسول کی نافرمانی کرنے والی۔
قوله: حَافِظَةٌ: جھکانے والی۔
قوله: دَكَّتَا دَكَّةً: ایک ہی مرتبہ مارنا۔
قوله: انْشَقَّتِ السَّمَآءُ: تاکہ فرشتے اتریں۔
قوله: اَرْجَآئِهَا: یہ آسمان کے خراب ہونے کی تمثیل ہے۔
قوله: هَاؤُمُ: ها یہ اسم خذ کے معنی میں۔
قوله: مَآ اَغْنٰى: مَا نافیہ اور مفعول محذوف ہے۔
قوله: هَلَكَ: مال اور اشیاء۔
قوله: الْمُقَدَّمِ: الْجَحِيْمَ کا فعل پر مقدم کرنا اہتمام کے لیے ہے۔
قوله: اِنَّهٗ كَانَ: یہ تعلیل بطور استیناف کے مبالغہ کے لیے لائے ہیں۔
قوله: لَا يَحُضُّ: یہ دوسرے کو بھی کھانے پر نہ ابھارتا تھا۔



اس سورت کا مضمون بھی مکی سورتوں کے مضامین کی طرح عقیدۂ توحید اور تحقیق ایمان پر مشتمل ہے جس میں بالخصوص قیامت اور قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر ہے اور مجرم و نافرمان قوموں جیسے عاد و ثمود اور قوم لوط و فرعون کی ہلاکت و تباہی کا ذکر ہے اور ان سب مضامین کو قرآن حکیم نے اپنی صداقت و حقانیت کی اساس کی نوعیت سے پیش کیا اور یہ واضح فرمایا کہ اہل سعادت و شقاوت کا انجام کیا ہوتا ہے ساتھ ہی ان لغو اور بے ہودہ الزامات و اعتراضات کو بھی رد کیا گیا جو کفار مکہ آنحضرت ﷺ پر لگاتے تھے۔

سورت کی ابتداء قیامت کے ہولناک منظر کے بیان سے کی گئی اور یہ کہ خداوند عالم کس طرح اہل کفر پر اپنا قہر وعذاب مسلط فرماتا ہے نفخ صور اور اس پر جو حالت ہوگی اس کا بیان ہے اور یہ کہ جس وقت قیامت برپا ہوگی تو زمین شق ہوجائے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔

اخیر میں قرآن کریم کی صداقت وحقانیت پر برہان قائم کر کے آنحضرت ﷺ کی صداقت وامانت کو واضح فرمایا اور اس کا انکار کرنے والے پر وعید وتنبیہ فرمائی گئی۔

اَلْحَآقَّةُ ۝

اس سورت میں قیامت کے ہولناک واقعات اور پھر وہاں کفار وفجار کی سزا اور مؤمنین ومتقین کی جزاء کا ذکر ہے قیامت کے نام قرآن کریم میں بہت سے آئے ہیں۔ اس سورت میں قیامت کو حاقہ کے لفظ سے، پھر قارعہ کے پھر واقعہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ سب قیامت کے نام ہیں۔

لفظ حاقہ کے معنی حق اور ثابت کے بھی آتے ہیں اور دوسری چیزوں کو حق ثابت کرنے والی چیز کو بھی حاقہ کہتے ہیں۔ قیامت پر یہ لفظ دونوں معنے کے اعتبار سے صادق آتا ہے کیونکہ قیامت خود بھی حق ہے اور اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے اور قیامت مؤمنین کے لئے جنت اور کفار کے لئے جہنم ثابت اور مقرر کرنے والی بھی ہے۔ یہاں قیامت کے اس نام کے ساتھ سوال کو مکرر کر کے اس کے مافوق القیاس اور حیرت انگیز ہولناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قارعہ کے لفظی معنے کھڑکھڑانے والی چیز کے ہیں۔ قیامت کے لئے یہ لفظ اس لئے بولا گیا کہ وہ سب لوگوں کو مضطرب اور بےچین کرنے والی اور تمام آسمان وزمین کے اجسام کو منتشر کرنے اولی ہے۔

طاغیہ، طغیان سے مشتق ہے جس کے معنے حد سے نکل جانے کے ہیں۔ مراد ایسی سخت آواز ہے جو تمام دنیا کی آوازوں کی حد سے باہر ہے اور زیادہ ہے جس کو انسان کا قلب ودماغ برداشت نہ کر سکے۔ قوم ثمود کی نافرمانی جب حد سے بڑھ گئی تو ان پر اللہ کا عذاب اسی سخت آواز کی صورت میں آیا تھا جس میں تمام دنیا کی بجلیوں کی کڑک اور دنیا بھر کی سب سخت آواز کی صورت میں ایا تھا جس میں تمام دنیا کی بجلیوں کی کڑک اور دنیا بھر کی سب سخت آوازوں کا مجموعہ تھا جس سے ان کے دل پھٹ گئے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝

ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر کی مرفوع حدیث ہے کہ صور کوئی سینگ (کی شکل کی کوئی چیز) ہے جس میں قیامت کے روز پھونکا جائے گا۔

نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ سے مراد یہ ہے کہ یکبارگی اچانک یہ صورت کی آواز ہوگی اور ایک آواز مسلسل رہے گی یہاں تک کہ اس آواز سے سب مرجائیں گے۔ قرآن وسنت کی نصوص سے قیامت میں صور کے دو نفخے ہونا ثابت ہیں پہلے نفخہ کو نفخہ صعق کہا جاتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں: فصعق من فی السموت ومن فی الارض ہے یعنی اس نفخہ سے تمام آسمان والے فرشتے اور زمین پر بسنے والے جن وانس اور تمام جانور بیہوش ہوجائیں گے (پھر اسی بیہوشی میں سب کو موت

زندہ ہو جائے گی) دوسرے نفخہ کو نفخہ بعث کہا جاتا ہے بعث کے معنے اٹھنے کے ہیں اس نفخہ کے ذریعہ سب مردے پھر زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے: ثم نفخ فیه اخری فاذاهم قیام ینظرون. یعنی پھر صور دوبارہ پھونکا جائے گا جس سے اچانک سب کے سب مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جاویں گے اور دیکھنے لگیں گے۔

بعض روایات میں جو ان دونوں نفخوں سے پہلے ایک تیسرے نفخہ کا ذکر ہے جس کا نام نفخہ فزع بتلایا گیا ہے۔ مجموعہ روایات و نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا نفخہ ہی ہے اسی کو ابتدا میں نفخہ فزع کہا گیا ہے اور انتہا میں وہی نفخہ صعق ہو جائے گا۔ (مظہری)

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾

یعنی قیامت کے روز عرش رحمٰن کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ بعض روایات حدیث میں ہے کہ قیامت سے پہلے تو یہ کام چار فرشتوں کے سپرد ہے قیامت کے روز ان کے ساتھ اور چار بڑھا دیئے جاویں گے۔

رہا یہ معاملہ کہ عرش رحمٰن کیا چیز ہے اس کی حقیقت اور حقیقی شکل و صورت کیا ہے اور فرشتوں کا اس کو اٹھانا کس صورت سے ہے یہ سب چیزیں وہ ہیں کہ نہ عقل انسانی ان کا احاطہ کر سکتی ہے نہ ان مباحث میں ان کو غور و فکر کرنے اور سوالات کرنے کی اجازت ہے۔ سلف صالحین صحابہ و تابعین کا مسلک اس جیسے تمام معاملات میں یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے کہ اس سے جو کچھ اللہ جل شانہ کی مراد ہے وہ حق ہے اور اس کی حقیقت و کیفیت نامعلوم ہے۔

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ فَيَقُولُ هَآؤُمُ ٱقْرَءُوا۟ كِتَٰبِيَهْ ﴿١٩﴾

اعمال ناموں کی تفصیل اور دائیں ہاتھ میں اعمال نامے ملنے والوں کی خوشی:

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ جو خوش نصیب لوگ قیامت کے دن اپنا نامہ اعمال اپنے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ سعادت مند حضرات بیحد خوش ہوں گے اور جوش مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتے پھریں گے کہ میرا نامہ اعمال تو پڑھو اور یہ اس لئے کہ جو گناہ بتقاضائے بشریت ان سے ہو گئے وہ بھی ان کی توبہ سے نامہ اعمال میں سے مٹا دیئے گئے ہیں اور نہ صرف مٹا دیئے گئے ہیں بلکہ ان کے بجائے نیکیاں لکھ دی گئی ہیں، پس یہ سراسر نیکیوں کا نامہ اعمال ایک ایک کو پورے سرور اور بڑی خوشی سے دکھاتے پھرتے ہیں، عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں (ھا) کے بعد لفظ (ؤم) زیادہ ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ (ھاؤم) معنی میں (ھاکم) کے ہے، حضرت ابو عثمان فرماتے ہیں کہ چپکے سے حجاب میں مومن کو اس کا نامہ اعمال دیا جاتا ہے جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوتے ہیں یہ اسے پڑھتا ہے اور ہر ایک گناہ پر اس کے ہوش اڑ اڑ جاتے ہیں چہرے کی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے اتنے میں اب اس کی نگاہ اپنی نیکیوں پر پڑتی ہے جب انہیں پڑھنے لگتا ہے تب ذرا چین پڑتا ہے ہوش و حواس درست ہوتے ہیں اور چہرہ کھل جاتا ہے پھر نظریں جما کر پڑھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی برائیاں بھی بھلائیوں سے بدل دی گئی ہیں ہر برائی کی جگہ بھلائی لکھی ہوئی ہے، اب تو اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور خوشی خوشی نکل کھڑا ہوتا ہے اور جو ملتا ہے اس سے کہتا ہے ذرا میرا نامہ اعمال تو پڑھنا، حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ جنہیں فرشتوں نے ان کی شہادت کے بعد غسل دیا تھا

ان کے لڑکے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قیامت والے دن اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی برائیاں اس کے نامہ اعمال کی پشت پر لکھی ہوئی ہوں گی جو اس پر ظاہر کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ بتا کیا تو نے یہ اعمال کئے ہیں؟ وہ اقرار کرے گا کہ ہاں بیشک اللہ یہ برائیاں مجھ سے ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ میں نے دنیا میں بھی تجھے رسوا نہیں کیا نہ فضیحت کیا اب یہاں بھی میں تجھ سے درگزر کرتا ہوں اور تیرے تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں، جب یہ اس سے فارغ ہوگا تب اپنا نامہ اعمال لے کر خوشی سے ایک ایک کو دکھاتا پھرے گا، حضرت ابن عمر والی صحیح حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کی بابت پوچھے گا کہ فلاں گناہ کیا ہے؟ فلاں گناہ کیا؟ یہ اقرار کرے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ اب ہلاک ہوا اس وقت جناب باری عز اسمہ فرمائے گا اے میرے بندے دنیا میں میں نے تیری ان برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا اب آج تجھے کیا رسوا کروں جا میں نے تجھے بخشا پھر اس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں لیکن کافروں اور منافقوں کے بارے میں تو گواہ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کے بارے میں جھوٹ کہا لوگو سنو! ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ داہنے ہاتھ کے نامہ اعمال والا کہتا ہے کہ مجھے تو دنیا میں ہی یقین کامل تھا کہ یہ حساب کا دن قطعاً آنے والا ہے، جیسے اور جگہ فرمایا: اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرۃ: ۲۴۹) یعنی انہیں یقین تھا کہ یہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ فرمایا ان کی جزا یہ ہے کہ یہ پسندیدہ اور دل خوش کن زندگی پائیں گے اور بلند و بالا بہشت میں رہیں گے، جس کے محلات اونچے اونچے ہوں گے جن میں حوریں قبول صورت اور نیک سیرت ہوں گی جو گھر نعمتوں کے بھرپور خزانے ہوں گے اور یہ تمام نعمتیں نہ ٹلنے والی نہ ختم ہونے والی بلکہ کمی سے بھی محفوظ ہوں گی، ایک شیخ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اونچے نیچے مرتبے والے جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقاتیں بھی کریں گے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بلند مرتبہ لوگ کم مرتبہ لوگوں کے پاس ملاقات کے لئے اتر آئیں گے اور خوب محبت و اخلاص سے سلام مصافحے اور آؤ بھگت ہوگی ہاں البتہ نیچے والے بہ سبب اپنے اعمال کی کمی کے اوپر نہ چڑھیں گے، ایک اور صحیح حدیث میں ہے جنت میں ایک سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ پھر فرماتا ہے اس کے پھل نیچے نیچے ہوں گے، حضرت براء بن عازب وغیرہ فرماتے ہیں اس قدر جھکے ہوئے ہوں گے کہ جنتی اپنے چھپر کھٹ پر لیٹے ہی لیٹے ان میووں کو توڑ لیا کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر جنتی کو اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا پروانہ ملے گا جس میں لکھا ہوا ہوگا۔ (بسم اللہ الرحمن الرحیم ھذا کتاب من اللہ لفلان ابن فلان ادخلوہ جنتہ عالیتہ قطوفھا دانیتہ) یعنی اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع یہ پروانہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں شخص کے لئے جو فلاں کا بیٹا ہے اسے بلند و بالا جھکی ہوئی شاخوں اور لدے پھندے ہوئے خوشوں والی خوشگوار جنت میں جانے دو۔ (طبرانی) بعض روایتوں میں ہے یہ پروانہ پل صراط پر حوالے کر دیا جائے گا۔ پھر فرمایا نہیں بطور احسان اور مزید لطف و کرم کے زبانی بھی کھانے پینے کی رخصت مرحمت ہوگی اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ ہے۔ اعمال کا بدلہ کہنا صرف بطور لطف کے ہے ورنہ صحیح حدیث میں ہے

حضور ﷺ فرماتے ہیں عمل کرتے جاؤ سیدھے اور قریب قریب رہو اور جان رکھو کہ صرف اعمال جنت میں لے جانے کے لئے کافی نہیں۔ لوگ نے کہا حضور ﷺ آپ ﷺ کے اعمال بھی نہیں؟ فرمایا میرے بھی ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کی رحمت شامل حال ہو۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ۚ

بائیں ہاتھ میں اعمالنامے ملنے والوں کی بدحالی:

یہاں گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب میدان قیامت میں انہیں ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یہ نہایت ہی پریشان اور پشیمان ہوں گے اور حسرت وافسوس سے کہیں گے کاش کہ ہمیں عمل نامہ ملتا ہی نہ اور کاش کہ ہم اپنے حساب کی اس کیفیت سے آگاہ ہی نہ ہوتے کاش کہ موت نے ہمارا کام ختم کر دیا ہوتا اور یہ دوسری زندگی سرے سے ہمیں ملتی ہی نہ، جس موت سے دنیا میں بہت ہی گھبراتے تھے آج اس کی آرزوئیں کریں گے، یہ کہیں گے کہ ہمارے مال وجاہ نے بھی آج ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور ہماری ان چیزوں نے بھی عذاب ہم سے نہ ہٹائے تنہا حکم دے گا کہ اسے پکڑ لو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو اور اسے جہنم میں لے جاؤ اور اس میں پھینک دو، حضرت منہال بن عمر فرماتے ہیں کہ اللہ کے اس فرمان کو سنتے ہی کہ اسے پکڑو، ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے جن میں سے اگر فرشتہ بھی اس طرح اشارہ کرے تو ایک چھوڑ ستر ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے، ابن ابی الدنیا میں ہے کہ چار لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور کوئی چیز باقی نہ رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے یہ کہے گا تمہیں مجھ سے تعلق؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ تجھ پر غضبناک ہے اور اس وجہ سے ہر چیز تجھ پر غصے میں ہے، حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے اس فرمان کے سرزد ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے اس کی طرف غصے سے دوڑیں گے جن میں سے ہر ایک دوسرے پر سبقت کر کے چاہے گا کہ اسے میں طوق پہناؤں، پھر اسے جہنم کی آگ میں غوطہ دینے کا حکم ہوگا، پھر ان زنجیروں میں جکڑا جائے گا جن کا ایک ایک حلقہ بقول حضرت کعب احبار کے دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا، حضرت ابن عباس اور ابن جریج فرماتے ہیں یہ ناپ فرشتوں کے ہاتھ کا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کا فرمان ہے کہ یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرودی جائیں گی پاخانے کے راستے سے ڈال دی جائیں گی اور منہ سے نکالی جائیں گی اور اس طرح آگ میں بھونا جائے گا جیسے سیخ میں کباب اور تیل میں ٹڈی، یہ بھی مروی ہے کہ پیچھے سے یہ زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ناک کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائیں گی۔ جس سے کہ وہ پیروں کے بل کھڑا ہی نہ ہو سکے گا مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر کوئی بڑا سا پتھر آسمان سے پھینکا جائے تو زمین پر وہ ایک رات میں آ جائے لیکن اگر اس کو جہنمیوں کے باندھنے کی زنجیر کے سرے پر سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں، یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ اللہ عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا نہ مسکین کو کھلا دینے کی کسی کو رغبت دیتا تھا، یعنی نہ تو اللہ کی عبادت واطاعت کرتا تھا نہ اللہ کی مخلوق کے حق ادا کر کے اسے نفع پہنچاتا تھا، اللہ کا حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان وسلوک کریں اور بھلے کاموں میں آپس میں امداد پہنچاتے رہیں، اسی لئے اللہ

تعالیٰ نے ان دونوں حقوق کو عموماً ایک ساتھ بیان فرمایا ہے جیسے نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور نبی ﷺ نے انتقال کے وقت بھی ان دونوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا کہ نماز کی حفاظت کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہاں پر آج کے دن اس کا کوئی خالص دوست ایسا نہیں نہ کوئی قریبی رشتہ دار یا سفارشی ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے، اور نہ اس کے لئے کوئی غذا ہے سوائے بدترین سڑی بسی بیکار چیز کے جس کا نام (غسلین) ہے، یہ جہنم کا ایک درخت ہے اور ممکن ہے کہ اسی کا دوسرا نام (زقوم) ہو، اور (غسلین) کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جہنمیوں کے بدن سے جو خون اور پانی بہتا ہے وہ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی پیپ وغیرہ۔

فَلَآ لَا زَائِدَةٌ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ مِنْهَا اَیْ بِکُلِّ مَخْلُوْقٍ اِنَّهٗ اَیِ الْقُرْاٰنُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ اَیْ قَالَهٗ رِسَالَةً عَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِی الْفِعْلَيْنِ وَمَا زَائِدَةٌ مُؤَكِّدَةٌ وَالْمَعْنٰی اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِاَشْيَاءَ يَسِيْرَةٍ وَتَذَكَّرُوْهَا مِمَّا اَتٰی بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَيْرِ وَالصِّلَةِ وَالْعَفَافِ فَلَمْ تُغْنِ عَنْهُمْ شَيْئًا بَلْ هُوَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ اَیِ النَّبِیُّ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ بِاَنْ قَالَ عَنَّا مَا لَمْ نَقُلْهُ لَاَخَذْنَا لَنِلْنَا مِنْهُ عِقَابًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ بِالْقُوَّةِ وَالْقُدْرَةِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ نِيَاطَ الْقَلْبِ وَهُوَ عِرْقٌ مُتَّصِلٌ بِهٖ اِذَا انْقَطَعَ مَاتَ صَاحِبُهٗ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ هُوَ اسْمُ مَا وَمِنْ زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ النَّفْیِ وَمِنْكُمْ حَالٌ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ مَانِعِيْنَ خَبَرُ مَا وَجُمِعَ لِاَنَّ اَحَدًا فِیْ سِيَاقِ النَّفْیِ بِمَعْنَی الْجَمْعِ وَضَمِيْرُ عَنْهُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیْ لَا مَانِعَ لَنَا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ اَیِ الْقُرْاٰنَ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ بِالْقُرْاٰنِ وَمُصَدِّقِيْنَ وَاِنَّهٗ اَیِ الْقُرْاٰنَ لَحَسْرَةٌ عَلَی الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ اِذَا رَاَوْا ثَوَابَ الْمُصَدِّقِيْنَ وَعِقَابَ الْمُكَذِّبِيْنَ بِهٖ وَاِنَّهٗ اَیِ الْقُرْاٰنَ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ اَیْ لِلْيَقِيْنِ حَقِّ الْيَقِيْنِ فَسَبِّحْ نَزِّهْ بِاسْمِ زَائِدَةٌ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۵

ترجمہ: پھر میں قسم کھاتا ہوں (لا زائد ہے) ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے (یعنی ساری مخلوق کی) کہ یہ (قرآن) کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا (اللہ تعالیٰ کے پاس سے) اور یہ کسی

شاعر کا کلام نہیں ہے۔تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کاہن کا کلام ہے،تم بہت کم سمجھتے ہو (دونوں فعل تا اور یا کے ساتھ اور ما زائد ہے تاکید کے لئے یعنی یہ لوگ ان باتوں کو تو مانتے ہیں اور انہیں یاد بھی رکھتے ہیں جو بہت معمولی ہیں۔بمقابلہ آنحضرتؐ کی لائی ہوئی تعلیمات یعنی خیر اور صلہ اور عفاف کے، حالانکہ وہ باتیں ان کے لئے کچھ مفید نہیں۔بلکہ یہ) اللہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے اور اگر یہ (نبی) ہمارے اوپر کچھ باتیں لگا دیتے (یعنی ایسی بات کہہ دیتے جو ہم نے نہیں کہی) تو ہم پکڑ لیتے (تھام لیتے سزائی) ان کا داہنا ہاتھ (زور اور طاقت سے) پھر ہم ان کی رگِ جان کاٹ ڈالتے (رگ دل جو دل سے وابستہ ہے وہ کٹ جائے تو مرجائے) پھر تم میں کوئی (احد اسم ما ہے اور من زائد ہے تاکید نفی کے لئے اور منکم من احد سے حال ہے) ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا (روکنے والا یہ ما کی خبر ہے، اور جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ احد نفی کے تحت ہونے کی وجہ سے جمع کے معنی میں ہے اور عنہ کی ضمیر آنحضرتؐ کی طرف راجع ہے یعنی عذاب سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوتی) اور بلاشبہ یہ (قرآن) متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ (اے لوگو) تم میں تکذیب کرنے والے بھی ہیں (قرآن کی اور تصدیق کرنے والے بھی) اور یہ قرآن کافروں کے لئے موجب حسرت ہے (جب وہ تصدیق کرنے والوں کا ثواب اور تکذیب کرنے والوں کا عذاب دیکھیں گے) اور یہ (قرآن) تحقیقی اور یقینی بات ہے، سو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کیجئے (لفظ اسم زائد ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله : مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ : مشاہدات، مغیبات وغیرہ۔

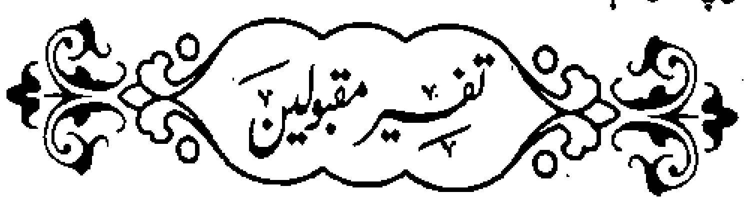
قوله : رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ : وہ محمد ﷺ ہیں یا جبرئیلؑ۔

قوله : وَتَذَكَّرُوْهَا : معمولی اشیاء۔

قوله : نِيَاطَ الْقَلْبِ : دل کے بندھن۔

قوله : وَمِنْكُمْ حَالٌ : اور خطاب لوگوں کو ہے۔

قوله : الْيَقِيْنِ : اس پر یقین ہے۔



تفسیر مقبولین

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے متقیوں کے لیے نصیحت ہے:

ان آیات میں قرآن کریم اور صاحب قرآن کریم کی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں اور دشمنوں کی باتوں کی تردید فرمائی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے کو تیار نہ تھے۔

اولاً ارشاد فرمایا کہ تم جن چیزوں کو دیکھتے ہو اور جن چیزوں کو نہیں دیکھتے میں ان کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کلام ہے۔ شاعر لوگ شاعرانہ باتیں کرتے تھے وہ عام لوگوں کی باتوں سے مختلف ہوتی تھیں اور کاہن لوگ شیاطین سے سن کر آئندہ ہونے والی کوئی بات بتا دیتے تھے۔ (جس کا ذکر سورہ جن میں آرہا ہے اور سورہ حجر اور سورہ سباء اور سورہ صافات میں گزر چکا ہے) اور ان میں اپنے پاس سے اور بہت سی باتیں ملا کر بیان کر دیتے تھے اور تک بندی کی طرح کچھ باتیں کہہ جاتے تھے اہل مکہ نے قرآن کریم کو شاعروں کاہنوں کا کلام بتا دیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نہ شاعر ہیں نہ کاہن ہیں نہ ان لوگوں کے پاس آپ کا اٹھنا بیٹھنا ہے مگر انسان کی ضد وعناد ایسی چیز ہے کہ جب انسان اس پر کمر باندھ لے اور حق سے بالکل ہی منہ موڑ لے تو قبول حق کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے ان میں بہت کم کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو ضد اور عناد کو چھوڑ کر حق کو قبول کرے اور اپنی سمجھ سے کام لے اس لیے ان لوگوں کا حال بیان فرمایا:

قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿۴۱﴾ (تم بہت کم ایمان لاتے ہو) اور قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿۴۲﴾ (تم بہت کم سمجھتے ہو) بھی فرمایا۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ﴿۳۹﴾ جو فرمایا اس میں ان چیزوں کی قسم کھائی جنہیں بندے دیکھتے ہیں اور جنہیں نہیں دیکھتے صاحب روح المعانی اس بارے میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کی قسم کھائی جو بندوں کے مشاہدات اور مغیبات ہیں اس لیے حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق کی قسم کھا کر بتاکید یہ فرمایا کہ قرآن رسول کریم ﷺ کا لایا ہوا کلام ہے حضرت عطا نے فرمایا کہ تبصرون سے آثار قدرت اور مالا تبصرون سے اسرار قدرت مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اجسام اور ارواح مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ انسان اور جن اور ملائکہ مراد ہیں۔ وقیل غیر ذلك۔ (روح المعانی صفحہ ٦۰: ج ۲۹)

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۴۰﴾

یعنی جو کچھ جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا، یہ کوئی شاعری نہیں نہ کاہنوں کی الکل پچو باتیں ہیں، بلکہ یہ قرآن ہے اللہ کا کلام جس کو آسمان سے ایک بزرگ فرشتہ لے کر ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا، جو آسمان سے لایا وہ، اور جس نے زمین والوں کو پہنچایا، دونوں رسول کریم ہیں ایک کا کریم ہونا تو تم آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ اور دوسرے کی کرامت و بزرگی پہلے کریم کے بیان سے ثابت ہے۔ (تنبیہ) عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک جس کو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسری جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی، عقل وغیرہ کے ذریعہ سے ان کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ مثلاً ہم کتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں، وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئے گی لیکن حکماء کے دلائل و براہین سے عاجز ہو کر ہم اپنی آنکھ کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی عقل کے یا دوسرے

کی عقل کے ذریعہ سے جو اس کی ان غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی عقلاء کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس سے ہو۔ بس تمام عالم میں ایک وحی الٰہی کی قوت ہے جو خود غلطی سے محفوظ و معصوم رہتے ہوئے تمام عقلی قوتوں کی اصلاح و تکمیل کر سکتی ہے جس طرح حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں وہاں عقل کام دیتی ہے، ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے اس جگہ وحی الٰہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے۔ شاید اسی لیے یہاں بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ (الحاقة: ۳۸) کی قسم کھائی۔ یعنی جو حقائق جنت و دوزخ وغیرہ کی پہلی آیات میں بیان ہوئی ہیں، اگر دائرہ محسوسات سے بلند تر ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اشیاء میں مبصرات وغیر مبصرات یا بالفاظ دیگر محسوسات وغیرہ محسوسات کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم کا کلام ہے جو بذریعہ وحی الٰہی دائرہ حس و عقل سے بالاتر حقائق کی خبر دیتا ہے۔ جب ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض بہت اونچی چیزوں کو رسول کریم کے کہنے سے ماننے میں کیا اشکال ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾

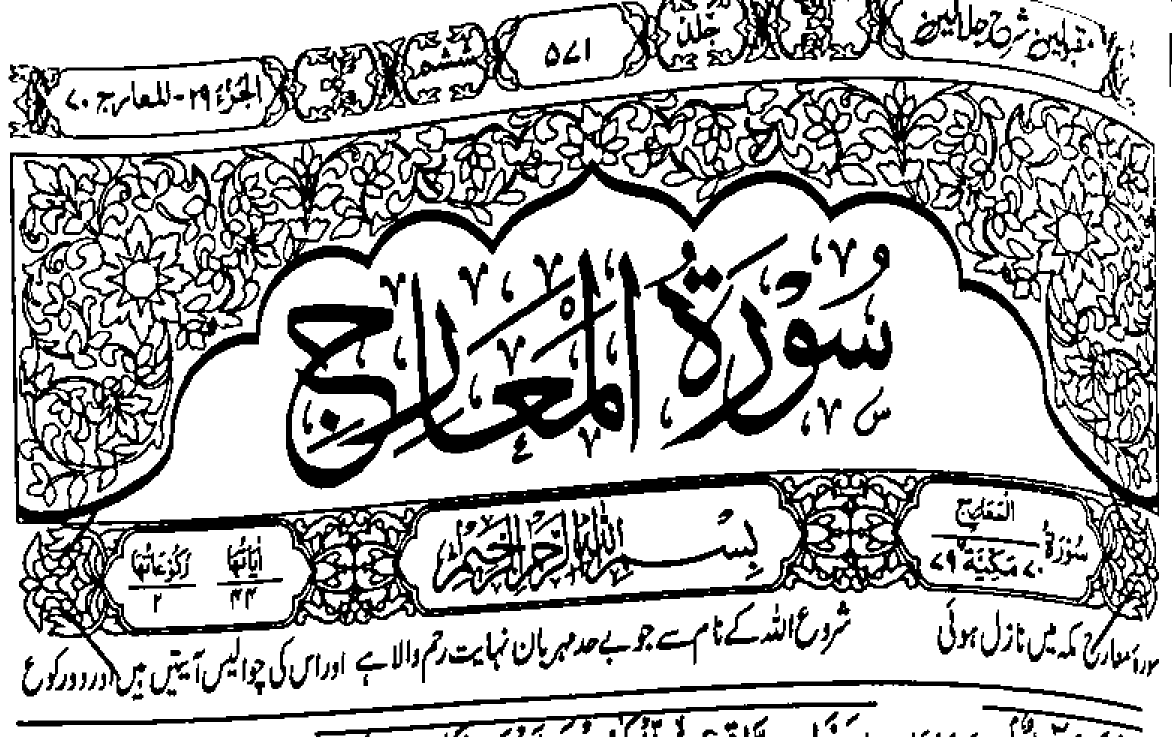
یہاں فرمان باری ہے کہ جس طرح تم کہتے ہو اگر فی الواقع ہمارے یہ رسول ایسے ہی ہوتے کہ ہماری رسالت میں کچھ کمی بیشی کر ڈالتے یا ہماری نہ کہی ہوئی بات ہمارے نام سے بیان کر دیتے تو یقیناً اسی وقت ہم انہیں بدترین سزا دیتے یعنی اپنے داہنے ہاتھ سے اس کا دایاں ہاتھ تھام کر اس کی وہ رگ کاٹ ڈالتے جس پر دل معلق ہے اور کوئی ہمارے اس کے درمیان بھی نہ آ سکتا کہ اسے بچانے کی کوشش کرے، پس مطلب یہ ہوا کہ حضور رسالت مآب ﷺ سچے پاک باز رشد و ہدایت والے ہیں اسی لئے اللہ نے زبردست تبلیغی خدمت آپ ﷺ کو سونپ رکھی ہے اور اپنی طرف سے بہت سے زبردست معجزے اور آپ ﷺ کے صدق کی بہترین بڑی بڑی نشانیاں آپ ﷺ کو عنایت فرما رکھی ہیں۔ پھر فرمایا یہ قرآن متقیوں کے لئے تذکرہ ہے، جیسے اور جگہ ہے کہہ دو یہ قرآن ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان تو اندھے بہرے ہیں ہی، پھر فرمایا باوجود اس صفائی اور کھلے حق کے ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھوٹا بتلاتے ہیں، یہ تکذیب ان لوگوں کے لئے قیامت کے دن باعث حسرت و افسوس ہوگی، یا یہ مطلب کہ یہ قرآن اور اس پر ایمان حقیقتاً کفار پر حسرت کا باعث ہوگا، جیسے اور جگہ ہے، اسی طرح ہم اسے گنہگاروں کے دلوں میں اتارتے ہیں پھر وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اور جگہ ہے: وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ (سبا: ۵۴) ان میں اور ان کی خواہش میں حجاب ڈال دیا گیا ہے، پھر فرمایا یہ خبر بالکل سچ حق اور بیشک و شبہ ہے،

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٥٢﴾

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتلایا گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے جو کچھ ہے وہ اللہ کا کلام ہے اور وہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے تذکرہ اور نصیحت ہے مگر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہاں سبق طعی اور یقینی امور کو جانتے ہوئے تم میں بہت سے آدمی اس کی تکذیب بھی کرتے رہیں گے جس کا نتیجہ آخرت میں ان کی حسرت و یاس اور عذاب دائمی

ہوگا اور آخر میں فرمایا وانہ لحق الیقین یعنی یہ بات بالکل حق اور یقینی ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ سب کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا سبح باسم ربک العظیم جس میں اشارہ ہے کہ آپ ان معاذ کفار کی باتوں پر دھیان نہ دیں اور ان سے مغموم نہ ہوں بلکہ اپنے رب عظیم کی تسبیح وتقدیس کو اپنا مشغلہ بنالیں کہ یہی ان سب غموں سے نجات کا ذریعہ ہے اور یہ ایسا ہے جیسا دوسری جگہ قرآن کریم میں فرمایا ہے (آیت) ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون فسبح بحمد ربک وکن من السجدین۔ یعنی ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کفار کی بیہودہ گفتگو سے دل تنگ ہوتے ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے رب کی حمد میں مشغول ہو جائیں اور سجدہ گزاروں میں شامل ہو جائیں ان کی باتوں کی طرف التفات نہ کریں۔

ابو داؤد میں حضرت عقبہ ابن عامر جہنی کی روایت ہے کہ جب یہ آیت: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو اور جب آیت سبح اسم ربک الاعلی نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو۔ اسی لئے باجماع امت رکوع اور سجدے میں یہ دونوں تسبیحات پڑھی جاتی ہیں۔ جمہور کے نزدیک ان کا پڑھنا اور تین مرتبہ تکرار کرنا سنت ہے۔ بعض حضرات نے واجب بھی کہا ہے۔



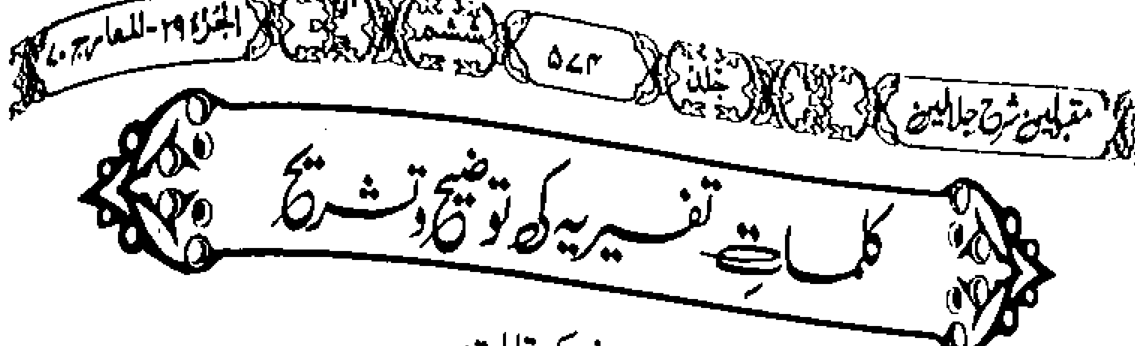
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
سورۂ معارج مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چوالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

سَاَلَ سَآئِلٌ دعا داعٍ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿١﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿٢﴾ هُوَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ الْاٰيَةَ مِّنَ اللّٰهِ مُتَّصِلٌ بِوَاقِعٍ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿٣﴾ مَصَاعِدُ الْمَلَائِكَةِ وَهِيَ السَّمٰوٰتُ تَعْرُجُ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ جِبْرَئِيْلُ اِلَيْهِ اِلٰى مَهْبَطِ اَمْرِهٖ مِنَ السَّمَاءِ فِيْ يَوْمٍ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ يَقَعُ الْعَذَابُ بِهِمْ فِيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿٤﴾ بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْكَافِرِ لِمَا يَلْقٰى فِيْهِ مِنَ الشَّدَائِدِ وَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَكُوْنُ عَلَيْهِ اَخَفَّ مِنْ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ يُصَلِّيْهَا فِي الدُّنْيَا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ فَاصْبِرْ هٰذَا قَبْلَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْقِتَالِ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿٥﴾ اَيْ لَا فَزَعَ فِيْهِ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ اَيِ الْعَذَابَ بَعِيْدًا ﴿٦﴾ غَيْرَ وَاقِعٍ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿٧﴾ وَاقِعًا لَا مَحَالَةَ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ يَقَعُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ كَذَائِبِ الْفِضَّةِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ كَالصُّوْفِ فِي الْخِفَّةِ وَالطَّيَرَانِ بِالرِّيْحِ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿١٠﴾ قَرِيْبٌ قَرِيْبَهٗ لِاشْتِغَالِ كُلٍّ بِحَالِهٖ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يُبْصِرُ الْاَحْمَاءُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَيَتَعَارَفُوْنَ وَلَا يَتَكَلَّمُوْنَ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ يَتَمَنَّى الْكَافِرُ لَوْ بِمَعْنٰى اَنْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِكَسْرِ الْمِيْمِ بِبَنِيْهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهٖ زَوْجَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيْلَتِهِ عَشِيْرَتِهٖ لِفَصْلِهٖ مِنْهَا الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿١٣﴾ تَضُمُّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿١٤﴾ ذٰلِكَ الْاِفْتِدَاءُ عَطْفٌ عَلٰى يَفْتَدِيْ كَلَّا رَدْعٌ لِمَا يَوَدُّهٗ اِنَّهَا اَيِ النَّارَ لَظٰى ﴿١٥﴾ اِسْمٌ لِجَهَنَّمَ لِاَنَّهَا تَتَلَظّٰى اَيْ تَتَلَهَّبُ عَلَى الْكُفَّارِ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿١٦﴾ جَمْعُ شَوَاةٍ وَهِيَ جِلْدَةُ الرَّاْسِ تَدْعُوْا

مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ بِاَنْ تَقُوْلَ اِلَيَّ اِلَيَّ وَجَمَعَ الْمَالَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اَمْسَكَهٗ فِيْ وِعَائِهٖ وَلَمْ يُؤَدِّ حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْهُ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ وَتَفْسِيْرُهٗ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَقْتَ مَسِّ الشَّرِّ وَ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ وَقْتَ مَسِّ الْخَيْرِ اَيِ الْمَالِ لِحَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْهُ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ مُوَاظِبُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ هُوَ الزَّكٰوةُ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ اَلْمُتَعَفِّفُ عَنِ السُّؤَالِ فَيُحْرَمُ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ اَلْجَزَاءِ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ خَائِفُوْنَ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ نُزُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ مِنَ الْاِمَاءِ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ اَلْمُتَجَاوِزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْاِفْرَادِ مَا اؤْتُمِنُوْا عَلَيْهِ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَعَهْدِهِمْ اَلْمَاْخُوْذُ عَلَيْهِمْ فِيْ ذٰلِكَ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ حَافِظُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْجَمْعِ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ يُقِيْمُوْنَهَا وَلَا يَكْتُمُوْنَهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ بِاَدَائِهَا فِيْ اَوْقَاتِهَا اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

ترجمہ: ترجمہ: ایک درخواست کرنے والا درخواست کرتا ہے (دعا مانگنے والا دعا مانگتا ہے) اس عذاب کی جو کافروں پر ہونے والا ہے جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے (نضر بن الحارث مراد ہے جس نے دعا کی تھی۔ اللهم ان كان هذا هو الحق فامطر علينا) جو اللہ کی طرف سے (اس کا تعلق واقع سے ہے) جو سیڑھیوں کا مالک ہے (فرشتوں کو آسمانوں پر چڑھانے والا ہے) چڑھ کر جاتے ہیں (تا اور یا کے ساتھ ہے) فرشتے اور روح (جبریل) اس کے پاس (آسمان کے اس حصہ میں جہاں حکم الٰہی آتا ہے) ایسے میں دن ہوگا (اس کا تعلق محذوف سے ہے۔ ای یقع العذاب بهم فی یوم القیامة) جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے (یہ مقدار کافروں کو وہاں کی سختی کی وجہ سے معلوم ہوگی، ورنہ مومن کے لئے وہ دن دنیا کی ایک فرض نماز سے ہلکا پھلکا معلوم ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) سو آپ صبر کیجئے (یہ حکم جہاد کی مشروعیت سے پہلے کا ہے) بہترین صبر (جس میں حرف شکایت نہ آئے) یہ لوگ اس (عذاب) کو بعید دیکھ رہے ہیں (یعنی نہیں آئے گا) اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں (یعنی

ضرور واقع ہو کر رہے گا) جس دن آسمان ہو جائے گا (اس کا تعلق محذوف یعنی یقع کے ساتھ ہے) تلچھٹ (پگھلی ہوئی چاندی) کی طرح اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے (ہلکے ہونے اور ہوا میں اڑنے کے لحاظ سے روئی کی طرح ہو جائیں گے) اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (کیونکہ ہر ایک کو نفسانفسی پڑی ہوگی) ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے (عزیز، قریب ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ مگر بات نہیں کر سکیں گے۔ جملہ مستانفہ ہے) مجرم (کافر) تمنا کرے گا کہ کاش وہ فدیہ میں دے دے اس روز کے عذاب سے (یومئذ کسرہ میم اور فتحہ میم کے ساتھ ہے) اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی، کنبہ کو (خاندان کو فصیلہ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس سے نکلا ہے) جن میں وہ رہتا تھا۔ اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دے دے۔ پھر یہ اس کو بچالے (فدیہ دینا۔ اس کا عطف یفتدی پر ہے) یہ ہرگز نہ ہوگا (تمنا پر ڈانٹ ہے) وہ (آگ) ایسی شعلہ زن ہوگی (لظی جہنم کا نام ہے کیونکہ وہ کفار پر دہکے گی) کھال کو اتار دے گی (شواۃ کی جمع ہے۔ سر کی کھال کو کہتے ہیں) وہ اس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی اور بے رخی کی ہوگی (ایمان سے، یہ کہے گی کہ آ) اور (مال) جمع کیا ہوگا اور اٹھا اٹھا رکھا ہوگا (خزانہ میں محفوظ۔ اور اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کیا ہوگا۔ انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے (حال مقدرہ ہے جس کی تفسیر آگے ہے) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (تکلیف کے وقت) جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے (خیر یعنی مال حاصل ہونے پر اللہ کا حق ادا کرنے میں) مگر وہ نمازی (مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ (پابندی) رکھتے ہیں اور جن کے مالوں میں مقررہ حق (زکوٰۃ) ہے۔ سوالی غیر سوالی سب کے لئے (محروم جو سوال نہ کرنے کی وجہ سے محروم رہ جائے) اور قیامت (جزا) کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے (خائف) ہیں۔ واقعی ان کے پروردگار کا عذاب (نازل ہونا) بے خوفی کی چیز نہیں ہے اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھنے والے ہیں۔ لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے۔ کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ہاں جو اس کے علاوہ طلب گار ہو۔ ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں (حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے) اور اپنی امانتوں (ایک قرأت میں مفرد لفظ کے ساتھ ہے، یعنی دین و دنیا کی کوئی بھی امانت) اور اپنے عہد سے (جو اس پر ان سے لیا جائے) پاس (خیال) رکھنے والے ہیں اور اپنی شہادت کو (ایک قرأت میں جمع کے ساتھ ہے) ٹھیک ادا کرتے ہیں۔ (چھپاتے نہیں) اور اپنی نماز کی (بروقت) پابندی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بہشت میں عزت سے داخل ہوں گے۔



کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ : مَصَاعِدُ: معارج جمع معرج۔ فرشتوں کے چڑھنے کے مقامات۔

قولہ : اَمْرُہٗ مِنَ السَّمَاءِ: اس اترنے کی جگہ کا بیان ہے اور وہ آسمان میں بعض مقامات ہیں۔

قولہ : فَاصْبِرْ: وہ سائل سے متعلق ہے کیونکہ سوال بطور تعنت تھا۔

قولہ : بَعِیْدًا: امکان سے بعید ہے۔

قولہ : قَرِیْبًا: لامکان سے قریب ہے۔

قولہ : کَذَائِبِ الْفِضَّۃِ: پگھلانا، پگھلی چاندی۔

قولہ : کَالصُّوْفِ: رنگی اون۔ کیونکہ پہاڑ مختلف رنگت والے ہیں۔

قولہ : وَالْجُمْلَۃُ مُسْتَانِفَۃٌ: اس پر دلالت کرتا ہے کہ سوال سے مانع محض اپنے کو مشغول کرنا ہے کہ خفاء۔

قولہ : یَوَدُّ الْمُجْرِمُ: ہر مجرم کو اپنی پڑی ہوگی اور وہ لوگوں میں سب سے قریب ترین کی پیروی کرنا چاہیں گے۔

قولہ : تُئْوِیْہِ: یعنی نسب اور تکالیف میں۔

قولہ : عَلٰی یَفْتَدِیْ: پھر اگر فدیہ اس کو بچالے۔؟؟ استبعاد کے لیے ہے۔

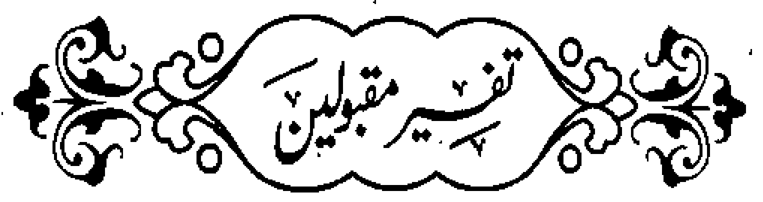
قولہ : جِلْدَۃُ الرَّاْسِ: وہ نہ گوشت چھوڑے نہ چمڑہ۔

قولہ : تَدْعُوْا: کھینچنا اور حاضر ہونا۔

قولہ : فِیْ وِعَائِہٖ: برتن میں۔

قولہ : مَا ائْتُمِنُوْا: جس میں اس کو امین بنایا گیا۔

قولہ : فِیْ اَوْقَاتِہَا:



تفسیر مقبولین

(ربط) گزشتہ سورت کی طرح اس میں بھی خصوصیت سے قیامت اور قیامت کے احوال شدیدہ کا بیان ہے اور یہ کہ آخرت کی سعادت و شقاوت کا اصل مدار و معیار کیا ہے اور وہاں کی راحتیں اور کلفتیں کس امر پر مرتب ہوتی ہیں اسی کے ساتھ مومنین و مجرمین کے احوال اور انکے درمیان تقابل بھی بیان فرمایا تا کہ ایک نظر میں نور و ظلمت اور حرارت و برودت کی طرح مومن و کافر کا فرق واضح ہو جائے بالخصوص اس سورت میں جو چیز زائد اہمیت اور توجہ کے ساتھ ذکر کی گئی وہ کفار مکہ کی مخالفت اور ان کے تمسخر و استہزاء کا رد ہے جو وہ رسول خدا ﷺ اور کلام رب العالمین کے ساتھ کرتے تھے۔

سورت کی ابتداء کفار مکہ کی سرکشی اور لغو قسم کے سوالات کے ذکر سے فرمائی گئی اور یہ کہ وہ کس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے انحراف در وگردانی کرتے تھے اس پر ان کے انجام ہلاکت کا بھی بیان ہے۔

اخیر میں مجرمین وکفار قیامت کے روز کیسی شدت و بے چینی میں مبتلا ہوں گے اسکو بھی بیان فرمایا گیا اور اہل ایمان پر انعامات اور انکی راحتوں کو اسکے بالمقابل پیش کردیا گیا ساتھ ہی انسانی فطرت کی کمزوری کا بھی ذکر ہے تاکہ انسان اس عیب اور کمزوری کے مہلک نتائج سے اپنی زندگی کو محفوظ رکھ سکے۔

سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍۙ۝۱

قیامت کے دن کافروں کی بدحالی اور بے سروسامانی:

یہاں سے سورۂ معارج شروع ہو رہی ہے چونکہ اس میں لفظ ذی المعارج وارد ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لیے سورۃ المعارج کے نام سے موسوم ہوئی المعارج معرج کی جمع ہے جس کا معنی ہے چڑھنے کی جگہ۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ المعارج سے آسمان مراد ہے چونکہ آسمانوں سے زمین کی طرف اور زمین سے آسمانوں کی طرف فرشتوں کا آنا جانا رہتا ہے اس لیے آسمانوں کو المعارج فرمایا اور خالق تعالیٰ شانہٗ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے آسمان بھی اس کی مخلوق ہیں جہاں سے فرشتوں کا گزر ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ایک وصف ذی المعارج ذکر فرمایا۔ مفسرین کرام نے اس سورت کی ابتدائی آیات کا شان نزول یہ ذکر فرمایا ہے کہ نضر بن حارث جو ایک بڑا مشرک اور مکہ معظمہ میں اسلام کا اور مسلمانوں کا بہت زیادہ کٹر دشمن تھا اس نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی کہ اے اللہ اگر یہ دین (جو محمد ﷺ لائے ہیں) حق ہے (جسے ہم قبول نہیں کر رہے ہیں) تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دیجئے یا ہم پر دردناک عذاب لے آئیے۔ روح المعانی میں امام نسائی سے یہ روایت نقل کی ہے مذکورہ بالا دعا ابوجہل نے کی تھی اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍۙ۝ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌۙ۝ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِؕ۝ یعنی ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں یہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو معارج یعنی آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور ان کا مالک ہے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے بیان فرمانے میں بظاہر یہ نکتہ ہے کہ زمین پر رہنے والے عذاب کا سوال کر رہے ہیں زمین تو ان کے قریب ہی ہے اس میں دھنسائے جا سکتے ہیں اور زلزلہ اور بھونچال کے ذریعے بھی ہلاک کیے جا سکتے تھے اور آسمان کی جانب سے بھی ان پر عذاب آ سکتا ہے انہوں نے جو آسمان سے پتھر برسانے کی دعا کی ہے یہ دعا بعینہٖ بھی قبول ہو سکتی ہے اور پتھر برس سکتے ہیں۔ جیسے زمین میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہے اسی طرح وہ آسمانوں اور جو چیزیں ان میں ہیں ان سب کا بادشاہ ہے، اور نتیجہ اس دعا کا یہ ہوا کہ نضر بن حارث اور ابوجہل دونوں غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے اور ان کے ساتھ دوسرے مشرکین بھی مارے گئے جن میں کفر کے بڑے بڑے سرغنہ تھے بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی تعداد ستر تھی اور ستر کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لایا گیا خود ان کی بددعا ان کے حق میں لگ گئی پھر ان قیدیوں میں سے بعض لوگ بعد میں مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝

(فرشتے اور روحیں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں) یعنی عالم بالا میں جو مواقع ان کے عروج کے مقرر فرما دیئے ہیں وہاں پہنچتی ہیں۔ قال صاحب الجلالین الی مهبط امره من السماء۔

فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ (ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی)

صاحب بیان القرآن کا انداز بیان یہ ہے کہ ذی المعارج کے بعد تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان فرمائی ہے اور فِيْ يَوْمٍ متعلق ہے محذوف سے اور مطلب یہ ہے کہ سائل نے جس عذاب کا سوال کیا ہے وہ عذاب ایسے دن میں واقع ہوگا جس کی مقدار دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔

صاحب جلالین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ حیث قال فی یوم متعلق بمحذوف ای یقع العذاب بهم فی یوم القیامة۔ اس میں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جو عذاب مانگا تھا وہ تو غزوہ بدر میں آ چکا پھر لفظ فِيْ يَوْمٍ کو یقع سے کیوں متعلق کیا جا رہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے معارض نہیں ہے دنیا میں بھی عذاب واقع ہو گیا اور آخرت میں بھی واقع ہوگا اگر دونوں کا تذکرہ مقصود ہو تو اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں، جملہ فی یوم کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

وایاما کان فالجملة استیناف مؤکد لما سیق له الکلام وقیل هو متعلق بواقع وقیل بدافع والمراد بالیوم علی هذه الاقوال ما ارید به فیما سبق وتعرج الملئکة والروح الیه مستطرد عند وصفه عزوجل بذی المعارج وقیل هو متعلق بتعرج کما هو الظاهر الا ان العروج فی الدنیا والمعنی تعرج الملئکة والروح الی عرشه تعالیٰ ویقطعون فی یوم من ایامکم ما یقطعه الانسان فی خمسین الف سنة لو فرض سیره فیه۔

ہزار سال اور پچاس ہزار سال میں تطبیق:

یہ دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ اس سے بظاہر قیامت کا دن مراد ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کی سزائیں بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اور سورۂ الم سجدہ میں فرمایا ہے: يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال ہوگا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ فقراء جنت میں مالداروں سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے جو آدھا دن ہوگا۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۷)

ایک ہی دن کے بارے میں ایک ہزار سال بھی بتایا اور اس کی مقدار پچاس ہزار سال بھی بتائی اس کے بارے میں علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہوگا کافروں کے لیے پچاس ہزار سال ہی کا دن ہوگا اور انہیں حساب کی سختی کی وجہ سے اتنا ہی لمبا معلوم اور محسوس ہوگا اور مومن آدمی کے لیے ہلکا کر دیا جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جو دن پچاس ہزار سال ہوگا اس کی لمبائی کتنی زیادہ ہوگی (بطور تعجب اور اظہار تشویش یہ سوال کیا) آپ نے ارشاد فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ دن مومن پر ہلکا کر دیا جائے گا یہاں تک کہ جو دنیا میں ایک شخص نماز پڑھتا ہے اس سے بھی زیادہ ہلکا کر دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۷)

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝

انسان بے صبرا، بخیل اور کنجوس بھی ہے:

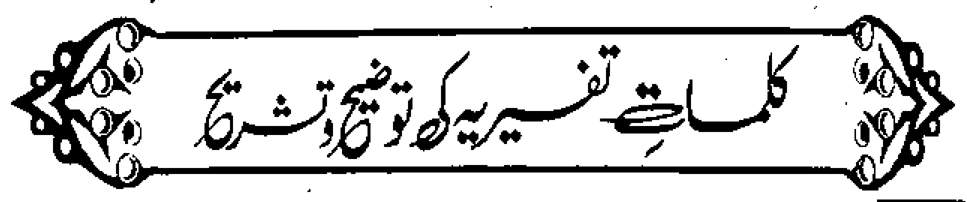
یہاں انسانی جبلت کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ یہ بڑا ہی بے صبرا ہے، مصیبت کے وقت تو مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے باؤلا سا ہو جاتا ہے، گویا دل اڑ گیا اور گویا اب کوئی آس باقی نہیں رہی، اور راحت کے وقت بخیل کنجوس بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ڈکار جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بدترین چیز انسان میں بیحد بخیلی اور اعلیٰ درجہ کی نامردی ہے (ابوداؤد) پھر فرمایا کہ ہاں اس مذموم خصلت سے وہ لوگ دور ہیں جن پر خاص فضل الٰہی ہے اور جنہیں توفیق خیر ازل سے مل چکی ہے، جن کی صفتیں یہ ہیں کہ وہ پورے نمازی ہیں وقتوں کی نگہبانی کرنے واجبات نماز کو اچھی طرح بجا لانے سکون اطمینان اور خشوع خضوع سے پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے والے۔ جیسے فرمایا آیت: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (المومنون:۱) ان ایمان داروں نے نجات پالی جو اپنی نماز خوف اللہ سے ادا کرتے ہیں، ٹھہرے ہوئے بے حرکت کے پانی کو بھی عرب ماء دائم کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں اطمینان واجب ہے، جو شخص اپنے رکوع سجدے پوری طرح ٹھہر کر با اطمینان ادا نہیں کرتا وہ اپنی نماز پر دائم نہیں کیونکہ نہ وہ سکون کرتا ہے نہ اطمینان بلکہ کوئے کی طرح ٹھونگیں مار لیتا ہے اس کی نماز اسے نجات نہیں دلوائے گی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر نیک عمل پر مداومت اور ہمیشگی کرنا ہے جیسے کہ نبی علیہ صلوات اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ پسندوہ عمل ہے جس پر مداومت میں جائے گو کم ہو، خود حضور علیہ السلام کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جس کام کو کرتے اس پر ہمیشگی کرتے، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیال پیغمبر نے امت محمد ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قوم نوح ایسی نماز پڑھتی تو ڈوبتی نہیں اور قوم عاد کی اگر ایسی نماز ہوتی تو ان پر بے برکتی کی ہوائیں نہ بھیجی جاتیں اور اگر قوم ثمود کی نماز ایسی ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا، پس اے لوگو! نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کرو مومن کا یہ زیور اور اس کا بہترین خلق ہے، پھر فرماتا ہے ان کے مالوں میں حاجت مندوں کا بھی مقررہ حصہ ہے یہ لوگ حساب اور جزا کے دن پر بھی یقین کامل اور پورا ایمان رکھتے ہیں اسی وجہ سے وہ اعمال کرتے ہیں جن سے ثواب پائیں اور عذاب سے چھوٹیں، پھر ان کی صفت بیان ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے اور خوف کھانے والے ہیں، جس عذاب سے کوئی عقل مند انسان بے خوف نہیں رہ سکتا ہاں جسے اللہ امن دے اور یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں جہاں اللہ کی اجازت نہیں ان جگہ سے بچاتے ہیں، ہاں اپنی بیویوں اور اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں سو اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں، لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا اور طرح اپنی شہوت رانی کرلے وہ یقیناً حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے، ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر: قَدْ

اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (المؤمنون:۱) میں گذر چکی ہے یہاں دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ امانت کے ادا کرنے والے وعدوں اور وعیدوں قول اور قرار کو پورا کرنے والے اور اچھی طرح نباہنے والے ہیں، نہ خیانت کریں نہ بدعہدی اور وعدہ شکنی کریں۔ یہ کل صفتیں مومنوں کی ہیں اور ان کا خلاف کرنے والا منافق ہے، جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے منافق کی تین خصلتیں ہیں جب کبھی بات کرے جھوٹ بولے، جب کبھی جھگڑے گالیاں بولے۔ یہ اپنی شہادتوں کی بھی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی نہ اس میں کمی کریں نہ زیادتی نہ شہادت دینے سے بھاگیں نہ اسے چھپائیں، جو چھپالے وہ گنہگار دل والا ہے۔ پھر فرمایا وہ اپنی نماز کی پوری چوکسی کرتے ہیں یعنی وقت پر ارکان اور واجبات اور مستحبات کو پوری طرح بجالا کر نماز پڑھتے ہیں، یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف میں بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا اور ختم بھی اسی پر کیا پس معلوم ہوا کہ نماز امر دین میں عظیم الشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرافت اور فضیلت والی چیز بھی یہی ہے اس کا ادا کرنا سخت ضروری ہے اور اس کا بندوبست نہایت ہی تاکید والا ہے۔ سورۃ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (المؤمنون:۱) میں بھی ٹھیک اسی طرح بیان ہوا ہے اور وہاں ان اوصاف کے بعد بیان فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وارث فردوس ہیں اور یہاں فرمایا یہی لوگ جنتی ہیں اور قسم قسم کی لذتوں اور خوشبوؤں سے عزت واقبال کے ساتھ مسرور و محفوظ ہیں۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ نَحْوَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ حَالٌ اَیْ مُدِيْمِي النَّظْرِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ مِنْكَ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ حَالٌ اَيْضًا اَیْ جَمَاعَاتٌ حَلَقًا حَلَقًا يَقُوْلُوْنَ اِسْتِهْزَاءً بِالْمُؤْمِنِيْنَ لَئِنْ دَخَلَ هٰؤُلَاءِ الْجَنَّةَ لَنَدْخُلَنَّهَا قَبْلَهُمْ قَالَ تَعَالٰى اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا رَدْعٌ لَهُمْ عَنْ طَمَعِهِمْ فِي الْجَنَّةِ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ كَغَيْرِهِمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مِنْ نُطَفٍ فَلَا يَطْمَعُ بِذٰلِكَ فِي الْجَنَّةِ وَاِنَّمَا يُطْمَعُ فِيْهَا بِالتَّقْوٰى فَلَآ لَا زَائِدَةٌ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَسَائِرِ الْكَوَاكِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ نَاْتِيَ بَدْلَهُمْ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ بِعَاجِزِيْنَ عَنْ ذٰلِكَ فَذَرْهُمْ اُتْرُكْهُمْ يَخُوْضُوْا فِيْ بَاطِلِهِمْ وَيَلْعَبُوْا فِيْ دُنْيَاهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَلْقَوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْهِ الْعَذَابُ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ الْقُبُوْرِ سِرَاعًا اِلَى الْمَحْشَرِ كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ شَيْءٌ مَنْصُوْبٌ كَعَلَمٍ اَوْ رَايَةٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ يُسْرِعُوْنَ خَاشِعَةً ذَلِيْلَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ تَغْشَاهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ ع۲

ذٰلِكَ مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهُ الْخَبَرُ وَمَعْنَاهُ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ

ترجمہ: سو کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی جانب (طرف) دوڑے آرہے ہیں (حال ہے۔ یعنی نظر جمائے ہوئے) دائیں بائیں سے (آپ کی طرف) جماعتیں بن بن کر (یہ بھی حال ہے، یعنی حلقے بنا بنا کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے اگر یہ جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جائیں گے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کیا ان میں سے ہر شخص اس کی طمع رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کرلیا جائے گا۔ یہ ہرگز نہ ہوگا (جنت میں جانے کی ہوس پر ڈانٹ ہے) ہم نے ان کو (اوروں کی طرح) ایسی چیز سے پیدا کیا۔ جس کی ان کو بھی خبر ہے۔ (یعنی نطفہ سے پھر محض اس کی وجہ سے جنت میں جانے کی کیسے ہوس رکھتے ہیں۔ ہاں تقویٰ کی بنیاد پر امید رکھی جاسکتی ہے) پھر (لا زائد ہے) میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں، مغربوں کے مالک کی (آفتاب ماہتاب ستارے سب اس میں آگئے) کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ بدل کر لے آئیں۔ اور ہم عاجز نہیں ہیں۔ سو آپ ان کو رہنے دیجئے (چھوڑ یئے) اس شغل (باطل) اور تفریح (دنیا) میں یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو (واسطہ پڑے) جس میں ان سے (عذاب کا) وعدہ کیا جاتا ہے۔ جس دن یہ قبروں سے نکل کر (محشر کی طرف) اس طرح دوڑیں گے۔ جیسے یہ کسی پرستش گاہ کی سمت (ایک قرأت میں دونوں حرفوں کا ضمہ ہے۔ ایسی چیز جو کھڑی کی جائے۔ جیسے جھنڈا وغیرہ) دوڑتے ہیں۔ ان کی آنکھیں نیچے کو جھکی (ذلیل) ہوں گی۔ ان پر رسوائی چھائی ہوگی۔ یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (ذلک مبتداء ہے اور بعد کا جملہ خبر ہے، مراد قیامت کا دن ہے)۔



- **قوله:** قِبَلَكَ : تمہارے گرد۔

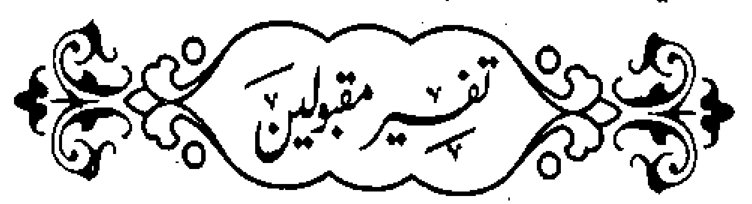
قوله: مُدِيمِي النَظَرِ : جلدی کرنے والے ہیں۔

قوله: اَنْ نُّبَدِّلَ : کیا ہم ان کو ہلاک کردیں، یہانتک کہ دوسروں کو لے آئیں۔

قوله: سِرَاعًا : جلدی سے۔

قوله: مَنْصُوْبٌ : للعبادہ یا علم عبادت وعلم۔

قوله: كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ : دنیا میں ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔



فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾

مشرکین مکہ قرآن شریف کی آیتیں سن کر آنحضرت ﷺ کے دائیں بائیں ہو کر نکل جاتے تھے اور قرآن شریف کی پوری نصیحت سننے سے کتراتے تھے اور آپس میں یہ باتیں کرتے تھے کہ یہ ساری نصیحت اس لئے ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے اور اس نئی زندگی میں میوے کھانے کو باغ میں گے۔ پھر کہتے تھے اگر یہ بات سچ ہے تو جس طرح بہ نسبت ان مسلمانوں کے دنیا میں ہم راحت و آرام سے ہیں اسی طرح ان سے پہلے ہم کو ہی وہ باغ ملیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ جنت کچھ ان کے بڑے بوڑھوں کے بنائے ہوئے باغ نہیں ہیں کہ بغیر مرضی اللہ تعالیٰ کے یہ ان باغوں میں گھس جائیں گے۔ نہیں یہ خال ان کا بالکل غلط ہے آدمی تو ایک ایسی ناچیز شے پیدا ہوا ہے کہ اصل پیدائش کی رو سے اس کی کچھ قدر و منزلت نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کے پیچھے اپنی فرمانبرداری جو لگائی ہے اس کے پورے طور پر ادا ہو جانے کی حالت میں انسان قابل قدر و منزلت کے ہوسکتا ہے۔ قرآن کی جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی فرمانبرداری کی شکلیں اور شرطیں بیان کی ہیں۔ ان آیتوں کے سننے سے تو یہ لوگ وحشیوں کی طرح بھاگتے ہیں اور اس پر دعویٰ یہ کہ اللہ کی جنت میں یہ زبردستی گھس جائیں گے اس سے بڑھ کر اور کیا نادانی ہوگی۔ پھر قسم کھا کر فرمایا کہ قدرت سے یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنا دین پھیلانے کے لئے ان لوگوں سے بہتر لوگ بدل دے۔ اللہ سچا ہے ہجرت کے بعد اس کا ظہور ہو گیا کہ انصار لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت میں دے دیئے جن کی مدد سے اللہ کا دین بہت جلد پھیل گیا۔ پھر فرمایا کہ ان اہل مکہ کو مسخرا پن کی باتیں بنانے کی حالت میں چھوڑ دیا جائے تاکہ ان میں سے جو بغیر فرمانبرداری بجالانے کے مر گئے ان کا پھر زندہ ہو کر اللہ کی جنت میں زبردستی گھس جانا تو درکنار بلکہ جس طرح یہ لوگ دنیا میں بتوں کے تھان کی طرف دوڑتے ہیں اسی طرح حشر کے دن قبروں سے اٹھ حساب و کتاب اور اس بت پرستی کا خمیازہ بھگتنے کے لئے آگے پیچھے میدان محشر کا طرف دوڑیں گے اور بت پرستی کا خمیازہ بھگتنے کے لئے جو کچھ ہوگا اس کا ذکر شروع سورۃ میں گزر چکا ہے کہ ایک گناہ گار اپنے سارے رشتہ داروں اور تمام دنیا کے مال و متاع کو معاوضہ میں دے کر عذاب آخرت سے چھٹکارا چاہے گا تو بھی چھٹکارا ہرگز نہ ہوگا۔ اور عذاب آخرت میں جو کچھ سختی ہوگی اس کا بیان دوزخ کے ذکر کی آیتوں میں اوپر کئی جگہ گزر چکا ہے اللہ اس عذاب سے سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور اس عذاب سے بچنے کی توفیق دے۔



سورة نوح

سورة نوح ۷۱ مکیة ۷۱ | بسم الله الرحمن الرحیم | آیاتها ۲۸ رکوعاتها ۲

سورۂ نوح مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی اٹھائیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ أي بإنذار قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ إن لم يؤمنوا عَذَابٌ أَلِيمٌ (١) مؤلم في الدنيا والآخرة قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ (٢) بين الإنذار أَنِ أي بأن أقول لكم اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ (٣) يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ من زائدة فإن الإسلام يغفر به ما قبله أو تبعيضية لإخراج حقوق العباد وَيُؤَخِّرْكُمْ بلا عذاب إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى أجل الموت إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ بعذابكم إن لم تؤمنوا إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (٤) ذلك لآمنتم قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا (٥) دائما متصلا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا (٦) عن الإيمان وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ لئلا يسمعوا كلامي وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ غطوا رؤوسهم بها لئلا ينظروني وَأَصَرُّوا على كفرهم وَاسْتَكْبَرُوا تكبروا عن الإيمان اسْتِكْبَارًا (٧) ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا (٨) أي بأعلاء صوتي ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ صوتي وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ الكلام إِسْرَارًا (٩) فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ من الشرك إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (١٠) يُرْسِلِ السَّمَاءَ المطر وكانوا قد منعوه عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا (١١) كثير الدرور وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ بساتين وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا (١٢) جارية مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا (١٣) أي تأملون وقار الله إياكم بأن تؤمنوا وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا (١٤) جمع طور وهو الحال فطورا نطفة وطورا علقة إلى تمام خلق الإنسان والنظر في خلقه يوجب الإيمان بخالقه أَلَمْ تَرَوْا تنظروا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ

سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ﴿۱۵﴾ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ اَیْ فِیْ مَجْمُوْعِهِنَّ الصَّادِقِ بِالسَّمَاءِ الدُّنْيَا نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ مِصْبَاحًا مُضِيْئًا وَهُوَ اَقْوٰی مِنْ نُوْرِ الْقَمَرِ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ خَلَقَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ﴿۱۷﴾ اِذْ خَلَقَ اَبَاكُمْ اٰدَمَ مِنْهَا ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا مَقْبُوْرِيْنَ وَيُخْرِجُكُمْ لِلْبَعْثِ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ﴿۱۹﴾ مَبْسُوْطَةً لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا طُرُقًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ وَاسِعَةً ع

ترجمہ: ترجمہ: ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا کہ تم ڈراؤ (یعنی ڈرانے کے ساتھ) اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ (اگر وہ ایمان نہ لائیں تو) ان پر دردناک عذاب آئے (جو دنیا و آخرت میں تکلیف دہ ہو) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف (کھلے طور پر) ڈرانے والا ہوں کہ تم (یعنی میں تم سے کہتا ہوں کہ) اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو تو وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا (مِنْ زائد ہے کیونکہ اسلام کی برکت سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یا مِنْ تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ حقوق العباد معاف نہیں ہوتے) اور تم کو (بغیر عذاب کے) مقررہ وقت (موت) تک مہلت دے گا اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (تمہارے عذاب کا اگر تم ایمان نہ لائے) جب آ جائے گا تو ٹلے گا نہیں۔ اگر تم سمجھتے (اس کو تو ایمان لے آتے) نوح نے دعا کی کہ اے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات دن (ہمیشہ مسلسل) بلایا، سو میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے رہے (ایمان سے) اور میں نے جب کبھی بلایا۔ تا کہ آپ ان کو بخش دیں۔ تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تا کہ میرا کلام نہ سن سکیں) اور اپنے کپڑے لپیٹ لئے (سروں کو کپڑوں سے چھپالیا۔ تا کہ مجھ کو دیکھ نہ سکیں) اور اصرار کیا (کفر پر) اور انتہائی تکبر کیا (ایمان لانے سے) پھر میں نے ان کو با آواز بلند (زور سے) بلایا۔ پھر میں نے ان کو علانیہ (آواز سے) بھی سمجھایا اور ان کو مخفی طریقہ پر بھی سمجھایا۔ چنانچہ میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے (شرک کا) گناہ بخشواؤ، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، تم پر بارش بھیجے گا (وہ لوگ قحط سالی میں مبتلا تھے) کثرت سے (کافی مقدار میں) اور تمہارے مال و اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ اگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کا پاس نہیں کرتے (اللہ نے جو تمہیں وقار عطا کیا ہے اس میں غور کر کے اللہ پر ایمان لاؤ) حالانکہ اس نے تمہیں طرح بہ طرح بنایا (اطوار، طور کی جمع ہے جس کے معنی حال کے ہیں۔ چنانچہ ایک کیفیت نطفہ کی تھی۔ ایک حالت علقہ سے لے کر پیدائش کی تکمیل تک رہی۔ پیدائش میں غور کرنا پیدا کرنے والے پر ایمان لانے کا سبب ہو جاتا ہے) کیا تمہیں معلوم نہیں (تم نے دیکھا نہیں) کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے (تہہ بر تہہ) بنائے اور آسمانوں میں (یعنی ان کے مجموعہ میں جس کا ظہور آسمان

دنیا میں ہو رہا ہے) چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا (روشن جو چاند کی روشنی سے زیادہ تیز ہے) اور اللہ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طور پیدا کیا (یعنی تمہارے باوا آدم کو مٹی سے پیدا کیا) پھر تمہیں زمین ہی میں لے جائے گا (قبر کی صورت میں) اور تم کو باہر لے آئے گا (قیامت کے وقت) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو (پھیلایا ہوا) فرش بنایا۔ تاکہ تم اس کے کھلے (کشادہ) راستوں میں چلو پھرو۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِاَنْذَار: اس میں اشارہ ہے کہ ان مصدریہ ہے۔ محل جر میں نزع جار کی وجہ سے ہے۔

قوله: فَلَمْ يَزِدْهُمْ: دعا کی طرف زیادتی کی اسناد سببیت کی وجہ سے ہے۔

قوله: اِسْتَغْشَوْا: یہاں سین مبالغہ کے لیے ہے۔

قوله: اِسْتِكْبَارًا: بہت بڑا سمجھا۔

قوله: اَلْكَلَامَ اِسْرَارًا: میں نے بار بار ان کو دعوت دی اور ہر انداز سے دی۔

قوله: قَدْ مَنَعُوْهُ: چالیس سال۔

قوله: كَثِيْرَ الدُّرُوْرِ: بہت زیادہ بارشیں۔

قوله: لَاتَاْمَلُوْنَ: تمہیں دکھ نہیں پہنچتا۔

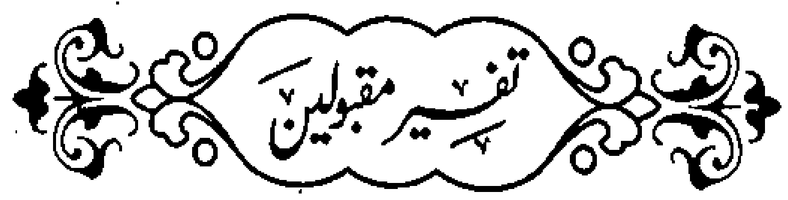
قوله: جَعَلَ الْقَمَرَ: وہ آسمان دنیا میں ہے اس کی کسی جانب۔

قوله: مِصْبَاحًا: یہ مثال ہے رات کے اندھیرے کو زائل کرتا ہے۔

قوله: مِنْهَا: اسی سے تم کو اگایا پس تم آگے اگے۔

قوله: مَبْسُوْطَةً: پھیلی ہوئی، تم اس میں اِدھر اُدھر جاتے ہو۔

قوله: مِنْ: میں اتخاذ فعل کا معنیٰ متضمن ہے۔



(ربط) اس سورت کا مضمون بھی مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید کی ترجمانی اور اثبات ہے اور شرک و بت پرستی کی تردید، بالخصوص اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کے جذبہ تبلیغ اور دعوت الی اللہ میں جو دن رات جدو جہد فرماتے رہے اس کا بیان ہے اور یہ کہ اس بدنصیب قوم کی یہ کس قدر بدنصیبی تھی کہ ہادی حق اور داعی توحید سے دور بھاگتے رہے حتی کہ نفرت و بغض کی کوئی حد باقی نہ رہی کہ اللہ کے پیغمبر کا چہرہ دیکھنا بھی گوارہ نہ ہوا اور اپنے کان صدائے حق سننے سے بھی بند کر لیے پیغمبر

بہرکیف اولادِ آدم اور جنس بشر سے ہیں طبعی تاثرات سے کہاں تک بچ سکتے ہیں تو قوم کی اس بیزاری اور تنفر پر مغموم ورنجیدہ ہوتے ہوئے ایسے بدنصیب مجرموں کیلئے عذاب خداوندی کی طلب والتجاء کے الفاظ جاری ہوجاتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ نوسو پچاس برس کی طویل ترین مدت جب اس طرح گزر جائے کہ قوم اللہ کے پیغمبر کی دعوت توحید کے بالمقابل نہایت ہی گستاخی اور ڈھٹائی سے کہنے لگے :لا تذرن الھتکم " کہ اے لوگو ہرگز اپنے معبودوں کو مت چھوڑو" تو ہادی حق اور داعی توحید کی زبان سے یہی نکلنا چاہیے تھا: رب لا تذر علی الارض من الکٰفرین دیارا ۔ان مضامین کو یہاں بیان فرمائے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کی دعاء مغفرت پر سورت کو ختم فرمایا گیا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ①

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب ،نعمتوں کی تذکیر ،توحید کی دعوت ،قوم کا انحراف اور باغیانہ روش:

یہاں سے سورۂ نوح شروع ہورہی ہے اور بھی کئی سورتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا اور ان کی قوم کی نافرمانی کا اور قوم کے انجام کا تذکرہ ہو چکا ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کے تقریباً ایک ہزار سال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت ہوئی وہ اپنی قوم میں ساڑھے نوسو سال رہے ان لوگوں میں بت پرستی پھیل گئی تھی ۔ بت بنالیتے تھے اور ان کے نام بھی تجویز کر لیتے تھے جو اس سورت کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں ،حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں طرح طرح سے سمجھایا توحید کی اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی دعوت دی ،لیکن ان لوگوں نے نہ مانا اور طرح طرح سے کٹ حجتی کرنے لگے جس کا کچھ تذکرہ سورۂ اعراف میں اور سورہ ھود میں گزر چکا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو میں اللہ کا رسول ہوں میری بات مانو میں جس طرح کہوں اس طرح زندگی گزارو۔ ایمان قبول کرلو گے تو تمہارے گزشتہ سب گناہ معاف ہوجائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لیے ایک اجل مقرر فرمادی ہے وہ تمہیں اس اجل تک پہنچادے گا (یہ اجل ایمان اور اطاعت کی صورت میں ہے) اور اگر تم کفر اور معصیت پر جمے رہے تو وہ اجل تمہارا صفایا کردے گی جو ایمان اور اطاعت والی اجل کے علاوہ ہے اور بصورت عدم ایمان تمہیں اس کے وقت پر ہلاک ہونا ہوگا ،بلاشبہ اللہ نے جو اجل مقرر فرمائی ہے اس میں تاخیر نہیں کی جاتی لہٰذا تم اس اجل کے آنے سے پہلے ایمان قبول کرلو جو بحالت کفر تمہارے ہلاک ہونے کے لیے مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ اجل جب آتی ہے تو مؤخر نہیں کی جاتی کیا ہی اچھا ہوتا تم جانتے ہوتے حق کو مانتے ،موحد بنتے۔

اوپر جن باتوں کا تذکرہ تھا یہ وہ باتیں تھیں جن کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا ان کے مخاطب ان کی بات نہ مانیں تو اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی ایمان کی طرف بلایا اور اس بارے میں کوئی کوتاہی نہیں کی سستی سے کام نہیں لیا ۔لیکن وہ لوگ الٹی ہی چال چلے۔ میں نے انہیں جس قدر بھی دعوت دی وہ اسی قدر دور بھاگے ،میں نے کہا کہ ایمان قبول کرو اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے گا تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں یعنی بات سننا بھی گوارا نہ کیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کپڑے اوڑھ کر لیٹ گئے تاکہ نہ مجھے دیکھ سکیں نہ میری بات سن سکیں ،انہیں کفر پر اصرار ہے اور ان میں تکبر کی شان بھی ہے ،وہ سمجھتے ہیں کہ میری

بات مانیں گے (شرک کو چھوڑ کر توحید پر آ جائیں گے) تو ان کی بڑائی میں فرق آ جائے گا۔ قبول حق کی راہ میں تکبر رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مزید عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے انہیں زور سے بھی دعوت دی۔ شاید زور سے بات کرنے سے مان جائیں لیکن وہ نہ مانے، آہستہ آہستہ طریقہ پر بھی انہیں سمجھایا بجھایا۔ حق پر لانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے دھیان نہ دیا ان سے میں نے کہا کہ دیکھو ایمان قبول کر لو اپنے رب سے مغفرت چاہو وہ بہت بڑا معاف فرمانے والا ہے تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور خوب زیادہ بارش بھی بھیجے گا، یہ جو تمہیں قحط سالی کی تکلیف ہو رہی ہے دور ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اموال میں بھی اضافہ فرمائے گا اور بیٹوں میں بھی، وہ تمہیں باغ بھی دے گا اور نہریں بھی جاری فرمادے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شان تخلیق اور اس کے انعامات تمہارے سامنے ہیں اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ یہ سب کچھ اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے۔

دیکھو اس نے تمہیں مختلف اطوار سے پیدا فرمایا تم پہلے نطفہ تھے پھر جمے ہوئے خون کی صورت بن گئے، پھر ہڈیاں بن گئیں اور ان پر گوشت چڑھ گیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے اس نے تمہیں پیدا فرما کر احسان فرمایا لیکن تمہیں کیا ہو گیا عقلوں پر پتھر پڑ گئے کہ خالق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔

انسانوں کے اپنے اندر جو دلائل توحید ہیں ان کے ذکر کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام نے دوسرے دلائل کی طرف بھی متوجہ کیا اور فرمایا کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے نیچے اوپر سات آسمان پیدا فرمائے اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا جس طرح ایک گھر میں ایک چراغ کے ذریعے سارے گھر کی چیزوں کو دیکھ لیا جاتا ہے اسی طرح سورج کے ذریعے اہل دنیا سورج کی روشنی میں وہ سب کچھ دیکھ لیتے ہیں جو زمین کے اوپر ہے۔

مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طریقہ پر پیدا فرمایا ہے جس کا ذکر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے سلسلہ میں گزر چکا ہے پھر وہ تمہیں اسی زمین میں واپس فرمادے گا یعنی موت کے بعد اسی زمین میں چلے جاؤ گے پھر وہ تمہیں قیامت کے دن ایک خاص طریقہ پر قبروں سے نکالے گا ہڈیاں آپس میں مرکب ہو جائیں گی وہ ان پر گوشت پیدا فرما دے گا اور قبروں سے تیزی کے ساتھ نکل کر میدان حشر کی طرف روانہ ہو جاؤ گے۔

اس میں حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت بھی بیان فرمائی اور میدان حشر کی حاضری کا بھی احساس دلا دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو عالم علوی کے ذکر کے بعد عالم سفلی کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ دیکھو اللہ نے تمہارے لیے زمین کو بساط یعنی فرش بنا دیا جس طرح بستر بچھا ہوا ہوتا ہے اسی طرح زمین تمہارے لیے بچھی ہوئی ہے اس زمین میں چلتے پھرتے ہو یہاں سے وہاں آتے جاتے ہو، اللہ تعالیٰ نے جو راستے بنا دیئے ہیں ان سے فائدہ اٹھاتے ہو اپنی حاجات پوری کرتے ہو، زمین کو تمہارے قابو میں دے رکھا ہے، اس سے طرح طرح کے منافع حاصل کرتے ہو۔

قال تعالیٰ: فی سورۃ الملک هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو مسخر فرمایا، سو تم اس کے راستوں میں چلو اور اللہ کے رزق میں سے کھاؤ)۔

فائدہ: آفتاب کو جو سراج یعنی چراغ بتایا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے سراج سے اس لیے تشبیہ دی ہو کہ چراغ میں خود اپنی ذاتی روشنی ہوتی ہے کسی دوسری چیز سے منعکس ہوکر نہیں آتی۔ سورج میں اپنی روشنی ہے جو کسی دوسرے سیارے سے نہیں آئی جبکہ چاند کی روشنی آفتاب سے منعکس ہوکر آتی ہے لہٰذا چاند کو نور اور شمس کو سراج فرمایا اور: وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا جو فرمایا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: جعله فیهن مع انه فی احداهن وهی السماء الدنیا کما یقال زید فی بغداد وهو فی بقعة منها (چاند کا ذکر فرماتے ہوئے فیھن ضمیر جمع استعمال فرمائی ہے حالانکہ وہ سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے زید بغداد میں ہے حالانکہ وہ بغداد کے ایک حصے میں ہوتا ہے)۔

اور صاحب بیان القرآن نے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ چاند گو سب آسمانوں میں نہیں مگر فیھن باعتبار مجموعہ کے فرمادیا۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا أَيِ السُّفْلَةُ وَالْفُقَرَاءُ مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ وَهُمُ الرُّؤَسَاءُ الْمُنْعَمُ عَلَيْهِمْ بِذٰلِكَ وَوُلْدُ بِضَمِّ الْوَاوِ وَسُكُونِ اللَّامِ وَبِفَتْحِهِمَا وَالْاَوَّلُ قِيْلَ جَمْعُ وَلَدٍ بِفَتْحِهِمَا كَخَشَبٍ وَخُشْبٍ وَقِيْلَ بِمَعْنَاهُ كَبُخْلٍ وَبَخَلٍ إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَمَكَرُوا أَيِ الرُّؤَسَاءُ مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ عَظِيْمًا جِدًّا بِاَنْ كَذَّبُوْا نُوْحًا وَاٰذَوْهُ وَمَنِ اتَّبَعَهُ وَقَالُوا لِلسُّفْلَةِ لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا بِفَتْحِ الْوَاوِ وَضَمِّهَا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ هِيَ اَسْمَاءُ اَصْنَامِهِمْ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ بِاَنْ اَمَرُوْهُمْ بِعِبَادَتِهَا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾ عَطْفٌ عَلٰى قَدْ اَضَلُّوْا دَعَا عَلَيْهِمْ لِمَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ اَنَّهُ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ مِمَّا مَا صِلَةٌ خَطِيئَاتِهِمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ خَطِيْئَاتِهِمْ بِالْهَمْزَةِ أُغْرِقُوا بِالطُّوْفَانِ فَأُدْخِلُوا نَارًا عُوْقِبُوْا بِهَا عَقِبَ الْاِغْرَاقِ تَحْتَ الْمَاءِ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِّنْ دُونِ اَيْ غَيْرِ اللَّهِ أَنْصَارًا ﴿٢٥﴾ يَمْنَعُوْنَ عَنْهُمُ الْعَذَابَ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ اَيْ نَازِلُ دَارٍ وَالْمَعْنٰى اَحَدًا إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ مَنْ يَّفْجُرُ وَيَكْفُرُ قَالَ ذٰلِكَ لِمَا تَقَدَّمَ مِنَ الْاِيْحَاءِ اِلَيْهِ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَكَانَا مُؤْمِنَيْنِ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مَنْزِلِيْ اَوْ مَسْجِدِيْ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾ هَلَاكًا فَاُهْلِكُوْا

ترجمہ: نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے (یعنی گھٹیا اور غریب) لوگوں کی پیروی کی کہ جن کے مال اولاد نے (رئیس لوگ جن پر اللہ نے مال واولاد کا انعام فرمایا، لفظ ولد ضمہ واؤاور سکون لام کے ساتھ اوران دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک پہلی صورت میں ولد کی جمع ہے۔ جیسے خشب کی جمع خشب۔ اور بعض جمع کے معنی پر کہتے ہیں۔ جیسے بُخل کی معنوی جمع بُخل ہے) انہی کو نقصان زیادہ پہنچایا (بلحاظ سرکشی اور کفر کے) اور جنہوں (رئیسوں) نے بڑی بڑی تدبیریں کیں (نوح کو جھٹلایا، ان کو اور ان کے پیروکاروں کو ستایا) اور جنہوں نے (کم درجہ کے لوگوں سے) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ودکو (فتحہ واواور ضمہ واد کے ساتھ ہے) اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق اور نہ نسر کو (یہ سب بتوں کے نام ہیں) اور ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا (کہ انہیں بھی بت پرستی پر مجبور کر دیا) اور ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے (قد اضلوا پر عطف ہو رہا ہے۔ حضرت نوحؑ پر جب یہ وحی آئی۔ انہ لن یومن من قومك الا من قد امن تب انہوں نے یہ بد دعا فرمائی) اپنے ان (مَا صلہ ہے) گناہوں کی وجہ سے (ایک قرأت میں خطیئاتہم ہمزہ کے ساتھ ہے) غرق کئے گئے (طوفان میں) پھر آگ میں داخل کیے گئے (غرق کرنے کے بعد پانی کے نیچے آگ میں داخل کر کے عذاب دیا گیا) اور انہوں نے اللہ کے سوا کوئی حمایتی بھی نہ پایا (جو انہیں عذاب سے بچا لیتا) اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! کافروں میں ایک باشندہ بھی زمین پر نہ چھوڑ (یعنی کسی بھی گھر میں رہنے والا ہو، حاصل یہ کہ کوئی بھی ہو) اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کے فاجر کافر اولاد ہی پیدا ہوگی۔ (یہ بد دعا بھی اسی وحی کے بعد کی ہے جس کا بیان ہو چکا) اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو (جو مومن تھے) اور جو مومن میرے گھر (مکان یا مسجد) میں داخل ہیں اور تمام مسلمان مردوں، عورتوں کو (جو قیامت تک آنے والے ہیں) بخش دیجئے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھا دیجئے۔ (چنانچہ سب تباہ ہوئے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَدًّا: یہ مرد کی صورت میں بنوکلیب کا بت تھا۔

قوله: وَلَا سُوَاعًا: یہ عورت کی صورت میں همدان کا بت تھا۔

قوله: وَلَا يَغُوثَ: یہ شیر کی شکل میں بنومدلج کا بت تھا۔

قوله: يَعُوقَ: یہ گھوڑے کی صورت میں بنومراد کا تھا۔

قوله: وَنَسْرًا: گدھ کی صورت میں بنوحمیر کا تھا۔

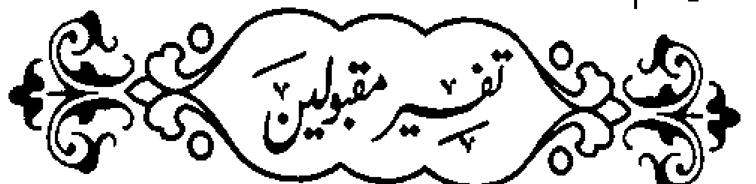
قوله: لِمَا اُوْحِيَ: یہ کفار کے ایمان سے مایوسی کا اظہار ہے۔

قوله: مَا صِلَةٌ: یہ زائدہ ہے۔

قوله: عَقْبَ الْاِغْرَاقِ: وہ عذاب قبر ہے۔

قوله: اَحَدًا: نکرہ عموم کا تقاضا کرتا۔ کسی ایک گھر کے باسی کو بھی مت چھوڑ۔

قوله: وَلِوَالِدَيَّ: اس کا نام: مالک ابن متوشلخ اور والدہ کا نام شمخا بنت انوش تھا۔

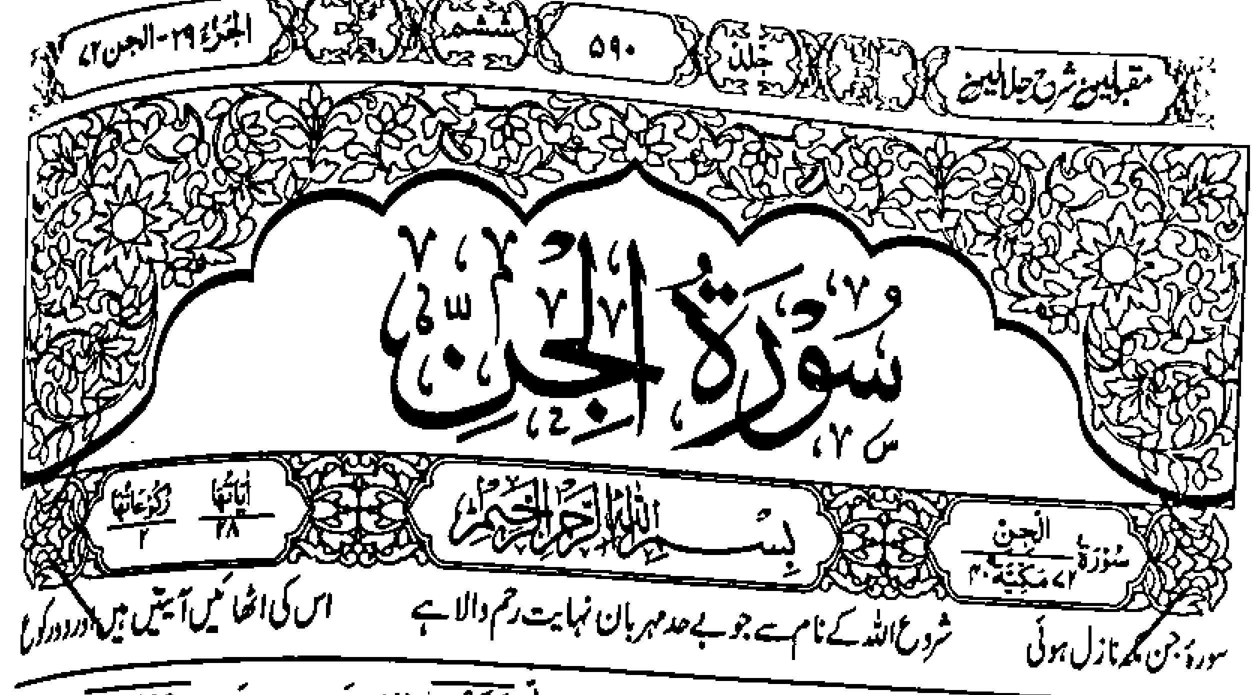


قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

قوم کا کفر و شرک پر اصرار، حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا، نوح علیہ السلام کی بارگاہِ الٰہی میں روداد غم:

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی گزشتہ شکایتوں کے ساتھ ہی جناب باری تعالیٰ میں اپنی قوم کے لوگوں کی اس روش کو بھی بیان کیا کہ میری پکار کو جوان کے لئے سراسر نفع بخش تھی انہوں نے کان تک نہ لگایا ہاں اپنے مالداروں اور بے فکروں کی مان لی جو تیرے امر سے بالکل غافل تھے اور مال و اولاد کے پیچھے مست تھی، گو فی الواقع وہ مال و اولاد بھی ان کے لئے سراسر وبال جان تھی، کیونکہ ان کی وجہ سے وہ پھولتے تھے اور اللہ کو بھولتے تھے اور زیادہ نقصان میں اترتے جاتے تھے (ولدہ) کی دوسری قرأت (ولدہ) بھی ہے اور ان رئیسوں نے جو مال و جاہ والے تھے ان سے بڑی مکاری کی۔ (کُبَّار) اور (کُبَار) دونوں معنی میں کبیر کے ہیں یعنی بہت بڑا۔ قیامت کے دن بھی یہ لوگ یہیں کہیں گے کہ تم دن رات مکاری سے ہمیں کفر و شرک کا حکم کرتے رہے اور انہی بڑوں نے ان چھوٹوں سے کہا کہ اپنے ان بتوں کو جنہیں تم پوجتے رہے ہرگز نہ چھوڑنا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قوم نوح کے بتوں کو کفار عرب نے لے لیا دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب ود کو پوجتے تھے، ہذیل قبیلہ سواع کا پرستار تھا اور قبیلہ مراد پھر قبیلہ بنو غطیف جو صرف کے رہنے والے تھے یہ شہر سبا بستی کے پاس ہے یغوث کی پوجا کرتا تھا، ہمدان قبیلہ یعقوب کا پجاری تھا، آل ذی کلاع کا قبیلہ حمیر نسر بت کا ماننے والا تھا، یہ سب بت دراصل قوم نوح کے صالح بزرگ اولیاء اللہ لوگ تھے ان کے انتقال کے بعد شیطان نے اس زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں ان کی کوئی یادگار قائم کریں، چنانچہ انہوں نے وہاں نشان بنا دیئے اور ہر بزرگ کے نام پر انہیں مشہور کیا جب تک یہ لوگ زندہ رہے تب تک تو اس جگہ کی پرستش نہ ہوئی لیکن ان نشانات اور یادگار قائم کرنے والے لوگوں کو مر جانے کے بعد اور علم کے اٹھ جانے کے بعد جو لوگ آئے جہالت کی وجہ سے انہوں نے باقاعدہ ان جگہوں کی اور ان ناموں کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ حضرت عکرمہ حضرت ضحاک حضرت قتادہ حضرت ابن اسحاق بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت محمد بن قیس فرماتے ہیں یہ بزرگ عابد، اللہ والے، اولیاء اللہ، حضرت آدم، اور حضرت نوح کے سچے تابع فرمان صالح لوگ تھے جن کی

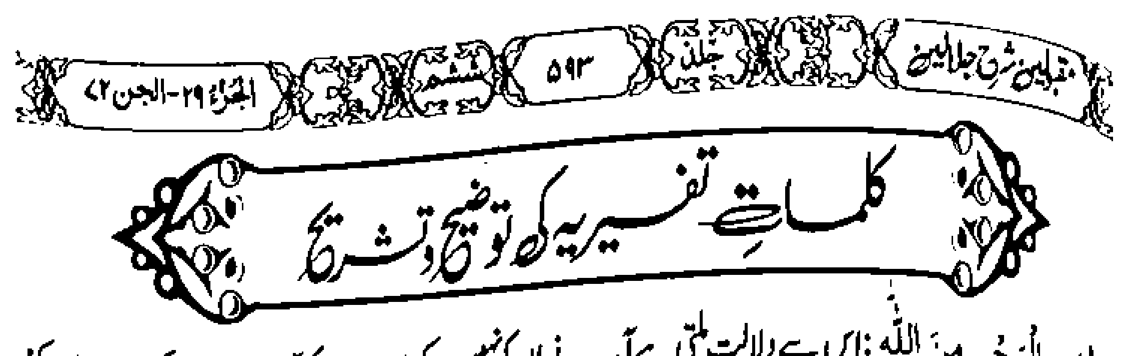
پیروی اور لوگ بھی کرتے تھے جب یہ مر گئے تو ان کے مقتدیوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ہمیں عبادت میں خوب دلچسپی رہے گی اور ان بزرگوں کی صورتیں دیکھ کر شوق عبادت بڑھتا رہے گا چنانچہ ایسا ہی کیا جب یہ لوگ بھی مر کھپ گئے اور ان کی نسلیں آئیں تو شیطان نے انہیں یہ گھٹی پلائی کہ تمہارے بڑے ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے اور انہیں سے بارش وغیرہ مانگتے تھے چنانچہ انہوں نے اب با قاعدہ ان بزرگوں کی تصویروں کی پرستش شروع کر دی، حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیث علیہ السلام کے قصے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے بیس لڑکے بیس لڑکیاں ان میں سے جن کی بڑی عمریں ہوئیں ان میں ہابیل، قابیل، صالح اور عبدالرحمٰن تھے جن کا پہلا نام عبدالحارث تھا اور ود تھا جنہیں شیث اور ہبۃ اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ تمام بھائیوں نے سرداری انہیں کو دے رکھی تھی۔ ان کی اولاد یہ چاروں تھے یعنی سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بیماری کی قوت ان کی اولاد ود، یغوث، یعوق، سواع اور نسر تھی۔ ود ان سب میں بڑا اور سب سے نیک سلوک کرنے والا تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں نے زید بن مہلب کا ذکر کیا آپ نے فارغ ہو کر فرمایا سنو وہ وہاں قتل کیا گیا جہاں اب سے پہلے غیر اللہ کی پرستش ہوئی واقعہ یہ ہوا کہ ایک دیندار ولی اللہ مسلمان جسے لوگ بہت چاہتے تھے اور بڑے معتقد تھے وہ مر گیا، یہ لوگ مجاور بن کر اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور رونا پیٹنا اور اسے یاد کرنا شروع کیا اور بڑے بے چین اور مصیبت زدہ ہو گئے ابلیس لعین نے یہ دیکھ کر انسانی صورت میں ان کے پاس آ کر ان سے کہا کہ اس بزرگ کی یادگار کیوں قائم نہیں کر لیتے؟ جو ہر وقت تمہارے سامنے رہے اور تم اسے نہ بھولو سب نے اس رائے کو پسند کیا ابلیس نے اس بزرگ کی تصویر بنا کر ان کے پاس کھڑی کر دی جسے دیکھ دیکھ کر یہ لوگ اسے یاد کرتے تھے اور اس کی عبادت کے تذکرے رہتے تھے، جب وہ سب اس میں مشغول ہو گئے تو ابلیس نے کہا تم سب کو یہاں آنا پڑتا ہے اس لئے یہ بہتر ہوگا کہ میں اس کی بہت سی تصویریں بنا دوں تم انہیں اپنے گھروں میں ہی رکھ لو وہ اس پر بھی راضی ہوئے اور یہ بھی ہو گیا، اب تک صرف یہ تصویریں اور یہ بت بطور یادگار کے ہی تھے مگر ان کی دوسری پشت میں جا کر براہ راست ان ہی کی عبادت ہونے لگی اصل واقعہ سب فراموش کر گئے اور اپنے باپ دادا کو بھی ان کی عبادت کرنے والا سمجھ کر خود بھی بت پرستی میں مشغول ہو گئے، ان کا نام ود تھا اور یہی پہلا وہ بت ہے جس کی پوجا اللہ کے سوا کی گئی۔ انہوں نے بہت مخلوق کو گمراہ کیا اس وقت سے لے کر اب تک عرب عجم میں اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش شروع ہو گئی اور اللہ کی مخلوق بہک گئی، چنانچہ خلیل اللہ علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ یا الٰہی انہوں نے اکثر مخلوق کو بے راہ کر دیا۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے لئے بددعا کرتے ہیں کیونکہ ان کی سرکشی ضد اور عداوت حق خوب ملاحظہ فرما چکے تھے تو کہتے ہیں کہ الٰہی انہیں گمراہی میں اور بڑھا دے، جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کے لئے بددعا کی تھی کہ پروردگار ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہو جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، چنانچہ دعاء نوح قبول ہوتی ہے اور قوم نوح بہ سبب اپنی تکذیب کے غرق کر دی جاتی ہے۔



قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِلنَّاسِ أُوْحِيَ إِلَيَّ أُخْبِرْتُ بِالْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ. أَنَّهُ الضَّمِيْرُ لِلشَّانِ اسْتَمَعَ لِقِرَاءَتِي عليه السلام نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ جِنٌّ نَصِيْبِيْنَ وَذٰلِكَ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ بِبَطْنِ نَخْلَةَ مَوْضَعٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَهُمُ الَّذِيْنَ ذُكِرُوْا فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ الْاٰيَةَ فَقَالُوْٓا لِقَوْمِهِمْ لَمَّا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ إِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَتَعَجَّبُ مِنْهُ فِيْ فَصَاحَتِهِ وَغَزَارَةِ مَعَانِيْهِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ يَّهْدِيْٓ إِلَى الرُّشْدِ الْإِيْمَانِ وَالصَّوَابِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بَعْدَ الْيَوْمِ بِرَبِّنَآ أَحَدًا ۝ وَّأَنَّهٗ الضَّمِيْرُ لِلشَّانِ فِيْهِ وَفِي الْمَوْضَعَيْنِ بَعْدَهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا تَنَزَّهَ جَلَالُهٗ وَعَظْمَتُهٗ عَمَّا نُسِبَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً زَوْجَةً وَّلَا وَلَدًا ۝ وَّأَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝ غُلُوًّا فِي الْكِذْبِ بِوَصْفِهٖ بِالصَّاحِبَةِ وَالْوَلَدِ وَّأَنَّا ظَنَنَّآ أَنْ مُخَفَّفَةٌ أَيْ أَنَّهٗ أَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ بِوَصْفِهٖ بِذٰلِكَ حَتّٰى بَيَّنَّا كِذْبَهُمْ بِذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى وَّأَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوْذُوْنَ يَسْتَعِيْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ حِيْنَ يَنْزِلُوْنَ فِيْ سَفَرِهِمْ بِمَخُوْفٍ فَيَقُوْلُ كُلُّ رَجُلٍ أَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ شَرِّ سُفَهَائِهٖ فَزَادُوْهُمْ بِعَوْذِهِمْ بِهِمْ رَهَقًا ۝ طُغْيَانًا فَقَالُوْا سُدْنَا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ وَّأَنَّهُمْ أَيِ الْجِنُّ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ يَا إِنْسُ أَنْ مُخَفَّفَةٌ أَيْ أَنَّهٗ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ أَحَدًا ۝ بَعْدَ مَوْتِهٖ قَالَ الْجِنُّ وَّأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ رُمْنَا اسْتِرَاقَ السَّمْعِ مِنْهَا فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا مِّنَ الْمَلَائِكَةِ شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ نُجُوْمًا مُحْرِقَةً وَذٰلِكَ لَمَّا بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَّأَنَّا كُنَّا أَيْ قَبْلَ مَبْعَثِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقْعُدُ مِنْهَا

مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ اَیْ نَسْتَمِعُ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾ اَیْ اُرْصِدَ لَهٗ لِيُرْمٰى بِهٖ وَّ اَنَّا
لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بَعْدَ اسْتِرَاقِ السَّمْعِ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا
الصّٰلِحُوْنَ بَعْدَ اسْتِمَاعِ الْقُرْاٰنِ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۖ اَیْ قَوْمٌ غَيْرُ صَالِحِيْنَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ فِرَقًا
مُخْتَلِفِيْنَ مُسْلِمِيْنَ وَكَافِرِيْنَ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ مُخَفَّفَةٌ اَیْ اَنَّهٗ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ
هَرَبًا ﴿۱۲﴾ اَیْ لَا نَفُوْتُهٗ كَائِنِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَوْ هَارِبِيْنَ مِنْهَا اِلَى السَّمَاءِ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى الْقُرْاٰنَ
اٰمَنَّا بِهٖ ۖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بِتَقْدِيْرِ هُوَ بَعْدَ الْفَاءِ بَخْسًا نَقْصًا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَّ لَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾
ظُلْمًا بِالزِّيَادَةِ فِيْ سَيِّاٰتِهٖ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۖ الْجَائِرُوْنَ بِكُفْرِهِمْ فَمَنْ اَسْلَمَ
فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ قَصَدُوْا هِدَايَةً وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَقُوْدًا وَاَنَّا وَاَنَّهُمْ وَاَنَّهٗ
فِي اثْنَيْ عَشَرَ مَوْضِعًا هِيَ وَاَنَّهٗ تَعَالٰى اِلٰى قَوْلِهٖ وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ اِسْتِئْنَافًا
وَبِفَتْحِهَا بِمَا يُوَجَّهُ بِهٖ قَالَ تَعَالٰى فِيْ كُفَّارِ مَكَّةَ وَّ اَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَیْ وَاَنَّهُمْ
وَهُوَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى اَنَّهُ اسْتَمَعَ لَوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ اَیْ طَرِيْقَةِ الْاِسْلَامِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً
غَدَقًا ﴿۱۶﴾ كَثِيْرًا مِنَ السَّمَاءِ وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا رُفِعَ الْمَطَرُ عَنْهُمْ سَبْعَ سِنِيْنَ لِّنَفْتِنَهُمْ لِنَخْتَبِرَهُمْ فِيْهِ ۖ
فَنَعْلَمَ كَيْفَ شُكْرُهُمْ عِلْمَ ظُهُوْرٍ وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ الْقُرْاٰنِ يَسْلُكْهُ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ نُدْخِلْهُ
عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ شَاقًّا وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ مَوَاضِعَ الصَّلٰوةِ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ فِيْهَا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾
بِاَنْ تُشْرِكُوْا كَمَا كَانَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى اِذَا دَخَلُوْا كَنَائِسَهُمْ وَبِيَعَهُمْ اَشْرَكُوْا وَّ اَنَّهٗ بِالْفَتْحِ وَ
بِالْكَسْرِ اِسْتِئْنَافًا وَالضَّمِيْرُ لِلشَّاْنِ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْهُ
يَعْبُدُهٗ بِبَطْنِ نَخْلٍ كَادُوْا اَيِ الْجِنُّ الْمُسْتَمِعُوْنَ لِقِرَاءَتِهٖ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ بِكَسْرِ اللَّامِ وَضَمِّهَا
ع ۱۹ / ۱۱
جَمْعُ لِبْدَةٍ كَاللِّبَدِ فِيْ رُكُوْبِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا اِزْدِحَامًا حِرْصًا عَلٰى سِمَاعِ الْقُرْاٰنِ قَالَ مُجِيْبًا لِلْكُفَّارِ فِيْ
قَوْلِهِمْ اِرْجِعْ عَمَّا اَنْتَ فِيْهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ

ترجمہ: (اے محمدؐ! آپ لوگوں سے) فرما دیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے (اللہ کا پیغام) بلاشبہ (ضمیر شان ہے) جنات کی ایک جماعت نے (میری قرأت) سنی ہے (جنات نصیبین مراد ہیں۔ صبح کی نماز کا واقعہ ہے۔ مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں ہوا تھا۔ اسی کا ذکر واذصرفنا الخ میں بھی گزر چکا ہے۔ چنانچہ ان جنات نے اپنی قوم سے جا کر) کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ (جس کی فصاحت اور معانی کا پھیلاؤ وغیرہ حیرت انگیز ہے) جو (ایمان و درستگی کی) راہ راست بتلایا ہے۔ سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور (آج کے دن سے) ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور یہ واقعہ ہے (یہاں اور اس کے بعد دونوں جگہ ضمیر شان ہے) کہ ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے (اس کی عظمت وجلالت تمام نامناسب باتوں سے پاک ہے) نہ اس نے کسی کو بیوی (اہلیہ) بنایا اور نہ اولاد۔ اور ہم میں جو احمق (بے وقوف) ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے ہیں (بیوی بچہ کی نسبت کر کے انتہائی جھوٹ بکتے ہیں) اور ہمارا یہ خیال تھا کہ (ان مخففہ ہے تقدیر عبارت انہ ہے) انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹی بات نہ کہیں گے (اسی قسم کی جھوٹی باتیں نہیں لگائیں گے کہ ہمیں ان کا جھوٹ ظاہر کرنا پڑے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ پناہ لیا کرتے تھے۔ جنات میں سے بعض لوگوں کی (جب انسان سفر میں کسی خوفناک جگہ منزل کرتے تو ہر آدمی کی زبان پر ہوتا کہ میں یہاں کے بدقماش جنات کی شرارت سے یہاں کے سردار کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں) سو ان آدمیوں نے (شریر جنات سے سرداروں کی پناہ چاہ کر) ان کی بددماغی اور بڑھا دی (چنانچہ وہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم جن وانس کے حاکم ہیں) اور ان (جنات) نے بھی ایسا ہی خیال کر رکھا تھا۔ جیسا کہ (اے انسانو!) تم نے خیال کر رکھا ہے کہ (ان مخففہ ہے ای انہ) اللہ تعالیٰ کسی کو (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ نہیں کرے گا (جن بولا کہ) ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہی (چوری چھپے) سو ہم نے اس کو (فرشتوں کے) سخت پہرہ اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا (جلا دینے والے ستاروں سے، یہ حضورؐ کی بعثت کے وقت ہوا) اور ہم (حضورؐ کی بعثت سے پہلے) آسمان کے موقعوں میں سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے۔ سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے لیے ایک تیار شعلہ پاتا ہے (جو اس کے مارنے کے لئے مہیا کیا گیا) اور ہم نہیں جانتے کہ کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے (چوری چھپے سننے کے بعد) زمین والوں کو یا ان کے رب نے ان کو ہدایت (خیر) کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور (قرآن سننے کے بعد) بعض ہم میں نیک ہیں اور بعض اور طرح کے ہیں (یعنی غلط قسم کے لوگ) ہم مختلف طریقوں پر تھے (متفرق جماعتیں کچھ مسلمان کچھ کافر) اور ہم نے سمجھ لیا ہے کہ (ان مخففہ ہے ای انہ) ہم زمین میں اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر ہرا سکتے ہیں۔ یعنی (اللہ سے چھوٹ کر زمین میں یا بھاگ کر آسمان میں کہیں جا نہیں سکتے)



قوله: بِالْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ: اس سے دلالت ملتی ہے آپ نے ان کو نہیں دیکھا اور نہ ان کو آپ نے پڑھ کر سنایا، البتہ کئی مواقع میں یہ آپ کے ہاں آئے اور قرآن سنا۔ یہ ناری، ہوائی جسم لطیف رکھتے ہیں۔

قوله: نَفَرٌ: یہ تین سے دس تک گروہ۔

قوله: يَتَعَجَّبُ: عجبا یہ مصدر ہے جو صفت میں مبالغہ کے لیے استعمال ہوا۔ غَزَارَة: وقت، باریکی۔

قوله: وَّاَنَّهٗ: یہ محل جارو مجرور پر معطوف ہے۔ گویا کہا صدقناہ۔

قوله: عَمَّا نُسِبَ اِلَيْهِ: یعنی بیوی واولاد کی نسبت۔

قوله: سَفِيْهُنَا: ابلیس اور سرکش جنات۔

قوله: شَطَطًا: بعد، تجاوز حد۔ یعنی بعید بات۔

قوله: قَالَ تَعَالٰى: یہ استیناف ہے۔

قوله: فَزَادُوْهُمْ: انسان نے اس نے پناہ طلب کر کے ان کی سرکشی بڑھا دی۔

قوله: رَهَقًا: تکبر، سرکشی۔

قوله: سُدْنَا: ہم انسان وجنوں کے سردار بن گئے۔

قوله: یہ مس سے استعارہ ہے، تلاش کرنا۔

قوله: حَرَسًا: نگران چوکیدار۔

قوله: لِلسَّمْعِ: یہ نقعد کا صلہ یا مقاعد کی صفت ہے۔

قوله: رَّصَدًا: یہ مصدر ہے جو اسم فاعل کے معنٰی میں ہے۔ رَصَدَ: آنکھ رکھا، تاڑنا۔

قوله: عذاب۔ طَرَآئِقَ: مذاہب والے۔

قوله: قِدَدًا: جمع۔ قدة: گروہ پارٹی۔

قوله: ظَنَنَّآ: یہ علم کے معنٰی میں ہے۔

قوله: فِي الْاَرْضِ: یہ فاعل سے حال ہے۔

قوله: فَلَا يَخَافُ: ھو مقدر کی خبر ہے۔

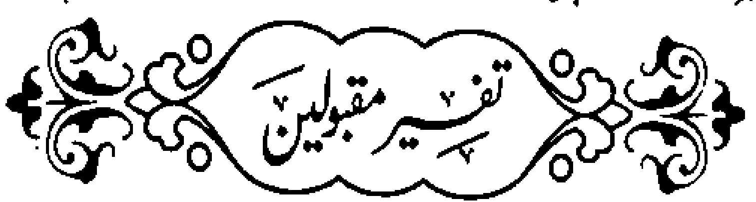
قوله: اَلْجَائِرُوْنَ: حق سے دوسری طرف جھکنے والے۔

قوله: بِمَا يُوَجَّهُ بِهٖ: اس کا عطف استمع پر یا محل جارو مجرور پر ہے جو امنا بہ میں ہے۔ تقدیر یہ صدقنا تعالی جد ربنا وانہ قال یقول سفیہنا۔

قوله: اَسْتَقَامُوْا: جن وانس دونوں ہی۔

قوله: صَعَدًا: یہ مصدر ہے جو صفت کے لیے آیا ہے۔

قوله: كَاللِّبَدِ: شیر کے کندھے کے بال۔



اس میں بھی دیگر سورتوں کی طرح اصول توحید کا بیان اور شرک کا رد ہے اہم موضوع بیان جنوں کا قرآن کریم سن کر قرآن کریم کی حقانیت پر ایمان لانا اور پھر اپنی قوم کی طرح ناصح اور ہادی بن کر جانا اور انکو ایمان کی دعوت دینا۔

چنانچہ سورت کی ابتداء ہی اس امر سے فرمائی گئی کہ جنات کے گروہ نے قرآن کریم سنا اور قرآن کریم کی عظمت کا اقرار کیا اسی ضمن میں یہ بھی ذکر فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت نے آسمانوں کو کس طرح محفوظ فرما رکھا ہے کہ کسی جن کی مجال نہیں ملکوت سموت کی کوئی چیز سن سکے اور یہ کہ جن بھی انسانوں کی طرح مومن وکافر کی دوقسموں میں بٹے ہوئے ہیں پھر یہ بھی بیان ہے کہ ایمان وتوحید کا انجام نجات وکامیابی اور آخرت کی نعمتیں ہیں اور کفر ونافرمانی عذاب جہنم کو دعوت دینا ہے۔

سورت کے اخیر میں اللہ رب العزت کی ذات وصفات میں وحدانیت کا بیان ہے اور یہ کہ جیسے اسکی ذات اور الوہیت میں کوئی شریک نہیں اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے اسکی کسی صفت میں کوئی شریک نہیں آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل جنات کا بعض آسمانی خبروں کو سن کر کاہنوں تک پہنچا دینا علم غیب نہیں غیب کا علم بس خدا ہی کو ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝

رسول اللہ ﷺ سے جنات کا قرآن سننا اور اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا:

یہاں سے سورۃ الجن شروع ہو رہی ہے جن پرانی مخلوق ہے جو حضرت آدم اور بنی آدم کی تخلیق سے پہلے سے دنیا میں موجود ہے ان لوگوں میں بھی مومن اور کافر نیک اور بد ہر قسم کے افراد ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی ایمان کے مکلف تھے اور ہیں جس طرح بنی آدم میں انسانوں میں کافر اور مشرک ہیں اس طرح جنات میں بھی مشرک اور کافر رہے ہیں اور ان میں مومن بھی ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ:

حضور خاتم الانبیاء سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین نے ایک دھندہ بنا رکھا تھا۔ انسانوں میں کچھ لوگ کاہن بنے ہوئے تھے یہ لوگ آنے والے واقعات کی خبریں بتایا کرتے تھے اور یہ خبریں شیاطین ان کے پاس لاتے تھے، شیاطین کا یہ طریقہ تھا کہ آسمان کے قریب تک جاتے تھے اور وہاں جو زمین میں پیش آنے والے حوادث کا فرشتوں میں ذکر ہوتا تھا اسے سن لیتے تھے پھر کاہنوں کے کان میں آ کر کہہ دیتے تھے۔ کاہن اس بات کو لوگوں میں پھیلا دیتے تھے یہ بات چونکہ اوپر سے سنی ہوئی ہوتی تھی اس لیے صحیح نکل جاتی تھی، سننے والے ان کاہنوں کے معتقد ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو اس کو آنے والے واقعات کا علم نہ ہوتا تو پہلے کیسے بتا دیتا؟ اس طرح سے شیاطین اور کاہنوں نے مل کر انسانوں کو بہکانے کا سلسلہ

جاری رکھا تھا جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو شیاطین کو اوپر پہنچنے سے روک دیا گیا اس کے بعد سے ان میں سے کوئی فرد خبریں سننے کے لیے اوپر پہنچتا تو اس پر انگارے پھینکے جانے لگے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ صورت حال پیش آئی تو شیاطین آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان آڑ لگادی گئی ہے اور ہم پر انگارے پھینکے جانے لگے ہیں لہٰذا زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کرو اور دیکھو کہ وہ کیا نئی چیز پیدا ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہمیں آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب کا سفر کیا اور اصل صورت حال کا سراغ لگاتے ہوئے گھومتے پھرے۔ ان میں ایک جماعت تہامہ کی طرف آئی (یہ عرب کا وہ علاقہ ہے جس میں حجاز واقع ہے) اس جماعت نے دیکھا کہ مقام نخلہ میں آنحضرت سرور عالم ﷺ اپنے صحابہؓ کو نماز فجر پڑھا رہے ہیں جب ان کے کانوں میں قرآن کی آواز پہنچی تو خوب دھیان کے ساتھ سننے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہو نہ ہو یہی چیز ہے جو تمہارے خبریں سننے کے درمیان حائل ہوگئی ہے اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوگئے۔ اور ان سے کہا: اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا... یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا... اس پر اللہ تعالیٰ نے قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۳۲: ج ۲)

شیاطین جس آزادی سے آسمان تک جاتے تھے اور وہاں فرشتوں کا جو مذاکرہ دنیاوی امور سے متعلق ہوتا تھا اسے سن کر نیچے آجاتے اور کاہنوں کے کان میں ڈال دیتے تھے یہ سلسلہ تو آنحضرت ﷺ کی بعثت پر ختم ہوگیا۔ لیکن شیاطین نے ایک اور دھندہ نکالا اور وہ یہ کہ نیچے سے لے کر بادلوں تک پرا لگالیتے ہیں، وہاں فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے کان لگا کر پہنچتے ہیں تو ان پر انگارہ پھینک دیا جاتا ہے اس انگارہ کے لگنے سے پہلے کوئی بات سن کر اوپر والے نے اپنے نیچے والے کے کان میں ڈال دی اور ہوتے ہوتے وہ بات کاہن تک پہنچ گئی تو وہ اپنے پاس سے اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں خبریں پھیلا دیتا تھا۔ ان خبروں میں کوئی بات سچی نکل آتی ہے تو وہ وہی ہوتی ہے۔ احادیث شریف میں تفصیل وارد ہوئی ہے اور سورۃ الصافات کی آیت اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ میں اسی کو بیان فرمایا ہے کہ شیاطین اوپر سے بات اچکنے کی کوشش کرتے ہیں تو شہاب ثاقب یعنی روشن انگارہ سے مارے جاتے ہیں۔

سیّدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کاہن جو بطور پیشین گوئی کچھ بتا دیتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاہن جو بات بیان کرتا ہے ٹھیک نکل جاتی ہے، آپ نے فرمایا وہ ایک صحیح بات وہ ہوتی ہے جسے اُچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کڑ کڑ کرتی ہے پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۹۲ از بخاری و مسلم)

حضرت عائشہؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی سنا کہ فرشتے بادلوں میں اترتے ہیں وہ آپس میں ان فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو عالم بالا میں ہوچکے ہوتے ہیں شیاطین کان لگا کر چرانے کی کوشش کرتے ہیں اور

جو بات سنتے ہیں اسے کاہنوں کے کانوں میں جا کر ڈال دیتے ہیں اور کاہن اس میں اپنے پاس سے سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔
(مشکوۃ المصابیح صفحہ ۳۹۳ عن البخاری)

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ.... آپ فرما دیجیے کہ مجھے اللہ کی طرف سے یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات میں سے چند افراد نے قرآن سنا اور پھر اس سے متاثر ہوئے اور اپنی قوم سے کہا کہ یقین جانو کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے ہماری سمجھ میں قرآن کی بات آ گئی اس میں جو ہدایت ہے یعنی توحید کی دعوت ہے وہ ہم نے قبول کر لی اور ہم اس پر ایمان لے آئے جب ہم نے توحید کو سمجھ لیا تو شرک کی گمراہی ہم پر واضح ہو گئی اب ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اسی شرک کے سلسلہ میں یہ بات تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے بیوی اور اولاد تجویز کرتے تھے ہم اس سے بھی توبہ کرتے ہیں ہمارے رب کی بڑی شان ہے اس نے کسی کو نہ اپنی بیوی بنایا اور نہ اپنے لیے کوئی اولاد تجویز کی اب تک جو ہم کفر اور شرک اختیار کیے رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم میں سے جو احمق لوگ تھے وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کرتے تھے اور ہم یہ سمجھتے رہے کہ انسان اور جنات اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو باتیں کہتے ہیں وہ جھوٹی نہ ہوں گی اور اتنے اشخاص اور افراد مل کر جھوٹ نہ بولتے ہوں گے لہٰذا ہم نے بھی ان کی بتائی ہوئی باتوں کو اختیار کر لیا تھا، یہ ان لوگوں نے اپنے مشرک ہونے کا عذر بیان کیا لیکن یہ عذر غلط ہے توحید جاننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے گمراہوں کا اتفاق لائق اتباع نہیں ہوتا۔

جنات نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ انسانوں میں سے بہت سے آدمی جنات کی پناہ لیا کرتے تھے جس کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی سفر میں رات کو کہیں کسی خوف زدہ جگہ میں ٹھہرنا ہوتا تو ان میں سے بعض لوگ یوں پکارتے تھے: یا عزیز هذا الوادي اعوذبك من السفهاء الذين في طاعتك (اے اس وادی کے سردار میں ان بیوقوفوں سے تیری پناہ لیتا ہوں جو تیری فرمانبرداری میں ہیں) اس بات نے جنات کو اور چڑھا دیا اور بد دماغ بنا دیا وہ سمجھنے لگے کہ دیکھو ہم اتنے بڑے ہیں کہ جنات اور انسان ہم سے ہماری پناہ لیتے ہیں جیسا کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ لی جاتی ہے اسی طرح ہماری پناہ لی جاتی ہے۔

جنات نے اپنی قوم کو یہ بھی بتایا کہ جس طرح تمہارے اندر یوم قیامت اور بعث ونشور کا انکار کرنے والے ہیں ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ اسی طرح انسانوں میں بھی ہیں قرآن سن کر ہمیں پتہ چل گیا کہ قیامت کا انکار بھی گمراہی ہے انکار سے قیامت ٹلنے والی نہیں خواہ انسان انکار کرے خواہ جنات انکار کریں۔

وَّأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ ۖ فَمَن يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ (اور بے شک جب ہم نے ہدایت کو سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے) جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آئے اسے کسی طرح کے کسی نقصان کا خوف نہیں ہوگا۔ ایمان کا بھی صلہ ملے گا اور اعمال کا بھی ثواب ملے گا اس میں کوئی کمی نہ ہوگی کسی کی کوئی نیکی شمار سے رہ جائے یا کسی نیکی کا ثواب نہ ملے ایسا نہ ہوگا۔

وَلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ جو فرمایا اس کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن صالح کو کسی ذلت

کا سامنا نہ ہوگا اور بعض حضرات نے یہ مطلب بتایا ہے کہ کسی مومن پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ یعنی ایسا نہ ہوگا کہ کوئی برا عمل نہ کیا ہو اور وہ اس کے اعمالنامہ میں لکھ دیا جائے (گو ایسا تو کافروں کے ساتھ بھی نہ ہوگا لیکن کافروں کے حق میں یہ چیز کوئی مفید نہ ہوگی)۔

مومن بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بڑے انعام واکرام کا معاملہ ہے جو بھی نیکیاں دنیا میں ہوں گی ان کو بڑھا چڑھا کر کئی گنا کر کے اجر وثواب دیا جائے گا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۰ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا غَيًّا وَّلَا رَشَدًا ۝۲۱ خَيْرًا قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ اِنْ عَصَيْتُهٗ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ اَيْ غَيْرِهٖ مُلْتَحَدًا ۝۲۲ مُلْتَجأً اِلَّا بَلٰغًا اِسْتِثْنَاءٌ مِنْ مَفْعُوْلِ اَمْلِكُ اَيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ اِلَّا الْبَلَاغَ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اَيْ عَنْهُ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ عَطْفٌ عَلٰى بَلٰغًا وَمَا بَيْنَ الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ وَالْاِسْتِثْنَاءِ اِعْتِرَاضٌ لِتَاكِيْدِ نَفْيِ الْاِسْتِطَاعَةِ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فِي التَّوْحِيْدِ فَلَمْ يُؤْمِنْ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ مَنْ فِيْ لَهٗ رِعَايَةً لِمَعْنَاهَا وَ هِيَ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ وَالْمَعْنٰى يَدْخُلُوْنَهَا مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَآ اَبَدًا ۝۲۳ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا حَتّٰى اِبْتِدَائِيَّةٌ فِيْهَا مَعْنَى الْغَايَةِ لِمُقَدَّرٍ قَبْلَهَا اَيْ لَا يَزَالُوْنَ عَلٰى كُفْرِهِمْ اِلٰى اَنْ يَرَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ مِنَ الْعَذَابِ فَسَيَعْلَمُوْنَ عِنْدَ حُلُوْلِهٖ بِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ اَوْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ۝۲۴ اَعْوَانًا اَهُمْ اَمِ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلَى الْقَوْلِ الْاَوَّلِ اَوْ اَنَا اَمْ هُمْ عَلَى الثَّانِيْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ فَنَزَلَ قُلْ اِنْ اَيْ مَا اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ مِنَ الْعَذَابِ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ۝۲۵ غَايَةً وَاَجَلًا لَا يَعْلَمُهٗ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ مَا غَابَ بِهٖ عَنِ الْعِبَادِ فَلَا يُظْهِرُ يُطْلِعُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۶ مِنَ النَّاسِ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ مَعَ اِطْلَاعِهٖ عَلٰى مَا شَاءَ مِنْهُ مُعْجِزَةً لَهٗ يَسْلُكُ يَجْعَلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ اَيِ الرَّسُوْلِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝۲۷ مَلَائِكَةً يَحْفَظُوْنَهٗ حَتّٰى يُبَلِّغَهٗ فِيْ جُمْلَةِ الْوَحْيِ لِّيَعْلَمَ اللّٰهُ عِلْمَ ظُهُوْرٍ اَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ اَيْ اَنَّهٗ قَدْ اَبْلَغُوْا اَيِ الرُّسُلُ رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ رُوْعِيَ بِجَمْعِ الضَّمِيْرِ مَعْنٰى مَنْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ عَطْفٌ عَلٰى مُقَدَّرٍ اَيْ فَعَلِمَ ذٰلِكَ وَ

أَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ تَمْيِيْزٌ وَهُوَ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُوْلِ وَالْاَصْلُ اُحْصٰى عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ

ترجمہ: اور ہم نے جب ہدایت (قرآن) کی بات سن لی تو اس کا یقین کرلیا۔ سو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے گا تو اسے (فا کے بعد ھو مقدر ہے) نہ کسی (کی نیکیوں کے گھٹنے) کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا (کہ ظلم کر کے برائی میں اضافہ کردیا جائے۔ اور ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے راہ ہیں (اپنے کفر کی وجہ سے، حق سے ہٹے ہوئے) سو جو شخص مسلمان ہوگیا تو اس نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا (راہ ہدایت اختیار کرلی) اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کے ایندھن ہیں (انا، انهم، انه بارہ جگہ انه تعالىٰ سے لے کر انا منا المسلمون تک اور ان کے درمیان ہمزہ مکسور کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور فتحہ ہمزہ کے ساتھ بھی توجیہ کی جاتی ہے) آگے کفار مکہ کے بارے میں ارشاد ہے) اور یہ لوگ (انْ مخففہ ہے بوجہ ثقل کے جس کا اسم محذوف ہے ای وانهم۔ انه استمع پر اس کا عطف ہوگا) اگر (اسلام کے) راستہ پر قائم ہوجاتے تو ہم ان کو سیراب کرتے بکثرت پانی سے (بارش کے ذریعہ، سات سال قحط کے بعد) تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں (کھلے طور پر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کے شکر کی کیا حالت رہتی ہے) اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر (قرآن) سے روگردانی کرے گا ہم اس کو (نْ اور یا کے ساتھ ہے) داخل کریں گے سخت عذاب میں اور مسجدیں (نماز پڑھنے کی جگہیں) اللہ کی ہیں، سو اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کیا کرو (شرک کرتے ہوئے جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنے کنیسوں گرجوں میں داخل ہوکر شرک کرتے تھے) اور واقعہ یہ ہے کہ (انه فتحہ ہمزہ اور کسر ہمزہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور ضمیر شان ہے) جب اللہ کا بندہ خاص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی عبادت کرنے (بطن نخلہ میں) کھڑا ہوتا ہے تو لوگ (یعنی جنات اس کی قرأت سننے کے لئے) اس پر بھیڑ لگانے کو ہوجاتے ہیں (لبدا کسرہ لام اور ضمہ لام کے ساتھ لبدۃ کی جمع ہے۔ قرآن سننے کے شوق میں ایک دوسرے کی گردن پر چڑھے جاتے ہیں) فرمایا (کفار کو جواب دیتے ہوئے ان کے مطالبہ کا کہ آپ اپنی دعوت سے باز آجایئے اور ایک قرأت میں قل ہے) کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہارے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ آپ کہہ دیجئے مجھ کو (نافرمانی کی صورت میں) اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا میں کوئی پناہ (ٹھکانا) پا سکتا ہوں۔ لیکن پہنچانا (املک کے معمول سے استثناء ہے ای لا املك لكم الا البلاغ اليكم) اللہ کی طرف سے اور اس کے پیغامات کا ادا کرنا (اس کا عطف بلاغا پر ہے اور مستثنیٰ اور استثناء کے درمیان جملہ معترضہ ہے استطاعہ کی نفی کی تاکید کے لئے) اور جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا نہیں مانتے (توحید کے متعلق یعنی ایمان نہیں لاتے) تو یقیناً ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ رہیں گے (یہ حال ہے لہ کی ضمیر سے جس کا مصداق مَنْ ہے۔ معنی کی رعایت کرتے ہوئے اور یہ حال مقدرہ ہے۔ یعنی يدخلونها مقدرا خلودهم) ہمیشہ یہاں تک کہ

ب دیکھ لیں گے (حتی ابتدائیہ ہے جس میں غایت کے معنی ہیں جو اس سے پہلے مقدر ہے - ای لا یزالون علی کفرھم الی ان یروا) جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی عذاب) اس وقت جان لیں گے (عذاب آنے پر، غزوۂ بدر میں یا قیامت کے دن) کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے (کفار یا مؤمنین، پہلی رائے کے مطابق۔ اور دوسرے قول کے مطابق میں یا وہ۔ چنانچہ کچھ کافر کہنے لگے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ اس پر ارشاد ہوا کہ) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو خبر نہیں کہ جس (عذاب) کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے، یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی مدتِ دراز مقرر کر رکھی ہے (جس کا پتہ اس کے سوا کسی کو نہیں ہے) غیب (جو بندوں سے اوجھل ہے) کا جاننے والا وہی ہے، سو وہ اپنے غیب پر (لوگوں میں سے) کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو، سو وہ (باوجود پیغمبر کو مطلع کرنے کے غیب کی باتوں میں سے جو چاہے بطور معجزہ کے) بھیج دیتا ہے (چلاتا) ہے پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے (جو پوری وحی پہنچانے تک اس کی حفاظت کرتے رہیں) تا کہ (کھلے بندوں) اللہ کو معلوم ہو جائے (ان مخففہ ہے ای انہ) کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں (ضمیر جمع لانے میں معنی من کی رعایت کی گئی ہے) اللہ تعالیٰ ان کے تمام حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے (اس کا عطف مقدر پر ہے - ای فعلم ذلك) اور اس کو ہر چیز کی تعداد معلوم ہے (تمیز ہے۔ مفعول سے بدلی ہوئی اصل عبارت احصی عدد کل شئ تھے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: قَالَ: یعنی آپ ﷺ نے فرمایا۔

قوله: اِلَّا الْبَلَاغَ: ارشاد و نفع پہنچانا۔

قوله: عَنْهُ: بلاغ کا صلہ اگر من آئے تو وہ عن کے معنٰی میں ہوتا ہے۔

قوله: فِی التَّوْحِیْدِ: اس لیے کہ کلام اسی کے متعلق ہے۔

قوله: حَالٌ مِنْ ضَمِیْرِ مَنْ: وہ ضمیر جو من کی طرف لوٹتی ہے لہ میں وہ ثابت ہے۔

قوله: حَتّٰی اِبْتِدَائِیَّةٌ: یعنی اس کے بعد جملہ مستانفہ ہے۔

قوله: وَاَجَلًا: وہ بہرصورت آئے گا مجھے، اس کا وقت معلوم نہیں۔

قوله: عٰلِمُ الْغَیْبِ: یہ ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قوله: یَطَّلِعُ: ظاہر کرنے کے معنٰی میں ہے۔

قوله: عَلٰی غَیْبِهٖ: وہ غیب جس کا علم اس کی ذات سے مخصوص ہے۔

قوله: اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى: بعض کو جان لے تا کہ وہ جاننے والا بن جائے۔
قوله: مِنْ رَّسُوْلٍ: یہ من کا بیان ہے۔ لفظ کے لحاظ سے ضمیر واحد لائی گئی ہے۔
قوله: بِمَا لَدَيْهِمْ: یعنی جو رسل کے ہاں ہے۔
قوله: عَلٰى مُقَدَّرٍ: وہ مقدر فَعَلِمَ ذٰلِکَ ہے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا۝

یعنی کفار سے کہہ دیجیے کہ تم مخالفت کی راہ سے بھیڑ کیوں کرتے ہو، کون سی بات ایسی ہے جس پر تمہاری خفگی ہے۔ میں کوئی بری اور نامعقول بات تو نہیں کہتا۔ صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں سمجھتا۔ تو اس میں لڑنے جھگڑنے کی کون سی بات ہے اور اگر تم سب مل کر مجھ پر ہجوم کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو میرا بھروسا اکیلے اسی خدا پر ہے جو ہر قسم کی شرکت سے پاک اور بے نیاز ہے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا۝

قیامت کب ہوگی اللہ کے سوا کسی کو نہیں معلوم:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ قیامت کب ہوگی، اس کا علم مجھے نہیں، بلکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا دور ہے اور لمبی مدت کے بعد آنے والی ہے، اس آیت کریمہ میں دلیل ہے اس امر کی کہ اکثر جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام زمین کی اندر کی چیزوں کا بھی علم رکھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے اس روایت کی کوئی اصل نہیں محض جھوٹ ہے اور بالکل بے اصل روایت ہے ہم نے تو اسے کسی کتاب میں نہیں پایا، ہاں اس کے خلاف صاف ثابت ہے حضور ﷺ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت پوچھا جاتا تھا اور آپ اس کی معین وقت سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے تھے، اعرابی کی صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بھی آ کر جب قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے صاف فرمایا تھا کہ اس کا علم نہ پوچھنے والے کو ہے نہ اسے جس سے پوچھا جا رہا ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے نے با آواز بلند آپ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا وہ آئے گی ضرور مگر یہ بتا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا میرے پاس روزے نماز کی اکثرت تو نہیں البتہ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہے آپ نے فرمایا پھر تو اس کے ساتھ ہوگا جس کی تجھے محبت ہے، حضرت انس ؓ فرماتے ہیں مسلمان کسی حدیث سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے اس حدیث سے، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا ٹھیک وقت آپ کو معلوم نہ تھا، ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو اگر تم میں علم ہے تو اپنے تئیں مردوں میں شمار کیا کرو اللہ کی قسم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ایک وقت آنے والی ہے، یہاں بھی آپ کوئی مقررہ وقت نہیں بتاتے، ابوداؤد

میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو کیا عجب کہ آدھے دن تک کی مہلت دے دے اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت سعد سے پوچھا گیا کہ آدھے دن سے کیا مراد ہے فرمایا پانچ سو سال۔ پھر فرماتا ہے اللہ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر مرسلین میں سے جسے چن لے جیسے اور جگہ ہے: وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (البقرہ: ۲۵۵) یعنی اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جو اللہ چاہے۔ یعنی رسول خواہ انسانوں میں سے ہوں خواہ فرشتوں میں سے ہوں جسے اللہ جتنا چاہتا ہے بتا دیتا ہے بس وہ اتنا ہی جانتے ہیں۔ پھر اس کی مزید تخصیص یہ ہوتی ہے کہ اس کی حفاظت اور ساتھ ہی اس علم کی اشاعت کے لئے جو اللہ نے اسے دیا ہے اس کے آس پاس ہر وقت نگہبان فرشتے مقرر رہتے ہیں۔ لیعلم کی ضمیر بعض نے تو کہا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف ہے یعنی حضرت جبرائیل کے آگے پیچھے چار چار فرشتے ہوتے تھے تا کہ حضور ﷺ کو یقین آ جائے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام صحیح طور پر مجھے پہنچایا ہے اور بعض کہتے ہیں مرجع ضمیر کا اہل شرک ہے یعنی باری باری آنے والے فرشتے نبی اللہ کی حفاظت کرتے ہیں شیطان سے اور اس کی ذریات سے تا کہ اہل شرک جان لیں کہ رسولوں نے رسالت اللہ ادا کر دی، یعنی رسولوں کو جھٹلانے والے بھی رسولوں کی رسالت کو جان لیں مگر اس میں کچھ اختلاف ہے۔ یعقوب کی قرأت پیش کے ساتھ ہے یعنی لوگ جان لیں کہ رسولوں نے تبلیغ کر دی اور ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ جان لے یعنی وہ اپنے رسولوں کی اپنے فرشتے بھیج کر حفاظت کرتا ہے تا کہ وہ رسالت ادا کر سکیں اور وحی الٰہی محفوظ رکھ سکیں اور اللہ جان لے کہ انہوں نے رسالت ادا کر دی جیسے فرمایا آیت: (وما جعلنا القبلة التی کنت علیها) یعنی جس قبلے پر تو تھا اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سچے تابعداروں اور مرتدوں کو جان لیں اور جگہ ہے: وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ (العنکبوت: ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور منافقوں کو برابر جان لے گا اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ پہلے ہی سے جانتا ہے لیکن اسے ظاہر کر کے بھی جان لیتا ہے، اسی لئے یہاں اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہر چیز اور سب کی گنتی اللہ کے علم کے احاطہ میں ہے۔

علم غیب اور غیبی خبروں میں فرق:

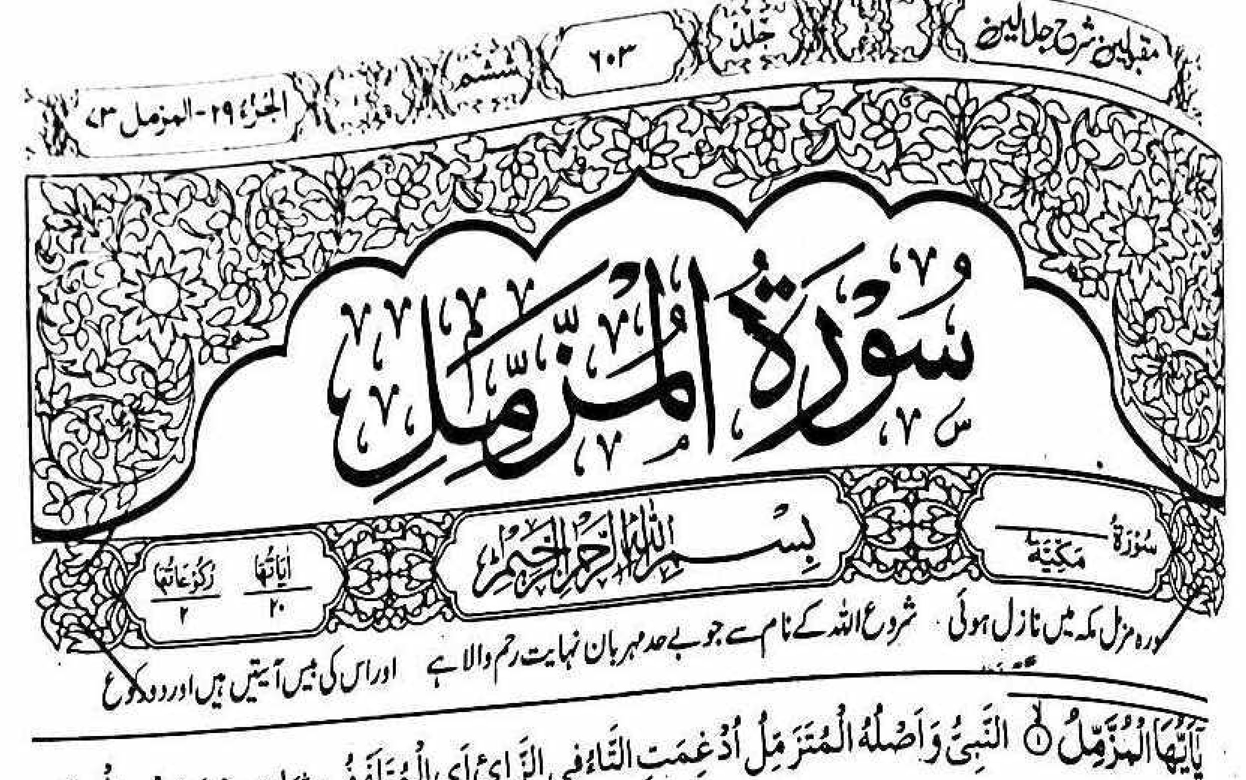
إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَإِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۙ حاصل استثناء کا اس سفیہانہ شبہ کا یہ جواب ہے کہ علم غیب کلی کی نفی سے ہر غیب کی نفی مطلقاً مراد نہیں، بلکہ منصب رسالت کے لئے جس قدر علم غیب کی خبروں اور غیب کی چیزوں کا علم کسی رسول کو دینا ضروری ہے وہ ان کو منجانب اللہ بذریعہ وحی دے دیا جاتا ہے اور وہ ایسے محفوظ طریقے سے دیا جاتا ہے کہ جب ان پر اللہ کی طرف سے کوئی وحی نازل ہوتی ہے تو اس کے ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تا کہ شیاطین اس میں کوئی مداخلت نہ کر سکیں۔ اس میں اول تو لفظ رسول سے اس غیب کی نوعیت متعین کر دی گئی جس کا علم رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اور وہ ظاہر ہے علم شرائع واحکام بتمامہ اور غیب کی خبریں بقدر ضرورت وقت۔ اس کے بعد جو علم غیب رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اس کی توضیح اگلے جملے سے یوں بھی متعین کر دی کہ وہ بذریعہ فرشتوں کے بھیجا جاتا ہے اور وحی لانے والے فرشتے کے گرد دوسرے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس استثناء سے جس علم غیب کا نبی و رسول کے

لئے اثبات ہے وہ بعض اور مخصوص علم غیب ہے جس کی ضرورت منصب رسالت کے لئے درپیش ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ استثناء اصطلاحی لفظوں میں استثناء منقطع ہے، یعنی جس علم غیب کلی کی اصل کلام میں غیر اللہ سے نفی کی گئی تھی مستثنیٰ میں اس کا اثبات نہیں بلکہ مخصوص علوم غیبیہ کا اثبات ہے جس کو قرآن کریم میں جا بجا انباء الغیب کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے: تلك من انباء الغيب نوحيها اليك

بعض ناواقف غیب اور انباء الغیب میں فرق نہیں سمجھتے اس لئے وہ انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء ﷺ کے لئے علم غیب کلی ثابت کرتے ہیں اور آپ کو بالکل اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب ہر ذرہ کائنات کا علم رکھنے والا کہنے لگتے ہیں جو کھلا ہوا شرک اور رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے، نعوذ باللہ منہ۔ اگر کوئی شخص اپنا خفیہ راز کسی اپنے دوست کو بتلا دے جو اور کسی کے علم میں نہ ہو تو اس سے دنیا میں کوئی بھی اس دوست کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو ہزاروں غیب کی چیزوں کا بذریعہ وحی بتلا دینا ان کو عالم الغیب نہیں بنا دیتا خوب سمجھ لیا جائے۔

جاہل عوام جو ان دونوں باتوں میں فرق نہیں کرتے جب ان کے سامنے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہیں، وہ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کو معاذ اللہ کسی غیب کی چیز کی خبر نہیں جس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں اور نہ ہو سکتا ہے، کیونکہ ایسا ہونے سے تو خود نبوت و رسالت کی نفی ہو جاتی ہے جس کا کسی مومن سے امکان نہیں۔



يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ النَّبِيُّ وَأَصْلُهُ الْمُتَزَمِّلُ أُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الزَّايِ أَيِ الْمُتَلَفِّفُ بِثِيَابِهِ حِيْنَ مَجِيءِ الْوَحْيِ لَهُ خَوْفًا مِنْهُ لِهَيْبَتِهِ قُمِ اللَّيْلَ صَلِّ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲﴾ نِصْفَهُ بَدَلٌ مِنْ قَلِيْلًا وَقِلَّتُهُ بِالنَّظَرِ إِلَى الْكُلِّ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ مِنَ النِّصْفِ قَلِيلًا ﴿۳﴾ إِلَى الثُّلُثِ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ إِلَى الثُّلُثَيْنِ وَأَوْ لِلتَّخْيِيْرِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَثَبَّتْ فِي تِلَاوَتِهِ تَرْتِيلًا ﴿۴﴾ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا قُرْآنًا ثَقِيلًا ﴿۵﴾ مَهِيْبًا أَوْ شَدِيْدًا لِمَا فِيْهِ مِنَ التَّكَالِيْفِ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ الْقِيَامُ بَعْدَ النَّوْمِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا مُوَافَقَةُ السَّمْعِ لِلْقَلْبِ عَلَى تَفَهُّمِ الْقُرْآنِ وَأَقْوَمُ قِيلًا ﴿۶﴾ أَبْيَنُ قَوْلًا إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ﴿۷﴾ تَصَرُّفًا فِيْ أَشْغَالِكَ لَا تَفَرُّغَ فِيْهِ لِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ أَيْ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِيْ ابْتِدَاءِ قِرَاءَتِكَ وَتَبَتَّلْ انْقَطِعْ إِلَيْهِ فِي الْعِبَادَةِ تَبْتِيلًا ﴿۸﴾ مَصْدَرُ بَتَّلَ جِيْءَ بِهِ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ وَهُوَ مَلْزُوْمُ التَّبَتُّلِ هُوَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿۹﴾ مَوْكُوْلًا لَهُ أُمُوْرُكَ وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ أَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ مِنْ أَذَاهُمْ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿۱۰﴾ لَا جَزَعَ فِيْهِ وَهٰذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِقِتَالِهِمْ وَذَرْنِي اتْرُكْنِيْ وَالْمُكَذِّبِينَ عَطْفٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِ أَوْ مَفْعُوْلٌ مَعَهُ وَالْمَعْنٰى أَنَا كَافِيْكَهُمْ وَهُمْ صَنَادِيْدُ قُرَيْشٍ أُولِي النَّعْمَةِ التَّنَعُّمِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ﴿۱۱﴾ مِنَ الزَّمَنِ فَقُتِلُوْا بَعْدَ يَسِيْرٍ مِنْهُ بِبَدْرٍ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا قُيُوْدًا ثِقَالًا جَمْعُ نِكْلٍ بِكَسْرِ النُّوْنِ وَجَحِيمًا ﴿۱۲﴾ نَارًا مُحْرِقَةً وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ يُغَصُّ بِهِ فِي الْحَلْقِ وَهُوَ الزَّقُّوْمُ أَوِ الضَّرِيْعُ أَوِ الْغِسْلِيْنُ أَوْ شَوْكٌ مِنْ نَارٍ لَا يَخْرُجُ وَلَا يَنْزِلُ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳﴾ مُؤْلِمًا زِيَادَةً عَلَى مَا ذُكِرَ لِمَنْ كَذَّبَ

زَمُّلُوْا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ تَرْجُفُ تَزَلْزَلُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مُّجْتَمِعًا مَّهِيلًا ۞ سَائِلًا بَعْدَ اجْتِمَاعِهٖ وَهُوَ مِنْ هَالَ يَهِيْلُ وَاَصْلُهٗ مَهْيُوْلٌ اسْتُثْقِلَتِ الضَّمَّةُ عَلَى الْيَاءِ فَنُقِلَتْ اِلَى الْهَاءِ وَحُذِفَتِ الْوَاوُ ثَانِي السَّاكِنَيْنِ لِزِيَادَتِهَا وَ قُلِبَتِ الضَّمَّةُ كَسْرَةً لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ اِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ رَسُولًا هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَا يَصْدُرُ مِنْكُمْ مِنَ الْعِصْيَانِ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۞ وَهُوَ مُوْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ۞ شَدِيْدًا فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ فِي الدُّنْيَا يَوْمًا مَفْعُوْلُ تَتَّقُوْنَ اَيْ عَذَابَهٗ اَيْ بِاَيِّ حِصْنٍ تَتَحَصَّنُوْنَ مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۞ جَمْعُ اَشْيَبَ لِشِدَّةِ هَوْلِهٖ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَالْاَصْلُ فِيْ شِيْنِ شِيْبٍ الضَّمُّ وَ كُسِرَتْ لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ وَيُقَالُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ يَوْمٌ يَشِيْبُ نَوَاصِيَ الْاَطْفَالِ وَهُوَ مَجَازٌ وَيَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ الْمُرَادُ فِي الْاٰيَةِ الْحَقِيْقَةَ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ ذَاتُ انْفِطَارٍ اَيْ اِنْشِقَاقٍ بِهِ بِذٰلِكَ الْيَوْمِ لِشِدَّتِهٖ كَانَ وَعْدُهُ تَعَالٰى بِمَجِيْءِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَفْعُولًا ۞ اَيْ هُوَ كَائِنٌ لَا مَحَالَةَ إِنَّ هَٰذِهِ الْاٰيَاتِ الْمُخَوِّفَةَ عِظَةٌ لِلْخَلْقِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۞

تَرْجَمَہ: اے کپڑوں میں لپٹنے والے (نبی، مزمل دراصل متزمل تھا، تا کو زا سے بدل کر ادغام کر دیا گیا ہے۔ یعنی وحی نازل ہونے کے وقت مارے ہیبت کے چادر اوڑھنے والا) رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی (تہائی) رات یعنی آدھی رات (یہ قلیلا سے بدل ہے اور آدھی رات کو قلیل کہنا تمام رات کے اعتبار سے ہے) یا آدھی رات سے کچھ گھٹا کر (تہائی رات تک) یا آدھی رات کو کچھ بڑھا کر (دو تہائی رات تک او تخییر کے لئے ہے) اور قرآن کو خوب صاف صاف (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھا کرو۔ ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (جو آپ پر ہیبت اور سخت ہوگا تکالیف کے لحاظ سے) بلاشبہ رات کو (سونے کے بعد) اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے (قرآن کے سمجھنے میں سننے کی اور دل کی موافقت رہتی ہے) اور بات خوب ٹھیک (نکھر کر) نکلتی ہے یقیناً آپ کو دن میں بہت کام رہتا ہے (کاموں کے ہجوم میں تلاوت کا موقعہ نہیں ملتا) اور اپنے رب کا نام لیتے رہیے (قرأت شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھیے) اور (عبادت کے وقت) سب سے الگ تھلگ ہو جایئے (تبتل کا مصدر ہے، فواصلِ آیات کی رعایت کرتے ہوئے اس وزن پر لایا گیا ہے، تبتل کا ملزوم ہے وہ) مشرق و مغرب

کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ اسی کو اپنا کارساز کہیے (سب کام اسی کے حوالہ کیجئے) اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں (اہل مکہ آپ کو ستاتے ہیں) ان پر آپ صبر کیجئے۔ اور خوبصورتی کے ساتھ آپ ان سے الگ ہو جائیے (جس میں حرف شکایت زبان پر نہ آئے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں (اس کا مفعول بہ پر عطف ہے یا یہ مفعول معہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں ان قریشی سرداروں سے نبٹنے کے لئے کافی ہوں) ناز ونعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دیجئے اور ان لوگوں کو کچھ دنوں کی مہلت دے دیجئے (چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد غزوۂ بدر میں قریشی سردار مارے گئے) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں (وزنی، انکال جمع ہے نکل بکسر نون کی) اور دوزخ (کی جلانے والی آگ) ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے (جو گلے میں پھندا لگادے۔ زقوم یا ضریع یا غسلین یا آگ کے کانٹے مراد ہیں جو نہ نکلیں اور نہ اتریں) اور دردناک عذاب ہے (تکلیف دہ، مذکورہ مصیبتوں سے بڑھ کر پیغمبروں کو جھٹلانے والے کے لئے) جس دن کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ ریگ رواں (ریت کا تودہ) ہو جائیں گے۔ (جو جمع ہو کر بہہ جائے گا۔ مہیلا باب ضرب سے ہے۔ دراصل مہیول تھا۔ پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ہا کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔ پھر اجتماع ساکنین ہوا۔ واو زائد ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور یا کی مناسبت سے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا ہے) بے شک ہم نے (مکہ والو) تمہارے پاس ایک ایسے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھیجے ہیں جو تم پر گواہی دیں گے (قیامت میں جو گناہ تم سے سرزد ہوئے ہوں گے) جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا (یعنی موسیٰ علیہ السلام) پس فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑ، پکڑ لیا۔ سو اگر تم نے (دنیا میں) کفر کیا تو اس دن سے کیسے بچو گے (یوم تتقون کا مفعول ہے یعنی اس دن کے عذاب سے۔ خلاصہ یہ کہ اس دن کے عذاب سے بچ کر کس قلعہ میں پناہ لو گے) جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا (شیبا، اشیب کی جمع ہے بوڑھا ہونا ہول دلی سے ہوگا قیامت کا دن مراد ہے۔ شیب کا شین اصل میں مضموم تھا۔ لیکن یا کی مناسبت سے اس پر کسرہ آ گیا۔ سخت دن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے بچوں کو بوڑھا بنا دیا۔ یہ مجاز ہے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں حقیقۃ بوڑھا کر دینا مراد ہو) جس میں آسمان پھٹ جائے گا (ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا) اس (دن کی سختی کی وجہ) سے بلاشبہ اللہ کا وعدہ (اس عذاب کے آنے میں) ضرور ہو کر رہے گا (اسے کوئی ٹلا نہیں سکتا) یقینا یہ (ڈرانے والی آیات) نصیحت (مخلوق کے لئے موعظت) ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف (ایمان وطاعت) کا راستہ اختیار کر لے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: اِلَّا قَلِيلًا: یہ من اللیل سے استثناء ہے۔

لیے آتا ہے۔

قوله :وَاَوْلِلتَّخْيِيْر :او دو میں ایک کے چناؤ کے لیے آتا ہے۔

قوله : تغبت: یعنی تم آہستگی اور غور سے حروف کو واضح کر کے پڑھو کہ سننے والا گن سکے۔

قوله :مُوَافِقَةً: وَطْأً :روندنا۔ پائمال کرنا۔ اَقْوَمُ قِيْلًا :بات میں پختہ۔

قوله :سَبْحًا :اہم کاموں میں آنا جانا۔

قوله : هَجْرًا جَمِيْلًا :ان سے دوری اور پہلو تہی اختیار کر لی۔

قوله :صَنَادِيْدُ: بہادر سردار۔

قوله :مِنَ الزَّمَنِ :اس سے اشارہ ہے کہ قلیلا ظرفیہ کی وجہ سے منصوب ہے اور موصوف محذوف زمانا ہے۔

قوله :نِكْلٍ : بھاری، بیڑی۔

قوله :اَوِالضَّرِيْعُ: کانٹے دار گھاس۔

قوله :اَوِالْغِسْلِيْنُ: پیپ۔

قوله :مُجْتَمِعًا: فعیل بمعنی مفعول یہ ثبت الشئ سے بنا ہے، جب اس کو اکٹھا کیا جائے۔

قوله :مِنْ هَالَ: جب بکھیر دیا۔

قوله : اِنْ كَفَرْتُمْ :کفر پر استمرار اختیار کیا۔

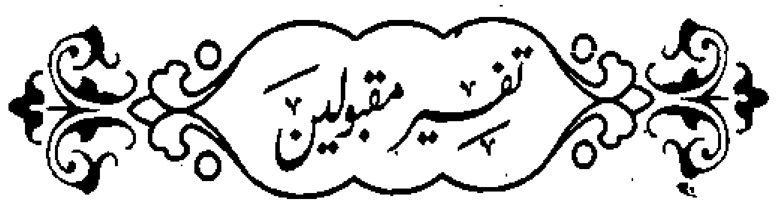
قوله :وَهُوَ مَجَازٌ: یہ سختی سے مجاز ہے۔

قوله :اَلْحَقِيْقَةُ :اس دن کی طوالت بچوں کو بوڑھا کر دے گی۔

قوله :ذَاتَ انْفِطَارٍ: خبر مؤنث کی وجہ سے ضمیر مؤنث ہے۔

قوله :بِهٖ :الباء یہ آلہ کے لیے آتی ہے۔

قوله :سَبِيْلًا :ایسا راستہ جس سے قرب الٰہی حاصل ہو۔



اس سورۃ مبارکہ میں خاص طور سے نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا وہ عظیم پہلو بیان کیا جا رہا ہے جسکو قرآن کریم کی اصطلاح میں انابت الی اللہ تبتل اور انقطاع عن الخلق کی تعبیر سے ادا کیا جا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طاعت و بندگی میں انسان کا ہر راحت و آرام اور طبعی تقاضوں کو قربان کر دینا اسکی یاد میں راتوں کو جاگنا تلاوت کلام اللہ کی لذت مما ایسا لطف اندوز ہونا کہ ہر جسمانی راحت سے بے نیاز ہو جائے یقیناً تعلق مع اللہ کا بلند ترین مقام ہے۔

اسی وجہ سے سورۃ کی ابتداء ہی ایک ایسی لطیف اور لذیذ نداء الٰہی پر مشتمل ہے جو اللہ رب العزت کی رحمت و مہربانی الا لطف و کرم اور محبت و عنایت کی پوری پوری ترجمانی کر رہی ہے اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ مزمل متعین فرمایا گیا جس کے

ضمن میں قیام اللیل کی عظمت اور تاثیر و برکت بھی فرمادی گئی ساتھ ہی وحی الٰہی کی عظمت کا بھی بیان ہے اور یہ کہ اگر مشرکین مکہ اللہ کی وحی پر ایمان نہیں لاتے تو آپ ﷺ اس کا غم نہ کریں انکی طرف سے جو رنج یا تکلیف پہنچے اس پر آپ ﷺ صبر کریں ایسے منکرین و مکذبین کو خدا کی قدرت بتادے گی کہ کامیابی اور غلبہ کن کو حاصل ہوتا ہے اور مجرمین عذاب خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔

يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ

یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ روایات صحیحہ میں ہے کہ شروع میں جب وحی کی دہشت اور ثقل سے آپ ﷺ کا بدن کانپنے لگا تو آپ ﷺ نے گھر والوں سے فرمایا: زملونی زملونی (مجھے کپڑا اڑھاؤ کپڑا اڑھاؤ) چنانچہ کپڑا اڑھا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اور اس سے اگلی سورت میں آپ کو وہی نام لے کر پکارا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے دار الندوہ میں جمع ہو کر آپ ﷺ کے متعلق مشورہ کیا کہ آپ ﷺ کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کرنا چاہیے کسی نے کاہن کہا کسی نے جادوگر کسی نے مجنون مگر اتفاق رائے کسی چیز پر نہ ہوا۔ اخیر میں ساحر کی طرف رجحان تھا۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو رنجیدہ اور غمگین ہوئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے۔ جیسا کہ اکثر سوچ اور غم میں مغموم آدمی اس طرح کر لیتا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے تأنیس و ملاطفت کے لیے اس عنوان سے خطاب فرمایا جیسے آپ ﷺ نے حضرت علی کو ایک مرتبہ قم ابا تراب فرمایا تھا جبکہ وہ گھر سے رنجیدہ ہو کر چلے گئے اور مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ عبد العزیز لکھتے ہیں کہ اس سورت میں خرقہ پوشی کے لوازم و شروط بیان ہوئی ہیں۔ گویا یہ سورت اس شخص کی سورت ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔ لغت عرب میں مزمل اس شخص کو کہتے ہیں جو بڑے کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔ اور آنحضرت ﷺ کا معمول ایسا تھا کہ جب نماز تہجد اور قرآن شریف کی تلاوت کے لیے رات کو اٹھتے تھے تو ایک کمبل دراز اوڑھ لیتے تھے تاکہ سردی سے بدن محفوظ رہے اور وضو و نماز کی حرکات میں کسی طرح کا حرج واقع نہ ہو۔ نیز اس عنوان کے اختیار کرنے میں ان لوگوں کو ہوشیار کرنا ہے جو کپڑوں میں لپٹے ہوئے رات کو آرام کر رہے ہوں کہ رات کا ایک معتدبہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزاریں۔

نماز تہجد کے احکام اور ان میں تبدیلی:

لفظ مزمل اور مدثر خود اس کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ آیات بالکل شروع اسلام اور نزول قرآن کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ اس وقت پانچ نمازیں امت پر فرض نہیں ہوئی تھیں کیونکہ پانچ نمازوں کی فرضیت تو شب معراج میں ہوئی ہے۔

امام بغوی نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی احادیث کی بناء پر یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کی رو سے قیام اللیل یعنی رات کی نماز رسول اللہ ﷺ اور تمام امت پر فرض تھی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب پانچ نمازیں فرض نہیں تھیں۔

اس آیت میں قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز کو صرف فرض ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس میں کم از کم ایک چوتھائی رات سے مشغول رہنا بھی فرض قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان آیات میں اصل حکم یہ تھا کہ تمام رات باستثناء قلیل نماز میں مشغول رہیں اور استثناء قلیل

کا بیان اور تفصیل آگے آتی ہے۔

امام بغوی روایات حدیث کی بناء پر فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رات کے اکثر حصہ کو نماز تہجد میں صرف فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کے قدم ورم کر گئے اور یہ حکم خاصا بھاری معلوم ہوا۔ سال بھر کے بعد اسی سورت کا آخری حصہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ نازل ہوا جس نے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کردی اور اختیار دے دیا کہ جتنی دیر کسی کے لئے آسان ہو سکے اتنا وقت خرچ کرنا نماز تہجد میں کافی ہے یہ مضمون ابوداؤد ونسائی میں حضرت صدیقہ عائشہ سے منقول ہے اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب پانچ نمازوں کی فرضیت شب معراج میں نازل ہوئی تو نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی البتہ سنت پھر بھی رہی اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس پر مداومت فرمائی اسی طرح اکثر صحابہ کرام بڑی پابندی سے نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ (مظہری) اب الفاظ آیت کی تفسیر دیکھئے ارشاد فرمایا۔

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ الیل پر الف لام داخل ہونے سے اس نے پوری رات کے معنے دیئے تو مطلب آیت کا یہ ہوگیا کہ آپ ساری رات قیام الیل میں مشغول رہیں بجز قلیل کے مگر چونکہ یہ لفظ قلیل مبہم تھا اس لئے آگے اس کی تشریح اس طرح فرمادی: نصفه او انقص منه قليلا اوزد عليه یعنی اب آپ نصف رات قیام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم کردیں یا نصف سے کچھ بڑھادیں۔ یہ بیان الا قلیلًا کے استثناء کا ہے۔ اس لئے اس پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ نصف تو قلیل نہیں کہلاتا۔ جواب یہ ہے کہ رات کا ابتدائی حصہ تو نماز مغرب پھر عشاء وغیرہ میں گزر ہی جاتا ہے اب نصف سے مراد باقی ماندہ کا نصف ہوگا وہ مجموعہ رات کے اعتبار سے قلیل ہے اور اس آیت میں چونکہ نصف سے کم کرنے کی بھی اجازت ہے نصف سے زائد کرنے کی بھی، اس لئے مجموعی طور پر اس کا یہ حاصل ہوا کہ کم از کم چوتھائی رات سے کچھ زیادہ قیام الیل میں مشغول رہنا فرض ہوگا۔

ترتیل قرآن کا مطلب:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ ترتیل کے لفظی معنے کلمہ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنے کے ہیں (مفردات امام راغب) مطلب آیت کا یہ ہے کہ تلاوت قرآن میں جلدی نہ کریں، بلکہ ترتیل وتسہیل کے ساتھ ادا کریں اور ساتھ ہی اس کے معانی میں تدبر وغور کریں (قرطبی) ورتل کا عطف قم الیل پر ہے اور اس میں اس کا بیان ہے کہ رات کے قیام میں کیا کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز تہجد اگرچہ قرائت وتسبیح، رکوع وسجود سبھی اجزائے نماز پر مشتمل ہے مگر اس میں اصل مقصود قرات قرآنی ہے اسی لئے احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز بہت طویل ادا فرماتے تھے، یہی عادت صحابہ وتابعین میں معروف رہی ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کا صرف پڑھنا مطلوب نہیں بلکہ ترتیل مطلوب ہے جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو۔ حضرت نبی کریم ﷺ اسی طرح ترتیل فرماتے تھے۔ حضرت ام سلمہ سے بعض لوگوں نے رات کی نماز میں

آپ کی تلاوت قرآن کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے نقل کر کے بتلایا جس میں ایک ایک حرف واضح تھا۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، از مظہری)

مسئلہ: ترتیل میں تحسین صوت یعنی بقدر اختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی قرات و تلاوت کو ایسا نہیں سنتا جیسا اس نبی کی تلاوت کو سنتا ہے جو خوش آوازی کے ساتھ جہراً تلاوت کرے۔ (مظہری)

حضرت علقمہ نے ایک شخص کو حسن صوت کیساتھ تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: لقد رتل القرآن فداہ ابی وامی، یعنی اس شخص نے قرآن کی ترتیل کی ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں۔ (قرطبی)

اور اصل ترتیل وہی ہے کہ حروف و الفاظ کی ادائیگی بھی صحیح اور صاف ہو اور پڑھنے والا اس کے معانی پر غور کر کے اس سے متاثر بھی ہو رہا ہو جیسا کہ حسن بصری سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک شخص پر ہوا جو قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا ہے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ بس یہی ترتیل ہے (جو یہ شخص کر رہا ہے)۔ از قرطبی

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝

مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد پے بہ پے قرآن تم پر نازل کریں گے جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات و لوازم کے اعتبار سے بہت بھاری اور گراں بار ہے۔ احادیث میں ہے کہ نزول قرآن کے وقت آپ ﷺ پر بہت گرانی اور سختی گزرتی تھی۔ جاڑے کے موسم میں آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو سواری تحمل نہیں کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ کی فخذ مبارک زید بن ثابت کی ران پر تھی۔ اس وقت وحی نازل ہوئی۔ زید بن ثابت کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی ران بوجھ سے پھٹ جائے گی۔ اس کے علاوہ اس ماحول میں قرآن کی دعوت و تبلیغ اور اس کے حقوق پوری طرح ادا کرنا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو کشادہ دلی سے برداشت کرنا بھی سخت مشکل اور بھاری کام تھا۔ اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپ ﷺ پر بھاری تھا دوسری حیثیت سے کافروں اور منکروں پر شاق تھا۔ غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن اتر چکا ہے۔ اس کی تلاوت میں رات کو مشغول رہا کریں اور اس عبادت خاص کے انوار سے اپنے تئیں مشرف کر کے اس فیض اعظم کی قبولیت کی استعداد اپنے اندر مستحکم فرمائیں۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ؕ ۝

یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں۔ بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روندا جاتا ہے اور نیند آرام وغیرہ و خواہشات پامال کی جاتی ہیں۔ نیز اس وقت دعا اور ذکر سیدھا دل سے ادا ہوتا ہے۔ زبان اور دل موافق ہوتے ہیں۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے شور و غل اور چیخ پکار سے یکسو ہونے اور خداوند قدوس کے سماء دنیا پر نزول فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون و قرار اور لذت و اشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝

یعنی دن میں لوگوں کو سمجھانا اور دوسرے کئی طرح کے مشاغل رہتے ہیں۔ گو وہ بھی آپ ﷺ کے حق میں بالواسطہ عبادت ہیں۔ تاہم بلاواسطہ پروردگار کی عبادت اور مناجات کے لیے رات کا وقت مخصوص رکھنا چاہیے۔ اگر عبادت میں مشغول ہو کر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کچھ پروا نہیں۔ دن میں ان کی تلافی ہو سکتی ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝

تَبَتَّلْ کے لفظی معنے مخلوق سے منقطع ہو کر خالق کی عبادت میں لگ جانے کے ہیں وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ کا عطف قم اللیل پر ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو قیام اللیل یعنی رات کی نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ضمن میں دن کی خاص خاص عبادتوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کما فی قولہ: اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ اس آیت میں ایک ایسی عبادت کا حکم ہے جو رات یا دن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں جاری رہتی ہے وہ ہے ذکر اللہ، اور مراد ذکر اللہ کے حکم سے اس پر مداومت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کا تو تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ آپ بالکل ذکر نہ کرتے ہوں اس لئے اس حکم کا منشاء دوام ذکر ہی ہو سکتا ہے۔ (مظہری) اور مراد آیت کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ذکر اللہ کو شب و روز ہمہ وقت جاری رکھیں اس میں نہ کبھی ذہول ہونا چاہئے نہ سستی اور یہ مراد اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ذکر اللہ سے مراد عام لیا جائے خواہ زبان سے ہو یا قلب سے یا اعضاء و جوارح کو اللہ تعالیٰ کے احکام میں مشغول رکھنے سے۔ اور ایک حدیث میں جو حضرت صدیقہ عائشہ کی روایت سے یہ آیا ہے کہ کان یذکر اللہ علی کل حین، یعنی رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے تھے یہ بھی اس عام معنے کی رو سے صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ بیت الخلاء وغیرہ میں آپ کا ذکر لسانی نہ کرنا روایات حدیث سے ثابت ہے مگر ذکر قلبی ہر وقت جاری رہ سکتا ہے اور ذکر قلبی کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ متخیلہ کے ذریعہ ذکر کرنا، دوسرے اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات میں غور و فکر کرنا، کما افادہ شیخ التھانوی قدس سرہ۔

دوسرا حکم اس آیت میں یہ دیا گیا کہ: تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ یعنی آپ تمام مخلوقات سے قطع نظر کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی عبادت میں لگ جائیں اس کے عام مفہوم میں اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک نہ کرنا بلکہ خلاص اللہ کے لئے عبادت کرنا بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ اپنے تمام اعمال و افعال اور حرکات و سکنات میں نظر اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رہے کسی مخلوق کو نفع و ضرر کا مالک یا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں۔ حضرت ابن زید نے فرمایا کہ تبتل کے معنے یہ ہیں کہ تمام دنیا و مافیہا کو چھوڑیں اور صرف اس چیز کی طرف متوجہ رہیں جو اللہ کے پاس ہے۔ (مظہری) لیکن جس تبتل اور مخلوق سے قطع تعلق کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس ترک تعلقات اور ترک دنیا سے بالکل مختلف ہے جس کو قرآن میں رہبانیت کہا ہے اور اس کی مذمت کی طرف اشارہ کیا ہے: ورهبانية ابتدعوها اور جس کے متعلق حدیث میں ہے: لا رهبانية فی الاسلام کیونکہ رہبانیت اصطلاح شرع میں اس ترک دنیا اور ترک تعلقات کا نام ہے جس میں تمام لذائذ اور حلال طیب اشیاء کو بہ نیت عبادت چھوڑ دیا جائے یعنی یہ اعتقاد ہو کہ ان حلال چیزوں کے چھوڑے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضاء حاصل نہیں ہو سکتی۔ یا عملاً ترک تعلقات اس طرح کرے کہ لوگوں کے حقوق واجبہ کی رعایت نہ کرے ان میں خلل آئے اور یہاں جس

تبتل اور ترک تعلق کا حکم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق پر کسی دوسری مخلوق کا تعلق غالب نہ آ جائے خواہ اعتقاداً یا عملاً اور ایسا ترک تعلق دنیوی تمام معاملات از دواج و نکاح اور تعلقات رشتہ داری وغیرہ کے منافی نہیں بلکہ ان سب کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی اور شمائل اس پر شاہد ہیں۔ یہاں جس مفہوم کو لفظ تبتل سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کا دوسرا عنوان سلف صالحین کی زبان میں اخلاص ہے۔ (مظہری)

فائدہ مہمہ: ذکر اللہ کی کثرت اور تعلقات دنیا کے ترک کے معاملے میں صوفیائے کرام سلفاً وخلفاً سب سے آگے رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم جس مسافت کو طے کرنے اور راستہ قطع کرنے میں دن رات لگے ہوئے ہیں درحقیقت اس کے دو قدم ہیں۔ پہلا قدم مخلوق سے انقطاع ہے اور دوسرا قدم وصول الی اللہ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ آیت مذکورہ میں انہیں دو قدموں کو دو جملوں میں عطف کر کے بیان فرمایا گیا ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝

یہاں ذکر اللہ سے مراد اس پر ایسی مداومت ہے جس میں کبھی قصور و فتور نہ ہو اور کسی وقت اس سے ذہول نہ ہو۔ یہی وہ مقام ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں وصول الی اللہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح پہلے جملے میں آخری قدم کا ذکر فرمایا اور دوسرے جملے میں پہلے قدم کا یہ ترتیب شاید اس لئے بدل گئی کہ اگرچہ عمل میں تبتل یعنی قطع تعلقات (بالمعنے المذکور) مقدم ہے اور وصول الی اللہ اس کے بعد اس پر مرتب ہوتا ہے مگر چونکہ مقصد سالک کا یہ دوسرا ہی قدم ہے اور یہی درحقیقت مقصود المقاصد ہے اس کی اہمیت وافضلیت بتلانے کے لئے ترتیب طبعی و قوعی کو بدل کر ذکر اللہ کو مقدم بیان فرمایا گیا۔

ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مامور بہ ذکر و عبادت ہے: اس آیت میں ذکر اللہ کے حکم کو لفظ اسم کے ساتھ مقید کر کے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ فرمایا ہے واذکر ربک نہیں فرمایا اس میں اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ اسم رب یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مطلوب و مامور بہ ہے۔ (مظہری) بعض علماء نے جو صرف اسم ذات اللہ اللہ کے تکرار کو بدعت کہہ دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۝

یعنی کفار آپ ﷺ کو ساحر، کاہن اور مجنون و مسحور وغیرہ کہتے ہیں۔ ان باتوں کو صبر واستقلال سے سہتے رہیے اور بھلی طرح کا چھوڑنا یہ ہے کہ ظاہر میں ان کی صحبت ترک کرو اور باطن میں ان کے حال سے خبردار رہو کہ کیا کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں اور مجھ کو کس طور سے یاد کرتے ہیں، دوسرے ان کی بدسلوکی کی شکایت کسی کے سامنے نہ کرو، نہ انتقام لینے کے درپے ہو، نہ گفتگو یا مقابلہ کے وقت کج خلقی کا اظہار کرو۔ تیسرے یہ کہ باوجود جدائی اور مفارقت کے ان کی نصیحت میں قصور نہ کیجیے بلکہ جس طرح بن پڑے ان کی ہدایت وراہنمائی میں سعی کرتے رہیے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ یعنی خلق سے کنارہ کر لیکن لڑ بھڑ کر نہیں، سلوک سے مگر یاد رہے کہ یہ آیت مکی ہے اور آیات قتال کا نزول مدینہ میں ہوا ہے۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۝

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا ہے کہ مکہ کے ارباب عیش وعشرت کا فردوں کا معاملہ آپ مجھ

پر چھوڑ دیجیے، آپ ان کی فکر نہ کیجیے۔ ان سے نمٹنے کیلئے میں آپکی طرف سے کافی ہوں اور میں آپ کا انتقام ان سے ضرور لوں گا۔ حاکم اور بیہقی نے (دلائل میں) عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے نزول کے کچھ ہی دنوں کے بعد جنگ بدر واقع ہوئی تھی۔

طَرِيْقًا بِالْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى اَقَلَّ مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ بِالْجَرِّ عَطْفٌ عَلٰى ثُلُثَيِ وَ بِالنَّصَبِ عَطْفٌ عَلٰى اَدْنٰى وَقِيَامُهٗ كَذٰلِكَ نَحْوَمَا اَمَرَ بِهٖ اَوَّلَ السُّوْرَةِ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ط عَطْفٌ عَلٰى ضَمِيْرِ تَقُوْمُ وَجَازَ مِنْ غَيْرِ تَاكِيْدٍ لِلْفَصْلِ وَقِيَامُ طَائِفَةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ كَذٰلِكَ لِلتَّاسِيْ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى مِنَ اللَّيْلِ وَ كَمْ بَقِيَ مِنْهُ فَكَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ كُلَّهٗ اِحْتِيَاطًا فَقَامُوْا حَتّٰى انْتَفَخَتْ اَقْدَامُهُمْ سَنَةً اَوْ اَكْثَرَ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ يُحْصِي الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ط عَلِمَ اَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهٗ لَّنْ تُحْصُوْهُ اَيِ اللَّيْلَ لِتَقُوْمُوْا فِيْمَا يَجِبُ الْقِيَامُ فِيْهِ اِلَّا بِقِيَامِ جَمِيْعِهٖ وَذٰلِكَ يَشُقُّ عَلَيْكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ رَجَعَ بِكُمْ اِلَى التَّخْفِيْفِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط فِي الصَّلَاةِ بِاَنْ تُصَلُّوْا مَا تَيَسَّرَ عَلِمَ اَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ اَيْ اَنَّهٗ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى لا وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يُسَافِرُوْنَ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ لا يَطْلُبُوْنَ مِنْ رِزْقِهٖ بِالتِّجَارَةِ وَغَيْرِهَا وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ج وَ كُلٌّ مِنَ الْفِرَقِ الثَّلٰثِ يَشُقُّ عَلَيْهِمْ مَا ذُكِرَ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ بِقِيَامِ مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ثُمَّ نَسَخَ ذٰلِكَ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ لا كَمَا تَقَدَّمَ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ بِاَنْ تُنْفِقُوْا مَا سِوَى الْمَفْرُوْضِ مِنَ الْمَالِ فِيْ سَبِيْلِ الْخَيْرِ قَرْضًا حَسَنًا ط عَنْ طِيْبِ قَلْبٍ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا مِمَّا خَلَفْتُمْ وَهُوَ فَصْلٌ وَمَا بَعْدَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَعْرِفَةً يُشْبِهُهَا لِامْتِنَاعِهٖ مِنَ التَّعْرِيْفِ وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ط وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ع لِلْمُؤْمِنِيْنَ

ترجمہ: آپ کے پروردگار کو معلوم ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب اور آدھی رات اور تہائی رات (جر کے ساتھ ثلثی پر عطف ہے اور نصب کے ساتھ ادنیٰ پر عطف ہے اور آنحضرتؐ کا قیام لیل بھی اسی کے مطابق تھا۔ جس کا حکم شروع سورت میں ہو چکا ہے) اور آپ کے ساتھیوں میں سے بعض آدمی کھڑے رہتے ہیں (طائفۃ کا عطف

تقوم کی ضمیر پر ہو رہا ہے اور ضمیر متصل کی تاکید کے بغیر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ معطوف معطوف علیہ میں فاصلہ ہو گیا اور آپ کے اقتداء میں بعض صحابہؓ بھی رات کو ویسے ہی قیام کر لیا کرتے تھے۔ لیکن بعض صحابہؓ کو چونکہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کتنی رات گئے تک نماز پڑھی اور کتنی رات رہ گئی، اس لئے احتیاطاً ساری رات کھڑے نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے پاؤں پر ورم آجاتا۔ ایک سال یا ایک سال سے زائد یہ سلسلہ رہا۔ پھر ان پر تخفیف کر دی گئی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) دن رات کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں کہ ان کو معلوم ہے کہ (ان مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے ای انہ) تم اس کو منضبط نہیں کر سکتے (یعنی رات کے قیام کے لئے صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے تمام رات کھڑے رہتے ہیں جس سے تمہیں دشواری ہوتی ہے) تو اس نے تمہارے حال پر عنایت کی (تمہیں سہولت دے کر) سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو (نماز میں یعنی جتنی نماز پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو) اللہ کو معلوم ہے کہ (ان مخففہ ہے ای انہ) تم میں بعض بیمار ہوں گے۔ اور بعض تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے (تجارت وغیرہ کر کے روزی حاصل کریں گے) اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اور تینوں قسم کے لوگوں پر مذکورہ قیام لیل دشوار ہوگا۔ اس لئے سہولت کے مطابق قیام کی اجازت دے کر سہولت دے دی۔ پھر پنج وقتہ نمازوں کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا) سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور (فرض) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرض دو (یعنی فرض کے علاوہ بھی خیر کے کاموں میں مال کرچ کیا کرو) اچھی طرح (خوش دلی سے) اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس پہنچ کر۔ اس سے اچھا (جو تم نے مال چھوڑا ہے۔ ہو ضمیر فصل ہے اور مابعد اگرچہ معرفہ نہ ہو سکنے میں معرفہ کے مشابہ ہے) اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو۔ بلاشبہ اللہ (مومنین کے لئے) غفور رحیم ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَدْنٰی: اس کو قلت کے لیے بطور استعارہ لاتے ہیں۔

قوله: بِالْجَرِّ: اس میں ثلث سے کم رات مراد نہ ہوگی۔

قوله: بِالنَّصَبِ: اس میں ادنیٰ من الثلثین یعنی دو ثلث سے کم مراد ہوگی۔

قوله: وَقِیَامُہٗ: یہ مبتداء ہے اور نحو ما یہ خبر ہے۔ اور سنہ یہ قاموا کا ظرف ہے۔

قوله: اَلَّیْلَ وَالنَّهَارَ: ان کی مقدار معلوم نہیں، مگر اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

قوله: لَّنْ تُحْصُوْهُ: تم ان کی گھڑیوں کو اچھی طرح ضبط نہیں کر سکتے۔

قوله :رَجَعَ بِکُمْ: ترک قیام مقدر سے رجوع فرمایا۔
قوله :عَلِمَ اَنْ :اس میں رخصت کی دوسری حکمت مذکور ہے۔
قوله :وَغَیْرِ هَا: جیسے حصول علم۔
قوله :مِنَ الْفِرَقِ الثَّلٰثِ: تین گروہ 1۔ بیمار 2۔ مسافر 3۔ مجاہد۔
قوله :اَلْخَیْرَ ا: یہ تَجِدُوْهُ کا دوسرا مفعول ہے۔
قوله :وَهُوَ فَصْلٌ: یہ ہو ضمیر فاصل ہے۔ اور من والا اسم تفضیل معرفہ کی طرح ہے۔

تفسیر مقبولین

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى ....

قیام لیل کے بارے میں تخفیف کا اعلان، اقامۃ الصلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا حکم:

ابتدائے سورت میں جو رات کو نمازوں میں قیام کرنے کا حکم فرمایا تھا (گو علی سبیل التخییر تھا) اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی رات کو نماز میں قیام فرماتے تھے۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ جب آیت کریمہ: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کو اس پر عمل کرنا دشوار ہوا کیونکہ تہائی رات دو تہائی رات اور آدھی رات کا پہچاننا مشکل تھا۔ لہٰذا اس ڈر سے صبح تک قیام کرتے تھے کہ وقت مقرر میں کمی نہ ہو جائے۔ جس کی وجہ سے ان کے پیر پھول گئے اور رنگ بدل گئے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا۔

اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں بعض لوگ دو تہائی رات کے قریب اور بعض آدھی رات اور بعض تہائی رات کھڑے رہتے ہیں جس سے مشقت میں مبتلا ہوتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور پہلا حکم منسوخ فرمادیا سو اب تم سے جتنا قرآن مجید آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو (اس سے نماز تہجد میں قرآن پڑھنا مراد ہے) اب اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمادی اور تہجد کی فرضیت بھی منسوخ ہوگئی اور کتنی نماز پڑھے اور کتنی دیر نماز پڑھے اس کی بھی مقدار متعین اور مقرر نہیں رکھی گئی، لہٰذا آسانی کی صورت بن گئی اس نسخ کی ایک علت تو عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے مریض بھی ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو تلاش معاش کے لیے زمین میں سفر کریں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں قتال کریں گے۔ ان حالات میں تہجد کی اور اوقات مقررہ کی پابندی مشکل تھی لہٰذا آسانی کردی گئی۔ تہجد پڑھنا مستحب قرار دے دیا گیا اور وقت کی بھی کوئی مقدار مقرر نہیں رکھی گئی۔

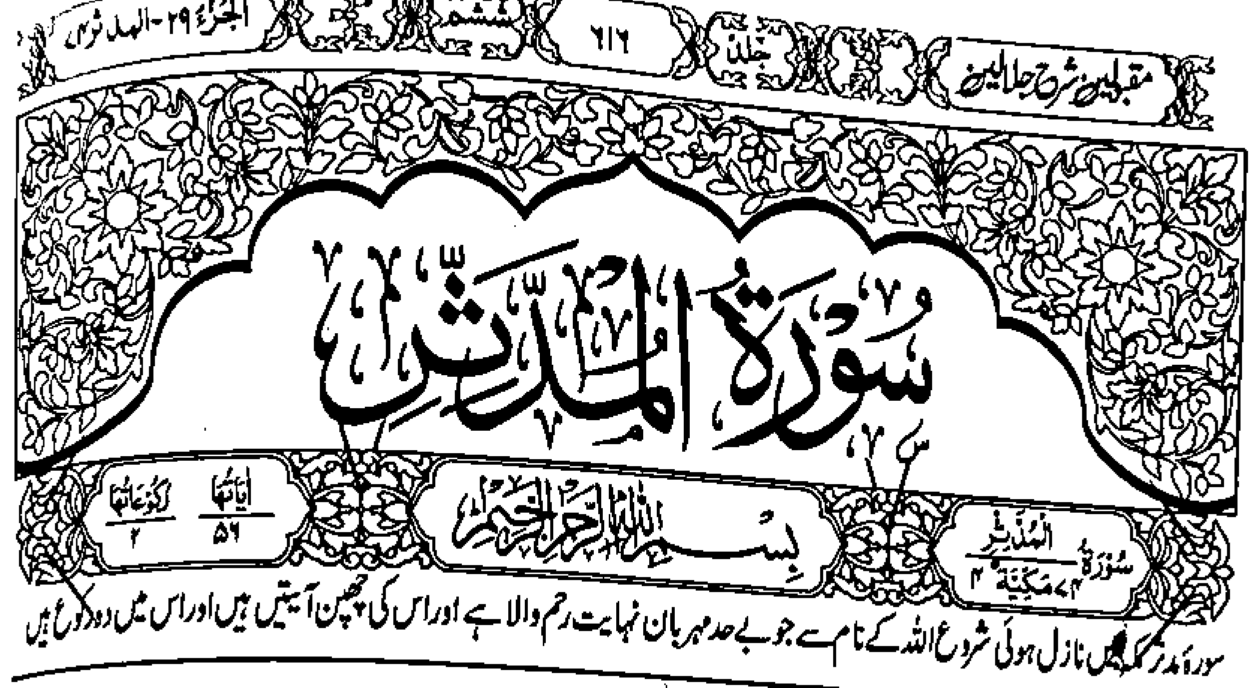
علامہ قرطبی شیخ ابوالنصر قشیری سے نقل کرتے ہیں کہ مشہور بات یہ ہے کہ قیام لیل کی فرضیت امت کے حق میں منسوخ ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں باقی رہی اور ایک قول یہ ہے کہ اصل وجوب تو سب کے لیے باقی رہا البتہ مقدار قیام

واجب نہیں رہی۔ جتنی دیر چاہیں پڑھ لیں۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ٥٤:ج)

صاحب روح المعانی نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزمل کے شروع میں قیام کو فرض قرار دیا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بارہ ماہ تک سورۃ مزمل کا آخری حصہ نازل نہیں فرمایا اس کے بعد آخری حصہ نازل فرما کر تخفیف فرمادی اور قیام لیل نوافل کے حکم میں باقی رہ گیا اور ایک روایت میں ہے کہ آٹھ ماہ کے بعد تخفیف نازل ہوئی۔

(روح المعانی صفحہ ١٨٧:ج٢٩)

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوۃَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض دو اچھا قرض) یعنی اس کی مخلوق پر خرچ کرو اور اس کی رضا کے کاموں میں مال لگاؤ۔ ہے تو مال اللہ تعالیٰ ہی کا اور مال والے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہیں لیکن اس نے کرم فرمایا کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرنے کا نام قرض رکھ دیا اور کرم بالائے کرم یہ ہے کہ اس پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ فرمادیا سورۂ بقرہ میں فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً (کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرض حسن پھر وہ اس کے لیے اسے چند در چند یعنی بہت گنا کر کے اضافہ فرمادے)۔



سورۂ مدثر مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی چھپن آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ النَّبِيُّ وَاَصْلُهُ الْمُتَدَثِّرُ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الدَّالِ اَيِ الْمُتَلَفِّفُ بِثِيَابِهٖ عِنْدَ نُزُوْلِ الْوَحْيِ عَلَيْهِ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ خَوِّفْ اَهْلَ مَكَّةَ بِالنَّارِ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ عَظِّمْ عَنْ اِشْرَاكِ الْمُشْرِكِيْنَ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿۴﴾ عَنِ النَّجَاسَةِ اَوْ قَصِّرْهَا خِلَافَ جَرِّ الْعَرَبِ ثِيَابَهُمْ خُيَلَاءَ فَرُبَّمَا اَصَابَتْهَا نَجَاسَةٌ وَ الرُّجْزَ فَسَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَوْثَانِ فَاهْجُرْ ۪ۙ﴿۵﴾ اَيْ دُمْ عَلٰى هَجْرِهٖ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾ بِالرَّفْعِ حَالٌ اَيْ لَا تُعْطِ شَيْئًا لِتَطْلُبَ اَكْثَرَ مِنْهُ وَهٰذَا خَاصٌّ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ مَاْمُوْرٌ بِاَجْمَلِ الْاَخْلَاقِ وَاَشْرَفِ الْاٰدَابِ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۙ﴿۷﴾ عَلَى الْاَوَامِرِ وَالنَّوَاهِيْ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ وَهُوَ الْقَرْنُ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ فَذٰلِكَ اَيْ وَقْتُ النَّقْرِ يَوْمَئِذٍ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهُ الْمُبْتَدَاءِ وَبُنِيَ لِاِضَافَتِهٖ اِلٰى غَيْرِ مُتَمَكِّنٍ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاِ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ﴿۹﴾ وَالْعَامِلُ فِيْ اِذَا مَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الْجُمْلَةُ اَيْ اِشْتَدَّ الْاَمْرُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾ فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّهٗ يَسِيْرٌ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَيْ فِيْ عُسْرِهٖ ذَرْنِيْ اُتْرُكْنِيْ وَ مَنْ خَلَقْتُ عَطْفٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِ اَوْ مَفْعُوْلٌ مَعَهٗ وَحِيْدًا ۙ﴿۱۱﴾ حَالٌ مِنْ مَنْ اَوْ مِنْ ضَمِيْرِهِ الْمَحْذُوْفِ مِنْ خَلَقْتُ اَيْ مُنْفَرِدًا بِلَا اَهْلٍ وَلَا مَالٍ وَهُوَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ﴿۱۲﴾ وَاسِعًا مُتَّصِلًا مِنَ الزُّرُوْعِ وَالضُّرُوْعِ وَالتِّجَارَةِ وَّ بَنِيْنَ عَشَرَةً اَوْ اَكْثَرَ وَّ بَنِيْنَ يَشْهَدُوْنَ الْمَحَافِلَ وَتُسْمَعُ شَهَادَتُهُمْ وَّ مَهَّدْتُّ بَسَطْتُ لَهٗ فِي الْعَيْشِ وَالْعُمُرِ وَالْوَلَدِ تَمْهِيْدًا ۙ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۙ﴿۱۵﴾ كَلَّا ۭ لَا اَزِيْدُهٗ عَلٰى ذٰلِكَ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا اَيِ الْقُرْاٰنِ عَنِيْدًا ۭ﴿۱۶﴾ مُعَانِدًا

سَاُرْهِقُهٗ اُكَلِّفُهٗ صَعُوْدًا ۝١٧ مَشَقَّةً مِنَ الْعَذَابِ اَوْ جَبَلًا مِنْ نَارٍ يَصْعَدُ فِيْهِ ثُمَّ يَهْوِيْ اَبَدًا اِنَّهٗ فَكَّرَ فِيْمَا يَقُوْلُ فِي الْقُرْاٰنِ الَّذِيْ سَمِعَهٗ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدَّرَ ۝١٨ فِيْ نَفْسِهٖ ذٰلِكَ فَقُتِلَ لُعِنَ وَعُذِّبَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝١٩ عَلٰى اَيِّ حَالٍ كَانَ تَقْدِيْرُهٗ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝٢٠ ثُمَّ نَظَرَ ۝٢١ فِيْ وُجُوْهِ قَوْمِهٖ اَوْ فِيْمَا يَقْدَحُ بِهٖ ثُمَّ عَبَسَ قَبَضَ وَجْهَهٗ وَكَلَحَهٗ ضَيْقًا بِمَا يَقُوْلُ وَبَسَرَ ۝٢٢ زَادَ فِي الْقَبْضِ وَالْكُلُوْحِ ثُمَّ اَدْبَرَ عَنِ الْاِيْمَانِ وَاسْتَكْبَرَ ۝٢٣ تَكَبَّرَ عَنِ اتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فِيْمَا جَاءَ بِهٖ اِنْ مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝٢٤ يُنْقَلُ عَنِ السَّحَرَةِ اِنْ مَا هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝٢٥ كَمَا قَالُوْا اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ سَاُصْلِيْهِ اُدْخِلُهٗ سَقَرَ ۝٢٦ جَهَنَّمَ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝٢٧ تَعْظِيْمٌ لِشَانِهَا لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝٢٨ شَيْئًا مِنْ لَحْمٍ وَّلَا عَصَبٍ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ ثُمَّ يَعُوْدُ كَمَا كَانَ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝٢٩ مُحْرِقَةٌ لِظَاهِرِ الْجِلْدِ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝٣٠ مَلَكًا خَزَنَتُهَا قَالَ بَعْضُ الْكُفَّارِ وَكَانَ قَوِيًّا شَدِيْدَ الْبَاسِ اَنَا اَكْفِيْكُمْ سَبْعَةَ عَشَرَ اَكْفُوْنِيْ اَنْتُمْ اِثْنَيْنِ قَالَ تَعَالٰى وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً اَيْ فَلَا يُطَاقُوْنَ كَمَا يَتَوَهَّمُوْنَ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ ذٰلِكَ اِلَّا فِتْنَةً ضَلَالًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنْ يَّقُوْلُوْا لِمَ كَانُوْا تِسْعَةَ عَشَرَ لِيَسْتَيْقِنَ لِيَسْتَبِيْنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اَيِ الْيَهُوْدُ صِدْقَ النَّبِيِّ فِيْ كَوْنِهِمْ تِسْعَةَ عَشَرَ الْمُوَافِقِ لِمَا فِيْ كِتَابِهِمْ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِيْمَانًا تَصْدِيْقًا لِمُوَافَقَةِ مَا اَتٰى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا فِيْ كِتَابِهِمْ وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ غَيْرِهِمْ فِيْ عَدَدِ الْمَلٰئِكَةِ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ شَكٌّ بِالْمَدِيْنَةِ وَّالْكٰفِرُوْنَ بِمَكَّةَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا الْعَدَدِ مَثَلًا سَمَّوْهُ لِغَرَابَتِهٖ بِذٰلِكَ وَاُعْرِبَ حَالًا كَذٰلِكَ اَيْ مِثْلَ اِضْلَالِ مُنْكِرِ هٰذَا الْعَدَدِ وَهُدَى مُصَدِّقِهٖ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ الْمَلَائِكَةَ فِيْ قُوَّتِهِمْ وَاَعْوَانِهِمْ اِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ اَيْ سَقَرُ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝٣١

ع ١ | ١٥

ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے (نبی۔ یہ لفظ دراصل متدثر تھا۔ تا کو دال میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ یعنی وحی نازل ہونے کے وقت کپڑے میں لپٹنے والے) اٹھئے پھر ڈرائیے (اہل مکہ اگر ایمان نہ لائیں تو انہیں دوزخ سے

ڈرایئے) اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کیجئے (مشرکین کے شرک سے بالا بتلایئے) اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے) گندگی سے یا اپنے کپڑے چھوٹے بنایئے۔ عربوں کی طرح نہیں کہ وہ تکبر کی وجہ سے بڑے ڈھیلے ڈھالے پہنتے تھے کہ اکثر نجاست آلودہ ہوجاتے تھے) اور بتوں سے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر بت ہی کے ساتھ فرمائی ہے) الگ رہیئے (یعنی چھوڑے رکھئے) اور کسی کو اس لئے نہ دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو (تستکثر رفع کے ساتھ حال ہے یعنی کسی کو کوئی چیز اس غرض سے مت دو کہ زیادہ معاوضہ دے۔ یہ حکم حضورؐ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ آپ کو بہترین اخلاق اور عمدہ آداب کا پابند کیا گیا ہے) اور اپنے رب کے لئے (احکام ومنہیات پر) صبر کیجئے، پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا (نفخہ ثانیہ مراد ہے) سو (وہ وقت صور پھونکنے کا یعنی) وہ دن ایک سخت دن ہوگا (اذا میں عامل مدلول جملہ ہے یعنی اشتد الامر) کافروں پر جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی (اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ دن مومنین پر آسان ہوگا سخت ہونے کے باوجود) مجھ کو رہنے دیجئے۔ (چھوڑ دیجئے) اور اس شخص کو جسے میں نے پیدا کیا ہے (مفعول پر عطف ہے یا مفعول معہ ہے) اکیلا (یہ من سے حال ہے یا خلقت کی ضمیر محذوف سے حال ہے یعنی یکہ وتنہا تھا بغیر اہل اور مال کے۔ ولید بن مغیرہ مراد ہے) اور اس کو بکثرت مال دیا (نہایت پائیدار کھیتی باڑی اور دودھ بوند اور تجارت) اور بیٹے (دس یا زیادہ) جو بلائے جاتے (محفلوں میں اور ان کی گواہی معتبر ہوتی) اور سب طرح کا سامان (عیش، عمر، اولاد) اس لئے مہیا کر دیا۔ پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں (زیادہ نہیں دوں گا) وہ ہماری آیات (قرآن) کا مخالف (دشمن) ہے۔ میں عنقریب اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا (صعود سے عذاب کی مشقت یا آگ کا پہاڑ مراد ہے جس پر وہ چڑھے گا، پھر گرے گا۔ بس یہی ہوتا رہے گا) اس شخص نے سوچا (آنحضرتؐ سے قرآن سن کر جو کچھ کہتا ہے) پھر ایک بات تجویز کی (اپنے دل میں اس کے متعلق) سو اس پر خدا کی مار (لعنت عذاب) کیسی تجویز کی (کس حال پر تجویز کی) پھر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی۔ پھر منہ بنایا (اپنی قوم کے سامنے۔ یا اس پر عیب جوئی کی گئی) پھر منہ بسورا (یعنی منہ بنایا اور برا سا بنایا۔ اپنی بات سے تنگدل ہوتے ہوئے) اور زیادہ منہ بسورا (خوب ٹیڑھا ترچھا کیا) پھر منہ پھیرا (ایمان لانے سے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے سے) اور تکبر کیا پھر بولا (وحی کی نسبت) کہ یہ تو جادو ہے (جادوگروں سے) منقول۔ پس یہ تو آدمی کا کلام ہے (چنانچہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ کوئی انسان پیغمبر کو سکھلاتا ہے) میں اس کو عنقریب دوزخ میں داخل کروں گا، اور تمہیں پتہ ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے (اس میں دوزخ کا ہولناک ہونا بتلانا ہے) نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی (گوشت ہڈی میں سے کچھ بھی، مگر اس کو ختم کر دے گی۔ پھر از سر نو سب چیزیں جوں کی توں ہو جائیں گی) وہ بدن کی ہیئت بگاڑ دے گی (کھال جلا ڈالے گی) اس پر انیس فرشتے ہوں گے (جہنم کے داروغہ۔ ایک کافر جو نہایت طاقتور تھا کہنے لگا کہ میں ان میں سے سترہ کو کافی ہو جاؤں گا اور دو سے تم نبٹ لینا اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ) اور ہم نے دوزخ

کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں (یعنی ان میں اتنی طاقت نہیں جیسا کہ انہیں وہم ہو رہا ہے) اور ہم نے جو ان کی تعداد ایسی رکھی ہے وہ صرف کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہے (تا کہ وہ یہ کہیں کہ وہ انیس کیوں ہیں) اس لئے کہ اہل کتاب یقین کرلیں (یعنی یہود پیغمبر کو سچا سمجھ لیں۔ ان فرشتوں کی تعداد انیس ہونے میں جو ان کی کتاب کے موافق ہے) اور (اہل کتاب میں سے) ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے (یقین زیادہ ہو جائے۔ کہ جو حضورؐ بیان فرمارہے ہیں وہی ان کی کتاب میں ہے) اور اہل کتاب اور اہل ایمان شک نہ کریں (جو مومن اہل کتاب کے علاوہ ہوں، فرشتوں کی تعداد کی نسبت) اور تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے (مدینہ میں شکی ہیں) اور (مکہ کے) کافر کہنے لگیں کہ اللہ کا کیا مقصد ہے۔ اس (تعداد) عجیب سے (غرابت کی وجہ سے اس کو مثل کہا گیا، اور اس پر حال کا اعراب لایا گیا ہے) اسی طرح (یعنی ان منکرین عدد کی گمراہی اور ماننے والوں کی ہدایت کی طرح) اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکروں کو (فرشتوں کی طاقت اور ان کے معاونین کو) بجز اس کے کوئی نہیں جانتا اور یہ (دوزخ) صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: قُمْ: یعنی اپنی خواب گاہ سے اٹھ۔

قولہ: اَهْلَ مَكَّةَ: اس کا مفعول مقدر ہے۔

قولہ: عَظِّمْ: امر سے پہلا مقصد اپنے رب کو شرک سے برتر قرار دینا ہے۔

قولہ: وَالرُّجْزَ: عذاب کو چھوڑ ان چیزوں کے چھوڑنے پر پختگی اختیار کر کے جو عذاب کی طرف لے جانے والی ہیں۔

قولہ: حَالٌ: تَمْنُنْ کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: بِاَجْمَلِ الْاَخْلَاقِ: عمدہ اخلاق سے۔

قولہ: فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ: اذا ظرف ہے اس پر فذلک یوم دلالت کر رہا ہے۔ اس کا معنی معاملے کی تنگی ہے۔

قولہ: النَّاقُوْرِ: یہ فاعول کے وزن پر بمعنی آواز نکالنا۔

قولہ: غَيْرُ يَسِيْرٍ: یہ اس بات سے مانع ہے کہ وہ ان کے لیے کسی وجہ سے تنگی دوسری وجہ سے آسانی والا ہو۔

قولہ: فِيْ عُسْرِهٖ: یہ غَيْرُ يَسِيْرٍ سے متعلق ہے۔

قولہ: وَالضُّرُوْعِ: یہ چوپایوں سے کنایہ ہے۔

قولہ: عَشَرَةً: ان میں سے تین مسلمان ہو گئے، خالد، عمار، ہشام رضی اللہ عنہم۔

قولہ: وَالْوَالِدِ: سرداری، مرتبے کی وجہ سے ریحانہ قریش کہلاتا تھا۔

قولہ: ثُمَّ يَطْمَعُ: اس میں اس کی طمع کے متعلق استبعاد کا اظہار ہے۔

ہے۔ اس کے انداز پر بطور استہزاء اظہار تعجب ہے۔

قوله: عَلٰی اَیِّ حَالٍ: اس کے انداز پر بطور استہزاء اظہار تعجب ہے۔

قوله: ثُمَّ قُتِلَ: یہ مبالغہ کو بار دیگر لایا گیا۔

قوله: وَالْکُلُوْحِ: ترش روئی۔

قوله: ما هٰذَآ: یہ جملہ اولیٰ کے لیے بمنزلہ تاکید ہے۔

قوله: سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ: یہ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا کا بدل ہے۔

قوله: لَا تُبْقِیْ: یعنی وہ کسی سامنے آنے والی چیز کو نہیں چھوڑتی۔

قوله: اِلَّا مَلٰٓئِکَةً: تا کہ جنس معذبین مخالفت کریں پوری سزا بلا لحاظ دیں۔

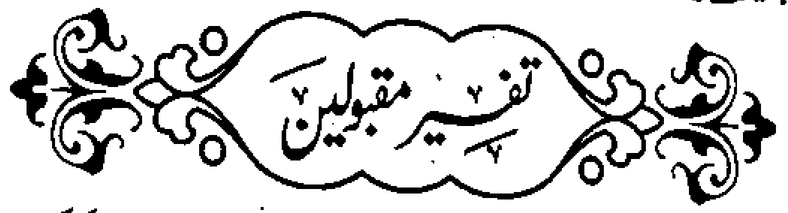
قوله: ضَلَالًا: اتنی قلیل تعداد کو سزا پر مقدر کرنے میں فتنہ، معذبین سے استہزاء وغیرہ ہے۔

قوله: وَّلَا یَرْتَابَ: یہ زیادہ ایمان ویقین کی تاکید ہے۔

قوله: شَکٌّ: یہ تو مکہ کے حالات ہیں جو عنقریب مدینہ میں پیش آئیں گے۔

قوله: اَرَادَ اللّٰهُ: اللہ تعالیٰ کا اتنی قلیل تعداد کو مقرر کرنے کا کیا مقصد ہے، اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں ایسا نہ ہوتا۔

قوله: اِلَّا ذِکْرٰی: نصیحت۔



اس سورت میں خاص طور پر نبی کریم ﷺ کے منصب رسالت کی عظمت و برتری کا ذکر کرتے ہوئے دعوۃ اسلام اور پیغام توحید کے لیے مستعد و کمر بستہ ہونے کا حکم فرمایا گیا یہی وہ پہلی سورت یا آیات ہیں جو (آیت) ''اقرا باسم ربک الذی خلق'' کے نازل ہونے کے بعد نازل ہوتیں انہیں آیات کے نزول پر آپ کے دور رسالت کا آغاز ہوا جبکہ اس سے قبل آپ وحی الیہ اور نبی کی حیثیت میں تھے،

غار حرا میں ابتداء وحی اور بعثت کے بعد ایک مدت ایسی گذری جس میں کوئی وحی نہیں اتری آپ ﷺ منتظر و مشتاق رہتے اور کبھی کبھی شدت شوق و انتظار میں مکہ کی آبادی سے باہر بھی نکل جائے تا آنکہ ایک دفعہ آپ نے آوازیں سنیں کہ کوئی آپ کو پکار رہا ہے آپ نے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا کوئی نظر نہ آیا پھر سر بلند فرمایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا ایک کرسی پر ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے اس نے آسمان کا کنارا گھیر رکھا ہے اس کو دیکھ کر آپ پر رعب طاری ہوا جیسے غار حرا میں نزول وحی سے ہیبت و کپکپی آپ ﷺ پر طاری ہوتی تھی اس طرح اس مرتبہ بھی پیش آئی اور آپ گھر واپس آکر فرمانے لگے: دثرونی دثرونی۔ مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو اسی حالت میں یہ آیات نازل ہوئیں: یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝

نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں کے لئے کمر بستہ ہونے کے حکم کے ساتھ چند اور بنیادی اصول بھی اس سورت مبارکہ میں

بیان فرمائے صبر واستقامت اور حلم ودرگذر کی ہدایت فرمائی گئی اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ مجرمین اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ ان کے جرم پر انکو کوئی پکڑنے والا نہیں ہے یقیناً ان کو اپنے اس بے ہودہ کردار اور کفر ونافرمانی کی سزا بھگتنی پڑے گی اور اہل ایمان وطاعت خدا کے انعامات سے سرفراز کئے جائیں گے غرض اسی طرح کے مضامین کے ساتھ قرآن کریم کی عظمت وحقانیت کو بھی بیان فرمایا گیا۔

جن حضرات سے یہ منقول ہے کہ سورۃ مدثر اول ما نزل فی القرآن ہے انکی نظر جابرؓ کی اس روایت پر ہے جس میں اس طرح بیان فرمایا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جابرؓ نے فترت وحی یعنی غار حرا میں اقراء نازل ہونے کے بعد جو ایک مدت تقریبا پونے تین سال انقطاع وحی کی گذری اس کے بعد سب سے پہلے (آیت) ''یایھا المدثر''۔ نازل ہونے والی آیات بیان کی ہیں چنانچہ امام بخاری نے باب بدء الوحی میں حضرت جابرؓ کی اس مجمل روایت کی وضاحت کر دی جس سے سورۃ مدثر کی اولیت نزول کا گمان کیا گیا اور یہ اس طرح واضح فرما دیا کہ: وھو یحدث عن فترۃ الوحی کہ جابرؓ فترت وحی کا قصہ بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جو آیات سب سے پہلے اتریں اور پھر نزول وحی کا سلسلہ پے در پے اور مسلسل جاری ہوا وہ آیات ہیں لہٰذا اب اس بات کی گنجائش نہ رہی کہ یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ سب سے پہلے اقراء نازل ہوئی یا: یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ اور یہی کہا جائے گا کہ یہ امر اجماعی اور متفق علیہ ہے سب سے پہلے وحی غار حرا میں: اقرا باسم ربك الذی خلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں اور پھر فترت وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات: یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ ہیں۔ اور حضرت جابرؓ اسی کو روایت کر رہے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝

رسول اللہ ﷺ کو دینی دعوت کے لیے کھڑے ہو جانے کا حکم، اور بعض دیگر نصائح کا تذکرہ:

لفظ مدثر اصل میں متدثر تھا اس میں بھی تفعل کی ت فاکلمہ سے بدل کر اسی میں مدغم ہو گئی، اصل مادہ دثر (د ث ر) ہے جس کا معنی کپڑا اوڑھنے کا اور کپڑے میں لپٹنے کا ہے صحیح بخاری صفحہ ۲: ج ۱ میں حضرت عائشہؓ سے پہلی مرتبہ وحی آنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غار حرا میں عبادت کے لیے متعدد راتیں گزارا کرتے تھے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جایا کرتے تھے ایک دن فرشتہ آیا اس نے کہا اقراء کہ پڑھیے (آگے آپ کی زبانی بیان کیا) میں نے کہا ما انا بقاری کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اتنے زور سے دبایا کہ تکلیف انتہا کو پہنچ گئی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور وہی بات کہی کہ اقراء میں نے وہی جواب دیا: ما انا بقاری پھر اس نے مجھے دوبارہ پکڑ کر اسی قدر دبایا کہ تکلیف انتہا کو پہنچ گئی فرشتے نے تیسری مرتبہ پھر مجھے دبایا اور چھوڑ دیا اور فرشتہ یوں عبارت پڑھتا چلا گیا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ رسول اللہ ﷺ نے یہ عبارت سن لی اور اس کو دہرا لیا، اس کے بعد آپ وہاں سے اپنے گھر تشریف لے آئے اس وقت دل کانپ رہا تھا، اپنی اہلیہ خدیجہ بنت خویلدؓ سے فرمایا زملونی زملونی (مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ) چنانچہ انہوں نے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا، آپ تھوڑی دیر لیٹے رہے یہاں تک کہ گھبراہٹ کی کیفیت جاتی رہی اس کے بعد

بہت دن تک وحی نہیں آئی۔ بعض حضرات نے کہا تین سال تک وحی رکی رہی۔ (قسطلانی)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے فترۃ الوحی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے یوں نقل کیا ہے کہ میں ایک دن جا رہا تھا میں نے آسمان سے آواز سنی نظر اٹھائی تو دیکھا کہ جو فرشتے میرے پاس حراء میں آیا تھا وہی آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اسے دیکھ کر مجھ پر رعب طاری ہو گیا میں واپس ہو کر گھر پہنچا اور وہی بات کہی کہ زملونی زملونی مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ، اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں: يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ اس کے بعد مسلسل وحی آنے لگی اور آتی رہی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۳ جلد ۱)

مذکورہ بالا آیات میں رسول اللہ ﷺ کو اول تو يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ سے مخاطب فرمایا کیونکہ اس وقت آپ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔

اور سب سے پہلا حکم آپ کو یہ دیا گیا کہ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ یعنی کھڑے ہو جائیے اسکے معنے حقیقی قیام کے بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ جو کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے ہیں اس کو چھوڑ کر کھڑے ہو جائیے اور یہ معنی بھی بعید نہیں کہ قیام سے مراد کام کے لئے مستعد اور تیار ہونا ہو اور مطلب یہ ہو کہ اب آپ ہمت کر کے خلق خدا کی اصلاح کی خدمت سنبھالئے۔ فانذر، انذار سے مشتق ہے جس کے معنے ڈرانے کے ہیں مگر ایسا ڈرانا جو شفقت و محبت پر مبنی ہوتا ہے جیسے باپ اپنے بچے کو سانپ بچھو اور آگ سے ڈراتا ہے انبیا کی یہی شان ہوتی ہے اسلئے ان کا لقب نذیر اور بشیر ہوتا ہے۔ نذیر کے معنی شفقت و ہمدردی کی بنا پر مضر چیزوں سے ڈرانے والا اور بشیر کے معنی خوش خبری سنانے والا۔ رسول اللہ ﷺ کے بھی دونوں ہی لقب قرآن کریم میں جابجا مذکور ہیں مگر اس جگہ صرف انذار کے ذکر پر اکتفا اس لئے کیا گیا کہ اس وقت مومن مسلمان تو گنے چنے چند ہی تھے باقی سب منکرین و کفار تھے جو کسی بشارت کے مستحق نہیں بلکہ ڈرانے ہی کے مستحق تھے۔

دوسرا حکم فرمایا: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ (اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے) یعنی اپنے رب کی عظمت اور کبریائی کا اعتقاد بھی رکھیے اور اسے بیان بھی کیجئے۔ چنانچہ اللہ کی بڑائی بیان کرنا نماز کے شروع میں بھی مشروع ہو گیا اور نماز کے انتقالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے بار بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ ثیاب ثوب کی جمع ہے اس کے اصلی اور حقیقی معنے کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثواب اور لباس کہا جاتا ہے، قلب اور نفس کو بھی اور خلق اور دین کو بھی، انسان کے جسم کو بھی لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے شواہد قرآن اور محاورات عرب میں بکثرت ہیں۔ اس آیت میں حضرات مفسرین سے سبھی معانی منقول ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی تضاد اور اختلاف نہیں۔ بطور عموم مجاز کے اگر ان الفاظ سے سبھی معنی مراد لئے جاویں تو کوئی بعد نہیں، اور معنے اس حکم کے یہ ہوں گے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھئے قلب اور نفس کو باطل عقائد و خیالات سے اور اخلاق رذیلہ سے پاک رکھیئے۔ پائجامہ یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی ممانعت بھی اس سے مستفاد ہوتی ہے کیونکہ نیچے لٹکے ہوئے کپڑوں کا آلودہ ہو جانا بعید نہیں تو تطہیر ثوب کے حکم میں یہ بھی آ گیا کہ کپڑوں کا استعمال اس طرح کرو کہ نجاست سے ان

رہیں۔ اور کپڑوں کے پاک رکھنے میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ مال حرام سے نہ بنائے جائیں کسی ایسی وضع وہیت کے نہ بنائے جائیں جو شرعاً ممنوع ہیں اور ظاہر آیت سے یہ ہے کہ یہ تطہیر ثوب کا حکم نماز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام حالات میں عام ہے اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ غیر حالت نماز میں بھی بغیر کسی ضرورت کے جسم کو ناپاک رکھنا یا ناپاک کپڑے پہنے رکھنا یا ناپاک جگہ میں بیٹھے رہنا جائز نہیں، ضرورت کے اوقات مستثنیٰ ہیں۔ (از مظہری)

اللہ تعالیٰ طہارت کو پسند فرماتے ہیں۔

ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطهرین

اور حدیث میں طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے اس لئے مسلمان کو ہر حال میں اپنے جسم اور مکان اور لباس کو ظاہری طہارت کا بھی اہتمام رکھنا ضروری ہے اور قلب کی باطنی طہارت کا بھی۔ واللہ اعلم

چوتھا حکم یہ دیا گیا: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ رجز بضم الرا کسر ہادونوں کے ایک ہی معنے ہیں۔ ائمہ تفسیر مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری، ابن زید وغیرہ نے اس جگہ رجز کے معنے بتوں کے قرار دیئے ہیں اور حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں اس سے مراد ہر گناہ اور معصیت منقول ہے۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ بتوں کو یا گناہ ومعصیت کو چھوڑیئے۔ رسول اللہ ﷺ تو پہلے ہی سب کو چھوڑے ہوئے تھے آپ کو اس کا حکم کرنے کے معنے یہ ہیں کہ آئندہ بھی ان چیزوں سے دور رہیں اور درحقیقت یہ حکم امت کے لئے تعلیم ہے جو غایت تاکید کے لئے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے کہ تاکہ وہ سمجھیں کہ جب پیغمبر معصوم کو بھی اس کا حکم ہے تو ہمیں اس کا کیسا اہتمام کرنا چاہیئے۔

پانچواں حکم: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ یعنی کسی شخص پر احسان اس نیت سے نہ کیجئے کہ جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہو جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو ہدیہ تحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اس کے معاوضہ میں اس سے زیادہ دے گا یہ مذموم و مکروہ ہے۔ قرآن کی دوسری آیت سے اگرچہ اس کا جواز عام لوگوں کے لئے معلوم ہوتا ہے مگر وہ بھی کراہت سے خالی نہیں اور شریفانہ اخلاق کے منافی ہے۔ خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے لئے تو اس کو حرام قرار دیا گیا۔ (قالہ ابن عباس)

چھٹا حکم: وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ صبر کے لفظی معنی اپنے نفس کو روکنے اور قابو میں رکھنے کے ہیں اسلئے صبر کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پر اپنے نفس کو قائم رکھے اور یہ بھی داخل ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے نفس کو روکے اور یہ بھی داخل ہے کہ مصائب اور تکلیف میں اپنے اختیار کی حد تک جزع فزع اور شکایت سے بچے اسلئے یہ حکم ایک جامع حکم ہے جو تقریباً پورے دین کو شامل ہے اس موقع پر اس حکم کی خصوصیت ممکن ہے اسلئے بھی ہو کہ اوپر کی آیات میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ عام خلق خدا تعالیٰ کو دین حق کی طرف دعوت دیں کفر و شرک اور معاصی سے روکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں بہت سے لوگ مخالفت و عداوت اور ایذاء رسانی پر آمادہ ہو جائیں گے اس لئے داعی حق کو صبر وضبط کا خوگر ہونا چاہئے۔ یہ چند احکام رسول اللہ ﷺ کو دینے کے بعد قیامت اور اس کے ہولناک ہونیکا ذکر ہے۔ ناقور کے معنے صور کے ہیں اور نقر سے مراد صور میں پھونک مار کر آواز نکالنے کے ہیں۔ اور روز قیامت کا سبھی کفار کے لئے سخت و شدید ہونا بیان فرمانے کے بعد ایک خاص شریر کافر کے حالات اور اسکے عذاب شدید کا بیان ہے۔

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝

مکہ معظمہ کے بعض معاندین کی حرکتوں کا تذکرہ اور اس کے لیے عذاب کی وعید، عذاب دوزخ کیا ہے؟

معالم التنزیل صفحہ ۴۱۰: ج ۴ میں علامہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ ایک دن ولید بن مغیرہ مسجد حرام میں تھا رسول اللہ ﷺ سے اس نے سورۂ غافر کی شروع کی دو آیات سنیں اور آیات سن کر متاثر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے محسوس فرما لیا کہ یہ متاثر ہو رہا ہے۔ آپ نے دوبارہ آیات کو دہرایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا اور اپنی قوم بنی مخزوم میں جا کر کہا کہ اللہ کی قسم میں نے محمد ﷺ سے ابھی ابھی ایسا کلام سنا ہے جو نہ انسانوں کا کلام ہے نہ جنات کا اور اس میں بڑی مٹھاس ہے۔

اور وہ خود بلند ہوتا ہے دوسروں کو بلند کرنے کی ضرورت نہیں اس کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا جب قریش کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ ولید نے تو نیا دین قبول کر لیا اب تو سارے قریش اس نئے دین کو قبول کر لیں گے، یہ سن کر ابو جہل نے کہا کہ میں تمہاری مشکل دور کرتا ہوں یہ کہہ کر وہ ولید کے پاس گیا اور اس کی بغل میں رنجیدہ ہو کر بیٹھ گیا، ولید نے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے کیا بات ہے تم غمگین نظر آ رہے ہو، ابو جہل نے کہا رنجیدہ ہونے کی بات ہی ہے قریش نے فیصلہ کیا تھا کہ تیرے لیے مال جمع کریں اور تیرے بڑھاپے میں تیری مدد کریں اب وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ تو نے محمد ﷺ کا کلام سنا ہے اور تو ان کے پاس جاتا ہے وہاں ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی موجود ہوتا ہے اور تو ان لوگوں کے کھانے میں سے کھا لیتا ہے یہ بات ولید کو بڑی بری لگی اور کہنے لگا کہ قریش نے ایسا خیال کیوں کیا؟ کیا قریش کو معلوم نہیں کہ میں ان سے بڑھ کر ہوں اور محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا کبھی پیٹ بھرا بھی ہے جو ان کے پاس فاضل کھانا ہو (جس سے میں کھا لوں)۔

اس کے بعد ولید ابو جہل کے ساتھ روانہ ہوا اور اپنی قوم کی مجلس میں پہنچا اور کہنے لگا کہ تم لوگ خیال کرتے ہو کہ محمد ﷺ دیوانہ آدمی ہے تو کیا تم نے کبھی دیکھا کہ وہ اپنا گلا گھونٹ رہا ہو۔ سب نے کہا نہیں، پھر کہنے لگا کہ تم لوگ خیال کرتے ہو کہ وہ کاہن ہے تو کیا تم نے کبھی انہیں کاہنوں والی بات کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ کہنے لگے نہیں! کہنے لگا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ محمد ﷺ شاعر ہے کیا تم نے کبھی کوئی شعر کہتے ہوئے سنا ہے؟ کہنے لگے نہیں، کہنے لگا تم کہتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے کیا تم نے اس کی زندگی میں کبھی کوئی بات ایسی آزمائی ہے جس میں اس نے جھوٹ بولا ہو، سب نے کہا نہیں (ان لوگوں کی کیا مجال تھی کہ کوئی جھوٹ آپ کی طرف منسوب کرتے انہوں نے تو خود ہی آپ کو نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے امین کا لقب دے رکھا تھا)۔

قریش نے ولید سے کہا تو بتا پھر کیا بات ہے اس نے کہا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ وہ جادوگر ہے تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی باتوں سے میاں بیوی اور بیٹوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے۔

روح المعانی میں یوں ہے کہ ابو جہل نے ولید سے کہا کہ تیری قوم تجھ سے راضی نہیں ہو سکتی جب تک کہ تو اس کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جس سے معلوم ہو جائے کہ تو اس شخص کا معتقد نہیں ہے ولید نے کہا کہ مجھے مہلت دی جائے تاکہ

میں سوچ لوں پھر اس نے سوچ کر کہا کہ وہ جادو گر ہے۔

ولید بن مغیرہ مالدار بھی تھا، کھیتی باڑی، دودھ کے جانور، پھلوں کا باغ، تجارت، غلام اور باندی کا مالک ہونا، ان سب چیزوں کا مفسرین نے تذکرہ کیا ہے نیز اس کے لڑکے بھی تھے جو حاضر باش رہتے تھے ان کی تعداد دس تھی اور جب اس کے سامنے جنت کا ذکر آیا تو کہنے لگا کہ محمد ﷺ جنت کی خبر دے رہے ہیں اگر یہ سچی ہے تو سمجھ لو کہ وہ میرے لیے ہی پیدا کی گئی ہے۔

ان باتوں کو سامنے رکھ کر آیات کا ترجمہ اور تفسیر ذہن نشین فرمایئے اول تو قیامت کا تذکرہ فرمایا کہ جس دن صور پھونکا جائے گا وہ دن کافروں پر سخت ہوگا جس میں ان کے لیے ذرا آسانی نہ ہوگی، اس کے بعد ایک بڑے معاند کٹر کافر یعنی ولید بن مغیرہ کا تذکرہ فرمایا۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

یعنی دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کا لشکر ہوگا اس کے افسر انیس فرشتے ہوں گے۔ جن میں سب سے بڑے ذمہ دار کا نام مالک ہے (تنبیہ) حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نہایت تفصیل سے انیس کے عدد کی حکمتیں بیان کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہنم میں مجرموں کو عذاب دینے کے لیے انیس قسم کے فرائض ہیں جن میں سے ہر فرض کی انجام دہی ایک ایک فرشتہ کی سرکردگی میں ہوگی۔ کوئی شبہ نہیں کہ فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے اور ایک فرشتہ وہ کام کر سکتا ہے جو لاکھوں آدمی مل کر نہیں کر سکتے۔ لیکن یاد رہے کہ ہر فرشتہ کی یہ قوت اسی دائرہ میں محدود ہے جس میں کام کرنے کے لیے وہ مامور ہوا ہے۔ مثلاً ملک الموت لاکھوں آدمیوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے۔ مگر عورت کے پیٹ میں ایک بچہ کے اندر جان نہیں ڈال سکتا۔ حضرت جبرائیل چشم زدن میں وحی لا سکتے ہیں لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں۔ جس طرح کان دیکھ نہیں سکتا آنکھ سن نہیں سکتی۔ اگرچہ اپنی قسم کے کام کتنے ہی سخت ہوں کر سکتے ہیں۔ مثلاً کان ہو سکتا ہے کہ ہزاروں آوازیں سن لے اور نہ تھکے، آنکھ ہزاروں رنگ دیکھ لے اور عاجز نہ ہو۔ اسی طرح اگر ایک فرشتہ عذاب کے واسطے دوزخیوں پر مقرر ہوتا اس سے ایک ہی قسم کا عذاب دوزخیوں پر ہو سکتا تھا۔ دوسری قسم کا عذاب جو اس کے دائرہ استعداد سے باہر ہے ممکن نہ تھا اس لیے انیس قسم کے عذابوں کے لیے (جن کی تفصیل تفسیر عزیزی میں ہے) انیس ذمہ دار فرشتے مقرر ہوئے ہیں۔ علماء نے اس عدد کی حکمتوں پر بہت کچھ کلام کیا ہے مگر احقر کے نزدیک حضرت شاہ صاحب کا کلام بہت عمیق ولطیف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً

حضرت ابن عباس ؓ سے منقول ہے کہ جب آیت بالا نازل ہوئی جس میں انیس فرشتوں کا ذکر ہے تو ابوجہل نے قریش سے کہا تمہارا ناس ہو محمد رسول اللہ ﷺ کا بیان ہے کہ دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں تو کیا تم پہلوان ہوتے ہوئے ان سے مار کھا جاؤ گے کیا تم میں سے ہر دس آدمی ایک فرشتے کے لیے کافی نہ ہوں گے وہیں اسید بن کلدہ بھی ایک شخص موجود تھا اس نے کہا کہ سترہ فرشتوں سے تو میں نمٹ لوں گا دس میری پیٹھ پر سات میرے پیٹ پر ہوں تو میں نمٹا دوں گا اور باقی دو سے تم نمٹ لینا، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس نے کہا کہ میں پل صراط پر تمہارے آگے آگے چلوں گا دس فرشتوں کو داہنے

مونڈھے سے اور نو فرشتوں کو بائیں مونڈھے پر دھکیل دوں گا اور ہم پل صراط سے گزر کر جنت میں داخل ہو جائیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ دوزخ کے کارکن فرشتے ہیں انسان نہیں ہیں تاکہ انسانوں پر قیاس کر کے کوئی شخص یوں نہ کہنے لگے کہ میں اتنے عدد سے نمٹ لوں گا۔ ہر فرشتے کی بہت زیادہ قوت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک فرشتے کی قوت تمام جنات اور انسانوں کے برابر ہے۔

(الدار المنثور صفحہ ۲۸٤: ج ٦)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو الاشدین جس کا نام کلدہ بن اسید بن خلف تھا اس نے اس گنتی کو سن کر کہا کہ قریشیو تم سب مل کر ان میں سے دو کو روک لینا باقی سترہ کو میں کافی ہوں، یہ بڑا مغرور شخص تھا اور ساتھ ہی بڑا قوی تھا یہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا پھر دس طاقتور شخص مل کر اسے اس کے پیروں تلے سے نکالنا چاہتے کھال کے ٹکڑے اڑ جاتے لیکن اس کے قدم جنبش بھی نہ کھاتے، یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر کہا تھا کہ آپ مجھ سے کشتی لڑیں اگر آپ نے مجھے گرا دیا تو میں آپ کی نبوت کو مان لوں گا چنانچہ حضور ﷺ نے اس سے کشتی کی اور کئی بار گرایا لیکن اسے ایمان لانا نصیب نہ ہوا، امام ابن اسحاق نے کشتی والا واقعہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب کا بتایا ہے، میں کہتا ہوں ان دونوں میں کچھ تفاوت نہیں (ممکن ہے اس سے اور اس سے دونوں سے کشتی ہوئی ہو) واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اس گنتی کا ذکر تھا ہی امتحان کے لئے، ایک طرف کافروں کا کفر کھل گیا، دوسری جانب اہل کتاب کا یقین کامل ہو گیا، کہ اس رسول کی رسالت حق ہے کیونکہ خود ان کی کتاب میں بھی یہی گنتی ہے، تیسری طرف ایماندار اپنے ایمان میں مزید توانا ہو گئے حضور ﷺ کی بات کی تصدیق کی اور ایمان بڑھایا، اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک شبہ نہ رہا بیمار دل اور منافق چیخ اٹھے کہ بھلا بتاؤ کہ اسے یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہے اور بہت سے لوگوں کے شبہ والے دل اور ڈانوا ڈول ہو جاتے ہیں اللہ کے یہ سب کام حکمت سے اور اسرار سے ہیں، تیرے رب کے لشکروں کی گنتی اور ان کی صحیح تعداد اور ان کی کثرت کا کسی کو علم نہیں وہی خوب جانتا ہے یہ نہ سمجھ لینا کہ بس انیس ہی ہیں، جیسے یونانی فلسفیوں اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی جہالت و ضلالت کی وجہ سے سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشرہ اور نفوس تسعہ ہیں حالانکہ یہ مجرد ان کا دعویٰ ہے جس پر دلیل قائم کرنے سے وہ بالکل عاجز ہیں افسوس کہ آیت کے اول پر تو ان کی نظریں ہیں لیکن آخری حصہ کے ساتھ وہ کفر کر رہے ہیں جہاں صاف الفاظ موجود ہیں کہ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر صرف انیس کے کیا معنی؟ بخاری و مسلم کی معراج والی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضور ﷺ نے بیت المعمور کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں اسی طرح دوسرے روز دوسرے ستر ہزار فرشتے اسی طرح ہمیشہ تک لیکن فرشتوں کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آنے کی، مسند احمد میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چرچرا رہے ہیں اور انہیں چرچرانے کا حق ہے۔ ایک انگلی ٹکانے کی جگہ ایسی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو۔ اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تم بہت کم ہنستے، بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے

ساتھ لذت نہ پاسکتے بلکہ ہفر یادوزاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے۔اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوذرؓ کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل جاتا کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن غریب بتاتے ہیں اور حضرت ابوذر سے موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے، طبرانی میں ہے ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے کی بالشت بھر یا ہتھیلی جتنی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام کی یا رکوع کی یا سجدے کی حالت میں نہ ہو پھر بھی یہ سب کل قیامت کے دن کہیں گے کہ اللہ تو پاک ہے ہمیں جس قدر تیری عبادت کرنی چاہئے تھی اس قدر ہم سے ادا نہیں ہوسکی، البتہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب الصلوۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہ سے سوال کیا کہ کیا جو میں سن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تو کچھ سنائی نہیں دیتا، آپ نے فرمایا آسمانوں کا چر چر بولنا میں سن رہا ہوں اور وہ اس چرچراہٹ پر ملامت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس پر اس قدر فرشتے ہیں کہ ایک بالشت بھر جگہ خالی نہیں کہیں کوئی رکوع میں ہے اور کہیں کوئی سجدے میں، دوسری روایت میں ہے آسمان دنیا میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں سجدے میں یا قیام میں کوئی فرشتہ نہ ہو، اسی لئے فرشتوں کا یہ قول قرآن کریم میں موجود ہے: (وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (الصافات: ۱۶۴) یعنی ہم میں سے ہر ایک کے لئے مقرر جگہ ہے اور ہم صفیں باندھنے اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے والے ہیں، اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت ہی غریب ہے، دوسری روایت میں یہ قول حضرت ابن مسعود کا بیان کیا گیا ہے، ایک اور سند سے یہ روایت حضرت ابن علاء بن سعد سے بھی مرفوعاً مروی ہے

كَلَّا اِسْتِفْتَاحٌ بِمَعْنٰى اَلَا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ بِفَتْحِ الذَّالِ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ جَاءَ بَعْدَ النَّهَارِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ اِذَا دَبَرَ بِسُكُوْنِ الذَّالِ بَعْدَهَا هَمْزَةٌ اَيْ مَضٰى وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ ظَهَرَ اِنَّهَا اَيْ سَقَرَ لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ الْبَلَايَا الْعِظَامِ نَذِيْرًا حَالٌ مِنْ اِحْدٰى وَذُكِرَ لِاَنَّهَا بِمَعْنَى الْعَذَابِ لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ بَدَلٌ مِنَ الْبَشَرِ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اِلَى الْخَيْرِ اَوِ الْجَنَّةِ بِالْاِيْمَانِ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ اِلَى الشَّرِّ اَوِ النَّارِ بِالْكُفْرِ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ مَرْهُوْنَةٌ مَاْخُوْذَةٌ بِعَمَلِهَا فِي النَّارِ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَنَاجُوْنَ مِنْهَا كَائِنُوْنَ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ بَيْنَهُمْ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَحَالُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ لَهُمْ بَعْدَ اِخْرَاجِ الْمُوَحِّدِيْنَ مِنَ النَّارِ مَا سَلَكَكُمْ اَدْخَلَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ فِي الْبَاطِلِ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ الْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ الْمَوْتُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

وَالْاَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَالْمَعْنٰى لَا شَفَاعَةَ لَهُمْ فَمَا مُبْتَدَأٌ لَهُمْ خَبَرُهٗ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اِنْتَقَلَ ضَمِيْرُهٗ اِلَيْهِ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ وَالْمَعْنٰى اَيُّ شَيْءٍ حَصَلَ لَهُمْ فِيْ اِعْرَاضِهِمْ عَنِ الْاِتِّعَاظِ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ وَحْشِيَّةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ اَسَدٍ اَيْ هَرَبَتْ مِنْهُ اَشَدَّ الْهَرَبِ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ اَيْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِاتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ كَلَّا رَدْعٌ عَمَّا اَرَادُوْهُ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ اَيْ عَذَابَهَا كَلَّا اِسْتِفْتَاحٌ اِنَّهٗ اَيِ الْقُرْاٰنُ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ عِظَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ قَرَاَهٗ فَاتَّعَظَ بِهٖ وَمَا يَذْكُرُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى بِاَنْ يُّتَّقٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ بِاَنْ يَّغْفِرَ لِمَنِ اتَّقَاهُ

ع ۲ ۱۵ ۱۲

ترجمہ: سچ (کلا استفتاح کے لئے بمعنی الا ہے) قسم ہے چاند کی اور رات کی (اذا فتحہ کے ساتھ ہے) جب جانے لگے (دن جانے کے بعد اور ایک قرأت میں اذا دبر سکون ذال کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ہمزہ ہے جانے کے معنی میں) اور صبح کی جب روشنی ہو جائے کہ وہ (دوزخ بڑی بھاری چیز (مصیبت) ہے جو بڑا ڈراوا ہے (نذیراً، احدیٰ سے حال ہے اور مذکر اس لئے لایا گیا کہ عذاب کے معنی میں ہے) انسان کے لئے یعنی تم میں (یہ بشر سے بدل ہے) جو آگے کو (بھلائی یا جنت کی طرف ایمان لاکر) یا پیچھے کو ہٹے (برائی یا دوزخ کی طرف کفر کے ذریعہ) ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے محبوس ہوگا (دوزخ میں اپنے اعمال میں ماخوذ) مگر داہنے والے (مومنین کہ وہ دوزخ سے چھٹکارا پاکر) بہشتوں میں ہوں گے (ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کرتے ہوں گے۔ دوزخیوں (اور ان کے حال) کی (اور مسلمانوں کے دوزخ سے نکل آنے کے بعد دوزخیوں سے پوچھیں گے) کہ تمہیں دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے کہ نہ تو ہم نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور (غلط) مشغلوں میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت (بعث وجزا) کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی۔ سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی (فرشتوں، نبیوں، نیکوں کی سفارش مراد ہے یعنی ان کے لئے سفارش ہی نہیں ہوگی) تو ان کو کیا ہوا کہ (ما مبتداء لہم اس کی خبر محذوف کے متعلق ہے اور محذوف کی ضمیر خبر کی طرف راجع ہے) اس نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں (ضمیر سے حال یعنی نصیحت سے کنارہ کشی کر کے انہیں کیا ہاتھ آیا) کہ وہ گویا وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے دوڑے جا رہے ہیں۔ بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے نوشتے دیئے جائیں (یعنی اللہ کی طرف

سے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم ہوا۔ جب کہ مشرکین کہا کرتے تھے۔لن نومن لك حتى تنزل علينا كتابا نقرؤه) ہرگز نہیں، بلکہ یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے ہرگز نہیں (استفتاح کے لئے ہے) یہ (قرآن) نصیحت (موعظت) ہے جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کر لے (پڑھ کر عبرت حاصل کر لے) اور یہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کر سکتے (یا اور تا کے ساتھ قرأت ہے) جب تک اللہ نہ چاہے۔ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور جو معاف کرتا ہے (اپنے سے ڈرنے والے کو بخش دیتا ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: كَلَّا: یہ ابتداء کلام کے لیے آیا ہے۔

قوله: اِلَا: یہ تنبیہ کے لیے ہے۔

قوله: اِذْ اَدْبَرَ: اور دبر کا ایک معنی لوٹ جانا۔

قوله: جاء: یعنی جب وہ آتے۔

قوله: مضى: جاتے۔از ماضی کے لیے آتا ہے۔

قوله: اِنَّهَا: یہ جملہ جواب قسم ہے۔

قوله: مرهونة: یہ مصدر ہے۔فعیل بمعنی مفعول مذکر ومؤنث دونوں کے لیے آتا ہے۔

قوله: اِلَّا اَصْحٰبَ: یہ ذوالحال ہے۔

قوله: في: یہ حال ہے۔

قوله: الشّٰفِعِيْنَ: اگر وہ ان کے حق میں شفاعت کریں۔ یہ محذوف سے متعلق ہے۔اور وہ ثابت ہے۔

قوله: صُحُفًا: کاغذات۔

قوله: حَتّٰى تُنَزِّلَ: یہاں تک کہ ہر ایک ہم میں سے۔ایک کتاب آسمان سے لائے کہ تم محمد ﷺ کی اتباع کرو۔

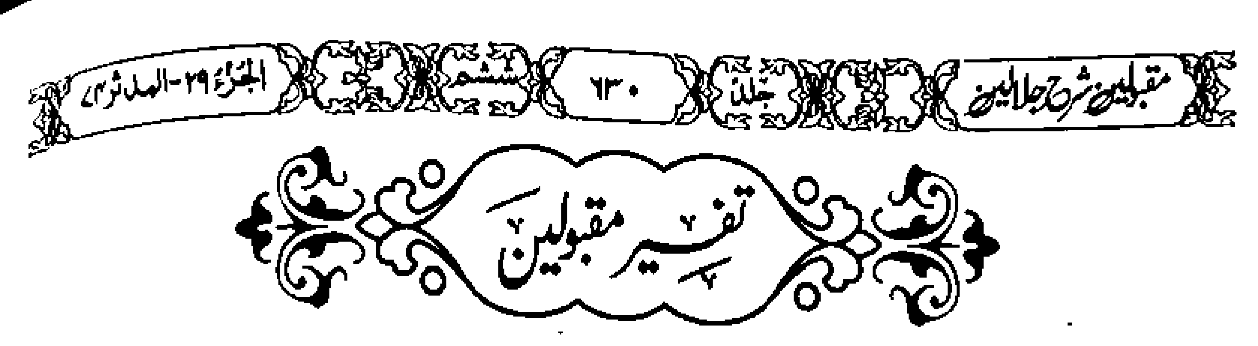
قوله: بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ: اسی وجہ سے انہوں نے تذکرہ سے اعراض کیا۔

قوله: قرأه: شَآءَ کا مفعول ہے۔

قوله: فاتعظ: یہ ذَكَرَهٗ کی تفسیر ہے اور فَمَنْ شَآءَ کی جزاء ہے۔

قوله: بان يتقى: یعنی اس کی سزا سے جو اس کے لائق ہے۔

قوله: بان يغفر: یعنی اس کو لائق ہے کہ وہ بخش دے۔



كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا ہے کہ چاند کی اور رات کی اور صبح کی قسم یہ دوزخ (جس کا اوپر سے ذکر چلا آرہا ہے) بڑی بھاری چیزوں میں سے ایک چیز ہے اس کے عذاب کو معمولی نہ سمجھا جائے اسی دنیا میں رہتے ہوئے جو اس کی خبر اللہ کی کتاب نے دی ہے یہ خبر سچی ہے اور اس کا بیان کرنا اس لیے ہے کہ انسان اس کے اخبار اور احوال سن کر خوف کھائے۔ (قال القرطبی صفحہ ۵۸: ج ۱۹) وذكر، لان معناه معنى العذاب، او اراد ذات انذار على معنى النسب كقولهم امراة طالق وطاهر وقال الخليل: النذير مصدر كالنكير ولذلك يوصف به المؤنث۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾

جیسے کوئی شخص کسی کے پاس اپنی کوئی چیز رہن رکھ دیتا ہے پھر اسے چھڑا نہیں سکتا۔ جب تک وہ مال ادا نہ کر دے جس کے عوض چیز رہن رکھی ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن ہر شخص کا عمل روکے رکھے گا یعنی حساب کتاب ہوگا اہل کفر اور اہل شرک کا جرم چونکہ سب سے بڑا ہے اس لیے اہل کفر اور اہل شرک اپنے اس جرم کی وجہ سے ہمیشہ ہی محبوس رہیں گے۔ انہیں کوئی عمل کوئی فدیہ کوئی سفارش دوزخ سے نہ چھڑا سکے گی، اب رہے وہ لوگ جو مومن تو تھے لیکن اعمال صالحہ بھی کیے اور برے اعمال کا ارتکاب بھی کر لیا تو یہ لوگ نیکیاں زیادہ ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائیں گے اور بہت سے لوگ شفاعتوں سے اور بہت سے لوگ حقوق العباد ادا کر کے اور بہت سے لوگ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و مغفرت کی وجہ سے چھوٹ جائیں گے جن کی نیکیوں کے اعمال نامے بھاری ہوں گے وہ لوگ نجات پائیں گے اور جن لوگوں پر دوسرے لوگوں کے حقوق تھے وہ حقوق کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے ان کی نیکیاں اصحاب حقوق کو دے دی جائیں گی اگر حقوق ادا کرنے سے پہلے نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان پر اصحاب حقوق کے گناہ ڈال دیے جائیں گے پھر دوزخ میں داخل دیا جائے گا۔

(رواہ مسلم کما حدیث القصاص فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۳۵)

حضرت عبداللہ بن انیس ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ اپنے بندوں کو جمع فرمائے گا جو ننگے بے ختنہ اور بالکل خالی ہاتھ ہوں گے پھر ایسی آواز سے ندا دیں گے جسے دور والے ایسے ہی سنیں گے جیسے قریب والے سنیں گے اور اس وقت یہ فرمائیں گے کہ میں بدلہ دینے والا ہوں، میں بادشاہ ہوں (آج) کسی دوزخی کے حق میں یہ نہ ہوگا کہ دوزخ میں چلا جائے اور کسی جنتی پر اس کا ذرا بھی کوئی حق ہو اور یہ بھی نہ ہوگا کہ کوئی جنتی جنت میں چلا جائے اور کسی دوزخی کا اس پر کوئی حق ہو جب تک کہ میں صاحب حق کو بدلہ نہ دوں حتیٰ کہ ایک چپت بھی ظلماً مار دیا تھا تو اس کا بدلہ بھی دلا دوں گا۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بدلہ کیسے دلایا جائے گا؟ حالانکہ ہم ننگے بے ختنہ اور بالکل خالی

ہاتھ ہوں گے، جواباً سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نیکیوں اور برائیوں سے لین دین ہوگا۔

(قال فی الترغیب صفحہ ۴۰۰: ج ۴ رواہ احمد باسناد حسن)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس نے اپنے زرخرید غلام کو ظلماً ایک کوڑا بھی مارا تھا قیامت کے روز اس کو بدلہ دیا جائے گا۔

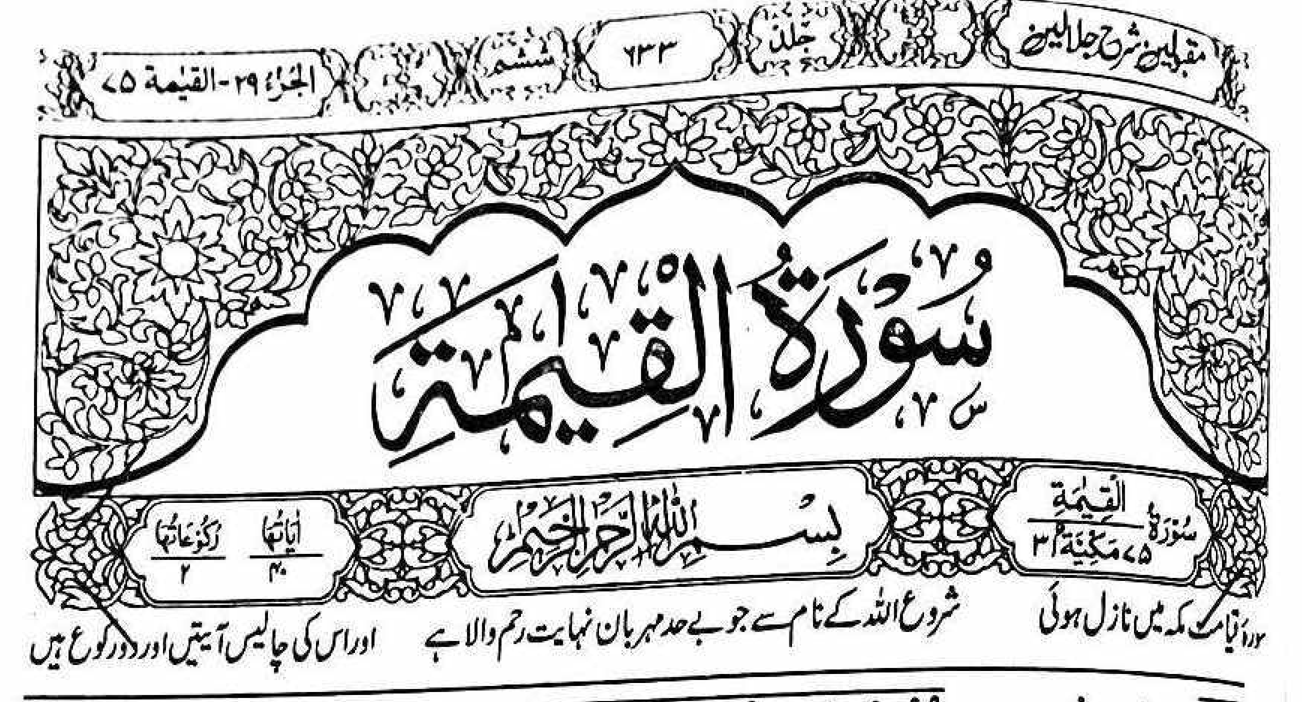
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان فرمایا کہ حضور رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اگر) والدین کا اپنی اولاد پر قرض ہوگا تو جب قیامت کا دن ہوگا وہ اپنی اولاد سے الجھ جائیں گے (کہ ہمارا قرض ادا کرو) وہ جواب دے گا کہ میں تو تمہاری اولاد ہوں (وہ اس کا کچھ اثر نہ لیں گے اور مطالبہ پورا کرنے پر اصرار کرتے رہیں گے، بلکہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش اس پر ہمارا اور بھی قرض ہوتا۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۴۰۵: ج ۴ از طبرانی واسنادہ ضعیف)

فِیْ جَنّٰتٍ ۛ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝

جنتیوں اور دوزخیوں میں گفتگو ہوگی:

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال میں قیامت کے دن جکڑا بندھا ہوگا لیکن جن کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ آیا وہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھے ہوئے جہنمیوں کو بدترین عذابوں میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے نہ تو رب کی عبادت کی نہ مخلوق کے ساتھ احسان کیا بغیر علم کے جو زبان پر آیا بکتے رہے جہاں کسی کو اعتراض کرتے سنا ہم بھی ساتھ ہو گئے اور باتیں بنانے لگ گئے اور قیامت کے دن کی تکذیب ہی کرتے رہے یہاں تک کہ موت آگئی، یقین کے معنی موت کے اس آیت میں بھی ہیں: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ (الحجر:۹۹) یعنی موت کے وقت تک اللہ کی عبادت میں لگا رہ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات کی نسبت حدیث میں بھی یقین کا لفظ آیا ہے، اب اللہ مالک الملک فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو کسی کی سفارش اور شفاعت نفع نہ دے گی اس لئے کہ شفاعت وہاں نافع ہوجاتی ہے جہاں محل شفاعت ہو لیکن جن کا دم ہی کفر پر نکلا ہو ان کے لئے شفاعت کہاں؟ وہ ہمیشہ کے لئے (ہاویہ) میں گئے۔ پھر فرمایا کیا بات ہے کہ کونسی وجہ ہے کہ یہ کافر تیری نصیحت اور دعوت سے منہ پھیر رہے ہیں اور قرآن وحدیث سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شکاری شیر سے، فارسی زبان میں جسے شیر کہتے ہیں اسے عربی میں اسد کہتے ہیں اور حبشی زبان میں (قسورہ) کہتے ہیں اور نبطی زبان میں رویا۔ پھر فرماتا ہے یہ مشرکین تو چاہتے ہیں کہ ان میں کے ہر شخص پر علیحدہ علیحدہ کتاب اترے جیسے اور جگہ ان کا مقولہ ہے آیت: حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ (الانعام:۱۲۴) یعنی جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ وہ نہ دیئے جائیں جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ رسالت کے قابل کون ہے؟ اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ ہم بغیر عمل کے چھٹکارا دیئے جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل وجہ یہ ہے کہ انہیں آخرت کا خوف ہی نہیں کیونکہ انہیں اس کا یقین نہیں اس پر ایمان نہیں بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں تو پھر ڈرتے کیوں؟ پھر فرمایا سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن محض نصیحت وموعظت ہے جو چاہے عبرت حاصل

کرلے اور نصیحت پکڑ لے، جیسے فرمان ہے آیت: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (التکویر:۲۹) یعنی تمہاری چاہتیں اللہ کی چاہت کی تابع ہیں۔ پھر فرمایا اسی کی ذات اس قابل ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے اور وہی ایسا ہے کہ ہر رجوع کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے، مسند احمد میں ہے رسول کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے میں اس کا حقدار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے جو میرے ساتھ شریک بنانے سے بچ گیا تو وہ میری بخشش کا مستحق ہوگیا، ابن ماجہ اور نسائی اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے



سورۂ قیامت مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ زَائِدَةٌ فِي الْمَوْضِعَيْنِ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝١ وَلَآ أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝٢ الَّتِي تَلُوْمُ نَفْسَهَا وَإِنِ اجْتَهَدَتْ فِي الْإِحْسَانِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ أَيْ لَتُبْعَثُنَّ دَلَّ عَلَيْهِ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَيِ الْكَافِرُ أَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهُ ۝٣ لِلْبَعْثِ وَالْإِحْيَاءِ بَلٰى نَجْمَعُهَا قٰدِرِيْنَ مَعَ جَمْعِهَا عَلٰى أَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ ۝٤ وَهُوَ الْأَصَابِعُ أَيْ نُعِيْدُ عِظَامَهَا كَمَا كَانَتْ مَعَ صِغَرِهَا فَكَيْفَ بِالْكَبِيْرَةِ بَلْ يُرِيْدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اللَّامُ زَائِدَةٌ وَنَصْبُهُ بِأَنْ مُقَدَّرَةٍ أَيْ أَنْ يَّكْذِبَ أَمَامَهُ ۝٥ أَيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ دَلَّ عَلَيْهِ يَسْـَٔلُ أَيَّانَ مَتٰى يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝٦ سُؤَالُ اسْتِهْزَاءٍ وَتَكْذِيْبٍ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝٧ بِكَسْرِ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا دَهِشَ وَتَحَيَّرَ لِمَا رَاٰى مِمَّا كَانَ يُكَذِّبُ بِهٖ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝٨ أَظْلَمَ وَذَهَبَ ضَوْءُهُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝٩ فَطَلَعَا مِنَ الْمَغْرِبِ أَوْ ذَهَبَ ضَوْءُهُمَا وَذٰلِكَ فِي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ۝١٠ الْفِرَارُ كَلَّا رَدْعٌ عَنْ طَلَبِ الْفِرَارِ لَا وَزَرَ ۝١١ لَا مَلْجَأَ يُتَحَصَّنُ بِهٖ إِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ۝١٢ مُسْتَقَرُّ الْخَلَائِقِ فَيُحَاسَبُوْنَ وَيُجَازَوْنَ يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۝١٣ بِأَوَّلِ عَمَلِهٖ وَاٰخِرِهٖ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝١٤ شَاهِدٌ تَنْطِقُ جَوَارِحُهُ بِعَمَلِهٖ وَالْهَاءُ لِلْمُبَالَغَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ جَزَائِهٖ وَلَوْ أَلْقٰى مَعَاذِيْرَهُ ۝١٥ جَمْعُ مَعْذِرَةٍ عَلٰى غَيْرِ قِيَاسٍ أَيْ لَوْ جَاءَ بِكُلِّ مَعْذِرَةٍ مَا قُبِلَتْ مِنْهُ قَالَ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ بِالْقُرْاٰنِ قَبْلَ فَرَاغِ جِبْرَئِيْلَ مِنْهُ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝١٦ خَوْفَ أَنْ يَّنْفَلِتَ مِنْكَ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ فِيْ صَدْرِكَ وَقُرْاٰنَهُ ۝١٧ قِرَاءَتَكَ إِيَّاهُ أَيْ جَرَيَانَهُ عَلٰى لِسَانِكَ فَإِذَا قَرَأْنٰهُ عَلَيْكَ بِقِرَاءَةِ

جِبْرِيْلَ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ اِسْتَمِعْ قِرَائَتَهُ فَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ بِالتَّفْهِيْمِ لَكَ وَالْمُنَاسَبَةُ بَيْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَمَا قَبْلَهَا اَنَّ تِلْكَ تَضَمَّنَتِ الْاِعْرَاضَ عَنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهٰذِهِ تَضَمَّنَتِ الْمُبَادَرَةَ اِلَيْهَا بِحِفْظِهَا كَلَّا اِسْتِفْتَاحٌ بِمَعْنٰى اَلَا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ الدُّنْيَا بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ فَلَا تَعْمَلُوْنَ لَهَا وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ اَيْ فِيْ يَوْمِ الْقِيَامَةِ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ حَسَنَةٌ مُضِيْئَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ كَالِحَةٌ شَدِيْدَةُ الْعُبُوْسِ تَظُنُّ تُوْقِنُ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ دَاهِيَةٌ عَظِيْمَةٌ تَكْسِرُ فَقَارَ الظَّهْرِ كَلَّا بِمَعْنٰى اَلَا اِذَا بَلَغَتِ النَّفْسُ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ عِظَامَ الْحَلْقِ وَ قِيْلَ قَالَ مَنْ حَوْلَهٗ مَنْ ٜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ يَرْقِيْهِ لِيَشْفٰى وَّ ظَنَّ اَيْقَنَ مَنْ بَلَغَتْ نَفْسُهٗ ذٰلِكَ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ فِرَاقُ الدُّنْيَا وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اَيْ اِحْدٰى سَاقَيْهِ بِالْاُخْرٰى عِنْدَ الْمَوْتِ اَوِ الْتَفَّتْ شِدَّةُ فِرَاقِ الدُّنْيَا بِشِدَّةِ اِقْبَالِ الْاٰخِرَةِ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ ع ۱۷

ترجمہ: (دونوں جگہ لا زائد ہے) میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور میں قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے (باوجود نیکی میں بے حد کوشش کرنے کے پھر خود کو ملامت کرتا ہے۔ جواب قسم محذوف ہے۔ یعنی "لتبعثن" جس پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) کیا انسان (کافر) کا گمان یہ ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں قطعاً جمع نہیں کریں گے (دوبارہ زندہ کرنے اور جلانے کے لئے) کیوں نہیں (ہم ضرور جمع کریں گے) کیونکہ ہم (ہڈیوں کو جمع کرنے کے ساتھ) اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلی کے پوروں تک جمع کر دیں (یعنی جب پوروں کی ہڈیاں ہم ٹھیک ٹھاک کر دیں گے تو بڑی کیسے نہیں کریں گے) بلکہ بعض دفعہ آدمی یوں چاہتا ہے کہ گناہ کرتا رہے (لام زائد ہے اور ان مقدر کے ذریعہ منصوب ہے۔ تقدیر عبارت ان یکذب ہے) اپنی آئندہ زندگی میں بھی (مراد قیامت ہے۔ جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہو رہا ہے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا (ہنسی مذاق اور انکار کے طریقہ پر) سو جب آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی (برق راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے، جس چیز کو جھٹلایا تھا اس کو سامنے دیکھ کر ہکا بکا رہ جائے گا) اور چاند بے نور ہو جائے گا (اندھیرا ہو جائے گا، روشنی چلی جائے گی) اور سورج اور چاند ایک طرح کے ہو جائیں گے (چنانچہ پچھم سے نکلیں گے یا دونوں میں روشنی نہیں رہے گی اور یہ قیامت کے روز ہوگا) اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر جاؤں (بھاگوں) ہرگز نہیں۔ (نکل بھاگنے کی جستجو پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے (بچ نکلنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے) صرف آپ کے پروردگار کے پاس ہی اس دن ٹھکانا ہے (مخلوق حساب کتاب کے لئے پیش ہو گی) اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا (اعمال کا شروع آخر) جتلا دیا جائے گا۔ بلکہ انسان خود اپنی حالت پر

خوب مطلع ہوگا (اس کے کام کی گواہی خود اس کے اعضاء دیں گے۔ بصیرۃ میں ۃ مبالغہ کے لئے ہے۔ بہر حال عمل کا بدلہ ضرور ہوگا) اگرچہ وہ اپنے حیلے بہانے کرے گا (معاذیر معذرت کی جمع ہے خلاف قیاس یعنی پورا حیلہ بھی کرے گا تب بھی کچھ کارگر نہیں ہوگا۔ حق تعالیٰ پیغمبر سے ارشاد فرماتے ہیں) اے پیغمبرؐ! آپ نہ ہلایا کیجئے (جبرئیل کے قرآن سنانے سے پہلے) اپنی زبان قرآن کو جلدی لینے کے لئے (اس ڈر سے کہ کہیں قرآن چھوٹ نہ جائے) یقیناً ہمارے ذمہ ہے (آپ کے سینہ میں) اس کو جمع کر دینا اور اس کو پڑھوا دینا (آپ کو اس کی قرأت آپ کی زبان پر جاری کر کے) تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں (آپ کے سامنے جبرئیل سے پڑھوا کر) تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے (یعنی جبرئیل کی قرأت سنا کیجئے۔ چنانچہ پہلے حضورؐ سنتے تھے پھر خود پڑھتے تھے) پھر اس کا بیان کر دینا ہمارے ذمہ ہے (آپؐ کو سمجھا دینا اور پچھلی آیت اور اس آیت میں مناسبت یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ کی آیات سے اعراض تھا اور اس آیت میں ان کو حفظ کر کے شوق ظاہر کرنا ہے۔ اے منکرو! ہرگز نہیں (کلا بمعنی الا کلمہ استفتاح ہے) بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو (دونوں فعلوں میں تا اور یا کے ساتھ ہے) اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو (اس کے لئے کام نہیں کرتے) بہت سے چہرے اس روز (قیامت میں) تر و تازہ (بارونق) ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز بے رونق (پہلے بے حد پژمردہ) ہوں گے۔ گمان (یقین) کر رہے ہوں گے ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا (سخت جھٹکے کا جس سے کمر کا منکا ٹوٹ کر رہ جائے گا) ہرگز ایسا نہیں (کلا بمعنی الا) جب جان ہنسلی (حلق کی ہڈی) تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے (اردگرد لوگ کہتے ہیں) کہ کوئی جھاڑنے والا بھی ہے (کہ جس کے جھاڑنے سے شفا ہو جائے) اور وہ گمان کر لیتا ہے (جس کا سانس ہنسلی تک آجائے وہ یقین کر لیتا ہے) کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے (دنیا سے رخصت ہوتا ہے) اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے (جان نکلتے وقت پنڈلی ایک دوسرے پر چڑھتی ہے۔ یا دنیا سے روانگی اور آخرت کی آمد کی شدتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں) اس روز تیرے پروردگار کے حضور جانا ہے (مساق بمعنی سوق ہے۔ یہ جملہ اذا کے عامل پر دلالت کر رہا ہے۔ یعنی سانس جب گلے میں اٹک کر رہ جائے تو اللہ کے حکم کی طرف روانگی شروع ہو جاتی ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله :الْكَافِرُ: یہ عدی بن ربیعہ تھا جس نے قیامت کے متعلق سوال کیا تھا۔

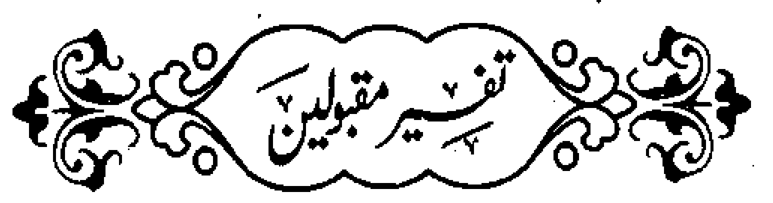
قوله :قٰدِرِيْنَ : یہ فعل مقدر کے فاعل سے حال ہے۔ جو بلی کے بعد مقدر ہے۔

قوله :بَلْ يُرِيْدُ: یہ ایحسب پر اس کا عطف ہے۔ یہ استفہام بھی ہو سکتا ہے۔

قوله :لِيَفْجُرَ : وہ اپنے آئندہ زمانے میں فجور پر باقی رہے۔

قوله :دھش: حیران ہونا۔

قولہ :لِمَا رَاٰی: گھبرا کر۔
قولہ : اَیْنَ الْمَفَرُّ : یہ مصدر میمی ہے۔
قولہ :لَا وَزَرَ : یہ وزر سے مستعار لیا گیا رسی کو کہتے ہیں۔
قولہ :غَیْرِ قِیَاسٍ: مَعَاذِیْرَہٗ ۔قیاس تو معاذر ہے۔
قولہ :بِکُلِّ مَعْذَرَۃٍ: بمعنی عذر۔
قولہ :اَنْ یَّنْفَلِتَ :اچانک کسی چیز سے چھوٹنا۔
قولہ : بَیَانَہٗ :اس کی وضاحت جو تم پر مشکل ہوا۔
قولہ : نَّاضِرَۃٌ :اس کے دیدار میں مستغرق ہوں گے۔
قولہ : کَالِحَۃٌ :ترش روئی والے۔الْعَبُوْسِ :ترش روئی کرنا۔
قولہ :دَاھِیَۃٌ :بڑی مصیبت۔
قولہ :فَقَارَ الظَّھْرِ :پشت کے مہرے۔کندھے سے؟؟ تک۔
قولہ :اَلْتَفَّتِ :لپٹنا۔مراد شدت ہے۔



اس سورت میں احوال قیامت کا ذکر ہے اور وہ دلائل قاطعہ اور واضح بعث ونشر کے ثابت کرنے کے لیے ذکر فرمائے گئے جن کو سن کر ہر شخص عقل وفطرت کی رو سے مجبور ہے کہ وہ قیامت اور بعث بعد الموت پر ایمان لائے۔
ایمان بالآخرۃ دین اسلام کی بنیاد ہے تو اس سورۃ مبارکہ میں خاص طور پر قیامت کے احوال بیان کیے گئے اور یہ کہ انسان پر جب سکرات موت طاری ہونے لگتے ہیں تو اس پر کس طرح کی بے چینی اور کرب واقع ہوتا ہے اور جب حق تعالیٰ شانہ قیامت برپا فرمائیں گے تو نظام عالم اور آسمان وزمین اور چاند وسورج کس طرح درہم برہم کر دیئے جائیں گے خدائے تعالیٰ انسان کو اپنی قدرت کاملہ سے کس طرح انکی قبروں سے اٹھائے گا اور کس طرح وہ اپنی عظیم قدرت سے جسم کے اجزائے منتشرہ اور ریزہ ریزہ ہو جانے والی ہڈیوں کو جوڑے گا۔
پھر جب میدان حشر میں حاضری ہوگی تو انسان اپنے اعمال پر کیسا پچھتائے گا اور نامہ اعمال اسکے سامنے ہوں گے اس کو حکم ہوگا کہ وہ اپنی کتاب اعمال خود پڑھے ان اہم مضامین کو بیان کرتے ہوئے سورت کے اخیر میں پھر ایک بار انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور قیامت اور بعث بعد الموت کو ثابت کیا گیا۔
لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ۝
مشرکین وقوع قیامت کا انکار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ مردہ ہڈیوں میں جان کیسے پڑے گی؟ اور ہڈیاں کیسے جمع کی جائیں گی اسی طرح ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ عدی بن ربیعہ ایک آدمی تھا وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا

اے محمد مجھے بتادیجئے قیامت کب ہوگی کیسے ہوگی کیا کیا احوال گزریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے اسے قیامت کا حال بتادیا وہ سن کر کہنے لگا کہ اگر میں اس دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تب بھی تمہاری تصدیق نہ کروں گا اور تم پر ایمان نہ لاؤں گا مگر اس صورت میں کہ اللہ ہڈیوں کو جمع فرمادے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ابوجہل نے انکار کے طور پر یوں کہا تھا کہ کیا محمد یہ خیال کرتے ہیں کہ ہڈیاں جب گل جائیں گی تو اللہ تعالیٰ ان کو جمع فرمادے گا؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی تردید فرمائی اور قیامت کے دن کی اور ایسے نفس کی قسم کھائی جو اپنے اوپر ملامت کرے یعنی گناہ ہوجانے پر نادم ہو اور نیکی کر کے بھی اپنے نفس پر ملامت کرے کہ اس میں اخلاص کی یا فلاں فلاں آداب کی کمی رہ گئی، جواب قسم لتبعثن محذوف ہے یعنی قیامت کے دن کی اور نفس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تم قیامت کے دن ضرور بالضرور اٹھائے جاؤ گے۔

يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ﴿۱۳﴾

یعنی اس روز انسان کو جتلا دیا جائے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا کیا پیچھے چھوڑا:

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس نے فرمایا کہ جو نیک کام اپنی موت سے پہلے کرلیا وہ آگے بھیج دیا، اور جو نیک یا بد مفید یا مضر کوئی طریقہ کوئی رسم ایسی چھوڑی کہ اسکے بعد لوگ اس پر عمل کریں وہ پیچھے چھوڑا (اسکا ثواب یا عذاب اس کو ملتا رہے گا) اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ماقدم سے مراد وہ عمل صالح ہے جو اپنی زندگی میں کرگزرا اور ما آخر سے مراد وہ عمل صالح ہے جس کو کرسکتا تھا مگر نہ کیا اور فرصت ضائع کردی۔

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

بصیر اور بصیرۃ کے معنے دیکھنے والے کے بھی آتے ہیں اور بصیرۃ کے معنے حجت کے بھی آتے ہیں جیسے قرآن کریم میں ہے قد جاءکم بصائر من ربکم اسمیں بصائر بصیرۃ کی جمع ہے اور معنی اسکے حجت کے ہیں اور معاذیر معذار بمعنے عذر کی جمع ہے۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ اگرچہ عدالت کے ضابطہ کی رو سے انسان کے سارے اعمال محشر میں اس کو ایک ایک کر کے بتلائے جاویں گے مگر درحقیقت اس کو اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ اپنے اعمال کو خوب جانتا ہے خود اس کو معلوم ہے کہ اس نے کیا کیا کام کئے، نیز یہ کہ محشر میں تمام اپنے اعمال نیک و بد کا مشاہدہ بھی اس کے سامنے ہوجائے گا جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا: ووجدوا ما عملوا حاضرا

یعنی جو عمل انہوں نے دنیا میں کیا تھا اس کو محشر میں حاضر و موجود پائیں گے اور آنکھوں سے دیکھ لیں گے یہاں جس انسان کو اپنے نفس پر بصیرہ فرمایا اس کا یہی حاصل ہے۔

اور اگر بصیرہ کے معنے حجت کے لئے جاویں تو معنے یہ ہیں کہ انسان خود اپنے نفس پر حجت و دلیل ہوگا وہ انکار بھی کرے گا تو اس کے اعضا اقرار کریں گے مگر انسان اپنے جرائم و تقصیرات کو جاننے کے باوجود عذر تراشی نہ چھوڑے گا اپنے کئے کا عذر بیان کرتا ہی رہے گا یہ معنے ہیں: وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾ کے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝

حفظ قرآن، تلاوت وتفسیر کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ:

یہاں اللہ عزوجل اپنے نبی ﷺ کو تعلیم دیتا ہے کہ فرشتے سے وحی کس طرح حاصل کریں، آنحضور ﷺ اس کو اخذ کرنے میں بہت جلدی کرتے تھے اور قرأت میں فرشتے کے بالکل ساتھ ساتھ رہتے تھے، پس اللہ عزوجل حکم فرماتا ہے کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے آپ سنتے رہیں، پھر جس ڈر سے آپ ایسا کرتے تھے اسی طرح اس کا واضح کرانا اور تفسیر اور بیان آپ سے کرانے کے ذمہ داری بھی ہم ہی پر ہے، پس پہلی حالت یاد کرانا، دوسری تلاوت کرانا، تیسری تفسیر، مضمون اور توضیح مطلب کرانا تینوں کی کفالت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی، جیسے اور جگہ ہے آیت: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ:۱۱۴) یعنی جب تک تیرے پاس وحی پوری نہ آئے تو پڑھنے میں جلدی نہ کیا کر ہم سے دعا مانگ کہ میرے رب میرے علم کو زیادہ کرتا رہے، پھر فرماتا ہے اسے تیرے سینے میں جمع کرنا اور اسے تجھ سے پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے جب ہم اسے پڑھیں یعنی ہمارا نازل کردہ فرشتہ جب اسے تلاوت کرے تو تو سن لے جب وہ پڑھ چکے تب تو پڑھ ہماری مہربانی سے تجھے پورا یاد ہوگا اتنا ہی نہیں بلکہ حفظ کرانے تلاوت کرانے کے بعد ہم تجھے اس کی معنی مطالب تعین وتوضیح کے ساتھ سمجھا دیں گے تاکہ ہماری اصلی مراد اور صاف شریعت سے تو پوری طرح آگاہ ہو جائے، مسند میں ہے حضور ﷺ کو اس سے پہلے وحی کو دل میں اتارنے کی سخت تکلیف ہوتی تھی اس ڈر کے مارے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں فرشتے کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے اور آپ کے ہونٹ ہلتے جاتے تھے چنانچہ حضرت ابن عباس راوی حدیث نے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھایا کہ اس طرح اور ان کے شاگرد سعید نے بھی اپنے استاد کی طرح ہلا کر اپنے شاگرد کو دکھائے اس پر یہ آیت اتری کہ اتنی جلدی نہ کرو اور ہونٹ نہ ہلاؤ اسے آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کی تلاوت کرانا ہمارے سپرد ہے جب ہم اسے پڑھیں تو آپ سنئے اور چپ رہئے جبرائیل کے چلے جانے کے بعد انہی کی طرح ان کا پڑھایا ہوا پڑھنا بھی ہمارے سپرد ہے، بخاری ومسلم میں بھی یہ روایت ہے، بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ پھر جب وحی اترتی آپ نظریں نیچی کر لیتے اور جب وحی چلی جاتی آپ پڑھتے، ابن ابی حاتم میں بھی بہ روایت ابن عباس یہ حدیث مروی ہے اور بہت سے مفسرین سلف صالحین نے یہی فرمایا ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ ہر وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو میں بھول جاؤں اس پر یہ آیتیں اتریں،

آخر میں فرمایا: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ فکر بھی اپنے اوپر نہ رکھیں کہ نازل شدہ آیات کا صحیح مفہوم اور مراد کیا ہے اس کا بتلانا سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے ہم قرآن کے ہر ہر لفظ اور اس کی مراد کو آپ پر واضح کر دیں گے۔ ان چار آیتوں میں قرآن اور اس کی تلاوت وغیرہ کے متعلقہ احکام بیان کرنے کے بعد آگے پھر قیامت کے احوال واہوال ہی کا بقیہ تذکرہ آتا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چار آیتوں کا اگلی پچھلی آیتوں سے ربط اور جوڑ کیا ہے۔ خلاصہ تفسیر مذکور میں اس کا ربط یہ بیان کیا گیا ہے کہ چار آیتوں سے پہلے جو قیامت کے حالات میں اس کا بیان ہے

کہ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ ایک ایک انسان کو جس کیفیت جس شکل وصورت میں وہ پہلے تھا اسی میں دوبارہ پیدا فرمادیں گے یہاں تک کہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو اور ان پر بنے ہوئے امتیازی خطوط ونشانات کو بھی بالکل پہلے جیسا بنادینگے اس میں سر موفرق نہ ہوگا یہ جبھی ہوسکتا ہے کہ ذات حق تعالیٰ کا علم بھی بے انتہاء ہے اور اس کا احصار اور محفوظ رکھنا بھی بے مثال ہے۔ اس کی مناسب سے رسول اللہ ﷺ کو چار آیتوں میں یہ تسلی دی گئی کہ آپ تو بھول بھی سکتے ہیں نقل میں غلطی کا بھی امکان ہوسکتا ہے مگر حق تعالیٰ ان سب سے بالا وبرتر ہیں ان چیزوں کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے اس لئے آپ قرآن کے کلمات کو محفوظ رکھنے یا ان کے معانی سمجھنے میں غور کرنے کی زحمت چھوڑ دیں، یہ سب کام حق تعالیٰ خود انجام دیں گے۔

كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾

یہاں موت کا اور سکرات کی کیفیت کا بیان ہورہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت حق پر ثابت قدم رکھے۔ (کلا) کو اگر یہاں ڈانٹ کے معنی میں لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ اے ابن آدم تو جو میری خبروں کو جھٹلاتا ہے یہ درست نہیں بلکہ ان کے مقدمات تو تو روزمرہ کھلم کھلا دیکھ رہا ہے اور اگر اس لفظ کو (حقا) کے معنی میں لیں تو مطلب اور زیادہ ظاہر ہے یعنی یہ بات یقینی ہے کہ جب تیری روح تیرے جسم سے نکلنے لگے اور تیرے نرخرے تک پہنچ جائے (تراقی) جمع ہے (ترقوۃ) کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو سینے پر اور مونڈھوں کے درمیان میں ہیں جسے ہانس کی ہڈی کہتے ہیں، جیسے اور جگہ ہے: فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ (الواقعہ: ۸۳) فرمایا ہے یعنی جبکہ روح حلق تک پہنچ جائے اور تم دیکھ رہے ہو اور ہم تم سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے پس اگر تم حکم الٰہی کے ماتحت نہیں ہو اور اپنے اس قول میں سچے ہو تو اس روح کو کیوں نہیں لوٹا لاتے؟ اس مقام پر اس حدیث پر بھی نظر ڈال لی جائے جو بشر بن حجاج کی روایت سے سورۃ یٰسین کی تفسیر میں گذر چکی ہے، (تراقی) جو جمع ہے (ترقوہ) کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو (حلقوم) کے قریب ہیں اس وقت ہائی دہائی ہوتی ہے کہ کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کرے یعنی کسی طبیب وغیرہ کے ذریعہ شفا ہوسکتی ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہے یعنی اس روح کو لے کر کون چڑھے گا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اور پنڈلی سے پنڈلی کے رگڑا کھانے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباس وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ دنیا اور آخرت اس پر جمع ہوجاتی ہے دنیا کا آخری دن ہوتا ہے اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے جس سے سختی اور سخت ہوجاتی ہے مگر جس پر رب رحیم کا رحم وکرم ہو، دوسرا مطلب حضرت عکرمہ سے یہ مروی ہے کہ ایک بہت بڑا امیر دوسرے بہت بڑے امیر سے مل جاتا ہے بلا پر بلا آجاتی ہے، تیسرا مطلب حضرت حسن بصری وغیرہ سے مروی ہے کہ خود مرنے والے کی بے قراری، شدت درد سے پاؤں پر پاؤں کا چڑھ جانا مراد ہے۔ پہلے تو ان پیروں پر چلتا پھرتا تھا اب ان میں جان کہاں؟ اور یہ بھی مروی ہے کہ کفن کے وقت پنڈلی سے پنڈلی کا مل جانا مراد ہے، چوتھا مطلب حضرت ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ دو کام دو طرف جمع ہوجاتے ہیں ادھر تو لوگ اس کے جسم کو نہلا دھلا کر سپرد خاک کرنے کو تیار ہیں ادھر فرشتے اس کی روح لے جانے میں مشغول ہیں اگر نیک ہے تو عمدہ تیاری اور دھوم کے ساتھ اگر بد ہے تو نہایت ہی برائی اور بدتر حالت کے ساتھ اب لوٹنے، قرار پانے، رہنے سہنے، پہنچ جانے کھچ کر اور چل کر پہنچنے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے روح آسمان کی طرف چڑھائی جاتی

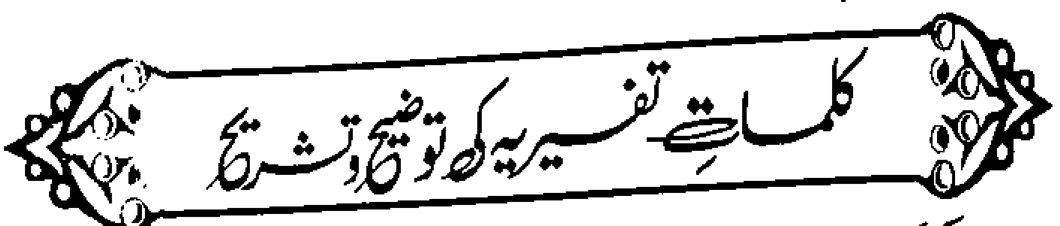
ہے پھر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ اسے زمین کی طرف واپس لے جاؤ میں نے ان سب کو اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹا کر لے جاؤں گا اور پھر اسی سے انہیں دوبارہ نکالوں گا، جیسے کہ حضرات براء کی مطول حدیث میں آیا ہے، یہی مضمون اور جگہ بیان ہوا ہے آیت: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (الانعام:۶۱) وہی اپنے بندوں پر غالب ہے وہی تمہاری حفاظت کے لئے تمہارے پاس فرشتے بھیجتا ہے یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اسے فوت کر لیتے ہیں اور وہ کوئی قصور نہیں کرتے پھر سب کے سب اپنے سچے مولا کی طرف لوٹائے جاتے ہیں یقین مانو کہ حکم اسی کا چلتا ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے۔

اَيِ السَّوْقُ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلَى الْعَامِلِ فِيْ اِذَا الْمَعْنٰى اِذَا بَلَغَتِ النَّفْسُ الْحُلْقُوْمَ تُسَاقُ اِلٰى حُكْمِ رَبِّهَا فَلَا صَدَّقَ الْاِنْسَانُ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ اَيْ لَمْ يُصَدِّقْ وَلَمْ يُصَلِّ وَلٰكِنْ كَذَّبَ بِالْقُرْاٰنِ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ يَتَبَخْتَرُ فِيْ مَشْيَتِهٖ اِعْجَابًا اَوْلٰى لَكَ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ وَالْكَلِمَةُ اِسْمُ فِعْلٍ وَاللَّامُ لِلتَّبْيِيْنِ اَيْ وَلِيَكَ مَا تَكْرَهُ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ اَيْ فَهُوَ اَوْلٰى بِكَ مِنْ غَيْرِكَ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ تَاكِيْدٌ اَيَحْسَبُ يَظُنُّ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ هَمَلًا لَا يُكَلَّفُ بِالشَّرَائِعِ اَيْ لَا يَحْسَبُ ذٰلِكَ اَلَمْ يَكُ اَيْ كَانَ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ تُصَبُّ فِي الرَّحِمِ ثُمَّ كَانَ الْمَنِيُّ عَلَقَةً فَخَلَقَ اللّٰهُ مِنْهَا الْاِنْسَانَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ عَدَّلَ اَعْضَاءَهٗ فَجَعَلَ مِنْهُ مِنَ الْمَنِيِّ الَّذِيْ صَارَ عَلَقَةً اَيْ قِطْعَةَ دَمٍ ثُمَّ مُضْغَةً اَيْ قِطْعَةَ لَحْمٍ الزَّوْجَيْنِ النَّوْعَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ يَجْتَمِعَانِ تَارَةً وَيَنْفَرِدُ كُلٌّ مِنْهُمَا عَنِ الْاٰخَرِ تَارَةً اَلَيْسَ ذٰلِكَ الْفَعَّالُ لِهٰذِهِ الْاَشْيَاءِ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلٰى

ع ۱۸

ترجمہ: تو اس سلسلے میں اس (انسان) نے نہ تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی۔ لیکن (قرآن کی) تکذیب کی تھی اور (ایمان سے) منہ موڑا تھا۔ پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا (خود پسندی کے ساتھ نازو انداز سے چلتا تھا) تیری کم بختی پر (یہاں غائب کے صیغے سے خطاب کی طرف التفات ہے اور کلمہ اولیٰ اسم فعل ہے اور لام بیانیہ ہے۔ یعنی تیری شامت آ گئی) کم بختی آنے والی ہے (یعنی دوسرے کی بجائے تو بھی اس کا مستحق ہے) پھر تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے (یہ تاکید ہے) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (فضول کسی شریعت کا پابند نہ ہو۔ یعنی انسان کو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے) کیا یہ شخص ایک قطرہ منی نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا۔ (یا اور تا

کے ساتھ ہے، رحم میں ٹپکایا گیا) پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا، پھر اللہ نے (اس انسان) بنایا، پھر اعضائ (مناسب طور پر) ٹھیک ٹھاک کئے۔ پھر اس کی (یعنی اس منی کی جو علقہ یعنی خون کی پھٹک، پھر مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی ہو گئی تھی) دو قسمیں (نوعیں) کر دیں مرد و عورت (کبھی دونوں ساتھ ہوتے ہیں۔ کبھی الگ الگ) کیا وہ (ان کاموں کو سرانجام دینے والا) اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو زندہ کر دے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ضرور قدرت رکھتا ہے)۔



قوله: یَتَبَخْتَرُ: تکبر کرنا۔

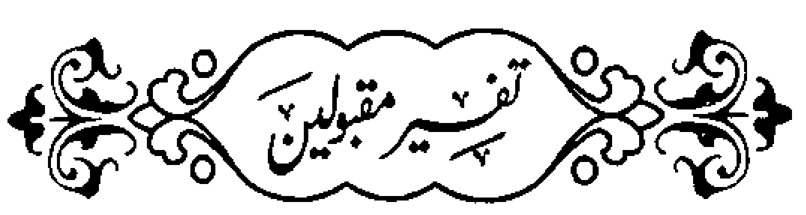
قوله: اِعْجَابًا: تکذیب پر خود پسندی کرتے ہوئے۔

قوله: وَالْكَلِمَةُ: اَوْلٰى۔ یہ ولی بمعنٰی قرب سے ماخوذ ہے۔ ای اَوْلٰى لَكَ مانکرہ ہے۔ یعنی یہ ھلاکت دوسری کی بنسبت تیرے زیادہ لائق ہے۔

قوله: اَلْاِنْسَانُ: ضمیر مذکور انسان کے لیے ہے۔

قوله: وَالتَّاءِ: تو ضمیر نطفہ کی طرف اور یا ھو منی کی طرف۔

قوله: عَلَقَةً: جما ہوا خون۔



فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ کی ضمیر ابو جہل کی طرف راجع ہے (اور اگر کافروں کا ہر سرغنہ مراد لیا جائے تو اس میں بھی کوئی بعد نہیں ہے کیونکہ کفر کے سردار اور چودھری اسی مزاج کے ہوتے ہیں جس کا یہاں تذکرہ فرمایا ہے) فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ (سو اس نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی)۔ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ اور لیکن اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۝ پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا۔

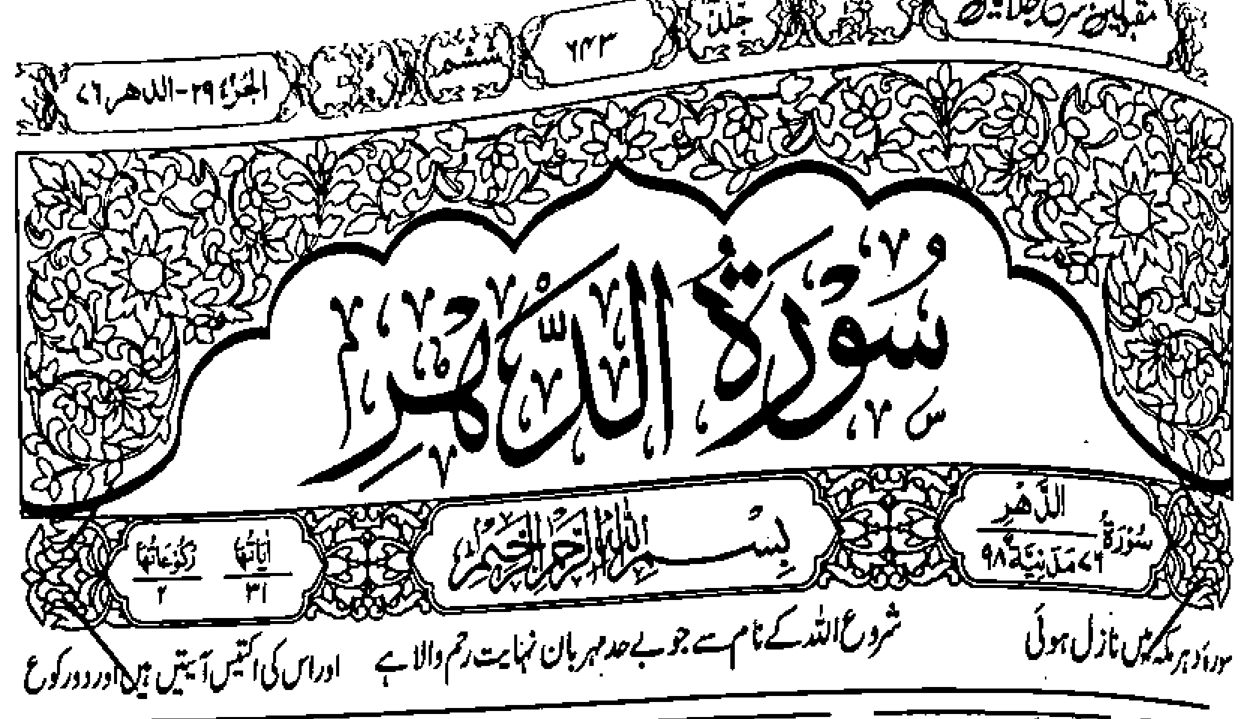
جن کا متکبرانہ انداز ہوتا ہے ان کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ اپنی چال ڈھال سے تکبر ظاہر کرتے ہیں اکڑتے مکڑتے اتراتے ہوئے چلتے ہیں جب کسی نے کوئی حق بات کہی اور حق کی دعوت دی تو اسے ٹھکرا کر منہ موڑ کر متکبرانہ چال سے گزر جاتے ہیں اور جب مجلس سے اٹھ کر گھر میں جانے لگیں تو ان کی متکبرانہ رفتار کا پوری طرح مظاہرہ ہو جاتا ہے۔

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝

لفظ اولی ویل کا مقلوب ہے۔ ویل کے معنے ہلاکت اور بربادی ہیں یہاں اس شخص کے لئے جس نے کفر وتکذیب ہی کو اپنا شعار بنائے رکھا اور دنیا کے مال ودولت میں مست رہا پھر اسی حال پر مر گیا اسکے لئے چار مرتبہ لفظ ہلاکت وبربادی استعمال کیا گیا کہ مرنے کے وقت پھر مرنے کے بعد قبر میں پھر حشر ونشر کے وقت پھر جہنم میں داخلے کے وقت یہ مصیبت وبربادی تیرا حصہ ہے۔

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۝

یعنی کیا وہ ذات حق جس کے قبضہ قدرت میں موت وحیات اور سارا جہان ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کردے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سورۃ قیامہ کی اس آیت کی تلاوت کرے تو اس کو یہ کلمات کہنا چاہئے: بلی وانا علی ذلک من الشھدین۔ یعنی بلاشبہ وہ اس پر قادر ہے اور میں بھی ان لوگوں میں داخل ہوں جو اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اس حدیث میں یہی الفاظ سورۃ والتین کی آخری: الیس اللہ باحکم الحکمین پڑھنے کے وقت بھی کہنے کی تعلیم کی دی گئی ہے اور اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ جو شخص سورۃ مرسلت کی اس آیت پر پہنچے فبای حدیث بعدہ یومنون تو اس کو امنا باللہ کہنا چاہئے۔



سورۂ دہر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اکتیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ قَدْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ اٰدَمَ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ١ كَانَ فِيْهِ مُصَوَّرًا مِنْ طِيْنٍ لَا يُذْكَرُ اَوِ الْمُرَادُ بِالْاِنْسَانِ الْجِنْسُ وَبِالْحِيْنِ مُدَّةُ الْحَمْلِ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ اَخْلَاطٍ اَيْ مِنْ مَاءِ الرَّجُلِ وَمَاءِ الْمَرْأَةِ الْمُخْتَلِطَيْنِ الْمُمْتَزِجَيْنِ نَّبْتَلِيْهِ نَخْتَبِرُهُ بِالتَّكْلِيْفِ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ اَوْ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَيْ مُرِيْدِيْنَ ابْتِلَاءَهُ حِيْنَ تَاَهُّلِهِ فَجَعَلْنٰهُ بِسَبَبِ ذٰلِكَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ٢ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ بَيَّنَّا لَهُ طَرِيْقَ الْهُدٰى بِبَعْثِ الرُّسُلِ اِمَّا شَاكِرًا اَيْ مُؤْمِنًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ٣ حَالَانِ مِنَ الْمَفْعُوْلِ اَيْ بَيَّنَّا لَهُ فِيْ حَالِ شُكْرِهِ اَوْ كُفْرِهِ الْمُقَدَّرَةِ وَاِمَّا لِتَفْصِيْلِ الْاَحْوَالِ اِنَّا اَعْتَدْنَا هَيَّأْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاْ يُسْحَبُوْنَ بِهَا فِي النَّارِ وَاَغْلٰلًا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ تُشَدُّ فِيْهَا السَّلَاسِلُ وَّسَعِيْرًا ٤ نَارًا مُسَعَّرَةً اَيْ مُهَيَّجَةً يُعَذَّبُوْنَ بِهَا اِنَّ الْاَبْرَارَ جَمْعُ بَرٍّ اَوْ بَارٍّ وَهُمُ الْمُطِيْعُوْنَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ هُوَ اِنَاءُ شُرْبِ الْخَمْرِ وَهِيَ فِيْهِ وَالْمُرَادُ مِنْ خَمْرٍ تَسْمِيَةٌ لِلْحَالِ بِاسْمِ الْمَحَلِّ وَمِنْ لِلتَّبْعِيْضِ كَانَ مِزَاجُهَا مَا تُمْزَجُ بِهِ كَافُوْرًا ٥ عَيْنًا بَدَلٌ مِنْ كَافُوْرًا فِيْهَا رَائِحَتُهُ يَّشْرَبُ بِهَا مِنْهَا عِبَادُ اللّٰهِ اَوْلِيَاؤُهُ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ٦ يَقُوْدُوْنَهَا حَيْثُ شَاءُوْا مِنْ مَنَازِلِهِمْ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ٧ مُنْتَشِرًا وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ اَيِ الطَّعَامِ وَشَهْوَتِهِمْ لَهُ مِسْكِيْنًا فَقِيْرًا وَّيَتِيْمًا لَا اَبَ لَهُ وَّاَسِيْرًا ٨ يَعْنِي الْمَحْبُوْسَ بِحَقٍّ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لِطَلَبِ ثَوَابِهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا ٩ شُكْرًا فِيْهِ عَلَّةُ الْاِطْعَامِ وَهَلْ تَكَلَّمُوْا بِذٰلِكَ اَوْ عَلِمَهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ

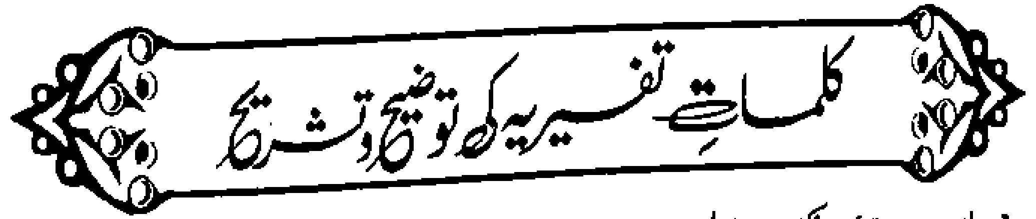
فانى عليهم به قولان إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا تَكْلَحُ الْوُجُوهُ فِيهِ أَيْ كَرِيهُ الْمَنْظَرِ لِشِدَّتِهِ
قَمْطَرِيرًا ۝ شَدِيدًا فِي ذٰلِكَ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ أَعْطَاهُمْ نَضْرَةً حُسْنًا وَإِضَاءَةً
فِي وُجُوهِهِمْ وَسُرُورًا ۝ وَجَزٰهُم بِمَا صَبَرُوا بِصَبْرِهِمْ عَنِ الْمَعْصِيَةِ جَنَّةً أُدْخِلُوهَا وَحَرِيرًا ۝
أُلْبِسُوهُ مُّتَّكِئِينَ حَالٌ مِنْ مَرْفُوعِ أُدْخِلُوهَا الْمُقَدَّرَةِ وَكَذَا لَا يَرَوْنَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ السُّرُرِ فِي
الْحِجَالِ لَا يَرَوْنَ يَجِدُونَ حَالٌ ثَانِيَةٌ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ۝ أَيْ لَا حَرًّا وَلَا بَرْدًا وَقِيلَ
الزَّمْهَرِيرُ الْقَمَرُ فَهِيَ مُضِيئَةٌ مِنْ غَيْرِ شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ وَدَانِيَةً قَرِيبَةً عَطْفٌ عَلَى مَحَلِّ لَا يَرَوْنَ أَيْ
غَيْرَ رَائِينَ عَلَيْهِمْ مِنْهُمْ ظِلٰلُهَا شَجَرُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ۝ أُدْنِيَتْ ثِمَارُهَا فَيَنَالُهَا الْقَائِمُ
وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ وَيُطَافُ عَلَيْهِم فِيهَا بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ أَقْدَاحٍ بِلَا عُرًى كَانَتْ
قَوَارِيرَا ۝ قَوَارِيرَا مِن فِضَّةٍ أَيْ أَنَّهَا مِنْ فِضَّةٍ يُرَى بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا كَالزُّجَاجِ قَدَّرُوهَا أَيِ
الطَّائِفُونَ تَقْدِيرًا ۝ عَلَى قَدْرِ رِيِّ الشَّارِبِينَ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَلَا نَقْصٍ وَذٰلِكَ أَلَذُّ الشَّرَابِ وَيُسْقَوْنَ
فِيهَا كَأْسًا أَيْ خَمْرًا كَانَ مِزَاجُهَا مَا تُمْزَجُ بِهِ زَنجَبِيلًا ۝ عَيْنًا بَدَلٌ مِنْ زَنْجَبِيلًا فِيهَا تُسَمّٰى
سَلْسَبِيلًا ۝ يَعْنِي أَنَّ مَاءَهَا كَالزَّنْجَبِيلِ الَّذِي تَسْتَلِذُّ بِهِ الْعَرَبُ سَهْلُ الْمَسَاغِ فِي الْحَلْقِ وَيَطُوفُ
عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ بِصِفَةِ الْوِلْدَانِ لَا يَشِيبُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لِحُسْنِهِمْ وَانْتِشَارِهِمْ
فِي الْخِدْمَةِ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ۝ مِنْ سِلْكِهِ أَوْ مِنْ صَدَفِهِ وَهُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ فِي غَيْرِ ذٰلِكَ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ
أَيْ وُجِدَتِ الرُّؤْيَةُ مِنْكَ فِي الْجَنَّةِ رَأَيْتَ جَوَابُ إِذَا نَعِيمًا لَا يُوصَفُ وَمُلْكًا كَبِيرًا ۝ وَاسِعًا لَا
غَايَةَ لَهُ عَالِيَهُمْ فَوْقَهُمْ فَنَصْبُهُ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ وَهُوَ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ بَعْدَهُ وَفِي قِرَاءَةٍ بِسُكُونِ الْيَاءِ مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهُ
خَبَرُهُ وَالضَّمِيرُ الْمُتَّصِلُ بِهِ لِلْمَعْطُوفِ عَلَيْهِمْ ثِيَابُ سُندُسٍ حَرِيرٍ خُضْرٌ بِالرَّفْعِ وَإِسْتَبْرَقٌ
بِالْجَرِّ مَا غَلُظَ مِنَ الدِّيبَاجِ وَهُوَ الْبَطَائِنُ وَالسُّنْدُسُ الظَّهَائِرُ وَفِي قِرَاءَةٍ عَكْسُ مَا ذُكِرَ فِيهِمَا وَفِي أُخْرَى
بِرَفْعِهِمَا وَفِي أُخْرَى بِجَرِّهِمَا وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ وَفِي مَوْضِعٍ آخَرَ مِنْ ذَهَبٍ لِلْإِيذَانِ بِأَنَّهُمْ

قرأ حفص بغير الالف في الوصل فيهما. و وقف على الاول بالالف و على الثاني بغير الالف

يحلّون من النوعين معاً ومفرقاً **وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا** ﴿۲۱﴾ مبالغة في طهارته ونظافته بخلاف خمر الدنيا **اِنَّ هٰذَا** النعيم **كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا** ﴿۲۲﴾ ع

ترجمہ: بے شک انسان (آدم) پر ایک ایسا وقت آچکا ہے (چالیس سال) جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ تھا (گارے کا پتلا بنا ہوا تھا جو نا قابل ذکر تھا۔ یا عام جنس انسان مراد ہے اور حینؔ سے مراد زمانہ حمل لیا جائے) ہم نے اسی (عام انسان) کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا (مرد وعورت کے باہمی اختلاط سے جو مرکبہ تیار ہوا) اس طرح کہ ہم اس کو مکلف بنائیں۔ (شرعی احکام کا پابند کر کے دیکھیں۔ جملہ مستانفہ ہے یا حال مقدر ہے۔ یعنی ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم اس کو اہل ہونے پر مکلف بنائیں) تو ہم نے اس کو سنتا، دیکھتا (اسی وجہ سے) بنایا۔ ہم نے اس کو رستہ بتلایا (پیغمبروں کو بھیج کر ہدایت کی رہنمائی کی) یا تو وہ شکر گزار (مومن) بنا اور یا ناشکرا (دونوں لفظ مفعول سے حال ہیں۔ یعنی اس کے مقدر کفر وشکر کی حالت میں اس کو واضح کر دیا اور اماؔ تفصیل احوال کے لئے ہوتا ہے) ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں (جن سے وہ دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے) اور طوق (گلے میں پڑے ہوں گے۔ جن میں زنجیریں بندھی ہوں گی) اور دہکتی آگ (تیز شعلہ والی، دہکتی ہوئی جس سے عذاب دیا جائے گا) تیار کر رکھی ہیں، نیک لوگ (برؔ یا بار کی جمع ہے۔ فرمانبردار مراد ہیں) پئیں گے ایسے جام شراب سے (کاسؔ شراب کا پیمانہ جب کہ اس میں شراب موجود ہو۔ مگر مراد خود شراب ہے۔ محل بول کر مراد لیا گیا ہے اور منؔ تبعیضیہ ہے) جس میں کافور کی آمیزش (ملاوٹ) ہو گی یعنی ایسے چشمے سے (کافورؔ سے بدل ہے۔ اس میں کافور کی مہک ہو گی) اللہ کے بندے (نیک لوگ) پئیں گے۔ جس کو بہا کر لے جائیں گے (اپنے مکانوں میں جہاں چاہیں گے گھمائیں گے) وہ لوگ واجبات کو (اللہ کی اطاعت میں) پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام (پھیلی ہوئی) ہو گی اور وہ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا (باوجودیکہ کھانے کی طرف شوق ورغبت ہوتی ہے) کھلاتے ہیں غریب (فقیر) یتیم (بن باپ بچہ) اور قیدی (حق میں پکڑے ہوئے) کو، ہم تو محض اللہ کی خوشنودی (ثواب حاصل کرنے) کے لئے کھانا کھلاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں گے اور نہ شکریہ (کھانا کھلانے پر، اہل جنت نے یہ کلام کیا، یا اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات سے یہ جان کر تعریف فرمائی۔ اس میں دونوں رائے ہیں) ہم ڈرتے ہیں خدا کی جانب کے ایک سخت دن سے (جس دن چہرے سیاہ پڑ جائیں گے یعنی جھلس جائیں گے مارے سختی کے) جو نہایت سخت (شدید) ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس سخت دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو مرحمت (عطا) فرمائے گا تازگی (رونق اور چہروں کی رونق) اور خوشی اور ان کی پختگی کے بدلہ میں (برائیوں سے بچنے کے سلسلہ میں) ان کو جنت (میں داخل کرے گا) اور ریشمی لباس (پہنائے گا) عنایت فرمائے گا اس حال میں کہ وہ تکیہ لگائے ہوں گے (یہ اور لا یرونؔ دونوں ادخلوہا مقدر سے حال ہیں) مسہریوں (چھپر کھٹوں) پر نہ وہاں پائیں گے (یرونؔ بمعنی

یجدون حال ثانیہ ہے) تپش اور نہ جاڑا (یعنی گری سردی کچھ نہیں ہوگی اور بعض نے زمہریر سے چاند مراد لیا ہے۔ یعنی جنت میں بغیر سورج چاند کے روشنی رہے گی) اور جھکے ہوں گے یعنی نزدیک (لایرون کے محل۔ یعنی غیر رائین پر اس کا عطف ہو رہا ہے) ان پر درختوں کے سائے اور ان کے میوے ان کے اختیاری ہوں گے (قریب لٹکے ہوئے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے سب طرح حاصل ہوسکیں) اور ان کے پاس چاندی کے برتن پیش کئے جائیں گے اور کانچ کے پیالے (کوب جس پیالہ میں پکڑنے کی ہتھی بنی ہوئی نہ ہو) جو کانچ چاندی سے تیار ہوئی ہوگی (یعنی چاندی کے پیالے ہوں گے جس میں شیشہ کی طرح باہر سے اندر کا حصہ نظر آجائے گا) جن کو (گھمانے والوں نے) اندازہ سے بھرا ہوگا (پینے والوں کے مطابق زیادہ نہ کم اور ایسی شراب عمدہ ہوتی ہے) اور ان کو اور بھی جامِ شراب پلایا جائے گا۔ جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ ایسے چشمے سے (زنجبیلاً سے عینا بدل ہے) جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا (یعنی اس کا پانی سونٹھ جیسا ہوگا، جس کو عرب پسند کرتے ہیں اور بسہولت گلے سے نیچے اترتا جاتا ہے) اور ایسے لڑکے لے کر آمد و رفت کریں گے جو سدا لڑکے ہی رہیں گے (نوعمر ہی رہیں گے جوان نہیں ہوں گے) تو اگر دیکھے تو انہیں (خوب صورتی اور خدمت کے لئے چلت پھرت کی رو سے) بکھرے ہوئے موتی سمجھے (جو لڑی اور سیپی سے بکھر جائیں دوسری حالتوں کے مقابلہ میں یہ حالت سب سے خوبصورت ہوتی ہے) اور تو اس جگہ کو دیکھے (یعنی جنت میں تم کو دیکھنے کا اگر اتفاق ہو) تو تجھ کو دکھائی دے (اذا کا جواب ہے) بڑی نعمت (جس کی خوبی بیان نہیں ہوسکتی) اور بڑی سلطنت (بے انتہا وسیع) ان جنتیوں پر (یہ منصوب ظرفیت کی وجہ سے ہے اور بعد والے مبتداء کی خبر ہے اور ایک قرأت میں سکون یا کے ساتھ مبتداء ہے اور مابعد خبر ہے اور اس کی متصل ضمیر معطوف علیہم کی طرف لوٹے گی) باریک ریشم کے سبز (رفع کے ساتھ) کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی (جرّ کے ساتھ موٹے ریشمی کپڑے جو استر میں کام آتے ہیں اور سندس جو ابرے میں کام آتے ہیں اور ایک قرأت میں اس کے برعکس ہے، اور تیسری قرأت دونوں کے رفع کے ساتھ ہے اور چوتھی قرأت دونوں کے جر کی ہے (اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے (دوسری جگہ سونے کے کنگن آئے ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ دونوں طرح کے ہوں گے۔ خواہ دونوں ایک ساتھ ہوں یا الگ الگ) اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کے لئے دے گا (پاکیزگی اور صفائی میں انتہا پر پہنچی ہوئی برخلاف شراب دنیا کے) یہ (نعمتیں) تمہارا صلہ ہے اور تمہاری محنت قبول ہوئی۔



قولہ: مِنْ طِيْنٍ: روح پھونکنے سے پہلے۔

قوله : لَا يُذْكَرُ : قابل تذکرہ نہ تھا۔ عنصر اور نطفہ کی صورت میں تھا۔ اس کا ن بھی مذکور نہ تھا۔
قوله : اَمْشَاجٍ : جمع مشج یا مشیج: ملا جلا۔ مرد وعورت کا نطفہ۔
قوله : لِتَفْصِيْلِ الْاَحْوَالِ : حال اور صفت کے متعدد ہونے کے لحاظ سے۔
قوله : السَّلَاسِلَ : زنجیر۔
قوله : يُشَدُّ فِيْهَا : مقید کیا جائے۔
قوله : الْاَبْرَارَ : جمع بر یا بار جیسے اشہاد جمع شاہد۔
قوله : وَهِيَ فِيْهِ : واؤ حالیہ ہے۔
قوله : كَافُوْرًا : یعنی اس کی ٹھنڈک، مٹھاس اور عمدہ خوشبو کی وجہ سے۔
قوله : بَدَلٌ مِنْ كَافُوْرًا : بعض نے کہا یہ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے۔
قوله : مِنْهَا : بامعنی من ہے کیونکہ شرب مبتداء اس چشمے سے۔
قوله : يُفَجِّرُوْنَهَا : وہ اس کو جہاں چاہیں آسانی سے بہا کر لے جائیں گے۔
قوله : اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ : یعنی یہ کہتے ہوتے کہ ہم تم کو کھلاتے ہیں۔
قوله : يَوْمًا عَبُوْسًا : یعنی اس دن کے عذاب سے جس میں چہرے ترش رو ہو جائیں گے۔
قوله : فِيْ ذٰلِكَ : یعنی اس ترش روئی میں۔
قوله : بِصَبْرِهِمْ : اس میں اشارہ ہے کہ ما مصدر یہ ہے۔
قوله : شَجَرِهَا : اس میں اشارہ ہے کہ مضاف جو کہ جنت کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہے وہ محذوف ہے۔
قوله : ذُلِّلَتْ : تذلیل قطوف کا مطلب اس سے پھل توڑنا آسان ہو۔
قوله : قُطُوْفُهَا : پھل اور گچھے۔
قوله : قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ : اس میں شیشے جیسی صفائی اور چاندی جیسی نرمی اور سفیدی ہوگی۔
قوله : الطَّائِفُوْنَ : وہ گھومنے اور چکر لگانے والے ہوں گے، اس پر یطاف دلالت کرتا ہے۔
قوله : اَنَّ مَاءَهَا : اس میں چشمے کو زنجبیل کہنے کی وجہ بتلائی گئی ہے۔
قوله : سَهْلُ الْمَسَاغِ : یہ سلسبیل کی تفسیر ہے۔ سونٹھ کی کرواہٹ کی نفی کی۔
قوله : فِيْ غَيْرِ ذٰلِكَ : ان قطاروں میں رکھے ہوئے۔
قوله : وُجِدَتْ : رأیت بمنزلہ لازم آیا ہے۔ اس لیے اس کا مفعول نہیں۔
قوله : فِي الْجَنَّةِ : اس میں اشارہ کہ ثمہ یہ ظرف ہے۔
قوله : اِسْتَبْرَقٌ : اس کا عطف سندس پر ہے۔
قوله : مَا ذُكِرَ فِيْهِمَا : خضر مجرور ہوگا۔ جیسے سندس یہ اسم جنس ہے۔

قوله : بِرَفْعِهِمَا: خضر کا رفع ثِيَابُ کی صفت اول اور اِسْتَبْرَقٌ بھی صفت ثانیہ ہونے کی وجہ سے۔
قوله : شَرَابًا طَهُوْرًا: یہ مذکورہ بالا سے مقدم اور اونچی ہوگی۔
قوله : اِنَّ هٰذَا : کا مشارالیہ جو ثواب گنا گیا۔
قوله : كَانَ لَكُمْ :اس سے پہلے يقال مضمر ہے۔
قوله : مَّشْكُوْرًا: جس پر بدلہ ملے گا۔ضائع نہ ہوگی۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا نام سورۃ الدھر اور سورۃ الانسان حدیث کی رو سے ثابت ہے اس میں دھر کا ذکر ہے اور انسانی تخلیق کا اس وجہ سے یہ دونوں نام مضمون کے ساتھ پوری مناسبت رکھتے ہیں۔اس سورت میں آخرت اور احوال آخرت کا خصوصیت سے بیان ہے اور تفصیل کے ساتھ آخرت میں ابرار و متقین کو جن انعامات سے نوازا جائے گا ان کا ذکر ہے سورت کی ابتداء حق تعالی شانہ کی قدرت عظیمہ کے بیان سے ہے، کہ کس طرح وہ اپنی قدرت سے انسان کو ایک ناپاک قطرہ (نطفہ) سے وجود عطا فرماتا ہے۔

اور اس ناپاک قطرہ پر کیا کیا تغیرات و احوال گذرتے ہیں جن کے بعد یہ انسان عدم سے ہستی میں آتا ہے اس قدرت عظیمہ کے ذکر سے مقصود انسان کو اپنے مقصد حیات کی طرف توجہ دلانی ہے اور اس مقصد کی تکمیل پر انسان کو کیا کیا نعمتیں اور راحتیں آخرت میں میسر آئیں گی ان کا بیان ہے۔

پھر سورت کے خاتمہ پر قرآن کریم کے نزول کا ذکر ہے اور اسکے اوامر ونواہی کی اطاعت کی ترغیب اور نافرمانی وسرکشوں سے احتراز واجتناب کا حکم اور یہ کہ ذکر خداوندی ہی انسان کی ہدایت اور فلاح کا ضامن ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا اور اسے دیکھنے والا سننے والا بنایا اسے صحیح راستہ بتایا، انسانوں میں شاکر بھی ہیں کافر بھی ہیں۔

یہاں سے سورۃ الدھر شروع ہو رہی ہے جس کا دوسرا نام سورۃ الانسان بھی ہے اس کے پہلے رکوع میں انسان کی ابتدائی آفرینش بتائی ہے اس کے بعد انسان کی دو قسمیں بتائیں ایک شکر گزار اور ایک ناشکرا اس کے بعد ناشکروں کا عذاب اور شکر گزاروں کے انعامات بیان فرمائے ہیں۔دوسرے رکوع میں رسول اللہ ﷺ کو صبر کرنے اور ذکر کرنے اور راتوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور دنیا داروں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ دنیا کو پسند کرتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑا دن چھوڑ رکھا ہے۔
ارشاد فرمایا کہ انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ بالکل ہی قابل ذکر کوئی چیز نہ تھا نہ اس کا کوئی تذکرہ کرتا تھا نہ اس کا کچھ نام تھا نہ اس کی کچھ حیثیت تھی، مطلب یہ ہے کہ یہ انسان جو دنیا میں نظر آ رہے ہیں ان میں بڑے بھی ہیں چھوٹے بھی ہیں متکبر بھی ہیں اکڑفوں دکھانے

والے بھی ہیں ان میں سے ہر شخص پر ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ کوئی چیز بھی نہ تھا جو قابل ذکر ہو بلکہ نطفہ منی تھا اور اس سے پہلے غذا تھا اور یہ غذا منی سے نکلی تھی، ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا یعنی مرد اور عورت دونوں کے مخلوط مادہ منویہ سے رحم مادر میں اس کی ابتداء کی پھر وہ ایک عرصے تک نطفہ رہا پھر علق یعنی خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر اس کے اعضاء بنا دیئے پھر اس میں جان ڈال دی اس کے بعد رحم مادر سے باہر آ گیا یہ اس کا باہر آنا پلنا بڑھنا بے حکمت نہیں ہے انسان یوں نہ سمجھے کہ میں یوں ہی چھوڑ دیا جاؤں گا۔ (کما مر فی السورۃ السابقۃ) بلکہ اس کی یہ تخلیق ابتلاء اور امتحان اور آزمائش کے لیے ہے اسے بہت سے کاموں کا مکلف کیا گیا ہے۔ سورۂ ملک میں فرمایا: لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے اعمال والا کون ہے)۔

اور انسان کو صرف حیات دے کر آزمائش میں نہیں ڈالا بلکہ اس کو عقل و فہم و سمع و بصر کا عطیہ دیا ہے وہ سمجھتا ہے دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور ہدایت کو اس کی عقل و فہم پر نہیں رکھا بلکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے واسطے سے حق راہ بتائی چاہیے تو یہ تھا کہ تمام انسان اپنے خالق کو پہچانتے، مخلوق کو دیکھ کر خالق کی معرفت حاصل کرتے اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے جو دین پیش کیا اسے قبول کرتے اور اللہ کے شکر گزار بندے بنتے لیکن انسانوں کی دو قسمیں ہو گئیں ان میں سے بعض شکر گزار بنے اور بعض ناشکرے بن گئے، مومن بندے شکر گزار ہیں اور غیر مومن یعنی کافر ناشکرے ہیں جنہوں نے عقل اور سمع و بصر سے فائدہ نہ اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر کے کفر اختیار کر لیا۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝

دنیا میں وہ لوگ اپنی نذر پوری کرتے ہیں نذر کا معنی تو معروف ہی ہے مطلب یہ ہے کہ جب یہ حضرات کسی نیک کام کی نذر مان لیتے ہیں تو اسے پوری کر لیتے ہیں، جب کوئی شخص کسی کام کی نذر مان لے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ نذر نہ مانے تو کوئی گناہ نہیں لیکن اگر نذر مان لے (اور گناہ کی نذر نہ ہو) تو اس کا پورا کرنا واجب ہے اگر گناہ کی نذر مان لے تو اسے پوری نہ کرے بلکہ اس کا وہی کفارہ دے دے جو قسم کا کفارا ہے۔ احادیث شریفہ میں نذر کے بارے میں یہ ہدایات وارد ہوئی ہیں۔ (دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۹۷)

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ یہ بھی نیک بندوں کی صفت ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ کے نیک بندے قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی، سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے ستارے جھڑ جائیں گے آسمان پھٹ پڑیں گے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے لوگ قبروں سے گھبرائے ہوئے اٹھیں گے، حساب ہوگا، پریشانیاں ہوں گی۔ حضرت عائشہؓ ایک دن رونے لگیں تو آپ نے فرمایا: کیوں روتی ہو؟ عرض کیا مجھے دوزخ یاد آ گئی اس کی وجہ سے رو رہی ہوں۔ یہ ارشاد فرمایئے کہ آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد فرمائیں گے آپ نے فرمایا تین مواقع میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا: (۱) ایک تو اعمال کے وزن کیے جانے کے وقت جب تک یہ نہ جان لے کہ اس کی تول ہلکی ہوتی ہے یا بھاری۔

(۲) جب اعمالے نامے تقسیم کیے جانے لگیں جب تک یہ نہ جان لے کہ اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں پشت کے پیچھے سے۔ (۳) جب دوزخ کی پشت پر پل صراط رکھ دی جائے گی۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۹۸ ص ج ۲)

وَ یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّ یَتِیۡمًا وَّ اَسِیۡرًا ۝

یعنی اہل جنت کے یہ انعامات اس سبب سے بھی ہیں کہ وہ دنیا میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے علی حبہ میں حرف علی بمعنے مع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے جبکہ وہ کھانا خود اپنے لئے بھی ان کو محبوب اور پسند ہے۔ یہی نہیں کہ اپنے سے زائد فالتو کھانا غریبوں کو دیدیں۔ مسکین اور یتیم کو کھانا کھلانے کا عبادت و ثبوات ہونا تو ظاہر ہے۔ قیدی سے مراد ظاہر ہے کہ وہ قیدی ہے جس کو اصول شرعیہ کے مطابق قید میں رکھا گیا ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مجرم۔ مگر بہرحال اس کا کھانا کھلانا حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے جو شخص اس کو کھانا کھلاتا ہے وہ گویا حکومت اور بیت المال کی اعانت کرتا ہے اس لئے قیدی چاہے کافر بھی ہو اس کو کھانا کھلاتا ہے وہ گویا حکومت اور بیت المال کی اعانت کرتا ہے اس لئے قیدی چاہے کافر بھی ہو اس کو کھانا کھلانا ثواب ہوگا خصوصاً ابتدائے اسلام میں تو قیدیوں کا کھانا پینا اور ان کی حفاظت عام مسلمانوں میں تقسیم کر کے ان کے ذمہ کر دی جاتی تھی جیسے غزوہ بدر کے قیدیوں کیساتھ معاملہ کیا گیا۔

وَ اِذَا رَاَیۡتَ ثَمَّ رَاَیۡتَ نَعِیۡمًا وَّ مُلۡکًا کَبِیۡرًا ۝

اور اے مخاطب اگر تو وہاں نعمتوں کو دیکھے گا تو تجھے بڑا ملک نظر آئے گا:

اس میں جنت کی وسعت بتائی ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ایسے ہی چھوٹے موٹے گھر اور باغیچے ہوں گے جیسے دنیا میں ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہاں بہت بڑا ملک ہے ہر ہر شخص کو جو جگہ ملے گی اس کے سامنے ساری دنیا کی وسعت ہیچ ہے۔

سب سے آخر میں جو شخص جنت میں داخل ہوں گا اللہ تعالیٰ کا اس سے ارشاد ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو جا تیرے لیے اس دنیا کے برابر جگہ ہے اور اس جیسی دنیا کے برابر دس گنا اس کے علاوہ اور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس شخص کے بارے میں یوں کہا جاتا تھا کہ وہ اہل جنت میں سب سے کم درجہ کا جنتی ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۹۲ از بخاری ومسلم)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ ادنیٰ درجہ کا جنتی اپنے باغوں اور بیویوں اور نعمتوں اور خادموں اور مسہریوں کو ہزار سال کی مسافت میں دیکھے گا (یعنی اپنی مذکورہ نعمتوں کو اتنی دور تک پھیلی ہوئی دیکھتا چلا جائے گا جتنی دور تک ہزار سال میں چل کر پہنچے)۔ اور اللہ کے ہاں سب سے بڑا معزز وہ شخص ہوگا جو صبح شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔ اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ: وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ۔ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ پڑھی (جو عنقریب ہی سورۃ القیامۃ میں گزر چکی ہے)۔ (رواہ احمد والترمذی کمافی المشکوۃ صفحہ ۵۰۱)

جب ادنیٰ درجہ کے جنتی کا اتنا بڑا رقبہ ہوگا تو مختلف درجات کے اعتبار سے دیگر حضرات کے رقبہ کے بارے میں غور کرلیا جائے۔ عٰلِیَہُمۡ ثِیَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ وَّ اِسۡتَبۡرَقٌ (اور ان پر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی ہوں گے) یہ ریشم وہاں کا ہوگا دنیا کا ریشم نہ سمجھ لیا جائے اور باریک اور دبیز دونوں قسم کے ریشم عمدہ ہوں گے من بھاتے ہوں گے۔

وَّ حُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّۃٍ (اور ان کو زیور کے طور پر چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے) سورۃ الکہف اور سورۃ الحج

میں ہے کہ کنگن سونے کے ہوں گے اس میں کوئی منافات نہیں دونوں طرح کے کنگن ہوں گے کہیں سونے کے کنگن کا ذکر فرمادیا اور کہیں چاندی کا۔ اہل جنت کے کپڑے ہرے رنگ کے ہوں گے کیونکہ یہ رنگ نظروں کو زیادہ بھاتا ہے اور کوئی لفظ حصر پر دلالت کرنے والا بھی نہیں ہے جس سے سمجھا جائے کہ صرف سبز رنگ ہی کے کپڑے زیب تن کریں گے۔ آیت کریمہ: وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ سے ظاہر ہے کہ جو کچھ جی چاہے گا وہی ملے گا اگر دوسرے رنگ کے کپڑے پہننے چاہیں گے تو وہ بھی عطا کر دیئے جائیں گے اور جس کا جو جی چاہے گا پہنے گا اہل جنت کو جو کنگن پہنائے جائیں گے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنتیوں میں سے اگر کوئی شخص (دنیا کی طرف) جھانک لے جس سے اس کے کنگن ظاہر ہو جائیں تو اس کی روشنی سورج کی روشنی کو ختم کر دے جیسے سورج ستاروں کی روشنی کو ختم کر دیتا ہے۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۸)

کنگن عورتوں کے ہاتھوں میں اچھے لگتے ہیں مردوں پر بھلا کیا سجیں گے؟

فائدہ: کسی بھی لباس یا زیور کا سجنا اور شائستہ و آراستہ ہونا ہر جگہ کے عرف پر موقوف ہوتا ہے دنیا میں اگرچہ عموماً مرد کنگن نہیں پہنتے مگر جنت میں خواہش کر کے پہنیں گے اور سب ہی کو دیکھنے میں بھلے معلوم ہوں گے گھڑی کی چین ہی کو لیجیے طرح طرح کی بناوٹ اور چمک و زیبائش والی پہنی جاتی ہے اور مردوں کے ہاتھوں میں اچھی لگتی ہے بلکہ بعض قوموں میں تو بیاہ شادی کے موقعوں پر دولہا کو کنگن پہناتے ہیں اور برادری کے سب لوگ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں چونکہ رواج ہے اس لیے سب کی نظر بھی قبول کرتی ہے اور سب کے دل بھی اچھا سمجھتے ہیں اور اس رواج پر اس قدر اڑے ہوئے ہیں کہ شریعت کی ممانعت کا بھی خیال نہیں کرتے۔

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا۝ اور ان کا رب انہیں پاک کرنے والی شراب پلائے گا۔

اس سورت میں پہلی جگہ: اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ فرمایا پھر دوسری جگہ: وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ فرمایا جس میں ان کے مزید اعزاز کا ذکر ہے کہ خدام شراب لے کر آئیں گے۔

تیسری جگہ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ فرمایا اس میں پلانے کی نسبت رب جل شانہ کی طرف کی گئی ہے جس میں زیادہ اعزاز ہے۔

شرابا کو متصف کیا ہے طهورا سے۔ اس کا ترجمہ بعض حضرات نے بہت زیادہ پاکیزہ کیا ہے۔ فعول کو مبالغہ کا صیغہ لیا ہے اور ترجمہ یوں کیا ہے کہ بہت زیادہ پاکیزہ شراب ہوگی۔

قال المحلی مبالغة فی طهارته ونظافته بخلاف خمر الدنیا اور صاحب المعالم التنزیل نے حضرت ابو قلابہ اور حضرت ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ: لا یصیر بولا نجسا ولکن یصیر رشحا فی ابدانهم کریح المسلك۔

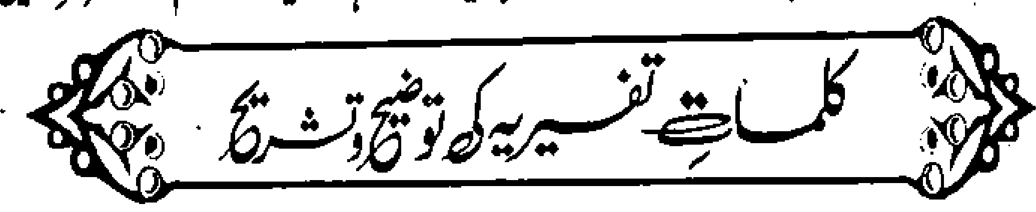
یعنی اسے شراب طہور اس لیے فرمایا کہ وہ ناپاک پیشاب نہ بنے گی بلکہ مشک کی طرح پسینہ ہو کر نکل جائے گی اول کھانا کھائیں گے پھر شراب طہور لائی جائے گی جب اسے پی لیں گے تو جو کچھ کھایا تھا وہ سب ان کے مسامات سے خوب تیز مشک سے بھی زیادہ خوشبو والا پسینہ بن کر نکل جائے گا جن سے ان کے پیٹ خالی ہو جائیں گی اور کھانے پینے کی خواہش پھر عود کر آئے گی۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لفظ طہور مطہر کے معنی میں ہے یعنی پاک کرنے والی چیز اس کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے جو حضرت ابوقلابہؒ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ کھایا ہوگا یہ شراب اندر جا کر مشک کی طرح باہر آ جائے گی جس کی وجہ سے پیٹ خالی ہو جائیں گے۔

اِنَّا نَحْنُ تَاكِيدٌ لِاِسْمِ اِنَّ اَوْ فَصْلٌ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿٢٣﴾ خَبَرُ اِنَّ اَيْ فَصَّلْنَاهُ وَلَمْ نُنَزِّلْهُ جُمْلَةً وَاحِدَةً فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِتَبْلِيغِ رِسَالَتِهِ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اَيِ الْكُفَّارِ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿٢٤﴾ اَيْ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدَ بْنَ الْمُغِيْرَةِ قَالَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ عَنْ هٰذَا الْاَمْرِ وَيَجُوْزُ اَنْ يُّرَادَ كُلُّ اٰثِمٍ وَكَافِرٍ اَيْ لَا تُطِعْ اَحَدَهُمَا اَيًّا فِيْمَا دَعَاكَ اِلَيْهِ مِنْ اِثْمٍ اَوْ كُفْرٍ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ فِي الصَّلٰوةِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٢٥﴾ يَعْنِي الْفَجْرَ وَالظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ يَعْنِي الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿٢٦﴾ صَلِّ التَّطَوُّعَ فِيْهِ كَمَا تَقَدَّمَ مِنْ ثُلُثَيْهِ اَوْ نِصْفِهٖ اَوْ ثُلُثِهٖ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ الدُّنْيَا يَخْتَارُوْنَ عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿٢٧﴾ شَدِيْدًا اَيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَعْمَلُوْنَ لَهٗ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ قَوَّيْنَا اَسْرَهُمْ اَعْضَائَهُمْ وَمَفَاصِلَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ جَعَلْنَا اَمْثَالَهُمْ فِي الْخِلْقَةِ بَدَلًا مِنْهُمْ بِاَنْ نُّهْلِكَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿٢٨﴾ تَاكِيدٌ وَوَقَعَتْ اِذَا مَوْقِعَ اِنْ نَحْوَ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ لِاَنَّهٗ تَعَالٰى لَمْ يَشَاْ ذٰلِكَ وَاِذَا لِمَا يَقَعُ اِنَّ هٰذِهٖ السُّوْرَةَ تَذْكِرَةٌ عِظَةٌ لِّلْخَلْقِ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٢٩﴾ بِالطَّاعَةِ وَمَا تَشَآءُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ اِتِّخَاذَ السَّبِيْلِ بِالطَّاعَةِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ حَكِيْمًا ﴿٣٠﴾ فِيْ فِعْلِهٖ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ جَنَّتِهٖ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالظّٰلِمِيْنَ نَاصِبُهٗ فِعْلٌ مُقَدَّرٌ اَيْ اَعَدَّ يُفَسِّرُهٗ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣١﴾ مُؤْلِمًا وَهُمُ الْكٰفِرُوْنَ

ترجمہ: ہم نے (نحن اسم کی تاکید ہے یا ضمیر فصل) آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے (ان کی خبر ہے۔ یعنی الگ الگ کر کے ہم نے اتارا ہے (ایک دم نہیں اتار دیا) سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (تبلیغ رسالت پر) جمے رہئے اور ان (کفار) میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے (یعنی عتبہ بن ربیعہ، اور ولید بن مغیرہ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ اس کام کو چھوڑ دیجئے اور فاسق و کافر بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ یعنی آپ کسی کا بھی کہنا نہ مانیے۔ وہ کسی برائی کی طرف بلائے یا کفر کی طرف اور (نماز میں) اپنے رب کا نام لیا کیجئے۔ صبح شام (فجر، ظہر، عصر میں) اور کسی قدر رات کے حصہ میں اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی مغرب و عشاء میں) اور

رات کے بڑے حصے میں تسبیح وتقدیس کیا کیجئے (نوافل پڑھا کیجئے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے یعنی دوتہائی رات یا آدھی رات یا تہائی رات) یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں (آخرت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیتے ہیں) اور اپنے آگے آنے والے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (جو نہایت سخت یعنی قیامت کا دن ہے اس کے لئے کوئی عمل نہیں کرتے) ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے (اعضاء اور جوڑ) اور جب ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ (تن وتوش میں ان کی بجائے لے آئیں ان کو ہلاک کر کے) بدل دیں (یہ تاکید ہے۔ اور ان کی بجائے اذا آیا ہے۔ چنانچہ ان یشا یذھبکم آیا ہے۔ کیونکہ اللہ نے یہ نہیں چاہا۔ اور اذا واقع ہونے والی بات کے لئے آتا ہے) یہ (سورت) نصیحت ہے (مخلوق کے لئے وعظ ہے) سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف (اطاعت) کا رستہ اختیار کر لے اور تم کوئی چیز چاہ نہیں سکتے (تا اور یا کے ساتھ ہے۔ فرمانبرداری کا راستہ اپنانا) بدوں اللہ کے چاہے۔ اللہ (اپنی مخلوق کے متعلق) بڑا علم والا (اپنے کام میں) بڑی حکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دے (یعنی جنت میں، مراد مومنین ہیں) اور ظالموں کے لئے (اس کا ناصب فعل مقدر ہے یعنی اعد جس کی تفسیر آگے ہے) اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (تکلیف دہ ظالم سے کافر مراد ہیں۔)



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: جُمْلَةً وَّاحِدَةً: اکٹھا۔ قرآن کو تھوڑا تھوڑا اتارنے کی حکمت بتلائی۔

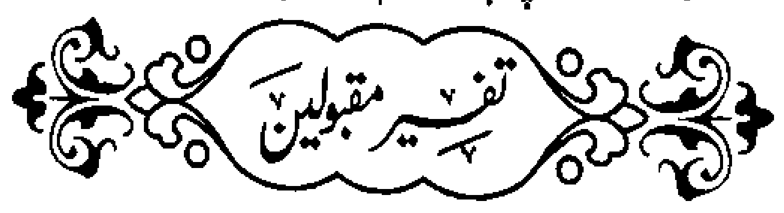
قولہ: لَا تُطِعْ: ہر دینے والا الغالی فی الکفر ہے۔

قولہ: مِنَ الَّيْلِ: بعض رات کا حصہ۔

قولہ: وَرَآءَهُمْ: یہ امام کے معنیٰ میں یا خلف کے معنیٰ میں ہے۔

قولہ: مَفَاصِلَهُمْ: اعصاب وجوڑ۔

قولہ: اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ: یعنی اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے بغیر تم کچھ نہیں چاہ سکتے۔



تفسیر مقبولین

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾

اہل جنت کے انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد اس انعام عظیم کا تذکرہ فرمایا جو دنیا میں رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا جس کے ذریعے آخرت میں انعامات ملیں گے، یہ انعام قرآن کریم کی تنزیل ہے تنزیل تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اول سے آخر تک بیک وقت پورا نازل نہیں فرمایا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔ اس میں آپ

کے لیے بھی آسانی ہوگئی اور حضرات صحابہؓ کے لیے بھی تھوڑا تھوڑا کر کے یاد بھی ہوگیا اور جیسے جیسے نازل ہوتا رہا آپ مخاطبین کو پہنچاتے رہے چونکہ قرآن کے پہنچانے پر دشمن تکلیف پہنچاتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (کہ اپنے رب کے حکم کی ادائیگی میں صبر کے ساتھ لگے رہیے)۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿٢٤﴾

تاکہ آپ ﷺ کا دل مضبوط رہے اور لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے نیک و بد کو سمجھ لیں۔ اور معلوم کرلیں کہ جنت کن اعمال کی بدولت ملتی ہے۔ اگر اس طرح سمجھانے پر بھی نہ مانیں اور اپنی ضد و عناد ہی پر قائم رہیں تو آپ ﷺ اپنے پروردگار کے حکم پر برابر جمے رہیے۔ اور آخری فیصلہ کا انتظار کیجیے۔

عتبہ اور ولید وغیرہ کفار قریش آپ ﷺ کو دنیاوی لالچ دے کر اور چکنی چپڑی باتیں بنا کر چاہتے تھے کہ فرض تبلیغ و دعوت سے باز رکھیں۔ اللہ نے متنبہ فرمادیا۔ کہ آپ ﷺ ان میں سے کسی کی بات نہ مانیں۔ کیونکہ کسی گنہگار فاسق یا ناشکر کافر کا کہنا ماننے سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ ایسے شریروں اور بدبختوں کی بات پر کان دھرنا نہیں چاہیے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿٢٨﴾

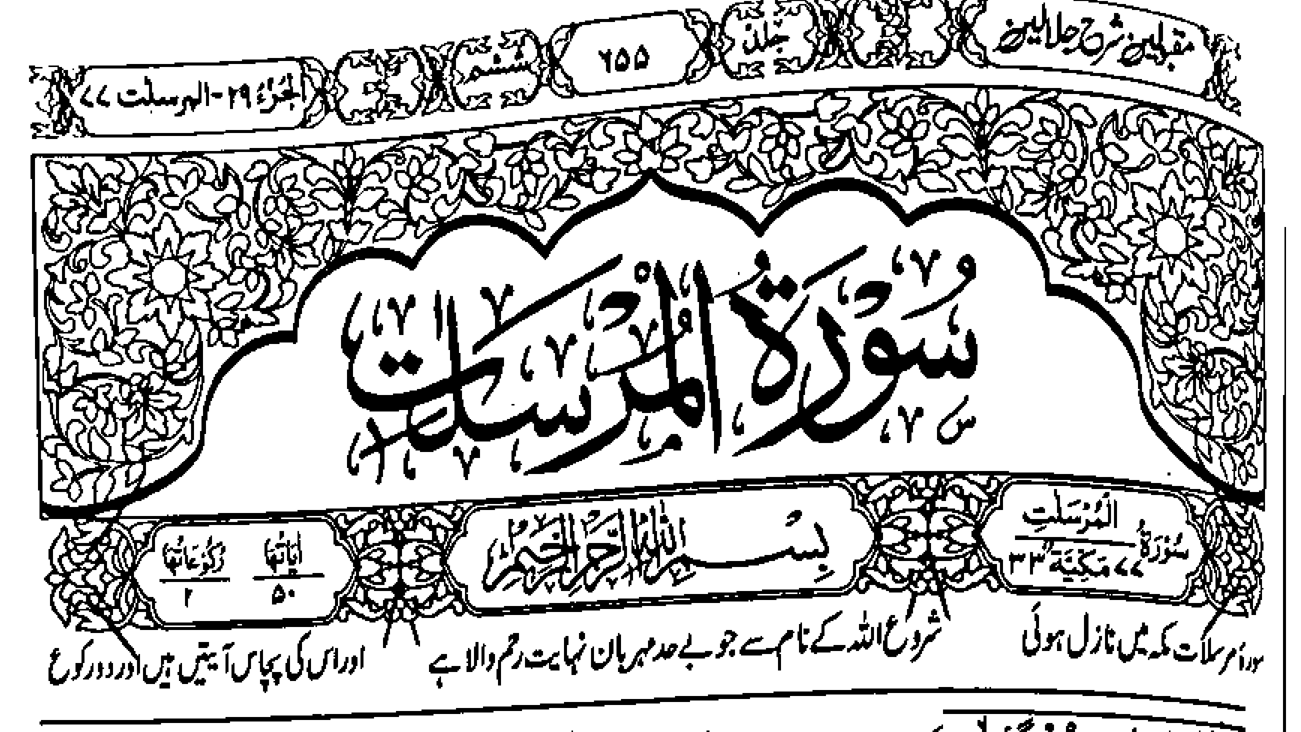
جو لوگ قیامت کے دن زندہ ہوکر اٹھنے پر تعجب کرتے تھے اور وقوع قیامت کے منکر تھے انکے استعجاب اور انکار کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ (ہم ہی نے انکو پیدا کیا اور ہم ہی نے انکے جوڑ بند مضبوط کیے)۔

وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿٢٨﴾ (اور ہم جب چاہیں ان کے جیسے لوگ بدل دیں) یعنی ان کی جگہ ان جیسے لوگ پیدا کردیں۔ جس ذات پاک نے اولاً پیدا کیا مضبوط بنایا وہ تمہاری جگہ دوسرے لوگ پیدا فرما سکتا ہے اور وہ تمہیں موت دے کر دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔

وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ جو فرمایا (کہ ہم نے ان کے جوڑ مضبوط کیے) اس میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا بیان ہے کہ گوشت اور ہڈی اور کھال سے جو اعضاء بنے ہوئے ہیں یہ رات دن حرکت میں رہتے ہیں اٹھنے بیٹھنے میں مڑتے ہیں، کام کاج میں رگڑے جاتے ہیں لیکن نرم اور نازک ہوتے ہوئے نہ گھستے ہیں نہ ٹوٹتے ہیں جبکہ لوہے کی مشینیں بھی گھس جاتی ہیں اور بار بار پرزے بدلنے پڑتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ انسانی اعضاء بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کام کرتے رہتے ہیں۔

رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تم سے ہر شخص کے جوڑوں کی طرف سے صدقہ کرنا واجب ہوجاتا ہے سو ہر سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر الحمد للہ کہنا صدقہ ہے اور ہر لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے اور نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور دو رکعتیں چاشت کی پڑھ لی جائیں تو وہ اس سب کے بدلہ کا کام دے جاتی ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ہر انسان تین سو ساٹھ (٣٦٠) جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے سو جس نے اللہ اکبر کہا اور الحمد للہ کہا اور لا الٰہ الا اللہ کہا اور سبحان اللہ کہا اور اللہ سے مغفرت طلب کی اور لوگوں کے راستہ سے پتھر کا نٹا ہڈی کو ہٹادیا یا امر بالمعروف کیا یا نہی عن المنکر کیا اور ان چیزوں کی تعداد تین سو ساٹھ ہوگئی تو وہ اس دن اس حال میں چلے پھرے گا کہ اپنی جان کو دوزخ سے بچا چکا ہوگا۔ (رواہ مسلم)



سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ ۷۷ مَكِّيَّة ۳۳ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۵۰ — رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۂ مرسلات مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی پچاس آیتیں ہیں اور دو رکوع

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۱ اَيِ الرِّيَاحُ مُتَتَابِعَةً كَعُرْفِ الْفَرَسِ يَتْلُوْ بَعْضُهُ بَعْضًا وَنَصَبُهُ عَلَى الْحَالِ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۲ اَلرِّيَاحُ الشَّدِيْدَةُ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝۳ اَلرِّيَاحُ تُنْشِرُ الْمَطَرَ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝۴ اَيْ اٰيَاتُ الْقُرْاٰنِ تُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝۵ اَيِ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِلُ بِالْوَحْيِ اِلَى الْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ يُلْقُوْنَ الْوَحْيَ اِلَى الْاُمَمِ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝۶ اَيْ لِلْاِعْذَارِ وَلِلْاِنْذَارِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ ذَالِ نُذُرًا وَقُرِئَ بِضَمِّ ذَالِ عُذُرًا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ مِنَ الْبَعْثِ وَالْعَذَابِ لَوَاقِعٌ ۝۷ كَائِنٌ لَا مَحَالَةَ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝۸ مُحِيَ نُوْرُهَا وَاِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۝۹ شُقَّتْ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝۱۰ فُتِّتَتْ وَسُيِّرَتْ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝۱۱ بِالْوَاوِ وَبِالْهَمْزَةِ بَدَلًا مِنْهَا اَيْ جُمِعَتْ لِوَقْتٍ لِاَيِّ يَوْمٍ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ اُجِّلَتْ ۝۱۲ لِلشَّهَادَةِ عَلٰى اُمَمِهِمْ بِالتَّبْلِيْغِ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝۱۳ بَيْنَ الْخَلْقِ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابُ اِذَا اَيْ وَقَعَ الْفَصْلُ بَيْنَ الْخَلَائِقِ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝۱۴ تَهْوِيْلٌ لِشَانِهٖ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۵ ذَا وَعِيْدٌ لَهُمْ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۶ بِتَكْذِيْبِهِمْ اَيْ اَهْلَكْنَاهُمْ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۷ مِمَّنْ كَذَّبُوْا كَكُفَّارِ مَكَّةَ فَنُهْلِكُهُمْ كَذٰلِكَ مِثْلَ فِعْلِنَا بِالْمُكَذِّبِيْنَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۸ بِكُلِّ مَنْ اَجْرَمَ فِيْمَا يُسْتَقْبَلُ فَنُهْلِكُهُمْ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۹ تَاكِيْدٌ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ ۝۲۰ ضَعِيْفٍ وَهُوَ الْمَنِيُّ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝۲۱ حَرِيْزٍ وَهُوَ الرَّحِمُ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۲ وَهُوَ وَقْتُ الْوِلَادَةِ فَقَدَرْنَا عَلٰى ذٰلِكَ فَنِعْمَ

الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ نَحْنُ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ مَصْدَرُ كَفَتَ بِمَعْنٰى

ضَمَّ اَيْ ضَامَّةً اَحْيَآءً عَلٰى ظَهْرِهَا وَّ اَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ فِيْ بَطْنِهَا وَّ جَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ جِبَالًا

مُّرْتَفِعَاتٍ وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ عَذْبًا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَ يُقَالُ لِلْمُكَذِّبِيْنَ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ هُوَ

دُخَانُ جَهَنَّمَ اِذَا ارْتَفَعَ افْتَرَقَ ثَلَاثَ فِرَقٍ لِعَظْمَتِهٖ لَّا ظَلِيْلٍ كَنِيْنٍ يُظِلُّهُمْ مِنْ حَرِّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَّ لَا

يُغْنِيْ يَرُدُّ عَنْهُمْ شَيْئًا مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ لِلنَّارِ اِنَّهَا اَيِ النَّارُ تَرْمِيْ بِشَرَرٍ هُوَ مَا تَطَايَرَ مِنْهَا

كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ مِنَ الْبِنَاءِ فِيْ عِظَمِهٖ وَارْتِفَاعِهٖ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ جَمْعُ جِمَالَةٍ جَمْعُ جَمَلٍ وَّ فِيْ قِرَاءَةٍ

جِمَالَةٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ فِيْ هَيْئَتِهَا وَلَوْنِهَا وَفِي الْحَدِيْثِ شِرَارُ جَهَنَّمَ اَسْوَدُ كَالْقِيْرِ وَالْعَرَبُ تُسَمِّيْ سُوْدَ الْاِبِلِ

صُفْرًا لِشَوْبِ سَوَادِهَا بِصُفْرَةٍ فَقِيْلَ صُفْرٌ فِي الْاٰيَةِ بِمَعْنٰى سُوْدٍ لِمَا ذُكِرَ وَقِيْلَ لَا وَالشَّرَرُ جَمْعُ شَرَرَةٍ

وَالشِّرَارُ جَمْعُ شِرَارَةٍ وَالْقِيْرُ الْقَارُ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا اَيْ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَوْمُ لَا

يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ فِيْهِ بِشَيْءٍ وَّ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فِي الْعُذْرِ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ عَطْفٌ عَلٰى يُؤْذَنُ مِنْ غَيْرِ تَسَبُّبٍ

عَنْهُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِيْ حَيِّزِ النَّفْيِ اَيْ لَا اِذْنَ فَلَا اِعْتِذَارَ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ

جَمَعْنٰكُمْ اَيُّهَا الْمُكَذِّبُوْنَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ قَبْلَكُمْ فَتُحَاسَبُوْنَ وَتُعَذَّبُوْنَ

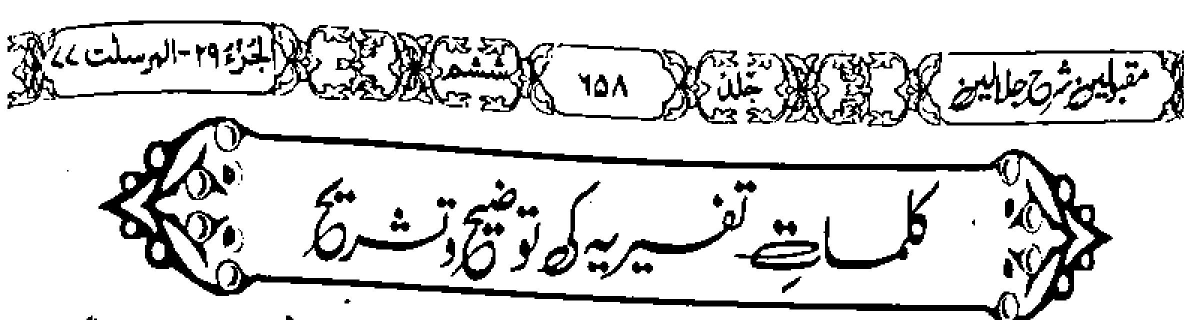
جَمِيْعًا فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ حِيْلَةٌ فِيْ دَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ فَافْعَلُوْهَا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

ترجمہ: قسم ہے ان ہواؤں کی جو آگے پیچھے بھیجی جاتی ہیں (مسلسل جیسے گھوڑے ایک دوسرے کے پیچھے لائن لگائے ہوئے ہیں۔ عرفاً حال کی وجہ سے منصوب ہے) پھر ان ہواؤں کی جو تیزی سے چلتی ہیں (آندھی بن کر) اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں (بارش کو منتشر کرتی ہیں) پھر ان آیات کی قسم جو فیصلہ کن ہوتی ہیں (قرآنی آیات جو حق و باطل، حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی ہیں) پھر ان فرشتوں کی جو پیغام وحی لانے والے ہیں (یعنی جو فرشتے انبیاء و رسل کے پاس وحی لاتے ہیں کہ وہ اپنی امتوں کو پہنچائیں) توبہ کے لئے یاد کرانے کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف عذر قبول کرنے کے لئے اور ڈرانے کے لئے اور ایک قرأت میں نذرا

اور عذرا ضمہ ذال کے ساتھ ہے) کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (مکہ کے کافرو! دوبارہ زندہ ہونے اور عذاب کی نسبت) وہ ضرور ہونے والی ہے (لامحالہ) سو جب ستارے بے نور (گل) ہو جائیں گے اور جب سب پیغمبر مقررہ وقت پر جمع کئے جائیں گے (اقتت واو کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے ساتھ جو واؤ سے بدلا ہوا ہے یعنی بروقت جمع ہوں گے) کس دن کے لئے (بڑے ہی دن کے لئے) پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے (امتوں کو تبلیغ کرنے کے سلسلہ میں گواہی کے لئے) فیصلہ کے دن کے لئے (مخلوق کے درمیان اس سے اذا کا جواب نکل آتا ہے یعنی مخلوق کا فیصلہ ہو کر رہے گا) اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے (قابلِ ہیبت ہے) اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

یہ (قیامت کا روز) وہ ہوگا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے (کچھ بھی) اور نہ ان کو اجازت ہوگی (عذر کی) سو معذرت بھی نہ کر سکیں گے (یؤذن پر عطف ہو رہا ہے بغیر سبب میں شرکت کے۔ اس لئے یہ نفی ہی میں داخل رہے گا۔ یعنی نہ ان کو اجازت ہوگی اور نہ وہ عذر کر سکیں گے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ یہ ہے فیصلہ کا دن۔ ہم نے تم کو (اے اس امت کے جھٹلانے والو) اور اگلوں کو جمع کر لیا ہے (تم سے پہلے جھٹلانے والوں کو پس تم سب کا حساب کتاب بھی ہوگا اور عذاب بھی ایک ساتھ) سو اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو (اپنے سے عذاب دفع کرنے کا حیلہ) تو مجھ پر تدبیر چلا لو (یعنی ضرور کر ڈالو) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ پرہیزگار لوگ سایوں میں (گھنے درختوں میں۔ کیونکہ وہاں سورج یا دھوپ تو ہوگی نہیں کہ اس کی گرمی سے بچاؤ کے لئے سایہ حاصل کیا جائے) اور پانی کے بہتے) چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے (اس میں اشارہ ہے کہ جنت میں کھانا پینا سب کی خواہشات کے مطابق ہوگا برخلاف دنیا کے جو اکثر لوگوں کی رعایت سے ہوتا ہے اور ان سے کہہ دیا جائے گا) خوب مزے سے کھاؤ پیو (حال ہے یعنی خوشی بخوشی) اپنے (نیک) اعمال کے صلہ میں۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسا ہم نے ان متقیوں کو دیا ہے) اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔ تم کھالو برت لو (دنیا میں کافروں کو خطاب ہے) تھوڑے دن اور (بس مرنے تک اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) تم پاپی ہو۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو (نماز پڑھو) تو نہیں جھکتے (نماز نہیں پڑھتے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تو پھر اس (قرآن) کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے (قرآن کو جھٹلا کر پھر دوسری کتابوں پر کس طرح ایمان لایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جو شانِ اعجازی اس میں ہے اوروں میں نہیں ہے)۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله :مُتَتَابِعَةً :عرف پے در پے کے معنی میں ہے۔ یہ معروف کے معنی میں نہیں۔ عُرْفِ الْفَرَسِ سے لیا گیا۔ گھوڑے کی گردن کے بال۔

قوله : عُذْرًا اَوْ نُذْرًا :یہ دونوں مصدر ہیں۔ جب برائی کو مٹادے اور خوف زدہ ہو۔

قوله :نذر :جمع نذیر بمعنی انذار اور ڈراوہ۔

قوله :عذر :جمع عذیر بمعنی معذرت۔

قوله :فُتِتُ :اپنی جگہ سے اکھاڑا جائے۔

قوله :لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ :استفہام تعجبی ہے۔

قوله : مَآ اَدْرٰىكَ :تجھے حقیقت کا علم ہے۔ مگر ہم جیسا نہیں۔

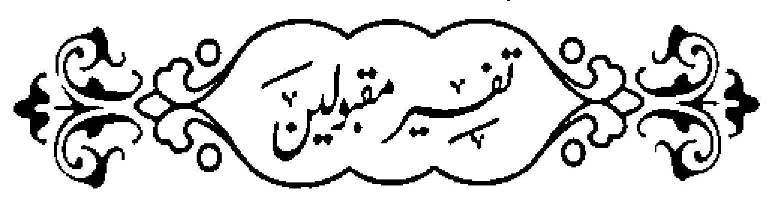
قوله : كِفَاتًا :یہ مصدر ہے، مبالغہ کے طور پر صفت کے لیے آیا ہے۔

قوله : اَمْوَاتًا :یہ مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہیں۔

قوله : اَسْقَيْنٰكُمْ :چشموں اور دریاؤں کی وجہ سے۔

قوله : كَالْقَصْرِ یہ :یہ چنگاری محل جیسی بڑی۔

قوله :لَوْنُهَا :اور رنگت اونٹوں کی سیاہی کی طرح۔



تفسیر مقبولین

سورۃ المرسلات مکیہ ہے اور دیگر مکی سورتوں کی طرح یہ بھی عقیدہ توحید آخرت اور بعث بعد الموت جیسے مضامین کی تحقیق وتفصیل پر مشتمل ہے اسکے دو رکوع اور پچاس آیات ہیں۔

سورت کی ابتداء ملائکہ اور چلنے والی ہواؤں کی قسم سے کی گئی اور فرشتوں میں ان کا ذکر فرمایا جو مختلف انواع واقسام کے تکوینی امور پر مامور ہیں مضمون مقسوم علیہ قیامت کا وقوع ہے جس کو: "انما توعدون" "لواقع" کے عنوان سے بیان فرمایا گیا اسی کے ساتھ یہ بیان کیا گیا کہ قیامت کے وقوع پر کائنات عالم کا نظام کس طرح درہم برہم کردیا جائے گا اگرچہ اسکو اجمالا بیان فرمایا اثبات قیامت کے مضمون کے ساتھ توحید خداوندی اور اسکے دلائل ذکر کئے گئے اور دلائل قدرت اور توحید رب العالمین سے اعراض و بے رخی کرنے والوں پر وعید کا سلسلہ بیان اخیر سورت تک جاری رکھا گیا اور یہ کہ قیامت کے روز انکا حال نہایت ہی برا ہوگا ان مجرمین کی ذلت کی کوئی حد نہ ہوگی اور حقارت ونفرت کے ساتھ انکو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا یہ کہتے

ہوئے کہ دیکھ لو یہ ہے وہ جہنم جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

اختتام سورت پر ان اعمال اور بدترین خصلتوں کا بھی ذکر فرمادیا گیا جو کفار کی فطرت میں رچی ہوئی تھیں اور یہ بھی واضح کردیا گیا کہ کافروں کو دنیوی نعمتوں کو دیکھ کر کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے یہ تو خدا کی طرف سے انکو ڈھیل دی جارہی ہے اور ایک طرح کا امتحان ہے اس لئے اہم ایمان اور حق پرست لوگوں کو کسی قسم کے شبہ میں نہ پڑنا چاہئے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے اچانک سورۃ مرسلات نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اس کو پڑھتے جاتے تھے اور میں آپ کے مبارک منہ سے اس کو سنتا یاد کرتا جاتا تھا، آپ کا دہن مبارک اس سورۃ کی حلاوت سے رطب (شاداب) ہورہا تھا اچانک ایک سانپ نے ہم پر حملہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا، ہم اس کی طرف جھپٹے وہ نکل بھاگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ رہے وہ بھی تمہارے شر سے محفوظ ہوگیا۔ (ابن کثیر)

اس سورت میں حق تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسمیں کھا کر قیامت کے یقینی طور پر آنے کا ذکر فرمایا ہے، ان چیزوں کا نام قرآن میں بیان نہیں کیا گیا البتہ ان کی اس جگہ پانچ صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ مرسلات، عاصفات، ناشرات، فارقات، ملقیت الذکر کسی حدیث مرفوع میں اس کی پوری تعیین نہیں آئی کہ ان صفات کے موصوفات کیا ہیں اس لئے صحابہ وتابعین کی تفسیریں اس معاملے میں مختلف ہوگئیں۔

بعض حضرات نے ان پانچوں صفات کا موصوف فرشتوں کو قرار دیا ہے اور یہ کہ ہوسکتا ہے کہ فرشتوں کی مختلف جماعتیں ان مختلف صفات کی حامل ہوں۔ بعض حضرات نے ان صفات کا موصوف ہواؤں کو قرار دیا ہے وہ بھی مختلف اقسام اور نوعیت کی ہوتی ہیں، اس لئے یہ صفات مختلفہ ان میں ہوسکتی ہیں۔ بعض حضرات نے ان کا موصوف خود انبیاء ورسل کو قرار دیا ہے۔ ابن جریر طبری نے اسی لئے اس معاملے میں توقف نے ان کا موصوف خود انبیاء ورسل کو قرار دیا ہے۔ ابن جریر طبری نے اسی لئے اس معاملے میں توقف اور سکوت کو اسلم قرار دیا کہ احتمال دونوں ہیں ہم اپنی طرف سے کسی کو متعین نہیں کرتے۔

اور اس میں شبہ نہیں کہ جو پانچ صفات اس جگہ ذکر کی گئی ہیں ان میں سے بعض تو ملائکۃ اللہ پر زیادہ چسپاں اور ان کے مناسب ہیں ان کو ریاح کی صفت بنائیں تو کھینچ تان اور تاویل کرنا پڑتی ہے اور بعض صفات ایسی ہیں جو ریاح یعنی ہواؤں پر زیادہ چسپاں اور واضح ہیں ان کو فرشتوں کی صفت بنائیں تو تاویل کے بغیر نہیں بنتیں۔ اس لئے اس مقام میں بہتر فیصلہ ابن کثیر کا معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ شروع کی تین صفات ہواؤں کی صفتیں ہیں ان تین میں ریاح اور ہواؤں کی قسم ہوگئی باقی آخری دو صفتیں یہ فرشتوں کی صفات ہیں تو یہ فرشتوں کی قسم ہوگئی۔

ابن کثیر کے اختیار کے مطابق معنی ان آیتوں کے یہ ہوگئے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو بھیجی جاتی ہیں۔ عرفا، یہاں عرفا کا مفہوم وہ بھی ہوسکتا ہے جو خلاصہ تفسیر میں اوپر مذکور ہوا یعنی جود وسخا اور نفع رسانی۔ جو ہوائیں بارش لے کر آتی ہیں ان کی جود وسخا اور نفع رسانی ظاہر ہے اور دوسرے معنے عرفا کے متتابع یعنی پے در پے کے بھی آتے ہیں۔ یہ معنے لئے جاویں تو مراد وہ

ہوائیں ہوں گی جو بادل اور بارش کو لئے ہوئے مسلسل اور متتابع چلتی ہیں اور عاصفات عصف سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ہوا کے تیز چلنے کے ہیں اس سے مراد وہ آندھیاں اور تیز ہوائیں ہیں جو بعض اوقات دنیا میں آیا کرتی ہیں اور ناشرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بارش ختم ہونے کے بعد بادل کو پھاڑ کر منتشر کر دیتی ہیں اور فارقات، یہ صفت فرشتوں کی ہے جو وحی الٰہی نازل کر کے حق و باطل میں فرق واضح کر دیتے ہیں اور ملقیات ذکرا بھی فرشتوں کی صفت ہے اور ذکر سے مراد قرآن یا مطلق وحی ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو بذریعہ وحی حق و باطل میں فرق اور امتیاز واضح کر دیتے ہیں اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو انبیاء علیہم السلام پر ذکر یعنی وحی اور قرآن کا القاء کرتے ہیں۔ اس طرح کسی صفت میں تاویل اور کھینچ تان کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

رہا یہ سوال کہ اس تفسیر کی بناء پر پہلے ہواؤں کی مختلف اقسام کی قسم کھائی گئی پھر فرشتوں کی، ان دونوں میں ربط اور جوڑ کیا ہے سو کلام الٰہی کی حکمتوں کا احاطہ تو کوئی کر نہیں سکتا، یہ مناسبت بھی ہوسکتی ہے کہ ہواؤں کی دونوں قسمیں بارش والی نفع بخش اور سخت آندھیاں مضرت رساں یہ سب محسوسات میں سے ہیں ہر شخص ان کو پہچانتا ہے پہلے غور وفکر کے لئے انسان کے سامنے ان کو لایا گیا، اس کے بعد فرشتوں اور وحی کو پیش کیا گیا جو محسوس نہیں مگر ذرا سے غور وفکر کرنے پر ان کا یقین ہوسکتا ہے۔

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝ یہ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝ سے متعلق ہے کہ یہ ذکر اور وحی انبیاء علیہم السلام پر اس لئے نازل کی جائے گی کہ وہ اہل حق مؤمنین کے لئے ان کی کوتاہیوں سے معذرت کا سبب بنے اور اہل باطل کفار کے لئے نذیر اور عذاب سے ڈرانے والا ثابت ہو۔

ہواؤں یا فرشتوں یا دونوں کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِع یعنی تم سے جس قیامت اور حساب و کتاب اجزاء وسزا کا وعدہ بذریعہ انبیاء کیا جارہا ہے وہ ضرور پورا اور واقع ہو کر رہے گا۔ آگے اس کے واقع ہونے کے وقت کے چند حالات کا ذکر ہے اول یہ کہ سب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ جس کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ یہ سب بالکلیہ فنا ہی ہوجاویں، یا یہ کہ موجود رہیں مگر ان کا نور سلب ہو جائے، اس طرح پوری دنیا ایک انتہائی سخت اندھیری میں غرق ہو جائے گی۔ دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ آسمان پھٹ جائیں گے۔ تیسرا یہ کہ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں۔ چوتھا حال یہ بتلایا گیا: وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ. اقتت، توقیت سے مشتق ہے جس کے اصلی معنے تعیین وقت اور تحدید وقت کے ہیں اور بقول زمخشری کبھی اس کے معنے کسی مقررہ وقت پر پہنچ جانے کے بھی آتے ہیں (کما فی الروح) اس جگہ یہی دوسرے معنے مناسب ہیں اور معنے آیت کے یہ ہوں گے کہ انبیاء و رسل کے لئے جو میعاد اور وقت مقرر کیا گیا تھا کہ اس میں اپنی اپنی امتوں کے معاملے میں شہادت کے لئے حاضر ہوا اس میعاد کو پہنچ گئے اور ان کی حاضری کا وقت آ گیا۔ اسی لئے خلاصہ تفسیر مذکور میں اس کا ترجمہ انبیاء کے جمع کرنے کے ساتھ کیا گیا۔ آگے قیامت کے دن کے عظیم اور ہولناک ہونے کا بیان ہے کہ وہ فیصلہ کا دن ہے جس میں مکذبین اور کفار کے لئے تباہی بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

ویل کے معنے ہلاکت و بربادی کے ہیں اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں اہل جہنم کے زخموں کی پیپ جمع ہوگی یہ جگہ مکذبین کے رہنے کی قرار دی جاوے گی۔ اس کے بعد موجودہ لوگوں کو پچھلی امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کے لئے فرمایا: اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝ یعنی کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ان کے کفر وعناد کی وجہ سے ہلاک نہیں کر دیا۔ قوم عاد وثمود اور قوم لوط قوم فرعون وغیرہ کی طرف اشارہ ہے اور ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ مشہور معروف قرات کے مطابق بسکون عین عطف ہے نهلك پر جس کے معنے یہ ہیں کیا ہم نے اولین کے بعد آخرین کو بھی ان کے پیچھے ہلاک نہیں کر دیا، اس لئے آخرین سے مراد بھی پچھلی امتوں ہی کے آخرین ہوں گے جن کی ہلاکت نزول قرآن سے پہلے واقع ہو چکی ہے اور دوسری ایک قراءت میں نتبعهم بضم عین بھی آیا ہے اس قراءت پر یہ جملہ الگ ہے اور آخرین سے مراد امت محمدیہ کے کفار ہیں۔ پچھلی امتوں کی ہلاکت اور عذاب کی خبر دینے کے بعد موجودہ کفار اہل مکہ کو آئندہ ان پر آنے والے عذاب کی خبر دینا مقصود ہے جیسا کہ غزدہ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر عذاب ہلاکت نازل ہوا۔

فرق یہ ہے کہ پچھلی امتوں پر آسمانی عذاب آتا تھا جس سے پوری بستیاں تباہ ہو جاتی تھیں۔ امت محمدیہ کا آنحضرت ﷺ کی وجہ سے یہ اکرام خاص ہے کہ ان کے کفار پر آسمانی عذاب نہیں آتا بلکہ ان کا عذاب مسلمانوں کی تلوار سے آتا ہے جس میں ہلاکت عام نہیں ہوتی صرف بڑے بڑے سرکش مجرم ہی مارے جاتے ہیں۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝

پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں ان سے عبرت حاصل کرو:

جب تکذیب پر عذاب میں مبتلا کیے جانے کی وعید سنائی جاتی تھی تو مکذبین ومنکرین کہتے تھے کہ یہ ایسی ہی باتیں ہیں عذاب وذاب کچھ آنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کیا دنیا میں ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا؟ اسے تو تم مانتے ہو کہ تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئی ہیں اور ان پر عذاب آیا ہم نے انہیں ہلاک کیا ان کے بعد والوں کو بھی ان کے ساتھ کر دیں گے یعنی بعد والوں کو بھی عذاب دیں گے اور ہلاک کریں گے اور ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں یعنی کافروں کے کفر پر سزا دینا طے شدہ امر ہے خواہ دنیا وآخرت دونوں میں سزا ملے خواہ صرف آخرت میں عذاب دیا جائے۔ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

جو لوگ قیامت کے منکر تھے انہیں یہی تعجب ہوتا تھا کہ دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے ان کے استعجاب کو دور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کیا ہم نے تمہیں ذلیل پانی یعنی قطرہ منی سے پیدا نہیں کیا؟ اس نطفہ کو ٹھہرنے کی محفوظ جگہ میں یعنی مادر رحم میں ٹھہرایا یعنی وقت ولادت تک اور یہ وقت ہم نے مقرر کر دیا سو ہم اچھے وقت مقرر کرنے والے ہیں، جو وقت مقرر کیا ٹھیک مقرر کیا اسی کے مطابق ہر ایک کی ولادت ہوئی۔

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝

منکرین قیامت سمجھتے تھے کہ اتنی بڑی دنیا کہاں ختم ہوتی ہے؟ بھلا کون باور کرے گا کہ سب آدمی بیک وقت مر جائیں

گے اور نسل انسانی بالکل نابود ہو جائے گی؟ یہ دوزخ اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی اور بناوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا جواب دیا کہ پہلے کتنے آدمی مر چکے اور کتنی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ کی جا چکی ہیں۔ پھر ان کے پیچھے بھی موت و ہلاکت کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ جب ہماری قدیم عادت مجرموں کی نسبت معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ دور حاضر کے کفار کو بھی ہم ان ہی اگلوں کے پیچھے چلتا کر دیں گے۔ جو ہستی الگ الگ زمانوں میں بڑے بڑے مضبوط آدمیوں کو مار سکتی اور طاقتور مجرموں کو پکڑ کر ہلاک کر سکتی ہے، وہ اس پر کیوں قادر نہ ہوگی کہ سب مخلوق کو ایک دم میں فنا کر دے۔ اور تمام مجرموں کو بیک وقت عذاب کا مزہ چکھائے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝

یعنی ہم نے زمین کو کفات بنایا ہے زندہ اور مردہ انسانوں کے لئے کفات، کفت سے مشتق ہے جس کے معنے ملانے اور جمع کر لینے کے ہیں کفات وہ چیز جو بہت سی چیزوں کو اپنے اندر جمع کرے۔ زمین کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ زندہ انسان اس کی پیٹھ پر سوار ہیں اور مردے سب اس کے پیٹ میں جمع ہیں۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝

منکرین سے خطاب ہوگا کہ ایسے سائبان کی طرف چلو جو گرمی سے نہیں بچاتا وہ بڑے بڑے انگارے پھینکتا ہے، انہیں اس دن معذرت پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

منکرین اور مکذبین جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس کی طرف چلو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے یہ لوگ دوزخ کو اور دوزخ کے عذابوں کو جھٹلاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یوں ہی کہنے کی باتیں ہیں جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے ابھی اس میں داخل نہ ہوں گے کہ دوزخ سے ایک بڑا دھواں نکلے گا دیکھنے میں سایہ کی طرح ہوگا (جس کا ترجمہ سائبان کیا گیا ہے) اس سایہ کے تین ٹکڑے ہو جائیں گے دیکھنے میں سایہ ہوگا لیکن سایہ کا کام نہ دے گا نہ اس سے کوئی ٹھنڈک حاصل ہوگی اور نہ وہ گرمی سے بچائے گا۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ کافر لوگ حساب سے فارغ ہونے تک اسی دھوئیں میں رہیں جیسا کہ مقبولان بارگاہ الٰہی عرش کے سایہ میں ہوں گے۔

یہ تو دھوئیں کا ذکر تھا جو دوزخ سے نکلے گا اس کے بعد دوزخ کے شراروں اور انگاروں کا ذکر فرمایا ارشاد فرمایا کہ جہنم ایسے ایسے انگاروں کو پھینکے گا جیسے بڑے بڑے محل یعنی مکانات ہوں اور جیسے کالے کالے اونٹ ہوں۔ کچھ انگارے بہت بڑے بڑے ہوں گے اور کچھ چھوٹے ہوں گے یہ چھوٹے بھی ایسے ہوں گے جیسے کالے کالے اونٹ (جب اس آگ کے انگارے اتنے بڑے بڑے ہوں گے تو وہ آگ کتنی بڑی ہوگی اسی سے سمجھ لیا جائے)۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِیْ ظِلٰلٍ اَیْ تَكَاثُفِ اَشْجَارٍ اِذْلَا شَمْسَ يُظِلُّ مِنْ حَرِّهَا وَّ عُيُوْنٍ ۝ نَابِغَةٍ مِنَ الْمَاءِ وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ فِيْهِ اَعْلَامٌ بِاَنَّ الْمَاكَلَ وَالْمَشْرَبَ فِی الْجَنَّةِ بِحَسْبِ شَهَوَاتِهِمْ بِخِلَافِ الدُّنْيَا فَبِحَسْبِ مَا يَجِدُ النَّاسُ فِی الْاَغْلَبِ وَيُقَالُ لَهُمْ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا حَالٌ اَیْ مُتَهَنِّئِيْنَ بِمَا

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ مِنَ الطَّاعَاتِ اِنَّا كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَا الْمُتَّقِيْنَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا خِطَابٌ لِلْكُفَّارِ فِى الدُّنْيَا قَلِيْلًا مِنَ الزَّمَانِ وَغَايَتُهُ اِلَى الْمَوْتِ وَفِىْ هٰذَا تَهْدِيْدٌ لَهُمْ اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا صَلُّوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿٤٨﴾ لَا يُصَلُّوْنَ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَبِاَىِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ اَىِ الْقُرْاٰنِ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع ۲ / ۲۲ اَىْ لَا يُمْكِنُ اِيْمَانُهُمْ بِغَيْرِهٖ مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ تَعَالٰى بَعْدَ تَكْذِيْبِهِمْ بِهٖ لِاِشْتِمَالِهٖ عَلَى الْاَعْجَازِ الَّذِىْ لَمْ يَشْتَمِلْ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ

ترجمہ: البتہ جوڈرنے والے ہیں وہ سائے میں ہیں (گھنے درختوں میں۔ کیونکہ وہاں سورج یا دھوپ تو ہوگی نہیں کہ اس کی گرمی سے بچاؤ کے لئے سایہ حاصل کیا جائے) اور پانی کے بہتے) چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے (اس میں اشارہ ہے کہ جنت میں کھانا پینا سب کی خواہشات کے مطابق ہوگا برخلاف دنیا کے جو اکثر لوگوں کی رعایت سے ہوتا ہے اور ان سے کہہ دیا جائے گا) خوب مزے سے کھاؤ پیؤ (حال ہے یعنی خوشی بخوشی) اپنے (نیک) اعمال کے صلہ میں۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسا ہم نے ان متقیوں کو دیا ہے) اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔ تم کھالو برت لو (دنیا میں کافروں کو خطاب ہے) تھوڑے دن اور (بس مرنے تک اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) تم پاپی ہو۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو (نماز پڑھو) تو نہیں جھکتے (نماز نہیں پڑھتے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تو پھر اس (قرآن) کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے (قرآن کو جھٹلا کر پھر دوسری کتابوں پر کس طرح ایمان لایا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ جو شانِ اعجازی اس میں ہے اوروں میں نہیں ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

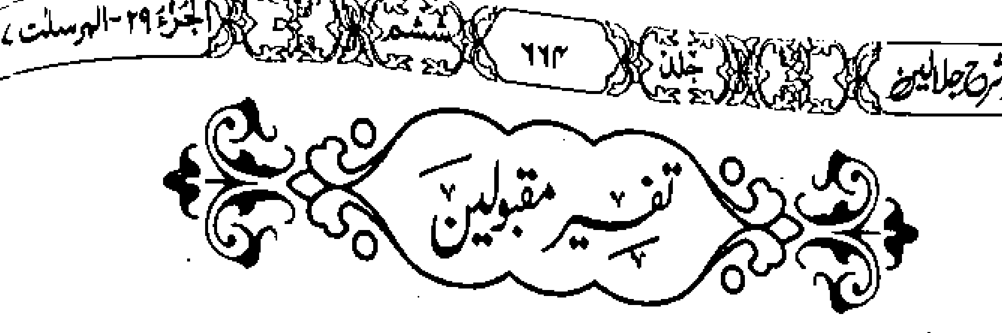
قوله :من فرط الدهشة: خوف کی کثرت سے بعض دوسرے اوقات میں بات کریں گے۔

قوله :لَا اِذْنَ: یہ اگر جواب بنائیں تو اذن نہ ہونے پر محمول کریں گے۔

قوله :يَوْمُ الْفَصْلِ: حق و باطل میں جدائی والا۔

قوله :فَكِيْدُوْنِ: ان کی تدابیر پر ان کو ڈانٹا۔

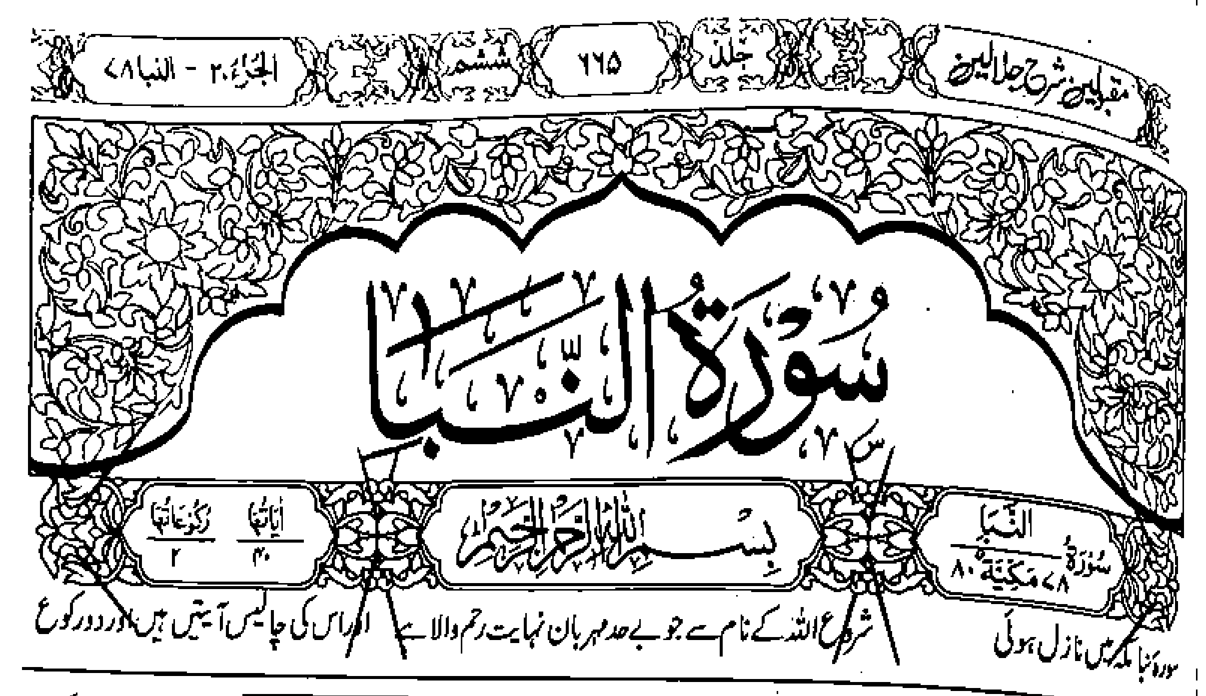
قوله :صَلُّوْا: تم نماز ادا کرو۔



اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝

متقیوں کے سایوں، چشموں اور میووں کا تذکرہ:

اوپر چونکہ بدکاروں کی سزاؤں کا بیان ہوا تھا یہاں نیک کاروں کی جزا کا بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ متقی پرہیز گار تھے اللہ کے عبادت گزار تھے فرائض اور واجبات کے پابند تھے۔ اللہ کی نافرمانیوں سے حرام کاریوں سے بچتے تھے وہ قیامت کے دن جنتوں میں ہوں گے، جہاں قسم قسم کی نہریں چل رہی ہیں۔ گنہگار سیاہ بدبودار دھوئیں میں گھرے ہوئے ہوں گے اور یہ نیک کردار جنتوں کے گھنے ٹھنڈے اور پرکیف سایوں میں بہ آرام تمام لیٹے بیٹھے ہوں گے۔ سامنے صاف شفاف چشمے اپنی پوری پوری روانی سے جاری ہیں۔ قسم قسم کے پھل میوے اور ترکاریاں موجود ہیں، جسے جب جی چاہے کھائیں، نہ روک ٹوک ہے نہ کمی اور نقصان کا اندیشہ ہے، نہ فنا ہونے اور ختم ہونے کا خطرہ ہے، پھر حوصلہ بڑھانے اور دل میں خوشی کو دوبالا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار فرمایا جاتا ہے کہ اے میرے پیارے بندو تم بہ خوشی اور بافراغت لذیذ پرکیف طعام خوب کھاؤ پیو، ہم ہر نیک کار پرہیز گار مخلص انسان کو اسی طرح بھلا بدلہ اور نیک جزا دیتے ہیں۔ ہاں جھٹلانے والوں کی تو آج بڑی خرابی ہے ان جھٹلانے والوں کو دھمکایا جاتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو تم کچھ کھا پی لو، برت برتالو، فائدے اٹھالو، عنقریب یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تم بھی موت کے گھاٹ اترو گے۔ پھر تمہارا نتیجہ جہنم ہی ہے جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ تمہاری بد اعمالیوں اور سیہ کاریوں کی سزا ہمارے پاس تیار ہے کوئی مجرم ہماری نگاہ سے باہر نہیں، قیامت کو، ہمارے نبی ﷺ کو ہماری وحی کو نہ ماننے والا اسے جھوٹا جاننے والا قیامت کے دن سخت نقصان میں اور پورے خسارے میں ہوگا۔ اسی کی سخت خرابی ہوگی۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان: ۲۴) دنیا میں ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا دیں گے پھر تو ہم انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے اور جگہ فرمان ہے: قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (یونس: ۶۹) یعنی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں یونہی سا فائدہ اٹھالیں پھر ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے، ہم انہیں ان کے کفر کی سزا میں سخت تر عذاب چکھائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ان نادان منکروں کو جب کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کے سامنے جھک تو لو، جماعت کے ساتھ نماز تو ادا کر لو تو ان سے یہ بھی نہیں ہو سکتا، اس سے بھی جی چراتے ہیں بلکہ اسے حقارت سے دیکھتے ہیں اور تکبر کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے لئے جو جھٹلانے میں عمریں گذار دیتے ہیں قیامت کے دن بڑی مصیبت ہوگی۔ پھر فرمایا جب یہ لوگ اس پاک کلام مجید پر بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر کس کلام کو مانیں گے؟ جیسے اور جگہ ہے: فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (الجاثیہ: ۶) یعنی اللہ تعالیٰ پر اور اسکی آیتوں پر جب یہ ایمان نہ لائے تو اب کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے اسے اس کے جواب میں (امنت باللہ وبما انزل) کہنا چاہئے۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔ سورۃ والمرسلات کی تفسیر ختم ہوئی۔



سورۂ نبا مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی چالیس آیتیں ہیں اور دو رکوع

عَمَّ عَنْ اَيِّ شَيْءٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ يَسْأَلُ بَعْضُ قُرَيْشٍ بَعْضًا عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ بَيَانٌ لِذٰلِكَ الشَّيْءِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِتَفْخِيْمِهٖ وَهُوَ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ فَالْمُؤْمِنُوْنَ يُثْبِتُوْنَهٗ وَالْكَافِرُوْنَ يُنْكِرُوْنَهٗ كَلَّا رَدْعٌ سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ مَا يَحِلُّ بِهِمْ عَلٰى اِنْكَارِهِمْ لَهٗ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥ تَاكِيْدٌ وَجِيْءَ فِيْهِ بِثُمَّ لِلْاِيْذَانِ بِاَنَّ الْوَعِيْدَ الثَّانِيْ اَشَدُّ مِنَ الْاَوَّلِ ثُمَّ اَوْمَأَ تَعَالٰى اِلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْبَعْثِ فَقَالَ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦ فِرَاشًا كَالْمَهْدِ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝٧ يُثَبَّتُ بِهَا الْاَرْضُ كَمَا يُثَبَّتُ الْخِيَامُ بِالْاَوْتَادِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝٨ ذُكُوْرًا وَاِنَاثًا وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝٩ رَاحَةً لِاَبْدَانِكُمْ وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝١٠ سَاتِرًا بِسَوَادِهٖ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝١١ وَقْتًا لِلْمَعَايِشِ وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا سَبْعَ سَمٰوٰتٍ شِدَادًا ۝١٢ جَمْعُ شَدِيْدَةٍ اَيْ قَوِيَّةٍ مُحْكَمَةٍ لَا يُؤَثِّرُ فِيْهَا مُرُوْرُ الزَّمَانِ وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا مُنِيْرًا وَّهَّاجًا ۝١٣ وَقَّادًا يَعْنِي الشَّمْسَ وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ السَّحَابَاتِ الَّتِيْ حَانَ لَهَا اَنْ تُمْطِرَ كَالْمُعْصِرِ الْجَارِيَةِ الَّتِيْ دَنَتْ مِنَ الْحَيْضِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝١٤ صَبَّابًا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا كَالْحِنْطَةِ وَّ نَبَاتًا ۝١٥ كَالتِّبْنِ وَّ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ اَلْفَافًا ۝١٦ مُلْتَفَّةً جَمْعُ لَفِيْفٍ كَشَرِيْفٍ وَاَشْرَافٍ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ بَيْنَ الْخَلَائِقِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝١٧ وَقْتًا لِلثَّوَابِ وَالْعِقَابِ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ الْقَرْنِ بَدَلٌ مِنْ يَوْمِ الْفَصْلِ اَوْ بَيَانٌ لَهٗ وَالنَّافِخُ اِسْرَافِيْلُ فَتَاْتُوْنَ مِنْ قُبُوْرِكُمْ اِلَى الْمَوْقِفِ اَفْوَاجًا ۝١٨ جَمَاعَاتٍ مُخْتَلِفَةً وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ شُقِّقَتْ

لِنُزُوْلِ الْمَلَائِكَةِ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝ ذَاتَ اَبْوَابٍ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ ذُهِبَ بِهَا عَنْ اَمَاكِنِهَا فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ هَبَاءً اَىْ مِثْلَهُ فِىْ خِفَّةِ سَيْرِهَا اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ رَاصِدَةً اَوْ مُرْصَدَةً لِّلطَّاغِيْنَ الْكَافِرِيْنَ فَلَا يَتَجَاوَزُوْنَهَا مَاٰبًا ۝ مَرْجِعًا لَّهُمْ فَيَدْخُلُوْنَهَا لّٰبِثِيْنَ حَالٌ مَقَدَّرَةٌ اَىْ مُقَدَّرًا لُبْثُهُمْ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝ دُهُوْرًا لَا نِهَايَةَ لَهَا جَمْعُ حُقَبٍ بِضَمِّ اَوَّلِهٖ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا نَوْمًا وَّلَا شَرَابًا ۝ مَا يُشْرَبُ تَلَذُّذًا اِلَّا لٰكِنْ حَمِيْمًا مَاءً حَارًّا غَايَةَ الْحَرَارَةِ وَّغَسَّاقًا ۝ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مَا يَسِيْلُ مِنْ صَدِيْدِ اَهْلِ النَّارِ فَاِنَّهُمْ يَذُوْقُوْنَهٗ جُوْزُوْا بِذٰلِكَ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ مُوَافِقًا لِعَمَلِهِمْ فَلَا ذَنْبَ اَعْظَمُ مِنَ الْكُفْرِ وَلَا عَذَابَ اَعْظَمُ مِنَ النَّارِ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ يَخَافُوْنَ حِسَابًا ۝ لِاِنْكَارِهِمُ الْبَعْثَ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ كِذَّابًا ۝ تَكْذِيْبًا وَ كُلَّ شَىْءٍ مِنَ الْاَعْمَالِ اَحْصَيْنٰهُ ضَبَطْنَاهُ كِتٰبًا ۝ فِى اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِنُجَازِىَ عَلَيْهِ وَ مِنْ ذٰلِكَ تَكْذِيْبُهُمْ بِالْقُرْاٰنِ فَذُوْقُوْا اَىْ فَيُقَالُ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عِنْدَ وُقُوْعِ الْعَذَابِ عَلَيْهِمْ ذُوْقُوْا جَزَاءَكُمْ فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝ فَوْقَ عَذَابِكُمْ ع

ترجمہ: یہ لوگ کس چیز کے متعلق آپس میں سوال کرتے ہیں (قریش ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں) اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں (یہ اس چیز کا بیان ہے اور استفہام اس کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے اور وہ آنحضرت ﷺ کا لایا ہوا قرآن ہے جس میں قیامت وغیرہ کا بیان ہے) جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں (مومن تو اس کو ثابت کرتے ہیں لیکن کافر انکار کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (کہ ان کے انکار پر کیا بلا نازل ہوتی ہے) پھر ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (یہ تاکید ہے اور ثم سے اشارہ ہے کہ دوسری وعید پہلی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر آگے حق تعالیٰ قیامت پر قدرت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ارشاد ہے) کیا ہم نے زمین کو فرش (مثل بستر) اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا (ان سے زمین تھم گئی جیسے خیمہ کھمبوں پر تھما ہوتا ہے۔ اس میں استفہام تقریری ہے) اور ہم ہی نے تمہیں جوڑہ جوڑہ (مرد و عورت) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت (بدن کے آرام) کی چیز بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ (اپنی اندھیری میں چھپا دینے والی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت (دھندہ کرنے کے لیے) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے (شداد، شدیدۃ کی جمع ہے یعنی نہایت طاقت ور جس پر پرانا ہونے کا کچھ اثر نہیں پڑتا) اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ (دہکتا ہوا یعنی آفتاب) بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے برسایا (جو بادل برسنے کے قریب ہوتے ہیں۔ وہ اس جوان لڑکی کی طرح ہوتے ہیں جو قریب الحیض ہو) بہت سا پانی (موسلا دھار بارش) تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ غلہ (جیسے گیہوں) اور بھوسہ (تنکے) اور گنجان باغ پیدا کریں (لپٹے ہوئے۔ لفیف کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف ہے) بے شک

فیصلہ کا دن (مخلوق کے درمیان) ایک مقررہ وقت ہے (ثواب وعذاب کے لیے) یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا (صور کے معنی سینگ کے ہیں "یوم الفصل" کا بدل یا بیان ہے اور صور پھونکنے والے اسرائیل علیہ السلام ہوں گے) پھر تم لوگ (اپنی قبروں سے موقف کی طرف) گروہ در گروہ (مختلف جتھے) ہو کر آؤ گے اور آسمان کھل جائے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے۔فرشتوں کے اترنے کے لیے پھٹ جائے گا) پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ ہٹا دیئے جائیں گے (اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے) اور ریت کی طرح ہو جائیں گے۔(غبار یعنی ہلکے پھلکے) بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے (تاک میں ہے یا کمین گاہ ہے) سرکشوں کا ٹھکانہ (کافر اس سے نکل کر جانہیں سکیں گے، اسی قرار گاہ میں گھسیں گے) جس میں وہ رہیں گے (حال مقدر ہے یعنی ان کا رہنا طے ہے) مدتوں (بے انتہا زمانہ حقب کی جمع ہے جو ضمہ اول کے ساتھ ہے) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا (جو مزے کے لیے پی جائے) بجز گرم (کھولتے ہوئے) پانی اور پیپ کے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ جو کچلہو دوزخیوں سے بہے گا وہ ان کو دیا جائے گا۔ملے گا ان کو یہ) پورا بدلہ ملیگا (جو ان کے تصوروں کے مطابق ہوگا۔چنانچہ کفر سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں اور دوزخ سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ہے) وہ لوگ حساب کا اندیشہ (خوف) نہیں رکھتے تھے (قیامت کو نہ ماننے کی وجہ سے) اور ہماری آیات (قرآن) کو خوب جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے (اعمال کی) ہر چیز کو دیکھ کر ضبط کر رکھا ہے (لوح محفوظ میں تاکہ اس پر ہم بدلہ دے سکیں، انہیں اعمال میں سے، ان کا قرآن کو جھٹلانا ہے) سو مزہ چکھو (یعنی ان سے آخرت میں ان پر عذاب ہونے کے وقت کہا جائے گا کہ اپنا بدلہ چکھو) کہ ہم تمہارے عذاب (پر عذاب) کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله :یَتَسَآءَلُ : قریش ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔جناب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے بطور استہزا سوال کرتے ہیں۔

قوله :بَیَانٌ لِذٰلِکَ :اس سے عطف بیان مراد ہے۔اس لیے کہ پہلے اسے ماسے تعبیر کیا، پھر اس کی وضاحت کر دی۔اور استفہام سے ... یہاں حقیقی نہیں بلکہ بطور کنایہ معاملے کی عظمت و بڑھائی کے لیے یہاں لاتے ہیں۔

قوله :فَالْمُؤْمِنُوْنَ : ظاہر یہ ہے کہ واؤ اور ھم کا مصداق عام ہے خواہ مؤمن ہو یا کافر۔(ک)

قوله:بِمَا یَحُلُّ بِھِمْ:نزع یا قیامت کے روز ان کے پردہ کو ہٹانے کے لیے جو کچھ ان پر اترے گا۔(ص)

قوله :بَانَ الْوَعِیْدَ :ثم یہاں استبعاد اور تراخی ؟؟ کے لیے آتا ہے۔گویا اس طرح فرمایا: باز آؤ تمہارے لیے سخت وعید ہے۔(ک)

قوله:ثُمَّ اُوْمَاتَعَالٰی : یہ بات اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے کہ تمام اجسام صفات واعراض کے قبول کرنے میں برابر قدرت رکھتے ہیں پھر بعث سے انکار کوئی معنی نہیں رکھتا اور یہاں جعل یہ ابتداء اور انشاء کے معنی میں آیا ہے، جس میں تقدیر و تسویہ

دونوں آجاتے ہیں۔(ج)

قوله : سُبَاتًا: نیند کو سبات کہا اس لیے کہ ظاہری حواس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔اس سے مراد راحت لی گئی ہے جو کہ نیند کا لازمہ ہے۔(ک)

قوله : وَقْتًا لِّلْمَعَايِشِ: یعنی اس میں وہ ان اشیاء کو حاصل کرتے ہیں جن سے وہ زندگی گزارتے ہیں۔یہ مصدر میمی ہے اور مضاف مقدر کے ساتھ یہاں بیان ظرف بنا ہے۔۲۔یہ ظرف زمان ہے۔(ک)

قوله : جَعَلْنَا: یہ خلقنا کے معنیٰ میں ہے کیونکہ وَّهَّاجًا یہ سِرَاجًا کی صفت ہے دوسرا مفعول نہیں کیونکہ مفعول اول نکرہ نہیں ہوتا۔(ک)

قوله : حَانَ لَهَا: کہ کراحصد انزرع کی طرح کے معنیٰ کو ثابت کیا۔

قوله : ثَجَّاجًا: اس کو متعدی مانا جائے تو صبابا معنیٰ ہوگا اور لازمی معنیٰ لیں تو منصبا (کثرت سے بہنے والا) کے معنیٰ میں ہوگا۔(ک۔ب)

قوله : مُلْتَفَّةً: یہ لَفِيْفٍ یالف کی جمع ہے۔

قوله : وَقْتًا: اس سے اشارہ کیا کہ میقات اس مقید وقت کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ثواب وعقاب کا وعدہ پورا ہو گا۔(ک۔خ)

قوله : شُقِّقَتْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ فتح سماء سے مراد دروازے کی طرح کھلنا نہیں بلکہ پھٹنا مراد ہے اور اذا السماء انشقت.... سے اس کی تائید ہوتی ہے۔(ص) مگر امام رازی فرماتے ہیں کہ انشقاق کو فتح ابواب سے تعبیر کر کے قدرت باری تعالیٰ کی عظمت اور سہولت کی طرف اشارہ کیا۔(ر)

قوله : هَبَاءً: کو اپنے ظاہر پر رکھنا چاہیے اور فقط سراب سے تشبیہ پر اکتفاء کرنا چاہیے۔(ک)

قوله : رَاصِدَةً أَوْ مُرْصَدَةً: اس سے اشارہ کیا مرصاد یہ مبالغہ کے اوزان سے ہے۔یہ اسم فاعل کے معنیٰ میں یا اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے۔مگر جوہری نے اسے ظرف مکان قرار دیا ہے۔(ک) یہ مِرْصَادًا یعنی انتظارگاہ ارصدت الشیء سے ہے۔

قوله : أَحْقَابًا: حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کفار کو غیر منتہی عذاب ہوگا ایک حقب کے بعد دوسرا حقب داخل ہوتا جائے گا۔ای حقب بعد حقب۔

قوله : بَرْدًا: ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اس سے مراد نیند ہے۔عرب کہتے ہیں: منع البرد البرد۔سردی نے نیند اڑادی۔یہ بنی ہذیل کی لغت ہے۔(ج)

قوله : كِتٰبًا: یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مکتوبا کے معنیٰ میں ہے۔مفسرؒ نے کتب سے اشارہ کیا کہ یہ مصدر مفعول مطلق ہے۔کیونکہ احصاء وکتابت ضبط میں شریک ہیں۔(ک)

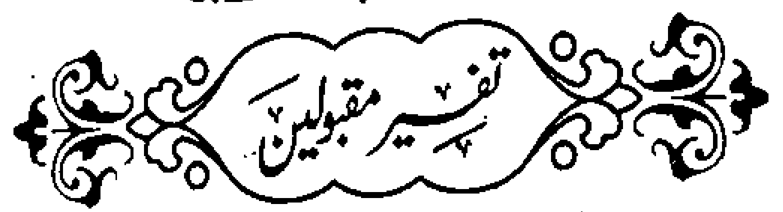
ا۔متقین سے پانچ وعدے: ا۔فوز ونجات۔۲۔بساتین جنت سے تمتع۔۳۔ہم عمر خوبصورت وسیرت حوروں سے تمتع۔۴۔خمور جنت کے جاموں کی چھینا جھپٹی۔۵۔ہر طرح کا ذاتی امن۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی دنیا و آخرت میں جلال والی صفات رب السمٰوٰت والارض وما بینھما۔ ۲۔ اور جمال والی صفت رحمت رحمان ورحیم ہونا ہے۔

۳۔ قیامت کے دن عظمت وجلال کی وجہ سے ملائکہ تک بات نہ کرسکیں گے پھر دوسروں کے احوال کا اندازہ خود کرلو۔

۴۔ قیامت کا وقوع یقینی ہے سعادت مندوہ ہے جو عمل صالح کو اپنا لے۔ ہر خیر وشر کا بدلہ ملے گا۔

۵۔ قیامت کے دن کافر مٹی یا حیوان غیر مکلف بنائے جانے کی بے سود تمنا کرے گا۔



اس سے قبل سورۃ المرسلات میں حق تعالیٰ شانہ نے بڑی ہی قوت وعظمت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ جس قیامت کا انسانوں سے وعدہ کیا گیا وہ یقیناً برپا ہو کر رہے گی، اس کے لیے خداوند عالم نے ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھا کر نہ صرف یہ کہ وقوع قیامت کا اعلان فرمایا بلکہ احوال قیامت بھی ذکر کردیئے گئے کہ جب نظام عالم درہم برہم ہوگا، تو زمین وآسمان اور چاند سورج اور کواکب کا کیا حال ہوگا، اب اس سورت میں مجرمین ومنکرین قیامت کے معاملہ میں جس گستاخی سے سوال کرتے تھے یا یہ مطالبہ کہ قیامت کب آئے گی، اور کیوں نہیں قیامت واقع ہوتی بیان کرکے ان کا رد، اور ان پر تنبیہ کی جارہی ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت اور جزاء وسزا کا قانون بھی بیان فرمایا جارہا ہے۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ لفظ عَمَّ دو حرفوں سے مرکب عن اور ما حرف ما استفہام کے لیے آتا ہے۔ اس ترکیب میں حرف ما میں سے الف ساقط کردیا گیا ہے معنے یہ ہوئے کہ یہ لوگ کس چیز میں باہمی سوال وجواب کررہے ہیں۔ پھر خود ہی اس کا جواب دیا گیا: عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ۝ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ لفظ انباء کے معنے خبر کے ہیں مگر ہر خبر کو نبا نہیں بلکہ جب کوئی عظیم الشان خبر ہو اس کو نبا کہا جاتا ہے مراد اس انبا یعنی خبر عظیم الشان سے قیامت ہے اور معنے آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ اہل مکہ اس عظیم الشان خبر یعنی قیامت کے بارے میں بحث اور سوال جواب کررہے ہیں جس میں ان کے آپس میں اختلاف ہورہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو کفار مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اس کے متعلق رائے زنی اور چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے۔ قرآن میں قیامت کا ذکر اہمیت کیساتھ آیا ہے اور ان کے نزدیک گویا یہ محال چیز تھی اس لیے اس میں گفتگو بکثرت چلتی تھی، کوئی تصدیق کرتا کوئی انکار، اس لیے اس سورت کے شروع میں انکا یہ حال ذکر کر کے آگے قیامت کا واقع ہونا مذکور ہے اور ان کے نزدیک جو اس کے واقع ہونے میں اشکال اور استبعاد تھا اس کا جواب دیا گیا اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ سوال جواب کوئی واقعی تحقیق کے لیے نہیں تھا بلکہ محض استہزاء وتمسخر کے لیے تھا واللہ اعلم، قرآن کریم نے ان کے جواب میں ایک ہی جملہ کو تاکید کے لیے دو مرتبہ فرمایا: كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝، كَلَّا کے معنی ہیں ہرگز نہیں، مراد یہ ہے کہ یہ سوال وجواب اور بحث وتحقیق سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں، وہ تو جب سامنے آوے گی

اس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔ یہ ایک ایسی یقینی چیز ہے جس میں بحث وسوال اور انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر فرمایا کہ اس کی حقیقت خود ان لوگوں پر عنقریب واضح ہو جائے گی یعنی مرنے کے بعد ان کو دوسرے عالم کی چیزوں کا انکشاف ہوگا اور وہاں کے ہولناک مناظر کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے اس وقت حقیقت کھل جائے گی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت وصنعت کے چند مناظر کا ذکر فرمایا ہے جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ اس سارے عالم کو ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پھر ویسا ہی پیدا کر دے، اس میں زمین اور اس کے پہاڑوں کی تخلیق پھر انسان کی تخلیق مرد وعورت کے جوڑے کی صورت میں بیان فرمائی پھر انسان کی راحت اور صحت اور کاروبار کے لیے سازگار حالات پیدا کرنے کا ذکر فرمایا، اس میں ایک یہ ارشاد ہے: وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا، سبات سبت سے مشتق ہے جس کے معنی مونڈنے اور قطع کرنے کے ہیں، نیند کو حق تعالیٰ نے ایسی چیز بنایا ہے کہ وہ انسان کے تمام ہموم وغموم اور افکار کو قطع کر کے اس کے قلب ودماغ کو ایسی راحت دیتی ہے کہ دنیا کی کوئی راحت اس کا بدل نہیں ہو سکتی، اس لیے سبات کا ترجمہ بعض حضرات نے راحت سے بھی کیا ہے۔

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا۝

نیند بہت بڑی نعمت ہے:

یہاں حق تعالیٰ نے انسان کو جوڑے جوڑے بنانے کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی راحت کے سب سامانوں میں سے خاص طور پر نیند کا ذکر فرمایا ہے۔ غور کیجئے تو یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار یہی ہے اور اس نعمت کو حق تعالیٰ نے پوری مخلوق کے لیے عام ایسا فرما دیا ہے کہ امیر، غریب، عالم، جاہل بادشاہ اور مزدور سب کو یہ دولت یکساں بیک وقت عطا ہوتی ہے، بلکہ دنیا کے حالات کا تجزیہ کریں تو غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے وہ مالداروں اور دنیا کے بڑوں کو نصیب نہیں ہوتی، ان کے پاس راحت کے سامان، راحت کا مکان، ہوا اور سردی گرمی کے اعتدال کی جگہ، نرم گدے تکیے سب کچھ ہوتے ہیں جو غریبوں کو بہت کم ملتے ہیں مگر نیند کی نعمت ان گدوں تکیوں یا کوٹھی بنگلوں کی فضا کے تابع نہیں، وہ تو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو براہ راست اس کی طرف سے ملتی ہے بعض اوقات مفلس بے سامان کو بغیر کسی بستر تکیے کے کھلی زمین پر یہ نعمت فراوانی سے دے دی جاتی ہے اور بعض اوقات ساز وسامان والوں کو نہیں دی جاتی، ان کو خواب آور گولیاں کھا کر حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ گولیاں بھی کام نہیں کرتیں، پھر غور کرو کہ اس نعمت کو حق تعالیٰ نے جیسا ساری مخلوق انسان اور جانور کے لیے عام فرمایا ہے اور مفت بلا محنت سب کو دیا ہے اس سے بڑی نعمت یہ ہے کہ صرف مفت بلا محنت ہی نہیں بلکہ اپنی رحمت کاملہ سے اس نعمت کو جبری بنا دیا ہے کہ انسان بعض اوقات کام کی کثرت سے مجبور ہو کر چاہتا ہے کہ رات بھر جاگتا ہی رہے مگر رحمت حق جل شانہ، اس پر جبراً نیند مسلط کر کے اس کو سلا دیتی ہے کہ دن بھر کا تکان دور ہو جائے اور اس کے قویٰ مزید کام کے لیے تیز ہو جائیں، آگے اسی نیند کی عظیم نعمت کا تکملہ یہ بیان فرمایا کہ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا یعنی رات کو ہم نے چھپانے کی چیز بنا دیا، اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کو فطرۃً نیند اس وقت آتی ہے جب روشنی زیادہ نہ ہو، ہر طرف سکون ہو، شور وشغب نہ ہو۔ حق تعالیٰ نے رات کو لباس یعنی اوڑھنے اور چھپانے کی چیز فرما کر اشارہ کر دیا کہ قدرت نے تمہیں صرف نیند

کی کیفیت ہی عطا نہیں فرمائی بلکہ سارے عالم میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو نیند کے لیے ساز گار ہوں۔ اول رات کی تاریکی، دوسرے پورے عالم انسان اور جانور سب پر بیک وقت نیند کا مسلط ہونا کہ جب بھی سو جائیں گے تو پورے عالم میں سکون ہوگا ورنہ دوسرے کاموں کی طرح اگر نیند کے اوقات بھی مختلف لوگوں کے مختلف ہوا کرتے تو کسی کو بھی نیند کے وقت سکون میسر نہ آتا۔

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾

معصرات، معصرۃ کی جمع ہے جو پانی سے بھرے ہوئے ایسے بادل کو کہا جاتا ہے جو برسنے ہی والا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے اور جن آیات میں آسمان سے نازل ہونے کا ذکر ہے یا تو ان میں بھی آسمان سے مراد فضائے آسمانی ہو جیسے کہ قرآن میں بکثرت لفظ سماء اس معنی کے لیے آیا ہے اور یا یہ کہا جائے کہ کسی وقت براہ راست آسمان سے بھی بارش آسکتی ہے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، ان تمام صنائع قدرت اور انعامات ربانی کا ذکر فرمانے کے بعد پھر اصل مضمون قیامت کی طرف رجوع ہے۔

وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

یعنی نہایت گنجان اور گھنے باغ، یا یہ مراد ہو کہ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کے درخت اور باغ پیدا کئے۔ (تنبیہ) قدرت کی عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر بتلا دیا کہ جو خدا ایسی قدرت وحکمت والا ہے، کیا اسے تمہارا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا اور حساب وکتاب کے لیے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا؟ اور کیا اس کی حکمت کے یہ بات منافی نہ ہوگی کہ اتنے بڑے کارخانہ کو یوں ہی غلط ملط بے نتیجہ پڑا چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہیے اسی کو ہم آخرت کہتے ہیں۔ جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے، ایسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِیْقَاتًا ﴿۱۷﴾

فیصلہ کا دن وہ ہوگا جس میں نیک کو بد سے بالکلیہ الگ کر دیا جائے کہ کسی قسم کا اشتراک واجتماع باقی نہ رہے ہر نیکی اپنے معدن میں اور ہر بدی اپنے مرکز پر جا پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کامل امتیاز وافتراق اس دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں رہتے ہوئے زمین، آسمان، چاند، سورج، رات دن، سونا جاگنا، بارش، بادل، باغ، کھیت، اور بیوی بچے تمام نیکوں اور بدوں میں مشترک ہیں ہر کافر اور مسلم ان سامانوں سے یکساں منتفع ہوتا ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ یوم الفصل ایک دن موجودہ نظام عالم کے ختم کئے جانے کے بعد ہو۔ اس کا تعین اللہ کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے۔

لّٰبِثِیْنَ فِیْهَاۤ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾

لّٰبِثِیْنَ. لابث کی جمع ہے جس کے معنے ٹھہرنے والے اور قیام کرنے والے کے ہیں، احقاب، حقبہ کی جمع ہے، زمانہ دراز کو حقبہ کہا جاتا ہے، اس کی مقدار میں اقوال مختلف ہیں۔ ابن جریر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کی مقدار اسی سال نقل کی اور ہر سال بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا۔ اس طرح تقریباً دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کا ایک حقبہ اور حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر، ابن عباس وغیرہ نے مقدار حقبہ اسی کے بجائے ستر سال قرار دی باقی حساب وہی

ہے (ابن کثیر) مگر مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً یہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ،
لایخرج احدکم من النار حتی یمکث فیہ احقاباً و الحقب بضع و ثمانون سنۃ کل سنۃ ثلث مائۃ و ستون یوما مما تعدون (از مظھری)
تم میں سے جو لوگ گناہوں کی سزا میں جہنم میں ڈالے جائیں گے کوئی اس وقت تک جہنم سے نہ نکلے گا جب تک اس میں چند احقاب نہ رہ لے اور حقبہ کچھ اوپر اسی سال کا اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہے تمہارے موجودہ دنوں کے مطابق اس حدیث میں اگرچہ اس آیت مذکورہ کی تفسیر مذکور نہیں ہے مگر بہر حال لفظ احقاب کے معنی کا بیان ہی چند صحابہ کرام سے جو اس میں ہزار ان ایک ہزار سال کا منقول ہے اگر وہ بھی آنحضرت ﷺ سے سنا ہوا ہے تو روایات حدیث میں تعارض ہوا، اس تعارض کے وقت کسی ایک پر جزم و یقین تو نہیں ہو سکتا مگر اتنی بات دونوں ہی روایتوں میں مشترک ہے کہ حقبہ یا حقب بہت ہی زیادہ طویل زمانے کا نام ہے اسی لیے بیضاوی نے احقابا کی تفسیر دھور متتابعہ سے کی ہے یعنی پے در پے بہت سے زمانے۔

جہنم کے خلود اور دوام پر اشکال و جواب:

حقبہ کی مقدار کتنی بھی طویل سے طویل قرار دی جائے بہر حال وہ متناہی اور محدود ہے۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس مدت طویلہ کے بعد کفار اہل جہنم بھی جہنم سے نکل جاویں گے حالانکہ یہ قرآن مجید کی دوسری واضح نصوص کے خلاف ہے جن میں (آیت) خلدین فیھا ابدا کے الفاظ آئے ہیں اور اسی لیے امت کا اس پر اجماع ہے کہ نہ جہنم کبھی فنا ہوگی، نہ کفار کبھی اس سے نکالے جائیں گے۔

سدی نے حضرت مرہ بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ کفار اہل جہنم کو اگر یہ خبر دی جائے کہ ان کا قیام جہنم میں دنیا بھر میں جتنی کنکریاں تھیں ان کے برابر ہوگا تو وہ اس پر بھی خوش ہوں گے کہ بالآخر یہ کنکریاں اربوں کھربوں کی تعداد میں سہی پھر بھی محدود اور متناہی تو ہیں، بہر حال کبھی نہ کبھی اس عذاب سے چھٹکارا ہو جائے گا اور اگر اہل جنت کو یہی خبر دی جائے کہ ان کا قیام جنت میں دنیا بھر کی کنکریوں کے عدد کے مطابق سالوں رہے گا تو وہ غمگین ہوں گے کہ کتنی ہی مدت دراز سہی مگر بہر حال اس مدت کے بعد جنت سے نکال دیئے جاویں گے۔ (مظہری)

بہر حال اس آیت میں اَحْقَابًا کے لفظ سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ چند احقاب کے بعد کفار اہل جہنم بھی جہنم سے نکال لیے جاویں گے، تمام نصوص اور اجماع امت کے خلاف ہونے کی بنا پر یہ مفہوم معتبر نہیں ہوگا کیونکہ اس آیت میں اس کی تصریح تو ہے نہیں کہ احقاق کے بعد کیا ہوگا صرف اتنا ذکر ہے کہ مدت احقاب ان کو جہنم میں رہنا پڑے گا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احقاب کے بعد جہنم نہیں رہے گا یا یہ لوگ اس سے نکال لیے جاویں گے۔ اسی لیے حضرت حسن نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اہل جہنم کے لیے جہنم کی کوئی میعاد اور مدت مقرر نہیں فرمائی جس کے بعد ان کا اس سے نکل جانا سمجھا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب ایک حقبہ زمانے کا گزر جائے گا تو دوسرا شروع ہو جائیگا، اسی طرح دوسرے کے بعد تیسرا چوتھا یہاں تک کہ ابدال آباد یہی سلسلہ رہے گا اور سعید بن جبیر نے قتادہ سے بھی یہی تفسیر روایت کی ہے کہ احقاب سے مراد وہ زمانہ

ہی جس کا انقطاع اور انتہا نہیں بلکہ ایک حقب ختم ہوگا تو دوسرا حقب آجائے گا اور یہی سلسلہ ابد تک رہے گا۔ (ابن کثیر و مظہری) اور یہاں ایک دوسرا احتمال اور بھی ہے جس کو ابن کثیر نے یحتمل کے لفظ سے بیان کیا ہے اور قرطبی نے فرمایا کہ یہ بات بھی ممکن ہے اور مظہری نے اسی کو اختیار کیا ہے وہ احتمال یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ طاغین سے مراد کفار نہ لیے جاویں بلکہ وہ اہل توحید جو عقائد باطلہ کے سبب اسلام کے گمراہ فرقوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو محدثین کی اصطلاح میں اہل اہواء کہا جاتا ہے وہ مراد ہوں تو آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ ایسے اہل توحید کلمہ گو جو عقائد باطلہ رکھنے کے سبب کفر کی حدود تک پہنچے ہوئے تھے مگر صریح کافر نہ تھے وہ مدت احقاب جہنم میں رہنے کے بعد بالآخر کلمہ توحید کی بدولت جہنم سے نکال لیے جاویں گے۔

مظہری نے اس احتمال کی تائید میں وہ حدیث مرفوع بھی پیش کی جو اوپر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بحوالہ مسند بزار نقل ہو چکی ہے جس میں آپ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ مدت احقاب گزرنے کے بعد یہ لوگ جہنم سے نکال لیے جاویں گے مگر ابوحیان نے فرمایا کہ بعد کی آیت: اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ اس احتمال کے منافی ہیں کہ طاغین سے مراد اس جگہ اہل توحید اور گمراہ فرقے ہوں کیونکہ ان آخری آیات میں قیامت کے انکار اور تکذیب رسل کی تصریح ہے اسی طرح ابوحیان نے مقاتل کے اس قول کو بھی فاسد قرار دیا ہے کہ اس آیت کو منسوخ مانا جائے۔

اور ایک جماعت مفسرین نے ایک تیسرا احتمال اس آیت کی تفسیر میں یہ قرار دیا ہے کہ اس آیت کے بعد کا جملہ: لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ۝ یہ اَحْقَابًا ۝ سے جملہ حالیہ ہوا اور معنی آیت کے یہ ہوں کہ احقاب کے زمانہ دراز تک یہ لوگ نہ ٹھنڈی لذیذ ہوا کا ذائقہ چکھیں گے نہ کسی کھانے اور پینے کی چیزیں کا بجز حمیم اور غساق، پھر احقاب گزرنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ یہ حال بدل جائے اور دوسری اقسام کے عذاب ہونے لگیں حمیم وہ کھولتا ہوا گرم پانی ہے کہ جب چہرہ کے قریب آئے گا تو اس کا گوشت جل جائے گا اور جب پیٹ میں ڈالا جائے گا تو اندرونی اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور غساق وہ خون اور پیپ وغیرہ جو اہل جہنم کے زخموں سے نکلے گی۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۝ مَكَانَ فَوْزٍ فِي الْجَنَّةِ حَدَآئِقَ بَسَاتِيْنَ بَدَلٌ مِنْ مَفَازًا اَوْ بَيَانٌ لَهُ وَ اَعْنَابًا ۝ عَطْفٌ عَلٰى مَفَازًا وَّ كَوَاعِبَ جَوَارِيَ تَكَعَّبَتْ ثُدِيُّهُنَّ جَمْعُ كَاعِبٍ اَتْرَابًا ۝ عَلٰى سِنٍّ وَاحِدٍ جَمْعُ تِرْبٍ بِكَسْرِ التَّاءِ وَسُكُوْنِ الرَّاءِ وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ۝ خَمْرًا مَالِئَةً مَحَالَّهَا وَفِي الْقِتَالِ وَاَنْهٰرٌ مِنْ خَمْرٍ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا اَيِ الْجَنَّةِ عِنْدَ شُرْبِ الْخَمْرِ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْاَحْوَالِ لَغْوًا بَاطِلًا مِنَ الْقَوْلِ وَّ لَا كِذّٰبًا ۝ بِالتَّخْفِيْفِ اَيْ كِذْبًا وَبِالتَّشْدِيْدِ اَيْ تَكْذِيْبًا مِنْ وَاحِدٍ لِغَيْرِهٖ بِخِلَافِ مَا يَقَعُ فِي الدُّنْيَا عِنْدَ شُرْبِ الْخَمْرِ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ اَيْ جَازَاهُمُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ جَزَاءً عَطَآءً بَدَلٌ مِنْ جَزَاءً حِسَابًا ۝ اَيْ كَثِيْرًا مِنْ قَوْلِهِمْ اَعْطَانِيْ فَاَحْسَبَنِيْ اَيْ اَكْثَرَ عَلَيَّ حَتّٰى قُلْتُ حَسْبِيْ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بِالْجَرِّ

وَالرَّفْعِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ كَذٰلِكَ وَبِرَفْعِهٖ مَعَ جَرِّ رَبِّ السَّمٰوٰتِ لَا يَمْلِكُوْنَ اَيِ الْخَلْقُ مِنْهُ تَعَالٰى خِطَابًا ۝ اَيْ لَا يَقْدِرُ اَحَدٌ اَنْ يُّخَاطِبَهٗ خَوْفًا مِّنْهُ يَوْمَ ظَرْفٌ لِلَا يَمْلِكُوْنَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ جِبْرِيْلُ اَوْ جُنْدُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۝ حَالٌ اَيْ مُصْطَفِّيْنَ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اَيِ الْخَلْقُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ فِي الْكَلَامِ وَقَالَ قَوْلًا صَوَابًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلَائِكَةِ كَاَنْ يَشْفَعُوْا لِمَنِ ارْتَضٰى ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ الثَّابِتُ وُقُوْعُهٗ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝ مَرْجِعًا اَيْ رَجَعَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِطَاعَتِهٖ لِيَسْلَمَ مِنَ الْعَذَابِ فِيْهِ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ اَيْ عَذَابَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الْاٰتِيْ وَكُلُّ اٰتٍ قَرِيْبٌ يَوْمَ ظَرْفٌ لِعَذَابًا بِصِفَتِهٖ يَنْظُرُ الْمَرْءُ كُلُّ امْرِئٍ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يَا حَرْفُ تَنْبِيْهٍ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝ يَعْنِيْ فَلَا اُعَذَّبُ يَقُوْلُ ذٰلِكَ عِنْدَ مَا يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْبَهَائِمِ بَعْدَ الْاِقْتِصَاصِ مِنْ لِبَعْضِهَا الْبَعْضِ كُوْنِيْ تُرَابًا

ع ٢ | ١٠ | ٢

ترجمہ: اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے بلاشبہ کامیابی ہے (جنت میں کامیابی کا مقام، یعنی باغ (مفازاً کا یہ بدل ہے یا بیان) اور انگور اور نوخیز عورتیں (جن کی چھاتیاں ابھری ہوئی ہوں گی۔ کاعب کی جمع ہے) جو ہم عمر ہوں گی (ہمسن ترب کی جمع ہے جو کسرتا اور سکون را کے ساتھ ہے) اور لبالب بھرے ہوئے جامِ شراب ہوں گے (پیمانے شراب سے لبریز سورۂ محمد میں وانهر من خمر ہے) وہاں نہ کوئی بے ہودہ (غلط) بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (تخفیف کے ساتھ یعنی جھوٹ اور تشدید کے ساتھ تشدید کے ساتھ ہے یعنی ایک دوسرے کو جھٹلانا اور دنیا میں شراب پینے کے وقت اس کے خلاف ہوتا ہے) یہ بدلہ ملے گا (یعنی اللہ انہیں یہ صلہ عطا فرمائے گا) آپ کے رب کی طرف سے انعام (جزآ کا بدل ہے) کافی (بہت زیادہ جیسے بولتے ہیں اعطانی فاحسبنی یعنی مجھے اتنا دیا کہ میں نے حسب یعنی بس کہہ دیا) جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا (جر اور رفع کے ساتھ ہے) اور ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں۔ رحمن ہے کسی (مخلوق) کو اس کی طرف سے اختیار نہ ہوگا۔ کہ عرض معروض کر سکے (یعنی کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ دہشت سے اس کے آگے بات کر سکے) جس روز (لا یکون کا ظرف ہے) روح (جبریل یا لشکر خدائی) اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (حال ہے بمعنی مصطفین) کوئی (مخلوق) بول نہ سکے گی مگر یہ کہ اللہ کسی کو بات کرنے کی اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے (مومن ہو یا فرشتہ وہ مثلاً ایسے شخص کے لیے سفارشی ہوں جس کے لیے اللہ اجازت دے دے) یہ دن یقینی ہے (اس کا ہونا واقعی ہے۔ یعنی روزِ قیامت) سو جس کا جی چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنا رکھے (اللہ کی فرمانبرداری کر کے اس کی پناہ میں ہو جائے تاکہ عذاب سے محفوظ رہ سکے) ہم نے ان (مکہ کے کافروں) کو نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے (یعنی قیامت کے آنے والے عذاب سے اور جو چیز آنے والی ہوتی ہے وہ

قریب ہوتی جاتی ہے) جس دن (عذاب کا ظرف ہے مع اپنی صفت کے) ہر شخص ان اعمال کو دیکھ لے گا۔ جو (اچھے برے کام) اس نے اپنے ہاتھوں کیے ہوں گے اور کافر کہے گا اے (حرف تنبیہ ہے) کاش میں مٹی ہو جاتا (یعنی میں عذاب سے بچ جاتا۔ یہ اس وقت کہے گا جب حق تعالیٰ جانوروں کا ایک دوسرے سے قصاص لینے کے بعد فرمائیں گے تم سب مٹی ہو جاؤ)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: حَدَآئِقَ : یہ مَفَازًا سے بدل البعض ہے جب کہ اس کو ظرف مکان مانیں اور مصدر کی صورت میں بدل الاشتمال ہے۔

قوله: عَطْفٌ عَلٰی مَفَازًا: یہ تسامح ہے بلکہ اس کا عطف حَدَآئِقَ پر جیسا کہ مذکور ہوا۔ (ک)

قوله: كَاْسًا: کو ظاہری معنیٰ میں لینا اور دھاگا کو چھلکنا، کے معنیٰ میں لینا زیادہ بہتر ہے۔ (ک)

قوله: حِسَابًا: سے اس کا ترجمہ کر کے ثابت کیا کہ یہ محاورہ عرب اعطیته ما یکفیه حتی قال حسبی حسبی سے ماخوذ ہے۔ یا پھر کافیا کے معنیٰ میں ہے۔ اس صورت میں احسبه الشیء بمعنی اذا کفاه حتی قال حسبی حسبی سے ہے۔ (ک)

قوله: الرَّحْمٰنِ : یہ مبتداء ہے اور رَّبِّ السَّمٰوٰتِ کی صفت یا خبر ہے۔ ۲۔ مجرور ہو تو مِّنْ رَّبِّكَ سے بدل ہے یا پھر اس کی صفت ہے۔ (ک)

قوله: جُنْدُ اللّٰهِ: یہ اللہ تعالیٰ کا ملائکہ سے الگ لشکر ہے۔ جو ملائکہ نہیں مگر صورت بنی آدم ہیں اور نسل آدم سے بھی نہیں یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ (ک)

قوله: كُلُّ امْرِئٍ: سے اشارہ کیا کہ المرء کا لام استغراق کے لیے ہے۔ (ک)

قوله: لِلْبَهَائِمِ: ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت کی ہے۔ کہ حیوانات کو اٹھایا جائے گا پھر ایک دوسرے سے بدلہ دے دلا کر ان کو مٹی بنا دیا جائے گا۔

مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔ اس وقت کافر تمنا کرے گا کہ کاش وہ مٹی ہو جاتا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ مظاہر قدرت، علم، حکمت میں سے نو کا یہاں ذکر فرمایا اور یہ بتلایا کہ قیامت کا واقعہ پیش آئے گا۔ اگرچہ اب لوگوں میں اختلاف ہے کچھ مانتے اور دوسرے انکاری ہیں۔

۲۔ نزع روح کے وقت بعث کا کامل یقین حاصل ہو جائے گا مگر بے فائدہ اور بے وقت۔

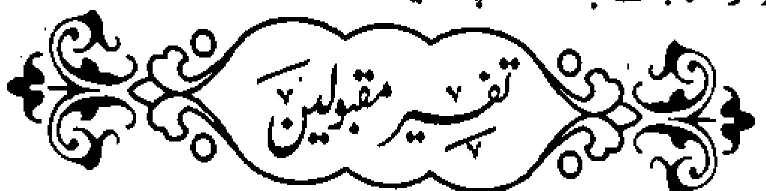
۳۔ یہ نو قسم کی عظیم الشان نعمتیں کثرت طاعات سے شکریے کو لازم کرنے والی ہیں اور معصیت پر اقدام سے مانع ہیں۔

۴۔ نباتات تین انواع پر مشتمل ہیں۔ ۱۔ جن کے بیج ہیں۔ ۲۔ جن کی گٹھلی نہیں، جیسے گھاس۔ ۳۔ جن کی پوری ہے۔

۵۔ تین بڑے مظاہر ذکر فرمائیں: ۱۔ صور اسرافیل۔ ۲۔ مختلف جماعات پر مشتمل بعث عن القبور۔ ۳۔ پہاڑوں کو اپنے اماکن

سے اکھڑنا اور آسمان کا دروازے دروازے ہونا۔

٦۔اشقیاء کی سزا کو مبالغہ سے اس طرح ذکر فرمایا کہ پہلے ان کے سزا کے وجوہ ذکر کیے پھر ان پر سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: یہ اعمال کے موافق سزا ہے پھر ان کی رسوائیاں ذکر کیں اور حکم جاری فرمایا: فذوقو گویا فرمایا: تمہارے متعلق میرا یہی حکم ہے پھر اس فتویٰ کو فلن نزیدکم الا عذابا سے مبالغہ کے طور پر تصدیق ثبت کر دی۔ کہ اس کے ختم ہونے کا امکان نہیں۔



اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا

اہل کفر اور اہل شرک کا انجام اور عذاب بتانے کے بعد متقی حضرات کے انعام واکرام کا تذکرہ فرمایا، تقویٰ کے بہت سے درجات ہیں، سب سے بڑا تقویٰ یہ ہے کہ کفر و شرک سے بچے اور اس کے بعد گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ ہے اور اس کے بھی درجات مختلف ہیں حسب درجات انعامات ہیں فرمایا: اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (بلاشبہ تقویٰ والوں کے لیے کامیابی ہے) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ مفازا مصدر میمی ہو اور اگر اسم ظرف لیا جائے تو ترجمہ یوں ہوگا کہ (متقیوں کے لیے کامیابی کی جگہ ہے) اس کے بعد کامیابی پر ملنے والی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا: حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا (یعنی ان حضرات کو باغیچے ملیں گے اور انگور ملیں گے) حدائق حدیقة کی جمع ہے جس باغ کی چار دیواری ہو اسے حدیقہ کہا جاتا ہے اور گو حدائق کے عموم میں انگور بھی داخل ہو گئے لیکن ان کو علیحدہ بھی ذکر فرمایا کیونکہ پھلوں کی یہ جنس دوسرے پھلوں کے مقابلے میں زیادہ فضیلت رکھتی ہے، مزید فرمایا: وَّ كَوَاعِبَ اور ساتھ ہی اَتْرَابًا بھی فرمایا۔ کاعب نوخیز لڑکی کو کہتے ہیں: التی تکعب ثدیاها واستدار مع ارتفاع یسیر اور اتراب، ترب کی جمع ہے جس کا ترجمہ ہم عمر کیا گیا ہے، اس میں یہ بات بتادی کہ وہاں میاں بیوی سب ہم عمر ہوں گے۔ دنیا میں عمروں کے بے تکے تفاوت میں جوز وجین کو بدمزگی پیش آتی رہتی ہے اسے جاننے والے جانتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جانے والا جو شخص بھی اس دنیا سے رخصت ہوگا چھوٹا ہو یا بڑا (داخلہ جنت کے وقت) سب تیس سال کے کر دیئے جائیں گے اس سے کبھی آگے نہیں بڑھیں گے۔

وَّ كَاْسًا دِهَاقًا (اور متقیوں کے لیے لبالب بھرے ہوئے جام ہوں گے) یہاں قدروها، تقدیرا کے مضمون سے اشکال نہ کیا جائے کیونکہ جنہیں اور جس وقت پورا بھرا ہوا جام پینے کی رغبت ہوگی انہیں لبالب پیش کیا جائے گا۔ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا (وہاں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ کوئی جھوٹی بات) وہاں جو کچھ ہوگا سچ ہوگا اور نہ صرف یہ کہ کوئی غلط بات نہ ہوگی بلکہ جس بات کا کوئی فائدہ نہ ہوگا وہ وہاں سننے میں بھی نہ آئے گی۔ ایسی بات کو لغو کہا جاتا ہے۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا

اوپر جنت کی جن نعمتوں کا ذکر آیا ہے یہ جزاء ہے مومنین کے لیے اور عطاء ہے ان کے رب کی طرف سے عطائے کثیر۔ یہاں ان نعمتوں کو اول جزائے اعمال بتلایا پھر عطائے ربانی، بظاہر ان دونوں میں تضاد ہے کیونکہ جزاء اس چیز کو کہا جاتا ہے جو

کسی چیز کے بدلے میں ہو اور عطاء وہ ہے جو بلا کسی بدلے کے بطور انعام واحسان ہو۔ قرآن کریم نے ان دونوں لفظوں کو یکجا جمع کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جنت میں داخل ہونا اور اس کی نعمتیں صرف صورت اور ظاہر کے اعتبار سے تو اہل جنت کے اعمال کی جزاء ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ خالص عطائے ربانی ہے کیونکہ انسانی اعمال تو ان نعمتوں کا بھی بدلہ نہیں بن سکتے جو ان کو دنیا میں دے دی گئی ہیں آخرت کی نعمتوں کا حصول تو صرف حق تعالیٰ کا فضل وانعام اور عطائے محض ہے جیسا کہ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاسکتا جب تک حق تعالیٰ کا فضل نہ ہو، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی، آپ نے فرمایا کہ ہاں میں بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاسکتا، اور لفظ حسابا کے دو معنے ہو سکتے ہیں، ائمہ تفسیر میں بعض نے پہلے بعض نے دوسرے معنے لیے ہیں پہلے معنی حسابا عطاء کافیا کثیرا کے ہیں یعنی ایسی عطاء جو اس کی تمام ضرورتوں کے لیے کافی وافی اور کثیر ہو، یہ معنے اس محاورہ سے ماخوذ ہیں: احسبت فلانا ای اعطیته مایکفیه حتی قال حسبی یعنی احسبت کا لفظ اس معنے کے لیے آتا ہے کہ میں نے اس کو اتنا دیا کہ اس کے لیے بالکل کافی ہو گیا یہاں تک کہ بول اٹھا حسبی یعنی بس یہ میرے لیے بہت ہے اور دوسرے معنے حساب کے موازنہ اور مقابلے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت مجاہد نے اس جگہ یہی معنی لے کر مطلب آیت کا یہ قرار دیا کہ یہ عطائے ربانی اہل جنت پر ان کے اعمال کے حساب سے مبذول ہوگی، اس عطاء میں درجات بحساب اخلاص اور احسان عمل کے ہوں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام کے اعمال کا درجہ باقی امت کے اعمال کے مقابلے میں یہ قرار دیا ہے کہ صحابی اللہ کی راہ میں ایک مد خرچ کرے جو تقریباً ایک سیر ہوتا ہے اور غیر صحابی احد پہاڑ کی برابر خرچ کرے تو صحابی کا ایک مد اس پہاڑ سے بڑھا ہوا رہے گا۔ واللہ اعلم

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝

روح کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ ابن جریرؒ نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ روح چوتھے آسمان پر ہے، تمام آسمانوں سے، پہاڑوں سے اور ملائکہ سے بڑا ہے۔ بغوی نے اتنا اور بھی بیان کیا ہے کہ وہ روزانہ بارہ ہزار تسبیح (سبحان اللہ) پڑھتا ہے اور اس کی ہر ایک تسبیح سے اللہ ایک فرشتہ کو پیدا کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن روح تنہا ایک صف ہوگا۔

اس آیت کے ذیل میں ابوالشیخ نے ضحاک کا قول بیان کیا ہے کہ روح اللہ کا صاحب ہے، اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ تمام فرشتوں سے بڑا ہے، اگر منہ کھول دے تو سارے ملائکہ اس میں سما جائیں۔ فرشتے اس کی ہیبت سے اس کی طرف نظر نہیں اٹھاتے اور اوپر کو نہیں دیکھتے۔ ابوالشیخ نے حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں، ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں۔ ہر زبان میں ستر ہزار بولیاں ہیں اور ان تمام بولیوں میں وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔

ابوالشیخ نے باسناد عطاء حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے، جس کے دس ہزار بازو ہیں۔ باسناد ابوطلحہ حضرت ابن عباسؓ کا قول مروی ہے کہ وہ جسمانیت میں سب فرشتوں سے بڑا ہے۔ بغوی نے عطاء کی روایت میں اتنا اور نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن تنہا روح ایک صف میں اور باقی ملائکہ ایک صف میں کھڑے ہوں گے۔ پس اس کی جسمانیت ان سب کے برابر ہوگی۔

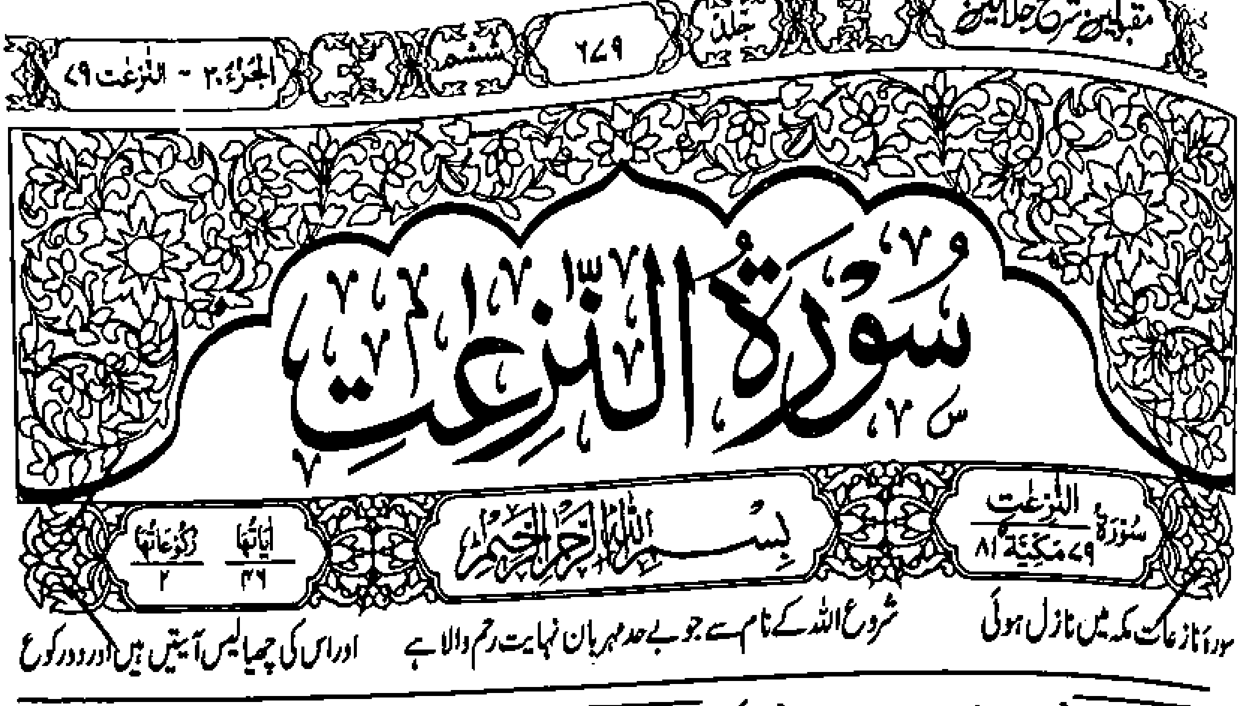
ابوالشیخ نے مقاتل بن حبان کا قول نقل کیا ہے کہ روح، اشرف الملائکہ ہے۔ تمام ملائکہ سے زیادہ خدا کا مقرب ہے۔

صاحب وحی ہے۔

اسی آیت کے ذیل میں ضحاک کا قول بروایت ابوالشیخ آیا ہے کہ روح جبرئیل (علیہ السلام) ہیں۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت جبرئیل قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اللہ کے خوف سے ان کے شانے لرز رہے ہوں گے اور عرض کرتے ہوں گے: تو پاک ہے سوائے تیرے کوئی معبود نہیں۔ ہم نے اور مشرق سے لے کر مغرب تک کسی نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ آیت: یوم یقوم الروح و الملئکۃ صفًا کا یہی مطلب ہے۔ ابونعیم نے مجاہد کا اور ابن مبارک نے ابوصالح مولیٰ ام ہانی کا قول نقل کیا ہے کہ روح آدمی کی شکل کی ایک اور مخلوق ہے جو آدمی نہیں ہے۔ بغوی نے اتنا زائد بیان کیا کہ وہ ایک قطار میں ہوگی اور ملائکہ ایک قطار میں، ان کی بھی ایک جماعت ہوگی اور ان کی بھی ایک جماعت۔ بغوی نے یہی قول قتادہ کا نقل کیا ہے۔ ابوالشیخ نے باسناد مجاہد حضرت ابن عباس کی حدیث مرفوعاً نقل کی ہے کہ اللہ کی فوجوں میں سے روح ایک فوج (جماعت) ہے جو ملائکہ نہیں، اس کے سر بھی ہیں اور ہاتھ، پاؤں بھی، پھر یہ آیت تلاوت کی: يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا اور فرمایا: ایک ان کی جماعت ہوگی اور ایک ان کی۔

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ

ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد روز قیامت ہے اور محشر میں ہر شخص اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا خواہ اس طرح کہ نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں آجائے گا اس کو دیکھے گا، یا اس طرح کہ اعمال محشر میں مجسم اور متشکل ہو کر سامنے آجائیں گے جیسا کہ بعض روایات حدیث سے ثابت ہے اور احتمال یہ بھی ہے کہ اس روز سے مراد موت کا دن ہو اور اپنے اعمال کا دیکھنا قبر و برزخ میں مراد ہو، کما فی المظہری۔ وَيَقُولُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِي كُنْتُ تُرٰبًا حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی جس میں انسان، جنات، زمین پر چلنے والے پالتو جانور اور وحشی جانور سب جمع کر دیئے جاویں گے اور جانوروں میں سے اگر کسی نے دوسرے پر ظلم دنیا میں کیا تھا تو اس سے اس کا انتقام دلوایا جائے گا یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو مارا تھا تو آج اس کا بھی بدلہ دلوایا جائیگا، جب اس سے فراغت ہوگی تو سب جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ وہ سب مٹی ہو جائیں گے، اس وقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اس وقت مٹی ہو جاتے، حساب کتاب اور جہنم کی سزا سے بچ جاتے۔ نعوذ باللہ منہ، واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم



وَالنّٰزِعٰتِ الملائكة تنزع ارواح الكفار غَرْقًا ﴿۱﴾ نزعا بشدة وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾ الملائكة تنشط ارواح المؤمنين اى تسلها برفق وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۳﴾ الملائكة تسبح من السماء بامره تعالى اى تنزل فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾ اى الملائكة تسبق بارواح المؤمنين الى الجنة فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ الملائكة تدبر امر الدنيا اى تنزل بتدبيره وجواب هذه الاقسام محذوف اى لتبعثن يا كفار مكة وهو عامل في يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾ النفخة الاولى بها يرجف كل شيء اى يتزلزل فوصفت بما يحدث منها تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ النفخة الثانية وبينهما اربعون سنة والجملة حال من الراجفة فاليوم واسع للنفختين وغيرهما فصح ظرفيته للبعث الواقع عقيب الثانية قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿۸﴾ خائفة قلقة اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿۹﴾ ذليلة لهول ما ترى يَقُوْلُوْنَ اى ارباب القلوب والابصار استهزاء وانكارا للبعث ءَاِنَّا بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية وادخال الف بينهما على الوجهين فى الموضعين لَمَرْدُوْدُوْنَ فِى الْحَافِرَةِ ﴿۱۰﴾ اى انرد بعد الموت الى الحيوة والحافرة اسم لاول الامر ومنه رجع فلان فى حافرته اذا رجع من حيث جاء ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿۱۱﴾ وفى قراءة ناخرة بالية متفتتة نحيى قَالُوْا تِلْكَ اى رجعتنا الى الحياة اِذًا ان صحت كَرَّةٌ رجعة خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾ ذات خسران قال تعالى فَاِنَّمَا هِىَ اى الرادفة التى يعقبها البعث زَجْرَةٌ نفخة وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فاذا نفخت فَاِذَا هُمْ اى كل الخلائق بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾ بوجه الارض احياء بعد ما كانوا ببطنها امواتا هَلْ اَتٰكَ

يَا مُحَمَّدُ حَدِيثُ مُوسٰى ﴿۱۵﴾ عَامِلٌ فِيْ إِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِسْمُ الْوَادِيْ بِالتَّنْوِيْنِ وَتَرْكِهٖ فَقَالَ اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ تَجَاوَزَ الْحَدَّ فِي الْكُفْرِ فَقُلْ هَلْ لَّكَ أَدْعُوْكَ إِلٰى أَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الزَّاءِ بِإِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيْهَا تَطَهَّرُ مِنَ الشِّرْكِ بِأَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَهْدِيَكَ إِلٰى رَبِّكَ أَدُلُّكَ عَلٰى مَعْرِفَتِهٖ بِالْبُرْهَانِ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَتَخَافَهٗ فَأَرٰهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ مِنْ اٰيَاتِهِ التِّسْعِ وَهِيَ الْيَدُ أَوِ الْعَصَا فَكَذَّبَ فِرْعَوْنُ مُوْسٰى وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ اللّٰهَ تَعَالٰى ثُمَّ أَدْبَرَ عَنِ الْإِيْمَانِ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فِي الْأَرْضِ بِالْفَسَادِ فَحَشَرَ جَمَعَ السَّحَرَةَ وَجُنْدَهٗ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى ﴿۲۴﴾ لَا رَبَّ فَوْقِيْ فَأَخَذَهُ اللّٰهُ أَهْلَكَهٗ بِالْغَرَقِ نَكَالَ عُقُوْبَةَ الْاٰخِرَةِ أَيْ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ وَالْأُوْلٰى ﴿۲۵﴾ أَيْ قَوْلِهٖ قَبْلَهَا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرِيْ وَكَانَ بَيْنَهُمَا أَرْبَعُوْنَ سَنَةً إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ لِلّٰهِ تَعَالٰى ع ۲۶

ترجمہ: قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی جان) سختی (بڑی شدت) سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں (مسلمانوں کی ارواح کو خوش کر دیتے ہیں یعنی آسانی سے روح قبض کرتے ہیں) اور وہ تیرتے ہوئے چلتے ہیں (فرشتے جو حکم الٰہی سے تیرتے ہیں یعنی آسمان سے اترتے ہیں) پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں (فرشتے مومنوں کی روحوں کو جنت میں لے جانے کے لیے سبقت کرتے ہیں) پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (فرشتے دنیا کے انتظامات کرتے ہیں۔ یعنی انتظام کے لیے اترتے ہیں۔ ان قسموں کا جواب محذوف ہے یعنی اے کلمہ کے نہ ماننے والو! تم ضرور قیامت میں اٹھائے جاؤ گے اور اگلے جملے میں عامل بھی یہی ہے) جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (پہلا صور جس سے ہر چیز ہل جائے گی یعنی زلزلہ میں آجائے گی۔ اس لیے صور کو اسی سے متصف کر دیا) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آئے گی (دوسرا صور ان دونوں کے درمیان چالیس سال فاصلہ رہیگا اور یہ جملہ ''راجفۃ'' سے حال ہے قیامت کے دن یہ دونوں مرتبہ صور بھی پھونکیں گے اور دوسرے کام بھی ہوں گے اس لیے دوسرے صور کے بعد جو بعث ہوگا یہ اس کا ظرف بھی ہو سکتا ہے) بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے (خوف و قلق میں مبتلا ہونگے) ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی (دہشت ناک منظر دیکھ کر کانپ رہی ہوں گی) کہتے ہیں (دل اور آنکھ رکھنے والے بطور مذاق، قیامت کا انکار کرتے ہوئے) کیا ہم (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں جگہ الف داخل کر کے پڑھا گیا ہے) پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے (یعنی کیا مرے بعد پھر دہرا کر زندہ ہوں گے............ حافر کہتے ہیں اول دفعہ کو، چنانچہ کہا جاتا

ہے۔رجع فلان فی حافرتہ. جب کوئی پہلی جگہ پلٹ جائے) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (ایک قراءت میں "ناخرۃ" ہے ٹوٹ پھوٹ کر پھر جلائے جائیں گے) کہتے ہیں (یہ پہلی زندگی کی طرف واپسی) اس صورت میں یہ واپسی (جب کہ یہ صحیح ہو) بڑے خسارہ کی ہوگی (گھاٹا رہے گا۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں) بس وہ (یعنی وہ دوسرا نفخہ جس کے بعد بعث ہوگا) ایک سخت آواز ہوگی (اور جب نفخہ ہوگا) پس لوگ (مخلوق) فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے (روئے زمین پر زندہ ہوکر، زمین کے اندر سے مردے نکلیں گے) کیا آپ کو (اے محمدؐ) موسیٰ کا قصہ (یہ فی میں عامل ہے) پہنچا ہے جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں پکارا (وادی کا نام ہے تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے ارشاد فرمایا) کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے (کفر کرنے میں حد سے بڑھ گیا ہے) سو اس سے کہو کہ کیا تجھ کو اس کی خواہش ہے (تجھ کو اس کی دعوت دوں) کہ تو درست ہو جائے (ایک قراءت میں تشدید ذکر تے ہوئے تائے ثانیہ کے ادغام کے ساتھ، کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے شرک سے پاک ہو جائے) اور میں تجھ کو تیرے پروردگار کی طرف رہنمائی کروں (دلیل کے ساتھ اس کی معرفت کے لیے) تو تو ڈرنے لگے۔ پھر اس کو بڑی نشانی دکھلائی (نو نشانیوں میں سے، ید بیضا تھا یا عصا) سو (فرعون نے موسیٰ کو) جھٹلایا اور کہنا نہ مانا (اللہ کا) پھر (ایمان) سے جدا ہوکر کوشش کرنے لگا (ملک میں فساد کی) اور (جادوگروں اور لشکریوں کو) جمع کیا۔ پھر بآواز بلند تقریر کی اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں (مجھ سے بڑا کوئی رب نہیں) سو اللہ نے اس کو پکڑ لیا (غرق کر کے ہلاک کر دیا) سزا میں اس (پچھلے) کلمہ کی اور پہلی بات کی (یعنی پہلے ما علمت لکم من الہ غیری کہا تھا ان دونوں باتوں کے درمیان چالیس سال کا فصل تھا) بے شک اس (مذکورہ) واقعہ میں ایسے شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہو۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: نَزْعًا: اس سے اشارہ فرمایا کہ یہ غیر لفظ سے مفعول مطلق ہے۔ غرق: یہ اغراق کا اسم یا مصدر ہے، یہاں نزع میں مبالغہ کو اغراق سے تعبیر فرمایا۔ (ک)

قوله: تَسْبَحُ: حضرت علیؓ کہ ملائکہ مؤمنوں کی ارواح کو فضاء آسمانی میں لے کر تیزی سے جاتے ہیں۔ (ک)

قوله: تَنْزِلُ بِتَدْبِیْرِهٖ: سے اشارہ کیا کہ ملائکہ کی طرف تدبیر امر کی نسبت مجازی اصل ذات باری تعالیٰ مدبر ہے۔ (ص)

قوله: بِاَكُفَّارِ مَكَّةَ: سے اشارہ کیا کہ اسناد مجازی ہے۔ کیونکہ قسم منکرین بعث کے لیے اٹھائی گئی ہے۔ (ص)

قوله: مَوْصِفَتْ: اس اشارہ کیا کہ اسناد مجازی ہے۔ کیوں کہ وہ اس کا سبب ہے یا ظرف میں یہ جائز ہے کہ سبب رجفہ کو رجفہ کہہ دیں۔ یا ۳۔ راجفہ کی تعبیر محرکہ سے کرتے تو حقیقی معنیٰ برقرار اور رہتا۔ (شہاب)

قوله: وَالْجُمْلَةُ حَالٌ: مفسرؒ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ رادفہ اور راجفہ ایک وسیع دن میں پیش آئیں گے مطلب یہ ہے کہ تم

کو وسیع وقت میں اٹھایا جائے گا، جس میں دونوں نفخے واقع ہوں گے، یعنی وسیع وقت کے بعض حصہ میں اٹھایا جائے گا اور یہ نفخہ ونیہ وقت کے بعض حصہ میں اٹھایا جائے گا اور یہ نفخہ اولیٰ کا وقت ہے اور تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ اس پر دلالت کرتا ہے، جس کو راجفہ سے حال بنایا گیا ہے۔ (ک)

قوله : يَقُوْلُوْنَ : یہ ان کے دنیاوی احوال کی حکایت ہے۔ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ ای هم يقولون.....

قوله : ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ : اس میں ان کے استبعاد کا بیان ہے ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا میں اس پر اضافہ ہے۔ (ک)

قوله : فَاِذَاهُمْ : یہ شرط مقدر فَاِذَا نُفِخَتْ کا جواب ہے اس کو السَّاهِرَةِ اس لیے کہا وہاں خوف وغم کے مارے نیند نہ آئے گی۔ (ص)

قوله : اِذْ لِكَ : اس سے اشارہ کیا کہ عبارت میں مضاف مضمر ہے۔ (ک)

قوله : فِي الْحَافِرَةِ : حافرہ وہ رستہ جس سے آیا ہو اور پھر اسی پر لوٹے عرب کہتے ہیں رَجَعَ علی حافرته وفی حَافِرَته۔ پھر اسے آخری سے ابتدائی حالت کی طرف لوٹنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ (ک)

قوله : فَاِنَّمَا : یہ محذوف سے متعلق ہے۔ ای لا تحسبوا یعنی تم اس دوبارہ لوٹنے کو اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل مت قرار دو، اس کے لیے تو وہ نہایت آسان ہے۔

قوله : نَفْخَةُ الذی : نفخہ کو زجرہ سے اس لیے تعبیر کیا کہ اس سے اس کے مقررہ وقت سے پیچھے ہٹ جانے اور رک جانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ (ک)

قوله : بِوَجْهِ الْاَرْضِ : فاذاهم یہ شرط مقدر فاذا نفخت کا جواب ہے سطح زمین ساہرہ اس لیے کہا کہ غم وخوف کی وجہ سے وہاں نیند کا نام نہ ہوگا۔ (ص) یا وجہ ہے کہ یہ واقعہ چٹیل زمین میں پیش آئے گا۔ بعض نے کہا وہ زمین چاندی کی ہوگی یا حشر شام کے ایک پہاڑ پر ہوگا بعض نے کہا ارض مکہ میں ہوگا۔ (ک)

قوله : اَحْيَاءً : یہ مبتداء محذوف هم کی خبر ہے۔ اور بالساهرة یہ احیاء کے متعلق ہے۔ اس کو مقدم کرنا بہتر تھا یہ حال بن سکتا ہے۔ اور بالساهره یہ خبر بنے گا۔

قوله : عَامِلٌ فِیْ اِذْ : لفظ حدیث یہ اذ پر عامل ہے۔ نہ کہ اتاک کیونکہ ان کا وقت الگ الگ ہے۔

قوله : هَلْ لَّكَ : مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اور اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى یہ مبتداء محذوف سے متعلق ہے اس طرح۔ هل سبیل او میل الی التزکیه۔ (ک)

قوله : اَوِ الْعَصَا : یہاں آیۃ کبریٰ سے عصا ہی مراد ہے اس لیے کہ یہ دوسری نشانی کے لیے بمنزلہ مقدمہ کے ہے۔ (ک)

قوله : فَنَادٰى : فرعون نے بذات خود اپنے تخت پر کھڑے ہو کر اپنے لشکروں اور ساحروں کے سامنے یہ کہا انا ربکم الاعلی اور یہ آپ کے اس ارشاد کے بعد ہوا کہ میرا رب وہ ہے جس نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے اگر تو ایمان لے آئے گا تو جنت میں جائے گا۔ اس نے کہا: میں مشورہ کر لوں۔ مشورہ کے بعد کہنے لگا کیا رب بننے کے بعد بھی بندہ بن سکتا ہے۔ پھر اس نے یہ اعلان کیا۔ (خ۔ک)

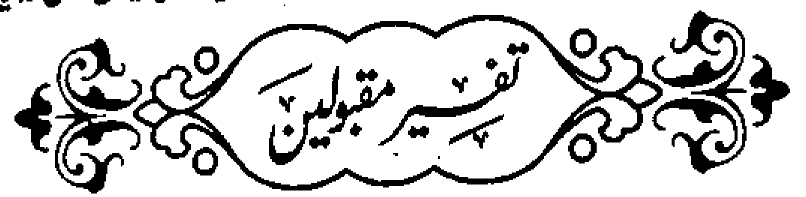
قوله : هٰذِهِ الْكَلِمَةُ :ابن جریر نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں کلمات کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا۔(ک)

۱۔اللہ تعالیٰ نے پانچ قسم کے فرشتوں کی قسم اٹھائی ہے وہ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم اٹھائے مخلوق کو صرف اسی کے اسماء وصفات کی قسم جائز ہے۔

۲۔مشرکین ومنکرین بعث نے استہزاء میں تین باتیں کیں:۱۔کیا ہم زندہ ہوں گے جیسے موت سے پہلے تھے؟ ۲۔کھوکھری ہڈیاں بن جانے کے بعد ہم دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے۔ ۳۔یہ لوٹنا اگر ہے تو رسوا کن اور جھوٹ و باطل ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:یہ لوٹنا تو ایک آواز کی بات ہے پھر تم میدان میں کھڑے ہوگے۔

۳۔موسیٰ وفرعون کا واقعہ سنا کر آپ ﷺ کو تسلی اور کفار کو تہدید فرمائی گئی۔کہ فرعون کو فوج سمیت ایک ڈبکی سے ہلاک کر دیا اور موسیٰؑ کی مدد فرمائی۔فرعونی اعمال کرنے والا قول وفعل کے لحاظ سے دنیا وآخرت کی سزا کا حقدار ہے۔

۴۔وجود معجزات ایمان کو مستلزم نہیں کرتا،فرعون نے اتنے بڑے بڑے نشانات دیکھ کر بھی ایمان قبول نہ کیا۔



دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کے مضامین بھی عقیدہ توحید کے بیان اور اس کی تثبیت پر مشتمل ہیں،اور اصول دین کی تحقیق کے پیش نظر اس سورت میں اثبات رسالت بعث ونشر کے لیے دلائل وشواہد ذکر فرمائے گئے اور اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے روز شدت واضطراب کا ناقابل تصور عالم ہوگا اہل ایمان وتقویٰ کامیاب وکامران ہوں گے اور مجرمین ومشرکین کے لیے عذاب جہنم ہوگا۔

اس مقصد عظیم کو تاریخی حقائق سے ثابت کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی اجمالاً بیان کر دیا گیا جب کہ فرعون اپنے غرور وسرکشی میں اس حد تک پہنچا کہ خود اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا تو خداوند عالم نے اس کے غرور ونخوت کو کس طرح پامال کیا،اور اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو کیسی عظیم کامیابی اور غلبہ عطا فرمایا،ان احوال کو دلائل قدرت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے پھر سورت کے اختتام پر بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت فرمایا جس کا مشرکین مکہ انکار کرتے تھے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱

نازعات،نزع سے مشتق ہے جس کے معنے کسی چیز کو کھینچ کر نکالنے کے آتے ہیں،اور غرقا اس کی تاکید ہے کیونکہ غرق اور اغراق کے معنے کسی کام میں پوری قوت وشدت خرچ کرنے کے ہیں۔محاورہ میں کہا جاتا ہے:اغرق النازع فی القوس یعنی کمان کھینچنے والے نے اس کے کھینچنے میں اپنی پوری قوت خرچ کر دی اس سورۃ کے شروع میں ملائکہ کی چند صفات اور حالات بیان کر کے انکی قسم کھائی گئی ہے اور جواب قسم بدلالت حال حذف کر دیا گیا،مراد اس سے قیامت اور حشر ونشر کا یقیناً واقع ہونا ہے۔فرشتوں کی قسم شاید اس مناسبت سے کھائی گئی ہے کہ اگرچہ فرشتے اس وقت بھی تمام عالم کے نظم ونسق میں دخل رکھتے اور

اپنی اپنی خدمت بجالاتے ہیں لیکن قیامت کے روز اسباب مادیہ کے سب رشتے ٹوٹ جائیں گے غیر معمولی حالات وواقعات پیش آویں گے، ان واقعات میں فرشتے ہی کام کریں گے۔ فرشتوں کی اس جگہ پانچ صفات وہ بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق انسان کی موت اور نزع روح سے ہے مقصد تو قیامت کا حق ہونا بیان کرنا ہے، شروع اس کا انسان کی موت سے کیا گیا کہ ہر انسان کی موت خود اسکے لیے ایک جزوی قیامت ہے اور قیامت کے اعتقاد میں اس کا بڑا دخل ہے۔ ان پانچ صفات میں سے پہلی صفت النّٰزِعٰتِ غَرْقًا. یعنی سختی کے ساتھ کھینچ کر نکالنے والے، مراد اس سے وہ عذاب کے فرشتے ہیں جو کافر کی روح سختی کے ساتھ نکالتے ہیں، مراد اس سختی سے روحانی سختی اور تکلیف ہے یہ ضروری نہیں کہ دیکھنے والوں کو بھی اس سختی کا احساس ہو اسی لیے بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کافر کی روح بظاہر آسانی سے نکلتی ہے مگر یہ آسانی ہمارے دیکھنے میں ہے جو سختی اس کی روح پر ہو رہی ہے اس کو کون دیکھ سکتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی خبر دینے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس جملے میں یہ خبر دے دی گئی ہے کہ کفار کی روح کو کھینچ کر سختی سے نکالا جاتا ہے۔

دوسری صفت ہے: وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ نشطات، نشط سے متعلق ہے جس کے معنے بندھن کھول دینے کے ہیں۔ جس چیز میں پانی یا ہوا وغیرہ بھری ہوں اس کا بندھن کھول دینے سے وہ پانی وغیرہ آسانی کیساتھ نکل جاتا ہے۔ اس میں مومن کی روح نکلنے کو اس سے تشبیہ دے کر بتلایا ہے کہ جو فرشتے مومن کی قبض روح پر مقرر ہیں وہ آسانی سے اس کو قبض کرتے ہیں شدت نہیں کرتے، یہاں بھی آسانی روحانی مراد ہے جسمانی نہیں اس لیے کسی مسلمان بلکہ مرد صالح کو بوقت موت نزع روح میں دیر لگنے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس پر سختی ہو رہی ہے اگرچہ جسمانی طور پر یہ سختی دیکھی جاتی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ کافر کو نزع روح کے وقت ہی سے برزخ کا عذاب سامنے آجاتا ہے اس کی روح اس سے گھبرا کر بدن میں چھپنا چاہتی ہے۔ فرشتے کھینچ کر نکالتے ہیں، اور مومن کی روح کے سامنے عالم برزخ کا ثواب، نعمتیں اور بشارتیں آتی ہیں تو اس کی روح تیزی سے ان کی طرف جانا چاہتی ہے۔

تیسری صفت فرشتوں کی وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ ہے۔ سبح کے لغوی معنی تیرنے کے آتے ہیں، مراد اس جگہ تیزی سے چلنا ہے جیسے دریا میں کوئی آڑ پہاڑ نہیں ہوتا، تیرنے والا یا کشتی وغیرہ میں چلنے والا سیدھا اپنی منزل مقصود کی طرف جاتا ہے فرشتوں کی یہ صفت کہ تیز جانے والے ہیں یہ بھی ملائکہ موت سے متعلق ہے کہ انسان کی روح قبض کرنے کے بعد اس کو تیزی سے آسمان کی طرف لیجاتے ہیں۔

چوتھی صفت فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ ہے مراد یہ ہے کہ پھر یہ روح جو فرشتوں کے قبضہ میں ہے اس کو اس کے اچھے یا برے ٹھکانے پر پہنچانے میں سبقت اور عجلت سے کام لیتے ہیں۔ مومن کی روح کو جنت کی ہواؤں اور نعمتوں کی جگہ میں کافر کی روح کو دوزخ کی ہواؤں اور عذابوں کی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

پانچویں صفت فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ ہے۔ امر الٰہی کی تدبیر وتنفیذ کرنے والے یعنی ان ملائکہ موت کا آخری کام یہ ہوگا کہ جس روح کو ثواب اور راحت دینے کا حکم ہوگا اس کے لیے راحت کے سامان جمع کر دیں اور جس کو عذاب اور تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا اس کے لیے اس کا انتظام کر دیں۔ قبر میں ثواب وعذاب موت کے وقت فرشتوں کا آنا اور انسان کی روح قبض

کرکے آسمان کی طرف لیجانا پھر اسکے اچھے یا برے ٹھکانے پر جلدی سے پہنچا دینا اور وہاں ثواب یا عذاب، تکلیف یا راحت کے انتظامات کر دینا ان آیات مذکورہ سے ثابت ہو گیا۔ یہ عذاب وثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔ حشر کا عذاب وثواب اس کے بعد ہے احادیث صحیحہ میں اس کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں۔ حضرت براء بن عازب کی ایک طویل حدیث مشکوۃ میں بحوالہ مسند احمد مذکور ہے۔

نفس اور روح کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق مفید:

نفس وروح کی حقیقت پر کچھ تحقیق وتوضیح بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ نے اس جگہ تحریر فرمائی ہے جس سے بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث مذکور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفس انسانی ایک جسم لطیف ہے جو اس جسم کثیف کے اندر سمایا ہوا ہے اور وہ انہیں مادی عناصر اربعہ سے بنا ہے۔ فلاسفہ اور اطبا اسی کو روح کہتے ہیں مگر درحقیقت روح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیفہ ربانی ہے جو اس طبعی روح یعنی نفس کیساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے اور طبعی روح یعنی نفس کی حیات خود اس لطیفہ ربانی پر موقوف ہے گو یا اس کی روح الروح کہہ سکتے ہیں کہ جسم کی زندگی نفس سے ہے اور نفس کی زندگی اس روح سے وابستہ ہے اس روح مجرد اور لطیفہ ربانیہ کا تعلق اسی جسم لطیف یعنی نفس کیساتھ کیا اور کس طرح کا ہے اس کی حقیقت کا علم اسکے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں، اور یہ جسم لطیف جسکا نام نفس ہے اس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کی مثال بنایا ہے جو آفتاب کے بالمقابل رکھدیا گیا ہو تو آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آجاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے۔ نفس انسانی اگر تعلیم وحی کے مطابق ریاضت ومحنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے ورنہ وہ جسم کثیف کے خراب اثرات میں ملوث ہوتا ہے یہی جسم لطیف ہے جس کو فرشتے اوپر لیجاتے ہیں اور پھر اعزاز کے ساتھ نیچے لاتے ہیں جبکہ وہ منور ہو چکا ہو، ورنہ آسمان کے دروازے اسکے لیے نہیں کھلتے، اوپر ہی سے نیچے پٹخ دیا جاتا ہے۔ یہی جسم لطیف ہے جس کے بارے میں حدیث مذکور میں ہے کہ ہم نے اس کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا، پھر اس میں لوٹائیں گے پھر اسی سے دوبارہ پیدا کریں گے، یہی جسم لطیف اعمال صالحہ سے منور اور خوشبودار بنجاتا ہے اور کفر وشرک سے بدبودار ہو جاتا ہے۔ باقی روح مجرد اس کا تعلق جسم کثیف کے ساتھ بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے ہوتا ہے اس پر موت طاری نہیں ہوتی، قبر کا عذاب وثواب بھی اسی جسم لطیف یعنی نفس سے وابستہ ہے اور اس نفس کا تعلق قبر سے ہی رہتا ہے اور روح مجرد علیین میں ہوتی ہے اور روح مجرد اسکے ثواب وعذاب سے بالواسطہ متاثر ہوتی ہے۔ اس طرح روح کا قبر میں ہونا بمعنے نفس کے صحیح ہے اور اس کا عالم ارواح یا علیین میں رہنا بمعنے روح مجرد صحیح ہے اس سے ان روایات مختلفہ کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے، واللہ اعلم۔ آگے قیامت کے وقوع اور اس میں پہلے نفخ صور سے سارے عالم کی فنا پھر دوسرے سے سارے عالم کی دوبارہ ایجاد اور اس پر کفار کے شبہ استبعاد کا جواب مذکور ہے اس کے آخر میں فرمایا فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ، ساہرہ سطح زمین کو کہا جاتا ہے۔ قیامت میں جو زمین دوبارہ پیدا کی جاوے گی وہ پوری ایک سطح مستوی ہوگی۔ اس میں آڑ پہاڑ عمارت یا غار نہیں ہوگا، اسی کو ساہرہ کہا گیا ہے۔ اس کے بعد کفار منکرین قیامت کی ضد اور عناد سے جو آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچتی تھی اس کا ازالہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے کیا گیا ہے کہ مخالفین سے

ایسی ایذائیں کچھ آپ کے لیے مخصوص نہیں، انبیاء سابقین کو بھی بڑی بڑی ایذائیں ان سے پہنچی ہیں، انہوں نے صبر کیا، آپ بھی صبر سے کام لیں۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ۞

نکال ایسے عذاب کو کہا جاتا ہے جس کو دیکھ کر دوسروں کو عبرت ہو اور سب سہم جائیں۔ نکال آخرت فرعون کے لیے آخرت کا عذاب ہے، اور نکال اولیٰ سے مراد وہ عذاب ہے جو دنیا میں اس کی پوری قوم کے غرق دریا ہو جانے سے ان کو پہنچا۔ آگے پھر منکرین حشر ونشر کے اس استبعاد اور شبہ کا ازالہ ہے کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد کیسے دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔ اس میں حق تعالیٰ نے آسمان وزمین اور انکے اندر پیدا کی ہوئی عظیم مخلوقات کا ذکر کر کے انسان غافل کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس ذات نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو ابتدائی وجود بغیر کسی مادہ وآلہ کے عطا فرمایا وہ اگر ان کو نیست ونابود کرنے کے بعد دوبارہ وجود عطا فرمادے تو تمہارے تعجب کا کیا مقام ہے۔ آگے پھر روز قیامت کی شدت اور اس روز ہر شخص کے اعمال کا سامنے آجانا اور اہل جنت اور اہل جہنم کے دونوں ٹھکانوں کا بیان اور آخر میں اہل جنت اور اہل دوزخ کی خاص خاص علامات کا بیان ہے جس سے ایک انسان دنیا ہی میں فیصلہ کرسکتا ہے کہ ضابطہ سے میرا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں، ضابطہ اس لیے کہا گیا ہے کہ کسی کی شفاعت یا بلاواسطہ حق تعالیٰ کی رحمت سے کسی جہنمی کو اس سے آزاد کر کے جنت میں پہنچا دینا جیسا کہ بہت سی آیات وروایات حدیث اس پر دلالت کرتی ہیں وہ ایک استثنائی حکم ہے اور اصل ضابطہ جنت یا دوزخ میں ٹھکانے کا وہی ہے جو آگے والی آیت میں بیان فرمایا ہے۔

ءَاَنْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ اَيْ مُنْكِرُوا الْبَعْثِ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ اَشَدُّ خَلْقًا بَنٰهَا ۞ بَيَانٌ لِكَيْفِيَّةِ خَلْقِهَا رَفَعَ سَمْكَهَا تَفْسِيْرٌ لِكَيْفِيَّةِ الْبِنَاءِ اَيْ جَعَلَ سَمْتَهَا مِنْ جِهَةِ الْعُلُوِّ رَفِيْعًا وَقِيْلَ سَمْكُهَا سَقْفُهَا فَسَوّٰهَا ۞ جَعَلَهَا مُسْتَوِيَةً بِلَا عَيْبٍ وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا اَظْلَمَهٗ وَ اَخْرَجَ ضُحٰهَا ۞ اَبْرَزَ نُوْرَ شَمْسِهَا وَاُضِيْفَ اِلَيْهَا اللَّيْلُ لِاَنَّهٗ ظِلُّهَا وَالشَّمْسُ لِاَنَّهَا سِرَاجُهَا وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۞ بَسَطَهَا وَكَانَتْ مَخْلُوْقَةً قَبْلَ السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ دَحْوٍ اَخْرَجَ حَالٌ بِاِضْمَارِ قَدْ اَيْ مُخْرِجًا مِنْهَا مَآءَهَا بِتَفْجِيْرِ عُيُوْنِهَا وَ مَرْعٰهَا ۞ مَاتَرْعَاهُ النَّعَمُ مِنَ الشَّجَرِ وَالْعُشْبِ وَمَا يَاْكُلُهُ النَّاسُ مِنَ الْاَقْوَاتِ وَالثِّمَارِ وَاِطْلَاقُ الْمَرْعٰى عَلَيْهِ اِسْتِعَارَةٌ وَ الْجِبَالَ اَرْسٰهَا ۞ اَثْبَتَهَا عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ لِتَسْكُنَ مَتَاعًا مَفْعُوْلٌ لَهٗ لِمُقَدَّرٍ اَيْ فَعَلَ ذٰلِكَ مُتْعَةً اَوْ مَصْدَرٌ اَيْ تَمْتِيْعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ۞ جَمْعُ نَعَمٍ وَهِيَ الْاِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ فَاِذَا جَآءَتِ

الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ بَدَلٌ مِنْ اِذَا مَا سَعٰى ۝ فِي الدُّنْيَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَبُرِّزَتِ اُظْهِرَتْ الْجَحِيْمُ النَّارُ الْمُحْرِقَةُ لِمَنْ يَّرٰى ۝ لِكُلِّ رَاءٍ وَجَوَابُ اِذَا فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ كَفَرَ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ بِاتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ مَاْوَاهُ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ قِيَامَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَنَهَى النَّفْسَ الْاَمَّارَةَ عَنِ الْهَوٰى ۝ الْمُرْدِي بِاتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ وَحَاصِلُ الْجَوَابِ فَالْعَاصِيْ فِي النَّارِ وَالْمُطِيْعُ فِي الْجَنَّةِ يَسْـَٔلُوْنَكَ اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۝ مَتٰى وُقُوْعُهَا وَقِيَامُهَا فِيْمَ فِيْ اَيِّ شَيْءٍ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝ اَيْ لَيْسَ عِنْدَكَ عِلْمُهَا حَتّٰى تَذْكُرَهَا اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۝ مُنْتَهٰى عِلْمِهَا لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ اِنَّمَا يَنْفَعُ اِنْذَارُكَ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۝ يَخَافُهَا كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا فِيْ قُبُوْرِهِمْ اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝ اَيْ عَشِيَّةَ يَوْمٍ اَوْ بُكْرَتَهُ وَصَحَّ اِضَافَةُ الضُّحٰى اِلَى الْعَشِيَّةِ لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ الْمُلَابَسَةِ اِذْ هُمَا طَرَفَا النَّهَارِ وَحَسَّنَ الْاِضَافَةَ وُقُوْعُ الْكَلِمَةِ فَاصِلَةً

ع ۲

ترجمہ: بھلا تمہارا (دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدلتے ہوئے۔ اور ہمزہ مسہلہ اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف داخل کیے یعنی اے منکرین قیامت) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا (پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے) اللہ نے اس کو بنایا (یہ آسمان کی کیفیت کا بیان ہے) کہ اس کی سمت کو بلند کیا (آسمان بنانے کی کیفیت کی تفصیل ہے۔ یعنی اس کے اوپر کا رخ نہایت اونچا بنایا اور بعض سمک کے معنی چھت کہتے ہیں) اور اس کو ٹھیک ٹھاک (بلا عیب) بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا (آفتاب کے نور کو چمکایا اور رات کی نسبت آسمان کی طرف کی ہے کیونکہ رات آسمان کا سایہ ہے اور آفتاب کی نسبت بھی آسمان کی طرف کی ہے) اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا ہے (پھیلا دیا ہے، جو آسمان سے پہلے پیدا تو ہو چکی تھی مگر پھیلائی نہیں گئی تھی) نکالا (قد مقدر مان کر حال ہے یعنی مخرجا) اس کا پانی (اس سے چشمے جاری کر کے) اور چارہ (درخت، گھاس جو چوپائے کھاتے ہیں اور انسانوں کے لیے خوراک اور پھل اور لفظ مرعیٰ بولنا بطور استعارہ ہے) اور پہاڑوں کو قائم کر دیا (زمین کو ٹھہرانے کے لیے ان کو جما دیا) فائدہ پہنچانے کے لیے (فعل مقدر کا یہ مفعول لہ ہے ای فعل ذلک متعۃ۔ یا مفعول مطلق ہے بمعنی تمتیعا) تمہارے مویشیوں کے (انعام نعم کی جمع ہے اونٹ، گائے، بکری) سو جب وہ بڑا ہنگامہ (دوسرا نفخہ) آئے گا یعنی جس دن انسان یاد کرے گا (یوم اذا سے بدل ہے) اپنے کیے کو (دنیا میں اچھے برے کام کو) اور دوزخ (جلا دینے والی آگ) ظاہر کر دی جائے گی دیکھنے والوں کے سامنے (ہر دیکھنے والے کے اور اذا کا جواب آگے ہے) جس شخص نے سرکشی (کفر) کی ہوگی اور دنیا کی زندگانی کو (خواہشات کی پیروی کر کے) ترجیح دی ہوگی۔ سو

دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس (امارہ) کو خواہش سے روکا ہوگا (جو خواہشات برباد کرنے والی ہیں) سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا (خلاصۂ جواب یہ ہے کہ نافرمان دوزخ میں اور فرمانبردار جنت میں جائے گا) یہ لوگ (کفار مکہ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب ہوگی (کس وقت قائم ہوگی) سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق (یعنی آپ کو اس کی خبر نہیں کہ آپ بتلا سکیں) آپ کا مدار صرف آپ کے پروردگار کی طرف ہے (یعنی اس کا علم اللہ کو ہے کسی دوسرے کو نہیں) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں (آپ کے ڈرانے کا نفع) اس شخص کو ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں (قبر وں کے اندر) ٹھہرنا ہوا ہے (یعنی ایک ہی دن کی شام صبح مراد ہے۔ اور ضحیٰ کی اضافت عشیۃ کی طرف باہم ملابست کی وجہ سے صحیح ہے کیونکہ یہ دونوں دن کے کنارے ہیں۔ اور کلمۂ فاصل کی وجہ سے اضافت میں حسن آ گیا ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله :لِاَنَّهٗ ظِلُّهَا: رات کی نسبت سماء کی طرف اس لیے کی کیونکہ رات اسی کا سایہ ہے اس لیے کہ غروب آفتاب کے وقت سب سے اول افق سماوی پر رات ہی کا ظہور ہوتا ہے۔ (زمخشری)

قاضی کہتے ہیں آسمان کی طرف رات کی نسبت اس لیے کی ہے کہ رات اس کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ (ک)

قوله :وَكَانَتْ مَخْلُوْقَةً: اس آیت اور سورۃ فصلت کی آیت میں تضاد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پہلے پیدا کیا پھر آسمان کو بنا کر اس کی تکمیل کر دی پھر زمین کو بچھا دیا۔ (ک)

قوله :وَاِطْلَاقُ الْمَرْعٰى: اس کو بطور استعارہ اَلْمَرْعٰی کے لیے استعمال فرمایا ورنہ یہ حیوان کے چارے کے لیے آتا ہے۔ کفار کو حیوان کے مشابہ قرار دے کر ان کے کھانے پر بولا گیا ہے۔ اس لیے کہ کھانے سے اس کی غرض دنیا ہے اور آخرت پر اس کی ذرا بھی نظر نہیں ہوتی۔ (ک)

قوله :تَمْتِيْعًا: یہ مصدر ہے جو سلام بمعنیٰ تسلیم کی طرح ہے اس کا فعل قرینہ کی وجہ سے حذف ہے ای متعنا کم بھا تمتیعا (ک)

قوله :الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى: معنی یہ ہے جب وہ ہنگامہ آ جائے جو سب پر غلبہ پائے گا۔ جو ہر مصیبت سے بڑی مصیبت ہوگی۔ اب اس معنیٰ کے لحاظ سے الکبری یہ تاسیس بنے گی نہ کہ تاکید۔ احوال معاش کے ذکر کے بعد معاد کا تذکرہ شروع فرمایا۔ (ش۔ ابو سعود)

قوله :لِكُلِّ رَاءٍ: ہر بصر ونظر رکھنے والا مؤمن ہو یا کافر وہ یہ جان لے گا کہ جہنم کفار کا ٹھکانہ ہے اور ایمان والوں کا اس کے اوپر سے گزر ہوگا جیسا فرمایا وان منکم الا واردھا۔۔۔ الایہ۔ (ک)

قوله :وَجَوَابُ اِذَا: جواب کا حاصل یہ ہے کہ نافرمان آگ میں اور مطیع جنت میں جائے گا۔ ۲۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جواب

محذوف ہو کہ جب قیامت برپا ہوگی تو جو کچھ واقع ہونا ہے وہ واقع ہو جائے گا۔ اما: یہ اس محذوف کی تفصیل کے لیے ہے۔(ک)

قولہ بِقِيَامَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ: مقام تو بندے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو مکان سے پاک ہے۔ اس کی طرف تو نسبت صرف اسی اعتبار سے کر دی ہے کہ بندہ اس کی بارگاہ اور مقام حساب میں حاضر ہوگا۔ (ک)

قولہ :ماانت من: قیامت کے متعلق آپ کسی فکر میں پڑے ہیں، اس کے متعین وقت کا علم تو علام الغیوب نے کسی کو دیا ہی نہیں۔(ک)

۱۔ جوذات آسمان پر قدرت رکھتی ہے وہ انسان کے اعادہ پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔ اس لیے کہ مشاہداتی طور پر آسمان انسان سے بہت بڑا اور مضبوط ہے۔

۲۔ اول آسمان کی بناوٹ ذکر فرمائی پھر حرکت فلک سے پیدا ہونے والے دن رات کو ذکر کیا۔

۳۔ زمین کی تخلیق کو تین صفات سے ذکر کیا۔ ۱۔ زمین کو بچھایا۔ ۲۔ زمین سے پانی اور چارہ نکالا۔ ۳۔ پہاڑوں کو گاڑ دیا۔

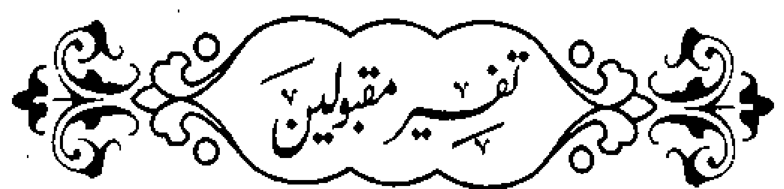
۴۔ زمین پہلے بنائی گئی پھر آسمان بنا کر مکمل کر دیا پھر زمین کو بچھا کر اس میں مختلف اشیاء کو پیدا کر دیا۔

۵۔ جب قیامت واقع ہو جائے گی تو کافر کو جہنم اس لیے دکھائی جائے گی تا کہ انواع عذاب دیکھ لے اور مؤمن کو اس لیے تا کہ انعامات کی قدر پہچانے۔

۶۔ بعث میں دو گروہ ہوں گے سعداء اور اشقیاء: جنہوں نے اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کا خیاک کر کے نیک اعمال اپنائے وہ کامیاب اور جن لوگوں نے معاصی ومحارم میں اپنے کو مبتلا کیا وہ نامراد ہوں گے۔

۷۔ کفار استہزاء قیامت کے وقت کا سوال کرتے تھے جواب دیا تذکرہ قیامت تخویف کے لیے ہے جو اس کا وقت نامعلوم ہونے کے باوجود حاصل ہو جاتا ہے، پس وقت کا سوال فضول ہے۔

۸۔ جس کا وقوع یقینی ہو اس کو واقعہ ہوا سمجھنا چاہیے۔ جب قیامت آجائے گی یہ دنیا کو پل گھڑی خیال کریں گے جیسے فرمایا: لم يلبثوا الا ساعة من نها۔ (احقاف ۴۶/۳۵)



ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ﴿٢٧﴾

جو لوگ قیامت کے منکر تھے ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم اپنی دوبارہ تخلیق کو مشکل سمجھ رہے ہو یہ بتاؤ کہ تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی تخلیق، ذرا سی سمجھ والا آدمی بھی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ بظاہر آسمان کی تخلیق زیادہ مشکل ہے (یعنی انسان کے سوچے تو یہ ہی سمجھ میں آئے گا حالانکہ قادر مطلق کے لیے ہر معمولی اور بڑی سے بڑی چیز پیدا کرنا مشکل نہیں) جب اللہ تعالیٰ نے آسمان جیسی چیز کو پیدا فرما دیا تو تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ اس کے بعد آسمان کی بلندی کا اور رات و دن کا تذکرہ فرمایا۔

وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰهَا ۝

مظاہر قدرت میں سے ایک عظیم الشان مظہر یعنی سلسلہ روز وشب میں دعوت غور وفکر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اسی نے ڈھانک دیا اس کی رات کو اور اسی نے نکالا اس کے دن کو۔ یہاں پر رات اور دن کو جو آسمان کی طرف منسوب کر کے فرمایا گیا یعنی لَيْلَهَا اور ضُحٰهَا ۝ تو یہ اس لیے کہ رات اور دن کے ظہور و بروز کا تعلق سورج کے طلوع وغروب ہی سے ہوتا ہے، اور وہ آسمان ہی کے اعتبار سے ہوتا ہے، اس لیے اس کو اس طرح تعبیر فرمایا گیا ہے، پس اسی قادر مطلق نے رات اور دن دونوں کو ایک نہایت ہی پر حکمت نظام کا پابند بنا دیا، سو اس خدائے قادر وقیوم کے لیے انسان کو اس کے مرکھپ جانے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھا دینا آخر کیوں اور کیا مشکل ہوسکتا ہے؟ نیز اس ارشاد کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ پہلے اس کے اندر رات ہی رات تھی، جیسا کہ سورۃ حم السجدہ کی آیت نمبر 11 میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہ دھوئیں کی شکل میں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اس کی رات کو ڈھانک دیا جس سے اس کے حصے کی روشنی نمودار ہوگئی، اور پھر اپنی مخلوق اور اپنے بندوں کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اور ان کے لیے روشنی اور اندھیرے کی دونوں ضرورتوں کی بہم رسانی کے لیے دن اور رات کے نہایت پر حکمت اور متوازن نظام کو قائم فرما دیا۔ سو ایسے قادر مطلق کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا بھی کچھ بھی مشکل نہیں ہوسکتا اور اس کی حکمت بالغہ اور رحمت شاملہ کا تقاضا ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرے تا کہ اس سے اس کی زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب لے، اور ہر کسی کو اس کی کمائی کا صلہ وبدلہ دے، تا کہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور علی وجہ التمام والکمال پورے ہوں، اور اس طرح اس حکمتوں بھری کائنات کی تخلیق کا مقصد پورا ہوسکے،

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝

اسی نے بچھایا زمین کو اس قدر پر حکمت طریقے سے، اور اسی نے زمین کے اندر سے اس کا پانی بھی نکالا اور اس کا چارہ بھی قسما قسم کے، اور طرح طرح کے حیرت بیکراں اور عنایت بے نہایت کا، پس یہ سب کچھ نہ تو از خود ہوسکتا ہے اور نہ ہی یہ مختلف خداؤں کی کارگزاریوں کا نتیجہ ہوسکتا ہے، نہ ہی یہ بے مقصد اور حکمت سے خالی ہوسکتا ہے، سو اس طرح ان نشانہائے قدرت سے اس وحدہ لاشریک کے وجود باوجود، اس کی وحدانیت ویکتائی، حکمت ورحمت کی بیکرانی، اور امکان وضرورت قیامت سب کا بیک وقت ثبوت مل جاتا ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے اس کلام معجز نظام کی ... ت اور اس کی جامعیت کے، سو اس سے آسمان کی نشانیوں کے بعد اب زمین کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس میں بھی ہر طرف عظیم الشان نشانہائے قدرت موجود ہیں، مگر اس سے مستفید وفیضیاب وہی لوگ ہوتے ہیں اور وہی ہوسکتے ہیں جو ان میں صحیح طریقے سے غور وفکر سے کام لیتے اور حق وحقیقت کو سمجھنا اور ان سے مستفید وبہرہ مند ہونا چاہتے ہیں، مگر افسوس کہ دنیا سے یہی عنصر مقصود غائب اور عنقاء ہے، ابنائے دنیا ہر چیز کو مادہ اور معدہ کی نگاہ سے دیکھتے، اور اسی اعتبار سے سوچتے ہیں، ان کی رسائی یہیں تک ہے اور بس۔ ذلك مبلغهم من العلم اور اس کے نتیجے میں وہ نور حق وہدایت کی اصل دولت اور متاع حقیقی سے محروم رہتے ہیں، جو کہ خساروں کا خسارہ اور دائمی ہلاکت وتباہی کا سبب اور باعث ہے۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝

پہلے اہل جہنم کی خاص علامات بیان کی گئیں وہ دو ہیں: فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اول طغیان یعنی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے احکام کی پابندی کے بجائے سرکشی کرنا، دوسرے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا یعنی جب ایسا کوئی کام سامنے آئے کہ اسکے اختیار کرنے سے دنیا میں تو آرام یا لذت ملتی ہے مگر آخرت میں اس پر عذاب مقرر ہے اس وقت وہ دنیا کی لذت کو ترجیح دے کر آخرت کی فکر کو نظر انداز کر دے۔ جو شخص دنیا میں ان دو بلاؤں میں مبتلا ہے اس کے لیے فرمایا: فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ یعنی جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے۔ اسکے بعد اہل جنت کی اسی طرح دو علامتیں بتلائی ہیں۔ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ اول یہ کہ جس شخص کو دنیا میں اپنے ہر عمل ہر کام کے وقت یہ خوف لگا رہا کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر ان اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ دوسرے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا، ناجائز خواہشوں سے اس کو روک دیا، جس نے دنیا میں یہ دو وصف حاصل کر لیے قرآن کریم نے اس کو یہ خوشخبری دے دی۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ یعنی جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

مخالفت نفس کے تین درجے:

آیت مذکورہ میں جنت کے ٹھکانے کی دو شرطیں بتلائی ہیں اور غور کیا جائے تو وہ نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہے۔ کیونکہ پہلی شرط خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا خوف ہے۔ دوسری شرط نفس کو ہوای سے روکنا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کا خوف ہی نفس کو اتباع ہوی سے روکنے والی چیز ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ مخالفت ہویٰ کے تین درجے ہیں۔

اول درجہ تو یہ ہے کہ آدمی ان عقائد باطلہ سے بچ جائے جو ظاہر نصوص اور اجماع سلف کے خلاف ہوں، اس درجہ میں پہنچ کر وہ سنی مسلمان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ وہ کسی معصیت اور گناہ کا ارادہ کرے پھر اس کو یہ بات یاد آ جائے کہ مجھے اللہ کے سامنے حساب دینا ہے اس خیال کی بنا پر گناہ کو ترک کر دے۔ اسی متوسط درجہ کا تکملہ یہ ہے کہ آدمی شبہات سے بھی پرہیز کرے اور جس مباح و جائز کام میں مشغول ہونے سے کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو جانیکا خطرہ ہو اس جائز کام کو بھی ترک کر دے، جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کے جس نے مشتبہات سے پرہیز کیا اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچا لیا اور جو شخص مشتبہات میں مبتلا ہو گیا وہ بالآخر محرمات میں مبتلا ہو جائیگا۔ مراد مشتبہات سے وہ کام ہیں جن میں جائز و ناجائز ہونے کے دونوں احتمال ہوں، یعنی عمل کرنے والے کو یہ شبہ ہو کہ میرے لیے یہ کام جائز ہے یا ناجائز، مثلاً ایک شخص بیمار ہے وضو کرنے پر قادر ہے تو اور اس کا یقین پورا نہیں کہ میرے لیے وضو کرنا اس حالت میں مضر ہی ہے تو تیمم کا جواز اور عدم جواز مشتبہ ہو گیا اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھ تو سکتا ہے مگر مشقت بہت زیادہ ہے اس کی وجہ سے یہ اشتباہ ہو گیا کہ بیٹھ کر نماز میرے لیے درست ہے یا نہیں ایسے مواقع میں مشتبہ چیز کو چھوڑ کر یقینی جواز کو اختیار کرنا تقویٰ ہے اور مخالفت کا متوسط درجہ یہی ہے۔

مکائد نفس:

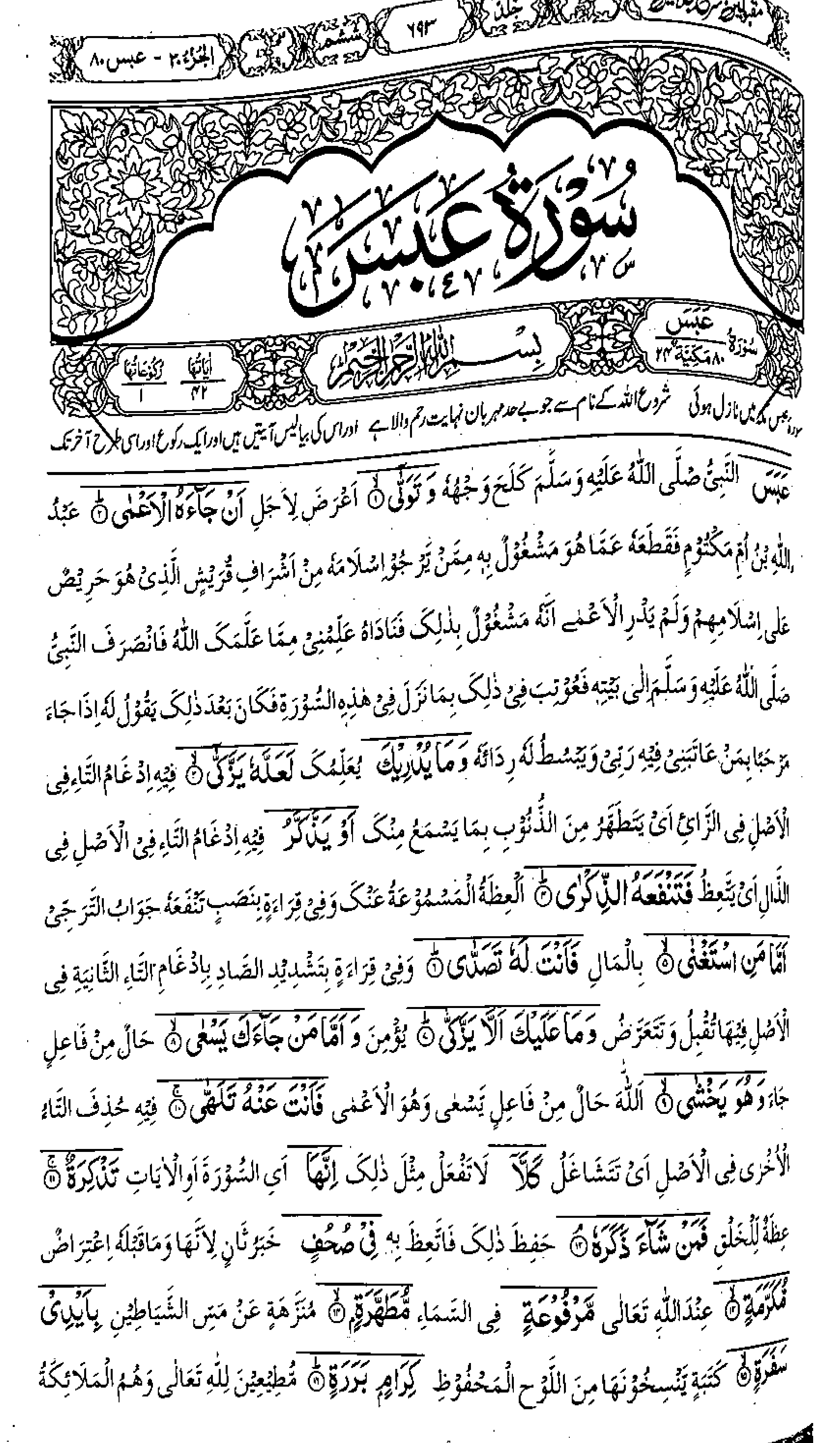
نفس کی مخالفت ان چیزوں میں جو صریح طور سے گناہ اور سیئات ہیں یہ تو اگر کوئی کوشش کرے تو باختیار خود بھی اس میں

کامیابی ہوجاتی ہے لیکن ایک ہوائے نفس وہ ہے جو عبادات اور اعمال حسنہ میں شامل ہوجاتی ہے۔ ریا ونمود، خود پسندی یہ ایسے دقیق گناہ اور شدید ہوائے نفس ہیں جس میں انسان اکثر خود بھی دھوکا کھاتا ہے اپنے عمل کو درست وصحیح سمجھتا رہتا ہے اور یہی وہ ہوائے نفس ہے جس کی مخالفت سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضروری ہے۔ مگر اس سے بچنے کا صحیح علاج اور مجرب نسخہ اس کے سوا نہیں کہ انسان کوئی ایسا شیخ کامل تلاش کرے جو کسی ماہر شیخ کی خدمت میں رہ کر مجاہدات کر کے عیوب نفس اور انکے معالجے سے واقف ہوا پنے آپکو اسکے حوالہ کردے اور اسکے مشورہ پر عمل کرے۔

شیخ امام حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ابتدائی عمر میں نجار تھا (لکڑی کا کام کرتا تھا) میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تا کہ یہ ظلمت اور سستی دور ہوجائے۔ اتفاقاً اسی روزے کی حالت میں ایک روز میں شیخ اجل امام بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے مہمانوں کے لیے کھانا منگایا اور مجھے بھی کھانے کا حکم دیا اور فرمایا بہت برا بندہ ہے جو اپنی ہوائی نفسانی کا بندہ ہو جو اس کو گمراہ کرے اور فرمایا کہ کھانا کھالینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائی نفسانی کے ساتھ ہو، اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عجب وخود پسندی کا شکار ہورہا تھا جس کو شیخ نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہوگیا کہ ذکر وشغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت وہدایت درکار ہے کیونکہ وہ مکائد نفس سے واقف ہوتا ہے جس نفلی عمل میں کوئی نفس کا کید ہوگا اس سے روک دے گا، اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبند قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسا شیخ جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہوتو وہ کیا کرے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ استغفار کرتا رہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض اوقات میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں۔

تیسرا اعلیٰ درجہ مخالفت ہوائے نفسانی کا یہ ہے کہ کثرت ذکر اور مجاہدات وریاضات کے ذریعہ اپنے نفس کو ایسا مزکی بنالے کہ اس میں وہ ہوائی نفسانی باقی ہی نہ رہے جو انسان کی شر کی طرف کھینچتی ہے یہ مقام ولایت کہا جاتا ہے۔ یہی لوگ قرآن کی اس آیت کے مصداق ہیں جو شیطان کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے: ان عبادی لیس لك علیھم سلطن، یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکے گا اور یہی مصداق ہیں اس حدیث کے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لا یو من احدکم حتی یکو ن ھو اہ تبعالما جئت به، یعنی تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی ہوائی نفسانی میری تعلیمات کے تابع نہ ہوجائیں۔ (اللھم ارزقناہ بفضلك وکرمك)

آخر سورت میں کفار کے اس معاندانہ سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے قیامت کے معین تاریخ اور وقت بتلانے پر اصرار کرتے تھے حاصل جواب یہ ہے کہ اس کو حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے صرف اپنی ذات کیلئے مخصوص رکھا ہے اس کی اطلاع کسی فرشتے یا رسول کو بھی نہیں دی گئی ہے اسلئے یہ مطالبہ لغو ہے۔



سُوْرَةُ عَبَسَ

سُوْرَةُ عَبَسَ ٨٠ مَكِّيَّةٌ — اٰيَاتُهَا ٤٢ — رُكُوْعَاتُهَا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

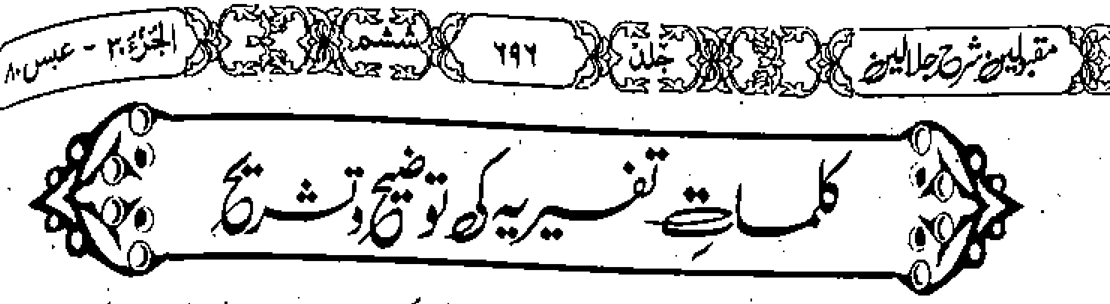
سورۂ عبس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بیالیس آیتیں ہیں اور ایک رکوع اور اسی طرح آخر تک — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

عَبَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَحَ وَجْهَهُ وَتَوَلّٰى (١) اَعْرَضَ لِاَجْلِ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى (٢) عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَقَطَعَهُ عَمَّا هُوَ مَشْغُوْلٌ بِهٖ مِمَّنْ يَرْجُوْ اِسْلَامَهُ مِنْ اَشْرَافِ قُرَيْشٍ الَّذِيْ هُوَ حَرِيْصٌ عَلٰى اِسْلَامِهِمْ وَلَمْ يَدْرِ الْاَعْمٰى اَنَّهُ مَشْغُوْلٌ بِذٰلِكَ فَنَادَاهُ عَلِّمْنِيْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَيْتِهٖ فَعُوْتِبَ فِيْ ذٰلِكَ بِمَا نَزَلَ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَهٗ اِذَا جَآءَ مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِيْ فِيْهِ رَبِّيْ وَيَبْسُطُ لَهٗ رِدَائَهٗ وَمَا يُدْرِيْكَ يُعْلِمُكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى (٣) فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الزَّايِ اَيْ يَتَطَهَّرُ مِنَ الذُّنُوْبِ بِمَا يَسْمَعُ مِنْكَ اَوْ يَذَّكَّرُ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ اَيْ يَتَّعِظُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى (٤) الْعِظَةُ الْمَسْمُوْعَةُ عَنْكَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ تَنْفَعَهُ جَوَابُ التَّرَجِّيْ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى (٥) بِالْمَالِ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى (٦) وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الصَّادِ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِيْهَا تُقْبِلُ وَتَتَعَرَّضُ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى (٧) يُؤْمِنُ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى (٨) حَالٌ مِنْ فَاعِلِ جَاءَ وَهُوَ يَخْشٰى (٩) اللّٰهَ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ يَسْعٰى وَهُوَ الْاَعْمٰى فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى (١٠) فِيْهِ حَذْفُ التَّاءِ الْاُخْرٰى فِي الْاَصْلِ اَيْ تَتَشَاغَلُ كَلَّآ لَا تَفْعَلْ مِثْلَ ذٰلِكَ اِنَّهَا اَيِ السُّوْرَةَ اَوِ الْاٰيَاتِ تَذْكِرَةٌ (١١) عِظَةٌ لِّلْخَلْقِ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (١٢) حَفِظَ ذٰلِكَ فَاتَّعَظَ بِهٖ فِيْ صُحُفٍ خَبَرٌ ثَانٍ لِاَنَّهَا وَمَا قَبْلَهٗ اِعْتِرَاضٌ مُّكَرَّمَةٍ (١٣) عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى مَّرْفُوْعَةٍ فِي السَّمَاءِ مُّطَهَّرَةٍ (١٤) مُنَزَّهَةٍ عَنْ مَسِّ الشَّيَاطِيْنِ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ (١٥) كَتَبَةٍ يَنْسَخُوْنَهَا مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ كِرَامٍ بَرَرَةٍ (١٦) مُطِيْعِيْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ

قُتِلَ الْاِنْسَانُ لُعِنَ الْكَافِرُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿١٧﴾ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ اَيْ مَا حَمَلَهٗ عَلَى الْكُفْرِ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿١٨﴾ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ ثُمَّ بَيَّنَهٗ فَقَالَ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿١٩﴾ عَلَقَةً ثُمَّ مُضْغَةً اِلٰى اٰخِرِ خَلْقِهٖ ثُمَّ السَّبِيْلَ اَيْ طَرِيْقَ خُرُوْجِهٖ مِنْ بَطْنِ اُمِّهٖ يَسَّرَهٗ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿٢١﴾ جَعَلَهٗ فِيْ قَبْرٍ يَسْتُرُهٗ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿٢٢﴾ لِلْبَعْثِ كَلَّا حَقًّا لَمَّا يَقْضِ لَمْ يَفْعَلْ مَآ اَمَرَهٗ ﴿٢٣﴾ بِهٖ رَبُّهٗ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ نَظَرَ اِعْتِبَارٍ اِلٰى طَعَامِهٖ ﴿٢٤﴾ كَيْفَ قُدِّرَ وَدُبِّرَ لَهٗ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ مِنَ السَّحَابِ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ بِالنَّبَاتِ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿٢٨﴾ هُوَ الْقَتُّ الرَّطْبُ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ بَسَاتِيْنَ كَثِيْرَةَ الْاَشْجَارِ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿٣١﴾ مَا تَرْعَاهُ الْبَهَائِمُ وَقِيْلَ التِّبْنُ مَّتَاعًا مُتْعَةً اَوْ تَمْتِيْعًا كَمَا تَقَدَّمَ فِي السُّوْرَةِ قَبْلَهَا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾ تَقَدَّمَ فِيْهَا اَيْضًا فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿٣٤﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهٖ زَوْجَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿٣٦﴾ يَوْمَ بَدَلٌ مِنْ اِذَا وَجَوَابُهَا دَلَّ عَلَيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿٣٧﴾ حَالٌ يَشْغَلُهٗ عَنْ شَاْنِ غَيْرِهٖ اَيِ اشْتَغَلَ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهٖ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ مُضِيْئَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ فَرِحَةٌ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ غُبَارٌ تَرْهَقُهَا تَغْشَاهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ ظُلْمَةٌ وَسَوَادٌ اُولٰٓئِكَ اَهْلُ هٰذِهِ الْحَالَةِ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾ اَيِ الْجَامِعُوْنَ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْفُجُوْرِ

ترجمہ: چیں بہ جبیں ہو گئے (پیغمبر ﷺ کی پیشانی پر بل آ گئے) اور منہ پھیر لیا (رخ موڑ لیا، اس بناء پر کہ) جب ان کے پاس نابینا حاضر ہوا (عبداللہ بن ام مکتوم، جن کے آنے سے آپ کی اس توجہ میں خلل پڑا جو آپ اشرافِ قریش سے اسلام قبول کرنے کی توقع میں صرف فرما رہے تھے اور آپ ان کے مسلمان ہو جانے کے لیے کوشاں تھے حالانکہ نابینا کو آپ کی اس مشغولیت کی خبر نہیں تھی اس لیے عرض گزار ہوئے کہ حضور مجھے احکامِ الٰہی سکھلائیے۔ حضور اٹھ کر مکان میں تشریف لے گئے۔ اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا ہے جو اس سورت میں عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی وہ نابینا حاضر خدمت ہوتے تو آپ یہ فرما کر خیر مقدم فرماتے کہ مرحبا ہو تمہاری وجہ سے حق تعالیٰ نے مجھے سرزنش فرمائی اور اپنی چادر ان کے لیے بچھا دیا کرتے) اور آپ کو کیا خبر (پتہ) شاید کہ وہ سنور جاتا (یزکی کی اصل میں تا تھی جو زا میں ادغام ہو گئی۔ یعنی آپ کا ارشاد سن کر ممکن تھا کہ وہ برائیوں سے پاک صاف ہو جاتا) یا نصیحت قبول کر لیتا (یذکر اس کی اصل میں تا تھی جس کو ذال میں ادغام کر دیا گیا۔ یعنی وعظ حاصل کر لیتا) سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ مند ہوتا (یعنی آپ کے وعظ سے نفع ہوتا۔ ایک قراءت میں

تَصَدّٰى کا نصب جواب ترجی کے طور پر ہے) جو شخص کہ (مال کی وجہ سے) بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی فکر میں پڑ رہے ہیں (ایک قراءت میں تصدّیٰ میں صاد کی تشدید ہے اس کی اصل میں تائے ثانیہ کا ادغام ہو رہا ہے یعنی آپ اس کی طرف توجہ فرما رہے ہیں) حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ سنورے (ایمان لائے) اور جو شخص آپ کی خدمت میں دوڑتا ہوا آتا ہے (جاء کے فاعل سے حال ہے) اور وہ ڈرتا ہے (اللہ تعالیٰ سے۔ یہ حال ہے فاعل یسعیٰ سے اس سے مراد نابینا ہیں) سو آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (اس کی اصل سے دوسری تاء کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی آپ بے التفاتی کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہ کیجیے (اس قسم کی باتوں سے احتراز کیجیے) بلاشبہ (یہ سورت یا آیات) نصیحت کی چیز ہے (مخلوق کے لیے موعظت ہے) سو جس کا جی چاہے قبول کرے (اس کو محفوظ کر کے فائدہ اٹھائے) وہ ایسے صحیفوں میں ہے (ان کی یہ خبر ثانی ہے اور اس سے پہلے جملہ معترضہ ہے۔ اللہ کے یہاں) جو مکرم ہیں بلند مرتبہ ہیں (آسمان میں) مقدس ہیں (شیطان کی پہنچ سے پاک) جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں (جو لوحِ محفوظ سے نقل کرتے ہیں) کہ وہ مکرم نیک ہیں (اللہ کے فرمانبردار فرشتے) آدمی (کافر) پر خدا کی مار کہ وہ کیسا ناشکرا ہے (استفہام توبیخ کے لیے ہے یعنی کس وجہ سے وہ ناشکرا ہو گیا) اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی چیز سے پیدا کیا (استفہام تقریر کے لیے، پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ) نطفہ سے، اس کی صورت بنائی، پھر اس کو انداز سے بنایا (اول جما ہوا خون، پھر گوشت کی بوٹی، یہاں تک کہ بناوٹ پوری کر دی) پھر اس کا رستہ (ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کا) آسان کر دیا۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا (قبر میں ڈال کر چھپا دیا) پھر جب اللہ چاہے گا تو (قیامت کے لیے) دوبارہ اس کو زندہ کر دے گا، ہرگز نہیں (یقیناً) جو اس کو حکم دیا گیا تھا (اللہ کی طرف سے) اس کو بجا نہیں لایا (پورا نہیں کیا) سو انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر (عبرت) کرے کہ (کس طرح اس کے لیے بندوبست اور انتظام کیا ہے) ہم نے عجب طور پر (بادل سے) پانی برسایا، پھر عجب طور پر (سبزی اگا کر) پھاڑا۔ پھر اس میں غلہ (گیہوں، جو) اور انگور اور سبزی (تازہ ترکاری) اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ (جس میں گھنے درخت ہوں) اور میوے اور چارہ پیدا کیا (جس کو جانور کھاتے ہیں اور بعض کے نزدیک بھوسا مراد ہے) فائدہ کے لیے (متاعًا بمعنی متعۃ یا بمعنی تمتیعًا ہے جیسا کہ اس سے پہلے سورت میں بیان ہو چکا ہے) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے (جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے) پھر جب کانوں کو بہرا کر دینے والا شور برپا ہو گا (نفخہ ثانیہ) جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، اپنی بیوی اولاد سے بھاگے گا (یوم بدل ہے اذا کا۔ اس کے جواب پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی مصروفیت ہو گی جو اس کو دوسری طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں دے گی (یعنی ہر ایک کو ایسی حالت درپیش ہو گی جو دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دے گی۔ ہر شخص اپنے بکھیڑے میں پھنسا ہو گا) بہت سے چہرے اس روز روشن (چمکتے ہوئے) خنداں، شاداں ہوں گے (خوش بخوش یعنی مومنین) اور بہت سے چہروں پر اس روز دھول (گرد) پڑی ہو گی، ان پر کدورت (ظلمت اور سیاہی) چھائی ہو گی یہی لوگ (جو اس حالت والے ہوں گے) کافر، فاجر ہیں (یعنی کفر و گناہ دونوں کے حامل ہوں گے)



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله :وَيَبْسُطُ: آپ ﷺ اس کے بعد ابن ام مکتوم کو فرماتے کیا کوئی کام ہے؟ آپ ﷺ نے ان کو تیرہ مرتبہ غزوات کے مواقع میں مدینہ منورہ پر حاکم مقرر کیا یہ مہاجرین اولین سے تھے قادسیہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ انسؓ کہتے ہیں: میں نے ان کو قادسیہ کے دن جھنڈا تھامے زرہ پہنے دیکھا۔ (خ۔ک)

قوله :يَتَطَهَّرُ: اس سے یہاں گناہوں سے پاکیزگی مراد ہے۔ شرک سے تو وہ اسلام لاکر پہلے ہی پاک ہو چکے تھے۔

قوله :مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى: یہاں شرک سے پاک نہ ہونا مراد ہے۔ یہ سب کافر تھے آپ کو قریش کے ایمان کی حرص تھی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو انہیں ایمان دینے کی قدرت نہیں تم پر صرف پہنچانے کی ذمہ داری ہے۔ (ک)

قوله :حَفِظَ: اس سے اشارہ کر دیا کہ قرآن کو یاد کرنا ذکر ہے۔ جو کہ نسیان کی ضد ہے اور ذکر کا لفظ تذکیر وعظ کے معنٰی میں بھی آتا ہے۔ (ک)

قوله :طَرِيْقَ خُرُوْجِهٖ: اس سے اشارہ کیا کہ سبیل راستہ کے معنٰی میں ہے۔ اور اس کا آل ضمیر کے عوض ہے ای سبیلہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا۔ بعض نے کہا کہ بچے کا سر ماں کے پیٹ میں اوپر کی جانب ہوتا ہے اور ٹانگیں نیچے کی طرف ہوتی ہیں گویا وہ ماں کے پیٹ میں کھڑا ہوتا ہے۔ اور جب نکلنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے الہام سے وہ پلٹ جاتا ہے۔ (رازی)

قوله :لَمْ يَفْعَلْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ لمّا نافیہ جازمہ ہے اور اس کی نفی زمانہ حال تک ہوتی ہے۔

قوله :مَآ اَمَرَهٗ به: اس سے اشارہ کیا کہ ما موصولہ ہے اور الذی کا معنٰی دے رہا ہے۔ اور ضمیر عائد محذوف ہے۔ (ک)

قوله : اَنَّا صَبَبْنَا: یہ طعامہ سے بدل ہے محل خبر میں بدل الاشتمال ہے۔ اس طرح کہ پانی کا بہانا یہ غلہ جات کے نکالنے کا سبب ہے اور غلہ جات پانی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ (ک)

قوله :مَاتَرْعَاهُ: وہ چارہ جس کو حیوانات کھائیں خواہ خشک ہو یا تر۔ یہ لفظ قضب سے عام ہے۔

قوله :وَقِيْلَ التِّبْنُ: اس سے گھاس اور ترکاری کے مابین مغایرت ظاہر ہے۔ (ک)

قوله :مَتْعَةً اَوْ تَمْتِيْعًا: یہ مفعول لہ یا مطلق ہے اس کا عامل محذوف ہے ای فعل ذلک متاعا لکم او متعکم بذالک تمتیعا۔ (ک)

قوله :لِاَنْعَامِكُمْ: یہ نعم کی جمع ہے۔ اونٹ، بکری، گائے سب کو شامل ہے۔ (ک)

قوله :اِشْتَغَلَ كُلٌّ وَاحِدٍ: یہ اذا محذوف کے جواب کی وضاحت و بیان ہے۔ (ک)

ا۔ اس عتاب نبوت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں غنی و فقیر میں مساوات ہے۔ یہ عتاب ادبنی ربی فاحسن تادیبی کا نمونہ ہے۔

۲۔ مخلصانہ پیغام دعوت کے بعد کسی کافر کے اسلام کی حرص میں مسلمان سے اعراض درست نہیں۔

۳۔ قرآن مجید کتاب نصیحت ہے جو چاہے اس سے نصیحت پا کر اس پر عمل کرے۔

۴۔ قرآن کو اٹھانے والے فرشتے نہایت نیک و معزز ہیں، قرآن کا انکار کرنے والا ملعون ہے انسان کو حقیر ذکر کے یہ مقام دیا اس کو تکبر، اسے موت کے بعد دفن کا حکم دیا تاکہ اس کی دوسرے حیوانات کے مقابلہ میں عظمت قائم رہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ انسان کو چاہیں گے اٹھا کھڑا کریں گے اس پر یہ انتظامات دلالت کررہیں۔ ذلیل پانی سے ترقی دے کر بنانا۔ ۲۔ خیر و شر کا امتیاز دینا۔ ۳۔ امانت و انشار کرنا۔

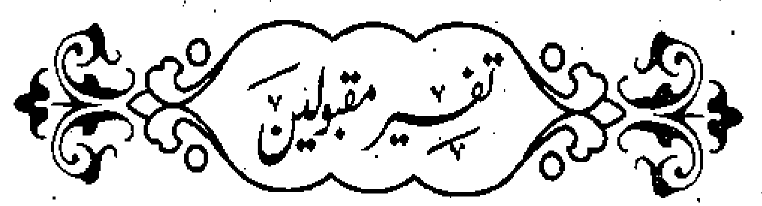
۶۔ بہت کم انسان اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرنے والے ہیں، انسان کو اپنے پر نگاہ ڈالنی چاہیے کہ اس کے لیے کیسے کیسے انتظامات کس کس طرح کیے گئے ہیں۔

۷۔ آٹھ قسم کی نباتات کا ذکر کیا جو انس و حیوان دونوں ہی کے کام آتی ہیں۔ یہ نباتات کا تذکرہ بعث بعد الموت کی ایک مثال کے طور پر ذکر فرمایا۔

۸۔ تین باتیں اصل مقصود ہیں: ۱۔ دلائل توحید کا تذکرہ۔ ۲۔ معاد پر قدرت کے دلائل۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ایمان کے ذریعہ اختیار کی ترغیب۔

۹۔ شدائد حشر سے آدمی کو اپنے ستر کا ہوش نہ ہوگا۔

۱۰۔ حادثہ قیامت اور نسبتوں سے بیزاری کا اظہار اور مطالبہ حقوق وحی میں سے اگر کوئی چیز چھپانا درست ہوتا تو آپ یہ عتاب چھپاتے۔



اس سورت میں خاص طور پر عقیدۂ رسالت کا اثبات اور لوازم رسالت کا بیان ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت بھی ذکر فرمائے جارہے ہیں۔ اوران دلائل کی روشنی میں قیامت اور بعث بعد الموت کو ثابت کرنا ہے جس کے ضمن میں یہ بھی فرمادیا گیا کہ قیامت کی ہول اور دہشت کا یہ عالم ہوگا کہ ہر انسان دوسرے سے بیگانہ ہوگا، اور اس کو صرف اپنی ہی فکر و پریشانی ہوگی، ان مضامین میں خاص طور پر اس امر کو بھی بیان فرمایا گیا کہ اہل ایمان (خواہ وہ دنیا کی نظروں میں) کتنے ہی کم درجہ اور ضعیف ہوں لیکن ان کی دلجوئی اور مدارت ایمان کا تقاضا ہے ان کو دنیا پر فوقیت اور برتری دینی چاہیے، بلکہ اہل دنیا اور متکبر مالداروں سے اعراض اور بے رخی اختیار کرنی چاہیے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۝۱

شان نزول: حضرت ابن ام مکتومؓ ایک صحابی تھے، جو نابینا تھے ان کا نام عبداللہ بن ام مکتوم معروف و مشہور ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام عمرو تھا اور والد کا نام قیس تھا، وہ مہاجرین اولین میں سے تھے۔ مشہور قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے ہجرت

فرمانے سے پہلے مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آ گئے تھے، ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ مشرکین کے سرداروں میں سے بعض لوگ موجود تھے رسول اللہ ﷺ ان سے باتیں کر رہے تھے اور اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت ابن ام مکتوم حاضر خدمت ہو گئے (چونکہ وہ نابینا تھے اس لیے انہیں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی مشغولیت کا پتہ نہ چلا) اور بار بار عرض کرتے رہے کہ مجھے بھی کچھ سکھا دیجئے، آپ کو اس وقت ان کا آ جانا اچھا نہ لگا کیونکہ وہ گفتگو کے درمیان بیچ میں آ گئے جس سے ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ ان کا جواب دیں تو حاضرین سے جو بات ہو رہی تھی وہ کٹ جاتی، آپ نے ابن ام مکتوم کی طرف سے اعراض فرمایا اور سرداران قریش میں سے جس سے بات ہو رہی تھی اس کی طرف متوجہ رہے آپ کے خیال مبارک میں یہ بات تھی کہ یہ تو اپنا ہی آدمی ہے کبھی بھی میرے پاس آ سکتا ہے اور سوال کر سکتا ہے لیکن ان قریش کے سرداروں میں سے کوئی شخص اسلام قبول کر لے تو سارے قریش پر اس کا اثر پڑے گا اور اس کا فائدہ زیادہ ہوگا، اس وقت ابن ام مکتوم پر توجہ دیتا ہوں تو یہ لوگ یوں کہیں گے کہ ان کے ساتھی یہ ہی نابینا اور نیچے درجہ کے لوگ (غلام باندی) ہیں۔ سنن ترمذی میں یوں ہے کہ وعند رسول اللہ ﷺ رجل من عظماء المشرکین۔ لیکن معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جس وقت ابن مکتوم حاضر ہوئے اس وقت آپ کی خدمت میں عتبہ بن ربیعہ اور ابو جہل اور عباس بن عبد المطلب اور ابی بن خلف اور امیہ بن خلف موجود تھے۔ اور تفسیر بیضاوی میں ہے وعندہ صنادید قریش کہ آپ کے پاس سرداران قریش موجود تھے۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ کو اس وقت ابن ام مکتوم کا آنا اور بات کرنا ناگوار ہوا اور اس کا اثر چہرہ انور پر ظاہر ہوا، اس پر اللہ جل شانہ نے عتاب فرمایا اور سورہ عبس نازل فرمائی، ارشاد فرمایا: عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۙ﴿۱﴾ (منہ بنایا اور روگردانی کی) اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ؕ﴿۲﴾ (یعنی رخ پھیر لیا اس وجہ سے کہ ان کے پاس نابینا آ گیا) پہلے تو غائب کا صیغہ استعمال فرمایا اس میں آپ کا اکرام ہے۔ پھر صیغہ خطاب ارشاد فرمایا: وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤی ۙ﴿۳﴾ (اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا)۔ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ؕ﴿۴﴾ (یا وہ نصیحت قبول کرتا سو نصیحت اسے فائدہ دیتی) یعنی وہ نابینا جو آیا وہ پہلے سے مومن تھا اس نے آپ سے دینی باتیں معلوم کرنا چاہیں آپ اسے کچھ بتاتے سمجھاتے تو وہ اپنی حالت کو سنوار لیتا اور نصیحت حاصل کرتا اور اسے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا۔ آپ کو اس کے سنورنے اور سدھرنے اور نصیحت سے نفع حاصل کرنے کی امید رکھنا چاہیے۔ لفظ لعل جو ترجی کے لیے آتا ہے اسی مفہوم کے ظاہر کرنے کے لیے استعمال فرمایا۔

وَ مَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی ؕ﴿۷﴾

یعنی جو لوگ اپنے غرور اور شیخی سے حق کی پروا نہیں کرتے اور ان کا تکبر اجازت نہیں دیتا کہ اللہ و رسول کے سامنے جھکیں آپ ﷺ ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں تا کہ ان کے اسلام کا اثر دوسروں پر پڑے۔ حالانکہ اللہ کی طرف سے آپ ﷺ پر کوئی الزام نہیں کہ یہ مغرور اور شیخی باز آپ ﷺ کی ہدایت سے درست کیوں نہ ہوئے۔ آپ ﷺ کا فرض دعوت و تبلیغ کا تھا، وہ ادا کر چکے اور کر رہے ہیں۔ آگے ان لا پروا متکبروں کی فکر میں اس قدر انہماک کی ضرورت نہیں کہ سچے طالب اور مخلص ایماندار توجہ سے محروم ہونے لگیں۔ یا معاملہ کی ظاہری سطح دیکھ کر بے سوچے سمجھے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ پیغمبر صاحب کی توجہ امیروں اور تونگروں کی طرف زیادہ ہے۔ شکستہ حال غریبوں کی طرف

نہیں اس مہمل خیال کے پھیلنے سے جو ضرر دعوت اسلام کے کام کو پہنچ سکتا ہے، وہ اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے جس کی ان چند متکبرین کے مسلمان ہونے سے توقع کی جا سکتی ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی ﴿۸﴾ وَ هُوَ یَخْشٰی ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ﴿۱۰﴾ (اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے سو آپ اس کی طرف سے بے توجہی برتتے ہیں)۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد نیک تھا مشرکین کے اسلام قبول کرنے کی امید پر ان سے باتیں کرتے رہے اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ نہ دی لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تاکہ اصحاب صفہ کے دل نہ ٹوٹیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ فقیر مومن غنی کافر سے بہتر ہے اور مومن کا خیال کرنا اولیٰ ہے اگرچہ فقیر ہو۔ مزید فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۃ الانعام میں: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ اور سورۃ الکہف میں: وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فرمایا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کا خاص اکرام فرماتے تھے اور جب ان کو آتا ہوا دیکھتے تھے تو فرماتے تھے: مرحبا بمن عاتبنی فیه ربی (مرحبا ہے اس شخص کے لیے جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا) اور ان سے بار بار دریافت فرماتے تھے کہ کیا تمہاری کوئی حاجت ہے۔ الاستیعاب اور الاصابہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیچھے غزوات میں تیرہ مرتبہ خلیفہ بنایا یعنی جب آپ جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو امامت اور امارت ان کے سپرد کر کے جاتے تھے۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾

اس کے بعد فرمایا: كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ آپ ہرگز ایسا نہ کیجیے کہ جو شخص آپ کے پاس دینی باتیں معلوم کرنے آئے اس کی طرف سے بے توجہی کریں کیونکہ قرآن ایک نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے جو قرآن اور اس کی نصیحت قبول نہ کرے اس کا وبال اسی پر ہے، آپ پر کوئی ضرر نہیں اس کے بعد قرآن کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو اللہ کے یہاں مکرم ہیں اور بلند اور مقدس ہیں، کیونکہ شیاطین وہاں تک نہیں پہنچ سکتے اور یہ صحیفے ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں جو باعزت اور نیک ہیں (فرشتے چونکہ لوح محفوظ سے قرآن مجید کو نقل کرتے ہیں اس لیے بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ فرمایا۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾

جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکاری تھے ان کی یہاں مذمت بیان ہو رہی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی انسان پر لعنت ہو یہ کتنا بڑا ناشکر گزار ہے اور یہ بھی معنی بیان کیے گئے ہیں کہ عموماً تمام انسان جھٹلانے والے ہیں بلا دلیل محض اپنے خیال سے ایک چیز کو ناممکن جان کر باوجود علمی سرمایہ کی کمی کے جھٹ سے اللہ کی باتوں کی تکذیب کر دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے اس جھٹلانے پر کونسی چیز آمادہ کرتی ہے؟ اس کے بعد اس کی اصلیت جتائی جاتی ہے کہ وہ خیال کرے کہ کس قدر حقیر اور ذلیل چیز سے اللہ نے اسے بنایا ہے کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ اس نے انسان کو منی کے قطرے

سے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقدر کی یعنی عمر روزی عمل اور نیک و بد ہونا لکھا۔ پھر اس کے لیے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا اور یہ بھی معنی ہیں کہ ہم نے اپنے دین کا راستہ آسان کر دیا یعنی واضح اور ظاہر کر دیا جیسے اور جگہ ہے: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الانسان: ۳) یعنی ہم نے اسے راہ دکھائی پھر یا تو وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا، حسن اور ابن زید اسی کو راجح بتاتے ہیں واللہ اعلم۔ اس کی پیدائش کے بعد پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں لے گیا۔ عرب کا محاورہ ہے کہ وہ جب کسی کو دفن کریں تو کہتے ہیں۔ قبرت الرجل اور کہتے ہیں اقبرہ اللہ اسی طرح کے اور بھی محاورے ہیں مطلب یہ ہے کہ اب اللہ نے اسے قبر والا بنا دیا۔ پھر جب اللہ چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا، اسی کی زندگی کو بعثت بھی کہتے ہیں اور نشور بھی، جیسے اور جگہ ہے آیت: وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ (الروم: ۲۰) اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم انسان بن کر اٹھ بیٹھے اور جگہ ہے: كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا (البقرۃ: ۲۵۹) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اٹھاتے بٹھاتے ہیں، پھر کس طرح انہیں گوشت چڑھاتے ہیں ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام اعضاء وغیرہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کو نہیں کھاتی، لوگوں نے کہا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا رائی کے دانے کے برابر ہے اسی سے پھر تمہاری پیدائش ہوگی۔ یہ حدیث بغیر سوال و جواب کی زیادتی کے بخاری مسلم میں بھی ہے کہ ابن آدم گل سڑ جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر ترکیب دیا جائے گا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح یہ ناشکرا اور بے قدر انسان کہتا ہے کہ اس نے اپنی جان و مال میں اللہ کا جو حق تھا وہ ادا کر دیا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ابھی تو اس نے فرائض اللہ سے بھی سبکدوشی حاصل نہیں کی۔ حضرت مجاہد کا فرمان ہے کہ کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی پوری ادائیگی نہیں ہوسکتی۔ حسن بصری سے بھی ایسے ہی معنی مروی ہیں متقدمین میں سے میں نے تو اس کے سوا کوئی اور کلام نہیں پایا، ہاں مجھے اس کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ فرمان باری کا یہ مطلب ہے کہ پھر جب چاہے دوبارہ پیدا کرے گا، اب تک اس کے فیصلے کے مطابق وقت نہیں آیا۔ یعنی ابھی ابھی وہ ایسا نہیں کرے گا یہاں تک کہ مدت مقررہ ختم ہو اور بنی آدم کی تقدیر پوری ہو، ان کی قسمت میں اس دنیا میں آنا اور یہاں برا بھلا کرنا وغیرہ جو مقدر ہو چکا ہے۔ وہ سب اللہ کے اندازے کے مطابق پورا ہو چکے اس وقت وہ خالق کل دوبارہ زندہ کرے گا اور جیسے کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اب دوسری دفعہ پھر پیدا کر دے گا، ابن ابی حاتم میں حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ قبریں زمین کا پیٹ ہیں اور زمین مخلوق کی ماں ہے جب کہ کل مخلوق پیدا ہو چکے گی پھر قبروں میں پہنچ جائے گی اور قبریں سب بھر جائیں گی اس وقت دنیا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور جو بھی زمین پر ہوں گے سب مر جائیں گے۔ اور زمین میں جو کچھ ہے اسے زمین اگل دے گی اور قبروں میں جو مردے ہیں سب باہر نکال دیئے جائیں گے یہ قول ہم اپنی اس تفسیر کی دلیل میں پیش کر سکتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے اس احسان کو دیکھیں کہ میں نے انہیں کھانا دیا اس میں بھی دلیل ہے موت کے بعد جی اٹھنے کی کہ جس طرح خشک غیر آباد زمین سے ہم نے تروتازہ درخت اگائے اور ان سے اناج وغیرہ پیدا کر کے تمہارے لیے کھانا مہیا کیا اسی طرح گلی سڑی کھوکھلی اور چورا چورا ہڈیوں کو بھی ہم ایک روز زندہ کر دیں گے اور انہیں گوشت پوست پہنا کر دوبارہ تمہیں زندہ کر دیں گے، تم دیکھ لو کہ ہم نے

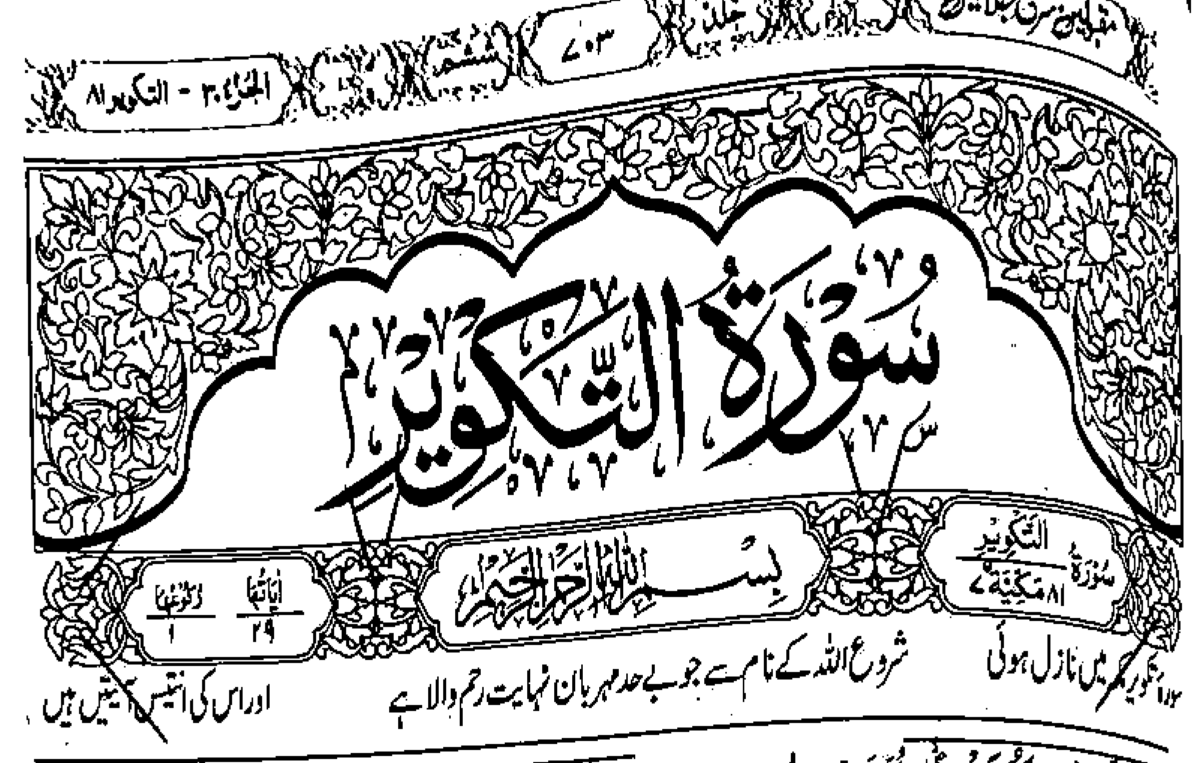
آسمان سے برابر پانی برسایا پھر اسے ہم نے زمین میں پہنچا کر ٹھہرا دیا وہ بیج میں پہنچا اور زمین میں پڑے ہوئے دانوں میں سرایت کی جس سے وہ دانے اگے درخت پھوٹا اونچا ہوا اور کھیتیاں لہلہانے لگیں، کہیں اناج پیدا ہوا کہیں انگور اور کہیں ترکاریاں۔ حب کہتے ہیں کہ ہر دانے کو، عنب کہتے ہیں انگور کو اور قضب کہتے ہیں اس سبز چارے کو جیسے جانور کھاتے ہیں اور زیتون پیدا کیا جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے جلایا جاتا ہے تیل نکالا جاتا ہے اور کھجوروں کے درخت پیدا کئے جو گدرائی ہوئی بھی کھائی جاتی ہے، تر بھی کھائی جاتی ہے اور خشک بھی کھائی جاتی ہیں اور پکی بھی اور اس کا شیرہ اور سرکہ بھی بنایا جاتا ہے اور باغات پیدا کئے۔ غالباً کے معنی کھجوروں کے بڑے بڑے میوہ دار درخت ہیں۔ حدائق کہتے ہیں ہر اس باغ کو جو گھنا اور خوب بھرا ہوا اور گہرے سائے والا اور بڑے درختوں والا ہو، موٹی گردن والے آدمی کو بھی عرب اغلب کہتے ہیں، اور میوے پیدا کئے اور اب کہتے ہیں زمین کی اس سبزی کو جسے جانور کھاتے ہیں اور انسان اسے نہیں کھاتے، جیسے گھاس پات وغیرہ، اب جانور کے لیے ایسا ہی ہے جیسا انسان کے لیے فاکھہ یعنی پھل، میوہ۔ عطاء کا قول ہے کہ زمین پر جو کچھ اگتا ہے اسے اب کہتے ہیں۔ ضحاک فرماتے ہیں سوائے میووں کے باقی سب اَبّ ہے۔ ابوالسائب فرماتے ہیں اَبّ آدمے کے کھانے میں بھی آتا ہے اور جانور کے کھانے میں بھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس بابت سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کونسا آسمان مجھے اپنے تلے سایہ دے گا اور کونسی زمین مجھے اپنی پیٹھ پر اٹھائے گی، اگر میں کتاب اللہ میں وہ کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو لیکن یہ اثر منقطع ہے، ابراہیم تیمی نے حضرت صدیق کو نہیں پایا، ہاں البتہ صحیح سند سے ابن جریر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے منبر پر سورۃ عبس پڑھی اور یہاں تک پہنچ کر کہا کہ فاکھہ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اب کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا اس تکلیف کو چھوڑ، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی شکل وصورت اور اس کی تعیین معلوم نہیں ورنہ اتنا تو صرف آیت کے پڑھنے سے ہی صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ زمین سے اگنے والی ایک چیز ہے کیونکہ پہلے یہ لفظ موجود ہے: فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ (لقمان:۱۰) پھر فرمایا ہے تمھاری زندگی کے قائم رکھنے، تمھیں فائدہ پہنچانے اور تمھارے جانوروں کے لیے ہے کہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہیگا اور تم اس سے فیض یاب ہوتے رہو گے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾

ننگے پاؤں، ننگے بدن، پسینے کا لباس:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صاخہ قیامت کا نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نفخہ کی آواز اور ان کا شور وغل کانوں کے پردے پھاڑ دیگا۔ اس دن انسان اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا لیکن بھاگتا پھرے گا کوئی کسی کے کام نہ آئیگا، میاں بیوی کو دیکھ کر کہے گا کہ بتا تیرے ساتھ میں نے دنیا میں کیسا کچھ سلوک کیا وہ کہے گی کہ بیشک آپ نے میرے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کیا بہت پیار محبت سے رکھا یہ کہے گا کہ آج مجھے ضرورت ہے صرف ایک نیکی دے دو تا کہ اس آفت سے چھوٹ جاؤں، تو وہ جواب دے گی کہ سوال تھوڑی سی چیز کا ہی ہے مگر کیا کروں یہی ضرورت مجھے درپیش ہے اور اسی کا خوف مجھے لگ رہا ہے میں تو نیکی نہیں دے سکتی، بیٹا باپ سے ملے گا یہی کہے گا اور یہی جواب پائے گا، صحیح حدیث میں شفاعت کا بیان

فرماتے ہوئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں سے لوگ شفاعت کی طلب کریں گے اوران میں سے ہرایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ صلوات اللہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں اللہ کے سوائے اپنی جان کے اورکسی کے لیے کچھ نہ ہوں گا میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کیلئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں، الغرض دوست دوست سے رشتہ دار رشتہ دار سے منہ چھپا تا پھرے گا۔ ہرایک آپ ﷺ ادھاپی میں لگا ہوگا، کسی کو دوسرے کا ہوش نہ ہوگا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم ننگے پیروں ننگے بدن اور بے ختنہ اللہ کے ہاں جمع کیے جاؤ گے آپ ﷺ کی بیوی صاحبہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ پھر تو ایک دوسروں کی شرمگاہوں پر نظریں پڑیں گی فرمایا اس روز گھبراہٹ کا حیرت انگیز ہنگامہ ہر شخص کو مشغول کیے ہوئے ہوگا، بھلا کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا موقعہ اس دن کہاں؟ (ابن ابی حاتم) بعض روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی لکل امری الخ دوسری روایت میں ہے کہ یہ بیوی صاحبہ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت صدیقہؓ نے حضور ﷺ سے کہا یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں میں ایک بات پوچھتی ہوں ذرا بتا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں جانتا ہوں تو ضرور بتاؤں گا پوچھا حضور ﷺ لوگوں کا حشر کس طرح ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا ننگے پیروں اور ننگے بدن تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کیا عورتیں بھی اسی حالت میں ہوں گی؟ فرمایا ہاں۔ یہ سن کر ام المومنین افسوس کرنے لگیں آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ اس آیت کو سن لو پھر تمہیں اس کا کوئی رنج وغم نہ رہے گا کہ کپڑے پہنے یا نہیں؟ پوچھا حضور ﷺ وہ آیت کونسی ہے فرمایا لکل امری الخ، ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت سودہ نے پوچھا یہ سن کر کہ لوگ اس طرح ننگے بدن ننگے پاؤں بے ختنہ جمع کیے جائیں گے پسینے میں غرض ہوں گے کسی کے منہ تک پسینہ پہنچ جائے گا اور کسی کے کانوں تک تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ سنائی، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہاں لوگوں کے دو گروہ ہوں گے بعض تو وہ ہوں گے جن کے چہرے خوشی سے چمک رہے ہوں گے دل خوشی سے مطمئن ہوں گے منہ خوبصورت اور نورانی ہوں گے یہ تو جنتی جماعت ہے دوسرا گروہ جہنمیوں کا ہوگا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے گرد آلود ہوں گے، حدیث میں ہے کہ ان کا پسینہ مثل لگام کے ہو رہا ہوگا پھر گرد وغبار پڑا ہوا ہوگا جن کے دلوں میں کفر تھا اور اعمال میں بدکاری تھی جیسے اور جگہ ہے: وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح:۲۷) یعنی ان کفار کی اولاد بھی بدکار کافر ہی ہوگی۔



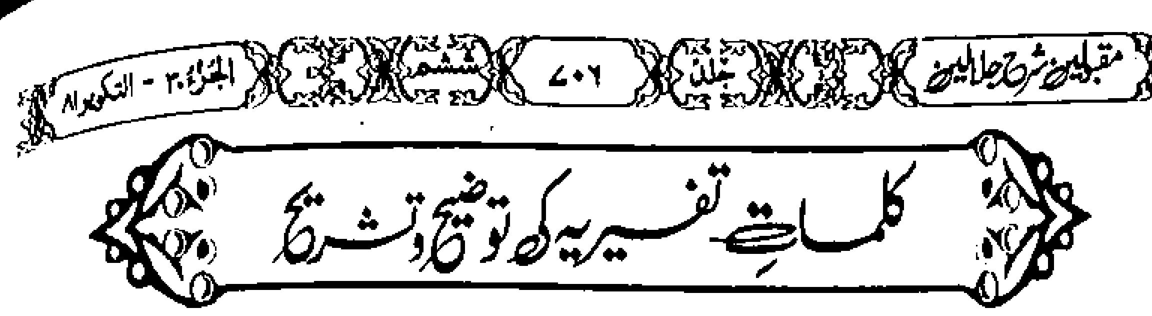
اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ لُفِفَتْ وَذُهِبَ بِنُوْرِهَا وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝٢ اِنْقَضَتْ وَ تَسَاقَطَتْ عَلَى الْاَرْضِ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣ ذُهِبَ بِهَا عَنْ وَجْهِ الْاَرْضِ فَصَارَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا وَ اِذَا الْعِشَارُ النُّوْقُ الْحَوَامِلُ عُطِّلَتْ ۝٤ تُرِكَتْ بِلَا رَاعٍ اَوْ بِلَا حَلْبٍ لَمَّا دَهَاهُمْ مِنَ الْاَمْرِ وَلَمْ يَكُنْ مَالٌ اَعْجَبَ اِلَيْهِمْ مِنْهَا وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝٥ جُمِعَتْ بَعْدَ الْبَعْثِ لِيُقْتَصَّ لِبَعْضٍ مِنْ بَعْضٍ ثُمَّ تَصِيْرُ تُرَابًا وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٦ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اُوْقِدَتْ فَصَارَتْ نَارًا وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝٧ قُرِنَتْ بِاَجْسَادِهَا وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ الْجَارِيَةُ تُدْفَنُ حَيَّةً خَوْفَ الْعَارِ وَالْحَاجَةِ سُئِلَتْ ۝٨ تَبْكِيْتًا لِقَاتِلِهَا بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝٩ وَقُرِئَ بِكَسْرِ التَّاءِ حِكَايَةً لِمَا تُخَاطَبُ بِهٖ وَجَوَابُهَا اَنْ تَقُوْلَ قُتِلْتُ بِلَا ذَنْبٍ وَ اِذَا الصُّحُفُ صُحُفُ الْاَعْمَالِ نُشِرَتْ ۝١٠ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ فُتِحَتْ وَبُسِطَتْ وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝١١ نُزِعَتْ عَنْ اَمَاكِنِهَا كَمَا يُنْزَعُ الْجِلْدُ عَنِ الشَّاةِ وَ اِذَا الْجَحِيْمُ النَّارُ سُعِّرَتْ ۝١٢ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اُجِّجَتْ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝١٣ قُرِّبَتْ لِاَهْلِهَا لِيَدْخُلُوْهَا وَجَوَابُ اِذَا اَوَّلَ السُّوْرَةِ وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا عَلِمَتْ نَفْسٌ اَيْ كُلُّ نَفْسٍ وَقْتَ هٰذِهِ الْمَذْكُوْرَاتِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝١٤ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ فَلَآ اُقْسِمُ لَا زَائِدَةٌ بِالْخُنَّسِ ۝١٥ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝١٦ هِيَ النُّجُوْمُ الْخَمْسَةُ زُحَلُ وَالْمُشْتَرِيْ وَالْمِرِّيْخُ وَالزُّهْرَةُ وَعُطَارِدُ تَخْنُسُ بِضَمِّ النُّوْنِ اَيْ تَرْجِعُ فِيْ مَجْرَاهَا وَرَاءَهَا بَيْنَا تَرَى النَّجْمَ فِيْ اٰخِرِ الْبُرْجِ اِذْ كَرَّ

رَاجِعًا اِلٰی اَوَّلِهٖ وَتَكْنِسُ بِكَسْرِ النُّوْنِ تَدْخُلُ فِیْ كِنَاسِهَا اَیْ تَغِیْبُ فِی الْمَوَاضِعِ الَّتِیْ تَغِیْبُ فِیْهَا وَالَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ اَقْبَلَ بِظَلَامِهٖ اَوْ اَدْبَرَ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِمْتَدَّ حَتّٰی یَصِیْرُ نَهَارًا بَیِّنًا اِنَّهٗ اَیِ الْقُرْاٰنُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿۱۹﴾ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَهُوَ جِبْرِیْلُ اُضِیْفَ اِلَیْهِ لِنُزُوْلِهٖ بِهٖ ذِیْ قُوَّةٍ اَیْ شَدِیْدِ الْقُوٰی عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ اَیِ اللّٰهِ تَعَالٰی مَكِیْنٍ ﴿۲۰﴾ ذِیْ مَكَانَةٍ مُتَعَلِّقٌ بِهٖ عِنْدَ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَیْ تُطِیْعُهُ الْمَلَائِكَةُ فِی السَّمٰوٰتِ اَمِیْنٍ ﴿۲۱﴾ عَلَی الْوَحْیِ وَمَا صَاحِبُكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَطْفٌ عَلٰی اِنَّهٗ اِلٰی اٰخِرِ الْمُقْسَمِ عَلَیْهِ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ كَمَا زَعَمْتُمْ وَلَقَدْ رَاٰهُ رَاٰی مُحَمَّدٌ جِبْرِیْلَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی صُوْرَتِهِ الَّتِیْ خُلِقَ عَلَیْهَا بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴿۲۳﴾ الْبَیِّنِ وَهُوَ الْاَعْلٰی بِنَاحِیَةِ الْمَشْرِقِ وَمَا هُوَ اَیْ مُحَمَّدٌ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَی الْغَیْبِ مَا غَابَ مِنَ الْوَحْیِ وَخَبَرِ السَّمَاءِ بِضَنِیْنٍ ﴿۲۴﴾ بِمُتَّهَمٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالضَّادِ اَیْ بِبَخِیْلٍ فَیَنْقُصُ شَیْئًا مِنْهُ وَمَا هُوَ اَیِ الْقُرْاٰنُ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ مُسْتَرِقِ السَّمْعِ رَّجِیْمٍ ﴿۲۵﴾ مَرْجُوْمٍ فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَاَیَّ طَرِیْقٍ تَسْلُكُوْنَ فِیْ اِنْكَارِكُمُ الْقُرْاٰنَ وَاِعْرَاضِكُمْ عَنْهُ اِنْ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ بَدَلٌ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ بِاِعَادَةِ الْجَارِ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ﴿۲۸﴾ بِاتِّبَاعِ الْحَقِّ وَمَا تَشَآءُوْنَ الْاِسْتِقَامَةَ عَلَی الْحَقِّ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۹﴾ الْخَلَائِقِ اِسْتِقَامَتَكُمْ عَلَیْهِ

ع ۲۹

ترجمہ: سورج جب بے نور ہو جائے گا (لپیٹ دیا جائے گا اور اس کی روشنی گل ہو جائے گی) اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے (زمین پر گر کر بکھر جائیں گے) اور پہاڑ جب چلائے جائیں گے (زمین سے اکھڑ کر اڑے پھریں گے) اور دس مہینے کی گابھن (حاملہ) اونٹنیاں جب چھٹی پھریں گی (بغیر چرواہے کے یا دودھ دوہے بغیر دہشت ناک حالات کی وجہ سے۔ حالانکہ اہل عرب کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی عجیب مال نہیں ہے) اور وحشی جانور سب جمع ہو جائیں گے۔ (دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تاکہ ان سے ایک دوسرے کا قصاص لے کر انہیں مٹی کر دیا جائے) اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے (لفظ فجرت تخفیف وتشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی سمندر دھونکا کر آگ بنا دیئے جائیں گے) اور جب روحیں ملا دی جائیں گی (اپنے اپنے بدنوں سے وابستہ ہو جائیں گی) اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے (جس کو عار کے خوف یا محتاجگی کی وجہ سے زندہ درگور کر دیا ہوگا) پوچھا جائے گا (اس کے قاتل کو دہشت زدہ کرنے کے لیے) کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی تھی (ایک

قراءت میں قتلت کسرہ تاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اس سے خطاب کو نقل کرتے ہوئے اس کا جواب یہ ہوگا کہ میں بلاقصور ماری گئی ہوں) اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کھول دیئے جائیں اور پھیلا دیئے جائیں گے) اور آسمان جب کھینچ دیا جائے گا (اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا جیسے بکری سے کھال کھینچ دی جاتی ہے) اور جب دوزخ دہکائی جائے گی (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے، یعنی بھڑکا دی جائے گی) اور جنت جب نزدیک کردی جائے گی (جنتیوں کے قریب ان کو داخل کرنے کے لیے لے آئی جائے گی۔ شروع سورت کے اذا اور اس کے معطوفات کا جواب آئندہ ہے) ہر شخص جان لے گا (یعنی ہر آدمی ان مذکورہ چیزوں کے وقت یعنی قیامت میں واقف ہو جائے گا۔ ان اچھے برے) اعمال سے جو وہ لے کر آیا ہے۔ تو میں قسم کھاتا ہوں (اس میں لا زائد ہے) ان ستاروں کی جو پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں۔ چلتے رہتے ہیں، جا چھپتے ہیں (اس سے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد پانچ ستارے مراد ہیں۔ تخنس ضمہ نون کے ساتھ پیچھے لوٹنے کے معنی ہیں۔ ان برجوں میں کہ ستارے آخر برج میں دکھائی دیں، تکنس کسرہ نون کے ساتھ اپنی جگہ چھپنے کے معنی ہیں۔ یعنی اپنی جگہ پوشیدہ میں غائب ہو جائے) اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے (اندھیرے کے ساتھ آئے یا جائے) اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے (پھیلتی چلی جائے، حتیٰ کہ دن چمکنے لگے) کہ یہ (قرآن) ایک فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے جو معزز ہے (اللہ کے نزدیک جبریل مراد ہیں، کلام کی نسبت ان کی طرف لانے کی وجہ سے کی گئی ہے) جو طاقت ور (نہایت قوت والا ہے) مالک عرش (اللہ تعالیٰ) کے نزدیک ذی مرتبہ ہے (عزت مند، اس کا تعلق عند کے ساتھ ہے) وہاں (اس کا حکم مانا جاتا ہے آسمانوں میں فرشتے اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں) امانت دار ہے (وحی لانے کے سلسلہ میں) اور یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (محمد ﷺ مراد ہیں، اس کا عطف انہ پر ہے آخر مضمون قسم تک ہے) جنون والے نہیں ہیں (جیسا کہ تمہارا خیال ہے) اور انہوں نے اس کو دیکھا بھی ہے (محمد ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل وصورت میں) صاف کنارہ پر (مشرقی بلندی پر واضح طریقہ سے) اور وہ (محمد ﷺ) مخفی باتوں پر (وحی اور آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں پر) بخل کرنے والے بھی نہیں ہیں (ظنین کے معنی متہم کے ہیں، البتہ ایک قراءت میں ضنین ضاد کے ساتھ ہے۔ یعنی وحی کے سلسلہ میں بخیل نہیں ہیں کہ کچھ کم کر کے ظاہر کریں) اور یہ (قرآن) شیطان کی بات نہیں (چوری چھپے سنی ہوئی) جو مردود (راندہ) ہے۔ تم لوگ کدھر جا رہے ہو (قرآن کے انکار اور اپنی پہلوتہی کے معاملہ میں کہاں جا رہے ہو) بس یہ تو دنیا جہان کے (انسان وجنات) کے لیے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے ایسے شخص کے لیے جو تم میں سے (یہ عالمین سے بدل ہے اعادہ جار کے ساتھ ہے) سیدھا چلنا چاہے (حق کی پیروی کرتے ہوئے) اور تم (استقامت حق کے سلسلہ میں) کچھ نہیں چاہ سکتے۔ بدون اللہ رب العالمین کے چاہے ہوئے (تمہاری استقامت حق کو)۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله :لُفِفَتْ :یعنی ان کو ایک دوسرے کے ساتھ لپیٹ کر سمندر میں پھینک دیا جائے گا اور سمندر میں پھینکنے کے بعد ہوا بھیج کر اسے آگے بنا دیا جائے گا۔(ک)

قوله :الْعِشَارُ :یہ عشراء کی جمع ہے جیسے نفاس ونفساء دس ماہ کی گابھن اونٹنی وضع حمل تک اس کا یہی نام رہتا ہے۔(ک)

قوله :وَلَمْ يَكُنْ مَالٌ :یہ عربوں کے ہاں اس حالت میں پسندیدہ ترین مال تھا۔ایک دن جناب پیغمبر ﷺ اپنے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ دس ماہ کی گابھن اونٹنیوں کے پاس سے گزرے مگر آپ ﷺ نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ تو ایک صحابی نے عرض کی یہ تو ہمارے نفیس مال ہے آپ نے اس کی طرف توجہ کیوں نہیں فرمائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا: لا تمدن عینیک۔۔۔الایۃ۔(خ۔ک)

قوله :تَبْكِيتًا :یہ قاتل کی مزید تذلیل کے لیے ہے۔اس لیے کہ جب اس زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے سوال ہوگا تمہیں کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا وہ جواب دے گی۔بغیر کسی گناہ کے تو قاتل لاجواب ہو جائے گا۔(ک)

قوله :كُلُّ نَفْسٍ :اس سے یہ اشارہ کیا کہ نفس کو عموم کے لیے نکرہ لائے ہیں اور نکرہ مثبت میں بھی کبھی عموم ہوتا ہے۔

مثلاً: تمرۃ خیر من جرادۃ۔

قوله :زُحَلُ :یہ پانچوں ستاروں اپنے فلک میں چلنے کے بعد دوسرے فلک سے شروع کی طرف الٹے لوٹتے ہیں۔یہ دن کو چھپتے اور رات کو ظاہر ہوتے اور غروب کے اوقات میں نگاہوں سے متاخر رہتے ہیں اور ہرن کے غار میں چھپنے کی طرح چھپتے ہیں۔(ج)

ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔کبھی تو یہ ٹھہرے رہتے ہیں اور کبھی یہ اسی جہت سے جدھر حرکت کرتے ہیں یہ ادھر سے واپس لوٹتے ہیں اور اس کی وجہ یہ کہ ان کا محور گول ہے۔اور یہ زمین گرد گھومنے والے نہیں بلکہ ان کی حرکت نصف اوپر والے حصہ کی نیچے والے نصف کے مخالف ہوتی ہے۔اگر اوپر والا حصہ مشرق کی جانب حرکت کرتا ہے تو نچلا مغرب کی طرف اور اس کا عکس بھی وہ افلاک جن میں گولائی پائی جاتی ہے ان کی حرکات جب اس نصف کے موافق ہوتی ہیں جن میں یہ ستارے ہوتے ہیں تو ستارے کی حرکت اتنی تیز ہو جاتی ہے جو اوپر نیچے والی حرکات کا مجموعہ ہوتی ہیں۔اور دونوں حرکتیں برابر ہو جاتی ہیں اور جب نصف کی حرکت فلک کی حرکت سے بڑھ جاتی ہے تو یہ لوٹتا ہے اور سورج میں تدویر نہیں اس لیے وہ نہیں لوٹتا اور چاند اپنے فلک کی حرکت کی تیزی کی وجہ سے اور تدویر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کی تدویری حرکت میں اضافہ نہیں ہوتا کہ وہ لوٹے۔(ک)

[کتب ہیئت ملاحظہ کریں]

قوله :وَرَاٰهُ :یہ رؤیت غار حرا میں ہوئی جیسا کہ سورۃ النجم میں مذکور ہے۔

۱۔قیامت کے مبادی وخواتیم کا ظہور نفوس کو ترہیب وتذعیر سے بھر دے گا۔بارہ علامات ذکر فرمائیں جو تکویر آفتاب سے شروع کیں اور جنت و دوزخ کے قریب کرنے پر اختتام فرمایا۔اس وقت ہر نفس کو اپنے خیر و شر کا علم ہو جائے گا۔بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق ہر شخص کو براہ راست جوابدہ ہونا پڑے گا۔پہلے چھ حوادث مبادی قیامت ہیں اور دوسرے مبادی جنت و دوزخ۔

۲۔شرک ومعاصی سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ دوزخ کا سبب ہیں۔

۳۔اثبات وحی واثبات نبوت محمد یہ کے لیے چار قسمیں کھائی گئی ہیں۔

۴۔جبرئیل کے پانچ اوصاف:۱۔امانت۔۲۔قوت۔۳۔علومرتبہ۔۴۔کمال طاعت۔۵۔شرافت عظمی ذکر کیے گئے ہیں۔

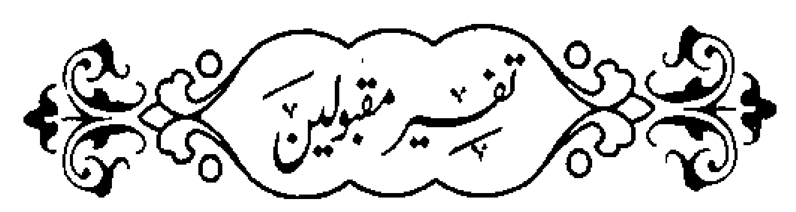
۵۔آپ وحی نبوت بلاکم وکاست پہنچانے والے ہیں۔

۶۔آخر میں قریش کی گمراہی بتلائی کہ یہ واضح راستہ چھوڑ کر کدھر بھٹک رہے ہو۔

۷۔بندہ جو کام بھی کرتا ہے وہ توفیق الٰہی کے بغیر نہیں کرتا اور اس کی عنایت اس کا ساتھ چھوڑ دے تو یہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

۸۔استقامت ارادہ استقامت پر موقوف ہے۔استقامت سیدھی راہ پر چلنے کو کہتے ہیں جو آسمان و زمین کے مالک کا راستہ ہے۔

۹۔اللہ تعالیٰ نے چاہا تو عربوں کو اسلام ملا۔جیسا فرمایا: وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ (یونس) لکن اللہ یھدی من یشاء (القصص:۲۸/۵۶)



یہ سورت بھی مکیہ ہے،اور تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے،عبداللہ بن عباسؓ،ابن عمرؓ،ابن زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ سے اسی طرح منقول ہے اس سورت کی انتیس آیات ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کو یہ منظور ہو کہ وہ قیامت کا منظر اپنی آنکھ سے دیکھ لے تو اس کو چاہئے کہ وہ: اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت۔سورتوں کی تلاوت کرے۔(جامع ترمذی، ابن کثیر، طبرانی) ان دونوں سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا ہے کہ قیامت اس طرح برپا ہوگی۔

گزشتہ سورت عبس کا مضمون اس پر ختم کیا تھا کہ قیامت کے روز انسان کی بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کو کسی کی پروانہ نہ ہوگی ہر شخص دوسرے سے بھاگتا اور بے گانہ ہوگا تو اس مناسبت سے ان دونوں سورتوں میں دو اہم حقیقتوں کو واضح کیا جارہا ہے، ایک قیامت کی حقیقت، دوسری وحی اور رسالت کی حقیقت اس سورت کے یہ دو اہم اور عظیم موضوع ہیں جس پر از اول تا آخر جملہ مضامین دائر ہیں۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝

تکویر سے مشتق ہے اسکے معنے بے نور ہو جانے کے بھی آتے ہیں۔حسن بصریؒ کی یہی تفسیر ہے اور اسکے معنے ڈال دیئے

پھینک دینے کے بھی آتے ہیں۔ ربیع ابن خیثم نے اس کی یہی تفسیر کی ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ آفتاب کو سمندر میں ڈالدیا جائیگا جس کی گرمی سے سارا سمندر آگ بن جائیگا، اوران دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہوسکتا ہے کہ اول آفتاب کے بے نور کردیا جائے پھر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شمس وقمر قیامت کے دن دریا میں ڈال دیئے جاویں گے اور مسند بزار میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جہنم میں ڈال دیئے جاویں گے ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے ان آیات کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شمس وقمر اور تمام ستاروں کو سمندر میں ڈال دیں گے اور پھر اس پر تیز ہوا چلے گی جس سے سارا سمندر آگ ہوجاوے گا، اس طرح یہ کہنا بھی صحیح ہوگیا کہ شمس وقمر کو دریا میں ڈالدیا جائے گا، اور یہ کہنا بھی درست رہا کہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا کیونکہ سارا سمندر اس وقت جہنم بن جائے گا۔ (مستفادمن المظہری والقرطبی)

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۞

اس میں لفظ العشار، عشراء کی جمع ہے جس اونٹنی کو دس ماہ کا حمل ہو اسے عشراء کہتے ہیں اور بیکار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا نہ کوئی طالب رہے گا نہ چرانے والا، نہ سواری کرنے والا، عرب کے لوگ حمل والی اونٹنیوں کو اپنے لیے بہت بڑا سرمایہ سمجھتے تھے اور قرآن کے اولین مخاطبین وہی تھے اس لیے اونٹنیوں کے بیکار ہونے کا تذکرہ فرمایا کہ تم جن چیزوں کو اپنی مرغوب ترین چیز سمجھتے ہو ان پر ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے کہ ان کی طرف ذرا بھی کوئی توجہ نہ کرے گا۔

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۞

سجرت، تسجیر سے مشتق ہے جس کے معنے آگ لگانے اور بڑھکانے کے بھی آتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس جگہ یہی معنے لیے ہیں اور اسکے معنے بھر دینے کے بعد آتے ہیں اور گڈمڈ خلط ملط کر دینے کے بھی بعض ائمہ تفسیر نے یہی معنے لیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ پہلے سمندر اور میٹھے دریاؤں کو ایک کردیا جائے گا درمیان کی رکاوٹیں ختم کردی جاوینگی جس سے دریائے شور اور شیریں دریاؤں کے پانی خلط ملط ہوجائیں گے اور زیادہ بھی، پھر شمس وقمر اور ستاروں کو اس میں ڈال دیا جائے گا پھر اس تمام پانی کو آگ بنادیا جائے گا جو جہنم میں شامل ہوجائیگا (مظہری)

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۞

یعنی جبکہ حاضرین محشر کے جوڑے جوڑے اور جتھے بنادیئے جاویں گے یہ جتھے اور جماعتیں ایمان وعمل کے اعتبار سے ہوں گے کہ کافر ایک جگہ مومن ایک جگہ، پھر کافر ومومن میں بھی اعمال وعادات کا فرق ہوتا ہے، انکے اعتبار سے کفار میں بھی مختلف قسم کے گروہ ہوجائیں گے اور مسلمانوں میں بھی یہ گروہ عقیدے اور عمل میں اشتراک کی بنا پر ہوں گے جیسا کہ بیہقی نے بروایت حضرت نعمان بن بشیر حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ جو لوگ ایک جیسے اعمال کرتے ہوں گے وہ ایک جگہ کردیئے جاویں گے اعمال حسنہ ہوں یا سیہ، مثلاً اچھے مسلمانوں میں علم دین کی خدمت کرنیوالے علماء ایک جگہ، عباد وزہاد ایک جگہ جہاد کرنے والے غازی ایک جگہ، صدقہ خیرات میں خصوصیت رکھنے والے ایک جگہ، اسی طرح بد اعمال لوگوں میں چور ڈاکو ایک جگہ، زنا کار فحاش ایک جگہ، دوسرے خاص خاص گناہوں میں باہم شریک رہنے والے ایک جگہ ہوجائیں گے۔ رسول اللہ

نے فرمایا کہ محشر میں ہر شخص اپنی قوم کے ساتھ ہوگا (مگر یہ قومیت نسبی یا وطنی نہیں بلکہ عمل وعقیدہ کے اعتبار سے ہوگی) نیک عمل کرنیوالے ایک جگہ بدعمل والے دوسری جگہ ہوں گے اور اس پر آیت قرآنی سے استشہاد فرمایا: و کنتم ازواجا ثلثة. یعنی محشر میں لوگوں کے بڑے گروہ تین ہوں گے جیسا کہ سورۂ واقعہ کی آیت میں اس کی تفصیل یہ آئی ہے کہ ایک گروہ سابقین اولین کا ہوگا، دوسرا اصحاب الیمین کا، یہ دونوں گروہ نجات پانیوالے ہوں گے، تیرا گروہ اصحاب الشمال کا ہوگا جو کفار فجار پر مشتمل ہوگا۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾

موءودہ، وہ لڑکی جس کو زندہ دفن کر دیا گیا جیسا کہ جاہلیت عرب میں یہ رسم تھی کہ لڑکی کو اپنے لیے موجب عار سمجھتے تھے اور زندہ ہی اس کو دفن کر دیتے تھے اسلام نے یہ رسم بد مٹائی، اس آیت میں قیامت ومحشر کے حالات کے بیان میں ارشاد ہوا کہ جب اس لڑکی سے سوال کیا جائے گا جس کو زندہ در گور کر کے مار دیا گیا تھا، ظاہر الفاظ سے یہ ہے کہ یہ سوال خود اس لڑکی سے ہوگا، اس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود اس سے سوال کرنے کا یہ ہے کہ یہ اپنی بے گناہی اور مظلوم ہونے کی پوری فریاد بارگاہ رب العزت میں پیش کرے تاکہ اسکے قاتلوں سے انتقام لیا جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ موءودہ لڑکی کے بارے میں اسکے قاتلوں سے سوال کیا جائے گا کہ اس کو تم نے کس جرم میں قتل کیا۔

فائدہ مہمہ: یہاں بہر حال ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کا تو نام ہی یوم الحساب یوم الجزاء یوم الدین ہے اس میں تو ہر شخص سے اس کے سبھی اعمال کا محاسبہ اور سوال ہوں گے اس جگہ خصوصی احوال اور اہوال قیامت کے سلسلہ میں خاص موءودہ لڑکی کے معاملے میں اور اسکے متعلق سوال ہونے کو اتنی اہمت اور خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مظلوم لڑکی جس کو خود اسکے ماں باپ نے قتل کیا ہے اسکے خون کا انتقام لینے کے لیے اس کی طرف سے کوئی دعویٰ کرنے والا تو ہے نہیں خصوصاً جبکہ اس کو خفیہ دفن کر دیا ہو تو کسی کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی کہ شہادت دے سکے محشر کے میدان میں جو عدل وانصاف کی عدالت الٰہیہ قائم ہوگی، وہ ایسے مظالم کو بھی سامنے لائے گی جس کے ظلم پر نہ کوئی شہادت ہے نہ کوئی اس مظلوم کا پرسان حال ہے۔ واللہ اعلم

چار ماہ کے بعد اسقاط حمل قتل کے حکم میں ہے:

مسئلہ: بچوں کو زندہ دفن کر دینا یا قتل کر دینا سخت گناہ کبیرہ اور ظلم عظیم ہے اور چار ماہ کے بعد کسی حمل کو گرانا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ چوتھے مہینے میں حمل میں روح پڑ جاتی ہے اور وہ زندہ انسان کے حکم میں ہوتا ہے اسی طرح جو شخص کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور اس سے بچہ ساقط ہو جائے تو باجماع امت مارنے والے پر اس کی دیت میں غرہ یعنی ایک غلام یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے اور اگر بطن سے باہر آنے کے وقت وہ زندہ تھا پھر مر گیا تو پوری دیت بڑے آدمی کے برابر واجب ہوتی ہے اور چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل بھی بدون اضطراری حالات کے حرام ہے مگر پہلی صورت کی نسبت کم ہے کیونکہ اس میں کسی زندہ انسان کا قتل صریح نہیں ہے۔ (مظہری)

مسئلہ: کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے جیسے آج کل دنیا میں ضبط تولید کے نام سے اس کی سینکڑوں

صورتیں رائج ہوگئی ہیں اس کو بھی رسول اللہ ﷺ واد خفی فرمایا ہے یعنی خفیہ طور سے بچہ کو زندہ درگور کر دینا (کما رواہ مسلم عن جدامہ بنت وہب) اور بعض دوسری روایت میں جو عزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لیے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ (مظہری)

آجکل ضبط تولید کے نام سے جو دوائیں یا معالجات کئے جاتے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ ہمیشہ کے لیے سلسلۂ نسل واولاد کا منقطع ہو جائے اس کی کسی حال اجازت شرعاً نہیں ہے واللہ اعلم

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾

یعنی جب قیامت کے حالات مذکورہ پیش آدیں گے اس وقت ہر انسان جان لیگا کہ وہ اپنے ساتھ کیا سامان لایا ہے۔ سامان سے مراد اس کا نیک یا بد عمل ہے کہ وہ سب اعمال اسکے سامنے آجاویں گے جو دنیا میں کئے تھے خواہ اس طرح کے صحائف اعمال میں لکھے ہوئے اسکے ہاتھ میں آجائیں یا اس طرح کے یہ اعمال کسی خاص شکل وصورت میں اسکے سامنے آدیں جیسا کہ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم، قیامت کے احوال اور ہولناک مناظر اور وہاں محاسبہ اعمال کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے چند ستاروں کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ قرآن حق ہے اللہ کی طرف سے بڑی حفاظت کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور جس ذات پر نازل ہوا ہے وہ ذات ایک بڑی ہستی ہے وحی لانے والے فرشتے کو وہ پہلے سے جانتے پہچانتے تھے اسلئے اس کے حق ہونے میں کسی شک وشبہ کی راہ نہیں۔ جن ستاروں کی قسم یہاں کھائی گئی وہ پانچ ستارے ہیں جن کو علم ہیئت فلکیات میں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں اور متحیرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان پانچوں ستاروں کی حرکت دنیا میں اس طرح دیکھی جاتی ہے کہ کبھی مشرق سے مغرب کی طرف چل رہے ہیں کبھی پھر پیچھے کو مغرب سے مشرق کی طرف چلنے لگے ہیں اس کی وجہ کیا، اور دو مختلف حرکتوں کا سبب کیا ہے، اسکے بارے میں قدیم فلسفہ یونان والوں کے مختلف اقوام ہیں اور جدید فلسفہ والوں کی تحقیق ان میں سے بعض کے مطابق ہے بعض کے خلاف اور حقیقت کا علم، پیدا کرنیوالے کے سوا کسی کو نہیں، سب تخمینے اور اندازے ہی ہیں جو غلط بھی ہوسکتے ہیں صحیح بھی، قرآن حکیم نے امت کو اس فضول بحث میں نہیں الجھایا، جتنی بات ان کے فائدہ کی تھی وہ بتلادی کہ وہ رب العزت جل شانہ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا اس میں مشاہدہ کریں اور ایمان لائیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾

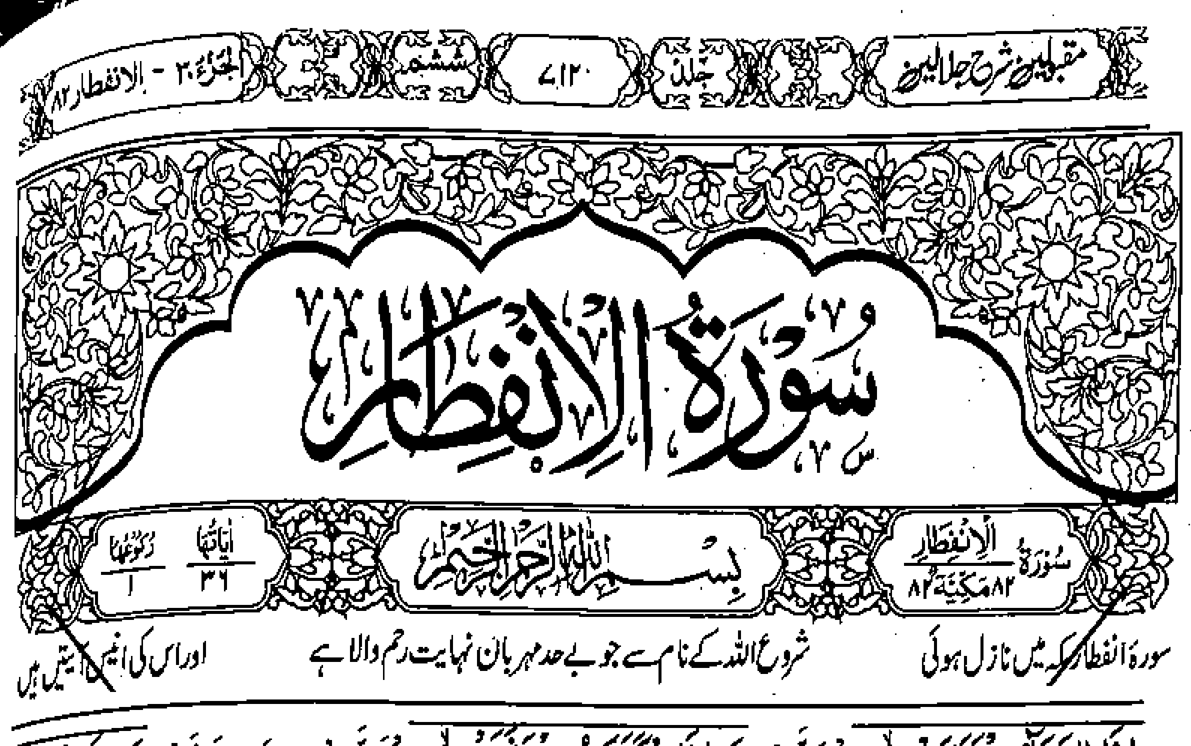
ان آیات میں اللہ جل شانہ نے چند مخصوص ستاروں اور رات کی اور صبح کی قسم کھا کر قرآن کریم کی اور قرآن مجید لانے والے فرشتے یعنی جبرائیل علیہ السلام کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو دیوانگی کی طرف منسوب کرتے تھے ان کی تردید کی ہے۔

جن ستاروں کی قسم کھائی ہے ان کے بارے میں الخنس اور الکنس فرمایا ہے۔ الخنس خانس کی جمع ہے جس کا معنی پیچھے ہٹنے والا ہے اور الجوار، جاریۃ کی جمع ہے جو (جری یجری) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور فواعل کے وزن پر ہے، ی کو لکھنے اور پڑھنے میں حذف کر دیا گیا ہے اس کا معنی ہے چلنے والے اور الکنس، کانس کی جمع ہے اور کنس، یکنس کا اسم فاعل

ہے جس کا معنی چھپ جانے کا ہے: یقال کنس الوحش اذا دخل کناسه الذی یتخذه من اغصان الشجر۔
حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ان سے پانچ ستارے مراد ہیں یعنی زحل اور عطارد اور مشتری اور مریخ اور زہرہ، ان کو خمسہ متحیرہ بھی کہتے ہیں یہ چلتے چلتے پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں پھر پیچھے ہی کو چلتے رہتے ہیں اور کبھی پیچھے چلتے چلتے اپنے مطالع میں جا چھپتے ہیں۔
(روح المعانی صفحہ ۶۶: ج ۳۰)

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾

حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں گویا آفتاب کو دریا میں تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی اور طلوع سے پہلے اس کے نور کے منتشر ہونے کو دم ماہی سے نسبت کی۔ جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ گزرتی ہے اور اس کے سانس لینے سے پانی اڑتا اور منتشر ہوتا ہے۔ اسی طرح آفتاب کی حالت قبل طلوع اور قبل روشنی پھیلنے کے ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ دم صبح کنایہ ہے نسیم سے جو طلوع صبح کے قریب موسم بہار میں چلتی ہے (تنبیہ) ان قسموں کی مناسبت آئندہ مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، ٹھہرنا، لوٹنا، اور چھپ جانا ایک نمونہ ہے اگلے انبیاء پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت دراز تک اس کے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا۔ اور رات کا آنا نمونہ ہے اس تاریک دور کا جو خاتم المرسلین ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے دنیا پر گزرا کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی۔ اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے اس کے بعد صبح صادق کا دم بھرنا حضور ﷺ کا اس جہان میں تشریف لانا اور قرآن کا اترنا ہے کہ ہر چیز کو ہدایت کے نور سے دن کی مانند روشن کر دیا۔ گویا اگلے انبیاء کا نور ستاروں کی طرح تھا اور اس نور اعظم کو آفتاب درخشاں کہنا چاہئے۔ ولنعم ما قیل۔ فانه شمس فضلهم کواکبها یظهرن انوارها للناس فی الظلم حتی اذا طلعت فی الکون عم هداها العالمین واحیت سائر الامم اور بعض علماء نے فرمایا کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا، فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا، قرآن کے سبب ظلمت کفر دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح ظاہر ہو جانے کے مشابہ ہے۔ اس تقریر کے موافق مقسم بہ کی مناسبت مقسم علیہ سے زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔



سورۂ انفطار مکہ میں نازل ہوئی　شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے　اور اس کی انیس آیتیں ہیں

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ اِنْشَقَّتْ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ اِنْقَضَّتْ وَ تَسَاقَطَتْ وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳ فُتِحَ بَعْضُهَا فِىْ بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَّاحِدًا وَاخْتَلَطَ الْعَذْبُ بِالْمِلْحِ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴ قُلِّبَ تُرَابُهَا وَبُعِثَ مَوْتَاهَا وَجَوَابُ اِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا عَلِمَتْ نَفْسٌ اَىْ كُلُّ نَفْسٍ وَقْتَ هٰذِهِ الْمَذْكُوْرَاتِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ مَّا قَدَّمَتْ مِنَ الْاَعْمَالِ وَ مَا اَخَّرَتْ ۝۵ مِنْهَا فَلَمْ تَعْمَلْهُ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ الْكَافِرُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶ حَتّٰى عَصَيْتَهُ الَّذِىْ خَلَقَكَ بَعْدَ اَنْ لَمْ تَكُنْ فَسَوّٰىكَ جَعَلَكَ مُسْتَوِىَ الْخَلْقِ سَالِمَ الْاَعْضَاءِ فَعَدَلَكَ ۝۷ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ جَعَلَكَ مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ مُتَنَاسِبَ الْاَعْضَاءِ لَيْسَتْ يَدٌ اَوْ رِجْلٌ اَطْوَلَ مِنَ الْاُخْرٰى فِىْۤ اَىِّ صُوْرَةٍ زَائِدَةٌ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸ كَلَّا رَدْعٌ عَنِ الْاِغْتِرَارِ بِكَرَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى بَلْ تُكَذِّبُوْنَ اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ بِالدِّيْنِ ۝۹ الْجَزَاءِ عَلَى الْاَعْمَالِ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ مِنَ الْمَلَائِكَةِ لِاَعْمَالِكُمْ كِرَامًا عَلَى اللّٰهِ كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲ جَمِيْعَهُ اِنَّ الْاَبْرَارَ الْمُؤْمِنِيْنَ الصَّادِقِيْنَ فِىْ اِيْمَانِهِمْ لَفِىْ نَعِيْمٍ ۝۱۳ جَنَّةٍ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ الْكُفَّارَ لَفِىْ جَحِيْمٍ ۝۱۴ نَارٍ مُحْرِقَةٍ يَّصْلَوْنَهَا يَدْخُلُوْنَهَا وَيُقَاسُوْنَ حَرَّهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝۱۵ الْجَزَاءِ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۝۱۶ بِمُخْرَجِيْنَ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ اَعْلَمَكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۷ ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۸ تَعْظِيْمٌ لِشَانِهِ يَوْمَ بِالرَّفْعِ اَىْ هُوَ يَوْمٌ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا مِنَ الْمَنْفَعَةِ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝۱۹ لَا اَمْرَ لِغَيْرِهِ فِيْهِ اَىْ لَمْ يُمْكِنْ اَحَدًا مِنَ التَّوَسُّطِ فِيْهِ بِخِلَافِ الدُّنْيَا ع ۱۹

ترجمہ: جب آسمان پھٹ پڑے گا اور ستارے جب جھڑ پڑیں گے (ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں گے) اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے (ایک دوسرے میں مل کر سب ایک سمندر ہو جائیں گے۔ شیریں اور شور پانی رل مل جائے گا) اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی (مٹی الٹ کر مردے زندہ ہو کر، اذا اور اس کے تمام معطوفات کا جواب آگے ہے) ہر شخص جان جائے گا (مذکورہ باتوں کے وقت قیامت کے دن ہر شخص جان لے گا) اپنے پچھلے (اعمال) کو اور اگلے اعمال کو (جو ابھی نہیں کئے) اے انسان (کافر) تجھے کس چیز نے دھوکا میں ڈال رکھا ہے ایسے رب کریم کے ساتھ (تا آنکہ اس کا نافرمان ہو گیا ہے) جس نے تجھ کو بنایا ہے (حالانکہ تو پہلے موجود نہیں تھا) پھر تجھے ٹھیک طور پر مکمل کر لیا (ٹھیک طریقہ پر صحیح الاعضاء بنا دیا) پھر تجھے اعتدال پر بنایا (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی تیری بناوٹ معتدل اور اعضاء متناسب بنائے۔ یہ نہیں کہ ہاتھ یا پاؤں میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہو) جس صورت میں (ما زائدہ ہے) چاہا تجھے جوڑ دیا ہرگز نہیں (اللہ کے کرم کے بھولنے پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ تم (کفار مکہ) جھٹلاتے ہو (سزائے اعمال کو) اور تم پر یاد رکھنے والے (اعمال کے فرشتے) معزز (اللہ کے نزدیک) لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب (تمام) اعمال کو جانتے ہیں۔ نیک لوگ (مومن جو اپنے ایمان میں سچے ہوں) بلاشبہ آسائش (جنت) میں ہوں گے اور یقیناً بدکار (کفار) دوزخ (جلانے والی آگ) میں ہوں گے وہ اس میں بسیں گے (اس میں داخل ہو کر جھلسیں گے) قیامت (بدلہ) کے روز اور وہ اس سے باہر (خارج) ہوں گے۔ اور آپ کو کچھ (پتہ) خبر ہے کہ وہ روز جزاء کیسا ہے؟ پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روزِ جزاء کیسا ہے؟ (اس میں قیامت کی عظمتِ شان ہے) وہ ایسا دن ہے (یہ مرفوع ہے ای ہو یوم) جس میں کسی شخص کے (نفع) کے لیے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ کی ہو گی (دوسرے کی کچھ نہ چلے گی یعنی وہاں کسی کا واسطہ نہ رہے گا جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: بُعْثِرَتْ: وہ مٹی جو مردوں پر ڈالی جاتی ہے وہ زائل کر دی جائے گی۔ اور جہاں وہ مدفون ہیں وہ جگہ کھل کر تمام مردے نکل کھڑے ہوں گے۔ بعثر کا معنٰی نیچے والے حصہ کو اوپر کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں: بعثرت الحرض ای جعلت اسفلہ اعلاہ۔ (ک)

قولہ: مَا غَرَّكَ: کس چیز نے تجھے دھوکہ دے کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا کر دیا۔ الکریم کا لفظ یہاں اغترار سے روکنے میں مبالغہ کے لیے لائے۔ کیونکہ خالص کرم کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ظالم کو مہمل چھوڑ جائے تو اس وقت کیا حال ہو گا جب کہ وہ قہار و جبار منتقم بھی ہے۔ اور اس نے یہ بھی بتلا دیا کہ شیطان کس طرح دھوکہ دیتا ہے وہ کہتا ہے تو ایسا کام کر جس سے اس نے خاموشی اختیار فرمائی ہے۔ تیرا رب تو بڑا سخی ہے وہ کسی کو جلد عذاب نہیں دیتا اس کے کثرت کرم کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اطاعت میں خوب کوشش کی جائے اور اس کی نافرمانی اور کرم کے متعلق دھوکے میں مبتلا نہ ہو۔ (ک)

قوله :بِالتَّخْفِیْفِ :قراء کوفہ نے تخفیف سے پڑھا ہے۔ باقی قراء تشدید سے پڑھتے ہیں اس صورت میں معنیٰ یہ ہے: تیرے اعضاء میں اعتدال کالحاظ رکھاایک کودوسرے سے لمبا چوڑانہیں بنایا بلکہ متناسب بنایا۔اور تخفیف سے مطلب یہ ہے کہ تجھے خوبصورت بنایا حیوانات کی طرح نہیں بنایا۔(ک) تسویہ یہ ہے کہ اعضاء میں نقص نہ ہواور تعدیل یہ ہے کہ اعضاء میں عدم تخالف ہو۔(ک)

قوله : اِنَّ الْاَبْرَارَ :یہ جملہ مستانفہ ہے جواس سوال کے جواب میں لایا گیافرشتے کیوں کر لکھتے ہیں توفرمایا: تاکہ ابرارکو نعیم اوراشرارکوجحیم سے بدلہ دیا جائے۔(شھاب)

قوله :لَا تَمْلِكُ :بعض لوگوں کواذن الٰہی سے شفاعت کااختیار ہوگا۔جیسافرمایا:لا یشفع عندہ الا باذنہ۔۔۔الایۃ۔

۱۔قیامت سے قبل پیش آنے والے احداث کا تذکرہ فرمایا،پھر نفخہ ثانیہ سے تو تمام مخلوقات کو جمع کر دیا جائے گااور حساب قائم ہو گا۔صحائف تقسیم ہوں گے اعمال کاوزن کیا جائے گااور پل صراط کوقائم کردیا جائے گا پھر جنت یانارانجام ہوگا۔

۲۔براطرز عمل پیچھے نہ چھوڑے کہ موت کے بعد بھی اس کا گناہ نامہ عمل میں لکھاجاتا رہے گا۔

۳۔انسان شیطان کے دھوکہ میں پڑکراپنی حماقت سے انعامات الٰہیہ کاناشکری کرتا ہے۔

۴۔بعث وجزا کی تکذیب دنیا میں فساد کا بڑاعامل ہےاور کفر دعصیان پر جرأت کا سبب اللہ تعالیٰ کے خوف کا فقدان ہے۔

۵۔انسان تکذیب پر جما ہوا ہےاور فرشتے مؤکلین اس کا حساب لکھ رہے ہیں۔اسی کے مطابق محاسبہ ہوگا۔

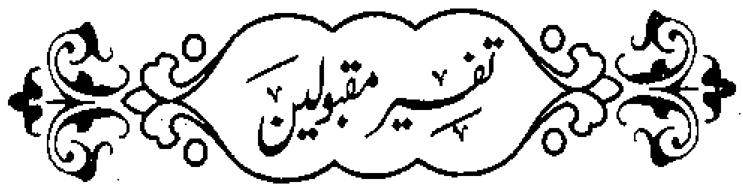
۶۔محافظ فرشتے چار صفات والے ہیں:۱۔حافظ۔۲۔معزز۔۳۔کاتب۔۴۔انسان کے اعمال کوجانتے ہیں صبح وشام کے وقت لکھنے والوں کی تبدیلی۔

۷۔عالمین کاانجام دوقسم پر ہوگا۔سچے نیک نعمتوں میں فاجروکافرجہنم میں جائیں گے۔

۸۔قیامت کادن بڑی شان وعظمت والا ہے۔

۹۔شفاعت ودوستی سے بدلہ کام نہ دے گاجیسےفرمایا:و ماللظالمین من حمیم و لا شفیع یطاع۔

۱۰۔والامر یومئذ للہ کے متعلق امام رازی رقم طراز ہیں کہ اس میں اشارہ فرمایا کہ بقاء وجود اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہےاور اختیار ازل میں اورآج اورآخرت میں وہ بھی اسی ہی کے لیے ہے۔اورتغیر ظاہرہ ناظر کی اعتبار سے ہے۔نہ کہ منظورالیہ کے لحاظ سے۔(ر۔ک)



سورۃ انفطار بھی مکی سورتوں میں سے ہے جس کی انیس آیات ہیں،اس کامضمون بھی سورۃ تکویر کی طرح نظام عالم کے درہم برہم ہونے،قیامت کے وقت انقلابات کونیہ کے برپا ہونے پر مشتمل ہے پھر یہ کہ روز محشر ابرارونیکوکارلوگوں کا کیا حال ہوگا،اور فساق وفجارکس طرح عذاب جہنم میں مبتلا ہونگے۔

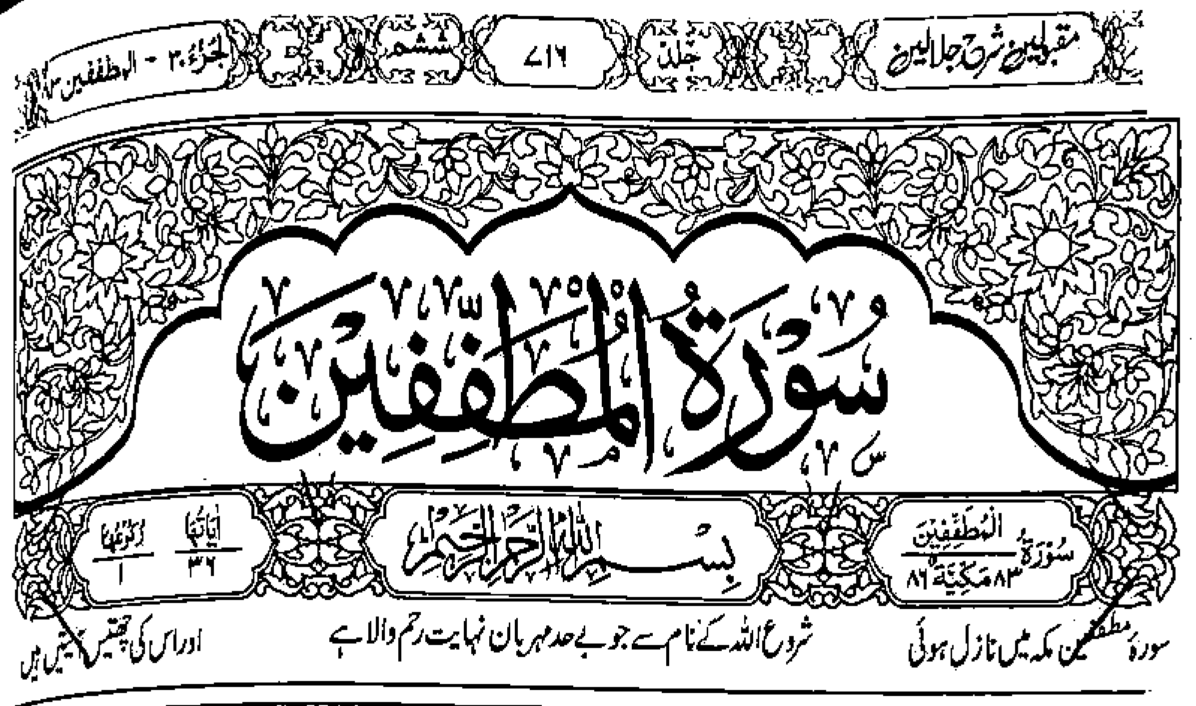
سورت کی ابتداء میں یہ ظاہر کیا گیا کہ قیام قیامت پر آسمانوں کا نظام اس طرح درہم برہم کر دیا جائے گا کہ آسمان شق ہو جائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور سمندر آگ سے دہکا دیئے جائیں گے اور مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے زندگی میں کیا کیا ہے اور پھر چاہے وہ کتنا ہی انکار کرے لیکن اس کے انکار سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے جیسے فرمایا: السَّمَآءُ مُنفَطِرٌۢ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا (المزمل:۱۸) اور ستارے سب کے سب گر پڑیں گے اور کھاری اور میٹھے سمندر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے۔ اور پانی سوکھ جائے گا قبریں پھٹ جائیں گی ان کے شق ہونے کے بعد مردے جی اٹھیں گے پھر ہر شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کو بخوبی جان لے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ

ان آیات میں انسان کو اس کا حال بتایا ہے اور اسے توجہ دلائی ہے کہ وہ خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو۔ انسان کچھ بھی نہیں تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے اسے پیدا فرمایا، وجود بخشا اس کے جسم کو نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ ٹھیک بنایا اور اپنی حکمت کے مطابق جس صورت میں چاہا ڈھال دیا، انسان اپنے اختیار سے نہ پیدا ہوا نہ قد کی درازی میں اسے کوئی دخل ہے نہ موٹا پتلا ہونے میں نہ حسین و قبیح ہونے میں، وہ جس صورت اور حالت میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے ہر شخص اپنی اپنی صورت میں چلتا پھرتا ہے اسی کی طرف متوجہ رہنا اور اسی کا بھیجا ہوا دین قبول کرنا اور اسی کے احکام پر عمل پیرا ہونا لازم ہے اب انسانوں میں بہت سے لوگ تو ملحد و زندیق ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو خالق جل مجدہ کے وجود کو تو مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اس کے دین کو قبول نہیں کرتے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کا دین بھی قبول کرتے ہیں لیکن اس کے اوامر و نواہی پر عمل نہیں کرتے فرائض چھوڑتے رہتے ہیں اور گناہ کرتے رہتے ہیں اور جب کسی کے یاد دلانے سے خیال آ جاتا ہے کہ گنہگاری کی زندگی اچھی نہیں ہے تو نفس اور شیطان یہ سمجھا دیتے ہیں کہ ارے میاں چلتے رہو مزے کرتے رہو تمہارا رب کریم ہے بخش دے گا بڑی زندگی پڑی ہے توبہ کر لینا وغیرہ وغیرہ حالانکہ جس ذات پاک کے اتنے بڑے بڑے احسانات اور انعامات ہیں اس کی تو ذرا سی نافرمانی کرنا بھی مقتضائے عقل کے خلاف ہے۔

بات یہ ہے کہ وفاداری کا مزاج نہیں ہے جس ذات پاک نے وجود بخشا ان گنت نعمتوں سے نوازا اس کی نافرمانی بڑی ہو یا چھوٹی (صغیرہ گناہ ہوں یا کبیرہ) سراسر بے وفائی ہے اگر گناہ پر عذاب نہ ہونا یقینی ہوتا اور بخش دیا جانا ہی متعین ہوتا تب بھی ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنا لازم تھا عذاب کے ڈر سے نافرمانی سے بچنا یہ نمک حرام غلام کا خاصہ ہے جو ڈنڈے کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ یہ آقا کا فرمانبردار نہیں، نمک حلال اور وفادار تو ذرا سی نافرمانی کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہے۔ اس کے سامنے نعمتیں ہوتی ہیں جن کے استحضار سے وفاداری کا مزاج بنا ہوا ہوتا ہے وفادار کی نظر صرف حکم پر ہوتی ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ حکم نہ مانا تو مار پڑے گی یا معافی ہو جائے گی بلکہ نافرمانی کی زندگی ہی کو عذاب کے برابر سمجھتا ہے ڈنڈا لگنے سے تو بظاہر جسم کو تکلیف ہوتی ہے لیکن نافرمانی کی وجہ سے جو وفاداری میں فرق آ گیا اس کی ندامت میں پگھلنا وفادار بندہ کے لیے جسمانی عذاب سے زیادہ ہے۔



سورۂ مطففین مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی چھتیس آیتیں ہیں

وَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ اَوْ وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿١﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى اَيْ مِنَ النَّاسِ
يَسْتَوْفُوْنَ ﴿٢﴾ الْكَيْلَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَيْ كَالُوْا لَهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ اَيْ وَزَنُوْا لَهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿٣﴾ يُنْقِصُوْنَ
الْكَيْلَ اَوِ الْوَزْنَ اَلَا اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ يَظُنُّ يَتَيَقَّنُ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٥﴾ اَيْ فِيْهِ
وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَّوْمَ بَدَلٌ مِنْ مَحَلِّ لِيَوْمٍ فَنَاصِبُهُ مَبْعُوْثُوْنَ يَقُوْمُ النَّاسُ مِنْ قُبُوْرِهِمْ لِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾ الْخَلَائِقُ لِاَجْلِ اَمْرِهٖ وَحِسَابِهٖ وَجَزَائِهٖ كَلَّآ حَقًّا اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ اَيْ كُتُبَ اَعْمَالِ
الْكُفَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴿٧﴾ قِيْلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِاَعْمَالِ الشَّيَاطِيْنِ وَالْكَفَرَةِ وَقِيْلَ هُوَ مَكَانٌ اَسْفَلَ
الْاَرْضِ السَّابِعَةِ وَهُوَ مَحَلُّ اِبْلِيْسَ وَجُنُوْدِهٖ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿٨﴾ مَا كِتَابُ سِجِّيْنٍ كِتٰبٌ
مَّرْقُوْمٌ ﴿٩﴾ مَخْتُوْمٌ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾ الْجَزَاءِ بَدَلٌ اَوْ بَيَانٌ
لِلْمُكَذِّبِيْنَ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ مُتَجَاوِزِ الْحَدِّ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ صِيْغَةُ مُبَالَغَةٍ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ
اٰيٰتُنَا الْقُرْاٰنُ قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ الْحِكَايَاتُ الَّتِيْ سُطِرَتْ قَدِيْمًا جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ
اَوْ اِسْطَارَةٍ بِالْكَسْرِ كَلَّا رَدْعٌ وَزَجْرٌ لِقَوْلِهِمْ ذٰلِكَ بَلْ رَانَ غَلَبَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَغَشَّاهَا مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ مِنَ الْمَعَاصِيْ فَهُوَ كَالصَّدَاءِ كَلَّآ حَقًّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿١٥﴾ فَلَا يَرَوْنَهٗ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿١٦﴾ لَدَاخِلُو النَّارِ الْمُحْرِقَةِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُمْ هٰذَا
اَيِ الْعَذَابُ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٧﴾ كَلَّآ حَقًّا اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ اَيْ كُتُبَ اَعْمَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ

الصَّادِقِيْنَ فِيْ اِيْمَانِهِمْ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ قِيْلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِاَعْمَالِ الْخَيْرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَ مُؤْمِنِيْ
الثَّقَلَيْنِ وَقِيْلَ هُوَ مَكَانٌ فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ تَحْتَ الْعَرْشِ وَ مَآ اَدْرٰىكَ اَعْلَمَكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾
مَا كِتَابُ عِلِّيِّيْنَ هُوَ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ مَخْتُوْمٌ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ
نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ جَنَّةٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ السُّرُرِ فِي الْحِجَالِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ مَا اُعْطُوْا مِنَ النَّعِيْمِ تَعْرِفُ فِيْ
وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾ بَهْجَةَ التَّنَعُّمِ وَحُسْنَهُ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ خَمْرٍ خَالِصَةٍ مِنَ الدَّنَسِ
مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ عَلٰى اِنَائِهَا لَا يَفُكُّ خَتْمَهُ اِلَّا هُمْ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ اَيْ اٰخِرُ شُرْبِهٖ يَفُوْحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمِسْكِ وَ
فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ فَلْيَرْغَبُوْا بِالْمُبَادَرَةِ اِلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمِزَاجُهٗ اَيْ مَا يُمْزَجُ بِهٖ
مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ فَسَّرَ بِقَوْلِهٖ عَيْنًا فَنَصَبُهٗ بِاَمْدَحِ مُقَدَّرًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾ اَيْ مِنْهَا اَوْضُمِّنَ
يَشْرَبُ مَعْنٰى يَلْتَذُّ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَاَبِيْ جَهْلٍ وَّنَحْوِهٖ كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَعَمَّارٍ وَبِلَالٍ
وَّنَحْوِهِمَا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِسْتِهْزَاءً بِهِمْ وَ اِذَا مَرُّوْا اَيِ الْمُؤْمِنُوْنَ بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾ اَيْ يُشِيْرُ
الْمُجْرِمُوْنَ اِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْجَفْنِ وَالْحَاجِبِ اِسْتِهْزَاءً وَ اِذَا انْقَلَبُوْٓا رَجَعُوْا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا
فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾ وَفِيْ قِرَاءَةٍ فَكِهِيْنَ مُعْجَبِيْنَ بِذِكْرِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ رَاَوُا الْمُؤْمِنِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ
هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿٣٢﴾ لِاِيْمَانِهِمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالٰى وَ مَآ اُرْسِلُوْا اَيِ الْكُفَّارُ
عَلَيْهِمْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حٰفِظِيْنَ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ اَوْ لِاَعْمَالِهِمْ حَتّٰى يَرُدُّوْهُمْ اِلٰى مَصَالِحِهِمْ فَالْيَوْمَ اَيْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ فِي الْجَنَّةِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ مِنْ مَنَازِلِهِمْ اِلَى
الْكُفَّارِ وَهُمْ يُعَذَّبُوْنَ فَيَضْحَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمَا ضَحِكَ الْكُفَّارُ مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا هَلْ ثُوِّبَ جُوْزِيَ
الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾

ع ۸

ترجمہ: بڑی خرابی ہے (یہ کلمہ عذاب ہے یا جہنم کی وادی کا نام ہے) ناپ تول میں کوتاہی کرنے والوں کے لیے کہ جب
لوگوں سے (علیٰ بمعنی من) ناپ کر لیں تو پورا (ناپ) لیں اور جب ان کو ناپ کر (کالوہم ..... کی تقدیر کالوالہم ہے) یا تول کر
دیں (وزنوہم کی تقدیر وزنوالہم ہے) تو گھٹا دیں (ناپ تول میں کوتاہی کر دیں) کیا (استفہام توبیخی ہے) ان لوگوں کو اس کا

گمان (یقین) نہیں کہ وہ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے ایک بڑے سخت (قیامت کے) دن میں جس روز (یہ لیوم کے محل سے بدل ہے لہٰذا اس کا ناصب مبعوثون ہے) تمام آدمی (اپنی قبروں سے) کھڑے کئے جائیں گے رب العالمین کے سامنے (تمام مخلوق اللہ کی کچہری میں حساب کتاب اور صلہ کے لیے) ہرگز نہیں (یقینا) بدکار (کافر) لوگوں کا اعمالنامہ سجین میں رہے گا (کہا گیا ہے کہ یہ شیاطین اور کافروں کا دفتر اعمال ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ساتویں زمین کے نیچے ایک جگہ ہے جہاں ابلیس اور اس کا لشکر رہتا ہے) اور آپ کو معلوم ہے کہ سجین (یعنی رکھا ہوا اعمالنامہ) کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) لگا ہوا دفتر ہے اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو روزِ قیامت کو جھٹلایا کرتے تھے (الذین بدل ہے المکذبین سے) اس کو تو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا ہو...... مجرم ہو (مبالغہ کا صیغہ ہے) جب اس کے سامنے ہماری آیات (قرآن) پڑھی جاتی ہیں تو یوں کہہ دیتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آتی ہیں (اساطیر اسطورہ کی جمع ہے، پرانے قصے کہانیاں) ہرگز ایسا نہیں (ان کی اس بات پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے (غالب آکر چھا گیا ہے) ان کے اعمال کا (گناہوں کا میل کچیل) ہرگز ایسا نہیں (یقینا) یہ لوگ اپنے پروردگار سے اس روز (قیامت کے دن) روک دیئے جائیں گے (اللہ کے دیدار سے محروم رہیں گے) پھر یہ دوزخ (کی دہکتی آگ) میں داخل ہو جائیں گے پھر (ان سے) کہا جائے گا کہ یہی (عذاب) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ہرگز ایسا نہیں (یقینا) نیک لوگوں کا اعمالنامہ (سچے ایمانداروں کے اعمالنامے) علیین میں رہے گا (کہا گیا ہے کہ فرشتوں، انسان وجنات کے اچھے اعمال کا دفتر ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ایک جگہ ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا اعمالنامہ کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب (فرشتے) دیکھتے ہیں، بلاشبہ نیک لوگ بڑی آسائش (جنت) میں ہوں گے مسہریوں (چھپر کھٹ) پر معائنہ کرتے ہوں گے (عطا کی ہوئی نعمتوں کا) اے دیکھنے والے تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت (نعمتوں کی تروتازگی اور رونق) محسوس کرے گا۔ ان کو پینے کے لیے نکھری ہوئی شراب (میل کچیل سے صاف ستھری) سر بمہر ملے گی (جس کی مہر وہ خود کھولیں گے) اس کا اخیر مشک ہوگا (یعنی پینے کے بعد اس میں مشک کی مہک آئے گی) اور حریص لوگوں کو اس میں حرص کرنی چاہئے (لہٰذا انہیں اللہ کی فرمانبرداری کی طرف لپکنا چاہئے) اور اس کی آمیزش (ملاوٹ) تسنیم سے ہوگی (جس کی تشریح آگے آتی ہے) ایسا چشمہ (امدح مقدر سے منصوب ہے) جس سے مقرب بندے پئیں گے (بہا یعنی منہا ہے یا یشرب متضمن ہے معنی یلتذ کے) جو لوگ مجرم تھے (جیسے ابوجہل وغیرہ) وہ ایمان والوں (عمار، بلال وغیرہ) سے ہنسا کرتے تھے (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) اور جب ان (مومنین) کے سامنے سے گزرا کرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے (یعنی مجرمین مومنین کا مذاق اڑانے کے لیے آنکھیں مارا کرتے تھے) اور جب اپنے گھروں کو جاتے (پلٹتے) تو دل لگیاں کیا کرتے تھے (ایک قراءت میں فکھین ہے تعجب کے ساتھ مومنین کا ذکر کرتے تھے) اور جن (مومنین کو) دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقینا غلطی پر ہیں (محمد ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) حالانکہ یہ (کفار) ان (مومنین) پر نگران کار بنا کر نہیں بھیجے گئے (مسلمانوں اور ان کے اعمال کی دیکھ بھال کے لیے کہ ان کو اپنے مصالح کی طرف پھیر دیں سو آج (قیامت کے روز) ایمان دار کافروں پر ہنستے ہوں گے۔ مسہریوں پر (جنت میں) دیکھ رہے

ہوں گے (اپنے محلات سے کفار کو جو مبتلائے عذاب ہوں گے۔ اس لیے وہ کفار پر اسی طرح ہنسیں گے۔ جس طرح کفار دنیا میں ان پر ہنسا کرتے تھے) واقعی کفار کو اپنے کیے کا خوب بدلہ (صلہ) ملا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَيْلٌ :نسائی نے نقل کیا کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ ماپ تول میں نہایت برے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری تو وہ لوگ ناپ تول میں سب سے عمدہ بن گئے۔ بعض نے کہا یہ ابوجہنہ کے متعلق اتری۔ اس کے پاس دو صاع تھے ایک سے لیتا دوسرے سے دیتا یہ ابو ہریرہؓ کا قول ہے۔

قوله: مِنَ النَّاسِ :علی یہ من کے معنیٰ میں ہے۔ جب اس نے ان سے اپنا ماپ لیا تو ان کا حق اس پر لازم ہوا۔ اسی وجہ سے اس کو علی سے متعدی کیا ہے۔ فراء نحوی کہتے ہیں: ایسے مواقع میں من اور علیٰ ایک دوسرے کی جگہ آتے ہیں کیونکہ یہ اس کے ذمہ حق بن جاتا ہے۔ پس جب تم کہو: اکتلت علیک تو تم نے گویا اخذت علیک کہہ دیا اور جب تم نے اکتلت منک کہا تو گویا استوفیت منک کی طرح ہوا۔ (ک)

قوله: بَدَلٌ : یہ یوم کے محل کا بدل ہے یعنی جار مجرور سے بدل ہے۔ اور یہ محل نصب میں ہے۔ اس کا ناصب مبعوثون ہے اور تابع کا عامل وہی ہے جو متبوع کا عامل ہے۔ (ک)

قوله: كَلَّا : یہ حقا کے معنیٰ میں ہے۔ یہ مبتداء ہے اور مابعد سے متصل ہے۔ اس قول کے مطابق اس سے ماقبل وقف ہے۔
۱۔ بعض نے ردعلیہ قرار دیا گویا اس بات پر خبردار کیا گیا کہ بات اس طرح نہیں جس پر وہ ہیں کہ ماپ تول میں کمی کرتے جاؤ۔ اس صورت میں اس پر کلام مکمل ہو جاتا ہے۔

قوله: كِتٰبٌ : یہ کتاب کا ظرف کیونکر بن سکتی ہے تو اشارہ کیا کہ یہ مصدری معنیٰ میں ہے۔ ۲۔ پھر ظرفیۃ الکل للجزء کی قسم سے ہے۔ (ک)

قوله: سِجِّيْنٍ : یہ کتاب کا نام نہیں بلکہ جگہ کا نام ہے۔ اس صورت میں ماادراک۔ میں مضاف محذوف ہے۔ ای الکتاب سجین۔ اور اضافت فی کے معنیٰ میں ہوگی اس صورت میں کوئی اشکال نہیں مگر صاحب بحر کہتے ہیں: سجین کتاب کا نام ہے۔ اسی وجہ سے اس کا بدل کتاب مرقوم سے لایا گیا ہے۔ (ک)

قوله: رَدْعٌ : حد سے بڑھنے والے گناہ گار کے لیے رجز ہے۔ یعنی اس کو اس باطل سے باز آجانا چاہیے اور لام یہ عن کے معنیٰ میں ہے۔ (ک)

قوله: بَلْ رَانَ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے۔ اگر اس سے توبہ کر لیتا ہے اور استغفار کر لیتا ہے اور گناہ سے باز آجاتا ہے تو دل صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر گناہ کرتا ہے تو وہ نکتے بڑھتے بڑھتے اس قدر ہو جاتے ہیں کہ سیاہی دل پر غالب آجاتی ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ

نے بَلْ رَانَ الایۃ میں ذکر میں فرمایا ہے۔

قولہ : یَشْهَدُهُ : ملائکہ وہاں حاضر ہو کر اس کو یاد کرتے ہیں یا قیامت کے دن جو ہونے والا ہے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس کی عظمت کی وجہ سے یہ کتاب کی دوسری صفت ہے۔ (ک۔خ)

قولہ : تَسْنِیمٍ : یہ چشمے کا معین نام ہے۔ یہ سنم کا مصدر ہے جس کا معنی بلند کرنا ہے۔ یہ چشمہ اوپر سے آتا اور ہوا میں بہتا ہے۔ اس کا پانی اہل جنت کے برتنوں میں بقدر حاجت پڑے گا۔ جب وہ برتن پھر جائیں گے تو رک جائے گا۔ مقربین تو اسے خالص پیئے گے اور باقی اہل جنت ملا ہوا پئیں گے۔ (ک)

قولہ : وَمَآ اُرْسِلُوْا : یہ قالوا کی واؤ سے حال ہے۔ وہ یہ کہہ رہے ہیں حالانکہ حال یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اور یہ بات ان کے ساتھ بطور تحکم کے کی جائے گی۔ (ک)

قولہ : هَلْ ثُوِّبَ : اس کو یقولون کو مضمر مانتے ہوئے اس کا مقولہ بنایا جائے گا ای یقولون هل ثوب الکفار۔۔۔ الایۃ۔ (ک)

۱۔ ماپ تول میں کمی کو حرام قرار دیا گیا جو کہ جان بوجھ کر ہو۔

۲۔ روز جزاء کو یاد دلایا کہ سب اس کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔

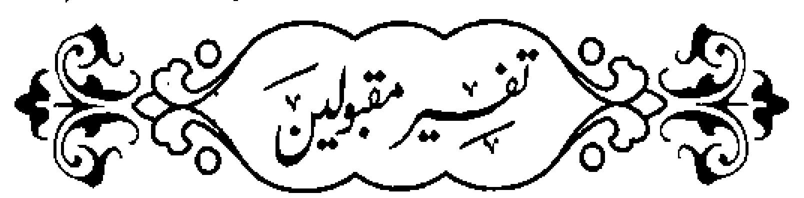
۳۔ کفار کے اعمال کا اندراج اور ان کے ارواح کا مستقر ساتوں زمینوں کے نیچے وہ قید خانہ ہے جس کا نام سجین ہے۔ اس میں مکذبین کے لیے شدید وعید ہے۔

۴۔ پے در پے گناہوں سے توبہ کی توفیق ختم ہو جاتی ہے جیسا فرمایا: کلا بل ران علی قلوبهم الایہ۔

۵۔ اشقیاء دیدار الٰہی سے محروم کر دیے جائیں گے جبکہ سعداء کو دیدار سے نوازا جائے گا۔ وجوہ یومئذ ناضرہ الی ربها ناظرہ الایہ۔ اللهم اجعلنا منهم۔

۶۔ ابرار کو وہاں بہت کچھ ملے گا اور ایسی چیزوں کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کوشش کرنی چاہیے۔

۷۔ اگرچہ دعوت اسلام کی ابتداء میں کفار نے بے شمار مظالم کیے مگر وہ وقت موت کے بعد قریب ہے جب کفار مصائب کا شکار ہوں گے اور مؤمن ان پر ہنسیں گے اور کفار کو ان کی بداعمالیوں کی یہ سزا دی گئی ہے۔



سورۃ المطففین جس کو سورۃ التطفیف بھی کہا جاتا ہے مکیہ ہے، اس میں چھتیس آیات ہیں، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ ومقاتل رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کیا کہ یہ مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے آخری سورت ہے۔ اس کے بالمقابل ایک جماعت ائمہ مفسرین کی اس کو مدنی سورت کہتی ہے چنانچہ حسن رحمۃ اللہ علیہ اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

مدینہ میں نازل ہوئی اور یہ اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، لیکن قول اول راجح اور قوی ہے۔

گزشتہ سورتوں میں آخرت اور بعث ونشر کے مضامین ذکر فرمائے گئے تھے اور اس ضمن میں اعتقاد وایمان کے اصول واضح اور متعین کرنا تھا اب اس سورت میں ایمان بالآخرۃ کی بنیاد پر معاملات کی اصلاح مقصود ہے اور انسانی معاشرہ کو خیانت جھوٹ اور حق تلفی کی گندگیوں سے پاک کرنا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ حقوق والعباد میں خیانت وہ بدترین جرم ہے کہ انسان اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

یہاں سے سوۂ تطفیف شروع ہو رہی ہے، یہ لفظ طفف سے باب تفعیل کا مصدر ہے اور مطففین اسی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ تطفیف کا معنی ہے گھٹانا اور کم کرنا۔ لفظ کالوا کیل سے لیا گیا ہے ماضی معروف جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ عربی میں برتن کے بنائے ہوئے پیمانہ سے بھر کر دینے کو کیل کہتے ہیں اور اکتالو الفظ کیل سے باب افتعال سے ماضی کا صیغہ ہے۔

اس آیت شریفہ میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے جو لوگ دوسروں کے ہاتھ مال بیچتے ہیں تو کم ناپتے ہیں یا کم تولتے ہیں۔ تولتے وقت ڈنڈی مار دیتے ہیں اور ایک طرف کسی ترکیب سے پلڑا جھکا دیتے ہیں اور لوگوں سے مال لیتے ہیں تو پورا تلواتے ہیں اور پورا نپواتے (یعنی پیمائش میں پورا لیتے) ہیں۔ ان لوگوں کو قیامت کے دن کی پیشی یاد دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ تطفیف کرنے والوں کے لیے اس دن بڑی خرابی ہوگی جس دن رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے ذرا سی حقیر دنیا کے لیے اپنے ذمہ حقوق العباد لازم کرتے ہیں اور دھوکہ فریب دے کر تجارت کرتے ہیں اس کا وبال آخرت میں بھی ہے اور دنیا میں بھی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں تمہارے سپرد کی گئیں ہیں ان دونوں کے بارے میں گزشتہ امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ناپ تول میں کمی کرنے کا رواج حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں تھا۔ انہوں نے ان کو بارہا سمجھایا وہ نہ مانے بالآخر عذاب آیا اور ہلاک ہو گئے جیسا کہ سورۃ شعراء میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا یعنی ان کے رزق میں کمی کر دی جائے گی یا رزق کی برکت اٹھالی جائے گی، ناپ تول میں کمی کر کے دینا حرام ہے۔ ایسا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی برخلاف اس کے جھکا کر تولنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لے جا رہے تھے ایک ایسے شخص پر گزر ہوا جو مزدوری پر تول رہا تھا (یعنی بیچنے والے کا مال زیادہ مقدار میں تھا ایک شخص اس کی طرف سے تول رہا تھا اور اس نے اپنے اس عمل کی مزدوری طے کر لی تھی)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زن وارجح کہ تم تولو اور جھکا کر تولو۔

جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح سے دیگر امور میں کمی کرنے سے کہیں گناہ ہوتا ہے اور کہیں ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔ مومن ہونے کے اعتبار سے جو ذمہ داری قبول کی ہے ہر شخص اسے پوری کرے۔ حقوق اللہ بھی پورے کرے اور حقوق العباد بھی، کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطابؓ نماز عصر سے فارغ ہوئے تو ایک شخص سے ملاقات ہوئی وہ نماز عصر میں حاضر نہیں ہوا تھا اس سے دریافت فرمایا کہ تم نماز عصر سے کیوں پچھڑ گئے؟

اس شخص نے کچھ عذر پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: طففت کہ تو نے اپنے حصے میں کمی کر دی، یعنی جماعت کا جو ثواب ملتا اس سے محروم رہ گیا اور اپنا نقصان کر بیٹھا۔ یہ روایت لکھ کر حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں: ویقال لکل شی وفاء وتطفیف (کہ ہر چیز کے لیے پورا کرنا بھی ہے اور کم کرنا بھی ہے)۔ نماز کی ایک تطفیف اوپر مذکور ہوئی (جس شخص کو تنبیہ کی تھی کہ نماز با جماعت میں حاضر نہیں ہوا تھا)۔

نماز کی یا حج کی سنتیں چھوڑ دینا روزہ رکھنا لیکن اس میں غیبتیں کرنا، تلاوت کرنا لیکن غلط پڑھنا یہ سب طفف میں شامل ہے۔ یعنی ثواب میں کمی ہو جاتی ہے اور بعض مرتبہ تلاوت غلط ہونے کی وجہ سے نماز ہی نہیں ہوتی، اگر زکوٰۃ پوری نہ دے تو یہ بھی طفف ہے۔

جو لوگ حکومت کے کسی بھی ادارہ میں یا کسی انجمن یا مدرسہ وغیرہ میں ملازم ہیں انہوں نے معروف اصول وقواعد یا معاملہ اور معاہدہ کے مطابق جتنا وقت طے کیا ہے اس وقت میں کمی کرنا اور تنخواہ پوری لینا یہ سب طفف ہے۔

جو لوگ اجرت پر کسی کے ہاں کام کرتے ہیں ان کے ذمہ لازم ہے کہ جس کام پر لگا دیا گیا ہے اسے صحیح کریں اور پورا کریں۔ اگر غلط کریں گے یا پورا نہ کریں گے تو طفف ہوگا اور پوری اجرت لینا حرام ہوگا۔ یہ جو مزدوری کا طریقہ ہے کہ کام لینے والا دیکھ رہا ہے تو ٹھیک طرح کام کر رہے ہیں اگر وہ کہیں چلا گیا تو سگریٹ سلگالی یا حقہ پینے لگے یا باتیں چھوڑنے لگے یا عالمی خبروں پر تبصرہ کرنے لگے یہ سب طفف ہے، ہر مزدور اور ملازم پر لازم ہے کہ صحیح کام کرے اور وقت پورا دے۔ جو شخص کسی کام پر مامور ہے اور اس کام کرنے کے لیے ملازمت کی ہے اگر مقررہ کام کے خلاف کرے گا اور رشوت لے گا تو یہ طفف ہے۔ رشوت تو حرام ہے ہی تنخواہ بھی حرام ہوگی۔ چونکہ جس کام کے لیے دفتر میں بیٹھایا گیا وہ کام اس نے نہیں کیا۔ (پورے مہینہ میں کتنی خلاف ورزی کی اسی حساب سے تنخواہ حرام ہوگی)۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾

ران، رین سے مشتق ہے جس کے معنے زنگ اور میل کے ہیں مطلب یہ ہے کہ انکے دلوں پر انکے گناہوں کا زنگ لگ گیا ہے اور جس طرح طرح زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنا دیتا ہے اسی طرح ان گناہوں کے زنگ نے ان کے دل کی اس صلاحیت کو ختم کر دیا جس سے بھلے برے کی تمیز ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر اسنے توبہ کر لی اور اس پر نادم ہو کر آگے اپنے عمل کو درست کر لیا تو یہ سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور دل اپنی اصلی حالت پر منور ہو جاتا ہے اور اگر اس نے توبہ نہ کی بلکہ اپنے گناہوں میں زیادتی کرتا چلا گیا تو یہ سیاہی اس کے سارے قلب پر چھا جاتی ہے اسی کا نام ران ہے جو آیت قرآن: بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ میں مذکور ہے (رواہ البغوی وکذا اخرج احمد الترمذی وصححہ والنسائی وابن ماجہ ابن حبان والحاکم، از مظہری) لفظ کلا جو آیت کے شروع میں ہے اس کو حرف ردع کہتے ہیں جس معنے دفع کرنے اور زجر وتنبیہ کرنیکے ہیں۔ پہلی آیتوں میں کفار کی تکذیب کا ذکر تھا کہ وہ آیات قرآن کو کہانیاں کہہ کر جھٹلاتے ہیں۔ اس آیت میں لفظ کلا سے اس پر زجر وتنبیہ ہے کہ ان جاہلوں نے اپنے گناہوں کے انبار میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کی اس نورانیت اور صلاحیت کو ختم کر دیا ہے جس سے حق وباطل پہچانا جاتا ہے اور یہ صلاحیت حق تعالیٰ ہر انسان کی

جبلت اور فطرت میں رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ تکذیب کسی دلیل یا عقل وفہم کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب اندھے ہو چکے ہیں انہیں بھلا برا نظر ہی نہیں آتا۔

يَّشۡهَدُهُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿۲۱﴾

یشہد، شہود سے مشتق ہے جس کے معنے حاضر ہونے اور مشاہدہ کرنے کے آتے ہیں۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ابرار وصالحین کی کتاب الاعمال کو مقربین دیکھتے ہوں گے اور مراد مقربین سے فرشتے ہیں اور دیکھنے سے مراد اس کی نگرانی اور حفاظت ہے، مطلب یہ ہے کہ ابرار وصالحین کے صحائف اعمال مقرب فرشتوں کی نگرانی میں ہوں گے۔ (قرطبی) اور شہود سے مراد حضور کے معنی لیے جائیں تو یشہدہ کی ضمیر کتاب کے بجائے علیین کی طرف راجع ہوگی اور معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ مقربین بارگاہ کی ارواح اسی مقام علیین میں حاضر ہوں گی کیونکہ یہ ہی مقام ان کی ارواح کا مستقر بنایا گیا ہے۔ جس طرح سجین کفار کی ارواح مستقر ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہدا کی ارواح اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی جو جنت کے باغات اور نہروں کی سیر کرتی ہوں گی اور ان کے رہنے کی جگہ قندیل ہوں گے جو عرش کے نیچے معلق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہدا کی ارواح تحت العرش رہیں گی اور جنت کی سیر کر سکیں گی اور سورۃ یٰسین میں جو حبیب نجار کے واقعہ میں آیا ہے۔ قیل ادخل الجنه قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی، اس سے معلوم ہوا کہ حبیب نجار موت کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہو گئے اور بعض روایات حدیث سے بھی ارواح مومنین کا جنت میں ہونا معلوم ہوتا ہے، ان سب کا حاصل ایک ہی ہے کہ مستقر ان ارواح کا ساتویں آسمان پر تحت العرش ہے اور یہی مقام جنت کا بھی ہے ان ارواح کو جنت کی سیر کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور یہاں اگرچہ یہ حال صرف مقربین کا ان کی اعلیٰ خصوصیات اور فضیلت کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے مگر درحقیقت یہی مستقر تمام مومنین کی ارواح کا بھی ہے جیسا کہ حضرت کعب بن مالک کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ۔

انما نسمة المومن طائر یعلق فی شجر الجنة حتے ترجع الی جسدہ یوم القیمة۔ (رواہ مالک والنسائی بسند صحیح)

مومن کی روح ایک پرندہ کی شکل میں جنت کے درختوں میں معلق رہے گی یہاں تک کہ قیامت کے روز وہ اپنے جسم میں پھر لوٹ جائے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث ام ہانی کی روایت سے مسند احمد اور طبرانی میں آئی ہے۔ (مظہری)

مقر ارواح یعنی موت کے بعد انسانی روحوں کا مقام کہاں ہے۔

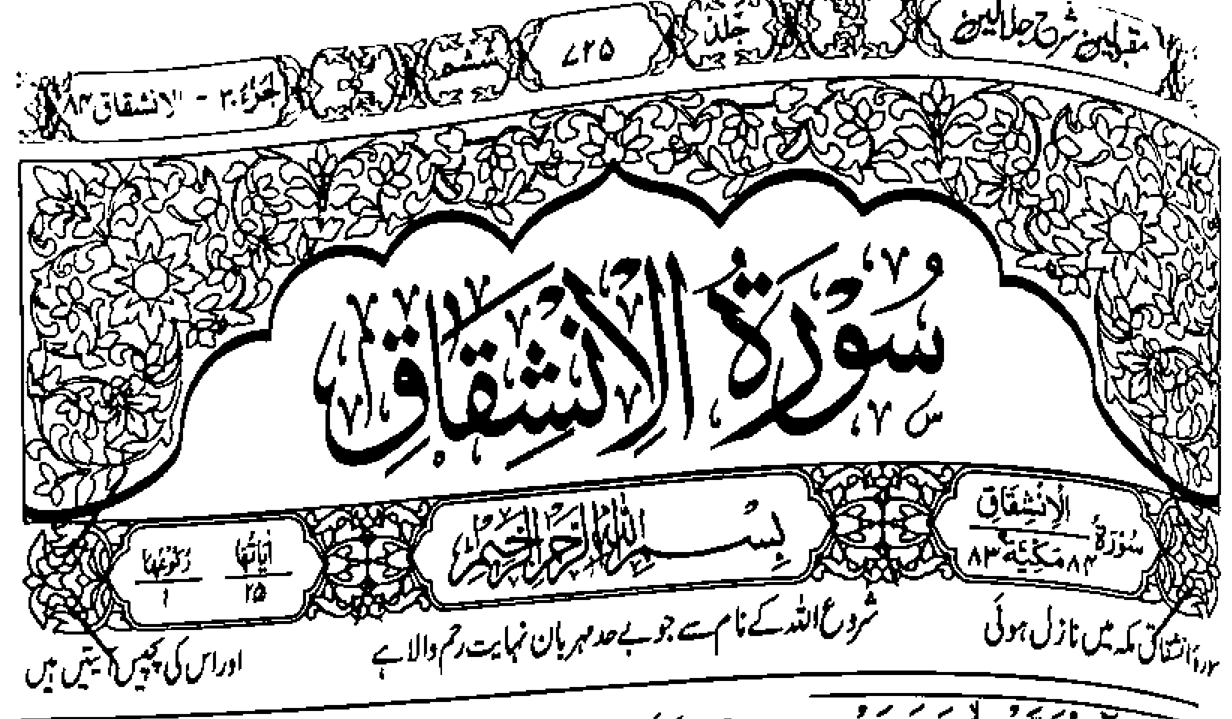
اس معاملے میں روایات حدیث بظاہر مختلف ہیں، سجین اور علیین کی تفسیر میں جو روایات اوپر مذکور ہوئی ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کفار سجین میں رہتی ہیں جو ساتویں زمین میں ہے اور ارواح مومنین علیین میں رہتی ہیں جو ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے اور مذکور الصدر روایات میں بعض سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کفار جہنم میں اور ارواح مومنین جنت میں رہیں گی۔ اور بعض روایات حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومنین وکفار دونوں کی روحیں ان کی قبروں میں رہتی ہیں جیسا کہ حضرت براء بن عازب کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مومن کی روح کو آسمان میں فرشتے لیجاتے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

میرے اس بندے کا اعمالنامہ علیین میں لکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ اس کو میں نے زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور مرنے کے بعد اسی میں لوٹاؤں گا اور پھر اسی زمین سے ان کو دوبارہ زندہ کر کے نکالوں گا، اس حکم پر فرشتے اس کی روح کو قبر میں لوٹا دیتے ہیں۔ اسی طرح کافر کی روح کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور یہی حکم ہوگا کہ اس کو اس کی قبر میں لوٹا دو۔ امام ابن عبدالبر نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ سب کی ارواح بعد الموت قبر ہی میں رہتی ہیں۔ ان میں پہلی اور دوسری روایات میں جو یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ بعض سے ارواح مومنین کا........ علیین میں رہنا معلوم ہوتا ہے اور بعض سے جنت میں رہنا، غور کیا جائے تو یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ مقام علیین بھی ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے اور جنت کا بھی یہی مقام خود قرآن کریم کی تصریح سے ثابت ہے (آیت) عند سدرۃ المنتھی عندھا جنۃ الماوی اس میں تصریح ہے کہ جنت سدرۃ المنتہی کے پاس ہے اور سدرہ کا ساتویں آسمان میں ہونا حدیث سے ثابت ہے اسلئے مقام ارواح جب علیین ہوا تو وہ جنت کے متصل ہے اور ان ارواح کو جنت کے باغات کی سیر نصیب ہے اسلئے ان کا مقام جنت بھی کہا جاسکتا ہے۔

اسی طرح کفار کی ارواح سجین میں ہیں اور ساتویں زمین میں ہے اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جہنم بھی ساتویں زمین میں ہے اور اہل سجین کو جہنم کی تپش اور ایذائیں پہنچتی رہیں گی اسلئے انکا مقام جہنم میں کہہ دینا بھی صحیح ہے۔ البتہ اوپر جس روایت میں ارواح کا قبر میں رہنا معلوم ہوتا ہے بظاہر پچھلی دونوں روایتوں سے بہت مختلف ہے اس کی تطبیق بیہقی زمانہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں یہ بیان کی ہے کہ یہ بات کچھ بعید نہیں کہ اصل مستقر ارواح کا علیین اور سجین ہی ہوں مگر ان ارواح کا ایک خاص رابطہ قبروں کے ساتھ بھی قائم ہو۔ اس رابطہ کی حقیقت تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا مگر جس طرح آفتاب ماہتاب آسمان میں ہیں اور ان کی شعاعیں زمین پر پڑ کر اس کو روشن بھی کر دیتی ہیں گرم بھی۔ اسی طرح علیین و سجین کی ارواح کا کوئی رابطہ معنویہ قبروں سے ہوسکتا ہے اور ان تمام اقوام کی تطبیق میں حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق سورۃ نازعات کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روح کی دو قسمیں ہیں ایک جسم لطیف ہے جو انسان کے بدن میں حلول کرتا ہے اور وہ مادی اور عنصری جسم ہے مگر لطیف ہے نظر نہیں آتا، اسی کو نفس کہا جاتا ہے۔ دوسری روح جو ہر مجرد ہے مادی نہیں، اور وہ روح مجرد ہی روح اول کی حیات ہے اسلئے اس کو روح الروح کہہ سکتے ہیں، انسان کے جسم سے تعلق تو ان دونوں قسم کی روحوں کا ہے مگر پہلی قسم جسم انسانی کے اندر رہتی ہے اسکے نکلنے ہی کا نام موت ہے۔ دوسری روح کا اس پہلی روح سے تعلق قریب تو ہے مگر اس تعلق کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ مرنے کے بعد روح اول تو آسمانوں میں لیجائی جاتی ہے پھر قبر میں لوٹا دیجاتی ہے اس کا مستقر قبر ہی ہے اسی پر عذاب و ثواب ہوتا ہے اور روح مجرد علیین یا سجین میں رہتی ہے۔ اسطرح اقوام جمع ہوگئے مستقر ارواح کا جنت یا علیین میں یا اسکے بالمقابل جہنم یا سجین میں ہونا روح مجرد کے اعتبار سے ہے اور انکا مستقر قبر میں ہونا روح کی قسم اول یعنی نفس کے اعتبار سے ہے جو جسم لطیف ہے اور مرنے کے بعد قبر میں رہتا ہے۔ واللہ اعلم

وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾

تنافس کے معنے ہے چند آدمیوں کا کسی خاص مرغوب و محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لیے جھپٹا دوڑنا تا کہ دوسروں سے پہلے وہ اس کو حاصل کرلیں، یہاں جنت کی نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے غفلت شعار انسان کو اس طرف متوجہ....



سورۂ انشقاق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی پچیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَ اَذِنَتْ سَمِعَتْ وَاَطَاعَتْ فِی الْاِنْشِقَاقِ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝۲ اَیْ حَقَّ لَهَا اَنْ تَسْمَعَ وَتُطِیْعَ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ زِیْدَ فِیْ سَعَتِهَا كَمَا یُمَدُّ الْاَدِیْمُ وَلَمْ یَبْقَ عَلَیْهَا بِنَاءٌ وَّلَا جَبَلٌ وَ اَلْقَتْ مَا فِیْهَا مِنَ الْمَوْتٰی اِلٰی ظَاهِرِهَا وَ تَخَلَّتْ ۝۴ عَنْهُ وَ اَذِنَتْ سَمِعَتْ وَاَطَاعَتْ فِیْ ذٰلِكَ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵ وَ ذٰلِكَ كُلُّهٗ یَكُوْنُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَجَوَابُ اِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَیْهَا مَحْذُوْفٌ دَلَّ عَلَیْهِ مَا بَعْدَهٗ تَقْدِیْرُهٗ لَقِیَ الْاِنْسَانُ عَمَلَهٗ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ جَاهِدٌ فِیْ عَمَلِكَ اِلٰی لِقَاءِ رَبِّكَ وَهُوَ الْمَوْتُ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ ۝۶ اَیْ مُلَاقٍ عَمَلَكَ الْمَذْكُوْرَ مِنْ خَیْرٍ اَوْ شَرٍّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ كِتَابَ عَمَلِهٖ بِیَمِیْنِهٖ ۝۷ وَهُوَ الْمُؤْمِنُ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۝۸ هُوَ عَرْضُ عَمَلِهٖ عَلَیْهِ كَمَا فُسِّرَ فِیْ حَدِیْثِ الصَّحِیْحَیْنِ وَفِیْهِ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ وَبَعْدَ الْعَرْضِ یَتَجَاوَزُ عَنْهُ وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ فِی الْجَنَّةِ مَسْرُوْرًا ۝۹ بِذٰلِكَ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ هُوَ الْكَافِرُ تُغَلُّ یُمْنَاهُ اِلٰی عُنُقِهٖ وَتُجْعَلُ یُسْرَاهُ وَرَاءَ ظَهْرِهٖ فَیَاْخُذُ بِهَا كِتَابَهٗ فَسَوْفَ یَدْعُوْا عِنْدَ رُؤْیَةِ مَا فِیْهِ ثُبُوْرًا ۝۱۱

.... کیا ہے کہ آج تم لوگ جن چیزوں کو مرغوب مطلوب سمجھ کر ان کے حاصل کرنے میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہو۔ یہ ناقص اور فانی نعمتیں اس قابل نہیں کہ ان کو مقصود زندگی سمجھ کر ان کے لیے مسابقت کرو بلکہ ان میں تو اگر قناعت وایثار سے کام لے کر یہ سمجھ لو کہ یہ چندروزہ راحت کا سامان ہاتھ سے نکل ہی گیا تو کچھ بڑے صدمے کی بات نہیں، ایسا خسارہ نہیں جس کی تلافی نہ ہو سکے، البتہ تنافس اور مسابقت کرنے کی چیز یہ جنت کی نعمتیں ہیں جو ہر حیثیت سے مکمل بھی ہیں اور دائمی بھی، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ؎

یہ کہاں کا فسانہ ہے سود وزیاں، جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا۔ کہو ذہن سے فرصت عمر ہے کم، جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

يُنَادِيْ هِلَاكَهُ بِقَوْلِهِ يَا ثُبُوْرَاهُ وَّ يَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾ يَدْخُلُ النَّارَ الشَّدِيْدَةَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِ الصَّادِ وَتَشْدِيْدِ اللَّامِ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ عَشِيْرَتِهٖ فِي الدُّنْيَا مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ بَطَرًا بِاتِّبَاعِهٖ لِهَوَاهُ اِنَّهٗ ظَنَّ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهٗ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ يَرْجِعَ اِلٰى رَبِّهٖ بَلٰٓى يَرْجِعُ اِلَيْهِ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ عَالِمًا بِرُجُوْعِهٖ اِلَيْهِ فَلَآ اُقْسِمُ لَا زَائِدَةٌ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ هُوَ الْحُمْرَةُ فِي الْاُفُقِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ جَمَعَ مَا دَخَلَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّوَابِ وَغَيْرِهَا وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ اِجْتَمَعَ وَتَمَّ نُوْرُهٗ وَذٰلِكَ فِي اللَّيَالِي الْبِيْضِ لَتَرْكَبُنَّ اَيُّهَا النَّاسُ اَصْلُهٗ تَرْكَبُوْنَنَّ حُذِفَتْ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي الْاَمْثَالِ وَالْوَاوُ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ حَالًا بَعْدَ حَالٍ وَهُوَ الْمَوْتُ ثُمَّ الْحَيَاةُ وَمَا بَعْدَهَا مِنْ اَحْوَالِ الْقِيَامَةِ فَمَا لَهُمْ اَيِ الْكُفَّارِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَيْ اَيُّ مَانِعٍ لَّهُمْ مِنَ الْاِيْمَانِ اَوْ اَيُّ حُجَّةٍ لَّهُمْ فِيْ تَرْكِهٖ مَعَ وُجُوْدِ بَرَاهِيْنِهٖ وَ مَا لَهُمْ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ يَخْضَعُوْنَ بِاَنْ يُّؤْمِنُوْا بِهٖ لِاِعْجَازِهٖ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ يَجْمَعُوْنَ فِيْ صُحُفِهِمْ مِنَ الْكُفْرِ وَالتَّكْذِيْبِ وَاَعْمَالِهِمُ السُّوْءِ فَبَشِّرْهُمْ اَخْبِرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ مُؤْلِمٍ اِلَّا لٰكِنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾ غَيْرُ مَقْطُوْعٍ وَّلَا مَنْقُوْصٍ وَّلَا يُمَنُّ بِهٖ عَلَيْهِمْ

ترجمہ: آسمان جب پھٹ جائے گا اور سن لے گا (پھٹنے کا حکم سن کر مان لے گا) اپنے پروردگار کا حکم اور وہ اس لائق ہے (یعنی سننا اور ماننا اس کے لیے لائق ہے) اور زمین جب کھینچ کر بڑھا دی جائے گی (چمڑے کی طرح اس کی وسعت بڑھ جائے گی، اس پر کوئی عمارت اور پہاڑ نہیں رہے گا) اور اگل دے گی اپنے اندر کی چیزیں (مردے باہر کر دے گی) اور خالی ہو جائے گی۔ اذا اور اس کے معطوف کا جواب محذوف ہے بعد کی عبارت اس پر دلالت کر رہی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لقی الانسان عملہ) اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے (مرنے) تک (کام میں) کوشش کر رہا ہے، پھر اس سے جا ملے گا (یعنی قیامت میں اپنے اس اچھے برے کام سے جا ملے گا) پس جس شخص کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں آئے گا (یعنی مؤمن)......سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا (صرف اس کو نامۂ اعمال دکھلا کر درگزر کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نیز حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جس کے حساب میں پوچھ گچھ کا سلسلہ ہو گا وہ تباہ ہو جائے گا) اور (جنت میں) اپنے متعلقین کے پاس (اس کی وجہ سے) خوش خوش واپس ہو گا۔ لیکن جس شخص کا اعمالنامہ پیٹھ پیچھے سے ملے گا (یعنی کافر جس کا داہنا ہاتھ گردن پر اور بایاں کمر کے پیچھے بندھا ہو گا جس سے وہ نامۂ عمل تھامے ہو گا) سو وہ (دیکھتے ہی) موت کو پکارے گا (ہائے تباہی

جلائے گا) اور دوزخ (کی دہکتی ہوئی آگ) میں داخل ہوگا۔ ایک قراءت میں ضمہ یا اور فتحہ صاد اور تشدید لام کے ساتھ) یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین میں خوش بخوش رہا کرتا تھا (نفس کی پیروی پر اترایا کرتا تھا) اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو (ان مخففہ ہے جس کا اسم محذوف ہے اصل انہ تھا) لوٹنا نہیں (اپنے پروردگار کے پاس جانا نہیں) کیوں (رب کے پاس لوٹنا) نہیں؟ اس کا پروردگار اس کو خوب دیکھتا تھا (اس کے پاس لوٹنے کو جانتا تھا) سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں (لا زائد ہے) شفق کی (سورج غروب ہونے کے بعد کی سرخی) اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے (جانور وغیرہ جن پر رات آتی ہے) اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے (اس کا نور مکمل ہو جائے چاندنی راتوں میں) کہ تم لوگوں کو ضرور الٹ پلٹ ہونا ہے (اس کی اصل لترکبونن تھی۔ نون رفع کو مسلسل نونوں کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور واو التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا) ایک حالت سے دوسری حالت پر (مختلف کیفیات پر یعنی موت پر دوبارہ زندگی۔ پھر اس کے بعد احوال قیامت) سو ان لوگوں (کافروں) کو کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے (یعنی ایمان لانے میں آخر کیا رکاوٹ ہے یا ایمان چھوڑنے کے لیے ان کے پاس کیا دلیل ہے جب کہ اس کے موجود ہونے کے دلائل پائے جاتے ہیں) اور (انہیں کیا ہو گیا کہ) جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا تو کیوں نہیں جھکتے (تواضع اختیار کر کے قرآن کے اعجاز کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے) بلکہ یہ کافر (قیامت وغیرہ کو) جھٹلاتے ہیں، اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں (اپنے اعمالناموں میں کفر و تکذیب اور برے اعمال) سو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری (اطلاع) سنا دیجیے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے۔ ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں ہے (نہ موقوف ہوگا اور نہ کم اور نہ اس کا ان پر احسان جتلایا جائے گا)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

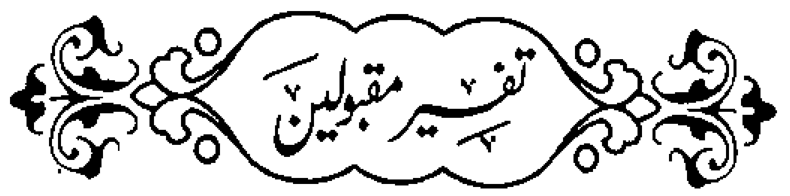
قوله: اِنْشَقَّتْ: آسمان بادلوں کے ذریعہ پھٹ جائے گا وہ بادل آہستہ سے نکلے گا۔ بعض نے کہا: ان بادلوں میں عذاب کے فرشتے ہوں گے۔

قوله: سَمِعَتْ: اذن۔ غور سے سنا۔ جیسا حدیث میں ہے۔ ما اذن اللہ لشیء اذنہ لنبی یغنی بالقرآن الحدیث۔

قوله: وَ ذٰلِکَ: اس کا مشار الیہ القاء اور تخلی ہے پس پہلے کے ساتھ تکرار نہ ہوا۔ اول کا تعلق السماء سے اور دوسرے کا تعلق ارض (زمین) سے ہے۔

قوله: هُوَ عَرْضُ عَمَلِهٖ: حساب یسیر عرض اعمال کا نام ہے۔ یعنی اس کے نیک و بد عمل معلوم کر لیے جائیں اور نیک پر اسے ثواب دیا جائے اور برے عمل سے درگزر کی جائے۔ اس میں صاحب عمل پر نہ کوئی شدت ہو اور نہ پڑتال اور مناقشہ ہے۔ اور نہ ہی لم سے سوال ہے۔ اور نہ عذر کا مطالبہ ہے۔ اس لیے کہ جب پوچھا جائے گا تو ضرور رسوائی ہوگی۔ جیسا فرمایا: من نوقش الحساب فقد ھلک۔ مناقشہ یہ ہے کہ اس سے دلیل کا مطالبہ ہو یا معذرت کا کہا جائے تم نے یہ کیوں کیا۔ اور جب قلیل و کثیر محاسبہ ہو تو پھر سیئات سے تجاوز نہ ہوا۔ (ک)

۱۔قیامت کے بڑے بڑے انقلابات کا ذکر کیا۔
۲۔انسان دنیا میں مشقت اٹھاتا ہے۔موت کے بعد لامحالہ اپنے رب سے ملے گا وہاں دو طرح کے لوگ ہوں گے۔۱۔نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں پائیں گے اور ان کو حساب کے لیے بلا مناقشہ پیش کیا جائے گا۔ ۲۔دوسروں کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں پشت کے پیچھے ملے گا ان سے مناقشہ ہوگا جس سے یہ ہلاک ہوں گے۔
۳۔اہل جنت کا دنیا کے حالات سے غم ورنج کا تذکرہ فرمایا: انا کنا قبل فی اهلنا مشفقین الایہ۔اور اہل نار کے متعلق فرمایا کہ وہ دنیا میں خوش باش ہوں گے۔انه کان فی اهله مسرورا الایہ۔
۴۔انسان کو کچھ احوال واھوال پیش آئیں گے۔یہاں تک کہ اس کی انتہاء جنت یا دوزخ ہوگی۔
۵۔بندے کو جب اپنا مخلوق ہونا معلوم ہے تو اسے خالق پر ایمان سے کوئی مانع نہیں۔
۶۔انسان کو اپنے قلب ونفس میں ایمان اور خیر کو جمع کرنا چاہیے نہ کہ کھوٹ، حسد، شک وعداوت وبغض کو۔اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے وہ اس کا بدلہ دے گا۔



(ربط) اس میں بھی گزشتہ مکی سورتوں کی طرح قیامت حشر ونشر اور جزاء وسزا کے مضامین ہیں، اور بالخصوص یہ بیان کیا جارہا ہے کہ قیامت برپا ہونے پر نظام عالم کس طرح درہم برہم ہوجائے گا، اس کی تحقیق وتثبیت کے ساتھ انسانی تخلیق کا ذکر فرمادیا گیا اور یہ کہ انسان اپنی زندگی میں حصول معاش اور مادی تقاضوں کے پورا کرنے کے لیے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتا ہے، اس کو اپنی اس عملی جدوجہد میں آخرت اور بعث بعد الموت کو فراموش نہ کرنا چاہئے اور یہ بات ہرگز اس کو نہ بھلانی چاہئے کہ ہر انسان اپنے رب کی طرف لوٹنے والا ہے اور وہاں زندگی بھر کے اعمال کا حساب ہوگا۔

اخیر سورت میں مشرکین اور منکرین قیامت پر تنبیہ وتہدید ہے ان کے ایمان نہ لانے اور خداوند عالم کی نافرمانی کی روش پر اظہار افسوس کیا گیا کہ انہوں نے اللہ رب العزت کی بے شمار نعمتوں کے باوجود کبھی خدا کو یاد نہ کیا اور نہ اس پر ایمان لائے اور نہ ہی اس کے احکام کی اطاعت کی۔

ان چند آیات اور مختصر کلمات میں ایسے عظیم اور اہم مضامین کا جمع کردینا بلاشبہ قرآن کریم کا اعجاز ہے جو اکثر مواقع میں ایک صاحب فہم کے سامنے اس طرح واضح ہوکر آتا ہے کہ اس پر ایمان عقل وفطرت کا تقاضا معلوم ہونے لگتا ہے۔

وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝

یعنی اللہ کی طرف سے جب پھٹنے کا حکم تکوینی ہوگا، آسمان اس کی تعمیل کرے گا اور وہ مقدور ومقہور ہونے کے لحاظ سے اسی لائق ہے کہ بایں عظمت ورفعت اپنے مالک وخالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرمانبرداری میں ذرا چون وچرا نہ کرے۔

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝

محشر کے دن یہ زمین ربڑ کی طرح کھینچ کر پھیلا دی جائے گی اور عمارتیں پہاڑ وغیرہ سب برابر کر دیے جائیں گے تا کہ ایک سطح مستوی پر سب اولین و آخرین بیک وقت کھڑے ہو سکیں اور کوئی حجاب و حائل باقی نہ رہے۔

وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝

یعنی اگل دیگی زمین ہر اس چیز کو جو اس کے بطن میں ہے اور بالکل خالی ہو جاویگی زمین کے بطن میں خزائن و دفائن اور معادن بھی ہیں اور ابتدائے دنیا سے مرنیوالے انسانوں کے اجسام و ذرات بھی زمین ایک زلزلہ کے ساتھ یہ سب چیزیں اپنے بطن سے باہر نکال دے گی۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝

اس میں انسان کی زندگی کا حاصل اور خلاصہ بیان فرمایا دنیا میں رہتے بستے ہیں کچھ نہ کچھ محنت اور عمل کرتے ہی ہیں جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں فرشتے اسے لکھتے ہیں زندگی سب کی گزر رہی ہے اعمال بھی ہو رہے ہیں دنیا بھی ساتھ ساتھ چل رہی ہے قیامت قریب آتی جا رہی ہے مرنے والے مر رہے ہیں اپنے اعمال ساتھ لے جا رہے ہیں اسی طرح دنیا رواں دواں ہے حتیٰ کہ اچانک قیامت آ جائے گی، پہلا صور پھونکا جائے گا، تو اس سے لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور مر جائیں گے۔

پھر جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے میدان حشر میں جمع ہوں گے حساب ہوگا اعمال نامے دیئے جائیں گے ہر شخص اپنے عمل سے ملاقات کر لے گا، اچھے لوگوں کے اعمال نامے سیدھے ہاتھ میں اور برے آدمیوں کے اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ سورۃ الحاقہ میں اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جانے کا ذکر ہے اور یہاں پشت کے پیچھے سے دینے کا تذکرہ فرمایا ہے دونوں آیات کے ملانے سے معلوم ہوا کہ برے لوگوں کو جو اعمال نامہ دیا جائے گا وہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

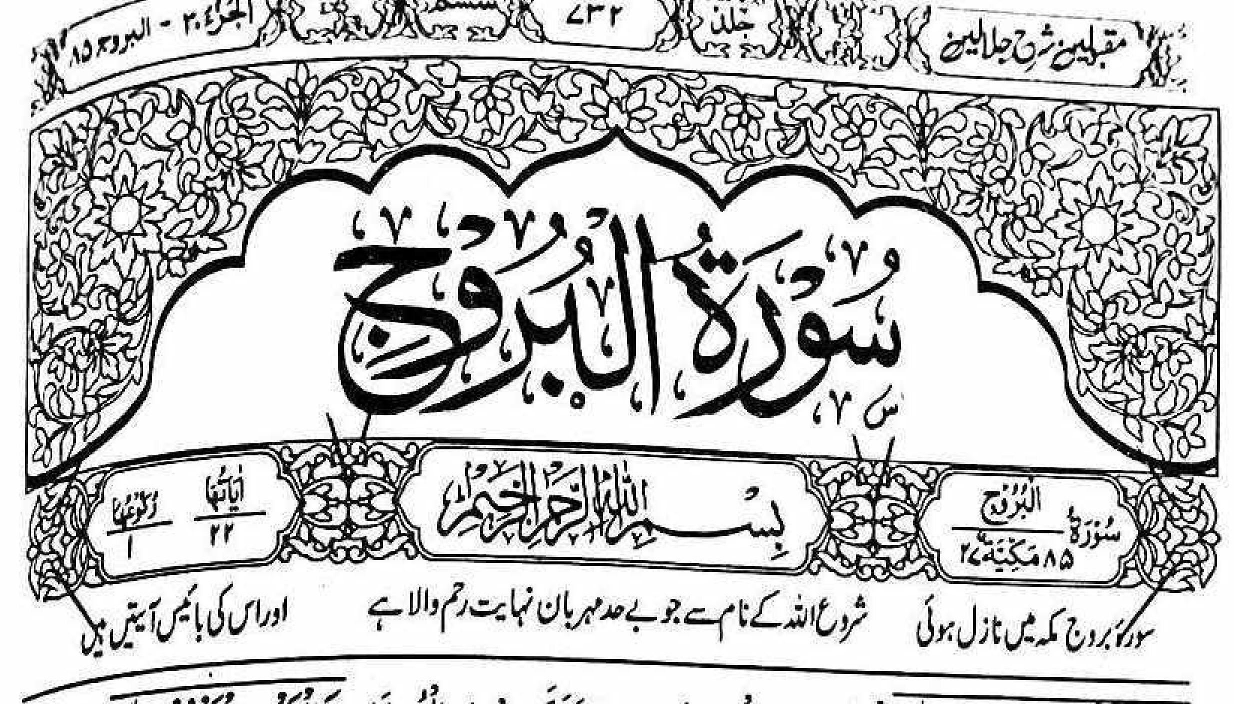
فَمُلٰقِيْهِ ۝ میں یہ بتا دیا کہ انسان جو عمل کرتا ہے اس کے سارے اعمال اس کے سامنے آ جائیں گے اور ان سے ملاقات کرے گا۔ اعمال ناموں میں اعمال لکھے ہوئے ہوں گے جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا اور وہ سمجھ لے گا کہ میرے لیے خیر ہی خیر ہے اور میری نجات ہو گئی اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ نجات پا کر اپنے اہل و عیال کے پاس خوشی خوشی چلا جائے گا، سورۃ الحاقۃ میں فرمایا ہے کہ جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ کہے گا: هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (آؤ پڑھ لو میری کتاب) اور جس کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ تو سمجھ لے گا کہ میں ہلاک ہو گیا اعمال نامہ ملتے ہی یوں کہے گا: يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ. وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ (ہائے کاش! میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا اور میں اپنا حساب نہ جانتا) اور اسی حال میں وہ اپنی ہلاکت کو پکارے گا یعنی یوں کہے گا کہ مجھے موت آ جاتی تو اچھا تھا تا کہ حساب کتاب اور اس کا نتیجہ سامنے نہ آتا لیکن پچھتانے سے اور افسوس کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا ایسے شخص کو دوزخ میں جانا ہی ہوگا اسی کو فرمایا وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ (اور جس کو پشت کے پیچھے سے اعمالنامہ دیا گیا تو وہ ہلاکت کو پکارے گا اور دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا)۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ﴿۱۶﴾

اس آیت میں حق تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسم کے ساتھ موکد کر کے انسان کو پھر اس چیز کی طرف متوجہ کیا ہے جس کا کچھ ذکر پہلے انک کادح الی ربک میں آ چکا ہے۔ یہ چاروں چیزیں جن کی قسم کھائی ہے اگر غور کرو تو اس مضمون کی شاہد ہیں جو جواب قسم میں آنیوالا ہے یعنی انسان کو ایک حال پر قرار نہیں اس کے حالات اور درجات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔ پہلی چیز شفق ہے یعنی وہ سرخی جو آفتاب غروب ہونے کے بعد افق مغرب میں ہوتی ہے یہ رات کی ابتدا ہے جو انسانی احوال میں ایک بڑے انقلاب کا مقدمہ ہے کہ روشنی جا رہی ہے اور تاریکی کا سیلاب آ رہا ہے، اس کے بعد خود رات کی قسم ہے جو اس انقلاب کی تکمیل کرتی ہے، اس کے بعد ان تمام چیزوں کی قسم ہے جن کو رات کی تاریکی اپنے اندر جمع کر لیتی ہے۔ وسق کے اصل معنے جمع کر لینے کے ہیں، اس کے عام معنے مراد لیے جائیں تو اس میں تمام دنیا کی کائنات داخل ہیں جو رات کی تاریکی میں چھپ جاتی ہیں اس میں حیوانات، نباتات، جمادات، پہاڑ اور دریا سبھی شامل ہیں اور جمع کر لینے کی مناسبت سے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ چیزیں جو عادۃً دن کی روشنی میں منتشر پھیلی ہوئی رہتی ہیں۔ رات کے وقت وہ سب سمٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں میں جمع ہو جاتی ہیں، انسان اپنے گھر میں، حیوانات اپنے اپنے گھروں اور گھونسلوں میں جمع ہو جاتے ہیں، کاروبار میں پھیلے ہوئے سامانوں کو سمیٹ کر یکجا کر دیا جاتا ہے، یہ ایک عظیم انقلاب خود انسان اور اس کے متعلقات میں ہے۔ چوتھی چیز جس کی قسم کھائی گئی وہ القمر اذا اتسق ہے یہ بھی وسق سے مشتق ہے جس کے معنے جمع کر لینے کے ہیں قمر کے اتساق سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی روشنی کو جمع کرے اور یہ چودھویں رات میں ہوتا ہے جبکہ چاند بالکل مکمل ہوتا ہے۔ اذا اتسق کا لفظ چاند کے مختلف اطوار اور حالات کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے ایک نہایت خفیف نحیف قوس کی شکل میں وہتا ہے پھر اس کی روشنی روز کچھ ترقی کرتی ہے یہاں تک کہ بدر کامل ہو جاتا ہے۔ مسلسل اور پیہم انقلابات احوال پر شہادت دینے والی چار چیزوں کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے فرمایا: لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ؕ﴿۱۹﴾ جو چیزیں تہ بر تہ ہوتی ہیں اس کی ایک تہ کو طبق یا طبقہ کہتے ہیں جمع طبقات آتی ہے لترکبن، رکوب بمعنے سوار ہونے سے مشتق ہے معنے یہ ہیں کہ اے بنی نوع انسان تم ہمیشہ ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ پر سوار ہوتے اور چڑھتے چلے جاؤ گے۔ یعنی انسان اپنی تخلیق کے ابتدا سے انتہا تک کسی وقت ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ اس کے وجود پر تدریجی انقلابات آتے رہتے ہیں۔

انسانی وجود میں بیشمار انقلابات اور دائمی سفر اور اس کی آخری منزل: نطفہ سے منجمد خون بنا پھر اس سے ایک مضغہ گوشت بنا پھر اس میں ہڈیاں پیدا ہوئیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا اور اعضاء کی تکمیل ہوئی پھر اس میں روح لا کر ڈالی گئی اور وہ ایک زندہ انسان بنا جس کی غذا بطن مادر کے اندر رحم کا گندہ خون تھا، نو مہینے کے بعد اللہ نے اس کے دنیا میں آنے کا راستہ آسان کر دیا اور گندی غذا کی جگہ ماں کا دودھ ملنے لگا۔ دنیا کی وسیع فضا اور ہوا دیکھی بڑھنے اور پھلنے پھولنے لگا، دو برس کے اندر چلنے پھرنے اور بولنے کی قوت بھی حرکت میں آئی، ماں کا دودھ چھوٹ کر اس سے زیادہ لذیذ اور طرح طرح کی غذائیں ملیں، کھیل کود اور لہو لعب اس کے دن رات کا مشغلہ بنا۔ کچھ ہوش اور شعور بڑھا تو تعلیم و تربیت کے شکنجے میں کسا گیا، جوان ہوا تو پچھلے سب کام متروک ہو کر جوانی کی خواہشات نے ان کی جگہ لے لی اور ایک نیا عالم شروع ہوا۔ نکاح شادی، اولاد اور خانہ داری کے مشاغل دن رات کا مشغلہ بن گئے آخر یہ دور بھی ختم ہونے لگا، قویٰ میں اضمحلال اور ضعیف پیدا ہوا بیماریاں آئے دن رہنے لگیں، بڑھاپا

آ گیا اور اس جہان کی آخری منزل یعنی قبر تک پہنچنے کے سامان ہونے لگے۔ یہ سب چیزیں تو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ کسی کو مجال انکار نہیں مگر حقیقت سے ناآشنا انسان سمجھتا ہے کہ یہ موت اور قبر اس کی آخری منزل ہے آگے کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات اور علیم و خبیر ہے اور علیم و خبیر ہے اس نے آگے آنیوالے مراحل کو اپنے انبیاء کے ذریعہ غافل انسان تک پہنچایا کہ قبر تیری آخری منزل نہیں بلکہ یہ صرف ایک انتظارگاہ (ویٹنگ روم) ہے اور آگے ایک بڑا جہان آنے والا ہے اور اس میں ایک بڑے امتحان کے بعد انسان کی آخری منزل مقرر ہو جائے گی جو یا دائمی راحت و آرام کی ہوگی یا پھر دائمی عذاب و مصیبت کی اور اس آخری منزل پر ہی انسان اپنے حقیقی مستقر پر پہنچ کر انقلابات کے چکر سے نکلے گا قرآن کریم نے: ان الی ربك الرجعی اور الی ربك المنتهی اور كادح الی ربك میں یہی مضمون بیان فرما کر غفلت شعار انسان کو حقیت اور اس کی آخری منزل سے آگاہ اور اس پر متنبہ کیا کہ عمر دنیا کے تمام حالات اور انقلابات آخری منزل تک جانے کا سفر اور اس کے مراحل ہیں اور انسان چلتے پھرتے سوتے جاگتے کھڑے بیٹھے ہر حال میں اس سفر کی منزلیں طے کر رہا ہے اور بالآخر اپنے رب کے پاس پہنچتا ہے اور عمر بھر کے اعمال کا حساب دے کر آخری منزل میں قرار پاتا ہے جہاں یا راحت ہی راحت اور غیر منقطع آرام ہی آرام ہے یا پھر معاذ اللہ عذاب ہی عذاب اور غیر منقطع مصائب ہیں، تو عقلمند انسان کا کام یہ ہے کہ دنیا میں اپنے آپ کو ایک مسافر سمجھے اور اپنے وطن اصلی کے لیے سامان تیار کرنے اور بھیجنے ہی کو دنیا کا سب سے بڑا مقصد بنائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل، یعنی دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر چند روز کے لیے کہیں ٹھہر گیا ہو کسی رہگذر میں چلتے چلتے کچھ دیر آرام کے لیے رک گیا ہو۔ طبقاً عن طبق کی تفسیر جو اوپر بیان کی گئی ہے ابونعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے خود رسول اللہ ﷺ سے اسی مضمون کی روایت کی ہے یہ طویل حدیث اس جگہ قرطبی نے بحوالہ ابی نعیم اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم مفصل نقل کی ہے۔ ان آیات میں غافل انسان کو اس کی تخلیق اور عمر دنیا میں اس کو پیش آنے والے حالات و انقلابات سامنے کر کے یہ ہدایت دی کہ غافل اب بھی وقت ہے کہ اپنے انجام پر غور اور آخرت کی فکر کر، مگر ان تمام روشن ہدایات کے باوجود بہت سے لوگ اپنی غفلت سے باز نہیں آتے اس لیے آخر میں ارشاد فرمایا: فما لهم لا يؤمنون یعنی ان غافل و جاہل انسانوں کو کیا ہو گیا کہ یہ سب کچھ سننے اور جاننے کے بعد بھی اللہ پر ایمان نہیں لاتے



سورۂ بروج مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی بائیس آیتیں ہیں

وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ لِلْكَوَاكِبِ اِثْنَا عَشَرَ بُرْجًا تَقَدَّمَتْ فِي الْفُرْقَانِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَشَاهِدٍ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳ يَوْمِ عَرَفَةَ كَذَا فُسِّرَتِ الثَّلٰثَةُ فِي الْحَدِيْثِ فَالْاَوَّلُ مَوْعُوْدٌ بِهِ وَالثَّانِي شَاهِدٌ بِالْعَمَلِ فِيْهِ وَالثَّالِثُ يَشْهَدُهُ النَّاسُ وَالْمَلَائِكَةُ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ صَدْرُهُ تَقْدِيْرُهُ لَقَدْ قُتِلَ لُعِنَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴ الشَّقِّ فِي الْاَرْضِ النَّارِ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِنْهُ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ مَا تُوْقَدُ بِهِ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا اَيْ حَوْلَهَا عَلٰى جَانِبِ الْاُخْدُوْدِ عَلَى الْكَرَاسِيِّ قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ بِاللّٰهِ مِنْ تَعْذِيْبِهِمْ بِالْاِلْقَاءِ فِي النَّارِ اِنْ لَّمْ يَرْجِعُوْا عَنْ اِيْمَانِهِمْ شُهُوْدٌ ۝۷ حُضُوْرٌ رُوِيَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْجَى الْمُؤْمِنِيْنَ الْمُلْقَيْنَ فِي النَّارِ بِقَبْضِ اَرْوَاحِهِمْ قَبْلَ وُقُوْعِهِمْ فِيْهَا وَخَرَجَتِ النَّارُ اِلٰى مَنْ ثَمَّ فَاَحْرَقَتْهُمْ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ فِي مُلْكِهِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الْمَحْمُوْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹ اَيْ مَا اَنْكَرَ الْكُفَّارُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِلَّا اِيْمَانَهُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِحْرَاقِ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ بِكُفْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝۱۰ اَيْ عَذَابُ اِحْرَاقِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَقِيْلَ فِي الدُّنْيَا بِاَنْ خَرَجَتِ النَّارُ فَاَحْرَقَتْهُمْ كَمَا تَقَدَّمَ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝۱۱ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ بِالْكُفَّارِ لَشَدِيْدٌ ۝۱۲ بِحَسْبِ اِرَادَتِهِ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ الْخَلْقَ وَيُعِيْدُ ۝۱۳ فَلَا يُعْجِزُهُ مَا يُرِيْدُ وَهُوَ الْغَفُوْرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْمُذْنِبِيْنَ الْوَدُوْدُ ۝۱۴ الْمُتَوَدِّدُ اِلٰى اَوْلِيَائِهِ

بالکرامۃ **ذُو الْعَرْشِ** خالقہ ومالکہ **الْمَجِيدُ** ﴿١٥﴾ بالرفع المستحق لکمال صفات العلو **فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ** ﴿١٦﴾ لا یعجزہ شیء **هَلْ أَتَاكَ** یا محمد **حَدِيثُ الْجُنُودِ** ﴿١٧﴾ **فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ** ﴿١٨﴾ بدل من الجنود واستغنی بذکر فرعون عن اتباعہ وحدیثھم انھم اُھلکوا بکفرھم وھذا تنبیہ لمن کفر بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم والقرآن لیتعظوا **بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ** ﴿١٩﴾ بما ذکر **وَاللَّهُ مِن وَرَائِهِم مُّحِيطٌ** ﴿٢٠﴾ لا عاصم لھم منہ **بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ** ﴿٢١﴾ عظیم **فِي لَوْحٍ** ھو فی الھواء فوق السماء السابعۃ **مَّحْفُوظٍ** ﴿٢٢﴾ بالجر من الشیاطین ومن تغیر شیء منہ وطولہ ما بین السماء والارض وعرضہ ما بین المشرق والمغرب وھو من درۃ بیضاء قالہ ابن عباس رضی اللہ عنھما

ع ۲۲ / ۱۰

ترجمہ: قسم ہے برجوں والے آسمان کی (ستاروں کے بارہ برج ہیں جن کا بیان سورۂ فرقان میں گذر چکا ہے) اور اس (قیامت کے) دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور حاضر ہونے والے (جمعہ کے) دن کی اور اس دن کی جس میں حاضری ہوتی ہے (یعنی عرفہ کا روز، حدیث میں تینوں کی تفسیر اسی طرح آئی ہے۔ پس قیامت کا دن وعدے کا دن ہے اور دوسرا دن عمل کا شاہد ہے اور تیسرے دن میں لوگ اور فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جواب قسم کا ابتدائی حصہ محذوف ہے یعنی لقد) ملعون ہوئے خندق (گڑھے) والے، آگ والے (بدل اشتمال ہے) بہت سے ایندھن کی (وہ چیز جس سے آگ جلائی جائے) جب کہ وہ اس خندق کے آس پاس (گڑھے کے اردگرد کرسیوں پر) بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے (ایمان سے نہ ہٹنے کی صورت میں آگ میں جھونک کر سزا دینا) وہ دیکھ رہے تھے (موجود تھے۔ روایت ہے کہ اللہ نے ان مومنین کو جنہیں اس آگ میں جھونکا گیا تھا۔ نجات دے دی۔ اس طرح کہ آگ میں گرنے سے پہلے ان کی روحیں قبض کرلیں۔ اور آگ بیٹھے ہوؤں کی طرف لپکی اور نہیں بھسم کرڈالا) اور اہلِ ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان لائے تھے جو (اپنے مسلک میں) زبردست اور اپنی ذات میں لائق حمد (محمود) ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے اور اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے (یعنی کفار نے مومنین کا رد صرف ان کے ایمان کی وجہ سے کیا ہے) جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں پر (آگ میں جلا ڈالنے کا) ظلم وستم توڑا ہے۔ اور پھر اس سے تائب نہ ہوئے۔ یقیناً ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے (ان کے کافر ہونے کی وجہ سے) اور ان کیلئے جلائے جانے کی سزا ہے (جو مسلمانوں کو آگ میں جلانے کے بدلہ میں آخرت میں ہو گی۔ اور بعض کی رائے ہے کہ دنیا ہی میں یہ سزا ہو چکی ہے کہ اس آگ نے باہر آکر انہیں کو بھسم کرڈالا ہے۔ جیسا کہ ابھی گذرا ہے) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے یقیناً ان کے لیے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ درحقیقت (کفار کیلئے) تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے (اس کے ارادہ کے مطابق) وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے (مخلوق کو) اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا (وہ اپنے ارادہ میں عاجز نہیں ہوا ہے) وہی (گنہگار مومنوں کو) بخشنے والا ہے

(اپنے اولیاء سے کرامت کے ذریعہ) محبت کرنیوالا ہے۔ عرش والا ہے (اس کا خالق اور مالک ہے) عظمت والا ہے (یعنی کیساتھ ہے۔ صفات عالیہ کے کمال کا مستحق ہے) جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے (اسے کوئی ہرا نہیں سکتا) کیا تمہیں (اے نبی) لشکر کی خبر پہنچی ہے فرعون اور ثمود کے (جنود سے بدل ہے فرعون کے ذکر کے بعد اس کے پیروکاروں کے ذکر کی ضرورت نہیں) وہ خبر یہ ہے کہ وہ کفر کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ آنحضرت اور قرآن کے ساتھ کفر کرنیوالوں کو اس میں تنبیہ ہے کہ وہ عبرت پکڑیں) بلکہ یہ کافر (ان باتوں کے) جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے ان کو گھیرے میں لے رکھا ہے (ان کو اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک باعظمت (بلند مرتبہ) قرآن ہے۔ لوح (ساتویں آسمان سے اوپر جو فضا) میں محفوظ ہے (جو کے ساتھ جو شیاطین اور کسی قسم کے ردوبدل سے محفوظ ہے۔ اس کی لمبائی آسمان زمین کے برابر اور چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر، سفید موتی کا بنا ہوا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله : وَالسَّمَآءِ: اس سورت کو مسلمانوں کے دلوں کو ایمان پر پختہ کرنے اور مصائب پر صبر کی تلقین کے لیے اتارا گیا ہے۔

قوله : مَحْذُوْفٌ صَدْرُهٗ: اس حذف کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کیونکہ نحات کا قاعدہ ہے کہ جب ماضی مثبت جواب میں آئے تو اس پر لام وقد لازم ہے۔ اس وقت ایک پر اکتفاء درست نہیں۔ سوائے اس صورت کے جب کہ کلام مطول ہے۔ (ش۔ک)

قوله : قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ: مقاتل کا بیان ہے کہ خندقیں تین مقامات پر کھودی گئی۔ ا۔ نجران۔ ۲۔ شام۔ ۳۔ فارس ان لوگوں کو خندقوں میں ڈال کر آگ سے جلا دیا گیا۔ اس آیت میں صرف نجرانیوں کا قصہ مذکور ہے۔ باقی دو واقعات ذکر نہیں۔ واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ ایک مسلمان جو انجیل پڑھتا تھا وہ کسی جگہ مزدور بنا۔ مالک مکان کی بیٹی نے روشنی میں اس کو کوئی چیز پڑھتے پایا، لڑکی نے باپ سے تذکرہ کیا تو مالک نے مزدور سے سختی کے ساتھ پوچھا: مزدور نے دین حق کی خبر دی۔ تو مالک نے اس دین کو قبول کرلیا اسی طرح اور ۸۷ (ستاسی) افراد نے دین کو مان لیا۔ یہ واقعہ رفع عیسیٰؑ کے بعد پیش آیا۔ آپ کی بعثت سے ستر سال پہلے کا قصہ ہے۔ اس بات کی اطلاع یوسف ذی نواس بادشاہ کو پہنچی۔ اس نے خندقیں بنوا کر ان میں آگ بھر دی اور ان کو ایمان سے پھر جانے کا کہا مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ ایک شیر خوار بچے والی عورت تھی انہوں نے عورت سے بچے کو چھین کر آگ میں ڈال دیا عورت کو مار پیٹ کے بعد ایمان سے پھر جانے کا کہا گیا وہ قریب تھا کہ ایسا کر بیٹھتی مگر بچے نے آگ سے آواز دی اے اماں! اگر تو اس آگ میں نہ پڑی تو تیرے سامنے جہنم کی آگ ہے اس میں گر جائے گی بچے کی آواز سن کر اس نے اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ ایک دن میں ۷۷ انسانوں کو جلا ڈالا گیا۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (خطیب۔ک)

قوله : فَتَنُوْا: آگ سے جلا دیا یہ عرب کے محاورہ فتنت الشیء جب کہ تم اس کو جلا ڈالو۔ قرآن مجید میں فرمایا: یوم ھم

علی النار یفتنون الایۃ۔ (ک)

قولہ: اِنَّهٗ هُوَ: جو ذات ایجاد پر قادر ہے تو اسے اعادہ کی بھی قدرت ہے جب وہ پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ بھی شدید ہوگی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس جملہ سے ماقبل مذکور شدت بطش کا مضمون اس کی تعلیل بیان کرنا مقصود ہے۔ (شہاب۔ک)

قولہ: بَلِ الَّذِيْنَ: یہ بل اشد کی طرف انتقال کے لیے ہے۔ گویا اس طرح فرمایا: ان لوگوں کا حال تمہاری قوم کے حال سے عجیب تر نہیں اس لیے کہ ان لوگوں کے عذاب والے واقعات سن کر بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ (ک)

۱۔ ان تمام اشیاء جن میں عالم علوی و سفلی کی چیزیں ہیں ان کی قسم اٹھائی کیوں کہ اس سے خالق کی عظمت کا ادراک ہوتا ہے۔ اور اصحاب اخدود کی ملعونیت کے قطعی ہونے کی قسم اٹھائی۔ گویا یوں کہہ دیا قریش مکہ بھی انہی کی طرح ملعون ہیں۔ (ک)

۲۔ اصحاب اخدود پر لعنت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کھائیوں کو آگ سے بھر کر ان میں ایمان والوں کو جلا ڈالا، اس میں ہر زمانے کے مسلمانوں کی صبر کی تلقین اور ثبات علی الحق کی تاکید کردی۔

۳۔ اصحاب نبی ﷺ کو شدائد و محن کی چکی سے گزرنا پڑا۔ ترک وطن، قتل، قید، احتراق، صلب، نہیب اموال کے بیسیوں واقعات پیش آئے اور وہ ثابت قدم رہے۔

۴۔ مسلمانوں کو آگ سے جلانے والوں کے لیے جہنم کے عذاب کے ساتھ تاکید جلانے کے عذاب کا ذکر فرمایا۔

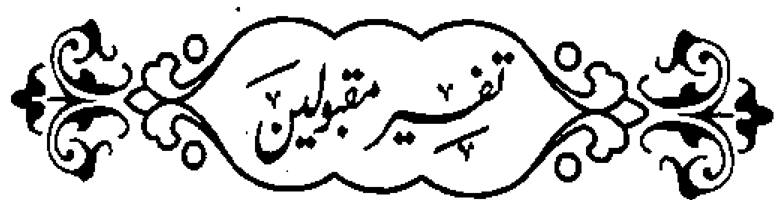
۵۔ ایمان والوں کے لیے جنت کا داخلہ بھی کامیابی ہے۔ مگر رضائے الٰہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ مکرہ: اگر زبان سے بھی اقرار کفر نہ کرے تو بڑی شان والی بات ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کا انتقام نہایت سخت ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ نہ تو مخلوق میں ثابت ہوسکتی ہیں اور نہ کی جاسکتی ہیں وہ اپنی صفات میں بے مثل و بے مثال ہے۔

۸۔ کفار قریش کا طرز عمل تکذیب میں پہلی اقوام کے مکذبین جیسا ہے۔

۹۔ قرآن مجید نہ سحر نہ شعر نہ کہانت بلکہ یہ مشرف و عظمت والی کتاب ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کے احکامات ہیں۔



تفسیر مقبولین

(ربط) اس سورت میں بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید کی اساس اور اس کے دلائل کا ذکر ہے اور یہ کہ یہی عقیدہ اسلام کی روح ہے، اور عقیدہ کی عظمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

سورت کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی کمال خالقیت اور عظمت سے کی گئی، برجوں اور ستاروں والے آسمان کی قسم کھا کر انسانوں کے اذہان اس بات کی طرف متوجہ کیے گئے کہ وہ نظام عالم اور اس کے معیار کو دیکھیں اور پھر سمجھیں کہ جس قدرت کے ہاتھوں میں یہ سارا نظام فلکی قائم اور جاری ہے وہی قدرت جب چاہے اس کو فنا اور درہم برہم کرنے پر بھی قادر ہے، لہٰذا ہر صاحب نظر اور عقل انسان کو قیامت پر ایمان لانا چاہیے اور توحید خداوندی پر ایمان لانا چاہیے۔

اس موضوع کی تحقیق ووضاحت کرتے ہوئے اہل ایمان کی آزمائش اور ہر آزمائش میں ان کا ثابت قدم رہنا بیان کیا گیا، ساتھ ہی ایک قدیم تاریخی واقعہ بھی ذکر کردیا گیا کہ اہل ایمان کی یہ ثابت قدمی ہوتی ہے کہ آگ کی خندقیں آگ سے دہک رہی ہوں اور ان کو صرف اس بناء پر آگ میں جھونکا جارہا ہو کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ پر کیوں ایمان لے آئے تو اس کے باوجود ان کے قدم ایمان سے ذرہ برابر بھی نہ ڈگمگائے اور مضبوطی سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے اس مصیبت کو جھیل لینا آسان سمجھا۔

اخیر سورت میں مجرمین ومنکرین پر تہدید وتنبیہ کے طور پر عذاب خداوندی اور اس کی سخت گرفت کا ذکر فرمایا گیا اور چونکہ یہ جملہ حقائق وحی الٰہی اور قرآن نے دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دئے تو اخیر میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کا لوح محفوظ میں ہونا بیان فرمایا گیا۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے آسمان کی قسم کھائی ہے اور اس کی صفت ذات البروج بتائی ہے (ان بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں) نیز وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ کی اور شاہد اور مشہود کی بھی قسمیں کھائی ہیں، سنن ترمذی (ابواب التفسیر من سورۃ البروج) میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ سے یوم القیامۃ اور الیوم المشہود سے یوم عرفہ اور الشاہد سے یوم الجمعہ مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں جس پر سورج نکلتا چھپتا ہو جو یوم جمعہ سے افضل ہو، اس دن میں ایسی گھڑی ہے کہ جو بھی کوئی مومن بندہ اس میں اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرے گا تعالیٰ اسے ضرور قبول فرمائے گا اور جس چیز سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے ضرور پناہ دے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں جس میں امکنہ وازمنہ دونوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام امکنہ وازمنہ کا مالک ہے، ایسی ذات کی مخالفت کرنے والے بہر حال لعنت اور عقوبت کے مستحق ہیں۔ قسموں کے بعد ارشاد فرمایا کہ خندق والے ملعون ہوئے، یہ خندق سراپا آگ بنی ہوئی تھی خوب زیادہ ایندھن والی تھی جبکہ یہ لوگ اس خندق کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور اہل ایمان کے ساتھ جو حرکتیں کررہے تھے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، اس خندق میں انہوں نے بہت زیادہ ایندھن ڈال رکھا تھا، آگ جل رہی تھی اور اس میں اہل ایمان کو ڈالتے جارہے تھے۔

صحیح مسلم (صفحہ ۴۱۵، ج ۲) میں ہے کہ حضرت صہیبؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان میں سے ایک بادشاہ تھا اس کا ایک جادوگر تھا، وہ جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میری عمر تو زیادہ ہوگئی میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دے اسے میں جادو سکھادوں، بادشاہ نے اس کے پاس جادو سیکھنے کے لیے ایک لڑکا بھیج دیا، یہ لڑکا جادو سیکھنے جاتا تو راستہ میں ایک راہب کے پاس سے گزرتا تھا، ایک مرتبہ اس کے پاس بیٹھ گیا اس کی باتیں سنیں تو اسے پسند آئیں، اب اس کے بعد بھی جب جادوگر کی طرف جاتا تو راہب پر گزرتا اور اس کے پاس بیٹھ جاتا پھر جب جادوگر کے پاس جاتا تو وہ اس کی پٹائی کرتا تھا کہ دیر سے کیوں آیا اس نے اپنی یہ مصیبت راہب کو بتائی، راہب نے کہا کہ تو ایسا کر کہ جب جادوگر کی طرف سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو یوں کہہ دیا کر کہ مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب گھر والوں کی طرف سے پوچھ تاچھ کا اندیشہ ہو تو یہ کہہ دیا کر کہ جادوگر نے روک لیا تھا، اسی طرح سلسلہ چلتا رہا ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ راستے میں

جاتے ہوئے ایک بڑا جانور سامنے آ گیا جو لوگوں کا راستے روکے ہوئے تھے اس لڑکے نے کہا کہ آج پتہ چل جائے گا کہ جادوگر افضل ہے یا راہب، یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر لیا اور یہ دعا کر کے اس جانور کو مارا کہ: اللھم ان کان امر الراھب احب الیك من امر الساحر فاقتل ھذا الدابة حتی یمضی الناس (اے اللہ راہب کا طریق کار آپ کے نزدیک جادوگر کے طریق کار کے مقابلہ میں محبوب ہے تو اس جانور کو قتل کر دیجئے تا کہ لوگ گزر جائیں)۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس پتھر سے وہ جانور قتل ہو گیا اور جن لوگوں کا راستہ روکے ہوئے تھا وہ وہاں سے گزر گئے، اس کے بعد یہ ہوا کہ یہ لڑکا راہب کے پاس پہنچا اور اسے صورتِ حال کی خبر دی، راہب نے کہا اے پیارے بیٹے، اب تو تو مجھ سے افضل ہو گیا تو اس درجہ پر پہنچ گیا جو میں دیکھ رہا ہوں تو اگلی بات سن لے اور وہ یہ کہ اب تیرا امتحان لیا جائے گا (اور تو مصیبت میں مبتلا ہوگا) ایسی صورت پیش آئے تو میرے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔

اب اس لڑکے کو اللہ تعالیٰ نے (مزید یوں نوازا) کہ وہ مادرزاد اندھے کو اور برص والوں کو اچھا کرتا تھا (یعنی ان کے حق میں دعا کر دیتا تھا اور ان کو شفا ہو جاتی تھی) اس کا یہ حال بادشاہ کے پاس بیٹھنے والے ایک شخص نے سن لیا جو نابینا ہو چکا تھا۔ یہ شخص لڑکے کے پاس بہت سے ہدایا لایا اور اس سے کہا کہ اگر تو مجھ کو شفا دے دے تو یہ سب تیرے لیے ہیں لڑکے نے کہا کہ میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا شفا تو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر تو اللہ پر ایمان لائے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دوں گا وہ تجھے شفا دے دے گا۔ وہ شخص اللہ پر ایمان لے آیا، اللہ نے اسے شفا دے دی، اب وہ بادشاہ کے پاس پہنچا اور حسب دستور بادشاہ نے کہا کہ میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے، اس شخص نے کہا کہ میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے اس پر اس شخص کو پکڑ لیا اور اسے برابر تکلیف پہنچاتا رہا یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا نام بتا دیا۔

اب لڑکے کو لایا گیا اس بادشاہ نے کہا کہ اے بیٹا تیرا جادو اس درجہ کو پہنچ گیا کہ تو مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اچھا کرتا ہے اور ایسے ایسے کام کرتا ہے، لڑکے نے کہا کہ میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا شفا صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، اس پر بادشاہ نے اسے پکڑ لیا اور اسے برابر تکلیف دیتا رہا، حتیٰ کہ اس نے یہ بتا دیا کہ فلاں راہب سے میرا تعلق ہے (اور اس کے پاس آنے جانے کی وجہ سے مجھے یہ بات حاصل ہوئی ہے) اس کے بعد راہب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تو اپنے دین کو چھوڑ دے اس نے انکار کر دیا، لہٰذا ایک آرہ منگایا گیا جو اس کے سر کے درمیان میں رکھ دیا گیا اور اسے درمیان سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا، دونوں ٹکڑے زمین پر گر گئے، اس کے بعد بادشاہ کے اسی ہمنشیں کو لایا گیا (جو اس لڑکے کے دعوت دینے سے ایمان قبول کر چکا تھا اور لڑکے کی دعا سے اس کی بینائی واپس آ گئی تھی) اس سے کہا گیا کہ تو ایمان سے پھر جا اس نے بھی انکار کر دیا لہٰذا اس کے سر کے درمیان آرہ رکھ کر چیر دیا گیا اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ زمین پر گر پڑا، اس کے بعد اس لڑکے کو لایا گیا اس سے کہا گیا کہ تو اپنے دین کو چھوڑ دے (یعنی ایمان سے پھر جا جو راہب کی صحبت میں آنے جانے سے حاصل ہوا تھا) لڑکے نے بھی ایمان سے پھرنے سے انکار کر دیا، لہٰذا اسے بادشاہ نے اپنے چند آدمیوں کے حوالہ کیا اور ان سے کہا کہ اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ، اسے پہاڑ پر لیکر چڑھو جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو اس سے کہو کہ اپنے دین سے پھر جا، اگر یہ بات مان لے تو چھوڑ دینا ورنہ اسے وہیں سے نیچے پھینک دینا، وہ لوگ اس لڑکے کو پہاڑ پر لے کر چڑھے لڑکے نے دعا کی: اللھم اکفنیھم بما شئت

(اے اللہ! تو جس طرح چاہے ان لوگوں (کے شر) سے میرے لیے کافی ہوجا) اس کا دعا کرنا تھا کہ پہاڑ میں زلزلہ آ گیا اور جو لوگ اسے لے کر گئے تھے وہ سب ہلاک ہوگئے اور لڑکا بچ گیا اور بادشاہ کے پاس چل کر آ گیا، بادشاہ نے پوچھا کہ ان لوگوں کا کیا ہوا جو تجھے لے کر گئے تھے، لڑکے نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے شر سے محفوظ فرما لیا۔

اس کے بعد چند دیگر افراد کے حوالہ کیا اور کہا اس لڑکے کو لے جاؤ اور ایک کشتی میں سوار کرو اور کشتی کو سمندر کے بیچ میں لے جاؤ اگر یہ اپنا دین چھوڑ دے تو کوئی بات نہیں ورنہ اسے سمندر میں پھینک دینا وہ لوگ اسے لے گئے اور کشتی میں بٹھا کر سمندر کے درمیان پہنچ گئے اس لڑکے نے وہی دعا کی: اَللّٰھم اکفنیھم بماشئت دعا کرنا تھا کہ کشتی الٹ گئی اور وہ لوگ غرق ہوگئے لڑکا بچ گیا اور بادشاہ کے پاس پہنچ گیا، بادشاہ نے کہا کہ ان لوگوں کا کیا ہوا جو تجھے لے گئے تھے، لڑکے نے کہا کہ اللہ میرے لیے کافی ہوگیا اس نے مجھے ان کے شر سے بچا لیا۔

اس کے بعد لڑکے نے کہا کہ تو مجھے (اپنی تدبیر سے) قتل نہیں کرسکتا ہاں قتل کا ایک راستہ ہے وہ میں تجھے بتاتا ہوں، بادشاہ نے کہا وہ کیا طریقہ ہے؟ لڑکے نے کہا وہ یہ طریقہ ہے کہ تو لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر اور مجھے درخت کے تنے پر لٹکا دے اور میرے اس ترکش سے ایک تیر لے اور پھر اسے کمان میں رکھ کر بسم اللہ رب الغلام کہتے ہوئے میرے طرف پھینک دے (لڑکے نے یہ سمجھ کر کہ مجھے مرنا تو ہے ہی اپنی موت کو دعوت ایمان کا ذریعہ کیوں نہ بنادوں لہٰذا اس نے یہ تدبیر بتائی کہ لوگوں کے سامنے میرا قتل ہو اور اللہ کا نام لے کر قتل کیا جاؤں، بادشاہ بدھو تھا اس تدبیر کو سمجھ نہ سکا) چنانچہ اس نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور لڑکے کو درخت کے تنے سے لٹکا دیا اور اس کے ترکش سے ایک تیر لیا اور کمان میں تیر رکھ کر بسم اللہ رب الغلام کہہ کر لڑکے کو تیر مار دیا، تیر اس کی کنپٹی پر لگا، لڑکے نے تیر کی جگہ ہاتھ رکھا اور مر گیا، لوگوں نے جو یہ ماجرا دیکھا تو امنا برب الغلام کی رٹ لگانے لگے (یعنی ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے)۔

اب بادشاہ کے پاس اس کے آدمی آئے اور انہوں نے کہا کہ تجھے جس بات کا خطرہ تھا (کہ اس لڑکے کی وجہ سے حکومت نہ چلی جائے) وہ تو اب حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔

اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ گلی کوچوں کے ابتدائی راستوں میں خندقیں کھودی جائیں، چنانچہ خندقیں کھودی گئیں اور ان میں خوب آگ جلائی گئی، بادشاہ نے اپنے کارندوں سے کہا کہ جو شخص اپنے دین ایمان سے نہ لوٹے اسے آگ میں ڈال دو، چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا، اہل ایمان لائے جاتے رہے، ان سے کہا جاتا تھا کہ ایمان سے پھر جاؤ وہ انکار کردیتے تو انہیں زبردستی جلتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک عورت آئی اس کے ساتھ ایک بچہ تھا وہ آگ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگی اس کے بچے نے کہا کہ اے امی آپ صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں۔

سنن ترمذی (ابواب التفسیر) میں بھی یہ واقعہ مروی ہے اس کے شروع میں یہ بھی ہے کہ بادشاہ کا ایک کاہن تھا جو بطور کہانت آئندہ آنے والی باتیں بتایا کرتا تھا (ان باتوں میں سے یہ بھی تھا کہ تیری حکومت جانے والی ہے) اور اسی کاہن نے یہ بھی کہا کہ کوئی سمجھدار لڑکا تلاش کرو، جسے اپنا علم سکھادوں اور ختم کے قریب یہ بھی ہے کہ جب عامۃ الناس نومن برب الغلام کہہ کر مسلمان ہوگئے تو بادشاہ سے کہا گیا کہ تو تو تین آدمیوں کی مخالفت سے گھبرا اٹھا تھا (یعنی راہب اور لڑکا اور بادشاہ کا ہم نشین) دیکھ

اب تو یہ سارا جہاں تیرا مخالف ہوگیا اس پر اس نے خندقیں کھدوائیں ان میں لکڑیاں ڈالیں اور اعلان کیا کہ جو شخص اپنے دین (یعنی اسلام) کو چھوڑ دے گا ہم اسے کچھ نہ کہیں گے اور جو اپنے دین سے واپس نہ ہوگا اسے ہم آگ میں ڈال دیں گے لہٰذا وہ اہل ایمان کو ان خندقوں میں ڈالتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ میں بیان فرمایا ہے۔

سنن ترمذی میں قصہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اس لڑکے کو دفن کر دیا گیا تھا پھر اسے حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں نکالا گیا تو اس کی انگلی اسی طرح کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جیسا کہ اس نے قتل ہوتے وقت رکھی تھی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے مقاتلؒ سے نقل کیا ہے کہ خندقوں کا واقعہ تین مرتبہ پیش آیا ہے ایک مرتبہ یمن میں اور ایک مرتبہ شام میں اور ایک مرتبہ فارس میں شام میں جو بادشاہ تھا وہ انطنایوس رومی تھا اور فارس میں جو واقعہ پیش آیا وہ بخت نصر کے زمانہ میں تھا عرب کی سرزمین (یعنی یمن نجران) میں جو واقعہ پیش آیا وہ یوسف ذونواس بادشاہ کے زمانہ کا واقعہ ہے پہلے دو واقعوں کا قرآن مجید میں ذکر نہیں اور نجران والے واقعہ کے بارے میں سورۃ البروج کی آیات نازل ہوئیں، اس کے بعد بحوالہ ابن ابی حاتم، حضرت ربیع بن انس سے نقل کیا ہے کہ اصحاب الاخدود کا واقعہ زمانہ فترہ میں پیش آیا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد اور رسول اللہ ﷺ سے پہلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ابن کثیر)

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ میں یہ بتایا کہ لوگوں نے جن اہل ایمان کو تکلیف دی آگ میں ڈالا انہوں نے کوئی چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں ڈالا، کسی کا مال نہیں لوٹا، ان سے ناراض ہونے کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، ایمان لانا کوئی جرم کی بات نہیں ہے انسان کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک پر ایمان لائے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرے، بجائے اس کے کہ خندقیں کھودنے والے خود ایمان لاتے، ایمان لانے والوں پر اپنا غصہ اتارا اور انہیں آگ میں ڈالا یہاں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کا واقعہ یاد آ گیا جسے حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں لکھا ہے اور یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو ایک لشکر کے ساتھ رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا ان حضرات کو رومیوں نے قید کیا اور ان کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور بادشاہ سے کہا کہ ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جو (سیدنا) محمد ﷺ کے ساتھ رہا ہے یہ بادشاہ عیسائی تھا اس نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سے گفتگو کی جس کے سوال و جواب اور پورا قصہ درج کیا جاتا ہے۔

عیسائی بادشاہ: میں تم کو اپنی حکومت اور سلطنت میں شریک کرلوں گا اگر تم عیسائی مذہب قبول کرلو۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ: تیری حکومت تو کچھ بھی نہیں اگر تو اپنی حکومت دے دے اور سارے عرب والے بھی مل کر مجھے اپنا ملک صرف اس شرط پر دینا چاہیں کہ پلک جھپکنے کے برابر جتنا وقت ہوتا ہے صرف اتنی دیر کے لیے بھی دین محمدی ﷺ سے پھر جاؤں تو میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا۔

عیسائی بادشاہ: اگر تم عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ: تو چاہے تو قتل کر دے میں اپنی بات ایک مرتبہ کہہ چکا ہوں، نہ اس میں کسی ترمیم کی گنجائش ہے اور نہ سوچنے سے دوسری رائے بدل سکتی ہے بلکہ وہ ایسا حق ہے کہ اس کے خلاف سوچنا بھی مومن بندہ کبھی گوارا نہیں کرسکتا۔

یہ سن کر عیسائی بادشاہ نے ان کو صلیب (سولی) پر چڑھوا دیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں میں تیر مارو اور یہ سمجھ لو کہ اس کو قتل کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ تکلیف دے کر عیسائیت قبول کروانا مقصود ہے، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، اللہ کا یہ بندہ صرف اس بات کا مجرم تھا کہ اللہ کو مانتا تھا اور اس کے بھیجے ہوئے دین حق کو ماننے والا تھا، بادشاہ کے آدمیوں نے تیر مارنے شروع کردیئے، تیر مارتے جاتے اور کہتے جاتے کہ اب بھی ہمارا مذہب مان لے اور دین محمدی کو چھوڑ اور وہ اللہ کا بندہ یہی کہتا جاتا تھا کہ جو مجھے کہنا تھا کہہ چکا اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

جب اس ترکیب سے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کا ایمان غارت کرنے میں ناکام ہوگئے تو اس عیسائی بادشاہ نے کہا کہ ان کو سولی سے اتارلو اور ایک دیگ میں خوب پانی گرم کرو اور ان کو دیگ کے پاس کھڑا کرکے ان کے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو ان کے سامنے اس دیگ میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت عبداللہ بن حذافہ کے سامنے ان کا ایک ساتھی دیگ میں ڈالا گیا جس کی جان ان کے سامنے نکلی اور گوشت و پوست جلا اور ہڈیوں کے جوڑ جوڑ علیحدہ ہوئے، اس درمیان میں بھی حضرت عبداللہ بن حذافہ کو عیسائیت قبول کرنے کی ترغیب دیتے رہے اور جان بچانے کا لالچ دلاتے رہے۔

الحاصل جب وہ عیسائیت قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے تو بادشاہ نے ان کو اس جلتی ہوئی دیگ میں ڈالنے کا حکم دیا، چنانچہ دیگ کے پاس گئے اور جب ان کو ڈالنے لگے تو وہ رونے لگے۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ وہ رو رہے ہیں، بادشاہ نے سمجھا کہ وہ موت سے گھبرا گئے اب تو ضرور عیسائی مذہب قبول کرلیں گے۔ چنانچہ ان کو بلا کر اس نے پھر عیسائی ہونے کی ترغیب دی مگر انہوں نے اب بھی انکار کیا۔

عیسائی بادشاہ: اچھا یہ بتاؤ کہ تم روئے کیوں؟

حضرت عبداللہ بن حذافہ: میں نے کھڑے کھڑے سوچا کہ اب میں اس وقت اس دیگ میں ڈالا جا رہا ہوں تھوڑی دیر میں جل بھن کر ختم ہو جاؤں گا اور ذرا دیر میں جان جاتی رہے گی۔ افسوس کہ میرے پاس صرف ایک ہی جان ہے کیا اچھا ہوتا کہ آج میرے پاس اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے جسم میں بال ہیں وہ سب اس دیگ میں ڈال کر ختم کردی جائیں۔ اللہ کی راہ میں ایک جان کی کیا حیثیت ہے۔

عیسائی بادشاہ: میرا ماتھا چوم لوگے تو تمہارے ساتھ سب ہی کو چھوڑ دوں گا۔

حضرت عبداللہ اپنی جان بچانے کے لیے اس پر بھی تیار نہ تھے کہ اس کا ماتھا چوم لیتے (کیونکہ اس سے کفر کی عزت ہوتی ہے) لیکن اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ میرے اس عمل سے سارے مسلمانوں کی رہائی ہوجائے گی اس کا ماتھا چومنے پر راضی ہوگئے اور قریب جا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔ اس نے ان کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو رہا کردیا۔

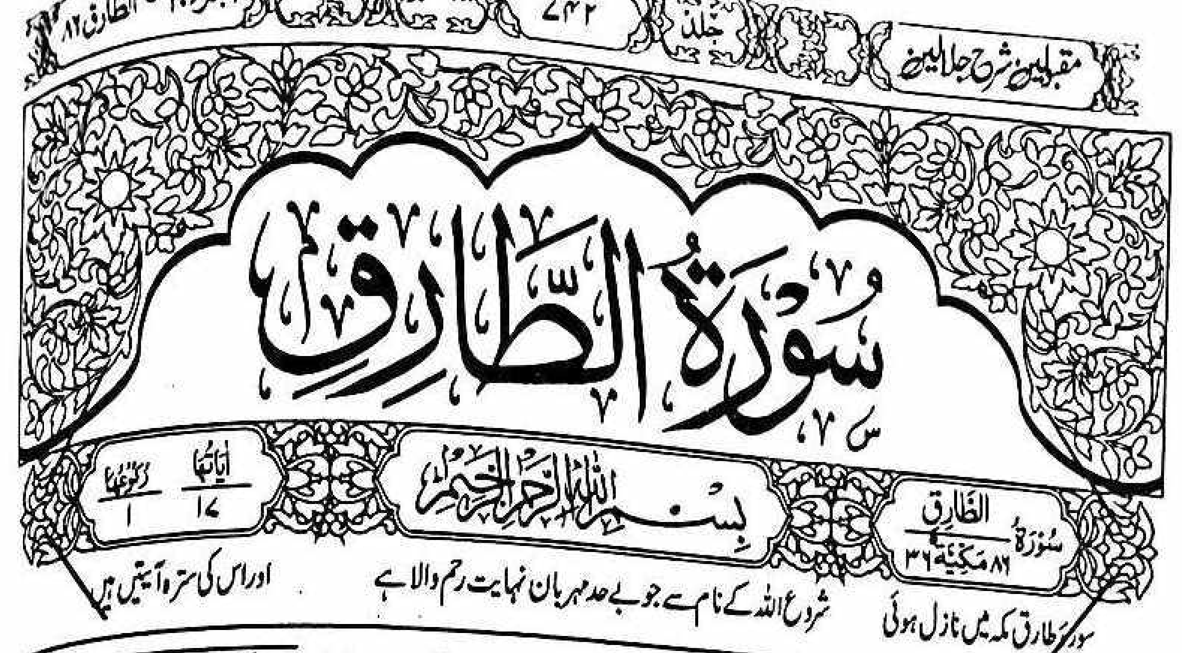
جب حضرت عبداللہ مدینہ منورہ پہنچے تو امیر المومنین حضرت عمرؓ نے پورا قصہ سنا اور پھر فرمایا کہ چونکہ انہوں نے مسلمانوں کی رہائی کے لیے ایک کافر کا ماتھا چوما ہے اس لیے ضروری ہے کہ اب ہر مسلمان ان کا ماتھا چومے، میں سب سے پہلے چومتا ہوں چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان کا ماتھا چوما۔

اہل ایمان سے دشمنی رکھنے والے صرف اپنے اقتدار کو دیکھتے ہیں اور قادر مطلق جل مجدہ کی قدرت کی طرف نظر نہیں کرتے وہ قادر بھی ہے اور اسے ہر بات کا علم بھی ہے اس کے بندوں کے ساتھ جو بھی زیادتی کرے گا وہ اس کی سزا دے گا کوئی شخص یوں نہ سمجھے کہ میرا ظلم یہیں رہ جائے گا اس کی اللہ تعالیٰ کو خبر نہ ہوگی ایسا سمجھنا جہالت ہے۔ آیت کے ختم پر اس مضمون کو بیان فرمادیا: وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝ (اور اللہ ہر چیز سے پورا باخبر ہے)۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ۝

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ یہ ان ظالموں کی سزا کا بیان ہے جنہوں نے مسلمانوں کو صرف ان کے ایمان کی بناء پر آگ کی خندق میں ڈال کر جلایا تھا، اور سزا میں دو باتیں ارشاد فرمائیں: فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ یعنی ان کے لیے آخرت میں جہنم کا عذاب ہے، دوسرا: وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ۝ یعنی ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے ہی جملے کا بیان اور تاکید ہو اور معنے یہ ہوں کہ جہنم میں جا کر اس کو ہمیشہ آگ میں جلتے رہنے کا عذاب ملے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے جملے میں ان کی اسی دنیا میں سزا کا ذکر ہو، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جن مؤمنین کو ان لوگوں نے آگ کی خندق میں ڈالا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو تو تکلیف سے اس طرح بچا دیا کہ آگ کے چھونے سے پہلے ہی ان کی ارواح قبض کرلی گئیں آگ میں مردہ جسم پڑے، پھر یہ آگ اتنی بھڑک اٹھی کہ خندق کے حدود سے نکل کر شہر میں پھیل گئی اور ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے اس آگ نے جلا دیا، صرف بادشاہ یوسف ذونواس بھاگ نکلا اور آگ سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا اس میں غرق ہو کر مرا۔ (مظہری)

ان لوگوں کے لیے عذاب جہنم اور عذاب حریق کی خبر کے ساتھ قرآن کریم نے یہ قید بھی لگا دی کہ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ یعنی یہ عذاب ان لوگوں پر پڑے گا جو اپنے اس فعل پر نادم ہو کر تائب نہیں ہوئے اس میں ان لوگوں کو توبہ کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس جود و کرم کو دیکھو کہ ان لوگوں نے اللہ کے اولیاء کو زندہ جلا کر ان کا تماشا دیکھا اور حق تعالیٰ اس پر بھی ان کو توبہ اور مغفرت کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ (ابن کثیر)



سُورَةُ الطَّارِقِ

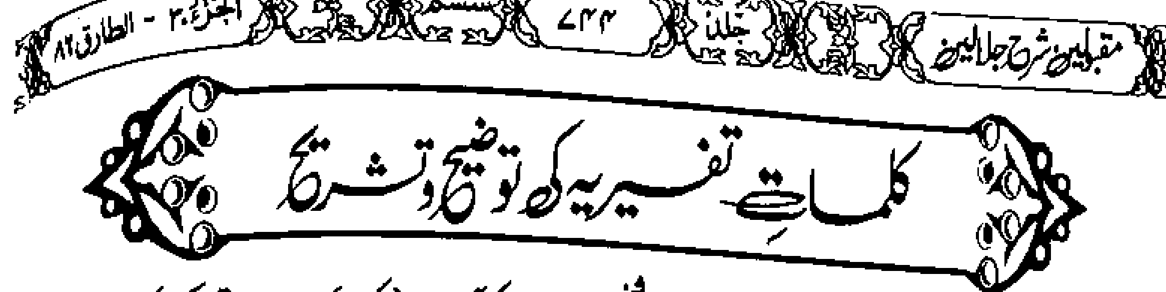
سُورَةُ الطَّارِقِ ۸۶ مَكِّيَّةٌ ۳٦ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۱۷ رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ طارق مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی سترہ آیتیں ہیں

وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ﴿۱﴾ اَصْلُهٗ كُلُّ اٰتٍ لَيْلًا وَ مِنْهُ النُّجُوْمُ لِطُلُوْعِهَا لَيْلًا وَ مَآ اَدْرٰىكَ اَعْلَمَكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ فِيْ مَحَلِّ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِيْ لِاَدْرٰى وَمَا بَعْدَ مَا الْاُوْلٰى خَبَرُهَا وَفِيْهِ تَعْظِيْمٌ لِشَانِ الطَّارِقِ الْمُفَسَّرِ بِمَا بَعْدَهٗ هُوَ النَّجْمُ اَيِ الثُّرَيَّا اَوْ كُلُّ نَجْمٍ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ الْمُضِيْءُ لِثَقْبِهِ الظَّلَامَ بِضَوْئِهٖ وَجَوَابُ الْقَسَمِ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ بِتَخْفِيْفِ مَا فَهِيَ مَزِيْدَةٌ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهٗ وَاللَّامُ فَارِقَةٌ وَبِتَشْدِيْدِهَا فَاِنْ نَافِيَةٌ وَلَمَّا بِمَعْنَى اِلَّا وَالْحَافِظُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَحْفَظُ عَمَلَهَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ نَظَرَ اعْتِبَارٍ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ جَوَابُهٗ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ ذِيْ اِنْدِفَاقٍ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْاَةِ فِيْ رَحْمِهَا يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ لِلرَّجُلِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ لِلْمَرْاَةِ وَهِيَ عِظَامُ الصَّدْرِ اِنَّهٗ تَعَالٰى عَلٰى رَجْعِهٖ بَعْثِ الْاِنْسَانِ بَعْدَ مَوْتِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ فَاِذَا اعْتُبِرَ اَصْلُهٗ عُلِمَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى ذٰلِكَ قَادِرٌ عَلٰى بَعْثِهٖ يَوْمَ تُبْلَى تُخْتَبَرُ وَتُكْشَفُ السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ ضَمَائِرُ الْقُلُوْبِ فِي الْعَقَائِدِ وَالنِّيَّاتِ فَمَا لَهٗ لِمُنْكِرِ الْبَعْثِ مِنْ قُوَّةٍ يَمْتَنِعُ بِهَا عَنِ الْعَذَابِ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ يَدْفَعُهٗ عَنْهُ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ الْمَطَرِ لِعَوْدِهٖ كُلَّ حِيْنٍ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ الشَّقِّ عَنِ النَّبَاتِ اِنَّهٗ اَيِ الْقُرْاٰنُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ يَفْصِلُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ بِاللَّعِبِ وَالْبَاطِلِ اِنَّهُمْ اَيِ الْكُفَّارُ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ يَعْمَلُوْنَ الْمَكَائِدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ اَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ فَمَهِّلِ يَا مُحَمَّدُ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ تَاكِيْدٌ حَسَّنَهٗ مُخَالَفَةُ اللَّفْظِ اَيْ اَنْظِرْهُمْ

رُوَيْدًا ۝ قَلِيْلًا وَهُوَ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَعْنَى الْعَامِلِ مُصَغَّرُ رُوْدًا وَاَرْوَادٌ عَلَى التَّرْخِيْمِ وَقَدْ اَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَنُسِخَ الْإِمْهَالُ بِآيَةِ السَّيْفِ اَيْ بِالْاَمْرِ بِالْجِهَادِ وَالْقِتَالِ

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی اور رات کونمودار ہونے والی چیز کی (دراصل رات کو ہر آنے والی چیز کو طارق کہتے ہیں۔ ستارا بھی رات کونمودار ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو بھی طارق کہتے ہیں) اور کچھ معلوم ہے کہ رات کونمودار ہونیوالی چیز کیا ہے (یہ مبتداء وخبرل کرادری کے مفعول ثانی کی جگہ ہے اور اول ما کے بعد لفظ ادرک ما کی خبر ہے اور اس میں طارق کی جملہ عظمت شان ہے۔ جس کی تشریح آگے آرہی ہے کہ وہ) ستارہ ہے (خاص ثریا یا عام ستارہ) روشن (چمک دار جو اپنی روشنی سے اندھیروں کو پھاڑ ڈالتا ہے اور جواب قسم آگے ہے) کوئی جان ایسی نہیں جس پر کوئی نگہبان نہ ہو (لا میں تخفیف ہے اور ما زائدہ اور ان مخففہ ہے جس کا اسم محذوف ہے۔ ای انہ۔ پس لام ان مخففہ اور ان نافیہ میں فرق کرنیوالا ہے اور لما تشدید کے ساتھ ہونے کی صورت میں ان نافیہ ہوگا۔ اور لما بمعنی الا ہوگا۔ اور حافظ سے مراد محافظ فرشتے ہیں جو انکے اچھے برے کام کی نگرانی کرتے ہیں) پھر انسان (بنظر عبرت) بھی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے (اس سوال کا جواب آگے ہے) وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے (جو مرد سے اچھل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے) جو (مرد کی) پیٹھ سے اور سینہ کی ہڈیوں سے نکلتا ہے (عورت کی چھاتی کی ہڈیوں سے) یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) اسے دوبارہ پیدا کرنے (انسان کو مرنے کے بعد جلانے) پر قادر ہے (باعتبار اس اصلیت کے معلوم ہوا کہ جو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جلاسکتا ہے) جس روز جانچ پڑتال ہوگی (سب قلعی کھل جائے گی) پوشیدہ اسرار کی (جو دلوں میں عقیدے اور نیتیں تھیں) اس وقت (منکر بعث) انسان کے پاس نہ اپنا کوئی زور ہوگا (عذاب سے بچانے والا) اور نہ کوئی اس کی مدد کرنیوالا ہوگا (جو عذاب کو دفع کردے) قسم ہے آسمان کی جو بارش برسانے والا ہے (بار بار ہونے کی وجہ سے بارش کو مرجع سے تعبیر کیا ہے) اور قسم ہے زمین کی جو (گھاس پھونس نکلنے سے) پھٹ جاتی ہے۔ یہ (قرآن) ایک جچی تلی بات ہے (جو حق ناحق کے درمیان فیصلہ کن ہے) اور وہ ہنسی مذاق (کھیل تفریح) نہیں ہے۔ یہ (کفار) کچھ چالیں چل رہے ہیں (آنحضرت ﷺ کے خلاف سازشیں کررہے ہیں) اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں (ڈھیل دے رہا ہوں جس کی انہیں ہوا بھی نہیں ہے) پس چھوڑ دیجئے (اے محمد!) ان کافروں کو چھوڑ دیجئے ان کے حال پر (یہ تاکید ہے جس کا حسن لفظی فرق سے بڑھ گیا ہے۔ یعنی انکو مہلت دے دیجئے) ذرا کی ذرا (تھوڑی سی یہ معنی عامل کی تاکید کیلئے مصدر ہے۔ رودا۔ ارواد کی تصغیر رویدا ہے اس کی ترخیم ہورہی ہے۔ چنانچہ اللہ نے بدلہ میں انکو سزا دے ڈالی اور مہلت کا حکم منسوخ ہوگیا ہے۔ آیت سیف یعنی جہاد وقتال کے حکم کے ذریعہ)۔



قوله :اَصْلُهٗ :یہ طرق طروقا سے اسم فاعل ہے۔ ہر وہ شخص جو رات کو آئے۔(ک) اسے طارق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دروازے بند پاکر ان کو کھٹکھٹاتا ہے۔

قوله :وَمَا بَعْدَ: مَا الطَّارِقُ کا مَا تو تعظیم کے لیے ہے۔اور وَمَآ اَدْرٰىكَ کا مَآ انکار کے لیے ہے۔

قوله :وَلَمَّا:یہ الا کے معنٰی میں ہے اور استثناء مفرغ ہے۔مطلب یہ ہے۔جو آدمی جس حال میں بھی ہو اس پر حافظ موجود ہے۔

قوله :اَنْظِرْهُمْ:انتقام میں جلدی مت کرو اور نہ بددعا میں ہم بھی جلدی نہیں کرتے۔ کیونکہ عجلت چیز کو اپنے وقت مناسب سے ہٹاتی ہے۔(خطیب)

قوله :ذِیْ اِنْدِفَاقٍ :اس سے اشارہ کر دیا کہ ماء دافق کی نسبت لابن اور تامر کی طرح ہے۔یعنی ذی دفق یہ فاعل ومفعول دونوں پر صادق آتا ہے۔اور اس لیے بھی کہ نطفہ ذا دافق ہے۔یعنی اس پر دفق(ٹپکنا) واقعہ ہوتا ہے اسی کو مفسر نے اندفاق سے تعبیر کیا۔

۱۔اللہ تعالیٰ نے کواکب کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ انسان کے اعمال،ارزاق،اجل سب گنے اور شمار کیے جاتے ہیں۔

۲۔حقیر منی سے وجود دینے والا جب اللہ تعالیٰ ہے تو اس کو موت کے بعد اعادے کی قیامت کے روز یقیناً قدرت ہے۔اس دن راز فاش ہو جائیں گے۔اسرار وقلوب ونیات کھل جائیں گی،صحیح وغلط باطل وحق آپس میں ممتاز ہو جائیں گے۔

۳۔انسان کو شر وباطل کے اخفاء اور ضمائر کے خلاف اخفاء سے بچنا ضروری ہے۔

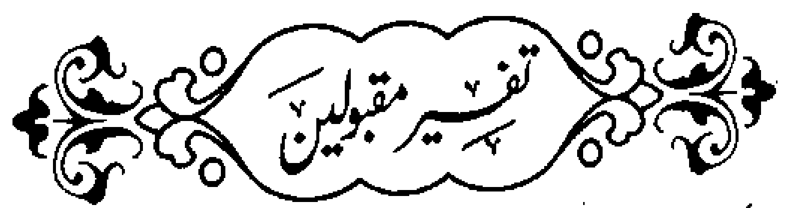
۴۔قرآن مجید فیصلہ کن بات ہے،مرور زمانہ نے اس کو مزید درخشاں کر دیا۔اس کی شہادت کے لیے آسمان،بادل،زمین کی قسم ذکر فرمائی۔

۵۔قیامت کے دن انسان کے پاس قوت ذاتیہ وعارضیہ ہر دو مفقود ہوں گی۔

۶۔کفار قرآن اور صاحب قرآن کے متعلق تدابیر میں دن رات سرگرم ہیں،اگر وقتی طور پر بطور استدراج ان کا نوٹس نہیں لیا جارہا تو عن قریب ان کی تدابیر کا ملبہ ان پر گرنے والا ہے۔

۷۔کید کا لفظ ذات باری تعالیٰ کے لیے جزاء کید اور تقابل کے لیے بولا گیا ہے۔

۸۔حکمت الہیہ کا تقاضا اعداء اسلام کے خلاف تعجل کو ترک کر کے حلم وحوصلہ سے کام لینا ہے،آخر میں حق واہل حق ہی کی کامیابی ہے۔



اس سورت کا مضمون بھی عقیدہ توحید کی ترجمانی پر مشتمل ہے اور اسلام کی بنیاد یعنی ایمان بالآخرۃ کے ثابت کرنے کے لیے

حق تعالیٰ نے اپنی عظیم تر مخلوقات ارض وسماء اور کواکب ونجوم کے تغیرات اور انقلابات کو بطور شہادت اور حجت پیش فرمایا ہے، اور انسانی تخلیق پر غور وفکر کی دعوت دی ہے، سورت کی ابتداء آسمان اور نجم ثاقب کی قسم سے کی گئی، اور انتہاء سورت پر قرآنی حقائق کی حقانیت کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کو اس امر پر تسلی دی گئی کہ کفار ومشرکین اور دشمنان اسلام کی سازشوں کی آپ ﷺ ہرگز کوئی فکر نہ کریں، اگر وہ اسلام اور اللہ کے پیغمبر کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو کرتے رہیں، قدرت خداوندی بھی ایسی تدابیر سے غافل نہیں ہے جو اسلام کی عظمت وکامیابی اور رسول اللہ ﷺ کی فتح ونصرت کا باعث ہیں۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ①

اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور ان کے روشن ستاروں کی قسم کھاتا ہے طارق کی تفسیر چمکتے ستارے سے کی ہے وجہ یہ ہے کہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی اپنے گھر رات کے وقت بے خبر آ جائے یہاں بھی لفظ طروق ہے، آپ کی ایک دعا میں بھی طارق کا لفظ آیا ہے ثاقب کہتے ہیں چمکیلے اور روشنی والے کو جو شیطان پر گرتا ہے اور اسے جلا دیتا ہے ہر شخص پر اللہ کی طرف سے ایک محافظ مقرر ہے جو اسے آفات سے بچاتا ہے جیسے اور جگہ ہے کہ آیت: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (الرعد:۱۱) یعنی آگے پیچھے سے باری باری آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے بندے کی حفاظت کرتے ہیں انسان کی ضعیفی کا بیان ہو رہا ہے کہ دیکھو تو اس کی اصل کیا ہے اور گویا اس میں نہایت باریکی کے ساتھ قیامت کا یقین دلایا گیا ہے کہ جو ابتدائی پیدائش پر قادر ہے وہ لوٹانے پر قادر کیوں نہ ہوگا جیسے فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم:۲۷) یعنی جس نے پہلے پیدا کیا وہ ہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ اس پر بہت ہی آسان ہے انسان اچھلنے والے پانی یعنی عورت مرد کی منی سے پیدا کیا گیا ہے جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کی چھاتی سے نکلتی ہے عورت کا یہ پانی زرد رنگ کا اور پتلا ہوتا ہے اور دونوں سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے ترِیبَہ کہتے ہیں ہار کی جگہ کو کندھوں سے لے کر سینے تک کو بھی کہا گیا ہے اور نرخرے سے نیچے کو بھی کہا گیا ہے اور چھاتیوں سے اوپر کے حصہ کو بھی کہا گیا ہے اور نیچے کی طرف چار پسلیوں کو بھی کہا گیا ہے اور دونوں چھاتیوں اور دونوں پیروں اور دونوں آنکھوں کے درمیان کو بھی کہا گیا ہے دل کے نچوڑ کو بھی کہا گیا ہے سینہ اور پیٹھ کے درمیان کو بھی کہا جاتا ہے وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے یعنی نکلے ہوئے پانی کو اس کی جگہ واپس پہنچا دینے پر اور یہ مطلب کہ اسے دوبارہ پیدا کر کے آخرت کی طرف لوٹانے پر بھی پچھلا قول ہی اچھا ہے اور یہ دلیل کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے پھر فرمایا کہ قیامت کے دن پوشیدگیاں کھل جائیں گی راز ظاہر ہو جائیں گے بھید آشکار ہو جائیں گے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر غدار کی رانوں کے درمیان اس کے غدار کا جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان ہو جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے اس دن نہ تو خود انسان کو کوئی قوت حاصل ہوگی نہ اس کا مددگار کوئی اور کھڑا ہوگا یعنی نہ تو خود اپنے آپ کو عذابوں سے بچا سکے گا نہ کوئی اور ہوگا جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ①

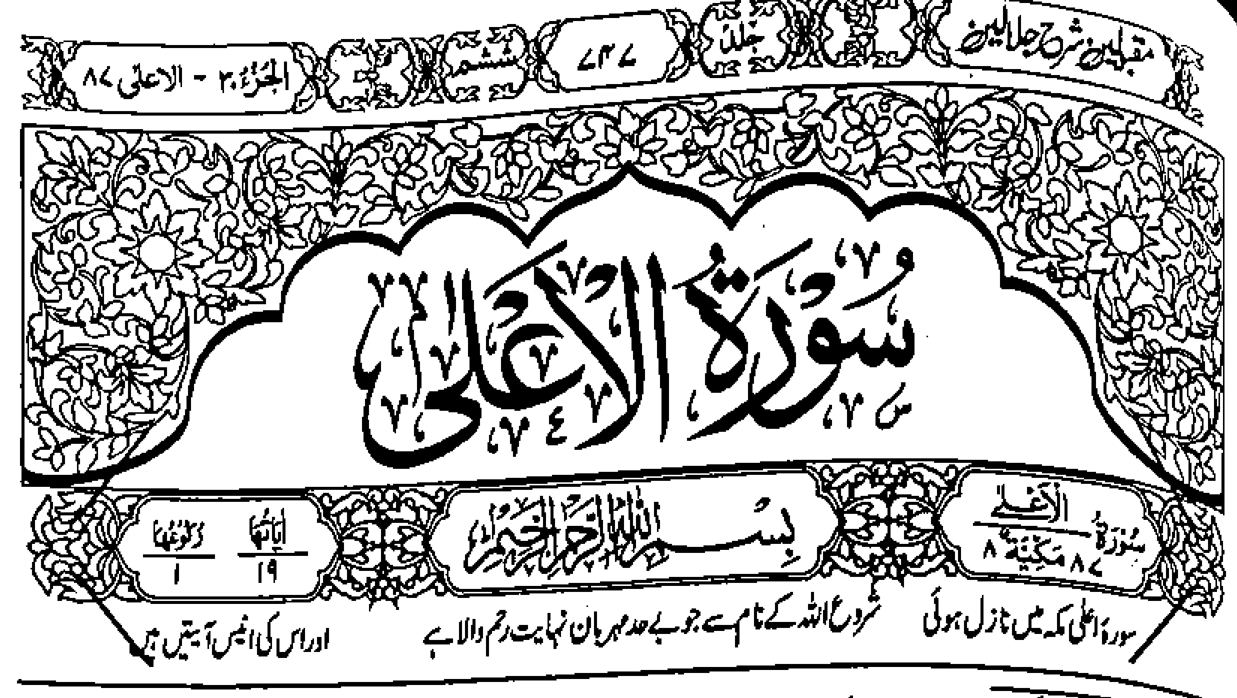
گزشتہ آیات میں انسان کی پیدائش بیان فرمائی اور یہ بھی بتایا کہ جس ذات پاک نے انسان کو ابتداءً ایسے ایسے پانی سے

پیدا فرمایا وہ موت دینے کے بعد دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی قادر ہے اس کے بعد دو آیتوں میں قیامت کے دن کی پیشی اور وہاں جو انسان کی مجبوری ہوگی اس کو بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ جس روز انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور محاسبہ کے لیے پیش ہوگی اس وقت سری بھید کی چیزوں کی جانچ کر لی جائے گی۔ سارا کچا چٹھا سامنے آ جائے گا جو بھی کچھ کیا تھا وہ نظر کے سامنے ہوگا۔
وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (اور جو کچھ کیا تھا سب حاضر پائیں گے)۔

انسان کی بدحالی اور مجبوری کا یہ عالم ہوگا کہ نہ تو اسے عذاب کے دفعہ کرنے کی کوئی قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا اس کے بعد آسمان اور زمین کی قسم کھائی اور قسم کھا کر قرآن کے بارے میں فرمایا کہ وہ فیصلہ کرنے والا کلام ہے فرمایا: قسم ہے آسمان کی جو بارش والا ہے اس کی طرف سے زمین پر بار بار بارش کا نزول ہوتا ہے اور قسم ہے زمین کی جو پھٹ جانے والی ہے (جب اس میں بیج ڈالا جاتا ہے تو پھٹ جاتی ہے اور اس سے پودے اور کھیتیاں نکل آتی ہیں)۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝

رجع کے معنی بارش، بارش والے بادل، برسنے، ہر سال بندوں کی روزی لوٹانے جس کے بغیر انسان اور ان کے جانور ہلاک ہو جائیں سورج چاند اور ستاروں کے ادھر ادھر لوٹنے کے مروی ہیں زمین پھٹتی ہے تو دانے گھاس اور چارہ نکلتا ہے یہ قرآن حق ہے عدل کا مظہر ہے یہ کوئی عذر قصہ باتیں نہیں کافر اسے جھٹلاتے ہیں اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں طرح طرح کے مکر وفریب سے لوگوں کو قرآن کے خلاف اکساتے ہیں اے نبی تو انہیں ذرا سی ڈھیل دے پھر عنقریب دیکھ لے گا کہ کیسے کیسے بدترین عذابوں میں پکڑے جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان: ۲۴) یعنی ہم انہیں کچھ یونہی سا فائدہ دیں گے پھر نہایت سخت عذاب کی طرف انہیں بے بس کر دیں گے۔



سورۂ اعلیٰ مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی انیس آیتیں ہیں

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ اَیْ نَزِّہْ رَبَّکَ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِہٖ وَلَفْظُ اِسْمٍ زَائِدَۃٌ الْاَعْلَى ۝۱ صِفَۃٌ لِرَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۲ مَخْلُوْقَہٗ جَعَلَہٗ مُتَنَاسِبَ الْاَجْزَاءِ غَیْرَ مُتَفَاوِتٍ وَالَّذِیْ قَدَّرَ مَا شَاءَ فَهَدٰى ۝۳ اِلٰی مَا قَدَّرَہٗ مِنْ خَیْرٍ وَّ شَرٍّ وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝۴ اَنْبَتَ الْعُشْبَ فَجَعَلَهٗ بَعْدَ الْخُضْرَۃِ غُثَآءً جَافًا ھَشِیْمًا اَحْوٰى ۝۵ اِسْوَدَیَابِسًا سَنُقْرِئُكَ الْقُرْاٰنَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝۶ مَا تَقْرَؤُہٗ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَنْسَاہُ بِنَسْخِ تِلَاوَتِہٖ وَحُکْمِہٖ وَکَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْھَرُ بِالْقِرَاءَۃِ مَعَ قِرَاءَۃِ جِبْرِیْلَ خَوْفَ النِّسْیَانِ فَکَاَنَّہٗ قِیْلَ لَہٗ لَا تَعْجَلْ بِھَا اِنَّکَ لَا تَنْسٰی فَلَا تُتْعِبْ نَفْسَکَ بِالْجَھْرِ بِھَا اِنَّهٗ تَعَالٰی يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَمَا يَخْفٰى ۝۷ مِنْھُمَا وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝۸ لِلشَّرِیْعَۃِ السَّھْلَۃِ وَھِیَ الْاِسْلَامُ فَذَكِّرْ عِظْ بِالْقُرْاٰنِ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹ مَنْ تَذْکُرُہُ الْمَذْکُوْرُ فِیْ سَيَذَّكَّرُ بِھَا مَنْ يَّخْشٰى ۝۱۰ یَخَافُ اللّٰہَ تَعَالٰی کَاٰیَۃِ فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ وَيَتَجَنَّبُهَا اَیِ الذِّکْرٰی یَتْرُکُھَا جَانِبًا لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْھَا الْاَشْقَى ۝۱۱ بِمَعْنَی الشَّقِیِّ اَیِ الْکَافِرُ الَّذِیْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝۱۲ ھِیَ نَارُ الْاٰخِرَۃِ وَالصُّغْرٰی نَارُ الدُّنْیَا ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا فَیَسْتَرِیْحُ وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳ حَیَاۃً ھَنِیْئَۃً قَدْ اَفْلَحَ فَازَ مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴ تَطَھَّرَ بِالْاِیْمَانِ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ مُکَبِّرًا فَصَلّٰى ۝۱۵ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَذٰلِکَ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَۃِ وَکُفَّارُ مَکَّۃَ مُعْرِضُوْنَ عَنْھَا بَلْ تُؤْثِرُوْنَ بِالتَّحْتَانِیَّۃِ وَالْفَوْقَانِیَّۃِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۱۶ عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَالْاٰخِرَةُ الْمُشْتَمِلَۃُ عَلَی الْجَنَّۃِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝۱۷ اِنَّ هٰذَا اَیْ فَلَاحُ مَنْ تَزَکّٰی وَکَوْنُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرًا لَفِي الصُّحُفِ

الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ الْمُنْزَلَةِ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ﴿۱۹﴾ وَهِيَ عَشْرُ صُحُفٍ لِاِبْرَاهِيْمَ وَالتَّوْرٰةُ لِمُوْسٰى ع ۱۹ / ۱۲

ترجمہ: آپ اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یعنی نامناسب باتوں سے پاک سمجھئے۔ لفظ اسم زائد ہے) جو عالی شان ہے (یہ ربک کی صفت ہے) جس نے پیدا کیا۔ پھر تناسب کے ساتھ بنایا (اپنی مخلوق کے اجزاء متناسب رکھے انہیں بے جوڑ نہیں رکھا) اور جس نے (جو چاہا) تجویز کیا پھر راہ دکھائی (اچھی بری اور تقدیر کی طرف) اور جس نے چارہ (گھاس پھوس) اگایا۔ پھر اس کی (ہریالی کے بعد) کوڑا کرکٹ (خشک) سیاہ (کالا سوکھا ہوا) کر ڈالا۔ ہم آپ کو (قرآن) پڑھا دیا کریں گے۔ پھر آپ (پڑھے ہوئے کو) نہیں بھولیں گے۔ سوائے اس کے جو اللہ چاہے (کہ آپ اس کو بھول جائیں۔ تلاوت یا حکم منسوخ ہونے کی وجہ سے۔ آنحضرت ﷺ حضرت جبریل سے زور سے زور پڑھا کرتے تھے بھول جانے کے ڈر سے گویا آپ کو یہ فرمایا گیا کہ جلدی نہ کیجئے۔ آپ بھولیں گے نہیں۔ اس لیے زور سے پڑھ کر تعب نہ اٹھایئے) وہ ظاہر (قول اور فعل) کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ (ان میں سے) پوشیدہ ہے اس کو بھی جانتا ہے اور ہم آسان طریقہ (سہل شریعت اسلام) کی سہولت آپ کو دیتے ہیں۔ لہٰذا آپ (قرآن کی) نصیحت پر عمل کیا کیجئے۔ اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو (اس شخص کیلئے جس کو آپ نصیحت کریں۔ جس کا ذکر آگے ہے) وہی نصیحت مانتا ہے۔ جو ڈرتا ہے (اللہ تعالیٰ سے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے فذکر بالقران من یخاف وعید فرمایا گیا ہے) اور اس سے گریز کرتا ہے (نصیحت کو چھوڑ دیتا ہے اس سے بے توجہی برتتے ہوئے) سخت بد نصیب (بدبخت کافر) جو بڑی آگ میں جائے گا (دوزخ کی آگ سے دنیا کی آگ چھوٹی ہوتی ہے) پھر نہ اس میں مرے گا (کہ آرام پالے) اور نہ جئے گا (مزے کی زندگی) فلاح پا گیا (بامراد ہوا) جس نے پاکیزگی اختیار کی (ایمان کے ذریعہ طہارت حاصل کر لی) اور اپنے رب کا نام لیتا رہا (تکبیر پڑھتا رہا) اور نماز پڑھتا رہا (پنجوقتہ۔ یہ باتیں آخرت کی ہیں اور کفار مکہ اس سے مکرتے ہیں) مگر تم دنیا کی زندگانی کی (یاء اور تاء کے ساتھ) ترجیح دیتے ہو (آخرت کے مقابلہ میں) حالانکہ آخرت میں (جس میں جنت ہے) بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ یہ مضمون (پاکیزگی اختیار کرنے سے فلاح پانا اور آخرت کا بہترین اور پائیدار ہونا) پہلے صحیفوں میں بھی کہی گئی ہے (جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکے ہیں) ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں (ابراہیمؑ کے دس صحیفے اور موسیٰؑ کی تورات)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: مکیۃ: یہ جمہور کا قول ہے۔ ضحاک نے مدنی کہا ہے۔ آپ اس کو بکثرت تلاوت فرماتے کیونکہ یہ بہت سے علوم اور بھلائیوں کی جامع ہے۔ (ص)

قولہ: نَزِّهْ: ان چیزوں سے پاک قرار دو جو اس کے لائق نہیں۔ بعض نے کہا: اس کا معنیٰ سبحان ربی الاعلی کہو۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: اپنے رب اعلیٰ کے حکم سے نماز ادا کرو۔ (ک)

قوله: وَلَفْظُ اسْمِ زَائِدَةٌ: کیونکہ تنزیہ ذات کو خود تنزہ اسم لازم ہے۔ اور تنزہ اسم میں سے یہ ہے کہ اس کی عظمت کا استحضار اس کی یاد کے وقت کرے۔ (ص)

قوله: اعلیٰ کی صفت تعلیل کے قائم مقام ہے۔ گویا اس طرح فرمایا: اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو اس لیے کہ وہ بلندیوں والا، نقائص وعیوب سے پاک ہے۔

قوله: اِلٰی مَا قَدَّرَهٗ: اس سے ہر جنس کی وہ تقدیر مراد ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا۔ مثلاً کان میں سننا، آنکھ دیکھنا، خیر وشر کا فرق بتادیا۔

قوله: بِنَسْخٍ: باسببیہ ہے۔ نسخ کی تین قسمیں ہیں۔ ا۔ جس کی تلاوت وحکم دونوں منسوخ۔ ۲۔ تلاوت منسوخ ہو نہ کہ حکم۔ ۳۔ حکم منسوخ ہو نہ تلاوت تو اسے بھی نہ بھلائیں گے۔ (ک)

قوله: اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى: یہ ان شرطیہ ہے۔ اس میں اس شخص کے نصیحت قبول کرنے سے استبعاد ظاہر کیا گیا ہے۔

قوله: فَيَسْتَرِيْحُ: یہاں تیسری قسم مراد نہیں کہ نہ زندگی ہو اور نہ موت بلکہ مطلب یہ ہے۔ اس کو ایسی موت نہ آئے گی جس سے اس کو اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے اور نہ وہ زندگی ہوگی جس سے کچھ فائدہ اٹھا سکے۔ (ک)

قوله: تُؤْثِرُوْنَ: اگر تا سے پڑھیں تو پھر کفار یا مطلق عام لوگوں کو خطاب ہے اور اگر یا سے پڑھا جائے تو ضمیر کا مرجع اشقی کی طرف ہوگا۔ (ک)

قوله: اَبْقٰى: اس لیے کہ وہ جسمانی وروحانی سعادت کو شامل ہے اور اس کی لذات غیر فانیہ اور غیر منقطعہ ہیں۔ (ص)

۱۔ جو باتیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق نہیں انہی سے اللہ تعالیٰ کی صفات کو منزہ قرار دینا ضروری ہے۔

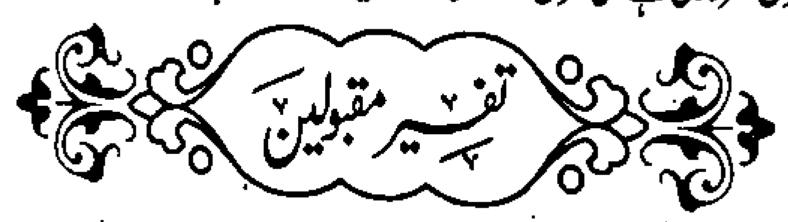
۲۔ اس سورت میں تنزیہ ہے۔ آپ ﷺ اس کو کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ مثلاً اعیاد، جمعات اور وتروں میں۔

۳۔ اس میں آپ ﷺ کو دو بشارتیں دی گئی ہیں: ا۔ آسان شریعت آپ کو دی جائے گی۔ ۲۔ جبرئیل جتنا قرآن آپ کے سامنے پڑھیں گے وہ سب یاد ہو جائے گا۔

۴۔ ذکر وزکوۃ کی ترغیب دلائی جو عید الفطر کے موقعہ پر اکٹھا میسر ہو جاتا ہے۔

۵۔ دنیا فنا ہونے والی ہے اس سے زھد اختیار کرنا چاہیے اور آخرت باقی رہنے والی ہے اس کو حاصل کرنا چاہیے۔

۶۔ تمام شرائع الٰهیہ اعتقادی اصول اور اخلاقی امور اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں متفق ہیں۔ شرک سے نفس کا تزکیہ اور رذائل سے تطہیر جس طرح ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کرنا اور نماز کو پابندی اوقات ادا کرنا بھی لازم ہے۔



اس سورت میں خاص طور پر ذات خداوندی اور اس کی عظمت نیز صفات خداوندی کا علو اور برتری پر بنیادی طور پر کلام فرمایا ہے اسی کے ساتھ دلائل قدرت اور وحدانیت کا بھی بیان ہے، وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کا بھی ذکر ہے، نیز یہ کہ وحی

الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کا بھی ذکر ہے، نیز یہ کہ وحی الٰہی اور موعظہ حسنہ سے وہی قلوب منتفع ہوتے ہیں جن میں استعداد وصلاحیت اور خشیت وتقوی کے آثار ہیں، اور جو قلوب شقاوت وبدبختی سے مردہ ہو چکے ہیں ان پر نہ دلائل اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ وحی اور موعظہ حسنہ ان کو مفید ہوتے ہیں۔ ان مضامین کو بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بشارت بھی سنائی کہ جو کتاب الٰہی آپ ﷺ پر اتاری جارہی ہے گو وہ اپنی شان کے لحاظ سے بڑی ہی عظمت والی ہے، اور نفس وحی قول ثقیل ہے، لیکن یہ سب کچھ آسان کر دیا جائے گا، اور آپ ﷺ سہو ونسیان سے محفوظ رہیں گے بجز اس کے جو خدا ہی چاہے اور اس کو منسوخ کرنے کا ارادہ فرمالے۔

اخیر میں یہ بھی بتادیا گیا کہ انسانی فلاح وکامیابی ذکر الٰہی اور اس کی عبادت وبندگی میں مصروف رہنے ہی میں ہے، اور یہ مقصد اعلیٰ اس صورت میں حاصل ہے جب کہ انسان دنیاوی لذتوں کو آخرت پر ترجیح اور فوقیت نہ دے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝

یہاں سے سورۃ الاعلیٰ شروع ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی چند صفات بیان فرمائی ہیں، سب سے پہلے الاعلیٰ فرمایا یعنی برتر اور بلند تر حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بیان فرمایا کہ جب آیت: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اجعلوها في ركوعكم) (کہ رکوع میں جاؤ تو اس پر عمل کرو) پھر جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ (نازل ہوئی تو فرمایا کہ سجدہ میں جاؤ تو اس پر عمل کرو) یعنی رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ کہو اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى کہو۔ (رواہ ابوداؤد)

الْأَعْلَى ۝ کا معنی ہے خوب زیادہ بلند اور برتر، یہ پروردگار عالم جل مجدہ کی صفت ہے، اس کو بیان کرنے کے بعد دوسری صفت بیان فرمائی۔

مسئلہ: علماء نے فرمایا ہے کہ قاری جب: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ کی تلاوت کرے تو مستحب ہے کہ یہ کہے: سبحان ربی الاعلی، صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابوموسیٰ اور عبداللہ بن مسعودؓ اجمعین کا یہی معمول تھا کہ جب یہ سورت شروع کرتے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے۔ (قرطبی) یعنی نماز کے سوا جب تلاوت کریں تو ایسا کہنا مستحب ہے۔

مسئلہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے روایت ہے کہ جب سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اجعلوها في سجودكم یعنی یہ کلمہ سبحان ربی الاعلیٰ اپنے سجدہ میں کہا کرو سبح اسم ربک الاعلیٰ، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں، سبح اسم ربک کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کے نام کو پاک رکھیے، اور ہر ایسی چیز سے اس کے نام کو پاک رکھیے جو اسکے شایاں نہیں، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکاریے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بتلائے ہیں ان کے سوا کسی اور نام سے اس کو پکارنا جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی طرح اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے وہ کسی مخلوق کیلئے استعمال کرنا اس کی تنزیہہ وتقدیس کے خلاف ہے اسلئے جائز نہیں۔ (قرطبی) جیسے رحمٰن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ آجکل اس معاملے میں غفلت بڑھتی جارہی ہے، لوگوں کو ناموں کے اختصار کا شوق ہے، عبدالرحمٰن کو رحمٰن، عبدالرزاق کو رزاق، عبدالغفار کو غفار بے تکلف کہتے

رہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا کہنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں اور یہ گناہ بے لذت رات دن بلا وجہ ہوتا رہتا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ اسم سے مراد خود مسمیٰ کو ذات مراد لی ہے اور عربی زبان کے اعتبار سے اس کی گنجائش بھی ہے اور قرآن کریم میں بھی اس معنے کے لیے استعمال ہوا ہے، اور حدیث میں جو رسول اللہ ﷺ نے اس کلمہ کو نماز کے سجدے میں پڑھنے کا حکم دیا اس کی تعمیل میں جو کلمہ اختیار کیا گیا وہ سبحان اسم ربک الاعلیٰ نہیں بلکہ سبحان ربی الاعلیٰ ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسم اس جگہ مقصود نہیں خود مسمیٰ مراد ہے۔ (قرطبی) واللہ اعلم

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۞

تخلیق کائنات میں لطیف اور دقیق حکمتیں:

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۞ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۞ یہ سب رب اعلیٰ کی صفات کا ذکر ہے جو تخلیق کائنات میں اس کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کے مشاہدہ سے متعلق ہیں ان میں پہلی صفت خلق ہے خلق کے معنے محض صنعت گری کے نہیں بلکہ عدم سے بغیر کسی مادہ سابقہ کے وجود میں لانا ہے اور یہ کام کسی مخلوق کے بس میں نہیں صرف حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ ہے کہ بغیر کسی سابق مادہ کے جب چاہتے ہیں اور جس چیز کو چاہتے ہیں عدم سے وجود میں لے آتے ہیں۔ دوسری صفت اس تخلیق ہی کے ساتھ وابستہ فسوٰی ہے جو تسویہ سے مشتق ہے اور اس کے لفظی معنی برابر کرنے کے ہیں اور مراد برابر کرنے سے یہ ہے کہ ہر چیز کو جو وجود عطا فرمایا اس کی جسامت اور شکل وصورت اور اعضاء واجزاء کی وضع وہیت میں ایک خاص تناسب ملحوظ رکھ کر یہ وجود بخشا گیا ہے، انسان اور ہر جانور کو اس کی ضروریات کے مناسب بنائی گئی ہیں، ہاتھ پاؤں اور ان کی انگلیوں کے پوروں میں ایسے جوڑ رکھے اور قدرتی اسپرنگ لگائے کہ وہ ہر طرف موڑے توڑے اور تہ کیے جاسکتے ہیں، اسی طرح دوسرے ایک عضو کو دیکھو یہ حیرت انگیز تناسب خود انسان کو خالق کائنات کی حکمت وقدرت پر ایمان لانے کے لیے کافی ہے۔

تیسری چیز اسی سلسلے میں فرمائی قدر، تقدیر کے معنے کسی چیز کو خاص اندازے پر بنانے اور باہمی موازنت کے بھی آئے ہیں اور بمعنے قضاء وقدر بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنے ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور خاص تجویز کے ہیں، اس آیت میں یہی معنے مراد ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں کو صرف پیدا کر کے اور بنا کر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر چیز کو کسی خاص کام کے لیے پیدا کیا اور اسکے مناسب اس کو وسائل دیئے اور اسی کام میں اس کو لگا دیا، غور کیا جائے تو یہ بات کسی خاص جنس یا نوع مخلوق کے لیے مخصوص نہیں، ساری ہی کائنات اور مخلوقات ایسی ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے خاص خاص کاموں کے لیے بنایا ہے اور ان کو اسی کام میں لگا دیا ہے، ہر چیز اپنے رب کی مقرر کردہ ڈیوٹی پر لگی ہوئی ہے۔ آسمان اور اس کے ستارے، برق وباراں سے لے کر انسان وحیوان اور نباتات وجمادات سب میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ جسکو جس کام پر خالق نے لا دیا ہے اور اس پر لگا ہوا ہے۔ ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند با من و تو مردہ با حق زندہ اند

خصوصاً انسان وحیوان کے ہر نوع وصنف کو حق تعالیٰ نے جن خاص خاص کاموں کے لیے پیدا فرمایا ہے وہ قدرتی طور پر اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کی رغبت وشوق سب اسی کام کے گرد گھومتا ہے۔

ہر یکے را بہر کارے ساختند میل اورا در دلش انداختند

چوتھی چیز یہ فرمائی: فَهَدٰى ﴿۳﴾ یعنی خالق کائنات نے جس چیز کو جس کام کے لیے پیدا فرمایا اس کو اس کی ہدایت بھی فرمادی کہ وہ کس کس طرح اس کام کو انجام دے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ہدایت تمام کائنات و مخلوقات کو شامل ہے آسمان اور آسمانی مخلوقات ہوں یا زمین اور اس کی مخلوقات کیونکہ ایک خاص قسم کی عقل و شعور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی دیا ہے گو وہ انسان کے عقل و شعور سے کم ہو جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں ارشاد ہے: اعطی کل شئ خلقه ثم هدی یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کر کے ایک وجود بخشا پھر اس کو اسکے متعلقہ کام کی ہدایت کردی اسی ہدایت عامہ کا اثر ہے کہ آسمان و زمین ستارے اور سیارات پہاڑ اور دریا سب کے سب جس خدمت پر اول خلقت سے مامور کر دیئے گئے اس خدمت کو ٹھیک اسی طرح بغیر کسی کمی کوتاہی یا سستی کے بجالاتے ہیں خصوصاً انسان اور حیوانات جن کا عقل و شعور ہر وقت مشاہدہ میں آتا ہے ان میں بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر نوع ہر صنف بلکہ ہر ہر فرد کو حق تعالیٰ نے اپنی اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے اور اپنے مخالف چیزوں کو دفع کرنے کے لیے کیسے کیسے دقیق ہنر سکھائے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، انسان تو سب سے زیادہ عقل و شعور والا ہے، جنگل کے جانوروں، درندوں، پرندوں اور حشرات الارض کو دیکھو کر ہر ایک کو اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے اور رہنے بسنے اور اپنی انفرادی اور جنسی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کیسے کیسے ہنر سکھائے ہیں اور یہ سب بلا واسطہ تعلیم خالق کائنات کی طرف سے ہے، انہوں نے کسی کالج میں رہ کر یا کسی استاد سے یہ چیزیں نہیں سکھیں بلکہ یہ سب اسی ہدایت عامہ اور تلقین ربانی کے ثمرات ہیں جس کا ذکر آیت: اعطی کل شیء خلقه ثم هدی اور اس سورت کی قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿۳﴾ میں فرمایا ہے۔

انسان کو سائنسی تعلیم بھی درحقیقت عطائے ربانی ہے:

انسان جس کو حق تعالیٰ نے عقل و شعور سب سے زیادہ مکمل عطا فرمایا اور اس کو مخدوم کائنات بنایا ہے تمام زمین اور پہاڑ اور دریا اور ان میں پیدا ہونے والی اشیاء انسان کی خدمت اور اسکے نفع کے لیے پیدا ہوئی ہیں مگر ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور مختلف قسم کے منافع حاصل کرنا اور مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز پیدا کر لینا یہ بڑے علم و ہنر کو چاہتا ہے قدرت نے انسان کے اندر فطری طور پر یہ عقل و فہم رکھا ہے کہ پہاڑوں کو کھود کر دریاؤں میں غوطہ لگا کر سیکڑوں معدنی اور دریائی چیزیں حاصل کر لیتا ہے اور پھر لکڑی، لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ کو باہم جوڑ کر ان سے نئی نئی چیزیں اپنی ضروریات کی بنالیتا ہے اور یہ علم و ہنر فلاسفہ کی تحقیقات اور کالجوں کی تعلیمات پر موقوف نہیں، ابتدائے دنیا سے ان پڑھ جاہل یہ سب کام کرتے آئے ہیں، اور یہی فطری سائنس ہے جو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً بخشی ہے آگے فنی اور علمی تحقیقات کے ذریعہ اس میں ترقی کرنے کی استعداد بھی اسی قدرت ربانی کا عطیہ ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ سائنس کسی چیز کو پیدا نہیں کرتی بلکہ قدرت کی پیدا کردہ اشیاء کا استعمال سکھاتی ہے اور اس استعمال کا ادنی درجہ تو حق تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً سکھا دیا ہے، آگے اس میں فنی تحقیقات اور ترقی کا بڑا وسیع میدان رکھا ہے اور انسان کی

فطرت میں اسکے سمجھنے کی استعداد وصلاحیت رکھی ہے جس کے مظاہر اس سائنسی دور میں روز نئے نئے سامنے آ رہے ہیں اور معلوم نہیں آگے اس سے بھی زیادہ کیا کیا سامنے آئے گا غور کرو تو یہ سب ایک لفظ قرآن ھدیٰ کی شرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان سب کاموں کا راستہ دکھایا اور اس میں ان کے پورا کر لینے کی استعداد عطا فرمائی مگر افسوس ہے کہ سائنس میں ترقی کرنے والے اس حقیقت سے زیادہ ناآشنا بلکہ اندھے ہوتے جا رہے ہیں۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝

الا ماشاء اللہ، سابقہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت وحکمت کے چند مظاہر بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اکے فریضہ پیغمبری کی طرف چند ہدایات دی ہیں اور ہدایات سے پہلے آپ کے کام کو آسان کر دینے کی خوشخبری سنائی ہے وہ یہ کہ ابتداء میں جب آپ پر قرآن نازل ہوتا اور جبرئیل امین کوئی آیت قرآن سناتے تو آپ کو یہ فکر ہوتی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ الفاظ آیت ذہن سے نکل جائیں اسلئے جبرئیل امین کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ بھی الفاظ قرآن پڑھتے جاتے تھے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ کام یعنی قرآن کا یاد کرا دینا اپنے ذمہ لے لیا اور آپ کو بے فکر کر دیا کہ جبرئیل امین کے چلے جانے کے بعد آیات قرآن کا آپ سے صحیح صحیح پڑھوا دینا پھر ان کو یاد میں محفوظ کرا دینا ہماری ذمہ داری ہے آپ فکر نہ کریں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فلا تنسی الا ماشاء اللہ یعنی آپ قرآن کی کوئی چیز بھولیں گے نہیں بجز اسکے کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت ومصلحت کی بنا پر آپ کے ذہن سے بھلا دینا اور محو کر دینا چاہیں، مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بعض آیات قرآن کو منسوخ فرماتے ہیں اس کا ایک طریقہ تو معروف ہے کہ صاف حکم پہلے حکم کیخلاف آ گیا، اور ایک صورت منسوخ کرنے کی یہ بھی ہے کہ اس آیت ہی کو رسول اللہ ﷺ اور سب مسلمانوں کے ذہنوں سے محو اور فراموش کر دیا جائے جیسا کہ نسخ آیات قرآنی کے بیان میں فرمایا: ماننسخ من اٰیۃ اوننسھا یعنی ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا آپ کے ذہن سے بھلا دیتے ہیں الخ اور بعض حضرات نے الا ماشاء اللہ کے استثناء کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصلحت اور حکمت کی بناء پر عارضی طور پر کوئی آیت آپ کے ذہن سے بھلا دیں پھر یاد آ جائے جیسا کہ بعض روایات حدیث میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے کوئی سورت سلاوت فرمائی جس میں ایک آیت پڑھنے سے رہ گئی، حضرت ابی بن کعب جو کاتب وحی تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ آیت منسوخ ہوگئی مگر جب آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ منسوخ نہیں مجھ سے سہواً ترک ہوگئی (قرطبی) تو حاصل اس استثناء کا یہ ہوگا کہ وقتی اور عارضی طور پر کسی آیت کا بھول جانا اور پھر بدستور یاد آ جانا اس وعدے کے منافی نہیں، واللہ اعلم

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝

لفظی ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ہم آپکو طریقہ یسریٰ کے لیے آسان کر دینگے، طریقہ یسریٰ سے مراد شریعت اسلام ہے بظاہر مقتضائے مقام یہ تھا کہ یہ فرمایا جاتا کہ ہم اس طریقہ اور شریعت کو آپ کے لیے آسان کر دینگے مگر قرآن کریم نے اس کو چھوڑ کر یہ فرمایا کہ ہم آپ کو اس طریقہ کے لیے آسان کر دینگے۔ حکمت اسی میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو طبعی اور مادی طور پر ایسا بنا دینگے کہ شریعت آپ کی طبیعت بن جائے اور آپ شریعت کے سانچہ میں ڈھل جائیں۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝

یعنی اللہ نے جب آپ پر ایسے انعام فرمائے، آپ دوسروں کو فیض پہنچایئے اور اپنے کمال سے دوسروں کی تکمیل کیجئے

(تنبیہ) ان نفعت الذکری کی شرط اس لیے لگائی کہ تذکیر و وعظ اس وقت لازم ہے جب مخاطب کی طرف سے اس کا قبول کرنا مظنون ہو۔ اور منصب آنحضرت ﷺ کا، وعظ و تذکیر ہر شخص کے لیے نہیں۔ ہاں تبلیغ و انذار (یعنی حکم الٰہی کا پہنچانا اور اللہ کے عذاب سے ڈرانا) تاکہ بندوں پر حجت قائم ہو اور عذر جہل و نادانی کا نہ رہے، اتنا باعتبار ہر شخص کے ضرور ہے۔ اس کو عرف میں تذکیر و وعظ نہیں کہتے۔ شاید اسی لیے بعض مفسرین نے زیادہ واضح الفاظ میں آیت کے معنی یوں کئے ہیں کہ بار بار نصیحت کر (اگر ایک بار کی نصیحت نے نفع نہ کیا ہو) اور ہوسکتا ہے کہ ان نفعت الذکریٰ کی شرط محض تذکیر کی تاکید کے لیے ہو یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع دے تو تجھ کو تذکیر کرنا چاہیے اور یقینی بات ہے کہ تذکیر عالم میں کسی نہ کسی کو ضرور نفع دے گی گو ہر کسی کو نہ دے۔ کما قال تعالیٰ: وَّذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (الذاریات:۵۵) پس ایک امر کا ایسی چیز پر معلق کرنا جس کا وقوع ضروری ہے اس امر کی تاکید کا موجب ہوا۔

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ۞

زکوۃ کہتے ہیں کہ وہ باقی مال کو انسان کے لیے پاک کر دیتی ہے یہاں لفظ تزکی کا مفہوم عام ہے جس میں ایمانی اور اخلاقی تزکیہ و طہارت بھی داخل ہے اور مال کی زکوۃ دینا بھی ہے۔ وذکر اسم ربه فصلی، یعنی اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کی نماز فرض و نفل شامل ہے، بعض مفسرین نے جو خاص نماز عید سے اس کی تفسیر کی ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۞ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ عام لوگوں میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمت و راحت تو نقد و حاضر ہے اور آخرت کی نعمت و راحت نظروں سے غائب اور ادھار ہے۔ حقیقت سے ناآشنا لوگوں نے حاضر کو غائب پر اور نقد کو ادھار پر ترجیح دے دی جو ان کے لیے دائمی خسارہ کا سبب بنی، اسی خسارے سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ آخرت کی نعمتوں، راحتوں کو ایسا واضح کر دیا کہ گویا وہ حاضر موجود ہیں اور یہ بتلا دیا کہ جس چیز کو تم نقد سمجھ کر اختیار کرتے ہو یہ متاع کا سد و ناقص اور بہت جلد فنا ہوجانیوالا ہے عقلمند کا کام نہیں کہ ایسی چیز پر اپنا دل ڈالے اور اس کے لیے اپنی توانائی صرف کرے اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے آگے ارشاد فرمایا والاخرة خیر و ابقی، دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کو تنبیہ ہے کہ ذرا عقل سے کام لو، کس چیز کو اختیار کر رہے اور کس کو چھوڑ رہے ہو دنیا جس پر تم فریفتہ ہو اول تو اس کی بڑی سے بڑی راحت و لذت بھی رنج و غم اور کلفت و مشقت کی آمیزش سے خالی نہیں دوسرے اس کا کوئی قرار و ثبات نہیں، آج کا بادشاہ کل کا فقیر، آج کا جوان شہ زور کل کا ضعیف و عاجز ہونا رات دن دیکھتے ہو۔ بخلاف آخرت کے کہ وہ ان دونوں عیبوں سے پاک ہے اس کی ہر نعمت و راحت خیر ہی خیر ہے اور دنیا کی نعمت و راحت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ابقی ہے یعنی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ انسان ذرا غور کرے کہ اگر اس کو کہا جائے کہ تمہارے سامنے دو مکان ہیں، ایک عالیشان محل اور بنگلہ تمام ساز و سامان سے آراستہ ہے اور دوسرا ایک معمولی کچا مکان ہے اور یہ سامان بھی اس میں نہیں تمہیں ہم اختیار دیتے ہیں کہ یا تو یہ بنگلہ لے لو مگر صرف مہینہ دو مہینہ کیلئے اسکے بعد اسے خالی کرنا ہوگا، یا یہ کچا مکان لیلو جو تمہاری دائمی ملکیت ہوگی تو عقلمند انسان ان دونوں میں کس کو ترجیح دے گا، اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ آخرت

کی نعمتیں اگر بالفرض ناقص اور دنیا سے کم درجہ کی بھی ہوتیں مگر انکے دائمی ہونے کی وجہ سے وہی قابل ترجیح تھیں اور جبکہ وہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں کے مقابلے میں خیر اور افضل اور اعلیٰ بھی ہیں اور دائمی بھی تو کوئی احمق بدنصیب ہی انکو چھوڑ کر دنیا کی نعمت کو ترجیح دے سکتا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى ﴿۱۹﴾

یعنی اس سورت کے سب مضامین یا آخری مضمون یعنی آخرت کا بہ نسبت دنیا کے خیر اور بقی ہونا پچھلے صحیفوں میں بھی موجود تھا جسکا بیان آگے یہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں یہ مضمون تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات سے پہلے کچھ صحیفے بھی دیئے گئے تھے وہ مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ صحف موسیٰ سے تورات ہی مراد ہو۔

صحف ابراہیمی کے مضامین:

آجری نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے کیسے اور کیا تھے آپ نے فرمایا کہ ان صحیفوں میں امثال عبرت کا بیان تھا، ان میں سے ایک مثال میں ظالم بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگوں پر مسلط ہو جانے والے مغرور مبتلی میں نے تجھے حکومت اس لیے نہیں دی تھی کہ تو دنیا کا مال پر مال جمع کرتا چلا جائے بلکہ میں نے تو تجھے اقتدار اس لیے سونپا تھا کہ تو مظلوم کی بددعا مجھ تک نہ پہنچنے دے کیونکہ میرا قانون یہ ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر کی زبان سے نکلی ہو۔

اور ایک مثال میں عام لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ عقلمند آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنے اوقات کے تین حصے کرے ایک حصہ اپنے رب کی عبادت اور اس سے مناجات کا ہو، دوسرا حصہ اپنے اعمال کا محاسبہ کا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت وصنعت میں غور وفکر کا، تیسرا حصہ اپنی ضروریات معاش حاصل کرنے اور طبعی ضرورتیں پورا کرنے کا۔

اور فرمایا کہ عقلمند آدمی پر لازم ہے کہ اپنے زمانے کے حالات سے واقف رہے اور اپنے مقصود کام میں لگا رہے اپنی زبان کی حفاظت کرے، اور جو شخص اپنے کلام کو اپنا عمل سمجھ لیگا اس کا کلام بہت کم صرف ضروری کاموں میں رہ جائیگا۔

صحف موسیٰ علیہ السلام کے مضامین:

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا کہ صحف موسیٰ علیہ السلام میں کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ان میں سب عبرتیں ہی عبرتیں تھیں جن میں سے چند کلمات یہ ہیں:۔

مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو مرنے کا یقین ہو پھر وہ کیسے خوش رہتا ہے، اور مجھے تعجب ہے، اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہو وہ کیسے عاجز ودرماندہ اور غمگین ہو اور مجھے تعجب ہے، اس شخص پر جو دنیا اور اسکے انقلابات اور لوگوں کے عروج ونزول کو دیکھتا ہے وہ کیسے دنیا پر مطمئن ہو بیٹھتا ہے، اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو آخرت کے حساب پر یقین ہو وہ کیسے عمل کو چھوڑ بیٹھتا ہے، حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ میں پھر یہ سوال کیا کہ کیا ان صحیفوں میں سے کوئی چیز آپ کے پاس آنیوالی وحی میں بھی ہے آپ نے فرمایا اے ابوذر یہ آیتیں پڑھو: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ آخر سورۃ اعلیٰ تک۔ (قرطبی)

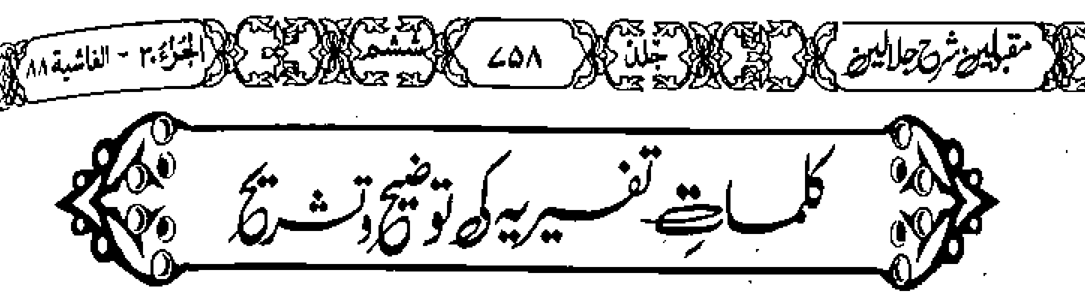
سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

هَلْ قَدْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ اَلْقِيَامَةِ لِاَنَّهَا تَغْشَى الْخَلَائِقَ بِاَهْوَالِهَا وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَبَّرَ بِهَا عَنِ
الذَّوَاتِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ خَاشِعَةٌ ۝۲ ذَلِيْلَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ ذَاتُ نَصَبٍ وَتَعَبٍ بِالسَّلَاسِلِ
وَالْاَغْلَالِ تَصْلٰى بِضَمِّ التَّاءِ وَفَتْحِهَا نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ شَدِيْدَةِ الْحَرَارَةِ لَيْسَ
لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ هُوَ نَوْعٌ مِّنَ الشَّوْكِ لَا تَرْعَاهُ دَابَّةٌ لِخُبْثِهٖ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ
جُوْعٍ ۝۷ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝۸ حَسَنَةٌ لِّسَعْيِهَا فِي الدُّنْيَا بِالطَّاعَةِ رَاضِيَةٌ ۝۹ فِي الْاٰخِرَةِ لِمَارَاَتْ
ثَوَابَهٗ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۱۰ حِسًّا وَمَعْنًى لَّا تَسْمَعُ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝۱۱ اَيْ نَفْسٌ ذَاتُ لَغْوٍ اَيْ
هَذَيَانٍ مِّنَ الْكَلَامِ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝۱۲ بِالْمَاءِ بِمَعْنَى عُيُوْنٍ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝۱۳ ذَاتًا وَقَدْرًا وَ
مَحَلًّا وَّ اَكْوَابٌ اَقْدَاحٌ لَا عُرٰى لَهَا مَّوْضُوْعَةٌ ۝۱۴ عَلٰى حَافَاتِ الْعُيُوْنِ مُعَدَّةٌ لِشُرْبِهِمْ وَّ نَمَارِقُ
وَسَائِدُ مَصْفُوْفَةٌ ۝۱۵ بَعْضُهَا بِجَنْبِ بَعْضٍ يُسْتَنَدُ اِلَيْهَا وَّ زَرَابِيُّ بُسُطٌ طَنَافِسُ لَهَا خَمْلٌ مَبْثُوْثَةٌ ۝۱۶
مَبْسُوْطَةٌ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ نَظَرَ اعْتِبَارٍ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝۱۷ وَ اِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ
رُفِعَتْ ۝۱۸ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝۱۹ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝۲۰ اَيْ بُسِطَتْ فَيَسْتَدِلُّوْنَ بِهَا
عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَوَحْدَانِيَّتِهٖ وَصُدِّرَتْ بِالْاِبِلِ لِاَنَّهُمْ اَشَدُّ مُلَابَسَةً لَهَا مِنْ غَيْرِهَا وَقَوْلُهٗ سُطِحَتْ
ظَاهِرٌ فِيْ اَنَّ الْاَرْضَ سَطْحٌ وَعَلَيْهِ عُلَمَاءُ الشَّرْعِ لَا كُرَةٌ كَمَا قَالَهٗ اَهْلُ الْهَيْئَةِ وَاِنْ لَّمْ يَنْقُضْ رُكْنًا مِّنْ
اَرْكَانِ الشَّرْعِ فَذَكِّرْ هُمْ نِعَمَ اللّٰهِ وَدَلَائِلَ تَوْحِيْدِهٖ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝۲۱ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝۲۲ وَ
فِيْ قِرَاءَةٍ بِالصَّادِ بَدَلَ السِّيْنِ اَيْ بِمُسَلَّطٍ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ اِلَّا لٰكِنْ مَنْ تَوَلّٰى اَعْرَضَ عَنِ
الْاِيْمَانِ وَ كَفَرَ ۝۲۳ بِالْقُرْاٰنِ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝۲۴ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ وَالْاَصْغَرُ عَذَابُ الدُّنْيَا

بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ رُجُوْعَهُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ جَزَاءَهُمْ لَا نَتْرُكُهُ اَبَدًا

ترجمہ: آپ کو اس چھا جانے والی آفت کی خبر پہنچی ہے (مراد قیامت ہے کیونکہ وہ اپنی ہولناکیوں سے ساری جہان کو گھیر لے گی) بہت سے چہرے اس روز (دونوں جگہ چہروں سے مراد ذوات ہیں) ذلیل ہوں گے سخت مصیبت جھیلتے خستہ ہوں گے (طوق سلاسل میں مصیبت وتعب اٹھاتے ہوں گے) شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے (تصلی ضمہ تا اور فتحہ تا کے ساتھ) کھولتے ہوئے (انتہائی گرم) چشمہ کا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا۔ خاردار سوکھی گھاس (جس کو انتہائی خراب ہونیکی وجہ سے جانور بھی نہیں چھوتے) کے سوا کوئی کھانا انہیں نصیب نہ ہوگا۔ جو نہ موٹا کرے اور نہ بھوک مٹائے۔ بہت سے چہرے بارونق (کھلے ہوئے) ہوں گے (دنیا میں فرمانبرداری کی) اپنی کارگزاری پر (آخرت میں ثواب دیکھ کر) خوش ہوں گے بہشت بریں میں ہوں گے (جو حسی اور معنوی طور پر بلند ہوگی) نہیں سنیں گے (یا اور تا کے ساتھ ہے) وہاں کوئی بیہودہ بات (لغو چیز یعنی فضول گفتگو) اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (جن میں پانی رواں ہوگا۔ عین بمعنی عیون ہے) اس میں اونچی مسندیں ہوں گی (جو اپنی ذات اور مرتبہ اور محل کے لحاظ سے بلند ہوں گی) ساغر (ایسے جام جن میں ٹونٹی نہ ہو) رکھے ہوئے ہوں گے (چشموں کے کنارے کنارے پینے کیلئے مہیا) گاؤتکیوں کی قطاریں لگی ہوئی ہوں گی (گدی لگانے کے لیے برابر برابر رکھے ہوئے) اور نفیس قالین (روئیں دار ریشمی گدے) سب طرف بچھے ہوئے ہوں گے۔ تو کیا یہ لوگ (کفار مکہ بنظر عبرت) اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟ (پھیلائی گئی۔ غرض کہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت اور وحدانیت سمجھ لینی چاہیے تھی۔ پہلے اونٹ کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ وہ ان سب چیزوں سے زیادہ اس سے وابستہ رہتے ہیں۔ اور سطحت سے بظاہر زمین کا مسطح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ علماء کی رائے بھی ہے۔ بقول اہلِ ہیئت زمین کروی نہیں ہے۔ اگرچہ اس نظریہ سے بھی شرعی احکام میں کوئی فرق نہیں پڑتا) اچھا تو آپ (ان کو) نصیحت کئے جایئے (اللہ کی نعمتیں اور دلائلِ توحید ذکر کر کے) آپ تو بس ایسے ہی نصیحت کرنیوالے ہیں کچھ ان پر مسلط نہیں ہیں (ایک قراءت میں بجائے سین کے صاد کے ساتھ ہے۔ یعنی تنذیل یہ فرمان جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) ہاں (مگر) جو شخص منہ موڑے گا (ایمان سے روگردانی کرے گا) اور (قرآن سے) کفر کرے گا تو اللہ اس کو بھاری سزا دے گا (آخرت کی اور قتل وقید کی دنیاوی سزا ہلکی ہے) ان لوگوں کا آنا (مرنے کے بعد پلٹنا) ہمارے ہی پاس ہوگا۔ پھر ان کو حساب لینا ہمارا ہی کام ہے (یعنی اس کا بدلہ جس کو نظر انداز بالکل نہیں کیا جائے گا)



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله : وُجُوْهٌ: وجوہ مبتداء خاشعہ اس کی خبر ہے۔(ابو مسعود) ۲۔ وجوہ موصوف خاشعہ عاملہ اس کی صفات اور یہ مبتدا تصلی خبر ہے۔ وجوہ سے مراد ذاتیں ہیں۔ وَتَعَبٍ بِالسَّلَاسِلِ: وہ تھکنے والے کام کرنے والے ہوں گے مثلاً زنجیروں اور اطواق کا کھینچنا آگ میں داخلہ، اونچائی پر چڑھنا اور اترنا ان ٹیلوں پر جو آگ کی طرح ہوں گے۔(ابو سعود)

قوله : بِاَهْوَالِهَا: جیسے فرمایا: یوم یغشاهم العذاب۔ یعنی عذاب کا ڈھانکنا مراد ہے۔ ۲۔ آگ کا ڈھانپنا مراد ہے۔

قوله : ضَرِيْعٍ: زمخشری کہتے ہیں یہ زہریلا پودا ہے جب تر ہو تو شبرق کہلاتا ہے اور خشک ہو جائے تو ضریع ہے۔ یہ خبیث ترین کھانا ہے۔(خطیب)

قوله : حِسًّا وَمَعْنًى: حسی یہ ہے کہ وہ بلند مقام میں ہوں گے اور جنت کے درجات ہیں اور ایک دوسرے کا فاصلہ آسمان و زمین کے فاصلہ کے برابر ہے اور معنوی بلندی یہ ہے کہ وہ نہایت عظمت والا مرتبہ ہے۔(ر)

قوله : لَا تَسْمَعُ: تا کی قرأت میں فعل معروف ہے اور یا کی قرأت میں فعل مجہول ہوگا۔ تا میں بھی مجہول ہو سکتا ہے معنیٰ یہ ہے وہ چہرے لغویات نہ سنیں گے۔ یا اے مخاطب تو نہ سنے گا۔(بیضاوی)

قوله : اَیْ نَفْسٍ ذَاتَ لَغْوٍ: اس سے اشارہ کیا کہ لاغیہ یہ لا یسمع کا فاعل ہے۔(ک)

قوله : جَارِيَةٌ: یعنی سطح زمین پر چلنے والے اور کبھی نہ منقطع ہونے والے۔(خازن)

قوله : سُرُرٌ: ابن عباسؓ فرماتے تھے: وہ سونے کے تختوں پر ہوں گے جو زبرجد کے تاج والے ہوں گے ان پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ نیچے ہو جائیں گے۔ اور جب بیٹھ جائیں گے تو وہ خود اوپر اٹھ جائیں گے۔(ج)

قوله : طَنَافِسَ: یہ طنفس کی جمع ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے: کہ ڈورے والے قالین کو کہتے ہیں۔ زمخشری نے عمدہ قالین اور امام راغب نے قالین کے لیے اس کا استعمال مستعار قرار دیا۔

قوله : اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ: یہ استفہام انکاری توبیخی ہے۔ اونٹ اپنی خصوصیات میں اپنی مثال آپ ہے کسی حیوان میں اس کی تمام جمع نہیں۔ الْاِبِلِ: یہ اسم جمع ہے، لفظ میں اس کا واحد نہیں ہے۔(ص)

قوله : كَيْفَ: یہ خُلِقَتْ کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور یہ جملہ ابل سے بدل ہے۔ ینظرون فعل ابل کی طرف الی سے متعلق ہے۔ اور كَيْفَ خُلِقَتْ کی طرف بطور تعلیق متعدی ہے۔(ج)

قوله : نُصِبَتْ: یعنی پہاڑوں کو سطح زمین پر اس مضبوطی سے گاڑ دیا کہ ان میں ذرا تزلزل نہیں۔(ک)

قوله : فَيَسْتَدِلُّوْنَ: عربوں کے سامنے یہ اشیاء سفر و حضر میں سامنے تھیں تو ان کو ذکر کیا تاکہ اس سے توحید و قدرت باری تعالیٰ پر استدلال کریں۔(ص)

قوله : وَاِنْ لَمْ يَنْقُضْ: زمین کرہ ہو یا سطح اس سے کسی شرعی اصول میں فرق نہیں پڑتا۔(ج)

قوله: اِلَّا: اس کو لٰکن کے معنی میں لے کر اشارہ کیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ ۲۔ متصل بنانے میں بھی حرج نہیں۔ پھر معنی یہ ہوگا۔ ان کو نصیحت کرو سوائے اس شخص کے جس کے ایمان کی امید نہ ہو۔ (ک)

۱۔ قیامت کا نام غاشیہ ہے اس لیے کہ یہ اپنے احوال سے سب کو ڈھانپ لے گی۔

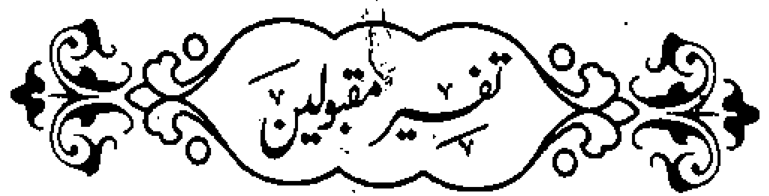
۲۔ اسلامی تعلیمات کے خلاف کیے جانے والے تمام اعمال خسارے کا باعث بنیں گے۔ اس لیے کہ ان کی بنیاد سچے ایمان پر نہ تھی۔

۳۔ لغو کلام کل نفس بشری کے لیے نقصان کا باعث بنے گا۔

۴۔ اہل سعادت کی دو صفات یہاں ذکر فرمائیں: ۱۔ چہروں پر نعمتوں کی تروتازگی۔ ۲۔ عمل کے بدلے پر رضامندی۔

۵۔ ہر عاقل کا مطلوب بارگاہ الٰہی میں پہنچنا ہونا چاہیے۔ حساب یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے تھوڑا لے یا زیادہ خواہ اس لیے ہو کہ اس نے وعدہ کر رکھا ہے یا اس لیے کہ مظلوم کو اس کا حق دیا جائے تا کہ ظلم سے رضامندی کے مشابہ نہ بنے اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔ (ر۔ک)

۶۔ مقام ثواب کی صفات سبعہ: ۱۔ بلند باغات۔ ۲۔ کلام لغو مفقود۔ ۳۔ بلند تخت۔ ۴۔ مشروبات کے جاری چشمے۔ ۵۔ کوزے، صراحیاں۔ ۶۔ تکیے۔ ۷۔ مخملی قالین۔



(ربط) دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کو مضمون بھی دو اہم بنیادی موضوعات پر مشتمل ہے، قیامت اور بعث بعد الموت کے احوال اور اس کی شدت و پریشانیاں اور یہ کہ کافر اور نافرمان انسان کو روز قیامت کیسی مصیبتوں اور شدتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے بالمقابل اہل ایمان کا اعزاز و اکرام اور ان پر فائز ہونے والی نعمتوں کی کوئی حد و انتہا نہ ہوگی۔

دوسرا موضوع اس سورت کا حق تعالیٰ شانہ کی وحدانیت اور اس کے دلائل و شواہد کا بیان و تحقیق ہے سورت کے اخیر میں انسان کے اعمال اور محاسبہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے یہ یاد دلایا گیا کہ بہر کیف ہر انسان کو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا ہے جہاں اس کے اعمال کا اس کو پورا بدلہ ملے گا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿۱﴾

غاشیہ قیامت کا نام ہے اس لیے کہ وہ سب پر آئیگی سب کو گھیرے ہوئے ہوگی اور ہر ایک کو ڈھانپ لے گی ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کی قرآن پڑھنے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو کر سننے لگے اس نے یہی آیت ھل اتک پڑھی یعنی کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی قیامت کی بات پہنچی ہے؟ تو آپ نے جواباً فرمایا: نعم قد جآءنی یعنی ہاں میرے پاس پہنچ چکی ہے اس دن بہت سے لوگ ذلیل چہروں والے ہوں گے پستی ان پر برس رہی ہوں گی ان کے اعمال غارت ہو گئے ہوں گے انہوں نے تو بڑے بڑے اعمال کیے تھے سخت تکلیفیں اٹھائی تھیں وہ آج بھڑکتی ہوئی

آگ میں داخل ہوگئے ایک مرتبہ حضرت عمر ایک خانقاہ کے پاس سے گزرے وہاں کے راہب کو آواز دی وہ حاضر ہوا آپ اسے دیکھ کر رو دئے لوگوں نے پوچھا حضرت کیا بات ہے؟ تو فرمایا اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آ گئی کہ عبادت اور ریاضت کرتے ہیں لیکن آخر جہنم میں جائیں گے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد نصرانی ہیں عکرمہ اور سدی فرماتے ہیں کہ دنیا میں گناہوں کے کام کرتے رہے اور آخرت میں عذاب کی اور مار کی تکلیفیں برداشت کریں گے یہ سخت بھڑکنے والی جلتی تپتی آگ میں جائیں گے جہاں سوائے ضریع کے اور کچھ کھانے کو نہ ملے گا جو آگ کا درخت ہے یا جہنم کا پتھر ہے یہ تھوہر کی بیل ہے اس میں زہریلے کانٹے دار پھل لگتے ہیں یہ بدترین کھانا ہے اور نہایت ہی برا نہ بدن بڑھائے نہ بھوک مٹائے یعنی نہ نفع پہنچے نہ نقصان دور ہو۔

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ

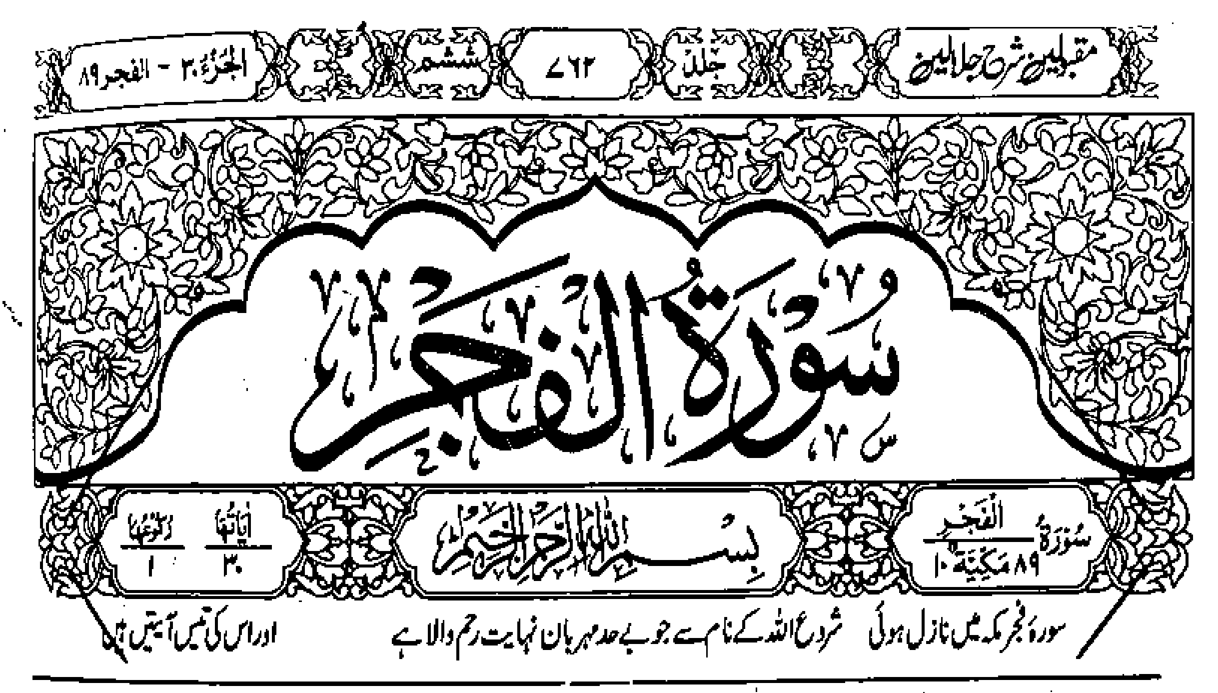
اوپر چونکہ بدکاروں کا بیان اور ان کے عذابوں کا ذکر ہوا تھا تو یہاں نیک کاروں اور ان کے ثوابوں کا بیان ہو رہا ہے، چنانچہ فرمایا کہ اس دن بہت سے چہرے ایسے بھی ہوں گے جن پر خوشی اور آسودگی کے آثار ظاہر ہوں گے یہ اپنے اعمال سے خوش ہوں گے، جنتوں کے بلند بالا خانوں میں ہوں گے جس میں کوئی لغویات کان میں نہ پڑے گی۔ جیسے فرمایا: لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا (مریم: ۶۲) اس میں سوائے سلامتی اور سلام کے کوئی بری بات نہ سنیں گے اور فرمایا: لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا تَاۡثِيۡمًا 25 ۙ اِلَّا قِيۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (الواقعہ: ۲۵) نہ اس میں فضول گوئی سنیں گے نہ بری باتیں سوائے سلام ہی سلام کے اور کچھ نہ ہوگا اس میں بہتی ہوئی نہریں ہوں گی یہاں نکرہ اثبات کے سیاق میں ہے ایک ہی نہر مراد نہیں بلکہ جنس نہر مراد ہے یعنی نہریں بہتی ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت کی نہریں مشک کے پہاڑوں اور مشک کے ٹیلوں سے نکلتی ہیں ان میں اونچے اونچے بلند و بالا تخت ہیں جن پر بہترین فرش ہیں اور ان کے پاس حوریں بیٹھی ہوئی ہیں گو یہ تخت بہت اونچے اور ضخامت والے ہیں لیکن جب یہ اللہ کے دوست ان پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ جھک جائیں گے، شراب کے بھرپور جام ادھر ادھر قرینے سے چنے ہوئے ہیں جو چاہے جس قسم کا چاہے جس مقدار میں چاہے لے لے اور پی لے، اور تکیے ایک قطار میں لگے ہوئے اور ادھر ادھر بہترین بستر اور فرش باقاعدہ بچھے ہوئے ہیں ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کوئی ہے جو تہہ چڑھائے جنت کی تیاری کرے اس جنت کی جس کی لمبائی چوڑائی بے حساب ہے رب کعبہ کی قسم وہ ایک چمکتا ہوا نور ہے وہ ایک لہلہاتا ہوا سبزہ ہے وہ بلند و بالا محلات ہیں وہ بہتی ہوئی نہریں ہیں وہ بکثرت ریشمی حلے ہیں وہ پکے پکائے تیار عمدہ پھل ہیں وہ ہمیشگی والی جگہ ہے دو سراسر میوہ جات سبزہ راحت اور نعمت ہے وہ تر و تازہ بلند و بالا جگہ ہے سب لوگ بول اٹھے کہ ہم سب اس کے خواہش مند ہیں اور اس کے لیے تیاری کریں گے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ کہو صحابہ کرام نے انشاء اللہ تعالیٰ کہا۔

اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ ۟

قیامت کے احوال اور اس میں مومن و کافر کی جزاء و سزا کا بیان فرمانے کے بعد ان جاہل معاندین کی ہدایت کی طرف توجہ فرمائی جو اپنی بے وقوفی سے قیامت کا انکار اس بناء پر کرتے ہیں کہ انہیں مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا

بہت بعید بلکہ محال نظر آتا ہے ان کی ہدایت کے لیے حق جل شانہ نے اپنی قدرت کی چند نشانیوں میں غور کرنے کا ان آیتوں میں ارشاد فرمایا ہے اور اللہ کی قدرت کی نشانیاں تو آسمان وزمین میں بے شمار ہیں، یہاں ان میں سے ایسی چار چیزوں کا ذکر فرمایا جو عرب کے بادیہ نشین لوگوں کے مناسب حال ہیں کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر بڑے بڑے سفر طے کرتے ہیں اس وقت ان کے سب سے زیادہ قریب اونٹ ہوتا ہے اوپر آسمان اور نیچے زمین اور دائیں بائیں اور آگے پیچھے پہاڑوں کا سلسلہ ہوتا ہے انہیں چاروں چیزوں میں ان کو غور کرنے کا حکم دیا گیا کہ دوسری آیات قدرت کو بھی چھوڑ دو انہیں چار چیزوں میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی ہر چیز پر قدرت کاملہ کا مشاہدہ ہو جائے گا۔

اور جانوروں میں اونٹ کی کچھ ایسی خصوصیات بھی ہیں جو خاص طور سے غور کرنے والے کے لیے حق تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا آئینہ بن سکتی ہیں۔ اول تو عرب میں سب سے زیادہ بڑا جانور اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے اونٹ ہی ہے، ہاتھی وہاں ہوتا نہیں دوسرے حق تعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کو ایسا بنا دیا ہے کہ عرب کے بدو اور غریب مفلس آدمی بھی اس اتنے بڑے جانور کے پالنے رکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہ کریں کیونکہ اس کو چھوڑ دیجئے تو یہ اپنا پیٹ خود بھر لیگا اونچے درختوں کے پتے توڑنے کی زحمت بھی آپ کو نہیں کرنا پڑتی یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارہ کر لیتا ہے۔ ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی سی اس کی خوراک نہیں جو بڑی گراں پڑتی ہے۔ عرب کے جنگلوں میں پانی ایک بہت ہی کمیاب چیز ہے ہر جگہ ہر وقت نہیں ملتا۔ قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزروڈ ٹنکی ایسی لگا دی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اس ٹنکی میں محفوظ کر لیتا ہے اور تدریجی رفتار سے وہ اس کی پانی کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔ اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لیے سیڑھی لگانا پڑتی مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہہ میں تقسیم کر دیا یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے بنا دیئے کہ وہ طے کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اس پر چڑھنا اور اترنا آسان ہو جاتا ہے۔ محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھا لیتا ہے۔ عرب کے میدانوں میں دن کا سفر دھوپ کی وجہ سے سخت مشکل ہے قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنا دیا ہے۔ مسکین طبع ایسا ہے کہ ایک لڑکی بچی اس کی مہار پکڑ کر جہاں چاہے لیجائے اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں جو انسان کو حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت بالغہ کا سبق دیتی ہیں۔ آخر سورت میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمایا کہ آپ کو ہم نے اس پر مسلط نہیں کیا کہ سب کو مومن ہی بنا دیں لست علیہم بمصیطر بلکہ آپ کا کام تبلیغ کرنے اور نصیحت کرنے کا ہے وہ کر کے آپ بے فکر ہو جائیں، ان کا حساب کتاب اور جزا و سزا سب ہمارا کام ہے۔



سورۃ الفجر

سورۃ الفجر ٨٩ مکیۃ ١٠ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — آیاتھا ٣٠ — رکوعھا ١

سورۂ فجر مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی تیس آیتیں ہیں

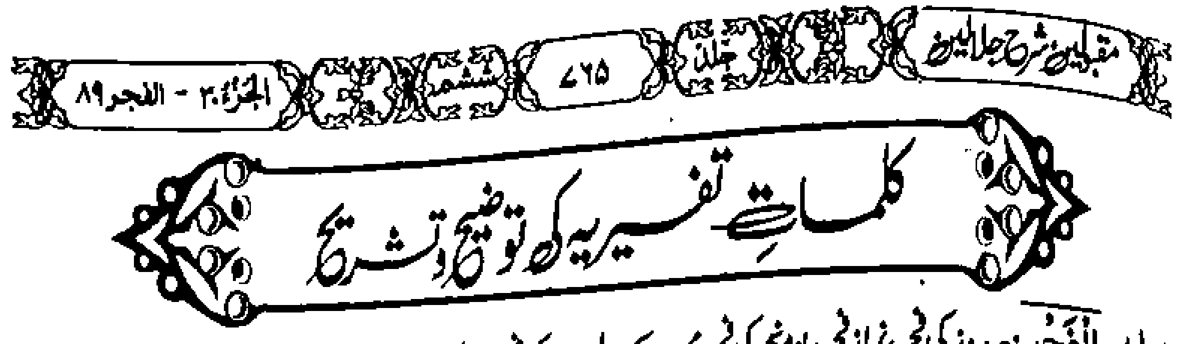
وَالْفَجْرِ ﴿١﴾ اَیْ فَجْرِ کُلِّ یَوْمٍ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ﴿٢﴾ اَیْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّةِ وَّالشَّفْعِ الزَّوْجِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾ بِفَتْحِ الْوَاوِ وَکَسْرِهَا لُغَتَانِ الْفَرْدِ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ ﴿٤﴾ اَیْ مُقْبِلًا وَمُدْبِرًا هَلْ فِیْ ذٰلِكَ الْقَسَمِ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ﴿٥﴾ عَقْلٍ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ اَیْ لَتُعَذَّبُنَّ یَا كُفَّارَ مَكَّةَ اَلَمْ تَرَ ای تَعْلَمْ یَا مُحَمَّدُ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ اِرَمَ هِیَ عَادُ الْاُوْلٰی فَاِرَمُ عَطْفُ بَیَانٍ اَوْ بَدَلٌ وَمُنِعَ الصَّرْفُ لِلْعَلَمِیَّةِ وَالتَّانِیْثِ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ اَیِ الطُّوْلِ كَانَ طُوْلُ الطَّوِیْلِ مِنْهُمْ اَرْبَعَ مِائَةِ ذِرَاعٍ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ﴿٨﴾ فِیْ بَطْشِهِمْ وَقُوَّتِهِمْ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا قَطَعُوا الصَّخْرَ جَمْعُ صَخْرَةٍ وَاتَّخَذُوْهَا بُیُوْتًا بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَادِی الْقُرٰی وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ﴿١٠﴾ كَانَ یَتِدُ اَرْبَعَةَ اَوْتَادٍ یَشُدُّ اِلَیْهَا یَدَیْ وَرِجْلَیْ مَنْ یُعَذِّبُهُ الَّذِیْنَ طَغَوْا تَجَبَّرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ الْقَتْلَ وَغَیْرَهُ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ نَوْعَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾ یَرْصُدُ اَعْمَالَ الْعِبَادِ فَلَا یَفُوْتُهُ مِنْهَا شَیْءٌ لِیُجَازِیَهُمْ عَلَیْهَا فَاَمَّا الْاِنْسَانُ الْكَافِرُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ اِخْتَبَرَهُ رَبُّهُ فَاَكْرَمَهُ بِالْمَالِ وَغَیْرِهِ وَنَعَّمَهُ فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ ضَیَّقَ عَلَیْهِ رِزْقَهُ فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا رَدْعٌ اَیْ لَیْسَ الْاِكْرَامُ بِالْغِنٰی وَالْاِهَانَةُ بِالْفَقْرِ وَاِنَّمَا هُمَا بِالطَّاعَةِ وَالْمَعْصِیَةِ وَكُفَّارُ مَكَّةَ لَا یَنْتَبِهُوْنَ لِذٰلِكَ بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ ﴿١٧﴾ لَا یُحْسِنُوْنَ اِلَیْهِ مَعَ غِنَاهُمْ اَوْ لَا یُعْطُوْنَهُ حَقَّهُ مِنَ الْمِیْرَاثِ وَلَا تَحٰضُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَلَا غَیْرَهُمْ عَلٰی عَلٰی طَعَامِ اِطْعَامِ الْمِسْكِیْنِ ﴿١٨﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ الْمِیْرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾

اَیْ شَدِیْدًا اللَّمِّھِمْ نَصِیْبَ النِّسَاءِ وَالصِّبْیَانِ مِنَ الْمِیْرَاثِ مَعَ نَصِیْبِھِمْ مِنْہُ اَوْ مَعَ مَالِھِمْ وَ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ
حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ اَیْ کَثِیْرًا فَلَا یُنْفِقُوْنَہٗ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِالْفَوْقَانِیَّۃِ فِی الْاَفْعَالِ الْاَرْبَعَۃِ کَلَّآ رَدْعٌ لَّھُمْ عَنْ ذٰلِکَ
اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّا ﴿٢١﴾ زُلْزِلَتْ حَتّٰی یَنْھَدِمَ کُلُّ بِنَاءٍ عَلَیْھَا وَیَنْعَدِمُ وَّ جَآءَ رَبُّکَ اَیْ اَمْرُہٗ وَ
الْمَلَکُ اَیِ الْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ حَالٌ اَیْ مُصْطَفِّیْنَ اَوْ ذَوِیْ صُفُوْفٍ کَثِیْرَۃٍ وَ جِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ
بِجَھَنَّمَ تُقَادُ بِسَبْعِیْنَ اَلْفِ زِمَامٍ کُلُّ زِمَامٍ بِاَیْدِیْ سَبْعِیْنَ اَلْفِ مَلَکٍ لَھَا زَفِیْرٌ وَّتَغَیُّظٌ یَوْمَئِذٍ بَدَلٌ
مِنْ اِذَا وَجَوَابُھَا یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ اَیِ الْکَافِرُ مَا فَرَّطَ فِیْہِ وَ اَنّٰی لَہُ الذِّکْرٰی ﴿٢٣﴾ اِسْتِفْھَامٌ بِمَعْنَی النَّفْیِ
اَیْ لَا یَنْفَعُہٗ تَذَکُّرُہٗ ذٰلِکَ یَقُوْلُ مَعَ تَذَکُّرِہٖ یٰلَیْتَنِیْ لِلتَّنْبِیْہِ قَدَّمْتُ الْخَیْرَ وَالْاِیْمَانَ لِحَیَاتِیْ ﴿٢٤﴾
الطَّیِّبَۃِ فِی الْاٰخِرَۃِ اَوْ وَقْتَ حَیَاتِیْ فِی الدُّنْیَا فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ بِکَسْرِ الذَّالِ عَذَابَہٗٓ اَیِ اللّٰہِ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾
اَیْ لَا یَکِلُہٗ اِلٰی غَیْرِہٖ وَّ کَذَا لَا یُوْثِقُ بِکَسْرِ الثَّاءِ وَثَاقَہٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِفَتْحِ الذَّالِ وَالثَّاءِ فَضَمِیْرُ
عَذَابَہٗ وَوَثَاقَہٗ لِلْکَافِرِ وَالْمَعْنٰی لَا یُعَذَّبُ اَحَدٌ مِّثْلَ تَعْذِیْبِہٖ وَلَا یُوْثَقُ مِثْلَ اِیْثَاقِہٖ یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ
الْمُطْمَئِنَّۃُ ﴿٢٧﴾ الْاٰمِنَۃُ وَھِیَ الْمُؤْمِنَۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ یُقَالُ لَھَا ذٰلِکَ عِنْدَ الْمَوْتِ اَیْ اِرْجِعِیْ اِلٰی اَمْرِہٖ
وَاِرَادَتِہٖ رَاضِیَۃً بِالثَّوَابِ مَّرْضِیَّۃً ﴿٢٨﴾ عِنْدَ اللّٰہِ بِعَمَلِکِ اَیْ جَامِعَۃً بَیْنَ الْوَصْفَیْنِ وَھُمَا حَالَانِ وَیُقَالُ
لَھَا فِی الْقِیَامَۃِ فَادْخُلِیْ فِیْ جُمْلَۃِ عِبٰدِیْ ﴿٢٩﴾ الصَّالِحِیْنَ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿٣٠﴾ مَعَھُمْ

ع ۱۴

ترجمہ: قسم ہے (ہر روز) فجر کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں کی اور جفت (جوڑ) اور طاق (وتر واو کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں لغت ہیں بے جوڑ عدد کو کہتے ہیں) اور رات کی جب وہ رخصت ہو رہی ہو (یعنی آ جا رہی ہو) کیا اس (قسم) میں کسی صاحب عقل کیلئے کافی قسم ہے (حجر بمعنی عقل جواب قسم محذوف ہے یعنی اے مکہ کے کافرو! تمہیں ضرور سزا دی جائے گی) آپ نے (اے محمد) دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے عاد ارم کے ساتھ کیا برتاؤ کیا (ارم سے مراد عاد اولیٰ ہے۔ اس لیے یہ اس کا عطف بیان یا بدل ہے۔ علمیت اور تانیث کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے) جو اونچے ستون جیسے قد و قامت والے تھے (عماد سے مراد لمبائی ہے۔ چنانچہ ان میں قد آور آدمی چار سو ہاتھ کا ہوتا تھا) جن کے مثل دنیا میں کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی (بلحاظ طاقت و قوت کے) اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراش دیں (کاٹ دیں) چٹانیں (صخرۃ کی جمع ہے۔ چٹانیں کاٹ کر گھر بنائے) وادی (قریٰ) میں اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (جو سزا دینے کے وقت ہاتھ پاؤں باندھ کر چومیخا کیا کرتا تھا) یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سرکشی (بربادی) مچا رکھی تھی ملکوں میں اور بہت فساد (قتل و غارت) برپا کر رکھا تھا۔ آخر کار آپ کے رب نے

ان پر عذاب کا کوڑا برسادیا (ایک خاص قسم کے عذاب میں مبتلا کردیا) یقیناً آپ کا رب گھات لگائے ہے) بندوں کے اعمال کی دیکھ بھال رکھتا ہے۔ کسی عمل سے نظر چوکتی نہیں۔ لہٰذا وہ ان اعمال کا بدلہ بھی ضرورت دے گا) مگر انسان (کافر) کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش (امتحان) میں ڈالتا ہے اور اسے (مال وغیرہ سے) عزت اور نعمت دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنادیا۔ اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کی روزی اس پر تنگ (کم) کردیتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کردیا۔ ہرگز ایسا نہیں (یہ ڈانٹ ہے یعنی کسی کو مالدار کردینا اکرام اور فقیر کردینا اہانت نہیں ہے بلکہ اکرام واہانت تو فرمانبرداری اور نافرمانی کی وجہ سے ہوگی۔ البتہ کفار مکہ اس نکتہ سے بے خبر ہیں) بلکہ یہ لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے (مالدار ہونے کے باوجود اس پر احسان نہیں کرتے یا اس کا حق میراث نہیں دیتے) اور مسکین کو کھانا کھلانے پر اکساتے نہیں (نہ خود کو اور نہ دوسروں کو) اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو (اپنے حصہ میں سب عورتوں اور بچوں کے حقوق سمیٹ کر مار لیتے ہیں، یا مالدار ہوتے ہوئے انتہائی لالچی ہو) اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہیں (اس میں سے خرچ کرنے کا نام ہی نہیں لیتے ایک قراءت میں چاروں افعال تا کے ساتھ ہیں) ہرگز ایسا نہیں (ان کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) جب زمین پے بہ پے کوٹ کوٹ کر ریگزار بنادی جائے گی (زلزلے آئیں گے جن سے ساری عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جائیں گی) اور آپ کا رب (اس کا حکم) جلوہ فرما ہوگا۔ اس حال میں کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے (یہ حال ہے یعنی صفت بستہ ہو کر یا لائن لگا کر) اور دوزخ اس روز سامنے لائی جائے گی (ستر ہزار لگاموں میں کھینچ کر، اس طرح کہ ہر لگام ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں تھمی ہوگی۔ بھکتی اور شوں شاں کرتی ہوئی) اس روز (اذا کا بدل ہے۔ اس کا جواب آگے ہے) انسان کو سمجھ آئے گی (کافر اپنی کوتاہی سمجھ لے گا) اور اس وقت سمجھنے کا کیا موقعہ، (استفہام نفی کے معنی میں ہے۔ یعنی اس روز سمجھنا مفید نہیں ہوگا) وہ کہے گا (اس سمجھنے کو یاد کرکے) اے کاش (تنبیہ کیلئے ہے) میں نے پیشگی (بھلائی اور ایمان کا) کچھ کام کیا ہوتا اپنی اس زندگی کیلئے (آخرت کی بہترین زندگی کیلئے یا دنیاوی زندگی میں رہتے ہوئے) پھر اس دن نہ تو کوئی عذاب دے سکے گا (لایعذب کسرہ ذال کے ساتھ ہے) اللہ کے عذاب جیسا عذاب (یعنی وہ اللہ کے سوا کسی کے حوالہ نہیں کیا جائے گا) اور نہ کوئی باندھے گا (وثاقہ کسرہ ثا کے ساتھ ہے) اللہ جیسا باندھنا (ایک قراءت میں فتحہ ذال، فتحہ ثا کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں عذابہ اور وثاقہ کی ضمیر کافر کی طرف راجع ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ کا سا عذاب کوئی نہیں کرسکے گا اور نہ اس کا سا باندھنا کوئی کرسکے گا) اے نفس مطمئن (مامون یعنی مومن) چل اپنے رب کی طرف (مرنے کے وقت یہ کہا جائے گا یعنی اللہ کے حکم و ارادہ کی طرف جا) اس طرح کہ تو اس سے (ثواب پر) خوش اور وہ تجھ سے خوش (تیرا عمل اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی وجہ سے۔ یعنی تجھ میں دونوں خوبیاں ہونگی یہ دونوں حال ہیں اور قیامت کے روز اس نفس مطمئن سے کہہ دیا جائے گا) پھر تو میرے (نیک) بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں (ان کے ساتھ) داخل ہوجا۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: اَلْفَجْرِ: ہر روز کی فجر، نمازِ فجر، یوم نحر کی فجر، محرم کے اول روز کی فجر۔ (ک)

قولہ: عَشْرِ ذِی الْحَجَّۃِ: ابن عباسؓ رمضان کا آخری عشرہ یا محرم کا اول عشرہ یا ذی الحجہ کا اول عشرہ (ق) رواہ احمد مرفوعا

قولہ: اَلْفَرْدِ: بعض نے کہا: شفع یوم نحر اور طاق یوم عرفہ، بعض نے کہا: اس سے مراد نماز مراد ہے جس میں بعض حصہ طاق بعض حصہ جفت ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں: تمام مخلوق جفت ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ومن کل شیء خلقنا زوجین جیسے کفر و ایمان ہدایت وضلالت، سعادت وشقاوت، رات ودن، آسمان وزمین، خشکی وسمندر، سورج وچاند، جن وانس، اور وتر ذات باری تعالیٰ ہے قل ھو اللہ احد۔ (ک)

قولہ: اِذَا یَسْرِ: رات کو چلنا اور بعض اوقات مطلق جانا مراد ہوتا ہے یہاں آنا جانا دونوں مراد ہیں۔ جیسے ملزوم کو ذکر کر کے لازم مراد لیں۔ یہ اصل یسری ہے۔ آیات کے خواتم کی حفاظت کے لیے یا گرادیا۔

قولہ: عَقْلٍ: کو عقل اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ صاحب عقل کو ناجائز اور نامناسب کاموں سے روکتی ہے۔

قولہ: بِعَادٍ: یہ نوحؑ کے بیٹے سام کے پڑپوتے عاد کی اولاد ہے، ان کے پہلوں کو عاد اولیٰ اور پچھلوں کو عاد ثانیہ اور ثمود کہتے ہیں۔ عاد خود کفر پر مرا۔ (ک)

قولہ: الطُّوْلِ: ابن عربیؒ نے کہا قد کی طوالت ۴ ذراع باطل قول ہے کیونکہ آدم کا قد ۷۰ ذراع تھا۔ قتادہؒ نے کہا: ان کے قد ۱۲ ذراع تھے۔ (قرطبی)

قولہ: مِثْلُھَا: یہ طاقت ومضبوطی اور تمدن میں مثلیت مراد ہے۔ (ص)

قولہ: بَطْشِہِمْ: کی ضمیر قبیلہ کی طرف ہے مردوں کی کثرت کے اعتبار سے ضمیر مذکر لائے۔ (ک)

قولہ: وَاتَّخَذُوْھَا: پتھروں کو کھود کر سات سو گاؤں یا شہر بنائے۔ (ج)

قولہ: نَوْعَ عَذَابٍ: سے اقسام عذاب کی طرف اشارہ کیا عاد آندھی، ثمود صیحہ اور فرعون غرق اسی طرح قوم نوحؑ کو ہلاک کیا گیا۔ (ج)

قولہ: اِنَّ رَبَّکَ: یہ ماقبل کی علت بیان کی، اس سے کفار مکہ کو خبردار کیا کہ یہ بھی اعراض پر قائم رہے تو ان کو عذاب آئے گا۔ رَبَّکَ کی ضمیر اس کی اطلاع دے رہی ہے۔ (ک)

قولہ: لَبِالْمِرْصَادِ: وہ مورچہ جس سے دشمن کی نقل وحرکت دیکھی جاتی ہے۔ بندے کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ (ک۔ق)

قولہ: بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ: اہل مکہ کو فرمایا کہ تمہارا فعل تو ان کے قول سے بدتر اور اقبح ہے گویا بل سے مذمت میں ترقی کو بیان کیا۔ (ش) باقی غنی فضیلت کے لیے نہیں اور فقر ذلت کی علامت نہیں بلکہ یہ قضاء وقدر کا فیصلہ ہے۔ (ج)

ہے۔ جمعاشدیدالمحذوف ہے۔

قوله: لَمًّا: جمع کرکے اس کے بعد شدیدالا کر اشارہ کیا کہ اس کا موصوف جمعاشدیدالمحذوف ہے۔

قوله: تُكْرِمُونَ: چاروں افعال میں قراء سبعہ کے ہاں تا پڑھ سکتے ہیں۔ البتہ تفسیر میں ابوعمرو کی قرأت ہے۔(ک)

قوله: اَمْرِهٖ: اللہ تعالیٰ کی تجلی مخلوق پر ظاہر ہوگی اور اس کے قہر غلبے کا ظہور ہوگا اور قیامت کے ہولناک معاملات پیش آنے لگیں گے۔ جو غیر محصور ہوں گے یہ متاخرین کا قول ہے۔ سلف کہتے ہیں: وہ آئے گا جیسا آنا اس کے لائق ہے جو نقل وحرکت سے منزہ ہے۔(ک) مفسر نے حسن کا قول نقل کیا ہے۔

قوله: دَكًّا دَكًّا: یہ دوسرا دکا تاکید نہیں بلکہ تکرار استیعاب پر دلالت کے لیے ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں اتیتہ بابا بابا ای بعد باب۔(ص)

قوله: لِحَيَاتِيْ: یہ لام تعلیل کا ہے: کما من رمضان۔

قوله: لَا يُعَذِّبُ: یعنی اس جنس کے جو لوگ ہیں اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہ دے گا مثلاً گناہ گار تومن۔ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس کا عذاب ابلیس کے عذاب سے زیادہ سخت ہو۔

قوله: لَا يُوْثِقُ: وثاق بندھن اور زنجیر کو کہتے ہیں۔

قوله: يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ: اب اس کا تذکرہ فرمایا جس کا دل ذات باری تعالیٰ پر مطمئن ہے۔ اور وہ اس کے حکم کو ماننے والا اور اسی پر بھروسہ کرنے والا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: یہ موت کے وقت مؤمن کو کہا جاتا ہے۔(ج)

قوله: اِلٰى اَمْرِهٖ: اللہ تعالیٰ کے پڑوس اور ثواب کی طرف لوٹ۔ ابن عباسؓ وابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ارواح کے اجساد کی طرف لوٹانے کے وقت کہا جائے گا۔(ک)

قوله: فَادْخُلِيْ: فی زمرہ عبادی یا فی جسد عبادی۔(ج)

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال قدرت کی قسم اٹھائی اس لیے کہ یہ توحید کے عظیم الشان دلائل ہیں اور تین اقوام کے واقعات کو عبرت وتسلی کے لیے ذکر فرمادیے۔

۲۔ ان ظالم وسرکش اقوام کی ہلاکت بعث وجزاء کی عظیم دلیل ہے جس کا انکار اہل مکہ کر رہے تھے۔ دنیا کا یہ عذاب آخرت کے مقابلے میں پس قتل کے مقابل ایک کوڑے کی حیثیت رکھتا ہے۔ پس اس کے حکم سے انحراف کرنے والوں کو اس سے ڈرنا چاہیے۔

۳۔ فقر وغنا اللہ تعالیٰ کے ہاں اکرام وتوہین کی دلیل نہیں۔ طاعت عبد جو آخرت کی طرف لے جائے اور حمد وشکر پر آمادہ کرے وہ باعث اکرام ہے اور معصیت ونافرمانی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا وآخرت کی ذلت کی علامت ہے۔

۴۔ مادیت پرستی نئی نہیں بلکہ پرانا مرض ہے۔ جو مشرکین مکہ میں رچی ہوئی تھی۔

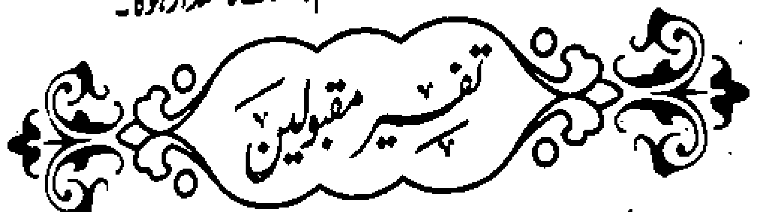
۵۔ یتامیٰ کا اکرام کرنا اور فقراء ومساکین کو کھانا کھلانے کے لیے دوسروں کو کہنا لازم ہے۔ اسی طرح میراث کے جو چھوٹے بڑے حقدار ہیں ان کو ان کا حق پہنچنا چاہیے۔

۶۔ مال کی ایسی محبت قابل مذمت ہے جو دوسروں کے حقوق تلف کرنے پر آمادہ کرے۔ کفار حلال وحرام کی تمیز کے بغیر مال جمع کرتے تھے۔ جو اس طرح کرتا ہے آخر میں شرمندہ ہوتا ہے۔

۷۔ یہاں قیامت کی تین صفات ذکر کیں۔ ا۔ مسلسل زلزلہ سے زمین کو ہلا دیا جائے گا۔ ۲۔ فیصلہ قضاء کے لیے عظیم آیات کا ظہور، فرشتوں کی صف بندی۔ ۳۔ جہنم کا سامنے کر دیا جانا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں افراط وتفریط والے شدید حسرت اٹھائیں گے۔

۱۰۔ ایمان سے مطمئن نفس موت، قیام حشر، نشر صحائف کے وقت عظیم بشارت کا حقدار ہوگا۔



تفسیر مقبولین

سورۃ الفجر مکی سورت ہے جس کی تیس آیات ہیں، دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا مضمون بھی بالخصوص ان تین اہم موضوعات پر مشتمل ہے۔

۱۔ بعض امم سابقہ کا واقعہ کہ انہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا اور خدا کی نافرمانی کرتے رہے تو کس طرح عذاب خداوندی نے انکو تباہ کر دیا، جیسے قوم عاد و ثمود اور فرعون۔

۲۔ اللہ کا قانون حیات دنیویہ میں بندوں کی آزمائش کا، اور یہ کہ انسانی عمل کی خیر وشر کی جانب تقسیم اسی طرح انسانی مزاج اور طبائع کا بھی خیر وشر کی طرف انقسام۔

۳۔ آخرت اور آخرت کے احوال اور روز محشر واقع ہونے والے ہولناک امور کا بیان اور یہ کہ انسانی نفس میں نفس خبیثہ کا انجام اور اس کے بالمقابل سعید انسان کی کامیابی وعزت، تو ان تین بنیادی، مضامین پر اس سورت کی آیات مشتمل ہیں۔

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾

اس سورت میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر اس مضمون کی تاکید کی گئی ہے جو آگے اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ میں بیان ہوا ہے یعنی اس دنیا میں تم جو کچھ کر رہے ہو اس پر جزاء وسزا ہونا لازمی اور یقینی ہے تمہارا رب تمہارے سب اعمال کی نگرانی میں ہے خواہ اس جملے: ان ربك لبالمرصاد کو جواب قسم کہا جائے یا محذوف قرار دیا جائے۔

وہ پانچ چیزیں جن کی قسم کھائی ہے ان میں پہلی چیز فجر یعنی صبح صادق کا وقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مراد ہر روز کی صبح ہو کہ وہ عالم میں ایک انقلاب عظیم لاتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ الفجر کے الف لام کو عہد کا قرار دے کر اس سے کسی خاص دن کی فجر مراد ہو مفسرین صحابہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت ابن عباس ابن زبیر سے پہلے معنے یعنی عام وقت فجر کسی روز کا ہو منقول ہے اور حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں اس سے مراد ماہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر ہے جو اسلامی قمری سال کا آغاز ہے۔ حضرت قتادہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی یوم النحر کی صبح اس کی مراد قرار دی ہے۔ مجاہد وعکرمہ کا یہی قول ہے اور حضرت ابن عباس سے بھی ایک روایت میں یہ قول منقول ہے وجہ اس یوم النحر کی تخصیص کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن کے لیے ایک رات ساتھ لگائی ہے جو اسلامی اصول کے مطابق دن سے پہلے ہوتی ہے صرف یوم النحر ایسا دن ہے کہ اسکے ساتھ

کوئی رات نہیں کیونکہ یوم النحر سے پہلے جورات ہے وہ یوم النحر کی نہیں بلکہ شرعاً عرفہ ہی کی رات قرار دی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی حج کرنے والا عرفہ کے دن میدان عرفات میں نہ پہنچ سکا رات کو صبح صادق سے پہلے کسی وقت بھی عرفات میں پہنچ گیا تو اس کا وقوف معتبر اور حج صحیح ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ روز عرفہ کی دو راتیں ہیں ایک اس سے پہلے دوسری اسکے بعد اور یوم النحر کی کوئی رات نہیں، اس لحاظ سے صبح یوم النحر تمام ایام دنیا میں ایک خاص شان رکھتی ہے۔(قرطبی)

دوسری چیز جس کی قسم ہے وہ لیال عشر یعنی دس راتیں، حضرت ابن عباس، قتادہ، مجاہد سدی، ضحاک، کلبی، ائمہ تفسیر کے نزدیک ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں کیونکہ حدیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عبادت کرنے کے لیے اللہ کے نزدیک سب دنوں میں عشرہ ذی الحجہ سب سے افضل ہے اسکے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کی برابر اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کی برابر ہے۔(رواہ الترمذی وابن ماجہ بسند ضعیف عن ابی ہریرہ، مظہری) اور ابو الزبیر نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے والفجر ولیال عشر کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ دس راتیں وہ ہی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں آئی ہیں۔واتممنٰھا بعشر، کیونکہ یہی دس راتیں سال کے ایام میں افضل ہیں۔امام قرطبی نے فرمایا کہ حضرت جابر کی حدیث مذکور سے افضل ایام ہونا عشرہ ذی الحجہ کا معلوم ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی یہی دس راتیں ذی الحجہ کی مقرر کی گئی تھیں۔

والشفع والوتر، شفع کے لغوی معنے جوڑ کے ہیں جس کو اردو میں جفت کہتے ہیں اور وتر کے معنے طاق اور فرد کے ہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ میں یہ متعین نہیں کہ اس جفت اور طاق سے کیا مراد ہے اسلئے ائمہ تفسیر کے اقوال اس میں بے شمار ہیں مگر خود حدیث مرفوع جو ابوالزبیر نے حضرت جابر سے روایت کی ہے اسکے الفاظ یہ ہیں۔

وَالْفَجْرِ ۙ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ هو الصبح وعشر النحر والوتر يوم عرفه والشفع يوم النحر

رسول اللہ ﷺ نے اس کے کے متعلق فرمایا کہ فجر سے مراد صبح اور عشر سے مراد عشرہ نحر ہے (اور یہ عشرہ ذی الحجہ کا پہلا ہی عشرہ ہوسکتا ہے جس میں یوم نحر شامل ہے) اور فرمایا کہ وتر سے مراد روز عرفہ اور شفع سے مراد یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) ہے۔

قرطبی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ اسناد کے اعتبار سے اصح ہے بہ نسبت دوسری حدیث کے جو حضرت عمران بن حصین کی روایت سے نقل ہوئی ہے جس میں شفع و وتر نماز کا ذکر ہے۔اسی لیے حضرت ابن عباس، عکرمہؒ، نحاسؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ شفع سے مراد یوم النحر اور وتر سے مراد یوم عرفہ ہے۔اور بعض ائمہ تفسیر ابن سیرین، مسروق، ابوصالح، قتادہ نے فرمایا کہ شفع سے مراد تمام مخلوقات ہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب مخلوقات کو جوڑ جوڑ جفت پیدا کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے: ومن کل شیء خلقنا زوجین، یعنی ہم نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے۔کفر و ایمان، شقاوت وسعادت، نور و ظلمت، لیل و نہار، سردی گرمی، آسمان و زمین، جن وانس، مرد و عورت اور ان سب کے بالمقابل وتر وہ صرف اللہ جل شانہ کی ذات ہے ھو اللہ الاحد الصمد، والیل اذا یسر، یسر، سری سے مشتق ہے جس کے معنے رات کو چلنے کے ہیں۔یہاں خود رات کو کہا گیا کہ جب وہ چلنے لگے یعنی ختم ہونے لگے۔یہ پانچ قسمیں ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے غفلت شعار انسان کو ایک خاص انداز میں سوچنے سمجھنے کی دعوت دینے کے لیے فرمایا: ھل فی ذلک قسم لذی حجر، حجر کے لفظی معنے روکنے کے ہیں انسان کی عقل اس کی برائی

اور مضرت رساں چیزوں سے روکنے والی ہے اسلئے حجر بمعنے عقل بھی استعمال ہوتا ہے یہاں یہی معنے مراد ہیں۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ کیا عقل والے آدمی کے لیے یہ قسمیں بھی کافی ہیں یا نہیں۔ یہ صورت تو استفہام کی ہے مگر درحقیقت انسان کو غفلت سے بیدار کرنے کی ایک تدبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان پر اور اسکے قسم کھا کر ایک بیان کو بیان کرنے پر اور خود ان چیزوں کی عظمت پر جن کی قسم کھائی گئی ہے ذرا سا غور کرو تو جس چیز کے لیے یہ قسم کھائی گئی اس کا یقینی ہونا ثابت ہو جائے گا اور وہ چیز یہی ہے کہ انسان کے ہر عمل کا آخرت میں حساب ہونا اور اس پر جزا و سزا ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ یہ جواب قسم اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں مگر سباق کلام سے ثابت ہے اور آگے جو کفار پر عذاب آنیکا بیان ہو رہا ہے وہ بھی اسی کا بیان ہے کہ کفر و معصیت کی سزا آخرت میں تو ملنا طے شدہ ہی ہے کبھی کبھی دنیا میں بھی ایسے لوگوں پر عذاب بھیج دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں تین قوموں کے عذاب کا ذکر فرمایا۔ اول قوم عاد، دوسرے ثمود، تیسرے قوم فرعون، عاد و ثمود دو قومیں جنکا سلسلہ نسب اوپر جا کر ارم میں لجاتا ہے اس طرح لفظ ارم عاد و ثمود دونوں کے لیے بولا جاسکتا ہے۔

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝

لفظ ارم عاد کا عطف بیان یا بدل ہے اور مقصود اس سے قبیلہ عاد کی دو قسموں میں سے ایک کی تعیین ہے یعنی عاد اولیٰ جو انکے متقدمین ہیں ان کو عاد ارم کے لفظ سے اسلئے تعبیر کیا کہ یہ لوگ اپنے جد اعلیٰ ارم سے بہ نسبت عاد اخریٰ کے قریب تر ہیں۔ ان کو اس جگہ قرآن کریم عاد ارم کے لفظ سے اور سورۂ نجم میں اهلك عاد الاولی کے عنوان سے تعبیر فرماتا ہے۔ ان کی صفت میں قرآن کریم نے ذات العماد فرمایا۔ عماد اور عمود ستون کو کہتے ہیں۔ قوم عاد کو ذات العماد اسلئے کہا گیا کہ انکے قد و قامت بڑے طویل تھے اور یہ قوم اپنے ڈیل ڈول اور قوت و طاقت میں سب دوسری قوموں سے ممتاز تھی ان کے اس امتیاز کو خود قرآن کریم نے بڑے واضح الفاظ میں فرمایا طاقت میں سب دوسری قوموں سے ممتاز تھی ان کے اس امتیاز کو خود قرآن کریم نے بڑے واضح الفاظ میں فرمایا: لم یخلق مثلها فی البلاد. یعنی ایسی طویل القامت قوم دنیا میں اس سے پہلے پیدا نہیں کی گئی تھی۔ قرآن کریم نے انکے طول قامت اور ڈیل ڈول کا دنیا کی ساری قوموں سے زیادہ ہونا تو واضح فرما دیا مگر ان کی کوئی پیمائش ذکر کرنا ضرورت سے زائد کام تھا اس کو چھوڑ دیا۔ اسرائیلی روایات میں انکے قد و قامت اور قوت کے متعلق عجیب عجیب اقوال مذکور ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل سے ان کی قامت کا طول بارہ ہاتھ یعنی چھ گز یا ١٨ فٹ منقول ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ قول بھی اسرائیلی روایات ہی سے ماخوذ ہے واللہ اعلم

اور بعض حضرت مفسرین نے فرمایا کہ ارم اس جنت کا نام ہے جو عاد کے بیٹے شداد نے بنائی تھی اور اسی کی صفت ذات العماد ہے کہ وہ ایک عظیم الشان عمارت بہت سے عمودوں پر قائم سونے چاندی اور جواہرات سے تعمیر کی تھی تاکہ لوگ آخرت کی جنت کے بدلے اس نقد جنت کو اختیار کرلیں مگر جب یہ عالیشان محلات تیار ہو گئے اور شداد نے اپنے رؤسائے مملکت کیساتھ اس میں جانیکا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا یہ سب ہلاک ہو گئے اور وہ محلات بھی مسمار ہو گئے۔ (قرطبی) اس اعتبار سے اس آیت میں قوم عاد کے ایک خاص عذاب کا ذکر ہوا جو ..... شداد بن عاد اور اس کی بنائی ہوئی جنت پر نازل ہوا اور پہلی تفسیر جس کو جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے اس میں قوم عاد پر جتنے عذاب آئے ہیں ان سب کا بیان ہے۔

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝

اوتاد، وتد کی جمع ہے میخ کو کہتے ہیں۔ فرعون کو ذی الاوتاد کہنے کی مختلف وجوہ حضرات مفسرین نے بیان فرمائی ہیں، مشہور جمہور مفسرین کے نزدیک وہی ہے جو خلاصہ تفسیر میں اوپر آ چکی ہے کہ اس لفظ میں اسکے ظلم وجور اور وحشیانہ سزاؤں کا ذکر ہے وہ جس پر خفا ہوتا اس کے ہاتھ پاؤں چار میخوں میں باندھ کر یا خود ان میں میخیں گاڑ کر اس کو دھوپ میں لٹا دیتا اور اس پر سانپ بچھو چھوڑ دیتا تھا۔ اور بعض مفسرین نے اس کی اپنی بیوی حضرت آسیہ کے متعلق ایک طویل قصہ انکے مومن ہونے اور پھر فرعون کے سامنے اظہار ایمان کرنے کا اور پھر فرعون کی اسی قسم کی سزا کے ذریعہ ہلاک کرنے کا ذکر کیا ہے۔ (مظہری)

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝

قوم عاد وثمود اور قوم فرعون کے شر وفساد کا تذکرہ فرماتے ہوئے جو عذاب ان پر نازل ہوا اس کو عذاب کے کوڑا برسانے کے عنوان سے تعبیر کیا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح کوڑا مختلف اطراف بدن پر پڑتا ہے ان پر بھی مختلف قسم کے عذاب نازل کئے گئے۔

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۝

دنیا میں رزق کی فراخی اور تنگی اللہ کے نزدیک مقبول یا مردود ہونے کی علامت نہیں:

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ .... یہاں انسان سے مراد اصل میں تو کافر انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جو چاہے خیال باندھ لے مگر مفہوم عام کے اعتبار سے وہ مسلمان بھی اس خطاب میں شریک ہے جو اس جیسے خیال میں مبتلا ہو اور وہ خیال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے رزق میں وسعت اور مال و دولت صحت و تندرستی سے نوازے تو شیطان اس کو دو باطل خیالات میں مبتلا کرتا ہے اول یہ کہ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ میری ذاتی صلاحیت اور عقل وفہم اور سعی وعمل کا لازمی نتیجہ ہے جو مجھے ملنا ہی چاہئے میں اس کا مستحق ہوں دوسرے یہ کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے سے یہ قرار دے کہ میں اللہ کے نزدیک بھی مقبول ہوں اگر مردود ہوتا تو وہ مجھے یہ نعمتیں کیوں دیتا۔ اسی طرح جب کسی انسان پر رزق میں تنگی اور فقر وفاقہ آوے تو اس کو اللہ کے نزدیک مردود ہونے کی دلیل سمجھے اور اس پر اسلئے خفا ہو کہ میں تو مستحق انعام واکرام کا تھا مجھے بے وجہ ذلیل وحقیر کر دیا، ایسے خیالات کفار ومشرکین میں تو ہوتے ہی تھے اور قرآن کریم میں کئی جگہ کفار کے ان خیالات کا اظہار مذکور بھی ہے افسوس ہے کہ آجکل بہت سے مسلمان بھی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں ایسے انسانوں کا حال ذکر کر کے فرمایا کلا یعنی تمہارا یہ خیال بالکل باطل بے بنیاد ہے نہ دنیا میں وسعت رزق نیک اور مقبول عند اللہ ہونے کی علامت ہے اور نہ تنگی رزق اور فقر وفاقہ اللہ کے نزدیک مردود یا ذلیل ہونے کی علامت ہے بلکہ اکثر معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ فرعون کو دعوائے خدائی کے ساتھ کبھی درد سر بھی نہ ہوا اور بعض پیغمبروں کو دشمنوں نے آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرات مہاجرین میں سے جو فقیر ومفلس تھے وہ اغنیا مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (رواہ مسلم عن عبد اللہ بن عمر، مظہری) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت فرماتے ہیں اس کو دنیا سے ایسا پرہیز کراتے ہیں

جیسے تم لوگ اپنے بیمار کو پانی سے پرہیز کراتے ہو۔ (رواہ احمد والترمذی عن قتادۃ بن النعمان، مظہری)

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۵﴾

یتیم پر صرف خرچ کرنا کافی نہیں اس کا احترام بھی ضروری ہے:

اس کے بعد کفار کو ان کی چند بری خصلتوں پر تنبیہ ہے اول لاتکرمون الیتیم یعنی تم یتیم بچے کا اکرام نہیں کرتے اس میں اصل بتلانا تو یہ ہے کہ یتیم کے حقوق ادا نہیں کرتے اس پر ضروری خرچ نہیں کرتے لیکن اس کی تعبیر اکرام کے عنوان سے کی گئی جس میں اشارہ ہے کہ عقل وانسانیت کا اور اللہ نے جو مال تمہیں دیا ہے اسکے شکر کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم یتیم کو فقط یہی نہیں کہ اس کا حق دو اور اس پر خرچ کرو بلکہ واجب ہے کہ اس کا اکرام بھی کرو اپنے بچوں کے مقابلے میں اس کو ذلیل وحقیر نہ جانو۔ یہ بظاہر کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ دنیا کی فراخی کو اکرام اور تنگی کو اہانت سمجھا کرتے تھے اس صرف بل کے ساتھ یہ ذکر فرمایا کہ اگر تمہیں کبھی تنگی رزق پیش آتی ہے تو وہ اس وجہ سے کہ تم ایسی بری عادتوں میں پھنسے ہوئے ہو کہ یتیم جیسے قابل رحم بچوں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے۔ دوسری بری خصلت ان کی یہ بتلائی ولاتحضون علی طعام المسکین، یعنی تم خود تو کسی مسکین غریب کو کیا دیتے دوسروں کو بھی اس کی ترغیب نہیں دیتے کہ وہ بھی یہ کام کرلیں۔ اس عنوان میں بھی ان کفار کی بری عادت اور مذمت کے بیان کے ساتھ اس طرف اشارہ ہے کہ غرباء و مساکین کا حق جیسے اغنیا اور مالداروں پر ہے کہ ان کو اپنے پاس سے دیں اسی طرح جو لوگ خود دینے کی قدرت نہیں رکھتے انکو بھی اتنا تو کرنا چاہئے کہ دوسروں ہی کو اسکے لیے ترغیب دیں۔

تیسری بری خصلت یہ بیان فرمائی: وتاکلون التراث اکلا لما. لم کے معنے جمع کرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تم میراث کا مال حلال وحرام سب کو جمع کرکے کھا جاتے ہو اپنے حصے کے ساتھ دوسوں کا حصہ بھی غصب کرلیتے ہو۔ یہاں خصوصیت سے میراث کے مال کا ذکر کیا گیا حالانکہ ہر ایک مال جس میں حلال وحرام کو جمع کیا گیا ہو ناجائز ہی ہے۔ وجہ خصوصیت کی شاید یہ ہو کہ میراث کے مال پر زیادہ نظر رکھنا اور اسکے درپے ہونا بڑی کم ہمتی اور کم حوصلہ ہونے کی دلیل ہے کہ مردار خور جانوروں کی طرح تکتے رہیں کہ کب ہمارا مورث مرے اور کب ہمیں یہ مال تقسیم کرنے کا موقع ہاتھ آئے۔ اولوالعزم اور باہمت لوگ اپنی کمائی پر خوش ہوتے ہیں۔ مردوں کے مال پر ایسی حریصانہ نظر نہیں ڈالتے۔

چوتھی بری خصلت یہ بتلائی: وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ جم کے معنے کثیر کے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم مال کی محبت بہت کرتے ہو، بہت کے لفظ سے اسطرف اشارہ ہوگیا کہ مال کی ایک درجہ میں محبت تو انسان کی فطری تقاضا ہے وہ سبب مذمت نہیں بلکہ اس کی محبت میں حد سے بڑھنا اور انہاک کرنا یہ سبب مذمت ہے۔ کفار کی ان بڑی خصلتوں کے بیان کے بعد پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا جو شروع سورت میں پانچ قسموں کے ساتھ موکد کیا گیا ہے یعنی آخرت کی جزا وسزا،

وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿۲۶﴾

یعنی اللہ تعالیٰ اس دن مجرموں کو ایسی سخت سزا دے گا اور ایسی سخت قید میں رکھے گا کہ کسی دوسرے کی طرف سے اس طرح کی سختی کسی مجرم کے حق میں متصور نہیں۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس روز نہ مارنے گا اس کا سا مارنا کوئی۔ نہ

آگ نہ دوزخ کے موکل نہ سانپ بچھو، جو دوزخ میں ہوں گے، کیونکہ ان کا مارنا اور دکھ دینا عذاب جسمانی ہے، اور حق تعالیٰ کا عذاب اس طور سے ہوگا کہ مجرم کی روح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کر دے گا جو عذاب روحانی ہے اور ظاہر ہے عذاب روحانی کو عذاب جسمانی سے کیا نسبت، نیز نہ باندھے گا اس کا سا کوئی باندھنا کوئی۔ کیونکہ دوزخ کے پیادے ہر چند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق ڈالیں گے اور زنجیروں سے جکڑیں گے اور دوزخ کے دروازے بند کر کے اوپر سے سرپوش رکھ دیں گے، لیکن ان کی عقل اور خیال کو بند نہ کر سکیں گے اور عقل و خیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات کرتا ہے اور ان میں سے بعض باتیں دوسری باتوں کے لیے حجاب ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے عین قید کی تنگی میں انسان کو عقلی اور خیالی وسعت حاصل ہوتی ہے۔ برخلاف اسی شخص کے کہ اللہ تعالیٰ عقل و خیال کو ادھر ادھر جانے سے روک دے اور بالکل ہمہ تن دکھ درد ہی کی طرف متوجہ رکھے۔ تو ایسی قید بدنی قید سے ہزاروں درجے سخت ہے۔ اسی لیے مجنوں سودائیوں کو عین باغوں اور جنگلوں کی سیر کے وقت تنگی اور گھبراہٹ وہم و خیال کے سبب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ باغ اور وسیع جنگل اس کی نظر میں تنگ معلوم ہوتے ہیں۔

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝

پہلے مجرموں اور ظالموں کا حال بیان ہوا تھا۔ اب اس کے مقابل ان لوگوں کا انجام بتلاتے ہیں جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے چین اور آرام ملتا ہے ان سے محشر میں کہا جائے گا کہ اے نفس آرمیدہ بحق! جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے ہوئے تھا، اب ہر قسم کے جھگڑوں اور خرخشوں سے یکسو ہو کر راضی خوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل، اور اس کے مخصوص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اس کی عالیشان جنت میں قیام کر۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے۔ بلکہ عارفین کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی ایسے نفوس مطمئنہ اس طرح کی بشارات کا فی الجملہ حظ اٹھاتے ہیں۔ اللّٰھم انی اسالک نفسا بک مطمئنة تو من بلقائک و ترضی بقضائک وتقنع بعطائک



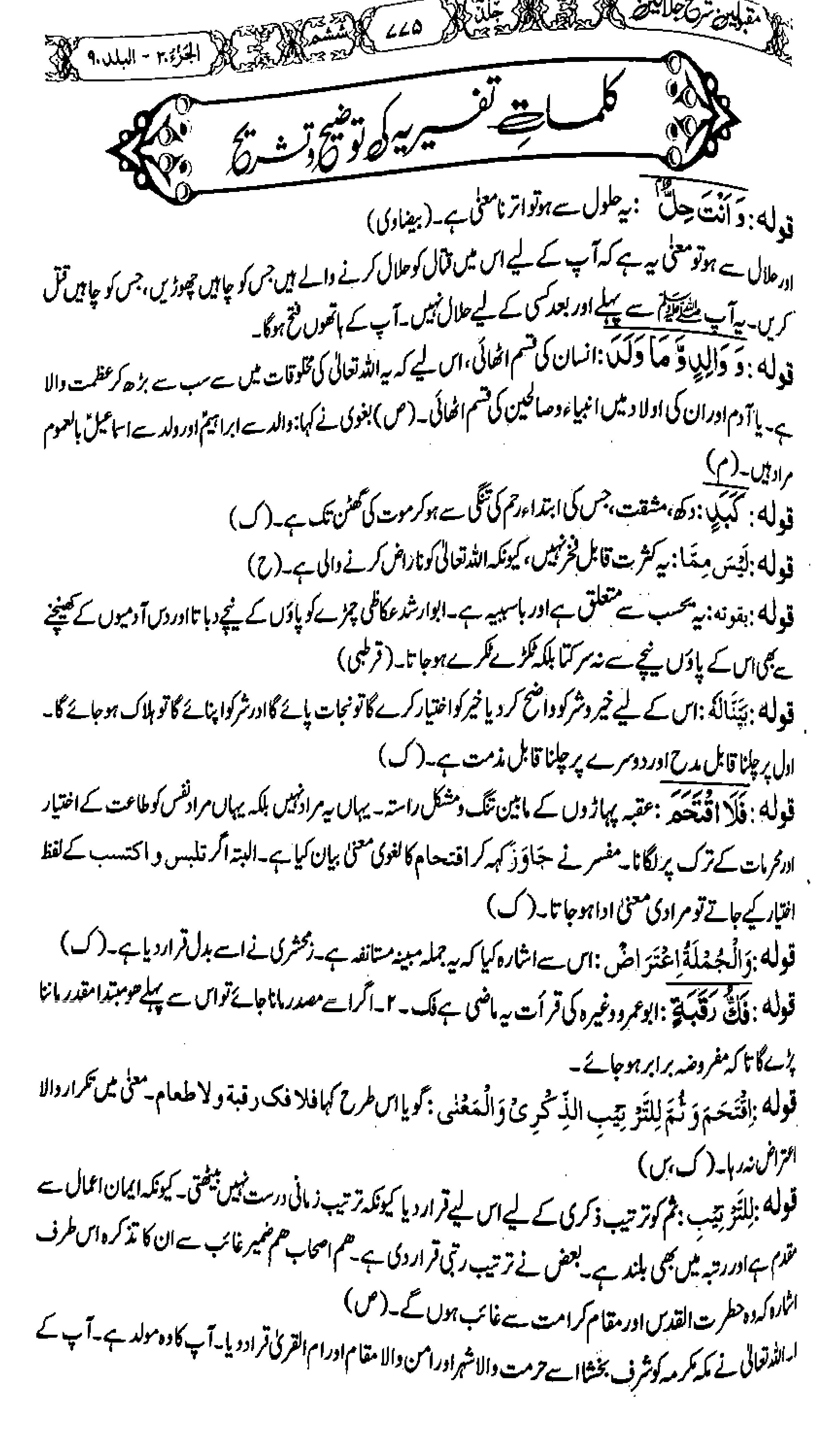
لَآ زَائِدَةٌ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱ مَكَّةَ وَاَنْتَ يَا مُحَمَّدُ حِلٌّ حَلَالٌ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲ بِاَنْ يَحِلَّ لَكَ تُقَاتِلَ فِيْهِ وَقَدْ اَنْجَزَ لَهٗ هٰذَا الْوَعْدَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَالْجُمْلَةُ اِعْتِرَاضٌ بَيْنَ الْمُقْسَمِ بِهٖ وَمَا عُطِفَ عَلَيْهِ وَوَالِدٍ اَىْ اٰدَمَ وَّمَا وَلَدَ ۝۳ اَىْ ذُرِّيَّتَهٗ وَمَا بِمَعْنٰى مَنْ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ اَىِ الْجِنْسَ فِىْ كَبَدٍ ۝۴ نَصَبٍ وَشِدَّةٍ يُكَابِدُ مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَشَدَائِدَ الْاٰخِرَةِ اَيَحْسَبُ اَىْ اَيَظُنُّ الْاِنْسَانُ قَوِىُّ قُرَيْشٍ وَهُوَ اَبُو الْاَشَدَّيْنِ كَلَدَةُ بِقُوَّتِهٖ اَنْ مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَىْ اَنَّهٗ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۵ وَاللّٰهُ قَادِرٌ عَلَيْهِ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ عَلٰى عَدَاوَةِ مُحَمَّدٍ مَالًا لُّبَدًا ۝۶ كَثِيْرًا بَعْضُهٗ عَلٰى بَعْضٍ اَيَحْسَبُ اَنْ اَىْ اَنَّهٗ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝۷ فِيْمَا اَنْفَقَهٗ فَيَعْلَمَ قَدْرَهٗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِقَدْرِهٖ وَاَنَّهٗ لَيْسَ مِمَّا يُتَكَثَّرُ بِهٖ وَمُجَازِيْهِ عَلٰى فِعْلِهِ السَّيِّءِ اَلَمْ نَجْعَلْ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اَىْ جَعَلْنَا لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝۹ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۰ بَيَّنَّا لَهٗ طَرِيْقَيِ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ فَلَا فَهَلَّا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝۱۱ جَاوَزَهَا وَمَآ اَدْرٰكَ اَعْلَمَكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝۱۲ الَّتِىْ يَقْتَحِمُهَا تَعْظِيْمٌ لِّشَانِهَا وَالْجُمْلَةُ اِعْتِرَاضٌ وَبَيَّنَ سَبَبَ جَوَازِهَا بِقَوْلِهٖ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝۱۳ مِنَ الرِّقِّ بِاَنْ اَعْتَقَهَا اَوْ اِطْعٰمٌ فِىْ يَوْمٍ ذِىْ مَسْغَبَةٍ ۝۱۴ مَجَاعَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝۱۵ قَرَابَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝۱۶ اَىْ لُصُوْقٍ بِالتُّرَابِ لِفَقْرِهٖ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بَدَلَ الْفِعْلَيْنِ مَصْدَرَانِ مَرْفُوْعَانِ مُضَافُ الْاَوَّلِ لِرَقَبَةٍ وَيُنَوَّنُ الثَّانِىْ فَيُقَدَّرُ قَبْلَ الْعَقَبَةِ اقْتِحَامٌ وَالْقِرَاءَةُ الْمَذْكُوْرَةُ بَيَانُهٗ ثُمَّ كَانَ عَطْفٌ عَلَى اقْتَحَمَ وَثُمَّ لِلتَّرْتِيْبِ الذِّكْرِىْ وَالْمَعْنٰى كَانَ وَقْتَ الْاِقْتِحَامِ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا اَوْصٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِالصَّبْرِ عَلَى الطَّاعَةِ

وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ الرَّحْمَةِ عَلَى الْخَلْقِ اُولٰٓئِكَ الْمَوْصُوْفُوْنَ بِهٰذِهِ الصِّفَاتِ

اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ الْيَمِيْنِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ الشِّمَالِ عَلَيْهِمْ نَارٌ

مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾ بِالْهَمْزَةِ وَبِالْوَاوِ بَدَلَهُ مُطْبَقَةٌ ع ۱۵

ترجمہ: لا (زائد ہے) میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی کہ آپ کیلئے (اے محمد!) اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے (کہ اس میں آپ کیلئے لڑائی جائز ہوگی اور آپ وہاں جنگ کریں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وعدہ پورا ہوا۔ پس یہ جملہ دو قسموں کے درمیان جملہ معترضہ ہے) اور قسم ہے باپ (آدم) اور اولاد کی (یعنی ذریت آدم کی اور ما معنی میں من کے ہے) کہ ہم نے (جنس) انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے (کہ دنیا بھر کی مصائب اور آخرت کی شدائد جھیلتا رہتا ہے) کیا اس نے یہ سمجھ رکھا ہے (قریش کا طاقتور آدمی یعنی ابوالاشد بن کلدۃ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں یہ خیال کرتا ہے) کہ اس پر (ان مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے یعنی انہ تھا) کوئی قابو پا نہ سکے گا (حالانکہ وہ اللہ کے بس میں ہے) کہتا ہے کہ میں نے (محمدؐ کی دشمنی میں) اتنا ڈھیروں مال (بڑی مقدار میں) خرچ کر ڈالا ہے۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا (یعنی اس کے خرچ کرنے کو کہ وہ اس کی مقدار بتلانا چاہتا ہے۔ حالانکہ اللہ اس مال کی مقدار سے واقف ہے اور اس سے بھی کہ وہ مال زیادہ نہیں تھا اور یہ کہ اللہ اس کے برے کرتوت کا بدلہ ضرور دے گا) کیا ہم نے (استفہام تقریری ہے یعنی ہم نے بنایا ہے) اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور ہم نے دونوں راستے اسے دکھا دیئے ہیں (یعنی بھلائی برائی دونوں کی راہ بتلا دی) مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے (پار ہونے) کی ہمت نہ کی۔ اور آپ کو معلوم (خبر) ہے کہ وہ گھاٹی کیا ہے (کہ جس کو وہ دشوار سمجھتا ہے اس میں اس کی اہمیت کا اظہار ہے۔ اور یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کے پار ہونے کے سبب کو آگے بیان کیا جا رہا ہے) کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا (غلامی سے رہائی دلانی ہے) یا فاقہ (بھوک) کے دن کسی رشتہ (قرابت) دار یتیم کو یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے (جو محتاجگی کی وجہ سے زمین پر پڑا رہتا ہے اور ایک قراءت میں بجائے دونوں فعلوں کے دونوں مصدر مرفوع ہیں۔ اول مصدر یعنی فک مضاف ہے رقبۃ کی طرف اور ثانی مصدر یعنی اطعام منون ہے۔ لہٰذا عقبۃ سے پہلے اقتحام مقدر مانا جائے گا اور مذکورہ قراءت اس کا بیان ہے) پھر ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو (آپس میں) صبر کرنے (طاعت پر جمے ہونے اور معصیت سے رکے رہنے) کی تلقین کی اور ایک نے دوسرے پر ترحم (مخلوق سے رحم دلی) کی فہمائش کی۔ یہی لوگ (جو مذکورہ بالا خوبیوں کے مالک ہیں) داہنے بازو والے ہیں اور جو لوگ ہماری آیت کے منکر ہیں وہ بائیں بازو والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی (موصدۃ ہمزہ کے ساتھ ہے اور اس کے بدلہ میں واؤ کے ساتھ ہے یعنی تہ بہ تہ)۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَ اَنْتَ حِلٌّ : یہ حلول سے ہوتو اتر نا معنیٰ ہے۔(بیضاوی)

اور حلال سے ہوتو معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے لیے اس میں قتال کو حلال کرنے والے ہیں جس کو چاہیں چھوڑیں، جس کو چاہیں قتل کریں۔ یہ آپ ﷺ سے پہلے اور بعد کسی کے لیے حلال نہیں۔ آپ کے ہاتھوں فتح ہوگا۔

قوله: وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ: انسان کی قسم اٹھائی، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے سب سے بڑھ کر عظمت والا ہے۔ یا آدم اور ان کی اولاد میں انبیاء وصالحین کی قسم اٹھائی۔(ص) بغوی نے کہا: والد سے ابراہیمؑ اور ولد سے اسماعیلؑ بالعموم مراد ہیں۔(م)

قوله: كَبَدٍ: دکھ، مشقت، جس کی ابتداء رحم کی تنگی سے ہو کر موت کی گھٹن تک ہے۔(ک)

قوله: لَيْسَ مِمَّا: یہ کثرت قابل فخر نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہے۔(ح)

قوله: بقوته: یہ یحسب سے متعلق ہے اور باسببیہ ہے۔ ابوارشدعکاظی چمڑے کو پاؤں کے نیچے دباتا اور دس آدمیوں کے کھینچنے سے بھی اس کے پاؤں نیچے سے نہ سرکتا بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔(قرطبی)

قوله: بَيَّنَّالَهُ: اس کے لیے خیر وشر کو واضح کر دیا خیر کو اختیار کرے گا تو نجات پائے گا اور شر کو اپنائے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ اول پر چلنا قابل مدح اور دوسرے پر چلنا قابل مذمت ہے۔(ک)

قوله: فَلَا اقْتَحَمَ: عقبہ پہاڑوں کے مابین تنگ ومشکل راستہ۔ یہاں یہ مراد نہیں بلکہ یہاں مراد نفس کو طاعت کے اختیار اور محرمات کے ترک پر لگانا۔ مفسر نے جاوَزَ کہہ کر اقتحام کا لغوی معنیٰ بیان کیا ہے۔ البتہ اگر تلبس و اکتسب کے لفظ اختیار کیے جاتے تو مرادی معنیٰ ادا ہو جاتا۔(ک)

قوله: وَالْجُمْلَةُ اِعْتِرَاضٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ جملہ مبینہ مستانفہ ہے۔ زمخشری نے اسے بدل قرار دیا ہے۔(ک)

قوله: فَكُّ رَقَبَةٍ: ابوعمرو وغیرہ کی قرأت یہ ماضی ہے فک۔ ۲۔ اگر اسے مصدر مانا جائے تو اس سے پہلے ھو مبتدا مقدر ماننا پڑے گا تا کہ مفروضہ برابر ہو جائے۔

قوله: اِقْتَحَمَ وَ ثُمَّ لِلتَّرْتِيْبِ الذِّكْرِيِّ وَالْمَعْنٰى: گویا اس طرح کہا فلا فک رقبة ولا طعام۔ معنیٰ میں تکرار والا اعتراض نہ رہا۔(ک، س)

قوله: لِلتَّرْتِيْبِ: ثم کو ترتیب ذکری کے لیے اس لیے قرار دیا کیونکہ ترتیب زمانی درست نہیں بیٹھتی۔ کیونکہ ایمان اعمال سے مقدم ہے اور رتبہ میں بھی بلند ہے۔ بعض نے ترتیب رتبی قرار دی ہے۔ ھم اصحاب ھم ضمیر غائب سے ان کا تذکرہ اس طرف اشارہ کہ وہ حضرت القدس اور مقام کرامت سے غائب ہوں گے۔(ص)

ا۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو شرف بخشا اسے حرمت والا شہر اور امن والا مقام اور ام القریٰ قرار دیا۔ آپ کا وہ مولد ہے۔ آپ کے

لیے اس کو کچھ وقت تک حلال قرار دیا اور کسی کے لیے اس کو حلال قرار نہیں دیا۔

۲۔ حضرت آدمؑ اور ان کی نیک اولاد صالحین جن میں انبیاء اولیاء ان کو شرف سے نوازا۔

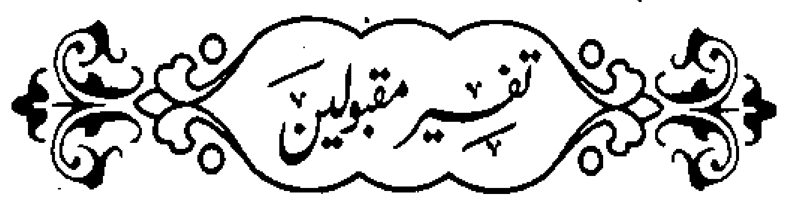
۳۔ اس حقیقت کا اعلان کیا کہ انسان مشقتوں میں پڑتا رہے گا تا آنکہ موت آجائے گی پھر جنت میں پہنچ گیا تو ہمیشہ کی راحت میسر آئی اور اگر جہنم میں جا گرا تو ہمیشہ کی صعوبت میں پڑ گیا۔

۴۔ پھر انسان کو اس کے غلط افکار و تصورات پر متنبہ کیا کہ مال کو ریاکاری میں خرچنا اور یہ سمجھنا کہ مجھ پر کسی کا قابو نہیں ایک بودا خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے تیری کوئی حالت مخفی نہیں وہ خود باز پرس کرلے گا۔ مناسب تو یہ ہے کہ اس مال کو ان کاموں میں لگائے جو عذاب سے چھٹکارے کا باعث ہوں۔

۵۔ عذاب کی گھاٹی کو ایمان، انفاق اور اعمال صالحہ سے ہی عبور کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ آنکھ، زبان، ہونٹ، جمال، عقل و فکر، حق و باطل کی تمیز جیسے انعامات شکریے کے متقاضی ہیں اور وہ ایمان، اعمال خیر، انفاق مال برغرباء و مساکین وغیرہ سے ادا ہوگا۔

۷۔ آیت میں کمال کے سلسلہ میں دو باتیں ذکر فرمائیں: ۱۔ گردن کی آزادی اور کھانا کھلانا۔ ۲۔ ایمان اور تکمیل کے لیے دو باتیں ذکر فرمائیں۔ ۱۔ دینی اعمال میں جمے رہنے کی تلقین۔ ۲۔ تراحم کی تلقین اور ہر دو قسموں کا مدار اللہ تعالیٰ کے حکم کی عظمت کا خیال کرنے اور مخلوق پر شفقت سے ہے۔ بس اول میں مخلوق والی جانب مقدم کی اور دوسرے میں حق والی جانب کو مقدم کیا۔



سورۃ البلد بھی مکی سورت ہے جس کی بیس آیات ہیں، اس سورت کا موضوع بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید ایمان قیامت اور جزاء و سزا کو ثابت کرنا ہے اور یہ کہ انسانوں کے دو گروہ ابرار و اخیار اور فساق و فجار مختلف گروہ ہیں ہر ایک کے اعمال اور اطوار جدا جدا ہیں، ایک گروہ سعادت و نجات کی طرف جارہا ہے تو دوسرا گروہ ہلاکت اور عذاب میں اپنے آپ کو مبتلا کر رہا ہے۔

سورۃ کی ابتداء سرزمین حرم کی قسم سے کی گئی جو نبی کریم ﷺ کا مولد وطن ہے وہیں سے وحی کی ابتدا ہوئی، اور ہدایت اور روحانیت کے فیوض و برکات عالم میں اسی سرزمین سے پھیلے،

ہدایت و سعادت کی دعوت تو انسانی زندگی کے لیے بہت ہی بڑی نعمت تھی، اس دعوت کو تو چاہئے تھا کہ اہل مکہ قبول کرتے اور اس کے حاصل کرنے کے لیے دوڑتے، مگر ان کی بدنصیبی کہ اس سے انحراف کیا اور رسول خدا ﷺ کے ساتھ دشمنی اور مقابلہ شروع کردیا، اسی مناسبت سے دنیا میں انسانوں کی دو گروہوں میں تقسیم فرمادی گئی اور قانون جزاء و سزا کا بھی ذکر فرمایا گیا۔

لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے شہر مکہ مکرمہ کی اور انسان کے والد یعنی آدم علیہ السلام کی اور ان کی ذریت کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے، درمیان میں بطور جملہ معترضہ وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ بھی فرمایا جس وقت یہ

سورت نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں ہی تھے، وہاں مشرکین سے تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں۔

مکہ معظمہ حرم ہے اس میں قتل وقتال ممنوع ہے مشرکین مکہ بھی اس بات کو جانتے اور مانتے تھے، لیکن اللہ جل شانہ نے اول تو اس کی قسم کھا کر اس کی عزت کو بیان فرمادیا اور ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کو یہ پیشگی خبر دے دی کہ ایک دن آنے والا ہے جب آپ اس میں فاتحانہ داخل ہوں گے اور اس دن آپ کے لیے اس شہر میں قتال حلال کر دیا جائے گا چنانچہ ہجرت کے بعد ۸ ہجری میں آپ اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے تشریف لائے اور مکہ میں داخل ہوئے اور بہت سے لوگوں کے بارے میں امان کا اعلان کر دیا جو اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن تھے اور بعض لوگوں کے قتل کا حکم دے دیا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ پاک نے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا مکہ معظمہ (میں قتل وقتال) کو حرام قرار دے دیا تھا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۳۲، از مسلم)

اور میرے لیے صرف دن کے تھوڑے سے حصے میں حلال کیا گیا ہے، لہٰذا وہ قیامت کے دن تک اللہ کے حرام قرار دینے سے حرام ہے یعنی اب قیامت تک اس میں قتل وقتال حلال نہیں ہوگا۔ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ﴿۳﴾ والد سے حضرت آدم علیہ السلام اور وَمَا وَلَدَ سے ان کی ذریت مراد ہے اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی اور تمام بنی آدم کی قسم ہوگئی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ﴿۴﴾

انسان اشرف المخلوقات اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ میں پیدا فرمایا ہے وہ اپنے احوال میں مشقتوں تکلیفوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شرف بھی بخشا اور مشکلات اور مسائل میں بھی مبتلا فرمادیا، اس کی اپنی دنیاوی حاجات اور ضروریات جان کے ساتھ ایسی لگی ہوئی ہیں جو اس کے لیے مشقتوں کا باعث ہوتی ہیں، انسان کو کھانے پینے کو بھی چاہیے، پہننے کی بھی ضرورت ہے، رہنے کے لیے مکان بھی چاہیے ساتھ ہی بیماریاں بھی لگی ہوئی ہیں وہ خود تو مصیبت ہیں ہی ان کے علاج کے لیے تدبیریں بھی کرنی پڑتی ہیں اور مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے، مال آسانی سے حاصل نہیں ہوتا اس کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔ پہاڑ توڑنے پڑتے ہیں بوجھ ڈھونا پڑتا ہے نیند چھوڑ کر ڈیوٹی پر جانا پڑتا ہے، حالت مرض میں بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں جی نہیں چاہتا مگر ضرورتیں پوری کرنے کے لیے نفس کو دبا کر کام پر جانا ہوتا ہے، غذا کو زمین سے حاصل کرنا پڑتا ہے، زمین میں ٹریکٹر چلاؤ یا ہل کو ہلاؤ بیج ڈالو، پودے نکلیں تو پانی دیتے رہو کھیتی پک جائے تو اسے کاٹو، کاٹنے کے بعد بھوسے سے دانے کو نکالو پھر اسے پیسو پھر گوندھو، پھر روٹی پکاؤ چاول ہوں تو دیگچہ چڑھاؤ۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ کھاؤ بھی اور نکالو بھی۔ قبض ہوگیا تو دوا تلاش کرو، دست ہوگئے تو بار بار جاؤ، نکاح نہ ہو تو مشکل، نکاح ہوگیا تو بچوں کی پیدائش اور ان کی پرورش اور ان کے دکھ درد کا سامنا، یہ سب دنیاوی مسائل اور مشکلات کی چند مثالیں ہیں۔ غور کریں گے تو اور بہت سی چیزیں سامنے آئیں گی۔ یہ تو دنیاوی مشکلات کی طرف کچھ اشارہ ہوا دین پر عمل میں بھی نفس کو تکلیف ہوتی ہے۔ نیند چھوڑ کر نماز پڑھنی پڑتی ہے روزے رکھ کر بھوک پیاس برداشت کرنی پڑتی ہے نفس نہیں چاہتا پھر بھی زکوٰۃ دینی پڑتی ہے۔ حج میں پیسہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے، وغیرہ وغیرہ یہ مشکلات انسان کی جان کے ساتھ ہیں، دوسری مخلوق ان چیزوں سے آزاد ہے۔

جو شخص کوئی بھی تکلیف اللہ کی رضا کے لیے برداشت کرے گا آخرت میں اس کا ثواب پائے گا اور جو شخص محض دنیا کے

لیے عمل کرے گا اس کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔ اور اگر گناہ کرے گا (جن میں اپنے اعضاء کو اور مال کو استعمال کرے گا) تو اس کی سزا پائے گا۔

جب انسان مشقت اور دکھ تکلیف میں مبتلا ہوتا رہتا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ جو میرے پاس ہے میرے خالق و مالک کا دیا ہوا ہے تو اسے اللہ جل شانہ کا مطیع اور فرمانبردار ہونا اور ہر حال میں اسی کی طرف متوجہ رہنا لازم تھا، اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرنا اور اس کی عبادتیں بھی کرنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا۔ لیکن انسان کا یہ طریقہ ہے کہ باغی بن کر رہتا ہے اپنے خالق اور مالک کے مواخذہ سے نہیں ڈرتا۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝

آنکھ اور زبان کی تخلیق میں چند حکمتیں:

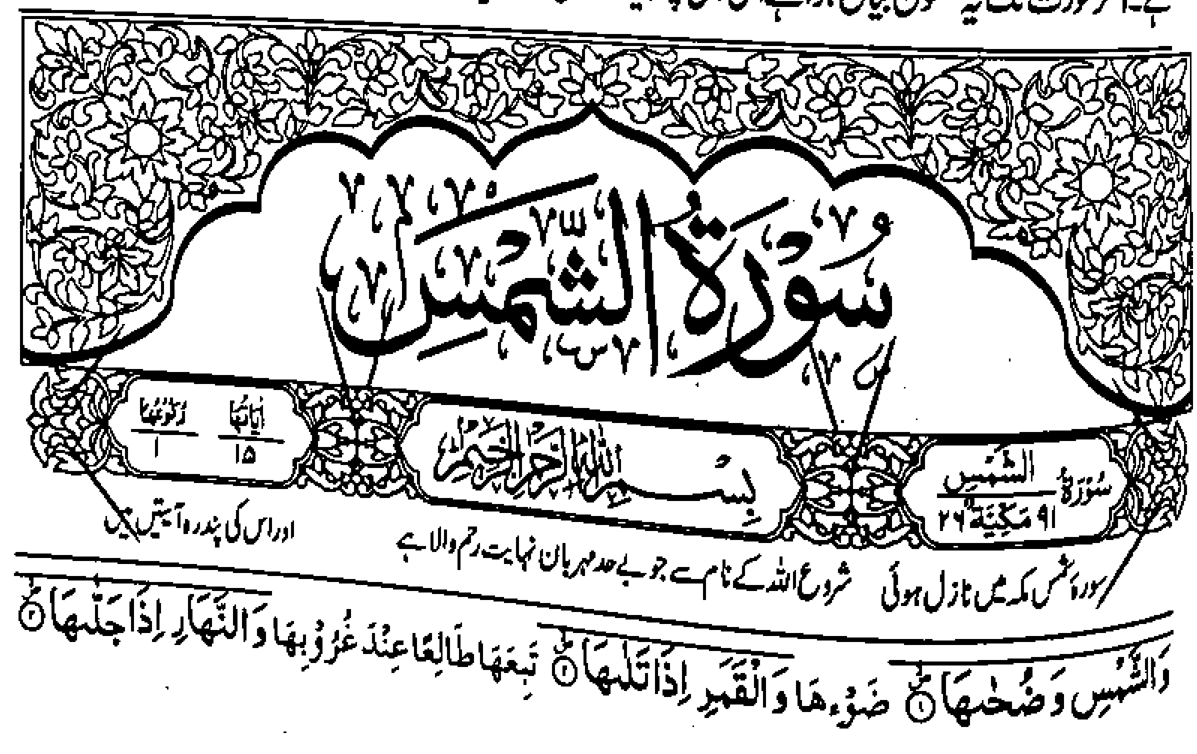
اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ نجدین تثنیہ نجد کا ہے جس کے لفظی معنے اس راستے کے ہیں جو اوپر بلندی کی طرف جاتا ہے مراد اس سے کھلا واضح راستہ ہے اور ان دو راستوں میں ایک خیر و فلاح کا دوسرا شر و ہلاکت کا راستہ ہے۔

سابقہ آیت میں انسان کی اس غفلت و جہالت پر تنبیہ تھی کہ وہ سمجھتا ہے کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کو بھی قدرت نہیں، اور یہ کہ اس کے اعمال و افعال کو کوئی دیکھنے والا نہیں۔ اس آیت میں چند ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے وجود میں ایسی عطا فرمائی ہیں کہ خود ان کی صنعت و حکمت ہی پر غور کرے تو حق تعالیٰ کی بے مثال حکمت و قدرت کا نظارہ انہیں چیزوں میں کرے، ان میں پہلے دو آنکھوں کا ذکر فرمایا کہ آنکھ کے نازک پردے نازک شراین (رگیں) ان میں قدرتی روشنی، پھر آنکھ کی وضع بہت کہ نازک ترین عضو ہے اس کی حفاظت کا کیا سامان خود اس کی خلقت میں کیا گیا کہ اسکے اوپر ایسے پردے ڈال دیئے جو خودکار مشین کی طرح جب کوئی مضر چیز سامنے سے آتی دکھائی دے خود بخود بغیر کسی اختیار کے بند ہو جاتے ہیں ان پردوں کے اوپر پلکوں کے بال کھڑے کر دیئے کہ گرد و غبار کو روک لیں، اسکے اوپر بھووں کے بال رکھے کے اوپر سے آنیوالی چیز براہ راست آنکھ میں نہ پہنچے، اس کو چہرے کے اندر اس طرح فٹ کیا گیا کہ اوپر سخت ہڈی ہے، نیچے رخسار کی سخت ہڈی ہے آدمی کبھی چہرے کے بل گر جائے یا اس کے چہرے پر کوئی چیز آ پڑے تو اوپر نیچے کی ہڈیاں آنکھ کو بچا لیں گی۔

دوسری چیز زبان ہے اس کی عجیب و غریب تخلیق اور دل کی باتوں کی ترجمانی جو اس پراسرار اور خودکار مشین کے ذریعہ ہوتی ہے اسکے حیرت انگیز طریقہ کار کو دیکھو کہ دل میں ایک مضمون آیا دماغ نے اس پر غور کیا اس کیلئے عنوان اور الفاظ تیار کئے وہ الفاظ اس زبان کی مشین سے نکلنے لگے۔ یہ اتنا بڑا کام کیسی سرعت کیساتھ ہو رہا ہے کہ سننے والے کو یہ احساس بھی نہیں ہو سکتا کہ ان الفاظ کے زبان پر آنے میں اسکے پیچھے کتنی مشینری نے کام کیا ہے تب یہ کلمات زبان پر آئے ہیں۔ زبان کے ساتھ شفتین یعنی ہونٹوں کا ذکر اسلئے بھی کہ قدرت نے زبان کو ایسی سریع العمل مشین بنایا ہے کہ آدھے منٹ میں اس سے ایسا کلمہ بھی بولا جا سکتا ہے جو اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچا دے جیسے کلمہ ایمان یا دنیا میں دشمن کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنا دے جیسے پچھلے قصور

کی معافی اور اسی زبان سے اتنے ہی وقفہ میں ایسا کلمہ بھی بولا جا سکتا ہے جو اس کو جہنم میں پہنچا دے جیسے کلمہ کفر یا دنیا میں اسکے بڑے سے بڑے مہربان دوست کو اس کا دشمن بنادے جیسے گالی گلوچ وغیرہ، جس طرح زبان کے منافع بیشمار ہیں اس کی ہلاکت آفرینی بھی اسی انداز کی ہے گویا یہ ایک تلوار ہے جو دشمن پر بھی چل سکتی ہے اور خود اپنا گلا بھی کاٹ سکتی ہے اسلئے حق تعالیٰ جل شانہ نے اس تلوار کو دو ہونٹوں کے غلاف میں مستور کر کے عطا فرمایا اور اس جگہ ہونٹوں کا ذکر کرنا اسطرف اشارہ ہوسکتا کہ جس مالک نے انسان کو زبان دی اس نے اس کو روکنے بند کرنے کے لیے ہونٹ بھی دیئے ہیں اسلئے اسکے استعمال میں سوچ سمجھ سے کام لے، بے موقع اس کو ہونٹوں کی میان سے نہ نکالے، تیسری چیز دو راستوں کی ہدایت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر وشر اور بھلے برے کی پہچان کے لیے ایک استعداد اور مادہ خود اسکے وجود میں رکھ دیا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا، فالھمھا فجورھا وتقوٰھا یعنی نفس انسانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے فجور اور تقویٰ دونوں کے مادے رکھ دیئے ہیں تو اس طرح ایک ابتدائی ہدایت انسان کو خود اسکے ضمیر سے ملتی ہے پھر اس ہدایت کی تائید کے لیے انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں آتی ہیں جو انکو بالکل واضح کر دیتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جاہل اور غافل انسان قدرت حق کے منکر ذرا اپنے ہی وجود کی چند نمایاں چیزوں میں غور کرے تو قدرت وحکمت حق کے کمال کا مشاہدہ ہو جائیگا۔ آنکھوں سے دیکھو پھر زبان سے اقرار کرو پھر دو راستوں میں سے خیر کے راستے کو اختیار کرو۔

آگے پھر اس کی غفلت شعاری اور بے فکری پر تنبیہ ہے کہ ان روشن دلائل سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اور اسکے ذریعہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حساب دینے کا یقین ہو جانا چاہئے اس یقین کا مقتضا یہ تھا کہ یہ خلق خدا کو نفع اور راحت پہنچاتا، ان کی ایذاؤں سے بچتا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا اور خود اپنی اصلاح کرتا اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتا تاکہ قیامت میں وہ اصحاب یمین یعنی اہل جنت میں شامل ہو جائے مگر اس بدنصیب نے ایسا نہ کیا بلکہ کفر قائم رہا جسکا انجام جہنم کی آگ ہے۔ آخر سورت تک یہ مضمون بیان ہوا ہے اس میں چند نیک اعمال کے اختیار نہ کرنے کو ایک خاص انداز سے بیان فرمایا ہے۔



وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۝ ضَوْءِهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝ تَبِعَهَا طَالِعًا عِنْدَ غُرُوْبِهَا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝

بِارْتِفَاعِہٖ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝ يُغَطِّيْهَا بِظُلْمَتِہٖ وَاِذَا فِی الثَّلٰثَةِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلُ فِيْهَا فِعْلُ الْقَسَمِ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝ بَسَطَهَا وَنَفْسٍ بِمَعْنٰى نُفُوْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فِی الْخِلْقَةِ وَمَا فِی الثَّلٰثَةِ مَصْدَرِيَّةٌ اَوْ بِمَعْنٰى مَنْ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ بَيَّنَ طَرِيْقَيِ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَاَخَّرَ التَّقْوٰى رِعَايَةً لِرُءُوْسِ الْاٰیِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ قَدْ اَفْلَحَ حُذِفَتْ مِنْهُ اللَّامُ لِطُوْلِ الْكَلَامِ مَنْ زَكّٰهَا ۝ طَهَّرَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ وَقَدْ خَابَ خَسِرَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ اَخْفَاهَا بِالْمَعْصِيَةِ اَصْلُهٗ دَسَّسَهَا اُبْدِلَتِ السِّيْنُ الثَّانِيَةُ اَلِفًا تَخْفِيْفًا كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ رَسُوْلَهَا صَالِحًا بِطَغْوٰهَآ ۝ بِسَبَبِ طُغْيَانِهَا اِذِ انْۢبَعَثَ اَسْرَعَ اَشْقٰهَا ۝ وَاسْمُهٗ قُدَارٌ اِلٰى عَقْرِ النَّاقَةِ بِرِضَاهُمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَالِحٌ نَاقَةَ اللّٰهِ اَیْ ذَرُوْهَا وَسُقْيٰهَا ۝ وَشُرْبَهَا فِیْ يَوْمِهَا وَكَانَ لَهَا يَوْمٌ وَّلَهُمْ يَوْمٌ فَكَذَّبُوْهُ فِیْ قَوْلِهٖ ذٰلِكَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى الْمُرَتَّبِ عَلَيْهِ نُزُوْلُ الْعَذَابِ بِهِمْ اِنْ خَالَفُوْهُ فَعَقَرُوْهَا قَتَلُوْهَا لِيَسْلَمَ لَهُمْ مَاءُ شُرْبِهَا فَدَمْدَمَ اَطْبَقَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمُ الْعَذَابَ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا ۝ اَیِ الدَّمْدَمَةَ عَلَيْهِمْ اَیْ عَمَّهُمْ بِهَا فَلَمْ يُفْلِتْ مِنْهُمْ اَحَدًا وَّلَا بِالْوَاوِ وَالْفَاءِ يَخَافُ تَعَالٰى عُقْبٰهَا ۝ تَبِعَتَهَا

ع ۱۵ ۱۲

ترجمہ: سورج اور اس کی دھوپ (روشنی) کی قسم اور چاند کی قسم ہے کہ اس کے پیچھے آتا ہے (سورج ڈوبنے کے بعد چاند نکلتا ہے) اور دن کی قسم جب کہ وہ خوب روشن کر دیتا ہے (چڑھ کر) اور رات کی قسم جب کہ وہ ڈھانک لیتی ہے (اپنی اندھیری سے چھپا دیتی ہے اور اذا تینوں جگہ ظرفیت کیلئے ہے۔ فعل قسم اس میں عامل ہے) اور آسمان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو بنایا ہے اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو بچھایا (پھیلایا) ہے اور نفس انسانی (نفس بمعنی نفوس) اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو ہموار کیا (بناوٹ اور تینوں جگہ ما مصدریہ ہے یا بمعنی من ہے) پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری اس کو الہام کر دی (خیر وشر کے دونوں راستے بتلا دیئے اور تقویٰ کا ذکر آخر میں اس آیت کی وجہ سے کیا ہے اور جواب قسم آگے ہے) یقیناً وہ بامراد ہوا (کلام طویل نہ ہو جائے اس لیے لام حذف کر دیا ہے) جس نے نفس کو پاک کر لیا (گناہوں سے بچا لیا) اور نامراد (ناکام) ہوا جس نے اس کو دبا دیا (گناہ کرکے اس کی صلاحیت کو مخفی کر دیا۔ اس کی اصل دسسہا تھی۔ دوسرا سین تخفیف کیلئے الف سے بدل دیا) قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو) جھٹلا دیا۔ اپنی شرارت (سرکشی) کی وجہ سے جب کہ (پھر کر جلدی سے) اٹھا۔ اس قوم کا سب سے زیادہ بدبخت (جس کا نام قدار تھا قوم کی رائے سے اونٹنی کو کونچیں کاٹنے کیلئے) تو اللہ کے رسول نے (صالح) ان لوگوں سے فرمایا کہ خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی سے (اسے ہاتھ نہ لگانا) اور اس کے پانی پینے سے (اس کی

باری کے دن کیونکہ ایک روز اس کی باری تھی اور ایک دن اوروں کی) مگر انہوں نے اس کی بات کو جھوٹا قرار دیا (کہ خدا کی طرف سے یہ نہیں ہے کہ اگر انہوں نے مخالفت کی تو ان پر عذاب آئے گا) پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا (پانی اپنے لیے مخصوص کر لینے کی خاطر اونٹنی کو ختم کر دیا) آخر کار ان پر ایسی آفت توڑی (ڈھائی) ان کے رب نے (عذاب کی) ان کے گناہ کی پاداش میں۔ ایک ساتھ سب کو پھونک کر خاک کر دیا (یعنی سب کو ایسا ختم کر ڈالا کہ ان میں سے ایک بھی نہ بچا) اور اللہ نے (واؤ اور فا کے ساتھ دونوں طرح ہے) اس کے انجام (نتیجہ) کی پرواہ نہیں کی۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله :تَبِعَهَا: یعنی چاند کا طلوع سورج کے طلوع کے پیچھے ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب وہ بدر کامل بن جاتا ہے۔ ۲۔ چاند کا طلوع سورج کے غروب کے متصل بعد ہو یہ ابتداء ماہ قمری میں ہوتا ہے۔

قوله :وَالنَّهَارِ: جَلّٰهَا کی فاعلی ضمیر نہار کی طرف اور ھا مفعول شمس یا طلحه کی طرف۔ ۲۔ جَلّٰهَا کی فاعلی ضمیر نہار کی طرف اور ھا مفعول شمس یا ظلمہ کی طرف یا دنیا یا ارض کی طرف۔ (س) رازی نے جَلّٰهَا کی معنی اظهر النهار الشمس کیا ہے کیونکہ دن ہی ضوء شمس کا ہے۔ جب نور خوب ظاہر ہوگا تو سورج کا ظہور بھی خوب ہوگا۔ (ک)

قوله :وَاذَا فِی الثَّلٰثَةِ: یہ بعض کا قول ہے کہ تینوں مقام پر محض ظرفیت کے لیے ہے۔ ۲۔ خلیل کے ہاں یہ عطف کے لیے ہے۔ محض ظرفیت کا مطلب یہ ہے جو شرط سے خالی ہو اور قسم مقدر اس میں عامل ہے۔ (ج)

قوله :فِعْلُ الْقَسَمِ: جب فعل معلق بالشرط نہ ہو تو اس وقت حال کا فائدہ دیتا ہے۔ (ج)

قوله :وَمَا فِی الثَّلٰثَةِ: ما مصدریہ ہے یہ زجاج و زمخشری کا قول ہے۔ رہا عطف کا سوال تو ہو ما پر نہیں بلکہ ما کے صلہ پر ہے۔ (ک)

قوله :قَدْ اَفْلَحَ: قَدْ سے پہلے لام کا حذف طوالت کلام کی وجہ سے کیا ہے ورنہ جواب قسم یہی ہے۔ (ش)

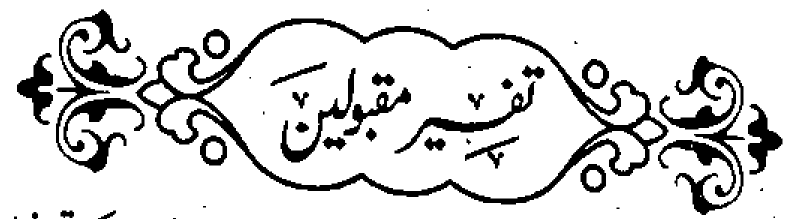
قوله :طَهَّرَهَا: اس سے اشارہ کیا کہ زَكّٰهَا کا فاعل ضمیر ہے جو مَن کی طرف لوٹتی ہے۔ اور ضمیر بارز نفس کی طرف لوٹتی ہے۔ دَسّٰهَا بھی اسی طرح ہے۔ ۲۔ فاعل کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی وہ کامیاب ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے طاعت کے ذریعہ پار کر دیا اور وہ نفس رسواء ہوا جس کو معصیت کے ذریعہ ملوث کر دیا۔

قوله :اَخْفَاهَا: کا مطلب یہ ہے اس کی فطرت واستعداد گناہ سے بگڑ گئی جس پر اسے پیدا کیا گیا تھا۔

قوله :دَسّٰهَا: یہ تدسیس سے ہے یہ کسی چیز کو دوسری چیز سے چھپانے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے نفس کو بجھا دیا اور کفر و معصیت کے ذریعہ اس کے مرتبہ کو اس نے چھپا دیا۔

قوله :فِیْ قَوْلِهٖ ذٰلِکَ: قوم ثمود تکذیب پر مستمر رہی اور وہ پیغمبر کی تکذیب اور اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے باز نہ آئے اسی سبب

کا عذاب مسلط ہو گیا۔ (ج)
سے ان پر چیخ و چنگاڑ سے نہ ڈرا اور سے بدلہ لے بھی کون سکتا ہے۔ (ج)
قولہ: تَبۡعَثُهَا: دیگر بادشاہوں کی طرح اپنے فعل کے انجام سے نہ ڈرا اور فرمایا: جس شخص نے اپنے نفس کو طاعت سے پاک کیا وہ
۱۔ اللہ تعالیٰ نے ابتداء سورت میں سات مظاہر قدرت کی قسم اٹھائی اور فرمایا: جس شخص نے اپنے نفس کو طاعت سے پاک کیا وہ
کامیاب ہوا اور جس نے اپنے نفس کو معصیت میں غرق کر دیا وہ ناکام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کی قسم اس لیے اٹھائی تا کہ ان
پر غور و فکر کے دواعی زیادہ پختہ ہوں۔ (ک۔ر)
۲۔ ایمان و عمل صالح کی ترغیب دلائی کیونکہ اس پر فلاح کا مدار ہے اور شرک و معاصی سے ڈرایا اس لیے کہ وہ خسران کا باعث
ہے۔ نفس کو جب تک گناہوں سے پاک نہ کرے گا جنت میں نہیں جا سکتا اور جس نے نفس کو معصیت کی تلویث سے بچا لیا وہ
جنت کا حقدار بن گیا۔
۳۔ قوم ثمود کے مرض کو بتلایا کہ وہ حد سے بڑھی ہوئی سرکشی تھی جو کہ ان کی دنیا میں ہلاکت و تدمیر کا باعث بنی آخرت کی بربادی
بھی یقینی ہو گئی۔



سورۃ الشمس بھی مکی سورت ہے جس کی پندرہ آیات ہیں، اس سورت میں خاص طور پر ایک تو انسان کے نفس اور اس کے تقاضوں کے متعلق خالق کائنات نے ایسی بنیادی باتیں ذکر فرمائی ہیں جن کو محسوس کر کے انسان نفس کے فریب اور اس کی شہوتوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ سکتا ہے، دوسری یہ اہم بات ذکر فرمائی گئی کہ انسان کی فطرت میں خیر و شر اور ہدایت و ضلالت کی استعداد رکھی گئی ہے لیکن یہ اس کے شعور اور فکر پر موقوف ہے کہ خیر و شر میں سے کس پہلو کو اختیار کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ اختیار کرنا خود انسان کا اپنا عمل اور اسی کا فیصلہ ہوتا ہے، اس بناء پر اصولاً یہ درست ہے کہ خیر اور نیکی پر اجر و ثواب اور نجات کا مستحق ہو اور شر پر عذاب و ہلاکت کا، دنیا کے انسان ان ہی دو راستوں پر چل رہے ہیں، اس ذیل میں قوم ثمود اور ناقہ صالح علیہ السلام کا بھی ذکر فرمادیا گیا، تا کہ ایک قدیم تاریخ کے حوالہ سے یہ ظاہر ہو جائے کہ خدا کے پیغمبر کے مقابلہ میں سرکشی اور نافرمانی سے کس طرح یہ عظیم قوم تباہ ہوئی اور آج کی تاریخ میں اس کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ۝

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے سورج کی اور اس کی روشنی کی قسم کھائی ہے اور چاند کی بھی قسم کھائی ہے اس میں اِذَا تَلٰىهَا کا بھی اضافہ فرمایا یعنی چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے سے آ جائے یعنی سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہو جائے اس سے مہینوں کی درمیان یعنی تیرہ چودہ پندرہ تواریخ کی راتیں مراد ہیں ان راتوں میں جیسے ہی سورج غروب ہوتا ہے چاند نکل آتا ہے اور خوب زیادہ روشن رہتا ہے اور پوری رات اس کی روشنی کامل رہتی ہے جس طرح وَضُحٰهَا ۝ فرما کر آفتاب کی کامل روشنی کی طرف اشارہ فرمایا اسی طرح چاند کے کمال نور کی طرف اِذَا تَلٰىهَا فرما کر اشارہ فرمادیا اس کے بعد دن کی قسم کھائی اور

فرمایا: وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿ (قسم ہے دن کی جب وہ سورج کو روشن کردے) یہ اسناد مجازی ہے چونکہ دن میں آفتاب کی روشنی ہوتی ہے اس لیے روشنی کو دن کی طرف منسوب فرمادیا۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿ (اور قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو چھپالے) یہ بھی اسناد مجازی ہے اور مطلب یہ ہے کہ قسم ہے رات کی جب خوب اچھی طرح تاریک ہوجائے اور دن کی روشنی پر چھا جائے۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿ (اور قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا) وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿ (اور قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بچھایا)۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴿ (اور قسم ہے جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو اچھی طرح بنایا)۔

ان تینوں آیتوں میں جو ما موصولہ ہے یہ مَن کے معنی میں ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی بھی قسم کھائی اور اپنی ذات کی بھی کیونکہ وہ ہی آسمان کو بنانے والا اور نفس کو بنانے والا ہے۔ نفس یعنی جان کی قسم کھاتے ہوئے وَّمَا سَوّٰهَا ﴿ بھی فرمایا مفسرین نے اس سے نفس انسانی مراد لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو بنایا اور اسے جس قالب میں ڈھالا اس کے اعضا کو خوب ٹھیک طرح مناسب طریقہ پر بنادیا اس کے اعضاء ظاہرہ بھی خوب اچھی طرح کام کرتے ہیں اور اعضاء باطنہ بھی عقل وفہم تدبر وتفکر ان سب نعمتوں سے نواز دیا۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿ (پھر نفس کو اس کے فجور اور تقویٰ کا الہام فرمادیا) جب اسے عقل وفہم سے اور اعضاء صحیحہ ظاہرہ وباطنہ سے نواز دیا تو اسے احکام کا مکلف بھی بنادیا وہ اپنے خالق ومالک کو پہچاننے کا بھی اہل ہے اور اس کے اعضاء معبود حقیقی کی عبادت کرنے کی بھی قوت رکھتے ہیں، پھر چونکہ امتحان بھی مقصود تھا اس لیے انسان کے لیے دونوں راستے واضح فرما دیئے جیسے: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ... میں بیان فرمایا نفس انسانی میں فجور کے جذبات بھی ابھرتے ہیں یعنی معاصی کی طرف بھی ابھار ہوتا ہے اور خیر کے جذبات بھی امنڈتے ہیں خیر اور شر دونوں چیزیں نفس انسانی میں پیدا ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں ڈالی ہیں اب انسان کی یہ سمجھداری ہے کہ وہ معاصی سے بچے اور خیر کے کاموں میں آگے بڑھے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴿ یہ جواب قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں چند چیزوں کی قسم کھائی جن کا وجود انسان کے سامنے ہے اور بہت واضح اور ظاہر ہے آسمان کو سب دیکھتے ہیں، زمین پر سب بستے ہیں اور سب پر رات دن گزرتے ہیں چاند سورج دونوں بڑی روشنی والی چیزیں ہیں۔ اور نفس انسانی تو سب کے ساتھ لگا ہی ہوا ہے ان سب چیزوں کی تخلیق اور ان کے تصرفات سب میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے انسان پر لازم ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے اس کے احکام پر عمل کرے گناہوں سے بچے، طاعات میں لگے اگر ایمان قبول کیا۔ گناہوں سے بچا، نفس کو سنوارا اور سدھارا اور گناہوں کی آلائش اور گندگی سے بچایا تو وہ کامیاب ہوگیا اس کی دنیا بھی اچھی ہے اور آخرت بھی۔ سورۃ النور میں فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور اللہ سے ڈرا اور اس کے ڈر سے گناہوں سے بچا تو یہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں)۔

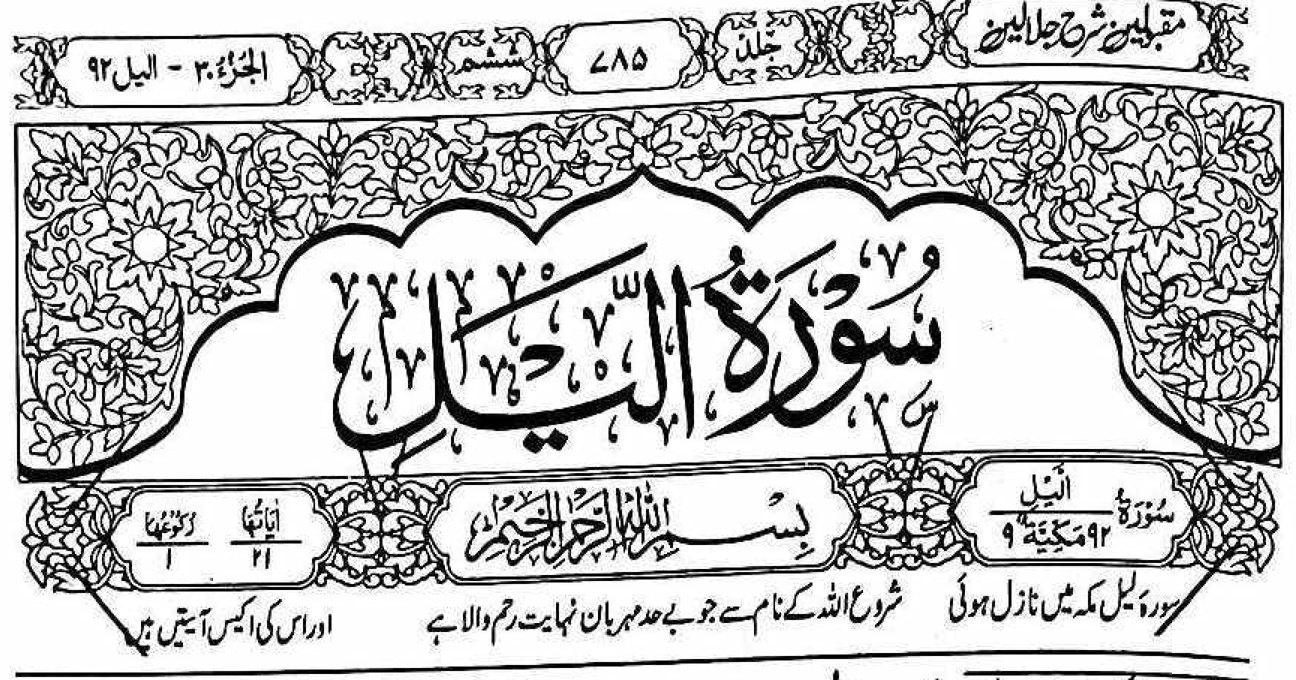
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴿ (اور وہ شخص نامراد ہوا جس نے اسے میلا کیا)۔

یہ سابقہ آیت پر معطوف ہے گزشتہ آیت میں یہ بتایا کہ جس نے اپنے نفس کو پاک اور صاف ستھرا کرلیا وہ کامیاب ہوگیا اور اس آیت میں یہ بتایا کہ جس نے اپنے نفس کو دبادیا یعنی اس کو کفر وشرک ومعاصی میں لگایا وہ ناکام رہا یہ لفظ تدسیس سے ماضی

کا صیغہ ہے اصل میں دسسہا تھا مضاعف کے آخری حرف کو حرف علت سے بدل دیتے ہیں۔ یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا ہے تدسیس لغت میں چھپانے کو کہتے ہیں یہاں چونکہ من زکھا کے مقابلہ میں وارد ہوا ہے اس لیے مفسرین نے یہ معنی لیے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو کفر و معصیت میں دبا کر چھپا دیا اسے انوار ایمان انوار طاعات سے چمکدار نہ بنایا وہ تزکیہ سے محروم رہا لہذا ہلاک ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں یہ بھی تھا: (اللھم ات نفسی تقواھا وزکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا ومولاھا)

''اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرمادے اور اس کو پاک کر دے تو سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے تو اس کا ولی ہے اس کا مولیٰ ہے''۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ (قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلایا) یعنی ان کی سرکشی نے انہیں اس پر آمادہ کر دیا کہ اللہ کے رسول کی تکذیب کر دی اور اللہ کی توحید اللہ کی عبادت کی طرف جو انہوں نے بلایا اس میں انہوں نے ان کو جھوٹا بتا دیا، وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام سے جھگڑتے رہے ان سے کہا کہ اگر تم نبی ہو تو پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ جب پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہو گئی تو اب اس کے قتل کرنے کے لیے مشورے کرنے لگے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتا دیا تھا کہ دیکھو ایک دن تمہارے کنویں کا پانی یہ اونٹنی پیے گی اور ایک دن تمہارے جانور پئیں گے اور یہ بھی بتا دیا کہ اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے، لیکن وہ باز نہ آئے اور ایک شخص اس پر آمادہ ہو گیا کہ اس اونٹنی کو کاٹ ڈالے۔ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝، دمدمہ کا لفظ ایسے سخت عذاب کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی شخص یا قوم پر بار بار آتا ہے یہاں تک کہ ان کو بالکل فنا کر دے۔ اور فسوھا کا مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب پوری قوم پر محیط ہو گیا جس میں مرد و عورت، بچہ بوڑھا سب برابر ہو گئے۔ آخر میں فرمایا: وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝ یعنی حق تعالیٰ کا عذاب اور کسی قوم کو تباہ کر دینے کے معاملے کو دنیا کے معاملات کی طرح نہ سمجھ کہ اس میں بڑے سے بڑا بادشاہ صاحب قوت و شوکت بھی جب کسی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جس میں پوری قوم کی ہلاکت ہے تو اس کو خود بھی یہ خطرہ رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے بقایا یا انکے حامی لوگ ہم سے انتقام لیں اور بغاوت کرنے لگیں غرض دنیا میں دوسروں کو مارنے والا خود بھی کبھی بے خطر نہیں رہتا، جو دوسروں پر حملہ کرتا اس کو اپنے پر حملے کا خطرہ بھی لازماً برداشت کرنا پڑتا ہے بجز حق تعالیٰ جل شانہ، کے کہ اس کو کسی سے کوئی خطرہ نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔



سورۂ لیل مکہ میں نازل ہوئی | شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے | اور اس کی اکیس آیتیں ہیں

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ بِظُلْمَتِهٖ كُلَّ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾ تَكَشَّفَ وَظَهَرَ وَاِذَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلُ فِيْهِمَا فِعْلُ الْقَسَمِ وَمَا بِمَعْنٰى مَنْ اَوْ مَصْدَرِيَّةٌ خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ﴿۳﴾ اٰدَمَ وَحَوَّاءَ اَوْ كُلَّ ذَكَرٍ وَكُلَّ اُنْثٰى وَالْخُنْثٰى الْمُشْكِلُ عِنْدَنَا ذَكَرٌ اَوْ اُنْثٰى عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَحْنَثُ بِتَكْلِيْمِهٖ مَنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ ذَكَرًا وَلَا اُنْثٰى اِنَّ سَعْيَكُمْ عَمَلَكُمْ لَشَتّٰى ﴿۴﴾ مُخْتَلِفٌ فَعَامِلٌ لِلْجَنَّةِ بِالطَّاعَةِ وَعَامِلٌ لِلنَّارِ بِالْمَعْصِيَةِ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى حَقَّ اللّٰهِ وَ وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ اللّٰهَ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾ اَيْ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿۷﴾ لِلْجَنَّةِ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ بِحَقِّ اللّٰهِ وَاسْتَغْنٰى ﴿۸﴾ عَنْ ثَوَابِهٖ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ نُهَيِّئُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾ لِلنَّارِ وَمَا نَافِيَةٌ يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ﴿۱۱﴾ فِي النَّارِ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾ لتبيين طَرِيْقِ الْهُدٰى مِنْ طَرِيْقِ الضَّلَالِ لِيَمْتَثِلَ اَمْرَنَا بِسُلُوْكِ الْاَوَّلِ وَنَهْيَنَا عَنْ اِرْتِكَابِ الثَّانِيْ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ اَيِ الدُّنْيَا فَمَنْ طَلَبَهُمَا مِنْ غَيْرِنَا فَقَدْ اَخْطَاَ فَاَنْذَرْتُكُمْ خَوَّفْتُكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّاءَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ وَقُرِئَ بِثُبُوْتِهَا اَيْ تَتَوَقَّدُ لَا يَصْلٰهَآ يَدْخُلُهَا اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ بِمَعْنَى الشَّقِيِّ الَّذِيْ كَذَّبَ النَّبِيَّ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ وَهٰذَا الْحَصْرُ مُؤَوَّلٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ فَيَكُوْنُ الْمُرَادُ الصَّلْيَ الْمُؤَبَّدَ وَسَيُجَنَّبُهَا يُبْعَدُ عَنْهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ بِمَعْنَى التَّقِيِّ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ مُتَزَكِّيًا بِهٖ عِنْدَ اللّٰهِ بِاَنْ يُّخْرِجَهٗ لِلّٰهِ لَا رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً فَيَكُوْنُ زَكِيًّا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهٰذَا نَزَلَ فِي الصِّدِّيْقِ

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ لَمَّا اشْتَرٰی بِلَالًا الْمُعَذَّبَ عَلٰی اِیْمَانِهٖ وَاَعْتَقَهٗ فَقَالَ الْکُفَّارُ اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِکَ لِیَدٍ کَانَتْ لَهٗ عِنْدَهٗ فَنَزَلَ وَمَا لِاَحَدٍ بِلَالٍ وَغَیْرِهٖ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی ﴿۱۹﴾ اِلَّا فَعَلَ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ﴿۲۰﴾ اَیْ طَلَبَ ثَوَابِ اللّٰهِ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ﴿۲۱﴾ بِمَا یُعْطَاهُ مِنَ الثَّوَابِ فِی الْجَنَّةِ وَالْاٰیَةُ تَشْتَمِلُ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ فِعْلِهٖ فَیُبْعَدُ عَنِ النَّارِ وَیُثَابُ

ترجمہ: قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے (آسمان وزمین کے درمیان فضا کو اندھیرے سے چھپالے) اور دن کی جب کہ وہ روشن ہو (نمایاں ہو اور چمکے۔ دونوں جگہ اذا محض ظرف کے لیے ہے اور فعل قسم عامل ہے) اور اس ذات کی (ما بمعنی من ہے یا مصدریہ ہے) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا (آدم اور حواء اور ہر مرد وعورت مراد ہے اور واقعی ہیجڑہ ہمارے اعتبار سے مشکل سمجھا جائے گا لیکن عند اللہ وہ مرد وعورت ہے، چنانچہ اگر کوئی حلف کرے کہ میں کسی مرد وعورت سے کلام نہیں کروں گا اور وہ ہیجڑہ سے بات کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی) فی الحقیقت تم لوگوں کی کوششیں (اعمال) مختلف قسم کی ہیں (کوئی جنت کے کام کرتا ہے اطاعت کر کے اور کوئی نافرمانی کر کے دوزخ کماتا ہے) سو جس نے مال دیا (اللہ کا حق) اور (اللہ سے) ڈرا اور اچھی بات (دونوں جگہ کلمہ لا الہ الا اللہ مراد ہے) کو سچا سمجھا۔ سو ہم راحت کی چیز (جنت) کے لیے سہولت دیں گے اور جس نے (اللہ کے حق میں) بخل کیا اور (ثواب سے) بے نیازی برتی اور اچھی بات کو جھٹلایا۔ اس کو ہم تکلیف دہ چیز (جہنم) کے لیے سامان کر دیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا (ما نافیہ ہے) جب کہ وہ ڈال دیا جائے گا (دوزخ میں) بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے (ہدایت اور گمراہی کا الگ الگ کر دینا۔ تاکہ پہلے راستہ پر چل کر وہ ہمارے حکم کی تعمیل کرے اور دوسرے کے اختیار کرنے سے باز رہے) اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا (لہٰذا جو ہمارے علاوہ دوسرے سے چاہے گا وہ غلطی کرے گا) پس میں نے (مکہ والو) تمہیں خبردار کر دیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے (تلظی کی اصل میں دو تائیں تھیں جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور ایک قراءت میں دونوں کو پڑھا گیا ہے یعنی دہکتی ہوئی آگ) اس میں وہی بدبخت داخل ہوگا (اشقی بمعنی شقی ہے) جس نے (پیغمبر کو) جھٹلایا اور روگردانی کی (ایمان سے۔ آیت ویغفر مادون ذلک لمن یشاء کی وجہ سے اس حصہ کی تاویل کی جائے گی، لہٰذا دوزخ میں داخل ہونے سے ہمیشہ کا داخلہ مراد ہوگا) اور اس سے دور (الگ) رکھا جائے گا۔ وہ پرہیزگار (اتقی بمعنی تقی ہے) جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے (مال کے ذریعہ اللہ کے نزدیک ہونے کے لیے صرف اللہ کے لیے پیسہ خرچ کرے۔ ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے نہ ہو، جس سے اللہ کے نزدیک پاکیزہ ہو جائے گا۔ یہ آیت صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جب کہ انہوں نے بلالؓ کو خرید کر اس وقت آزاد کیا جب انہیں ایمان لانے کی وجہ سے ستایا جا رہا تھا۔ مگر کافر کہنے لگے کہ ابو بکرؓ نے تو اس احسان کا بدلہ چکانے کے لیے جو بلالؓ نے ان پر کیا تھا۔ اس پر اگلا جملہ نازل ہوا) اس پر کسی (بلالؓ وغیرہ) کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ البتہ (لیکن اس نے یہ کیا ہے) صرف اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی کے لیے (ثواب حاصل

کرنے کے لیے) اور وہ ضرور خوش ہوگا (جنت میں جو اسے ثواب عطا ہوگا اور آیت ہر اس شخص کے لیے بھی ہے جو حضرت ابو بکرؓ جیسے اعمال کرے گا۔ لہٰذا اسے بھی دوزخ سے دور رکھا جائے گا اور اسے اجر ملے گا۔)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله :مابهن: ما من کے معنیٰ میں لیا جائے تو ذات باری تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھا کر فرمایا۔ مجھے مرد وعورت کے پیدا کرنے پر قدرت ہے۔

قوله :حق اللّٰه: اس سے اشارہ کیا کہ دونوں مفعول محذوف ہیں اور اعطاء بحیثیت اعطاء کے یہاں ثابت کرنا مقصود تھا وجوب اتقاء کی حیثیت سے ثابت کیا جائے تو یہ زیادہ بلیغ اور عام ہوا۔ فتدبر۔

قوله :بلا الٰه: یعنی توحید ورسالت کی گواہی دی۔

قوله :لِلْجَنَّةِ: جناب رسول ﷺ نے فرمایا: ہر شخص کی جنت و دوزخ کی جگہ لکھی، صحابہ کرام نے عرض کی پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں؟ فرمایا: عمل کرو ہر ایک کو اسی عمل کی توفیق ہوتی ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا سعید سعادت والے کام کرے گا اور شقی شقاوت والے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى۔ (س)

قوله :نُهَيِّئُهُ: تو مفسر فرماتے ہیں: نیسرہ یہ مہیا کرنے کے معنیٰ میں ہے اور تنگی وآسانی دونوں مہیا ہوتی ہیں۔ (ک)

قوله :لتبیین: علینا الهدی و الضلال کا مطلب تقدیر پر اکتفاء نہیں بلکہ تبیین ہدایت وضلالت ہے۔ (ص) هذا الحصر سے اشارہ فرمایا کہ بعض کے لیے عدم مغفرت ہے اور بعض گناہ گار آگ میں داخل ہوں گے۔ (ک)

قوله :متزکیا به: مفسر نے فاعل سے حال بننے کو ترجیح دی ہے۔ (ج)

قوله :وَهٰذَا نَزَلَ: ابن جوزی نے اس پر اجماع نقل کیا کہ یہ ابو بکر صدیقؓ کے متعلق اتری۔ (الصواعق) امیہ بن خلف، حضرت بلال کو بطحاء مکہ میں طرح طرح سے ایذائیں دیتا۔ جناب صدیقؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اپنا ایک طاقتور غلام دے کر اسے خرید کر خدمت رسول کے لیے آزاد کر دیا۔ اس طرح کے کئی ستم رسیدہ غلاموں کو صدیقؓ نے خرید کر آزاد کیا۔ (الخطیب)

قوله :تُجْزٰٓى: فواصل کے لحاظ سے لایا گیا اصل یجزیہا یا ہا۔ یہ نعت کی صفت ہے۔ (س)

قوله :وَمَا لِاَحَدٍ: اس کفار کی تکذیب فرمائی کہ یہ احسان رکھنے کو آزاد کیا تو فرمایا۔ اس پر کسی شخص کا احسان نہیں کہ جس کا وہ بدلہ چکاتے۔

قوله :اِلَّا ابْتِغَآءَ: زمخشری کہتے ہیں یہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ اس کی خالص عبادت کو لازم کرنے والی ہے۔

۲۔ قضاء وقدر کے فیصلے کے مطابق ہر ایک کو وہی میسر ہے جو علم الٰہی میں ہے اور نیک کام اختیار کرنا سعید ہونے کی علامت ہے

بشرطیکہ اسی حالت میں موت آئے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھیج کر راہ ہدایت کی کفالت فرمائی۔ اور کتابیں اتار کر راستے کو واضح کر دیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت نے اپنی رضا کا راستہ حلال وحرام اور طاعت و معصیت کو بیان کر کے بتا دیا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کائنات کا مالک ومتصرف ہے ثواب اسی کے قبضہ میں ہے۔ جس نے اور کسی سے طلب کیا اس نے راہ کو چھوڑ دیا۔ کسی نافرمان کی نافرمانی سے اسے کچھ نہیں جیسا کسی فرماں بردار کی فرماں برداری سے اسے کچھ فائدہ نہیں، دونوں کا نفع ونقصان خود کرنے والے کی طرف لوٹے گا۔

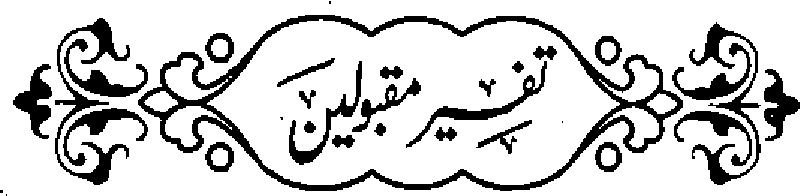
۶۔ محمد ﷺ پر ایمان کا انکار کرنے والا شقی ازلی ہے وہ ہمیشہ جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت بنائی۔ اب ہر ایک کی مرضی ہے کہ وہ آخرت طلب کرے یا دنیا۔ آخرت کی طلب کا راستہ ایمان و تقویٰ سے ہے اور دنیا کا راستہ وہ طرق اختیار کرنا جو اس کے حصول کے بنائے ہیں۔

۸۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی اس میں بڑی شان بیان فرمائی گئی ان کو سب امت میں بڑا متقی قرار دیا گیا ہے۔

۹۔ علامہ زمخشریؒ نے کشاف میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں سب سے پہلے بڑے کافر اور سب سے بڑے مؤمن کا موازنہ ذکر فرمایا ہے۔ گویا الاشقی کہہ کر بتلایا کہ آگ کا سب سے بڑا حقدار یہی ہے اور گویا آگ اسی کے لیے بنی ہے۔ اسی طرح اس کے بالمقابل الاتقی فرما کر اشارہ فرمایا جنت کا سب سے بڑا حقدار یہی ہے گویا جنت اسی کے لیے بنی ہے۔

۱۰۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شقی وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک نیکی بھی نہ کی ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی خاطر کوئی گناہ چھوڑا ہو۔



اس سورت میں بالخصوص اس امر کو بڑی تفصیل وتحقیق سے بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی عملی کوششیں مختلف قسم کی ہیں ان عملی جہود میں ایک نوع ایمان وتقویٰ جود وسخاوت احسان ومروت کی ہے تو دوسری نوع تکذیب حق، غرور واستکبار بخل وحق تلفی اور یہ کہ ایمان وتقوی کی مکارم عالیہ اور اخلاق حسنہ کا رخ اختیار کر نیوالا فوز وفلاح کا مستحق ہوتا ہے اور اسی کی راہیں اس پر آسان کر دی جاتی ہیں اس کے برخلاف تکذیب حق اور غرور واستکبار کا رخ انسان کو شقاوت ومحرومی کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔

سورت کی ابتداء رات کی محیط تاریکی اور دن کی روشنی اور اولاد آدم میں مذکر ومؤنث کی تفریق کی قسم کھا کر کی گئی، جس سے قدرت خداوندی کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح روز وشب کی ظلمت ونور میں فرق ہے اور انسانوں میں مذکر ومؤنث کا تفاوت ہے اسی طرح انسان کی جہود عملیہ میں بھی تفاوت ہے۔

سورت کے اخیر میں انسان کو تنبیہ کی گئی کہ وہ مال ودولت کے نشہ میں کبھی بھی دھوکہ میں نہ پڑے کہ یہ دنیوی مال ومنال کوئی عزت کی چیز ہے یا دنیا کی دولت اس کو کسی ہلاکت وپریشانی سے بچا سکتی ہے اسی کے ساتھ اس مومن صالح کا ایک تاریخی نمونہ

بھی (جس نے ایمان وتقوی اور جود وسخاوت سے سعادت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کیا) ذکر کیا گیا، اور وہ ابوبکر صدیق ؓ تھے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝

سورۃ اللیل کی پہلی تین آیات میں قسم ہے اور چوتھی آیت میں جواب قسم ہے، اولاً رات کی قسم کھائی جب کہ وہ دن پر چھا جائے پھر دن کی قسم کھائی جب وہ روشن ہو جائے پھر اپنی قسم کھائی اور فرمایا

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ (اور قسم ہے اس کی جس نے نر کو اور مادہ کو پیدا کیا)۔ پھر بطور جواب قسم ارشاد فرمایا: اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝ (بیشک تمہاری کوششیں مختلف ہیں)۔

انسان کی عام طور سے دو ہی صنفیں ہیں ایک مذکر اور مؤنث (نر اور مادہ) اور عمل کرنے والے انسان ان ہی دو جماعتوں پر منقسم ہیں اور اعمال دن میں ہوتے ہیں یا رات میں زمانہ کے دونوں حصوں کی اور بنی آدم کی دونوں قسموں کی قسم کھا کر فرمایا کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں دنیا میں اہل ایمان بھی ہیں اور اہل کفر بھی، اچھے لوگ بھی ہیں اور برے لوگ بھی گناہوں پر جمنے والے بھی ہیں اور توبہ کرنے والے بھی۔ اعمال حسنہ اور سیۂ کے اعتبار سے قیامت کے دن فیصلے ہوں گے۔ حضرت ابو مالک اشعری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو ہر شخص کام کاج کے لیے نکلتا ہے اور اپنے نفس کو مشغول کرتا ہے پھر اپنے نفس کو آزاد کرا لیتا ہے (یعنی دوزخ کے کاموں سے بچتا ہے) یا اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

(رواہ مسلم ص ۱۱۸)

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝

اس کے بعد اعمال صالحہ اور اعمال سیۂ کا تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ (سو جس نے دیا اور حسنیٰ یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ کی تصدیق کی سو ہم اس کے لیے آرام والی خصلت اختیار کرنا آسان کر دیں گے)۔ (اور جس نے کنجوسی کی اور بے پروائی اختیار کی اور حسنیٰ یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ کو جھٹلایا سو ہم اس کے لیے مصیبت والی خصلت اختیار کرنا آسان کر دیں گے)۔

یعنی دنیا میں مصیبتوں میں پڑے گا اور آخرت میں دوزخ میں جائے گا۔ بعض حضرات نے دونوں جگہ الحسنیٰ سے جنت مراد لی ہے یعنی ایمان لانے والے جنت پر ایمان لائے ہیں اور ان کے مخالف دوسرے فریق یعنی کافروں نے اس کو جھٹلایا۔

انسان جو دنیا میں آیا ہے کچھ نہ کچھ عمل کرتا ہے اور دنیا دار الامتحان ہے اس میں مومن بھی ہیں کافر بھی ہیں نیک بھی ہیں بد بھی ہیں پھر موت کے بعد انجام کے اعتبار سے بھی مختلف ہوں گے، انسانوں کے احوال مختلف ہیں دنیا کے حالات اور مجلسیں اور صحبتیں بدلتی رہتی ہیں اچھے لوگ برے اور برے لوگ اچھے بن جاتے ہیں۔ مومن ایمان چھوڑ بیٹھتے ہیں اور کافر ایمان لے آتے ہیں۔ حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ لکھا ہوا ہے۔ دوزخ میں بھی اور جنت میں بھی (یعنی کسی کا دوزخ میں جانا لکھا ہے اور کسی کا جنت میں جانا نوشتہ ہے)۔

صحابہ ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تو کیا ہم اس پر بھروسہ نہ کر لیں جو ہمارے بارے میں لکھا جا چکا ہے اور کیا عمل کو نہ چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو ہر شخص کے لیے وہی چیز آسان کر دی جائے گی جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے جو شخص

اہل سعادت میں سے ہے یعنی نیک بخت ہے اس کے لیے سعادت والے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے اور جو شخص اہل شقاوت میں سے ہے اس کے لیے بدبختی والے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے اس کے بعد آپ نے آیات کریمہ: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ (الی آیات) کی تلاوت فرمائیں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۳۷: ج۲، صفحہ ۷۳۸: ج۲) آیت کریمہ میں الیسریٰ سے ایمان اور اعمال صالح اختیار کرنا مراد ہے جس کا ترجمہ راحت والی خصلت کیا گیا ہے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگرچہ سب کچھ مقدر ہے لیکن انسان عمل میں اپنی سمجھ اور فہم کو استعمال کرے ایمان قبول کرے اعمال صالحہ میں لگا رہے۔ کفر و شرک سے دور رہے اور معاصی سے پرہیز کرتا رہے بندہ کا کام عقل و فہم کا استعمال کرنا اور ایمان قبول کرنا اور اچھے کاموں میں لگنا ہے۔ ایمان کو اور کفر کو بیان فرمادیا اور اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ میں اعمال صالحہ کی طرف اشارہ فرمادیا۔

اَعْطٰى میں مال کو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے اور اتَّقٰى ۙ میں تمام گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمادی اور بخیل کا تذکرہ کرتے ہوئے جو استغنی فرمایا ہے اس میں یہ بتادیا کہ بخل کرنے والا دنیا والے مال سے تو محبت کرتا ہے اور جمع کر کے رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خرچ کرنے پر جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ملنا ہے اس سے استغناء برتتا ہے گویا کہ اسے وہاں کی نعمتوں کی ضرورت ہی نہیں۔

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ

الْاَتْقَى ۙ مبالغہ کا صیغہ ہے جو کفر سے اور دوسرے معاصی سے بچنے پر دلالت کرتا ہے دوزخ سے بچائے جانے والے متقی کی صفت بتاتے ہوئے: الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۚ فرمایا۔ جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ اللہ کے نزدیک وہ پاک بندوں میں شمار ہو جائے۔ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب یتزکی مال خرچ کرنے والے سے متصل ہو اور اگر مال سے متعلق ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے بارے میں اللہ سے امید رکھتا ہے کہ اجر و ثواب بڑھتا چڑھتا رہے اور خوب زیادہ ہو کر ملے جبکہ مال صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کیا جائے۔ دکھاوا اور شہرت مقصود نہ ہو، اس وقت رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے۔

مزید فرمایا: وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۙ (اللہ کے لیے مال خرچ کرنے والے بندوں کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں کسی کا ان پر کچھ چاہنا نہیں ہے جس کا بدلہ اتار رہے ہیں: اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ ان لوگوں کا خرچ کرنا صرف اللہ تعالیٰ رضا حاصل کرنے کے لیے ہے۔

وَ لَسَوْفَ يَرْضٰى ۙ (اور یہ مال خرچ کرنے والا عنقریب راضی ہوگا) یعنی موت کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور اس کو وہ وہ نعمتیں ملیں گی جن سے خوش ہوگا۔

مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آخری آیات: وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ سے لے کر آخر تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا بہت ساتھ دیا جان سے بھی اور مال سے بھی ہجرت سے پہلے بھی اور ہجرت کے بعد بھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ایمان قبول کرنے کے بعد مشرکین کی طرف سے بہت زیادہ تکلیف دی جاتی تھی ان کی اذیت اور مار پیٹ انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک مشرک امیہ بن خلف کے غلام تھے اور حبشہ کے رہنے والے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا اشارہ پا کر حضرت ابو بکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ مشرکوں کو جب اس بات کا پتہ چلا تو کہنے لگے کہ ابو بکر نے بلال کو خرید کر اس لیے آزاد کیا ہے کہ بلال کا ابو بکر پر کوئی احسان تھا اس کی تردید کی اور فرمایا: وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝

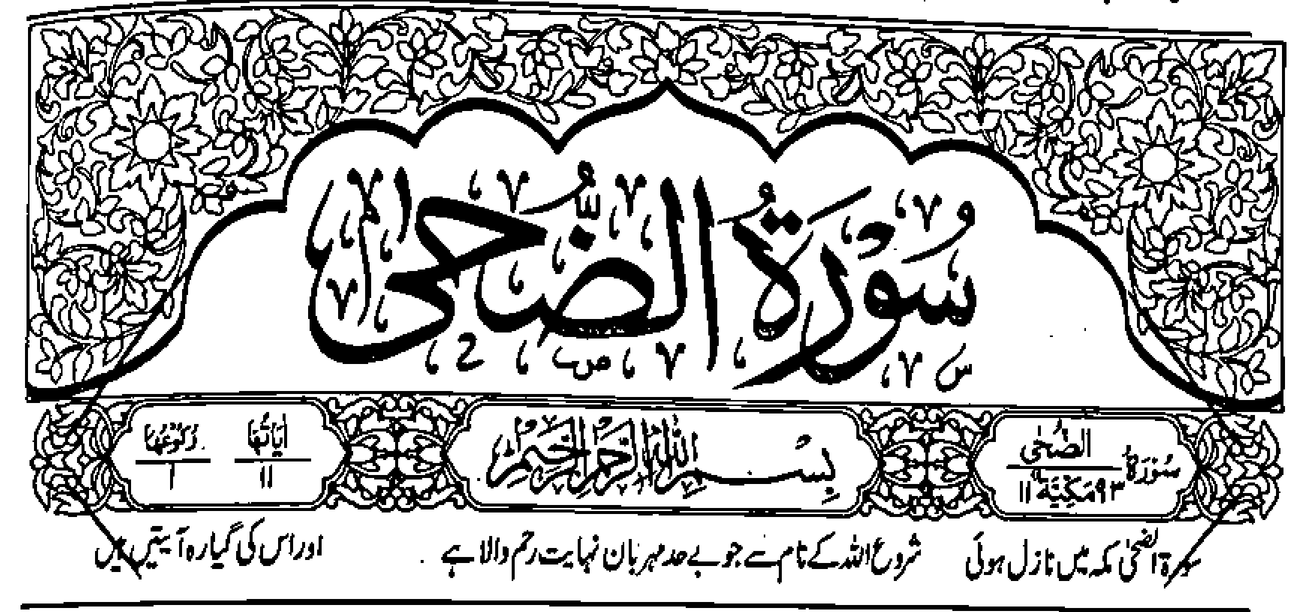
ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو خرید لیا تو حضرت بلالؓ نے کہا کہ آپ نے مجھے اپنے کاموں میں مشغول رکھنے کے لیے خریدا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے کاموں میں مشغول رہنے کے لیے خریدا ہے، حضرت بلالؓ نے کہا بس تو مجھے اللہ کے اعمال کے لیے چھوڑ دیجئے، حضرت ابو بکرؓ نے انہیں آزاد چھوڑ دیا اور وہ پورے اہتمام کے ساتھ دین کے کاموں میں لگے رہے پھر ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مؤذن بن گئے اور آپ کی حیات طیبہ کے آخر عمر تک یہ عہدہ ان کے سپرد رہا چونکہ مکہ معظمہ کی زندگی میں اسلام کے بارے میں مارے پیٹے جاتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں دنیا میں یہ سعادت نصیب فرمائی کہ امن وامان کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کے مؤذن رہے اور اذان واقامت کا کام ان کے سپرد رہا اس طرح اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتے رہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بڑے بڑے فضائل ہیں جن میں سے مال خرچ کرنے میں مسابقت کرنا بھی ہے، عموماً اللہ کی راہ میں تو مال خرچ کرتے ہی رہتے تھے ایک مرتبہ جو رسول اللہ ﷺ نے فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی تو سارا ہی مال لے کر آ گئے اور خدمت عالی میں پیش کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کہ اے ابو بکر! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا باقی رکھا؟ عرض کیا ان کے لیے اللہ اور رسول ہی کافی ہے۔ حضرت عمرؓ خیال کر رہے تھے کہ اس مرتبہ میں ابو بکرؓ سے آگے بڑھ جاؤں گا وہ اپنا آدھا مال لے کر آ گئے جب یہ دیکھا کہ ابو بکر اپنا پورا ہی مال لے آئے ہیں تو کہنے لگے کہ میں ان سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جو بھی کوئی احسان ہمارے ساتھ کیا ہے ہم نے ان سب کا بدلہ دے دیا، سوائے ابو بکرؓ کے ان کے جو احسانات ہیں اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن ان کا بدلہ دے گا اور مجھے کسی کے مال سے کبھی اتنا نفع نہیں ہوا جتنا ابو بکرؓ کے مال نے مجھے نفع دیا اور اگر میں کسی کو اپنا خلیل (یعنی ایسا دوست) بناتا (جس میں کسی کی ذرا بھی شرکت نہ ہو) تو ابو بکر کو خلیل بنا لیتا خوب سمجھ لو کہ میں اللہ کا خلیل ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابو بکر کے مال نے نفع دیا، یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اور میرا مال آپ ہی کے لیے ہے۔
(سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۰)

فائدہ: سورۃ واللیل کے آخر میں حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ فرمایا اور اس کے بعد والی سورت یعنی سورۃ الضحیٰ میں رسول اللہ ﷺ سے وعدہ فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ دیکھو رسول اکرم ﷺ اور آپ کے دوست اور معاون خاص یعنی ابو بکر صدیقؓ سے اللہ تعالیٰ راضی ہے لیکن روافض (شیعہ) نہ اللہ تعالیٰ سے راضی جس نے یہ مرتبہ دیا نہ رسول اللہ ﷺ سے راضی جنہوں نے ابو بکر صدیقؓ کو صدیق خاص اور رفیق غار بنایا اور نہ ابو بکرؓ سے راضی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سارا مال پیش کر دیا اور ہر طرح سے سفر و حضر میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا۔

فائدہ: جو کوئی شخص کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا دھیان رکھنا چاہیے جب کبھی موقع ہو اس

کی مکافات کردے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (من صنع الیکم معروفا فکافؤہ فان لم تجدوا ماتکافؤہ فادعولہ حتی تروا انکم قد کافأتموہ)۔ (جو شخص تمہارے ساتھ کوئی حسن سلوک کردے تو تم اس کا بدلہ دے دو اور اگر بدلہ دینے کو کچھ نہ ملے تو اس کے لیے اتنی دعا کرو کہ تمہارا دل گواہی دے دے کہ اس کا بدلہ اتر گیا)۔

یاد رہے کہ احسن طریق سے اس کا بدلہ اتار دو اس سے یوں نہ کہے کہ یہ تمہارے فلاں احسان کا بدلہ ہے اس سے دل رنجیدہ ہوگا اور شریف سخی آدمی بدلہ کے نام سے قبول بھی نہیں کرے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے احسان کی مکافات کرنا بھی اچھی بات بلکہ مامور بہ ہے لیکن اپنی طرف سے احسان کرنا جو احسان کے بدلہ میں نہ ہو اس کی فضیلت زیادہ ہے۔



سورۃ الضحیٰ مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں

وَالضُّحٰى ۝ اَوَّلَ النَّهَارِ اَوْ كُلَّهٗ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ غَطّٰى بِظَلَامِهٖ اَوْ سَكَنَ مَا وَدَّعَكَ يَا مُحَمَّدُ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ اَبْغَضَكَ نَزَلَ هٰذَا لَمَّا قَالَ الْكُفَّارُ عِنْدَ تَاَخُّرِ الْوَحْيِ عَنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا اِنَّ رَبَّهٗ وَدَّعَهٗ وَقَلَاهُ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ لِمَا فِيْهَا مِنَ الْكَرَامَاتِ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ الدُّنْيَا وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَيْرَاتِ عَطَاءً جَزِيْلًا فَتَرْضٰى ۝ بِهٖ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذًا لَّا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ فِي النَّارِ اِلٰى هُنَا تَمَّ جَوَابُ الْقَسَمِ بِمُثْبَتَيْنِ بَعْدَ مَنْفِيَّيْنِ اَلَمْ يَجِدْكَ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اَيْ وَجَدَكَ يَتِيْمًا بِفَقْدِ اَبِيْكَ قَبْلَ وِلَادَتِكَ اَوْ بَعْدَهَا فَاٰوٰى ۝ بِاَنْ ضَمَّكَ اِلٰى عَمِّكَ اَبِيْ طَالِبٍ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا عَمَّا اَنْتَ عَلَيْهِ الْاٰنَ مِنَ الشَّرِيْعَةِ فَهَدٰى ۝ اَيْ هَدَاكَ اِلَيْهَا وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَقِيْرًا فَاَغْنٰى ۝ اَغْنَاكَ بِمَا قَنَّعَكَ بِهٖ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَغَيْرِهَا وَفِي الْحَدِيْثِ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ بِاَخْذِ مَالِهٖ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ تَزْجُرْهُ لِفَقْرِهٖ وَ

اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ اَخْبِرْ وَحُذِفَ ضَمِيْرُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ الْاَفْعَالِ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ

ع ۱۱ / ۱۸

ترجمہ: قسم ہے روشن دن (ابتدائی حصہ یا مکمل دن) کی اور رات کی جب کہ وہ طاری ہو جائے (چھا جائے اندھیرے کے ساتھ یا قرار پکڑ لے) کہ (اے محمدؐ) نہ آپؐ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا (خفا) ہوا (پندرہ روز تک وحی موقوف رہنے پر جب کفار کہنے لگے کہ محمدؐ کے رب نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس سے ناراض ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور یقیناً آخرت آپ کے لیے بدرجہا بہتر ہے (کرامتوں کے لحاظ سے) بہ نسبت دنیا کے اور عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا (یعنی آخرت میں تمہیں بڑی بھلائی نصیب ہوگی) کہ تم خوش ہو جاؤ گے (حضور ﷺ نے عرض کیا میں اس وقت خوش نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک بھی امتی دوزخ میں رہ جائے گا۔ دو منفیوں کے بعد دو مثبت چیزوں کو بیان کرنے کے بعد یہاں آ کر جواب قسم پورا ہوا) کیا اس نے نہیں پایا (استفہام تقریری ہے یعنی پایا ہے) آپ کو یتیم (آپ کی ولادت سے پہلے یا بعد میں آپ کے والد کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے) پھر ٹھکانہ فراہم کیا (آپ کو آپ کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچا کر) اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا (اس شریعت سے جس پر اب آپ ہیں) پھر ہدایت بخشی (آپ کو اس کی رہنمائی کی) اور اللہ نے آپ کو نادار (غریب) پایا اور پھر آپ کو بے نیاز بنا دیا (غنیمت وغیرہ کے ذریعہ آپ کو قناعت دے کر بے پرواہ کر دیا۔ پر سختی نہ کیجئے (مال وغیرہ لے کر) اور سائل کو (اس کی غریبی کی وجہ سے) نہ جھڑ کئے اور اپنے رب کی نعمتوں کا (نبوت وغیرہ کے سلسلہ میں) اظہار کرتے رہا کیجئے (بیان کرتے رہئے۔ اور بعض افعال سے فواصل آیات کی رعایت کرتے ہوئے وہ ضمیریں حذف کر دی گئی ہیں جو آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہیں)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله :لما نزلت: جب یہ سورت اتری تو آپ ﷺ نے تکبیر کہی پس اس کے آخر میں اور بعد والی سورتوں کے آخر میں اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر پڑھنا مسنون ہے۔

قوله :فسن: سورۃ والضحیٰ کے آخر میں تکبیر کہنا تو آپ ﷺ کے فعل سے ثابت ہوا اور دیگر سورتوں کے اواخر میں تکبیر وہ آپ کے حکم سے ثابت ہوئی، اسی وجہ سے مفسرؒ نے روی الامر یہ فرمایا۔

قوله : كُلُّهُ :اس صورت میں کلام میں مجاز ہے کہ جزء بول کر کل مراد لیا، اس کا قرینہ اس کے تقابل میں رات کا تذکرہ لانا ہے۔ (معالم التنزیل)

قوله :سَكَنَ :جب اس کا اندھیرا پختہ ہو جائے رات کو لیل ساج اس وقت بولتے ہیں جب وہ ٹھہر جائے۔ (مجمع البحار)

رات کے ٹھہرنے کا مطلب لوگوں کی آمد رک جانا ہے۔ اب اس میں رات کی طرف سکون کی نسبت مجازی ہوگی ای سکن اللیل ای اہلہ۔ (کشف الغمامین)

قولہ :ترکک: اس سے اشارہ کیا کہ تودیع کو بطور استعارہ ترک کے معنٰی میں لیا گیا کیونکہ اس کا حقیقی معنٰی ذات باری تعالیٰ کے لیے محال ہے۔ (شہاب)

قولہ :نزل ھذا: چار سبب نزول مذکور ہیں۔ ا۔ بخاری نے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ چند دن بیمار رہے تو ام جمیل نے کہا مجھے امید ہے کہ تیرا شیطان تجھے چھوڑ گیا دو تین راتوں سے سے تیرے قریب نہیں آیا تو یہ آیات اتریں۔ (بخاری) ۲۔ ابو عمران کہتے ہیں کئی دن جبرئیلؑ نہ آئے تو آپ ﷺ پر گراں گزرا اچانک جبرئیلؑ آ گئے جب کہ آپ اپنی پیشانی کعبہ پر رکھے دعا میں مصروف تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاردی۔ ۳۔ حضرت خولہؓ آپ کے گھر کے کام کاج کر دیا کرتی تھیں وہ کہتی ہیں کہ ایک کتے کا بچہ گھر میں داخل ہو کر چارپائی کے نیچے مر گیا۔ کئی دن گزرے کہ آپ پر وحی نہ آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے خولہؓ! پیغمبر کے گھر میں کیا معاملہ پیش آیا کہ جبرئیل نہیں آتے؟ خولہؓ کہتی ہیں میں نے گھر میں جھاڑو دی جب میں نے چارپائی کے نیچے جھاڑو دیا تو ایک کتے کا بچہ مرا ہوا پایا میں نے اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ اسی لمحہ جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ پر کپکی طاری تھی۔ جب آپ ﷺ پر وحی اترتی تو آپ ﷺ پر کپکی طاری ہو جاتی آپ ﷺ نے فرمایا: اے خولہؓ! مجھے کپڑا اڑھا دو، تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری۔ جب جبرئیلؑ آئے تو آپ ﷺ نے تاخیر کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے نے جواب دیا ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا اور تصویر ہو۔ ۴۔ یہود نے آپ سے روح، ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے ان کو فرمایا: میں کل تک اطلاع دوں گا اور انشاء اللہ نہ کہا تو وحی رک گئی پھر جبرئیلؑ و لا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا ..... الایۃ اتری۔ اور آپ کے سوالات کے جواب بتلائے گئے (کذاذکرہ الخطیب)

قولہ :الم یجدک: یہ استفہام تقریری ہے اور وجود بمعنٰی علم ہے۔ کاف اس کا پہلا مفعول اور یتیما دوسرا مفعول ہے۔ مطلب: کیا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یتیم نہیں جانا۔ ۲۔ رازیؒ کہتے ہیں: یہ مصارفت کے معنٰی میں ہے اور یتیما حال ہے۔ یعنی کیا تجھ کو یتیمی کی حالت سے نہیں پھیر دیا۔

قولہ :تزجرہٗ: اس کو فقر کی وجہ سے مت ڈانٹو۔ جب وہ سوال کرے یا تو اسے کھانا کھلا دو۔ یا نرمی سے واپس کردو۔ نہر د انتہر: ڈانٹنا۔ حسنؒ فرماتے ہیں: سائل گو یا علم کا طلب گار ہے۔

ا۔ وحی پندرہ یا چالیس روز بند رہی پھر یہ سورت اتار کر بتلایا ہم نے نہ اپنے پیغمبر کو چھوڑا اور نہ ناراض ہوئے۔ اس واقعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ بند ہونے کا کیا مطلب ہے۔

۲۔ اس میں خوشخبری سنائی کہ دنیا میں آپ کے دین کو تفوق و برتری دی جائے گی اور آخرت میں ثواب و شفاعت و دخول جنت میں بھی سبقت حاصل ہوگی۔

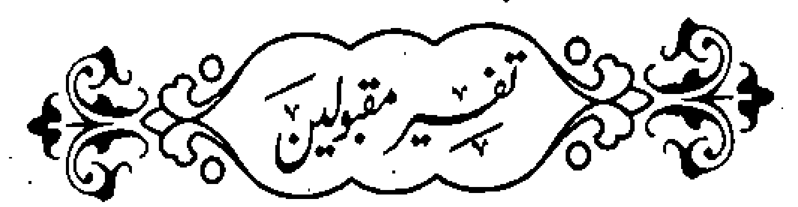
۳۔ یہاں تین انعامات کو خصوصاً ذکر فرمایا: ا۔ یتیمی میں سہارا پہلے خواجہ عبدالمطلب کے دل کو پھیرا پھر ابو طالب کو معاون بنا

دیا۔ ۲۔ ناواقف سے واقف کردیا قرآنی احکامات وشرائع سے نوازا اولین وآخرین کے علوم سے نوازا۔ ۳۔ تنگدستی کے بعد خوشحال کردیا۔ پہلے خدیجہؓ کے مال سے پھر ابوبکرؓ اور انصارؓ کے اموال اور اموال غنیمت سے۔

۴۔ انعامات کو یاد دلایا تاکہ شکریہ کی ادائیگی کی جائے۔ شکریہ یہ ہے کہ انعامات کو ان کے مواقع میں صرف کیا جائے۔

۵۔ یتیم پر ظلم اور سائل کے ساتھ درشت روی کی ممانعت کی گئی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سب سے بڑا احسان نبوت اور رسالت اور انزال قرآن کا فرمایا، اس کا شکریہ نشر واشاعت ہے اور تحدیث نعمت اور اس کا اعتراف یہی اس کا شکریہ ہے۔



سورۃ الضحیٰ بھی مکی سورت ہے اس میں بالخصوص آنحضرت ﷺ کی شخصیت عظیمہ کے اہم ترین اوصاف ذکر کیے گئے ہیں اور ان انعامات کی تفصیل ہے جن سے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو نوازا گیا ابتداء سورت میں دن کی روشنی اور رات کی پھیلنے والی تاریکی کی قسم کھا کر مخاطبین کے اذہان میں یہ بات ڈالی گئی کہ جس طرح عالم میں پھیلنے والا نور رات کی تاریکی کو مٹا دیتا ہے اسی طرح رسول خدا ﷺ کے نور نبوت نے عالم سے کفر و گمراہی کی تاریکیاں مٹادیں اس کے بعد ان انعامات کا ذکر کیا گیا جو رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر کیے گئے اور یہ کہ اگر اللہ کا پیغمبر دنیوی مال و منال اور دولت سے خالی ہاتھ ہو تو یہ اس رسول کی شان میں کسی طرح کا نقص پیدا کرنے والی چیز نہیں، اصل نعمتیں تو آخرت کی نعمتیں ہیں اور وہ تمام تر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لیے مہیا کردی ہیں، اور ان میں سب سے بڑا انعام رضاء الٰہی ہے جس سے آپ کو سرفراز فرمادیا گیا۔

شان نزول:- اس سورت کے سبب نزول کے متعلق بخاری ومسلم میں حضرت جندب بن عبداللہ کی روایت سے آیا ہے اور ترمذی نے حضرت جندب سے یہ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی ایک انگلی زخمی ہوگئی اس سے خون جاری ہوا تو آپ نے فرمایا، ان انت الا اصبع دمیت، وفی سبیل اللہ مالقیت، یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلودہ ہوگئی اور جو کچھ تکلیف تجھے پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے (اس لیے کیا غم ہے) حضرت جندب نے یہ واقعہ ذکر کرکے رمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) جبرئیل امین کوئی وحی لے کر نہیں آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد ﷺ کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا اور ناراض ہوگیا، اس پر یہ سورت ضحیٰ نازل ہوئی حضرت جندب کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ایک دو رات تہجد کے لیے نہ اٹھنے کا ذکر ہے، وحی میں تاخیر کا ذکر نہیں اور ترمذی میں تہجد میں ایک دو رات نہ اٹھنے کا ذکر نہیں صرف وحی میں تاخیر کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ہوسکتا ہے کہ دونوں باتیں پیش آئی ہوں، راوی نے کبھی ایک کو بیان کیا کبھی دوسرے کو اور یہ عورت جس نے آنحضرت ﷺ کو طعنہ دیا ام جمیل ابولہب کی بیوی تھی جیسا کہ دوسری روایات میں ہے اور تاخیر وحی کے واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے ہیں ایک شروع نزول قرآن میں پیش آیا جس کو زمانہ فترت وحی کہا جاتا ہے یہ سب سے زیادہ طویل تھا۔ ایک واقعہ تاخیر وحی کا اس وقت پیش آیا جبکہ مشرکین یا یہود نے آنحضرت ﷺ سے روح کی حقیقت کے

متعلق سوال فرمایا اور آپ نے بعد میں جواب دینے کا وعدہ فرمالیا، مگر انشاء اللہ نہ کہنے کے سبب کچھ روز تک سلسلہ وحی کا بند رہا
اس پر مشرکین نے یہ طعنے دینا شروع کئے کہ محمد ﷺ کا خدا نہ کہنے کے سبب کچھ روز تک سلسلہ وحی کا بند رہا اس پر مشرکین نے
یہ طعنے دینا شروع کئے کہ محمد ﷺ کا خدا ان سے ناراض ہوگیا اور ان کو چھوڑ دیا، اسی طرح کا یہ واقعہ ہے جو سورۃ ضحیٰ کے نزول
کا سبب ہوا یہ ضروری نہیں کہ یہ سب واقعات ایک ہی زمانے میں پیش آئے ہوں بلکہ آگے پیچھے بھی ہو سکتے ہیں۔

غرض ان سب خرافات کا جواب سورۃ والضحیٰ میں دیا گیا ہے۔ پہلے قسم کھائی دھوپ چڑھتے وقت کی اور اندھیری رات کی۔ پھر فرمایا کہ (دشمنوں کے سب خیالات غلط ہیں) نہ تیرا رب تجھ سے ناراض اور بیزار ہوا نہ تجھ کو رخصت کیا۔ بلکہ جس طرح ظاہر میں وہ اپنی قدرت وحکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا، اور دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے، یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو۔ اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضگی کی دلیل نہیں، اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا۔ تو چند روز نور وحی کے رکے رہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ آجکل خدا اپنے منتخب کیے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہوگیا اور ہمیشہ کے لیے وحی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ایسا کہنا تو خدا کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے۔ گویا اسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا؟ العیاذ باللہ۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝

یعنی آپ ﷺ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے وحی کی یہ چندروزہ رکاوٹ آپ ﷺ کے نزول و انحطاط کا سبب نہیں بلکہ بیش از بیش عروج وارتقاء کا ذریعہ ہے اور اگر پچھلی سے بھی پچھلی حالت کا تصور کیا جائے۔ یعنی آخرت کی شان وشکوہ کا، جبکہ آدم اور آدم کی ساری اولاد آپ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز واکرام سے بیشمار درجہ بڑھ کر ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝

یعنی آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں، اس میں حق تعالیٰ نے یہ متعین کر کے نہیں بتلایا کہ کیا دیں گے اس میں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ آپ کی ہر مرغوب چیز آپ کو اتنی دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں۔ آپ کی مرغوب چیزوں میں دین اسلام کی ترقی، دین اسلام کا عام طور پر دنیا میں پھیلنا پھر امت کی ہر ضرورت اور خود آپ کا دشمنوں پر غالب آنا، ان کے ملک میں اللہ کا کلمہ بلند کرنا اور دین حق پھیلانا سب داخل ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اذا لا ارضی و واحد من امتی فی النار یعنی جب یہ بات ہے تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری امت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں رہے گا۔ (قرطبی) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیں گے یہاں تک کہ حق تعالیٰ فرمادیں گے رضیت یا محمد، اے محمد ﷺ اب بھی آپ راضی ہیں، تو میں عرض کروں گا یارب رضیت یعنی اے میرے پروردگار میں راضی ہوں اور صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص کی روایت ہے کہا ایک روز رسول اللہ ﷺ نے وہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے: فمن تبعنی فانہ منی و من عصانی فانک غفور رحیم پھر دوسری آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ان تعذبھم فانھم عبادك پھر آپ نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے اور گریہ وزاری شروع کی اور بار بار فرماتے تھے: اللھم امتی امتی، حق تعالیٰ نے جبرئیل امین کو بھیجا کہ آپ سے دریافت کریں کہ آپ کیوں روتے ہیں (اور یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ ہمیں سب معلوم ہے) جبرئیل امین آئے اور سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی مغفرت چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے جبرئیل امین سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کردیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہ کریں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا جو دنیا میں آپ کو دی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد کی وفات ہوگئی (اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی پیدائش کے بعد ان کی وفات ہوئی)۔ آپ یتیم تو تھے ہی جب پانچ سال کی عمر ہوئی آپ کی والدہ بھی وفات پاگئیں اور وہ بھی مقام ابواء میں جو جنگل بیابان تھا وہاں سے آپ کی باندی ام ایمنؓ مکہ معظمہ لے گئیں۔ آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی پھر چند سال بعد ان کی بھی وفات ہوگئی تو آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کی ذمہ داری لی اور بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ پرورش کی، اسی کو فرمایا: اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۞ (کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ نے آپ کو یتیم پایا پھر ٹھکانہ دیا)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ شفقت کے ساتھ پرورش کرائی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور انعام ہے۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞ (اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتادیا)۔ اس میں دوسرا انعام بیان فرمایا اور وہ یہ کہ آپ امی تھے پڑھے لکھے نہیں تھے۔ جن لوگوں نے آپ کی کفالت کی ان کو بھی خیال نہ آیا کہ آپ کو کچھ پڑھائیں باہر کے لوگوں سے بھی کوئی میل جول نہ تھا جو کچھ علم حاصل کرلیتے اور خاص کردینی علوم ومعارف اور احکام ومسائل کے جاننے کا تو کوئی طریقہ تھا ہی نہیں، جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں فرمایا ہے: مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا آپ کو نبوت اور رسالت سے نوازا، کامل اور جامع شریعت عطا فرمائی، اپنی معرفت بھی عطاء کی، ملائکہ سے متعلق علوم بھی دیئے۔ حضرت گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے احوال بھی بتائے، آخرت کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا، اصحاب جنت اور اصحاب جہنم کے احوال سے بھی باخبر فرمایا اور وہ علوم نصیب فرمائے جو کسی کو نہیں دیئے۔

سورۃ النساء میں فرمایا: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (اور اللہ نے آپ کو وہ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے)۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا (بلاشبہ اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے)۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞ (اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مال پایا سو آپ کو غنی کردیا)۔ آپ کی کفالت آپ کے چچا ابو طالب کرتے رہے لیکن وہ مالدار آدمی نہیں تھے انہیں کے ساتھ گزر بسر کرنا ہوتا تھا جو ان کا حال تھا وہی آپ کا حال تھا، آپ کی امانداری کی صفت مشہور تھی۔ حضرت خدیجہؓ تجارت کے لیے اپنا مال ملک شام بھیجا کرتی تھیں (جیسا کہ اہل مکہ کا طریقہ تھا) جب آنحضرت ﷺ کی عمر پچیس سال ہوئی تو انہوں نے آپ کی صفات سن کر آپ کو بطور مضاربت تجارت کا مال دے کر ملک شام جانے کی درخواست کی، آپ نے منظور فرمالی۔ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے آپ کے ساتھ اپنا ایک غلام بھی بھیج دیا،

آپ ملک شام سے واپس تشریف لائے تو سیّدہ خدیجہ ؓ کے غلام نے آپ کی بڑی بڑی صفات بیان کیں اور وہ باتیں بتائیں جن کا ظہور عموماً نہیں ہوا کرتا نیز مال تجارت میں نفع بھی بہت زیادہ ہوا سیّدہ خدیجہ بیوہ عورت تھیں پہلے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں ان سے اولاد بھی تھی انہوں نے آپ کو نکاح کرنے کا پیغام بھیجا۔ ابو طالب آپ کے چچا اور خاندان کے دیگر افراد آپ کے ساتھ گئے اور سیّدہ خدیجہ ؓ سے نکاح ہو گیا۔ سیّدہ خدیجہ ؓ مالدار عورت تھیں انہوں نے اپنے مال میں آپ کو تصرف کرنے کا حق دے دیا (جیسا کہ میاں بیوی کے درمیان ہوا کرتا ہے اسی لیے مفسرین نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: "ای فاغناك بمال خديجة"۔

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

(اور آپ اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے)۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑی تعداد میں نعمتیں عطا فرمائیں، دنیا میں بھی نعمتوں سے سرفراز فرمایا، مال بھی دیا، شہرت و عظمت بھی دی اور سب سے بڑی نعمت جس سے اللہ تعالیٰ نے سرفراز فرمایا وہ نبوت اور رسالت کی نعمت ہے، آپ کے کروڑوں امتی گزر چکے ہیں اور کروڑوں موجود ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ کروڑوں قیامت تک آئیں گے اور ہر وقت آپ پر کروڑوں درود بھیجے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان نعمتوں کی قدردانی کریں اس قدردانی میں یہ بھی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان فرمائیں۔ اس میں آپ کی امت کو بھی تعلیم دے دی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کیا کریں۔ (البتہ تحدیث بالنعمت کے نام پر ریاکاری اور خودستائی اور فخر و مباہات نہ ہو)۔

حضرت ابو الاحوص ؓ نے اپنے والد سے روایت کی (جس کا نام مالک بن نضر تھا) کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں گھٹیا درجے کے کپڑے پہنے ہوئے تھا، آپ نے دریافت فرمایا کیا تیرے پاس مال ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! فرمایا کون سے اموال میں سے ہے؟ میں نے کہا ہر قسم کا مال اللہ نے مجھے دیا ہے اونٹ، گائے، بکری اور گھوڑے اور غلام سب موجود ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا جب تجھے اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تجھ پر نظر آئے۔

(رواہ احمد والنسائی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۷۵)

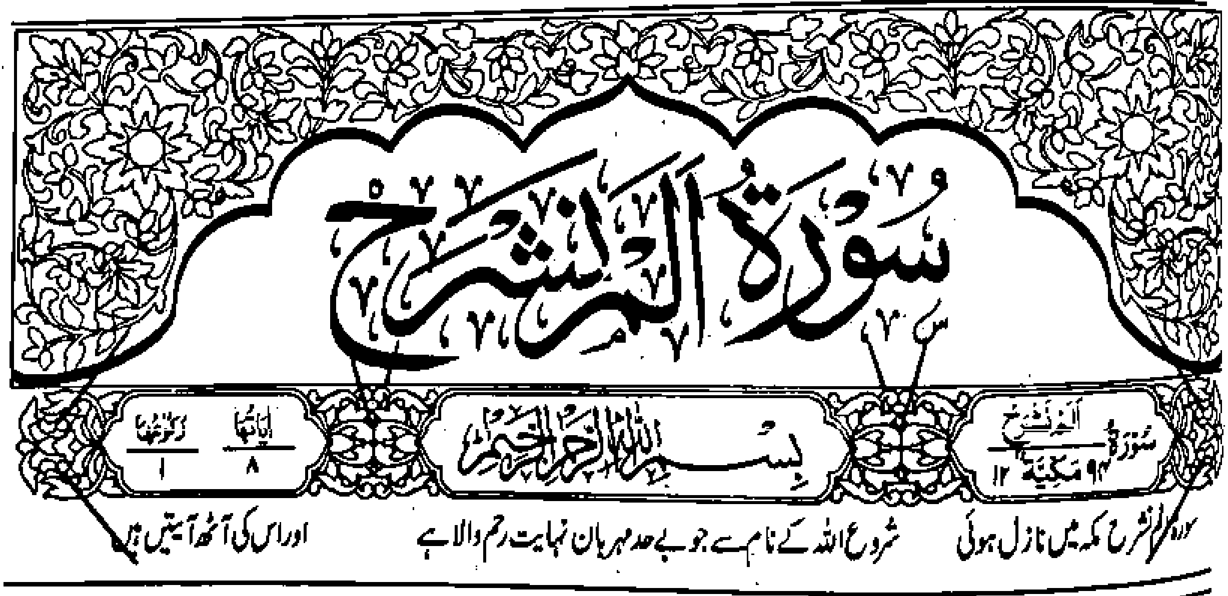
معلوم ہوا تحدیث بالنعمت اپنے حال اور مال اور قال تینوں سے ہونی چاہیے شرط وہی ہے کہ صرف اللہ کی نعمت ذکر کرنے کی نیت ہو بڑائی بگھارنا اور ریاکاری مقصود نہ ہو۔

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ: کل ماشئت والبس ماشئت ما اخطلك اثنتان سرف ومخيلة (کھا جو چاہے اور پہن جو چاہے جب تک کہ دو چیزیں نہ ہوں، ایک فضول خرچی دوسرے تکبر)۔

(رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب کما فی المشکوٰۃ)

فائدہ: سورۃ والضحیٰ سے لے کر آخری سورت سورۃ والناس کے ختم تک ہر سورۃ کے ختم پر تکبیر پڑھنا حضرات قراء کرام کے نزدیک سنت سے ثابت ہے جسے وہ اپنی کتابوں میں سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ امام القراء حضرت شیخ ابن جزری ؒ نے اپنی

معروف کتاب النشر فی القراءات العشر کے آخر میں صفحہ ۴۰۵ سے لے کر صفحہ ۴۳۸ تک اس پر بہت لمبی بحث کی ہے اور حصر کے صیغے اور حضرات قراء کرام کا عمل اور حدیث کی سند پر خوب جی کھول کر لکھا ہے اور مستدرک حاکم کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرات محدثین کرام حدیث مسلسل بالقراء بھی نقل کرتے ہیں جو قاری مقری عبداللہ بن کثیر مکی (احد القراء السبعہ) کے راوی ابوالحسن محمد بن احمد البزی ؒ سے مرفوعاً مروی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ؒ نے بھی اس کو اپنی مسلسلات میں ذکر کیا ہے چونکہ حضرت امام بزیؒ حدیث کے راوی ہیں اس لیے ان کے نزدیک تو تکبیر پڑھنا مشروع اور مسنون ہے ہی دیگر قراء سے بھی اس کا پڑھنا مروی ہے پھر بعض قراء صرف اللہ اکبر پر اکتفاء کرتے ہیں اور بعض قراء سے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر دونوں لفظ کہنا منقول ہے جن سورتوں کے درمیان تکبیر پڑھی جائے وقف اور وصل کے قواعد کا خیال رکھا جائے سورت کو ختم کر کے اللہ اکبر کہہ کر آئندہ سورت کے شروع کرنے کے لیے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ پڑھے اور ایک ہی سانس میں پڑھ لے یہ بھی درست ہے یہ وصل کل کی صورت ہے اور اگر تینوں پر قطع کرے تو یہ بھی درست ہے جو فصل کی صورت ہے البتہ وصل اول اور وصل ثانی کے ساتھ فصل ثالث نہ کرے کیونکہ اس صورت میں بسملہ آنے والی سورت سے منفصل ہو جائے گی۔ جب کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اوائل سور کے لیے مشروع ہے یہ جو کہا کہ وصل اور وقف کے قواعد کا خیال رکھا جائے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ساکن کو حرکت دیتے ہوئے اور ہمزہ وصل کو ساقط کرتے ہوئے پڑھتے چلے جائیں مثلاً سورۂ والضحیٰ ختم کر کے یوں پڑھے فحدث اللہ اکبر اور سورۃ العادیات کو ختم کر کے یوں پڑھا جائے: لخبیر اللہ اکبر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم القارعۃ۔



اَلَمۡ نَشۡرَحۡ اِسۡتِفۡهَامُ تَقۡرِيۡرٍ اَىۡ شَرَحۡنَا لَكَ يَامُحَمَّدُ صَدۡرَكَ ۙ۝۱ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيۡرِهَا وَ وَضَعۡنَا حَطَطۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ ۙ۝۲ الَّذِىۡۤ اَنۡقَضَ اَثۡقَلَ ظَهۡرَكَ ۙ۝۳ وَهٰذَا كَقَوۡلِهٖ تَعَالٰى لِيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ۝۴ بِاَنۡ تُذۡكَرَ مَعَ ذِكۡرِىۡ فِى الۡاَذَانِ وَالۡاِقَامَةِ وَالتَّشَهُّدِ وَالۡخُطۡبَةِ وَغَيۡرِهَا فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ الشِّدَّةِ يُسۡرًا ۝۵ هُوَلَةً اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا ۝۶ وَالنَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَاسٰى مِنَ

الْكُفَّارِ شِدَّةً ثُمَّ حَصَلَ لَهُ الْيُسْرُ بِنَصْرِهِ عَلَيْهِمْ فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ اِتْعَبْ فِي الدُّعَاءِ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ تَضَرَّعْ

ترجمہ: آیا ہم نے (اے محمدؐ) آپ کی خاطر (نبوت وغیرہ کے لیے) آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا (یعنی کھول نہیں دیا ہے، استفہام تقریری ہے) اور آپ پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا (ہلکا کر دیا) جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی (یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر میں فرمایا گیا ہے) اور ہم نے آپ کا آوازہ بلند کر دیا (اس طرح کہ اذان، اقامت، تشہد، خطبہ وغیرہ میں آپ کا نام لیا جاتا ہے) پس حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مشکلات (شدت) کے ساتھ آسانی (سہولت) بھی ہے۔ بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہے (آنحضرت ﷺ کو کفار کی طرف سے اول مشکلات جھیلنی پڑیں۔ پھر اللہ نے آپ کی مدد فرما کر آپ کے لیے سہولت پیدا فرما دی) لہٰذا جب آپ (نماز سے) فارغ ہو جایا کریں تو محنت کیجئے (خوب دعا کیجئے) اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جائیے (گڑگڑائیے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: نَشْرَحْ: اس سے اشارہ کر دیا یا یہ الم نشرح میں استفہام تقریری ہے۔ جب استفہام نفی پر آئے تو وہ تقریر کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے۔ معنٰی کا لحاظ کرتے ہوئے اس پر ماضی کا عطف کیا گیا ہے۔ یہ عطف مثبت علی المثبت کی قسم سے ہے۔ عطف انشاء علی الخبر کی قسم سے نہیں۔ (تافہم)

قولہ: انقض: عرب کہتے ہیں: انقض الحمل الظهر یعنی وزن نے کمر کو بوجھل کر دیا (مصباح) صاحب خازن کہتے ہیں کہ کمر کو بوجھل و اس قدر کمزور کر دیا یہانتک کہ کجاوے جیسی چر چر کی آواز سنائی دیتی تھی۔

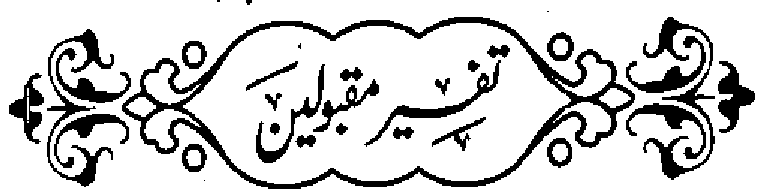
۱۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے ان بعض خصوصی انعامات کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم الشان بندے محمد ﷺ پر فرمائے۔ ۱۔ شرح صدر کر دیا تاکہ نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں کو اٹھانا آسان ہو۔ ۲۔ مغفرت ذنوب جو آپ کی نسبت سے تھے آپ کو تمام معصوم انبیاء علیہم السلام کا سردار بنایا۔ ۳۔ آپ کے تذکرہ کو بلند کر دیا چنانچہ اذان، اقامت، تشہد، جمعات کے منبروں پر، فطر، اضحٰی اور تشریق، عرفہ کے ایام میں اور ادور می جمار کا موقعہ ہو یا صفا مروہ کی چوٹیاں، خطبات تذکیر و وعظ ہو یا نکاح غرض مشارق و مغارب میں پہنچا دیا ﷺ دائما ابدا۔

۲۔ ایمان والے کے سینہ کا ایذاؤں کو برداشت کرنے کے لیے وسیع ہونا ایک عظیم الشان نعمت ہے۔

۳۔ تنگی کے ساتھ ہمیشہ آسانی ہوتی ہے اور ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی مؤمن کی امیدیں ہمیشہ خوشی سے ملی رہتی ہیں۔ اہل عرب جب معرفہ کو دو مرتبہ لائیں تو ایک چیز ہی مراد ہوتی ہے اور نکرہ کو دو بار لائیں تو الگ الگ چیزیں مراد ہوتی ہیں۔ چنانچہ العسر معرفہ اور یسر نکرہ آیا ہے۔

۴۔ مؤمن کی زندگی میں لہو باطل نہیں ہوتا اور نہ کسی گھڑی فراغت ہوتی ہے کہ اس میں دنیا یا آخرت کے کاموں میں مشغولیت نہ ہو وہ سستی وعیش پرستی کی زندگی نہیں گزارتا۔ مسلمان نے جب سے جہاد کو چھوڑا۔ اس وقت سے کفر اس پر مسلط ہو گیا اور یہ رہے گا جب تک یہ اپنی حالت اصلیہ کی طرف نہ لوٹیں گے۔

۵۔ مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی توکل کرنا اور اسی ہی کی بارگاہ میں گڑگڑانا چاہیے۔



تفسیر مقبولین

سورۃ الانشراح بھی مکی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں۔

اس سورت کا خاص مضمون آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کا انشراح اور امر نبوت پر اطمینان کامل اور قلب پر پیدا ہونے والے بوجھ اور اس فکر وتشویش کو دور کرنے کی بشارت پر مشتمل ہے جس کی گرانی سے آپ ﷺ کے قوی شکستہ ہو رہے تھے اور جو ہمت شکن احوال پیش آ رہے تھے انکے دور کرنے کی خبر کے ساتھ آپ ﷺ کی عزت وعظمت کا بیان ہے اور تسلی دی جا رہی ہے کہ مکی زندگی کے شدائد اور مشقتوں سے آپ خاطر برداشتہ نہ ہو۔ یہ قانون قدرت ہے کہ ہر تنگی کے بعد سہولت ہوتی ہے۔

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝

یہ استفہام تقریری ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ اس کو جانتے اور مانتے ہیں کہ ہم نے آپ کا سینہ کھول دیا سینہ کو نور نبوت سے بھی بھر دیا اور علم ومعرفت سے بھی ایمان کی دولت سے بھی، صبر وشکر سے بھی، کتاب وحکمت سے بھی، قوت برداشت سے بھی، وحی کی ذمہ داری اٹھانے سے بھی، دعوت ایمان پر اور دعوت احکام پر استقامت سے بھی، اللہ تعالیٰ نے جو آپ پر انعام فرمائے ان میں ایک بہت بڑا انعام شرح صدر بھی ہے آپ کی برکت سے آپ کی امت کو بھی شرح صدر کی نعمت حاصل ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ: فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ کی تلاوت کی پھر فرمایا بیشک جب نور سینہ میں داخل ہوتا ہے تو پھیل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے فرمایا ہاں اس کی یہ نشانی ہے کہ دار الغرور (دھوکہ والا گھر یعنی دنیا) سے بچتا ہے اور دار الخلود (یعنی ہمیشہ رہنے کے گھر) کی طرف توجہ رکھے اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری رکھے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۴۶)

بعض حضرات نے یہاں ان روایات کا بھی ذکر کیا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کو چاک کر کے علم اور حکمت سے بھر دیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے یہ کام کیا۔ ایک مرتبہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ اپنی رضائی والدہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں بچپن میں رہتے تھے اور ایک مرتبہ معراج کی رات میں پیش آیا۔ (کمارواہ المسلم والبخاری)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت ابو ہریرہؓ سے در منثور میں صفحہ ۳۶۳ ص ج ۶ میں نقل کیا ہے اس وقت آپ کی عمر بیس سال چند ماہ تھی صاحب در منثور نے یہ واقعہ زوائد مسند احمد سے نقل کیا ہے۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾

اس بوجھ سے کون سا بوجھ مراد ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ فتح کی آیت: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کے ہم معنی ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ چھوٹے موٹے اعمال جو آپ سے لغزش کے طور پر بلا ارادہ یا خطاء اجتہادی کے طور پر صادر ہوئے ان کا جو بوجھ آپ محسوس کرتے تھے اور اس بوجھ کا اس قدر احساس تھا کہ اس احساس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی یعنی خوب زیادہ بوجھل بنا دیا تھا، وہ بوجھ ہم نے ہٹا دیا یعنی سب کچھ معاف کر دیا۔

احقر کے خیال میں اس آیت کو سورۂ فتح کی آیت میں لینے کے بجائے یہ معنی لینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو علامہ قرطبیؒ نے عبدالعزیز بن یحییٰ اور حضرت ابوعبیدہ سے نقل کیا، یعنی: خففنا عنك اعباء النبوة والقيام بها حتى لا تثقل عليك۔ یعنی ہم نے نبوت سے متعلقہ ذمہ داریوں کو ہلکا کر دیا تاکہ آپ کو بھاری معلوم نہ ہوں، درحقیقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت بھی بہت دی اور کام بھی بہت دیا مشرکین کے درمیان توحید کی بات اٹھانا بڑا سخت مرحلہ تھا۔ آپ کو تکلیفیں بہت پہنچیں جن کو آپ برداشت کرتے چلے گئے اللہ تعالیٰ نے صبر دیا اور استقامت بخشی پھر ایمان کے راستے کھل گئے، آپ کے صحابہ بھی کار دعوت میں آپ کے ساتھ لگ گئے اور عرب و عجم میں آپ کی دعوت عام ہوگئی۔ فصلی اللہ علیہ وعلی الہ وعلی من جاھد معہ۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾

اس کی تفصیل بہت بڑی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملا دیا اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، خطبوں میں، کتابوں میں، وعظوں میں، تقریروں میں، تحریروں میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالم بالا میں بلایا آسمانوں کی سیر کرائی، سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا جب کسی آسمان تک پہنچتے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام دروازہ کھلواتے تھے، وہاں سے پوچھا جاتا تھا کہ آپ کون ہیں؟ وہ جواب دیتے تھے کہ میں جبرائیل ہوں پھر سوال ہوتا تھا کہ آپ کے ساتھ کون ہے، وہ جواب دیتے تھے کہ محمد ﷺ، اس طرح سے تمام آسمانوں میں آپ کی رفعت شان کا چرچا ہوا۔ علامہ قرطبی نے بعض حضرات سے اس کی تفسیر میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام پر نازل ہونے والی کتابوں میں آپ کا تذکرہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ آپ کی تشریف لانے کی بشارت دیں اور آخرت میں آپ کا ذکر بلند ہوگا۔ جبکہ آپ کو مقام محمود عطا کیا جائے گا اور اس وقت اولین و آخرین رشک کریں گے۔ آپ کو کوثر عطا کر دیا جائے گا۔ دنیا میں اہل ایمان تو محبت اور عقیدت سے آپ کا ذکر کرتے ہی ہیں اہل کفر میں بھی بڑی تعداد میں ایسے لوگ گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جنہوں نے دنیا داری کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کیا لیکن آپ کی رسالت و نبوت اور رفعت و عظمت کے قائل ہوئے آپ کی توصیف و تعریف میں کافروں نے مضامین بھی لکھے ہیں اور نعتیں بھی کہی ہیں اور سیرت کے جلسوں میں حاضر ہو کر آپ کی صفات اور کمالات برابر بیان کرتے رہتے ہیں۔

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾

اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ جو مشکلات درپیش ہیں یہ ہمیشہ نہیں رہیں گی اور اسے مستقل ایک قانون کے طریقہ پر بیان فرما دیا کہ بیشک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے اس کلمہ کو دو مرتبہ فرمایا جو

آپ کے لیے بہت زیادہ تسلی کا باعث ہے، آپ کے بعد آنے والے آپ کی امت کے افراد و اشخاص جب آپ کے بتائے ہوئے کاموں میں لگیں اور دینی دعوت میں مشغول ہوں تو مشکلات سے پریشان نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے دور ہونے کی امید رکھیں، ابتدا میں مشکلات ہوتی ہیں پھر ایک ایک کرکے چھٹتی چلی جاتی ہیں۔

تفسیر درمنثور میں بحوالہ عبدالرزاق وابن جریر وحاکم وبیہقی حضرت حسن سے (مرسلاً) نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ بہت خوشی کی حالت میں ہنستے ہوئے باہر تشریف لائے، آپ فرما رہے تھے لن یغلب عسر یسرین (کہ ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں ہوگی) اور آپ یہ پڑھ رہے تھے: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۗ

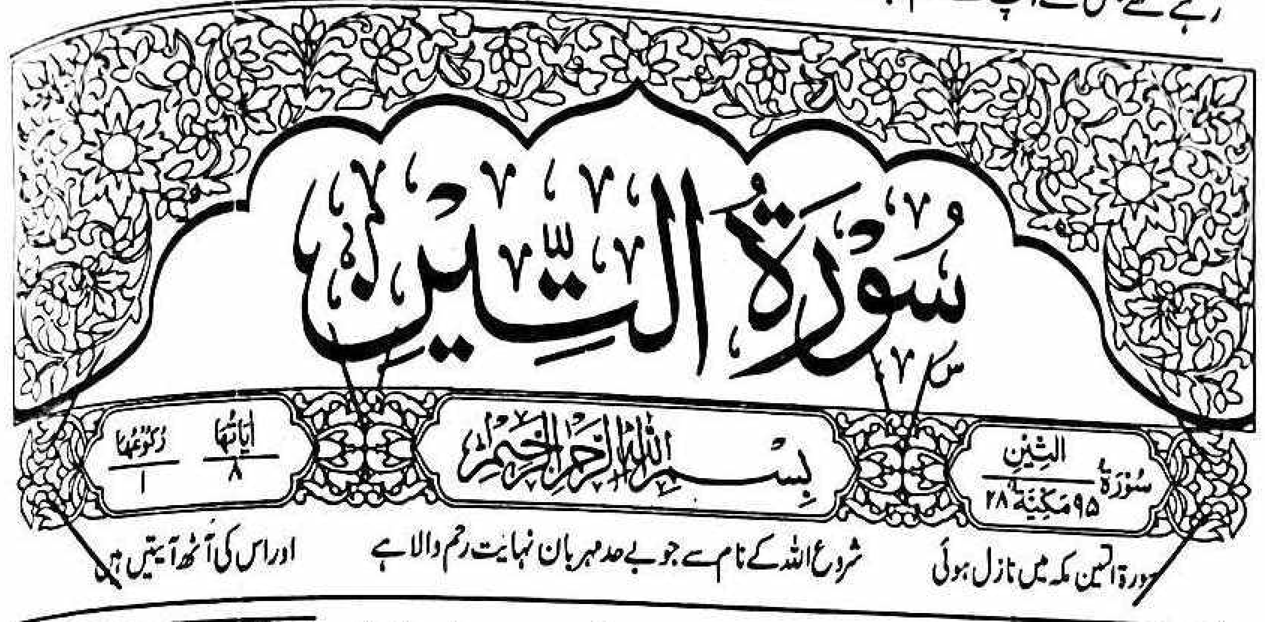
دوسری روایت میں یوں ہے جو بحوالہ طبرانی اور حاکم وبیہقی (فی شعب الایمان) حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپؐ کے سامنے ایک پتھر تھا آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی مشکل آئے جو اس پتھر میں اندر داخل ہو جائے تو آسانی بھی آئے گی جو اس کے پیچھے سے داخل ہوگی اور اس کو نکال دے گی اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ جب کسی اسم کو معرف باللام ذکر کیا جائے پھر اسی طرح دوبارہ اس کا اعادہ کیا جائے تو دونوں ایک ہی شمار ہوں گے اور اگر کسی اسم کو نکرہ لایا جائے اور پھر اس کا بصورت نکرہ اعادہ کر دیا جائے تو دونوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھا جائے گا۔ جب آیت کریمہ میں عسر کو دوبار معرفہ لایا گیا اور یسر کو دوبار نکرہ لایا گیا تو ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیوں کا وعدہ ہو گیا اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پوری دنیا ایک ہی ہے اس میں جو مشکلات ہیں ان کا مجموعہ شئی واحد ہے مشکلات کے بعد دنیا ہی میں آسانی آتی رہتی ہے ایک آسانی تو یہ ہوئی، اور دوسری آسانی وہ ہے جو اہل ایمان کو آخرت میں نصیب ہوگی جس کا فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی میں وعدہ فرمایا ہے اور وہ بہت بڑی نعمت ہے یہ دنیا کی تھوڑی سی مشکلات جن کے بعد دنیا میں اور آخرت میں بڑی بڑی آسانیاں نصیب ہو جائیں اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ

یعنی داعیانہ محنت میں آپ کا اشتغال خوب زیادہ ہے آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دین حق کی دعوت دیتے ہیں اللہ کے احکام پہنچاتے ہیں اس میں بہت سا وقت خرچ ہو جاتا ہے یہ خیر ہے اللہ تعالیٰ شانہ کے حکم سے ہے اس میں مشغول ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے لیکن ایسی عبادت جس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہو بندوں کا توسط بالکل ہی نہ ہو ایسی عبادت کرنا ضروری ہے جب آپ کو دعوت اور تبلیغ کے کاموں میں فرصت مل جایا کرے تو آپ اپنی خلوتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جایا کریں، تاکہ اس عبادت کا کیف بھی حاصل ہو اور وہ اجر و ثواب بھی ملے جو براہ راست عبادت اور انابت میں ہے۔ اور حقیقت میں یہ جو بلاواسطہ ہے یہی اصل عبادت ہے بندوں کو جو توحید اور ایمان کی دعوت دی جاتی ہے اس کا حاصل بھی تو یہی ہے کہ سب لوگ ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوں جس کے لیے ان کی تخلیق ہوئی ہے جیسے سورۂ والذاریات کی آیت: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ میں بیان فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ اس پر عمل کرتے تھے فرائض بھی ادا کرتے تھے ان کے ساتھ عبادات میں بھی مشغول رہتے تھے آپ راتوں رات نماز میں کھڑے

رہتے تھے جس سے آپ کے قدم مبارک سوج جاتے تھے۔



وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ اَيِ الْمَاكُوْلَيْنِ وَجَبَلَيْنِ بِالشَّامِ يُنْبِتَانِ الْمَاكُوْلَيْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ اَلْجَبَلِ الَّذِيْ كَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامَ عَلَيْهِ وَمَعْنٰى سِيْنِيْنَ الْمُبَارَكُ اَوِ الْحَسَنُ بِالْاَشْجَارِ الْمُثْمِرَةِ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ مَكَّةَ لِاَمْنِ النَّاسِ فِيْهَا جَاهِلِيَّةً وَاِسْلَامًا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ اَلْجِنْسَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ تَعْدِيْلٍ لِصُوْرَتِهٖ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ فِيْ بَعْضِ اَفْرَادِهٖ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ كِنَايَةٌ عَنِ الْهَرَمِ وَالضُّعْفِ فَيَنْقُصُ عَمَلُ الْمُؤْمِنِ عَنْ زَمَنِ الشَّبَابِ وَيَكُوْنُ لَهٗ اَجْرُهٗ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِلَّا اَيْ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ مَقْطُوْعٍ وَفِي الْحَدِيْثِ اِذَا بَلَغَ الْمُؤْمِنُ مِنَ الْكِبَرِ مَا يُعْجِزُهٗ عَنِ الْعَمَلِ كُتِبَ لَهٗ مَا كَانَ يَعْمَلُ فَمَا يُكَذِّبُكَ اَيُّهَا الْكَافِرُ بَعْدُ اَيْ بَعْدَ مَا ذُكِرَ مِنْ خَلْقِ الْاِنْسَانِ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ ثُمَّ رَدِّهٖ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ الدَّالِّ عَلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْبَعْثِ بِالدِّيْنِ ۝ بِالْجَزَاءِ الْمَسْبُوْقِ بِالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ اَيْ مَا يَجْعَلُكَ مُكَذِّبًا بِذٰلِكَ وَلَا جَاعِلَ لَهٗ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اَيْ هُوَ اَقْضَى الْقَاضِيْنَ وَحُكْمُهٗ بِالْجَزَاءِ مِنْ ذٰلِكَ وَفِي الْحَدِيْثِ مَنْ قَرَاَ بِالتِّيْنِ اِلٰى اٰخِرِهَا فَلْيَقُلْ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ

ع ۸ / ۲۰

ترجمہ: قسم ہے انجیر اور زیتون کی (جو دونوں کھانے کی چیزیں ہیں یا شام کے دونوں پہاڑ ہیں۔ جن پر یہ کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں) اور طور سینا کی (جس پہاڑ پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور سینین کے معنی مبارک کے ہیں یا پھلدار درختوں سے جو جگہ خوبصورت ہو) اور اس پر امن شہر کی (مکہ مراد ہے جو اسلام سے پہلے اور بعد ہمیشہ امن کی جگہ رہا ہے) ہم

نے انسان (کی جنس) کو بہت خوبصورت سانچہ (بہترین ساخت) میں ڈھالا ہے۔ پھر ہم اس کے بعض افراد کو پست حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں (بڑھاپے اور کمزوری سے کنایہ ہے۔ چنانچہ مومن کامل جوانی کے مقابلہ میں کم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ثواب بدستور رہتا ہے۔ اگلی آیت کی وجہ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے نہ ختم ہونے والا ثواب ہے (ممنون یعنی مقطوع۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ مومن بڑھاپے کی وجہ سے جب عمل سے عاجز ہو جاتا ہے تب بھی اس کا عمل لکھا جاتا ہے) پھر تجھے (اے کافر) کون جھٹلانے والا بنا رہا ہے اس کے بعد (یعنی انسان کا اچھی شکل پر پیدا ہونا پھر انتہائی گھٹیا عمر کی طرف پلٹ جانا جس سے قیامت پر اللہ کی قدرت کا ہونا معلوم ہوا) جزا کے بارے میں (جو بعث و حساب کے بعد ہوگی، یعنی کس چیز نے تجھ کو بدلہ کے جھٹلانے پر آمادہ کیا ہے۔ جب کہ کوئی اس کا باعث ہی نہیں ہے) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ (وہ سب سے بڑھ کر حاکم ہے اور اس کا فیصلہ قیامت کے متعلق ہو چکا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص سورۂ والتین پڑھے تو اسے ختم پر بلی وانا علی ذلک من الشاهدین کہنا چاہیے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: والتین مکیه: اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ او مدنیہ: ابن عباسؓ وقتادہؒ کا قول ہے۔

قوله: وَالتِّيْنِ: اللہ تعالیٰ نے ان کے موائد جلیلہ کی وجہ سے قسم اٹھائی۔ منہ کی بو کو انجیر دور کرتی اور مثانہ کی رگ کے لیے مفید۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسے استعمال فرمایا ہے۔ انجیر پھل اور غذا دونوں ہے۔ زیتون: یہ پھل اور علاج ہے۔ دونوں درختوں کے نام پر پہاڑوں کا نام رکھ دیا اس لیے کہ یہ وہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

قوله: اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ: اللہ تعالیٰ انسان کو مدید القامت بنایا باقی تمام سر لٹکا کر چلنے والے ہیں، پھر یہ اپنی خوراک ہاتھوں سے منہ میں ڈالتا ہے جب کہ دوسرے منہ سے لیتے ہیں نیز اس کو علم، فہم، عقل، تمیز گفتار و ادب دیا۔ غرض یہ ظاہر و باطن ہر دو کے لحاظ سے احسن ہے۔ (خازن)

قوله: اَسْفَلَ: ۱۔ مفعول سے حال ہے۔ ۲۔ یہ مکان کی صفت ہے۔ یعنی مکانا اسفل سافلین اور سافل یہ صبیان، اپاہج، بچے، شیخ فانی ہیں جو کوئی حیلہ اور راہ نہیں پاتے۔ ہر قوت میں ضعف آ جاتا ہے۔

قوله: اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ: ارذل عمر مراد ہے، جو سورۃ النحل میں ذکر فرمائی۔ نردھم الی ارذل العمر ۔۔۔ الایۃ۔ اور الا الذین سے یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ یہ ۹۵ یا ۷۵ سال ہے۔ منقطع سے بقول شہاب کے افراد کا حکم سے نکالنا مقصود نہیں ہوتا۔ اسی پر انقطاع و اتصال کا دارومدار ہے نہ کہ خروج و دخول۔ (فتدبر)

قوله: هُوَ اَقْضَى الْقَاضِيْنَ: اس سے مفسر اشارہ فرماتے ہیں: یہ استفہام تقریری ہے، مطلب یہ ہے اس کا فیصلہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے بڑھ کر نافذ ہونے والا ہے۔ دوسروں کے فیصلے خطاؤں سے پر ہوتے ہیں یا رد کر دیے جاتے اور مخلوق میں اکثر نافذ نہیں ہوتے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقدس مقامات کا ذکر فرمایا، جہاں انجیر اور زیتون اگتے ہیں اور یہ انبیاءؑ کے ٹھہرنے اور وحی کے اترنے کے مقامات ہیں طور سینا وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰؑ کلیم بنے، مکہ وہ بلد امین ہے جس کی بنیاد خلیل اللہ نے رکھی اور قرآن کا مہبط ہے۔

۲۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے حسن و جوانی پھر وہ ہرم اور ضعف کی وجہ سے بچے کی طرح بن گیا۔

۳۔ ایمان اور عمل صالح والوں کے بڑھاپے میں وہ اعمال حسنہ لکھے جاتے ہیں جو جوانی میں کرتے تھے۔

۴۔ کافر کو ڈانٹ پلائی گئی کہ جب بچپن سے جوانی اور بڑھاپے کی تبدیلیاں تیرے سامنے ہیں تو بعث و جزاء کی تبدیلی کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

۵۔ جب اللہ تعالیٰ کا صانع ہونا تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کا عدل و انصاف والے فیصلے کا اس کی مخلوق میں نفاذ کیوں نہیں مانتے۔ وہ تو احکم الحاکمین ہے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ التین مکی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں، مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا بھی اہم موضوع اور مقصد بیان ایمان بالآخرۃ حساب اور جزاء اعمال ہے، سورت کی ابتداء انجیر اور زیتون کے درخت کی قسم کھا کر کی گئی اور ان ان دو عظیم المنفعۃ درختوں اور پھلوں کی قسم کے ساتھ اماکن مقدسہ یعنی طور سینا اور بلد امین مکہ مکرمہ کی بھی قسم کھا کر ان کی برکتوں کی طرف ذہن کو متوجہ کیا گیا، جو ان مقامات مقدسہ میں ودیعت رکھی گئی ہیں کہ طور سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا اور سرزمین مکہ مہبط وحی ہے ان عظیم اشیاء کی قسم کھا کر بطور جواب قسم انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا،

انجیر و زیتون کثیر المنفعۃ اور جامع الفوائد ہونے کی وجہ سے انسان کی حقیقت جامعہ سے پوری پوری مشابہت رکھتے ہیں اس وجہ سے جواب قسم کے مضمون میں: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم فرمانا نہایت ہی مناسب ہوا، پھر تخلیق انسانی میں یہ فرمانا کہ اس کو ایک بہترین پیکر اور حسین ساخت میں اللہ نے بنایا ہے، قدرت خداوندی کی اکمل ترین دلیل کو پیش کرنا ہے، اس کے بعد کفار پر وعید اور تنبیہ فرمائی گئی جو بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے اور اخیر میں دلائل قدرت کو انسانی عقول اور نظروں کے سامنے نمایاں کرتے ہوئے یہ سوال کیا گیا کہ اب اس کے بعد کوئی منکر انسان آخرت کس بناء پر قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے جب کہ ہر انسان کی تخلیق اس کے وجود اور اس کے تغیرات میں ان سب امور کا مشاہدہ ہو رہا ہے، اور یہ تمام مشاہدات اس امر پر انسان کو آمادہ بلکہ مجبور کرتے ہیں کہ وہ قیامت پر ایمان لائے، حساب و کتاب پر یقین رکھتے ہوئے اللہ رب العالمین کو احکم الحاکمین مانے"۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝

اللہ تعالیٰ شانہ نے تین اور زیتون اور البلد الامین (شہر مکہ مکرمہ) اور طور سینین کی قسم کھا کر انسان کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اسے احسن تقویم میں پیدا کیا پھر اسے پست ترین حالت میں لوٹا دیا۔ تین انجیر کو کہتے ہیں اور زیتون ایک مشہور

گھٹنوں پر مشتمل ہیں، ان کے درمیان شہوت کی چیز ہے اور ناپاکی کے نکلنے کا راستہ بھی ہے۔ کمر کا موڑ جھکنے کے لیے ہے جو رکوع کرنے میں اور نیچے کی چیزیں اٹھانے میں کام دیتا ہے، پھر گھٹنوں کا موڑ ہے اس کے ذریعے اکڑوں بیٹھتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں اور کرسی پر بیٹھتے ہیں تو پنڈلیاں لٹکا لیتے ہیں، اگر گھٹنوں کا موڑ نہ ہوتا تو کرسی پر بیٹھنا مشکل ہو جاتا، پھر ابھرے ہوئے ٹخنوں کا حسن دیکھو اور انگلیوں کا تناسب اور تناسق دیکھو ساتھ ہی ناخنوں کے حسن و جمال پر بھی نظر ڈالو، اور ہاں پاؤں کا پھیلاؤ بھی تو دیکھنا چاہیے اگر پاؤں پھیلے ہوئے نہ ہوتے صرف ایڑیوں پر ٹانگیں ختم ہو جاتیں تو میاں صاحب یہاں گرتے اور وہاں گرتے، نہ چلتے نہ پھرتے نہ دوڑتے نہ بھاگتے وغیرہ وغیرہ، یہ انسان کی جسمانی ساخت ہے جو کمال و جمال کا آئینہ ہے اور اعضائے انسانی کی حرکات میں جو ادائیں ہیں ان کے حسن کو بھی انسان ہی سمجھ پاتا ہے جسمانی کمال و جمال کے علاوہ اللہ جل شانہ نے انسان کو جو عقل و ادراک نصیب فرمایا ہے جس کے ذریعہ وہ دوسری مخلوقات پر حکمران ہے بحر و بر پر اس کی حکومت ہے اور جو کچھ اس نے اپنے آرام و راحت کی چیزیں ایجاد کی ہیں عمارتیں بنائی ہیں طیارے سیارے چلائے ہیں۔ ان سب میں اس کے ظاہری اعضاء اور فہم و ادراک دونوں چیزوں کا دخل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو فضیلت اور فوقیت دی ہے۔ سورۃ الاسراء میں اس کے بارے میں فرمایا: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سے مخلوقات پر فوقیت دی) کسی شاعر نے انسان کو خطاب کر کے کہا ہے۔

وتزعم انك جرم صغیر۔ وفیك انطوی العالم الاکبر

انسان کے احسن تقویم ہونے کا ایک بہت بڑا مظاہرہ اس میں بھی ہے کہ کسی بھی بدصورت سے بدصورت انسان سے سوال کیا جائے کہ تو فلاں خوبصورت حیوان کی صورت میں داخل ہونے کو تیار ہے تو وہ ہرگز قبول نہیں کرے گا، نہ کر سکتا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝

پہلے جملے میں ساری مخلوقات اور کائنات سے احسن بنانے کا بیان تھا، اس جملے میں اس کے بالمقابل یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح وہ اپنی ابتدا اور شباب میں ساری مخلوقات سے زیادہ حسین اور سب سے بہتر تھا آخر میں اس پر یہ حالت بھی آتی ہے کہ وہ بدسے بدتر اور برے سے برا ہو جاتا ہے ظاہر یہ ہے کہ بدتری اور برائی اس کی ظاہری جسمانی حالت کے اعتبار سے بتلائی گئی ہے کہ شباب ڈھلنے کے بعد شکل وصورت بدلنے لگتی ہے بڑھاپا اس کا روپ بالکل بدل ڈالتا ہے، بدہیئت بدشکل نظر آنے لگتا ہے بیکار اور دوسروں پر بار ہو کر رہ جاتا ہے۔ کسی کے کام نہیں آتا، بخلاف دوسرے جانوروں کے کہ وہ آخر تک اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، انسان ان سے دودھ اور سواری بار برداری کے اور دوسری قسم کے سینکڑوں کام لیتے ہیں، وہ ذبح کر دیے جائیں یا مر جائیں تو بھی ان کی کھال، بال، ہڈی، غرض جسم کا ریزہ ریزہ انسانوں کے کام میں آتا ہے بخلاف انسان کے کہ جب وہ بیماری اور بڑھاپے میں عاجز و درماندہ ہو جاتا ہے تو مادی اور دنیاداری کے اعتبار سے کسی کام کا نہیں رہتا مرنے کے بعد بھی اس کے کسی جزء سے کسی انسان یا جانور کو فائدہ نہیں پہنچتا، خلاصہ یہ ہے کہ اس کے اسفل السافلین میں پہنچ جانے سے مراد اس کی مادی اور

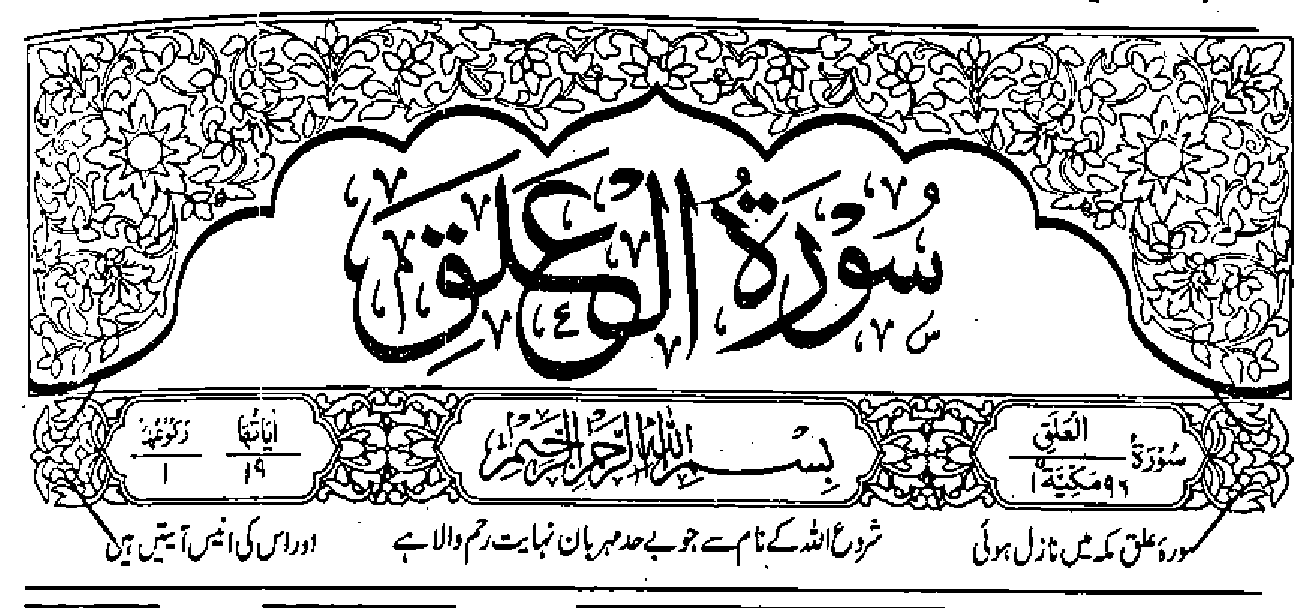
جسمانی کیفیت ہے۔ یہ تفسیر حضرت ضحاک وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے۔ (کمافی القرطبی)

اس تفسیر پر اگلی آیت میں جو مؤمنین صالحین کے استثناء یعنی: اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ؕ کا ذکر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان پر بڑھاپے میں کے حالات اور عجز ودرماندگی نہیں آتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس جسمانی بیکاری اور مادی خرابی کا نقصان ان کو نہیں پہنچتا بلکہ نقصان صرف ان لوگوں کو پہنچتا ہے جنہوں نے اپنی ساری فکر اور توانائی اسی مادی درستی پر خرچ کی تھی وہ اب ختم ہوگئی اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں بخلاف مؤمنین صالحین کے کہ ان کا اجر و ثواب کبھی قطع ہونیوالا نہیں۔ اگر دنیا میں بڑھاپے کی بیماری کمزوری اور عجز سے سابقہ بھی پڑا تو آخرت میں ان کے لیے درجات عالیہ اور راحت ہی راحت موجود ہے اور بڑھاپے کی بیکاری اور عجز سے سابقہ بھی پڑا تو آخرت میں ان کے لیے درجات عالیہ اور راحت ہی راحت موجود ہے اور بڑھاپے کی بیکاری میں بھی عمل کم ہوجانے کے باوجود ان کے نامہ اعمال میں وہ سب اعمال لکھے جاتے ہیں جو وہ قوت کے زمانے میں کیا کرتا تھا۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال لکھنے والے فرشتے کو حکم دیدیتے ہیں کہ جو جو عمل خیر یہ اپنی تندرستی میں کیا کرتا تھا وہ سب اس کے اعمال نامہ میں لکھتے رہو (رواہ البغوی فی شرح السنہ والبخاری عن ابی موسیٰ مثلہ فی المریض والمسافر) اس کے علاوہ اس مقام پر مؤمنین صالحین کی جزاء جنت اور اس کی نعمتوں کو بیان کرنے کے بجائے لهم اجر غیر ممنون فرمایا ہے یعنی ان کا اجر کبھی مقطوع ومنقطع ہونیوالا نہیں۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ صلہ دنیا کی مادی زندگی ہی سے شروع ہوجاتا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے لیے بڑھاپے اور ضعف میں ایسے مخلص رفقاء مہیا فرمادیتے ہیں جو ان کے آخری لمحہ تک ان سے روحانی فوائد اٹھاتے ہیں اور ان کی ہر طرح کی خدمت کرتے ہیں اسی طرح بڑھاپے کا وہ وقت جب انسان مادی اور جسمانی طور پر معطل بیکار اور لوگوں پر بار سمجھا جاتا ہے، اللہ کے یہ بندے اس وقت بھی بیکار نہیں ہوتے اور بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ رددنہ اسفل سفلین عام انسانوں کے لیے نہیں بلکہ کفار وفجار کے لیے ہے۔ جنہوں نے خدا داد احسن تقویم اور انسانی کمالات وشرافت اور عقل کو مادی لذائذ کے پیچھے برباد کردیا تو اس ناشکری کی سزا میں ان کو اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ؕ میں پہنچا دیا جائے گا، اس صورت میں اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا استثناء اپنے ظاہری مفہوم پر رہتا ہے کہ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ؕ میں پہنچنے سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کے پابند رہے کیونکہ ان کا اجر ہمیشہ جاری رہے گا۔
(کذافی المظہری)

فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ؕ

یعنی او آدمی! ان دلائل کے بعد کیا سبب ہے جس کی بناء پر سلسلہ جزاء وسزا کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ یا یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہوگا۔ یعنی ایسے صاف بیانات کے بعد کیا چیز ہے جو منکرین کو جزاء کے معاملہ میں تمہاری تکذیب پر آمادہ کرتی ہے خیال کرو! انسان کو اللہ نے پیدا کیا اور بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا۔ اس کا قوام ایسی ترکیب سے بنایا کہ اگر چاہے تو نیکی اور بھلائی میں ترقی کرکے فرشتوں سے آگے نکل جائے، کوئی مخلوق اس کی ہمسری نہ کرسکے۔ چنانچہ اس کے کامل نمونے دنیا نے شام، بیت المقدس، کوہ طور اور مکہ معظمہ میں اپنے اپنے وقت پر دیکھ لیے جن کے نقش قدم پر اگر آدمی چلیں تو انسانی کمالات اور

دارین کی کامیابی کے اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچ جائیں۔ لیکن انسان خود اپنی بدتمیزی اور بدعملی سے ذلت وہلاکت کے گڑھے میں گرتا اور اپنی پیدائشی بزرگی کو گنوا دیتا ہے۔ کسی ایماندار اور نیکوکار انسان کو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ نیچے نہیں گراتا بلکہ اس کے تھوڑے عمل کا بے اندازہ صلہ مرحمت فرماتا ہے۔ کیا ان حالات کے سننے کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے اصول اور جزاء و سزا کے ایسے معقول قاعدوں کو جھٹلا سکے؟ ہاں ایک ہی صورت تکذیب وانکار کی ہوسکتی ہے کہ دنیا کو یونہی ایک بے سرا کارخانہ فرض کرلیا جائے۔ جس پر نہ کسی کی حکومت ہو نہ یہاں کوئی آئین وقانون جاری ہو، نہ کسی بھلے برے پر کوئی گرفت کرسکے، اس کا جواب آگے دیتے ہیں: اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ۝ ۔



سورۂ علق مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی انیس آیتیں ہیں

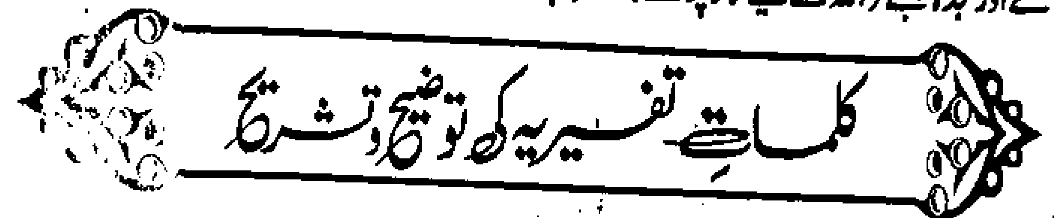
اِقْرَاْ اَوْجِدِ الْقِرَائَةَ مُبْتَدِئًا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ اَلْخَلَائِقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ جَمْعُ عَلَقَةٍ وَهِیَ الْقِطْعَةُ الْیَسِیْرَةُ مِنَ الدَّمِ الْغَلِیْظِ اِقْرَاْ تَاكِیْدٌ لِلْاَوَّلِ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ اَلَّذِیْ لَا یُوَازِیْهِ كَرِیْمٌ حَالٌ مِنْ ضَمِیْرِ اِقْرَاْ اَلَّذِیْ عَلَّمَ الْخَطَّ بِالْقَلَمِ ۝۴ وَاَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِهٖ اِدْرِیْسُ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵ قَبْلَ تَعْلِیْمِهٖ مِنَ الْهُدٰی وَالْكِتَابَةِ وَالصِّنَاعَةِ وَغَیْرِهَا كَلَّآ حَقًّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی ۝۶ اَنْ رَّاٰهُ اَیْ نَفْسَهٗ اسْتَغْنٰی ۝۷ بِالْمَالِ نَزَلَ فِیْ اَبِیْ جَهْلٍ وَرَاٰی عِلْمِیَّةٌ وَاسْتَغْنٰی مَفْعُوْلٌ ثَانٍ وَاَنْ رَاٰهُ مَفْعُوْلٌ لَهٗ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ یَا اِنْسَانُ الرُّجْعٰی ۝۸ اَلرُّجُوْعُ تَخْوِیْفٌ لَهٗ فَیُجَازِی الطَّاغِیَ بِمَا یَسْتَحِقُّهٗ اَرَءَیْتَ فِیْ مَوَاضِعِهَا الثَّلَاثَةِ لِلتَّعَجُّبِ الَّذِیْ یَنْهٰی ۝۹ هُوَ اَبُوْ جَهْلٍ عَبْدًا هُوَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی ۝۱۰ اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ اَیِ الْمَنْهِیُّ عَلَی الْهُدٰٓی ۝۱۱ اَوْ لِلتَّقْسِیْمِ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ۝۱۲ اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ اَیِ النَّاهِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَلّٰی ۝۱۳ عَنِ الْاِیْمَانِ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ۝۱۴ مَا صَدَرَ مِنْهُ اَیْ یَعْلَمُهٗ فَیُجَازِیْهِ عَلَیْهِ اَیْ اَعْجَبُ مِنْهُ یَا مُخَاطَبُ مِنْ حَیْثُ

نَهْيُهُ عَنِ الصَّلٰوةِ وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ الْمَنْهِيَّ عَلَى الْهُدٰى اٰمِرٌ بِالتَّقْوٰى وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ النَّاهِيَ مُكَذِّبٌ مُتَوَلٍّ
عَنِ الْاِيْمَانِ كَلَّا رِدْعٌ لَهُ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ لَّمْ يَنْتَهِ عَمَّا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْكُفْرِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾
لَنَجُرَّنَّ بِنَاصِيَتِهِ اِلَى النَّارِ نَاصِيَةٍ بَدَلُ نَكِرَةٍ مِنْ مَعْرِفَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ وَوَصْفُهَا بِذٰلِكَ مَجَازًا
وَالْمُرَادُ صَاحِبُهَا فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿۱۷﴾ اَيْ اَهْلَ نَادِيْهِ وَهُوَ الْمَجْلِسُ يَنْتَدِيْ يَتَحَدَّثُ فِيْهِ الْقَوْمُ وَكَانَ قَالَ
لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَهَرَهُ حَيْثُ نَهَاهُ عَنِ الصَّلٰوةِ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا بِهَا رَجُلٌ اَكْثَرُ نَادِيًا مِّنِّيْ
لَاَمْلَأَنَّ عَلَيْكَ هٰذَا الْوَادِيَ اِنْ شِئْتُ خَيْلًا جُرْدًا وَّرِجَالًا مُرْدًا سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ اَلْمَلَائِكَةَ الْغِلَاظَ
الشِّدَادَ لِاِهْلَاكِهِ فِي الْحَدِيْثِ لَوْ دَعَا نَادِيَهُ لَاَخَذَتْهُ الزَّبَانِيَةُ عِيَانًا كَلَّا رِدْعٌ لَهُ لَا تُطِعْهُ يَا مُحَمَّدُ فِيْ
تَرْكِ الصَّلٰوةِ وَاسْجُدْ صَلِّ لِلّٰهِ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ مِنْهُ بِطَاعَتِهِ

ع ۱۹ ۲۱

ترجمہ: پڑھیے (پڑھنا شروع کیجئے) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا (جنس) انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا (علق، علقه کی جمع ہے۔ خون بستہ کی ایک پھٹک) پڑھیے (پہلے کی تاکید ہے) اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جس کے برابر کوئی کریم نہیں ہوسکتا۔ اقرأ کی ضمیر سے حال ہے) جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھلایا (سب سے پہلے ادریسؑ نے لکھنا شروع کیا) انسان (کی جنس) کو اس نے وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا (یعنی ہدایت اور کتابت اور صنعت وغیرہ) سچ مچ (یقینا) انسان (مطلقا) بلاشبہ حد سے گزر جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ (خود) کو (مال کی وجہ سے) مستغنی سمجھتا ہے (ابوجہل کے متعلق ہے اور رای میں رویت قلبیہ ہے اور استغنی اس کا مفعول ثانی ہے اور ان راہ مفعول لہ ہے) یقینا (اے انسان) تیرے رب کی طرف پلٹنا ہوگا (یہ اس کو ڈرانا ہے۔ لہٰذا سرکش کو سزا ملے گی جس کا وہ مستحق ہوگا) تم نے دیکھا (تینوں جگہ اریت تعجب کے لیے ہے) جو منع کرتا ہے (مراد ابوجہل ہے) ایک بندے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا یہ بتلاؤ کہ اگر یہ شخص جھٹلاتا ہو (یعنی روکنے والا پیغمبر ﷺ کو) اور منہ موڑتا ہو؟ (ایمان لانے سے) کیا اس شخص کو یہ پتہ نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے (جو کچھ اس سے سرزد ہو رہا ہے یعنی وہ باخبر ہے لہٰذا وہ اس کو اس پر سزا دے گا۔ یعنی اے مخاطب حیرت کی بات ہے کہ وہ نماز سے روکتا ہے جب کہ منع کیا ہوا بندہ راہ راست پر ہے اور پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہے۔ نیز منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگردانی کرنے والا شخص ہے) ہرگز نہیں (اس کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) اگر یہ شخص (لام قسمیہ ہے) باز نہ آیا (اپنے کفریہ طور طریق سے) تو ہم اس کے پٹھے پکڑ کر کھینچیں گے (پیشانی کے بال سے گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیں گے) وہ پیشانی (یہ نکرہ بدل ہے معرفہ سے) جو جھوٹی اور خطا کار ہے (پیشانی کی یہ صفت مجازا ہے۔ لیکن مراد پیشانی والا ہے) وہ بلالے اپنے حمائتیوں کی ٹولی کو (نادی سے اہل نادی مراد ہیں۔ اس کے معنی مجلس کے ہیں۔ کیونکہ اس میں قوم کی بات چیت کے وقت آواز دی جاتی ہے۔ ابوجہل نے آنحضرت ﷺ کو نماز سے ڈانٹتے ہوئے کہا تھا کہ تم جانتے ہو

کہ تمہارا جمعہ میرے جمعہ سے بڑھا ہوا نہیں ہے۔ میں چاہوں تو بہترین گھوڑ سواروں اور پیدل فوج سے اس میدان کو بھر سکتا ہوں) ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے (اس کو تباہ کرنے کے لیے اکھڑ مضبوط فرشتے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اپنی فوج بلا لیتا تو دوزخ کے دربان اسے پکڑ لیتے) ہرگز نہیں (ڈانٹ ڈپٹ ہے) آپ (اے محمد! نماز چھوڑنے میں) اس کی بات نہ مانئے اور سجدہ کیجئے (اللہ کے لیے نماز پڑھئے) اور قرب حاصل کرتے رہئے (اس کی فرمانبرداری کرکے)۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله :اول ما نزل :بقول بغوی اس کی پانچ پہلی آیات پہلی وحی ہے یہی اصح ترین قول ہے۔

قوله :اَوْجِدِ الْقِرَائَةَ :اس سے اشارہ کیا کہ یہ حکم بمنزلہ لازم کے ہے۔ یعنی قرأت کو شروع کر۔ بعض نے مفول القرآن مقدر مانا۔ یعنی قرآن پڑھو۔

قوله :مُبْتَدِئًا :بعض کا قول ہے کہ باسم میں با زائدہ اور اسم یہ اس کا مفعول ہے۔ مگر مفسر نے اس کو متعلق مانا اور متعلق مبتدء کا مقدر مان کر اس کو اقراء کے فاعل سے حال قرار دیا ہے اور یا سببیت کی ہے۔

قوله :خَلَقَ الْاِنْسَانَ :دوسرا خَلَقَ اول خَلَقَ کی تفسیر ہے گویا پہلے مبہم لائے خَلَقَ الْاِنْسَانَ سے تفسیر کر دی۔ اس سے تخلیق انسان کی عظمت ظاہر فرمائی۔ ۲۔ یہ بھی ممکن ہے پہلے خَلَقَ کا مفعول کل شیٔ محذوف ہو وہ مطلق ہونے کی وجہ سے عام ہے اور دوسرا خَلَقَ میں انسان کو خاص کر دیا اس لیے کہ قرآن اسی کی طرف اتارا جا رہا ہے۔

قوله :عَلَّمَ بِالْقَلَمِ :عَلَّمَ کے دونوں مفعول محذوف ہیں ای علم الانسان الخط بالقلم، مفسر نے دوسرے کو مقدر مان کر اول کو مخاطب پر چھوڑا۔

قوله :نَفْسَهٗ :اس سے اشارہ کیا کہ رأی میں ضمیر فاعلی انسان کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر مفعول بھی اس کی طرف لوٹتی ہے۔ رؤیت سے رؤیت قلبی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انعامات فرماتے ہیں اور سزا میں جلدی نہیں کرتے۔ اس میں دونوں ضمائر متحد بھی ہوسکتی ہیں۔

قوله : اَرَءَیْتَ :مسلم کی روایت میں ہے کہ ابوجہل لعین نے کہا: اگر میں محمد ﷺ کی سجدہ میں پالوں تو ان کی گردن پر پاؤں رکھوں گا اور پیشانی کو خاک آلود کروں گا۔ ایک دن سجدہ پایا آپ کی طرف بڑھا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ پھیلائے الٹے پاؤں الٹے چہرے سے لوٹا لوگوں نے کہا: کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا: میں نے اپنے اور ان کے مابین آگ کی خندق اور پروں کی آواز سنی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ اور میری طرف بڑھتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو الگ کر دیتے۔ (خازن)

قوله :اَعْجَبَ مِنْهُ :اس سے حاصل معنیٰ کو بیان کر دیا اور شرطیہ جملوں کا جواب مقدر ہوگا۔ ای فما اعجب من ھذا اور الم یعلم یہ جملہ مستانفہ بنے گا اور ماقبل کی تاکید ہے۔ بعض لوگوں نے الم یعلم کو جواب بنایا اور یہ شرط اول میں مقدر ہو گا۔ (فتدبر)

قوله: لَنَسْفَعًا: یہ نون خفیفہ ہے جو حالت وقف میں تنوین کے مشابہ ہوگیا۔ یہ الف سے پڑھا اور لکھا گیا۔

قوله: بِالنَّاصِيَةِ: اصل یہ پیشانی کے بالوں پر بولا جاتا ہے۔ پھر اس کا اطلاق سر کے اگلے حصے پر کیا جاتا ہے خواہ اس میں بال نہ ہوں۔ (الجمیل)

۱۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت وتخلیق کو ذکر فرمایا خون کے لوتھڑے سے انسان کو بنادیا بے جان قلم سے علم سکھادیا۔ یہ رحمت حق کا پہلا چھینٹا اس امت پر پڑا۔

۲۔ قرآن کی تلاوت اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کی جائے علوم دین ومعرفت کا راستہ قرأت وکتابت ہے۔ اسی سے سبھی علوم لوگوں میں منتقل ہوتے ہیں اور علوم ومعارف کی ترقی کی بنیاد یہی ہے۔

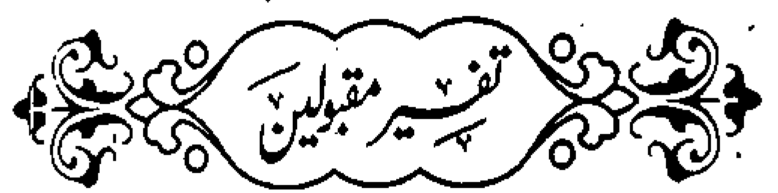
۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان پر ایسا کرم فرمایا کہ اس کے کرم کا کوئی معادل نہیں۔

۴۔ اگر انسان اپنے آپ کو ایمان وتقوی سے مہذب نہ بنائے تو وہ ٹیڑھی طبیعت والا حیوان ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا عیانا اپنے رسول کی معاونت کرنا۔

۶۔ ابوجہل پر سخت وعید اور لعنت خداوندی کا مستحق قرار دینا۔

۷۔ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ سورت کے آخر میں سجدہ تلاوت کا حکم ہے۔



وحی الٰہی کا آغاز اسی سورت مبارکہ کی ابتدائی پانچ آیات سے ہوا اسی پر تمام امت اور ائمہ مفسرین کا اجماع ہے اس سورت کا سب سے پہلا موضوع تو آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کی ابتدائی کیفیت اور حالت کا بیان کرنا ہے پھر انسان کی اس کمزور اور غلط فطرت کا بیان ہے کہ جس قدر اس پر اللہ کے انعامات ہوں اس کی سرکشی وطغیانی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس سلسلہ میں مشرکین مکہ میں خاص اشقیاء کی شقاوت کا ذکر ہے، جیسے کہ ابوجہل، وہ اس کو بھی برداشت نہیں کرتا تھا کہ آنحضرت ﷺ حرم مکہ میں نماز ہی پڑھ لیں، چنانچہ اس نے ایک روز غلاظتوں کا انبار اور ایک ذبح شدہ اونٹ کا اوجھ جو گوبر اور نجاستوں سے بھرا ہوا تھا پشت مبارک پر لا کر رکھ دیا، وہ اس کے ساتھی اس بیہودگی پر خوب ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے تو اس سورت میں اس تاریخی شقاوت کا بھی ذکر ہے اور ساتھ حق تعالیٰ شانہ کے عذاب اور قہر کی وعید ہے کہ اللہ رب العزت کے علم اور نظر سے یہ بدبختی کا عمل مخفی نہیں اور وہ وقت عنقریب آنے والا ہے کہ جہنم کے فرشتے ایسے مجرموں کو پکڑ پکڑ کر ٹکڑے کر ڈالیں گے بلکہ دنیا ہی میں اللہ نے اپنے قہر اور گرفت کا منظر دکھادیا کہ یہ تمام اشقیاء اور بدبخت غزوۂ بدر میں مارے گئے، ابوجہل زخمی ہوا اس کا سر قلم کرنے والے عبداللہ بن مسعودؓ اس کے کان میں رسی باندھ کر گھسیٹتے ہوئے حضور ﷺ کے سامنے لے آئے، اور حرم مکہ میں جن بدبختوں کے نام لے لے کر حضور ﷺ نے بددعا فرمائی، وہ سب کے سب مارے گئے اور ان کے مردار اور لاشیں بدر کے ایک کنوئیں میں ڈالدی گئیں اور آنحضرت ﷺ نے وہاں تشریف لا کر ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "ھل وجدتم

ما وعد ربکم حقا"۔ انا وجدنا ما وعدنا ربنا حقا"۔ کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ پورا پالیا، جو تم سے کیا گیا تھا، ہم نے اس وعدہ کو پوری طرح پالیا جو ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا۔

ابتداء سورت میں قراءۃ اور تعلم کی دعوت دی گئی اور سورۃ کی انتہاء نماز اور بارگاہ خداوندی میں سجود اور امر بالتقرب کے مضمون پر کی گئی جس سے یہ ظاہر ہوا کہ انسانی فوز وفلاح کی ابتداء قراءت اور علم سے ہے اور اس کی منزل مقصود وانتہاء عبادت اور قرب خداوندی ہے تو اس طرح: واسجد واقترب پر سورت ختم فرمائی گئی۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ

یہاں سے سورۃ العلق شروع ہو رہی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا ہے کہ آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے سب کچھ پیدا فرمایا ہے تعمیم کے لیے مفعول محذوف فرما دیا، نیز رعایت فاصلہ بھی مطلوب ہے اس کی وجہ سے بھی مفعول حذف کیا گیا۔ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ فرشتے کی آمد سے پہلے رسول اللہ ﷺ غار حرا میں تنہا وقت گزارا کرتے تھے یہ تنہائی آپ کو محبوب تھی متعدد راتیں وہاں گزار کر اپنے گھر حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے تھے وہ مزید چند دن کے لیے کھانے پینے کا سامان تیار کر دیتی تھیں یہ سامان لے کر آپ غار حرا میں واپس چلے جاتے تھے ایک دن آپ غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ اچانک فرشتہ آ گیا۔ فرشتہ نے کہا: اِقْرَاْ (پڑھیے) آپ نے فرمایا: ما انا بقاری (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) فرشتے نے آپ کو پکڑ کر خوب اچھی طرح بھینچ دیا، پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے، آپ نے پھر وہی فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتے نے دوبارہ اسی زوردار طریقے پر بھینچ دیا پھر چھوڑ دیا اور وہی بات کہی کہ پڑھیے، آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتے نے تیسری بار پھر آپ کو بھینچ دیا، پھر چھوڑ دیا اور اس مرتبہ اس نے یہ پورا پڑھا دیا: آپ نے ان الفاظ کو دہرایا اور غار حرا سے گھبرائے ہوئے واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے ان سے فرمایا کہ مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ، انہوں نے کپڑا اوڑھا دیا۔ یہاں تک کہ جب خوف و پریشانی کی کیفیت دور ہو گئی تو حضرت خدیجہؓ کو پوری بات بتائی۔
(حدیث طویل ہے جو صحیح بخاری صفحہ ۳، ۴، ج ۱ اور صحیح مسلم صفحہ ۸۸: ج ۱ پر مذکور ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی اس میں آیت مذکورہ بالا ہی تھیں۔ قال النووی فی شرح صحیح المسلم هذا هو الصواب الذی علیه الجماهیر من السلف والخلف اس کے کچھ عرصے کے بعد آیات یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ.... نازل ہوئیں اور برابر وحی نازل ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۳: ج ۱)

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع کرنا چاہیے اور سورۂ اعراف کی آیت: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ سے معلوم ہوا کہ پہلے اعوذ باللہ پڑھا جائے، پہلے استعاذہ پھر بسم اللہ دونوں پر امت کا عمل ہے رسول اللہ ﷺ کا اور صحابہؓ اور تابعین کا یہی معمول رہا ہے۔

سورت کے شروع میں اولاً مخلوق کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کیونکہ ساری مخلوق اللہ جل شانہ کی ربوبیت کا مظہر ہے پھر خصوصی طور پر انسان کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا فرمایا لہٰذا انسان کو اپنے رب کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہونا چاہیے اپنے خالق اور پروردگار کے ذکر میں اور اس کی نعمتوں کے شکر میں لگا رہے گو دوسرے حیوانات بھی نطفہ

منی سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان میں وہ عقل اور شعور وادراک نہیں ہے جو کہ انسان کو عطا فرمایا گیا ہے۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞

تخلیق انسانی کے بعد اس کی تعلیم کا بیان ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور تمام مخلوقات سے اشرف واعلیٰ بناتی ہے پھر تعلیم کی عام صورتیں دو ہیں ایک زبانی تعلیم دوسرے بذریعہ قلم تحریر وخط سے ابتدائے سورت میں لفظ اقراء میں اگرچہ زبانی تعلیم ہی کی ابتدا ہے مگر اس آیت میں جہاں تعلیم دینے کا بیان آیا ہے اس میں قلمی تعلیم کو مقدم کر کے بیان فرمایا ہے۔

تعلیم کا سب سے پہلا اور اہم ذریعہ قلم اور کتابت ہے:

ایک صحیح حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لما خلق اللہ الخلق کتب فی کتابہ فھو عندہ فوق العرش، ان رحمتی غلبت غضبی، یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ کلمہ لکھا کہ "میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔"

اور حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اول ماخلق اللہ القلم فقال لھم اکتب نکتب مایکون الی یوم القیمۃ فھو عندہ فی الذکر فوق عرشہ، یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھے، اس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھدیں، یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے۔ (قرطبی)

قلم کی تین قسمیں:

علماء نے فرمایا ہے کہ عالم میں قلم تین ہیں۔ ایک سب سے پہلا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تقدیر کائنات لکھنے کا اس کو حکم دیا، دوسرے فرشتوں کے قلم جس سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور ان کی مقادیر کو نیز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں کے قلم جن سے وہ اپنے کلام لکھتے اور اپنے مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کتابت درحقیقت بیان کی ایک قسم ہے اور بیان انسان کی مخصوص صفت ہے۔ (قرطبی) امام تفسیر مجاہد نے ابوعمرو سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے خود بنائیں اور ان کے سوا باقی مخلوقات کے لیے حکم دیا کن یعنی ہو جا وہ موجود ہو گئیں۔ یہ چار چیزیں یہ ہیں۔ قلم، عرش، جنت عدن، آدم علیہ السلام

علم کتابت سب سے پہلے دنیا میں کس کو دیا گیا:

بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن کتابت ابوالبشر حضرت آدم کو سکھایا گیا تھا اور سب سے پہلے انہوں نے لکھنا شروع کیا (کعب احبار) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن حضرت ادریس علیہ السلام کو ملا ہے اور سب سے پہلے کاتب دنیا میں وہی ہیں (ضحاک) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر شخص جو کتابت کرتا ہے وہ تعلیم منجانب اللہ ہی ہے۔

خط وکتابت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے:

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا نہ دنیا کے کاروبار درست ہوتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہیں جانتے تھے اور ان کو جہل کی اندھیری سے نور علم کی طرف نکالا اور علم کتابت کی ترغیب دی کیونکہ اس میں بیشمار اور بڑے منافع ہیں جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ تمام علوم وحکم کی تدوین اور اولین وآخرین کی تاریخ اس کے حالات ومقامات اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں سب قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی، اگر قلم نہ ہوتو دنیا ودین کے سارے ہی کام مختل ہو جائیں۔

علمائے سلف وخلف نے ہمیشہ خط وکتابت کا بہت اہتمام کیا ہے:

علمائے سلف وخلف نے ہمیشہ تعلیم خط وکتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے جس پر ان کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاید ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء وطلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر کتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں فی اللہ المشتکی۔

رسول اللہ ﷺ کو کتابت کی تعلیم نہ دینے کا راز:

حق تعالیٰ جل شانہ، نے خاتم الانبیاء ﷺ کی شان کو لوگوں کے فکر وقیاس سے بالاتر بنانے کے لیے آپ کی جائے پیدائش سے لے کر آپ کے ذاتی حالات تک سب ایسے بنائے تھے کہ جن میں کوئی انسان اپنی ذاتی کوشش ومحنت سے کوئی کمال حاصل نہیں کرسکتا۔ جائے پیدائش کے لیے عرب کا صحرا تجویز ہوا جو متمدن دنیا اور علم وحکمت کے گہواروں سے بالکل کٹا ہوا تھا اور راستے اور مواصلات اتنے دشوار گزار تھے کہ شام وعراق اور مصر وغیرہ کے متمدن شہروں سے یہاں کے لوگوں کا کوئی جوڑ نہ تھا، اسی لیے عرب سب کے سب ہی امیین کہلاتے ہیں، ایسے ملک اور ایسے قبائل میں آپ پیدا ہوئے اور پھر حق تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ عرب کے لوگوں میں جو خال خال کوئی علم وحکمت اور خط وکتابت سیکھ لیتا تھا، آپ کو اس کے سیکھنے کا بھی موقع نہ دیا گیا، ان حالات میں پیدا ہونے والے انسان سے علم وحکمت اور اخلاق فاضلہ اس کے سیکھنے کا بھی موقع نہ دیا گیا، ان حالات سے پیدا ہونے والے انسان سے علم وحکمت اور اخلاق فاضلہ عالیہ کا کس کو تصور ہوسکتا ہے۔ اچانک حق تعالیٰ نے خلعت نبوت سے نوازا اور علم وحکمت کا غیر منقطع سلسلہ آپ کی زبان مبارک پر جاری فرمادیا، فصاحت وبلاغت میں عرب کے بڑے بڑے شعراء وبلغاء آپ کے سامنے عاجز ہو گئے یہ ایک ایسا کھلا ہوا معجزہ تھا کہ ہر آنکھوں والا اس کو دیکھ کر یہ یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کے کمالات انسانی سعی وعمل کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے غیبی عطیات ہیں، خط وکتابت کی تعلیم نہ دینے میں بھی یہی حکمت تھی۔ (ماخوذ از قرطبی)

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ اس سے پہلی آیت میں تعلیم کے ایک خاص ذریعہ کا ذکر تھا جو عام طور پر تعلیم کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی قلمی تعلیم۔

ذریعہ علم صرف قلم نہیں بلکہ بیشمار ذرائع ہیں:

اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اصل تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ سبحانہ ہے اور اس کے لیے ذرائع تعلیم بیشار ہیں، کچھ قلم ہی کیساتھ مخصوص نہیں اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ پہلے ناواقف تھا، اس میں قلم یا کسی دوسرے ذریعہ تعلیم کا ذکر نہ فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یہ تعلیم انسان کی ابتداء آفرینش سے جاری ہے کہ اول اس میں عقل پیدا کی جو سب سے بڑا ذریعہ علم ہے، انسان اپنی عقل سے خود بغیر کسی تعلیم کے بہت سی چیزیں سمجھتا ہے پھر اس کے پس و پیش میں اپنی قدرت کاملہ کے ایسے مناظر اور دلائل قدرت رکھ دیے جن کا مشاہدہ کر کے وہ اپنی عقل سے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان سکے۔ پھر وحی اور الہام کے ذریعہ بہت سی چیزوں کا علم انسان کو عطا فرمایا اور بہت سی ضروری چیزوں کا علم انسان کے ذہن میں خود بخود پیدا فرما دیا جس میں کسی زبان یا قلم کی تعلیم کا دخل نہیں، ایک بے شعور بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے ساتھ ہی اپنی غذا کے مرکز یعنی ماں کی چھاتیوں کو پہچان لیتا ہے پھر چھاتی سے دودھ اتارنے کے لیے منہ کو دبانا (اس کو کس نے سکھایا اور کون سکھا سکتا تھا، پھر اس کو ایک ہنر رونے کا اللہ تعالیٰ نے اول ولادت ہی سے سکھا دیا، بچے کا یہ رونا اس کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اس کو روتا ہوا دیکھ کر ماں باپ اس فکر میں پڑ جاتے ہیں کہ اس کو کیا تکلیف ہے۔ اس کی بھوک پیاس، سردی، گرمی کی سب ضروریات اسی رو دینے سے ہی پوری ہوتی ہیں۔ یہ رونے کی تعلیم اس نومولود کو کون کر سکتا تھا اور کس طرح کرتا۔ یہ سب وہبی علم ہے جو اللہ تعالیٰ ہر جاندار کے خصوصاً انسان کے ذہن میں پیدا فرما دیتا ہے۔ اس ضروری علم کے بعد پھر زبانی تعلیم پھر قلبی تعلیم کے ذریعہ اس کے علوم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور مالم یعلم یعنی جس کو وہ نہیں جانتا تھا اس کے کہنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ عادۃً تعلیم تو اسی چیز کی ہوتی ہے جس کو انسان نہیں جانتا اس کے فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس خداداد علم و ہنر کو انسان اپنا ذاتی کمال نہ سمجھ بیٹھے، مالم یعلم سے اشارہ فرما دیا کہ انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جب وہ کچھ نہیں جانتا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ہے: اخرجکم من بطون امھتکم لا تعلمون شیئاً یعنی اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے بطن سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، معلوم ہوا کہ انسان کو بھی جو بھی علم و ہنر ملا ہے وہ اس کا ذاتی نہیں بلکہ سب خالق و مالک کا عطیہ ہے۔ (مظہری) اور بعض حضرات مفسرین نے اس آیت میں انسان سے حضرت آدم یا نبی کریم ﷺ کو مراد قرار دیا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو تعلیم دی گئی وعلم ادم الاسمآء کلھا اور نبی کریم ﷺ وہ آخری پیغمبر ہیں جن کی تعلیم میں تمام انبیاء سابقین کے علوم اور لوح و قلم کے علوم شامل ہیں کما قال و من علومک علم اللوح والقلم

یہاں تک سورۃ اقرأ کی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں، اس کے بعد کی آیتیں کافی عرصہ کے بعد نازل ہوئی ہیں کیونکہ باقی آیتیں آخر سورت تک ابوجہل کے ایک واقعہ کے متعلق ہیں اور ابتداء وحی و نبوت میں تو مکہ میں کوئی بھی آپ کا مخالف نہ تھا سب آپ کو امین کے لقب سے پکارتے تھے اور محبت و تعظیم کرتے تھے، ابوجہل کی مخالفت اور دشمنی خصوصاً نماز پڑھنے سے روکنے کا واقعہ جو آگے آنے والی آیات میں مذکور ہے ظا ہے کہ اس وقت کا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت و دعوت کا

اعلان فرمایا اور شب معراج میں آپ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ

روایت احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ابوجہل کو رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ دشمنی تھی رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں تشریف لاتے تھے اور نماز ادا فرماتے تھے ایک دن ابوجہل نے لات اور عزیٰ کی قسم کھا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد ﷺ مٹی میں اپنا چہرہ ملائیں گے (یعنی سجدہ میں جائیں گے) تو میں ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اس نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ کی گردن مبارک پر پاؤں رکھنے کے لیے آگے بڑھا فوراً الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور وہ ہاتھوں کو اس طرح ہلا رہا تھا جیسے کسی چیز سے بچاؤ کر رہا ہو، لوگوں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ میرے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور ڈراؤنی حالت ہے اور بازوؤں والی مخلوق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ مجھ سے قریب ہو جاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو کر کے اُچک لیتے۔ اس پر آیت کریمہ: كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ سے آخر سورت تک نازل ہوئیں۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۷۲: ج۲)

اب سبب نزول جاننے کے بعد آیات کا مطلب سمجھ لیجئے۔ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ یعنی آدمیت کی حد سے نکل جاتا ہے اور اپنے کو بڑا سمجھنے لگتا ہے اپنے خالق کی نافرمانی اور سرکشی میں لگ جاتا ہے۔ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۙ یعنی مال اور دولت کی وجہ سے یوں سمجھتا ہے کہ اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے میں ہی سب کچھ ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے سب کچھ دیا ہے وہ دے بھی سکتا ہے اور چھین بھی سکتا ہے۔ سرکش انسان پیدا کرنے والے، مال دینے والے کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتا۔

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۙ

رجعی مثل بشریٰ کے اسم مصدر ہے۔ معنے یہ ہیں کہ سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے اس کے ظاہر معنے تو یہی ہیں کہ مرنے کے بعد سب کو اللہ کے پاس جانا اور اچھے برے اعمال کا حساب دینا ہی اس وقت اس طغیانی اور سرکشی کے انجام بد کو آنکھوں سے دیکھ لیگا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس جملے میں مغرور انسان کے غرور کا علاج بتلایا گیا ہو کہ اے احمق تو اپنے آپ کو سب سے بے نیاز خود مختار سمجھتا ہے اگر غور کرے گا تو اپنی ہر حالت بلکہ ہر حرکت وسکون میں تو اپنے آپ کو رب تعالیٰ کا محتاج پائیگا، اگر اس نے تجھے کسی انسان کا محتاج بظاہر نہیں بنایا تو کم از کم اس کو تو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا تو ہر چیز میں محتاج ہے اور انسانوں کی محتاجی سے بے نیاز سمجھنا بھی صرف ظاہری مغالطہ ہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے وہ اکیلا اپنی ضروریات میں سے کسی ایک ضرورت کو بھی پورا نہیں کر سکتا، اپنے ایک لقمہ کو دیکھے تو پتہ چلے گا کہ ہزاروں انسانوں اور جانوروں کی محنت شاقہ اور مدت دراز تک کام میں لگے رہنے کا نتیجہ یہ لقمہ تر ہے جو بےفکری کے ساتھ نگل رہا ہے اور اتنے ہزاروں انسانوں کو اپنی خدمت میں لگا لینا کسی کے بس کی بات نہیں، یہی حال اس کے لباس اور تمام دوسری ضروریات کا ہے کہ ان کے مہیا کرنے میں ہزاروں لاکھوں انسانوں اور جانوروں کی محنت کا دخل ہے جو تیرے غلام نہیں اگر تو ان سب کو تنخواہیں دے کر بھی چاہتا کہ اپنے اس کام کو پورا کرے تو ہرگز تیرے بس میں نہ آتا، ان باتوں میں غور وفکر انسان پر یہ راز کھولتا ہے کہ اس کی تمام ضروریات کے مہیا کرنے کا نظام خود اس کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ سے بنایا اور چلایا ہے کسی دل میں ڈال دیا کہ زمین میں کشات

کا کام کرے، کسی کے دل میں یہ پیدا کر دیا کہ وہ لکڑی اور نجاری کا کام کرے، کسی کے دل میں لوہار کے کام کی رغبت ڈال دی، کسی کو محنت مزدوری کرنے ہی میں راضی کر دیا، کسی کو تجارت وصنعت کی طرف راغب کر کے انسانی ضروریات کے بازار لگا دیئے۔ نہ کوئی حکومت اس کا نظم قانون سے کر سکتی تھی نہ کوئی فرد۔ اس لیے اس غور و فکر کا لازمی نتیجہ الی ربک الرجع ہے یعنی انجام کار سب چیزوں کا حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے تابع ہونا مشاہدہ میں آ جاتا ہے۔

أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝

اس آیت سے آخر سورۃ تک ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابوجہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ آئندہ نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو وہ معاذ اللہ آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دے گا، اس کے جواب اور اس کو زجر کرنے کے لیے یہ آیات آئی ہیں ان میں فرمایا: أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝ یعنی کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے اس لیے عام اور شامل ہے کہ نماز پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور اس سے روکنے والے بدبخت کو بھی اور یہاں صرف اس جملہ پر اکتفا کیا گیا کہ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں، آگے دیکھنے کے بعد کیا حشر ہوگا اس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابل تصور نہیں۔

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝

یعنی رہنے دو! یہ سب کچھ جانتا ہے، پر اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔ اچھا اب کان کھول کر سن لے کہ اگر اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو ہم اس کو جانوروں اور ذلیل قیدیوں کی طرح سر کے بل پکڑ کر گھسیٹیں گے

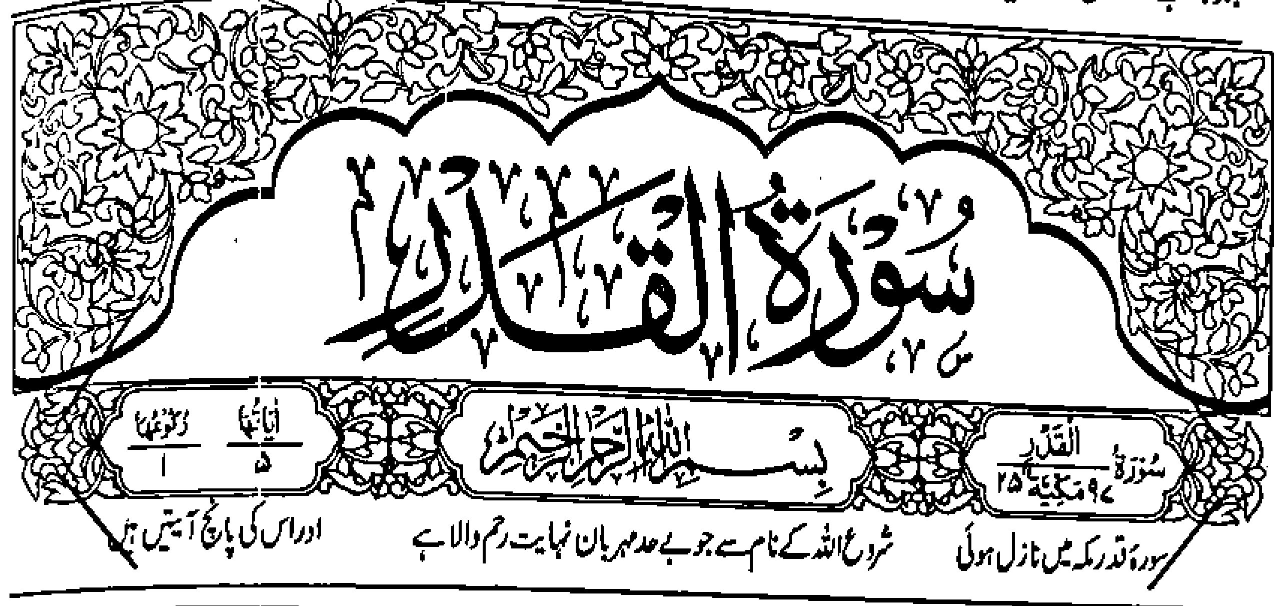
جس سر پر یہ چوٹی ہے وہ جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے گویا اس کا دروغ اور گناہ بال بال میں سرایت کر گیا ہے۔

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝

ابوجہل نے ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ کو نماز سے روکنا چاہا۔ آپ ﷺ نے سختی سے جواب دیا۔ کہنے لگا کہ آپ ﷺ جانتے نہیں کہ مکہ میں سب سے بڑی مجلس میری ہے۔ اس پر فرماتے ہیں کہ اب وہ مجلس والے ساتھیوں کو بلالے۔ ہم بھی اس کی گوشمالی کے لیے اپنے سپاہی بلاتے ہیں۔ دیکھیں کون غالب رہتا ہے۔ چند روز بعد بدر کے میدان میں دیکھ لیا کہ اسلام کے سپاہیوں نے اسے گھسیٹا اور آخرت میں جب دوزخ کے فرشتے اس کو نہایت ذلت کے ساتھ جہنم رسید کریں گے۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل حضرت کو نماز میں دیکھ کر چلا کہ بے ادبی کرے، وہاں پہنچا نہ تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ مجھے اپنے اور محمد ﷺ کے درمیان ایک آگ کی خندق نظر آئی جس میں کچھ پر رکھنے والی مخلوق تھی۔ میں گھبرا کر واپس آ گیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ (ملعون) ذرا آگے بڑھتا فرشتے اس کی بوٹی بوٹی جدا کر دیتے۔ گویا آخرت سے پہلے ہی دنیا میں اس کو سندع الزبانیۃ کا ایک چھوٹا سا نمونہ دکھلا دیا۔ (تنبیہ) اکثر مفسرین نے زبانیہ سے دوزخ کے فرشتے مراد لیے ہیں۔

كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ۩ ۝

یعنی آپ ﷺ اس کی ہرگز پروانہ کیجئے اور اس کی کسی بات پر کان نہ دھریے۔ جہاں چاہو شوق سے اللہ کی عبادت کرو اور اس کی بارگاہ میں سجدے کرو اور اس کی بارگاہ میں سجدے کر کے بیش از بیش قرب حاصل کرتے رہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ بندہ سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہوتا ہے۔



سورۂ قدر مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ اَیِ الْقُرْاٰنَ جُمْلَةً وَاحِدَةً مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اِلٰی سَمَاءِ الدُّنْيَا فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ اَیِ الشَّرْفِ وَالْعَظْمِ وَمَا أَدْرَاكَ اَعْلَمَکَ يَا مُحَمَّدُ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ تَعْظِيْمٌ لِشَانِهَا وَتَعْجِيْبٌ مِنْهُ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ لَيْسَ فِيْهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ فَالْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنْهُ فِيْ اَلْفِ شَهْرٍ لَيْسَتْ فِيْهَا تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ بِحَذْفِ اِحْدَی التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ وَالرُّوحُ اَیْ جِبْرِيْلُ فِيهَا فِی اللَّيْلَةِ بِإِذْنِ رَبِّهِم بِاَمْرِهٖ مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ قَضَاهُ اللّٰهُ فِيْهَا لِتِلْکَ السَّنَةِ اِلٰی قَابِلٍ وَمِنْ سَبَبِيَّةٌ بِمَعْنَی الْبَاءِ سَلَامٌ ۛ هِيَ خَبَرٌ مُقَدَّمٌ وَمُبْتَدَأٌ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ بِفَتْحِ اللَّامِ وَكَسْرِهَا اِلٰی وَقْتِ طُلُوْعِهٖ جُعِلَتْ سَلَامًا لِكَثْرَةِ السَّلَامِ فِيْهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَا تَمُرُّ بِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِلَّا سَلَّمَتْ عَلَيْهِ

ع ۲۲

ترجمہ: ہم نے اس کو (قرآن کو ایک دم لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر) نازل کیا ہے شب قدر میں (جو عزت و بزرگی والی ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے (اے محمد آپ کو پتہ ہے) کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟ (اس کی تعظیم شان اور تعجب کے لیے ہے) شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (جن میں شب قدر نہ ہو لہذا شب قدر میں نیکی کرنا۔ ان ہزار مہینوں میں نیکی کرنے سے بہتر ہوگا۔ جن میں شب قدر نہ ہو) فرشتے اترتے ہیں (تنزل کی اصل میں دو تا تھیں۔ جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے) اور روح القدس (جبریل) اس (رات) میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (جو سال بھر کے لیے اللہ تعالیٰ نے طے کئے ہوتے ہیں اور من سببیہ بمعنی با ہے) سراپا سلام ہے وہ (خبر مقدم ہے اور مبتداء آگے ہے) شب قدر طلوع فجر تک

رہتی ہے (مطلع لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ وقت طلوع فجر، رات کو سلام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے اس میں بکثرت سلام کرتے ہیں۔ کسی مومن مرد وعورت پر ان کا گزر نہیں ہوتا مگر اس کو سلام کرتے ہیں)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: سورة القدر مدنیه: اکثر کا قول یہی ہے اور صحیح ترین یہی ہے۔

قوله: لَيْلَةِ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا تذکرہ فرمایا: جس نے ایک ہزار ماہ جہاد کیا تو آپ ﷺ نے تعجب فرمایا اور اپنی امت کے لیے اس کی چاہت کی اور عرض کی اے میرے رب میری امت کی تو عمریں قلیل ہیں تو اعمال بھی تھوڑے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر دی جس کی عبادت ایک ہزار ماہ سے بڑھ کر ہے۔ پھر مزید ترقی دی تنزل الملائکہ۔ (کرخی) لیلۃ القدر کی ہر رات جبرئیل دیگر ملائکہ کے ساتھ اترتے ہیں ہر گھر جس میں تصویر، زنا سے ناپاک، کتا نہ ہو تو گھر والوں کو سلام کرتے ہیں، سیوطی کے بقول ہر پاک مؤمن کی موت پر جبرئیلؑ اترتے ہیں۔ دجال کی آمد پر حراست مدینہ کے لیے اتریں گے۔ (کشف الضلال)

قوله: مِنْ كُلِّ أَمْرٍ: ہر کام کے سبب اترتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہو۔

قوله: سَلٰمٌ هِيَ: ا۔ ھی ضمیر ملائکہ کی طرف لوٹتی ہے اور سلام یہ تسلیم کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی ملائکہ مؤمنوں کو سلام کرنے والے ہیں اس رات۔ ۲۔ یہ ضمیر لیلۃ القدر کی طرف جاتی ہے۔ اور سلام یہ سلامۃ کے معنیٰ میں ہے یعنی لیلۃ القدر سلامتی والی رات ہے ہر خوفناک چیز سے۔ رازی کہتے ہیں: رات کی فضیلت میں تین باتیں فرمائیں: ا۔ ایک ہزار ماہ سے زیادہ فضیلت والی رات ہے۔ ۲۔ فرشتے اور روح الامین اس میں اترتے ہیں۔ ۳۔ وہ رات طلوع فجر تک رہتی ہے

ا۔ نزول قرآن کی ابتداء لیلۃ القدر میں ہوئی جو رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات ہے۔

۲۔ وحی، نبوت محمدیہ، قضاء وقدر کو ثابت کیا گیا ہے۔

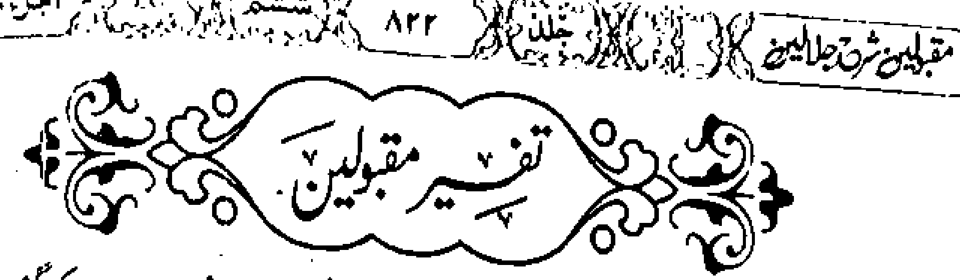
۳۔ یہ عظیم شرف والی رات ہے جس میں تقدیر الٰہی کے فیصلوں کو مدبرات امر کے حوالے کیا جاتا ہے۔ فیها یفرق کل امر حکیم.....

۴۔ اس رات میں خیر کا عمل ایک ہزار ماہ کے عمل خیر سے بڑھ کر ہے جس میں یہ نہ ہو اس میں قرآن مجید کی تلاوت وسماعت خوب کرنا چاہیے۔

۵۔ اس رات جبرئیل امینؑ سمیت بہت سے فرشتوں کا نزول ایمان والوں کی دعاؤں پر امین کہنے کے لیے ہوتا ہے۔

۶۔ یہ رات شیطان کی دست برد سے محفوظ اور خیرات وبرکات اور فوائد دنیویہ اور آخرویہ پر مشتمل ہوتی ہے۔

۷۔ یہ ہر سال رمضان المبارک کی طاق راتوں میں ہے۔ علیہ الجمہور



اس سورت میں خاص طور پر نزول قرآن کی ابتداء اور شب قدر کی عظمت وفضیلت بیان کی گئی ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اس مبارک رات کو تمام زمانوں اور اوقات میں کیسی برتری عطاء فرمائی کہ اس ایک رات ہی کو ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر قرار دیا، اور اس میں اللہ کی خاص تجلیات اس کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے، جبریل امین علیہ السلام اور فرشتوں کی جماعتیں ملاء اعلیٰ سے زمین پر اترتی ہیں، عابدین وذاکرین کی مجالس عبادت وذکر میں حاضری ہوتی ہے اور اہل اللہ کے قلوب پر خاص سکینت وباطنی انوار کا ورود ہوتا ہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝

شان نزول: ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا جو ایک ہزار مہینے تک مسلسل مشغول جہاد رہا، کبھی ہتھیار نہیں اتارے۔ مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا، اس پر سورۂ قدر نازل ہوئی جس میں اس امت کے لیے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے سے بہتر قرار دیا ہے اور ابن جریر نے بروایت مجاہد ایک دوسرا واقعہ یہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ حال تھا کہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لیے نکل کھڑا ہوتا دن بھر جہاد میں مشغول رہتا، ایک ہزار مہینے اس نے اسی مسلسل عبادت میں گزار دیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر نازل فرما کر اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرمادی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ (مظہری)

ابن کثیر نے یہی قول امام مالک کا نقل کیا ہے اور بعض ائمہ شافعیہ نے اس کو جمہور کا قول لکھا ہے۔ خطابی نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے مگر بعض محدثین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ (ماخوذ از ابن کثیر)

لیلۃ القدر کے معنے:

قدر کے ایک معنی عظمت وشرف کے ہیں۔ زہری وغیرہ حضرات علماء نے اس جگہ یہی معنی لیے ہیں اور اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ سے اس رات کی عظمت وشرف ہے۔ اور ابوبکر وراق نے فرمایا کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس وجہ سے کہا گیا کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر وقیمت نہ تھی اس رات میں توبہ واستغفار اور عبادت کے ذریعہ وہ صاحب قدر وشرف بن جاتا ہے۔

قدر کے دوسرے معنی تقدیر وحکم کے بھی آتے ہیں، اس معنے کے اعتبار سے لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں تمام مخلوقات کے لیے جو کچھ تقدیر ازلی میں لکھا ہے اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آنیوالا ہے وہ ان فرشتوں کے حوالہ کردیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ امور کے لیے مامور ہیں، اس میں ہر انسان کی عمر اور موت اور رزق اور بارش وغیرہ کی مقداریں مقررہ فرشتوں کو لکھوا دی جاتی ہیں یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال میں حج نصیب ہوگا وہ بھی

لکھ دیا جاتا ہے اور یہ فرشتے جن کو یہ امور سپرد کیے جاتے ہیں۔ بقول ابن عباس چار ہیں۔ اسرائیل، میکائیل، عزرائیل، جبرئیل علیہم السلام۔ (قرطبی)

سورہ دخان کی آیت انا انزلنه فی لیلة مبرکة انا کنا منذرین. فیها یفرق کل امر حکیم. امراً من عندنا میں یہ مضمون خود صراحت کے ساتھ آ گیا ہے کہ اس لیلۃ مبارکہ میں تمام امور تقدیر کے فیصلے لکھے جاتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں گزر گیا ہے کہ جمہور مفسرین کے نزدیک لیلۃ مبارکہ سے مراد بھی لیلۃ القدر ہی ہے اور بعض حضرات نے جو لیلہ مبارکہ سے نصف شعبان کی رات یعنی لیلۃ البرائت مراد لی ہے تو وہ اس کی تطبیق اس طرح کرتے ہیں کہ ابتدائی فیصلے امور تقدیر کے اجمالی طور پر شب براءت میں ہو جاتے ہیں پھر ان کی تفصیلات لیلۃ القدر میں لکھی جاتی ہیں اس کی تائید حضرت ابن عباس کے ایک قول سے ہوتی ہے جس کو بغوری نے بروایت ابوالضحیٰ نقل کیا ہے اس میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سال بھر کے تقدیری امور کا فیصلہ تو شب برأت یعنی نصف شعبان کی رات میں کر لیتے ہیں پھر شب قدر میں یہ فیصلے متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں (مظہری) اور یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ امور تقدیر کے فیصلے اس رات میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں جو امور تقدیر نافذ ہونا ہیں وہ لوح محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں اور اصل نوشتہ تقدیر پر ازل میں لکھا جا چکا ہے۔

لیلۃ القدر کی تعیین:

اتنی بات تو قرآن کریم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شب قدر ماہ رمضان المبارک میں آتی ہے مگر تاریخ کے تعین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جو چالیس تک پہنچتے ہیں مگر تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں تاریخ کے تعین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جو چالیس تک پہنچتے ہیں مگر تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے مگر آخری عشرہ کی کوئی خاص تاریخ متعین نہیں بلکہ ان میں سے کسی بھی رات میں ہو سکتی ہے وہ ہر رمضان میں بدلتی بھی رہتی ہے اور ان دس میں سے خاص طاق راتیں یعنی 21,23,25,27,29 میں ازروئے احادیث صحیحہ زیادہ احتمال ہے۔ اس قول میں تمام احادیث جو تعیین شب قدر کے متعلق آئی ہیں جمع ہو جاتی ہیں جن میں 21,23,25,27,29 راتوں میں شب قدر ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اگر شب قدر کو ان راتوں میں دائر اور ہر رمضان میں منتقل ہونے والا قرار دیا جائے تو یہ سب روایات حدیث اپنی اپنی جگہ درست اور ثابت ہو جاتی ہیں کسی میں تاویل کی ضرورت نہیں رہتی، اسی لیے اکثر ائمہ فقہاء نے اس کو عشرہ اخیرہ میں منتقل ہونے والی رات قرار دیا ہے۔ ابوقلابہ، امام مالک، احمد بن حنبل، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ ابوثور، مزنی، ابن خزیمہ وغیرہ سب نے یہی فرمایا ہے اور ایک روایت میں امام شافعی سے بھی اس کے موافق منقول ہے اور دوسری روایت امام شافعی کی یہ ہے کہ یہ رات منتقل ہونے والی نہیں بلکہ معین ہے۔ (ابن کثیر)

صحیح بخاری میں حضرت صدیقہ عائشہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحروا الیلة القدر فی العشر الاواخر من رمضان، یعنی شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطلبوها فی الوتر منها، یعنی شب قدر کو رمضان کے عشرہ اخیرہ کی طاق

راتوں میں طلب کرو۔ (مظہری)

لیلۃ القدر کے بعض فضائل اور اس رات کی مخصوص دعا:

اس رات کی سب سے بڑی فضیلت تو وہی ہے جو اس سورت میں بیان ہوئی ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں یعنی تراسی 83 سال سے زائد کی عبادت سے بھی بہتر ہے پھر بہتر ہونے کی کوئی حد مقرر نہیں، کتنی بہتر ہے کہ دوگنی چوگنی دس گنی سوگنی وغیرہ سبھی احتمالات ہیں۔

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شب قدر میں عبادت کے لیے کھڑا رہا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر میں وہ تمام فرشتے جن کا مقام سدرۃ المنتہیٰ پر ہے جبرئیل امین کیساتھ دنیا میں اترتے ہیں اور کوئی مومن مرد یا عورت ایسی نہیں جس کو وہ سلام نہ کرتے ہوں بجز اس آدمی کے جو شراب پیتا یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہو۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم بدنصیب ہے۔ شب قدر میں بعض حضرات کو خاص انوار کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے مگر نہ یہ سب کو اصل ہوتا ہے نہ رات کی برکات اور ثواب حاصل ہونے میں ایسے مشاہدات کا کچھ دخل ہے اس لیے اس کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے۔

حضرت صدیقہ عائشہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا دعاء کروں آپ نے فرمایا کہ یہ دعا کرو: اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی یا اللہ آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معافی کو پسند کرتے ہیں۔ میری خطائیں معاف فرمائیے۔ (قرطبی)

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ اس آیت میں تصریح ہے کہ قرآن کریم شب قدر میں نازل ہوا، اس کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے۔ پورا قرآن لوح محفوظ سے اس رات میں اتارا گیا پھر جبرئیل امین اس کو تدریجا تیئس سال کے عرصہ میں حسب ہدایت تھوڑا تھوڑا لاتے رہے اور یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ ابتدائے نزول قرآن اس رات میں چند آیتوں سے ہو گیا باقی بعد میں نازل ہوتا رہا۔

تمام آسمانی کتابیں رمضان ہی میں نازل ہوئی ہیں:

حضرت ابوذر غفاریؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام تیسری تاریخ رمضان میں اور تورات چھٹی تاریخ میں اور انجیل تیرہویں تاریخ میں اور زبور اٹھارویں تاریخ رمضان میں نازل ہوئی ہیں اور قرآن نبی کریم ﷺ پر چوبیس تاریخ رمضان میں اترا ہے۔ (مظہری)

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝

روح سے مراد جبرئیل امین ہیں۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل امین فرشتوں کی بڑی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں اور جتنے اللہ کے بندے مرد و عورت نماز یا ذکر اللہ میں

مشغول ہوتے ہیں سب کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ (مظہری)

من کل امر میں حرف من بمعنے بار ہے جیسے یحفظونہ من امر اللہ آلایۃ میں بھی من وبمعنے باء استعمال ہا ہے۔ معنے یہ ہیں کہ فرشتے لیلۃ القدر میں تمام سال کے اندر پیش آنے والے تقدیری واقعات لے کر زمین پر اترتے ہیں۔ اور بعض حضرات مفسرین مجاہد وغیرہ نے من کل امر کو سلام کے ساتھ متعلق کر کے یہ معنے قرار دیئے ہیں کہ یہرات سلامتی ہے ہر شر وآفت اور بری چیز سے۔ (ابن کثیر)

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

سَلٰمٌ ۛ یہ رات سراپا سلامتی ہے پوری رات فرشتے ان لوگوں پر سلام بھیجتے رہتے ہیں جو اللہ کے ذکر وعبادت میں لگے رہتے ہیں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ شب قدر پوری کی پوری سلامتی اور خیر والی ہے اس میں شر نام کو نہیں ہے اس میں شیطان کسی کو برائی پر ڈال دے یا کسی کو تکلیف پہنچا دے اس کی طاقت سے باہر ہے۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل)

هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ (یہ رات فجر طلوع ہونے تک رہتی ہے) اس میں یہ بتادیا کہ لیلۃ القدر رات کے کسی حصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے شروع حصے سے لے کر صبح صادق ہونے تک برابر شب قدر اپنی خیرات اور برکات کے ساتھ باقی رہتی ہے۔

فائدہ: وجہ تسمیہ لیلۃ القدر اس نام سے کیوں موسوم کی گئی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ چونکہ اس رات میں عبادت گزاروں کا شرف بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے اعمال کی قدردانی بہت زیادہ ہوجاتی ہے اس لیے شب قدر کہا گیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ اس رات میں تمام مخلوقات کا نوشتہ آئندہ سال کے اسی رات کے آنے تک ان فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ امور کے لیے مامور ہیں اس لیے اس کو لیلۃ القدر کے نام سے موسوم کیا گیا اس میں ہر انسان کی عمر اور مال اور رزق اور بارش وغیرہ کی مقادیر مقررہ فرشتوں کے حوالہ کر دی جاتی ہیں۔ محققین کے نزدیک چونکہ سورۃ دخان کی آیت: فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ کا مصداق شب قدر ہی ہے۔ اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ شب قدر میں آئندہ سال پیش ہونے والے امور کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے یعنی لوح محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

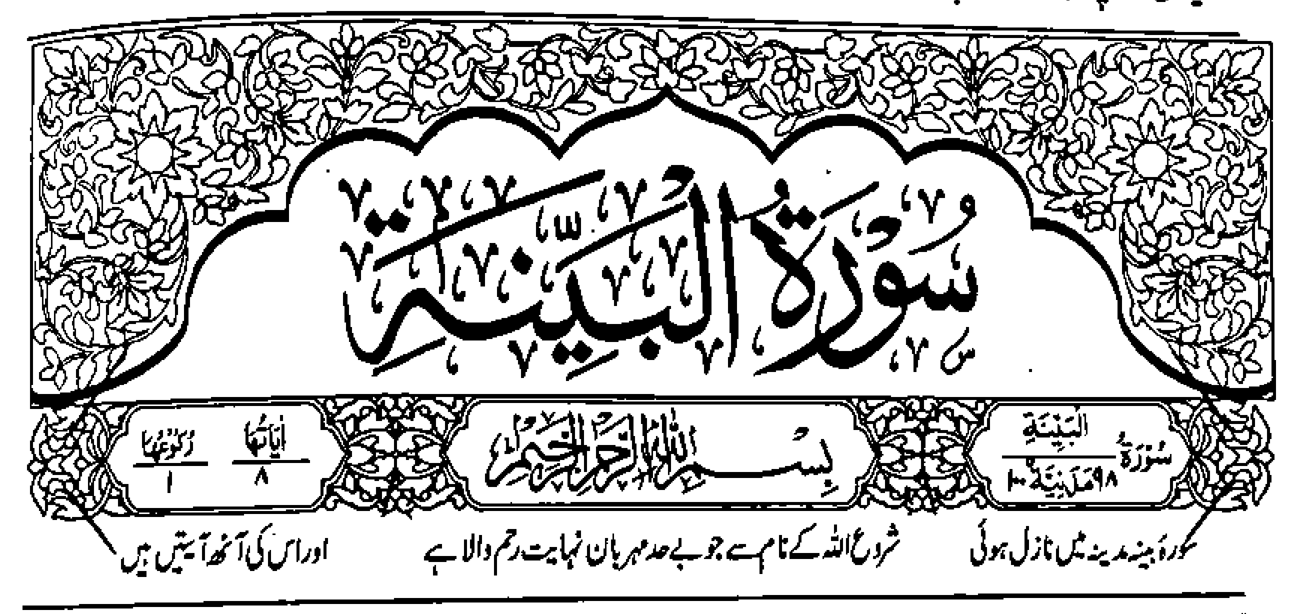
شعبان کی پندرھویں شب جسے لیلۃ البرأت کہا جاتا ہے کہ اس کی جو فضیلتیں وارد ہوئی ہیں جن کی اسانید ضعیف ہیں ان میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات کو لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال میں کونسا بچہ پیدا ہوگا اور کس آدمی کی موت ہوگی اور اس رات میں بنی آدم کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اسی میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۵ میں یہ حدیث کتاب الدعوات للامام البیہقی سے نقل کی ہے جسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے شب قدر اور شب برأت کے فیصلوں کے بارے میں یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے کہ واقعات شب برأت میں لکھ دیئے جاتے ہوں اور شب قدر میں فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہوں۔ صاحب بیان القرآن نے سورۂ دخان کی تفسیر

میں یہ قول نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ احتمال کے لیے ثبوت کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ: چونکہ شب قدر رات میں ہوتی ہے اس لیے اختلاف مطالع کے اعتبار سے مختلف ملکوں اور شہروں میں شب قدر مختلف اوقات میں ہو تو اس سے کوئی اشکال لازم نہیں آتا کیونکہ بمشیت الٰہی ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شب قدر ہوگی وہاں اس رات کی برکات حاصل ہوں گی۔

فائدہ: جس قدر ممکن ہو سکے شب قدر کو عبادت میں گزارے، کچھ بھی نہیں تو کم از کم مغرب اور عشاء فجر کی نماز تو جماعت سے پڑھ ہی لے اس کا بھی بہت زیادہ ثواب ملے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی گویا اس نے آدھی رات نماز میں قیام کیا اور جس نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھ لی گویا اس نے پوری رات نماز پڑھ لی۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۳۲: ج ۱)

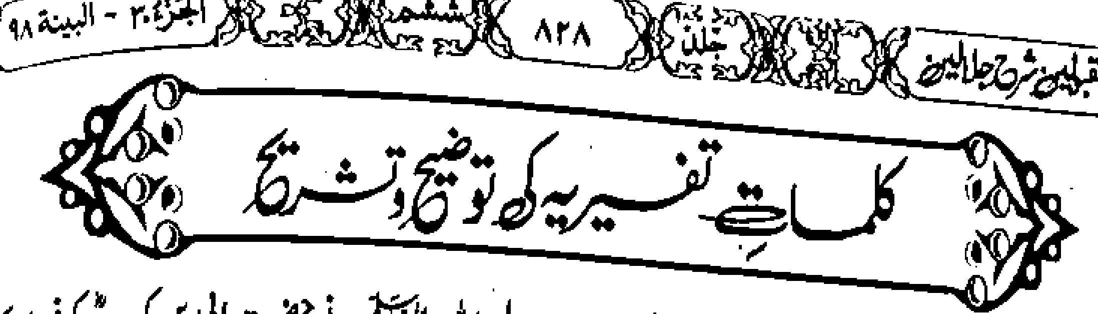


لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ لِلْبَيَانِ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ اَيْ عَبَدَةِ الْاَصْنَامِ عَطْفٌ عَلٰى اَهْلِ مُنْفَكِّيْنَ خَبَرُ يَكُنْ اَيْ زَائِلِيْنَ عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ اَيْ اَتَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ اَيِ الْحُجَّةُ الْوَاضِحَةُ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَدَلٌ مِنَ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ مِنَ الْبَاطِلِ فِيْهَا كُتُبٌ اَحْكَامٌ مَكْتُوْبَةٌ قَيِّمَةٌ ۝ مُسْتَقِيْمَةٌ اَيْ يَتْلُوْ مَضْمُوْنَ ذٰلِكَ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ فِي الْاِيْمَانِ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ اَيْ هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوِ الْقُرْاٰنُ الْجَائِيْ بِهٖ مُعْجِزَةً لَهٗ وَقَبْلَ مَجِيْئِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا مُجْتَمِعِيْنَ عَلَى الْاِيْمَانِ بِهٖ اِذَا جَاءَ فَحَسَدَهُ مَنْ كَفَرَ بِهٖ مِنْهُمْ وَمَآ اُمِرُوْٓا فِيْ كِتَابَيْهِمِ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ اَيْ اَنْ يَعْبُدُوْهُ فَحُذِفَتْ اَنْ وَزِيْدَتِ اللَّامُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

مِنَ الشِّرْكِ **حُنَفَآءَ** مُسْتَقِيْمِيْنَ عَلٰى دِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ وَدِيْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ فَكَيْفَ كَفَرُوْا بِهٖ **وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ** الْمِلَّةِ **الْقَيِّمَةِ ۝** الْمُسْتَقِيْمَةِ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَيْ مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى **اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝** الْخَلِيْقَةِ **جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ** اِقَامَةٍ **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ** بِطَاعَتِهٖ **وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ** بِثَوَابِهٖ **ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝** خَافَ عِقَابَهٗ فَانْتَهٰى عَنْ مَعْصِيَتِهٖ تَعَالٰى

ع ۸ ۲۲

ترجمہ: جولوگ کافر ہیں اہل کتاب میں سے (من بیانیہ) اور مشرکین (یعنی بت پرست۔ اس کا اہل پر عطف ہورہا ہے) وہ باز آنے والے نہیں تھے (یہ خبر ہے یکن کی یعنی اپنی حالت کو چھوڑنے والے نہیں تھے) جب تک ان کے پاس واضح (روشن) دلیل نہ آجائے۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول (یہ بینہ کا بدل ہے اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں) جو (باطل سے) پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں تحریریں (لکھے ہوئے احکام) ہیں راست (درست۔ یعنی قرآن کا مضمون پڑھ کر سناتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اس پر ایمان لے آتے ہیں اور بعض کفر کرتے ہیں) اور نہیں فرقہ بندی کی اہل کتاب (آنحضرتؐ پر ایمان لانے کے سلسلہ میں) مگر کھلی دلیل آئے بعد (یعنی حضور ﷺ کی آمد کے بعد یا قرآن پاک پیش کرنے کے بعد جو آپ کا ایک کھلا معجزہ ہے حالانکہ آپ کی آمد سے پہلے سب آپ پر ایمان لانے کو تیار رہتے۔ مگر کچھ لوگ حسد کے مارے آپ سے مکر گئے) اوران کو (ان کی کتابوں تورات وانجیل میں) اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں (یعبدوا ان یعبدوا تھا۔ ان حذف کر کے لام زیادہ کر دیا گیا ہے) اپنے دین کو اس کے لیے (شرک سے) پاک کر کے بالکل یکسو ہو کر (دین ابراہیم پر جمے رہیں اور حضورؐ کی تشریف آوری کے بعد آپ کے دین پر، پھر کیسے اس سے پھر گئے) اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوۃ دیا کریں۔ اور یہی صحیح (درست) دین (طریقہ) ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً دوزخ کی آگ میں جائیں گے۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے (حال مقدرہ ہے اللہ کی طرف سے۔ اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کی تجویز ہوگی) یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔ وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے یہاں دائمی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا (اس کی فرمانبرداری اختیار کرنے کی وجہ سے) اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (اس کے بدلہ پر) یہ کچھ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے (اس کی سزا سے خائف رہے۔ اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے)



قولہ :سورة البينة: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا: کہ میں تمہیں سورۃ البینہ سناؤں، انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! تو ابی [خوشی سے] رونے لگے پھر آپؐ نے ان کے سامنے سورۃ البینہ پڑھی۔

قولہ :مکیہ اور مدنیہ: ابن عباسؓ کے ہاں مکی ہے۔ جمہور کے نزدیک مدنی ہے۔

قولہ :مِنْ لِلْبَيَانِ: اہل کتاب کو کافر اس لیے کہا کہ آپ کی بعثت سے پہلے اپنی کتابوں کے مطابق آپ کو مانتے تھے جب آپ آگئے تو آپ کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہوئے۔ بعض ان میں ایمان لائے بعض نے کہا: تمام یہودی اللہ تعالیٰ کے لیے جسمانیت اور نصاریٰ تثلیث کی بناء پر تمام کافر تھے۔ بعض ایمان رکھتے تھے۔ ماتریدی نے من کو تبعیضیہ مانا ہے۔ ان میں سے بعض ایمان ایمان لائے۔ بعض نے کہا: اس سے اطراف مدینہ کے یہود مراد ہے تاکہ آپ کی بعثت سے پہلے تمام کا کافر ہونا لازم نہ آئے، جب کہ وہ اپنی کتاب و پیغمبر کو مانتے تھے۔ (کشف الهدین)

قولہ :عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ: یہ مشرکین عرب کی وجہ سے تخصیص کی ورنہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک بنانے والا مشرک ہے۔

قولہ :مُنْفَكِّيْنَ: یہ اسم فاعل ہے اس کا اسم اس میں موجود ہے اور خبر کی طرف مفسرؒ نے عماھم علیہ سے اشارہ کیا ہے۔

قولہ :وَمَآ اُمِرُوْٓا: یہ جملہ حالیہ ہے جو ان کے فعل کی انتہائی شناخت کو ظاہر کر رہا ہے کہ دلیل آنے کے باوجود انہوں نے کفر کیا، حالانکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہوا۔ (واللہ اعلم)

قولہ :وَمَا تَفَرَّقَ: اس میں اہل کتاب کا خصوصا تذکرہ ان کی نہایت بدحالی کے اظہار کے لیے ہے۔

قولہ :وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ: ہر چیز میں کمال اصل و فرع کو اکھٹا اختیار کرنے میں ہے۔ بعض لوگوں نے فروعی اعمال میں مبالغہ کیا اور اصول کو ترک کر دیا وہ یہودی، نصرانی اور مجوسی ہیں۔ بعض لوگوں نے اصول کو تو لیا مگر فروع بالکل بالائے طاق رکھ دیا وہ مرجیہ ہیں جنہوں نے کہا ایمان کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق کی غلطی اس آیت میں ظاہر فرمائی مخلصین میں اخلاص اور وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ الایۃ میں عمل کا ذکر کیا۔ [رازی]

قولہ :دِيْنُ الْمِلَّةُ الْقَيِّمَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ القیمۃ صفت ہے جو موصوف کے قائم مقام آئی ہے۔ تاکہ اضافت الشیٔ الی نفسہ لازم نہ آئے۔

قولہ :مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى: یہ خلود سے متعلق ہے یعنی ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں ہمیشہ رکھے گا، پس اعتقاد ہمارا کام ہے اور ہمیشہ جہنم میں رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ (فتدبر)

قولہ :بِطَاعَتِهٖ: یہ مصدر ہے جو اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے ای بسبب طاعتہم لہ۔

قوله بِثَوَابِهٖ: باسببیہ ہے یعنی ان کے اس ثواب کی وجہ سے جوان کو دیا ہے۔

۱۔ سابقہ ادیان تحریفات کے سبب حق و باطل کا ملغوبہ بن گئے اس میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت سب برابر ہیں۔

۲۔ اہل کتاب نے آپ کی پہچان کر لینے کے باوجود نہیں مانا۔ ان کو تین سزاؤں کا حقدار بتایا گیا۔ ۱۔ جہنم میں داخلہ۔ ۲۔ خلود نار۔ ۳۔ بدترین خلائق۔

۳۔ اہل کتاب کو بھی توحید خالص اور نماز زکوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا مگر انہوں نے شرک اور ضلالت و باطل کو اپنایا۔ حالانکہ نجات والے دین کی یہی صفات تھیں۔

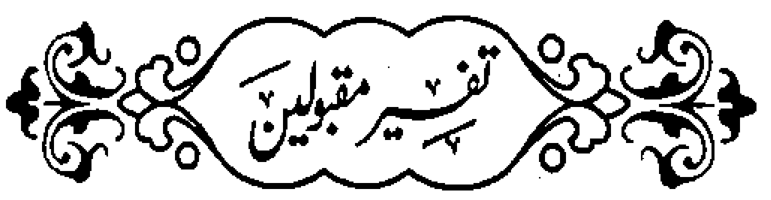
۴۔ ایمان والوں کی چار جزائیں ذکر کیں: ۱۔ بہترین خلق ہونا۔ ۲۔ جنت عدن کا داخلہ۔ ۳۔ رضاء الٰہی کا حصول۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے ثواب پر وہ راضی۔

۵۔ خشیت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے بشرطیکہ وہ صاحب خشیت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرائض اور ترک محرمات اعتقادیہ قولیہ عملیہ پر آمادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر (۳۵/۲۵) میں فرمایا: انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ الآیۃ اس سے ثابت ہوا علماء باللہ وہ خیر البریہ ہیں۔ اللھم اجعلنا منھم۔

۶۔ اسلام اور شارع اسلام کو تمام امتوں اور مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو صحیح ایمان و دین کی پہچان نہ ہو سکتی۔

۷۔ اخلاص عبادت کا لب لباب ہے اخلاص سے ہی رضاء الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

۸۔ عبادت تذلل کا نام ہے جس کا حقدار ذات باری تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔



اس سورت کا نام سورۃ لم یکن بھی ہے لیکن جمہور مفسرین نے بروایت صحیح اس کا نام سورۃ البینہ اختیار کیا ہے، یہ سورت اکثر حضرات محدثین وائمہ مفسرین کے نزدیک مدنیہ ہے، عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے بعض مفسرین نے اسکو مکیہ بھی کہا ہے یہ بھی بیان کیا گیا کہ حضرت عائشہؓ اس کو مکیہ ہی فرمایا کرتی تھیں اس میں آٹھ آیات ہیں۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ منکرین خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ جب تک کوئی بینہ (دلیل وحجت) سامنے نہ آئے ہم ایمان نہیں لائیں گے تو اس میں اتمام حجت کے طور پر بھی فرمایا گیا کہ یہ لوگ اس طرح کا عذر اور بہانہ بناتے ہیں، حالانکہ اللہ کا رسول اور ان کی بعثت ونبوت ان کے کمالات واوصاف بذات خود بینہ ہیں، قرآن کریم کی آیات تلاوت کرنے سے بڑھ کر اور کون سا بینہ ہوگا، تو اس ضمن میں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے اعراض وبے رخی اور دلائل خداوندی سے بے توجہی کا ذکر ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا کہ عبادت کی روح اخلاص وتوحید ہے، اخیر میں یہ ذکر کیا گیا کہ اہل سعادت اور اہل شقاوت کا آخرت میں کیا انجام ہوگا اور اس پر بطور نتیجہ یہ امر مرتب کیا گیا کہ

''سعداء'' خیر البریہ ہیں اور وہ کفار و منکرین جو شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہیں شر البریہ ہیں۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝

یہاں سے سورۃ البینہ شروع ہو رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں مشرکین بھی بہت تھے اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی تھے۔ یہ سب جماعتیں اپنے اپنے دین پر مضبوطی سے جمی ہوئی تھیں ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ شانہ نے خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ یہ لوگ اتنے اڑیل تھے کہ اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہ تھے جب تک کوئی مضبوط واضح دلیل سامنے نہ آ جائے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مضبوط واضح دلیل بھیجی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے آپ پر قرآن نازل ہوا، لوگوں نے اپنی آنکھوں سے آپ کے معجزات دیکھے اور برکات کا ظہور ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا یعنی اہل کتاب اور مشرکین وہ اپنے کفر سے جدا ہونے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس بینہ یعنی گواہ آ گئے ان گواہوں نے ثابت کر دیا کہ تم لوگ کفر و شرک پر ہو تمہاری نجات کا راستہ اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرو یہ گواہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی ہے اور وہ صحیفے بھی ہیں (یعنی انبیائے متقدمین کی کتابیں) جن پر قرآن مجید مشتمل ہے نیز ان سے قرآن مجید کی سورتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں، ان صحیفوں کی تعریف میں مُّطَهَّرَةً ۝ بھی فرمایا ہے کہ وہ ہر طرح کے کذب اور جھوٹ سے پاک ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان صحیفوں میں کتب قیمہ یعنی آیات اور احکام ہیں جو اس میں مکتوب ہیں اور یہ صحف قیمہ عدل و انصاف والے احکام اور صراط مستقیم والے قوانین ہیں جیسا کہ سورۃ الزمر میں فرمایا: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (عربی قرآن میں ذرا کجی نہیں تا کہ یہ لوگ ڈریں)۔

قرآن کے جن مخاطبوں کو ہدایت قبول کرنا تھا انہوں نے ہدایت قبول کر لی (ان میں اہل کتاب بہت کم تھے) اور جنہیں ہدایت قبول کرنا نہ تھا وہ لوگ رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر ایمان نہ لائے۔ کھلی ہوئی دلیل سامنے آنے کے باوجود اپنی جگہ منکر ہی رہ گئے اور ان میں دو جماعتیں ہو گئیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے یہود و نصاریٰ دونوں اس بات پر متفق تھے کہ آپ کی بعثت ہونے والی ہے اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے لیکن جب آپ تشریف لے آئے تو متفرق ہو گئے یعنی ایک جماعت آپ پر ایمان لے آئی جن کی تعداد تھوڑی سی تھی اور دوسرا فریق جو کثیر تعداد میں تھا وہ لوگ انکار پر ہی جمے رہے۔

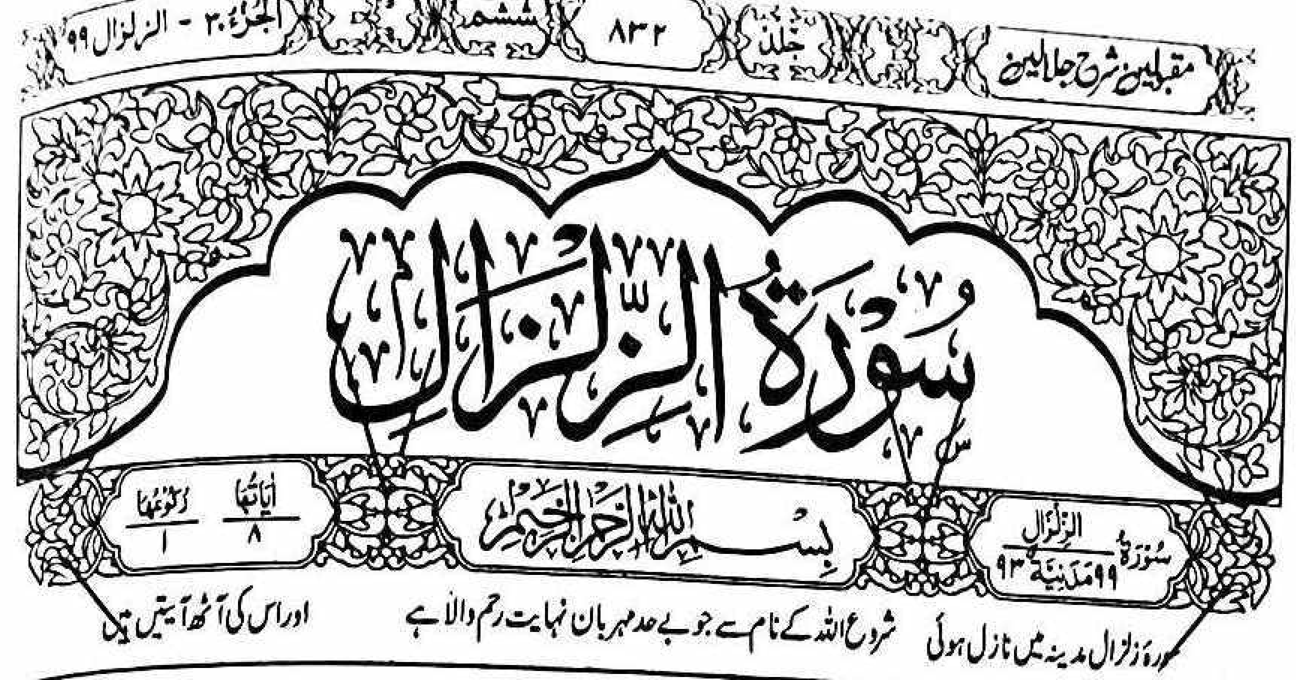
وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۙ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝

اور مشرکین اور کفار کو صرف یہی تعلیم دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور اسی کے لیے توحید میں بھی مخلص رہیں اور دیگر عبادات میں بھی اور دین اسلام کے علاوہ تمام ادیان سے بچ کر اور ہٹ کر رہیں ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ نمازوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کیا کریں اور یہ جو کچھ انہیں حکم دیا گیا وہ دین قیمہ ہے یعنی ایسی شریعت کے احکام ہیں جو بالکل سیدھی ہے اس میں کوئی کجی نہیں۔ یہی دین سارے انبیاء کرام کا دین ہے سب نے اسی کی تعلیم دی۔ یہود و نصاریٰ خود بھی اس بات کو جانتے تھے اور جانتے ہیں لیکن ضد و عناد کی وجہ سے حق کو حق جانتے ہوئے قبول نہ کیا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ أُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝

ساری مخلوق سے بہتر اور بدتر کون ہے؟

اللہ تعالیٰ کافروں کا انجام بیان فرماتا ہے وہ کافر خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین عرب و عجم ہوں جو بھی انبیاء اللہ کے مخالف ہوں اور کتاب اللہ کے جھٹلانے والے ہوں وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور اسی میں پڑے رہیں گے نہ وہاں سے نکلیں گے نہ رہا ہوں گے یہ لوگ تمام مخلوق سے بدتر اور کمتر ہیں پھر اپنے نیک بندوں کے انجام کی خبر دیتا ہے جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جو اپنے جسموں سے سنت کی بجا آوری میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں کہ یہ ساری مخلوق سے بہتر اور بزرگ ہیں اس آیت سے حضرت ابو ہریرہ اور علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ ایمان والے انسان فرشتوں سے بھی افضل ہیں پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا نیک بدلہ ان کے رب کے پاس ان لازوال جنتوں کی صورت میں ہے جن کے چپے چپے پر پاک صاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں جن میں دوام اور ہمیشہ کی زندگی کے ساتھ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ وہ نعمتیں ان سے جدا ہوں نہ کم ہوں نہ اور کوئی کھٹکا ہے نہ غم پھر ان سب سے بڑھ چڑھ کر نعمت و رحمت یہ ہے کہ رضائے رب مرضی مولا انہیں حاصل ہوگئی ہے اور انہیں اس قدر نعمتیں جناب باری نے عطا فرمائی ہیں کہ یہ بھی دل سے راضی ہوگئے ہیں پھر ارشاد فرماتا ہے کہ یہ بہترین بدلہ یہ بہت بڑی جزاء یہ اجر عظیم دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہنے کا عوض ہے ہر وہ شخص جس کے دل میں ڈر ہو جس کی عبادت میں اخلاص ہو جو جانتا ہو کہ اللہ کی اس پر نظریں ہیں بلکہ عبادت کے وقت اس مشغولی اور دلچسپی سے عبادت کر رہا ہو کہ گویا خود وہ اپنی آنکھوں سے اپنے خالق مالک سچے رب اور حقیقی اللہ کو دیکھ رہا ہے مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور فرمایا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے کہ کب جہاد کی آواز بلند ہو اور کب میں کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں اور گرجتا ہوا دشمن کی فوج میں گھسوں اور داد شجاعت دوں لو میں تمہیں ایک اور بہترین مخلوق کی خبر دوں وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہے نہ نماز کو چھوڑتا ہے نہ زکوٰۃ سے جی چراتا ہے آؤ اب میں بدترین مخلوق بتاؤں وہ شخص کہ اللہ کے نام سے سوال کرے اور پھر نہ دیا جائے۔



اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ حُرِّكَتْ لِقِيَامِ السَّاعَةِ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ تَحْرِيْكَهَا الشَّدِيْدَ الْمُنَاسِبَ لِعَظْمِهَا وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾ كُنُوْزَهَا وَمَوْتَاهَا فَاَلْقَتْهَا عَلٰى ظَهْرِهَا وَ قَالَ الْاِنْسَانُ الْكَافِرُ بِالْبَعْثِ مَا لَهَا ﴿۳﴾ اِنْكَارًا لِتِلْكَ الْحَالَةِ يَوْمَئِذٍ بَدَلٌ مِنْ اِذَا وَجَوَابُهَا تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ تُخْبِرُ بِمَا عُمِلَ عَلَيْهَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ بِاَنَّ بِسَبَبِ اَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ اَيْ اَمَرَهَا بِذٰلِكَ وَفِي الْحَدِيْثِ تَشْهَدُ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ بِكُلِّ مَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ يَنْصَرِفُوْنَ مِنْ مَوْقِفِ الْحِسَابِ اَشْتَاتًا مُتَفَرِّقِيْنَ فَاَخَذَ ذَاتَ الْيَمِيْنِ اِلَى الْجَنَّةِ وَاَخَذَ ذَاتَ الشِّمَالِ اِلَى النَّارِ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾ اَيْ جَزَائَهَا مِنَ الْجَنَّةِ اَوِ النَّارِ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ زِنَةَ نَمْلَةٍ صَغِيْرَةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ يَرَ ثَوَابَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾ جَزَاءَهٗ

ترجمہ: جب زمین ہلا دی جائے گی (قیامت کی وجہ سے بھونچال میں آجائے گی) اپنی پوری شدت کے ساتھ (اپنی وسعت کے لحاظ سے سخت جنبش کرے گی) اور زمین کے اندر کے سارے بوجھ وہ نکال کر باہر ڈال دے گی (خزانوں اور مردوں کو اوپر اگل دے گی) اور انسان (قیامت کا منکر) بولے گا اسے کیا ہوا؟ اس روز (اذا کا بدل ہے اور اس کا جواب آگے ہے) وہ اپنے حالات بیان کرے گی (جو اچھے برے کام اس پر کیے گئے ان کی اطلاع دے گی) کیونکہ (اس وجہ سے کہ) آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا (یعنی اس کو خبر دینے کو کہا جائے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ زمین شہادت دے گی ان اعمال کی جو کسی مرد و عورت نے اس پر کیے ہوں گے) اس روز لوگ پلٹیں گے (حساب کے مقام سے لوٹیں گے) مختلف جماعتیں ہو کر (مختلف سمتوں کی طرف دائیں اعمالنامے والے جنت کی طرف اور بائیں اعمالنامے والے دوزخ کی جانب) تا کہ ان کے اعمال ان کو دکھلائے جائیں (یعنی ان کا بدلہ جنت یا جہنم) سو جس نے ذرہ (چھوٹی چیونٹی) برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے ثواب کو) دیکھ لے گا

اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے بدلہ کو) دیکھ لے گا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مکیہ: یہ ابن مسعودؓ، عطاءؒ اور جابرؓ کا قول ہے۔

قوله: مدنیہ: یہ ابن عباسؓ وقتادہؒ کا قول ہے۔

قوله: اِذَا زُلْزِلَتِ: یہ نفخہ ثانیہ کا زلزلہ ہے اس کا قرینہ مُردوں کا قبور سے نکلنا ہے۔

قوله: اَلْمُنَاسِبَ: جو حرکت اس کی بڑی جسامت کے مناسب ہے۔ صوت اسرافیل سے وہ اس قدر حرکت کرے گی کہ وہ اپنے اندر کی ہر چیز کو پہاڑ درخت، عمارت خزائن وغیرہا باہر پھینک دے گی۔

قوله: فَمَنْ يَّعْمَلْ: بعض نے کہا یہ اس بات سے مشروط ہے کہ کفر سے وہ چھوٹے عمل حبط نہ ہوں اور عفو سے وہ مٹائے نہ گئے ہوں۔ کافر کے حسنات کام آنے کے متعلق اختلاف ہے۔ تخفیف تو ہوسکتی ہے مگر آگ میں سے نکلنا نہ ہوگا۔ اور عدم تخفیف والی آیات کا مطلب یہ ہوگا کم یا زیادہ عذاب میں ابتلاء کے بعد تخفیف نہیں۔ (واللہ اعلم)

قوله: اَلْكَافِرُ بِالْبَعْثِ: کی قید اس لیے لگائی کہ وہ ان کا منکر تھا۔ اسی وجہ سے پوچھے گا باقی مؤمن کو تو یقین ہے وہ نہ پوچھے گا بلکہ کہے گا هذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون الآیۃ۔

قوله: تُخْبِرُ بِمَا عَمِلَ: اللہ تعالیٰ زمین کو بولنے کا حکم فرمائیں گے۔ جیسا حدیث میں ہے۔

قوله: لِيُرَوْا: میں رؤیت بصری مراد ہے۔ اعمالھم کا مفعول ثانی ہے۔

۱۔ زمین کو نفخہ اولی کے وقت سخت زلزلے سے اپنے کنوز و دفائن نکال پھینکے گی اور دوسرے نفخہ کے وقت مُردوں کو اس طرح نکالے گی جیسے ماں بچے کو جنتی یا عمدہ کھیت سے کھیتی اگتی ہے۔

۲۔ اگر زلزلے کے وقت زندہ ہو تو تعجب سے یہی کہے زمین کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ اس قدر شدید حرکت میں ہے۔

۳۔ زمین اپنے اوپر کیے جانے والے اعمال کی خبر دے گی جیسا کہ ترمذی کی روایت میں موجود ہے آپ نے استفسار فرمایا: زمین کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ نے جواب دیا: اللہ و رسول کو معلوم ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: زمین گواہی دے گی کہ اس بندے اور بندی نے فلاں فلاں روز یہ عمل کیا۔ (قرطبی: (۱۴۹/۲۰)

۴۔ قبور سے نکل کر لوگ رواں دواں موقف حساب کی طرف جائیں گے اور وہاں سے اپنے جزاء وسزا کے مقام کی طرف گروہوں میں واپس ہوں گے، ان کے صحائف اعمال دکھا کر جنت و دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ نیک اپنے کو ملامت کرے گا کہ میں نیکیاں اور کیوں نہ بڑھائیں اور گناہ گار اس پر ملامت کرے گا کہ میں نے گناہوں سے اپنے کو کیوں نہ روکا۔ (قرطبی)

۵۔ ہر چھوٹے بڑے اچھے برے عمل کا بدلہ مؤمن کو اس کے مطابق ملے گا، باقی کافر و مشرک کے کفر نے اس کی نیکیوں کو تو برباد کر دیا۔ اور برے اعمال مزید سزا کا باعث بنیں گے۔ فر[illegible] لھم اعمال دون ذلک الآیۃ۔

۶۔ ابن مسعودؓ فرماتے تھے یہ قرآن میں سب سے زیادہ محکم آیت ہے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الزلزال مدنی سورت ہے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے ابن عباسؓ اور قتادہؓ سے اسی طرح نقل کیا گیا، عبداللہ بن مسعودؓ، عطاءؒ اور جابرؓ کا قول بعض مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی بظاہر اس قول کا منشاء یہ ہوگا کہ اس سورت کا اسلوب بیان مکی سورتوں جیسا ہے کہ قیامت اور احوال قیامت کا ذکر ہے اس کی آٹھ آیات ہیں۔

(ربط) اس سے قبل سورت میں: جزآء هم عند ربهم جنت عدن..... اہل ایمان وطاعات پر ہونے والے انعامات کا بیان تھا، ظاہر ہے کہ اہل ایمان کو یہ بشارت سن کر شوق وانتظار ہوسکتا تھا کہ یہ نعمتیں انکو کب ملیں گی تو اب اس سورت میں اس کا وقت بتایا جارہا ہے کہ وہ روز قیامت ہے اور قیامت کس حقیقت کا عنوان ہے اس کو بھی واضح کیا جارہا ہے اور اس کی آمد پر جو انقلاب برپا ہوگا وہ بھی ذکر کیا جارہا ہے اور کس طرح آسمان وزمین اور نظام کائنات درہم برہم کردیا جائے گا؟ ان امور کو بیان فرماتے ہوئے یہ بھی واضح کردیا گیا کہ انسان کا عمل خواہ اچھا ہو یا برا اس کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا کسی کا عمل خیر ضائع نہیں ہوتا اور کوئی شخص برے عمل کے انجام اور سزا سے نہیں بچ سکتا۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝

لفظ زلزال اور زلزلہ دونوں سخت جھٹکا کھانے اور سخت حرکت کرنے کے معنی میں آتے ہیں دونوں باب فعللہ (رباعی مجرد) کے مصادر ہیں زِلْزَالَهَا ۝ مفعول مطلق ہے جو تاکید اور بیان شدت کے لیے لایا گیا ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں فرمایا: وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا یہاں بھی قیامت کے زلزلہ کو بیان فرمایا ہے، یہ زلزلہ بہت سخت اور شدید ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ (اے لوگو! بے شک اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت زلزلہ بہت بڑی چیز ہے) وہ زلزلہ دنیا والے زلزلوں جیسا نہیں کہ دو چار شہروں میں آ گیا وہ تو پوری زمین کو جھنجھوڑ کر رکھ دے گا، اس وقت کی سخت مصیبت کو سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا ہے: يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ (جس روز تم اس کو دیکھو گے اس روز تمام دودھ پلانے والیاں اپنی دودھ پیتے کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی، اور وہ لوگ تجھے نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے، اور لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز) اتنے بڑے سخت زلزلہ کے بعد میدان حشر میں حاضری ہوگی، سب قبروں سے نکل کر حساب کتاب کے لیے جمع کیے جائیں گے، اب زمین اپنے اندر کے دفینوں کو نکال دے گی جسے: وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ میں بیان فرمایا ہے، مردے بھی باہر آجائیں گے اور اموال بھی، یہ سب اموال کسی کے کچھ کام نہ آئیں گے جن پر دنیا میں لڑائیاں لڑا کرتے تھے اور لوگوں کی جانیں لیتے تھے میدان حشر میں لوگ جمع ہوں گے، اعمال نامے پیش ہوں گے۔ گواہیاں ہوں گی انہی گواہیاں دینے والوں میں زمین بھی ہوگی جسے: يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝

میں بیان فرمایا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝

یعنی اس روز آدمی اپنی قبروں سے میدان حشر میں طرح طرح کی جماعتیں بن کر حاضر ہوں گے۔ ایک گروہ شرابیوں کا ہوگا، ایک زانیوں کا، ایک ظالموں کا، ایک چوروں کا، وعلی ہذا القیاس۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوگ حساب سے فارغ ہو کر جو لوٹیں گے تو کچھ جماعتیں جنتی اور کچھ دوزخی ہو کر جنت اور دوزخ کی طرف چلی جائیں گی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝

پھر اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی (گو وہ تفصیل بھی اجمال کو لیے ہوئے ہے جو بڑی محکم اور فیصلہ کن بات کرنے والی ہے) ارشاد فرمایا: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ (سو جو شخص ذرہ برابر بھی کوئی خیر کا کام کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جنت میں نعمتوں سے نوازا جائے گا)۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (اور جس شخص نے ایک ذرہ برابر کوئی شر (یعنی برائی) کا کام کیا وہ اس کو دیکھ لے گا) یعنی اس کی سزا پالے گا اور اپنے کیے کا انجام دیکھ لے گا۔

ان دونوں آیتوں میں خیر اور شر اور اصحاب خیر اور اصحاب شر کے بارے میں دوٹوک فیصلہ فرمایا ہے ایمان ہو یا کفر، اچھے اعمال ہوں یا برے اعمال سب کچھ سامنے آجائے گا، لہٰذا کوئی سی بھی نیکی کو نہ چھوڑے خواہ کتنی بھی معمولی معلوم ہو اور کسی بھی برائی کا ارتکاب نہ کرے خواہ کتنی ہی معمولی ہو۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اموال زکوٰۃ کے نصاب بیان فرمائے زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے والوں کا قیامت کے دن کا عذاب بتایا آخر میں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایئے اگر کسی کے پاس گدھے ہوں، اور ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں کیا تفصیل ہے؟ آپ نے فرمایاً مدتوں کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم (خصوصی) نازل نہیں کیا گیا۔ یہ آیت جو اپنے مضمون میں منفرد اور جامع ہے نازل کی گئی ہے یعنی: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (رواہ البخاری صفحہ ۱۴۱ اور مسلم صفحہ ۳۱۹: ج ۱)

مومن بندوں کو کسی موقع پر بھی ثواب کمانے سے (اگرچہ تھوڑا ہی سا عمل ہو) غفلت نہیں برتنی چاہیے جیسا کہ گناہ سے بچنے کا فکر کرنا بھی لازم ہے، آخرت کی فکر رکھنے والے بندوں کا ہمیشہ یہی طرز رہا ہے۔ جس قدر بھی ممکن ہو جانی اور مالی عبادت میں لگے رہیں۔ اللہ کے ذکر میں کوتاہی نہ کریں۔ اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا موقع مل جائے تو کہہ لیں۔ ایک چھوٹی سی آیت تلاوت کرنے کا موقع ہو تو اس کی تلاوت کرنے سے دریغ نہ کریں۔ حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اتقوا النار و لو بشق تمرة فمن لم يجد فبكلمة طيبة (دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دو، سو اگر وہ بھی نہ پاؤ تو بھلی بات ہی کہہ دو)۔ (رواہ البخاری صفحہ ۹۷۱: ج ۲)

حضرت عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور خطبے میں فرمایا خبردار! یہ دنیا ایسا سامان ہے جو سامنے حاضر ہے اس میں سے نیک اور بد سب کھاتے ہیں پھر فرمایا خبردار آخرت (اگرچہ ادھار ہے اس) کا وعدہ سچا ہے اس

میں وہ بادشاہ فیصلے فرمائے گا جو قدرت والا ہے، پھر فرمایا خبردار ساری خیر پوری کی پوری جنت میں ہوگی اور خبردار شر یعنی برائی پوری کی پوری دوزخ میں ہوگی۔ پھر فرمایا کہ خبردار عمل کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ تم اپنے اعمال پر پیش کیے جاؤ گے۔

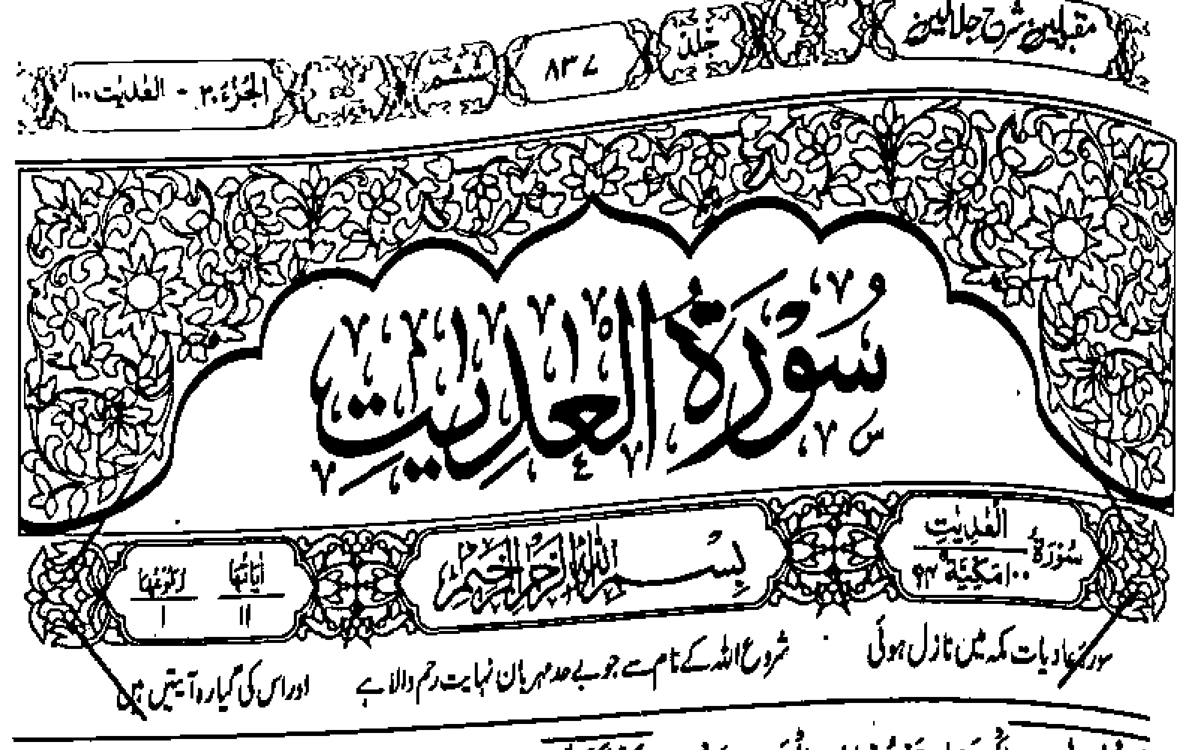
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (سو جس نے ایک ذرہ کے برابر خیر ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر شر کا کام کیا ہوگا وہ اس کو دیکھ لے گا)۔ (رواہ الشافعی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۴۰)

ہر مومن کے سامنے سورۃ الزلزال کی آخری دونوں آیات پیش نظر رہنی چاہئیں خیر میں کوئی کوتاہی نہ کریں اور ہلکے سے ہلکے کسی گناہ کا بھی ارتکاب نہ کریں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! معمولی گناہوں سے بھی پرہیز کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی مطالبہ کرنے والے ہیں (یعنی اعمال کے لکھنے والے فرشتے مقرر ہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۵۸)

حضرت انسؓ نے ایک مرتبہ حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ بعض ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک ہیں یعنی انہیں تم معمولی سا گناہ سمجھتے ہو اور ہمارا یہ حال تھا کہ ہم انہیں ہلاک کرنے والی چیزیں سمجھتے تھے۔

(رواہ البخاری صفحہ ۹۶۱: ج ۲)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ نصف قرآن کے برابر ہے اور سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورۃ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب فضائل القرآن)



وَالْعٰدِيٰتِ الْخَيْلِ تَعْدُوْا فِي الْغَزْوِ وَتَضْبَحُ ضَبْحًا ۝١ هُوَ صَوْتُ اَجْوَافِهَا اِذَا عَدَتْ فَالْمُوْرِيٰتِ الْخَيْلِ تُوْرِي النَّارَ قَدْحًا ۝٢ بِحَوَافِرِهَا اِذَا سَارَتْ فِي الْاَرْضِ ذَاتِ الْحِجَارَةِ بِاللَّيْلِ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝٣ الْخَيْلُ تُغِيْرُ عَلَى الْعَدُوِّ وَقْتَ الصُّبْحِ بِاِغَارَةِ اَصْحَابِهَا فَاَثَرْنَ هَيَّجْنَ بِهٖ بِمَكَانِ عَدْوِهِنَّ اَوْ بِذٰلِكَ الْوَقْتِ نَقْعًا ۝٤ غُبَارًا بِشِدَّةِ حَرَكَتِهِنَّ فَوَسَطْنَ بِهٖ بِالنَّقْعِ جَمْعًا ۝٥ مِنَ الْعَدُوِّ اَيْ صِرْنَ وَسْطَهٗ وَعَطَفَ الْفِعْلَ عَلَى الْاِسْمِ لِاَنَّهٗ فِيْ تَاْوِيْلِ الْفِعْلِ اَيْ وَاللَّاتِيْ عَدَوْنَ فَاَوْرَيْنَ فَاَغَرْنَ اِنَّ الْاِنْسَانَ اَيِ الْكَافِرَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝٦ لَكَفُوْرٌ يَجْحَدُ نِعْمَتَهٗ تَعَالٰى وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ اَيْ كُنُوْدِهٖ لَشَهِيْدٌ ۝٧ يَشْهَدُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِصُنْعِهٖ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ اَيِ الْمَالِ لَشَدِيْدٌ ۝٨ اَيْ لَشَدِيْدُ الْحُبِّ لَهٗ فَيَبْخَلُ بِهٖ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ اُثِيْرَ وَاُخْرِجَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝٩ مِنَ الْمَوْتٰى اَيْ بُعِثُوْا وَحُصِّلَ بُيِّنَ وَاُبْرِزَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝١٠ الْقُلُوْبِ مِنَ الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝١١ لَعَالِمٌ فَيُجَازِيْهِمْ عَلٰى كُفْرِهِمْ اُعِيْدَ الضَّمِيْرُ جَمْعًا نَظَرًا لِمَعْنَى الْاِنْسَانِ وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ دَلَّتْ عَلٰى مَفْعُوْلِ يَعْلَمُ اَيْ اِنَّا نُجَازِيْهِ وَقْتَ مَا ذُكِرَ وَتَعَلَّقَ خَبِيْرٌ بِيَوْمَئِذٍ وَهُوَ تَعَالٰى خَبِيْرٌ دَائِمًا لِاَنَّهٗ يَوْمُ الْمُجَازَاةِ

ع ١١ ٢٥

ترجمہ: قسم ہے ان گھوڑوں کی جو (جہاد میں دوڑتے اور پھنکارے مارتے ہیں) ہانپتے ہیں (گھوڑا دوڑنے کے وقت جو آواز اس کے اندر سے نکلتی ہے) پھر ٹاپوں سے (وہ گھوڑے آگ کی) چنگاریاں جھاڑتے ہیں (اپنے کھروں سے رات کے وقت پتھریلی زمین پر چلتے ہوئے) پھر صبح کے وقت تاخت وتاراج کرتے ہیں (گھوڑ دوڑ سے دھول) پھر اسی (گرد وغبار

کی) حالت میں کسی مجمع کے اندر جا گھستے ہیں (دشمن کے یعنی ان کے بیچ گھستے چلے جاتے ہیں اور فعل کا اسم پر عطف ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ اسم فعل کی تاویل نہیں ہے۔ عبارت اس طرح ہو جائے گی۔ واللاتی عدون فاورین فاغرن) حقیقت یہ ہے کہ انسان (کافر) اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے (اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتا ہے) اور اس کو خود اس (ناشکری) کی خبر ہے (اپنے کرتوت سے اپنے اوپر گواہ ہے) اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے (مال سے انتہائی محبت رکھتا ہے اس لیے بخل کرتا ہے) کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا۔ جب نکال لیا جائے گا (اکھاڑ، برآمد کر لیا جائے گا) قبروں میں جو کچھ ہے (یعنی مردے ان کو زندہ کر کے اٹھا دیا جائے گا) اور آشکارا (ظاہر اور واضح) ہو جائے گا۔ جو کچھ دلوں میں ہے (کفر و ایمان) یقیناً ان کا رب اس روز ان سے باخبر ہوگا (لہٰذا ان کے کفر کی سزا دے گا۔ جمع کی ضمیریں انسان کی طرف بلحاظ معنی کے ہیں۔ یہ جملہ یعلم کے مفعول پر دلالت کر رہا ہے۔ ای انا نجازیہ وقت ماذکر اور خبیر کا تعلق یومئذ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ وہ بدلہ کا دن ہے۔ اگرچہ اللہ کا باخبر ہونا دائمی ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَالْعٰدِیٰتِ: کی یا غازیات کی طرح واؤ سے بدل کر آئی ہے۔ عادیہ: تیزی سے چلنا۔

قوله: هُوَ صَوْتٌ: گھوڑے کے دوڑتے وقت جو آواز اس کے منہ سے نکلتی ہے۔

قوله: قَدْحًا: یہ حال ہے۔ وہ ٹاپ مار کر چنگاریاں اڑانے والے ہیں، عرب کہتے ہیں: قدحت الحجر یا لحجر۔ میں نے پتھر کو پتھر سے رگڑا۔

قوله: فَاَثَرْنَ: یہ فا اس دلالت کے لیے لائے ہیں کہ ہر ایک کا مابعد ماقبل پر مرتب ہوتا ہے۔ درمیان میں جمع کا لانا۔ اشارۃ [غبار اڑانا] پر مرتب ہے جس کا مدار دشمن پر شبخون مارنے پر ہے۔ (قاسمی)

قوله: بِمَكَانٍ: یہاں ضمیر مکان کی طرف لوٹتی ہے اگرچہ اس کا تذکرہ ماقبل موجود نہیں مگر دوڑ کے لیے مکان تو لازم ہے۔

قوله: اَوْبِذٰلِکَ: یعنی صبح کے وقت یعنی وہ بوقت صبح غبار اڑاتے ہیں۔ یہ عمدہ ہے اس لیے کہ اول میں تصریح ہے۔ دونوں تفاسیر کے مطابق باقی کے معنی میں ہے۔

قوله: بِالنَّقْعِ: بہ کی ضمیر نقع کی طرف راجع ہے۔ با یہ تعدیہ کے لیے ہے۔ جعلن الغبار وسط الجمع۔ وہ غبار کو مجمع کے درمیان کر دیتے ہیں۔

قوله: اَفَلَا یَعْلَمُ: ہمزہ انکار کے لیے اور فا عاطفہ ہے۔ تقاضا مقام سے معطوف مقدر ہے ای یفعل ما یفعل من القبائح فلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور۔ یہ تہدید و وعید ہے۔ کیا یہ جو برے کرتوت کر رہا ہے یوں ہی کرتا جائے گا کیا یہ مردوں کے اکھاڑے جانے سے واقف نہیں۔ (ابو مسعودؒ)

قوله: اِنَّ رَبَّهُمْ: یومئذ اور بھم دونوں الخبیر سے متعلق ہیں۔ فاصل ہونے کی وجہ سے مقدم کیے۔ یومئذ کی تنوین دو

جملوں کے عوض میں ہے۔ تقدیر یہ ہے یوم اذ بعثر مافی القبور وحصل مافی الصدور وھو یوم القیامۃ۔

(کشف)

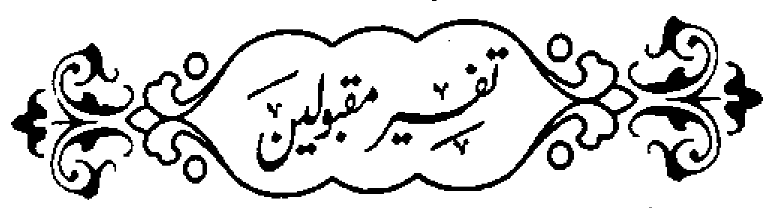
قولہ: وَتَعَلَّقَ خَبِیْرٌ: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دن ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ پس مجازات کے متعلق علم بمعنی ظہور کی نسبت درست ہوئی۔

۱۔ جہاد کی ترغیب گھوڑوں کی صفات کے تذکرہ کی وجہ سے دلائی گئی ہے۔

۲۔ انسان اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری کرنے والا ہے۔ تنگی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ خوشحالی میں بھول جاتا ہے۔

۳۔ انسان کے مزاج میں حرص مال اس قدر رچا ہے کہ کمال حقیقی کے حاصل کرنے اور معاد سے غافل ہو گیا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ماضی، حال اور مستقبل سب کو حاوی ہے۔ مگر یومئذ سے تاکید کر دی کہ ہمارے علم سے سابق و مستقبل کوئی بھی غائب نہیں۔ اور اسے جزئیات وکلیات سب کی خبر ہے۔



اکثر مفسرین نے اس کو مکی سورت ہی کہا ہے ابن مسعود، جابر حسن بصری اور عکرمہؓ اجمعین کا یہی قول ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی، لیکن جمہور نے پہلا قول اختیار کیا ہے اس سورت کا موضوع بھی سورۃ زلزلہ کے موضوع کی طرح نیکی اور بدی کا انجام ہے بیان کرتا ہے۔ اور ایسے دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ سلیم الطبع انسان اس کو قبول کرنے میں قطعاً تامل نہیں کر سکتا اس کے ساتھ بالخصوص اس امر کو بیان کیا گیا کہ گھوڑے باوجود جانور ہونے کے اور ان عقلی وفکری صلاحیتوں سے محروم ہونے کے جو ان کو دی گئی ہیں۔ اپنے مالک کے کس قدر وفادار ہیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو کس قدر مہالک اور شدائد میں ڈالتے ہیں اور اپنے مالک کے دشمن کا مقابلہ کس مستعدی اور ہمت سے کرتے ہیں۔ لیکن افسوس انسان اشرف المخلوق ہو کر بھی اپنے آقا کا نافرمان ہے اس کا شکر نہیں کرتا، اور نہ ہی اس کی اطاعت وفرماں برداری میں کوئی جفاکشی وہمت کا مظاہرہ کرتا ہے اس کے بالمقابل حرص ولالچ اور نفس کی شہوات ہی کی اتباع میں لگا رہتا ہے جس کا انجام سوائے ہلاکت وتباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور یہ سب اس پر موقوف ہے کہ وہ فکر آخرت سے غافل ہے۔

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝۱

اس سورت میں حق تعالیٰ نے جنگی گھوڑوں کے کچھ خاص حالات وصفات کا ذکر فرمایا اور ان کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ یہ بات تو قرآن میں بار بار معلوم ہو چکی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھا کر خاص واقعات اور احکام بیان فرماتے ہیں یہ حق تعالیٰ کی خصوصیت ہے، انسان کے لیے کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اور قسم کھانے کا مقصد عام قسموں کی طرح اپنی بات کو محقق اور یقینی بتلانا ہے اور یہ بات بھی پہلے آ چکی ہے کہ قرآن کریم جس چیز کی قسم کھا کر کوئی مضمون بیان فرماتا ہے تو اس چیز کو اس مضمون کے ثبوت میں دخل ہوتا ہے اور یہ چیز گویا اس مضمون کی شہادت

دیتی ہے۔ یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر گویا اس کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ گھوڑوں کے اور خصوصاً جنگی گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالئے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کیسی کیسی سخت خدمات انسان کے حکم واشارہ کے تابع انجام دیتے ہیں حالانکہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا، انکو جو گھاس دانہ انسان دیتا ہے وہ بھی اس کا پیدا کیا ہوا نہیں، اس کا کام صرف اتنا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان تک پہنچانے کا ایک واسطہ بنتا ہے اب گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا اور مانتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے، اسکے بالمقابل انسان کو دیکھو جس کو ایک حقیر قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس کو مختلف کاموں کی قوت بخشی، عقل وشعور دیا، ان کے کھانے پینے کی ہر چیز پیدا فرمائی اور اس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک پہنچا دیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے مگر وہ ان تمام اکمل واعلیٰ احسانات کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا اب الفاظ آیت کی تشریح دیکھئے عادیات، عدو سے مشتق ہے جس کے معنی دوڑنے کے ہیں۔ ضبحاً، ضبح وہ خاص آواز ہے جو گھوڑے کے دوڑنے کے وقت اس کے سینے سے نکلتی ہے جس کا ترجمہ ہانپنا کیا گیا ہے۔ موریات، ایراء سے مشتق ہے جس کے معنی آگ نکالنے کے ہیں جیسے چقماق کو مار کر یا دیا سلائی کو رگڑ کر نکالی جاتی ہے۔ قدحا، قدح کے معنے ٹاپ مارنے کے ہیں پتھریلی زمین پر جب گھوڑا تیزی سے دوڑے خصوصاً جبکہ اس کے پاؤں میں آہنی نعل بھی ہو ٹکراؤ سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں۔ مغیرات، اغارہ سے مشتق ہے جس کے معنے حملہ کرنے اور چھاپہ مارنے کے ہیں۔ صبحاً صبح کے وقت کی تخصیص بیان عادت کے طور پر ہے کیونکہ عرب لوگ اظہار شجاعت کے لیے رات کی اندھیری میں چھاپہ مارنا معیوب سمجھتے تھے حملہ صبح ہونے کے بعد کیا کرتے تھے اثرن، اثارت سے دوڑتے ہیں کہ ان کے سموں سے غبار اڑ کر چھا جاتا ہے خصوصاً صبح کے وقت میں غبار اڑنا زیادہ سرعت اور تیزی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ وقت عادۃً غبار اڑنے کا نہیں، کسی سخت دوڑ ہی سے اس وقت غبار اٹھ سکتا ہے۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا۝

(پھر یہ گھوڑے کسی جگہ پہنچتے ہیں تو اس وقت جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں) اہل عرب کے نزدیک گھوڑوں کی بڑی اہمیت تھی ان کا تو کام ہی یہی تھا کہ باہم لڑتے رہتے تھے اور بڑے قبیلے چھوٹے قبیلوں پر صبح صبح کو غارت گری ڈالتے تھے یعنی رات کو ر کے رہتے تھے اور جب صبح ہوتی تھی تو جہاں حملہ کرنا ہوتا وہاں حملہ کر دیتے تھے اموال لوٹ لیتے تھے اور جو کوئی سامنے آتا اسے قتل کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی اور انہیں یاد دلایا کہ دیکھو ہم نے تم کو جو نعمتیں دی ہیں ان میں ایسے جاندار، جاندار جنگوں میں کام آنے والے گھوڑے بھی دیئے ہیں دوسری نعمتوں کی طرح ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا بھی لازم ہے اس شکر میں یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی ﷺ کو بھیجا ہے اب پر ایمان لاؤ (آپ پر ایمان لانے سے پہلے گھوڑوں کو غلط استعمال کرتے رہے ہو، اب اس کا رخ بھی بدل جائے گا اور یہ گھوڑے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں استعمال ہونے لگیں گے)۔ ھذا ما سنح فی قلبی فی ربط القسم بہ والمقسم بہ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کتابہ۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے جہاد فی سبیل اللہ کے گھوڑے مراد ہیں (کمافی روح المعانی) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے حج میں کام آنے والے گھوڑے مراد ہیں جو عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے منیٰ لے جاتے تھے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾

یعنی جہاد کرنے والے سواروں کی اللہ کی راہ میں سرفروشی و جانبازی بتلاتی ہے کہ وفادار و شکر گذار بندے ایسے ہوتے ہیں۔ جو آدمی اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اس کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا وہ پرلے درجہ کا ناشکرا اور نالائق ہے بلکہ غور کرو تو خود گھوڑا زبان حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور اس کی بیشمار نعمتوں سے شب و روز تمتع کرتے ہیں، پھر اس کے باوجود اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے، وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا اسا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے، دوڑتا اور ہانپتا ہوا ٹاپیں مارتا اور غبار اٹھاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ گولیوں کی بارش میں، تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا۔ بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لیے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا بھی کوئی پالنے والا مالک ہے جس کی وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ بیشک انسان بڑا ناشکرا اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۭ﴿۸﴾

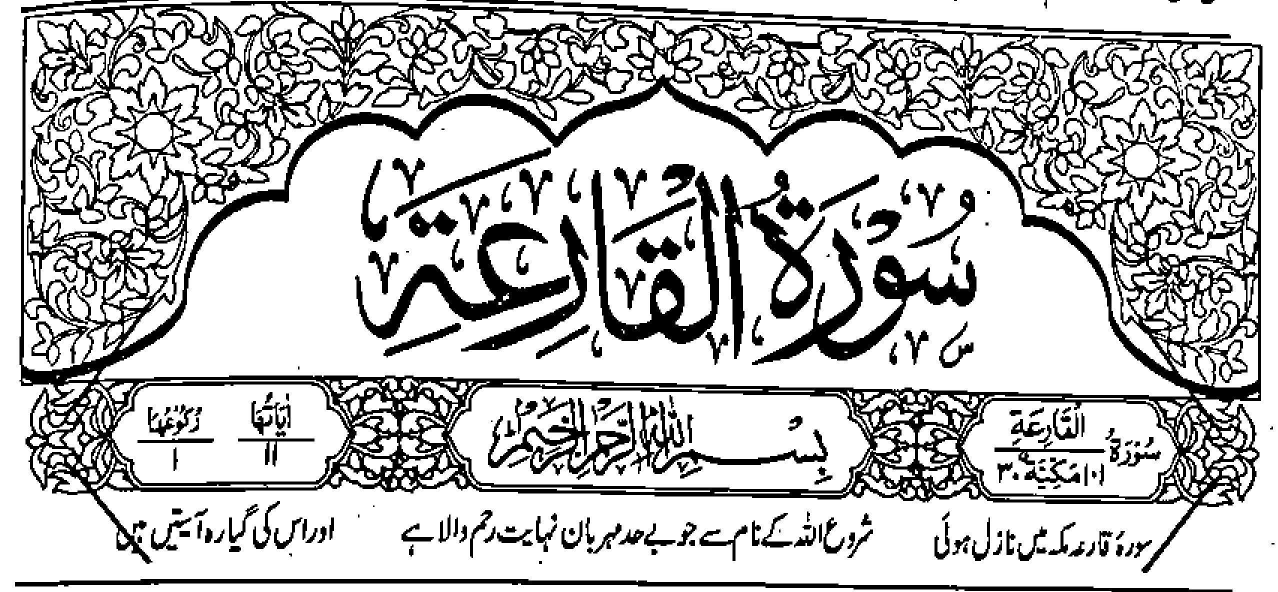
خیر کے لفظی معنی ہر بھلائی کے ہیں۔ عرب میں مال کو بھی لفظ خیر سے تعبیر کرتے تھے، گویا مال بھلائی ہی بھلائی اور فائدہ ہی فائدہ ہے حالانکہ درحقیقت بعض مال انسان کو ہزاروں مصیبتوں میں بھی مبتلا کر دیتے ہیں۔ آخرت میں تو ہر مال حرام کا یہی انجام ہے کبھی کبھی دنیا میں بھی مال انسان کے لیے وبال بن جاتا ہے مگر عرب کے محاورہ کے مطابق اس آیت میں مال کو لفظ خیر سے تعبیر کر دیا ہے جیسا ایک دوسری آیت میں فرمایا ان ترک خیرا، یعنی یہاں بھی خیر سے مراد مال ہے۔

آیت مذکور میں گھوڑوں کی قسم کھا کر انسان کے متعلق دو باتیں کہی گئیں، ایک یہ کہ وہ ناشکر ہے۔ مصیبتوں تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے نعمتوں اور احسانات کو بھول جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔ یہ دونوں باتیں شرعاً وعقلاً مذموم ہیں ان میں انسان کو ان مذموم خصلتوں پر متنبہ کرنا مقصود ہے۔ ناشکری کا مذموم ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ مال کی محبت کو جو مذموم قرار دیا حالانکہ وہ انسانی ضروریات کا مدار ہے۔ اور اس کے کسب و اکتساب کو شریعت نے صرف حلال ہی نہیں بلکہ بقدر ضرورت فرض قرار دیا ہے تو مال کی محبت کا مذموم ہونا یا تو وصف شدت کے اعتبار سے ہے کہ مال کی محبت میں ایسا مغلوب ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بھی غافل ہو جائے اور حلال و حرام کی پرواہ نہ رہے، اور یا اسلئے کہ مال کا کسب و اکتساب اور بقدر ضرورت جمع کرنا تو مذموم نہیں بلکہ فرض ہے مگر محبت اس کی بھی مذموم ہے کیونکہ محبت کا تعلق دل سے ہے اس کا حاصل یہ ہوگا کہ مال کو بقدر ضرورت حاصل کرنا اور اس سے کام لینا تو ایک فریضہ اور محمود ہے لیکن دل میں اس کی محبت ہونا پھر بھی مذموم ہی ہے۔ جیسا انسان پیشاب پاخانے کی ضرورت کو پورا بھی کرتا ہے اس کا اہتمام بھی کرتا ہے مگر اس کے دل میں محبت نہیں ہوتی۔ بیماری

میں دوا بھی پیتا ہے آ پریشن بھی کراتا ہے مگر دل میں ان چیزوں کی محبت نہیں ہوتی بلکہ بدرجہ مجبوری کرتا ہے اس طرح اللہ کے نزدیک مومن کو ایسا ہونا چاہئے کہ بقدر ضرورت مال کو حاصل بھی کرے اس کی حفاظت بھی کرے اور مواقع ضرورت میں اس سے کام بھی لے مگر دل اس کے ساتھ مشغول نہ ہو، جیسا کہ مولانا رومی نے بڑے بلیغ انداز میں فرمایا ہے

آب اندر زیر کشتی پشتی است آب در کشتی ہلاک کشتی است

یعنی پانی جب تک کشتی کے نیچے رہے تو کشتی کا مددگار ہے مگر یہی پانی جب کشتی کے اندر آ جائے تو کشتی کو لے ڈوبتا ہے۔ اس طرح مال جب تک دل کی کشتی کے اردگرد رہے تو مفید ہے جب دل کے اندر گھس گیا تو ہلاکت ہے۔ آخر سورت میں انسان کی ان دونوں مذموم خصلتوں پر آخرت کی وعید سنائی گئی۔



اَلْقَارِعَةُ ﴿١﴾ اَيِ الْقِيَامَةُ الَّتِيْ تَقْرَعُ الْقُلُوْبَ بِاَهْوَالِهَا مَا الْقَارِعَةُ ﴿٢﴾ تَهْوِيْلٌ لِشَانِهَا وَهُمَا مُبْتَدَأٌ وَ خَبَرٌ خَبَرُ الْقَارِعَةِ وَمَآ اَدْرٰىكَ اَعْلَمَكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٣﴾ زِيَادَةُ تَهْوِيْلٍ لَهَا وَمَا الْاُوْلٰى مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهَا خَبَرُهٗ وَمَا الثَّانِيَةُ وَخَبَرُهَا فِيْ مَحَلِّ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِيْ لِاَدْرٰى يَوْمَ نَاصِبُهٗ دَلَّ عَلَيْهِ الْقَارِعَةُ اَيْ تَقْرَعُ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿٤﴾ كَغَوْغَاءِ الْجَرَادِ الْمُنْتَشِرِ يَمُوْجُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ لِلْحَيْرَةِ اِلٰى اَنْ يُّدْعَوْا لِلْحِسَابِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿٥﴾ كَالصُّوْفِ الْمَنْدُوْفِ فِيْ خِفَّةِ سَيْرِهَا حَتّٰى تَسْتَوِيَ مَعَ الْاَرْضِ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿٦﴾ بِاَنْ رَجَحَتْ حَسَنَاتُهٗ عَلٰى سَيِّاٰتِهٖ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٧﴾ فِي الْجَنَّةِ اَيْ ذَاتِ رِضًا بِاَنْ يَّرْضَاهَا اَيْ مَرْضِيَّةٍ لَهٗ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿٨﴾ بِاَنْ رَجَحَتْ سَيِّاٰتُهٗ عَلٰى حَسَنَاتِهٖ فَاُمُّهٗ فَمَسْكَنُهٗ هَاوِيَةٌ ﴿٩﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ﴿١٠﴾ اَيْ مَاهَاوِيَةٌ هِيَ نَارٌ

حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾ شَدِيْدُ الْحَرَارَةِ وَهَاهِيَهْ لِلسَّكْتِ تَثْبُتُ وَصْلًا وَوَقْفًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ تُحْذَفُ وَصْلًا

ع ۱۱ ۲۲

ترجمہ: کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت جو اپنی ہولناکیوں سے دلوں کو جھڑجھڑا دیتی ہے) کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت کی دہشت بتلاتی ہے۔ ما القارعة مبتدا خبر سے مل کر جملہ القارعہ اول کی خبر ہے) آپ کو کچھ معلوم (پتہ) ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (اس میں قیامت کی اور زیادہ دہشت ناکی ہے۔ ما ادرك میں ما مبتداء ہے ادرك اس کی خبر ہے اور ما القارعة میں ما اور اس کی خبر ادری کے مفعول ثانی کی جگہ ہے) جس روز (اس کا ناصب محذوف ہے جس پر لفظ القارعة دلالت کر رہا ہے یعنی تقرع) لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے (منتشر پروانوں کی طرح پھیلے ہوئے حیرت کے مارے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے یہ حالت حساب کی پیشی تک رہے گی) اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے (دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑے ہوئے پھریں گے۔ حتیٰ کہ زمین میں مل جائیں گے) پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا (نیکیاں بدیوں پر غالب ہوں گی) وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا (جنت کے اندر یعنی پسندیدہ جس میں وہ مگن ہوگا یعنی آرام اسے بھاتا ہوگا) اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا (اس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی) اس کا ٹھکانہ (جائے قیام) گہری کھائی ہو گی اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ کیا چیز ہے (یعنی وہ گہری کھائی کیسی ہوگی) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے (بھڑکتی ہوئی اور هیه کی ہا سکتہ کی ہے جو وقف و وصل دونوں حالت میں برقرار رہتی ہے اور ایک قراءت کے اعتبار سے بحالتِ وصل حذف ہو جاتی ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: سورة القارعه: ربط: پہلی سورت میں قبور کے اکھاڑنے کا تذکرہ ہوا تو اس میں احوال قیامت ذکر فرما دیے اور ان کا وقت بھی بیان کر دیا۔ (بحر)

قوله: تَهْوِيْلٌ لِشَانِهَا: قیامت کی ہولناکی اور خوفناکی کو اس انداز سے اور شدید کر دیا کہ وہ مخلوقات کے دائرہ علم سے اس طرح نکلنے والی ہے کہ کسی کی سمجھ اس کو پا نہیں سکتی کہ اس کا ادراک ہو سکے۔ مفسر نے اشارہ فرمایا: کہ ما استفہامیہ اور اس میں تعظیم و تعجب کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ (کشف)

قوله: نَاصِبُهُ دَلَّ عَلَيْهِ: اَلْقَارِعَةُ کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اور پہلا اَلْقَارِعَةُ اس کا عامل اس لیے نہیں بن سکتا کیونکہ خبر کے ذریعہ ان میں فاصلہ ہے اور اَلْقَارِعَةُ ثانیہ بھی عامل نہیں ہو سکتا اور نہ ثالث کیونکہ ظرف معنوی اعتبار سے اس کے مناسب نہیں بنتا۔ پس اس کا ناصب محذوف ہے یعنی تقرع القيامة القلوب يوم يكون الناس۔۔۔ الآیۃ۔ (کشف الغامین)

قوله: كَالصُّوْفِ الْمَنْدُوْفِ: علامہ قرطبی کہتے ہیں: منفوش وہ اون جو ہاتھوں سے دھنکی جائے، پہاڑ اس اون کی طرح ہوں گے جو ہاتھوں سے دھنکی جائے یہ شاندار تعبیر ہے۔ مندوف: وہ اون جو آلے سے دھنکی جائے۔

قولہ :ذَاتِ رِضَا: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ یہ نسبت تامر، لابن کی طرح ہے اسی وجہ سے مرضیہ سے اس کی تفسیر کی بعض اور مرضیہ نقل کیا تو اس سے اسناد مجازی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

قولہ : وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ: آیت میں دو قسمیں آ گئیں۔خفیف وثقیل اعمال والے تیسری قسم جن کے اعمال برابر ہوں گے۔ بعض نے کہا: کہ ان سے حساب یسیر لیا جائے گا۔(کشف)

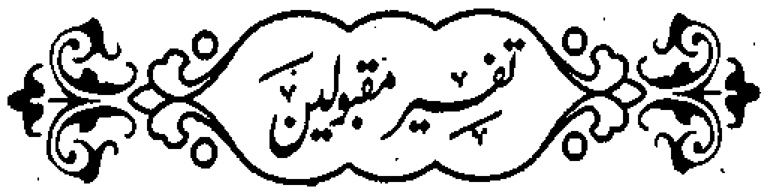
۱۔قیامت کے احوال وشدائد یت کوئی عقل ان کا احاطہ نہیں کرسکتی گویا احوال دنیا اس کے مقابلے میں ہیچ اور دنیا کی آگ اس آگ کے مقابلہ میں گویا آگ کہلانے کی حقدار نہیں۔

۲۔انسانوں کا حال بکھرے ہوئے پرانوں کی طرح دیا اور پہاڑوں کی چار حالتیں بتائیں: ۱۔ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا فرمایا: فدکتا دکۃ واحدۃ۔الحاقۃ: ۶۹/ ۱۴۔ ۲۔نرم ریت کے تودے بن جانا وتری الجبال جامدۃ ھی تمر مر السحاب۔النمل: ۲۷/ ۸۸۔ ۳۔دھنی ہوئی رنگی ہوئی اون کی طرح ہو جانا، فرمایا: کالعھن المنفوش الآیۃ۔ ۴۔سراب بن جانا، فرمایا: فکانت سرابا۔النبا: ۷۸/ ۲۵۔

۳۔لوگ دو قسم کے ہوں گے بھاری اعمال والے جن کی نیکیاں غالب ہوں گی۔ان کا انجام جنت ہوگا۔ ۲۔جن کی برائیاں غالب ہوں گی یہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

۴۔حضرت اکبر فرماتے تھے: حق کی اتباع سے حق والوں کے میزان بھاری ہوں گے اور حق کی مخالفت کی وجہ سے باطل پرستوں کے میزان ہلکے ہوں گے۔حق بھاری ہے اس کی وجہ سے میزان بھاری چاہیے، باطل ضعیف ہے اس کی وجہ سے میزان ہلکا ہونا چاہیے۔(رازی)

۵۔احوال قیامت سے تخویف کی گئی ہے۔



سورۃ قارعہ باتفاق ائمہ مفسرین مکی سورت ہے، مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ و دیگر صحابہ مفسرین سے اسی طرح منقول ہے مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا مضمون بھی اثبات قیامت اور حشر ونشر کے موضوع کو دلائل سے بیان کرنا ہے اس سے قبل سورتوں میں سعادت وشقاوت کے اصول احوال آخرت اور جزاء وسزا کا ذکر تھا، اب اس سورت میں خاص طور سے وہ ہولناک واقعات جن کو حوادث دہر اور قوارع زمانہ کہا جا سکتا ہے بیان کیے جا رہے ہیں تاکہ انسان غفلت سے چونکے اور فکر آخرت کے لیے تیار ہو جائے، قرآن کریم میں ایسے تمام مضامین اور آیات کو جو طبع بشری کو جنبش دینے والے ہوں۔بعض ائمہ مفسرین نے قوارع قرآن کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

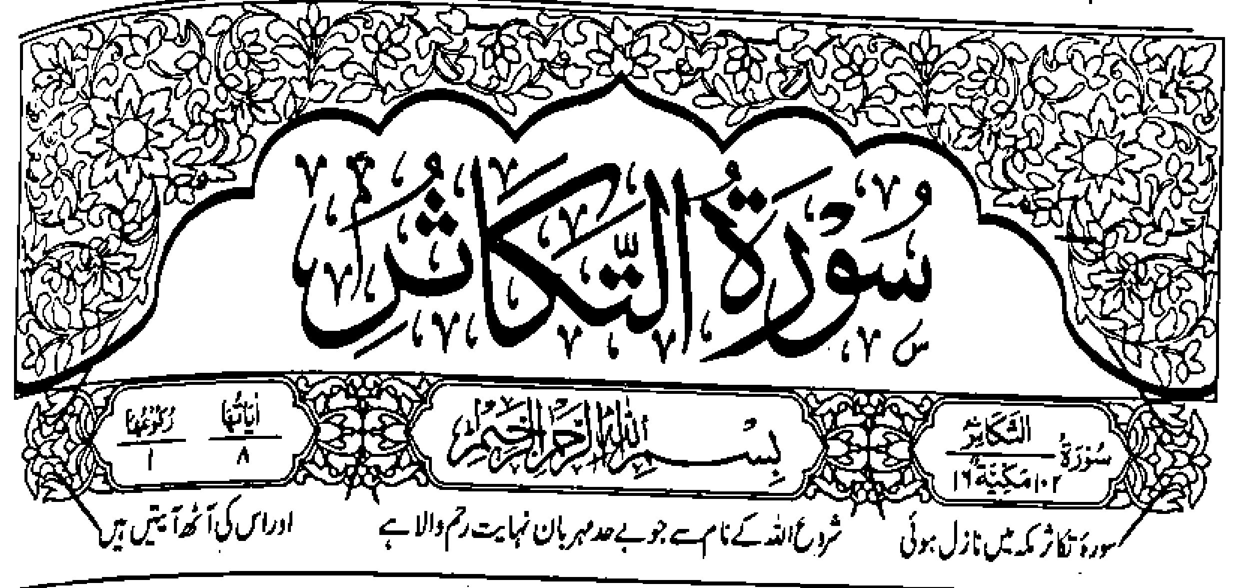
اس سورت کی گیارہ آیات میں جس کی ابتداء ہی ایسے ہیبت ناک عنوان سے کی گئی جو طبع بشری کو خواب غفلت سے بیدار کردے اور انسانی جامد قوی میں حرکت پیدا کردے، بالخصوص وزن اعمال کا بیان کرتے ہوئے نجات وکامیابی اور ہلاکت

کا راز ظاہر کر دیا گیا اور انسانی فطرت کو متنبہ کیا گیا کہ وہ ہلاکت و بربادی کے راستہ سے اجتناب کرے۔

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾

قارعہ بھی قیامت کا ایک نام ہے جیسے ح آ قہ طآ مہ ص آ خہ غاشیہ وغیرہ اس کی بڑائی اور ہولناکی کے بیان کے لیے سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ اس کا علم بغیر میرے بتائے کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا پھر خود بتاتا ہے کہ اس دن لوگ منتشر اور پراگندہ حیران و پریشان ادھر ادھر گھوم رہے ہوں گے جس طرح پروانے ہوتے ہیں اور جگہ فرمایا ہے: کانھم جراد منتشر گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئیں پھر فرمایا پہاڑوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ دھنی ہوئی اون کی طرح ادھر ادھر اڑتے نظر آئیں گے پھر فرماتا ہے اس دن ہر نیک و بد کا انجام ظاہر ہو جائیگا نیکوں پر چھا گئیں بھلائیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ جہنمی ہو جائیگا وہ منہ کے بل اوندھا جہنم میں گرا دیا جائیگا ام سے مراد دماغ ہے یعنی سر کے بل ہاویہ میں جائیگا اور یہ بھی معنی ہیں کہ فرشتے جہنم میں اسے کے سر پر عذابوں کی بارش برسائیں گے اور یہ بھی مطلب ہے کہ اس کا اصلی ٹھکانا وہ جگہ جہاں اس کے لیے قرارگاہ مقرر کیا گیا ہے وہ جہنم ہے ہاویہ جہنم کا نام ہے اسی لیے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ اب میں بتاتا ہوں کہ وہ شعلے مارتی بھڑکتی ہوئی آگ ہے حضرت اشعث بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ مومن کی موت کے بعد اس کی روح کو ایمانداروں کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کی دلجوئی اور تسکین کرو یہ دنیا کے رنج و غم میں مبتلا تھا اب وہ نیک روحیں اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے وہ کہتا ہے کہ وہ تو مر چکا تمہارے پاس نہیں آیا تو یہ سمجھ لیتے ہیں وہ تو اپنی ماں ہاویہ میں پہنچا ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں یہ بیان خوب سبط سے ہے اور ہم نے بھی اسے کتاب صفۃ النار میں وارد کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس آگ جہنم سے نجات دے آمین! پھر فرماتا ہے کہ وہ سخت تیز حرارت والی آگ ہے بڑے شعلے مارنے والی جھلسا دینے والی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہاری یہ آگ تو اس کا سترھواں حصہ ہے لوگوں نے کہا حضرت ﷺ ہلاکت کو تو یہی کافی ہے آپ نے فرمایا ہاں لیکن آتش دوزخ تو اس سے انہتر حصے تیز ہے صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہر ایک حصہ اس آگ جیسا ہے مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے مسند کی ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ آگ باوجود اس آگ کا ستھواں حصہ ہونے کے بھی دو مرتبہ سمندر کے پانی میں بجھا کر بھیجی گئی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اس سے بھی نفع نہ اٹھا سکتے اور حدیث میں ہے یہ آگ سوواں حصہ ہے طبرانی میں ہے جانتے ہو تمہاری اس آگ اور جہنم کی آگ کے درمیان کیا نسبت ہے؟ تمہاری اس آگ کے دھوئیں سے بھی ستر حصہ زیادہ سیاہ خود ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سرخ ہوئی پھر ایک ہزار سال تک سفید ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سیاہ ہوگئی پس اب وہ سخت سیاہ اور بالکل اندھیرے والی ہے مسند احمد کی حدیث ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہونگی جس سے اس کا دماغ کھد... بخاری و مسلم میں ہے کہ آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ اے اللہ میرا ایک حصہ دوسرے کو کھائے جا رہا ہے تو... اسے دو سانس لینے کی اجازت دی ایک جاڑے میں ایک گرمی میں پس سخت جاڑا جو تم پاتے ہو یہ اس کا سرد سانس... گرمی جو پڑتی ہے یہ اس کے گرم سانس کا اثر ہے اور حدیث میں ہے کہ جب گرمی شدت کی پڑے تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو...

کی سختی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے



سورۂ تکاثر مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

أَلْهٰكُمُ شَغَلَكُمْ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ التَّكَاثُرُ ۝ التَّفَاخُرُ بِالْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَالرِّجَالِ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ بِأَنْ مُتُّمْ فَدُفِنْتُمْ فِيْهَا أَوْ عَدَدْتُمُ الْمَوْتٰى تَكَاثُرًا كَلَّا رَدْعٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ سُوْءَ عَاقِبَةِ تَفَاخُرِكُمْ عِنْدَ النَّزْعِ ثُمَّ فِي الْقَبْرِ كَلَّا حَقًّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ أَيْ عِلْمًا يَقِيْنًا عَاقِبَةَ التَّفَاخُرِ مَا اشْتَغَلْتُمْ بِهٖ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ النَّارَ جَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ وَحُذِفَ مِنْهُ لَامُ الْفِعْلِ وَعَيْنُهٗ وَأُلْقِيَ حَرَكَتُهَا عَلَى الرَّاءِ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا تَاكِيْدٌ عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ مَصْدَرٌ لِأَنَّ رَأٰى وَعَايَنَ بِمَعْنًى وَاحِدٍ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّوْنَاتِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ الْجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ رُؤْيَتِهَا عَنِ النَّعِيْمِ ۝ مَا يُلْتَذُّ بِهٖ فِي الدُّنْيَا مِنَ الصِّحَّةِ وَالْفَرَاغِ وَالْأَمْنِ وَالْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

ترجمہ: تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے (اللہ کی فرمانبرداری سے ہٹا رکھا ہے) ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے (مال و اولاد اور جتھہ کے گھمنڈ نے) یہاں تک کہ تم نے لب گور تک پہنچ جاتے ہو (مر کر زمین میں دفن ہو جاتے ہو یا فخر کرنے کی وجہ سے تم مردوں میں شمار ہونے لگو) ہرگز نہیں (ڈانٹ ہے) عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ پھر ہرگز نہیں تمہیں پتہ چل جائے گا (اپنے گھمنڈ کا انجام۔ جان کنی کے وقت پھر قبر میں جا کر) ہرگز نہیں (بالیقین) اگر تم یقینی طور پر جان لیتے (یعنی گھمنڈ کے انجام کو یقین سے جان لیتے تو ہرگز اس میں مشغول نہ ہوتے) واللہ تم ضرور دوزخ دیکھ کر رہو گے (یہ جواب ہے قسم محذوف کا۔ لترون میں لام اور عین حذف کر کے اس کی حرکت واؤ کو دے دی گئی ہے) پھر واللہ تم ضرور اس کو ضرور دیکھو

گے (یہ تاکید ہے) بالکل یقین کے ساتھ (یہ مصدر ہے کیونکہ رای اور عاین دونوں لفظ ہم معنی ہیں) پھر تم لوگوں سے ضرور باز پرس ہوگی (اس میں تین نون جمع ہوجانے کی وجہ سے نون رفع کو حذف کردیا گیا ہے اور دو ساکن اکٹھا ہوجانے کی وجہ سے ضمیر جمع کو حذف کردیا گیا ہے) اس روز (دوزخ نظر آنے پر) نعمتوں کے متعلق (دنیا میں جن چیزوں سے تم لذت اندوز رہے یعنی تندرستی فارغ البالی، امن وامان، کھانا پینا وغیرہ)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: سورۃ التکاثر: اس کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ احوال قیامت ذکر کر کے اب دنیا میں مستغرق لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے فرمایا: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۔

قوله: عَدَدْتُمُ الْمَوْتٰی: اس کا متم پر عطف ہے اس سے دوسری تفسیر کی طرف اشارہ کیا کہ جب تم زندہ لوگوں کو گن چکے تو تم مردوں کے تذکرہ کی طرف منتقل ہوئے اور ان کے ذریعہ اظہار کثرت کرنے لگے۔ تو مردوں کے تذکرہ کی طرف انتقال کو زیارت قبور سے تعبیر فرمایا جیسا مروی ہے کہ بنوسہم اور بنوعبد مناف نے افراد کی کثرت میں مقابلہ کیا۔ جب بنوعبد مناف کے زندہ قبائل بڑھ گئے تو بنوسہم کہنے لگے زمانہ جاہلیت میں ہمارے کثیر آدمی قتل ہوئے اب زندہ مردہ کا شمار کرنے سے بنوسہم بڑھ گئے تو یہ سورۃ اتری۔ (کشف)

قوله: لَتَرَوُنَّ: یہ لترودن تھا۔ لام وعین فعل حذف کردیا واؤ پر ضمہ آگیا ورنہ فعل کی صورت میں مختل ہوجائے گی۔ (کرخی)

قوله: ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ: ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ ابوبکرؓ وعمرؓ سمیت ابوالھیثم کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی اور گوشت روٹی استعمال فرمائی پھر فرمایا: ان جیسی نعمتوں کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ بندے سے تین چیزوں کے علاوہ ہر چیز کا سوال ہوگا۔ وہ کپڑا جس سے ستر ڈھانپا۔ ۲۔ وہ ٹکڑا جس سے بھوک کا ازالہ کیا۔ ۳۔ وہ کوٹھا جس کے ذریعہ گرمی وسردی سے بچا۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ امتنان کا سوال ہے نہ کہ تبکیت کا۔

(کشف)

قوله: وَغَيْرِ ذٰلِكَ: جیسا اس میں درختوں اور خیموں، مکانات کے سایے وغیرہ آتے ہیں۔

۱۔ اس سورت میں اعمال صالحہ اور آخرت کی تیاری ترک کرنے والوں کو ڈرایا اور لوگوں کو توبیخ کی جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کو مرتے دم تک چھوڑ کر فخر ومباہات میں مصروف ہیں۔ اس توبیخ میں ہر قسم کا تفاخر شامل ہے۔ خواہ وہ اموال پر ہو یا اولاد پر، قبیلہ، خاندان، جاہ وجلال، کثرت رجال واعوان پر ہو اسی طرح علوم واخلاق پر فخر ہو یا بدن، صحت وجمال پر خواہ وہ امور خارجیہ جاہ مرتبہ، اقرباء اصدقاء پر تفاخر ہو سب شامل ہیں۔

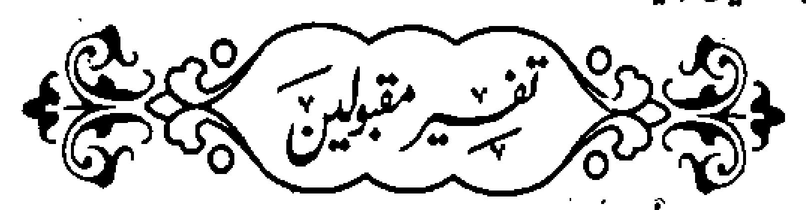
۲۔ قرآن مجید میں صرف اسی سورت میں مقابر کا تذکرہ آیا ہے۔ سخت دل کا بہترین علاج زیارت قبور ہے جو آخرت وموت کی یاد کے لیے ہو۔ یہ امیدوں کو کوتاہ کرتی اور دنیا میں زہد پیدا کرتی ہے۔

۳۔ اس سورت میں عذاب قبر و آخرت کو وعید، تاکید و تغلیظ سے ثابت کیا گیا ہے اور متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر عمل صالح کی طرف متوجہ نہ ہوگے تو شرمندہ ہوگے اور عذاب سے ہمکنار ہوگے۔

۴۔ قیامت کے روز دنیا کی رنگارنگ نعمتوں جیسے مساکن و اشجار کے سایہ، خوشحال زندگی، صحت و فراغت امن و دستر وغیرہ۔ سوال تو سب سے ہوگا مگر کفار سے توبیخ کے لیے ہوگا کیونکہ اس نے شکر کو ترک کر دیا اور مومن سے سوال تشریف کے لیے ہوگا اور یہ سوال بھی موقف حساب میں ہوگا۔

۵۔ اس سورت میں وعید کی ایک انوکھی قسم ذکر کی کہ وعید لترون الجحیم ذکر کر دی اور قسم کو حذف کر دیا۔

۶۔ بعث و جزاء کی قطعیت کو بیان فرمایا۔



تفسیر مقبولین

سورۃ تکاثر کی سورت ہے، جمہور مفسرین کا یہی قول ہے، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ یہ فرمایا کیوں نہیں تم لوگ ہر دن میں ہزار آیتیں پڑھ لیتے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر روز کوئی شخص ہزار آیتیں کس طرح پڑھ سکے گا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ نہیں پڑھ سکتے۔

اس سورت کا موضوع انسان کی اس خصلت پر تنبیہ ہے کہ وہ مال و اولاد ہی کی فکر میں اپنی ساری زندگی برباد کر دیتا ہے اس کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ آخرت کے لیے کچھ تیاری کرے اور اس کا یہ انہماک مادی زندگی اور مال و دولت جمع کرنے میں مسلسل باقی رہتا ہے، اور مرنے کے وقت تک وہ اسی میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ دنیا سے گذر جاتا ہے اور قبر کے مراحل سے اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کے بعد آدمی کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ پچھتاتا ہے کہ میں نے اپنی عمر برباد کر ڈالی۔

سورت کے اختتام اس وعید و تنبیہ پر کیا گیا کہ انسان کو دنیا میں جو نعمتیں اور راحتیں دی گئی ہیں، ان کا ایک حق ہے اور یقیناً اس بارہ میں اس سے باز پرس ہوگی کہ اس نے حق نعمت کیا اور کس طرح ادا کیا۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝

لفظ تکاثر کثرت سے تفاعل کا مصدر ہے۔ یہ باب دونوں طرف سے مقابلہ کرنے کے معنی میں آتا ہے جیسے تقاتل دونوں نے آپس میں مل کر قتال کیا اور تقابل دونوں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے آئے، یہاں پر مال کی کثرت میں مقابلہ کرنے کا تذکرہ ہے۔ اہل دنیا کا طریقہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کے لیے کوششیں کرتے ہیں اور جس کے پاس زیادہ مال ہو جائے وہ اس پر فخر کرتا ہے پھر دوسرا شخص اس کے مقابلے میں اپنے مال کی کثرت بیان کرتا ہے اور اگر بیان نہ کرے تو ذہنی مقابلہ تو رہتا ہی ہے اس کو سورۃ الحدید میں یوں بیان فرمایا ہے: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (جان لو کہ دنیا والی زندگی لعب اور لہو ہے اور سجاوٹ ہے اور ایک دوسرے کے مقابلہ

میں فخر کرتا ہے اور اموال واولاد میں آپس میں اپنے کو دوسرے سے بڑھ کر بتاتا ہے)۔

مال کی طلب اور کثرت مال کی مقابلہ بازی لوگوں کو اللہ کی رضا کے کاموں کی طرف سے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے فکر مند ہونے سے غافل رکھتی ہے اسی طرح دنیا گزارتے ہوئے مر کر قبروں میں پہنچ جاتے ہیں غفلت کی زندگی گزاری تھی وہاں کے لیے کچھ کام نہ کیا تھا۔ جب وہاں کے حالات سے دوچار ہوتے ہیں تو یہ چھوڑا ہوا مال کچھ بھی فائدہ مند نہیں ہوتا اس غفلت کی زندگی کو بیان کرتے ہوئے انسانوں کی عمومی حالت بیان کی اور فرمایا: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ (تم کو مال کی کثرت کی مقابلہ بازی نے غافل رکھا یہاں تک کہ تم قبروں میں چلے گئے)۔

معالم التنزیل صفحہ (۵۲۰ ص ج ٤) میں اس موقع پر عرب کی مقابلہ بازی کا ایک قصہ بھی لکھا ہے اور وہ یہ کہ بنی عبد مناف بن قصی اور بنی سہم بن عمرو میں وہی دنیاداری والا تفاخر چلتا رہتا تھا۔ ایک دن آپس میں اپنے افراد کی تعداد میں مقابلہ ہوا دیکھو کن کے سرداروں اور اشراف کی تعداد زیادہ ہے، ہر فریق نے اپنی اپنی کثرت کا دعویٰ کیا جب شمار کیا تو بنو عبد مناف تعداد میں زیادہ نکلے، بنی سہم نے کہا کہ ہمارے مردوں کو بھی تو شمار کرو وہ بھی ہم ہی میں سے تھے، ان کے بعد قبروں کو شمار کیا تو بقدر تین گھروں کی آبادی کے بنو سہم کے چند افراد گنتی میں بڑھ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ نازل فرمائی۔ تفسیر ابن کثیر میں بھی اسی طرح مقابلہ بازی کے بعض قصے ذکر کیے ہیں اور انصار کے مقابلہ کے ذیل میں بنی حارثہ اور بنو الحارث کا نام ذکر کیا ہے۔ سبب نزول کے بارے میں جو باتیں نقل کی گئی ہیں کوئی بھی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں اور نہ کسی صحابی کی طرف ان واقعات کے تذکرہ کو منسوب کیا اور آیت شریفہ کی تفسیر اور توضیح ان واقعات کے جاننے پر موقوف بھی نہیں ہے۔ آیت شریفہ کا جو مفہوم ذہن میں متبادر ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ تم تفاخر و تکاثر میں ایسے لگے کہ قبروں میں پہنچ گئے اس کے بعد تین مرتبہ لفظ كَلَّا لاکر متنبہ فرمایا، یہ لفظ جھڑکنے، ڈانٹنے اور تنبیہ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا ترجمہ ''ہرگز نہیں'' کیا گیا ہے۔ فرمایا: كَلَّا (ہرگز ایسی بات نہیں ہے کہ مالوں کا جمع کرنا اور ان کی کثرت پر مقابلہ کرنا تمہارے لیے مفید ہوگا) دنیا میں تو ہمیشہ نہیں رہنا مرنا بھی تو ہے۔ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ (عنقریب ہی تم جان لوگے) مکرر فرمایا ثُمَّ كَلَّا (پھر اس بات کو خوب سمجھ لو کہ عنقریب جان لو گے) تیسری بار پھر تاکیداً فرمایا: كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ جواب شرط محذوف ہے اور مطلب یوں ہے: (لشغلكم ذلك عن التكاثر) یعنی اگر تم پوری صورت حال خوب یقین والے علم کے ساتھ جان لیتے تو یہ جو تم نے زندگی کا طریقہ بنا رکھا ہے کہ اموال جمع کرتے ہو اور اس کی کثرت پر مقابلہ کرتے ہو اس شغل میں نہ لگتے عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ میں موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف ہے اور بمعنی العلم الیقین ہے کیونکہ کبھی کبھی علم کا اطلاق غیر یقین کے لیے بھی آجاتا ہے اس کے لیے یہ لفظ لایا گیا جو لَوْ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول مطلق یا مفعول بہ ہے۔

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝

صاحب روح المعانی نے یہاں طویل مضمون لکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ نعمتوں کا سوال کس سے ہوگا اور کب ہوگا؟ چونکہ یہ آیت بھی ماسبق پر معطوف ہے اور اس میں بھی جمع مذکر حاضر کا صیغہ لایا گیا ہے اس لیے سیاق کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب بھی انہی لوگوں سے ہوگا جو دوزخ کو دیکھیں گے اور دوزخ میں داخل ہوں گے اور یہ سوال بطور سرزنش اور ڈانٹ کے ہوگا

کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کس کام میں لگایا؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا تھا اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں لگانے کی بجائے دنیا میں منہمک رہے، اللہ کی یاد سے اور آخرت سے غافل ہو گئے۔

قال صاحب الروح قد روی عن ابن عباس انه صرح بان الخطاب فی لترون الجحیم للمشرکین وحملوا الرؤیة علی رؤیة الدخول وحملوا السوال هنا علی سوال التقریع والتوبیخ لما انهم لم یشکروا ذلك بالایمان به عزوجل۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا گویا کہ وہ بھیڑ کا بچہ ہے (یعنی ذلت کی حالت میں لایا جائے گا) اور اسے اللہ تعالیٰ شانہ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا اللہ شانہ کا سوال ہوگا کہ میں نے تجھے نعمتیں دی تھیں اور تجھ پر انعام کیا تھا سو تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں نے مال جمع کیا اور خوب بڑھایا اور اس سے زیادہ چھوڑ کر آیا جو پہلے تھا سو مجھے واپس لوٹا دیجئے میں سارا مال آپ کے پاس لے آتا ہوں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تو مجھے وہ دکھا جو تو نے پہلے بھیجا تھا، ابن آدم پھر وہی بات کہے گا کہ میں نے مال جمع کیا خوب بڑھایا اور اس سے خوب زیادہ چھوڑ کر آیا جتنا پہلے تھا آپ مجھے واپس لوٹا دیجئے سارا مال لے کر آپ کے پاس واپس آ جاتا ہوں (نتیجہ یہ ہوگا) اس شخص نے ذرا سی خیر بھی آگے نہ بھیجی ہوگی، لہٰذا اسے دوزخ کی طرف روانہ کر دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۴۳)

گو بظاہر متبادر یہی ہے کہ یہ خطاب ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ بھی انہی لوگوں کو ہے جو شروع سورت سے مخاطب ہیں لیکن عمومی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سوال ہوگا، متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن انسان کے قدم (حساب کی جگہ سے) نہیں ہٹیں گے، جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے۔ (۱) عمر کو کہاں فنا کیا۔ (۲) جوانی کو کن کاموں میں ضائع کیا۔ (۳) مال کہاں سے کمایا۔ (۴) اور کہاں خرچ کیا۔ (۵) علم پر کیا عمل کیا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ سے نعمتوں کے بارے میں جو سب سے پہلا سوال کیا جائے گا، وہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ فرمائیں گے کیا ہم نے تیرے جسم کو تندرست نہیں رکھا تھا، کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا؟ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ التکاثر)

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا دھیان رکھتے تھے اور اپنے صحابہ کرامؓ کو بھی اس طرف متوجہ فرماتے تھے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کو ہمراہ لے کر ایک انصاری صحابی کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے کھجوروں کا خوشہ پیش کیا جن میں تین قسم کی کھجوریں تھیں، تر کھجوریں بھی اور خشک بھی اور کچی پکی کے درمیان بھی۔ صاحب خانہ انصاری نے ایک بکری بھی ذبح کی آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کھجوریں کھائیں اور کھانا کھایا اور پانی پیا جب سیر ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قیامت کے دن اس نعمت کے بارے میں تم سے ضرور سوال کیا جائے گا (کہ نعمت کا کیا حق ادا کیا اور اس سے جو قوت حاصل ہوئی اس کو کس کام میں لگایا شکر ادا کیا یا نہیں؟) تم کو بھوک نے گھروں سے نکالا، ابھی تم واپس نہیں لوٹے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں

یہ نعمت عطا فرمادی۔ (رواہ مسلم)

ایک حدیث میں اسی طرح کا قصہ مروی ہے کہ آپ اپنے دونوں ساتھیوں یعنی حضرت ابوبکر و عمرؓ کے ساتھ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے، انہوں نے کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کیا آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اس میں سے کھایا پھر ٹھنڈا پانی طلب فرمایا پانی پی کر آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تم سے اس نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کھجوروں کا خوشہ ہاتھ میں لے کر زمین پر مارا جس سے کھجوریں بکھر گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا قیامت کے دن ہم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں ہر نعمت کے بارے میں سوال ہوگا۔ سوائے تین چیزوں کے (۱) اتنا چھوٹا سا کپڑے کا ٹکڑا جس سے آدمی اپنی شرم کی جگہ کو لپیٹ لے۔ (۲) (روٹی کا) ٹکڑا جس سے اپنی بھوک کو دفع کر دے۔ (۳) اتنا چھوٹا سا گھر جس میں گرمی اور سردی سے بچنے کے لیے بتکلف داخل ہو سکے۔

(مشکوۃ المصابیح صفحہ ۳۶۹، از احمد و بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لیے تین چیزوں کے سوا کسی چیز میں حق نہیں ہے (وہ تین چیزیں یہ ہیں) (۱) رہنے کا گھر۔ (۲) اتنا کپڑا جس سے اپنی شرم کی جگہ چھپا لے۔ (۳) روکھی روٹی بغیر سالن کے اور اس کے ساتھ پانی۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزھد)

حضرت عبداللہ بن شخیر نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ پڑھ رہے تھے اور یوں فرما رہے تھے کہ انسان کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال (انسان تو سمجھ لے کہ تیرا کون سا مال ہے؟) تیرا مال بس وہ ہے جو تو نے کھا لیا اور فنا کر دیا یا وہ ہے جو تو نے پہن لیا اور بوسیدہ کر دیا۔ یا وہ ہے جو صدقہ دے دیا اور پہلے سے آگے بھیج دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ ان تینوں اموال کے علاوہ جو کچھ ہے اسے لوگوں کے لیے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۴۰)

سنن ترمذی میں ہے کہ جب آیت کریمہ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝ نازل ہوئی تو حضرت زبیرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم سے کون سی نعمت کا سوال ہوگا ہم تو کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے ہیں، آپ نے فرمایا عنقریب نعمتیں مل جائیں گے۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز انسان کے تین دفتر ہوں گے۔ ایک دفتر میں اس کے نیک عمل لکھے ہوں گے دوسرے دفتر میں اس کے گناہ درج ہوں گے، اور ایک دفتر میں اللہ کی وہ نعمتیں درج ہوں گی جو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں دی گئی تھیں۔ اللہ عزوجل سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائیں گے کہ اپنی قیمت اس کے نیک اعمال میں سے لے لے۔ چنانچہ وہ نعمت اس کے تمام اعمال کو اپنی قیمت لگا لے گی اور اس کے بعد عرض کرے گی کہ (اے رب!) آپ کی عزت کی قسم (ابھی) میں نے پوری قیمت وصول نہیں کی ہے، اب اس کے بعد گناہ باقی رہے اور نعمتیں بھی باقی رہیں (جن کی قیمت ادا نہیں ہوئی ہے) رہے نیک عمل سو وہ سب ختم ہو چکے ہوں گے، کیونکہ سب سے چھوٹی نعمت اپنی قیمت میں تمام نیک اعمال کو لگا چکی ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر رحم کرنا چاہیں گے (یعنی مغفرت فرما کر جنت عطا فرمانا چاہیں گے) تو فرمائیں گے کہ اے میرے بندے میں نے تیری نیکیوں میں اضافہ کر دیا اور تیرے گناہوں سے درگزر کیا۔ راوی کہتے ہیں

غالباً آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر خدائے پاک کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میں نے تجھے اپنی نعمتیں (یوں ہی بغیر عوض کے) بخش دیں۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۳۹۷ ج ۴)

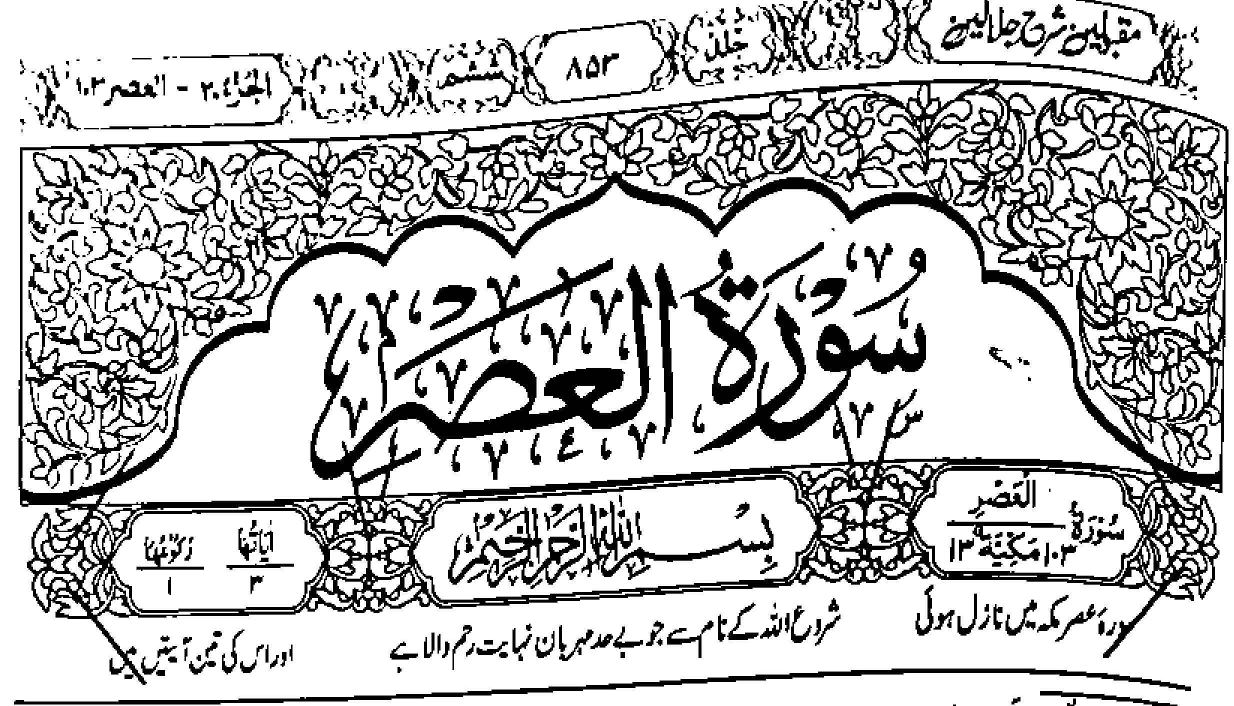
اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی عنایت فرمایا ہے بغیر کسی استحقاق کے دیا ہے۔ اس کو یہ حق ہے کہ اپنی نعمت کے بارے میں سوال کرے اور مواخذہ کرے کہ تم میری نعمتوں میں رہے ہو، بولو ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اور میری عبادت میں کس قدر لگے؟ اور ان نعمتوں کے استعمال کے عوض کیا لے کر آئے؟

یہ سوال بڑا کٹھن ہوگا، مبارک ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکریہ میں عمل صالح کرتے رہتے ہیں اور آخرت کی پوچھ سے لرزتے اور کانپتے ہیں، برخلاف ان کے وہ بدنصیب ہیں جو اللہ کی نعمتوں میں پلتے بڑھتے ہیں اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو ذرا دھیان نہیں اور اس کے سامنے جھکنے کا ذرا خیال نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا پھر ساتھ ہی یوں فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (اور اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے، بلاشبہ انسان بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے)۔

بلاشبہ یہ انسان کی بڑی نادانی ہے کہ مخلوق کے ذرا سے احسان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے اور جس سے کچھ ملتا ہے اس سے دبتا ہے اور اس کے سامنے باادب کھڑا ہوتا ہے حالانکہ یہ دینے والے مفت نہیں دیتے بلکہ کسی کام کے عوض یا آئندہ کوئی کام لینے کی امید میں دیتے دلاتے ہیں خداوند کریم خالق و مالک ہے، غنی و مغنی ہے وہ بغیر کسی عوض کے عنایت فرماتا ہے لیکن اس کے احکام پر چلنے اور سربسجود ہونے سے انسان گریز کرتا ہے، یہ بڑی بدبختی ہے، اللہ کی نعمتوں کو کوئی کہاں تک شمار کرے گا جو نعمت ہے ہر ایک کا محتاج ہے ایک بدن کی سلامتی اور تندرستی ہی کو لے لیجئے، کیسی بڑی نعمت ہے جب پیاس لگتی ہے تو غٹا غٹ ٹھنڈا پانی پی جاتے ہیں، یہ پانی کس نے پیدا کیا ہے؟ اس پیدا کرنے والے کے اُحکام پر چلنے اور شکر گزار بندہ بننے کی بھی فکر ہے یا نہیں؟ یہ غور کرنے کی بات ہے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ روزانہ ایک ہزار آیت پڑھ لو، صحابہ نے عرض کیا روزانہ ایک ہزار آیت پڑھنے کی کسے طاقت ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ لو (اس کے پڑھنے سے ہزار آیت پڑھنے کا ثواب ملے گا)۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۶ از شعب الایمان)



وَالْعَصْرِ ۝۱ اَلدَّهْرِ اَوْمَا بَعْدَ الزَّوَالِ اِلَى الْغُرُوْبِ اَوْصَلَاةُ الْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ اَلْجِنْسَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ فِيْ تِجَارَتِهٖ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَيْسُوْا فِيْ خُسْرَانٍ وَتَوَاصَوْا اَوْصٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِالْحَقِّ ۙ اَيِ الْاِيْمَانِ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳ عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ

ع ۲۸

ترجمہ: زمانہ کی قسم (مطلق زمانہ مراد ہے یا زوال سے غروب آفتاب تک کا وقت اور یا نماز عصر) کہ انسان (مطلقا) بڑے خسارہ میں ہے (اپنے کاروبار کے لحاظ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے (وہ ٹوٹے میں نہیں ہیں) اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے (آپس میں نصیحت جاری رکھیں) حق (ایمان) کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے (کہ طاعت پر جے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

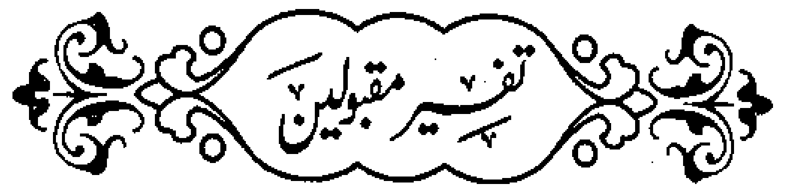
قوله :اَلدَّهْرِ : ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اس کی قسم اس لیے اٹھائی اس میں احوال کے الٹ پھیر سے دیکھنے والوں کے لیے عبرتیں ہیں، اور نتائج ہیں اور بنانے والے کی ذات پر دلالتیں ہیں۔ (کشف)

قوله :اَوْمَا بَعْدَ الزَّوَالِ : نقصان اٹھانے والے کے حق میں وقت عصر کی قسم اٹھائی، جیسے نفع پانے کے حق میں چاشت کی قسم اٹھائی جاتی ہے۔ گویا خسارہ پانے والے کو کہا جا رہا ہے کہ تھوڑا سا وقت باقی ہے آتو بہ سے سابقہ کا تدارک کرلے۔

قوله :اَوْصٰى بَعْضُهُمْ : اس سے اشارہ کردیا کہ تواصو فعل ماضی ہے امر نہیں۔ الوصیت: وعظ و نصیحت کی وہ بات جو کسی شخص کو عمل کے لیے پہلے کہی جائے عرب کہتے ہیں: تقدمت الیہ بکذا جب کہ تم کسی کو حاجت پیش آنے سے پہلے اس کام کے کرنے کا حکم دو۔ (کرخی)

قوله :عَلَى الطَّاعَةِ : صبر کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ اطاعت پر صبر یعنی جے رہنا۔ ۲۔ معصیت سے صبر، برائی سے بچنا۔ ۳۔

مصائب پر صبر، یعنی جذع وفزع سے باز رہنا۔
۱۔انسان خواہ دنیا کتنا مال پالے اگر آخرت کے لیے صحیح اور پاکیزہ عمل نہ کرے گا تو بہر حال خسارے میں ہے۔
۲۔زمانہ کی قسم اس لیے کہ اس کے تصرفات صانع کی قدرت وحکمت پر دلالت کرنے والے ہیں۔
۳۔ چار صفات سے متصف، انسان کے علاوہ تمام انسان خسارے میں ہیں۔ وہ نجات والی صفات یہ ہیں: ۱۔ ایمان۔ ۲۔ اعمال صالحہ۔ ۳۔ باہمی حق کی وصیت۔ ۴۔ باہمی تلقین صبر، اس سے یہ دلیل مل گئی نجات مجموعہ سے متعلق ہے۔ ایمان کے عناصر ایمان مفصل میں مذکور ہیں اور عمل صالح فرائض کی بجا آوری اور گناہوں سے پرہیز کا نام ہے اور تواصی حق یہ ہے، خود ایمان پر قائم رہے اور دوسرے کو اس پر قیام کی تلقین کرے اور تواصی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جما رہے اور گناہ سے اپنے کو بچا کر رکھے اور قضا وقدر پر راضی رہے۔
امام رازیؒ فرماتے ہیں: یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ حق بھاری ہے اور اس کے لیے مشقتیں لازم ہیں اسی وجہ سے اس کو تواصی کے ساتھ ملا کر ذکر کیا۔ کبیر: ۳۲/۹۰۔
امام شافعی فرماتے ہیں: اگر لوگ اس سورت میں غور کر لیں تو یہی ان کے لیے کافی ہو جائے۔



تفسیر مقبولین

سورۂ عصر بالاتفاق مکی سورت ہے تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہ قول ہے۔ البتہ بعض مفسرین قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارہ میں مدنیہ ہونے کا قول نقل کرتے ہیں۔

اس سورت میں زمانہ کی قسم کھا کر انسان کے خسارہ اور اس کی عاقبت کی تباہی کا بیان ہے اور بطور بنیادی اصول چار چیزوں کو معیار فرمایا گیا جو انسان کو خسران ومحرومی سے بچانے والی ہیں، (۱) ایمان۔ (۲) عمل صالح۔ (۳) تواصی بالحق۔ اور (٤) تواصی بالصبر۔

انسان کی زندگی ایک عظیم سرمایہ ہے تو اس کے خسارہ اور کامیابی کی دونوں جانبوں کو بڑی ہی وضاحت سے بیان فرمایا گیا۔
سورۂ تکاثر میں یہ بتایا گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی اسی حرص وشوق میں گذار دیتا ہے کہ مال ودولت کی کثرت ہو، عیش وعشرت کے اسباب مہیا ہو جائیں۔ اور اسی پر وہ فخر کرتا ہے، تو اب اس سورت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ انسان اپنی فطری اور طبعی کمزوری سے اپنی زندگی ہی تباہ وبرباد کرتا ہے اور اس قیمتی سرمایہ حیات سے جو نفع اٹھانا چاہئے تھا وہ نہیں اٹھاتا تو اس طرح انسان اپنی زندگی برباد کرتا ہے اور اس محرومی اور خسران سے بچنے کے یہ اصول اربعہ ہیں، ایمان وعمل صالح، تواصی بالحق، اور تواصی بالصبر، گویا اصول فلاح وسعادت کے موضوع پر یہ سورت نہایت ہی جامع سورت ہے، اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے "اگر اللہ رب العزت قرآن کریم میں اس سورت کے علاوہ اور کچھ نہ اتارتے تو تب بھی یہی ایک سورت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے کافی تھی، تو ارشاد فرمایا قسم ہے زمانہ کی جس کے انقلابات کا انسان ہمہ وقت مشاہدہ کرتا ہے عزت

وذلت امیری وفقیری، تندرستی وبیماری، راحت وتکلیف اور کامیابی وناکامی اور غمی وخوشی، غرض یہ تمام احوال اور زندگی میں واقع ہونے والے افعال خروشر سب ہی باتیں اس بات کی گواہ ہیں۔

بے شک انسان اپنی فطرت اور طبعی کمزوریوں کے باعث عمر عزیز گرانقدر سرمایہ ضائع کرڈالنے کی وجہ سے بڑے ہی خسارہ میں ہے، دنیا میں ہر خسارہ کی تلافی ممکن ہے لیکن اس خسارہ کی تلافی کا کوئی امکان نہیں، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کئے اور باہم ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو صبر وبرداشت اور پابندی اعمال پر تاکید اور ہدایت ونصیحت کرتے رہے تو بس یہ لوگ تو خسارہ سے بچیں گے اور بلاشبہ نفع اٹھاسکیں گے اپنے سرمایہ حیات سے۔

کلام اللہ میں زمانہ کی قسم کھانا انسانی حیات کوضیاع وخسران سے محفوظ رکھنے کے لیے ہے:

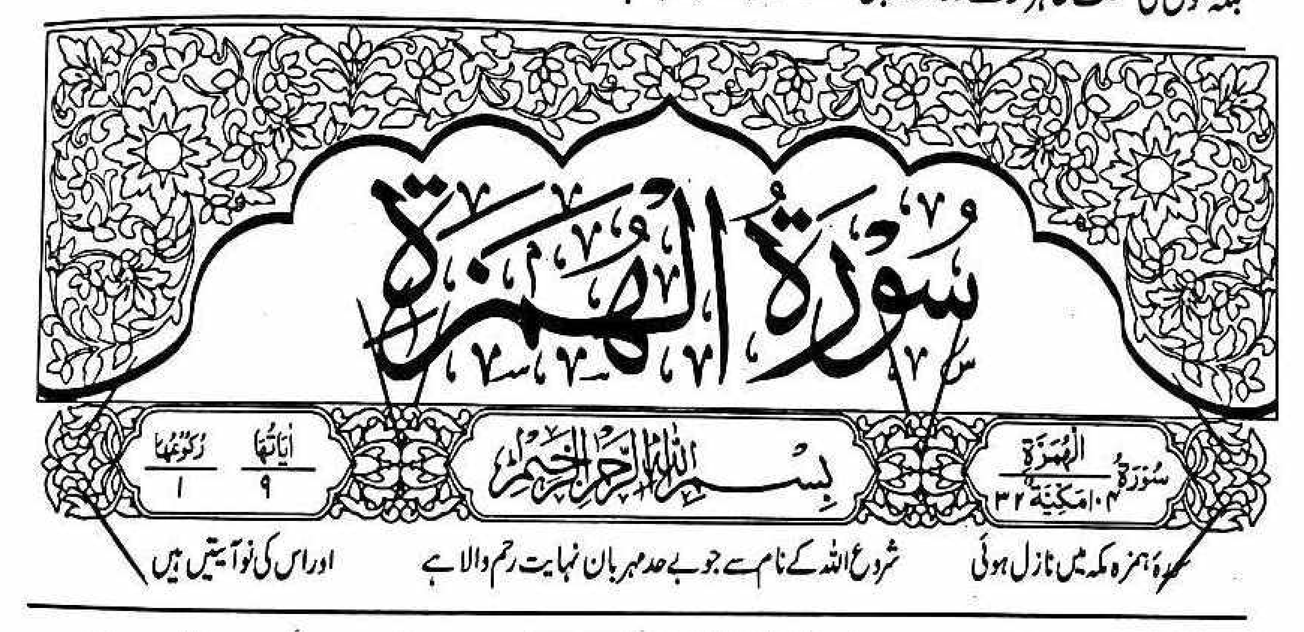
اس سورۃ مبارکہ میں حق تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر انسانی حیات کی تباہی وبربادی یا اس کے سودمند اور کار آمد ہونے کا ایک جامع ضابطہ اور مکمل ہدایت کے اصول بیان فرمائے۔

انسان کی زندگی بلاشبہ ایک قیمتی سرمایہ ہے اور ہر سرمایہ لگانے والا یہ سوچا کرتا ہے کہ اس کو لگائے ہوئے سرمایہ پر کیا نفع ملا یا اصل سرمایہ بھی ضائع وبرباد کیا، اسی حقیقت کی طرف انسانی اذہان وافکار کو متوجہ کرنے لیے قرآن کریم نے یہ آیات نازل فرمائی :یایہا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم۔ ان الفاظ سے یہ واضح کردیا گیا کہ انسان کو اپنی زندگی جو نہایت ہی گرانقدر سرمایہ ہے اس سے نفع اٹھانے کی شکل صرف یہی ہے: تؤمنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذلکم خیرلکم ان کنتم تعلمون تو اس چند روزہ عمر میں انسان اگر نفع اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے لیے دو باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے، دوسرے یہ کہ بعد الحیات ایسا سلسلہ باقی چھوڑے جو باقیات الصالحات ہوں اور حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں ورنہ عمر تو انسان کی بہت ہی مختصر ہے، کچھ حصہ تو بچپن کا گذر جاتا ہے کچھ لہو ولعب میں اور کچھ بیماریوں اور بڑھاپے میں، بس درمیان کی ایک مختصر سی مدت ہے اس میں بھی ہزاروں موانع نفس کی خواہشات کا جال فتنوں کا سیلاب طبعی غفلتیں مادی مصروفیات غرض اس مختصر سی مدت میں کتنے لمحے ایسے نصیب ہوں گے جن سے وہ ابدی نفع حاصل کرسکے گا، تو اسی امر کے پیش نظر بالعموم نوع انسان کو خسارہ اٹھانے والا فرما کر اس سے بچاؤ اور تحفظ کے یہ اصول اربعہ متعین فرمادیے گئے، ایمان عمر صالح تواصی بالحق، اور تواصی بالصبر، ایمان سے معرفت کا مقام حاصل ہوگا، عمل صالح اطاعت وفرماں برداری ہے جو تہذیب نفس کا باعث ہے، اور اس حالت میں روح کی بدن سے مفارقت موجب سعادت ہوگی، تو اس حد تک کمال اعتقاد اور صلاح عمل کا مقام تو مکمل ہوجائے گا، مگر انسانی سعادت اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ صلاح ذات یا تہذیب نفس کے ساتھ اصلاح کا پہلو بھی جمع ہو، اور وہ اسی میں مضمر ہے کہ حق اور صداقت کا پھیلایا جائے اس پر دوسروں کو آمادہ کیا جائے تاکہ یہ سلسلہ حسنات باقیہ کا جاری ہو، اور ظاہر ہے کہ اصلاح معاشرہ کیلئے حق وصداقت پر دوسروں کو آمادہ کرنا بنیادی امر ہے اسی کے ساتھ تواصی بالصبر بھی لازم ہے کہ احکام الٰہیہ اور مکارم اخلاق کی پابندی اور اس کے مطابق زندگی بنانے کے لیے صبر واستقامت کی تلقین راہ حق میں شدائد ومصائب کے تحمل کے لیے ہمت دلانا، اپنی ذات اور کردار کو باکمال بنانے کے بعد دوسروں کو بھی باکمال بنانے اور فوز وفلاح کے بلند ترین مقام تک پہنچانے کا ذریعہ ہوگا اور ادنیٰ تامل سے

یہ بات ظاہر ہو جائے گی، زندگی کی خوبی اور زمانہ کی خیر و برکت اسی میں مضمر ہے اور اگر انسانی حیات کمال کے ان دونوں پہلوؤں سے خالی ہو تو پھر دنیا آلام و مصائب اور آفات و فتن کا گہوارہ ہوگی، اور تاریخ عالم اس امر پر گواہ ہے کہ عالم میں ہر تباہی اور بربادی ایمان و عمل صالح کے فقدان اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے ختم ہو جانے سے بھی مرتب ہوتی رہی ہے یعنی انسانوں میں جب نہ خود کوئی کمال رہے اور نہ دوسروں کی خیر کی دعوت ہو تو پھر سوائے خسران اور تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور چونکہ یہ حقائق زمانہ کی تاریخ ہیں، اس وجہ سے زمانہ کی قسم کھا کر اس مضمون کو ارشاد فرمایا گیا۔

بعض مفسرین نے عصر سے وقت عصر مراد لیا ہے کسی نے نماز عصر لیکن جمہور کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

فائدہ: قرآن کریم میں بہت سی چیزوں کی قسمیں حق تعالیٰ شانہ نے کھائی ہیں، کہیں رات کی، دن کی، چاند سورج کی، زمین و آسمان کی شہر مکہ کی، کہیں تین اور زیتون کی اس موضوع کو پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ ان قسموں سے غرض ان مخلوقات کی عظمت کو مخاطبین کے ذہنوں میں قائم کر کے اصل مدعیٰ کو واضح اور ثابت کرنا ہوتا ہے اور اس میں غیر اللہ کی قسم کی اشکال بھی درست نہیں کیونکہ غیر اللہ کی قسم مخلوق کی طرف سے تو شکر کا شائبہ رکھتی ہے، خالق کا خود اپنی مخلوق کی قسم کھانا شرک نہیں بلکہ مخلوق کی عظمت ظاہر کر کے خدا خود اپنی عظمت کو ثابت فرما رہا ہے۔



سورۂ ہمزہ مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی نو آیتیں ہیں

وَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ اَوْ وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ اَىْ كَثِيْرِ الْهَمْزِ وَاللَّمْزِ اَىِ الْغِيْبَةِ نَزَلَتْ فِىْ مَنْ كَانَ يَغْتَابُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ كَاُمَيَّةَ بْنِ خَلْفٍ وَالْوَلِيْدُ بْنُ مُغِيْرَةَ وَغَيْرِهِمَا ۔ الَّذِىْ جَمَعَ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مَالًا وَّ عَدَّدَهُ ۝ اَحْصَاهُ وَجَعَلَهُ عُدَّةً لِحَوَادِثِ الدَّهْرِ يَحْسَبُ لِجَهْلِهِ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ جَعَلَهُ خَالِدًا لَا يَمُوْتُ كَلَّا رَدْعٌ لَيُنْۢبَذَنَّ جَوَابُ قَسَمٍ مَحْذُوْفٍ اَىْ لَيُطْرَحَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۝ الَّتِىْ تَحْطِمُ كُلَّ مَا اُلْقِىَ فِيْهَا وَمَآ اَدْرٰكَ اَعْلَمَكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الْمُسْعَرَةُ الَّتِىْ تَطَّلِعُ تُشْرِفُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ الْقُلُوْبِ فَتُحْرِقُهَا وَاَلَمُهَا اَشَدُّ مِنْ اَلَمِ

غَيْرِ هَا لِلُطْفِهَا اِنَّهَا عَلَيْهِمْ جَمْعُ الضَّمِيْرِ رِعَايَةً لِمَعْنٰى كُلِّ مُّؤْصَدَةٌ ۝ بِالْهَمْزَةِ وَبِالْوَاوِ بَدَلَهُ مُطْبَقَةٌ فِيْ عَمَدٍ بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ وَبِفَتْحِهِمَا مُّمَدَّدَةٍ ۝ صِفَةٌ لِمَا قَبْلَهُ فَتَكُوْنُ النَّارُ دَاخِلَةَ الْعَمَدِ

ع ۲۹

ترجمہ: بڑی تباہی ہے (کلمۂ عذاب ہے یا دوزخ کے کسی میدان کا نام ہے) ہر اس شخص کے لیے جو پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے والا اور منہ در منہ لوگوں پر طعن کرنے والا ہو (یعنی بہت زیادہ عیب جوئی اور نکتہ چینی یعنی غیبت کرنے والا ہو یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور ﷺ اور مسلمانوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ جیسے امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہ) جس نے جمع کیا (اس کی قراءت تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے) مال اور اسے گن گن کر رکھا (شمار کیا اور ضرورت کے وقت کام آنے کے لیے محفوظ رکھ چھوڑا) وہ (اپنی حماقت سے) سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا (مال اسے سدا رہنے والا بنا دے گا۔ اور وہ مرے گا نہیں) ہرگز (ڈانٹ ہے) وہ پھینک دیا جائے گا (قسم محذوف کا جواب ہے۔ ای لیطرحن) چکنا چور کر دینے والی جگہ میں (ایسی جگہ جہاں جو چیز گرے۔ وہ ٹوٹ پھوٹ جائے) اور آپ کو کچھ پتہ (علم) ہے کہ توڑ پھوڑ کر دینے والی کیا چیز ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو خوب بھڑکائی گئی (دہکتی ہوئی) ہے جو دلوں تک جا پہنچے (سلگ جائے) گی (دلوں کو بھسم کر ڈالے گی۔ دل چونکہ نرم و نازک چیز ہے اس لیے اس میں تکلیف کا احساس سب اعضاء سے زیادہ ہوا کرتا ہے) وہ ان پر (ضمیر جمع لفظ کل کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے ہے)......... ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بدلہ واؤ کے ساتھ بمعنی مطبقۃ) ستونوں میں (دونوں حرفوں کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے) جو اونچے اونچے ہیں...... (یہ پہلے کی صفت ہے چنانچہ وہ آگ ستونوں کے اندر ہوگی)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله : كَلِمَةُ عَذَابٍ : یہ ایسا کلمہ ہے جس سے ہلاکت طلب کی جاتی اور بد دعا کی جاتی ہے۔ اس کے مطابق معنی یہ ہو گا: اے اللہ! ہلاکت کو اور اتار ہر ایسے شخص پر جو ھمز و لمز کرنے والا ہو۔ اس صورت میں یہ جملہ انشائیہ ہے۔ ۲۔ ویل جہنم کی وادی کا نام مانا جائے تو جملہ خبریہ بن جائے گا۔ یعنی ہمز و لمز کرنے والے کے لیے ویل ثابت ہے۔ اب ویل: یہ علم معرفہ اور عدل ہوگا۔

قوله : وَاللَّمْزِ : ابو العالیہؒ اور حسنؒ فرماتے ہیں: ھمز: آدمی کے منہ پر طعنہ زنی اور لمز پیٹھ پیچھے غیبت کرنا۔ (کشف)

قوله : اَحْصَاهُ : بار بار گننا اور فک ادغام والی قرأت اس کی مؤید ہے۔ جعل عدہ: یعنی اس کو حوادث دھر کے لیے تیار کر کے رکھا۔

قوله : يَحْسَبُ : گویا یہ اس سوال کا جواب ہے کہ وہ مال کو کیوں جمع کرتا اور اس کے پیچھے پڑا ہے۔

قوله : اِنَّهَا عَلَيْهِمْ : حضرت ابو ہریرہؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے اللہ تعالیٰ جہنم کی طرف آگ کے

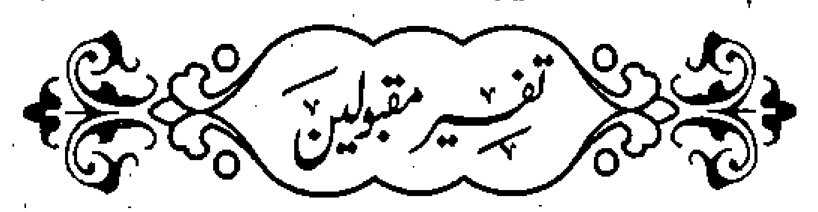
اطباق بھیجے گے فرشتے ان اطباق کو اس کے اوپر ڈال کر کیلوں سے بند کر کے اوپر ستون کھینچ دیں گے تاکہ کوئی سوراخ نہ رہے۔ جس سے کوئی راحت جا سکے اور کوئی دکھ نکل سکے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بے پروائی اختیار فرمائیں گے۔ اہل جنت اپنی نعمتوں میں مزے لے رہے ہوں گے۔ دوزخی فریاد نہ کر سکیں گے۔ ان کی کلام زفیر و شہیق ہوگی۔ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ میں اسی کو بیان فرمایا۔ (کشف)

۱۔ طعنہ زنی کرنے والا اور غیبت کرنے والا سخت رسوائی اور عذاب کا شکار بنیں گے۔

۲۔ طعنہ زنی اور غیبت کا بنیادی سبب گویا لوگوں پر اپنی برتری جتانا ہے اور مال کی کثرت اور امیدوں کی طوالت ان کو حقیر جاننے کا ذریعہ ہے۔ اور بلا ضرورت مال کو گن گن کر رکھنا یہ نفسانی تمتع اور کمینی قسم کی تزئین اور باقی رہنے والی آخرت کی سعادت سے اپنے آپ کو مشغول کرنا ہے اس لیے کہ مال سے طویل طویل امیدیں ابھرتی ہیں یہاں تک کہ شدید غفلت کی وجہ سے وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ اس کا مال اس کو بقاء بخشنے والا ہے۔

۳۔ ان تمام نکمے خیالات کی قرآن نے تردید فرمائی ہے۔ نہ تو مال مرتبے کو بلند کرتا ہے اور نہ دوسروں پر طعن کا متقاضی ہے اور نہ مال کو ہمیشگی ہے اور نہ صاحب مال کو بلکہ علم و عمل باقی رہنے والے ہیں جیسا فرمایا: والباقیات الصالحات خیر عند ربك ..... حضرت علیؓ نے فرمایا: مال کو جمع کرنے والے مر گئے اور علماء ابدا الدھر تک باقی ہیں۔

۴۔ ھمز لمز کا انجام ہر چیز کو مٹا ڈالنے والی اور نہ بجھنے والی آگ جو جسم سے دل تک سرایت کر جانے والی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگ جہنمیوں کو کھاتے کھاتے دلوں تک پہنچے گی پھر جب جسم درست کر دیے جائیں پھر شروع میں لوٹ کر کھانا شروع کرے گی اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا: نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ ..... پھر اہل جہنم کو بڑے بڑے ستونوں سے جکڑ کر جہنم کے دروازوں کو بند کر دیا جائے گا۔



سورۃ الھمزہ بھی مکی سورت ہے اور اکثر ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں خاص طور پر ان امور و خصائل کی مذمت کی گئی ہے جو انسانی اقدار کو تباہ کرنے والے ہیں، طعن و تشنیع، عیب جوئی بدترین خصلت ہے جو ایمان کے ساتھ جمع ہونے کے قابل نہیں، مومن کی شان سے اس قسم کی باتیں بعید ہیں، ان مذموم اور ناپاک خصلتوں کا کفر و شرک کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے مگر انسان کو آگاہ ہونا چاہئے کہ کفر و نافرمانی کا کیسا بدترین انجام ہے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ جس کے تصور سے ہی انسان کانپ جائے ظاہر ہے کہ جب اس جہنم میں مجرمین کو ڈالا جائے گا تو کیا حال ہوگا تو اس مضمون میں نار جہنم کی عظمت و ہیبت کو بیان کیا گیا۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝

اس میں هُمَزَةٍ اور لُّمَزَةٍ ۝ کی ہلاکت بتائی ہے یہ دونوں فُعَلَة کے وزن پر ہیں۔ پہلے لفظ کے حروف اصلی ھ م ز، اور

دوسرے کلمہ کے حروف اصلی ل،م،ز ہیں۔ یہ دونوں کلمے عیب نکالنے اور عیب دار بتانے پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی وارد ہوئے ہیں اور سورۃ القلم میں ہے: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ، هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ اور سورۃ توبہ میں فرمایا: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ اور سورۃ الحجرات میں فرمایا: وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

حضرات مفسرین کرام نے دونوں کلموں کی تحقیق میں بہت کچھ لکھا ہے۔ خلاصہ سب کا یہی ہے کہ دونوں کلمے عیب لگانے، غیبت کرنے، طعن کرنے، آگے پیچھے کسی کی برائی کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ زبان سے برائی بیان کرنا یا ہاتھوں سے یا سر سے یا بھوؤں کے اشارہ سے کسی کو برا بتانا ہنسی اڑانا مجموعی حیثیت سے یہ دونوں کلمے ان چیزوں پر دلالت کرتے ہیں۔

(راجع تفسیر القرطبی صفحہ ۱۸۱، صفحہ ۱۸٤ ج ۱۰)

مفسرین نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے یہ آیات اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئیں یہ لوگوں پر طعن کرتا تھا، ابن جریجؒ کا قول ہے کہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں، جو غیر موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کی غیبت کرتا تھا اور سامنے بھی آپ کی ذات گرامی کا عیب نکالتا تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ابی بن خلف کے بارے میں اور چوتھا قول یہ ہے کہ جمیل بن عامر کے بارے میں ان کا نزول ہوا۔ سبب نزول جو بھی ہو مفہوم اس کا عام ہے، جو لوگ بھی غیبت کرنے اور عیب لگانے اور بدزبانی اور اشارہ بازی کا مشغلہ رکھتے ہیں اور وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں قرآن کریم میں ان لوگوں کے لیے ویل یعنی ہلاکت بتائی ہے۔ جن لوگوں کو اپنی عمر کی قدر نہیں ہوتی وہ دوسروں کے عیب ڈھونڈنے اور عیب لگانے اور غیبت کرنے اور تہمتیں باندھنے میں اپنی زندگی برباد کرتے ہیں۔ ذکر و فکر اور عبادت میں وقت لگانے کی بجائے ان باتوں میں وقت لگاتے ہیں اور اپنی جان کو ہلاک کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ٤۱۱) حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سب سے اچھے بندے وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی کو لیے پھرتے ہیں دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں جو لوگ برائیوں سے بری ہیں انہیں مصیبت میں ڈالنے کے طلبگار رہتے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ٤۱٥)

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے صفیہ کا قد بیان کرتے ہوئے یوں کہہ دیا کہ صفیہ اتنی سی ہیں (ان کا قد چھوٹا بتادیا اور وہ بھی ازواج مطہرات میں سے ہیں) آپ نے فرمایا تو نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر وہ سمندر میں ملادیا جائے تو اسے بھی بگاڑ کے رکھ دے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ٤۱۲) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طعنے دینے والا لعنت بکنے والا اور فحش کام میں لگنے والا مومن نہیں ہے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ٤۱۳)

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝

دنیا سے محبت کرنے والے اسی کو سب کچھ سمجھنے والے جہاں دوسروں کی غیبت و بدگوئی اور عیب تراشی میں وقت گزارتے ہیں وہاں مال سے محبت کرنا بھی ان کا خاص مزاج ہوتا ہے، مال کی محبت کے مظاہرے کئی طرح سے ہوتے ہیں، اولاً مال کو جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا، جیسے: الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ میں بیان فرمایا ہے جب مال جمع کرنے کا ذہن ہوتا ہے تو نہ حلال

حرام کا خیال رہتا ہے اور نہ لوگوں کے حق مارنے کو برا سمجھا جاتا ہے اور نہ مال کمانے میں فرائض اور واجبات کے ضائع کرنے سے دکھ ہوتا ہے اور نہ نیکیاں کرنے کی توفیق ہوتی ہے ثانیاً مال جمع کرنے والے مال ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کا خیال ہوتا ہے کہ مال ہی سب کچھ ہے یہ ہمیں دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گا (موت کا یقین ہوتے ہوئے رنگ ڈھنگ ایسا ہوتا ہے جیسے مرنا نہیں ہے اور یہ مال ہمیشہ کام دیتا رہے گا)۔

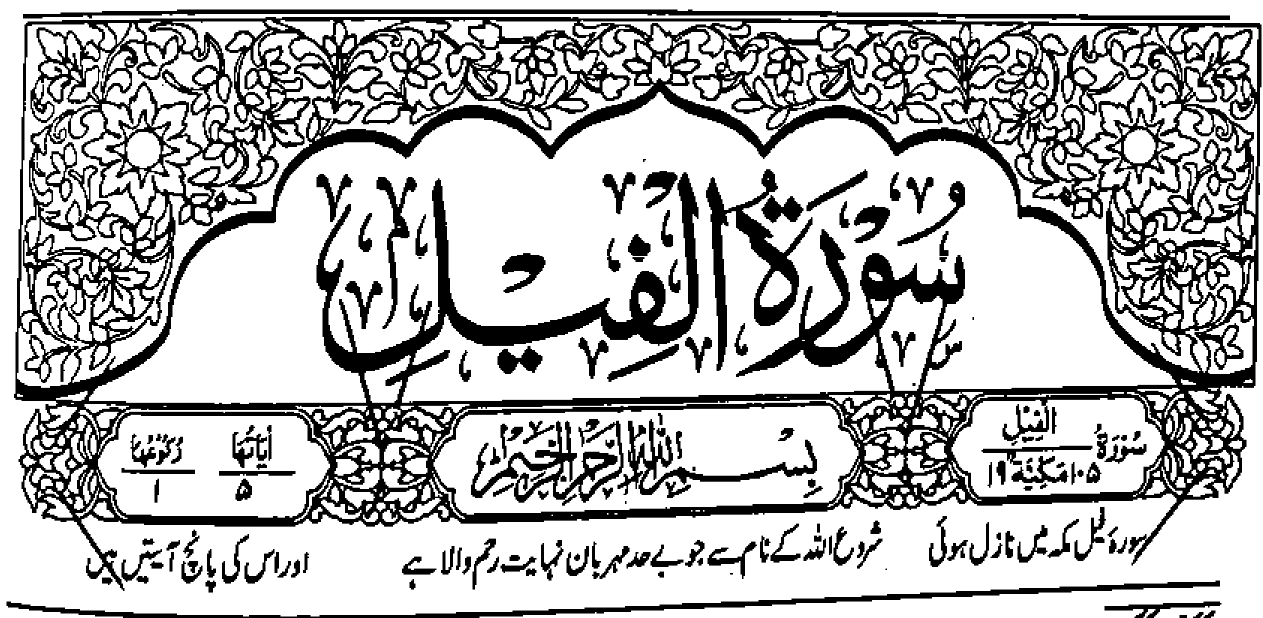
كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝

ان لوگوں کے اس مزاج کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: كَلَّا (ہرگز ایسا نہیں ہے) نہ یہ شخص ہمیشہ دنیا میں رہے گا نہ اس کا مال باقی رہے گا اور اسی پر بس نہیں کہ صرف دنیا میں جان و مال ہلاک ہوں گے بلکہ اس کے آگے بھی مصیبت ہے اور وہ یہ کہ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ (اس شخص کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا) دوزخ کے لیے لفظ حطمۃ استعمال فرمایا ہے جو اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو کوٹ پیٹ کر بھوسہ بنا کر رکھ دے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝

اس سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ دوزخ کی آگ دوزخیوں کے داخل ہونے سے پہلے ہی سے جلائی ہوئی ہوگی ایسا نہیں ہوگا جیسا دنیا میں پہلے ایندھن تیار کرتے ہیں پھر اس ایندھن میں آگ لگاتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں آگ کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی لہٰذا اب وہ سیاہ ہے اندھیری ہے۔

(رواہ الترمذی)



سورۂ فیل مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

اَلَمْ تَرَ اِسْتِفْهَامُ تَعْجِيْبٍ اَيْ اِعْجَبْ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ هُوَ مَحْمُوْدٌ وَاَصْحَابُهٗ اَبْرَهَةُ مَلِكُ الْيَمَنِ وَجَيْشُهٗ بَنٰى بِصَنْعَاءَ كَنِيْسَةً لِيَصْرِفَ اِلَيْهَا الْحَاجَّ مِنْ مَكَّةَ فَاَحْدَثَ رَجُلٌ مِنْ كِنَانَةَ فِيْهَا وَلَطَخَ قِبْلَتَهَا بِالْعَذِرَةِ اِحْتِقَارًا بِهَا فَحَلَفَ اَبْرَهَةُ لَيَهْدِمَنَّ الْكَعْبَةَ فَجَاءَ مَكَّةَ بِجَيْشِهٖ عَلٰى اَفْيَالٍ

مُقَدَّمُهَا مَحْمُوْدٌ فَحِيْنَ تَوَجَّهُوْا لِهَدْمِ الْكَعْبَةِ اَرْسَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا قَصَّهُ فِيْ قَوْلِهٖ اَلَمْ يَجْعَلْ اَيْ جَعَلَ كَيْدَهُمْ فِيْ هَدْمِ الْكَعْبَةِ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ خَسَارٍ وَهَلَاكٍ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ جَمَاعَاتٍ قِيْلَ وَاحِدُهٗ وَقِيْلَ وَاحِدُهٗ اَبُّوْلٌ اَوْ اَبَالٌ اَوْ اِبِّيْلٌ كَعِجُوْلٍ وَمِفْتَاحٍ وَسِكِّيْنٍ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ طِيْنٍ مَطْبُوْخٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ كَوَرَقِ زَرْعٍ اَكَلَتْهُ الدَّوَابُّ وَدَاسَتْهُ وَاَفْنَتْهُ اَيْ اَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى كُلَّ وَاحِدٍ بِحَجَرِهِ الْمَكْتُوْبِ عَلَيْهِ اِسْمُهٗ وَهُوَ اَكْبَرُ مِنَ الْعَدَسَةِ وَاَصْغَرُ مِنَ الْحِمَّصَةِ يَخْرِقُ الْبَيْضَةَ وَالرَّجُلَ وَالْفِيْلَ وَيَصِلُ اِلَى الْاَرْضِ وَكَانَ هٰذَا عَامَ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ع ۳۰

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں (استفہام تعجب کے لیے ہے یعنی آپ کو تعجب ہوگا) کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے سے کیا کیا؟ (ہاتھی کا نام محمود اور ہاتھی والا ابرہہ نامی یمن کا راجہ تھا۔ اس کے فوجیوں نے صنعاء شہر میں ایک گرجا بنایا تھا تاکہ مکہ کے لوگ بھی آکر اس کا حج کریں۔ بنو کنانہ کے ایک شخص نے آکر اس میں پاخانہ کر دیا۔ پھر اس نے کعبہ کی توہین کے لیے اس پر پاخانہ لگا بھی دیا۔ اس پر ابرہہ نے قسم کھائی کہ وہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ چنانچہ اپنے لشکر سمیت ہاتھیوں کو لے کر مکہ پر چڑھائی کر دی۔ آگے آگے محمود ہاتھی تھا۔ کعبۃ اللہ پر حملہ کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ اللہ نے ان پر اپنی فوج بھیج دی۔ جس کا واقعہ آگے ہے) کیا (کعبہ ڈھانے کی) ان کی تدبیر کو ہم نے اکارت نہیں کر دیا (تباہ و برباد کر دیا ہے) اور ان پر غول کے غول پرندے بھیج دیے (جھنڈ کے جھنڈ اور بعض کی رائے ہے کہ لفظ ابابیل کا کوئی مفرد نہیں ہے۔ اور بعض اس کو ابول، ابال، ابیل کی جمع مانتے ہیں۔ جیسے عجول کی عجاجیل اور مفتاح کی جمع مفاتیح اور سکین کی جمع مساکین آتی ہیں) جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینک رہے تھے (جو مٹی کی مگر آگ پر پکی ہوئی اینٹیں) سو اللہ نے ان کا حال کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر کے رکھ دیا (جیسے کھیت کا چارہ جس کو جانور کھا کر چھوڑ دیں، روند ڈالیں، چورا چورا کر دیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ ان پتھریوں کے ذریعہ جن پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جو مسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھیں۔ وہ سر پر رکھی ٹوپیں، خود اور سوار اور ہاتھی کو چیرتی ہوئی نکل کر زمین پر گرتی تھی۔ یہ واقعہ حضور ﷺ کی ولادت کے سال ہوا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلَمْ تَرَ: یہ تعجبی ہے۔ رؤیت علم کے معنیٰ میں ہے۔

قوله: مَحْمُوْدٌ: یہ قوت و جاہت میں بے مثال ہاتھی تھا وہ اس نام سے پکارا جاتا تھا۔

قوله: عَلٰی اَفْیَالٍ: یہ ہاتھیوں کی تعداد بارہ سے ایک ہزار تک بتلائی گئی ہے۔ بڑے ہاتھی کو جب کعبہ کی طرف متوجہ کرتے تو رک جاتا جب یمن کے رخ پر کرتے تو تیزی سے چل پڑتا۔ نفیل نامی شخص نے اس کے کان میں کہا: بیٹھ جا تو اللہ تعالیٰ کے حرم میں ہے وہ بیٹھ گیا پھر مارنے کے باوجود نہیں اٹھا۔ نفیل بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا ادھر سمندر کی طرف سے پرندوں کے غول کے غول آ گئے۔

قوله: اَبَابِیْلَ: یہ ابول کی جمع ہے جیسے عجول جمع عجاجیل ہے۔

۱۔ الم تر کا خطاب عام ہے کہ جب ان کا یہ حال جانتے ہو تو پھر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

۲۔ یہ واقعہ نبوت محمد ﷺ کے لیے ارہاص ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت، صفت، علم وحکمت کی عظیم الشان دلیل ہے۔ چھوٹے چھوٹے پرندوں اور کنکروں سے ہاتھی والوں اور ہاتھیوں کو تباہ کر دیا۔

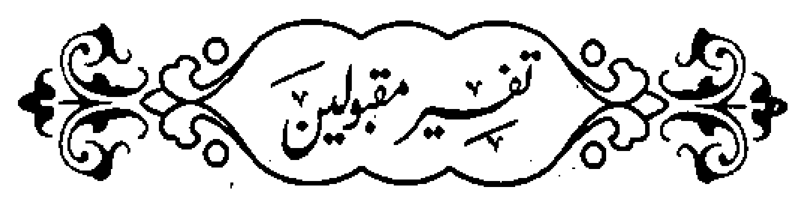
۳۔ بیت اللہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنی عظمت ہے اس کے قریب بسنے والے مشرکوں کو بھی بچالیا۔ اب قریش کو جلدی سے رسالت محمد ﷺ پر ایمان لانا چاہیے۔

۴۔ ابرھہ بیت اللہ کی تخریف کے لیے آیا تو اس کو ہلاک کر دیا۔ حجاج نے بیت اللہ پر سنگ باری کی تو اسے ہلاک نہیں کیونکہ اس کا مقصد تخریب وتوھین بیت اللہ نہ تھا بلکہ ابن زبیر کا قتل تھا۔

کفار کی ہلاکت اور ان کے جوڑوں کے کٹنے کو حقارت میں گوبر کے اجزا سے مشابہت دی۔

کافر ومشرک کو اللہ تعالیٰ مہلت دیتے ہیں، مگر توھین، تخریب کرنے والے کو فوری سزا ملتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ابرھہ کو خائب وخاسر مکہ سے لوٹا دیا تو عرب میں قریش کی عزت بہت بڑھ گئی۔ (ملتقط التفاسیر)



تمام مفسرین کے نزدیک سورۃ الفیل مکی سورت ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے ائمہ مفسرین صحابہ سے اسی طرح منقول ہے، اس کی پانچ آیات ہیں، اس سورت میں ایک عظیم تاریخی واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جو باجماع امت حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ اور بالغہ کا ایک واضح نمونہ تھا اور اللہ رب العزت نے اس واقعہ کو اپنے پیغمبر ﷺ کے مقام نبوت کے لیے ایک دلیل اور بشارت کے طور پر ظاہر کیا، جس کو اصطلاح شریعت میں ارہاص کہا جاتا ہے، جس سال حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور ابھی ایک ماہ پچیس روز باقی تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ابرہہ اشرم نے بیت اللہ پر ہاتھیوں کے لشکر سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا، مگر اللہ نے اپنی قدرت سے پرندوں جیسی ضعیف مخلوق کی چونچوں اور پنجوں کی کنکریوں سے اس عظیم لشکر کو ہلاک اور پارہ پارہ فرما دیا یہ آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کے لیے قدرت خداوندی نے بطور دلیل ونمونہ پیش کیا جس کو ارہاص کہا جاتا ہے۔

بیت اللہ چونکہ مرکز ہدایت بنایا گیا تھا تو اس پر کسی طاغوتی حملہ کو قدرت الٰہی نے گوارا نہ کیا اور اس قصہ سے یہ ظاہر کر دیا گیا

کہ خدا کے دین اور مرکز ہدایت کو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی بلکہ وہ خود ہی پارہ پارہ کر دی جائے گی۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ؕ﴿۱﴾

اس سورت میں اصحاب فیل کا واقعہ بیان فرمایا ہے لفظ فیل فارسی کے لفظ پیل سے لیا گیا ہے۔ عربی میں چونکہ (پ) نہیں ہے اس لیے اسے (ف) سے بدل دیا گیا۔ اصحاب فیل (ہاتھی والے لوگ) ان سے ابرہہ اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔ یہ شخص شاہ حبشہ کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، ابرہہ اپنے ساتھیوں کو ہاتھیوں پر سوار کر کے لایا تھا اور مقصد ان لوگوں کا یہ تھا کہ کعبہ شریف کو گرا دیں تا کہ لوگوں کا رخ ان کے اپنے بنائے ہوئے گھر کی طرف ہو جائے جسے انہوں نے یمن میں بنایا تھا اور اسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے۔ یہ لوگ کعبہ پر حملہ کرنے کے لیے آئے مگر خود ہی برباد ہوئے وہ بھی پرندوں کی پھینکی ہوئی چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے ذریعہ۔ واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ یمن پر اقتدار حاصل ہونے کے بعد ابرہہ نے ارادہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا کنیسہ بنائے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو اس کا مقصد یہ تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں یہ لوگ اس کنیسہ کی عظمت وشوکت سے مرعوب ہو کر کعبہ کی بجائے اس کی طرف آنے لگیں۔ چنانچہ اس نے اتنا اونچا کنیسہ تعمیر کیا کہ اس کی بلندی پر نیچے کھڑا ہوا آدمی نظر نہیں ڈال سکتا تھا اور اس کو سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع کیا اور پوری مملکت میں اعلان کرا دیا کہ اب یمن سے کوئی شخص مکہ والے کعبہ کے حج کے لیے نہ جائے اس کنیسہ میں عبادت کرے۔ عرب میں اگرچہ بت پرستی غالب تھی مگر کعبہ کی عظمت ومحبت ان کے دلوں میں پیوست تھی اس لیے عدنان اور قحطان اور قریش کے قبائل میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی یہاں تک کہ مالک بن کنانہ کے ایک شخص نے رات کے وقت ابرہہ والے کنیسہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔ ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی کہ کسی قریشی نے ایسا کیا ہے تو اس نے قسم کھائی کہ میں ان کے کعبہ کو گرا کر چھوڑوں گا۔ ابرہہ نے اس کی تیاری شروع کر دی اور اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت مانگی اس نے اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا بھیج دیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر کعبہ پر حملہ کرے۔ ان کا پروگرام تھا کہ بیت اللہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے اور تجویز یہ کیا کہ بیت اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط اور لمبی زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور ان کو ہنکا دیں تا کہ سارا بیت اللہ (معاذ اللہ) زمین پر آ گرے۔

عرب میں جب اس حملہ کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ یمن کے عربوں میں ایک شخص ذونفر نامی تھا اس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور عرب لوگ اس کے گرد جمع ہو کر مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور ابرہہ کے خلاف جنگ کی مگر اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ ابرہہ کی شکست انسانوں کے ذریعہ نہ ہو لہٰذا عرب سے مقابلہ ہوا اور عرب اس کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوئے۔ ابرہہ نے ان کو شکست دے دی اور ذونفر کو قید کر لیا۔ اس کے بعد جب وہ قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار نفیل بن حبیب نے پورے قبیلہ کے ساتھ ابرہہ کا مقابلہ کیا مگر ابرہہ کے لشکر نے ان کو بھی شکست دے دی اور نفیل بن حبیب کو بھی قید کر لیا ارادہ تو اس کے قتل کا تھا لیکن یہ خیال کر کے کہ اس سے راستوں کا پتہ معلوم کریں گے اس کو زندہ چھوڑ دیا اور ساتھ لے لیا۔ اس کے بعد جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو چونکہ طائف کے باشندے قبیلہ ثقیف پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا ہم اس سے مقابلہ نہ کریں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ طائف میں جو ہم نے

ایک بت خانہ لات کے نام سے بنا رکھا ہے یہ اس کو چھیڑ دے انہوں نے ابرہہ سے مل کر یہ بھی طے کرلیا کہ ہم تمہاری امداد اور رہنمائی کے لیے اپنا ایک سردار ابورغال تمہارے ساتھ بھیج دیتے ہیں، ابرہہ اس پر راضی ہوگیا۔ ابورغال کو ساتھ لے مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام مغمس پر پہنچ گیا جہاں قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے، ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے حملہ کر کے اونٹ گرفتار کر لیے جن میں دوسو اونٹ رسول اللہ ﷺ کے دادا جان عبدالمطلب رئیس قریش کے بھی تھے۔ ابرہہ نے یہاں پہنچ کر اپنے ایک سفیر حناطہ حمیری کو شہر مکہ میں بھیجا کہ وہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر اطلاع کر دے کہ ہم تم سے جنگ کے لیے نہیں آئے ہمارا مقصد کعبہ کو ڈھانا ہے اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ حناطہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو سب نے اس کو عبدالمطلب کا پتہ دیا کہ وہ قریش کے سب سے بڑے سردار ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے گفتگو کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ اس کا مقابلہ کر سکیں۔ البتہ میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ اللہ کا گھر ہے اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ اللہ سے جنگ کا ارادہ ہے تو جو چاہے کر لے، پھر دیکھئے کہ اللہ کا کیا معاملہ ہوتا ہے۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ابرہہ سے ملاتا ہوں۔ ابرہہ نے جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھایا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ عبدالمطلب سے پوچھے کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں، عبدالمطلب نے کہا کہ میری ضرورت تو اتنی ہے کہ میرے اونٹ جو آپ کے لشکر نے گرفتار کر لیے ہیں ان کو چھوڑ دیں۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعہ عبدالمطلب سے کہا کہ جب میں نے آپ کو اول دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت و عزت ہوئی مگر آپ کی گفتگو نے اس کو بالکل ختم کر دیا کہ آپ مجھ سے صرف اپنے دوسو اونٹوں کی بات کر رہے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ میں آپ کے کعبہ کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں اس کے متعلق آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اونٹوں کا مالک تو میں ہوں مجھے ان کی فکر ہوئی اور بیت اللہ کا میں مالک نہیں ہوں اس کا جو مالک ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا کہ تمہارا خدا اس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

اور بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ اور بھی قریش کے چند سردار گئے تھے، انہوں نے ابرہہ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور واپس لوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کرتے رہیں گے مگر ابرہہ نے ماننے سے انکار کر دیا۔ عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کر دیئے وہ اپنے اونٹ لے کر واپس آئے تو بیت اللہ کے دروازہ کا حلقہ پکڑ کر دعا میں مشغول ہوئے۔ آپ کے ساتھ قریش کی ایک بڑی جماعت بھی تھی۔ سب نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں کہ ابرہہ کے عظیم لشکر کا مقابلہ ہمارے بس میں نہیں ہے، آپ ہی اپنے بیت کی حفاظت کا انتظام فرمائیں، الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرنے کے بعد عبدالمطلب مکہ مکرمہ کے دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر مختلف پہاڑوں پر چلے گئے کیونکہ ان کو یہ یقین تھا کہ اس کے لشکر پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا، اسی یقین کی بنا پر انہوں نے ابرہہ سے خود اپنے اونٹوں کا تو مطالبہ کیا بیت اللہ کے متعلق گفتگو کرنا اس لیے پسند نہ کیا کہ خود اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی اور

دوسری طرف یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بے بسی پر رحم فرما کر دشمن کی قوت اور اس کے عزائم کو خاک میں ملا دے گا۔ صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی محمود نامی کو آگے چلنے کے لیے تیار کیا۔ نفیل بن حبیب جن کو ابرہہ نے راستہ میں گرفتار کر لیا تھا اس وقت آگے بڑھے اور ہاتھی کا کان پکڑ کر کہنے لگے تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح سالم لوٹ جا کیونکہ تو اللہ کے بلد امین (محفوظ شہر) میں ہے یہ کہہ کر اس کا کان چھوڑ دیا، ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، ہاتھی بانوں نے اس کو اٹھانا چلانا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا، اس کو بڑے بڑے آہنی تیروں سے مارا گیا اس نے اس کی بھی پروانہ کی، اس کی ناک میں لوہے کا آنکڑا ڈال دیا پھر بھی وہ کھڑا نہ ہوا۔ لوگوں نے اس کو یمن کی طرف لوٹانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا۔ پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو چلنے لگا پھر مشرق کی طرف چلایا تو بیٹھ گیا۔ دوسری طرف دریا کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ تین تین کنکریاں چنے یا مسور کے برابر تھیں۔ (ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں)۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے۔ جثہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے ان کے پنجے سرخ تھے۔ حضرت سعید بن جبیر ؒ نے فرمایا کہ یہ سبز رنگ کے پرندے تھے جن کی چونچیں پیلے رنگ کی تھیں اور عکرمہ نے فرمایا کہ یہ پرندے دریا سے نکل کر آئے تھے جن کے سر چوپایوں کی طرح تھے، ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک چونچ میں لیے ہوئے آتے دکھائی دیئے اور فوراً ہی ابرہہ کے لشکر پر چھا گئے ہر ایک کنکر نے وہ کام کیا جو بندوق کی گولی بھی نہیں کر سکتی کہ جس پر پڑتی اس کے بدن سے پار ہوتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر سب ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکر سے ہلاک ہوا۔ نیز لشکر کے سب آدمی اس موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بلکہ مختلف اطراف میں بھاگے۔ ان سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مر مر کر گر گئے۔ وہ ابرہہ جسے راستہ کے قبائل شکست نہ دے سکے اسے اللہ نے پرندوں سے شکست دلوائی، اس نے شکست بھی کھائی اور بدترین مرض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوا۔ اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا، دارالحکومت صنعاء پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہہ گیا اور وہ مر گیا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور اپاہج ہو گئے تھے، ان کو مکہ معظمہ میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھا گیا (ابن کثیر صفحہ ۵۴۹ صحیح ومعالم التنزیل صفحہ ۵۲۵: ج ۴) اس وقت بہت سے آنکھوں سے دیکھنے والے موجود تھے فسبحان اللہ من جلت قدرتہ وعظمت حکمتہ۔

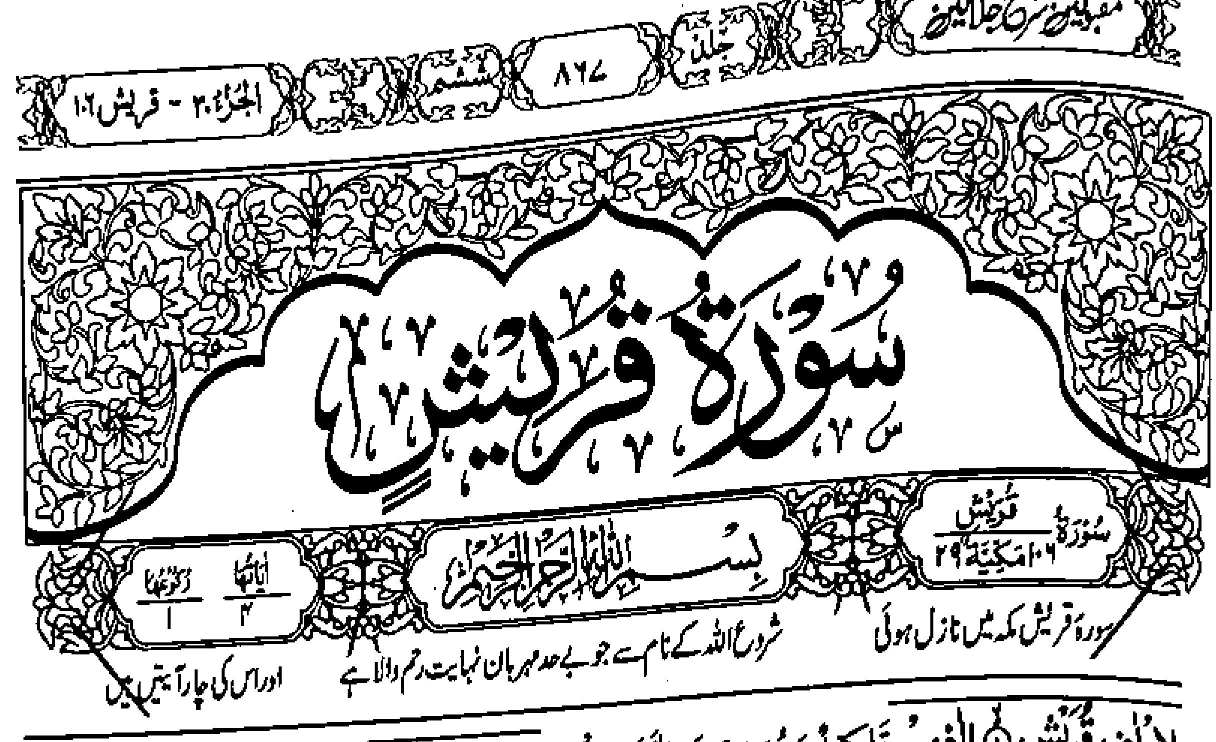
ہاتھی والوں کا کعبہ شریف پر حملہ کرنے کے لیے آنا پھر شکست کھانا اور ناکام ہونا یہ ایک عجیب اور اہم واقعہ تھا، اس کے بعد اہل عرب جب تاریخی واقعات بیان کیا کرتے تو کہا کرتے تھے کہ یہ عام الفیل کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا بھی یہی سال ہے جس سال اصحاب الفیل برا ارادہ لے کر آئے تھے۔ اصحاب فیل کے واقعہ کے پچاس دن بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ جس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اصحاب فیل کے واقعہ سے مکہ معظمہ کے رہنے والے بلکہ عرب کے سب ہی لوگ واقف تھے۔ اس لیے: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ (اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا) فرمایا جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا کام شروع کیا تو قریش نے آپ کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں اپنا احسان یاد دلایا کہ دیکھو اس کعبہ کی وجہ سے سارا عرب تمہارا احترام کرتا ہے عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہو اس کعبہ پر دشمن چڑھائی کرنے آ گئے تھے اور دشمن بھی

ایسے قوی تھے کہ ان سے مقابلہ کرنا تمہارے بس سے باہر تھا، تمہارے پروردگار نے ان کی تدبیر ناکام بنادی، سوچا انہوں نے کیا تھا اور ہوا کیا؟ ذرا ذرا سے پتھروں سے پورے ہاتھی اور ہاتھی والے ایسے ہلاک ہوئے کہ صرف مرے ہی نہیں بلکہ ان کے جسم ایسا بھوسہ بن کر رہ گئے جیسے گائے بیل نے کھا کر اگل دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی بھی حفاظت فرمائی اور نبی اُمّی خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی یہیں مبعوث فرمایا۔ آپ کی بعثت سے اس کعبہ کی مزید عظمت ہوگئی لہٰذا قریش کو دونوں نعمتوں کا شکر گزار ہونا لازم ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ نبوت سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ جو ایسی چیزیں پیش آتی ہیں جن سے انسان عاجز ہوتے ہیں انہیں ارہاص کہا جاتا ہے اور نبوت کے بعد ان کو معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اصحاب فیل کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے ارہاصات میں سے ہے گویا اس میں یہ بتادیا کہ اس شہر میں ایک ایسی شخصیت کا ظہور ہونے والا ہے جس کا اس کعبہ شریف سے خاص تعلق ہوگا۔ اس کی آمد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی فضل سے اس کی حفاظت ہوگئی۔ وقال القرطبی قال علماؤنا كانت قصة الفيل فيما بعد من معجزات النبی ﷺ وان كانت قبل التحدی لانها كانت توكيدا لامره وتمهيدا لشانه ولما تلا عليهم رسول الله ﷺ هذه السورة كان بمكة عدد كثير ممن شهد تلك الواقعة۔

طیر: عربی میں پرندہ کو کہتے ہیں، جس کی جمع "طیور" ہے اور چونکہ یہاں اسم جنس واقع ہوا ہے اس لیے ابابیل اس کی جمع لائی گئی ہے بہت زیادہ پرندے تھے جو جھنڈ کے جھنڈ غول درغول آموجود ہوئے تھے۔ لہٰذا طیراً کے ساتھ ابابیل بھی فرمایا۔ ابابیل کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ معنی کے اعتبار سے جمع ہے اس کا واحد نہیں ہے اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ اس کا واحد ابول یا ابال یا ابیل ہے (کما ذکرہ فی الجلالین) پرندوں کا جماعت در جماعت آنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ابرہہ کے ساتھی بہت بڑی تعداد میں تھے اگرچہ ہاتھیوں کی تعداد آٹھ یا بارہ ہی بتائی جاتی ہے، عام طور سے ایک خاص چھوٹے سے پرندہ کو جو لوگ ابابیل کہتے ہیں قرآن مجید میں وہ مراد نہیں ہے۔ ابرہہ اور اس کے ساتھیوں پر جن پرندوں نے بارش برسائی ان کے بارے میں مفسرین نے کئی طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ کو اختیار ہے کہ اپنی جس مخلوق سے جو چاہے کام لے۔

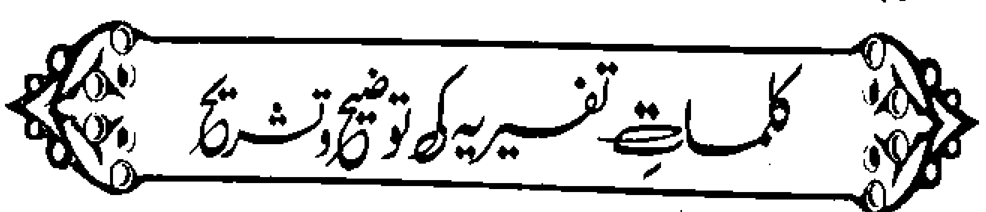
پرندوں نے جو پتھر پھینکے تھے ان کے بارے میں بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فرمایا ہے یعنی سجیل کے پتھر، یہ لفظ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے تذکرہ میں بھی آیا ہے لفظ سجیل سنگ اور گل سے معرب ہے فارسی میں سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مٹی کا گارہ بنا کر اس کی ذرا بڑی بڑی گولیاں بنا کر جو آگ میں پکالی جائیں وہ سجیل کا مصداق ہیں ان میں زیادہ وزن بھی نہیں ہوتا اور پہاڑ والے پتھروں کی طرح ان کی مار بھی نہیں ہوتی۔ اس لفظ کے لانے سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ان میں ذاتی طور پر کوئی ایسی طاقت نہ تھی جس سے آدمی مر جائے۔ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ لوگ ہلاک کیے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کے لیے ظاہری انتظام کے طور پر سجیل کو استعمال فرمایا، مفسر قرطبی نے ابوصالح سے نقل کیا ہے کہ ام ہانی بنت ابی طالب ؓ کے گھر میں میں نے ان کنکریوں میں سے دو قفیز کنکریاں دیکھی تھیں جو اصحاب فیل پر پھینکی گئی تھیں ان کا رنگ کالا تھا سرخ رنگ کی لکیریں پڑی ہوئی تھیں نیز یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ نے بیان فرمایا کہ پرندوں کی پھینکی ہوئی پتھریاں اصحاب فیل پر گرتی تھیں تو ان کے جسم پر چھوٹے چھوٹے چھالے بن جاتے تھے اور دنیا میں سب سے پہلے چیچک کی ابتداء یہیں سے ہوئی۔



لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ تاكيدٌ وهو مصدرُ اَلِفَ بِالْمَدِّ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ اِلَى الْيَمَنِ وَرِحْلَةَ وَالصَّيْفِ ۝ اِلَى الشَّامِ فِيْ كُلِّ عَامٍ يَسْتَعِيْنُوْنَ بِالرِّحْلَتَيْنِ لِلتِّجَارَةِ عَلَى الْاِقَامَةِ بِمَكَّةَ لِخِدْمَةِ الْبَيْتِ الَّذِيْ هُوَ فَخْرُهُمْ وَهُمْ وَلَدُ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ فَلْيَعْبُدُوْا تعلّق به لِاِيلَافِ والفاءُ زائدةٌ رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۝ اَيْ مِنْ اَجْلِهٖ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ اَيْ مِنْ اَجْلِهٖ وَكَانَ يُصِيْبُهُمُ الْجُوْعُ لِعَدَمِ الزَّرْعِ بِمَكَّةَ وَخَافُوْا جَيْشَ الْفِيْلِ

ع ١ / ٣١

ترجمہ: چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی ان کا خوگر ہونا (یہ تاکید ہے ایلاف آلف کا مصدر ہے) جاڑے میں (یمن کے) اور گرمی میں سفر کے لیے (شام کی طرف۔ سال بھر میں دو تجارتی سفر کر کے پھر مکہ میں باطمینان قیام پذیر رہتے۔ تاکہ بیت اللہ کی خدمت کر سکیں جو ان کے لیے باعثِ فخر تھیں۔ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں) لہٰذا ان کو چاہیے کہ عبادت کریں (لایلاف کا تعلق فلیعبدوا سے ہے اس میں فا زائد ہے) اس گھر کے مالک کی جس نے انہیں بھوک میں (بھوک کی وجہ سے) کھانے کو دیا۔ اور خوف سے ان کو امن دیا (مکہ میں کاشت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھوکے تھے اور اصحاب الفیل سے ڈرے ہوئے تھے)



قوله: وَرِحْلَةَ: اصل میں یہ رحلتین تھا۔ التباس کا خدشہ نہیں ہے اس لیے واحد لایا گیا ہے۔

قوله: اِلٰفِهِمْ: یہ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے، رحلۃ اس کا مفعول بہ ہے ای لان الفوا رحلۃ۔

قوله: تَعَلَّقَ بِهٖ: فا زائدہ ہے اور کلام میں شرط کا معنیٰ۔ تقدیر یہ ہے فان لم یعبدوہ سائر نعمہ فلیعبدوہ لایلافهم

فانها اظهر نعمه علیهم۔ اگر قریش دیگر تمام نعمتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تو اس ظاہر ترین نعمت کی وجہ سے عبادت کرنی چاہیے۔ (کشاف) صاحب قاموس نے فرمایا: اعجبوا محذوف سے متعلق ہے۔ بعض نے کہا: اہلاک ابرھہ قریش کے ان اسفار سے انس کی بنا پر تھا۔ (کشف)

۱۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قریش کو اپنی عبادت اور توحید کو اپنانے کو حکم فرمایا ہے۔ اس لیے بھی کہ ان پر بہت سے انعامات کیے گئے ہیں۔

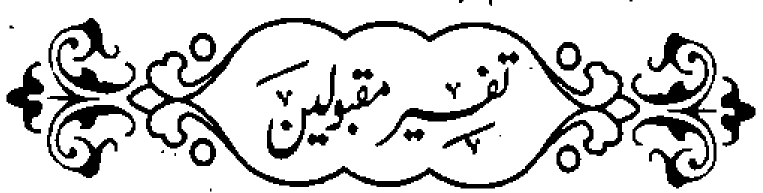
۲۔ بیت اللہ کے پڑوس کی وجہ سے ابرہ کے لشکروں سے ان کو مامون ومحفوظ کیا۔

۳۔ شام ویمن کے اسفار سے ان کو وافر رزق، کھانے، کپڑے عنایت کیے اور عرب کی لوٹ مار سے بچایا۔ اس انعام کی وجہ سے تو ان کو عبادت کرنی چاہیے۔

۴۔ بیت اللہ کی تولیت کی وجہ سے ان کو مکہ کے اندر و باہر خوف سے امن دیا۔

۵۔ اپنے سب سے مقدس ومعظم گھر کے پاس ان کو آباد کر کے اس کی وجہ سے ان کو بزرگی وعزت دی۔

۶۔ عبادت: اپنے معبود کے سامنے انتہائی تذلل کا نام ہے۔



سورۃ قریش مکی سورت ہے جس کی چار آیات ہیں، عبداللہ بن عباسؓ اور جمہور مفسرین کا یہی قول ہے بعض حضرات سے یہ ضعیف روایت بھی نقل کی گئی کہ انہوں نے اس کو مدنیہ کہا۔

اس سورت کا مضمون قریش پر قدرت خداوندی کی طرف سے خاص انعامات کا ذکر ہے کہ ان پر اللہ کی کیسی عنایت تھی کہ تجارتی وسائل اور ذریع آمد ورفت آسان کردیے تھے، اس طرح کے مادی انعامات اور ظاہری عنایات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنے رب منعم کی عبادت کرتے پھر جبکہ ان کے رب کا گھر بھی خود مکہ میں ہے تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ ایمان نہ لائیں اور کعبۃ اللہ کی عبادت نہ کریں، تو اس سورت میں خاص طور پر ان مضامین کو بیان کیا گیا۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام سے کعبہ تعمیر کرایا اور اس کا حج مشروع فرمایا زمانہ اسلام سے پہلے بھی اہل عرب اس کا حج کرتے تھے اگرچہ مشرک تھے اور چونکہ مکہ مکرمہ میں کعبہ شریف واقع تھا جسے بیت اللہ کے نام سے لوگ جانتے اور مانتے تھے اس لیے قریش مکہ کی پورے عرب میں بڑی عزت تھی اہل عرب لوٹ مار کرنے کا مزاج رکھتے تھے لیکن اہل مکہ پر کبھی کوئی حملہ نہیں کرتے تھے اسی کو سورۃ العنکبوت میں فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو پرامن بنادیا اور لوگوں کو ان کے اردگرد سے اچک لیا جاتا ہے کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں)۔

یوں تو گزشتہ زمانہ ہی سے اہل عرب اہل مکہ کا اکرام واحترام کرتے تھے، جب اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا اور عرب میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے محفوظ فرمایا تو اور زیادہ ان کے قلوب میں اہل مکہ کی عظمت بڑھ گئی، یہ جوان کی حرمت مشہور ومعروف تھی اس کی وجہ سے پورے عرب کے علاوہ دوسرے علاقے کے لوگ بھی ان کا احترام کرتے تھے، مکہ معظمہ چٹیل میدان تھا اس میں پہاڑ تھے پانی کی بھی کمی تھی، نہ باغ تھے نہ کھیتی باڑی تھی، زندگی گزارنے کے لیے ان کے پاس ذرائع معاش عام طور پر نہیں پائے جاتے تھے، زندگی کے مقاصد پورا کرنے کے لیے یہ لوگ ملک شام اور یمن جایا کرتے تھے۔ ایک سفر سردی کے زمانہ میں اور ایک سفر گرمی کے زمانہ میں کیا کرتے تھے، سردی میں یمن جاتے تھے اور گرمی میں شام جایا کرتے تھے اور دونوں ملکوں سے غلہ لاتے تھے جو ان کی غذا میں کام آتا تھا۔ دیگر اموال بھی لاتے اور فروخت کرتے اور دوسرے کاموں میں بھی لاتے تھے۔ ابوسفیان کو بلا کر ہرقل نے جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سوال جواب کیے وہ اسی تجارت کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے۔ کفار قریش کا قافلہ تجارت کے لیے بیت المقدس میں پہنچا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے لیے سردی اور گرمی کے سفروں کو ان کے کھانے پینے اور پہننے کا اور کعبہ شریف کی عظمت اور حرمت کو ان کے امن وامان کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ سورۃ الفیل میں کعبہ شریف کی حفاظت کا ذکر ہے جس کی وجہ سے قریش کو امن وامان حاصل تھا اس لیے اس کے متصل ہی سورۃ القریش کی سورۃ الفیل کے بعد ہی لایا گیا جس میں قریش مکہ کو یاد دلایا کہ دیکھو تم سردی اور گرمی میں تجارت کے لیے سفر کرتے ہو اور ان دونوں سفروں سے تمہیں دیگر مالوفات کی طرح خاص الفت ہے۔ سفروں میں جاتے ہو جن کے منافع اور مرابح سے فائدہ اٹھاتے ہو اور چونکہ تم مکہ معظمہ کے رہنے والے ہو اس لیے اپنے اسفار میں جن قبائل پر گزرتے ہو تمہارا احترام کرتے ہیں تم مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بھی امن وامان میں ہو اور بلاخوف وخطر زندگی گزارتے ہو اور اسفار میں بھی مکہ معظمہ کی نسبت سے امن وامان کا فائدہ اٹھاتے ہو۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت میں لگو جو اس بیت یعنی کعبہ شریف کا رب ہے وہ تمہیں کھانے پینے کو بھی دیتا ہے اور امن وامان سے بھی رکھتا ہے یہ خالق جل مجدہ کی ناشکری ہے کہ اس کی نعمتوں میں زندہ رہیں، پلیں اور بڑھیں اور عبادت میں کسی مخلوق کو شریک کردیں۔ قال القرطبی ناقلاً عن الفراء: هذه السورة متصلة بالسورة الاولى لانه ذكر اهل مكة عظيم نعمته عليهم فيما فعل بالحبشة ثم قال (لايلف قريش) اى فعلنا ذلك باصحاب الفيل نعمة منا على قريش وذلك ان قريشا كانت تخرج فى تجارتها فلا يغار عليها فى الجاهلية يقولون هم اهل بيت الله عز وجل۔

ترکیب نحوی کے اعتبار سے اقرب الی الفہم یوں کہا جاتا ہے کہ ایلاف اول مبدل منہ ہے اور اِلٰفِهِمْ اس سے بدل ہے اور جار مجرور مل کر لیعبدوا سے متعلق ہے سمجھنے کے لیے عبارت یوں ہوگی: لی عبدوا رب هذا البيت لاجل ايلافهم رحلة الشتاء والصيف، والفاء زائدة والايلاف افعال من الالفة مهموز الفاء (راجع روح المعانی صفحہ ٣٦٧ ج ٣٠)

فائدہ: سورۃ القریش میں قریش کے سالانہ دو سفروں کا ذکر ہے یہ قریش کون شخص تھا جس کے نام سے قریش کا قبیلہ ملقب ہوا؟ اول یہ سمجھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ ہاشمی بھی تھے اور قریشی بھی آپ کے دادا کا لقب عبدالمطلب اور نام شیبہ تھا اور ان کے والد کا نام عمرو بن عبد مناف اور لقب ہاشم تھا اس وجہ سے آپ بنی ہاشم میں شمار ہوتے ہیں اور عبد مناف کا نام مغیرہ بن قصی تھا اس کے

بعد نسب یوں ہے قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

(الی آخر ماذکرہ اہل الانساب)

اس میں اختلاف ہے کہ قریش کس کا لقب تھا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ فہر بن مالک اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نضر بن کنانہ کا لقب ہے۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں دونوں قول نقل کیے ہیں اور دونوں کی دلیلیں بھی لکھی ہیں پھر دوسرے قول کو ترجیح دی ہے یعنی یہ کہ نضر بن کنانہ کا لقب قریش تھا اور اس سلسلہ میں مسند احمد اور سنن ابن ماجہ سے ایک حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے پھر لکھا ہے کہ: وهذا اسناد جيد قوى وهو فيصل فى هذه المسئلة فلا التفات الى قول من خالفه والله اعلم والحمد منه۔

اب رہی یہ بات کہ لفظ قریش کا معنی کیا ہے اور قریش کو یہ لقب کیوں دیا گیا اس بارے میں بھی کئی اقوال ہیں اصل لفظ قرش ہے اور قریش اس کی تصغیر ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قریش ایک دریائی جانور کا نام ہے جو بڑا قوی ہیکل ہوتا ہے اور چھوٹے بڑے دریائی جانوروں کو کھا جاتا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی تو انہوں نے یہی بات بتلائی گویا قوت اور طاقت میں اس بڑے دریائی جانور کے مشابہ ہونے کی وجہ سے قریش کو قریش کا لقب دیا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ حارث بن یخلد بن نضر بن کنانہ کو اس لقب سے یاد کیا جاتا تھا وہ باہر سے غلے لاتا تھا اور عرب کہا کرتے تھے: قد جاءت عیر قریش، یوں بھی کہا جاتا ہے کہ بدر میں جس کنویں کے قریب جنگ ہوئی تھی اسے بدر بن قریش نے کھودا تھا اور اسی لیے اس جگہ کا نام بدر معروف ہوا۔

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ لفظ قریش مجتمع ہونے پر دلالت کرتا ہے قصی بن کلاب سے پہلے یہ لوگ منتشر تھے اس نے انہیں حرم میں لاکر اور بلا کر جمع کیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قصی ہی کا لقب قریش تھا اور ایک قول یہ ہے کہ تقرش تکسب (یعنی مال کمانے) اور تجارت کرنے کے معنی میں آتا ہے اسی وجہ سے قریش اس لقب سے معروف اور مشہور ہوئے۔ نضر بن کنانہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ غریبوں کی حاجات کی تفتیش کرتا اور ان کی مدد کرتا تھا اور اس کے بیٹے موسم حج میں لوگوں کی حاجات کی تفتیش کرتے تھے پھر انہیں اس قدر مال دیتے تھے کہ اپنے شہروں تک پہنچ جائیں۔ اس عمل کی وجہ سے وہ قریش کے لقب سے مشہور ہوا۔ قالوا التقريش هو التفتيش والله تعالى اعلم بالصواب۔

رسول اللہ ﷺ قریشی بھی تھے اور ہاشمی بھی (کیونکہ بنی ہاشم قریش ہی کی ایک شاخ ہے) اور آپ کے چچا عباس اور حضرت علی اور حضرت جعفر اور حضرت عقیلؓ بھی بنی ہاشم میں تھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ اور تمام بنی امیہ قریش میں سے تھے، ہاشمی نہیں تھے۔ حضرت واثلہ بن اسقعؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو چن لیا اور مجھے بنی ہاشم سے چن لیا۔ (رواہ مسلم)

قریش مکہ نے بہت دیر سے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں بھی بہت پہنچائیں حتیٰ کہ آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی اور خدمت اسلام کی توفیق دی ان حضرات نے بڑے بڑے ممالک فتح کیے۔

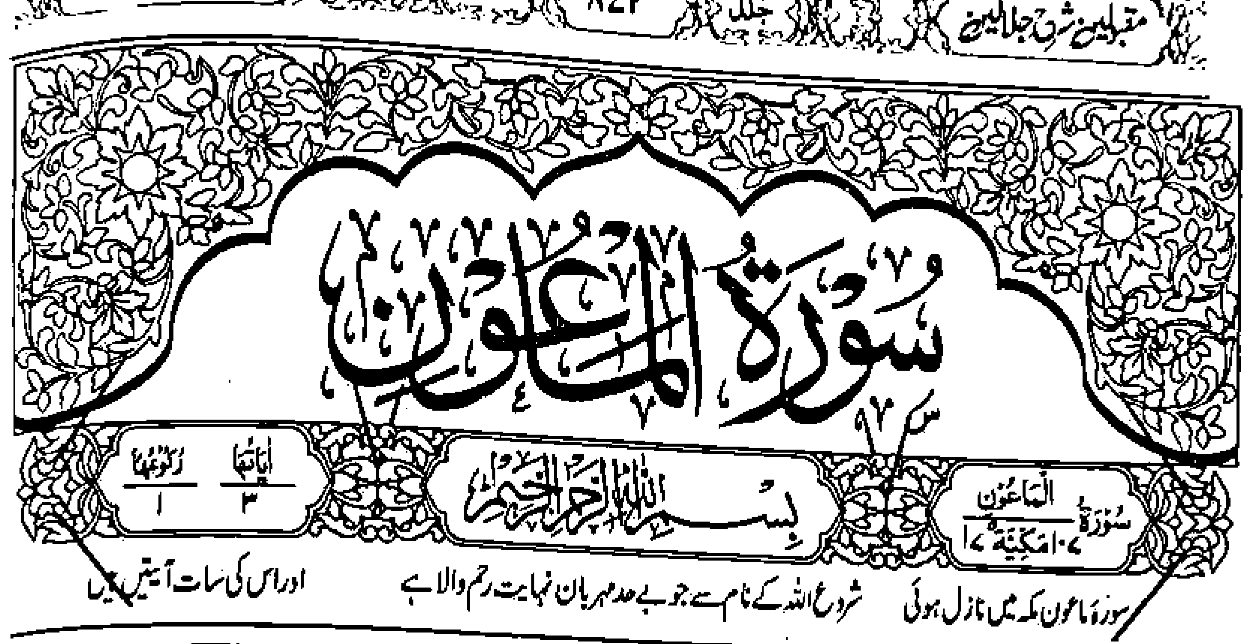
حضرت عمرو بن عاص اور خالد بن ولیدؓ انہی حضرات میں سے تھے سنن ابی داؤد طیالسی صفحہ ۴۰ میں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اللھم انك اذقت اولھا عذابا او وبالا فاذق اخرھا نوالا۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۵۵) ''اے اللہ! آپ نے قریش کے پہلے لوگوں کو عذاب اور وبال چکھایا سو ان کے آخر کے لوگوں کو بخشش عطا فرما''۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ان کو بہت کچھ عطا فرمایا اور ان سے دین کی بڑی خدمت لی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خلافت میرے بعد قریش میں ہوگی۔

جو شخص ان سے دشمنی کرے گا اللہ چہرہ کے بل اس کو اوندھے منہ کر ڈال دے گا جب تک یہ لوگ دین کو قائم رکھیں گے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۵۵) اور یہ بھی فرمایا کہ بارہ خلفاء تک دین اسلام غالب رہے گا اور یہ بارہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔

(ایضا)

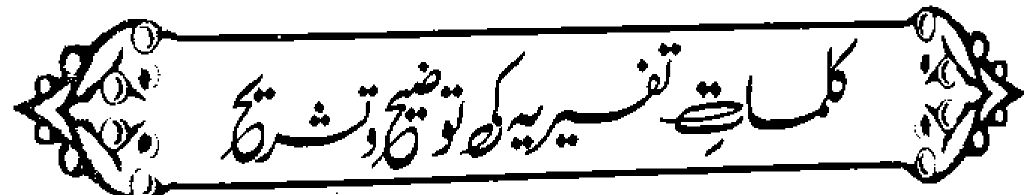
رسول اللہ ﷺ نے تو یہی فرمادیا تھا کہ خلافت برابر قریش میں رکھی جائے لیکن ملوکیت کا مزاج جب دنیا میں آگیا اور اس کے بعد جمہوریت کی جہالت نے جگہ پکڑلی تو دوسرے لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے ملوک اور امراء بن گئے اور بنتے رہے۔

جو لوگ اپنے ناموں کے ساتھ ہاشمی، قریشی، صدیقی، عثمانی، علوی، رضوی، نقوی لکھتے ہیں یہ صرف نام بتانے تک ہے۔ بے عملی میں، شکل وصورت میں نمازیں چھوڑنے میں، دیگر معاصی میں دوسروں سے کم نہیں ہیں دوسری قوموں کے افراد علوم و معارف و اعمال میں ان سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ جب انہوں نے اپنی ساکھ خود ہی کھودی تو امت میں بھی ان کی وہ حیثیت نہیں رہی جو ہونی چاہیے تھی جب ان کا یہ حال ہے تو خلافت کون ان کے سپرد کرے گا جہاں کہیں ان کی کوئی حکومت باقی ہے اس میں بھی ملوک اور وزراء دین داری کا خیال نہیں کرتے، دشمنوں کے اشاروں پر گناہگاری کے اصول پر حکومت چلاتے ہیں اسلامی قوانین کی بڑھ کر مخالفت کرتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی وھو المستعان وعلیہ التکلان۔



أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ بِالْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ أَيْ هَلْ عَرَفْتَهُ أَوْلَمْ تَعْرِفْهُ فَذَٰلِكَ بِتَقْدِيرِ هُوَ بَعْدَ الْفَاءِ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝ أَيْ يَدْفَعُهُ بِعُنْفٍ عَنْ حَقِّهِ وَلَا يَحُضُّ نَفْسَهُ وَلَا غَيْرَهُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ أَيْ إِطْعَامِهِ نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ أَوِ الْوَلِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ غَافِلُونَ يُؤَخِّرُونَهَا عَنْ وَقْتِهَا الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ فِي الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ كَالْإِبْرَةِ وَالْفَاسِ وَالْقِدْرِ وَالْقَصْعَةِ

ترجمہ: آپ نے کیا اس شخص کو دیکھا ہے جو آخرت کی جزاوسزا کو جھٹلاتا ہے (حساب اور بدر کو یعنی آپ اس کو جانتے ہیں یا نہیں جانتے؟) وہی تو ہے (فا کے بعد ہو مقدر ہے) جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی اس کا حق دینے کے بجائے جھڑک دیتا ہے) اور نہیں اکساتا (نہ خود کو اور نہ دوسروں کو) مسکین کو کھانا دینے پر (یعنی اس کو کھلانے کے لیے یہ آیت عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) سو تباہی ان نماز پڑھنے والوں پر جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں (غفلت برتتے ہیں۔ نماز بے وقت پڑھ کر) جو ریاکاری کرتے ہیں (نماز وغیرہ میں) اور معمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے گریز کرتے ہیں (جیسے سوئی، کلہاڑی، ہانڈی، پیالہ)۔



قوله: نصفها: بقول خازن اس کا نصف اول عاص بن وائل وغیرہ کے متعلق مکہ میں اترا اور نصف ثانی مدینہ میں عبداللہ بن ابی منافق کے متعلق اترا۔ (کشف)

قوله: هَلْ عَرَفْتَهُ: اس سے مفسر اشارہ کر رہے ہیں کہ رؤیت سے رؤیت بصری نہیں بلکہ رؤیت علمی اور معرفت مراد ہے۔

قوله: إطْعَامِهِ: اس سے اشارہ فرمایا کہ یہاں طعام۔ اطعام کے معنٰی میں ہے۔ کھانا کھلانا، بعض نے مضاف کو مقدر مانا بدل طعام المسکین، مسکین کو کھانا دینے میں خرچ کرنا۔

قوله: فَوَيْلٌ: فاسببیہ ہے۔ ان صفات مذمومہ کی وجہ سے وہ ویل والی بدعا کے مستحق ہیں، ویل مبتداء۔ للمصلین اس کی خبر ہے۔ ۲۔ بقول قاضی فاجزائیہ ہے مطلب یہ ہے۔ جب یتیم سے بے پروائی دینی کمزوری اور قابل مذمت ہے تو ایسے شخص کا نماز زکوۃ سے غفلت برتنا بدرجہ اولیٰ ہے۔

قوله: عَنْ صَلَاتِهِمْ: حسنؒ فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ فی صلاتھم نہیں فرمایا کیوں کہ نماز میں بھول سے کوئی مسلمان خالی نہیں جو وسوسہ شیطان یا حدیث نفس سے پیش آتی ہے بلکہ یہاں نماز سے غفلت مراد ہے۔

قوله: يُرَاءُوْنَ: لوگوں کے سامنے پڑھتے اور پوشیدہ طور پر چھوڑتے ہیں۔

قوله: الْمَاعُوْنَ: یہ معن سے ہے جو حقیر چیز کو کہتے ہیں، عرب کہتے ہیں: ماله معن۔ اس کے پاس معمولی چیز بھی نہیں۔ (کشف)

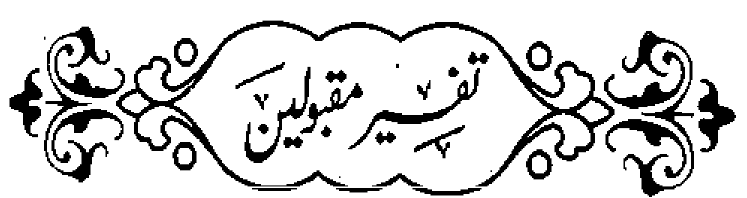
۱۔ حساب وجزاء کا انکار بدترین حرکت ہے، ایسے لوگوں میں یتامیٰ پر ظلم وستم کرنے اور ترک خیر اور شدید بخل جیسی قباحتیں پائی جاتی ہیں۔

۲۔ عذاب کی دھمکی تارکین صلاۃ، ریاکاروں اور بخلاء کے لیے ہے۔

۳۔ ریاکاری: عبادت سے دنیا کی طلب کو کہتے ہیں۔

۴۔ منافق وریاکار میں فرق یہ ہے کہ منافق ایمان کو ظاہر کرتا ہے باطن میں کفر ہوتا ہے۔ اور ریاکار وہ ہے جو ظاہر میں دین دار ہے مگر باطن میں اخلاص وخشوع سے خالی ہو۔

۵۔ کفار کی چار صفات: بخل، ترک عبادت، ریاکاری، خیر سے روکنا۔ اعاذنا اللہ منہا۔



سورۃ ماعون بھی مکی سورت ہے جس کی سات آیات ہیں۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور جابر رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے جمہور اسی کے قائل ہیں اگرچہ بعض مفسرین سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ نصف اول مکہ میں نازل ہوئی اور نصف آخر مدینہ منورہ میں۔

اس سورت کے مضامین اپنی جامعیت اور اختصار میں بڑی ہی معجزانہ شان رکھتے ہیں، ان مختصر آیات میں حکمت نظریہ اور علیہ تہذیب، اخلاق، سیاست مدن اور تدبیر منزل جیسے عظیم اصول اور ان کا لباب وجوہر جمع کر دیا گیا ہے حکمت نظریہ ہی انسان کی زندگی کو فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچانے والی ہے، اس کو بڑی ہی اہمیت سے بیان کیا گیا پھر یہ کہ انسان کے عمل نیک وبد کی جزاء ملتی ہے مرنے کے بعد روح دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے، جہاں اس کو اچھے اور برے اعمال کا ثواب وعذاب دیکھنا ہوتا ہے تو انسان کی عملی کوششوں کا یہی عقیدہ اصل بنیاد ہے تو اس سورت میں بڑے ہی اختصار سے اس کو بھی ذکر فرمایا گیا،

اس سورت کا پہلی سورت سے ربط ظاہر ہے، وہاں قریش پر خاص انعامات کا ذکر تھا، اور انعامات کو یاد دلا کر ان کو رب البیت کی بندگی کی دعوت دی گئی تھی، تو اس سورت میں قریش کے وہ امراض روحانیہ بیان کیے جا رہے ہیں جو ان کیلئے دین و دنیا کی سعادت سے محرومی کا باعث ہے،

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝

ماعون ایسی چیز کو کہتے ہیں جو معمولی سی چیز ہو اگر کسی کو استعمال کے لیے دے دی جائے تو دینے والے کے مال میں کوئی خاص کمی نہ آئے چونکہ اس سورت کے آخر میں ماعون سے منع کرنے والوں کی مذمت وارد ہوئی ہے اس لیے سورۃ الماعون کے نام سے معروف اور مشہور ہے۔

اس سورت میں چھ چیزوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اولاً فرمایا: اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ اے نبی کیا آپ نے اسے دیکھا جو دین یعنی جزاء کو جھٹلاتا ہے یعنی قیامت کے دن کا اور اس بات کا انکار کرتا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے اور اعمال کی جزا سزا ملے گی۔

ثانیاً: اس شخص کی بے رحمی کا ذکر کیا اور فرمایا: فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ (سو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے)

ثالثاً یوں فرمایا: وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (کہ یہ شخص مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا) اس میں اس منکر قیامت کی کنجوسی کی انتہا بتا دی کہ یہ خود تو کسی مسکین پر کیا خرچ کرتا، دوسروں کو بھی خرچ کرنے کی ترغیب نہیں دیتا۔ یتیم کو بھی دھکے دیتا ہے اور مسکین پر بھی رحم نہیں کھاتا، روز جزاء کی تکذیب کرنے والے کی یہ دونوں صفات بیان فرمائی ہیں جس میں یہ معلوم ہوا ہے کہ ایمان ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے دل نرم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مومن بندے رحم کرتے ہیں اور ترس کھاتے ہیں اور یوم آخرت میں اللہ تعالیٰ سے اس کی جزا ملنے کی امید رکھتے ہیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے اور روز جزاء کے واقع ہونے کا انکار کرتے ہیں ان میں رحم دلی نہیں ہوتی اگر کسی پر کچھ خرچ کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے دنیوی مطلب سے کرتے ہیں اور یوم جزاء میں ثواب ملنے کی امید نہیں رکھتے۔ جب آخرت ہی کو نہیں مانتے تو ثواب کی کیا امید رکھیں گے۔ سورۃ الحاقۃ میں کافروں کا عذاب بتانے کے بعد فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (بیشک وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا)۔ منکر قیامت کی بعض صفات بیان فرمائیں، جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر دعوے کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو منافق ہیں۔ (ان کا دعوائے ایمان جھوٹا ہے) اور وہ لوگ بھی ہیں جو ملت اسلامیہ سے تو خارج نہیں لیکن اعمال کے اعتبار سے ان کا طرز زندگی اوامر اسلامیہ کے خلاف ہے، فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (سو ایسے نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا دینے والے ہیں)۔ (یہ پہلی صفت ہوئی) الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ جو دکھلاوا کرتے ہیں (یہ دوسری صفت ہوئی) وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ اور معمولی چیز کو منع کر دیتے ہیں (یہ تیسری صفت ہوئی)۔

پہلی صفت میں یہ بیان کیا کہ کہنے کو نمازی بھی ہیں لیکن نماز سے غفلت برتتے ہیں، یہ لفظ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو نماز کو بالکل ہی نہیں پڑھتے اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو وقت سے ناوقت کر کے پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو اس

کو ارکان اور شروط کے مطابق ادا نہیں کرتے اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو خشوع کی طرف دھیان نہیں دیتے اور اس کے معانی میں غور نہیں کرتے۔ مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ الفاظ کا عموم ان سب کو شامل ہے اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو شخص ان صفات میں سے کسی بھی ایک صفت سے متصف ہوگا اسی درجہ میں آیات کا مضمون اس کو شامل ہوگا، پھر لکھا ہے کہ جس میں یہ سب صفات موجود ہوں وہ پوری طرح آیت کی وعید کا مستحق ہوگا اور اس میں پوری طرح نفاق عملی پایا جائے گا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوجاتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے ان میں اللہ کو بس ذرا سا یاد کرتا ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ یہ لوگ ریاکاری کرتے ہیں بعض لوگ سستی کی وجہ سے بعض کاروباری دھندوں کی وجہ سے نماز کو بے وقت کرکے پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگوں کے دل نماز پڑھنے کا حقیقی جذبہ ہی نہیں ہوتا، دل تو چاہتا نہیں مگر یہ بھی خیال ہے کہ لوگ کیا کہیں گے اس لیے وقت نکلتے ہوئے کھڑے ہو کر جلدی سے جھوٹے دل سے ٹکریں مار لیتے ہیں۔

ریاکاری بہت بری بلا ہے سورۂ نساء میں منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ، وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى، یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا (بے شک منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ ان کے دھوکے کی جزا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر ذرا سا)۔

بات یہ ہے کہ جسے اللہ سے ثواب لینا ہو وہ خوب اچھی طرح دل کے ساتھ عبادت میں لگتا ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو زبان پر جاری کرتا ہے اور دل میں بساتا ہے اس کے لیے خلوت اور جلوت برابر ہے وہ مخلوق کو اس لائق سمجھتا ہی نہیں کہ ان کے لیے کوئی ایسا عمل کرے جو عبادات میں سے ہو، اور جسے مخلوق کو راضی کرنا ہے وہ برے دل سے تھوڑا سا عمل کرتا ہے وہ بھی لوگوں کے سامنے (تنہائی میں نہیں کرسکتا) ذرا سا عمل کیا اس کا ڈھنڈورہ پیٹ دیا، تہجد پڑھا لوٹا بجادیا، صبح ہوئی تو لوگوں کے سامنے ترکیب سے بیان کردیا کہ میاں آج رات کو اٹھا تو سردی کے مارے لرزہ چڑھ گیا، قرآن شریف پڑھا، لوگوں کو معتقد بنانے کے لیے، اگر چند قاری جمع ہوگئے تو مجلس منعقد کرنے والوں سے ناراض ہوگئے کہ تم نے میرے بعد دوسرے کی تلاوت کیوں رکھی، میرا جو رنگ جما تھا اسے خراب کردیا، مقرر صاحب اسٹیج پر تشریف لائے، تقریر فرمائی نہ اپنے گلے سے اتری نہ سننے والوں کے کانوں سے آگے بڑھی، مقرر داد لینے والے اور سننے والے کانوں کو غذا دینے والے عمل کا ارادہ کسی کا نہیں ہے۔

الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۙ کو مستقل آیت قرار دے کر اور یُرَآءُوْنَ ۙ کا مفعول حذف فرما کر ہر قسم ریاکاروں کی مذمت بیان فرمادی۔ بدنی عبادات کے علاوہ مالیات خرچ کرنے میں بھی ریاکاری ہوتی ہے۔ مسجد بنادی تو شہرت کے لیے اپنے نام پر مسجد کا نام رکھنے کی ضد، کسی مدرسہ میں کوئی حجرہ بنوادیا اس پر اپنے نام کا کتبہ لگانے کا اصرار، کوئی کتاب چھپوا کر تقسیم کردی اس پر اپنے نام کی تشہیر، زکوٰۃ دے دی تو اس کا اشتہار، مدارس کے سفراء سے رسید لے کر اپنے ہاتھ سے اپنے القاب وآداب کے ساتھ نام لکھنا تاکہ روئیداد میں القاب کے ساتھ نام چھپے۔ یہ چیزیں دیکھنے میں آتی رہتی ہیں اور بہت سے لوگ کسی کی مالی امداد کرتے ہیں تو احسان جتاتے ہیں اور دکھ دیتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى

كَالَّذِیْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان دھر کے اور ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتا)۔

یاد رہے کہ اللہ نے جو عبادت کی توفیق دی اس سے دل میں مسرت اور خوشی آ جانا، یہ ریا کاری نہیں ہے اور لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام بھی ریا کاری نہیں۔ ریا کاری یہ ہے کہ لوگوں کو معتقد بنانے کا اور شہرت اور جاہ کا ارادہ ہو بعض جاہل مسجد میں جماعت سے نماز نہیں پڑھتے شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھائی ہے کہ لوگوں کے سامنے عمل کروں گا تو ریا کاری ہو جائے گی حالانکہ ریا کاری دل کے اس ارادہ کا نام ہے کہ لوگ میری تعریف کریں اور میرے معتقد بنیں۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا: اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (اگر تم صدقات کو ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے اور اگر ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے)۔

دیکھو صدقات ظاہر کر کے دینے کو بھی اچھی بات بتا دی، مومن بندے کے لیے لازم ہے کہ خلوت میں ہو یا جلوت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرے۔ مخلوق سے نہ جاہ کا امیدوار ہو نہ مال کا طالب۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾ (کہ یہ لوگ ماعون سے روکتے ہیں) ماعون کے بارے میں مفسر ابن کثیر نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز استعمال سے نہ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے نہ بدلتی ہے نہ خراب ہوتی ہے اس کے دینے میں کنجوسی کرنا یہ ماعون کا روکنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا گیا کہ ماعون کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ جو لوگ آپس میں مانگنے کے طور پر دے دیتے ہیں جیسے ہتھوڑا، ہانڈی، ڈول، ترازو اور اسی طرح کی چیزیں ماعون ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا متاع البیت یعنی گھر کا استعمالی سامان ماعون ہے حضرت عکرمہ نے ماعون کی مثال دیتے ہوئے چھلنی، ڈول اور سوئی کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ بعض حضرات نے وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ زکوٰۃ فرض ہوتے ہوئے بھی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت مجاہد اور حضرت عکرمہؓ سے یہ تفسیر نقل کی گئی ہے۔ (ابن کثیر صفحہ ۵۵۵، ۵۵۶: ج ۴)

اگر ریا کاری کے طور پر اچھی نماز پڑھے چونکہ وہ اللہ کے لیے نہیں اس لیے خالق جل مجدہ کے حق کی ادائیگی میں وہ بھی کنجوسی ہے اس کنجوسی کو ذکر کرنے کے بعد مال کی کنجوسی ذکر کی اس میں مانگنے پر استعمالی چیز نہ دینے کا تذکرہ فرماتے ہوئے: وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾ فرمایا جو مانگنے پر کوئی چیز صرف استعمال کے لیے نہ دے۔ جو استعمال سے نہ گھٹے وہ بالکل کوئی چیز کسی کو کیا دے سکتا ہے جو بالکل ہاتھ سے نکل جائے۔

زکوٰۃ نہ دینا بھی کنجوسی کی ایک شق ہے ایک آدمی کے پاس مال جمع ہو گیا اس میں قواعد شرعیہ کے مطابق زکوٰۃ فرض ہو گئی۔ جو کل مال کا چالیسواں حصہ ہوتا ہے وہ بھی پورا ایک سال گزرنے پر فرض ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کی تو یہ بہت بڑی کنجوسی ہے۔ کوئی شخص استعمال کی چیز ذرا بہت دیر کے لیے دینے سے منکر ہو جائے جیسے یہ کنجوسی ہے اسی طرح معمولی چیز نہ دینا بھی کنجوسی ہے کسی کو آگ دے دی ماچس کی تیلی دے دی، تلاوت کرنے کے لیے قرآن مجید دے دیا یا نماز

پڑھنے کے لیے چٹائی دے دی۔ ان سب چیزوں میں ثواب بہت زیادہ مل جاتا ہے اور روک لینے سے کوئی اپنے پاس مال زیادہ جمع نہیں ہو جاتا جن لوگوں کا مزاج کنجوسی کا ہوتا ہے وہ کسی کو کچھ دینے یا ذرا سی مدد کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا چیز ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں؟ فرمایا پانی، نمک اور آگ، عرض کیا یا رسول اللہ پانی کی بات تو سمجھ میں آ گئی نمک اور آگ میں کیا بات ہے۔ فرمایا جس نے کسی کو آگ دے دی گویا اس سارے مال کا صدقہ کر دیا جسے آگ نے پکایا اور جس نے نمک دے دیا گویا اس نے سارے مال کا صدقہ کر دیا جسے نمک نے مزیدار بنایا اور جس نے کسی مسلمان کو پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا، گویا اس نے ایک جان کو زندہ کر دیا۔

(مشکوۃ المصابیح صفحہ ۲۶۰ از ابن ماجہ)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کے سامنے تیرا مسکرا دینا صدقہ ہے اور امر بالمعروف صدقہ ہے، نہی عن المنکر صدقہ ہے جو شخص راستہ گم کیے ہو اسے راہ بتا دینا صدقہ ہے کمزور بینائی والے کی مدد کر دینا صدقہ ہے اور راستہ سے پتھر، کانٹا، ہڈی ہٹا دینا صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا صدقہ ہے۔

(رواہ الترمذی کمافی المشکوۃ صفحہ ۱۶۹)

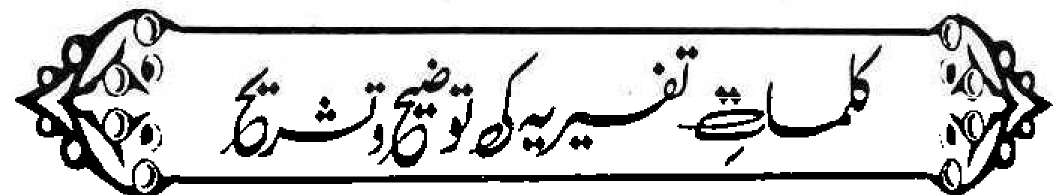
فائدہ: لفظ حض (مضاعف) قرآن مجید میں صرف تین جگہ آیا ہے اور تینوں جگہ یتیم کو کھانا نہ کھلانے کی شکایت کے تذکرہ میں وارد ہوا ہے، دو جگہ مجرد ہے ایک جگہ سورۃ الحاقہ میں اور ایک جگہ سورۃ الماعون میں، تیسرا جو سورۃ الفجر میں ہے یہ باب تفاعل سے ہے۔



سورۂ کوثر مکہ میں نازل ہوئی ۔ شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔ اور اس کی تین آیتیں ہیں

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ يَا مُحَمَّدُ الۡكَوۡثَرَ ۝۱ هُوَ نَهۡرٌ فِى الۡجَنَّةِ اَوۡهُوَ حَوۡضُهٗ تَرِدُ عَلَيۡهِ اُمَّتُهٗ اَوِ الۡكَوۡثَرُ الۡخَيۡرُ الۡكَثِيۡرُ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالۡقُرۡاٰنِ وَالشَّفَاعَةِ وَنَحۡوِهَا فَصَلِّ لِرَبِّكَ صَلَاةَ عِيۡدِ النَّحۡرِ وَانۡحَرۡ ۝۲ نُسُكَكَ اِنَّ شَانِئَكَ اَىۡ مُبۡغِضَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ۝۳ الۡمُنۡقَطِعُ عَنۡ كُلِّ خَيۡرٍ اَوِ الۡمُنۡقَطِعُ الۡعَقَبُ نَزَلَتۡ فِى الۡعَاصِ بۡنِ وَائِلٍ سَمَّى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اَبۡتَرَ عِنۡدَ مَوۡتِ ابۡنِهِ الۡقَاسِمِ

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے آپ کو (اے محمدؐ) کوثر عطا فرمائی ہے (یہ جنت کی نہر یا حوض ہے۔ جہاں امتِ محمدیہ لے جائی جائے گی۔ یا کوثر سے مراد نبوت، قرآن، شفاعت وغیرہ خیر کثیر ہے) سو آپ اپنے پروردگار کے لیے (بقرعید کی) نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔ یقیناً آپ کا دشمن (مخالف ہی) بے نام ونشان ہے (ہر طرح کی خیر سے محروم، یا منقطع النسل ہے۔ یہی آیت عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوئی۔ جب اس نے آپؐ کے صاحبزادہ قاسم کی رحلت پر آپ کو ابتر کہا تھا)



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله :اَوِ الۡكَوۡثَرُ الۡخَيۡرُ الۡكَثِيۡرُ : نہر کوثر یا حوض کوثر یہ خیر کثیر ہی میں سے ہے۔ آپ کا نہر کے ساتھ اس کی تفسیر کرنا بطور مثال ہے۔ ابن عباسؓ وابن جبیرؒ سے بخاریؒ نے یہی تفسیر نقل کی ہے۔

قوله :اِبۡنِهِ الۡقَاسِمِ: آپ ﷺ کے بڑے بیٹے کا نام ہے جو نبوت سے پہلے پیدا ہوا اسی سے آپ کی کنیت ابو القاسم تھی۔ وہ تقریباً دو سال زندہ رہا، اس کی وفات پر قریش مکہ نے ابتر کا طعنہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت ان کی تردید میں اتاری۔ (المواهب)

قوله :نہر: قرطبی کہتے ہیں: آپ کو ایک حوض محشر میں ملے گا اور ایک جنت میں نہر دونوں کا نام کوثر ہے۔ (کذا فی مسلم)

۱۔ نقل کیا گیا ہے کہ آپ کے بیٹے قاسم کی وفات پر عاص بن وائل نے ابتر کا طعنہ دیا تو یہ سورت آپ کی تسلی کے لیے اتری۔

۲۔ عاص بن وائل کی نسل کا تعلق اس سے کٹ گیا جو مر گئے سو مر گئے۔ باقی اسلام لائے۔ آپ کی روحانی اولاد میں داخل ہو گئے۔ (م)

۳۔ کوثر کی بہترین تفسیر وہی "خیر کثیر" ہے جس کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ (ب)

تفسیر مقبولین

سورۃ الکوثر مکیہ ہے جس کی تین آیات ہیں اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ سے اسی طرح منقول ہے، یہ سورت بھی جامعیت مضامین میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

ابتداء میں آنحضرت ﷺ کو خداوند عالم کی طرف سے خیر کثیر عطا کیے جانے کا اعلان ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو وحی اور علوم الٰہیہ رشد و ہدایت اور فلاح و سعادت آپ کو دیے گئے انکی عظمت و برتری اور بہتری کی کوئی حد نہیں ہو سکتی، جس علم و حکمت نے دنیا کو انسانیت سکھادی ان کے عقائد اعمال و اخلاق کی بلندیوں تک پہنچا دیا، گمراہیوں کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت اور ایمان و تقویٰ کے نور سے انکی زندگیاں روشن کر دیں، بلاشبہ وہ ایسی خیر کثیر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی خیر کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے، اس خیر کثیر کے عملی پہلوؤں کی تکمیل صلوٰۃ اور قربانی سے ہوتی ہے، تو: فصل لربك وانحر فرمادیا اور حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور عنداللہ مقبولیت کا یہ مقام ہے کہ آپ ﷺ کا دشمن اور بدخواہ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو کر رہے گا۔

غرض اس سورت میں بے شمار مطالب اور اسرار و حکم ہیں جس کا مقابلہ عرب کا کوئی فصیح و بلیغ ادیب و شاعر نہ کر سکا، روایات میں ہے کہ عرب کے شعراء میں سے مایہ ناز شعراء اپنے اپنے اشعار اور قصائد بیت اللہ کی دیواروں اور پردے پر لگا دیتے تھے۔ لیکن جب یہ سورت نازل ہوئی سب حیرت میں پڑ گئے اور شرما کر اپنے اپنے کلام بیت اللہ کی دیواروں پر سے اتار لیئے اور پھر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ اپنا کوئی شعر یا کلام وہاں لگائے اور ہر ایک کی زبان سے یہ الفاظ بطور اعتراف جاری تھے۔ ماھذا کلام البشر۔ کہ بے شک یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝١

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے نوازا، سید الانبیاء والرسل بنایا، قرآن عطا فرمایا، بہت بڑی امت آپ کے تابع بنائی۔ آپ کا دین سارے عالم اور ساری اقوام میں پھیلایا اور آخرت میں آپ کو بہت بڑی خیر سے نوازا۔ مقام محمود بھی عطا فرمایا۔ نہر کوثر بھی خیر کثیر میں ایک حصہ ہے۔ خیر کثیر اسی پر منحصر نہیں۔ احادیث شریفہ میں نہر کوثر کی بھی بہت عظیم صفات بیان فرمائی گئی تھا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں (شب معراج) میں جنت میں چل پھر رہا تھا اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہر ہے اس کے دونوں جانب موتیوں کے بنائے ہوئے ایسے قبے ہیں کہ موتیوں کو اندر سے تراش کر ایک ایک

موتی کا ایک ایک قبہ بنا دیا گیا ہے۔ میں نے دریافت کیا اے جرائیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ اس کے اندر کی مٹی بہت تیز خوشبودار مشک ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے حوض کا طول اور عرض اتنا زیادہ ہے کہ اس کے ایک طرف سے دوسری طرف جانے کے لیے ایک ماہ کی مدت درکار ہے اور اس کے گوشے برابر ہیں۔ (یعنی طول و عرض دونوں برابر ہیں) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ ہے اور اس کے لوٹے اس قدر ہیں جتنے آسمان کے ستارے ہیں، جو اس میں سے پیے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۸۷ از بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا حوض اس قدر عریض و طویل ہے کہ اس کی دو طرفوں کے درمیان اس فاصلہ سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جو ایلہ سے عدن تک ہے۔ سچ جانو وہ برف سے زیادہ سفید اور اس شہد سے زیادہ میٹھا ہے جو دودھ میں ملا ہوا ہو، اور اس کے برتن ستاروں کی تعداد سے زیادہ ہیں اور میں (دوسری امتوں کو) اپنے حوض پر آنے سے ہٹاؤں گا، جیسے (دنیا میں) کوئی شخص دوسرے کے اونٹوں کو اپنے حوض سے ہٹاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس روز آپ ہم کو پہچانتے ہوں گے؟ ارشاد فرمایا ہاں (ضرور پہچان لوں گا اس لیے کہ) تمہاری ایک علامت ہوگی جو کسی اور امت کی نہ ہوگی۔ اور وہ یہ کہ تم حوض پر میرے پاس اس حال میں آؤ گے کہ وضو کے اثر سے تمہارے چہرے روشن ہوں گے اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۸۷ از مسلم)

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آسمان کے ستاروں کی تعداد میں حوض کے اندر سونے چاندی کے لوٹے نظر آ رہے ہوں گے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۸۷ از مسلم)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس حوض میں دو پرنالے گر رہے ہوں گے جو جنت (کی نہر) سے اس کے پانی میں اضافہ کر رہے ہوں گے، ایک پرنالہ سونے کا دوسرا چاندی کا ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح) احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہر کوثر جنت میں ہے۔ میدان قیامت میں اس میں سے ایک شاخ لائی جائے گی جس میں اوپر سے پانی آتا رہے گا اور اہل ایمان اس میں سے پیتے رہیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا عدن اور عمان کے درمیان فاصلہ ہے (حوض کی وسعت کئی طرح ارشاد فرمائی ہے کہیں ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ اس کی طرفوں کے درمیان فرمایا کہیں ایلہ اور عدن کے درمیان فاصلہ سے بھی اس کی وسعت کو تشبیہ دی کہیں کچھ اور فرمایا۔ ان مثالوں کا مقصد حوض کی وسعت کو سمجھانا ہے۔ ناپی ہوئی مسافت بتانا مراد نہیں ہے۔ اہل مجلس کے لحاظ سے وہ مسافت اور فاصلہ ذکر فرمایا ہے جسے وہ سمجھ سکتے تھے۔ حاصل سب روایات کا یہ ہے کہ اس حوض کی مسافت سینکڑوں میل ہے)۔ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور مشک سے بہتر اس کی خوشبو ہے۔ اس کے پیالے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ جو اس میں سے ایک مرتبہ پی لے گا اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔ سب سے پہلے اس پر مہاجر فقراء آئیں گے۔ کسی نے (اہل مجلس میں سے) سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ان کا حال بتا دیجئے۔ ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں (دنیا میں) جن کے سروں کے بال بکھرے ہوئے

اور چہرے (بھوک اور محنت و تھکن کے باعث) بدلے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے (بادشاہوں اور حاکموں) کے دروازے نہیں کھولے جاتے تھے اور عمدہ عورتیں ان کے نکاح میں نہیں دی جاتی تھیں، اور (ان کے معاملات کی خوبی کا یہ حال تھا کہ) ان کے ذمہ جو (کسی کا) حق ہوتا تھا سب چکا دیتے تھے اور ان کا حق جو (کسی پر) ہوتا تھا تو پورا نہ لیتے تھے (بلکہ تھوڑا بہت) چھوڑ دیتے تھے۔ (الترغیب والترہیب)

یعنی دنیا میں ان کی بدحالی اور بے مائیگی کا یہ حال تھا کہ بال سدھارنے اور کپڑے صاف رکھنے کا مقدور بھی نہ تھا اور ظاہر کے سنوارنے کا ان کو ایسا خاص دھیان بھی نہ تھا نہ بناؤ سنگار کے چونچلوں میں وقت گزارتے، اور آخرت سے غفلت برتتے۔ ان کو دنیا میں افکار و مصائب ایسے درپیش رہتے تھے کہ چہروں پر ان کا اثر ظاہر تھا، اہل دنیا ان کو ایسا حقیر سمجھتے تھے کہ مجلسوں اور تقریبوں اور شاہی درباروں میں ان کو دعوت دے کر بلانا تو کیا معنی ان کے لیے ایسے مواقع میں دروازے ہی نہ کھولے جاتے تھے اور وہ عورتیں جو ناز و نعمت میں پلی تھیں ان خاصان خدا کے نکاحوں میں نہیں دی جاتی تھیں۔ مگر آخرت میں ان کا یہ اعزاز ہوگا کہ حوض کوثر پر سب سے پہلے پہنچیں گے، دوسرے لوگ ان کے بعد اس مقدس حوض سے پی سکیں گے۔ (بشرطیکہ اہل ایمان ہوں اور اس میں سے پینے کے لائق ہوں)۔

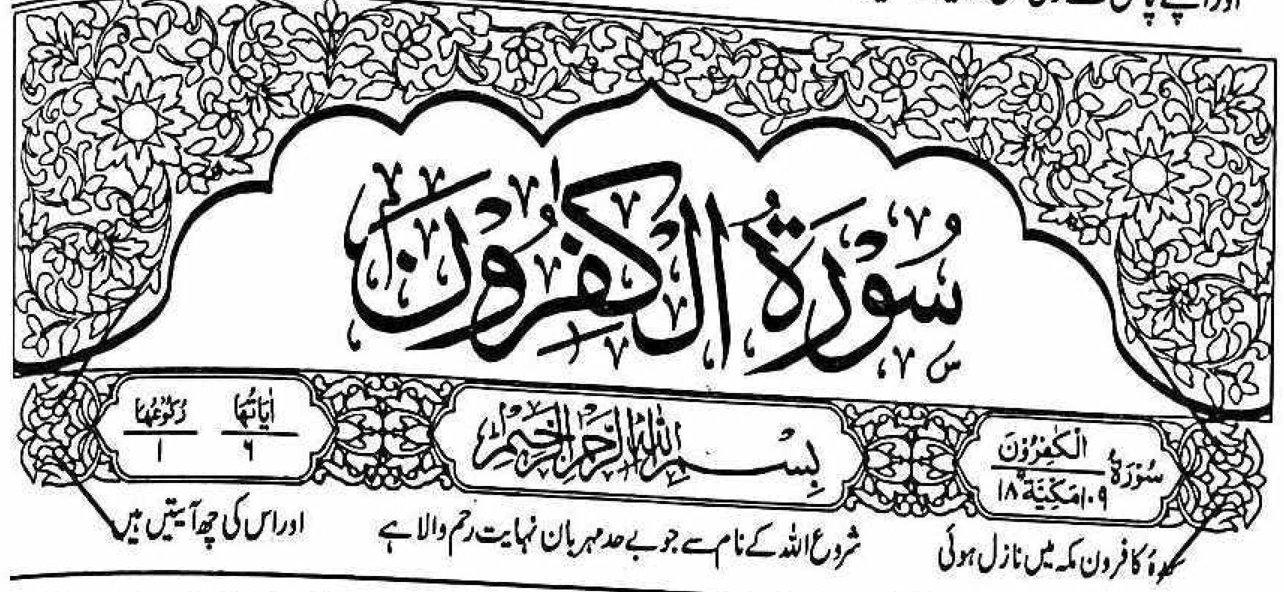
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے جب آنحضرت سید عالم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ حوض کوثر پر سب سے پہلے پہنچنے والے وہ لوگ ہوں کہ جن کے سر کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے رہتے تھے اور جن سے عمدہ عورتوں کے نکاح نہ کیے جاتے تھے اور جن کے لیے دروازے نہیں کھولے جاتے تھے تو اس ارشاد نبوی ﷺ کو سن کر (گھبرا گئے) اور بے ساختہ فرمایا کہ میں تو ایسا نہیں ہوں، میرے نکاح میں عبدالملک کی بیٹی فاطمہ (شہزادی) ہے اور میرے لیے دروازے کھولے جاتے ہیں لامحالہ اب تو ایسا کروں گا کہ اس وقت تک سر کو نہ دھوؤں گا جب تک بال بکھر نہ جایا کریں گے اور اپنے بدن کو اس وقت تک نہ دھوؤں گا جب تک میلا نہ ہو جایا کرے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حوض (کوثر) پر تمہارے پلانے کا انتظام کرنے کے لیے پہلے سے پہنچا ہوا ہوں گا۔ جو میرے پاس سے گزرے گا پی لے گا اور جو اس میں سے پی لے گا کبھی اسے پیاس نہیں لگے گی پھر فرمایا بہت سے لوگ میرے پاس سے گزریں گے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ لگا دی جائے گی۔ میں کہوں گا کہ یہ میرے آدمی ہیں جواب میں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی چیزیں نکال لی تھیں اس پر میں کہوں گا دور ہوں، دور ہوں، جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

دین میں پیچ لگانے والوں کا اس وقت کیسا برا حال ہوگا جبکہ قیامت کے دن پیاس سے بیتاب اور عاجز و بے کس ہوں گے اور حوض کوثر کے قریب پہنچ کر دھتکار دیئے جائیں گے، اور رحمۃ للعالمین ﷺ ان کی ایجادات کا حال سن کر ''دور دور'' فرما کر پھٹکار دیں گے۔

قرآن و حدیث میں جو کچھ وارد ہوا ہے اسی پر چلنے میں بھلائی ہے کامیابی ہے لوگوں نے سینکڑوں بدعتیں نکال رکھی ہیں

اور دین میں ادل بدل کر رکھا ہے جس سے ان کی دنیا بھی چلتی ہے اور نفس کو مزہ بھی آتا ہے اور مختلف علاقوں میں مختلف بدعتیں رواج پاگئی ہیں۔ ایسے لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے تو الٹا سمجھانے والے ہی کو برا کہتے ہیں۔ ہم سیدھی اور موٹی سی ایک بات کہے دیتے ہیں کہ جو کوئی کام کرنا ہو آنحضرت ﷺ نے جیسے فرمایا اسی طرح کریں اور جس طرح آپ نے کیا اسی طرح عمل کریں اور اپنے پاس سے کوئی عمل تجویز نہ کریں۔

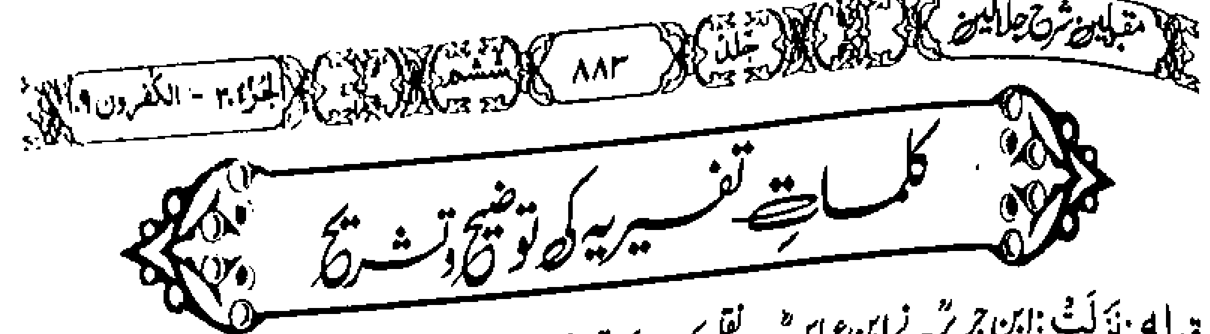


سورۂ کافرون مکہ میں نازل ہوئی ۔ شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔ اور اس کی چھ آیتیں ہیں

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ فِی الْحَالِ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ مِنَ الْاَصْنَامِ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ فِی الْحَالِ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَحْدَهٗ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ فِی الْاِسْتِقْبَالِ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ فِی الْاِسْتِقْبَالِ مَآ اَعْبُدُ ۝ عَلِمَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَاِطْلَاقُ مَا عَلٰی جِهَةِ الْمُقَابَلَةِ لَكُمْ دِيْنُكُمْ الشِّرْكُ وَلِیَ دِيْنِ ۝ الْاِسْلَامُ وَهٰذَا قَبْلَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْحَرْبِ وَحَذَفَ يَاءَ الْاِضَافَةِ السَّبْعَةُ وَقْفًا وَّوَصْلًا وَّاَثْبَتَهَا يَعْقُوْبُ فِی الْحَالَيْنِ

ع ۲۲

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں (فی الحال) تمہارے معبودوں (بتوں) کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم (فی الحال) میرے معبود (اللہ یگانہ) کی پرستش کرتے ہو۔ اور نہ میں (آئندہ) تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا۔ اور نہ تم (آئندہ) میرے معبود کی پرستش کروگے (اللہ کو معلوم تھا کہ یہ کافر ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ کے لیے لفظ ما کا استعمال تقابل کی وجہ سے ہوا ہے) تمہارے لیے تمہارا دین (شرک) ہے اور میرے لیے میرا دین ہے (یعنی اسلام۔ یہ جہاد سے پہلے کا حکم ہے۔ قراءت سبعہ میں دینِ کی یا وقف و وصل کی حالت میں محذوف ہے اور یعقوب دونوں حالتوں میں باقی رکھتے ہیں۔)



قوله: نَزَلَتْ: ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قریش نے جناب رسول اللہ ﷺ کو مال کی پیش کش کی کہ تم بڑے مال دار بن جاؤ یا جس سردار کی بیٹی سے چاہو نکاح کر دیں بشرطیکہ ہمارے معبودوں کی مذمت چھوڑ دو یا پھر اس پر صلح کر لو کہ ایک سال ہم تیرے معبود کی پوجا کریں ایک سال تو ہمارے معبودوں کی پوجا کر دو تو یہ سورت نازل ہوئی۔

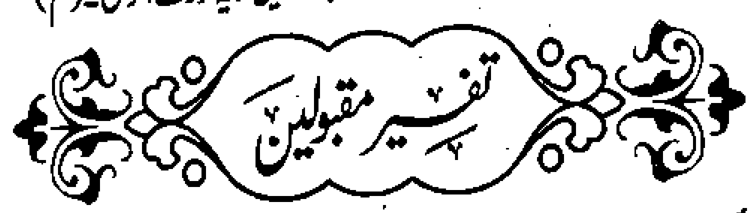
قوله: فِی الْحَالِ، فِی الْاِسْتِقْبَالِ: اعبد و دونوں مواقع میں الگ الگ زمانوں کے لیے ہے۔ تکرار کے لیے نہیں۔

قوله: عَلِمَ اللّٰهُ: اس سے بعض خاص کافر مراد ہیں جن کا علم الٰہی میں کفر پر مرنا مقدر تھا نہ کہ تمام۔ تا کہ ان کی شقاوت ازلی ظاہر ہو جائے۔ (کشف)

قوله: وَاطْلَاقُ مَا: ما اور من کا اطلاق ایک دوسرے کے معنٰی میں عرب میں شائع و ذائع ہے۔

کفار قریش کے وفد نے آ کر آپ سے مطالبہ کیا کہ ایک سال تم ہمارے معبودوں کی عبادت کرو اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی عبادت کریں گے یہ سورت اتری۔ (ق)

بقول طبرانی انہوں نے کہا: کم از کم اتنا کر لیں کہ ان کو برا کہنا چھوڑ دیں تو یہ سورت اتری۔ (م)



سورۃ کافرون بھی مکی سورت ہے، عبداللہ بن مسعودؓ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔

اس سورت کا مضمون درحقیقت اس بات کی تعلیم و تلقین ہے کہ اہل ایمان کو ایمان اور حق پر کلی استقامت اختیار کرنی چاہیے اور کسی مرحلہ پر اہل باطل کو اس کی طرف سے ایسی توقع نہ رہنی چاہیے کہ یہ حق اور ہدایت کے تقاضوں سے کسی درجہ میں انحراف کر سکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی اس ضمن میں واضح کی جارہی ہے کہ حق میں باطل کی آمیزش کا کوئی امکان نہیں، اہل حق کو اسی پر استقامت چاہیے اور اگر اہل باطل کی طرف سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ کسی طرح بھی حق قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور عناد و بغض سے اس درجہ اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہیں کہ قریب بھی آنے کو تیار نہیں تو پھر ان کو ایک آخری پیغام کے طور پر اعلان کر دینا چاہیے کہ اب اس صورت حال میں ہم مایوس ہو چکے ہیں تم اگر حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ اور تم یہ توقع اپنے دل سے نکال دو کہ ہم تمہاری دلجوئی کے واسطے تمہارے مذہب اور تمہارے اخلاق و اطوار اختیار کر سکتے ہیں تو یہ اہم حقائق اور امور ان چند آیات میں ذکر فرمائے گئے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝

سورت کے فضائل اور خواص :- حضرت صدیقہ عائشہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لیے دوسورتیں بہتر ہیں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص (رواہ ابن ہاشم مظہری) اور تفسیر ابن کثیر میں متعدد صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو صبح کی سنتوں میں اور بعد مغرب کی سنتوں میں بکثرت یہ دوسورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ بعض صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی دعا بتا دیجئے جو ہم سونے سے پہلے پڑھا کریں، آپ نے قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ پڑھنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ شرک سے براءت ہے (رواہ الترمذی وابوداؤد) اور حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوشحال بامراد رہو اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بیشک میں ایسا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آخر قرآن کی پانچ سورتیں سورۃ کافرون، سورۃ نصر، سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھا کرو اور ہر سورۃ کو بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو۔ حضرت جبیر فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا حال یہ تھا کہ سفر میں اپنے دوسروں ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد خستہ حال ہوتا تھا۔ جب سے رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کیا میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا (مظہری بحوالہ ابویعلی) اور حضرت علی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو بچھو نے کاٹ لیا تو آپ نے پانی اور نمک منگایا اور یہ پانی کاٹنے کی جگہ لگاتے جاتے تھے اور قل یا ایھا الکافرون قل اعوذ برب الفلق قل اعوذ برب الناس پڑھتے جاتے تھے۔ (مظہری)

شان نزول: ابن اسحق کی روایت ابن عباس سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں اس پر صلح کرلیں کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ (قرطبی) اور طبرانی کی روایت حضرت ابن عباس سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے اول تو باہمی مصالحت کے لیے رسول اللہ ﷺ کے سمنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ سارے مکہ میں سب سے زیادہ ملدار ہو جائیں اور جس عورت سے آپ چاہیں آپ کا نکاح کردیں، آپ صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہیں مانتے تو ایسا کریں کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں۔ (مظہری)

چند رؤسائے قریش نے کہا کہ اے محمد ﷺ آؤ! ہم تم صلح کرلیں کہ ایک سال تک آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں، پھر دوسرے سال ہم آپ کے معبود کو پوجیں۔ اس طرح دونوں فریق کو ہر ایک کے دین سے کچھ نہ کچھ حصہ مل جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی پناہ کہ میں اس کے ساتھ (ایک لمحہ کے لیے بھی) کسی کو شریک ٹھہراؤں۔ کہنے لگے اچھا تم ہمارے بعض معبودوں کو مان لو (ان کی مذمت نہ کرو) ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور تمہارے معبود کو پوجیں گے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اور آپ ﷺ نے ان کو مجمع میں پڑھ کر سنائی۔ جس کا خلاصہ مشرکین کے طور وطریق سے بکلی بیزاری کا اظہار اور انقطاع تعلقات کا اعلان کرتا ہے۔ بھلا انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا کام شرک کی جڑیں کاٹنا ہے۔ ایسی ناپاک اور گندی صلح پر کب راضی ہوسکتے ہیں۔ فی الحقیقت اللہ کے معبود ہونے میں تو کسی مذہب والے کو اختلاف ہی نہیں۔ خود مشرکین اس کا

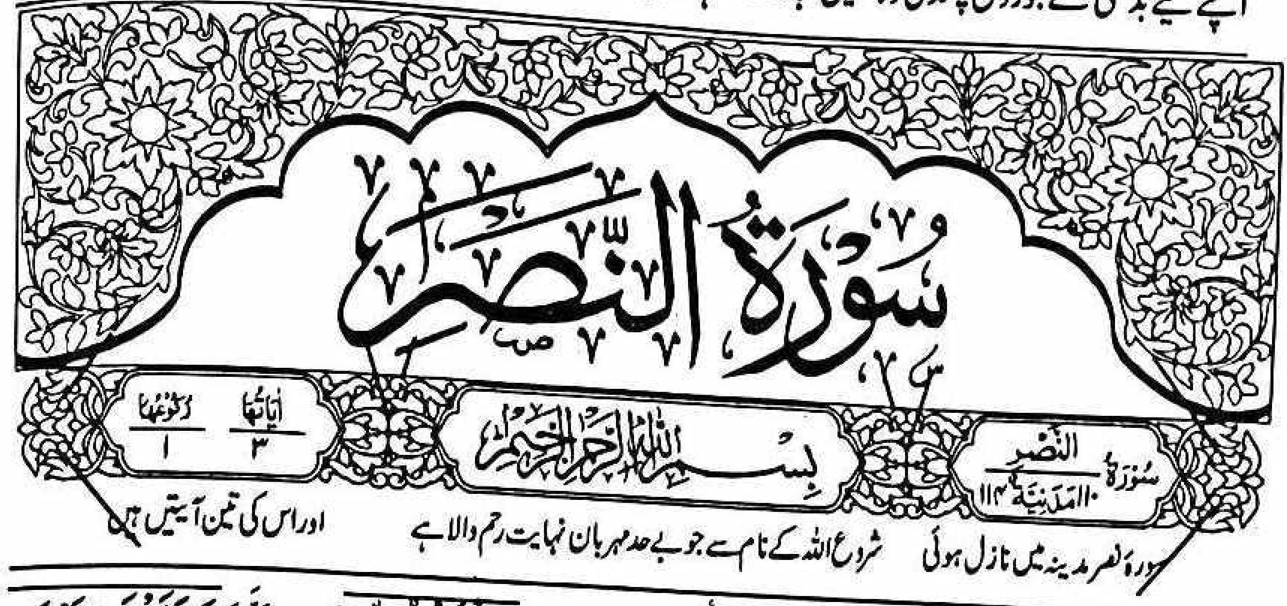
اقرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بتوں کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کردیں گے (مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى) (الزمر:۳) اختلاف جو کچھ ہے غیر اللہ دونوں کی پرستش میں ہے۔ لہٰذا صلح کی جو صورت قریش نے پیش کی تھی اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ تو برابر اپنی روش پر قائم رہیں۔ یعنی اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کیا کریں اور آپ اپنے مسلک توحید سے دستبردار ہو جائیں۔ اسے گفتگوئے مصالحت کو ختم کرنے کے لیے یہ سورت اتاری گئی ہے۔

وَلَآ أَنتُمْ عٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ۝

یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلاشرکت غیرے پرستش کرنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیئے جا سکتے نہ اب نہ آئندہ، اس تقریر کے موافق آیتوں میں تکرار نہیں رہی (تنبیہ) بعض علماء نے یہاں تکرار کو تاکید پر حمل کیا ہے اور بعض نے پہلے دو جملوں میں حال واستقبال کی نفی، اور اخیر کے دو جملوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے۔ کما صرح بہ الزمخشری اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے۔ کما یظھر من الترجمۃ۔ لیکن بعض محققین نے پہلے دو جملوں میں ما موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں ما کو مصدر یہ لے کر یوں تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان معبود میں اشتراک ہے نہ طریق عبادت میں۔ تم بتوں کو پوجتے ہو، وہ میرے معبود نہیں، میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان وصفت میں کوئی شریک نہ ہو سکے، ایسا خدا تمہارا معبود نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تم جس طرح عبادت کرتے ہو، مثلاً ننگے ہو کر کعبہ کے گرد ناچنے لگے یا ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگے، میں اس طرح کی عبادت کرنے والا نہیں۔ اور میں جس شان سے اللہ کی عبادت بجا لاتا ہوں تم کو اس کی توفیق نہیں لہٰذا میرا اور تمہارا راستہ بالکل الگ الگ ہے اور احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ پہلے جملے کو حال واستقبال کی نفی کے لیے رکھا جائے۔ یعنی میں اب یا آئندہ تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کر سکتا جیسا کہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔ اور وَلَآ أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ کا مطلب (بقول حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ) یہ لیا جائے کہ (جب میں خدا کا رسول ہوں تو) میری شان یہ نہیں اور نہ کسی وقت مجھ سے ممکن ہے (بامکان شرعی) کہ شرک کا ارتکاب کروں۔ حتیٰ کہ گزشتہ زمانہ میں نزول وحی سے پہلے بھی جب تم سب پتھروں اور درختوں کو پوج رہے تھے، میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی۔ پھر اب اللہ کی طرف سے نور وحی وبینات وہدیٰ وغیرہ آنے کے بعد کہاں ممکن ہے کہ شرکیات میں تمہارا ہم نوا ہو جاؤں۔ شاید اسی لیے یہاں وَلَآ أَنَا عَابِدٌ میں جملہ اسمیہ، اور مَا عَبَدتُّمْ ۝ میں صیغہ ماضی کا عنوان اختیار فرمایا۔ رہا کفار کا حال، اس کا بیان دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے فرمایا۔ وَلَآ أَنتُمْ عٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ۝ یعنی تم لوگ تو اپنی سوء استعداد اور انتہائی بدبختی سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور کسی حال میں خدائے واحد کی بلاشرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو۔ حتیٰ کہ عین گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا ساتھ لگائے رکھتے ہو۔ اور ایک جگہ ماتعبدون بصیغہ مضارع اور دوسری جگہ ماعبدتم بصیغہ ماضی لانے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے معبود ہر روز بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی نظر آئی یا کوئی خوبصورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کر معبود بنا لیا۔ اور پہلے کو رخصت کیا۔ پھر ہر موسم کا اور ہر کام کا جدا معبود ہے، ایک سفر کا، ایک حضر کا، کوئی روٹی دینے والا، کوئی اولاد دینے والا، وقس علیٰ ہذا

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ یعنی تم نے ضد باندھی اب سمجھانا کیا فائدہ کرے گا جب تک اللہ فیصلہ کریں اب ہم تم سے بالکل بیزار ہو کر اسی فیصلہ کے منتظر ہیں۔ اور جو دین قویم اللہ نے ہم کو مرحمت فرمایا ہے اس پر نہایت خوش ہیں، تم نے اپنے لیے بدبختی سے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک رہے۔ ہر ایک فریق کو اس کی راہ و روش کا نتیجہ مل رہے گا۔



سورۂ نصر مدینہ میں نازل ہوئی　شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے　اور اس کی تین آیتیں ہیں

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْدَائِهٖ وَالْفَتْحُ ۝ فَتْحُ مَكَّةَ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَيِ الْاِسْلَامِ اَفْوَاجًا ۝ جَمَاعَاتٍ بَعْدَ مَا كَانَ يَدْخُلُ فِيْهِ وَاحِدٌ وَاحِدٌ وَذٰلِكَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَ الْعَرَبُ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ طَائِعِيْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اَيْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ نُزُوْلِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ وَعَلِمَ بِهَا اَنَّهٗ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهٗ وَكَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ سَنَةَ ثَمَانٍ وَتُوُفِّيَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ سَنَةَ عَشَرَ

ع ۲۵

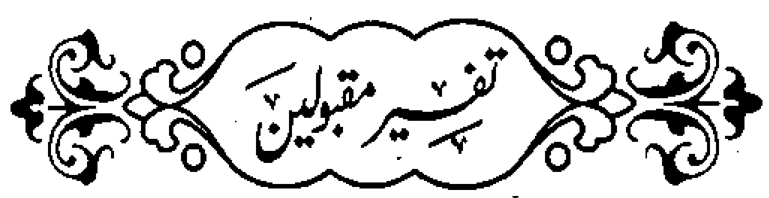
ترجمہ: جب اللہ کی طرف سے مدد (دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے نبی ﷺ کی) اور فتح (مکہ) آپہنچے۔ اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین (اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں (فوج در فوج درآنحالیکہ پہلے ایک ایک آدمی اسلام میں داخل ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے اطراف سے لوگ برغبت مسلمان ہو گئے) تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے۔ (جو حمد پر مشتمل ہو) اور اس سے مغفرت کی دعا مانگئے۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (رسول اللہ ﷺ اس سورۃ کے نزول کے بعد بکثرت سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ پڑھتے تھے اور اس سے یہ سمجھ گئے تھے کہ آپ کی رحلت کا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ چنانچہ فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا۔ اور آپ کی وفات ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی۔)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ : عَلِمَ بِهَا : اس سورت کے نزول سے آپ نے معلوم کرلیا کہ آپ کا وقت مقررہ قریب ہے۔ تو آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا تا کہ آخری عمر میں عمل صالح کی اور کثرت ہو۔ آپ ﷺ اکثر سبحانک اللھم اغفرلی انک انت التواب۔ بخاری و مسلم نے حضرت ابوسعیدؓ سے آپ ﷺ کا خطبہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے وفات کا اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا میں رہنے کا اختیار دیا یا آخرت، اس نے آخرت کو پسند کیا تو ابوبکرؓ رونے لگے اور کہہ رہے تھے نفدی یا باءنا وامھاتنا۔ تو سب ابوبکرؓ کے رونے پر حیران تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ کی وفات ہوگئی۔ معلوم ہوا اس بندے سے مراد آپ کی ذات تھی۔ مقاتل نے نقل کیا کہ مجمع میں رونے والے عباسؓ تھے اور انہوں نے اس سورت سے آپ کی وفات کا قریب آنا سمجھا۔ اس کے ساٹھ روز بعد آپ کی وفات ہوگئی۔ (کشف)

قولہ : اَفْوَاجًا : یدخلون کے فاعل سے حال ہے اور رؤیت سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے۔

سب سے آخری آیت : تو اتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ... ہے۔ البتہ سب سے آخری مکمل سورت مفسرین کے بیان کے مطابق یہ ہے۔ بقول ابن عمرؓ یہ حجۃ الوداع میں اتری اور قتادہ کے بقول یہ فتح خیبر کے بعد اتری، اس سے فتح مکہ سے قبل اس کے نزول کی تائید ملتی ہے۔ (ق۔م)



سورۃ النصر جمہور مفسرین کے نزدیک مدینہ ہے، بعض روایات نے یہ بیان کیا کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایام تشریق کے دوران مقام منیٰ میں نازل ہوئی اس سورت کا نام بعض حضرات نے سورۃ التودیع بھی بیان کیا ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بروایت صدقۃ بن یسارؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر یہ سورت جب ایام تشریق میں نازل ہوئی تو آپ نے سمجھ لیا کہ یہ سورت میرے واسطے پیغام الوداع ہے اور اسی کے بعد آپ ﷺ نے وہ معروف خطبہ دیا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے جس میں آپ ﷺ نے قیامت تک کے واسطے تمام عالم کے لیے ایسے رہنما اصول ذکر فرمائے جس میں امن عالم انسانیت کی فلاح وکامیابی اور مسلمانوں کی عزت وعظمت جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کے جملہ قوانین ارشاد فرما دیئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فاطمہؓ کو بلایا اور فرمایا اے فاطمہؓ مجھے خبر رحلت دے دی گئی ہے، جس پر حضرت فاطمہؓ بیقرار ہو کر رونے لگیں، اس کیفیت کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فاطمہؓ سے پھر یہ فرمایا۔

اے فاطمہؓ تو میرے گھرانہ میں سب سے پہلے وہ ہے جو مجھے ملے گی، جس پر حضرت فاطمہؓ ہنسنے لگیں۔ (رواہ البخاری ومسلم)
اور پھر یہ راز رکھا حتی کہ حضرت عائشہؓ کو بھی باوجود اصرار کے نہ بتایا، تا آنکہ آنحضرت ﷺ کی رحلت ہوگئی تو اس کا اظہار کیا، اگر چہ اس سے قبل آپ کی وفات کی خبر وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل میں دے دی گئی تھی، لیکن زمانہ رحلت کے قریب تر ہونے کی اطلاع اسی سورت نے کی، اسی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے اس سورت کو سنا تو بیقرار ہو کر رونے لگے جیسا کہ ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ سے دوران خطبہ وہ بات سن کر رونے لگے تھے جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دے دیا کہ وہ دنیا کو اختیار کرے یا اپنے رب کو تو اس بندہ نے اللہ کو اختیار کر لیا تو ابو بکرؓ سمجھ گئے تھے کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ ﷺ کی رحلت کا وقت قریب ہے۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المومنین عمر فاروقؓ مجھ کو بدر کے بزرگوں میں شمار اور داخل فرماتے تو بعض بزرگ صحابہ کو خیال گذرا اور کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے حالانکہ ہمارے بیٹے ابن عباسؓ کے برابر ہیں تو فاروق اعظمؓ نے سب حضرات صحابہ کرامؓ اجمعین سے اس سورت کا مطلب دریافت کیا، جس پر کسی نے ظاہری مطلب بیان کر دیا اور کسی نے سکوت اختیار کیا، ابن عباسؓ سے دریافت کیا اے ابن عباسؓ کیا تم بھی اس سورت کا یہی مطلب سمجھتے ہو؟ جواب دیا نہیں یہ تو رسول اللہ ﷺ کی خبر وفات ہے تو اس طرح عمر فاروقؓ نے ابن عباسؓ کی علمی عظمت کو ظاہر فرمایا۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝

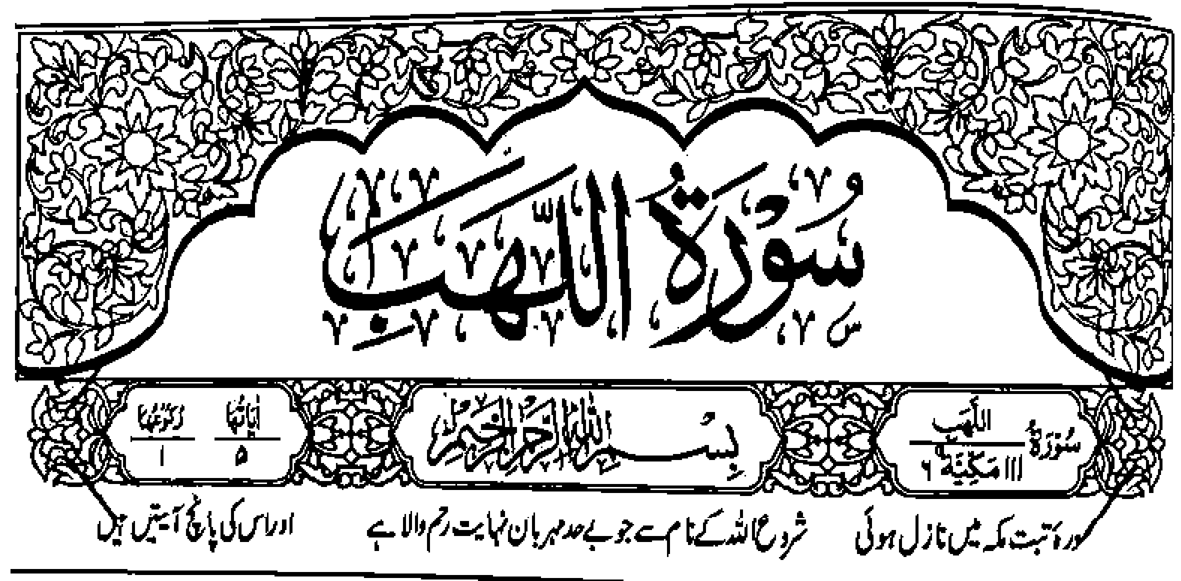
صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس ؓ سے منقول ہے کہ سورۃ نصر قرآن کی آخری سورۃ ہے (قرطبی) مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی مکمل سورۃ نازل نہیں ہوئی بعض آیات کا نزول جو اس کے بعد ہونا بعض روایات میں ہے وہ اس کے منافی نہیں، جیسا کہ سورۃ فاتحہ کو قرآن کی سب سے پہلی سورۃ اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ مکمل سورۃ سب سے پہلے فاتحہ نازل ہوئی ہے۔ سورۃ اقراء اور مدثر وغیرہ کی چند آیات کا اس سے پہلے نازل ہونا اس کے منافی نہیں۔

حضرت ابن عمر ؓ نے فرمایا کہ یہ سورۃ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی اس کے بعد آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی، ان دونوں کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں صرف اسی روز رہے (اسی روز کے بعد وفات ہوگئی) ان دونوں کے بعد آیت کلالہ نازل ہوئی جس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف کے کل پچاس دن رہ گئے تھے اس کے بعد آیت: لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم.... نازل ہوئی جس کے بعد عمر شریف کے کل پینتیس روز باقی تھے اس کے بعد آیت: اتقوا یوما ترجعون فیه الی الله نازل ہوئی جس کے بعد صرف اکیس روز اور مقاتل کی روایت میں صرف سات روز کے بعد وفات ہوگئی۔ (قرطبی)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس آیت: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ میں فتح سے فتح مکہ مراد ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے یا بعد میں لفظ اذا جاء سے بظاہر قبل فتح نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور روح المعانی میں بحر محیط سے ایک روایت بھی اس کے موافق نقل کی ہے جس میں اس سورۃ کا نزول غزوہ خیبر سے لوٹنے کے وقت بیان کیا گیا اور خیبر کی فتح فتح مکہ سے مقدم ہونا معلوم و معروف ہے اور روح المعانی میں بسند عبد ابن حمید حضرت قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

آنحضرت ﷺ اس سورۃ کے نزول کے بعد دو سال زندہ رہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا کیونکہ فتح مکہ سے وفات تک دو سال سے کم مدت ہے۔ فتح مکہ رمضان 8 ہجری میں ہوئی اور وفات ربیع الاول 11 ہجری میں اور جن روایات میں اس کا نزول فتح مکہ یا حجۃ الوداع میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ سورۃ پڑھی ہوگی جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ ابھی نازل ہوئی ہے۔ مزید تحقیق اس کی بیان القرآن میں مذکور ہے۔

متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ میں ہے کہ اس سورۃ میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آجانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا کام پورا ہو چکا اب تسبیح و استغفار میں لگ جائیے۔ مقاتل کی روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کے مجمع کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی جن میں حضرت ابوبکر، عمر اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ موجود تھے سب اس کو سنکر خوش ہوئے کہ اس میں فتح مکہ کی خوشخبری ہے مگر حضرت عباس رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ رونے کا کیا سبب ہے تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ اس میں تو آپ کی وفات کی خبر مضمر ہے آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس سے یہی مضمون روایت کیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب اس کو حضرت عمر نے سنا تو فرمایا کہ اس سورت کے مفہوم سے میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح، قرطبی)



سورۃ تبت مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

لَمَّا دَعَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمَهُ وَقَالَ اِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ فَقَالَ عَمُّهُ اَبُوْلَهَبٍ تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا نَزَلَتْ **تَبَّتْ** خَسِرَتْ **يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ** اَيْ جُمْلَتُهُ وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْيَدَيْنِ مَجَازًا لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهِمَا وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ دُعَاءٌ **وَّتَبَّ** ۝ خَسِرَ هُوَ وَهٰذِهِ خَبَرٌ كَقَوْلِهِمْ اَهْلَكَهُ اللّٰهُ وَقَدْ هَلَكَ وَلَمَّا خَوَّفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَذَابِ فَقَالَ اِنْ كَانَ مَا يَقُوْلُ ابْنُ اَخِيْ حَقًّا فَاِنِّيْ اَفْتَدِيْ مِنْهُ بِمَالِيْ وَوَلَدِيْ نَزَلَ **مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ** ۝ وَكَسْبُهُ اَيْ وَلَدُهُ وَاَغْنٰى بِمَعْنٰى يُغْنِيْ

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ اَیْ تَلَهُّبٍ وَ تَوَقُّدٍ فَهِیَ مَآلُ تَكْنِيَتِهٖ لِتَلَهُّبِ وَجْهِهٖ اِشْرَاقًا وَّحُمْرَةً وَّ امْرَاَتُهٗ عَطْفٌ عَلٰى ضَمِيْرِ يَصْلٰى سَوَّغَهُ الْفَصْلُ بِالْمَفْعُوْلِ وَصِفَتِهٖ وَهِیَ اُمُّ جَمِيْلٍ حَمَّالَةَ بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ الْحَطَبِ ۝ الشَّوْكِ وَالسَّعْدَانِ تُلْقِيْهِ فِیْ طَرِيْقِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ جِيْدِهَا عُنُقِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ اَیْ لِيْفٍ وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنْ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ الَّذِیْ هُوَ نَعْتٌ لِامْرَاَتِهٖ اَوْ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مُّقَدَّرٍ

ع ۵ ۳۲

ترجمہ: (آنحضرت ﷺ نے جب اپنی قوم کو دعوت دینی شروع کی اور فرمایا کہ "انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید" آپ کا چچا ابولہب بولا۔ تبا لک الهذا دعوتنا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں) ٹوٹ گئے (برباد ہو جائیں) دونوں ہاتھ ابولہب کے (یعنی وہ پورا تباہ ہو جائے۔ مجازاً اس کو ہاتھوں سے تعبیر کر دیا ہے۔ کیونکہ اکثر کام ہاتھوں ہی سے کئے جاتے ہیں۔ یہ جملہ دعائیہ ہے) اور وہ برباد ہو جائے (یہ اس کی بربادی کی اطلاع ہے۔ جیسے کہا جائے۔ اہلکہ اللہ وقد ھلک اور چونکہ حضورؐ نے عذاب کی دھمکی دی تھی۔ اس لیے ابولہب کہنے لگا کہ میرے بھتیجہ کی بات اگر ٹھیک نکلی تو میں اپنے مال واولاد کو فدیہ کر دوں گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی) اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا۔ وہ اس کے کسی کام نہ آئے گا (کسب سے مراد اس کی اولاد ہے اور اغنیٰ بمعنی یغنی ہے) عنقریب وہ ایک شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا (یعنی دہکتی ہوئی لپیٹیں اٹھتی ہوئی۔ سرخ وسفید رونق دار چہرہ کی وجہ سے ابولہب اس کی کنیت تھی۔ یہ اس کا انجام ہے) اور اس کی جورو بھی (یصلی کی خبر پر عطف ہے مفعول اور اس کی صفت کے بیچ حائل ہو جانے کی وجہ سے اس عطف کی گنجائش ہے۔ بیوی کا نام ام جمیل تھا) جو اٹھا کر لانے والی ہے (رفع اور نصب کے ساتھ) لکڑیاں (کانٹے اور سعدان کی لکڑیاں لا کر حضورؐ کے راستہ میں بکھیر دیتی تھی) اس کی گردن (گلے) میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی (یعنی بل دی ہوئی۔ یہ جملہ حمالۃ الحطب کا حال ہے جو امرأتہ کی صفت ہے۔ یا مبتداء مقدر کی خبر ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ :لَمَّا دَعَا: بخاری مسلم نے نقل کیا ہے کہ جب آیت وانذر عشیرتک الاقربین اتری تو آپ نے صفا پر چڑھ کر بطون قریش کے نام لے کر ان کو بلایا۔ قریش جمع ہو گئے تو آپ نے تمثیل دے کر فرمایا: اگر میں تم کو لشکر کے حملہ آور ہونے کی خبر دوں تو کیا تم مانو گے؟ سب نے بیک زبان کہا: جی ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: انا النذیر العریان بین یدی عذاب شدید۔ ابولہب نے کہا: تبالک سائر الیوم الهذا جمعتنا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری۔

قولہ :مَآلُ تَكْنِيَتِهٖ: اس کی کنیت اس کے متعلق حقیقت بن گئی کہ ہمیشہ ہمیش کے لیے آگ اس کو لازم پکڑنے والی بن گئی۔

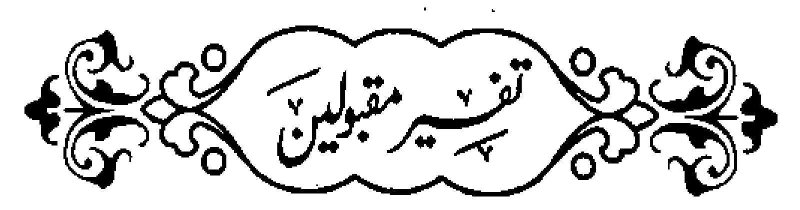
قولہ: بِالرَّفْعِ: یہ امرأتہ کی صفت ہے۔ ۲۔ھی مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ بعض نے اعنی یا اذم کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: فِیْ جِیْدِهَا: بقول ضحاکؒ یہ اس کی دنیاوی سزا ہے۔ ام جمیل آپ کو فقر پر عار دلاتی۔ خود خار دار لکڑیاں کاٹ کر اپنے سر پر اٹھا کر لاتی ایک دن وہ اٹھائے آرہی تھی کہ وہ رسی اس کے گلے میں الجھ گئی جس سے یہ ہلاک ہوگئی۔ (قرطبی)
ابن عباسؓ کہتے ہیں یہ آخرت کی حدیدی زنجیر ہے جو منہ میں ڈال کر دبر سے نکالی جائے گی۔ صاحب قاموس کہتے ہیں: مر کا اطلاق اس پر ہوتا ہے۔

ابولھب کا نام عبد العزیٰ تھا یہ آپ کا حقیقی چچا تھا اسلام دشمنی میں یہ اور اس کے دو بیٹے اور بیوی پیش پیش تھے یہ سب کفر پر مرے البتہ اس کی بیٹی درہ اور دو بیٹے عتبہ، معتب دولت ایمان سے فیض یاب ہوئے۔ (ملخصاً از الشروح)

ابن ہشامؒ وغیرہ نے نقل کیا کہ جب یہ سورت اتری تو اس کی بیوی پتھر لے کر آپ کو مارنے کے لیے نکلی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کو آپ کے لیے بند کر دیا وہ گالیاں بکتی صدیق اکبرؓ کے پاس سے لوٹ گئی۔

۱۔ پہلی تین آیات میں تین خبریں دی گئی ہیں۔ ۱۔ ابولھب اور اس کی بیوی فعلی طور پر خسارے اور ہلاکت کا شکار ہوں گے۔
۲۔ عملی طور پر ان کی اولاد ان کے کام نہ آئے گی۔ اور نہ مال۔
۳۔ کفر پر موت کی وجہ سے وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔
۴۔ ابولھب کو ایمان لانے کا مکلف بنایا گیا اگرچہ علم الٰہی میں اس کے متعلق عدم ایمان درج تھا۔
۵۔ آخری دو آیات میں ام جمیل کی سزا کا خصوصاً تذکرہ فرمایا کہ وہ خاوند کے ساتھ آگ میں جائے گی اور دنیا میں ہلاکت کا شکار بنے گی چنانچہ گھٹ گھٹ کر مرگئی۔
۶۔ ان دونوں کے متعلق عدم ایمان کی خبر صداقت نبوت کی کھلی دلیل ہے۔
۷۔ شرک و کفر کے ہوتے ہوئے قرابت فائدہ مند نہیں ہے۔
۸۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے کام کرنے سے جو عذاب ملتا ہے تو مال و اولاد اس عذاب میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔
۹۔ ابولھب کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔
۱۰۔ ام جمیل دنیا میں آپ ﷺ کے خلاف عداوت کی آگ بھڑکاتی پھرتی تھی، آخرت میں بھڑکتی آگ کے عذاب سے دوچار ہوگی۔



سورۃ اللھب بھی مکی سورت ہے، عبد اللہ بن الزبیرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے اور ائمہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کی پانچ آیات ہیں، اس سورت میں خاص طور سے اس اہم تاریخی امر کا بیان ہے کہ جب

آنحضرت ﷺ نے قبائل عرب کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا ارادہ فرمایا اور آیت مبارکہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی اور سلسلہ وحی کے آغاز کے بعد سب سے پہلا حکم بھی آپ ﷺ کو یہی دیا گیا قم فانذر تو آپ بطحا مکہ کی طرف نکلے اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر آپ نے قبائل عرب کو پکارا فرمایا یا صباحاہ یا صباحاہ جس پر قریش کے تمام قبائل جمع ہو گئے، آپ نے فرمایا اے لوگو ذرا یہ بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک دشمن کا لشکر تم پر صبح کو حملہ آور ہونے والا ہے یا شام کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے اور میری بات پر اعتماد کرو گے، سب نے جواب دیا بے شک، اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے آپ کے بارہ میں کبھی کوئی تجربہ ہی نہیں کیا سوائے صداقت اور سچائی کے، آپ ﷺ نے فرمایا: انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید کہ میں تمہیں ایک سامنے آنے والے شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے) تو یہ سنکر بد بخت ابولہب کہنے لگا تبا لک، تمہارے ہاتھ ٹوٹیں، کیا اسی کام کے لیے ہمیں جمع کیا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے آپ پر ایک پتھر اٹھا کر پھینکا اور بہت کچھ بیہودہ باتیں بکیں اور حرکتیں کیں، تو اس سورت میں اس بد بخت کی بدتمیزی اور شقاوت کی مذمت اور اس پر وعید فرمائی جا رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ ایسے مغرور متکبر انسانوں کا مال اور ان کی عزت وقوت اسلام اور رسول خدا کے مقابلہ میں ہرگز کام نہیں آسکتی انکو ذلیل ورسوا اور تباہ وبرباد ہونا ہی پڑے گا۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝۱

ابولہب (جس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہے) آنحضرت ﷺ کا حقیقی چچا تھا، لیکن اپنے کفر وشقاوت کی وجہ سے حضور ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا۔ جب آپ ﷺ کسی مجمع میں پیغام حق سناتے یہ بد بخت پتھر پھینکتا۔ حتی کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو! اس کی بات مت سنو، یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا بے دین ہے۔ کبھی کہتا کہ محمد ﷺ ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی۔ ہم کو تو وہ چیزیں ہوتی نظر نہیں آتیں۔ پھر دونوں ہاتھوں سے خطاب کر کے کہتا: تبالکما ما اری فیکما شیأ أمما یقول محمد ﷺ (تم دونوں ٹوٹ جاؤ کہ میں تمہارے اندر اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمد ﷺ بیان کرتا ہے) ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر سب کو پکارا۔ آپ ﷺ کی آواز پر تمام لوگ جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے نہایت مؤثر پیرایہ میں اسلام کی دعوت دی۔ ابولہب بھی موجود تھا (بعض روایات میں ہے کہ ہاتھ جھٹک کر) کہنے لگا: تبالک سائر الیوم الھذا جمعتنا۔ (یعنی تو برباد ہو جائے کیا ہم کو اسی بات کے لیے جمع کیا تھا) اور روح المعانی میں بعض سے نقل کیا ہے کہ اس نے ہاتھوں میں پتھر اٹھایا کہ آپ ﷺ کی طرف پھینکے۔ غرض اس کی شقاوت اور حق سے عداوت انتہاء کو پہنچ چکی تھی۔ اس پر جب اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو کہتا کہ سچ مچ یہ بات ہونے والی ہے تو میرے پاس مال واولاد بہت ہے۔ ان سب کو فدیہ میں دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ اس کی بیوی ام جمیل کو بھی پیغمبر علیہ السلام سے بہت ضد تھی۔ جو دشمنی کی آگ ابولہب بھڑکاتا تھا، یہ عورت گویا لکڑیاں ڈال کر اس کو اور زیادہ تیز کرتی تھی۔ سورۃ ہٰذا میں دونوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا ہے کہ مرد ہو یا عورت، اپنا ہو یا بیگانہ بڑا ہو یا چھوٹا، جو حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار ذلیل اور تباہ وبرباد ہو کر رہے گا۔ پیغمبر کی قرابت قریبہ بھی اس کو تباہی سے نہ بچا سکے گی۔ یہ ابولہب کیا ہاتھ جھٹک باتیں بناتا اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس ومعصوم رسول کی طرف دست درازی کرتا ہے، سمجھ لے کہ

اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے۔ اس کی سب کوششیں حق کے دبانے کی برباد ہو چکیں اس کی سرداری ہمیشہ کے لیے مٹ گئی۔ اس کے اعمال اکارت ہوئے اس کا زور ٹوٹ گیا، اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا، یہ سورت مکی ہے۔ کہتے ہیں کہ غزوہ بدر سے سات روز بعد اس کے زہریلی قسم کا ایک دانہ نکلا۔ اور مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھر والوں نے الگ ڈال دیا، وہیں مر گیا اور تین روز تک لاش یوں ہی پڑی رہی۔ کسی نے نہ اٹھائی، جب سڑنے لگی، اس وقت حبشی مزدوروں سے اٹھوا کر دبوائی۔ انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اس کو ایک لکڑی سے اندر ڈھلکا دیا اوپر سے پتھر بھر دیے۔ یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ

جس طرح ابولہب کو رسول ﷺ سے سخت غیظ اور دشمنی تھی اس کی بیوی بھی اس دشمنی اور رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں اس کی مدد کرتی تھی۔ قرآن کریم کی اس آیت نے بتلایا کہ یہ بدبخت بھی اپنے شوہر کے ساتھ جہنم کی آگ میں جائے گی اس کے ساتھ اس کا ایک حال یہ بتلایا کہ وہ حمالۃ الحطب ہے۔ جس کے لفظی معنے ہیں سوختہ کی لکڑیاں لادنے والی۔ یعنی آگ لگانے والی، عرب کے محاورات میں چغل خوری کرنے والے کو حمال الحطب کہا جاتا تھا کہ جیسے کوئی سوختہ کی لکڑیاں جمع کر کے آگ لگانے کا سامان کرتا ہے چغل خوری کا عمل بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنی چغل خوری کے ذریعہ افراد اور خاندانوں میں آگ بھڑکا دیتا ہے یہ عورت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی ایذا رسائی کے لیے چغل خوری کا کام بھی کرتی تھی۔ اس آیت میں ابولہب کی بیوی کو حمالۃ الحطب کہنے کی تفسیر حضرت ابن عباس مجاہد، عکرمہ وغیرہ ایک جماعت مفسرین نے یہی کی ہے کہ یہ چغل خوری کرنے والی تھی، اور ابن زید، ضحاک وغیرہ مفسرین نے اس کو اپنے حقیقی معنے میں رکھا ہے جس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ یہ عورت جنگل سے خاردار لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور رسول اللہ ﷺ کے راستے میں بچھا دیتی تھی تا کہ آپ کو تکلیف پہنچے اس کی اس ذلیل وخسیس حرکت کو قرآن نے حمالۃ الحطب سے تعبیر فرمایا ہے (قرطبی، ابن کثیر) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا یہ حال جہنم میں ہوگا کہ اپنے شوہر پر جہنم کے درختوں زقوم وغیرہ کی لکڑیاں لا کر ڈالے گی تا کہ اس کی آگ بھڑک جائے جس طرح دنیا میں وہ اس کے کفر وظلم کو بڑھاتی تھی آخرت میں اس کے عذاب کو بڑھائے گی۔ (ابن کثیر)

چغل خوری سخت گناہ کبیرہ:

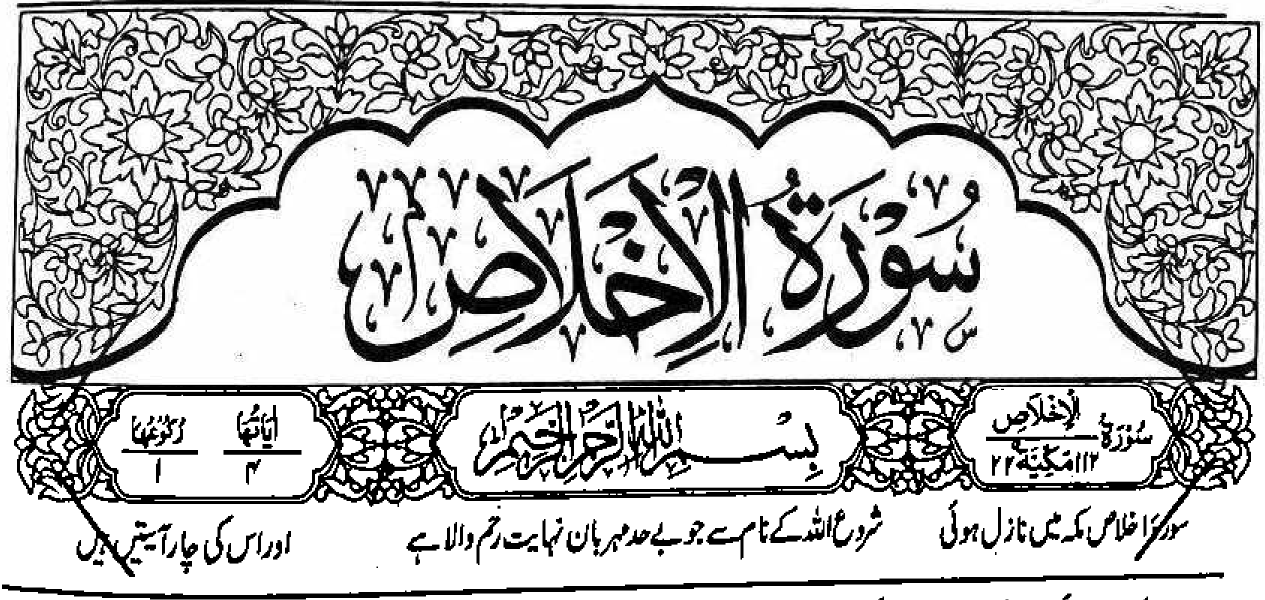
حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا اور حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جو انسان کے تمام اعمال صالحہ کو برباد کر دیتے ہیں روزہ دار کا روزہ اور وضو والے کا وضو خراب کر دیتے ہیں یعنی غیبت اور چغل خوری اور جھوٹ عطاء بن سائب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبی سے رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا ذکر کیا جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ لا یدخل الجنۃ سافک دم ولا مشاء بنمیمۃ ولا تاجر یربی، یعنی تین قسم کے آدمی جنت میں نہ داخل ہوں گے۔ ناحق خون بہانے والا چغل خوری کرنے والا، اور تاجر جو سود کا کاروبار کرے۔ عطا کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر کر کے شعبی سے بطور تعجب کے دریافت کیا کہ حدیث میں چغلخور کو قاتل اور سود خور کی برابر بیان فرمایا ہے۔ انہوں

نے کہا کہ ہاں چغلخوری تو ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے قتل ناحق اور غصب اموال کی نوبت آ جاتی ہے۔ (قرطبی)

فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

مسد بسکون السین مصدر ہے جس کے معنی رسی یا ڈور بٹنے یا اس کے تار پر تار چڑھا کر مضبوط کرنے کے ہیں اور مسد بفتح میم وسی اس رسی یا ڈور کو کہا جاتا ہے جو مضبوط بنائی گئی ہو خواہ وہ کسی چیز کی ہو، کھجور یا ناریل وغیرہ سے یا آہنی تاروں سے ہر طرح کی مضبوط رسّی اس میں داخل ہے (کذا فی القاموس) بعض حضرات نے جو خاص کھجور کی رسی اس کا ترجمہ کیا ہے۔ وہ عرب کی عام عادت کے مطابق کیا گیا ہے اصل مفہوم عام ہے۔ اسی مفہوم عام کے اعتبار سے حضرت ابن عباس عروہ بن زبیر وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں حبل من مسد سے مراد لوہے کے تاروں سے بٹا ہوا رسا ہے اور یہ اس کا حال جہنم میں ہوگا کہ آہنی تاروں سے مضبوط بٹا ہوا طوق اس کے گلے میں ہوگا۔ حضرت مجاہد نے بھی اس کی تفسیر میں فرمایا ہے: من مسد ای من حدید۔ (مظہری)

اور شعبی اور مقاتل وغیرہ مفسرین نے اس کو بھی دنیا کا حال قرار دے کر حبل من مسد سے مراد کھجور کی رسی لی ہے اور فرمایا کہ اگر چہ ابولہب اور اس کی بیوی مالدار غنی اور اپنی قوم کے سردار مانے جاتے تھے مگر اس کی بیوی اپنی خست طبیعت اور کنجوسی کے سبب جنگل سے سوختہ کی لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور اس کی رسی کو اپنے گلے میں ڈال لیتی تھی کہ یہ گٹھا سر سے گر نہ جائے اور یہی ایک روز اس کی ہلاکت کا سبب بن کر لکڑیوں کا گٹھا سر پر اور رسی گلے میں تھی تھک کر کہیں بیٹھ گئی اور پھر گر کر اس کا گلا گھٹ گیا اور سای میں مرگئی۔ اس دوسری تفسیر کی رو سے یہ حال اس کا اس کی خست طبیعت اور اس کا انجام بد بیان کرنے کے لیے ہے (مظہری)



سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَّبِّهِ فَنَزَلَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ فَاللّٰهُ خَبَرُ هُوَ وَاَحَدٌ بَدَلٌ مِنْهُ اَوْ خَبَرٌ ثَانٍ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ اَيِ الْمَقْصُوْدُ فِي الْحَوَائِجِ عَلَى الدَّوَامِ لَمْ يَلِدْ ۵ لِانْتِفَاءِ مُجَانَسَةٍ وَّلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ لِانْتِفَاءِ الْحُدُوْثِ عَنْهُ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴ اَيْ مُكَافِيًا وَّمُمَاثِلًا فَلَهٗ مُتَعَلِّقٌ بِكُفُوًا وَّقُدِّمَ عَلَيْهِ لِاَنَّهٗ مَحَطُّ الْقَصْدِ بِالنَّفْيِ وَاُخِّرَ اَحَدٌ وَّهُوَ اسْمُ يَكُنْ عَنْ خَبَرِهَا رِعَايَةً لِّلْفَاصِلَةِ

ترجمہ: (آنحضرت ﷺ سے آپ کے رب کے متعلق پوچھا گیا تو یہ سورت نازل ہوئی) آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے (اس میں اللہ خبر ہے ہو کی اور احد اللہ کا بدل ہے یا ہو کی خبر ثانی ہے) اللہ بے نیاز ہے (یہ مبتداء خبر ہے یعنی تمام حوائج میں سدا وہی مقصود ہے) نہ اس کے اولاد ہے (اس کا کوئی ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے) اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے (اللہ کے حادث نہ ہونے کی وجہ سے) اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے (یعنی کوئی ہم پلہ اور برابر نہیں ہے لہ کا تعلق کفوا سے ہے اور مقصود بالنفی ہونے کی وجہ سے اس کو مقدم کر دیا گیا ہے اور یکن کے اسم احد کو اس کی خبر کے بعد لایا گیا ہے فاصلہ آیات کی رعایت کرتے ہوئے)۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

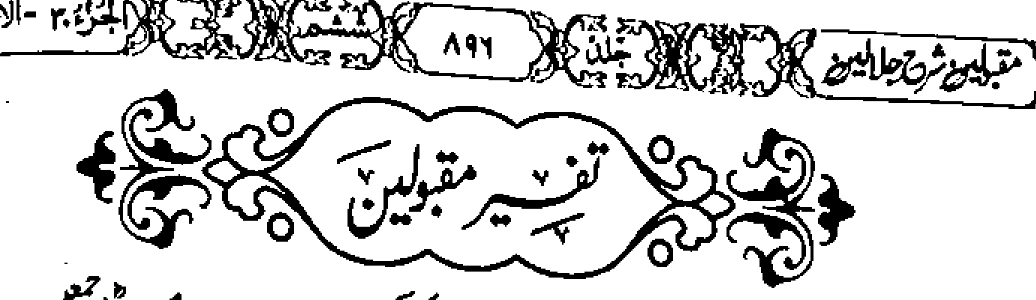
قولہ :سورۃ الاخلاص :روایات میں ہے اس کو ثلث یا نصف قرآن کے برابر ثواب والی سورت کہا گیا ہے اور قرآن کے ہر حرف پڑھنے کا ثواب دس نیکیاں ہیں تو دونوں روایات کے پیش نظر کہا جائے گا۔ کہ ثواب دو قسم کا ہے ا۔ تفصیلی ثواب۔ ۲۔ اجمالی ثواب۔ تفصیلی ثواب حروف کی ادائیگی اور عمل سے ملتا ہے۔ ۲۔ دوسرا ختم قرآن کا اجمالی ثواب ہے۔ پس قل ھو اللہ احد کو ثلث قرآن کے برابر اجمالی ثواب کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

قولہ :سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: یہود نے یہ سوال کیا کہ اے محمد ﷺ! تو اپنے رب کی صفات ونسب بیان کر تو یہ سورت اتری۔ واللہ اعلم

قولہ :وَاَحَدٌ :یہ لفظ جلالہ سے بدل ہے اور اس سے یہ دلالت مل گئی کہ احد تمام صفات کا جامع ہے جیسا لفظ جلالہ تمام صفات کمال کا جامع ہے۔ (بیضاوی)

قولہ :لِاِنْتِفَاءِ مُجَانَسَةٍ :یعنی اللہ تعالیٰ سے اولاد کی نفی کی، کیونکہ لڑکا والد کی جنس سے ہوتا ہے اور اس کا کوئی ہم جنس نہیں کیونکہ وہ واجب غیر ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والے اور منکرین توحید کی بہت سی اقسام ہیں۔ سورۃ اخلاص نے ہر قسم کے مشرکانہ عقائد کی تردید کر دی اور توحید ذات وصفات کو ثابت کر دیا۔ اور غیر اللہ کو عبادت میں شریک ٹھہرانے والوں اور غیروں کو حاجت روا اور مشکل کشا اور کارساز قرار دینے والوں کی اللہ الصمد سے تردید فرمادی اور اولاد کی نسبت کرنے والوں کی لم یلد ولم یولد کہہ کر تردید کر دی۔ اور اللہ تعالیٰ کی نسبت سوال کرنے والوں کو فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کی ذات میں کسی قسم کا تعدد نہیں بلکہ دوئی کی گنجائش نہیں نہ اس کا کوئی مقابل نہ مشابہ ہے۔ (ملتقط التفاسیر)



سورۂ اخلاص مکیہ ہے جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، عکرمہ جابر عطاء اور ابن مسعودؓ اجمعین سے یہی منقول ہے اس کی چار آیتیں ہیں اس سورت مبارکہ میں توحید خداوندی اور اس کی ذات وصفات کی عظمت کا بیان ہے اور یہ کہ اس کی الوہیت اور ذات وصفات میں اس کا کوئی مشابہ اور نمونہ نہیں، مماثلت ومشابہت خواہ ذات میں ہو یا جملہ صفات میں یا صفات میں سے کسی ایک وصف میں وہ برابری کی موجب ہے اور علی الاطلاق کسی ایک کی عظمت وکبریائی کے منافی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات ظاہر کی جارہی ہے کہ اسلام کی خصوصیت توحید ہے اور اسی خصوصیت کے باعث اسلام دوسرے مذاہب سے ممتاز وجدا ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کی بنا پر اسلام دنیا کے تمام مذاہب سے بہتر اور عین عقل وفطرت کے مطابق ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ کفار قریش نے یا یہود کے علماء میں سے کعب بن الاشرف نے نبی کریم ﷺ سے یہ پوچھا تھا کہ آپ اپنے رب کے اوصاف ہم سے بتایئے تا کہ ہمیں معلوم ہو کہ آپ ﷺ کا رب کیسا ہے،

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ابی بن کعبؓ کی روایت سے بیان کیا ہے مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجیے وہ کس نسب سے ہے تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اس سورت کی عظمت وفضیلت کے لیے یہی بات بہت کافی ہے کہ توحید خداوندی کا مضمون ہے اور اس کی شان کبریائی اور بے نیازی بیان کی گئی ہے، مزید برآں اس کے فضائل میں حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ تعدل ثلث القران کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ تہائی قرآن کے برابر ہے، بہت ہی بڑی فضیلت ہے۔

صحیح بخاری ودیگر کتب حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس کسی شخص نے یہ سورت پڑھی اس نے تہائی قرآن کی تلاوت کی۔ اس لیے کہ قرآن کریم از اول تا آخر جن مضامین پر مشتمل ہے وہ تین قسم کے ہیں۔ (۱) توحید وصفات خداوندی۔ (۲) اعمال عباد، (۴) قیامت، اور جزاء وسزا تو اس سورت میں توحید وصفات کا بیان ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کیلئے ایک سریہ بھیجا تھا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنایا تو یہ صاحب جب بھی نماز پڑھاتے تو ہر رکعت میں سورت کے شروع کرنے پہلے سورۃ اخلاص پڑھتے تو لوگوں نے واپس آکر یہ بات آپ ﷺ کو بتائی (کیونکہ یہ چیز عام دستور اور طریقہ صلوۃ سے مختلف تھی) تو آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے دریافت فرمایا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ سورت صفت الرحمٰن ہے اور مجھے اس سے محبت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کو بتادو اللہ بھی اس سے محبت فرماتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس سورت کی محبت نے اسکو جنت میں داخل کر دیا،

حضرت ابوایوب انصاریؓ ایک مجلس میں تھے کہ انہوں نے حاضرین مجلس سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کی طاقت نہیں رکھتا

کہ ہر رات تہائی قرآن کی تلاوت کے ساتھ قیام کرلیا کرے (یعنی تہجد پڑھ لے) لوگوں نے عرض کیا اے ابوایوب کیا کسی میں اس قدر طاقت ہوسکتی ہے کہ ہر رات وہ اتنی مقدار تلاوت کرے، آپ نے فرمایا: قل ھو اللہ تعدل ثلث القران۔

ایک روایت میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ختم سورت تک دس مرتبہ پڑھ لی، اس کے واسطے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل بنادے گا، عمر فاروقؓ یہ سن کر کہنے لگے پھر تو یارسول اللہ ہم جنت میں بہت سے محل بنا لیں گے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی رحمت اور اس کے انعامات اس سے بھی زیادہ وسیع تر ہیں۔

اس سورت کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ احادیث وروایات میں اس کے متعدد نام ذکر فرمائے گئے امام رازی علیہ الرحمہ نے ایسے بیس نام تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور ہر نام کے ساتھ وجہ تسمیہ اور اس کا ماخذ بھی قرآن کریم سے ذکر کر دیا گیا

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝

یعنی جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے، ان سے کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہے جس کی ذات میں کسی قسم کے تعدد و تکثر اور دوئی کی گنجائش نہیں۔ نہ اس کا کوئی مقابل، نہ مشابہ، اس میں مجوس کے عقیدہ کا رد ہوگیا جو کہتے ہیں کہ خالق دو ہیں۔ خیر کا خالق یزداں اور شر کا اہرمن نیز ہنود کی تردید ہوئی جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۝

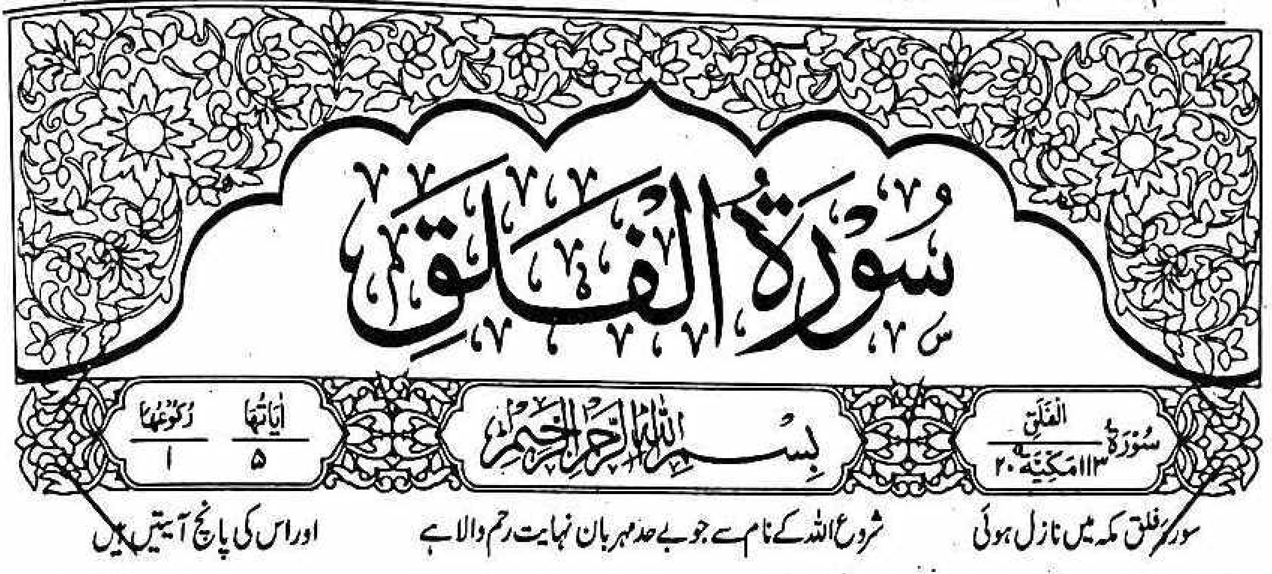
صمد کی تفسیر کئی طرح کی گئی ہے۔ طبرانی سب کو نقل کر کے فرماتے ہیں: و کل ھذا صحیحۃ و ھی صفات ربنا عز و جل ھو الذی یصمد الیہ فی الحوائج و ھو الذی قد انتھی سؤددہ، و ھو الصمد الذی لا جوف لہ، و لا یاکل و لا یشرب و ھو الباقی بعد خلقہ (ابن کثیر) (یہ سب معانی صحیح ہیں اور یہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں۔ وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے۔ یعنی سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور وہ ہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ اور وہ ہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے۔ اور وہ ہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے) اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے ان جاہلوں پر رد ہوا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں۔ نیز آریوں کے عقیدہ مادہ وروح کی تردید بھی ہوئی۔ کیونکہ ان کے اصول کے موافق اللہ تو عالم کے بنانے میں ان دونوں کا محتاج ہے اور یہ دونوں اپنے وجود میں اللہ کے محتاج نہیں۔ (العیاذ باللہ)

لَمْ یَلِدْ ۙ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۝

یعنی نہ کوئی اس کی اولاد، نہ وہ کسی کی اولاد، اس میں ان لوگوں کا رد ہوا جو حضرت مسیح علیہ السلام کو یا حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ نیز جو لوگ مسیح علیہ السلام کو یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں ان کی تردید لم یولد میں کردی گئی۔ یعنی خدا کی شان یہ ہے کہ اس کو کسی نے جنا نہ ہو۔ اور ظاہر ہے حضرت مسیح علیہ السلام ایک پاکباز عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پھر وہ خدا کس طرح ہوسکتے ہیں۔

وَ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جوڑ و یا بیٹا کہاں سے ہو۔ اس جملہ میں ان اقوام کا رد ہو گیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب علیہ السلام سے ہو رہی ہے، اور یعقوب علیہ السلام خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (الکہف:۱۰۵) انی اسالک یا اللہ الواحد الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد ان تغفر لی ذنوبی انک انت الغفور الرحیم۔



نَزَلَتْ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ بَعْدَهَا لَمَّا سَحَرَ لَبِيْدُ الْيَهُوْدِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وِتْرٍ بِهٖ اِحْدٰى عَشْرَةَ عُقْدَةً فَاَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ وَبِمَحَلِّهٖ فَاُحْضِرَ بَيْنَ يَدَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمِرَ بِالتَّعَوُّذِ بِالسُّوْرَتَيْنِ فَكَانَ كُلَّمَا قَرَاَ اٰيَةً مِّنْهُمَا انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَوَجَدَ خِفَّةً حَتّٰى انْحَلَّتِ الْعُقَدُ كُلُّهَا وَقَامَ كَاَنَّمَا نَشِطَ مِنْ عِقَالٍ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝** الصُّبْحِ **مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝** مِنْ حَيَوَانٍ مُّكَلَّفٍ وَغَيْرِ مُكَلَّفٍ وَجَمَادٍ كَالسَّمِّ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝** اَيِ اللَّيْلِ اِذَا اَظْلَمَ اَوِ الْقَمَرِ اِذَا غَابَ **وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ** السَّوَاحِرِ تَنْفُثُ **فِي الْعُقَدِ ۝** الَّتِيْ تَعْقِدُهَا فِي الْخَيْطِ تَنْفُخُ فِيْهَا بِشَيْءٍ تَقُوْلُهٗ مِنْ غَيْرِ رِيْقٍ وَقَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ مَعَهٗ كَبَنَاتِ لَبِيْدِ الْمَذْكُوْرِ **وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝** اَظْهَرَ حَسَدَهٗ وَعَمِلَ بِمُقْتَضَاهُ كَلَبِيْدِ الْمَذْكُوْرِ مِنَ الْيَهُوْدِ الْحَاسِدِيْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذِكْرُ الثَّلَاثَةِ الشَّامِلُ لَهَا مَا خَلَقَ بَعْدَهٗ لِشِدَّةِ شَرِّهَا

ع ۵ / ۳۸

ترجمہ: سورۂ فلق مکیہ یا مدنیہ ہے۔ جس میں پانچ آیات ہیں۔ یہ سورت اور اس کے بعد کی اس وقت نازل ہوئیں۔ جب کہ

لبید نامی یہودی نے نبی کریم ﷺ پر جادو کر دیا۔ ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سحر اور اس کے مقام سے باخبر فرما دیا۔ تب وہ چیزیں آپ کے سامنے لا حاضر کی گئیں اور حضور ﷺ کو ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ حاصل کرنے کو فرمایا گیا............ چنانچہ جب آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک آیت پڑھتے تو گرہ کھل جاتی اور آپ کی طبیعت ہلکی ہو جاتی۔ حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں تو آپ ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے بندھن کھل گئے ہوں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ آپ کہئے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی تمام مخلوق کے شر سے (خواہ وہ حیوان مکلف ہو یا غیر مکلف یا جمادات زہر وغیرہ ہوں) اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے (یعنی رات جب اندھیری ہو جائے یا چاند جب غائب ہو جائے) اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں (جادوگرنیوں کی جھاڑ پھونک) کے شر سے (جو ڈوروں میں گرہیں باندھ کر کچھ پڑھ کر بغیر تھوک کے پھونکتی ہیں۔ زمخشری نے اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے جیسے لبید مذکور کی لڑکیاں) اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (اپنے حسد کو ظاہر کر دے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنے لگے۔ جیسے حاسد یہودیوں میں سے لبید مذکور نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا اور یہ تینوں چیزیں اگرچہ ماخلق میں داخل تھیں۔ مگر اس کی شدت شر کی وجہ سے ان کو بعد میں الگ ذکر کیا ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: الفلق: کی تفسیر حضرت جابرؓ، ابن عباسؓ نے صبح سے کی ہے اور آیت: فالق الاصباح... الآیۃ بھی اسی پر دلالت کرنے والا ہے۔ بعض نے اس کا معنیٰ جہنم کا ایک قید خانہ یا جہنم کا نام بتایا۔

قوله: غَاسِقٍ: کی تفسیر لغوی رات سے کی ہے، جب کہ وہ چھا جائے جیسے عرب کہتے ہیں: غسق اللیل۔ جب رات کا اندھیرا چھا جائے، اغتسق ای اظلم۔ مطلب یہ ہے غروب آفتاب سے رات کا داخل ہونا۔ ۲۔ چاند کے غائب ہونے پر چاند کو غاسق کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چاند سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو اس لیے کہ یہی غاسق ہے، جب کہ یہ غائب ہو یا گرہن زدہ ہو۔ (ترمذی)

قوله: السَّوَاحِرِ: یہ ساحرہ کی جمع ہے، یعنی سحر کرنے والی عورتیں یہ محذوف موصوف کی صفت بھی بن سکتی ہے اور النفوس کی صفت بنائیں پھر سواحر عام ہو جائیں گی۔

قوله: اَظْهَرَ: کہہ کر اشارہ فرماتے ہیں کہ حسد جب مخفی ہو تو اس سے حاسد کو نقصان پہنچتا ہے اس لیے یہ وہ ہر وقت اسی غم میں مبتلا رہتا ہے۔ اور محسود کو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا یا اس طرح کہا گیا ہے۔ اظہار کی تاویل اس لیے کی ہے تاکہ ذکر حاسد کے ساتھ لغو نہ قرار پائے۔

قوله: مکیۃ: سورۃ فلق کے مدنی ہونے کی طرف مفسر کا رجحان ہے یہ ابن عباسؓ وقتادہؒ کا قول ہے۔ سبب نزول اس کا عوید ہے۔ لبید مدینہ کا یہودی تھا۔ یہ سورتیں ازالہ سحر کے لیے اتریں۔

پر لبید سے آپ پر سحر کروایا۔ (مواہب)

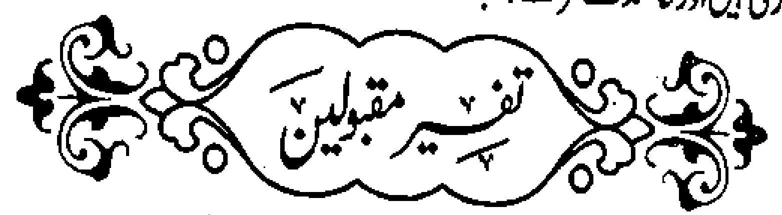
قوله :سَحرَ لَبِیْدٌ: فتح خیبر کے بعد یہود خیبر نے تین دینار

قوله :فَأُحْضِرَ بَیْنَ یَدَیْهِ :آپ ﷺ نے خواب سے بیداری کے بعد حضرت علیؓ کو بھیج کر لبید کو بلوایا۔ یہ جادو آپ ﷺ کے بال کنگھی کے دندانے اور موم سے آپ کی صورت پر گیارہ سوئیاں گاڑ کر ذروان نامی کنویں میں کھجور کے گابھے میں بالوں کو گیارہ گرہ لگا کر پتھر کے نیچے دبایا ہوا تھا۔ اس سے آپ بیمار ہوئے، اللہ تعالیٰ نے یہ سورتیں اتار کر علاج فرما دیا۔ سحر کا اثر جاتا رہا۔ (ملتقط)

۱۔ سحر کرنا کفر ہے۔

۲۔ حسد قطعی حرام ہے۔ غبطہ کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

(اے رسول!) آپ کہیے کہ میں پناہ لیتا ہوں صبح کے مالک کی ان چیزوں کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہیں اور خاص طور پر شب تاریک کے شر سے جب کہ وہ آئے اور ان عورتوں کے شر سے جو جادو کے لیے منتر پڑھ کر بالوں وغیرہ میں گرہ دیتی ہیں اور گرہوں میں پھونک مارتی ہیں اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے۔



کلام اللہ کی یہ دو آخری سورتیں معوذتین کہلاتی ہیں دونوں مدنی سورتیں ہیں عبداللہ بن عباس اور جمہور صحابہ وائمہ مفسرینؒ اسی کے قائل ہیں کہ یہ دونوں سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور اس وقت نازل کی گئیں جب نبی کریم ﷺ پر یہود نے سحر کر دیا تھا اور اس جادو کے اثر سے آپ ﷺ پر ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک پر لاحق ہو گیا تھا اور اس دوران کبھی ایسا بھی آپ ﷺ کو اپنے کسی دنیا کے کام اور معاملہ میں خیال ہوتا ہے کہ میں نے یہ کام کر لیا حالانکہ وہ نہیں کیا ہوا ہوتا کبھی کوئی چیز نہیں کی اور خیال ہوتا کہ میں نے یہ بات کر لی ہے اس کے علاج کے واسطے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہؓ کی روایت باسناد عروۃ بن الزبیرؓ تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہ ام المومنینؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا گیا تھا (اور جب اس کے کچھ آثار بدن مبارک اور آپ ﷺ کے معمولات میں محسوس ہوئے) تو آپ ﷺ نے (ایک روز) فرمایا اے عائشہؓ میں نے اللہ رب العزت سے جو بات معلوم کرنی چاہی تھی وہ مجھے نے بتادی ہے وہ اس طرح کہ میرے پاس دو آدمی آتے (یعنی اللہ کے فرشتے دو انسانوں کی صورت میں) ایک ان میں سے میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف تو اس نے جو سرہانے بیٹھا تھا دوسرے پوچھا کہ ان صاحب کا کیا حال ہے دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے پہلے نے پوچھا اور کس نے ان پر جادو کیا جواب دیا لبید بن الاعصم نے، جو یہودیوں میں سے ایک شخص تھا، منافق تھا دریافت کیا اور کس چیز میں جادو کیا گیا؟ جواب دیا بالوں کے گچھے میں سوال کیا وہ کہاں ڈالا گیا تو بتایا بیر ذروان میں (ایک کنوئیں کا نام ہے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکلوایا اس کنوئیں کا پانی دیکھا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہندی کا پانی ہے سرخ رنگ کا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ بالوں کو کسی دھاگہ میں باندھ کر اس میں گرہیں لگائی ہوئی تھیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تو ہر آیت کی تلاوت پر ایک گرہ کھل جاتی اور دونوں سورتوں کی آیات پوری ہونے اور دم کرنے پر ایسا معلوم ہوا کہ گویا کسی بندش سے کھول دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر حسب سابق وہ نشاط کی حالت عود کر آئی اور جو گھٹن یا جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی تھی وہ ختم ہوگئی،

یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے مسند احمد بن حنبل اور دیگر کتب احادیث میں متعدد سندوں اور صحابہ کی روایات سے یہ قصہ منقول ہے حضرت عائشہؓ ابن عباسؓ اور زید بن ارقمؓ کی روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ہیں اور ان روایات واحادیث پر کسی نے جرح نہیں کی اور اس طرح کی کیفیت یا بدنی احوال میں کسی نوع کا تغیر منصب رسالت کے منافی نہیں ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی وقت بیمار ہو جانا یا کسی وقت غشی کا طاری ہونا جیسے کہ مرض الوفات کے زمانہ میں ایسا ہوا یا جیسے غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر زخم لگ جانا اور دندان مبارک کا شہید ہونا یا جس طرح کہ کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو پیش آ جاتا تو یہ جملہ احوال بمقتضائے بشریت ہیں اور انکے پیش آنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام رسالت اور وحی الٰہی کے اعتماد میں کسی قسم کا کوئی سقم اور حرج نہیں واقع ہو سکتا اور نہ ہی احوال آپ کے منصب رسالت کے منافی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نماز میں سہو پیش آیا تو آپ نے فرمادیا تھا: انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی کہ میں بہر حال ایک بشر ہوں اور کسی وقت (حکمت الٰہیہ کے باعث) کوئی چیز بھول جاتا ہوں جیسے تم لوگ بھولتے ہو تو جب میں کوئی چیز بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دو۔

تو اس قسم کے سہو یا غشی کے واقعہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر (العیاذ باللہ) کیسے یقین کر لیا جائے ظاہر ہے کہ اس قسم کے احوال جسمانیہ جواز قسم مرض وحوادث طبعیہ ہوں سے وحی الٰہی اور فرائض منصب رسالت کی ادائیگی میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور محض اتنی سی بات سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کام کر لینے کا خیال ہو گیا حالانکہ نہ کیا ہو قطعاً وحی الٰہی کے اعتماد پر کوئی جرح نہیں کی جاسکتی انبیاء علیہم السلام بہر حال جنس بشر سے ہیں اور ان پر ایسے احوال وعوارض بشریہ کا طاری ہونا شریعت اور احکام دین کی حجیت وقطعیت پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا اور یہ مسحور ہونا اس طرح کا نہ تھا جو کفار ومشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور طعن کہا کرتے کہ مسحور ومجنون ہیں کہ وحی الٰہی کے جوش اور جذبہ دعوت وتبلیغ میں انہماک جنون کے عنوان سے تعبیر کرتے بعض حضرات اہل علم کا اس قصہ میں یہ تاویل اختیار کرنا ظاہر احادیث کے مضمون کے صریح خلاف ہے۔

اور اگر بالفرض والتقدیر کسی سہو یا سحر کو نقصان تصور کیا جائے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ اللہ کی وحی سے اس سہو یا سحر کو دور نہ کیا گیا ہو جب کہ ہر سہو پر اور اس جادو کے قصہ میں وہ اثرات قدرت خداوندی نے زائل کر دئے تو پھر کیا اشکال ہو سکتا ہے قرآن کریم کی یہ آیت اس حقیقت اور حکمت الٰہیہ کو ظاہر کر رہی ہے: "سنقرئک فلا تنسی الا ما شاء اللہ"۔ اس لیے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اگر کسی وقت کوئی مرض یا کسی لحہ کوئی سہو یا غشی پیغمبر پر طاری ہوگئی تو اس سے فرائض نبوت میں کوئی خلال نہیں واقع ہو سکتا۔

معوذتین کے بارہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کا موقف:

موذتین یعنی سورۃ فلق اور سورۃ الناس قرآن کریم کی دو سورتیں ہیں اور اس پر تمام صحابہ اور ائمہ مفسرین کا اتفاق ہے اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک تواتر کے ساتھ ان دونوں کا قرآن کی سورتیں پر ہونا ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے ان دونوں کا فرض نمازوں میں پڑھنے کا بھی ثبوت ہے نیز حضرت عثمان غنیؓ کے مصحف ''الامام'' میں بھی ان کا ہونا تمام روایات اور تاریخی نقول سے ثابت ہو چکا جس میں کسی بھی تردد کی گنجائش نہیں۔

عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں ہے کہ میں ایک سفر میں آنحضرت ﷺ کی سواری کی زمام پکڑے اسکو پکڑے لے کر چل رہا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اپنی انتہائی شفقت کے باعث مجھ کو کہا اے عقبہ کیا تو سوار نہیں ہوگا اس ڈر کی وجہ سے کہ آپ کے فرمان کی تعمیل نہ کرنا کہیں معصیت نہ ہو جائے میں سواری پر سوار ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نیچے اتر کر پیدل چلنے لگے تھوڑی دیر تعمیل حکم کی خاطر میں بیٹھ کر پھر نیچے اتر آیا اور آنحضرت ﷺ (میرے عرض کرنے پر) سوار ہو گئے پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عقبہ کیا میں تجھ کو ایسی دو بہترین سورتیں نہ سکھا دوں جو قرآن کریم میں پڑھی جاتی ہوں میں نے عرض کیا بیشک یا رسول اللہ ﷺ پر آپ ﷺ نے مجھ کو یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اس کے بعد نماز کی اقامت ہوئی تو آپ نے نماز پڑھائی اور نماز کی دونوں رکعتوں میں ان دونوں سورتوں کو تلاوت فرمایا اسکے بعد فرمایا (جب آپ ﷺ میرے سے سامنے گذر رہے تھے) اے عقبہ کیسا پایا تو نے ان دو سورتوں کو یعنی تو نے دیکھ لیا کہ یہ دو سورتیں ایسی ہیں کہ نماز میں انکی تلاوت کی گئی (ایک روایت میں ہے کہ یہ نماز فجر تھی) اور آپ نے فرمایا ان سورتوں کو پڑھا کرو جب بھی تم سویا کرو اور جب بھی نیند سے بیدار ہوا کرو۔

حضرت عثمان غنی ﷺ نے مصحف قرآنی کے جو نسخے تمام بلاد اسلامیہ کو بھیجے تھے ان سب میں یہ موجود تھیں اور اقطار عالم میں صحابہؓ اور تابعینؒ اور پوری امت انکی تلاوت کرتی رہی اور تواتر سے یہ امر ثابت ہے کہ اس بارہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا صرف عبداللہ بن مسعودؓ سے اختلاف نقل کیا گیا کہ انہوں نے اپنے مصحف (نسخہ قرآن) میں معوذتین کو نہیں لکھا تھا (جس سے یہ بات سمجھی گئی کہ وہ ان کے قرآن ہونے کے قائل نہیں ہیں) قطعی طور پر تو یہ متعین و معلوم نہیں ہو سکا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی کیا مراد تھی اور کس وجہ سے انہوں نے اپنے مصحف میں انکو نہیں لکھا تھا یا ان کو کیا خیال یا شبہ پیش آیا کہ اس کے باعث یہ صورت واقع ہوئی۔

بعض حضرات مفسرین جیسے صاحب روح المعانیؒ کا اس وجہ سے کہ ابن مسعودؓ کے مصحف میں معوذتین لکھی ہوئی نہیں تھیں یہ سمجھنا ''کہ ابن مسعودؓ ان کے قرآن ہونے کے منکر تھے'' صحیح نہیں ہے قاضی ابوبکر باقلانیؒ نے تصریح کی ہے۔

لم ینکر ابن مسعود کونهما من القرآن وانما انکر اثباتهما فی المصحف فانه کان یری ان لا یکتب فی المصحف شیء الا ان کان النبی ﷺ اذن فی کتابته وکانه لم یبلغه الاذن۔

کہ ابن مسعودؓ انکے قرآن میں سے ہونے کے منکر نہیں تھے بلکہ مصحف قرآنی میں لکھنے کے منکر تھے اور ان کا خیال تھا کہ مصحف میں صرف ان ہی آیات کو لکھا جائے جن کی کتابت کی آنحضرت ﷺ نے اجازت دی ہو یا قلانی کہتے ہیں گویا ابن

مسعودؓ کو آپ ﷺ کی اجازت کا علم نہیں ہوا تھا۔

حافظؒ نے فتح الباری ج ۸ میں بعض ائمہ سے یہ نقل کیا کہ ابن مسعودؓ کو انکے قرآن ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ انکی صفت میں اختلاف تھا یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ تلاوت کے لیے نازل نہیں ہوئیں بلکہ تعوذ اور دم کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں تاکہ بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہنے کیلئے پڑھ جائے۔

لیکن روایات ونقول اور صحابہ کے تعامل سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ اپنی ایک رائے تھی جس کے ساتھ حضرات صحابہ کے تعامل سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ اپنی ایک رائے تھی جس کے ساتھ حضرات صحابہؓ میں سے کسی نے بھی اتفاق نہیں کیا بعض حضرات سلف کا خیال ہے کہ ابن مسعودؓ نے اپنے مصحف میں ان سورتوں کو لکھا تھا جن کو یاد کرنے اور حفظ کرنے یا محفوظ رکھنے کی ضرورت ہو اور چونکہ یہ سورتیں ایسی تھیں کہ انکے لیے اس امر کی حاجت نہ تھی اور انکا حفظ ایسا قطعی تھا کہ اس میں کبھی بھی شبہ نہیں ہوسکتا تھا تو اس وجہ سے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا جیسا کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ انکے مصحف میں سورۃ الحمد بھی لکھی ہوئی نہیں تھی حالانکہ سورۃ فاتحہ کا قرآن ہونا ایسا قطعی اور یقینی امر ہے کہ اس میں کسی کو بھی تردد نہیں ہوسکتا۔

زر بن جیشؓ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا۔

ابن قتیبہؒ کا قول ہے کہ ابن مسعودؓ انکو نماز میں تلاوت کے لیے نہیں بلکہ صرف تعوذ یعنی سحر اور دیگر مہلکات سے حفاظت کیلئے بطور تعویذ سمجھتے تھے علامہ ابوبکر بن الانباریؒ نے اس بات پر تنقید کی اور فرمایا ابن قتیبہؒ کا یہ قول درست نہیں انکا کلام اللہ ہونا اور قرآن کریم کی سورتیں ہونا تمام دنیا کے نزدیک مسلم ہے اور قیامت تک اس میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا اور ان کی قرآنیت تواتر سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث سے انکا نماز میں پڑھنا بھی خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہوچکا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کی رائے یہ ہے کہ ابتداء میں کسی وجہ سے ابن مسعودؓ نے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا لیکن بعد میں اپنے قول سے رجوع کر کے جمہور صحابہؓ کا قول اختیار کیا ہوسکتا ہے انہوں نے اس بارہ میں کچھ نہ سنا ہو لیکن جب دیکھا کہ قرآن کریم کے وہ صحیفے جو تمام بلاد اسلامیہ میں بھیجے گئے ان سب میں معوذتین مکتوب ہیں اور جملہ صحابہ انکو پڑھتے ہیں اور کسی نے بھی اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کیا تو پھر اپنے قول سے رجوع کیا۔

علامہ آلوسیؒ صاحب تفسیر روح المعانی اور حافظ عینیؒ کا بھی یہی خیال ہے حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے جن میں معوذتین کا نماز میں پڑھنا ثابت ہے حضرات اہل علم ان حوالوں کی مراجعت فرمالیں بالخصوص جب کہ یہ ثابت ہے کہ زید بن ثابتؓ جو کاتب وحی تھے اور عرضہ اخیرہ کے مطابق انہوں نے جو مصحف مرتب کیا تھا اس میں معوذتین موجود تھیں اور اس مصحف کو تمام صحابہ بالاتفاق آنحضرت ﷺ کی قرأت وتلاوت کے مطابق تسلیم کرتے تھے اور اسی کے مطابق جامع القرآن حضرت عثمانؓ کا مصحف تھا۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾

فلق کے لفظی معنے پھٹنے کے ہیں مراد رات کی پو پھٹنا اور صبح کا نمودار ہونا جیسا ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت

فالق الاصباح آئی ہے۔اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں سے اس کو اختیار کرنے کی حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ رات کی اندھیری اکثر شرور وآفات کا سبب بنتی ہے اور صبح کی روشنی اس کو دور کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں یہ اشارہ ہے کہ جو اس کی پناہ مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کی تمام آفات کو دور فرمادے گا۔ (مظہری)

لفظ شر کے معنی از علامہ ابن قیم: - من شر ما خلق، علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ لفظ ظر دو چیزوں کے لیے عام اور شامل ہے۔ ایک آلام وآفات، جن سے براہ راست انسان کو رنج وتکلیف پہنچتی ہے دوسرے وہ چیزیں جو آلام وآفات کے موجباب اور اسباب ہیں۔اس دوسری قسم میں کفر وشرک اور تمام معاصی بھی لفظ شر کے مفہوم میں داخل ہیں۔قرآن وحدیث میں جن چیزوں سے پناہ کا ذکر آیا ہے وہ ان دونوں قسموں سے کسی ایک میں داخل ہوتی ہیں کہ یا تو وہ خود آفت یا مصیبت ہوتی ہیں یا اس کے لیے سبب موجب ہوتی ہیں۔نماز کے آخر میں جو دعا، استعاذہ مسنون ہے اس میں چار چیزیں مذکورہ ہیں۔عذاب قبر، عذاب نار، فتنۃ المحیا والممات ان میں پہلی دو چیزیں خود صمیبت وعذاب ہیں اور آخری دو چیزیں مصیبت وعذاب کے اسباب ہیں۔

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ کے لفظ میں ساری مخلوقات کا شر داخل ہے اس لیے یہ کلمہ تمام شرور آفتاب سے پناہ لینے کے لیے کافی تھا مگر اس جگہ تین چیزوں کو ممتاز کر کے ان کے شر سے پناہ مانگنے کا علیحدہ ذکر فرمایا جو اکثر آفات ومصائب کا سبب بنتی ہیں۔پہلے فرمایا من شر غاسق اذا وقب اس میں لفظ غاسق غسق سے مشتق ہے جس کے معنی اندھیری کا پھیل جانا اور چھا جانا ہے اس لیے غاسق کے معنی حضرت ابن عسا اور حسن اور مجاہد نے رات کے لیے ہی اور وقب وقوب کے مشتق ہے جس کے معنی اندھیری کے پوری طرح بڑھ جانے کے ہیں۔معنی یہ ہیں کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں رات سے جبکہ اس کی اندھیری پوری ہو جاوے رات کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہی وقت جناب وشیاطین اور موذی جانوروں اور حشرات الارض اور چوروں ڈاکوؤں کے پھیلنے اور دشمنوں کے حملہ کرنے کا وقتہ وتا ہے اور جادو کی تاثیر بھی رات میں زیادہ ہوتی ہے صبح ہوتے ہی ان چیزوں کا تسلط ختم ہو جاتا ہے۔

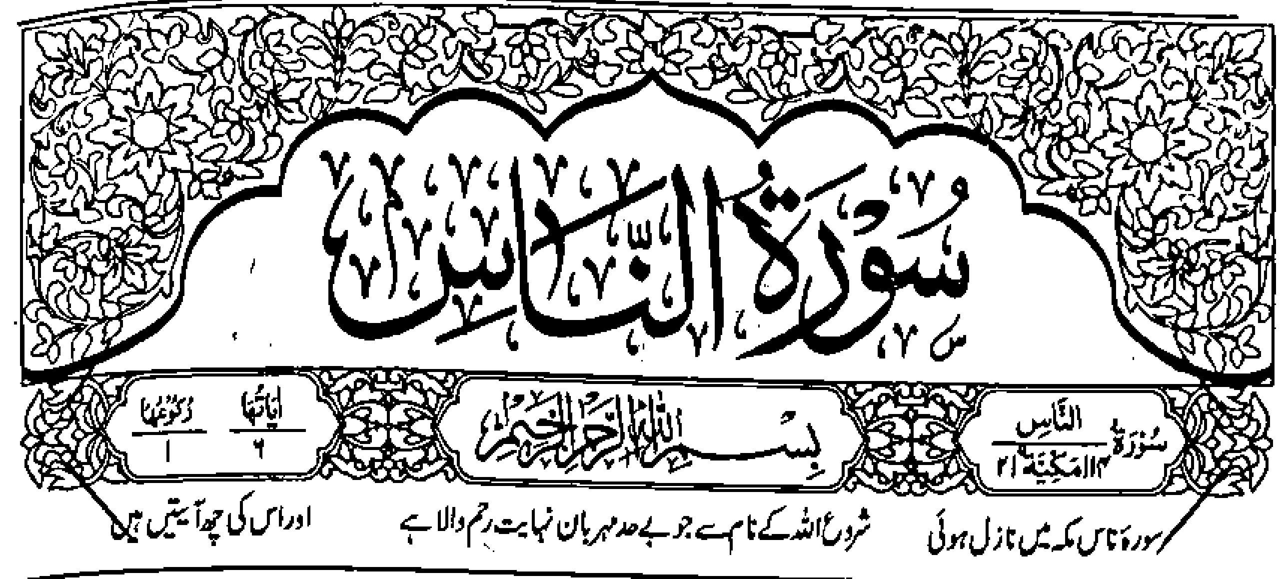
(ابن قیم) دوسری چیز یہ فرمائی وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۝ ،نفاثات، نفث سے مشتق ہے جس کے معنی پھونک مارنے کے ہیں۔اور عقد عقدۃ کی جمع ہے جس کے معنی گرہ کے ہیں جادو کرنے والے ڈورے وغیرہ میں گرہ لگا کر اس پر جادو کے کلمات پڑھ کر پھونکتے ہیں۔النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۝ کے معنی ہوئے گروہوں پر پھونکنے والیاں مراد جادو کرنے والیاں ہیں اور لفظ نفاثات کا موصوف نفوس بھی ہوسکتا ہے جس میں مرد وعورت دونوں داخل ہیں اس صورت میں جادو کرنے والیوں سے مراد جادو کرنے والی جانیں ہوں گی اور ظاہر یہ ہے کہ اس کا موصوف عورتیں ہیں۔عورتوں کی تخصیص شاید اس لیے کی گئی کہ جادو کا کام عموماً عورتیں کرتی ہیں اور کچھ خلقتاً عورتوں کو اس سے مناسبت بھی زیادہ ہے اور یا اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کرنے کا جو واقعہ ان سورتوں کا سبب نزول ہوا اس میں جادو کرنے والیاں ولید بن اعصم کی لڑکیاں تھیں جنہوں نے باپ کے کہنے سے یہ کام کیا تھا اس لیے اس جادو کی نسبت ان کی طرف کردی گئی اور جادو کرنے والو سے پناہ مانگنے کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ سبب نزول یہی جادو کا واقعہ ہے اور یہ بھی کہ اس کا شر اور ضرر اس لیے زیادہ ہے کہ انسان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی بے خبری کی وجہ سے اس کے ازالہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی، وہ بیماری سمجھ کر دوا دوار میں لگا رہتا ہے اور تکلیف بڑھ جاتی ہے۔

تیسری چیز جو خصوصیت کے ساتھ ذکر کی گئی وہ حاسد اور حسد ہے اس کی تخصیص کی وجہ بھی یہی دونوں ہوسکتی ہیں کیونکہ آپ پر جادو کرنے کا اقدام اسی حسد کے سبب سے ہوا۔ یہود و منافقین آپ کی اور مسلمانوں کی ترقی کو دیکھ کر جلتے تھے اور ظاہری جنگ وقتال میں آپ پر غالب نہیں آسکے تو جادو کے ذریعہ اپنی حسد کی آگ کو بجھانا چاہا اور رسول اللہ ﷺ کے حاسد دنیا میں بے شمار تھے اس لیے بھی خصوصیت سے پناہ مانگی گئی نیز حاسد کا حسد اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا وہ ہر وقت اس کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا ہے اس لیے یہ ضرر شدید بھی ہے۔

حسد کہتے ہیں کسی کی نعمت وراحت کو دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہوجائے چاہے اس کو بھی حاصل نہ ہو، یہ حسد حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں کیا گیا اور سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین میں کیا گیا، کیونکہ آسمان میں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور زمین پر ان کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا (قرطبی) حسد سے ملتا جلتا غبطہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت مجھے بھی حاصل ہوجائے یہ جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔

یہاں تین چیزوں سے خصوصی پناہ مانگنے کا ذکر ہے مگر پہلی اور تیسری میں تو ایک ایک قید کا ذکر کیا گیا۔ پہلی غاسق کے ساتھ اذا وقب فرمایا اور تیسری میں حاسد کے ساتھ اذا حسد فرمایا اور درمیانی چیز یعنی جادو کرنے والوں میں کوئی قید ذکر نہیں فرمائی۔ سبب یہ ہے کہ جادو کی مضرت عام ہے اور رات کی مضرت اسی وقت ہوتی ہے جب اندھیری پوری ہوجائے، اسی طرح حاسد کا حسد جب تک وہ اپنے حسد کی وجہ سے کسی ایذا پہنچانے کا اقدام نہ کرے اس وقت تک تو اس کا نقصان خود اسی کی ذات کو پہنچتا ہے کہ دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلتا کڑھتا ہے، البتہ محسود کو اس کا نقصان اس وقت پہنچتا ہے جبکہ وہ مقتضائی حسد پر عمل کر کے ایذا رسانی کی کوشش کرے اس لیے پہلی اور دوسری چیز میں یہ قیدیں لگادی گئیں۔





قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ خَالِقُهُمْ وَمَالِكُهُمْ خَصُّوْا بِالذِّكْرِ تَشْرِيْفًا لَّهُمْ وَمُنَاسَبَةً لِّلْاِسْتِعَاذَةِ مِنْ شَرِّ الْمُوَسْوِسِ فِىْ صُدُوْرِهِمْ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ بَدَلَانِ اَوْ صِفَتَانِ اَوْ عَطْفَا بَيَانٍ وَاَظْهَرَ الْمُضَافَ اِلَيْهِ فِيْهِمَا زِيَادَةً لِّلْبَيَانِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ الشَّيْطَانِ سُمِّيَ بِالْحَدَثِ لِكَثْرَةِ مُلَابَسَتِهٖ لَهٗ الْخَنَّاسِ ۝۴ لِاَنَّهٗ يَخْنُسُ وَيَتَاَخَّرُ عَنِ الْقَلْبِ كُلَّمَا ذَكَرَ اللّٰهَ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ قُلُوْبِهِمْ اِذَا غَفَلُوْا عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶ بَيَانٌ لِّلشَّيْطَانِ الْمُوَسْوِسِ اَنَّهٗ جِنِّيٌّ وَاِنْسِيٌّ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى شَيَاطِيْنُ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اَوْ مِنَ الْجِنَّةِ بَيَانٌ لَّهٗ وَالنَّاسُ عَطْفٌ عَلَى الْوَسْوَاسِ وَعَلٰى كُلٍّ يَشْمِلُ شَرَّ لَبِيْدٍ وَبَنَاتِهِ الْمَذْكُوْرِيْنَ وَاعْتُرِضَ الْاَوَّلُ بِاَنَّ النَّاسَ لَا يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِهِمُ النَّاسُ اِنَّمَا يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِهِمُ الْجِنُّ وَاُجِيْبَ بِاَنَّ النَّاسَ يُوَسْوِسُوْنَ اَيْضًا بِمَعْنًى يَلِيْقُ بِهِمْ فِى الظَّاهِرِ ثُمَّ تَصِلُ وَسْوَسَتُهُمْ اِلَى الْقَلْبِ وَتَثْبُتُ فِيْهِ بِالطَّرِيْقِ الْمُؤَدِّىْ اِلٰى ذٰلِكَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ع ۲ / ۲۹

ترجمہ: آپ کہیے میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب (ان کے خالق ومالک سے انسانوں کی تخصیص ان کے شرف کی وجہ سے ہے اور دلوں میں وسوسے ڈالنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کی مناسبت سے) انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبود حقیقی کی (یہ دونوں الفاظ بدل یا صفت یا عطف بیان ہیں اور ان دونوں میں مضاف الیہ کا اظہار زیادہ وضاحت کے لیے ہے) اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے (مراد شیطان ہے جس نام حدث بکثرت وسوسہ اندازی کی وجہ سے) جو بار بار پلٹ کر آتا ہے (ذکر اللہ کے وقت دل سے ہٹ جاتا ہے اور پیچھے ہو جاتا ہے) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (ذکر اللہ سے غافل ہونے پر) خواہ وہ جن ہو یا آدمی (وسوسہ انداز شیطان کا بیان ہے کہ وہ جن ہو یا انسان، جیسے دوسری آیت میں ہے۔ شیاطین

الانس والجن یا صرف من الجنتہ بیان ہو۔ اور الناس کا الوسواس پر عطف ہے۔ بہر صورت یہ لبید اور اس کی لڑکیوں کو بھی شامل ہے۔ پہلی ترکیب پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے۔ انسانوں کے دلوں میں انسان وسوسہ نہیں ڈالتے۔ بلکہ جن وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں۔ لیکن جواب یہ ہے کہ انسان بھی وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں ایسے انداز سے جوان کے مناسب ہو۔ پھر وہ وسوسہ دلوں تک پہنچ کر جاگزیں ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله :وَاَظْهَرَ الْمُضَافَ اِلَيْهِ: یہاں مضاف الیہ کو ظاہر کیا حالانکہ ذکر سابق کی وجہ سے اضمار چاہیے۔ تو بعض نے کہا مقام اضمار میں اظہار عظمت کے لیے لاتے ہیں، جبکہ دوسروں نے کہا کہ اول مرتبہ الناس کو لا کر اطفال مراد لیے اور ربوبیت کا مفہوم اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اور دوسری مرتبہ الناس سے نوجوان مراد لیے کیونکہ ان کو معاملات سنوارنے والے کی شدید ضرورت ہے جو ملک کی صفت اس پر کافی دلالت کر رہی ہے۔ اور تیسری مرتبہ الناس لائے تو اس سے بوڑھے مراد لیے، اس لیے کہ وہ اس عمر کے حصہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اور اس کی تکلیف کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔

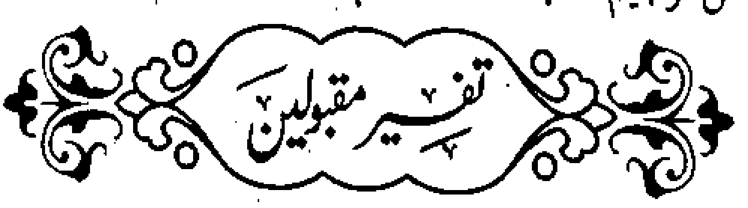
قوله :اِذَا غَفَلُوْا: جیسا حدیث میں آیا ہے شیطان قلب انسانی پر جم کر بیٹھ جاتا ہے جونہی وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو وہ پیچھے کو کھسکتا ہے اور جب وہ یاد الٰہی سے غافل ہوتا ہے تو وہ وسوسہ اندازی کرتا ہے۔

اے نبی کریم ﷺ کہہ دیں میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں جو لوگوں کا خالق، مربی، مدبر امور ہے اسے لوگوں پر کامل ملکیت اور حاکیت حاصل ہے اور وہی ان کے امور کا متصرف ہے اور لوگوں کا سچا معبود ہے اور الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں، یہ تینوں صفات اسی ہی کے لیے ہیں۔ میں اس وسوسہ اندازی کرنے والے کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جو نفوس میں شر و برائیاں ڈالتا ہے اور اس کی عادت یہ ہے کہ وہ جب ذکر اللہ جیسی کوئی رکاوٹ پاتا ہے تو پھر پیچھے کھسک جاتا ہے اور وہ گمراہی کے وسوسے ڈالنے والا جنات وانس دونوں میں سے ہوسکتا ہے۔ جنات میں سے شیاطین اور انسانوں میں سے ملمع سازی والے لوگ وسوسے ڈالتے ہیں اور اسی قسم کے لوگ انسانی شیطان ہیں۔

شیاطین جن وانس سے استعاذہ لازم ہے۔

ربوبیت والوهیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم غضب کو دور کرنے والا ہے۔



تفسیر مقبولین

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱

سورہ فلق میں دنیوی آفات و مصائب سے پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور اس سورت میں اخروی آفات سے پناہ مانگنے کی تاکید ہے اور جیسا کہ لفظ شر کا مفہوم سورۂ فلق میں بیان کیا گیا ہے کہ آلام اور موجبات آلام دونوں کو شامل ہے اس سورت میں اس شر سے پناہ مانگی گئی ہے جو تمام گناہوں کا سبب ہے یعنی شیطان وساوس و اثرات، چونکہ آخرت کی مضرت اشد ہے اس لیے اس کی تاکید پر قرآن ختم کیا گیا۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝. رب کے معنی پالنے والے اور ہر حال کی اصلاح کرنے والے کے ہیں اس جگہ رب کی اضافت ناس کی طرف کی گئی اور پہلی سورت میں فلق کی طرف وجہ یہ ہے کہ سورۂ فلق میں ظاہری اور جسمانی آفات سے پناہ مانگنا مقصود ہے اور وہ انسان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جانوروں کو بھی بدنی آفات و مصائب پہنچتے ہیں بخلاف وسوسہ شیطانی کے کہ اس کا نقصان انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور جنات بھی اس میں بعاً شامل ہیں۔ اس لیے یہاں رب کی اضافت ناس کی طرف کی گئی۔ (مظہری عن البیضاوی)

مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝

ان دو صفتوں کا اضافہ اس لیے کیا گیا کہ لفظ رب جب کسی خاص چیز کی طرف منسوب ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا بھی دوسروں کے لیے بولا جاتا ہے جیسا رب الدار گھر کے مالک کو، رب المال، مال کے مالک کو کہا جاتا ہے اور ہر مالک بادشاہ نہیں ہوتا اس لیے ملک کا اضافہ کیا کہ وہ رب یعنی مالک بھی ہے اور ملک یعنی بادشاہ بھی، پھر ہر بادشاہ معبود نہیں ہوتا اس لیے تیسری صفت ذکر فرمائی الٰہ الناس، ان تینوں صفتوں کو جمع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان میں سے ہر صفت حفاظت کی داعی ہے کیونکہ ہر مالک اپنے مملوک کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح ہر بادشاہ اپنی رعیت کی حفاظت کرتا ہے اور معبود کا اپنے عابد کے لیے محافظ ہونا تو سب سے اظہر ہے۔ یہ تینوں صفتیں صرف حق تعالیٰ میں جمع ہیں اس کے سوا کوئی ان صفتوں کا جامع نہیں اس لیے اس کی پناہ حاصل کرنا سب سے بڑی پناہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان تین صفتوں کے ساتھ پناہ مانگنا دعا کی قبولیت کے لیے اقرب ہے کہ یا اللہ آپ ہی ان صفات کے جامع ہیں ہم صرف آپ ہی سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہاں جبکہ پہلے جملہ میں رب الناس آ گیا تو بظاہر تقاضا مقام کا یہ تھا کہ آگے اس کی طرف ضمیریں راجع کرنے سے کام لیا جاتا ملکھم والٰھھم فرمایا جاتا مگر اس لفظ کا بار بار تکرار اس لیے ہے کہ مقام دعا اور مدح و ثناء کا ہے اس میں تکرار ہی بہتر ہے اور بعض حضرات نے لفظ ناس کے بار بار تکرار میں یہ لطیفہ بیان کیا ہے کہ اس سورت میں یہ لفظ پانچ مرتبہ آیا ہے۔ پہلے لفظ ناس سے مراد بچے ہیں اور لفظ رب اور ربوبیت اس کا قرینہ ہے کیونکہ پرورش کی حاجت سب سے زیادہ بچوں کو ہوتی ہے اور دوسرے لفظ ناس سے جوان مراد ہیں، اور لفظ ملک اس کا قرینہ ہے جو ایک سیاست کے معنی رکھتا ہے وہ جوان کے مناسب ہے اور تیسرے لفظ ناس سے بوڑھے مراد ہیں جو دنیا سے منقطع ہو کر عبادت میں مشغول ہوں اور لفظ الٰہ اس کا قرینہ ہے جو عبادت الٰہ طرف مشیر ہے اور چوتھے لفظ ناس سے مراد اللہ کے صالح بندے ہیں اور لفظ وسوسہ اس کا قرینہ ہے کیونکہ شیطان نیک بندوں کا دشمن ہے ان کے دلوں میں وسوسے ڈالنا اس کا مشغلہ ہے اور پانچویں لفظ ناس سے مراد مفسد لوگ ہیں کیونکہ ان کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۬ الْخَنَّاسِ ۝

اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر کر کے اب اس کا بیان ہے جس سے پناہ مانگنا مقصود ہے وہ ہے وسواس خناس، وسواس مصدر دراصل بمعنی وسوسہ ہے یہاں شیطان کو وسواس مبالغۃ فرمایا گویا کہ وہ سراپا وسوسہ ہے اور وسوسہ کے معنی شیطان کا اپنی اطاعت کی طرف ایک مخفی کلام کے ذریعہ بلاتا ہے جس کا مفہوم انسان کے دل میں آ جائے اور کوئی آواز سنائی نہ دے۔ (قرطبی)

خناس، خنس سے مشتق ہے جس کے معنی پیچھے لوٹنے کے ہیں۔ شیطان کو خناس اس لیے کہا گیا کہ اس کی عادت یہ ہے کہ انسان جب اللہ کا نام لیتا ہے تو پیچھے بھاگتا ہے پھر جب ذرا غفلت ہوئی پھر آ جاتا ہے پھر وہ اللہ کا نام لیتا ہے تو پھر پیچھے لوٹ جاتا ہے یہی عمل مسلسل جاری رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے قلب میں دو گھر ہیں ایک میں فرشتہ رہتا ہے دوسرے میں شیطان (فرشتہ اس کو نیک کاموں کی رغبت دلاتا رہتا ہے اور شیطان برے کاموں کی) پھر جب انسان اللہ ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب تک وہ ذکر اللہ میں مشغول نہیں ہوتا تو اپنی چونچ انسان کے دل پر رکھ کر اس میں برائیوں کے وسوسے ڈالتا ہے۔ (رواہ ابو یعلیٰ عن انس مرفوعا مظہری)

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

شیطان جنوں میں بھی ہیں اور آدمیوں میں بھی۔ (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا) (الانعام: ۱۱۲) اللہ تعالیٰ دونوں سے پناہ میں رکھے (تکملہ) ان دونوں سورتوں کی تفسیر میں علماء حکماء نے بہت کچھ نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ حافظ ابن قیم، امام رازی، ابن سینا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بیانات درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں صرف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ روحہ، کی تقریر کا خلاصہ درج کرتا ہوں تا کہ فوائد قرآن کے حسن خاتمہ کے لیے ایک فال نیک ثابت ہو، یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ میں جب کوئی نیا پودا زمین کو شق کرتا ہوا نمودار نکل آتا ہے تو باغبان (یا مالی) اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی وسماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حد کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرق ریزی کرنا پڑتی ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ پودے کی زندگی کو فنا کر دینے والی یا اس کے ثمرات کے تمتع سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچا لینے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جائے گا کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جن کے انسداد کے لیے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہے (اول) ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان ودہن کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جائے جن کی جبلت اور خلقت میں سبزہ وگیاہ کا کھانا داخل ہے (دوسرے) کنویں یا نہر یا بارش کا پانی اور ہوا اور حرارت آفتاب (غرضیکہ تمام اسباب زندگی وترقی) کے پہنچنے کا پورا انتظام ہو۔ (تیسرے) اوپر سے برف اولہ وغیرہ جو اس کی یہ حرارت غریز کے اختناق کا باعث ہو۔ اس پر گرنے نہ پائے۔ کیونکہ یہ چیز اس کی ترقی اور نشوونما کو روکنے والی ہے (چوتھے) مالک باغ کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ وبرگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے یا اس کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے۔ اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بندوبست باغبان نے کر لیا تو خدا سے امید رکھنا چاہیے کہ وہ پودا بڑا ہوگا۔ پھولے پھلے گا، اور مخلوق اس کی پر میوہ شاخوں سے استفادہ کرے گی۔ ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض وسما سے جو رب الفلق اور فالق الحب والنویٰ اور چمنستان

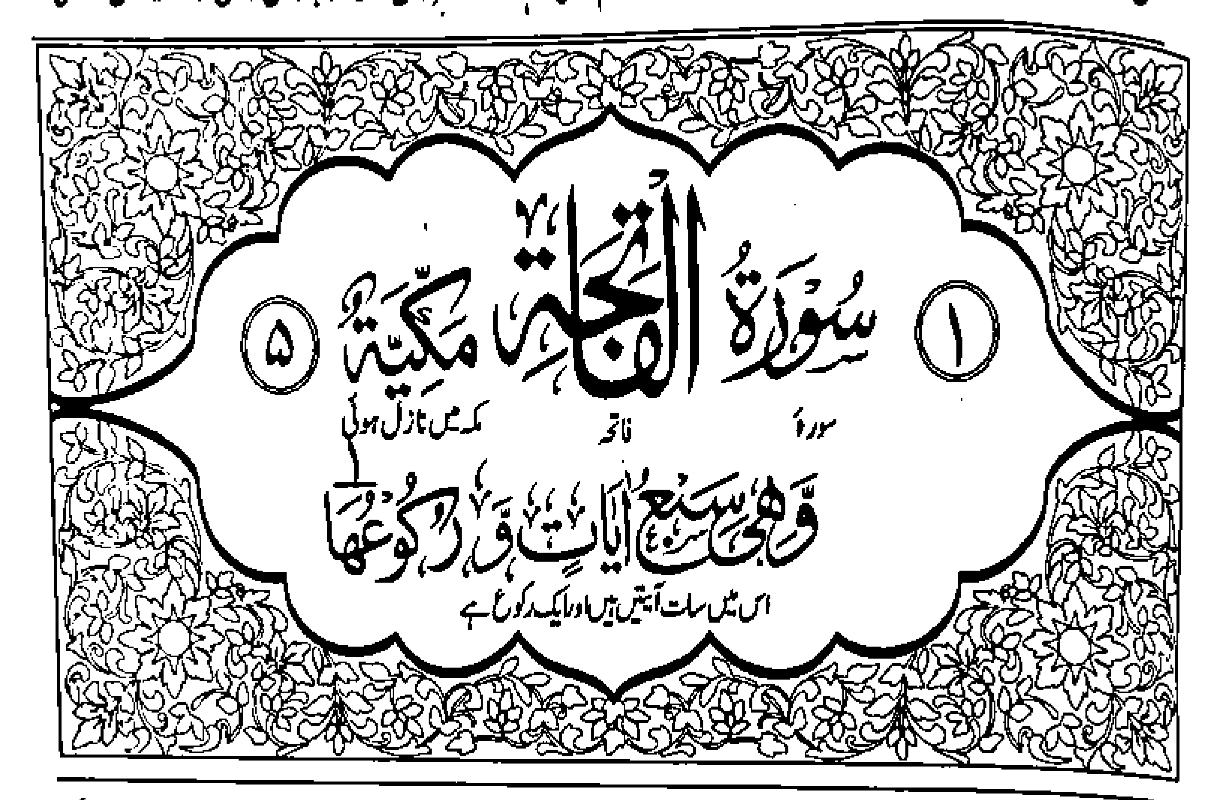
عالم کا حقیقی مالک و مربی ہے اپنے شجر وجود اور شجر ایمان کے متعلق ان ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنا چاہیے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ پس معلوم کرنا چاہیے کہ جس طرح اول قسم میں سبزہ خور جانوروں کی ضرر رسانی محض ان کی طبیعت کے مقتضیات میں سے تھی، اسی طرح شر کی اضافت ماخلق کی طرف سے بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ شر اس مخلوق میں من حیث ہو مخلوق کے واسطے ثابت ہے اور اس کے صدور میں بجز ان کی طبعیت اور پیدائشی دواعی کے اور کسی سبب کو دخل نہیں جیسا کہ سانپ بچھو اور تمام سباع و بہائم وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ نیش عقرب نہ از پے کین است مقتضائے طبیعتش این است اس کے بعد دوسرے درجہ میں غاسق اذا وقب سے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے جس سے مفسرین کے نزدیک مراد یا تو رات ہے جب خوب اندھیری ہو، یا آفتاب ہے جب غروب ہو جائے، یا چاند ہے جب اس کو گہن لگ جائے ان میں سے کوئی معنی لو۔ اتنی بات یقینی ہے کہ غاسق میں سے شر کا پیدا ہونا اس کے وقوب (چھپ جانے) میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ ہم سے منقطع ہو جائے اور جو فوائد اس کے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے وہ اب ہاتھ نہ آئیں۔ لیکن جب یہ ہے تو یہ تمثیل اسباب و مسببات سے زیادہ اور کسی چیز پر چسپاں نہیں ہوتی۔ کیونکہ مسبب کا وجود اسباب و معدات کے وجود پر موقوف ہوتا ہے۔ اور جب تک اسباب کا علاقہ مسببات کے ساتھ قائم نہ ہو، ہرگز کوئی مسبب اپنی ہستی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وہ بات ہے جس کو ہم نے آفت کی دوسری قسم میں یہ کہہ کر بیان کیا تھا کہ پانی، ہوا اور حرارت آفتاب (غرض کل اسباب زندگی و ترقی) کا اگر خاطر خواہ انتظام نہ ہو تو وہ پودا کملا کر خشک ہو جائے گا اب اس کے بعد تیسرا تعوذ نفاثات فی العقد سے کیا گیا، جس سے میں کہہ چکا ہوں ساحرانہ اعمال مراد ہیں۔ جو لوگ سحر کا وجود تسلیم کرتے ہیں وہ یہ مانتے ہیں کہ سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے امور عارض ہو جاتے ہیں جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہو کر دب جائیں تو سحر کی یہ آفت اس آفت سے بہت ہی مشابہ ہوئی جو پودے پر برف وغیرہ گرنے اور حرارت غریزیہ کے مختقن (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی جس سے اس کا نشوونما رک جاتا تھا۔ لبید بن اعصم کے قصہ میں جو الفاظ آئے ہیں۔ فقام علیہ السلام کانما انشط من عقال ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز نے مستولی ہو کر آپ کے مقتضیات طبیعت کو چھپا لیا تھا جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے تعوذ سے باذن اللہ دفع ہو گئی۔ اب ان آفات میں سے جن سے تحرز کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا صرف ایک آخری درجہ باقی ہے۔ یعنی کوئی مالک باغ کا دشمن بر بناء عداوت و حسد پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے یا اس کی شاخ و برگ کاٹ ڈالے۔ شر کے اس مرتبہ کو من شر حاسد اذا حسد نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا ہاں اس تقریر میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی کبھی تخم کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا، بلکہ روئیدگی سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن میں سے وہ خاص جوہر چوس لیتی ہیں جس سے تخم کی روئیدگی ہوتی ہے اور جس کو ہم قلب الحبوب یا سویدائے تخم سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھلا ہو جاتا ہے اور قابل نشوونما نہیں رہتا۔ شاید اسی سرسری کمی کی تلافی کے لیے دوسری سورت میں الوسواس الخناس کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی۔ کیونکہ وسواس ان ہی فاسد خطرات کا نام ہے جو ظاہر ہو کر نہیں، بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ اور جن کا علاج عالم الخفیات والسرائر کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں۔ لیکن جب وساوس کا مقابلہ ایمان سے ٹھہرا تو دفع وساوس کے واسطے انہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوئی جو ایمان کے اصل مبادی و مناشی گنے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد

پہنچتی ہے۔ اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اول ایمان (انقیاد و تسلیم) کا نشو ونما حق تعالیٰ کی تربیت ہائے بے پایاں اور انعامات بے غایت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب ہم ان کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن ادھر منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شہنشاہ مطلق بھی ہے کیونکہ تربیت مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی وروحانی ضروریات بہم پہنچانے کے ہیں اور یہ کام بجز ایسی ذات منبع الکمالات کے اور کسی سے بن نہیں پڑسکتا۔ جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہ اقتدار سے خارج نہ ہوسکے۔ ایسی ہی ذات کو ہم مالک الملک اور شہنشاہ مطلق کہہ سکتے ہیں۔ اور لاریب اسی کی یہ شان ہونی چاہئے۔ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار گویا مالکیت یا ملکیت ایک ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ ربوبیت سے موسوم ہوتا ہے کیونکہ ربوبیت کا کل خلاصہ اعطاء منفعت اور دفع مضرت ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا ہی ملک علی الاطلاق کا منصب ہے۔ پھر ذرا اور آگے بڑھتے ہیں تو ملک علی الاطلاق ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت (الٰہیت) کا سراغ ملتا ہے۔ کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جائے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلا پروانہ کی جائے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد و بندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور ان دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے معبودیت والٰہیت کی صفت بھی تنہا اسی وحدہ لاشریک لہ، کے لیے ثابت ہوگئی۔ پڑھو: اتعبدون من دون اللہ ما لا یملک لکم ضرا ولا نفعا غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء بنتی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد صفت ملکیت اور سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے۔ پس جو شخص اپنے ایمان کو وسواس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لیے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں چارہ جوئی کرے گا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا مناسب ہوگا جس طرح خود اس نے بالترتیب اپنی صفات (رب الناس، ملک الناس، الہ الناس) کو سورۃ الناس میں بیان فرمادیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذ بہ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر واؤ عطف اور بغیر اعادہ باء جارہ کے مذکور ہیں اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت در صفت کر کے بیان کی گئی ہیں۔ اس کو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو صفت الوہیت کے مقابلہ میں رکھو، کیونکہ جس طرح مستعاذ بہ حقیقی الہ الناس ہے اور ملک ورب اسی تک رسائی حاصل کرانے کے عنوان قرار دیئے گئے ہیں، اسی طرح مستعاذ منہ کی حقیقت یہ ہی وسواس ہے جس کی صفت آگے خناس بیان فرمائی ہے۔ خناس سے مراد یہ ہے کہ شیطان بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسواس ڈالتا رہتا ہے، اور جب کوئی بیدار ہوجائے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے ایسے چوروں اور بدمعاشوں کا بندوبست اور ان کے دست تعدی سے رعایا کو مصؤن و مامون بنانا بادشاہان وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ اس صفت کے مقابل ملک الناس کو رکھا جائے۔ اور الذی یوسوس فی صدور الناس جو خناس کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے نقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ اس کو رب الناس کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق ملک الناس کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جائے۔ پھر دیکھئے کہ مستعاذ منہ اور مستعاذ بہ میں کس قدر تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کلامہ۔

(تنبیہ) کئی صحابہ (مثلاً عائشہ صدیقہ، ابن عباس زید بن ارقم ؓ) سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پر بعض یہود نے سحر کیا۔

جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہوگیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ ایک دنیاوی کام کر چکے ہیں، مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا۔ یا ایک کام نہیں کیا اور خیال ہوتا تھا کہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاج کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہوگیا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے جس پر آج تک کسی محدث نے جرح نہیں کی۔ اور اس طرح کی کیفیت منصب رسالت کے قطعاً منافی نہیں۔ جیسے آپ ﷺ کبھی کبھی بیمار ہوئے۔ بعض اوقات غشی طاری ہوگئی یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہوگیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا: انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی (میں بھی ایک بشر ہی ہوں جیسے تم بھولتے ہو، میں بھی بھولتا ہوں، میں بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو) کیا اس غشی کی کیفیت اور سہو و نسیان کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب وحی پر اور آپ ﷺ کی دوسری باتوں پر کیسے یقین کریں، ممکن ہے ان میں بھی سہو و نسیان اور بھول چوک ہوگئی ہو۔ اگر وہاں سہو و نسیان کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی الٰہی اور فرائض تبلیغ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے لگیں، تو اتنی بات سے کہ احیاناً آپ ایک کام کر چکے ہوں اور خیال گزرے کہ نہیں کیا، کس طرح لازم آیا کہ آپ ﷺ کی تمام تعلیمات اور فرائض بعثت سے اعتبار اٹھ جائے۔ یاد رکھیے سہو و نسیان، مرض اور غشی وغیرہ عوارض خواص بشریت سے ہیں۔ اگر انبیاء بشر ہیں، تو ان خواص کا پایا جانا اس کے رتبہ کو کم نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جب ایک شخص کی نسبت دلائل قطعیہ اور براہین نیرہ سے ثابت ہو جائے کہ وہ یقیناً اللہ کا سچا رسول ہے، تو ماننا پڑے گا کہ اللہ نے اس کی عصمت کا تکفل کیا ہے اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ناممکن ہے کہ اس کے فرائض دعوت و تبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس ہو، یا شیطان، مرض ہو، یا جادو، کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی، جو مقصد بعثت کے متعلق ہیں۔ کفار جو انبیاء کو مسحور کہتے تھے، چونکہ ان کا مطلب نبوت کا ابطال اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہی، گویا مسحور کے معنی مجنون کے لیتے تھے اور وحی الٰہی کو جوش جنون قرار دیتے تھے (العیاذ باللہ) اس لیے قرآن میں ان کی تکذیب و تردید ضروری ہوئی۔ یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام لوازم بشریت سے مستثنیٰ ہیں۔ اور کسی وقت ایک آن کے لیے کسی نبی پر سحر کا معمولی اثر جو فرائض بعثت میں اصلاً خلل انداز نہ ہو نہیں ہو سکتا۔ (تنبیہ دوم) معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے۔ صرف ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے۔ لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا۔ وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے۔ مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا۔ معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یا نہیں اس لیے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے، خلاف احتیاط ہے۔ روح البیان میں ہیں: انه کان لا یعد المعوذتین من القرآن و کان لا یکتبهما فی مصحفه یقول انهما منزلتان من السماء و هما من کلام رب انهما من القرآن او لیستا منه فلم یکتبهما فی المصحف (صفحہ ۷۲۳ جلد ۱۰) قاضی ابوبکر باقلانی لکھتے ہیں۔ لم ینکر ابن مسعود کونهما من القرآن و انما انکر اثباتهما فی المصحف فانه کان یری ان لا یکتب فی المصحف شیاً الا ان کان النبی ﷺ اذن فی کتابته فیه و کانه لم یبلغه الاذن (فتح الباری صفحہ ۵۷۱ جلد ۸) حافظ نے ایک اور عالم کے یہ الفاظ

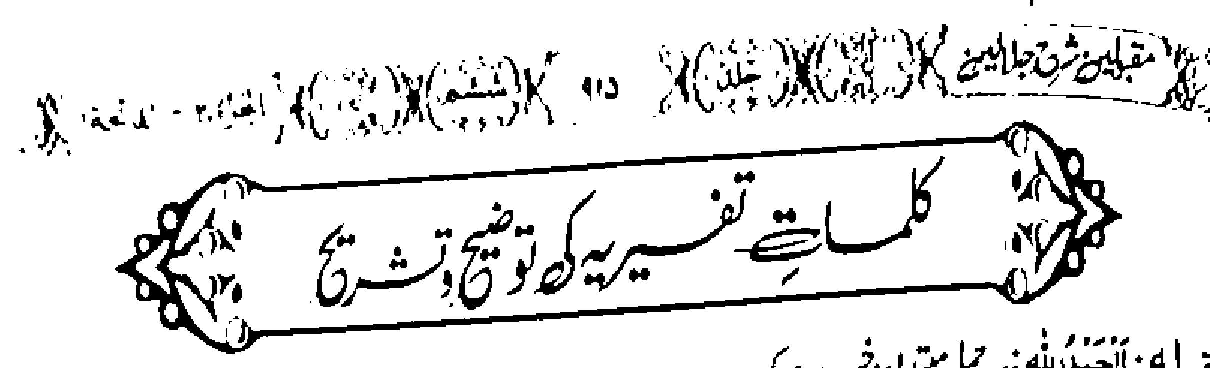
نقل کئے ہیں: لم یکن اختلاف ابن مسعود مع غیرہ فی قرآنیتھما وانما کان فی صفتہ من صفاتھما۔ (فتح الباری صفحہ ۵۷۱ جلد ۸) بہرحال ان کی یہ رائے بھی شخصی اور انفرادی تھی اور جیسا کہ بزار نے تصریح کی ہے۔ کسی ایک صحابی نے ان سے اتفاق نہیں کیا اور بہت ممکن ہے کہ جب تواتر سے ان کو ثابت ہو گیا ہو کہ یہ بھی قرآن متلو ہے تو اپنی رائے پر قائم نہ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ ان کی یہ انفرادی رائے بھی محض خبر واحد سے معلوم ہوئی ہے جو تواتر قرآن کے مقابلہ میں قابل سماعت نہیں ہو سکتی۔



سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ سَبْعُ اٰيَاتٍ بِالْبَسْمَلَةِ اِنْ كَانَتْ مِنْهَا وَالسَّابِعَةُ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اِلٰى اٰخِرِهَا وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ مِنْهَا فَالسَّابِعَةُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ اِلٰى اٰخِرِهَا وَيُقَدَّرُ فِيْ اَوَّلِهَا قُوْلُوْا لِيَكُوْنَ مَا قَبْلَ اِيَّاكَ نَعْبُدُ مُنَاسِبًا لَهٗ بِكَوْنِهٖ مِنْ مَقُوْلِ الْعِبَادِ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** جُمْلَةٌ خَبَرِيَّةٌ قُصِدَ بِهَا الثَّنَاءُ عَلَى اللّٰهِ بِمَضْمُوْنِهَا مِنْ اَنَّهٗ تَعَالٰى مَالِكٌ لِجَمِيْعِ الْحَمْدِ مِنَ الْخَلْقِ اَوْ مُسْتَحِقٌّ لِاَنْ يَحْمَدُوْهُ وَاللّٰهُ عَلَمٌ عَلَى الْمَعْبُوْدِ بِحَقٍّ **رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ○** اَيْ مَالِكِ جَمِيْعِ الْخَلْقِ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ وَ الدَّوَابِّ وَ غَيْرِهِمْ وَ كُلٌّ مِنْهُمْ يُطْلَقُ عَلَيْهِ عَالَمٌ يُقَالُ عَالَمُ الْاِنْسِ وَ عَالَمُ الْجِنِّ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ وَ غُلِّبَ فِيْ جَمْعِهٖ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ اُولُوا الْعِلْمِ عَلٰى غَيْرِهِمْ وَهُوَ مِنَ الْعَلَامَةِ لِاَنَّهٗ عَلَامَةٌ عَلٰى مُوْجِدِهٖ **الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ○** اَيْ ذِي الرَّحْمَةِ وَهِيَ اِرَادَةُ الْخَيْرِ لِاَهْلِهٖ **مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۭ○** اَيِ الْجَزَاءِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَ خُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ لَا مُلْكَ ظَاهِرًا فِيْهِ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى بِدَلِيْلِ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ وَ مَنْ قَرَأَ مَالِكٌ فَمَعْنَاهُ مَالِكُ

الْأَمْرِ كُلِّهِ فِيْ يَوْمِ الْقِيمَةِ اَىْ هُوَ مَوْصُوْفٌ بِذٰلِكَ دَائِمًا كَغَافِرِ الذَّنْبِ فَصَحَّ وُقُوْعُهٗ صِفَةً لِلْمَعْرِفَةِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اَىْ نَخُصُّكَ بِالْعِبَادَةِ مِنْ تَوْحِيْدٍ وَ غَيْرِهٖ وَ نَطْلُبُ مِنْكَ الْمَعُوْنَةَ عَلَى الْعِبَادَةِ وَغَيْرِهَا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ اَىْ اَرْشِدْنَا اِلَيْهِ وَ يُبْدَلُ مِنْهُ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بِالْهِدَايَةِ وَيُبْدَلُ مِنَ الَّذِيْنَ بِصِلَتِهٖ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَ لَا وَغَيْرِ الضَّآلِّيْنَ ۝ وَهُمُ النَّصَارٰى وَنُكْتَةُ الْبَدَلِ اِفَادَةُ اَنَّ الْمُهْتَدِيْنَ لَيْسُوْا يَهُوْدًا وَلَا نَصَارٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا دَائِمَيْنِ مُتَلَازِمَيْنِ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ: سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں (جملہ خبریہ ہے۔حاصل کلام اللہ عزوجل کی ثناء بیان کرنا ہے) یعنی یہ کہ وہ مخلوق کی ساری تعریف کا مالک ہے۔یا یہ معنی ہیں کہ اللہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی تعریف کرو، لفظ اللہ معبود حقیقی کا نام ہے) جو تمام کائنات کا رب ہے (یعنی انسان، جن فرشتے وغیرہ جانوروں ساری مخلوق کا مالک ہے ان مخلوقات میں سے ہر مخلوق کو عالم کہتے ہیں۔ چنانچہ عالم الانس، عالم الجن وغیرہ بولا جاتا ہے اور عالمین کے یا نون کے ساتھ جمع لانے میں ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غالب کر لیا گیا ہے۔ عالم علاقہ کو کہتے ہیں۔یہ جہاں بھی پیدا کرنے والے کی پہچان کا ذریعہ ہے) بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے (یعنی رحمت والا ہے۔جس کے معنی مستحق رحمت کے ساتھ ارادہ خیر کے معنی ہیں) روز جزا کا مالک ہے (یعنی بدلہ کے دن کا جو روز قیامت ہے۔اس روز کی تخصیص اس لیے کی وہاں بجز اللہ کے کسی کی ملک نہیں رہے گی۔ جیسا کہ ارشاد ہے لمن الملك اليوم لله اور جن قراء نے مالک پڑھا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ قیامت کے دن وہ ہر چیز کا مالک ہوگا یعنی اللہ ہمیشہ مالک ہے۔یہ ایسا ہی ہے جیسے غافر الذنب فرمایا گیا ہے۔اس لیے مالک کا معرفہ (اللہ) کی صفت بننا قطعاً درست ہے) ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں (یعنی توحید وغیرہ کے ذریعہ ہم صرف آپ کی پرستش کرتے ہیں اور عبادت وغیرہ پر صرف آپ کی اعانت چاہتے ہیں) ہمیں سیدھا راستہ دکھایئے (اس کی طرف رہنمائی کیجئے۔آگے بدل ہے) ان لوگوں کا رستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے (ہدایت دے کر آگے بدل ہے الذین مع صلہ کا) جو مغضوب نہیں ہوئے (جیسا کہ یہود ہیں) اور جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں (جیسے عیسائی اور بدل میں یہ نکتہ ہے کہ یہود و نصاریٰ ہدایت یافتہ نہیں ہیں)



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ: یہ جملہ مبتداء وخبر سے مرکب ہے۔

قولہ: خَبَرِیَۃٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ لفظاً خبریہ اور معنیٰ کے لحاظ سے انشائیہ ہے۔ کیونکہ جب یہ جملہ بولا تو اس کے کلام کرنے سے یقین جب کہ ثناء کا قصد ہو حمد حاصل ہوگئی۔ یہ متکلم اپنے اس جملے سے اللہ تعالیٰ کی ثناء کو پیدا کرنے کا قصد کرنے والا ہے۔

قولہ: اَنَّہٗ تَعَالٰی مَالِکٌ: اس سے مضمون جملہ کو بیان کیا اور یہ بھی اشارہ کر دیا کہ لِلّٰہِ میں لام ملکیت یا استحقاق کی ہے اور الحمد میں لام جنس کی ہے۔

قولہ: وَاللّٰہُ: یہ علم مفرد ہے جو اس موجود ذات کے لیے بولا جاتا ہے۔ ابتداء جو عبادت کا حقدار ہے نہ کہ غلبہ کی بناء پر اور نہ صرف اس وصفی مفہوم کی بناء پر۔

قولہ: رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: یہ اضافت بیانیہ ہے، رب یہ مالک کے معنیٰ میں ہے۔ مطلقاً یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، بقیہ کے لیے نسبت سے بولا جاتا ہے۔

قولہ: مَالِکٌ: رب کا لفظ دراصل مصدر ہے جو بمعنیٰ تربیت ہے پھر مبالغہ کے طور پر صفت کے لیے استعمال کیا پھر مالک کا نام رکھ دیا کیونکہ وہ اپنی ملکیت کی حفاظت کرتا ہے۔

قولہ: یُطْلَقُ عَلَیْہِ عَالِمٌ: اس میں عالمین کے جمع کی وجہ بتلائی، حالانکہ العالم تو مفرد بھی تمام کو شامل ہے کیونکہ وہ اسم جنس ہے۔ تو جمع لائے تاکہ اپنے ماتحت اجناس مختلفہ کو صراحت سے شامل کر لیا جائے۔

قولہ: وَغُلِّبَ: کہ جمع عقلاء کے وزن پر تغلیب یا تشریف کے اعتبار سے ہے۔

قولہ: وَھِیَ اِرَادَۃُ الْخَیْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ اسماء باری تعالیٰ آثار وغایات کے لحاظ سے لیے جاتے ہیں جو کہ افعالی ہیں ان مبادی جو کہ انفعالات ہیں ان کا لحاظ نہیں ہوتا۔

قولہ: اَلْجَزَاءِ: اس سے اشارہ کیا الدین یہاں بدلے کے معنیٰ میں ہے۔ نہ کہ شریعت وطاعت کے معنیٰ میں۔

قولہ: وَخُصَّ بِالذِّکْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ اس دن دنیا کی طرح ظاہری ملکیت کا بھی نام ونشان نہ ہوگا چہ جائیکہ حقیقی ہو۔

قولہ: مَالِکٌ: اس سے اشارہ کیا کہ اسم فاعل کی ظرف کی طرف اضافت مجازی ہے اور اسے مجازاً مفعول بہ کے قائم مقام کر دیا۔ مثلاً یاسارق اللیل۔

قولہ: ھُوَ مَوْصُوْفٌ: اس سے اشارہ ہے اس اضافت کا مقصد استمرار ہے پس اضافت معنویہ ہونے کی وجہ سے معرفہ کی صفت بن گئی۔

قولہ: نَخُصُّکَ: مفعول کو یہاں حصر پر دلالت کے لیے مقدم کیا۔

قولہ: اَلْمَعُوْنَۃَ عَلَی الْعِبَادَۃِ: اس سے مراد تمام مہمات میں اعانت کا طلب کرنا ہے۔ فقط عبادات میں اعانت مراد نہیں،

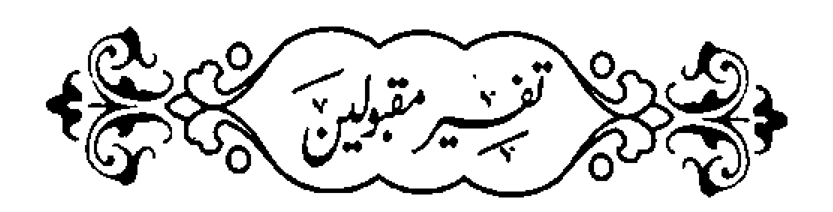
نیز مفعول کو عموم پیدا کرنے کے لیے کثرت سے حذف کرتے ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ اس سے اپنے آپ حول وقوت کی مکمل نفی ہوتی ہے اور یہ بات مقام عبادت کے نہایت مناسب ہے۔

قولہ :اَرْشِدْنَا: یہاں رشد وہدایت پر ثابت قدمی مراد ہے۔

قولہ :وَيُبْدَلُ :اور اس پر تنقیص کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا راستہ تو استقامت کے ذریعہ جانا پہچانا ہے۔ یہاں ذات کو صفت کا بدل بنایا حالانکہ مبدل منہ میں تو وصف پیش نظر ہوتا ہے اور ذات بدل بنا کرتی ہے۔ تو اس سے یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں کا راستہ استقامت والا ہونا چاہیے کیونکہ تفسیر یہ ہے کہ کسی مبہم کو مشہور وظاہر لفظ سے واضح کر دیا جائے پس جب اس مذکور موصوف کو صفت مذکورہ کا بیان بنا دیا تو اب ضروری ہو گیا کہ معروف استقامت سے اس کا اتصال ہوتا کہ مبہم سے تفسیر لازم نہ آئے اور وصف استقامت پھر منحصر ہو جائے۔ کیونکہ تفسیر میں اصل مساوات ہے اسی لیے اس کو بدل قرار دیا نہ کہ عطف بیان کیونکہ اس صورت میں تاکید فوت ہو جاتی ہے۔

قولہ :مِنْهُ :اس سے تاکید مقصود ہے۔

آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على حبيبه محمد وآله وصحبه اجمعين۔ تم يوم الاربعاء من شعبان ۱۴۳۴ھ ۲۰۱۳ التقاط الحواشی بحمده ومنه تعالى



سورۃ فاتحہ کے اسماء اور فضائل

سورۂ فاتحہ مکی ہے، بعض علماء نے اسے مدنی بھی کہا ہے اور بعض علمائے تفسیر نے فرمایا کہ یہ سورت دو بار نازل ہوئی ہے ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں، اس سورت کے بہت سے نام ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور نام الفاتحہ ہے، تفسیر اتقان میں پچیس نام ذکر کیے ہیں جن میں چند نام یہ ہیں: فاتحۃ الکتاب، فاتحۃ القرآن، ام الکتاب، ام القرآن، السبع المثانی، سورۃ المناجاۃ، سورۃ السوال، سورۃ الحمد، سورۃ الشکر۔

سورۂ حجر میں فرمایا ہے: (وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ) ''اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں۔ جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا۔''

السبع (سات) اس لیے فرمایا کہ اس میں سات آیات ہیں اور مثانی اس لیے فرمایا کہ یہ سورت بار بار پڑھی جاتی ہے۔ امام بخاریؒ اپنی کتاب صحیح بخاری ۶۴۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا نام ام الکتاب اس لیے رکھا گیا کہ یہ مصاحف میں بالکل شروع میں لکھی جاتی ہے اور نماز میں بھی اسی سے قراءت شروع کی جاتی ہے اور فاتحہ کی یہ بھی بہت بڑی فضیلت ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

احادیث شریفہ میں سورۃ فاتحہ کی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ صحیح بخاری ص ۶۴۲ ج ۲ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کو اعظم سورۃ فی القرآن (یعنی قرآن کی عظیم ترین سورت) فرمایا۔ سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کی قسم اس جیسی سورت نہ توریت میں اتاری گئی نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن میں (باب ماجاء فی فضل فاتحۃ الکتاب) حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کو افضل القرآن بتایا۔ (درمنثور ص ۵ ج ۱) بعض احادیث میں سورۃ فاتحہ کو دو تہائی قرآن کے برابر فرمایا ہے۔ (درمنثور ص ۵ ج ۱)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں اس خزانہ سے اتاری گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔ ان چار کے علاوہ اس میں سے کوئی چیز نہیں اتاری گئی (۱) ام الکتاب (۲) آیۃ الکرسی (۳) سورۃ بقرہ کی آخری آیات (٤) سورۃ کوثر۔ (درمنثور ص ۵ ج ۱ عن الطبرانی والضیاء المقدسی فی المختارۃ)

حضرت مجاہد تابعیؒ نے فرمایا کہ ابلیس ملعون چار مرتبہ رویا، ایک تو اس وقت رویا جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی، دوسرے اس وقت جب وہ ملعون قرار دیا گیا، تیسرے جب زمین پر اتارا گیا، چوتھے جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

(درمنثور ص ۵ ج ۱)

صحیح مسلم ص ۲۷۱ ج ۱ میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام فخر عالم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی، حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا، ایک فرشتہ نازل ہوا، حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس فرشتہ نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ خوشخبری سن لیجئے، دو نور آپ کو ایسے ملے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے: (۱) فاتحۃ الکتاب (۲) سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں (ان میں دعا ہے اور چونکہ یہ دعا اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہے اس لیے مقبول ہے) ان دونوں میں سے جو بھی کچھ تلاوت کریں گے اللہ تعالیٰ ضرور آپ کا سوال پورا فرمائیں گے۔

تفسیر اتقان میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ میں (اجمالی طور پر) قرآن شریف کے تمام مقاصد اور مضامین جمع کر دیئے ہیں۔ یہ سورت مطلع القرآن ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ یہ سورت پورے قرآن شریف کے لیے براعت استہلال کا حکم رکھتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن شریف اور تمام آسمانی ادیان چار علوم پر مشتمل ہیں۔ اول علم الاصول جس میں تین چیزیں ہیں۔ (۱) اللہ پاک کی ذات وصفات کو جاننا، اس کی طرف سورۃ فاتحہ میں شروع کی دو آیتوں میں اشارہ ہے۔ (۲) نبوت ورسالت، اس کی طرف (الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) میں ارشاہ ہے۔ (۳) قیامت اس کی طرف (مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿﴾) میں اشارہ ہے۔ دوم علم العبادات، اس کی طرف (اِيَّاكَ نَعْبُدُ) میں اشارہ ہے۔ سوم، علم السلوک یعنی نفس کو آداب شرع کا پابند بنایا اور احکام خداوندی کی فرماں برداری پر آمادہ کرنا اس کی طرف (وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿﴾) میں اور (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿﴾) میں اشارہ ہے۔ چہارم علم القصص یعنی گزشتہ امتوں کے واقعات، ان واقعات سے یہ غرض ہے کہ فرماں برداروں کی سعادت وکامیابی اور نافرمانوں کی بدبختی و بربادی معلوم کر کے عبرت حاصل کی جائے۔ اس مقصد کی طرف (صِرَاطَ

الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۝) میں اشارہ ہے۔

مسلم شریف ص ۱۷۰ ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت فخر عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز کو (یعنی نماز کے اہم ترین حصہ کو) اپنے اور بندہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے اور بندہ جو سوال کرے اس کے لیے وہی ہے (اس کے بعد اس تقسیم کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ) جب بندہ کہتا ہے: (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ) (یعنی میرے بندہ نے میری تعریف کی) پھر جب وہ کہتا ہے: (الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ) (یعنی میرے بندہ نے میری بڑائی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے: (مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ) (یعنی بندہ نے میری بزرگی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے: (اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لیے وہی ہے۔ (یہ آیت اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جہاں بندہ نے اپنی بندگی کا اعلان اور اقرار کیا اور مدد مانگنے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو خاص کر لیا اور مان لیا اور اس طرح خود کو رحمت و نعمت کی نوازش کے قابل بنالیا وہاں اس نے بلاشرکت غیرے اللہ پاک کی معبودیت کا بھی اعلان کیا اور یہ بھی مانا اور جانا اور دوسروں کو بتایا کہ جس سے مدد مانگی جائے وہ صرف اللہ پاک رؤف و رحیم احد و صمد ہے جو سب کچھ دے سکتا ہے اور جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے قبضہ میں ہر چیز ہے اور جس کسی کے پاس قلیل و کثیر جو کچھ بھی ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے) پھر جب بندہ کہتا ہے: (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۝) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندہ کے لیے ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لیے وہی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تعوذ اور تسمیہ کا بیان:

جب قرآن مجید کی تلاوت شروع کی جائے تو اوّل (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) پڑھا جائے سورۂ نحل میں ارشاد ہے: (فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) (سو جب تو قرآن پڑھنا شروع کرے تو اللہ کی پناہ مانگ شیطان مردود سے) اور اس کے بعد (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) پڑھا جائے۔

جب کسی مکان میں رہنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس کو تکلیف دینے والی چیزوں سے صاف ستھرا کرتے ہیں پھر اس کو زینت دیتے ہیں یعنی رنگ و روغن کرتے ہیں۔ اسی طرح سے جب تلاوت شروع کریں تو پہلے اپنے دل کو شیطان مردود کے وسوسوں سے پاک کریں۔ اس کے لیے (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ) (آخر تک) پڑھی جائے۔ پھر اللہ کا نام لے کر دل کو مزین کریں۔ نماز میں سب سے پہلے سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اس کو شروع کرنے سے پہلے دل کو شیطانی وسوسوں سے صاف کیا جاتا ہے اور اللہ کے نام سے دل کو مزین کیا جاتا ہے۔ جب آدمی نماز شروع کرے تو ان چیزوں سے ذہن فارغ کر لے جن میں شیطان لگائے رہتا ہے

اور جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل بنانے والی ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی جب کوئی سورت شروع کرے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے، البتہ سورۃ انفال ختم کر کے سورۃ برأت شروع کرے تو بسم اللہ نہ پڑھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قرآن کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ لیکن سورۃ فاتحہ یا اس کے علاوہ کسی دوسری سورت کا جزو نہیں ہے۔ البتہ سورۃ نمل کے دوسرے رکوع میں جو ایک جگہ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) ہے وہ سورۃ نمل کا جزو ہے۔

ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ سورۃ فاتحہ میں سات آیات ہیں جو حضرات (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) کو سورۃ فاتحہ کا جز و مانتے ہیں وہ اس کو ایک آیت شمار کرتے ہیں اور (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝) سے لے کر ختم سورت تک چھ آیات شمار کرتے ہیں (حضرت امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے) اور جن ائمہ اور قراء کے نزدیک (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) سورۃ فاتحہ کا جزو نہیں ہے ان کے نزدیک (غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝) ساتویں آیت ہے۔ (معالم التنزیل ص ۳۹ ج ۱)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو سورت ختم ہونے کا علم نہ ہوتا تھا جب تک (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) نازل نہ ہو جاتی تھی۔ جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بسم کا نزول ہوتا تو آپ سمجھ لیتے تھے کہ سورت ختم ہو گئی اور اب نئی سورت شروع ہو رہی ہے۔ (درمنثور ص ۷ ج ۱)

تفسیر معالم التنزیل ص ۳۷ ج ۱ میں لکھا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہر سورت کے شروع میں ہونا اللہ پاک کی طرف سے بندوں کو تعلیم ہے کہ قرأت سے پہلے اس کو پڑھیں اور قرأت شروع کرنے کا ادب جان لیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں

اوّل کی تین آیات میں اللہ پاک کی تعریف اور اسم ذات اور اللہ پاک کی بڑی بڑی صفات ذکر کی گئی ہیں جو دیگر صفات کمالیہ کو بھی شامل ہیں۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ اس دعویٰ کو واضح اور ثابت کرنے میں مذکورہ صفات کو بڑا دخل ہے یعنی جو ذات پاک ایسی ایسی صفات سے متصف ہے ظاہر ہے کہ ہر تعریف کی مستحق ہے۔ جتنی تعریفیں آج تک ہوئی ہیں یا آئندہ دنیا و آخرت میں ہوں گی در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کسی نے کی ہے یا آئندہ کوئی کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہونا تو ظاہر ہے اور جو تعریفیں اس کی مخلوق کی کی جاتی ہیں یا آئندہ کی جائیں گی یا گزشتہ تمام زمانوں میں ہو چکی ہیں وہ بھی در حقیقت اللہ پاک کی ہی تعریفیں ہیں کیونکہ ہر صاحب کمال کو اس نے وجود بخشا ہے اور کمال سے نوازا ہے اور کمال اور صاحب کمال کی پرورش فرمائی ہے اور اپنی رحمت سے ان کمالات کو باقی رکھا ہے۔ لِلّٰهِ میں لام اختصاص اور استحقاق کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ محمود حقیقی اور مستحق حمد اللہ تعالیٰ ہی ہے اگر کوئی اللہ کی حمد نہ کرے تو اس کی محمودیت حقیقیہ میں ذرا فرق نہیں آتا۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ کا معنی اور مطلب:

رَبٌّ عربی زبان میں بمعنی مالک آتا ہے اور بمعنی پروردگار (پالنے والا) بھی آتا ہے (معالم التنزیل) یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ اللہ پاک تمام جہانوں کے مالک ہیں اور پالنے والے بھی۔ اَلْعٰلَمِيْنَ ۝ عالم کی جمع ہے۔ عالم (بروزن فاعل بفتح العین) علم سے لیا گیا ہے۔ عربی قاعدہ کی رو سے فاعل کا وزن مادۂ اشتقاق کے آلہ کے لیے آتا ہے عالم کا مادۂ اشتقاق علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق عالم ہے۔ اس لیے کہ اپنے خالق (پیدا کرنے والے) کے معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔ یوں تو ساری مخلوق بہ حیثیت مخلوق کے ایک عالم ہے لیکن مخلوق کی بے شمار قسمیں ہیں۔ ہر قسم کو علیحدہ علیحدہ عالم قرار دیکر جمع (عالمین) لائی گئی گویا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدائے پاک کے جاننے اور پہچاننے کے لیے ایک عالم (بلکہ اس کا ایک ذرہ بھی) کافی ہے لیکن عالم اتنے زیادہ اور بیشمار ہیں کہ ان کو دیکھ کر اگر کوئی کوڑھ مغز بد باطن خدائے پاک کو نہ پہچانے تو اس کی محرومی، بدنصیبی، جہالت کی بھی تردید ہے جو بعض مخلوقات کو معبود مانتے ہیں اور خالق کو چھوڑ کر مخلوق و مملوک کے سامنے جبین نیاز رکھتے ہیں۔ مقاتل بن حیان نے فرمایا کہ عالم اسی ہزار ہیں، چالیس ہزار خشکی میں اور چالیس ہزار سمندر میں۔

حضرت وہب بن منبہؒ نے فرمایا کہ عالموں کی تعداد اٹھارہ ہزار ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جو جناب کعب الاحبار نے فرمائی کہ عالموں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا انہوں نے اپنے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی: (وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ)۔ (معالم التنزیل ص ۴۰، ج ۱)

اللہ جل شانہ، سارے جہانوں کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ اور پرورش کرنے والا بھی اس نے صرف وجود ہی نہیں دیا بلکہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے اسباب بھی پیدا فرمائے۔ وہ رزق بھی دیتا ہے کھلاتا پلاتا بھی ہے ہر فرد تک رزق پہنچاتا ہے۔ جب کھانے والا رزق کھالیتا ہے تو وہ اس رزق کو پچاتا ہے۔ جس سے جسم بڑھتا ہے خون پیدا ہوتا ہے رگوں میں دوڑتا ہے اور یہ سب بقائے حیات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جتنے بھی اسباب معاش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائے ہیں۔ ان سب سے شان ربوبیت اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ نئی نئی تحقیقات سے اجسام کے پلنے بڑھنے کے جو راز منکشف ہوئے ہیں انسانی عقل و شعور کے لیے بہت حیرت ناک ہیں۔ زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کو دیکھا جائے۔ طرح طرح کے غلے پھل اور میوے مختلف سبزیاں ترکاریاں وجود میں آرہی ہیں انسان اور جانوران کو کھاتے ہیں اور پرورش پاتے ہیں۔ جس کا جو رزق مقرر ہے وہ اس کو ضرور پہنچ کر رہتا ہے ایک براعظم کی پیدا شدہ چیزیں دوسرے براعظم کے لوگ کھا کر اور استعمال کر کے جی رہے ہیں۔

پالنے کے مفہوم میں صرف جسمانی، غذائیں ہی نہیں آتیں بلکہ ہر وہ چیز آجاتی ہے جو زندگی اور بقا کا ذریعہ ہو۔ اجسام کی پرورش کے ساتھ روح کی پرورش بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو زندگی کے لیے اصل چیز ہے اور جو معیشت کے آلات اور اسباب ہیں اور جو جسم کے اعضاء اور جوارح ہیں۔ یہ سب پرورش کا ذریعہ ہیں۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں رحم سے مشتق ہیں، بعض علماء کا قول ہے کہ دونوں کا ایک معنی ہے اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ

رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے چونکہ دونوں ہی مبالغہ کے صیغے ہیں۔ اس لیے ہر ایک کے ترجمہ میں معنی مبالغہ کا خیال رکھا جاتا ہے۔ الرَّحْمٰنِ اللہ پاک کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور رحیم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے۔ کما قال تبارک و تعالیٰ فی شان نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام (بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ)

اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے وہ ساری مخلوق پر رحم فرماتا ہے، سب کا وجود اور بقا آرام وسکون سب اسی کی رحمت سے ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

لفظ مالک ملک سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز پر ایسا قبضہ کہ وہ اس میں تصرف کرنے کی جائز قدرت رکھتا ہو (قاموس) لفظ دین کے معنی جزاء دینا۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ کا لفظی ترجمہ ہوا مالک روز جزاء کا یعنی روز جزاء میں ملکیت رکھنے والا وہ ملکیت کس چیز پر ہوگی؟ اس کا ذکر نہیں کیا گیا تفسیر کشاف میں ہے کہ اس میں اشارہ عموم کی طرف ہے یعنی روز جزاء میں تمام کائنات اور تمام امور کی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی۔ (کشاف)

روز جزاء کی حقیقت اور عقلاً اس کی ضرورت:

اب یہاں چند باتیں قابل غور ہیں:

اول یہ کہ روز جزا کس دن کا نام ہے، اور اس کی کیا حقیقت ہے" دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت تمام کائنات پر جس طرح روز جزا میں ہوگی ایسے ہی آج بھی ہے، پھر روز جزا کی کیا خصوصیت ہے؟ پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ روز جزاء اس دن کا نام ہے جس کو اللہ نے نیک و بد اعمال کا بدلہ دینے کے لیے مقرر فرمایا ہے، لفظ روز جزا سے ایک عظیم الشان فائدہ یہ حاصل ہوا کہ دنیا نیک و بد اعمال کی جزاء وسزا کی جگہ نہیں بلکہ دار العمل فرض ادا کرنے کا دفتر ہے تنخواہ یا صلہ وصول کرنے کی جگہ نہیں اس سے معلوم ہوگیا کہ دنیا میں کسی کو عیش وعشرت دولت وراحت سے مالا مال دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول ومحبوب ہے یا کسی کو رنج ومصیبت میں مبتلا پاکر یہ نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ اللہ کے نزدیک معتوب ومبغوض ہے جس طرح دنیا کے دفتروں اور کارخانوں میں کسی کو اپنا فرض ادا کرنے میں مصروف محنت دیکھا جائے تو کوئی عقلمند اس کو مصیبت زدہ نہیں کہتا اور نہ وہ خود اپنی مشقت کے باوجود اپنے آپ کو گرفتار مصیبت سمجھتا ہے بلکہ وہ اس محنت ومشقت کو اپنی سب سے بڑی کامیابی تصور کرتا ہے اور کوئی مہربان اس کو اس مشقت سے سبکدوش کرنا چاہے تو وہ اس کو اپنا بدترین دشمن خیال کرتا ہے کیونکہ وہ اس تیس روزہ محنت کے پس پردہ اس راحت کو دیکھ رہا ہے جو اس کو تنخواہ کی شکل میں ملنے والی ہے،

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

اس آیت میں ایک پہلو حمد وثناء کا اور دوسرا دعاء ودرخواست کا ہے، نَعْبُدُ عبادت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی کی انتہائی تعظیم ومحبت کی وجہ سے اس کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی اور فرمانبرداری کا اظہار نَسْتَعِيْنُ استعانت سے مشتق ہے، جس

کے معنی ہیں کسی سے مدد مانگنا آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں انسان پر تین حالات گذرتے ہیں ماضی، حال مستقبل، پچھلی تین آیتوں میں سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اور الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ میں انسان کو اس پر متنبہ کر دیا گیا وہ اپنے ماضی اور حال میں صرف اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے کہ اس کو ماضی میں نابود سے بود کیا اور اس کو تمام کائنات سے زیادہ بہترین شکل وصورت اور عقل وبصیرت عطا فرمائی اور حال میں اس کی پرورش اور تربیت کا سلسلہ جاری ہے اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ میں یہ بتادیا کہ مستقبل میں بھی وہ خدا ہی کا محتاج ہے، کہ روز جزاء میں اس کے سوا کسی کا مددگار نہیں ہوسکتا، اور جب ان تینوں آیتوں نے یہ واضح کر دیا کہ انسان اپنی زندگی کے تینوں دور میں خدا ہی کا محتاج ہے تو اس کا طبعی اور عقلی تقاضا یہ ہوا کہ عبادت بھی صرف اسی کی کی جائے کیونکہ عبادت جو انتہائی تعظیم ومحبت کے ساتھ اپنی انتہائی عاجزی اور تذلل کا نام ہے وہ کسی دوسری ہستی کے لائق نہیں اس کا نتیجہ لازمی یہ ہے کہ ایک عاقل انسان پکار اٹھے کہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اسی مقتضائے طبع کو اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں ظاہر فرمایا گیا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ حاجت روا صرف ایک ہی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے تو اقتضائے عقلی وطبعی یہ ہے کہ اپنے کاموں میں مدد بھی صرف اسی سے مانگنا چاہیے، اسی اقتضائے عقل وطبع کو وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ (روح البیان)

غرض اس چوتھی آیت میں ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے کہ عبادت واعانت کے لائق صرف وہی ہے اور دوسری حیثیت سے انسان کی دعا ودرخواست ہے کہ ہماری مدد فرمائے اور تیسری حیثیت اور بھی ہے کہ اس میں انسان کو تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور حقیقی طور پر اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا نہ سمجھے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے کسی نبی یا ولی وغیرہ کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اس کے منافی نہیں، اس آیت میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ارشاد یہ ہے کہ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں کسی کام میں مدد مانگتے ہیں اس کا ذکر نہیں۔ جمہور مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا ذکر نہ کرنے میں عموم کی طرف اشارہ ہے کہ ہم اپنی عبادت اور ہر دینی ودنیوی کام اور ہر مقصد میں صرف آپ کی مدد چاہتے ہیں پھر عبادت صرف نماز روزے کا نام نہیں امام غزالی نے اپنی کتاب اربعین میں عبادت کی دس قسمیں لکھی ہیں۔ ۱ نماز، ۲ زکوٰۃ، ۳ روزہ، ۴ حج، ۵ تلاوت قرآن، ۶ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا، ۷ حلال روزی کے لیے کوشش کرنا، ۸ پڑوسی اور ساتھی کے حقوق ادا کرنا، ۹ لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرنا اور برے کاموں سے منع کرنا، ۱۰ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اتباع کرنا، اس لیے عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کے معنے یہ ہو گئے کہ نہ کسی کی محبت اللہ تعالیٰ کے برابر ہو نہ کسی کا خوف اس کے برابر ہو نہ کسی سے امید اس کی طرح ہو نہ کسی پر بھروسہ اللہ کی مثل ہو نہ کسی کی اطاعت وخدمت اور کام کو اتنا ضروری سمجھے جتنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کو نہ اللہ تعالیٰ کی طرح کسی کی نذر اور منت مانے نہ اللہ تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کے سامنے اپنی مکمل عاجزی اور تذلل کا اظہار کرے نہ وہ افعال کسی دوسرے کے لیے کرے جو انتہائی تذلل کی علامات ہیں جیسے رکوع وسجدہ۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝

صراطِ مستقیم کی دعا:

راہِ حق کو دکھانا اور مطلوبِ حق تک پہنچانا یہ سب کچھ ہدایت کے مفہوم میں داخل ہے۔ مدد مانگنے کے ذیل میں جہاں اور باتیں ہیں وہاں ہدایت کی طلب بھی ہے اور درحقیقت ہدایت ہی مخلوق کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر سب کچھ موجود ہو اور بندہ ہدایت پر نہ ہو عقیدہ اور عمل سے گمراہ ہو تو دنیاوی چیزوں سے تھوڑا بہت فائدہ اٹھا کر عذاب دوزخ میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حقیقی نعمت ہدایت ہی ہوئی۔ لہٰذا یہ کہہ کر کہ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں فوراً ہدایت کا سوال کیا گیا۔ یعنی صحیح راستہ پر چلانے کی دعا کر لی گئی۔ صحیح راستہ کون سا ہے اس کی تعیین کے لیے (صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ) لایا گیا جس کی تفسیر ابھی آتی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ مؤمن ہیں قرآن کو مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں وہ تو ہدایت پر ہیں ہی ان لوگوں سے بار بار ہدایت کا سوال کیوں کرایا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت یافتہ ہوتے ہوئے ہدایت کی دعا کرنا موت تک ہدایت پر جمے رہنے اور ثابت قدم رہنے کا سوال ہے جیسا کہ دوسری آیت میں اہل ایمان کی دعا کا اس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔

(رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ) (اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو حق سے نہ ہٹا دیجیے بعد اس کے کہ آپ نے ہمیں ہدایت دی اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما دیجیے، بے شک آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں)

قال النسفی ای ثبتنا علی المنهاج الواضح کقولک للقائم قم حتی اعود الیک ای اثبت علی ما انت علیه أو اهدنا فی الاستقبال کما هدیتنا فی الحال۔ (مدارک التنزیل ص۷ ج۱)

(علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں: یعنی آپ ہمیں واضح شاہراہ پر ثابت قدم رکھیں۔ جیسے آپ کھڑے ہوئے کو کہیں قُمْ (کھڑا رہ) یہاں تک کہ میں تیرے پاس واپس آؤں یعنی جس طرح تم کھڑے ہو اسی طرح کھڑے رہو یا (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ) کا معنی ہے کہ یا اللہ! آپ ہمیں مستقبل میں بھی اسی طرح ہدایت سے مشرف رکھیں جس طرح حال میں ہدایت سے مشرف رکھا ہے۔)

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۧ

انعام یافتہ کون؟

اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ بندے کے اس قول پر اللہ کریم فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو کچھ وہ مانگے یہ آیت صراط مستقیم کی تفسیر ہے اور نحویوں کے نزدیک یہ اس سے بدل ہے اور عطف بیان بھی ہو سکتی ہے واللہ اعلم اور جن پر اللہ کا انعام ہوا ان کا بیان سورۃ نساء میں آ چکا ہے فرمان ہے: (وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا) (النساء: ۶۹) یعنی اللہ اور اس رسول ﷺ کے کہے پر عمل کرنے والے ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہے جو نبی، صدیق،

شہید، صالح لوگ ہیں، یہ بہترین ساتھی اور اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل ربانی ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ تو مجھے ان فرشتوں، نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت وعبادت کی وجہ سے انعام نازل فرمایا۔ یہ آیت ٹھیک: (ومن يطع الله) کی طرح ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں اس سے مراد انبیاء ہیں۔ ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں مومن ہیں۔ وکیع کہتے ہیں مسلمان۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ مراد ہیں۔ ابن عباس کا قول زیادہ معقول اور قابل تسلیم ہے واللہ اعلم۔ جمہور کی قرأت میں غیرے کے زیر کے ساتھ ہے اور صفت ہے۔ زمخشری کہتے ہیں رے کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمرؓ بن خطاب کی قرأت یہی ہے اور ابن کثیر سے بھی یہی روایت کی گئی ہے۔ عَلَيْهِمْ میں جو ضمیر ہے وہ اس کا ذوالحال ہے اور انعمت عامل ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ اللہ جل شانہ تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ جو ہدایت اور استقامت والے تھے اور اللہ رسول ﷺ کے اطاعت گزار، اس کے حکموں پر عمل کرنے والے، اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک رہنے والے تھے۔

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کون؟

ان کی راہ سے بچا، جن پر غضب وغصہ کیا گیا، جن کے ارادے فاسد ہوگئے، حق کو جان کر پھر اس سے ہٹ کر اور گم گشتہ راہ لوگوں کے طریقے سے بھی ہمیں بچالے جو سرے سے علم نہیں رکھتے مارے مارے پھرتے ہیں راہ سے بھٹکے ہوئے حیران و سرگرداں ہیں اور راہ حق کی طرف رہنمائی نہیں کیے جاتے کو دوبارہ لاکر کلام کی تاکید کرنا اس لیے ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں دو غلط راستے ہیں، ایک یہود کا دوسرا نصاریٰ کا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ غیر کا لفظ یہاں پر استثناء کے لیے ہے تو استثناء منقطع ہو سکتا ہے کیونکہ جن پر انعام کیا گیا ہے ان میں سے استثناء ہونا تو درست ہے۔ مگر یہ لوگ انعام والوں میں داخل ہی نہ تھے لیکن ہم نے جو تفسیر کی ہے یہ بہت اچھی ہے۔ عرب شاعروں کے شعر میں ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ موصوف کو حذف کر دیتے ہیں اور صرف صفت بیان کر دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی صفت کا بیان ہے اور موصوف محذوف ہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ سے مراد غیر صراط المغضوب ہے۔ مضاف الیہ کے ذکر سے کفایت کی گئی اور مضاف بیان نہ کیا گیا اس لیے کہ نشست الفاظ ہی اس پر دلالت کر رہی ہے۔ پہلے دو مرتبہ یہ لفظ آ چکا ہے۔ بعض کہتے ہیں: وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ میں لا زائد ہے اور ان کے نزدیک تقدیر کلام اس طرح ہے: (غير المغضوب عليهم و الضالين) اور اس کی شہادت عرب شاعروں کے شعر سے بھی ملتی ہے لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ سے آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ پڑھنا صحیح سند سے مروی ہے اور اسی طرح حضرت ابی بن کعب سے بھی روایت ہے اور یہ محمول ہے اس پر کہ ان بزرگوں سے یہ بطور تفسیر صادر ہوا۔ تو ہمارے قول کی تائید ہوئی کہ لا نفی کی تاکید کے لیے ہی لایا گیا ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ انعمت علیهم پر عطف ہے اور اس لیے بھی کہ دونوں راہوں کا فرق معلوم ہو جائے تاکہ ہر شخص ان دونوں سے بھی بچتا رہے۔ اہل ایمان کا طریقہ تو یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور حق پر عمل بھی ہو۔ یہودیوں کے ہاں علم نہیں اور نصاریٰ کے ہاں علم نہیں اسی لیے یہودیوں پر غضب ہوا اور

نصرانیوں کو گمراہی ملی۔ اس لیے کہ علم کے باوجود عمل کو چھوڑنا غضب کا سبب ہے اور نصرانی گو ایک چیز کا قصد کرنے کے باوجود صحیح راستہ کو نہیں پاسکتے اس لیے کہ ان کا طریقہ کار غلط ہے اور اتباع حق سے ہٹے ہوئے ہیں یوں تو غضب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ قرآن کریم میں ہے: مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ (المائدہ: ۶۰) اور نصرانی ضلالت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (المائدہ: ۷۷) یعنی یہ پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کی تائید میں بہت سی حدیثیں اور روایتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مسند احمد میں ہے۔ حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند لوگوں کو گرفتار کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو میری پھوپھی نے کہا میری خبر گیری کرنے والا غائب ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں جو کسی خدمت کے لائق نہیں آپ مجھ پر احسان کیجئے اور مجھے رہائی دیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر بھی احسان کرے گا۔ حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ تیری خیر خبر لینے والا کون ہے اس نے کہا عدی بن حاتم آپ نے فرمایا وہی جو اللہ اور رسول ﷺ سے بھاگتا پھرتا ہے؟ پھر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ جب لوٹ کر آپ آئے تو آپ کے ساتھ ایک شخص تھے اور غالباً وہ حضرت علیؓ تھے آپ نے فرمایا لو ان سے سواری مانگ لو۔ میری پھوپھی نے ان سے درخواست کی جو منظور ہوئی اور سواری مل گئی۔ وہ یہاں سے آزاد ہو کر میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ حضور ﷺ کی سخاوت نے تیرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی ماند کر دیا۔ آپ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ یہ سن کر میں بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ چھوٹے بچے اور بڑھیا عورتیں بھی آپ کی خدمت میں آتی جاتی ہیں اور آپ ان سے بھی بے تکلفی کے ساتھ بولتے ہیں۔ اس بات نے مجھے یقین دلا یا دیا کہ آپ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہت اور وجاہت کے طلب کرنے والے نہیں۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا عدی آیت (لا الٰہ الا اللہ) کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق ہے؟ آیت (اللہ اکبر) کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ کیا اللہ عزوجل سے بھی بڑا کوئی ہے؟ مجھ پر ان کلمات نے آپ کی سادگی اور بے تکلفی کا ایسا اثر کیا کہ میں فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ جس سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے: اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں اور آیت وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عدی کے سوال پر حضور ﷺ نے یہ تفسیر ارشاد فرمائی تھی۔ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ بنو قین کے ایک شخص نے وادی القریٰ میں حضور ﷺ سے یہی سوال کیا آپ نے جواب میں یہی فرمایا۔ بعض روایتوں میں ان کا نام عبداللہ ابن عمرو ہے واللہ اعلم۔ ابن مردویہ میں ابوذر سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت ابن مسعود اور بہت سے صحابیوں سے بھی یہ تفسیر منقول ہے۔ ربیع بن انس، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں بلکہ ابن ابی حاتم تو فرماتے ہیں مفسرین میں اس بارے میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ ان ائمہ کی اس تفسیر کی دلیل ایک تو وہ حدیث ہے جو پہلے گزری۔ دوسری سورۃ بقرہ کی یہ آیت جس میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا ہے: بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (البقرہ: ۹۰) اس آیت میں کہ اس پر غضب پر غضب نازل ہوا۔ اور سورۃ مائدہ کی آیت: قُلْ

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ (المائدہ: ۶۰) میں بھی ہے کہ ان پر غضب الٰہی نازل ہوا اور جگہ فرمان الٰہی ہے آیت (لعن الذین کفروا) یعنی بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی۔ داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانی یہ ان کی نافرمانی اور حد سے گزر جانے کی وجہ سے ہے۔ یہ لوگ کسی برائی کے کام سے آپس میں روک ٹوک نہیں کرتے تھے یقیناً ان کے کام بہت برے تھے اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل جبکہ دین خالص کی تلاش میں اپنے ساتھیوں سمیت نکلے اور ملک شام میں آئے تو ان سے یہودیوں نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں تب تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک غضب الٰہی کا ایک حصہ نہ پالو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے بچنے کے لیے تو دین حق کی تلاش میں نکلے ہیں پھر اسے کیسے قبول کرلیں؟ پھر نصرانیوں سے ملے انہوں نے کہا جب تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مزانہ چکھ لو تب تک آپ ہمارے دین میں نہیں آسکتے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں کرسکتے چنانچہ وہ اپنی فطرت پر ہی رہے۔ بتوں کی عبادت اور قوم کا دین چھوڑ دیا لیکن یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی۔ البتہ زید کے ساتھیوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔ اس لیے کہ یہودیوں کے مذہب سے یہ ملتا جلتا تھا۔ انہی میں حضرت ورقہ بن نوفل تھے انہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا زمانہ ملا اور ہدایت الٰہی نے ان کی رہبری کی اور یہ حضور ﷺ پر ایمان لائے اور جو وحی اس وقت تک اتری تھی اس کی تصدیق کی۔

آمین:

سورۂ فاتحہ کے ختم پر نماز میں اور خارج از نماز آمین کہنا مسنون ہے اور اس کے علاوہ بھی جو دعاء کی جائے اس کے آخر میں آمین کہا جائے۔ احادیث شریفہ میں اس کی فضیلت اور ترغیب وارد ہوئی ہے۔ آمین کا معنی ہے کہ اے اللہ قبول فرما۔ ایک مرتبہ دعا کی پھر دعا کی قبولیت کی دعا کی یہ مل کر گویا دو مرتبہ دعا ہو جاتی ہے۔

معالم التنزیل ص ۲ ٤ ج ۱ میں لکھا ہے کہ (وَلَا الضَّآلِّيْنَ) کے بعد ذرا ٹھہر کر آمین کہے (تا کہ سورۃ فاتحہ کا جزو ہونے کا ایہام نہ ہو۔)

چونکہ آمین قرآن مجید کا جزو نہیں ہے اس لیے قرآن مجید میں لکھا نہیں جاتا لیکن پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تمہاری کسی چیز پر اتنا حسد نہ کیا جتنا آمین کہنے پر حسد کیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تم سے تین چیزوں پر حسد کیا ہے۔ (۱) سلام کو پھیلانا (۲) نماز میں صفیں قائم کرنا (۳) آمین کہنا (یہ روایات درمنثور میں نقل کی گئی ہیں۔)

فائدہ: بعض غیر مسلموں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اپنی تعریف خود کرنا ٹھیک نہیں ہے پھر خدائے تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کیوں کی؟ اس کا ایک جواب مفسرین کے اس قول سے نکل سکتا ہے کہ یہ مضمون بندوں کی زبانی ادا کرایا گیا ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے پہلے قُوْلُوْا (صیغہ امر) مقدر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ یوں کہو اور چونکہ بندہ کی زبانی اول کی تین آیات ادا کرائی گئی ہیں اس لیے (اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝) بھی اول کی تین آیات کے ساتھ اس صورت میں مضمون واحد ہو کر مسلسل ہو جائے گا۔ لیکن یہ جواب جزوی طور پر سورۃ فاتحہ کے بارے میں ہو سکتا ہے، قرآن شریف میں جگہ جگہ اللہ

پاک کی حمد بیان کی گئی ہے اور حدیث شریف میں صاف اس طرح آیا ہے کہ: لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ (اے اللہ میں ایسی تعریف تیری بیان نہیں کرسکتا ہوں جیسی تو نے اپنی تعریف بیان کی ہے) اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف بیان کرتے ہیں۔ پس غیر مسلموں کے سوال مذکورہ کا ایسا ٹھیک کلی جواب جو ہر موقعہ پر جواب بن سکے یہ ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ بلاشبہ مخلوق کے لیے خودستائی بری بات ہے لیکن خالق اگر اپنی تعریف کرے تو یہ کوئی بے جا نہیں ہے، بلکہ صحیح اور درست ہے۔ اوّل اس پر غور کرنا چاہیے کہ خودستائی بری چیز کیوں ہے؟ اس کی وجہ غور کرنے اور اہل عقل و دانش کے بتانے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خودستائی سے عجب (خود پسندی) اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور خالق کمالات رب العالمین جل مجدہٗ سے غفلت ہوجاتی ہے اور انسان کا ذہن خالق کی حمد اور خالق کے کمالات سے ہٹ کر خود اپنی ذات میں الجھ جاتا ہے، اور رب العلمین خالق کل شئی اپنی خود تعریف کرے تو یہ کسی خرابی کا باعث نہیں ہے۔ اللہ پاک سے اوپر کوئی نہیں ہے اور وہ ایسا بڑا ہے کہ سب کی بڑائیاں اس کے سامنے ہیچ ہیں اور ہر بڑے کو اس نے بڑائی دی ہے لفظ تکبر میں تکلف کے معنی پوشیدہ ہیں یعنی جو بڑا نہیں وہ بڑا ہے اس کو تکبر کہتے ہیں۔ اللہ پاک کی بڑائی کامل ہے تکلف سے نہیں ہے۔ وہ سب کا خالق ہے اس کا کوئی خالق نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو اپنی تعریف کا پورا پورا حق ہے۔ اگر وہ اپنی تعریف کرے تو یہ لازم نہیں آتا کہ جو بڑا نہیں اس نے بڑائی کا دعویٰ کیا اور یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اپنے خالق کو چھوڑ کر اپنی تعریف میں مشغول ہو۔ فللّٰہ الحمد اولا و آخر اوظاھرًا و باطنًا اللّٰھم لك الحمد لا احصٰی ثناء علیك انت كما اثنیت علٰی نفسك۔

سورۃ فاتحہ شفا ہے:

سورہ فاتحہ کا ایک نام شافیہ (یعنی شفا دینے والی ہے) بھی ہے اس کے مضامین جس طرح مؤمن موحد کے لیے باطنی اور روحانی شفاء کا باعث ہیں۔ اسی طرح اس کے الفاظ جسمانی امراض و تکالیف اور دکھ درد کے لیے شفا بن جاتے ہیں۔ حضرت سائب بن یزیدؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے مرض سے نجات دلانے کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھ کر مجھ پر دم کرتے ہوئے تھتکار دیا، حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب زہر کے لیے شفا ہے۔ حضرت عبدالملک بن عمیر نے (مرسلاً) روایت کی ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ (یہ سب روایات درمنثور میں ہیں)

حصن حصین میں (ابوداؤد اور نسائی سے نقل کیا) ہے کہ جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو تین روز صبح شام سورۃ فاتحہ کے ذریعہ جھاڑا جاوے (جھاڑنے والا) سورۃ فاتحہ کو پوری پڑھ کر اپنا تھوک (منہ) میں جمع کر کے تھتکار دے اور ترمذی شریف سے نقل کیا ہے کہ جس کو سانپ، بچھو ڈس لے سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر جھاڑا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ (سفر میں) ایک تالاب پر گزرے۔ وہاں ایک آدمی کو بچھو نے ڈس لیا تھا۔ وہاں جو قبیلہ مقیم تھا۔ ان میں سے ایک آدمی ان حضرات کے پاس آیا اور اس نے کہا کیا تم میں کوئی شخص جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔ یہ سن کر ان حضرات میں سے ایک صاحب چلے گئے اور انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم

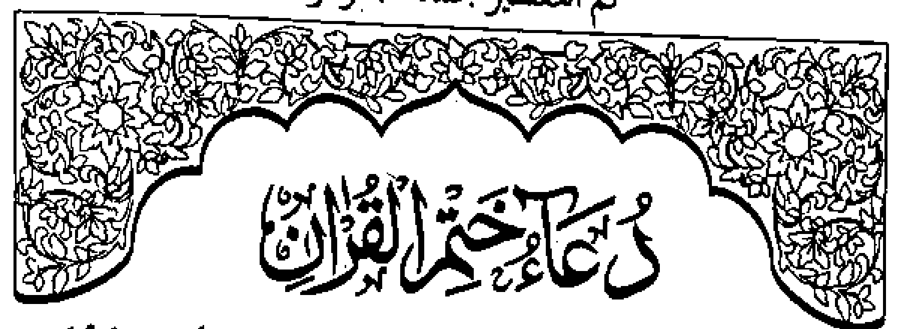
کر دیا اور کچھ بکریاں لینے کی شرط لگالی۔ وہ شخص اچھا ہو گیا اور یہ بکریاں لے کر اپنے رفقاء کے پاس آ گئے۔ انہوں نے ان بکریوں کا لینا اچھا نہ جانا اور کہنے لگے کہ تم نے اللہ کی کتاب پر اجرت لے لی۔ جب کہ مدینہ منورہ میں واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ انہوں نے کتاب اللہ پر اجرت لی۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ کتاب اللہ ان سب چیزوں میں اجرت لینے کے لیے زیادہ احق ہے۔ جن پر تم اجرت لیتے ہو۔ (صحیح بخاری ص ۸۵۴ ج ۲)

اس حدیث کی وجہ سے جھاڑ پھونک کی اجرت لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ کلام صحیح ہو، شرکیہ کلام نہ ہو۔

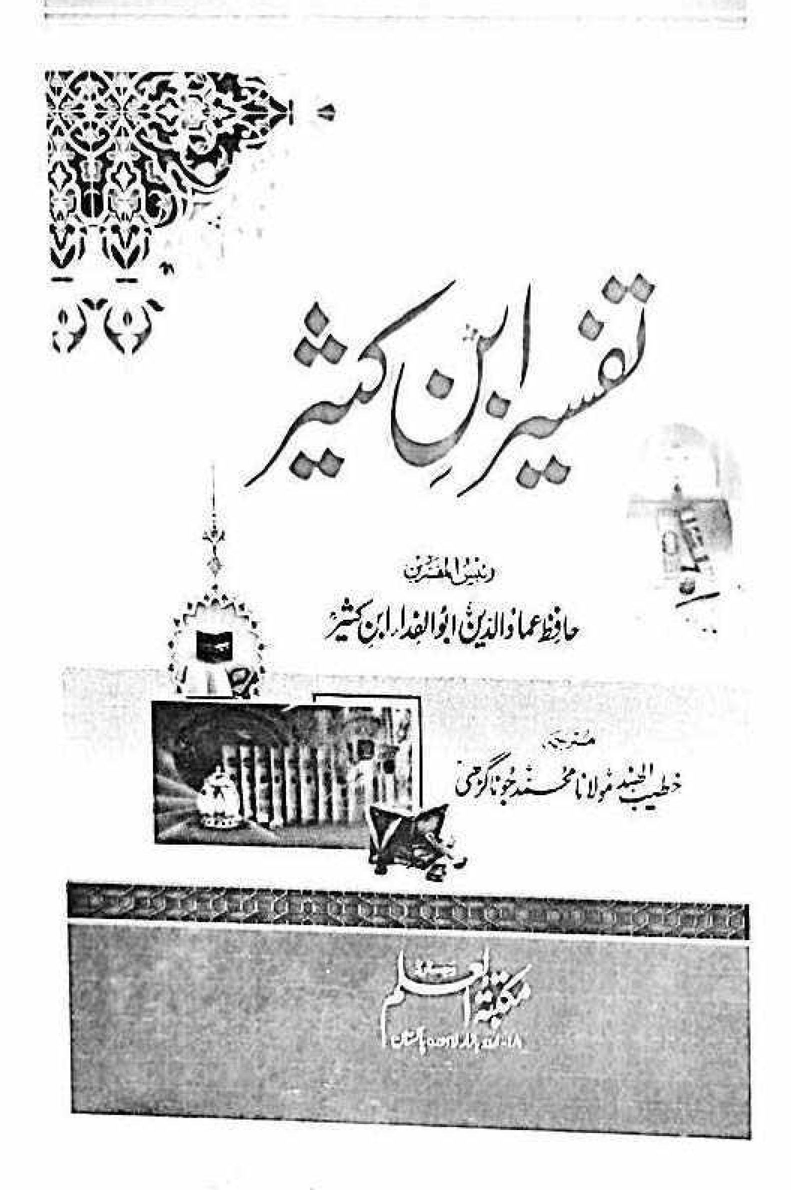
رات کو حفاظت کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو نے بستر پر اپنا پہلو رکھا اور فاتحۃ الکتاب اور سورۂ اخلاص پڑھ لی تو موت کے سوا ہر چیز سے تجھے امان مل گئی ہے۔ (درمنثور)

تم التفسير بحمد الله وعونه



اللّٰهُمَّ آنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِيْ إِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ آمِيْنَ



مکتبۃ العلم
۱۸- اردو بازار لاہور ۔ پاکستان
37231788-37211788